

مکمل شاہ طغی

اور

ان کا عہد

m. Jamil Ahmad

۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب کی

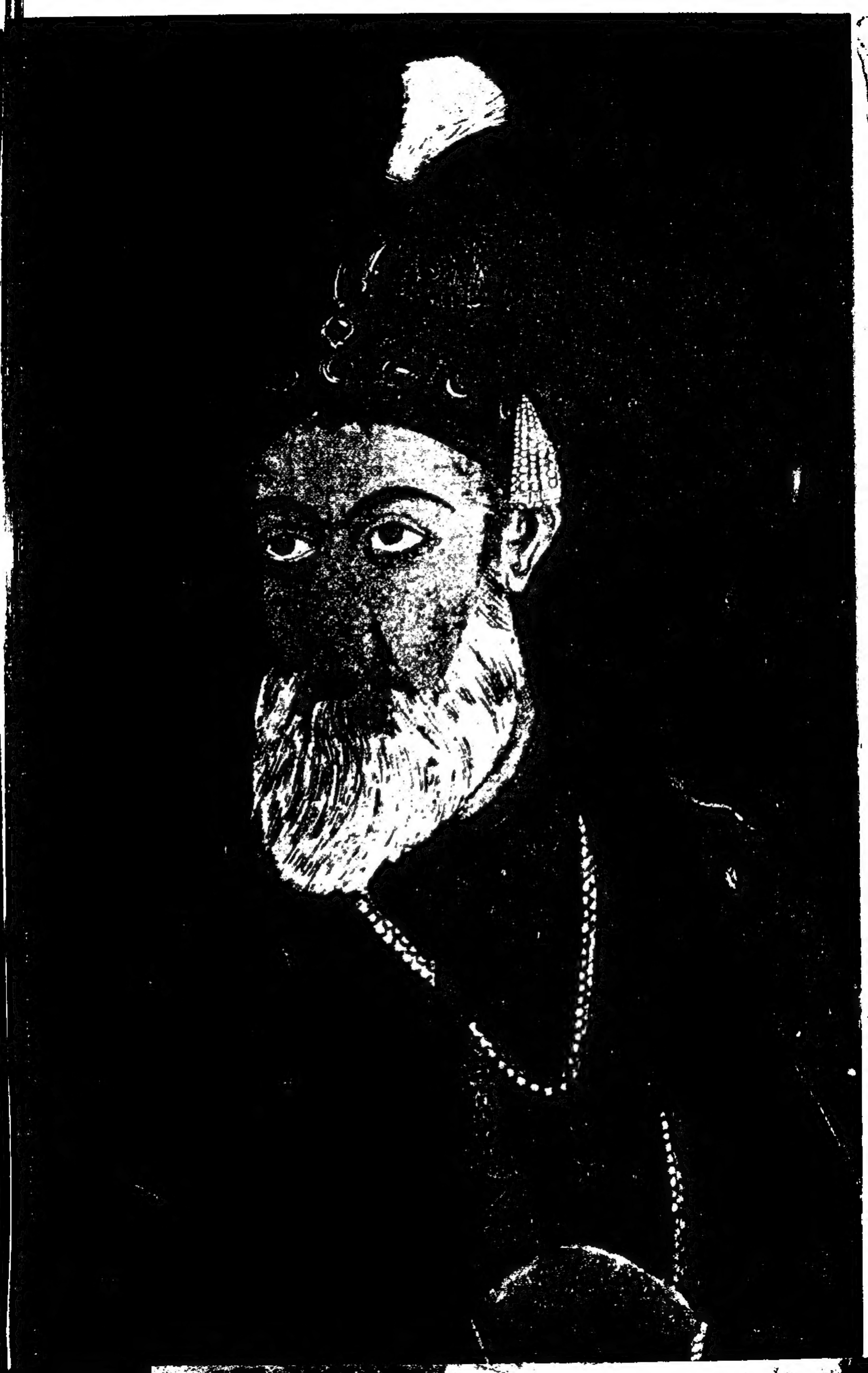
مفصل، مکمل اور مستند تاریخ

تالیف

(سید) رئیس احمد جعفری (ہندوی)

کتاب منزل الہی















بہادر شاہ ظفر

اور

اُن کا عہد

۱۸۵۷ء کی عالم آفتاب تحریک انقلاب کی  
مستند اور مکمل مفصل تاریخ

از

پیش احمد جعفری (نڈی)

کتاب منزل

کشمیری بازار، لاہور



58908



## فہرست تصاویر

- ۱۔ بہادر شاہ — سرنگی تصویر
- ۲۔ زینت محل — سرنگی تصویر
- ۳۔ بہادر شاہ کا دم واپس
- ۴۔ شہزادہ شغل باغی افواج کا سپہ سالار
- ۵۔ بہادر شاہ تخت حکومت پر
- ۶۔ تیموری دربار کی آخری جھلک
- ۷۔ شہزادہ جوان بخت — سرنگی تصویر
- ۸۔ بہادر شاہ
- ۹۔ زینت شاہ
- ۱۰۔ زینت محل جدو جہد کی حالت میں
- ۱۱۔ حمید آباد دکن کی ریڈ ٹینسی
- ۱۲۔ دہلی کا کشمیری دروازہ جہاں غوریز لڑائی ہوئی۔
- ۱۳۔ بہادر شاہ کا عکسی تحریر



اجملہ حقوق نقل و ترجمہ محفوظ

رئیس احمد جعفری	_____	مرتبہ
شیخ نیاز احمد	_____	طابع
علمی پرنٹنگ پریس لاہور	_____	مطبع
کتاب منزل لاہور	_____	ناشر
پہلی	_____	اشاعت

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۹۲



# فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سیاسی حالات		باب
	بسکھ	۵۱	تقدیم
	مرہٹے		باب
	جاٹ		افتتاحیہ
	روہیلے	۵۴	غدر سے پہلے کے تمدنی تہذیبی
	بیرونی حملے		اور معاشی حالات -
	انگریزوں کا تسلط		وہ کہنے جام شریعت در کہنے
	نادر شاہ کا نادرہی سلسلہ		سندان عشق
	مرہٹے رخصت ہوتے ہیں		دھوپ چھاؤں کا شہر
	انگریز آتے ہیں		معاشی اور مالی حالت
	انگریز کھیل کھیلے		ہندو مسلم تعلقات
	داس کماری سے در و خمیر		
	یہ		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	مرغان صحرائی کا شکار سلوٹو		بہادر شاہ کی درگت فاقد مست شہزادوں کی شورش
	خانہانی پریشانی بہادر شاہ کا نشانہ	۸۰	باب بہادر شاہ
	عید بقر عید کا تہوار رستم تاجپوشی ہرند و تہوار		بادشاہ کا علیہ ہر صفت موصوف فن سپاہ گری تیر و شمشیر فن شہسوار می خطاط اور خوشنویس خط نسخ میں مہارت تامہ نازک مزاجی تفریح اور دلچسپی کے سامان بلبل ہزارستان ناکہ کا شکار
	دوسرہ دیوالی ہولی ہرند مسلمانوں کی دعا انگریزوں کی شرارت اور سازش شفیق باب اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے		نیت نئی ایجادیں رعایا کا خیال بادشاہ کے خطابات غریب پرورد بادشاہ بہادر شاہ کے معمولات
	کارخانہ جات بادشاہی یہ بہادر شاہ سب ار مغز بھی تھا بادشاہ کی حیثیت		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>نئے دنا داروں کا ہجوم صرف برائے بیت یاد شاہ کی اندرونی حالت یہ تھی مجبور بادشاہ بادشاہ کا سکہ یہ تھا بے بسی کا نقشہ حالات کا قدرتی نتیجہ مرزا الہی بخش اور بہادر شاہ رجب علی مخبروں کا سربراہ پڑسن بادشاہ کو گرفتار کرنے جاتا ہے شہزادوں کو گولی مار دی گئی بہادر شاہ قید کر لئے گئے شہزادے کس طرح قید ہوئے جلاد طینی کی سزا یاد آنے لگی تھیں میری نا میرے بعد چیف کشتہ بادشاہ کو سزا دیتا ہے</p>		<p>حسن سلوک مقرب بارگاہ دشمن بہادر شاہ خوش طبع تھے تصرفات باطنی رحمدل بادشاہ عوام کی گردیدگی داد و بخش بدل و عطا ہر بانوں کا دریا فکر مند بادشاہ بادشاہ کی سواری بیتا بازار بہادر شاہ کا دسترخوان بہادر شاہ کی صحت غدر شروع ہو گیا پس منظر بہادر شاہ نے کوئی ظلم نہیں کیا بہادر شاہ کا دربار اورنگ شاہی</p>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	اور خوش عقیدگی		کلکتہ کی طرٹ بھاگی انگریز ڈرتے تھے جاتے ہیں تیرے کوچہ سے قاتل خفا نہ ہو۔ داجد علی شاہ سے ملاقات قید فرنگ اور وفات غربت کہہ رنگون کے اشعار مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور وفا دار بیوی دو جو ٹوٹی قبر کا تعان شاہ سے ٹھکروں سے اڑا دیا۔ تاریخ وفات رنگون کے حالات رنگون میں طفر کی صحت تنبہوری خصائل تبرک
	آخری چہار شنبہ حضرت علی کا دسترخوان حضرت علی اور امام حسین سے عقیدت فاشورہ خوش پاک کی نیاز حافظ محمد علی خیر آبادی سے ارادت و عقیدت درگاہوں سے ارادت و عقیدت ہمدی کی مشالیت عرس کا اہتمام، درگاہوں کے موسلین کی خبر گیری حضرت کا لے صاحب کا لے صاحب سے عقیدت کا لے صاحب کی شادی عرس کے مصارف درویش کی خدمت		باب بہادر شاہ کی مذہبیت و بیداری ۱۲۸



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>سے ذوق پر العامت کی بھرمار بادشاہ کی فریاد بخشش و عطا درویش بادشاہ تنخواہوں کی منکر عوام کی تکلیف کا خیال مالی حالت بھولا بادشاہ خوش نویں کو صلہ خرچ، خرچ، خرچ مصارف ہی مصارف حجام کی عسرت افزائی شاہی ٹھاٹھ</p>		<p>پیر کی خدمت میں تدرانہ فقیر بادشاہ حقائق و معرفت کے دفتر مرشد کی خدمت پیر و مرشد خوفِ خدا خرقہ پیری و تاج خسروی بادشاہ کے مصارف اور ۱۵۶ مالی حالت مقررین لیکن لکھ لٹ منفسی اور دیادلی سوج گرجن اور خیرات نہ پاشا بادشاہ پھر قرض قرض لے کر مدد کی بادشاہ کی مالی حالت بخشش، عطا، کرم ہائے یہ حوصلے منفس بادشاہ</p>
۱۶۸	<p>بہادر شاہ کا برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ ستی کی رسم ہرنیر کا شاہ ہندو رسم تعلقات بہادر شاہ کا رویہ</p>		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	دیہی سنگھ کی دل دہری سلوک شامانہ ہندوؤں پر نظر عنایت ہندو کی وجہ سے جرمانہ اور عتاب مدن گوپال دیوالی کی تعطیل خلعت سوداگری لالہ شوقی رام وکیل کی قدر افزائی ہندو مسلم ملاپ		ہندو کی عقیدت ہندو کو خلعت دیا بہشت سے واپسی بہادر شاہ اور ہولی بھولانا تھک کو خلعت ہندو کا صبح ہندو کے لیے سہرا دیوالی کی روشنی لالہ ٹھاکر داس دیہی سنگھ پر عتاب دفتر خاں کا ہندو محرم ہندو بیوہ کی ماتم پرپی انتہائی اہتمام نہتوں کے بیٹے گینڈا مل متصدی ہیرالال وکیل ٹھاکر داس امین کنڈا کا لقب ہندو شاہی کے انتظامات بھولانا تھک کو انعام
۱۸۲	بہادر شاہ اور انگریز ذاتی معاملات میں فرنگی مداخلت بہادر شاہ اور انگریز حاکم بہادر شاہ سے کیفیت طلب کی گئی ایجنٹ کا اعتراض ما تھی کے دانت بہادر شاہ اور فرنگی شکوہ و شکایت		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	خلافتِ شان اختصاصِ بادشاہ انگریز ایجنٹ کی آمد قلعہ میں ہر کام ایجنٹ کے مشورہ سے انگریز کا ادب انگریز کی تعریف ملکہ کو چھوٹی بہن نہ لکھئے حسرتِ دیرینہ رتی رتی کی خبر انگریز کو بادشاہ کا جواب ہو گئے بہادر شاہ کی تذلیل ولیعہدی کی کشمکش نئے ولی عہد کا جلوس خاندانی جھگڑا خاندانی کشمکش ایجنٹ کی شرارت نیا ولی عہد سازِ شر ملکہ وکٹوریہ کے نام خط		انگریز تعظیمِ شہری کے متشہی تھے ہر بات کی ایجنٹ کو اطلاع آپ بادشاہ نہیں ہیں، سوال و جواب اطمینان سے مرنے کی جی جرات نہیں؟ کیا امیر ہی ہے کیا دانی ہے ایجنٹ کی باز پرس بادشاہ سے بادشاہ غالب کو رہانہ کر اسکا انگریز ایجنٹ کے شرائط بادشاہ سے گستاخی بہادر شاہ اور انگریز کی فرعونیت بناوٹ اور تصنع شہری گزٹ خلافتِ قانون خود داری انگریز سے سپین ونا بادشاہ کی سبکی ”فرزندِ ارحمبند“

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۱	<p>جوان بخت کے خلافت و اندازیاں          لارڈ کیننگ کی بدائیتیں          امرائے ہند کے ساتھ انگریزوں          کا برتاؤ          ملاقات کی فرصت نہیں          ایجنٹ بہادر کی فرعونیت          "صاحب" کی عدم الفرستی          قمار باز کی سفارش          مجسٹریٹ کے اختیارات          زبردست مارے اور رونے          نہ دے۔          مسلمانوں سے میل جول کی سزا          الود اور تجارت          شمس الامرا کی موقوفی          نواب شمس الدین کا قتل          ترکہ منقولہ و غیر منقولہ          فریڈ کی شرارت          فریڈ کا قتل</p>		<p>جوان بخت کا جلوہ کس          شرط دلی عہد کی          کشمکش و لی عہد کی تاریخ اور          پس منظر          بادشاہ مگر بادشاہ نہیں          رفتہ رفتہ بادشاہ کی          وقعت گھٹتی ہے          فرنگی استیلا اور استعلا          بہادر شاہ کی دلی عہد کی          اور بادشاہت          نذر بند کردی گئی          دار البخت کا انتقال          مرزا فخر و          قلعہ خالی کرنے کی تجویز          مخالفت اور التوا          بہادر شاہ کی ناراضگی          صلاح و مشورہ          تدبیریں اور سازشیں          اہل شہر پر سراسیمگی کی          کیفیت</p>





صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	محدث دہلوی		شاہ عبدالغنی
	شاہ صاحب کا قلعہ سے تھیم		شاہ نداد حسین
	مولانا فضل امام خیر آبادی		مولانا محمد حیات
	مولانا شاہ اسماعیل		حاجی علاؤ الدین
	مولانا نواب قطب الدین خاں		حضرت سید احمد صاحب
	بادشاہ کی طرف سے خلعت		تدکس سر
	جامع محقول و منقول		شاہ محمد اسحاق
	مولانا قطب الدین کا طرزِ آثار		محمیت اور ستغراق
	مولانا فضل حق خیر آبادی		گاؤں ضبط ہونے کی خوشی
	علامہ فضل حق کے دو واقعے		حدیث و تفسیر میں یگانہ
	زندگی کا انتخاب		پادری سے مناظرہ
	مولانا امام بخش صہبائی		حضرت کالے صاحب
	صہبائی کی وضع قطع		ادلاد
	صہبائی کا فضل و کمال		کالے صاحب
	ذکار اللہ کے تاثرات		سرسید کا بیان
	مولانا عبدالحی		عبد بہادر شاہ کے علماء
	صہبائی کا پایہ کمال	۲۹۴	شاہ عبدالعزیز دہلوی
	رب کے زیادہ ماضی		خاندان کے خدمات جلیلہ
	صہبائی کی شہادت		شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ
	صہبائی کا مرثیہ		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	آزادہ کی شاعری دور استلا غیر مطبوعہ خط غالب اور آزادہ کی دوستی غالب نے آزادہ کی مخالفت کی آزادہ کا ایک اور خط میاں تذیر حسین صاحب محدث دہلوی فقہ و حدیث میں مہارت سرسید کی تحریک خدماتِ غدر شاہ محمد مخصوص اللہ شاہ محمد یعقوب حلاجی مولوی احمد علی محدث سہارنپوری شاہ ابوالسعید صفی القدر بن عبدالعزیز بن محمد عیسیٰ محدث دہلوی عہد بہادر شاہ کے شعراء خواجہ غلام غوث بیخبر شیخ محمد ابراہیم ذوق		شہادت کی حسرت مولانا عسکری کی وفات مولانا کا حلم و وقار شاہ عسکری کے خصائص مولانا محمد اکرام اللہ محدث دہلوی الحمد شاہ محمد اسحاق حلاجی مولانا مملوک العلی عالم بے بدل اور مفتی بے مثل مفتی صدر الدین خاں آزادہ آزادہ اور ان کے خصوصیات بادشاہ سے عقیدت دیانت دار انصاف پسند نیک نام زیارتِ رسول ذہانت و فراست حکومت کے خیر خواہ بادشاہی عقیدت شاہ عبدالغنی کمالِ علم و ذوقِ شعر آزادہ کی نثر کا نمونہ مفتی صاحب کا مکان
۲۶۳			

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	مرض الموت اور وفات		ذوق کا طیبہ اور وضع
	نمونہ کلام		ذوق اور شاہ عبد العزیز
	ایک چھوٹی سی مسلسل غزل		ذوق کی خدمت زبان
	راقم الدولہ ظمیر		انداز کلام
	نمونہ کلام		ذوق کی ظرافت
	حکیم آغا جان علیش		ذوق کی وفات
	مرزا غالب		ذوق کا مزار
	غالب بہ قلم خود		نمونہ کلام
	غالب کی تصویر		مسلسل کلام کا نمونہ اور اس کی
	شادی اور ارہمی زندگی		روانی بھی دیکھ لیجئے
	موجودہ انتخاب دیوان		قرآن علی بیگ ساکک
	غالب		نمونہ کلام
	مرزا خالقاہ تصوف میں		ساکک پر تبصرہ
	غالب اور حبیب علی بیگ		نواب مصطفیٰ خان شتیفہ
	سرور		ولادت و خاندانی حالات
	غالب کا مکان		تعلیم و استعداد
	غالب کے لطیفے		تصنیف و تالیف
	جواب لاجواب		گلشن بے خار
	آدھا سلمان		اخلاق و عادات
	مرزا کی پیش		شتیفہ کی جامہ زیبی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سخن و ادب شاعر		دلچسپ حیات
	استادانہ کمال		ایک اور مذاق
	مومن کی تار بخین		مرزا غالب اور سرسید
	سکینہ کی رائے		مرزا غالب کی شوخی اور بذلہ
	جذبہ جہاد		سبھی
	نمونہ کلام		غالب کا مقابلہ اپنے معاصرین
	میر مہدی محمد قریح		شعر اسے .
	میر نظام الدین جمنون		غالب کے شاگرد
	نمونہ کلام		شوق شراب
	ضیاء الدین خان نیر خشاں		نمونہ اشعار و نچتہ
	شبلی کامر شیبہ		مرزا غالب کا مزاج (۱۸۶۹ء)
	نمونہ کلام		حکیم مومن خاں
	پندت نرائن داس ضمیر		مومن خاں کا خاندان
	نمونہ کلام (فارسی)		ایک نقاد کی رائے
	بدد الشعر ارم		مومن کی حیات و معاشقہ
۴۳۷	عہد بہادر شاہ کے اطباء		مومن خاں کی سچ و صبح
	حکیم احسن اللہ خاں		اختر شناس شاعر
	خاندانی حالات اور کوائف		مومن خاں کی قابلیت
	ملازمت کا آغاز		مومن کے استاد اور شاگرد
			مومن ترغیم سے پڑھتے تھے .



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	دیانت و امانت غدر کے زمانہ کے خدمات معجزانہ علاج ایک اور معرکہ اور علاج ہمدردی خلق حسن سلوک محمود خاں اور نذیر احمد تشخیص مرض اور قیافہ شناسی ایک مجذوب سے عقیدت حالی کا مرثیہ محسن		لال قلعہ سے تعلق بہادر شاہ کی بارگاہ میں عمارات کا شوق حکیم غلام نجف خان انگریزی ملازمت حکیم عصفیہ الدولہ حکیم حسن بخش خاں حکیم آغا جان عیش حکیم رستم علی خاں حکیم نصر اللہ خاں خاندان شرفی خاندان شرفی کے مورث اعلیٰ حکیم واصل خاں اول حکیم اکمل خاں حکیم شریف خاں حکیم صادق علی خاں حکیم محمود خاں حکیم محمود خاں اعظم علم و فضل غیور اور دردمند طبیب
۴۶۶	عہد بہادر شاہ کے بہرور اور فنکار پنچہ کش محمد جان صاحب مرحوم معذور حافظ گلو خاں صاحب معذور میرام الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ پنڈت شنکر ناتھ بد الدین علی خاں ہرکن مولوی حیات علی صاحب معذور		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سراج الاخبار تجربہ دہی کریم الاخبار دری گزٹ صد الاخبار احسن الاخبار محبوب ہند اخبارات کی فہرست بہادر شاہ کے عہد میں علمی و ادبی ترقیاں ایک نمونہ علمی ترجمہ کے اصول اور ضوابط آسان اصول کیمسٹری کی اصلاحات سوسائٹی کے ترجموں اور تالیفات کی فہرست چند اور تراجم علوم و فنون کچھ اور کتابیں		میر ناصر احمد رحیم مدین ستار زن ہمت خاں گلاب سنگھ کچھاؤچی نظام خاں قائم خاں بہادر خاں ستار زن راگ رس خاں میرزا شاہ رخ بیگ کچھاؤچی فیض علی خاں محمد عالم غلام علی خاں میر کاظم علی نرائن داس عہد بہادر شاہ کے اخبارات اُدو کا پہلا اخبار اور مطابع کی کثرت ستید الاخبار

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰۸	مستر ٹیلر کے خدمات دلی کالج کے مایہ ناز اساتذہ ذکاواللہ کا بیان مولانا حالی کے تاثرات	۵۰۸	دلی کالج ۱۸۲۹ء کی رپورٹ وزیر اودھ کا عطیہ وصیت نامہ اس زمانے کی دلی اردو زبان کی ترقی لارڈ بینٹنک کی تجویز مستر کارگل کی رپورٹ کالج کا معیار تعلیم ۱۸۴۸ء کا امتحان ۱۸۴۹-۵۰ء ۱۸۵۳ء کی رپورٹ تعلیمی تعداد طلبہ بحیثیت تعلیم زبان تعداد طلبہ بلحاظ مذہب غدر کے بعد کالج ۱۸۶۴ء میں از سر نو جاری ہوتا ہے کالج کی عمارت
۵۲۴	عہد بہادر شاہ کے چند ہندو مصنف سدا سکھ لال مارٹر رام چندر پنڈت موتی لال بستی دہلوی پنڈت من چھول مارٹر پیاسے لال	۵۲۴	عہد بہادر شاہ کی نئی پود مستر سید احمد خاں مستر سید کے والد اور تانا شہری دربار سے خطاب تیراک اور تیر انداز حکیم حسن اللہ اور مسر سید



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	ذکار اللہ کی ابتدائی زندگی نہجین اور قابل طالب علم خوش طبعی غدد کے زمانہ میں مصیبتوں کا دور اولاد سے محبت مولانا عبدالحی خیر آبادی کا شائع علم و فضل ڈپٹی نذیر احمد ڈاکٹر نذیر احمد کا دلی کالج میں داخلہ شادی اور اہلی زندگی شادی کی کیفیت ذکار اللہ کا ذکر نذیر احمد خطیب کی حیثیت سے نموداری دیانت داری نذیر احمد کی دیانت طرز تحریر وفات محمد حسین آزاد اولی خدمات		غدد میں سرسید کی خدمات خدمات غدد کا صلہ غدد کے بعد شانداز اور ناقابل فراموش خدمات سرسید کی وفات گورنر سے اختلاف سرسید کی جرات اخلاقی کشنر میرٹھ اور سرسید سرسید کا کردار سرسید کی جرات و صداقت سرسید کا ایثار و استغنا اور بے لوثی رسالہ اسباب بغاوت ہند ڈاکٹر منظر کو جواب سرسید اور اردو زبان سمیع اللہ خاں حالات و سوانح مولانا ذکار اللہ خاندان اور ولادت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سید احمد کا طرز تحریر		آزاد کی شاعری
	سید احمد پر تبصرہ		تصانیف متلوم
	خواجہ امان دہلوی مصنف		آزاد کا تدبیر و جدید رنگ
	بوستان خیال		جنون اور وفات
	نستیم دہلوی		پروہ خسار غنم
	طرز کلام		خواجہ الطاف حسین حالی
	نواب مرزا داغ		دلی کا سفر
	داغ کا حلیہ		شوق مطالعہ
	داغ کا انداز حیات		غالب سے تعلقات
	ایک یادگار شاعرہ		فکر معاش
	داغ کی شاعری		تصنیف و تالیف
	فیض الملک نواب مرزا داغ		حیدر آباد سے امداد
	کی صحبت میں تین گھنٹے		مولانا حالی کی ظرافت
	نمونہ کلام		مولوی سید احمد دہلوی (مولف)
	تم نے لوٹی کشتِ برہمان		فرہنگ آصفیہ
۶۰۹	تم نے چھینے تخت و تاج		ہمارا حجبہ الود کا سفر نامہ
	پیشوا کا حشر		سرکار سے خطاب
	پنشن کا فیصلہ		فرہنگ آصفیہ
			فرہنگ آصفیہ کی قدر و قیمت
			نور اللغات اور فرہنگ آصفیہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	انگریز تاجروں کی شکایت راجہ برما کی عرض و التجا چمپس گھنٹے کے اندر بائرنکل جاؤ انگریز کیا کہتے ہیں داخلت برما میسور افغانستان پس منظر جنگ، تباہی، پساہ حوص کشور کشائی باسوکا تجزیہ مکناٹن کس طرح قتل ہوا مکناٹن صاحب کون بزرگ تھے دبچپ اور سبق آموز افغانوں کی دراز دستی، انگریزوں کی بے بسی قتل کے محرکات و اسباب میکناٹن کی نعش بے گور و کفن سولہ ہزار کا لشکر کیسے تباہ ہوا۔		وفا دار پیشوا پیشوا کا وصیت نامہ کشتہ کی سفارش مسترد ڈلہوزی کا فیصلہ بمبئی پریسڈنسی کے انعام دار کمیشن کا تقرر بھرت پور قبضہ کس طرح ہوا نیپال ستارہ جلا وطنی کی سزا راجہ ستارہ کا بھرم قبضہ کے بعد کیا ہوا انگریزی دلیل ریاست کچھ لنکا، سنگاپور، ملایا رفتہ رفتہ برما، ملک زرتنگار دھاندلی اور سینہ زوری ریزیڈنٹ کا تقرر



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	ریاست ڈونگر پور		اکبر کا رعب و درشت
	جھانسی		صرف ایک انگریز بچا
	کرناٹک اور تنجور		الین براکا انتقام
	کورگ پرفرنجی تسلط		گوالیار
	ناگ پور کی ضبطی		سندھ پر انگریزوں کا قبضہ
	برٹش گورنمنٹ کی بدنامی		سندھ سے معاہدہ
	اودھ کا جبری الحاق		تسخیر سندھ کا فیصلہ
	بوشہر پر قبضہ		امیران سندھ کا اشتعال
	جزیرہ کرک پر قبضہ		تاریخی تفصیل
	پنجاب کا الحاق		خیر پور بچ گیا
	بیج اور فصل		بہاولپور
	انگریزوں کا عمل و عمل		راجہ روپڑ
	اتفاقی کامیابی		دارجلنگ اور ریاست سکم
	کوہ نور اور ولیمپ سنگھ		کی بپتا
	پروسیٹڈ اور نمائش		تھانسیہ کا الحاق
	انگریزوں کا کاروبار		ریاست سنہل پور
	گلاب سنگھ		بھوٹان انگریزی قبضہ میں
	انگریزوں کا وفادار		حیدر آباد کے تین ضلعی ضبط
	سکھ اور انگریز		پچاس لاکھ کا قرض
	۔۔۔		نظام کی ملاقات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹۲	غدر کے اسباب و محرکات دلی سپاہیوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ دلی سپاہیوں کی بدولی کی وجہ سپاہیوں کے بھتہ میں ناواجب تخفیف دلی اور گورے سپاہیوں کے ساتھ الگ الگ برتاؤ بندوق کی گولی یا پھانسی کا تختہ عیسائیت کی تبلیغ سپاہیوں میں سپاہیوں کا مذہب بدلنے کی کوشش داخلت فی الدین گورنر جنرل کے مذہبی چندے مذہب بدلنے کی سرکاری کوششیں لاواربش بچے مشربوں کو دے دیئے گئے	۵۹۰	مہج بھی اور عیسائی مبلغ بھی انصافی اور بدسنو کی صاحب اور قلی کار تو سس میں چربی کا استعمال الحاق کی پالیسی انگریز عاصد تھے بادشاہ سے بدسلوکی انگریز بھی مانتے ہیں استعمال انگریز تعزیر مسلم اوقات کا حشر غدر سے پہلے بغاوت کے آثار استعداد کمپ مجاہدین کا دور غدر سے پہلے مسلمانوں پر زیادتیاں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	امانت دار سپاہی مصارف جنگ کا مطالبہ فہرست مطالبہ زر دلی سپاہیوں کی وفادار پھر بھی ہتھیار رکھو ایسے گئے پنجاب کے شہریوں سے ہتھیارے لیے گئے مالی امداد کے بجائے جنگ پر آمادگی منفی ذکار اللہ کے مشاہدات انگریزوں کو نہ ستاؤ کلکتہ کے بزدل انگریزوں کا شناخوال مورخ صاحب ریزڈنٹ کے قتل کا بادشاہ کو صدمہ انگریزوں کا قتل اور بہادر شاہ کی ذمہ داری انگریزوں کا قتل اور حکیم حسن اللہ خاں غدر کا روزنامہ بہادر شاہ نے لوٹ مار کا	۶۷۴	غدر غدر کے اہم واقعات ۶۷۷ غدر کا پہلا دور — ہتہ گامہ چپاتیوں کی پراسرار تقسیم چربی والے کارتوس لارڈ کیننگ کا تروادرنخت نافرمانی کی سزا میرٹھ کے سپاہیوں کی بغاوت غدر شروع ہو گیا باغی سپاہی دہلی پہنچ گئے یہ کون سپاہی تھے ؟ ہڑبونگ سے غدر کا آغاز بہادر شاہ کی تقریر غدر کی کہانی ایک مخبر کی زبانی غدر کی کیفیت غالب کے مشاہدات غدر تنگوں کی حرص و طمع لوٹ مار کے اسباب



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>پہاڑی پر انگریزوں کا قبضہ          باغی ہوشیار رہتے ہیں          باغی جی داری سے لڑتے ہیں          باغی بہادری سے لڑ لیتے تھے          باغی بزدل اور کم محسوس          نہیں تھے          دیسی سپاہیوں میں اختلاف          رائے تھا          انگریزوں کی عیارتی          سخت خاں نے پانسہ پلٹ          دیا          باغی بہادر بھی تھے اور مہر جنگ          بھی          باغیوں کی بہادری کا اعتراف          انگریز لشکر کو کمزور مگر          سکھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا          نواب دو جانہ کیسے بچے؟          دلی کے من چپے تماشائی          باغیوں نے انگریزوں کے پیچھے          چھڑا دیئے</p>		<p>بندوبست کیا          غلہ کا بھاؤ مقرر کرنے کی          ہدایت          انگریز جاسوس کی گرفتاری          مصارف جنگ کا مطالبہ          دشمن کے قتل کے بارے          میں بہادر شاہ کا استعنا          غلام کا دوسرا دور — مقابلہ ۷۰۹          انگریزوں نے اپنا میگزین اڑا          دیا          بادشاہ کی طرف سے شہر کا          انتقام          باغی سپاہی          دہلی کا غدر تلک          انگریزوں کو مدد ملنے لگی          انگریزوں نے مقابلہ کی تیاریاں          شروع کر دیں          انگریز مورچہ بناتے ہیں مگر          ڈبہ ڈر کر</p>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۳۸	<p>غدر کا تیسرا دور — شکست</p> <p>ہندوستان کس طرح بچا؟</p> <p>تار کی نقل</p> <p>حملہ آور لشکر</p> <p>انگریز پھر ڈگئے</p> <p>وفادار سپاہیوں سے شرمناک</p> <p>سبک</p> <p>باغی کس بہادر ہی سے لڑے</p> <p>لڑنے والے انگریز کم ہمت</p> <p>بھی تھے</p> <p>باغیوں نے انگریزوں کے</p> <p>چھٹکے چھڑا دیئے</p> <p>انگریز محاصرہ چھوڑ رہے تھے</p> <p>جنگ کے دوران میں ہندوستانی</p> <p>علازموں سے بدسلوکی</p> <p>مرکان کی چھتوں اور سیڑھیوں</p> <p>پر باغیوں کا مقابلہ</p> <p>باغیوں کا دلیرانہ جہد</p> <p>سکھ سپاہیوں کی طلبی</p>	<p>موت بھی جہادین کو نہ ڈراسکی</p> <p>عشق ازیں بسیار کر دست و</p> <p>کند</p> <p>بہادر شاہ انگریزوں کا قتل نہیں</p> <p>چاہتے تھے</p> <p>جامع مسجد کی حفاظت کے لیے</p> <p>دلیرانہ جنگ</p> <p>کمانڈر انچیف بار بار بدے</p> <p>گئے</p> <p>کمانڈر انچیف کی موت یا</p> <p>نخود کشی</p> <p>نیا کمانڈر انچیف بھی بزدل نکلا</p> <p>فتح شکست سے زیادہ دھماک</p> <p>ہوتی</p> <p>یہ کمانڈر انچیف بھی رخصت</p> <p>ہوئے</p> <p>تیسرا کمانڈر انچیف بھی گیا</p> <p>چوتھا کمانڈر انچیف</p> <p>لارڈ کیننگ کی طرف سے</p> <p>مذمت</p>	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>برسنے لگا جزل ولسن کی سرانسیگی قدم بہ قدم شہر فتح ہو رہا تھا گوروں کی بدستی جامع مسجد پر قبضہ، عید گاہ کا محاصرہ، باغی بے ترتیبی سے بھاگے انگریزوں کی فتح فتح کے بعد بھی دہشت قائم رہی۔ انگریزوں کا دلی میں داخلہ لال قلعہ میں انگریزوں کا داخلہ ڈر اب بھی نہیں جاتا مراسلہ نمبر ۱۲ لوگ بھاگنے لگے۔</p>		<p>مراسلہ نمبر ۵ انگریزوں کو لکھ پڑ لکھ مل رہی تھی پنجاب کے سامان اور سپاہی بہج گئے پنجاب کے والیان ریاست کی پیش بہ امداد انگریزوں کی فتح یا بی شروع ہو گئی۔ سنبھالہ جزل ولسن کے پاؤں لگاتے لگے۔ امیر جنگ انگریز اباڑی باغیوں سے ڈرتے تھے باغی آخر وقت تک لڑتے رہے روز ناچہ جنگ کشن گنج باغیوں نے خالی کر دیا شہر اور قلعہ پر گوروں کا مینہ</p>
۷۷	<p>غدر کا چوتھا دور — انتقام دلی والے کس طرح بھاگے پھر تھے میں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔</p>		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>فتحپور کے مسلمانوں کو قتل کر دو چون آدمی اسی وقت اسے گئے نجیب آباد نذر آتش ہو گیا نجیب آباد لوٹ لیا گیا پتھر گڑھ کا قلعہ انگریزوں کا انتقام محمود خاں کے مکانات سے وہ مجاہد تھا یا حرام زادہ؟ داستان انتقام، اعتراف گناہ۔ نور اچھانسی دو گر جا کا فرش صاف کر دو، پھر قتل ہو جاؤ بہادر ہی سے شہید ہوئے موت کی سزا یقینی ہے جنرل نیل کی انسانیت سوز ہدایات غدر کے بعد بھی صاحب بہادر ڈر جاتے تھے۔</p>		<p>غائب کی آنکھوں نے کیا دیکھا؟ محمد حسین آزاد کی بیٹا سر سید کے خاندان کا ماجرہ شگینیں چھوڑیں، گائے کا گوشت کھلایا سکھ دلی بوٹنے کی فکر میں تھے سکھوں کی وفاداری انگریزوں سے انگریز سکھوں کو رشوت دیتے تھے سکھوں نے مسلمان باغیوں کو کس طرح ہلاک کیا؟ مسلمان شاعر اور آخری سکھ راجہ سکھوں کی وفاداری کام نہ آئی بے گناہی بھی نہیں بچا سکی بچوں اور عورتوں کو بھی گولی کا نشانہ بنایا گیا کتوں اور گیسٹروں کی طرح انسانوں کا شکار</p>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲۰	محمد شفیع بغاوت کے تین نمایاں پہلو نواب وزیر الدولہ کا کردار جان بچی لاکھوں پائے شاندار کردار	۷۹۶	باغیوں اور باغی سربراہوں کا حشر یہ تحمل حسین خان کوں تھے دلی پر انگریزی قبضہ ایک تاثر دلی کا نام لارنس آباد اس بغاوت کی بڑی عجیب بات مجاہدین شمع اسلام کے پروانے مجاہدین کا کردار مجاہد کی شان مجاہد اور باغی کا فرق بنٹاک دھون غلطیدن تازیانہ کا کام مسلمان جون آف آرک خدا رحمت کند این عاشقان پاک طنیت را تحریک جہاد کے چند اکابر مولانا جعفر علی تھانوی مولانا یحییٰ علی
۸۳۱	بادشاہ لازم ایک شاعر کی آپ بیتی ذکار اللہ نے کیا کیا؟ وفاداری کا صلہ ٹھکرا دیا حجبر کی شہادت ”میم“ کی جان کس طرح بچی؟ ایک عبرت انگیز واقعہ تصدیق مزید مسنر لیسن پر اس احسان کا اثر نواب باندہ اور اس کے پیارے مہر سید کا اعتراف عذر کے ہمیر		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>بخت خاں کا افسار</p> <p>غریب کی تکالیف کا خیال</p> <p>سازش اور شکایت</p> <p>بخت خاں پر ایک الزام</p> <p>بخت خاں کے خلاف شکایات</p> <p>بہادر شاہ اور بخت خاں</p> <p>مرزا منگل کی سازش</p> <p>سازش کا میاب رہی</p> <p>حالت یہاں تک پہنچ گئی</p> <p>اسباب ناکامی</p> <p>پھر بھی حوصلہ قائم تھا</p> <p>بخت خاں جیت گیا</p> <p>مولانا فضل حق خیر آبادی</p> <p>غلامیہ علماء کا جھگڑہ</p> <p>مرسید احمد کا خراج عقیدت</p> <p>تحصیل علوم، تصانیف اور</p> <p>پایہ علم</p> <p>مولانا فضل حق کے ادوار</p> <p>حیات</p>	۸۲۵	<p>بخت خاں</p> <p>حب و نسب</p> <p>تعلیم و تربیت اور ملازمت</p> <p>روپیل کھنڈ میں نو ابی دور</p> <p>بخت خاں بریلی میں</p> <p>بخت خاں کی دہلی میں آمد</p> <p>بخت خاں کی سادگی</p> <p>بخت خاں کے دم خم</p> <p>بخت خاں کا تذکرہ</p> <p>حلف نامہ</p> <p>نظم و ضبط</p> <p>بخت خاں کی مساعی جیلہ</p> <p>بخت خاں اور اس کے</p> <p>سپاہیوں کی بہادری</p> <p>انگریزوں سے جنگ</p> <p>خراج تحسین انگریزوں کی</p> <p>طرف سے</p> <p>بخت خاں کی ناکامی کے اسباب</p> <p>بخت خاں کا استقبال</p>



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	عید ہونی ذوق و شہ شام کو ابوالکلام کی روایت رفیق مجلس کی یاد غالب کی تاریخ وفات		ایک علمی لطیفہ مومن خاں سے تعلقات مولانا فضل حق اور مولانا اسماعیل شہید سلسلہ لازمات تجارت اور کاروبار بہادر شاہ کی عقیدت لکھنؤ کا قیام مندوس اولاد غدر کا آغاز ہندو مسلم اتحاد اور فضل حق مولانا فضل حق مجتہد اور مدبر کی حیثیت سے فضل حق اور بہادر شاہ غدر کے بعد مولانا کے مصائب گرفتاری اور سزا یابی ضبطی احکامات کا مذاق انڈمان کی زندگی فضل حق اور غالب
۸۷۰	مشاہداتِ غدر داستانِ حسرت کیشہ حادثہ فاجیہ سنگِ گراں انگریزوں کی زیادتیاں اور شرارتیں قنارتِ قلبی اور شوریدہ سری فتوے جہاد، جدالِ قتال نصاری کا دعویٰ اور پورکش دشمن سے زوردار مقابلہ شکرِ نصاریٰ کی چال دشمن کی کارگر تدبیر ہندوؤں کے ساتھ رعایت مروت مشرقی شہروں اور دیہاتوں		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹۷	امیدوں کا انقطاع نجات سے مایوسی مظلوم و دل شکستہ کی پکار قصائد غدیریہ کا ذکر غدر کے دن غدر کی راتیں میری ہندو جو گوشت حقیقت نیوش ہے		پیر انگریزی و حاددا داستان لکھنؤ نصاری کی جنگی و حربی تدبیریں انگریزوں نے نیپال سے مدد مانگی چٹیل میدان بے آب و گیاہ جنگل عام ہلاکت و بربادی ملکہ حضرت محل کی سرگزشت بدویانت کینہ پرور خان بارہ بنکی پر نصاریٰ کا ہجوم مولانا احمد اللہ مجاہد کا ذکر نصاری کا تعاقب اور قتل و غارت
۹۲۱	غدر کے بعد باغیوں کے حوصلے شہر پیہ کے اندر لڑائیاں کمانڈر انچیف کی ہرشت مراسلہ نمبر ۱۱ ہار کے بھی ہتھیار نہیں ڈالے مالک دشمنوں کی سرکوبی حندو بھی		انگریزوں کا فرمان عام وعدہ شکن اور فریب کا حکومت جلا وطنی اور عمر قید کا فیصلہ قتل، قید، جلا وطنی دریائے ستور کا حال موت کی آرزو خودکشی کی حسرت ہر حالت میں خدا کا شکر
۹۲۷	غدر کے بعد سفاکی اور دہندگی کے مظاہرے۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲۲	انگریز ہر حالت میں تاجر ہے غالب تھے بھی مسلمان کے لیے سرکاری پاس کا ذکر کیا محجب انکشاف عیسائیوں کو نصاریٰ کہنے پر پھانسی		شہر کس طرح خالی کرایا گیا قتل پھانسی کا لاپانی جس دوست کو پوچھا یہ سنا قتل ہوا ہ فوج کو تین دن تک نوٹنے کی اجازت مسلمان ہونا جرم تھا دلی بالاشوں کا شہر سکھوں نے ہر تومند اور بھجورت مسلمان کو مار ڈالا سرکاری دستاویزات سے مظالم کی تائید وادرسی یوں بھی ہوتی ہے کبوتریوں کی کمی نسلیں فنا ہو گئیں الملک اللہ والحدہ اللہ مسلمان کس طرح مٹے؟ ہندو کس طرح بنے؟ تغذیر تو نئے چرخ گرداں تفو یہ بد قسمت عورتیں ستم ظریف گورے
۹۵۲	لڑے کوئی بھرے کوئی انارکلی کا مقبرہ گرجا گھر بن گیا دلی کو پنجاب میں شامل کیا گیا مسلمان اسرائیلی داستان ورد غدر کے بعد مسلمانوں کا تنا سب ہندوؤں اور مسلمانوں کا تنا سب مال غنیمت میں سپاہیوں کا حقہ صلہ وفا غالب کی آہ شہر بار بہادر شاہ کا مقدمہ قیدی بادشاہ فوجی کمیشن پریتھونٹ		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>کٹے ہوئے سروں کا تحفہ مبارک باد کا خط کیا بلوے کا اندیشہ تھا؟ شہزادوں پر تنگ السانیت منظالم مرزا غالب کی تصدیق شہزادی "غریب خانہ" میں بہادر شاہ کی لڑکی شہزادیاں کیسی بن گئیں شہزادی کا نکاح باورچی سے شہزادیاں اُستانی بن گئیں گویا شہزادہ بہادر شاہ رخصت ہوتے ہیں بہادر شاہ کے دواغی اشعار</p>		<p>ممبران دکیل سرکار پہلے دن کی کاروائی طلب دعویٰ الزامات ۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ حکیم حسن اللہ کا جھوٹ اس پر بادشاہ نے کیا کہا اظہار حسن عسکری جرح جج ایڈوکیٹ بیان حکیم حسن اللہ خاں حکیم حسن اللہ خاں کی گواہی جواب دعویٰ بحث جج ایڈوکیٹ ہم اپنے آپ میں نہیں دیتے مسلمان ہی سب کچھ تھے بہادر شاہ مجرم ہے بہادر شاہ کے مقدمہ پر تبصرہ</p>
۹۹۱	<p>عمارات شاہی کا حشر بہادر شاہ اور عہد بہادر شاہ کی عمار تیں ظفر محل یا جل محل ہمیرا محل</p>		<p>شاہی خاندان کی بیپا</p>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	برنیر کا تعصب سر سید کی تحقیق جامع مسجد سے انتقام لینے کی اسیاسیں پہلی ناکام کوشش جامع مسجد میں سور پکائے گئے مسجد ضبط نہ ساز بند مسجد کی واگذاری نقل اقرار نامہ مہتممان مسجد جامع غدر کے بعد مسجد کی آمد و خرچ دوسری مسجدوں کی درگت توپ خانہ زینت المساجد میں سر سید کا بیان سمنری مسجد کی بے حرمتی مسجد فتح پوری کی بیوکا نہیں ضبط مسجد پنجابی کٹہرہ دہلی پر قربان ہو گئی۔ بہادر شاہ کی مسجد میں سپلائی کا گودام برس مابرس کے بعد مسجد واپس ملی		برنیر محل ۱۲۵۸ھ کوٹھی دکن باولی درگاہ حضرت قطب صاحب آہنی پل لال ٹوکی پلی جدید ٹکبو زینت محل موتی محل حسن عقیدت نام سے گزشتان نہیں ملکہ تاج محل کی حویلی خجستہ بخت کی حویلی محل سولنگ باختر بن گیا "خود جہان" مسجد حامد علی خاں کتب خانہ داراشکوہ جامع مسجد کا حشر جامع مسجد کے خصوصیات جامع مسجد برنیر کی نگاہ میں

۱۰۰۰

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	سلاطین کی اصطلاح قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر		مسجد حکیم شریف خاں مسجد باردوسے اڑادی گئی مسجد سدھوگھوسن
	لاہتی پول لال قلعہ کی اصطلاحیں عجائب خانہ آثار قدیمہ باغ حیات بخش کی بربادی قلعہ کا آخری منظر بہادر شاہ کی آخری کینیت قلعہ کی بربادی	۱۰۱۲	لال قلعہ کی بربادی قلعہ کیوں بنا برقیہ کے معلومات محلات شاہی اور امر کی ڈیوڑیاں قلعہ پر کیا لاگت آئی بادشاہ کی شان قلعہ کی آن بان شاہی مجلس داد گستر بادشاہ بادشاہ قطب صاحب میں توہ بندہ شاہی حمام قلعہ کا باغ، زندہ محل میلے کی دھوم برسات کی بہار قلعہ کا محرم
۱۰۵۳	دہلی کا قتل انگریز عورتوں کی جان بچانے کی سزا قتل غالب کی گواہی مگروہ یکن کہاں دہلی کس طرح غارت ہوئی چوک سعد اللہ خاں خاص بازار جہاں آرا بیگم کی مراستے		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	گرفتاری پھانسی گھر دھکی اور مار پیٹ بھائی سرکاری گواہ بن گیا انگریزوں کا تعصب مولانا یحییٰ علی پھانسی کی سزا انگریزوں کو تعجب مجاہد کا استقلال انتقام کا انوکھا طریقہ رہائی کے بعد! وہ پرانا آشیانہ نئی زندگی، نئے حوصلے۔		مدد مولانا شاہ محمد اسحاق ہائے یہ مکان اُت وہ مکین ضبط شدہ عمارتیں عیسائیوں کے تبلیغ گھر کلاں محل لالہ جی کے قبضہ میں مسجد میں شامل کر دی گئی۔ اعلیٰ محل بادشاہ پرستہ مندو راجہ مہابی پھر کروٹ لے
		۱۰۶۵	کالا پانی کالا پانی کیسے بنا کالے پانی کے درہائے مکینوں درس قرآن و حدیث بوستانِ ہفت کشور شہیدانِ حریت علمی مباحث، ادبی مشغلی مولانا جعفر تھانیسری کی سرگزشت۔
۱۰۷۹	خونِ ناحق پھانسی کا عام لفظ نواب حجیر اور راجہ بلب گڑھ کو پھانسی کی سزا علامہ معززین شہزاد بے گناہوں کو پھانسی۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>خیر خواہی میں پھانسی دلائی قتل عام بے گناہ مجرم موت کی اذانی بندوق کی گولی بے گناہوں کا رنج مقتولوں کی یاد بکھ تو سپے اڑا دیئے گئے نواب سخاوت کو پھانسی کی سزا مولوی پیر علی اور شیخ گھسیٹ کو سزائے موت مرنے والے بزدل نہ تھے غدد کے سلسلہ میں کتنے آدمی ہلاک ہوئے دہشت زدگی کی دلچسپ مثال چھپے گاشتوں کا خون کیونکر لال قلعہ فوجی بورڈنگ بن گیا</p>		<p>سر سید کے اموں شہید کر دیئے گئے۔ پھانسی کیوں دی گئی؟ پھانسی پانے والوں میں زخمی بھی تھے۔ تسویس کا بوڑھا بھی۔ ذوق سے بیٹے فوق کو کیوں پھانسی ملی شہزادے بھی پھانسی سے تنہا کے کنویں لاشوں سے پٹ گئے باپ بیٹے کو پھانسی جانوروں کی طرح انسانوں کا شکار بخت خاں بغیر تحقیق پھانسی تری ملکہین بھیک کی قسم لیا بھی ہوتا ہے پیشن خواہ مستحق سزا سپاہیانہ شان کی سزا پھانسی مسلمان ہونے کی سزا پھانسی رکے نہ لٹھ ابھی ہے آگ گلو بانی؟ فرخ آباد کے نوابوں کی پھانسی بچوں کو پھانسی کی سزا</p>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۱۴	<p>اشک و آہ</p> <p>دلی کا مرثیہ</p> <p>یاد دلی</p> <p>شہر آشوب</p> <p>جہاں آباد</p> <p>زمین پہ چرخ کی قائم مقام</p> <p>تھی دہلی</p> <p>مل گئی خاک میں شانِ دہلی</p> <p>مسرور از ارتخاک ایک جوان</p> <p>دہلی</p> <p>کچھ نئے رنگ کے ہیں بادہ</p> <p>کشانِ دہلی</p> <p>کیا قیامت ہیں طرح و ار</p> <p>بتانِ دہلی</p> <p>نہ رہا نام و نشانِ دہلی</p> <p>دلی</p> <p>ریشکِ جودان بہشتی ہیں</p> <p>بتانِ دہلی</p> <p>نہ رہے ہم نہ رہا نام و نشانِ دہلی</p>	<p>دلی کے ایک لاکھ مکان سمار</p> <p>کر دیئے گئے</p> <p>بیویوں کو شوہروں نے قتل کر کے</p> <p>خود کشی کر لی</p> <p>بے گناہوں کو بچا نہی</p> <p>وزیرِ عظم انگلستان کے آنسو</p> <p>احسان کا بدلہ بربریت</p> <p>بادشاہ جیسے جنگل میں شیر</p> <p>بد معاش مسلمان جان لیں کہ...</p> <p>توپوں سے باندھ کر اڑا دیا</p> <p>سراڑ کر راہرو پر گرا</p> <p>وفادار سکھوں کو کیا صلہ ملا</p> <p>مسلمانوں کا برہنہ جسم گرم</p> <p>سلاخوں سے داغا گیا</p> <p>سکھوں نے مسلمانوں سے</p> <p>انتقام لیا</p> <p>زندہ مسلمانوں کو سود کی کھال میں</p> <p>سیا گیا</p> <p>جرائم کا اجماعی خاکہ</p> <p>۔۔۔</p>	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۹۴	منازع لفظی ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح سے ادا کرنا محاورات فکارانہ اشعار درد و سوز ظفر کے تنو اشعر قصائد غدیریہ		بہادر شاہ حسینیہ شاعر کے رباعی ذوق اور ظفر شاہ نصیر سے استفادہ ذوق اور ظفر کے رنگ میں فرق الزام کی تردید ایک اور تردید کچھ اور اعتراضات ظفر کی شاعری اور اس کا پس منظر ظفر کی شاعری کے محرکات اور عوامل ظفر کا رنگ کلام کلام کی ترتیب و اشاعت مجموعہ کلام ظفر کی تاریخیں مسجد و مکان حکیم حسن انشا خاں کلام ظفر زبان اور محاورہ کی حیثیت سے
۱۲۱۷	بعد غدر کے چید دلی والے مسلمان فقیر اور فرنگی امیر چچا تنو قلعہ بنتے بنتے دٹھے گیا مرزا چپاتی میر باقر علی داستان گو مولانا محمد اسحاق صاحب میر محمد حسین مختبر اور غدار		
۱۲۳۵			



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	غالب اور حکیم صاحب حکیم حسن اللہ خاں پر مصیبت کی حکیم صاحب بے قصور تھے ”ہر ہمیشہ یونہی نہیں رہے گا“ سرفراز خاں (کھل) دہاڑا سنگھ دیوا سنگھ محمد حیات خاں بشن سنگھ ملک فتح خاں ملک شیر محمد خاں جوہر سنگھ مراد خاں گوردیہ ملک صاحب خاں ٹوانہ صادق محمد خان صاحبیاں گھروں کو اجاڑنے والا قادیان کا ملک صلال خانہ لان نہایت و فادار کر تو کر نہیں خدا کے غضب سے بڑ		گھر کا بھیدی الہی بخش الہی بخش اور بہادر شاہ الہی بخش کے دلائل رجب علی اور الہی بخش بخت خاں اور الہی بخش فریب کھل گیا الہی بخش کا ایک اور کارنامہ الہی بخش کی پیش سن تو سہی جہاں ہیں رہے تیرا فسانہ کیا ”نرہلی کا مریٹر“ ”یادگار خاندان تموریہ“ رجب علی نوازشات کی بارش جنگلی کاغذات میں ذکر ”تزرک رجب علی“ اعمال نامے حکیم حسن اللہ خاں بیز پیٹ اور حکیم صاحب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	جب پیش خوار وفات پا جائے گا۔ پنجاب سنگھ مخبروں کی شرارت پہلے باغی پھر وفادار بہادر شاہ کو گرفتار کیا ایک لطیفہ خجراور غدار نمبر ایک سر تھیو فلس کی مدد سر تھیو فلس مٹکاف کی رانی کے حالات مخبروں کی گرم بازاری والیان ریاست ہمارا جہ پٹیا ہمارا جہ نا بھ ہمارا جہ حبسیند ہمارا جہ کپور تھلہ ریاست کاسیہ ہمارا جہ کشمیر ۔۔۔۔۔		غزل سئل لغت کے آواز سے بڈھا خاں گامی خاں مخبر منظر خاں خیر خواہ سرکار شیر خاں اودھ کے غدار ملک جہان خاں جیون لال مخبر کون تھا؟ مخبر جیوں لال کی کہانی اس کی زبانی مذہبی پیشوا، انگریزوں کا مددگار ۲۶ مواصفات کا التوام سچی خبریں نسلاً بعد نسلاً فتح خاں نسیا دربار علی رضا خاں اور اس کا بہادر خاندان

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	انعام و کرام دائرسرے کی آمد تزک و احتشام افسروں کی رنگارنگی جامع مسجد سے نظارہ درہلی دربار ناچو پستی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم آتش بازی نمائش اسلحہ خانہ مرقع تصویر تعلیمی کتابیں آلات حرب	۱۲۰۵	لیٹرے تاج شہر یاری پہنتے ہیں شہر ہی میگنا چارٹا مورخہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء ڈیوک آف ایڈنبرا کی تشریف آدی ۱۸۵۸ء کا دربار قیصری ملکہ کانیا خطاب دہلی کی تجویز جلوہ قیصریہ دہلی کی تاریخی حیثیت دور انگریزی کی خصوصیت شہر کے باہر شہر دائرسرے کی تخت گاہ باغات اور محل کی قناتیں جہاں گولے برسے تھے دربار کے نتائج
۱۲۲۳	جلوہ دربار قیصری		
۱۲۲۹	کتابیات		

جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں  
ہو دے گا سر پہ چرخ بھی جانیں گے ہم جہاں  
کوئی بلا ہے خانہ زنداں پہ آسماں  
پھٹنا محال اس سے ہے جیت کے، تن میں جاں

جو آگیا ہے اس محل تیرہ رنگ میں  
قید حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں

کیا کیا جہاں میں ہوئے شانِ ذی کرم  
کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم  
آخر گئے جہان سے تنہا سوئے عدم  
دار اکماں؛ کہاں ہے سکندر؛ کہاں ہے جم

کوئی یہاں رہا ہے نہ کوئی یہاں رہے  
کچھ اے ظفر رہے تو نگوئی یہاں رہے

یہاں شاہ ظفر



اے اسیرانِ خانہ نہنجیر  
 تم نے یاں غل مچا کے کیا پایا  
 نہ بچا سوزِ دل جب آنکھوں سے  
 ہم نے دریا بہا کے کیا پایا

کشتہ تیغِ غم سے پوچھ اپنے  
 تو نے جی سے گزر کے کیا پایا  
 حاسدوں نے ظفر مے سر پر  
 پوچھ بہتان دہر کے کیا پایا

بہادر شاہ ظفر

”جوبتک درہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا، جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا، مساجد میں ممبران پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا، بخت خاں نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جب اذفرض ہے۔

فتوے کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں میں جوش مذہبی زیادہ ہو گیا۔“

(ذکا اللہ)

رجن محلوں میں غدر سے پہلے ہندوؤں کی ملک میں ایک مہمان نہ تھا، غدر کے بعد وہاں بہت سے ہندو مالک مکانات ہو گئے، مسلمانوں نے اپنا زیور بہت سستا ہندوؤں کے ہاتھ بیچا، بار بار آنے والے چاندی، چودہ روپے تولہ سونا، بہت سے ہندوؤں کے گھروں میں غدر کیا آیا، لکشمی آئی، انھوں نے سپاہیوں سے لوٹ یا چوری کا مال بہت ارزاں خرید لیا،

تاریخ عبدالغنی شمسہ ذکا، المصنف

•

نواب شیرجنگ ناں کے بیٹے محمد علی خاں نے ایک (انگریز) سپاہی کو اس  
 بیٹے زخمی کیا تھا کہ وہ اُن کے زمانہ میں بد منتی سے جانا چاہتا تھا، اس تصور  
 میں (انگریز) حاکموں نے حکم دیا کہ اس کو چہ کے سارے مردوں کو مار ڈالو ان  
 بے گناہ مقتولوں میں ایک صاحب کمال مولوی امام بخش صہائی اور ان کے  
 کنبہ کے اکسیر افراد بھی تھے۔

•

(تاریخ عہد انگلشیہ ذکار اللہ ص ۷۷)



# تقسیم

الحمد اللہ کہ آج یہ کتاب اتمام تک پہنچی .. .. !  
 لظاہر یہ کتاب میں نے چند ماہ میں لکھی ہے لیکن اس کی تسوید ایک عرصہ دراز سے پیش نظر  
 تھی اور غیر ارادی طور پر اس سلسلہ میں جو ماخذ سامنے آجاتا تھا اس سے کام کی باتیں لے کر اپنی  
 یاداشت میں منتقل کر لیتا تھا یہ مواد اس موقع پر بہت قیمتی ثابت ہوا۔

اس موضوع پر اردو زبان میں بھی اب تک کوئی مفصل اور مکمل کتاب نہیں لکھی گئی ہے پھر  
 دوسری زبانوں کا کیا ذکر، غدر کے دوران میں اور غدر کے بعد انگریزوں نے ایسی دہشت انگیز سختیوں  
 کی تھیں کہ لوگ سچی بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کلمہ حق زبان پر لاتے ہوئے ہچکچاتے تھے انگریزی  
 میں اور خود اردو میں غدر سے متعلق جو مواد ملتا ہے اس کا بہت بڑا حصہ انگریزوں کی تابعدار تعریف اور  
 غیر جانبداری پر مشتمل ہے کچھ اس لیے کہ لکھنے والے زیادہ تر انگریزوں کے دوست، ملازم، محضربا  
 خیر خواہ اور جان نثار تھے۔ اور کچھ اس لیے کہ اس زمانہ کی فضا یہی یہ ہوتی کہ انگریزی حکومت کو نعمت  
 خداوندی سمجھا اور کہا جائے اور غدر مانعہ سے کیسے قطع نظر کر لی جائے، ذکا اللہ سے بڑھ کر دیا نندار  
 مورخ کون ہوگا، لیکن انگریزوں کے سلسلہ میں ان کی لکھی ہوئی تاریخیں خوشامد سے اتنی بھری ہوئی ہیں کہ  
 ریکورڈ سرکلر معلوم ہوتی ہیں سرکار اور سارے وغیرہ نے غدر پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی زیادہ تر اس  
 قسم کے سفینوں کی خوشہ چینی اور اخذ و التفاط پر مشتمل ہے جن حضرات نے شاید عینی کی حیثیت سے  
 ماقبل و ابعد غدر کے حالات و واقعات تحریر کئے ہیں انھوں نے بھی اپنے حالات اور ماحول کے  
 ماتحت واقعات کو بیان کرنے سے زیادہ چھپانے کی غلت و معلول کا صحیح سلسلہ قائم کرنے کے بجائے

توڑ مروڑ سے کام لینے کی کوشش کی ہے، ایسے مواد کو پیش نظر رکھ کر ایک یا سب سے نئے نقطہ نظر سے صداقت کا نقطہ نظر ————— سے کتاب لکھنے کی کوشش بڑی جرات کا کام تھا میں نے اگرچہ یہ بیڑا اٹھایا تھا لیکن حیران تھا کہ یہ کشتی ساحل کا سرانی تک پہنچ بھی سکے گی یا نہیں۔

بہر حال موافق اور ناموافق ہر قسم کا لڑ پھر ہے خواہ وہ اردو میں ہو یا انگریزی میں یا فارسی میں میں نے اپنے پیش نظر رکھا، مطالعہ شروع کیا تو یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مداحانہ قصیدوں کے بین الرطوبہ سے حقیقت اس طرح جھلکتی ہے جس طرح تیرہ دتار بادلوں کی ادٹ سے کبھی کبھی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے میں نے اس بجلی کی روشنی سے حقیقت، صداقت اور واقعیت کے موتی چنے ہیں۔

سب سے بڑی مشکل میرے راستہ میں یہ تھی کہ گو کافی کتابیں میں نے وقتاً فوقتاً خرید لی تھیں لیکن ابھی بہت سی کتابیں جن کی مجھے ضرورت تھی وہ بالکل ناپید تھیں لاہور میں پنجاب لائبریری اور یونیورسٹی دو کتاب خانے ایسے ہیں جن کی بہت دھوم ہے میں نے ان دونوں کتاب خانوں کو کھنگال ڈالا، خود میرنا اور بعض ممبر دوستوں کے کارڈ مستقل طور پر اپنے قبضہ میں رکھے اور زیادہ سے زیادہ کتابیں جمع کر لیں، پڑھیں اور پھر یہ عجیب انکشاف ہوا، اولاً تو کام کی کتابیں کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی ناقص، کئی کتابیں ایسی تھیں جو بظاہر مکمل تھیں، مطالعہ شروع کیا تو معلوم ہوا اندر سے اور اق غائب ہیں بھرل میں ان کتاب خانوں کے منظم حضرات کا سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ہر ممکن سہولت دی پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے میں نے خاص طور پر بہت زیادہ فائدہ اٹھایا،

شخصی طور پر اس سلسلہ میں میں جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی، جناب خلیل الرحمن صاحب داؤدی، جناب مبین احمد صاحب معتمد کسٹمر، کا بہت زیادہ ممنون ہوں ان حضرات نے اپنے پرائیویٹ کتاب خانوں کی اردو، انگریزی کی نادر اور نایاب کتابیں مجھے استعمال کے لیے دیں اور حق یہ ہے کہ میں نے ان سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اگر ان حضرات کی کتابیں مجھے نہ ملیں تو یہ کتاب ہرگز اس طرح لکھی نہ جاتی جس طرح میں چاہتا تھا،

میں نے بلابالغہ اس کتاب کی تکمیل کے سلسلہ میں سینکڑوں کتابیں اور ہزار ہا صفحات کا مطالعہ کیا ہے پھر یہ کتاب لکھی گئی ہے لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ ہر جہت سے یہ کتاب مکمل ہے یقیناً اس میں خامیاں ہوں گی اور بہت زیادہ ہوں گی، میں ان حضرات کا ممنون ہوں گا جو خامیوں سے مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر سکوں۔

میں اپنی ناشر فرم ”میسرز شیخ غلام علی اینڈ سنز“ کے مالک شیخ نیاز احمد صاحب اور شیخ بشیر احمد صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ایسی ضخیم کتاب ایک ایسے موضوع پر چھاپی جو عوامی حلقوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس کتاب کی تصحیح فرم نے اپنے طور پر کرائی لیکن تصحیح ثانی کے لیے میں اپنے دوست حسین الزماں صاحب اور عزیز تجمل حسین کا بہت ممنون ہوں۔

رئیس احمد حفیظی (اندوی)

۸۹ - ٹیکور پارک لاہور

{ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۵ء

## باب

# فستاحیہ

انگریزوں نے تقریباً دو سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی، تاریخ کی تقدیم میں دو سو سال مدت، کوئی طویل مدت نہیں رہنے لیکن ہندوستان پر یہ مدت، ایک قیامت کی طرح گزری، یہ مدت مثل ہے، غدار، فریب کاری، استحصال بالجبر، خیانت، بے وفائی خود غرضی اور ہوس جوع الارض کے واقعات پر۔

مسلمان بھی ایک غیر ملک سے ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے تھے اور کم بیش ایک ہزار سال تک جاہ و جلال اور شان و شکرت کے ساتھ وہ تخت حکومت پر متمکن رہے تھے، مسلمانوں کے دور اقبال و عروج میں معاشی حالات اتنے بہتر تھے کہ معلوم ہوتا تھا اس دس میں ہن بستام تھا، عدل و انصاف کی یہ کیفیت تھی کہ شیر اور بکرمی ایک گھاٹ پانی پیتے تھے، سیاسی حالات کا یہ رنگ تھا کہ فاتح اور مفتوح، غالب اور مغلوب راعی اور رعایا آپس میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ من و تو کا فرق مٹ گیا تھا، مسلمانوں کے دور حکمرانی کی یاد گاریں مٹائے نہیں مٹ سکیں، نہ گردش دوران انھیں مٹا سکی نہ تلوار کی نوک اور توپ کے گولے سے ان کے نشانات مٹے، فاتح اور مفتوح کے مخلصانہ ارتباط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی زبان عالم وجود میں آگئی، ایک نیا کلچر پیدا ہو گیا، ایک نئی تہذیب بن گئی، ایک نئی معاشرت عالم وجود میں آگئی، یہی نہیں، ایک نئی سوانحی پیدا ہو گئی، مسلم دور حکومت کے ماتم داروں اور نوجوانوں میں، ہندو بھی اسی طرح نظر آئیں گئے جس طرح مسلمان۔

اس کے برعکس انگریزوں کے دور حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ایک ہزار



سال کی مشترک تاریخ کو بدلتے کی جرات کی، انھوں نے اردو زبان کو مٹانے کی کوشش کی، انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایسی تفریق پیدا کر دی، جو بالآخر تقسیم ہند پر ختم ہوئی انھوں نے اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے جھوٹ قریب اور افتراق انگیزی سے کام لیا، انھوں نے اپنے اغراض و مقاصد کے ماتحت ہندوستان کو ریل دی ٹیلیفون دیا طیارے دیئے اور اپنے سامراج کی مضبوطی اور استحکام کے لیے قحط دیا، بلوے دیئے تخریبی عناصر پیدا کئے اور جب ان مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو دنیا میں اپنی ساکھ بڑھائی، اپنی تجارت کو فروغ دیا اپنی دولت میں اضافہ کیا۔

مغل باہر سے آئے اور یہیں رہ پڑے یہیں کے ہو گئے، یہیں جئے، یہیں کے انھوں نے قلعے بنائے، حویلیاں تعمیر کیں، محلات کی بنیاد ڈالی، مقبروں کی مساجد اور خانقاہوں کی طرح ڈالی جو کچھ ایک ہاتھ سے لیا، دوسرے ہاتھ سے دیدیا، یہاں کی دولت یہیں رہی یہاں کے وسائل و ذرائع کسی غیر ملک کسی اجنبی حکومت کے فروغ و استحکام میں صرف نہیں ہوئے وہ غیر ملکی بن کر آئے لیکن ملکی بن کر گئے اور انگریز پہلے دن سے آخری دن تک غیر ملکی ہی رہے اور اپنے لیے اندرونی ملک میں زیادہ سے زیادہ تحفظات حقوق اور مراعات حاصل کرتے رہے آخر جب ان کا استحصال حد سے بڑھ گیا، تو ایک دن انھیں بوریہ بستر باندھ کر اس دیس سے رخصت ہونا پڑا —

اس کتاب میں فرنگی سامراج کی فریب کاریوں اور دغا بازیوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ انگریز کس طرح آئے، کس طرح رہے، کیونکر مسلمانوں کی حکومت ختم کر کے وہ یہاں کے مالک و مختار بن گئے؟

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انگریزوں کے تسلط اور اقتدار مسلم حکومت کے زوال و انحطاط ہندو مسلم سیاست کی آویزش اور اختلال کے زمانہ میں بھی اس اُجڑے دیار کے رہنے والوں کی ذہنی اور دماغی کیفیت کیا تھی؟ اس دیران حویلی — لال قلعہ — کا کیا رنگ ڈھنگ تھا؟ جس ماحول میں آخری فرمانروا بہادر شاہ نے زندگی کا آغاز کیا، اور زندگی کو الوداع



اور نذر بحضور شاہ فرخ سیر بادشاہ دہلی کے روانہ کیا اس لپچی کے ہمراہ ایک ڈاکٹر مسمی ہملٹن صاحب جو فن طبابت میں بڑی مہارت رکھتا تھا وارد دار السلطنت شاہ ہند ہوا یہاں آکر اس کو یہ خبر لگی کہ بادشاہ سخت بیمار ہے اور اس بیماری ہی کے باعث بادشاہ کی شادی جو راجہ جو دھ پور کی لڑکی سے قرار پائی تھی جس کا بادشاہ نہایت شائق اور عاشق تھا ملتوی ہو گئی اور ہندوستانی حکیم بادشاہ کی بیماری سے ناچار ہیں ہملٹن صاحب نے علاج کی درخواست کی اور با مشتیاق تمام منظور ہوئی آخر کار صحت کے بعد بادشاہ بہت خوش ہوئے اور ارشاد کیا کہ اس علاج کے عوض جو تم مانگو میں دوں، صاحب نے اپنی غرض نغسانی پر توجہ نہ کر کے اپنی قوم کی بھلائی اور خوش اقبال مقدم سمجھ کر عرض کی کہ حضور یہ جو کمپنی تجارتان انگلینڈ بادشاہ کی تلمذ میں داگری کرتے ہیں بندہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کی اجناس کا محصول معاف ہو جائے اور کچھ زمین سرکار سے معیت ہوتا کہ اپنی حفاظت کے واسطے مکانات تعمیر کر کے سپاہ اور سپہ رکھیں چنانچہ یہ درخواست فوراً منظور ہوئی اس لیے انگریزوں نے ایک قلعہ کلکتہ میں تعمیر کر کے اس کا نام فوٹ ولیم رکھا اور زمینداری اپنی بہت بڑھائی۔ فرانسیسی لوگ پانڈی چری پر قابض تھے ان کے گورنر ایم ڈیوہلی نے چاہا کہ نظام الملک پوتے مظفر جنگ کو صوبہ دکن کا اور اس کے رشتہ دار حیدر علی کو نواب کرناٹک کا بناؤں انگریزوں نے ناصر جنگ ابن نظام الملک کو اپنے سے ملا کر اس کو کمپنی کا نواب بنانا چاہا چنانچہ اس باعث سے کئی لڑائیاں فرانسیسیوں اور انگریزوں میں ہوئیں جن کا انجام یہ ہوا کہ فرانسیسیوں نے شکست پائی اور ان کے کارخانہ جات تباہ و برباد ہو گئے۔ (۱)

غدر سے پہلے کے تمدنی، تہذیبی اور معاشی حالات | قبل اس کے کہ ہم غدر سے

پہلے کے سیاسی حالات اور ماحول پر ایک نظر ڈالیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے تمدنی، ثقافتی اور تہذیبی حالات پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں کہ حالات واضح اور واضح طور پر پیش نظر



ہیں، ایک محقق نے ان حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے، ہم اس کی تحقیق پر اکتفا کرتے ہیں:

## در کفہ جام شریعت در کفہ سنداں عشق | دہلی اسلامی ہند کی ابتداء سے تہذیب و تمدن کا ایک

بڑا مرکز رہی ہے، وجہ و فرات سے علم و عرفان کی جو موجیں اٹھی ہیں وہ جہناہی کے کناروں سے آکر ٹکرائی ہیں بغداد و بخارا سے جو علمی و روحانی قلعے چلے ہیں وہ یہیں آکر ٹھیرے ہیں۔ کبھی اس کی رونق کا یہ عالم تھا کہ چپے چپے پر خالقائیں تھیں قدم قدم پر دے تھے کوچہ کوچہ میں مسجدیں تھیں، تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور یہاں پہنچتے تھے ہندوستان کا یہ دارالسلطنت رشک بغداد و عزت مصر بنا ہوا تھا (۲)

دکن سے جو طوفان اٹھتا لال قلعہ سے آکر ٹکراتا، پنجاب سے جو آندھی اٹھتی اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے، جالوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا اس کی جولان گاہ یہی بدبخت شہر بنتا، لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود بھی دہلی انتہائی بارونق تھی ابھی کچھ نقوش باقی تھے جن سے کارواں رفتہ کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا، ان نقوش قدسیہ کی موجودگی نے دہلی کو تمام ممالک اسلامیہ کی توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ شاہ غلام علی صاحب کی خالقاہ میں شام۔ مصر۔ چین اور حبش کے لوگوں کے جھگٹے لگے رہتے تھے تو دوسری طرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی بارگاہ کمال کے خوشہ چین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے اور علوم دینی کا چراغاں کر رہے تھے، سلطنت دم توڑ رہی تھی سیاسی زوال و پستی کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں لیکن ذہنی شعور ابھی مردہ نہ ہوا تھا کچھ بیدار

(۱) ملاحظہ ہو مسالک الالہ بار (انگریزی ترجمہ) ص ۲۹

(۲) تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۲۲۱

(۳) آثار الصنادید۔ ص ۱۸ (باب چہارم)

(۴) شاگردان دے دما قالیم نود و دراز مدیدہ باب علوم دینی برے خلق کشاندہ "خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۸۸



معزز انسان تجدیدِ ماعیاء کے لئے راستے تلاش کر رہے تھے۔

**دھوپ چھاؤں کا شہر** | ان تمام کوششوں کے باوجود دہلی دھوپ چھاؤں کا شہر تھی یہاں خالقہاں بھی تھیں شراب خانے بھی، مدر سے

بھی تھے اور تمار بازی کے اڈے بھی دہلی کی متضاد خصوصیت اس زمانے کے بہت سے لوگوں کی زندگی میں بھی پائی جاتی تھیں لوگ بڑی عقیدت اور ارادت کے ساتھ خالقہاں اور منارات پر حاضر ہوتے تھے پھر اسی جوش اور ولولہ کے ساتھ طوائفوں کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے ان کی زندگی اور مذہبیت ساتھ ساتھ چلتی تھی اور زندگی مذہبیت پر غالب آتی نہ مذہب رندی پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا تھا اگر حالات نہ بدلتے تو مسلمان

”اندکے از زمان ننگداد کہ قوسے شوند کہ نہ اسلام را دانند نہ کفر را (۱)“

اس زمانے کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ زندگی سے واقف تھے نہ مذہبیت سے دو متضاد چیزوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نہ زندگی ہاتھ سے نہ جائے نہ مذہبیت کا دامن چھوٹے لیکن یہ ایک نمود فریبی تھی یہ

نیک و بد دہادی پہاں نمی مانند چہناں

نافہ در حبیب ملوک و بادہ در حسام بلور (خسوف)

**معاشی اور مالی حالات** | اورنگ زیب نے تقریباً ۲۶ سال تک اپنی سلطنت کے سبب ندائع کا رخ دکن کی جانب کر دیا تھا ان

لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا لیکن عالمگیر کے تدبیر معاملہ فہمی انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بگڑنے سے بچا لیا تھا اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود ۲۴ کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھٹا تھا اس کے تاہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کر کر بیا یا،

(۱) سیاسی مکتوبات ص ۵۲

IRVINE: LATER MUGHALS VOL (۳)

I. P. 21.

ادھر ملک کے فداغ محدود ہوتے چلے گئے اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا اور یہ سیاسی اور سماجی نظام کے گر جانے کا پیش خیمہ تھا۔

ہونگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا اس کی فیاضی نے سلطنت کی مالی حالت کو تباہ کر دیا پھر جہاں دار شاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا اس کی محبوبہ بعل کھنہ پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا، صبار میں عیش و طرب کی جو محفلیں جمتی تھیں ان میں کثرت سے چرواغ کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہو گئی تھی اور اس وجہ سے تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا گیہوں روپیہ کا، سیر بکنے لگا، فرسخ سیر تخت پر بیٹھا تو حالات اور خراب ہو گئے اس کو گھوڑوں کا شوق تھا ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اصطل میں بندھے رہتے تھے اور ہزاروں روپیہ ان پر خرچ ہوتا تھا اس کرتے ہوئے نطام پر شاہ کے حملہ نے ضرب آخر کا کام کیا۔ وہ ۷۰ کروڑ روپیہ زائد روپیہ باہر لے گیا۔ اس کے بعد شاہی خزانہ اور امراء کے محلات بالکل خالی نظر آنے لگے۔

احمد شاہ کے زمانہ میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ ہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، اس زمانے میں شہزادیوں کو تین تین دن کے فاقے کرنے پڑتے ہیں۔ (۱۱)

**ہندو مسلم تعلقات** | ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی برطانوی عہد سے شروع ہوتی ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو" برطانوی سامراج کا تقاضہ تھا اس مقصد کے حصول کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مختلف قسم کے نفاق اور اختلافات پیدا کیے گئے تھے، سر ہنری ایلیٹ نے اس زہر کو تاریخ ہند کی رگوں میں پہنچا کر اس طرح تاریخی مطمح نظر کو خراب کیا کہ اس کے خلاف آج جو بات کہی جاتی ہے وہ شک آمیز تعجب سے سنی جاتی ہے۔

برطانوی عہد سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی شگفتہ تھے زندگی کے

ہر شعبہ میں خلوص و محبت، اتحاد و یگانگی کے اثرات کار فرما نظر آتے تھے چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

(۱) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک مشترکہ علمی اور ادبی ذوق پیدا کر لیا تھا ہندی اور فارسی کا مطالعہ ہندو اور مسلمان دونوں کرتے تھے اور ان دونوں زبانوں کے امتزاج سے ایک نئی زبان کی تشکیل کا سامان ہم پہنچا رہے تھے۔

اردو ہندو اور مسلمانوں دونوں کی محبوب زبان تھی، گلشن بے غار میں شیفہ نے ۶۱ ہندو شاعروں کا ذکر کیا ہے "نغمہ عند لیب" (۲) میں حکیم میر تقی میر نے ۸۰ ہندو شعراء اور دو کا تذکرہ لکھا ہے۔

(۲) مغلیہ دور کا ایک مشترکہ کلچر تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں طور پر رنگے ہوئے تھے کنور پریم کشور فراتی، اپنا نجی روزنامہ اس طرح شروع کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا فتاح

"حمد و ثنا بادشاہ ہے راسترا کہ سلطنت کو نین بوجہ داد دست و شاہاں  
روئے زمین و خداوندان چہر و نگین و افتخار بہ فضل او ... و درود تحیات و سلام  
زاکیات بیاں سرور کہ در شان او" لولا کہ کما خلقت الافلاک ———  
نازل شدہ و صلوات یغیاات و نیاز بے نہایات براہین عم و دہسی اعظم او کہ  
منظر العجائب و اسد اللہ الغالب و صاحب ذوالفقار و سیم الجنت و المنار  
است صلوة اللہ علیہم اعلیٰ آلہ اجمعین" (۳)

(۱) مطبوعہ نول کشور ۱۹۱۰ء

(۲) مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء

(۳) وقایح عالم شاہی (استیاز علی عرشی) ص ۱۷



(۳) اٹھارویں صدی کے مسلمانوں کے ہندو مذہب کے متعلق خیالات معلوم کرنے ہوں تو حضرت مرزا مظہر جان جاناؒ کا مکتوب چہار دہم غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے انھوں نے ہندوؤں کو مشرکان عرب کے مشابہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا ہے اور وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے ہندوؤں کو اہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے۔

(۴) ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں دلچسپی لیتے تھے، مذہبی رواداری کا یہ حال تھا کہ خود شاہان مغلیہ ہولی اور دسہرہ کا تہوار مناتے تھے۔

(۵) ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ہندو مسلمان امیروں کے یہاں اور مسلمان ہندو امیروں کے یہاں ملازمت کرتے تھے، میر تقی میر جب عسرت و تنگی کے دن گزارتے تھے تو ہندوؤں ہی نے ان کی مدد کی، خان آرزو سرود مصحفی غالب وغیرہ کے محسنوں کی فہرست میں ہندوؤں کے نام بھی ملیں گے۔

مرزا مظہر جان جاناؒ لالہ برج لال کی پُر زور سفارش ایک امیر سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ذکر کسے بایں اہتمام با شمانکرده | کسی کا ذکر میں نے اس انداز میں نہیں کیا ہے  
ایم دعادت بمبالغہ نداریم (۲) | میری مبالغہ کی عادت نہیں ہے  
سر سید احمد خاں کے نانا نواب دبیر الدولہ فرید الدین خاں نے اپنے انتقال سے قبل جو جائداد تقسیم کی تو اپنے ایک قدیم ہندو دیوان لالہ تلوک چند کو برابر کا

(۱) کلمات طیبات، ص ۳۴ تا ۴۰

(۲) کلمات طیبات، ص ۶۵ - ۶۴



حصہ دیا (۱)

(۶) پھر ہندو اور مسلمان کھیلوں میں شریک ہوتے تھے ساتھ رہتے تھے اور محبت کا بتاؤ کرتے تھے غرض سے پہلے کا ذکر ہے کہ دہلی میں تیر اندازی کا ایک کلب تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ سرسید نے ایک ذی عزت ہندو کا قصہ لکھا ہے کہ وہ تیر لگاتے وقت اللہ غنی کہتا تھا اور اس لیے اس کا نام ہی اللہ غنی پڑ گیا تھا۔ (۳)

**سیاسی حالات** | اب ہم اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی حالات کا جائزہ لیں گے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال و انحطاط میں کون کون سے موثرات اور عوامل کار فرما تھے، اور یہ عظیم الشان، سلطنت کس طرح نذر انگیار ہو گئی؟

داستان طویل بھی ہے، اور دردناک بھی، لیکن اسے سنے بغیر چارہ بھی نہیں، اس عنوان کے ماتحت، جو واقعات و معلومات درج ہیں، ان کا ماخذ، تاریخ مشائخ چشت ہے، اس بحث کو فاضل مولف نے بڑی دقت نظر اور تفصیل سے بیان کیا تھا، ہم نے اسے مختصر کر کے پیش کیا ہے:

"اٹھارویں صدی عیسوی، صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں بڑی اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ کچھ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے میں مصروف تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ امریکہ کی جنگ آزادی کامیاب طور پر لڑی جا چکی تھی۔ انقلاب فرانس نے سارے یورپ میں آزادی کی تحریکوں کو ابھار دیا تھا

(۱) سیرت فریدیہ صفحہ ۳۴

(۲) سیرت فریدیہ صفحہ ۳۴

(۳) تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۲۵۲

پراناسیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا اور انگلستان کے مشہور شاعر درد سورتھ کو فرانس میں ایک نئی دنیا جنم لیتی دکھائی دے رہی تھی لیکن عالم اسلامی کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہاں عام رجحان پستی اور تنزل کی جانب تھا ایک طرف دولت عثمانیہ کا آفتاب اقبال تیزی کے ساتھ گہن میں آ رہا تھا۔

دوسری طرف ایران میں انتشار و ابتری کا دور دورہ تھا۔ ابدھر سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ نئی نئی قومیں ابھر کر سیاسی فضا کو مکدہ کر رہی تھیں اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کی ریاست اور سماج کی ساری بنیادیں ہمیشہ کے لیے ہل جائیں گی۔

۳ مارچ ۱۷۵۷ء کو اورنگ زیب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تقریباً نصف صدی تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت میں اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اور خوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعہ اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ عالمگیر کی دود میں لگا ہوں نے ان طاقتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جن کا اتصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جاسکتی تھی، آپس میں لڑ کر ختم ہو گئی۔

اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل و قندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا وہ سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں آ گئی (۱)

مرکز کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں کا اعلان خود مختاری کر دینا بالکل فطری بات تھی، چنانچہ سعادت علی خاں نے اودھ میں، علی و میردی خان نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنا

اقتدار قائم کر لیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی ذرائع ختم ہو گئے۔  
ان حالات میں ناگزیر تھا کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو بھٹوری سی بھی قوت جمع کر سکتے ہوں قیمت آزمائی  
کے لیے تیار ہو جائیں۔ سکھ۔ مرہٹے۔ روہیلے۔ جاٹ۔ سب نے اس ماحول میں ہنگامہ آرائی کی، اور  
حالات کو اس درجہ خراب کر دیا کہ امن و سکون ملک سے مستقل طور پر بخت ہو گیا۔ فقر و فساد  
مناشرت و عداوت ٹوٹ مار اور غارت گری نے سماجی زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔

سکھ | پندرھویں صدی میں اسلام کے اثر سے ہندوؤں میں جو مذہبی رہنما پیدا ہوئے تھے  
ان میں گردناک (۱۵۳۸-۱۶۹۴) کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے وہ بڑے  
وسیع مشرب کے انسان تھے۔ وحدانیت، اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر ان کا ایمان تھا بلکہ  
بزرگوں اور صوفیہ کی صحبت سے وہ کافی مستفیض ہوئے تھے۔ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر  
کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے کافی فائدہ اٹھایا تھا۔ (۱)

جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی۔ مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں  
کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا۔ لیکن جب اس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا تو مغل  
بادشاہوں کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل گئی۔ مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گردناک  
کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوا۔ (۲) جب اکبر چیتور پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو  
امر داس کے پاس دُعا کے لیے روانہ کیا (۵) کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر ان سے بارہ دیبات  
قبول کرنے کی درخواست کی تھی (۴) گرنتھ پر ۱۵۱ شرفیاں چڑھائی تھیں گرو ارجن کی سفارش پر پنجاب  
کا ایک سال کا لگان معاف کر دیا تھا (۴) امرتسر جس کا قدیم نام گرو چاک ہے، اکبر ہی نے سکھوں

MACAULIFFE III. P. 28. (۱)

(۲) تاریخ ہند، مولوی ذکا اللہ مرحوم، جلد ۹ صفحہ ۴۹

(۳) تاریخ ہند صفحہ ۴۹

(۴) تاریخ ہند جلد ۹ صفحہ ۵۲

(۵) چاک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ گرو چاک کے معنی ہوئے وہ ٹکڑا جو گرو کو پیش کیا جائے۔



کو دیا تھا۔ مغل بادشاہوں کے یہ تعلقات اس وقت تک رہے جب تک سکھوں کے رہنماؤں نے سیاست میں مداخلت نہیں کی، جو نہی اس تحریک نے رنگ بدلا، شاہانِ مغلیہ کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ مسلمان بادشاہوں کی مخالفت کا سبب کوئی مذہبی عناد نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ کلیتاً سیاسی تھی<sup>(۱)</sup>۔ گروارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا اور امرتسر کو عسکری، مرکز بنا کر کابل سے ڈھاکے تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے ان سے محصول لینا شروع کیا۔ اس طرح بقول تارا چند ایک مذہبی برادری ایک حکمران طبقہ میں منتقل ہو گئی<sup>(۲)</sup>۔ دولت کی ہوس اس قدر بڑھ گئی کہ خود سکھوں میں مشہور ہو گیا کہ دنیا کی دولت گرونانک سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھی۔ گرووانگد سے ۶ کوس پر گروامرداس کے دروازہ پر اور گروارجن کے گھر میں<sup>(۳)</sup>۔

سکھوں کا سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا۔ گروارجن (۱۶۰۹-۱۵۸۱) نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی، پناہ دی۔ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دس بار میں بلایا اور جرمانہ کیا۔ جب انھوں نے جرمانے کی ادائیگی سے انکار کیا تو ان کو سزا دی گئی۔ ڈاکٹر بیٹی پرشاد نے صحیح لکھا ہے کہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی۔ اگر گروارجن ایک باغی شہزادے کی مدد نہ کرتے تو وہ بلا ضرر اور پولے اطمینان کے ساتھ اپنے دن گزار سکتے تھے<sup>(۴)</sup>۔ سر جادونا تھ مسرکار کا بھی یہی خیال ہے کہ اس قتل میں کوئی مذہبی جذبہ شامل نہ تھا یہ سزا وہی تھی جو معمولاً سیاسی مجرموں کو کو دی جاتی تھی<sup>(۵)</sup>۔

SARKAR: HISTORY OF AURANG-

(۱)

ZEB VOL III. P. 305.

HISTORY OF THE INDIAN (۲)

PEOPLE P. 269.

(۳) تاریخ ہند۔ مولوی ذکا اللہ مرحوم۔ جلد ۹ ص ۱۰۰

HISTORY OF JAHANGIR P. 130. (۴)

(۵) تاریخ ادنگ زیب جلد سوم صفحہ ۳۰۳ (انگریزی)



گروہ رائے (۱۶۶۱-۱۶۴۵) نے جنگ تحت نشینی کے دوران میں دارا شکوہ کو مدد دی (۱)

اور اوزنگ زیب سے ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ پھر تیغ بہادر (۱۶۴۵-۱۶۶۲) نے کشمیر کے ہندوؤں میں بغاوت پھیلانا شروع کی، تو اوزنگ زیب نے ان کو قتل کر دیا۔ (۲) گرو گوبند سنگھ (۱۶۰۸-۱۶۷۵) سے بھی اس کے تعلقات خراب رہے۔ ۱۶۷۶ء میں جب بادشاہ جامع مسجد سے نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اسٹیش پھینکیں (۳) اب سکھوں کی دشمنی صرف بادشاہوں ہی تک محدود نہ رہی، عام مسلمانوں سے بھی مخالفت شروع ہو گئی۔ سکھ رہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگ کی قبر پر نہ جائے، اگر جائے گا تو ۱۲۵ روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ (۴)

اوزنگ زیب نے جب اس کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور سلطنت مغلیہ سے ان کی دشمنی کا یقین ہو گیا تو ان کے استیصال کی کوشش شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ ان کا ایک مرکز رہا نہ ایک رہنما، اوزنگ زیب کے کمزور جانشینوں نے ان کی لالچ کو اور بڑھایا اور ان کی چیرہ دستیاب اور مظالم اس حد تک پہنچ گئے کہ

”زمنائے عالمہ را شکم دیدہ و جنین را کشیدہ می کشند“ (۵)

بندہ کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اٹھا۔ ۱۷۰۱ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدل کر پناہ لی (۶) ان کے مظالم

(۱) اردن جلد اول صفحہ ۷۷ (انگریزی)

(۲) تاریخ اوزنگ زیب۔ سر جارجونائٹھ سرکار۔ جلد سوم صفحہ ۳۱۶

(۳) مآثر عالمگیر صفحہ ۱۵۴

(۴) تاریخ اوزنگ زیب جلد سوم صفحہ ۳۱۶

(۵) سیر المتاخرین صفحہ ۴۰۲

(۶) اردن جلد اول صفحہ ۹۶

زندوں تک محدود نہ رہے، شاہ قمیص قادریؒ کا مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا (۱)  
 مہارنپور میں عورتیں سکھوں کے ڈسے کتوؤں میں ڈوب کر مر گئیں (۲) بعض لوگوں نے قتل و  
 غارت گری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام بدل دیئے (۳)

۱۶۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طاقت اور اہمیت میں اضافہ ہو گیا  
 ۱۶۳۹ء سے ۱۶۶۵ء تک متعدد بیرونی حملوں کی وجہ سے حالات خراب ہو گئے اور سکھوں کو ہنگامہ  
 آرائی کا موقع ملا۔ انھوں نے ۱۶۶۲ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا اور جہلم سے جہانگیر تک اپنا تسلط قائم  
 کر لیا۔ ۱۶۶۵ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان ان کا اقتدار اور بڑھا۔ انک سے کرناٹک اور  
 ملتان سے جموں تک ان کے قبضہ میں آ گیا۔

اب انھوں نے دو آب اور روہیل کھنڈ پر بھی حملے کرنے شروع کر دیئے۔ انیسویں صدی  
 کے شروع میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کیا اور سکھوں کی طاقت پورے  
 عروج پر پہنچ گئی۔

**مرہٹے** | ادنگ زیب کے مرنے کے بعد مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔  
 دکن اور گجرات کی صوبہ داری پر امراء آپس میں جھگڑتے تھے اور مرہٹوں کی طاقت  
 بڑھتی تھی (۴) جب مرہٹوں کا طوفان شمال کی جانب امتداد پاتا تھا تو اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے  
 حکومت کی طرف سے مرہٹوں کو مراعات دی جاتی تھیں، تاکہ وقتی طور پر وہ طوفان رُک جائے۔  
 ان مراعات نے مرہٹوں کی ہمت میں اضافہ کر دیا۔ جب فرخ سیر اور سید برادران میں کش مکش

(۱) اردن جلد اول صفحہ ۹۷

(۲) اردن جلد اول صفحہ ۱۰۰ تاریخ ہند (مولوی زکال اللہ) جلد ۵ صفحہ ۷

(۳) دستور الانشاء۔ یار محمد صفحہ ۸

(۴) سرچا دوناتھ سرکار: ندال سلطنت مغلیہ، جلد اول صفحہ ۶۷





ان حالات میں لوگوں کو اپنی زندگی و بال معلوم ہونے لگی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آکر مرہٹوں کے تسلط سے خلاصی دلائے (۱) احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی طاقت سے ٹکرایا۔ اس جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا اور بقول سرکار ہمارا مشترک کوئی ٹکرا لیا نہ رہا جہاں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ دس سال تک مرہٹوں نے شمال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد دو تین بار انھوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے شمالی ہندوستان پر تسلط جانے کی کوشش کی اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی مگر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے مقابلہ میں ان کو کوئی مستقل کامیابی حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

**جاٹ** | ادنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے دہلی اور آگرہ کے گرد و نواح میں اپنی گڑھیاں بنائیں اور تمام علاقہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ مدیہ ہے کہ اکبر کے مقبرے میں سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر بلایا۔ (۲)

یہ برتاؤ اس اکبر کے ساتھ تھا جس نے ہندو بن اور مستھرا میں جنگ کشود کو پی ناتھ گوہندرو و فیرو مناد اپنے صرقہ سے جاٹوں کے لیے بنوائے تھے۔ (۳)

(۱) آندرام تخلص نے شاعرانہ انداز میں بات کہی ہے۔

بر دل ماترہ بعداں زان صیف شرکان گذشت

انچہ از فوج دکن بر ملک ہندوستان گذشت

دعین بر برگ گلہا نگندد مسیح از نسیم

بر گریبان او نیچہ از دستم شبہ ہجران گذشت

(تھانیف آندرام تخلص، قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ)

(۲) قلعہ مالگیری۔ چودھری بنی احمد سندھوی ص ۹۵۔ ۴۹

(۳)



جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور ارد گرد کے باشندے سخت پریشان ہو گئے تھے۔ ہر چند اس مصنف چارگلشن شجاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ میں اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے وہ در بدر گلی بگلی پائے مارے پھرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موبوں کے رحم و کرم پر پھو پانگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا ہے۔“ (۱)

**روہیلے** | سترھویں صدی میں افغانوں کے کچھ جھٹے ہندوستان آکر مختلف مقامات پر بس گئے، بریلی، شاہجہان پور، فرخ آباد میں خاص طور سے ان کی نوآبادیات قائم ہوئیں فرخ آباد کے افغانوں نے محمد خاں بنگلش کی قیادت میں بڑا عروج حاصل کیا۔

بریلی کے افغان قبائل۔ روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئے اور انھوں نے اتنی تیزی کے ساتھ تنظیم کی کہ اٹھارویں صدی کی سیاسی دنیا میں اپنے لیے ایک خاص جگہ پیدا کر لی۔ اٹھارویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو وہ صرف روہیلے تھے۔ حکمران کی حیثیت سے بھی ان کی شان امتیازی تھی۔ سرحد و تھ سرکار نے لکھا ہے کہ وہ اس معاملہ میں مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے یا نہیں۔ (۲) روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی ان کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ جارج فارسٹر کہتا ہے کہ انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فارغ البالی اور خوشحالی پھیلا دی ہے گاؤں سرسبز و شاداب ہیں اور ہر طرف بحالی ہی بحالی ہے (۳)

(۱) قلمی نسخہ ص ۲۱

FALL OF THE MUGHAL EMPIRE (۲)

L P. 56.

GEORGE FORSTER: A JOURNEY (۳)

FROM BENGAL TO ENGLAND

(LONDON 1793) VOL I. P. 98 - 99.

ردہیلوں میں مذہبی جذبہ بددھارت تھا۔<sup>(۱)</sup> لیکن مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ اکثر مذہبی مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے اور ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔<sup>(۲)</sup> ردہیلوں نے ہندو دیوان کثرت سے ملازم رکھے تھے۔ نجیب الدولہ خاص طور پر ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر ان کا خیال رکھتا تھا۔

**بیرونی حملے** | اٹھارویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے۔ ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بد سے بدتر کر دیا اور باغیانہ قوتوں کو ابھار کر ہر طرف انتشار و ابتری کا ماحول پیدا کر دیا۔

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن مولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا اندازہ اس زمانہ کے لڑ پچر سے کیا جاسکتا ہے لوگوں میں خوف و ہراس، قنوطیت۔ پست ہمتی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں۔ ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ شاہ جہان اور اوزنگ زیب کی دہلی پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ شاہان مغلیہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بے حساب دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ اقتصادی اطمینان بھی ختم ہو گیا۔ مجموعی طور پر اگر اٹھارویں صدی کے ان حملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی قضا کو اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب آیا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی مضبوط بند نہ باندھے جاسکے!

(۱) ملاحظہ ہوں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات بنام نجیب الدولہ۔

(۲) ملاحظہ ہو کلمات طیبات ص ۶۸ وغیرہ

انگریزوں کا تسلط | انگریزوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے اس حصے پر قدم جمائے تھے جو اس ملک کا سب سے زیادہ خوش حال علاقہ تھا

اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا اقتصادی مرکز ثقل ( بنگال کی طرف منتقل ہو گیا تھا اورنگ زیب تک کے اختراعات آخری زمانہ میں بنگال کے محاصل سے چلتے تھے۔ انگریزوں کے بنگال پر مسلط ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اقتصادی شرک ان کے قبضہ میں چلی گئی۔

بادشاہوں اور امراء کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے باعث انگریزوں کو اپنا اقتدار بڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۷۵۷ء میں فرخ سیر نے کمپنی کو بغیر محاصل اور جنگی کے ملک میں تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جعفر اور صادق جیسے ننگ وطن لوگوں نے ان کو اپنی طاقت بڑھانے میں مدد دی اور برطانوی سامراج کے مضبوط پنچے اس ملک میں جم گئے۔

پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) کے بعد، کچھ بیدار مغز لوگوں نے انگریزوں کے بیٹھے ہوئے خطرہ کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ اپنے اختلاف کو دور کر کے اس پر آمادہ ہو گئے کہ سب متحد ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں۔ مدیہ ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہید جن کی تحریک عموماً صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے، غیر ملکی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراک عمل کے کوشاں تھے۔ لانا پور راجہ ہندو رائے کے نام خط (۱)

مسلمانوں کے مصائب کی انتہا نہ تھی، ابتدا تھی ابھی موج خون نادر شاہ کا نادرہ حملہ | سر سے گزری نہ تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کے بعد تو ملک میں وہ

ابتری اور انتشار پیدا ہو گیا کہ بقول ہر چند اس، لوگوں پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ مرہٹے جاٹ سکھ — تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا۔ میر تقی میر نے اسی زمانہ میں

(۱) مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟ (ابوالحسن علی ندوی) ص ۲۷۲



جس جا کہ خس و خوار کے اب ڈھیر لگے ہیں  
 داں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں  
 یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ  
 یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا (۱)

**مرہٹے رخصت ہوتے ہیں انگریز آتے ہیں** | مرہٹوں نے پور پورے نکلے  
 وہ دلی آگئے، لال قلعہ کے  
 محافظ بن گئے، بادشاہ کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا، نام بادشاہ کا تھا حکومت مرہٹے کرتے  
 تھے:

”شاہ عالم عالم مالگیرانی کا بیٹا مرہٹوں کا پنشن خوار بن کر لال قلعے میں زندگی بسر  
 کرنے لگا اور قریب قریب تمام ہندوستان کی سلطنت مرہٹوں کے ہاتھ میں آگئی۔ شاہ عالم نے اس بات کی  
 کوشش کی تھی کہ مرہٹوں کے بیچوں سے آزاد ہو جائیں۔ مگر بیچارے کامیاب  
 نہ ہو سکے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کی ایک مستقل فوج دہلی میں رہنے لگی۔ (۲)  
 لیکن حالات نے پھر ہلکا کھایا، قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، ایک غیر ملکی طاقت ابھر  
 رہی تھی، وہ آگے بڑھی اور رفتہ رفتہ اس نے، نہ صرف مرہٹوں کو، سکھوں کو، جاٹوں کو، بلکہ  
 مسلمانوں کو بھی ختم کر دیا۔“

بڑا عظیم الشان معرکہ جنرل لیک گارے جو بھاکم بھاگ ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء شہر دہلی کے محاذی  
 جمنائے مشرقی کنارے کے وسیع میدان میں جو اس زمانہ میں پانی سے بھرا ہوا تھا ایک دم نمودار ہو گئے

(۱) تاریخ مشائخ چشت ۲۲۲

(۲) چراغ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص ۵۱



مرہٹوں کا پندرہ ہزار کا لشکر قلعہ سے ان کے مقابلہ پر اُترا۔ انگریزوں کی فوج میں جملہ چار ہزار نو سو نفری تھے گو یہ تعداد فوج کی مرہٹوں کے لشکر کے مقابلے میں کم تھی مگر اس کمی کی تلافی ان کی آراستگی اور جنرل کی قابلیت بخوبی ہوتی تھی تین بجے صبح سے بجے شام تک ایسی گھمان لڑائی رہی کہ مرہٹوں کے چھڑے بکھیر دیئے۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزی ظفریاب فوج شہر میں داخل ہو گئی، دو دن بعد جنرل ایک دیوان خاص میں نابینا بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے اور ڈگمگائی ہوئی مغلیہ سلطنت کی طرف سے بڑے بڑے لمبے خطابات صمصام الدولہ اشجع الملک خان دولان جنرل ایک بہادر فتح جنگ اور خلعت فاخرہ سے سرفرازی ہوئی۔ کرنل اکسٹرونی کمپنی کے ڈپٹی ایڈجیٹنٹ (اجیٹنٹ) جنرل دلی کے رزیدنٹ مقرر ہوئے بطور امتیاز خاص نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ہر جنٹ کو جو اس جنگ میں شریک تھی اعزازی نشان مرحمت فرمائے اس لڑائی نے سندھیا کے لشکر کا قلع قمع کر دیا۔ (۱)

مرہٹے صرف یہی نہیں کہ دہلی سے بھاگے بلکہ :

سرجی ارجن کے گانوں کے صلح نامے کی۔ دسے سندھیا نے دو آب کا سارا علاقہ مع آگرہ دہلی کے انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ وہ تیموری جاہ و جلال جس کے آگے ابھی شان عجم اور شوکتِ روم حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ نیست و نابود ہو گیا، اور مغلوں کی حکومت سمٹ کر قلعہ کی چار دیواری تک رہ گئی۔

شاہ عالم کے بعد ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی منہ حکومت پر متمکن ہوا ۱۸۲۷ء میں اس کے مرنے کے بعد بہادر شاہ ظفر جو دودمان تیموریہ کا آخری چشم چراغ تھا تخت نشین ہوا اس کی حکومت کی بساط ۱۸۵۷ء کی رست خیز میں دہم برہم ہو گئی (۲)

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی حیدر علی (بشیر الدین احمد) ص ۶۸۴

(۲) کلاسیکی ادب

**انگریز کھیل کھیلے** | انگریز اقتدار اور تسلط حاصل کرنے کے بعد، کھیل کھیلے، جیسے جیسے طاقت بڑھتی گئی من مانی باتیں اور حرکتیں کرنے لگے، والٹر رائے نے بادشاہ کی توہین کی، پادریوں نے رعایا پر ڈول ڈالے، فرنگی سامراج نے اپنا سکہ چلایا، انگریزی عدالتوں میں شہزادے مدعی علیہ بن کر پہنچے، مسلمانوں سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا گیا:

(۱)

ناگپور سے خبر آئی ہے کہ شہر کامٹی میں پادریوں نے ایک اسکول بنالیا تھا وہاں ایک ہندو لڑکا اپنے سرپرستوں (والدین؟) کی مرضی کے خلاف عیسائی ہونے کے لیے پادریوں کے پاس آ گیا تھا، لڑکے کے سرپرستوں نے دیبا ناگپور سے فریاد کی، راجہ ناگپور نے اپنے ریزیڈنٹ کو شکایات لکھی، ریزیڈنٹ نے پادریوں سے لے کر، سرپرستوں کے حوالے کر دیا (۱)

(۲)

دہلی کے صرافوں نے درخواست گزاری ہے کہ یہاں ابھی تک لکھنؤ کے سکہ کے روپوں کا لین دین جاری ہے اور کمپنی کے سکہ چہرہ شاہی پر فیصدی ایک روپیہ صرافہ (بٹہ) لیا جاتا ہے حالانکہ کمپنی بہادر کا منشا یہ ہے کہ کمپنی کا روپیہ رواج پذیر ہو شہر کے لوگوں کو عام طور پر اس بات کی شکایت ہے ضروری ہے کہ مناسب انتظام کیا جائے۔ (۲)

(۳)

ایمرسٹن نے ۱۷ فروری ۱۸۳۷ء کو شہنشاہ سے ملاقات کی، گورنر جنرل کی اس ملاقات سے شہنشاہ نے دل برداشتہ ہو کر راجہ موہن رائے کو انگلستان بھیجا، مغل شہنشاہ کی تذلیل کے بعد ایمرسٹن شملہ روانہ ہوا، (۳)

(۱) سرطاس جٹکاف کی ڈائری ص ۱۰۲

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۸ اپریل ۱۸۳۷ء

(۳) کمپنی کی حکومت ص ۲۹۹

(۴)

۸ مئی ۱۸۴۶ء آغا حیدر ناظر کے نام ایک شفعہ جاری کیا گیا کہ سلاطین کو سمجھا دیا جائے کہ قرض لینے سے ہاتھ روکیں کیونکہ جب قرض خواہ عدالت انگریزی میں دعویٰ کرتے ہیں اور انھیں کچھری میں گھسٹنا پڑتا ہے تو خاندان تیموریہ کی بڑی بدنامی ہوتی ہے، (۱)

(۵)

مسلمان شہنشاہ کی ظاہری برتری کو مٹانے سے بہت پہلے ہم نے مسلمان حاکموں کو بظرف کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اسی برائے نام عظمت کے برائے نام تماشا بن جانے کے بعد بہت کافی عرصے تک حتیٰ کہ ۱۸۳۵ء تک ہمارے حکمے اس کے نام سے جاری ہوتے۔ پھر جب ہمیں یہ جرات ہوئی کہ سکوں پر انگریزی بادشاہ کی شکل دے دی جائے۔ تب بھی ہم نے اسلامی دستور العمل اور عدالتوں میں اسلامی زبان کو برقرار رکھا۔ گو یہ باتیں بھی اپنی اپنی باری پر بتدریج مٹ گئیں، (۲)

**راس کماری سے درہ خیبر تک** | پنجاب فتح ہونے سے ہندوستان کی لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہوا جولارڈ اداک لینڈ کے زمانہ

سے ۱۸۳۸ء میں جنگ افغانستان سے شروع ہوا تھا۔ ہمارا جہد رنجیت سنگھ نے جو ہندوستان کے نقشہ میں سرکار کمپنی کی عملداری کے سرخ رنگ کو دیکھ کر پیش گوئی کی تھی کہ نقشہ کا رنگ سارا سرخ ہو جائے گا۔ وہ اس کے مرنے کے دس برس بعد پوری ہوئی۔ جنگ پلاسی سے نالوے سال کے اندر سارا ہندوستان راس کماری سے لیکر درہ خیبر تک سرخ رنگ ہو گیا (۳)

**بہادر شاہ کی درگت** | اب صورت حالات یہ تھی کہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ: ”وہ انتظام سلطنت کے لیے بارگتھے مگر اس وقت صحیح طور سے یہ بات

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ”مکتبہ“

(۲) ہمارے ہندوستانی مسلمان، ۳۳۵

(۳) تاریخ عروج انگلشیہ، (دکالٹن) ص ۶۰



نامناسب خیال کی گئی کہ انھیں دہلی سے ہٹا کر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات کو کھٹیس لگائی جائے کسی ترغیب پر وہ محل چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے تھے اس امر کا اندیشہ نہ تھا کہ اسلامی طاقت دوبارہ زندہ ہو جائے گی بلکہ یہ خیال تھا کہ بادشاہ کہیں ہندوستانی ریاستوں کے اتحاد کا مرکز نہ بن جائے وقتاً فوقتاً انگریزی اخبارات بادشاہ کو ہٹا دینے کا مشورہ دیتے تھے، ۱۳ جنوری ۱۸۵۹ء کی اشاعت میں دہلی گزٹ نے جو صوبجات شمالی مغربی کا سب سے مشہور اخبار تھا حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا :- جمعات کی صبح کو ولیم سلطنت شاہزادہ دارا بخت کا انتقال ہو گیا اور ان کے بعد شاہزادہ فخر الدین ولیم قرار پائیں گے ہمارے پاس اس امر کے یقین کرنے کے وجہ ہیں کہ شاہی خاندان کا حق جانشینی اس کے بعد ختم ہو جائے گا اس لیے کہ انفرادی طور پر ان سے اس کی ذمہ داری کر لی گئی ہے اور ایسی ذمہ داری اور کسی فرد خاندان سے نہیں کی گئی ہم صدق دل سے اعتقاد کرتے ہیں کہ صورت حالات درحقیقت ایسی ہی اور یہ کہ ہماری حکومت بادشاہ کے انتقال پر خاندان کو منتشر کرنے کا معقول انتظام کرے گی اور گزارے کے لیے مناسب پیشن کا بندوبست کرے گی، (۱)

## فاقہ مست شہزادوں کی شورش

اور آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی !  
۲۸ اگست ۱۸۵۷ء حضور النور کو اطلاع

دی گئی کہ بعض سلاطین کا ارادہ ہے کہ جس وقت روپیہ خزانہ انگریزی سے خزانہ شاہی میں آئے تو جبراً روپیہ پر قبضہ کر لیں حضور النور نے یہ خبر سنی تو صاحبکلاں بہادر کے نام ایک شقہ جاری فرمایا کہ روپیہ قلعہ میں نہ بھیجا جائے بلکہ ہاتھی سواروں کا ایک دستہ خزانہ کے ساتھ تعین کر کے حضرت قطب الاقطاؤں سرہ کے مزار کے متصل جو حویلی ہے وہاں روانہ کر دیا جائے تمام تنخواہ داروں کو روپیہ وہیں سے تقسیم کیا جائیگا۔ (۲)

(۱) غدر کی صبح و شام ص ۲۸

(۲) بہادر شاہ کا بعد ناچہ ص ۷۴



یہ تھانہ ماحول، جب ہندوستان کی مسلم حکومت ختم ہوئی، اور انگریزی حکومت قائم ہوئی اس پس منظر کو پیش نظر رکھنے کے بعد، عہد بہادر شاہ کی سیاسیات کے سمجھنے، اندر انخطاط و زوال کے اسباب و محرکات کی تہ تک پہنچنے میں بہت آسانی ہوگی،

مباحث کے بیان میں، عبارت آرائی، اور قافیہ پیمائی سے گریز کیا گیا ہے، زیادہ سے زیادہ اختصار، کے ساتھ، مستند ترین واقعات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

# بہادر شاہ

اک شمع رہ گئی تھی سودہ بھی خاموش ہے

سراج الدین بہادر شاہ ۱۷۵۵ء میں پیدا ہوئے، ۱۸۲۷ء میں تخت شاہی پر تھکن ہوئے اور ۱۸۶۲ء میں بہ حالت غربت و جلاوطنی، قید سبم سے آزاد ہو کر واپس عالم جاودانی ہوئے۔ ان کی زندگی ایک مستقل المیہ تھی، سکون خاطر، فراخ طبع اور اطمینان قلب کا ایک لمحہ بھی اس طویل زندگی میں انہیں میسر نہ آیا۔ جب تک وہ شہزادہ رہے دوسرے بڑے بھائیوں کے سامنے ہیچ میرزی اور کسی پری کی زندگی بسر کرتے رہے جب ولی عہد کے انتقال کے بعد وہ ولی عہد مقرر ہوئے تو وجود باپ ——— معین الدین اکبر شاہ ثانی ——— کے محبوب رہے جب تخت حکومت پر تھکن ہوئے تو آفات و مصائب نے استقبال کیا، بد بختی اور بد نصیبی نے سلامی دی، تباہی اور بربادی نے آغوش شفقت دیا، غربت اور جلاوطنی کی موت نے مبارک بادوی غرض ولادت سے لے کر موت تک ان کی ساری زندگی، اگر مختصر کیجئے تو ایک آہ سے طویل دیکھئے تو ایک مرثیہ ! وہ شخصاً اور طبیعتاً سراپا نیکی اور شرافت تھے، فطرت کی طرف سے دل دد مند لے کر آئے تھے بے بغما غمتی کے باوجود دوسروں کی مدد کرنے میں پیش پیش رہتے تھے، وہ کسی کے بدخواہ نہ تھے انگریزوں نے ان کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن ان کے ساتھ بھی انھوں نے بہت اچھا برتاؤ رکھا، مفسدوں اور سازشچیوں کو بھی ان کے دبار سے ماں ملی، دشمنوں اور بدخواہوں کو بھی انھوں نے کبھی کوئی تکلیف نہ دی۔

بہادر شاہ مجموعہ محاسن تھے، وہ ہنرور تھے فن کار تھے شاعر تھے، مصنف تھے، خطاط اور خوش نویس تھے، تیر پھینکنے، تلواری چلانے اور بندوق بازی میں مشاق تھے۔ ان کا دبار ہنروروں سے



دہلی کے آخری مغل تاجدار بادشاہ بہادر شاہ ظفر جنہوں نے حریت پسندوں  
کے ساتھ شامل ہو کر اعلان کیا کہ وہ سارے ہندوستان کے بادشاہ ہیں





بھرا رہتا تھا۔ ان کی مجلس میں وہی بار پاتا تھا جو کچھ صلاحیتیں رکھتا ہو، زمانہ انہیں ادب اور انحطاط کے بھنور میں دھکیل رہا تھا۔ ان کی بادشاہت برائے نام رہ گئی تھی۔ ان کا بدبہ اور طعنہ ختم ہو گیا تھا، ان کا جہاد و جلال رخصت ہو چکا تھا، ان کا دم غم جواب دے چکا تھا، لیکن بائیں سہرہ و زندگی سے لڑتے رہے آفات و حوادث کا مقابلہ کرتے رہے ہر ناگواری میں خوشگواہی کا پہلو ڈھونڈتے رہے، ہر دکھ اور تکلیف کو مردانہ وار جھیلے رہے :-

یہ نظم ہوگا اگر ہم بہادر شاہ کی ذاتی اور صفاتی زندگی کا جائزہ نہ لیں گو وہ مختصر ہی کہیں نہ ہو :-

**بہادر شاہ کا حلیہ** | مرزا فرحت اللہ بیگ نے سراج الدین ظفر کا حلیہ اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے، پہلے اسے ملاحظہ فرمائیے۔ پھر بہادر شاہ کے احوال و سوانح پر ایک نظر ڈالیے :-

مرزا صاحب بہادر شاہ کی تصویر یوں کھینچتے ہیں :-

”دہلی میں وہ کون ہے جس نے ظل اللہ کو نہ دیکھا۔ میانہ قد بہت نحیف جسم کسی قد لمبا چہرہ بڑی بڑی روشن آنکھیں، آنکھوں کے نیچے بڑیاں بہت ابھری ہوئیں، ایسی گردن چوکاڑا اونچا پتلی ستواں ناک بڑا اونٹ، گہری سانولی رنگت، چھری دار بھی، کھوں پر کم ٹھوڑی پر ذرا زیادہ لہیں کتری ہوئیں، ستر برس سے اونچی عمر، بال سفید بھک۔ لیکن پھر بھی داڑھی میں اکا، کاسیا، بال چہرے پر جھبڑاں لیکن باوجود اس پیرانہ سانی اور نقاہت کے آواز میں مہمی کرار اپن، سبز کمخواب کا ایک برکا پانچامہ اور سفید دھاکہ کی ٹل کا کرتہ زیب بدن سامنے ایک چوکی پر جامہ وار کی خفتاں اور کادو چوپی چوگو شیبہ ڈپٹی رکھی ہوئی تھی۔“

**بہر صفت موصوف** | راقم الدولہ ظہیر دہلوی جو بہادر شاہ کے شریف و باریوں میں تھے۔ اور ان کی شرافت کا ثبوت یہ ہے کہ بادشاہ کی جلاوطنی

کے بعد بھی وفادار رہے۔ اپنے آقاؐ کے ولایت فن کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :-

**فن سیاہ گری** | ہندوق ایسی لگاتے تھے کہ بید و شاید بال بندھا نشان اڑتے کبھی نشانہ خطانہ کرتا معتاد رہا ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جانور اڑتا ہوا جاتا ہے ہوا اور ہوا دار میں آ رہا دیریا میں مچھلی یا مگر نے منہ نکالا اور گویا سخن پر پڑی اور چپت ہو گیا۔

ہے ہوا دار پر ہندوق دھری ہے اٹھائی اور جھونک دی، چھتیا نے کی حاجت نہیں لوٹ لوٹ ہوا اور ہوا دار میں آ رہا دیریا میں مچھلی یا مگر نے منہ نکالا اور گویا سخن پر پڑی اور چپت ہو گیا۔

**فن تیر اندازی** | فن تیر اندازی میں بادشاہ آپا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے بادشاہ کی کثرت تیر اندازی کا حال میں نے اپنے والد کی زبان سے سنا ہے کہ

بادشاہ زمانہ ولیعہدی میں جولن تھے تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو دیوان خاص میں ایک جر ثقیل لگا رکھی تھی تین من چوڑی کی پوٹ نیچے ٹھکتی تھی، جر ثقیل کے ذریعہ اس کو ٹھکی سے کھینچا کرتے تھے تیس ٹانگہ کمان کھینچنے پر قادر تھے، اچھی کمان کو کبادہ بنا کر پھینک دیتے تھے، ایک دن سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی راستہ میں مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد ثانی کا باغ تھا وہاں سے کچھ شور و غل کی آواز آتی تھی، فرمایا غل کیسا ہے، عرض ہوئی مرشد زاد سے تیر لگا رہے ہیں حکم ہوا سواری اوپر سے چلو غرض کہ وہاں پہنچے، سب آداب بجالائے فرمایا تیر لگاؤ، سب تیر لگا رہے تھے فرمایا تیر کمان اور دھراؤ، کمانوں کی کشتی پیش کی گئی، ان میں سے ایک کمان اٹھائی اور تین تیر کھینچ لیے۔ اور باقاعدہ کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تو وہ میں پیوست ہوا ایک بالشت باہر دیا سب نے تحسین آنری کی دوسرا تیر اور لگایا اس سے زیادہ تو مے داخل ہوا تیسرا وہ بالکل مغروق تھا، فقط لب سوار ہی باہر باقی رہے اور تمام تیر غرق تھا نعرہ تحسین آفریں بلند ہو گیا یہ میری چشم دید بات ہے :

**سپر شمشیر** | پھیلتی کے فن میں بادشاہ میر حامد علی صاحب کے شاگرد تھے میر حامد علی و میر اشرف علی دونوں بھائی استاد کامل تھے ہندوستان کے بڑے بڑے رئیس ان کے شاگرد

تھے علی کی کثرت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایجاد سے ہے وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔

میں نے اپنے والد کی ترابی پر سنا ہے کہ بادشاہ تنناٹھ آدمیوں کے مقابل یکدم کثرت کیا کرتے تھے اور  
 آٹھ آدمی برابر ان پر چوٹ آتے تھے اور بادشاہ سب کچھ واروکتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے  
 جاتے تھے اس قدر مشتق بہم پہنچائی تھی۔

**فن شہسوار کی** | مشہور بوزگار ہے کہ ہندوستان میں ڈھائی سوار تھے ایک بہادر شاہ دوسرے  
 آپ کے بجائی مرزا اجماعی جنہوں نے انگریزوں سے شرط بدکر الہ آباد کی  
 خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا لیکن اب بھی جس گھوڑے پر  
 سوار ہو جاتے تھے اپنی شہسوار کی کھا دیتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا  
 ہے۔

**خطاط اور خوش نویس** | بہادر شاہ اپنے وقت کے بہت بڑے خطاط اور خوش نویس  
 بھی تھے ان کے تمام جاننے والے اور ان کی خدمت میں رسائی  
 رکھنے والے اس پر متفق ہیں کہ ان کی نوک قلم سے جو حرف نکلتے تھے وہ موتی بن کر نکلتے تھے اور اسل میں  
 کی طرح آب تاب دکھاتے تھے۔

حکیم ناصر تذیر فراق لال قلعہ کی ایک خادمہ کا بیان نقل کرتے ہیں :-

بادشاہ ہزاہوں اور ان کے باپ دادوں کو تین شوق ضرور ہوتے تھے ایک نجوم کا ایک  
 مصوری کا ایک خوشنویسی کا اور ان سب میں کمال پیدا کرتے تھے بابر بادشاہ اور ان کے بڑوں کے  
 ہاتھ کے مرتعے میں نے عمدہ عمدہ دیکھے ہیں جن کے آگے مانی اور ہزاہوں کی کاریگری بھی ہے اور داراشکوہ  
 اور عالمگیر اور نگز بیب اور ان کے جہانیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں اور قطعے بادشاہ سلامت  
 کے پاس بہت سے تھے انہیں دیکھ کر مشتق کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ وصلیاں نہیں تبرک ہیں

ط : داستان غدد - (راقم الدولہ ظہیر مہروی) ص ۲

ط : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر تذیر فراق) ص ۲۶



مولانا راشد الخیری کی تحقیق بھی یہی ہے۔

دلی والوں کو تو اب نہیں گرد آئی کہ اچھی طرح معلوم ہے کہ بہادر شاہ کا خط اپنے وقت میں جواب نہ رکھتا تھا، میر پنچ کش شہر کے مشہور خوش نویس بادشاہ کے ہم عصر تھے برسوں دونوں نے ساتھ ریاضت کی اور اس محنت کے فن کو کمال درجہ پہنچا دیا، میر صاحب کا خط ہندوستان میں بے نظیر تھا مگر بادشاہ کی خوشنحلی کے وہ بھی مداح تھے؛

خط نسخ میں مہارت نامہ | راقم الدولہ ظہیر دہلوی بھی اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔

خط نسخ میں حضرت بادشاہ ظل اللہ میر سے جد بزرگوار میر علی شاہ صاحب کے شاگرد و رشید تھے۔ میر سے دادا نے میسرے والد اور بادشاہ کو برابر بتایا تھا، دونوں بزرگوار خوش نویس لاثانی تھے، دہلی میں جتنے اس فن کے خوش نویس تھے، میر سے والد کے یا بادشاہ کے شاگرد تھے ایک اور ایک قصیدہ عربی سلطان دم کی مدح میں غدیو مصر کی جانب سے ولایت کو بھیجا گیا اور ولایت سے دہلی میں آیا، طاس صاحب ایجنٹ دہلی نے میر سے والد سے کہا کہ آپ اسے لکھ دیجئے، والد نے جواب یائیں بغیر اجازت حضور کے نہیں لکھ سکتا، آپ اجازت مان لیں، میں لکھ دوں گا، طاس قصیدے کو لے کر حضور میں گئے اور تمام کیفیت عرض کی، حضور نے والد کو بلو کر حکم دیا، خلیفہ تم لکھ دو، میر سے والد نے اس کی صحت کرا کے لکھ دیا اور طاس صاحب نے بہت سامنا چڑھوا کر اسے تیار کرایا اور پھر وہ ولایت کو بھیجا گیا؛

اُستادی شاگردی | حافظ امیر الدین صاحب بادشاہ ہی کے شاگرد ہیں جنہوں نے ایسا قرآن شریف لکھا جس کی دھوم لندن اور دم تک ہو رہی ہے

ط : نوبت پنج روزہ (راشدی کا) ص ۱۶۴ :

ط : داستان غدد ص ۱۹ :

ط : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر ندیر فراق) ص ۲ :



بهادری شاه بهشتی غازی

مكتبة جامعة القاهرة

بجانبہ سے دیکھو۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت سے کیا گیا ہے۔

[illegible]

خطبات اسلامیہ (۱۰) باب الفیض فی التفسیر والحدیث

بہادر شاہ ظفر کا عکس تصویر



**نازک مزاجی** | میری ساس بڑی تنگ مزاج چڑچڑی بڑبولی تھیں اور شاہی محلوں میں ہر وقت رہنے سننے سے ستھرائی ان کے اندر حد سے بے حد آگئی تھی۔

ہر وقت سفید جوڑا بدل کر موسم کے موافق عطر لیتی تھیں کیونکہ جہاں پناہ کسی کام کے لیے یاد فرماتے تھے تو بالکل پاس جا کر کھڑا ہوتا پڑتا تھا اور اندیشہ تھا کہ باورچی خانہ کی دھوئیں کی بدبو کپڑوں میں نہ بس جائے اور جہاں پناہ کا داغ پریشان ہو۔

**تفریح اور دلچسپی کے سامان** | بہادر شاہ نے اپنی تفریح اور دلچسپی کے بہت سے سامان اکٹھا کر لئے تھے جن سے وہ دل بہلایا کرتے تھے لیکن ان

میں بھی کوئی نہ کوئی پہلو خدمت، افادیت یا پرورش کا ضرور ملحوظ رہتا تھا :

۲۰ جون ۱۸۴۹ء جمعہ دہلی :-

**مرغوں کی لڑائی** | اعلیٰ حضرت قلعہ میں رونق افروز ہیں حضور والا نے مرغوں کی لڑائی ملاحظہ فرمائی اور ایک طہنچہ اسی روپیہ کو خریدا۔

**بلبل ہزارستان** | حکیم ناصر تذیر فراق کی ایک وایت خاص طہ پر دلچسپ بھی ہے اور لطیف بھی اس سے عمدتاً ظفر کے رجمان عام پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

”جہاں پناہ کے چڑیا خانہ میں ایک بلبل ہزارستان بلی ہوئی تھی، سونے کے تار کے پتھر سے میں بہتی تھی، استاد میرن چڑیا خانہ اور کبوتر خانہ کے داروغہ تھے اس کی رکھیا کرتے تھے۔ جب بہار کا موسم آجاتا تو بلبل کو چپکنے کا شوق ہوتا استاد میرن اس کا پتھر سے کر بیگم کے باغ میں آتے تھے اور کھٹے کے درخت کی ٹہنی میں اسے لٹکا دیتے شہر میں ایک روز بیٹے سے دھوم مچ جاتی تھی کہ کل منگر کے وقت استاد میرن بادشاہی بلبل کا پتھر سے کر بیگم کے باغ میں آئیں گے شوقین لوگ

م : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر تذیر فراق) ص ۵

م : سرطاس ملاکات کی ڈائری ص ۱۵۰

اپنی اپنی اگن چنڈول، طوطے، مینا، بیڑ، شادا وغیرہ بولنے والے جانوروں کے پھرے سے کریم باغ میں سینچتے، گھاس کے تختوں پر جو محل کو مات کرتی تھی پھسلا مار کر بیٹھ جاتے اور اپنے اپنے پرندوں کے پھرے آگے رکھ لیتے، بادشاہی بل ہزار بولیاں بولتی جنہیں سن سن کر سننے والے سبھان لہند کہتے بل کے دم کو سن کر کوئی پرند چپکنے لگتا تو اس کا مالک پھرے کو تھپک دیتا، جس سے یہ مراد تھی کہ بل ہزار داستان کی بولی کان لگا کر سن اور چپ نہ کرے تاکہ تجھے بھی یہ ناک آجائے اور فی الواقع بل کی بولیاں سن سن کر شاہنجام آباد کے شوقین لوگوں کے اگن چنڈول خوب بولنے لگتے تھے اور شوقین لوگ فخر یہ کہتے تھے کہ جناب ہمارے اگن چنڈول نے بادشاہی ہزار داستان کی ما کھائی ہے کبھی کبھی بل کا پھرہ رات کے وقت محل میں بھی آ جاتا تھا اور جہاں پناہ کے چوکھٹ کے پاس لٹکا دیا جاتا تھا، جب تک حضور کا جی چاہے اس کا چمکنا سنتے تھے جب جی چاہتا پھرہ باہر بھجوا دیا جاتا تھا۔

جہاں دیا سے چند طاح ایک ہا کر لائے تھے اور جہر کے کے نیچے جہاں پناہ

**ناکہ کا شکار** | کے سامنے پیش کیا تھا، حضور والا نے اپنے ہاتھ سے اس زندہ ناکہ پر بندق سے ناکہ کیا پھر شاہی حکم سے دوسرے آدمیوں نے ناکہ کئے، حکم ہوا یہ ناکہ تیل نکالنے کے لیے دولت خانہ میں بھجوا دیا جائے اور ملاحوں کو پانچ روپیہ انعام دیا جائے۔

جہاں پناہ جس طرح شعر و سخن میں نئی نئی باتیں نکالتے تھے اس طرح

**نبت نئی ایجادیں** | کھانوں اور مٹھائیوں میں بھی نبت نئی ایجاد کرتے تھے مثلاً مرچوں کا دولہ کریمے کا طوا اور جس طور سے جہاں پناہ ہم لوگوں کو تعلیم دیتے تھے ہم بھی اسی طرح کرتے تھے اور انعام پاتے تھے۔

ح : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر ذریعہ فراق) ص ۲۵

ح : سرطاس شرف کی ڈاڑھی ص ۹۲

ح : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر ذریعہ فراق) ص ۲۵



یکم اگست ۱۸۴۵ء دوسری عرضی کا مضمون یہ تھا کہ غشی شیر علی خاں نے  
**رعایا کا خیال** | باغ چاندی چوک کے ٹھیکہ کا تمام وکال روپیہ ادا کر دیا اور اس کے ٹھیکہ  
 کی مدت بھی ختم ہو گئی اب وہ دوبارہ پھر ٹھیکہ لینا چاہتے ہیں یہ بات حضور کو منظور ہے یا نہیں  
 رائے عالی سے مطلع فرمائیے اس عرضی کے جواب میں حضور نے شقہ روانہ فرمایا کہ شیر علی خاں کو  
 ہرگز باغ کا ٹھیکہ نہ دیا جائے کیونکہ اس نے رعیت پر بہت ظلم و ستم کیا ہے ہمارے پاس اس  
 کی بہت سی شکایتیں موصول ہوئی ہیں :

**بادشاہ کے خطابات** | بہادر شاہ اگرچہ شاہ و شہنشاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے  
 تھے لیکن ان کے القاب و خطابات کی فرست بہت

طویل تھی :

۱۸ اگست ۱۸۴۵ء آفتاب کتاب نے اپنی نورانی شمعوں کو جب فغاٹے آسمانی  
 میں پھیلایا تو فروغِ مآذان عالی شان گوہ گانی چراغِ دودان نشان صاحبقرانی حضرت قدر قدرت نقا  
 رایت نور شیدائیت آسمان رفعت بہرام مولت کسریٰ حشمت فریدوں سلطنت جمشید جاہ  
 کاؤس دستہ گاہ سکندرشان دارا دیبان سلیمان نگین سلطنت لکین مہرِ چیم کو اکب جشم کوہ و قبا  
 سراج الدین محمد ابو ظفر بہادر شاہ و بی خلد اللہ ملکہ و سلطنت ڈیوڑھی خاص سے باہر تشریف لاکر جھرنہ  
 پر جلوہ افروز ہوئے، جھرنہ ایک عرض ہے نہایت صاف شفاف جس کے نظارہ سے روح  
 میں تازگی پیدا ہوتی ہے حضور معنی شیر تغریع کے بعد محلِ معنی میں تشریف لے گئے، دربار فرمایا  
 اراکین سلطنت نے شرفِ حضورِ مہر حاصل کیا اور ادب کے راقہ اپنی جگہ بٹھ گئے، مرتبہ و حیثیت کے  
 موافق سب کو عزت دی گئی :

ط : بہادر شاہ کا سفد نامچہ ص ۷۲

ط : بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۷۲

غریب پروردار شاہ | اگرچہ بہادر شاہ آمدنی کی کمی کے باعث پریشان رہتے تھے لیکن ضرورت مندوں محتاجوں اور ملازموں کی دل کھول کر مدد کرتے تھے۔

منشی ذکاء اللہ، بہادر شاہ کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کرتے، لیکن مانتے ہیں :-  
 ”غریب پروردی کی کیفیت اس کی قابل یاد رکھنے کی ہے، لنگڑے، لولے، اندھے، بہرے، پاچے جتنے آدمی کے ملازم تھے، سب کی تنخواہ، گھر بیٹھے پہنچتی تھی، فقط ان کی حلقہ میں جاتی تھی وہی تنخواہ بے آتی تھی، ساری عمر میں شاید کسی نوکر کو توقف کیا ہو، ہمیشہ نوکروں سے محبت کی باتیں کرتا، اور کبھی سخت کلامی نہ کرتا سوائے ایک دفعہ کے کہ اس نے دو ایک بدکار لونڈیوں کا سر منڈوا دیا۔“

بہادر شاہ کے معمولات | صبح سے شام تک بہادر شاہ کے معمولات کیا تھے اور ان کی نوعیت و کیفیت کیا تھی؟ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:-

تذیب کی آواز نے مخلوق خدا کو صبح کی آمد کا پیام پہنچا دیا، موتی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی، پھر کئی دایاں شاہی سہری پر حاضر ہوئیں اور آہستہ آہستہ پاؤں دبانے شروع کئے، بادشاہ بیدار ہوئے، سو اچھ ضروری سے فراغت پائی اور مسجد میں تشریف لاکر شریک نماز ہوئے، غسل خانہ میں تشریف لے گئے، جو پوندی کھلی خوشبو کا بیس چنبلی، شبو، موتیا، بیلا جوئی۔ گلاب کے تیل بوتلوں میں بھرے ہوئے قرینہ سے رکھے ہیں، ستارہ میں ایک طرف ٹھنڈا پانی، ایک طرف گرم پانی ہے، چاندی کے دوٹے سونے کی لٹیاں جگہ گاہی ہیں، غسل سے فراغت پائی اندر ہی اندر لباسی محل میں تشریف لائے جہاں رستم بیگ سردار کے سوا کسی کو داخلہ کی اجازت نہیں، بچے، بچیاں دست، بچے گھڑیوں کی قطاریں چنی ہوئی ہیں، سردار نے گھنٹہ کی چکن کا گرتہ دونوں طرف تکے گھنٹیاں، بیٹے کا ایک بڑا پاجامہ دتی کا کر بند پڑا ہوا جھک کر پیش کیا، بادشاہ نے کپڑے بدلے، منہلی کفش

پائیاں پہنیں، شمیم خانہ کا داروغہ حاضر ہوا۔ سر میں تیل ڈالا، بالوں میں کنگھی کی اور جہاں پناہ گلگشت کو باہر تشریف لائے۔

سات بج چکے ہیں اور بارشوں کے نہیں گرمیوں کے اور یہ وہ وقت ہے کہ رعیت کے ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں آدمی حلوہ پوری کچھ یاں، بوڑیاں دودھ جلیباں نہاری روٹی کھا چکے ہیں مگر یاد رکھنا کہ اس وقت تک رعیت کا بادشاہ نہایت ہنس رہا ہے، سب جگہ سے پھرتے پھرتے تسبیح خانہ میں آئے، دو نفل ادا کئے اور کچھ اور پڑھ کر باپ دادا کی پاک وحوں کو ثواب پہنچایا اور جہاں خلوت میں داخل ہوئے مہتمم ادویات نے مجر کیا اور سر بھر شیشاں جس پر احسن اللہ حکیم کے دستخط ہیں نکالیں ہر توڑی ادویات کی پیالی تیار کی، خواص نے طلائی طشتری میں پھلکوں سمیت دوا تولہ چنے پیش کئے بادشاہ سلامت نے پہلے یا قوتی کی پیالی پی اس کے بعد جنوں سے منہ صاف کیا اور پان کی ایک گھڑی کھا کر مٹی کے کاغذی حقہ کو ننھ لگایا، شہر کے مختلف حالات سنائے گئے۔

توشہ خانہ کے گھڑیاں سے دس کی آواز آئی اور افسران محکمہ نے اپنے بستے کھولے قہمان سنبھالے اور حکم احکام لے کر کاغذات پر دستخط کر لائے۔

ایک گھنٹہ تک یہی سلسلہ رہا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یا قوتی اور چنے کے سوا کوئی چیز بیٹ میں نہیں پہنچی گیارہ گھنٹے بجتے ہی بادشاہ تخت سے اٹھے، اہلکاروں نے مجر کیا، چوبداروں نے باولہ بلند دلاڑی عمر کے نعرے لگائے اور جہاں پناہ محل میں تشریف لے چلے دروازے پر پہنچتے ہی تھولتی جو خاص دردی پہننے ہوئے عسا ہاتھ میں لیے کھڑی تھی آگے بڑھی اور زور سے کہا:

”پیر و مرشد حضور عالی بادشاہ سلامت عمر دراز“

تین دفعہ یہ نعرہ بلند ہوا، محل کے تمام متعلقین کو تشریف آدمی کی خبر ہو گئی، یہاں تک کہ جہاں پناہ محل میں پہنچے بڑی بیگم صاحبہ نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور ان کے کمرے ہوتے ہی امراء و دروہاء کی بیگمیں، شہزادیاں کھڑی ہوئیں، جہاں پناہ نے سب کی طرف دیکھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی، تخت پر بیٹھے اور سب کو بیٹھنے کا حکم دیا اور صریح سب اپنی اپنی جگہ تھیں اور صرند بعت و کھواب کئے، کنوئیں



کی مردار و خد کشمیر نے جس کا نام مہتاب تھا توڑی بیگم نے اپنے ہاتھ سے بھنڈہ تیار کیا و چاندی کی صراحی سے پانی لیا، سونے کی کٹوری میں ڈالا اور کھنڈ کی سنہری طشتری میں جو چاندی سونے سے لپی ہوئی ہے اٹھ کر اپنے ہاتھ سے پیش کیا، جہاں پناہ نے بھنڈہ نوش فرایا جس قدر بیگیں اور شہزادیاں تھیں دوسرے کمرے میں پہنچی بیگم نے خود تازہ پان کی گوری بتائی، بادشاہ سلامت منہ میں سے کر دھر اُھر کی باتوں میں مصروف ہوئے کہ مہتاب سامنے آئی جھک کر بھرا کیا اور عرض کیا :-

د دسترخوان تیار ہو ؟

حکم ہوا آچھا

اسی وقت مہتاب الٹے پاؤں لوٹی اور ایک لبا چڑا دسترخوان اس طرح بچھایا کہ نیچے چمڑا چمڑے پستل پائیاں، سیتل پاٹیوں پر وسط میں چار گز طویل آدھ گز بلند تخت اور چاروں طرف دسترخوان جہاں پناہ آ کر تخت پر تشریف فرما ہوئے، دائیں طرف بیگیں بائیں طرف شہزادیاں متقابل میں مرد اور لڑکے سپلا بھی بادشاہ سلامت کے رو بہ آئی، ان کے بعد داہنی طرف سے سلسلہ شروع ہوا، تین سپلا بچیوں کے دور ہوئے یعنی شاہی سپلا بھی سے صرف بیگیوں کے ہاتھ دھوے دوسری سے شہزادوں کے تیسری سے مردوں کے حضور نے کھانوں پر نظر ڈالی تو باعتبار موسم بہ چیزیں تھیں

پیتلی کے کباب، ہرن، مرغ، قیتر، بیڑ اور خرگوش، چھ، مرغابی، مرغاب، شامی کباب، بکر، مرغ، ہرن، تاز، کھنگ، ہریل، جنگلی کبوتر، مچھلی (دوہو، سول) - ملی -

مہاشیر

سادہ سالن : مرغ بکرا، ہرن، کبوتر، مچھلی، بھٹ ڈی، کلو، اردی، کچالو، نیڈالو، رتالو، کھیرا، لکڑی، زین قند، پردل، شلجم، چقند، گوبھی، مٹر، بیگن، کرے، ساگ، کچنال، سیم کے بیج :-

چاول، بکین، میڈانی، قہلی، پلاؤ، مرغ پلاؤ، ہریل پلاؤ، چنا پلاؤ، صندلی پلاؤ، زنگسی پلاؤ



فالسائی پلاؤ، شاہی پلاؤ، کوشتہ پلاؤ، بیضہ پلاؤ، شاہجہانی پلاؤ، نورجہانی پلاؤ، بونٹ پلاؤ،  
چاول میٹھے، ندوہ، تہن، کششہ تہن، بادامی تہن، آبی تہن، ہری تہن، فالسائی تہن، ماہی  
تہن، اسرائیلی تہن، مزعفرہ،

روٹی : چباتیاں سادہ، پراٹھے، ساڑے، بل دار، دو سے کئے، میدے کئے، شیرال، باقر خانی  
خمیری، گاؤ دیدہ، گاؤ زبان، نان گلزار، نان بہار، ہمایوں روٹی، روغنی روٹی، کچھے، بیسنی روٹی  
برمی روٹی، اصفی روٹی، کل گھی کی روٹی، نیلوفر روٹی، مصری روٹی،  
کھیر : فرنی، سادہ کھیر، آلو کی کھیر، بادام کی کھیر، پستہ کی کھیر، آموں کی کھیر، گاجر کی کھیر، جنوں  
کی کھیر، دس کی کھیر، نقری کھیر، طنالی کھیر،

دلیہ اور رائتہ : دودھ، ٹنڈے، بگن، دراز گھیا، تری کریلے، گوشت،  
بورانی : سادہ، گلڑی، مونگ، بیسن، کھیر، بگن،

قیمہ : مرچ، سادہ، ہری مرچ، لال مرچ، سیاہ مرچ، میٹھی، سویا، کریلے، خاکینہ، انڈے  
سموسے، آلو، قیمہ، قیتہ، بیٹر، مرغ، مچلی، ادوی کئے، انڈے کئے، زعفرانی، رنگینی، میمانی، سادہ  
گلڑے، خمیری، نان پاؤ، گاؤ دیدہ، گاؤ زبان، میٹھے، سلونے، آبی، ترنجی، ہندوستانی، ایرانی  
والیس، بادشاہ پسند، سرخابی، بھری، ترکمانی، سادہ، بھنی ہوئی، تلی، بھگی ہوئی، خشک، ہر  
مونگ، اش، پنج میل، مسور، ملکہ مسور،

کھنڈو یاں : بیسن، دہی کی، سادہ، تھکی لمبی، گول، چوکور، بھنی ہوئی، تلی ہوئی،  
میٹھی چٹنیاں : اناس، آم، گلہ زندہ، راحت جہان، پودینہ، سرکہ، ادراک، سیم کے بیج، پے  
ہوئے، تھے ہوئے،

سلونی چٹنی : پودینہ، ہری مرچ، کیری، آم، پیاز، لمبی عرق تانی، سرکہ، ادراک، سیم کے بیج  
پے ہوئے، تھے ہوئے،

مرتبے : آم، اناس، ادراک، امرود، ہی، سید، گڑہل، بڑہل، کٹھن، گاجر، مولی،

حلوے : گاجر۔ روا۔ مہلی۔ چنا۔ موتی چھ۔ مونگ۔ فندہ جہانی۔ بکیری فرضی آسمانی  
زعفرانی۔ خشک نما عزیزنی۔ ابدانی۔ سودانی۔ غربی۔ شتندی۔ مصری۔

مٹھائیاں : حلوا سوسن۔ گلاب جامن۔ تلاقند موسوتی پاک کھجور۔ امرتی۔ لٹو۔ پیرٹے۔  
بادشاہی۔ اندسے۔ اندرے کی گولیاں پیٹھے کی مٹھائی۔ پھنیاں۔ بڑی۔ بالائی۔  
پھل : آم۔ خربوزہ۔ کیلے احمد آبادی۔ بگالی۔ کولی۔ رنگترے شریفیہ۔ لیچیاں۔

پانچ برتنوں میں کھلی بہین اٹبہ۔ صابن اٹار کھا ہوا ہے پچاس سال لائق عات کہنے  
کے لیے موجود ہیں۔ جہاں پناہ نے سب طرف ایک نظر ڈالی اور یہ دیکھا کہ شمیم خواص  
نے گلاب پاش کھولا پہلے چاروں طرف گلاب چھڑکا گیا اس کے بعد کھینچا اور اس کے بعد عطر  
نص جہاں پناہ نے سب کے پہلے فیرنی میں چھپ ڈالا۔

آج یہ غریب تلاش و مفلس کنگھے جن کو دہلی نے نکال کر باہر پھینک دیا۔ جہاں کے کناے  
بھوکے مر رہے ہیں یہ اس وقت قلعہ میں موجود ہوتے تھے۔ سات من روٹیاں خمیری اور پانچ دیگ  
سالن ان کے واسطے تیار ہوتا تھا اور جہاں پناہ نے فیرنی میں چھپ ڈالا اور چوہ داروں نے جینج کر  
آواز دی :-

## ”طعام مبارک“

اب کیا تھا کنگھے کھانے پر ٹوٹ پڑے اور پیٹ بھر دوائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے  
اللہ اللہ کیا سماں تھا اور کیا لوگ تھے جہاں پناہ طعام تناول فرما چکے مگر ابھی ہاتھ نہیں کھینچا  
صرف اس لیے کہ کھانے والے بھوکے نہ رہ جائیں جب اطمینان ہو گیا کہ سب کھا چکے تو ہاتھ اٹھا  
کہ خدا کا شکر ادا کیا، شاہی ہاتھ اٹھتے ہی تمام ہاتھ بارگاہ حقیقی میں اٹھ گئے ایک خواص پلاچی  
دوسری آفتابہ قیسری بہین جو بھتی کھلی پانچویں اٹبہ لئے حاضر ہوئی اور ہر بات سب ہاتھ دھو کر کھلی  
کرنا۔ نع ہوئے خواص خاص نے بادشاہ کے روپر دوسونے کا خلال پیش کیا، دوسروں نے نیم کے  
تنگے سے بڑی بگیم صاحبہ نے پیارمی بنگالی ادا اپنے ہاتھ سے گود ہی تیار کی جہاں پناہ گود ہی منہ میں

رکھے ہوئے اٹھے بارہ دری کے چاروں طرف پرے لگ گئے، اب مجال نہیں کہ چڑیا کا تاجہ بھی بارہ دری میں داخل ہو سکے، امیر غریب نوک چاکر سب خاموش اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ جو نہی جو بارہ دری کے خاص کمرہ میں پہرہ شے رہی تھی، دوڑی ہوئی آئی اور کہا: ”آبدار خانہ کے داندہ سے کھو ابجیات جلد حاضر کرے“ داندہ تیار تھا اسی وقت ایک مراحى گنگا کے لہ ایک جنا کے پانی کی جو چار پیر تک نثار کر سر بہ سر رت میں دباؤ تھی سے کر آگے بڑھا، جو نہی کو دی، جو نہی نے خواص خاص کو دی، اس نے جا کر ملک عالیہ کے سامنے مہر تھی اہل ظلالی کھڑے میں لہن کے سامنے پانی اٹا ملک مدین اپنے ماتھے سے پانی پلانے چلیں اور کھٹا پیش کیا، بادشاہ نے پانی پیا اور الحمد للہ کہہ کر بستر پر استراحت فرمائی

خفا نے ہر چار طرف لگے ہوئے ہیں چھڑکاؤ ہو رہا ہے، شکے جھلے جارہے ہیں اور ایک عالم سنان ہے جہاں سانس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

وہ بچے اوجھڑ کر اذان ہوئی، اوجھڑتی سے نثار بچایا، جہاں پناہ بیدار ہوئے پہرہ اٹھ گیا، صرف ایک برقعہ اذوہ بھی عورت ہو شیار رہی، انسان کے خمیرہ کا تبا کو حقہ میں بھرا گیا دو چار گھونٹ لے کر جہاں پناہ کھڑے ہوئے جو نہی نے ماتھے باندھ کر عرض کیا ”کرامات پانی تیا ہے“ وضو خانے کی طرف تشریف لے گئے، وضو کیا لیکر کی مسواک کی باہر تشریف لائے نماز پڑھی محل کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اکھڑا کر پناہ نے آب حیات طلب کیا مراحى کی ہر توجہ گئی، بادشاہ سلامت نے پانی نوش فرما بچوں نے

”حیات مزید“

کے نعرے لگائے خواصوں نے آمین کہی

یہ بسم اللہ بسم اللہ کی صدا میں کیسی بلند ہو میں نقیب جو باد کیوں آراستہ ہوئے بر نوبت کا ہے کی ہے، ذرا سامنے دیکھنا سرخ سبز گڑیاں نندا، اچکن گول پنچہ کی جوتیاں اکا۔ کانیں قطار در قطار لیجئے وہ سب ماتھے باندھ کر کھڑے ہوئے اور یہ متفقہ صدا جس سے قطعہ کوچ گیا سانی دہ



”قدم ہوشیار نگاہ رو برو“

جہاں پناہ تشریف لائے اور بیگناں سرخ سبز کڑے پہنے مردانہ لباس میں کندھے پر ہموادار لے  
کھڑی ہیں ہموادار تو صرف اٹھ ہی کے کندھوں پر ہوتا ہے مگر ان کے ساتھ کندھا بدلنے کو ایک پورا غول کا غول ہو جاتا  
ہے، جہاں پناہ ہموادار میں تشریف لائے، لیکر ی کاٹا کاٹا تکیہ مقیش گوگرد کے پیسے نہ لفت کھواب  
کے گل تکیہ ہموادار میں قدم رکھتے ہی وارو غہ نے عرض کیا

کرات پردہ باندھ دیا جائے

حکم ہوا ”ہوں“ جھلا جھلی کے پڑے اٹھنے خواجہ سراؤں نے مورچل سینما سے جیشوں کا دستہ آن جہان  
کے ساتھ ساتھ ہے، افغانیوں نے جریب لیے اور آگے بڑھے ”قدم ہوشیار نگاہ رو برو کے نعرے  
لگ رہے ہیں کچھ اور بھی دیکھا یہ ہموادار کے آگے کیا ہوتا ہے، تعجب نہ کیجئے، ہو کی خلقت اپنا پیٹ  
بھر رہی ہے، کنگے اپنا بدن ڈھانک رہے ہیں دیکھئے چاندی کے پھول پچھا رہے ہیں، خیرات خانہ  
کا منیب بھر پور مٹھیاں ہموادار پر لٹا رہا ہے۔ یہ چاندی آج کی چاندی نہ تھی کہ ایک روپیہ کا آٹا دو مال میں  
لے آئے، سستاں اچھے دگ پاک نیتیں، صاف دل، تین تین ماشہ کا ایک پھول ایک بھی ماشہ لگ گیا  
تو تین دن کے لیے بے فکری ہو گئے۔ آن جہان کے چاروں طرف اٹھ جگہ دی جیشی لم لائقہ میں سیسے  
چل رہے ہیں دفعۃً جامع مسجد سے مغرب کی اذان کا غلغلہ بلند ہوا یہ منظر بھی دیکھنے کے قابل ہے ماشہ  
اکبر کے ختم ہونے سے پہلے کناروں نے جس جگہ تھے وہیں آن جہان رکھ دیا اور سب مت بستہ کھڑے  
ہو گئے، جہاں پناہ اذان کی آواز سننے ہی باہر نکل آئے، کفش بردار نے فوراً زیر پائی سامنے رکھی جہاں پناہ  
نے جوتی پہنی اور مسجد کی طرف روانہ ہوئے، مغرب کی نماز کو جا رہے ہیں مسجد میں داخلہ ہوا، ایسا تعظیم و  
ادب سب معاف ہیں اور صواہل سلام علیک کے کسی دوسرے لفظ کی اجازت نہیں جہاں پناہ نے خود  
ہی سلام علیک، فرمایا، حوض پر تشریف لائے، گلی کی اور نمازیوں کے ساتھ آتا مل ہوئے، نماز ختم ہوئی  
سلام پھر ادعا مانگی گئی، جہاں پناہ اٹھ کھڑے ہوئے تو ”الذاکبر“ کی متفقہ صدا سے مسجد گونج اٹھی، قلند  
کی شرک لب روشنی سے جگمگا رہی ہے سو نے چاندی کے عصا اور برتن چمک رہے ہیں بادشاہ آن جہاں میں



بیٹھے پیش خواص نے آواز دی

اقبال زیادہ : بڑھو آگے بڑھو

سوار دی لوٹی تخت رداں کے پر سے اٹھا بیٹھے گئے، سواروں نے گھوڑے تیز کئے اور تان جھان سچے  
تھیں پہنچ کر سولہ کی اطلاع دی، جیسی سالہ استقبال کو دروازہ پر اکھڑا ہوا، غشاء سے قبل سواری  
دہیں آئی، وہ گھڑی رات تک جہاں پناہ شاہجہانی باغ میں ٹھلے رہے، غشاء کی نماز موتی مسجد میں ٹھہری  
لہر محل میں تشریف لے گئے پڑ

سب آفتاب نے افق مشرق سے اپنا فدا فی چہرہ نکالا، بادشاہ سلاست  
مرغان صحرائی کا شکار

دیوید طبعی غاص سے باہر طوبہ انفرادہ ہوئے، لیکن سلطنت نے آداب  
سلام کے مراسم ادب اخلاص کے ساتھ ادا کئے حضور ظل اللہ مرغان صحرائی کے شکار کرنے کی غرض سے  
تشریف لے گئے، پچھ گھڑی دن چڑھے بہت سے پرندوں کا شکار کر کے دولت سرا میں قدم رنجہ  
فرمایا۔

سلاست  
سلاست ہندوں کا تہلو ہے، مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں، مگر فدا بہادر شاہ کا دربار  
اور سلاست کا جشن دیکھئے کہ دونوں قومیں اس تہلو میں برابر کی شریک ہیں پہلے اس  
کی حقیقت پر نظر ڈالیے اور پھر ہر لوگوں کی فراخ جو ملگی اور وسعت دلی و انصاف کی داد دیجئے۔

شاہ عالم کا باب عزیز الدین عالمگیر ثانی اپنے سیدھے سامعے معاملات اور بھولی بھالی باتوں  
کی وجہ سے فدا آخر میں ایک غاص وقت رکھتا ہے، اس کا نامک حرام وزیر غازی الدین خان جس کی دلی  
خواہش یہ تھی کہ بادشاہ کو اپنی مٹھی میں رکھے سوہ اس سر میں ہوا کہ کسی طرح بادشاہ کو قتل کر کے اپنے بھتیجے کو  
تخت پر بٹھائے اس منصوبہ کی تکمیل میں اس نے بعض اداکین حکومت کو شامل کیا اور ایک روز جب بادشاہ  
عصر کی نماز سے تاخیر ہوئے تو عرض کیا۔ جہاں پناہ ایک فقیر روشن ضمیر کو ملے میں تشریف فرما ہیں۔

۱ : تربت پنج روزہ (علامہ راشدی النجری) ص ۲۴

۲ : بادشاہ کا روزنامہ ص ۱

بادشاہ چونکہ فقیروں کے عاشق تھے تعریف سنتے ہی بے تاب ہو گئے اور فرمایا فوراً بلاؤ چنانچہ دو آدمی روانہ کئے گئے جنہوں نے آکر عرض کیا: عالی جاہ شاہ صاحب کی تیوہری پر طلبی کا نام سنتے ہی بل گیا حضور وہ دنیا کی سہولت سے بے فکر ہیں اندیشہ رہے وہ شاید یہاں قیام بھی نہ کریں اور رات ہی رات کوچ کر جائیں، عزیز الدین بادشاہ یہ سنتے ہی کانپ گیا اور فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا کہ ایسا نہ ہو، فقیر کی بددعا بباد نہ کر دے کوٹلہ سینچا تو یہاں فقیر کے بدلے اللہ کا نام تھا، پانچ آدمی پہلے ہی سے تیار تھے مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک شخص نے پیٹھ میں خنجر بھونکا، دوسرے نے پشت میں چنڈھ میں بادشاہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے تو ان کی لاشیں دیہی طرف پھینک دی گئی، یہ واقعہ رات کو ابتدائی حصہ میں ہوا اتفاق سے رات چاندنی تھی اور بادشاہ کی خون آلودہ لاش جنگل میں پڑی تھی، جھاگھیر کے عہد میں جس طرح ایک زنجیر طلسمی تھی کہ سرفرازی قلعہ شاہی پر حاضر ہو کر بادشاہ کو اپنی کہانی سنا سکے، اس طرح اکبر کے قبیع میں عزیز الدین نے بھی یہ انتظام کیا تھا کہ وہ علی الصباح باہر آ بیٹھا اور لوگ اس کی زیارت کر لیتے، ایک برہمن عورت رام کو رہنا کے نشان سے واپس آ رہی تھی، پہلے تو ایک آدمی کو سوتا دیکھ کر جھکی، مگر غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ لاش بادشاہ کی ہے اور خون بہہ رہا ہے وہیں بیٹھ گئی اور رونے لگی۔

رات کا بڑا حصہ اسی طرح بسر ہوا جب بادشاہ کی واپسی میں دیر ہوئی تو بقیہ اراکین فداد و آثار ب پریشان ہوئے اور کوٹلے پہنچے اندھا کر چیہ چیہ اور کونہ کونہ چھان مارا، فقیر کا پتہ چلا نہ بادشاہ کا چاروں طرف ڈھونڈتے پھرے، نیچے جھانک کر دیکھا تو ایک لاش اور ایک عورت دکھائی دی، پاس پہنچے تو مفصل کیفیت معلوم ہوئی، شہر میں کھرام مچ گیا، صبح ہوئی تو ہلاک و صلا کہ بادشاہ کی لاش کو ہالوں کے مقبرہ میں دفن کیا۔ شاہ عالم باپ کی جگہ تخت نشین ہوئے، رام کو کو اس کی خدات کا صلہ کہ اس نے رات کو بادشاہ کی لاش کی حفاظت کی، سرور باد خلعت فاخرہ آج سے رام کو رشاہ عالم کی بہن بنی، سلونو کے روز وہ بہن کی حیثیت سے سچے موتیوں کی راگھی جس میں سونے کی گھنٹیاں ہوتی ہیں بادشاہ کے ہاتھ میں باندھتی اور بادشاہ حقیقی بہن کی طرح اس کو زرد جواہر دے کر گھر سے رخصت کرتے، شاہ عالم کے بعد اکبر ثانی نے یہ تہذیب مستور دنیا اور رام کو کی بڑی لڑکی ان کے ہاتھ پر راگھی باندھتی رہی، اکبر شاہ کے بعد بہادر شاہ نے

بھی سہلو کو اس طرح منایا اور رام کو کسے خاندان کو مال مال کیا، برسات کا موسم کچھ ایسا دلکش موسم ہے کہ گرمی کی شدت سے بریشان و پڑمردہ چھوٹے بڑے ہرل میں آسمان پر گھٹا آتے ہی انگلیں پیدا ہو جاتی ہیں سلو تو سادان میں ہوتا ہے جو یوں بھی دلچسپ مہینہ ہے پندرہ پندرہ اور بیس بیس روز موسلا دھار بارش برستی تھی۔ یوں تو سادان بھر ہی قلعہ معنی اور شہر ممبر میں رنگ لیاں منائی جاتی تھیں مگر سلو نو کا انتظام و انتظام قلعہ میں اٹھ اٹھ دس دس روز پہلے سے ہوتا تھا۔ جھوٹے پڑتے تھے اور کس تکلف کے کھجیوں پر سنہری دیہی پٹیاں جمی ہوئی ہیں ریشمی رسیاں ڈالی ہوئی گنگا جمنی پڑیاں پڑی ہوئی ایک طرف چلے ایک طرف چو کے کڑیاں چڑھی ہوئی سا ان بھرے ہوئے ہندوؤں کا انتظام الگ مسلمانوں کا الگ ادھر بادشاہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آ کر بیٹھے ادھر برہمنی نے راکھی بانڈھی برہمنوں نے اسیس دی و بارانے دعاؤں کے نعرے بلند کئے اور قلعہ اس صدا سے گونج اٹھا۔

”مہابی بادشاہ سلامت“

آسمان پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے ہلکی ہلکی چھوڑ پڑ رہی ہے مکھی باغ میں آموں کے جھنڈ چھائے ہوئے ہیں جاموں کے گچھے ہوا میں جھول رہے ہیں زمین پر لکڑیوں کی برس۔ آسمان پر بگلوں کی قطاریں دل کے پاس ہوتی ہے پیپا الاپ ہے کوئل کوکبھی ہے نقارے پر چوٹ پڑی بغیر کی جی اور چھوٹے والیاں جھوٹے میں گئیں، پیکیں بڑھ رہی ہیں بھوٹے مل رہے ہیں دوپہر تک جھوٹے لکڑیوں پر تے رہے کھانا کھایا اور بادشاہ سلامت نے اپنے ماتھے سے مردوں چڑیاں ایک ٹھٹھ میں پانچ ایک ماتھے میں تین اپنی پسند وہن کے بانڈھیں اور ساتھ والیوں کو جوڑے عطا ہوئے نقد روپے دیئے گئے میٹھا یوں کچوریوں پوریوں کی مثال عطا ہوئے اور اس طرح یہ بن بھائی کے انعام و اکرام سے مال مال شاہی جوڑے پہن کر کسراں رخصت ہوئی جٹ۔

یکم ماہ اگست ۱۸۴۵ء کنور جگت سنگھ کی مرضی حضور عالی کی نظر سے گزری مضمون یہ تھا کہ میرا مبلغ چھ ہزار روپیہ پیشکار مرزا خیمبور شاہ بہاؤ

خاندانی پریشانی

ط: نوبت پنچ بندہ (راشد الخیری) ص ۶۵



کے ذمہ نکلتا ہے ان سے جلدی ادا کرنے کی تاکید فرمادی جائے، حضور نے اسی عرض پر اپنے دستخط فرمائے اور تحریر کیا کہ تمکک کا کاغذ ہمارے پاس بھیج دو اور ایک رقعہ مرزا صاحب کے نام علیحدہ لکھا کہ تمہارے قرض خواہ ہم کو بہت تکلیف پہنچاتے ہیں تم کو چاہیے کہ اپنا قرضہ خود ادا کرو ورنہ تمہاری تنخواہ بند کر کے قرض خواہوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

”حضور اپنی دولت سرائے واقع قطب صاحب میں رونق افروز تھے ایک دن بہادر شاہ کا نشانہ

شاہزادہ شاہ رخ بباد نے عرض کیا کہ یہاں ایک مقام میں ایسا موذی سانپ سنا گیا ہے کہ جس سے لوگوں کو سخت تکلیف اور نقصان جان کا اندیشہ ہے، حضور نے یہ بات سنتے ہی فرمایا، چلو مجھے بتاؤ وہ سانپ کہاں ہے، شاہزادہ نے سانپ کے بل کے پاس جا کر ارشاد کیا کہ یہاں ہے، حضور نے سانپ کو دیکھ کر ایک ایسا تیرا کہ اس کو دم لینے کی ہمت نہ ملی اور فوٹا مر گیا۔

عیدِ قبر عید کا اتوار

ذرا دیکھئے، عید اور عیدِ اضحیٰ کا قلعہ میں کیا رنگ ہوتا تھا۔

حضرت بادشاہ غازی ہفتہ کے دن شوال کے پہلی تاریخ کو

قلعہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور عید کی نماز پڑھنے کو عید گاہ تشریف لے گئے، نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور حسبِ معمول نیاز کے بیٹے دو گاہ، آثار تشریف میں حاضر ہو گئے، عید گاہ تشریف کے متوالی جہاندار شاہ کو خلعت شمس پارچہ اور امام جماعت کو خلعت و شمشیر عنایت ہوئے اور وہیں قلعہ متوالی میں آئے، آتے جاتے وقت حسبِ لبطہ شاہی اور انگریزی توپخانوں سے سلامی کی توپیں سر ہوئیں، شام کے وقت تخت ہوا دار پر سوار ہو کر ناظر کے باغ میں رونق افروز ہوئے، محفل رقص و سرور منعقد ہوئی، محفل کے ختم ہونے کے بعد محلِ خاص میں تشریف لے جا کر آرام فرمایا، ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آئیں۔ اور توپخانہ سے سلامی کے توپیں چھٹیں۔

۱ : بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۱

۲ : احسن الاخبار : ۱۰ جولائی ۱۸۴۶ء

۳ : احسن الاخبار : ۸ اکتوبر ۱۸۴۸ء





تیجوری دربار کی آخری جھلک



بروز عید اضحیٰ بادشاہ سلامت ندق برق لباس زیب تن فرما کر بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر عید گاہ تشریف لے گئے، نماز سے فراغت حاصل کرتے کے بعد خلعت شش پا چھ دو رقم جواہر ایک قبضہ شمشیر مع پر تہ خطیب صاحب کو اور کم خواب کی قبا، سہ رقم جواہر، ایک دستار سربستہ اور گوشوارہ معیش ایک مثالہ متولی مصلیٰ کو اور خلعت شش پا چھ سہ رقم جواہر اور قبضہ شمشیر و قار الدولہ ناظم امور خاندانی کو مرحمت فرمائے، اس کے بعد اونٹ کی قرانی کی گئی اور حاضرین مجلس نے نان و کباب کا شغل فرمایا، اس وقت نہایت شادمانی اور فرحت کا ساند سالن تھا، ایک دوسرے کو مبارکباد دینے میں مصروف نظر آتا تھا، چاروں طرف سے مبارک باد، مبارک باد کی صداؤں آرہی ہیں جس راستہ سے بادشاہ سلامت کی سواری گندی امراء و درسا، اور اراکین سلطنت نے عید کی مبارک بادیں پیش کیں اور نذرین بھی گزراہیں آتے جاتے وقت شاہی اور انگریزی توپخانے سے نہایت بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھڑی گئیں ص ۶

”جس بادشاہ کا یہ جاہ و جلال ہے، اس کی رسم تاج پوشی کس طرح عمل میں آئی یہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیے :-

”دیوبند خاص کے فردوس میں آخری بہار آئی، ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۹ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ کو ہفتہ کے دن مرزا ابو ظفر بہادر شاہ ثانی ”ساعت معینہ میں محل سے برآمد ہوئے۔ جامع مسجد دہلی کے امام میر احمد علی نے رسم تاج پوشی کا افتتاح کیا، جھنڈیاں ملیں، توپیں چلیں، فوج نے سلامی آری شادیانے بکے، ریز پٹنٹ نے نذر پیش کی اور سرکار کپنی بہادر کی طرف سے تخت نشینی کی مبارک باد دہی ولی عمد خلافت مرزا دارا بخت اور دیگر شہزادگان والا تبار نے یکے بعد دیگرے آداب گاہ سے مہجرا کیا، بادشاہ کے قریب جا کر نذر و میا خلعت پایا، دوسرے امراء کی نوبت آئی، آداب مہجرا ہوئے، نذرین گزریں، خطابات و مناصب تقسیم ہوئے۔

از نشہ دولت بہ اور شاہی      شد پڑے طرب ایامِ دہلی  
یشت بہ تختِ دولت روز افزوں      نہ بہت بفرود از وہ دماغِ دہلی  
تاریخِ جلوسِ آلِ شہِ ولایت در      آمد بلب خرد و چراغِ دہلی

داروغہ علی نذر و نیاز اور لکھنؤ والیا کے عہد سے اس وقت بہت معزز تھے پہلے پر غلیفۃ الملوک ندیم الدولہ حافظ محمد داؤد خان مستقیم جنگ کا تقرر ہوا اور دوسرے جس کے سپرد تمام فقیروں اور گوشہ نشینوں کی خبر گیری تھی حاجی غلام علی مامود ہوئے مولانا فخر الدین چشتی کے پوتے غلام نصیر الدین عوف کاسے صاحب کو بھاپنے والد غلام قطب الدین کی وفات کے وقت نور و سال تھے اور حضرت محمد سلیمان تونسوی سے شرفِ خلافت حاصل کر کے سجادہ آباؤی پر رونق افروز ہوئے تھے زمانہ لہجہ دی میں مرزا ابوظفر کو اذکار و اشغال صوفیہ کی تعلیم مہینے کا شرف نصیب ہوا تھا اب بادشاہ کے پیر و مرشد مشہور ہوئے تھے جس اہتمام سے بہادر شاہ مسلمان تہوار مناتے تھے اسی انہماک اور جوش

**مہندو تہوار**

کے ساتھ وہ ہندو تہوار بھی مناتے تھے اس لئے کہ وہ اپنے اسلاف

کی طرح غیر متعصب اور دوادار تھے۔

آئیے ایک جھلک ان ہندو تہواروں کی دیکھ لیں :-

**دوسرہ** دوسرہ کے دن بادشاہ نے دربار کیا دیکھو ! پہلے ایک نیل کنٹہ بادشاہ کے سامنے اڑایا ایلو وہ باز خانے کا داروغہ باز اور شکر اسے کہ آیا بادشاہ نے باز کو لے کر ماتھ پڑھایا تو دربارِ خاص پر کو صلیل خاص کا داروغہ خاص گھوڑوں کو مہندی سے رنگ رنگارنگ کی ان پر نقاشی کر سونے روپے کے ساز لگا کر جھروکوں کے نیچے لایا، بادشاہ نے گھوڑوں کا ماحضہ کیا داروغہ کو انعام دے کر بخشیت کیا۔

ط ۱ : بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی) :

ط ۲ : ہرم آخر ط ۳ :



”آج پہلا دیا ہے دیکھو محل میں سب کی آمد و رفت بند ہو گئی، سقنیاں، دھوبیں، مالین  
**دیوالی** کمدیاں، حلال خوریاں تین دن تک محل کے باہر نہ نکلنے پائیں گی اور نہ کوئی ثابت  
 ترکاریاں محل میں آنے پائیں گی، بیگن، مولیٰ، اکیو، گاجر وغیرہ اگر کسی نے منگائی بھی تو باہر سے ترشی  
 ہوتی، اس لئے کہ کوئی جادو نہ کرے میرے دینے کو دیکھو آج بادشاہ سونے چاندی میں تکیں گے  
 ایک بڑی سی ترانو کھڑی ہوئی، ایک طرف پڑے ہیں بادشاہ بیٹھے، دوسری طرف چاندی سونا وغیرہ  
 کے برابر تول کے محتاجوں کو بانٹ دیا ایک بیٹا کا اکیل کڑا تیل ست بجا سونا چاندی نقد وغیرہ  
 بادشاہ پر سے تصدق ہوا، قلعہ کے برجوں کی روشنی کا حکم ہوا، کھیلین پٹاشے کھاٹہ اور مٹی کے  
 کلوٹے کھادوں نے سر پر رکھے جو لٹیاں ان کے ساتھ ساتھ گھر بگھر باٹتی پھرتی ہیں، نوبت  
 روشن چوکی اداہ بننے لگا، چاروں کونوں میں ایک ایک گنا کھڑا کیا نیوٹوں میں ڈور سے ڈال کر  
 ان میں لٹکا دیئے صبح کو وہ گئے حلال خدی کو دے دیئے، رات تھان بلیوں کو بنا ستود پاؤں میں  
 مندی لگا رنگ برنگ کی دس پرتعاشی کرسیگوں پر قلعی اور شگوٹیاں مانتھوں پر کارہو بی پٹے ادھنک  
 گلوں میں گھنکرو اور کاپو بی بانا قی جھولیں پڑی ہو میں چمچم کرتے چلے آتے ہیں بلیوں کو دکھا انعام  
 اکرام سے اپنے کارخانوں میں آئے دیوالی ہو چکی

دیکھو ہولی میں جنتے سا رنگ شہر میں بنے سب بادشاہ کے جھوکوں کے نیچے  
**ہولی** آئے انعام سے کہ رخصت ہوئے

بادشاہ کا یہی برتاؤ اور سلوک تھا جس کے ہندو اور مسلمان  
**ہندو مسلمانوں کی دعا** گن گاتے تھے اور جب غدر شروع ہوا تو دل سے چاہتے  
 کہ اس کا تخت اسے ملے :-

مسلمان اپنی مسجدوں میں ہندو اپنی مندروں میں یہ دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانہ

صلوہ دم آخر ص ۲۹

کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو۔ ہندوستان کے تمام ہندو مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں تیس سال سے زیادہ نہ رہے گی۔ بس چونکہ ابتدا اس کی ۱۷۵۷ء میں ہوئی تھی اب ۱۸۵۷ء میں ایک صدی بعد اس کا استیصال ہو جانا چاہیئے اور مرہٹی کے سلاطین قدیم کی اولاد میں سے کسی کو سلطنت کا ایک بنایا ہئے۔

”بہادر شاہ اس کی زندگی بسر کر رہا تھا، قیامت کو اس نے انگریزوں کی شرارت اور سازش اپنا شعار بنالیا تھا، لال چوہلی میں چپ چاپ بیٹھا من کی بادشاہت پر التفکر رہا تھا، لیکن انگریزوں کو یہ بات بھی نہ بھائی، انھوں نے اس کا منہ کوراستہ سے ہٹانے کے لیے شرارتیں شروع کر دیں۔“

بادشاہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا، اپنی زندگی اسٹش اور آرام سے بسر کر رہا تھا سرکار کمپنی کی پیش پاتا تھا اپنی بلند رتبی کا وہ زعم رکھتا تھا کہ اپنے آگے گورنر جنرل کو کمتر گنتا تھا ۱۸۵۷ء میں اس کا ولیعهد مرزا دارالنجب اس دنیا سے رخصت ہوا، لاڈل ڈھولوی کو یہ موقع ملا کہ بادشاہی کی اس جھوٹی نقل کو بھی مٹا دے گویا شاہی سبائے نام تھی۔

۱۸۵۷ء میں لاڈل ڈھولوی نے بیڑیڈنٹ مرہٹی کو کھڑا کر کے یہ بڑھا بادشاہ مہرجائے تو اس کا جانشین بغیر خاص اجازت کے متعین نہ کیا جائے، لاڈل ڈھولوی نے جو اس زمانے کے مدبر عظم تھے اس پر وہ کوٹھایا اور سب لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ خاندان بابر اور ایسٹ انڈیا کمپنی دونوں مشترک خداوند ہندوستان کے نہیں ہیں۔ لاڈل ڈھولوی نے جو اول یہ ارادہ کیا تھا کہ بہادر شاہ کو ہدایت کرے کہ وہ قطب میں جا کر رہے۔ قلعہ خالی کر دے، اس نے فتویٰ کر دیا تھا کہ وہ اس حکم سے برخلاف تھا، بادشاہ کی عمر شریف کی تھی اس کے زیادہ جینے کی توقع نہ تھی۔ اس سے اس کے وارث جانشین مرزا فخر الدین سے ایک عہد نامہ لکھا گیا کہ وہ باپ کے مرنے کے بعد قلعہ سرکار کے حوالے کر دے اس شرط کے ماننے میں مرزا نے کوئی چون چرن

ط: نصرت نامہ گورنمنٹ

نہ کی، مگر وہ باپ کے پیسے ہی ہریضہ سے مر گیا، بعض نے کہا کہ زہر دینے سے اس کا جام عمر بربز ہو گیا۔  
جس خاندان کو لارڈ ڈولہوزی مٹانا چاہتے تھے، آئندہ سال کے غدر نے فیرت و نابود کر دیا۔  
بہادر شاہ کو اپنے بیٹوں سے اپنی اولاد سے سکھ نہ ملا، یہ اس کے مرنے

## شفیق باپ

کی دعائیں مانگتے رہے، انگریزوں سے اس کی شکایتیں کرتے رہے، قلعہ میں  
اس کے خلاف سازشیں کرتے رہے، لیکن وہ ایک شفیق باپ کی طرح ہر حال میں ان سے محبت کرتا رہا، دیکھنا  
اس کا پہلا دلی عہد دار بدبخت اس دنیا سے نصبت ہوتا ہے :-

"مشہور شہزادی محمد بیگم کی والدہ کہتی تھیں کہ جب دلی عہد کی حالت غیر ہوئی اور بادشاہ کو موت کا  
پورا یقین ہو گیا تو وہ سر ہانٹے کھڑے ہوئے، مریض کی صورت ٹکٹکی بازہ کر دیکھی، جھکے اور بے تابانہ اپنا  
منہ اس کے منہ پر رکھ دیا، آنکھ سے آنسو جاری ہوئے، اٹھتے تو چکر آیا، بیٹھے اور چکر اکر گرنے، سنبھلے  
زار و قطار آنسوؤں کی لڑیاں بہ رہی تھیں، حکیم احسن اللہ خاں کی آمد ہوئی، انہوں نے نبض اور سانس دیکھ کر کہا  
شمعد و نیا چارمئے" یہ بھی عجیب وقت تھا، بہادر شاہ کا جوان پسر جس کی جوانی دیکھنے و کھلانے کے لائق  
تھی، آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا تھا اور بد نصیب باپ باغی میں شہ شکار رہا تھا، پار گھنٹے اسی طرح بہر  
ہوئے، ہر شخص پتھر بنا ہوا تھا، بدبخت باپ ایک ایک کا منہ صرست سے دیکھتا تھا، شاید کوئی اللہ کا  
بندہ اس مصیبت میں کام آجائے اور جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی ہے کوئی بھاد سے گریہ وہ پہاڑ تھا، جو  
کبھی کے سر کاٹنے نہ سرک سکتا تھا، وہ پہر کی توپ چلتے ہی بہادر شاہ اٹھتے، بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور  
دفن کیا، آنکھ سے آنسو جاری تھے اور ایک دیوانگی کا عالم طاری تھا، وضو ٹھیک تھا۔ نماز نماز پر بیٹھے  
دعا مانگ رہے ہیں۔

بالآخر وہ وقت بھی آگیا کہ عدا بہادر شاہ سے ہمیشہ کو جدا ہو گیا، وہ باپ کے کرب و اضطراب  
اور عزیزوں کی گریہ و زاری سے قطعاً نا آشنا رہے، بے خبر تھا اور اب اس جسم میں زندگی کا نام تھا صرف



سانس کی آمد و رفت کا نظام جب یہ بھی بگڑا تو وہ تھوڑی بہت اس جو سانس کے ساتھ جوش پوری نے لگا رکھی تھی ختم ہوئی اور ستم رسیدہ باپ بچے کے سرانے آکر گھڑا ہوا اور جب بیل نے یقین کر لیا کہ دارا کی صورت کچھ دیر بعد آنکھ سے ایسی اوجھل ہوگی کہ پھر نظر نہ آئے گی اور جس کی زندگی کے ساتھ جان لڑی ہوئی ہے قلعہ میں تھوڑی دیر کا مہمان ہے تو بے تاب ہو کر اس کے سر کو بوسہ دیا اور چپٹ گیا، روتی ہوئی آنکھوں سے دو دفعہ آواز دی گرواں کیا رکھا تھا۔ باپ بچہ تارانا اور اس کی آنکھوں کے سامنے کیجہ کے ٹکڑے کو پہلی ہچکی اٹلی بچھاڑ کھا کر گرا اور ہوش آیا تو باقی کی دونوں ہچکیاں اندر پروانہ رُوح کے تمام مراحل طے ہو چکے تھے بڑے

بہادر شاہ مجید تھا، معذور تھا، کچھ نہ تھا — پھر  
اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

بھی اس کا دل حوصلوں سے اندازیں کا سینہ انگلیوں

سے خالی نہ تھا، وہ کچھ نہ ہونے پر بھی جو کچھ ہو سکتا تھا کرتا رہتا تھا، ایک محرم امراء کا بیان طرہ ہے:۔  
”فقط ایک لاکھ روپیہ ماہوار تو سرکار انگریزی سے آتا تھا اور کسی قدر پرگتات و موضع جات یا ذاری کر ایہ دکا کین و آمدنی باغاں و طیول و نزول خالصہ وغیرہ کی آمدنی تھی بن کل الوجوہ سو لاکھ روپیہ تصور کر لینا چاہئے، مگر عظمت جلال و شان و شوکت و نزک احتشام و ادب و آداب و بار و انتظام جلوس سواری کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یاں کسی زمانے میں یہ خاندان عالی شان سزاوار فرمان روائی ہندوستان جنت نشان ہوگا، جل جلالہ مگر لاہور و انحطاط و کسرت و تل و قلت معاش و دامن حیرت خیز و تعجب انگیز ایسے نظر سے گزرتے ہیں کہ مجھے آج تک درطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے، اول تو خدا نے عالم نے اس لاکھ روپے میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ وہ خیر و برکت و وسعت و استطاعت کروڑوں روپے کی ریاستوں میں بھی نہ دیکھی۔“

خاصہ کلاں، خاصہ خرو، آبدارخانہ، دواخانہ، توشخانہ

جو اسر خانہ، سلط خانہ، خانہ اسائے، فیلمانہ، صطبل

کارخانہ جات بادشاہی

صل: نوبت پنج روزہ (راشد الخیری) ص ۹۰



بگھی خانہ، توپ خانہ، شتر خانہ، تھ خانہ، کار خانہ جلوس، ماہی مراتب (پیر و علم) بخشی خانہ، فوج کتب خانہ، کبوتر خانہ، داروغہ تذر نشانہ، داروغہ فراش، خانہ، پالکی خانہ، داروغہ کھاروں، داروغہ خاص، برداران، جمعہ دار، حبشیان، نواب ناظر، خواجہ سراہان، کار خانہ داران، کے نام بہ نظر طوالت قلم انداز کئے گئے۔

تفصیل فوج : سپاہ، پلٹن، اگرخی پلٹن، پچھرو پلٹن، خاص برداران، رسالہ سواران، معززین دربار، مغل، وزیر، پیر و مرشد، استادان، علماء و حکماء، نشانہ زدگان، نواب ناظر، بخشی فوج برداران، کیدان کا ملین، پفن، مہتممان کار خانہ جات، غرض، بگھیان، صیغہ ٹٹے، تقسیم تنخواہ، تنخواہ، تقسیم محلات، نشانہ زدگان، صیغہ سرکار قدیم، صیغہ علاقہ عسکری، صیغہ روزینہ، داران، تعلقہ نظامت، معززین دربار، ملازمان فوج۔

قرائن ادب و ادب پار شاہی : بدترین دربار، سلاطین و بی کے قہر، سوائے سلطنت، ایران کسی سلطنت یورپ میں مروج نہیں دیوان خاص کے وسط میں تخت عاویں نصب ہوتا تھا اور بالائے تخت نمکیر و زریں چوباسے نقرہ طبع طلائی پر نصب کیا جاتا تھا تخت سادہ کے برابر چار گوشوں پر طاؤس سلطان مینار، نصب ہوتے تھے اور ان کی نشانوں میں ہر سے بڑے موتیوں کی مالا میں جن میں زرد کے گچے ہوتے تھے آویزاں ہوتی تھیں تخت طاؤس میں سبز تکیے لگائے جاتے تھے جب بادشاہ دربار فرماتے تخت طاؤس کے دونوں چاروں میں دو طرفہ منھیں دربار داروں کی دست بستہ ایستادہ ہوتی تھیں، سب نیچے زگاہیں کیے کھڑے رہتے تھے نماز میں، محال کیا ہے کہ کوئی کسی طرف دیکھے یا کھجائے یا سائے یا بات کرے، دربار کے گوشوں پر دو قطار الٹی بردار دو لکڑیوں سرخ لکڑے ہتے تھے ذرا سی کسی سے بے اعتدالی ہوئی اور گردن میں لکڑی ڈال کر دربار سے باہر کیا گیا اور روساہ جند کا سا دربار نہ ہوتا تھا، دیوان خاص کے قابل لال پر سہ کا دروازہ تھا، وہاں سترجانات پیر و کھنپا رہتا تھا، جو شخص دروازے میں سے داخل دیوان خاص ہوتا تھا، پہلے لال پر سہ کے پس اگر سلام کہہ کر راستہ دے دیتا تھا، آداب تسلیات جاتا تھا اور

تین سلام بہت موڈ بچھک کر بجالاتا تھا اور نقیب لال پرست کے برابر سے آواز لگاتا، ملاحظہ آداب  
 ہے، آداب بجالاؤ، جہاں پناہ بادشاہ سلامت اور اس کے شخص سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب  
 کے زینہ سے دیوان خاص کے چوتھے سے پر چڑھتا اور نعلیں خالی کرتا اور دیوان خاص میں جا کر دوبارہ  
 دوسری سلام گاہ پر آداب بجالاتا اور نقیب دربار بطور اول آواز لگاتا اور سلام کرتا، اگر نذر گزرائی ہے  
 تو سیدھا تخت کی جانب جا کر نذر پیش کرے گا اور بادشاہ نذر اٹھا کر نذر نثار کے داروغہ کو دیتے۔  
 نذر نثار کا داروغہ تخت کے پہلو میں ایستادہ رہتا تھا اور ایک مقصدی لکھتا جاتا تھا مگر نذر دے کر پھر  
 پیچھے قدموں پرٹ کر سلام گاہ تک جاتا اور باتا عہدہ اول پھر اسی طرح آداب بجالاتا اور جہاں باطنی صنف  
 دربار میں شامل ہو جاتا تھا، تخت کے عقب میں خاص لوگ عہدہ سے سے کھڑے رہتے تھے وہ بال  
 ہما سے گھس رانی کرتے تھے اگر کچھ عرض معروض کرنی ہے تو عرض بیگی دونوں صفوں کے سرے  
 پر کھڑے رہتے تھے عرضی ان کو دے دی جاتی تھی، اور وہ عرضی سے جلتے تھے، بادشاہ کے  
 سامنے عرضی کو کھول کر ملاحظہ کرا دیتے تھے پشت عرض بیگی کی جانب ہوتی تھی، بعد ملاحظہ  
 عرضی خواص پیش کرتا تھا اور وہ بسبوت آئینہ گھر کے مجوٹ تھے، اس میں قلم سر کے رکھے رہتے  
 تھے عرضی کو اس پر دکھا گیا اور بادشاہ نے پیش سے دستخط فرما دیئے جس حکم کے نام حکم ہوا فوراً  
 تعمیل ہو گئی، یہ تمام عہدے و مدار شاہی کے تھے۔

یہ بہادر شاہ سید از مغرب بھی تھا | غدر کے زمانے میں چند روز کے لیے بہادر شاہ کو  
 اختیارات حکومت ملے، اس نے ان اختیارات  
 سے ناجائز فائدہ اٹھایا نہ حتی الامکان کسی کو حتی کہ شہزادوں تک کو اٹھانے دیا۔  
 ایک مخالف شہادت دیتا ہے کہ :-

”ہم نے بادشاہ کے جنگی انتظامات اور احکامات کا اوپر بیان کیا، اب ملکی انتظامات کا

ص : داستانِ غدر (راقم الدولہ ظہیر دہلوی)

بیان کرتے ہیں بہادر شاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ سلطنت کے عدالت کے کام میں شہزادے اور سپاہ و مداخلت نہ کر لے، عدالت کے سائے کام صرف مفتی اور صدر الصددور کیا کریں نہ سپاہ نہ مال کے، حکام اس عدالت میں دخل دیں،

اور اس بادشاہ کی حیثیت کیا تھی؟ صرف یہ !!

۲۶ جون ۱۸۵۹ء سے شنبہ دہلی :-

## بادشاہ کی حیثیت

حضور بادشاہ سلامت ۷۷ برس کے ہو گئے، حضور بادشاہ سلامت قلعہ میں رونق افروز ہیں اس ہفتہ میں حضور کی سالگرہ ہوئی، رات جگا ہوا، گانے والوں کارات بھر گانا ہوا، بیگمات اور مرشد زادوں نے نذریں دیں نذر میں کل بارہ اشرفیاں اور ایک سو تیس پڑے آئے حضور کی عمر ۷۷ سال ہو گئی، ۷۷ سال لگا حضور والا نے صاحب ایجنٹ کو شیر مال اور پیسہ بھجوا یا بیگمات اور نوکروں کو مٹھائی تقسیم کرائی اور خیر خواہوں کو انعام دیا /

خاندان کے نوجوان بیٹوں کے بیٹے تخت اور صاحب تخت کے

خلافت علانیہ اور خفیہ سرگرم کار رہتے تھے لیکن وہ انہیں نواز تا تھا،

## حسن سلوک

الامال کرتا تھا، القاب خطابات دیتا تھا، جاہ و اور جاگیر دیتا تھا، حوصلہ افزائی کرتا تھا، تاکہ ان کے دل صاف ہوں لیکن یہ اپنے رنگ پر استقلال کے ساتھ قائم تھے،

۳۰ اپریل ۱۸۵۹ء مرزا محمد شاہ فتح آباد مرحوم کے بڑے صاحبزادے کو بادشاہ سلامت

نے طلب فرما کر سواروں کی بخشی گرمی کا منصب اور علاقہ پدی اور کھواب کی قبا اور سر ر قم جو ابرو شاہ و تار مرستہ شیر شہر لکھڑا اور ہمتی حرمت فرمایا اور قرہ باصرہ خلافت غرہ نامیہ دولت شیر بیشہ

شہادت شہسوار میدان شجاعت غضنفر الدولہ شمس الملوک معیت الزمان مرزا محمد عبد اللہ شاہ بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور منجیلے صاحبزادے کو تمام کارخانوں کا دیوان مقرر فرما کر توجہ لیتے شہر

۱ تا ۱۵ جون ۱۸۵۹ء (ذکار انشا) مشہور :-

۱۶ : سرطاس شکاف کی ڈاؤمی مشہور :-



یاری نور دیدہ کام گاری ہر سپہ رفت ماہر نیر دولت رفیع الدولہ قطب الممالک فخر الزماں مرزا محمد نجات کے خطاب سے مغرور و مستعز فرمایا اور کجواب کی قباد و شاہ سہ رقم جو اس پر دستار گھڑا ہاتھی پائی وغیرہ سالانہ مرحمت ہوا۔ (یہی مرزا عبداللہ غدر کے بعد جیل خانہ دہلی کے سامنے مسٹر پٹن کے ہاتھ سے لٹے گئے) اور سب سے چھوٹے صاحبزادے کو پابھیوں کی ملیں کی بخشش گری کے عمدہ پر مقرر کیا اور ایک کجواب کی قباد و شاہ سہ رقم جو اس پر دستار پھر تیار ہاتھی گھڑا پائی مرحمت فرمائی اور گوہر درج خلافت اختہ برج سلطنت یکہ تاز میدان شجاعت نہنگ دریائے شہامت مغیث الدولہ فخر الممالک محی الزماں مرزا محمد محرم نجات بہادر کے خطاب سے سر بلند و سر فراز فرمایا۔

**مقرب بارگاہ دشمن** | حکیم احسن اللہ خان انگریزوں کے جاسوس اور بہادر شاہ کے وزیر عظم اور طبیب خاص تھے بہادر شاہ اپنے اس وزیر خوش تقابیر کے حالات سے واقف تھے پھر بھی مورد لطف و کرم بناتے رہتے تھے :-

حکیم احسن اللہ خان کو اعظم الحکماء عاذق الزماں انتخاب الملک حرام الدولہ حکیم محمد احسن اللہ خان بہادر نائب جنگ کے خطابات مرحمت فرمائے حکیم صاحب نے شکریہ ادا کیا، آداب شاہی بجالائے اور پانچ روپے پیش کش کئے :-

**بہادر شاہ خوش طبع تھے** | اپنی رنجیدیوں اور محرومیوں کے باوجود بہادر شاہ بذلہ سنج اور خوش طبع ہی تھے، کلکتہ سے ایک چھٹی بذریعہ ڈاک

نواب فیض علی خاں مرحوم رئیس حیدر کے نام آئی۔ حضور نے بھیج کے نمائندہ سے فرمایا، اب نواب فیض علی خاں انکاں تلاش کیا جائے، نمائندہ نے عرض کی حضور کو سب کچھ اختیار ہے حضور نے مسکرا کر چھٹی اس کے سپرد کر دی

۱ : بہادر شاہ کا مدد نامچہ ص ۱۳۲ :-

۲ : سرلاس مشکاف کی ڈاڑھی ص ۱۳۳ :-

۳ : سرلاس مشکاف کی ڈاڑھی ص ۵ :-



بعض لوگ بہادر شاہ کے تصرفات باطنی کے بھی قائل تھے چنانچہ  
**تصرفات باطنی** | ماقم الدولہ ظہیر فرماتے ہیں: بادشاہ کی سواری کی گاڑی میں سوار گھوڑے

لگائے جاتے تھے۔ حضرت بادشاہ کیون بادشاہ حق معرفت دستگاہ جامع الکمال و مورد انضال  
 حضرت ذوالجلال تھے سوائے کتب اعلائے سلطنت دنیوی تصفیہ باطنی سے بھی موصوف تھے  
 اکثر تصرفات حضرت کے سننے میں آئے ہیں چنانچہ ازال حجب ایک یہ بھی تلبہ کلام کا تھا کہ میری  
 اولاد ناحق آرزو سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ کارخانہ آگے کو چلنے والا نہیں ہے مجھ پر ہی خاتمہ ہے  
 نہ تیمور ناظر چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا، حضرت کو بیعت میاں کاسے خاں صاحب نیر مولا  
 فخر الدین علیہ الرحمۃ سے ہے اور مریدان حضرت بھی بسیار از بس یاد تھے اس کے علاوہ  
 جمیع علوم و فنون، عجیبہ و غریبہ میں دستگاہ تمام رکھے تھے طے

۱۲ فروری ۱۸۵۷ء حضور انور کو یہ معلوم ہوا کہ خواجہ احسن شاہ  
**رحمہم دل بادشاہ** | ناظر عدالت دیوانی کو زبردستی ان کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا

ہے اور ایک معمولی پیشواں کے لیے مقرری کی گئی ہے تو حنفیہ نے نواب حامد علی خان کو طلب  
 فرما کر حکم دیا کہ ان کے معاش کے لیے شاہی غزانہ سے کچھ مقدار ہونا چاہئے پھر حضور نے انہیں  
 ضمت سے پارچہ اور ایک قم جواہر عطا فرمایا۔

بہادر شاہ کے یہی وہ اطوار تھے جن کے باعث عوام ان کے گرویدہ  
**عوام کی گرویدگی** | اور عقیدت مند تھے ایک انگریز اعتراف کرتا ہے :-

”اپنی جہانی کمزوری اور ذہنی بے مقدوری کے باوجود شہر وہی کے آرام طلب باشندوں  
 کی جانب سے بہادر شاہ کا نہایت احترام کیا جاتا۔ ایک شخص نے جس نے انہیں اپنی آنکھوں سے

ط: داستانِ غدر ص ۶

ط: بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۶

دربار کرتے دیکھا تھا، مجھ سے بیان کیا کہ ان سے ہندو مسلمان دونوں ہی ان کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے بے حد محبت کرتے تھے، شہنشاہ کی حیثیت سے ان کی کمزوریاں اور خامیاں بھی عوام کے ایسے مزید گردیدگی کا باعث بن گئی تھیں وہ بہت پر امن تھے اور جنگ جہلی پن ان میں نام کو نہ تھا، ان کی رعایا ان کی سادگی پر ہستی تھی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ کس قدر بے بس ہیں لیکن پھر بھی وہ ان سے محبت کرتی تھی۔

بہادر شاہ — ان فنون لطیفہ میں جن کے لیے وہی اس زمانہ میں مشہور تھی اچھے خاصے ماہر تھے ان میں سے چارہ سو سیاقی خوش نویسی، ہاتھی دانت کی نقاشی اور شاعری تھے، شاہی دربار ان سب فنون کا سرپرست تھا۔

بادشاہ اپنی مالی پریشانیوں کے باوجود سخاوت اور دیادلی اور داد و دہش بذل و عطا میر جشمی کے نظائرے نتائج سے بے پروا ہو کر کیا کرتے تھے۔

۹ اکتوبر ۱۸۵۶ء، بادشاہ سلامت عید الفطر کی نماز کے لیے مرشد زادہ آفاق مرزا دلی عہد بہادر کے ساتھ عید گاہ تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے کے بعد شامانہ باد و چشم اور ملوکانہ شان و شوکت کے ساتھ ملازمین اور سرداروں کے جھرمٹ میں عید گاہ سے واپس تشریف لائے جو شان و شوکت بادشاہوں کے شایان شان ہوتی ہے اس کا اہتمام و انتظام کیا گیا تھا، لوگ راستہ میں ہر جگہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں تحفہ دعا اور ہدیہ مبارک باد پیش کرتے تھے آمد و رفت کے سلامی کی توپیں اس قدر بلند آواز کے ساتھ چھوڑی گئیں کہ ان کی آواز فلک الافلاک تک پہنچی، ہر غریب امیر کو انعامات خلعت لائے فاخرہ اور زلفہ تقسیم کیا گیا، بادشاہ کے اس انعام و اکرام سے اراکین مملکت بھی بہرہ اندوز ہوئے اور غریب غرا بھی شاہی داد و دہش اور بذل و سخا سے مالا مال ہو گئے۔

م : ذکا و اندوہی (سی ایف اینڈ ریز) ص ۴۱

م : بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۴

۹ نومبر ۱۸۵۷ء ، اسد بیگ خان جو اسباب فراش خزانہ

مہربانیوں کا دیریا (خیمہ وغیرہ) کے گم ہونے کی وجہ سے بارگاہ سلطانی میں معتب

اور قلعہ معلیٰ کی آمدورفت سے محروم تھے۔ خدمت عالی میں حاضر ہوئے احترام الدولہ بہادر

نے سفارش فرمائی بادشاہ سلامت کی مہربانیوں کا دریا جوش میں آیا اور ان کا قصور معاف کیا گیا۔

بہادر شاہ تخت حکومت پر تھکن تھے لیکن امر دزدان کے

نقشے بھی ان کی آنکھوں کے سامنے رہتے تھے ایک روز

فکر مند بادشاہ

کیا ہوا کہ:-

ایک دن دربار سے آکر بیٹھے جو میں پہنچا ، افسردہ ہو کر کہنے لگے کہ آج عجیب ماجرا

گذا میں جو حضور میں گیا تو محل میں تھے ، وہیں بلایا اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے استاد آج

مجھے دیر تک اس بات کا افسوس رہا ، میں نے حال پوچھا کہا کہ وہ ! جو قصیدہ تم نے ہمارے

لئے کہا تھا اس کے وہ اشعار آج مجھے یاد آ گئے ، ان کے خیالات سے طبیعت کو عجیب لطف

حاصل ہوا ، مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ اب تم یہ قصیدہ ہمارے لیے کہتے ہو ہم مہربانی گے تو جو

تخت پر بیٹھے گا ، اس کے لیے کہو گے میں نے عرض کی حضور کچھ تر دہ فرمائیں خیمہ پیچھے گرتا

ہے میٹھیں اور طہا بن سپے ہی اکھڑ جاتی ہیں ہم حضور سے پیسے اکٹھا نہیں گے اور حضور نبیال فرمایا

کہ عرش آرام گاہ کے دربار کے لوگ حضور کے دربار میں کہاں تھے ؛ فردوس منزل کے امراء ان

کے عہد میں کہاں تھے ؛ عرش منزل کے فردوس منزل کے دربار میں کہاں تھے فردوس منزل کے

امیر عرش آرام گاہ کے دربار میں کہاں تھے عرش آرام گاہ کے امراء آج حضور کے دربار میں کہاں ہیں بس ہی

خیال فرما لیجئے جو جس کے ہوتے ہیں وہ اسی کے ساتھ جاتے ہیں نیا میر عیسیٰ ہی مجلس جماتا ہے اور اپنا سامان

مجلس میں ساتھ لانا ہے یہ سن کر حضور بھی آبدیدہ ہو گئے

صل : بہادر شاہ کا روزانہ صلا

صل : آب حیات (محمد حسین آزاد) ص ۱۳۱



## بادشاہ کی سواری

۲۵ دسمبر ۱۸۴۶ء بروز عید صبحی بادشاہ سلامت ذی قریب باس زیب تن

فرما کر بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر عید گاہ تشریف لے گئے نماز سے

فراغت حاصل کرنے کے بعد خلعت شش پارچہ دو رقم جواہر ایک قبضہ شمشیر مع پتہ خطیب صاحب

کو اور کجواب سے رقم جواہر ایک تاسرے بستہ اور گونٹولہ مقیش ایک ورنالہ مرزا حضرت سلطان بہادر

متولی مٹلی کو اور خلعت شش پارچہ سے رقم جواہر اور قبضہ شمشیر و تار الدنہ ناظم امور خانسانی کو مرحمت فرمائے

اس کے بعد اونٹ کی قربانی کی گئی اور حاضرین مجلس نے ان وکباب کا شغل کیا اس وقت نہایت شادانی

اور فرحت کا ساز و سامان تھا ایک دوسرے کو مبارکباد دینے میں مصروف نظر آتا تھا چاروں طرف سے

مبارکباد مبارکباد کی صدا میں آہی تھیں جس راستہ سے بادشاہ سلامت کی سواری گزری؟ امراد و رسا و اراکین

مطہنت نے عید کی مبارکباد پیش کی اور ندیں بھی گزادیں جس وقت بادشاہ سلامت محل معلیٰ میں تشریف

لے گئے تو تمام غاندان کی بیگمات بس میں تانہ ان تمیر کی خواتین بھی شامل تھیں بادشاہ سلامت کی خدمت

میں حاضر ہوئیں اور حسب حیثیت نذرانہ پیش کرنے کی عزت مال کی آتے جاتے وقت شاہی و انگیزی

توجہ نہ سے نہایت بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔

بقریعہ کے دن حضرت میر محمدی صاحب مرحوم کا عرس منعقد ہوا ہے بادشاہ سلامت عرس میں

شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے ختم میں شریک ہوئے اور تبرک لے کر واپس تشریف لائے

بہادر شاہ برائے نام بادشاہ تھے لیکن ہوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں

وہ اپنے اسلاف سے کسی طرح کم نہ تھے۔

## مینا بازار

۲۲ اکتوبر ۱۸۴۶ء حضرت بادشاہ سلامت نے پھول والوں کی سیر کے دن زبان گوہر فشاں سے

فرمایا کہ بارگاہ شاہی سے میلہ تک عمدہ قناتیں اور قیمتی خیمے نصب کئے جائیں اور صرافوں جوہریوں

میرہ فروشوں اور ہر قسم کے دکانداروں کو اطلاع دے دی جائے کہ دکانداری کا مال دے کر وہ اپنی

ص : بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۹۸



بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کی لڑکیوں کو خیمہ گاد میں بھیج دیں اور یہ تاکید کر دیں کہ عمدہ عمدہ قسم کا مال سے کرائیں اور دکان کو اچھی طرح سے سجائیں، شاہی بیگمات میدان میں سیر و تفریح کی غرض سے تشریف لائیں گی اور عمدہ اور نفیس چیزیں خریدیں گی۔

**بہادر شاہ کا دسترخوان** | بہادر شاہ کا دسترخوان اتنا ہی وسیع تھا، جتنا کہ ان کا دل نہیں نے دیکھا، جہاں پناہ جب کھانے کے کمرہ میں دسترخوان پر تشریف

فرما ہوتے تو خاصہ کھانے کے لیے ملکہ زمانی حضور کے پہلو میں اور جن جن بادشاہزادوں اور شہزادیوں کو آپ یاد کرتے وہ بھی دسترخوان پر ادھر ادھر حاضر ہوتیں، دنیا کی نعمتیں دسترخوان پر چنی جاتی تھیں، مگر جہاں پناہ سوئے بیڑ کے شور کے کچھ نہ نوش فرماتے، اپنی اولاد کو کھانا دیکھ کر فرماتے، ان سب کے منہ میرے ہی منہ ہیں اور ان سب کے پیٹ میرے ہی پیٹ ہیں، یہ کھاتے ہیں اور میں خوش ہوتا ہوں کسی بادشاہزادے یا شہزادی کی تاب نہ تھی کہ دسترخوان پر بات کیا ہوں بھی کر سنے کمرہ کے دروازوں پر عینیں پڑی ہوتی تھیں چلن کے باہر میری سانس اور باورچہنیں ہاتھ باندھے کھڑی ہوتی تھیں اگر جہاں پناہ کو کسی کھانے کے متعلق کچھ کہنا سنا ہوتا تو ارشاد فرماتے ”داروغہ کو بلاؤ“ میری سانس چلن بٹا کر کمرے میں داخل ہوتیں اور آداب بجالاتیں ”فرماتے“ ہاں ایک خوان خاصہ کا غلاں کے ہاں، ایک خوان خاصہ کا ڈھمک کے یہاں، آٹھ خوان خاصہ کے حضرت میاں کالے صاحب کے میاں جائیں گے میری سانس ہاتھ جوڑ کر عرض کرتیں ”کرامات حضور کے اقبال سے خوان تیار ہے، بکھیوں میں رکھو اگر ابھی بھجوائے دیتی ہوں“

**بہادر شاہ کی صحت** | حالات و حوادث تھے بہادر شاہ کو بیمار اور رنجور بنا دیا تھا، پھر سب پرستشزاد بڑھاپا، پیری و صد عجیب چناں گفتہ اند، وہ مجموعہ

ط : بہادر شاہ کا روزانہ چھٹا :

ط : لال قلعہ کی ایک جھانک : انصاف و فراق دہلوی کا صحت :

امراض و ہوم بن کر رہ گئے تھے۔

بہادر شاہ کی صحت اب بگڑ گئی تھی، درد گردہ کا دورہ وقتاً فوقتاً ہوتا، نزلہ کی شکایت اکثر رہتی، ڈاڑھوں اور وانتوں میں سخت درد رہتا غرض سو بیماریوں کی بیماری ایک بڑھا پا تھا۔

عذر کے حالات و حوادث، ایک مستقل باب کے طالب ہیں

**عذر شروع ہو گیا**

اور وہ باب اپنی پوری تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں موجود ہے، لیکن عذر

کے سلسلہ میں بہادر شاہ نے کیا کیا، اور ان پر کیا گزری، ان حالات کا تعلق اس باب سے ہے۔

بظاہر کوئی صوت باقی نہ رہی، فتنوں کے بندیکے بعد دیگرے ٹوٹنے لگے

**پس منظر**

بتا ہی خیز طوفانوں کا تلاطم بڑھتا گیا، شاہ عالم ثانی کے عہد میں بادشاہ کے

اضطراب و بیماری کی یہ کیفیت ہو گئی تھی، جیسے کوئی خزاں زدہ پتا جسے ہوا کا یہ جھونکا کسی طرف اڑا

کرے جاسکتا ہے، جس سلطنت کے حدود کسی زمانے میں کابل و قندھار سے ہرا اور اس کمار می

تک پھیلے ہوئے تھے، وہ سمٹ کر لال قلعہ کی چار دیواری میں محصور ہو گئی تھی، تاہم اس کا نام باقی تھا۔

اور ہندوستان کے بڑے بڑے اقطاع کے فرمانروا اپنی حکمرانی کی دستاویزوں پر لال قلعہ کے

مجبور و بے دست و پا سلاطین سے ہر مہر لگوانے کے آرزو مند تھے، اس لیے کہ ان مہروں کے بغیر کسی

کی فرمانروائی کا سکہ نہیں چل سکتا تھا، تخت طاؤس افسانہ بن چکا تھا، لیکن جس دیوان خاص نے دوستوں

برس تک اس تخت کے جلال و شکوہ کی بہاریں دیکھی تھیں وہ موجود تھا، بابر امیر کا ایک جھللا تا

ہوا چراغ لے کر اس غربت کردہ میں آیا، مگر لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی اس قدر بھلی کہ سارا

ہندوستان بے قدر نور بن گیا، تین سو سال بعد حوادث کی آنکھیاں اس شدت سے پئے در پئے چلیں

کہ سب چراغ بجھ گئے، سب شمعیں گل ہو گئیں، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، صرف وہی کے لال قلعہ

میں ایک ٹمٹماتا سا دیا باقی تھا، جس کی جھلک دیکھنے والوں کے دلوں میں عہد رفتہ کی ضو افشائیاں

ط : نوبت پہنچ روزه (راشد الخیری) ص ۱۱۴

تازہ کر دیتی تھیں،

اور اب انگریزوں نے طے کر لیا تھا کہ اس ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو بھی کھجادیں، غدر شروع ہوا اور بہادر شاہ کو پہلے ارادہ نہ رکھنے کے باوجود اس میں حصہ لینا پڑا۔ کچھ ترک سوار کلکتہ کے دروازہ کو بند دیکھ کر قلعہ کے شبن برج کے نیچے گئے کہا بادشاہ ہی ہمارے کے گستاخ ہیں بادشاہ نے یہ سن کر انکو کچھ جواب نہیں دیا اور انکے سامنے آیا۔ بادشاہ نے حکیم حسن اللہ خان اور غلام عباس شمشیر اللہ کو بلایا اور غلام عباس کو حکم دیا کہ وہ کپتان ڈگلز کے پاس جا کر خبر لے اور ان سے درخواست کرے کہ اس معاملہ میں جو کارروائی ضروری ہو وہ کریں۔ بادشاہ اپنی بیٹھیک میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں غلام عباس کپتان ڈگلز کو ہمراہ لے آگیا، کپتان صاحب فوراً برآمدہ میں آئے اور زبردستی کہہ جو سوار کھڑے تھے، ان سے کہا کہ یہ بادشاہ کی خواب گاہ ہے تم اپنی داد فریاد سے بادشاہ کو تکلیف نہ دو، کوئلہ کی طرف جاؤ، وہاں جو عرض کرنا ہے وہ کرو شتوانی ہوگی، سوار راج گھاٹ کی طرف چلے گئے۔ بادشاہ کپتان صاحب کے آنے کی خبر سن کر بیٹھیک پر دیوان خاص کے کھٹے صحن میں کٹے تو کپتان صاحب نے کہا کہ حضور گھبراہٹ میں یہ شور و شر فوراً رفع کر دیا جائے گا، میں جا کر سپاہیوں کو فہمائش کر دوں گا اور وجہ فساد پرچہ چوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہ آپ کے پاس بندوق ہے نہ سپاہ ہمراہ ہے، آپ کا مسلح سواروں میں جانا دانا بی سے بعید ہے، جان جانے کا خوف ہے تو کپتان ڈگلز اپنے مکان کو چلے گئے، سوار راج گھاٹ کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد کپتان ڈگلز نے غلام عباس اور حکیم حسن اللہ خان کو بلایا اور دونوں کپتان صاحب کے پاس حاضر ہو گئے، انھوں نے کہا کہ دو پالکیاں مع کماواں کے بھیج دو کہ ان میں لیڈیاں سوار ہو کہ بادشاہ کے محل میں جا کر پناہ لیں، غلام عباس اور حکیم حسن اللہ خان دونوں بادشاہ کے پاس پیغام مذکور پہنچانے گئے، بادشاہ کے حکم سے فوراً دو پالکیاں بھیج گئیں اور دونوں کے بھیجے جانے کا حکم دیا گیا۔

صلہ : غالب غلام رسول ص ۲۷

صلہ : تاریخ عروج و عود انجلیشیہ (فکا، اللہ) ص ۴۱



بہادر شاہ نے کوئی ظلم نہیں کیا | بہادر شاہ کا دل اگرچہ انگریزوں نے خون کر دیا تھا  
اور اب وہ پُورا انتقام لے سکتا تھا، لیکن اس

نے حتیٰ الامکان انگریزوں پر کوئی ظلم نہ ہونے دیا۔

ذیل کا بیان اس شخص کا ہے جو انگریزوں کا چاٹوسکی اور اپنے اس شرف پر شرماتا نہیں  
فخر کرتا ہے پھر بھی وہ کہتا ہے :-

”کد فش بجاہانے کے بعد میں نے ظل سبجانی کے سوالات کے جواب میں عرض کیا کہ بادشاہی  
حاصل کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں اس قتل و غارت گری کی اطلاع دوں جو اس وقت برپا ہو  
رہی ہے اور یہ کہ شہر کے تمام بد معاش یورپیوں اور کچھوں کی تلاش میں ہیں تاکہ انہیں اللہ ان کے ہال  
بچوں کو تباہ کر دیں میں نے ظل سبجانی سے عرض کی کہ خسران خوزیری کو مدد کئے اور شہر میں امن لیاں  
قائم کر دیجئے، بادشاہ نے جواب دیا کہ میں بالکل عاجز ہوں میرے تمام ملازمین کا داغ یا تو اٹ گیا  
ہے یا بھاگ گئے ہیں میں تنہا رہ گیا ہوں میرے پاس فوج نہیں ہے جو میرا حکم مانے ایسی حالت  
میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ اگر حضور مجھ پر اپنی خواہشات کا اظہار فرمادیں گے تو ممکن  
ہے کہ میں حضور کے احکام بجالانے کے واسطے میں کوئی کاروائی کر سکوں پھر میں نے اپنے طریق کار کو  
پیش کیا ظل سبجانی نے فرمایا کہ میرے بیٹے! میں تم سے یہی توقع رکھتا تھا، تم میرے پاس بڑی  
مصیبت اور خطرے کے وقت آئے ہو جو کام اچھا سمجھ کر ڈالو میں تمہیں اس کا اختیار دیتا ہوں“  
اس کے بعد میں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر کبھی کوئی شخص حضور کے روبرو میری برائی کرے  
اور غور نش و بانے کا مجھ پر الزام دھرے تو حضور فرمادیں کہ وہ میرے احکام کے مطابق کام کر رہا  
ہے مگر حضور اپنے چوبہاندوں میں سے ایک یا دو کی خدمات عطا فرمادیں اور انہیں میرے ساتھ قتل و  
خوزیری کے مقام پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادیں اور انہیں میری ہدایات پر چلنے کا حکم صادر  
فرمادیں تو بہت ممکن ہے کہ بے کس لوگوں کا قتل رک جائے وہ حضور کے روبرو کہہ دیتے جائیں گے  
اگر ان کی عیان بخشی ہوگی تو یہ کاروائی حضور کے شایان شان ہوگی بشرطیکہ اس قدر کی تجویز یہ عمل درآمد



ہو، میں نے یہ بھی عرض کیا کہ کسی شاہزادے کو حکم دیا جائے تاکہ وہ شہر کہ بازداروں میں گشت لگائیں اور دوکانداروں کو اپنی دوکان کھولنے پر مجبور کریں، بادشاہ سلامت نے میری تجاویز کو پسند فرمایا اور حکیم حسن اللہ خاں کو طلب فرمایا، جب وہ آگئے انھیں میری تجاویز سننے کا حکم دیا گیا، حکیم صاحب نے کہا کہ چوبداروں کو تمھاری معیت میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

”باغی لوگ“ عیسائیوں کے قتل عام سے کبھی باز نہیں آئیں گے اور اگر ان کی مزاحمت کی گئی زیادہ خراب نتائج رونما ہوں گے جب عیسائیوں کے خون سے جی بھر جائے گا تو ہمدی طرف متوجہ ہوں گے اور ہمارے مال و اسباب کو لوٹ لیں گے ہمیں صرف اپنی ہی خبر گیری کرنا چاہیئے۔ میں نے جواب دیا حکیم جی! آپ کی رائے صائب نہیں ہے خداوند تعالیٰ کی نظر میں بے گناہ بچوں اور عورتوں کا قتل بہت خراب چیز ہے جب یہ بغاوت دب جائے گی اور انگریزی طاقت از سر نو قائم ہو جائے گی تو جانیں بچانے میں جو کوشش آپ نے کی ہوں گی وہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اگر آپ کی رائے یہ بھی ہو کہ انگریزی راج کا خاتمہ ہو گیا ہے تب بھی جن جانوں کو آپ بچائیں گے اس کی وجہ سے آپ کی عزت احترام اور شان و شوکت میں بے حد اضافہ ہوگا، میں نے ان پر اپنی رائے ظاہر کر دی کہ یہ خوردش زیادہ دن نہ رہے گی اور ان سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ میرے مشورے پر کار بند ہوں، حکیم حسن اللہ خاں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ چپ سادھ لی گویا وہ گہرے خیالات میں غلطان و پھپھان ہیں، بادشاہ سلامت میری رائے کی تائید میں تھے اور اس لئے انھوں نے چوبداروں کو میرے ہمراہ چلنے کا حکم دیا، میں انھیں لے کر دیا گنج پینچا، جہاں زیادہ تر یورپین آباد تھے، یہاں آکر وہ بھیانک نظارہ دیکھا کہ ظالم جلاوطنوں میں آگ لگا رہے ہیں اور عورتوں اور بچوں کا قتل کر رہے ہیں، اللہ رحم کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان تمام خوفناک واقعات کا الزام مجھ پر عائد ہو جائے! میں نے اور چوبداروں نے بادشاہ سلامت کے احکام کو پلا پلا کر سنا شروع کیا، ہماری مداخلت کا اتنا اثر ہوا کہ تقریباً پندرہ جن آدمیوں کی جانیں بچ گئیں، محل میں بھیج دیا گیا اور انھیں باقاعدہ کھانا کھلانے کے احکام نافذ کر دیئے گئے۔

ح: خدنگ عند ص ۵۵

کیا بہادر شاہ کے اس صاف اور بے دماغ کردار کے بعد کوئی انصاف پسند ان پر الزام لگا سکتا ہے ؟

اور یہ بادشاہ جس کی حالت یہ تھی کہ قرآن نویسی کے دنیا کو بھلا بیٹھا تھا۔  
**بہادر شاہ کا دربار** ۲۴ اگست ۱۹۲۵ء، حضور ظل سبحانی نماز صبح ادا کرنے کے بعد محلِ مسکن میں کلام اللہ شریف کی تحریر میں مصروف ہوئے۔<sup>۱</sup>

صبح کو بادشاہ دیوانِ خاص میں چاندی کی کرسی پر جلوہ  
**اب اورنگ شاہی پر متکون تھا** فرما ہوئے، دربار میں اہل کار اور مرشد زادے اور

امراء کے نامدار اور عمائدین شہر اپنے اپنے قریب سے کھڑے ہوئے، مرزا ظہیر الدین عرف مرزا  
 محل خلعت فاخرہ اور خطاب سپہ سالاری سے سرفراز کئے گئے اور مرزا ابوبکر اور مرزا فخر و مرحوم کے  
 بیٹے کو باغیوں کے کل سواروں کی افسری دی گئی۔

مرزا اختر سلطان کو پٹن پاپت کی کرنل دی گئی، اور محمد نجات شاہ الگ نڈرا پٹن کے کرنل مقرر  
 ہوئے، مرزا عبداللہ کو پٹن سبیل کی افسری ملی اور مرزا قیاس پٹن کے کرنل مقرر ہوئے اور مرزا شایخ  
 مرحوم کو پٹن جالیہ کی کرنل مرحمت ہوئی اور نیرت محل صاحبہ نے بلم شیر پٹن کو اپنی ماتحتی میں لیا اور مرزا  
 عیندھو پٹن کی افسری پر مقرر ہوئے۔

نواب دلی داد خاں رئیس لاگر تھ علاقہ دار ضلع بلس شہر جو بادشاہ دہلی کے قریبی رشتہ دار  
 تھے خلعت اور نظامت دو آب سے مشرف ہوئے اور راؤ صاحب پرگتہ داری اور دھوم کو بادشاہ کی  
 جانب سے خلعت اور خطابات اور تقارہ و نشان مرحمت ہوئے۔<sup>۲</sup>

اور جس سے وسیلہ پیدا کرنے اور جس کی بارگاہ میں تقرب  
**نئے و ناداروں کا ہجوم** حاصل کرنے کے لیے وہ لوگ جو اسے بھول چکے تھے ٹوٹے

۱ : بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۲۲

۲ : نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۲۳

پڑ رہے تھے :

۱۸۵۷ء میں مہی کامینہ آیا اور ہنگامہ بے گارت بن گاسے کی انگریزی سپاہ کا برپا ہوا کیا قدرت الہی اور شان کبریٰ ہے کہ ان کی آن میں کیا سے کیا ہو گیا کہ اس بادشاہ پاس جس کے خزانہ میں چھوٹا بادام نہ ہو، پندرہ بیس روز کے عرصہ میں بے طلب لکھوں روپیہ جمع کرا دیئے بادشاہ نے جس کے چار سپاہی ایسے نہ ہوں کہ بندہ کو بھر سکیں، ہزاروں سپاہ سبے بلائے، اکٹھی کر دی کہ جس کے ماتھوں پر سارا ہندوستان فتح ہوا ہو۔ اور جس کے گھے میں راجائوں کے فتح کرنے کے تمغوں کے مار پڑے ہوئے ہوں اس بادشاہ کے پاس جس کے ہاں ٹوٹی پھوٹی ایک توپ نہ ہو۔ گھوڑوں کے توپ خانے اور ہزار ہا قلعہ شکن توپیں ہم پہنچا دیں اس بادشاہ کے پاس جس کے میگنیزین میں سیر بھر بارود اور ایک پٹاخہ نہ ہو اس کے قبضہ میں دلی جیسے میگنیزین کا لال پٹارہ اگیا ہو جس فقیر بادشاہ کی نذر میں کوئی پھوٹی کوڑی پیش کش نہ کرتا ہو اس کے سامنے آج شاہ اودھ کی اور کل والی راجپوت کی پیش کش رکھی گئی ہو جس ساقط الاختیار اور بے اعتبار بادشاہ کو کوئی رئیس خط بھی نہ لکھتا ہو۔ اس پاس چاندوں طرف سے عمائد ملک کی عرضیاں آتی ہوں۔ ہندوستان میں کوئی بڑا احبہ یا نواب نہ ہو گا جس کا ویل یا کوئی آدمی شہر کے بھی کوچوں میں چھپا ہوا نہ پڑا ہو گا۔ اور اس نے اگلی پچھلی کتابوں کو دیکھ بھال کر خاندانِ تموریہ سے اپنے کپانے ناتے رشتے اور واسطوں کا مسودہ نہ گھڑا ہو، اور وقت کا منتظر نہ بیٹھا ہو۔ اس وقت وہی کہہ دیکھنے سے یہ حقیقت کھلتی تھی کہ اس مردہ سلطنتِ تموریہ کے نام کے بادشاہ کو کتنے ہندوستانی دل میں مانے ہوئے اور اس شہر کو اپنے ملک کا دار السلطنت جانے ہوئے بیٹھے تھے :

اور جس کا حال : اقتدارِ حکومت سمجھانے سے پہلے یہ تھا

کہ اس کے درباری داستان گو چوٹی کے داستان گو مانے

حرفِ برائے بیت

جاتے تھے، خان صاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خاں کے یہاں ایک فقہ خواں نوکر تھا، اور



یہ قصہ گو بہادر شاہ کا قصہ خوان تھا اور اس سے بڑھ کر دہلی میں کوئی قصہ خوان نہ تھا، نواب صاحب کے یہاں اسے تین سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس کے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہر گلیا، تو تلایا اور کسی قسم کا آدمی ہو، اسی طرح نقل کر دیتا تھا، کہ اصل میں اس نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا۔

اب بادشاہ کی اندرونی حالت یہ تھی | بادشاہ کو سرکار کمپنی ایک لاکھ روپیہ ماہوار دیتی تھی، بادشاہ اس لاکھ روپیہ میں سے اپنی

اولاد کو اور شاہزادوں کو اور اپنے نوکروں کو مشاہیرو دیتا تھا جس سے ان کی گذراوقات ہوتی تھی، اب نہ بادشاہ کو تنخواہ ملتی تھی نہ وہ شاہزادوں میں تقسیم ہوتی تھی، اس لئے ان کے گھروں میں فاقے ہونے لگے، جب لوگ شاہزادوں کو مبارک باد دیتے تھے کہ شاہی بیٹھے بٹھائے، ان کے گھر آئی تو وہ کہتے تھے کہ شاہی نہیں گداہی آئی ہے، فاقہ مٹنے میں بھی کبھی سے نہیں ملتی، اس شاہی سے تو انگریزی عمل داری بھی تھی جس میں عیش و آرام سے گذرتی تھی۔

اب بادشاہ کا اس حال یہ تھا کہ اس سے زبردستی کام لیا جاتا تھا بادشاہ

مجموعہ بادشاہ سے روزانہ برطانوی ہندوستانی فوج کی مختلف پلیٹوں کے نام پر دانے زبردستی کھوائے جاتے تھے اور ان سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ پیدل فوج کی صورت میں تین سو روپیہ ماہوار اور سواروں کی فوج کی صورت میں پچاس روپیہ فی کس تنخواہ دی جائے گی، بشرطیکہ وہ بادشاہ کی فوج سے آمین ہر جگہ بادشاہ کے برہانے کا یہ اثر ہوتا تھا کہ فوج بغاوت کر دیتی تھی اور براہ رات دہلی کا رخ کرتی تھی۔ اسی طرح سے شہر رفتہ رفتہ بغاوت کا مرکز بن گیا۔

بادشاہ کا ریکہ یہ تھا

بہ زور و سگ نصرت طرازی سراج الدین بہادر شاہ غازی

ط ۱ : امین الروایات ص ۹۱

ط ۲ : تاریخ عہد انگلیشہ (ذکار اللہ) ص ۶۹

ط ۳ : خدنگ غدر ص ۵۶



فائز الاقدار ہونے کے بعد بھی بہادر شاہ کو سکھ نہ ملا، نام اس کا تھا، نام وہ

دوسرے اٹھا ہے تھے اس کے احکام نظر انداز کر بیٹھے جاتے تھے اس

## بے بسی کا نقشہ

کی بات سنی ان سنی کر دی جاتی تھی، وہ کتاب بے بس تھا، اس کا نقشہ خود اس نے کھینچا ہے۔

” مرزا منٹل کے نام بادشاہ نے حکم لکھا ہے، ہمارے فرزند کو معلوم ہو کہ جب سپاہ پیدل اور سوار

میرے پاس آئے ہیں، تو میں نے خود ہی اپنی زبان سے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس خزانہ اور مال اسباب

نہیں ہے جس سے میں مدد کر سکوں، لیکن اگر میری جان ان کے کام آئے تو اس میں مجھے دریغ نہیں کیے

اس کتنے پر سب خوش اور راضی ہو گئے۔ اور انھوں نے اقرار کیا کہ وہ میری فرمان برداری اور اطاعت

میں اپنی جانیں مجھ پر قربان کر دیں گے، میں نے ان کو ہدایت کی کہ ان کا اول کام یہ ہے کہ میگزین اور

خزانہ کا انتظام ایسا کریں کہ وہ آئندہ ان کے اور میرے کام آئے، اس کے بعد انھوں نے دیوان

خاص و دیوان عام اور متاع میں جہاں ان کی خوشی میں آیا قیام کیا، میں نے

ان کی آسائش و آرام کی خاطر سے اپنے نوکروں کو منع کر دیا کہ وہ اس کام میں ان کے مزاحم نہ ہوں

اگرچہ میں نے کوئی ان سے اقرار نہیں کیا تھا، مگر یہ قرض لیا گیا کہ ہر سپاہ و سوار کو روزانہ دیا جائے

میں نے بار بار یہ حکم دیا کہ شہر میں جبر و تعدی و غارت گری نہ کریں، مگر اس سے کچھ کام نہ

نکلا، آج دس روز گزرے ہیں مگر اب تک وہی خرابیاں چلی آتی ہیں، دیوان خاص و عام میں سے

رجسٹریں چلی گئی ہیں، مگر میں نے ان کو حکم نہ دیا تھا کہ وہ شہر سے باہر جا کر مقیم ہوں اور کوئی پیدل یا

سوار شہر میں ہتھیار باندھ کر پھرے اور شہر کے باشندوں پر زیادتی نہ کرے، مگر ایک جھنڈ درہلی

دروازہ میں اور دوسرے اجمیری دروازے میں اور تیسری لاہوری دروازہ میں شہر کی فصیل کے اندر

بہتی ہیں اور بعض بازاروں کو انھوں نے بالکل روٹ لیا ہے، رات کا خیال کریں نہ دن کا وہ لوگوں کے

گھروں میں یہ بہانہ بنا کر کہ گھر میں کوئی فرنگی ہے گھس کر روٹ لیتے ہیں۔ دکانوں کے قفل توڑ دیتے ہیں کوڑا

نکال لیتے ہیں اور ان کے اندر اسباب بے حجاب لوتے ہیں وہ سواروں کے گھڑے کھول لیتے ہیں اور جو دیکھ

یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو شہر چلے تیغ زنی سے نہیں لے جانے ہیں وہ لوٹ مار سے براہ کئے جاتے ہیں، پھر وہ کچھ خیال نہ

کہنے چلیں، نادر شاہ بھی جو بڑے ظالم مشہور ہیں، وہ شہروں کو پناہ دامن دیتے تھے جو اپنے تئیں  
 بغیر مقابلہ کے ان کو سپرد کر دیتے تھے، اس کے علاوہ میرے سپاہی میرے ملازموں کو اور اہل شہر  
 کو دھمکاتے و ستاتے ہیں باوجودیکہ میں نے پیدلوں کو فراش خانہ کے اور سواروں کو ہتھاب  
 باغ کے قالی کرنے کا بار بار حکم دیا ہے مگر وہ خالی نہیں کرتے، یہ وہ معافات ہیں جن میں نادر شاہ  
 اور نادر شاہ احمد شاہ اور نہ کوئی گورنر جنرل ہند گھوڑے پر سوار ہو کر اب تک آیا تھا، سپاہ نے اول  
 درخواست کی کہ شاہزادے ان کے اعلیٰ افسر مقرر ہوں، ہم سب ان کی فرمانبرداری و اطاعت  
 کریں گے، یہ کام ان کی مرضی کے مطابق کیا گیا، پھر انھوں نے اس بات پر نند ڈالا کہ اس میں ہمارا اعتبار  
 بڑھ جائے گا، اگر ان شاہزادوں کو ان کے عہدوں کے لیے خلعت مرحمت ہوں جس سے وہ  
 وہ مستقل ہمارے حاکم معلوم ہوں اور تمام قیدی فرنگی ایک ہی دفعہ مارے جائیں، یہ کام بھی ان  
 کی مرضی کے موافق کیا گیا اور اس دن اشتہار عام دیا گیا، جس پر مہر شاہی لگی ہوئی تھی کہ شہر میں عدالت  
 کچھریاں مقرر کی گئیں لیکن اہل شہر پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ان باتوں سے قطع نظر کہ کہ یہ لکھا جاتا  
 ہے کہ جب برٹش گورنمنٹ کا کوئی اعلیٰ افسر قلعہ میں آتا تو وہ دیوان عام کے دروازہ پر گھوڑے  
 سے اتر آتا تھا، اور پیدل پھر تا تھا، لیکن یہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیوان خاص اور جلو خانہ  
 تک آتے ہیں جن کا لباس نامناسب ہوتا ہے سر پر دستار نہیں ہوتی وہ شاہی آداب و تعظیم  
 کو بجالانا جانتے نہیں۔ وہ بار میں سپاہ کے افسر اپنے لباس کی کچھ پروا نہیں کرتے، سروں پر  
 ٹوپیاں بجائے گپڑی کے ہوتی ہیں اور تلوار ساتھ ہوتی ہے، انگریزی عہداری میں کسی افسر نے  
 ایسا نہ کیا، انھوں نے بے نامہ میگزین کے کل اسباب کو خراج کیا اور خزانہ کے روپیہ کو اڑایا  
 اب بڑا غل بچا چاکے اپنا روزینہ اتنے آدمیوں کا جتنے وہ ہیں، انگلتے ہیں، پھر  
 دکانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے ہیں ان سے اجناس ملے لیتے ہیں اور قیمت  
 دیتے نہیں۔ اب شہر کے باہر کا حال یہ ہے کہ سپاہی انتظام کرنے کے لیے شہر سے تو باہر جاتے  
 نہیں اس لیے سینکڑوں آدمی مارے جاتے ہیں اور ہزاروں آدمی لوٹے جاتے ہیں ملک

کے نظم و نسق کی صورت یہ ہے کہ شاہی سپاہ کا قی نہیں کہ وہ کل اضلاع کے بندوبست کو منجھائے تحصیلدار اور پولیس افسر مقرر نہیں ہو سکتے، قلعہ و شہر سے باہر نہ کوئی پیدل نہ کوئی سوار باہر قدم رکھتا ہے کہ انتظام ہو، ایسی حالتوں میں ملک سے رسد کا آنا اور زر مال گزاری کا وصول ہونا سخت معیبت ہے ان سب حالتوں کا لازمی نتیجہ ہے کہ شہر اور ملک کے بالکل تباہ اور برباد و غارت ہونے کے سوا کچھ نہ ہو سکے گا، ان باتوں پر یہ اندازہ ہے کہ وہ بادشاہ کے ملازموں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہمسائے مخالف ہیں اور اپنا روزیہ ان سے بڑی حکومت سے گستاخانہ مانگتے ہیں میرے حکم کے موافق میرے یہ ملازم ان سے بلجاحت و خوشامد بہ نسبت پیش آتے ہیں مگر اس پر بھی وہ راضی نہیں ہوتے۔

اس صورتوں میں کب اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ سپاہی اس ملک کی صلاح و فلاح چاہتے ہیں یا حکومت شاہی کی اطاعت کے خواستگار ہیں؟ اب ایک اور بات خیال کرنے کی ہے کہ خزانہ میں تو روپیہ نہیں۔ شہر کے عہاجن و سوداگروں میں لٹ جانے اور تباہ ہو جانے کی سبب سے استطاعت نہیں کہ وہ روپیہ قرض دیں۔ پس کس طرح سے ان کو روپیہ تقسیم ہو سکتا ہے؟ جب ان کا یہ روزیہ بند ہو جائے گا اور ملک سے جو رسد آتی ہے بند ہو جائے گی تو کیا حالت ہوگی؟ پھر تماشہ یہ ہے کہ سپاہی خود یہ کہ تو ت کرتے ہیں جس سے ساری خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور اس کا الزام ملازمان شاہی پر لگاتے ہیں (اٹا چور کو توال کو ڈانٹے) خلاصہ یہ ہے کہ جب سپاہ کا یہ حال ہو تو ظاہر ہے میری بادشاہی بالکل غارت و تباہ ہو جائے گی؛ میری بے کسی و بے چارگی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ میں عہد کر لیا ہے کہ اپنی باقی زندگی یادِ الہی میں بسر کروں اور بادشاہی کو سلام کروں جس میں سراسر تکالیف اور مصائب ہیں اول خواجہ صاحب کی درگاہ میں جاؤں اور وہاں سے اپنا انتظام کر کے مکہ چلا جاؤں ۴

ص: تاریخ عروج انگلشیہ (ذکا، اللہ) ص ۶۹۴



بہادر شاہ کے ان الفاظ میں کتنا درد ہے کتنی بے باک صداقت ہے :  
 بہادر شاہ کی نیت کتنی نیک تھی۔ ان کے عزائم کتنے بلند تھے، ان کے خیالات  
 کتنے پاکیزہ تھے وہ اصول جہاں بانی پر کسی نظر رکھتے تھے ان سب امور پر اس تحریر سے  
 روشنی پڑتی ہے بہادر شاہ کے حسن نیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ :-

” بادشاہ سے بخت خاں نے کہا تھا کہ اگر کوئی شہزادہ شہر کو لوٹے گا تو میں اس کی  
 ناک کٹوا دوں گا، بادشاہ نے کہا یہ تم کو اختیار ہے“

آخر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا، جو حالات کا قدرتی نتیجہ تھا، بہادر شاہ کے  
 حامیوں میں سے اکثر نے ان کا ساتھ نہ دیا، شکست ہو گئی، انگریز فاتحانہ

شان سے دلی میں داخل ہوئے اور پھر انہوں نے انسانیت سموز منظم کرنے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔  
 منشی ذکا، قائد تحریر فرماتے ہیں : جب ۱۹ ستمبر کی رات کو انگریزوں کا قبضہ شہر کے بڑے حصے  
 پر ہو گیا۔ شکست کے بعد باغیوں کے سپہ سالار بخت خاں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ انگریزوں نے حضور  
 سے دلی سے لے کر تو کیا ابھی تو سارا ملک حضور کے ہاتھ میں ہے اگر حضور ہمارے ہمراہ چلیں تو حضور کے  
 نام اور ذات کی برکت سے ظن غالب ہے کہ ہم کو لڑائیوں میں فتوح حاصل ہو سکتی ہیں، بادشاہ نے  
 بخت خاں کو رخصت کیا اور کہا کہ ہمایوں کے مقبرہ میں تم کل ملنا :

مرزا الہی بخش اور بہادر شاہ | جو انگریزی ایجنٹ مجبزی کے لیے آتے تھے الہی بخش  
 ان کا راز دار تھا، ۱۲، ۱۳، ۱۴ ستمبر کو جب مرزا نے

باغیوں کی شکستیں دیکھیں تو اس کو یقین ہوا کہ اب انگریز دو چار روز میں دہلی پر مسلط ہو جائیں گے، اس  
 نے اپنی اور اپنے کنبہ کی جان بچانے کی تدابیر لیں، اس نے بادشاہ کو سمجھایا کہ آپ ہمایوں کے مقبرہ  
 میں تشریف لے چلیں، ان نے رات کو بادشاہ کو شیشہ میں اتارا، اس کو بتلایا کہ اگر آپ سپاہ کے ساتھ  
 چلے جائیں گے تو بڑی بڑی مصیبتیں اور آفتیں آپ کو جھیلنی پڑیں گی اور یقینی آپ کو شکست ہوگی اور اگر

صل : تاریخ عد انگلیشہ (ذکا، اللہ) ص ۶۹۵



آپ باغی سپاہیوں سے بالکل جدا ہو جائیں گے تو فتح مند انگریزوں کو یہ یقین ہو گا کہ آپ کو سپاہ نے اپنے ساتھ رکھنے میں مجبور کر رکھا تھا، اور آپ کو جب موقع ملا تو آپ ان دعا باز نمکھاروں سے جدا ہو گئے، آپ کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔

مرزا کی دلائل نے اس پر ضعیف العقل کے دماغ پر پورا اثر کیا، دوسرے دن بادشاہ اس کا زمانہ اس کے بیٹے اس کے امراء ہمایوں کے مقبرہ میں باغیوں کے سپہ سالار بخت خان سے ملے تو ان سب نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، انھوں نے ساتھ جانے میں یہ سوچا کہ معلوم نہیں کہ کیا کیا سختیاں اٹھانی پڑیں گی، معلوم نہیں کہ یہ جھگڑا کتنی مدت تک جاری رہے گا اور اس کا انجام معلوم نہیں کہ کیا ہو گا، اس لیے فتح مندوں کے رحم و کرم پر بھروسہ کر کے اپنے تئیں ان کے سپرد کر دینا چاہئے۔ اب مشکل کام یہ باقی رہ گیا تھا کہ کسی طرح سے بادشاہ کو الٹی بخش

### رجب علی مخبروں کا سربراہ

انگریزوں کے ہاتھ میں گرفتار کرادیں۔ یہ کام ایسا مشکل نہ تھا کہ آسان نہ ہو سکتا، سرکار انگریزوں کے جوائینٹ مخبری کے لیے دہلی میں رہتے تھے، ان کے سردار منشی رجب علی خان تھے، جامعہ سی کے لیے جو اعلیٰ درجہ کی لیا قیتیں چاہئیں وہ ان میں تھیں، منتظم انگریزوں کو ان کا پورا اعتبار تھا، اور وہ ہمیشہ اپنے کار فرماؤں کے ساتھ راست باز تھے۔

مرزا الٹی بخش نے ان سے خط و کتابت کی، منشی رجب علی نے مرزا سے یہ درخواست کی کہ آپ فقط یہ کام کیجئے کہ باغیوں کے چلے جانے کے بعد بادشاہ کو چوبیس گھنٹہ تک ہمایوں کے مقبرہ سے کہیں جانے نہ دیجئے، باقی کام مجھ پر چھوڑ دیجئے، میں اس کو کر لوں گا۔

منشی رجب علی نے مراسلت کا حال بدھن

### بدھن بادشاہ کو گرفتار کرنے جاتا ہے

صاحب سے کہا وہ یہ سنتے ہی بیٹھ کواٹر

میں گیا اور اس خبر کو سنایا اور اجازت مانگی کہ وہ اپنے سواروں کو ساتھ لے کر واپس کے بادشاہ کو لے آئے جہاں کو بڑی مشکل سے سمجھا بچھا کر یہ ان سے اجازت دلانی کہ وہ بادشاہ سے اس کی جان بخشی کا معاہدہ کرے، بدھن صاحب اپنے چھاپش سواروں کو لے کر مقبرہ پر سرپٹ دوڑا لیا۔

بعض آدمی ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ اپنی عمر میں پہلے ترقی کرتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑی عمر میں ترقی کرتے ہیں سو ہڈمن صاحب دوسری قسم کے آدمیوں میں تھا، میدان جنگ ہی اس کا بال دوم عشرت کہہ تھا اس کی نفیروں کی آواز ہی اس کی موسیقی تھی، انسان کی مصیبت اس کے دل پر اثر نہیں کرتی تھی نہ کسی کی خوریزی سے اس کو رنج ہوتا، نہ کسی کے مار دھکے کا افسوس۔

ہڈمن صاحب مقبرہ کے پاس جا کر ایک شکستہ عمارت میں سوار کھڑے رہے۔ اور اپنے سواروں کو اس کے سایہ میں آرام دیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ ہڈمن آگیا ہے، آپ اپنے تئیں حوالہ کیجئے۔ مقبرہ میں بادشاہ کے دل میں یاس اور توکل آپس میں لڑ رہے تھے آخر وہ اپنے تئیں حوالہ کرنے پر مجبور کیا گیا، اس نے ہڈمن صاحب کے پاس پیغام بھیجا، صاحب نے جان بخشی کا وعدہ کیا چار دن بعد ہڈمن نے اپنی یاداشت میں لکھا ہے کہ میں دہلی کے بادشاہ کو مردہ لانا بہ نسبت زندہ لانے کے زیادہ پسند کرتا تھا پھر ہی یاداشت میں لکھا کہ وہ بغارت میں مہل جتہ لینے سے بری تھا۔

شہزادوں کو گولی مار دی گئی | بادشاہ کے ساتھ چار شہزادے تھے مرزا مغل، مرزا ابوبکر مرزا خضر سلطان، مرزا آدو، قلعہ سے رخصت ہونے کے بعد

انگریز محافظ دستہ نے ان کو گھیر لیا۔ بادشاہ کو پاکی میں بٹایا گیا اور شہزادے بیل گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے انھیں قلعہ لے گئے، جب شہزادگان دیوان عام کے سامنے پہنچے، جہاں انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل کیا گیا تھا انھیں نشانہ بندوق بنا دیا گیا، شہر میں کشمیری دروازے سے لے کر لاہوری دروازے تک لوٹ مار جاری رہی۔ مرزا بختیار شاہ بھی جنھیں بعد میں گرفتار کیا گیا قتل کر دیئے گئے، بادشاہ پر پہرہ بٹھا دیا گیا، شاہ سمنہ خان جو شاہی بادلی گاڈ کے کمانڈر تھے، کشمیری دروازے سے نکلے ہوئے گرفتار ہوئے، ان کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ راجہ جھجر کی افواج کے جنرل ہیں اور اسی وقت انھیں گولی مار دی گئی، شہر میں کسی شخص کی جان محفوظ نہ تھی، تمام صحیح الجشتہ اشخاص جو کھائی دیئے باغی قرار دیئے گئے اور

ح : تاریخ عہد انگلشیہ (ذکار اللہ) ص ۶۳۹

انہیں گولی مار دی گئی۔

بہادر شاہ قید کر لیے گئے | وہ شخص جو آبر اور اکبر، شاہ بہمان اور عالمگیر کا جانشین تھا ایک بے حقیقت مجرم کی طرح قید کر لیا گیا، غلاموں نے اپنے آقا کو گرفتار کر لیا، جو تجارت کرنے آئے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھے جس نے تجارت کا پروانہ دیا تھا وہ مجرم قرار پایا۔

”انقلابات ہیں زمانہ کے“

بادشاہ کو ایک پاکی میں اور مرزا منگل مرزا خضر سلطان و مرزا ابوبکر کو رتھ میں سوار کر کے قلعہ میں لے آئے۔ بادشاہ کو ناظر حسین مرزا کے مکان میں قید کر دیا اور تینوں شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا۔ اور نواب زینت محل اور مرزا جوان بخت کو بادشاہ کے نزدیک ایک الگ مکان میں قید کر دیا اور حکیم حسن، شہنشاہ کو حالات اہل قلعہ دریافت کرنے کے لیے اور نیز مجرموں اور معذوں کی شناخت کرنے کے لیے ایک دوسرے مکان میں نظر بند کر دیا۔

شہزادے کس طرح گرفتار ہوئے | صفر ۱۲۶۴ ہجری کی پہلی یا دوسری تاریخ کو بادشاہ زینت محل کے مکان میں جو ہال کھنواں کے قریب

تھا قید کیے گئے۔ دوسرے دن مرزا الہی بخش نے مخبری کی کہ مرزا منگل، مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر وغیرہم مقبرہ ہمالیوں میں پوشیدہ ہیں۔ پھر پڑسن اپنے سپہ سالار سے اجازت سے کہ سوہا ہیوں کے ساتھ ان کو گرفتار کرنے روانہ ہوا، تینوں شہزادے مقبرہ کے اندر تھے اور ان کے ہمراہ لفٹینٹ میکڈونل کے قول کے مطابق تین ہزار مسلمان تھے، اور ان کے علاوہ تین ہزار مسلح سپاہی قریب ہی جھاڑوں میں موجود تھے، پڑسن اور میکڈونل نصف میل کے فاصلہ پر ٹھہرے کیونکہ اپنی قلیل جمعیت سے کہ

ح: خدنگ عدد ۵۹

ط: نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۲۲

ص: ہمشوہین مہتری آف دی ورلڈ جلد ۲۲ صفحہ ۱۸۷



مقبرہ پر دھاوا کرنے کی ہمت نہ تھی، شہزادوں کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ گرفتاری منظور کریں یا انجام مزاحمت کے لیے تیار ہوں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد شہزادوں کی طرف سے جواب آیا کہ ہماری جاتوں کی ذمہ داری کی جائے تو ہم اپنے تئیں حواسے کر سکتے ہیں، میجر نے کہا کہ میں وعدہ نہیں کر سکتا شہزادوں کو بغیر کسی شرط کے رہائے پاس حاضر ہونا چاہیئے، اب مقبرہ میں باہم گفت و شنید شروع ہوئی، شہزادوں نے کہا کہ تیموری خاندان کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہوا کرتے، تو اس لٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں لڑتے ہیں یا مر جاتے ہیں، داراشکوہ کو جب اورنگ زیب نے قتل کرنا چاہا اور قاتل قید خانہ میں آئے تو دارا ترکاری پھیلنے کی چھری سے کہ کھڑا ہو گیا اور کچھ دیر جلاؤں سے مقابلہ کرتا رہا، ہم کو بھی دلیرانہ کام کرنا چاہیئے، مرنا تو ہر حال میں ہے، پھر بہادری کی موت کیوں نہ مرے۔

لیکن یہ بہادری کی موت نہ مر سکے، انھیں بزدلوں کی موت مرنا پڑا، اس لیے نہیں کہ یہ بزدل تھے، اس لیے کہ انھیں اٹھی بخش نے دھوکا دیا تھا۔

۱۲ جنوری ۱۶۵۸ء کو بہادر شاہ فوجی کمیشن کے روبرو لائے گئے، جس میں تین سردار ملکہ معظمہ کی طرف سے تھے اور دو کمپنی بہادر کی طرف

### جلا وطنی کی سزا

سے، ایک دن نہ دو دن پورے اکتیس دن منعلیہ تاجدار کمیشن کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت سے کٹاں کٹاں پھرتا رہا، ہٹوا بگڑانی شرط ہے گواہوں کی کیا کمی تھی، خود حکیم حسن اللہ خان وزیر بادشاہ کے دو بدو کھڑے تھے یوں سمجھئے کہ زمین و آسمان اور اپنے دست و پا تک دشمن تھے،

بہادر شاہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لفٹیننٹ گورنر کو آگرے میں سب سے پہلے غدار پھوٹنے کی خبر دی تھی، لیکن آگے چل کر وہ بھی ہوا کے ساتھ ہو لیے، کیونکہ اصلی بات یہ ہے کہ باغیوں کی روک تھام ان کے بس کی بات نہ تھی ممکن نہ تھا وہ ان اشرار کے پھندے سے بے داغ نکل جاتے، کم سن سال بادشاہ پر جتنے الزام لگے تھے، سب ثابت ہوئے،

بادشاہ کو جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا ان کے ساتھ نواب زینت محل اور ان کے ساتھ بیٹے جو ان بخت بھی گئے۔ پانچ برس خدا جانے کس رنج و محن میں کاٹے آخر ۱۶۷۹ء ہجری



۱۸۶۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہا وہ کیا سرے منلیہ بادشاہت کو بھی اپنے ساتھ قبر میں لے گئے

دنِ ذلالت کے کیا جانئے کیسے کاٹے  
یہ بھی نہ کھلا زندہ ہیں کیسے کاٹے  
مرمر کے یسر ہوئی ہنرے یوں ساری عمر  
کچھ ویر نزع میں جیسے کوئی کاٹے

”یاد آئے گی تمہیں میری وفامیرے بعد“

منشی ذکاء اللہ جیسے حامی انگریز مورخ نے بہادر شاہ کی جلا وطنی کی داستان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

”ایڈوکیٹ نے جرائم کے ثبوت میں دلائل تحریر کیں جن کا آخری فقرہ یہ تھا کہ عدالت کے رو بہد جو شہادت پیش ہئے اس کے موافق میری رائے یہ ہے کہ قیدی دہلی کے معزول بادشاہ محمد بہادر شاہ پر جو الزام لگائے گئے، بعض ان میں بالکل ثابت ہیں اس لیے وہ مجرم ہئے ان جرائم کے ثبوت کے سبب بہادر شاہ جلا وطن کیا گیا۔ وہ اپنے دو بیٹوں جو ان نجات و عباس شاہ اور دو بیٹیوں زینت محل اور تاج محل کے ساتھ برہما کو روانہ کیا گیا، تاج محل کلکتہ سے واپس چلی آئی، جب بادشاہ دہلی سے ایک ڈولی میں سوار ہو کر گوروں کے پہرہ میں منزل بہ منزل روانہ ہوا تو راہ میں ان لوگوں کے گھر میں اتم تھا جو اس کے باپ دادا کی دی ہوئی اراضی سے اب تک روٹی کھاتے چلے آئے تھے، بہادر شاہ کا ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو نوائسٹی سال کی عمر میں پیغام اجل آیا۔“

اس کی ایامِ غدر کی ان باتوں کا ذکر بھی بہت دنوں تک دہلی میں ہوتا رہا کہ جب ہندو اس کے پاس فریادی جاتے کہ مسلمان ہم کو ستاتے ہیں تو وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا کہ تم ہندو کو ستاؤ نہیں۔ جیسے تم میری ایک آنکھ ہو، ویسے ہی ہندو میری دوسری آنکھ ہیں، جب سپاہ

نے ملی کے ہا جنوں اور مسلمان دولت مندوں کو بہت تنگ کیا تو اس نے تین دفع سپاہ سے لگا کر میرا  
اللہ میری بیٹیوں کا تمام زبرد سے کر اپنے کام میں لایا اور میرے شہریوں کو مت ستاؤ۔

**چیف کشر بہادر شاہ کو سزا دیتا ہے** | چیف کشر پنجاب کا اس کی نسبت یہ حکم صادر  
ہوا کہ بہادر شاہ معزول دہلی سمند کے پار

سخت مجرموں کی طرح جلا وطن کیا جائے وہ کسی ایسے جزیرہ یا مقام میں رکھا جائے جہاں وہ سب  
مسلمانوں سے علیحدہ رہے اس کی بیوی زینت محل اور اس کے بیٹے جو بہن نجات کی نسبت کوئی مجرم  
نہیں ثابت ہوا، جو ان نجات کی عمر تو سترہ برس کی ہے لیکن یہ دونوں دہلی میں موجود تھے، چیف کشر بہن  
کو اجازت دیتا ہے خواہ وہ قیدی کے ساتھ جلا وطنی کے مقام میں رہیں اور مگر ان کو یہ منکدر نہ ہو تو وہ بنگال  
کے پریسیڈنسی کے اضلاع زیریں میں کسی ضلع میں شاہی قیدیوں کی طرح مقید رہیں۔

**کلکتہ کی طرف روانگی** | ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو غند کے ایک سال بعد انگریزوں نے جمعہ کے  
دن بادشاہ کو بال بچوں سمیت کلکتہ بھیج دیا۔

**انگریز ڈرتے تھے** | فتح کے بعد انگریز مسلمانوں سے اور بہادر شاہ سے خائف تھے۔  
سارے کا سارا مقبرہ بادشاہ کے ہمراہیوں اور مسلح آدمیوں سے بھرا  
کچ بھرا ہوا تھا، لیکن انگریزوں کی دھاک بندھ گئی تھی اور اقبال یا اور متحائل پچاس سواروں سے جا کر  
بادشاہ کو گھیر لیا، ان سے سپردگی کا اصرار کیا وہ پہلے ہی آدھ موئے تھے، جھٹ اپنے آپ کو حوالہ کر  
دیا، جان بڑی پیاری ہوتی ہے خدا کسی پر برا وقت نہ لائے، بادشاہ کی عظمت اور مرتبے کو  
دیکھو آج خدا نے یہ دن دکھایا کہ اپنی جان بخشی کا سوال زبان پر لانا پڑا، اللہ اکبر! بادشاہ کو چپ چپا

۱ : تاریخ عروج و عود انگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۷۳۸

۲ : تاریخ ہندوستان ابھارت ہند (ذکا اللہ) ص ۱۹۳

۳ : نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۴۴

تھے میں پہنچا دیا۔ گوڑہ من صاحب بادشاہ کی گرفتاری کا بیڑا اٹھا کر ان سے اجازت لے کر گئے تھے مگر جنرل صاحب کے مانشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ سہرا ہم اس آسانی سے طے ہو جائے گا۔

### جاتے ہیں تیرے کوچہ سے قاتل خفا نہ ہو

بہادر شاہ کی دلی سے رخصت کا منظر ایک شیوا بیاں ادیب نے یوں کھینچا ہے :-  
 صبح ہو ساعت آئی کہ بہ نصیب بادشاہ جنگی پرے میں دلی سے وداع ہوا، تو  
 خلعت اندھیرے منہ سڑکوں پر ابٹھی، یہ وہ صبح تھی جس میں ماؤں نے اپنے معصوم  
 بچوں پر کھانا پینا حرام کیا اور جب تک اپنے بادشاہ کو آسمانوں کے حلقہ میں خدا کے  
 سپرد نہ کر لیا چو کھوں میں آگ نہ سلگائی۔

رونے والوں میں ہزاروں اس کے اپنے نمک خوار اور سینکڑوں وہ تھے جو اس کے  
 باپ دادا کی دی ہوئی جاگیروں سے روٹیاں کھا رہے تھے؛ باوجود سخت اہتمام کے  
 راستہ ممنوع سے چاٹا پڑا تھا، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسوؤں کی ریاں نہ بہہ  
 رہی ہوں، بادشاہ ڈولی میں سوار تھا، دو بیبیاں زینت محل اور تاج محل اور دو لڑکے  
 جوان بخت اور عباس شاہ ساتھ تھے، گوروں کا چہرہ تھا اور گوروں کے دلوں میں یہ  
 کیفیت تھی کہ سپاہی کی صحت سے ڈر لگتا تھا، مگر خلعت اپنے بادشاہ کی اس  
 قدر شائق تھی کہ خوف بہر اس بھول گئی اور پروانوں کی طرح اس شمع پر گری بادشاہ نے  
 ڈولی کے پوسے اٹھا دیئے آنکھیں سفید اور دم پر آنسو گر رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ آسمان  
 کی طرف تھے اور اس طرح جلا وطن بادشاہ دلی والوں کو خدا کے سپرد کر رہا تھا، المختصر یہ کہ  
 دنیا کی دہر ہولناک ساعت جب جہاں آباد نے اپنے ناشاد و نامراد بادشاہ کو وداع کیا ختم ہوئی  
 تاج محل کھلنے سے واپس ہوئی اور شاہ بخت رنگون روانہ ہوا۔

ط واقعات دار الحکومت دہلی جھاول البشیر الدین احمد ص ۲۸

ص ۲ : نوبت پنج روزہ (ادشاہ الخیری) ص ۱۹۴



اسی سلسلے میں ایک داستان عبرت اور سن لیجئے اور وہ یہ  
**واجد علی شاہ سے ملاقات** | ہے کہ جب شاہ ظفر کو بہ جرم بغاوت دہلی سے رنگون

جانے کا حکم ہوا تو واجد علی شاہ نے والسرائے کے ذریعے سے شاہ کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجا  
ظفر نے دعوت تو نامنظور کی لیکن یہ لکھا کہ "چند منٹ کے لیے جہاز سے اتر کر میا برج میں تم سے  
ملوں گا" چنانچہ تاریخ مقرر پر والسرائے اور جملہ عہدہ داران برطانیہ میا برج میں جمع ہوئے تاکہ ملاقات کا منظر  
دیکھیں جب ظفر شاہ جہاز سے اتر کر حدود میا برج میں تشریف لائے تو واجد علی شاہ نے ابو جہد عبادی  
بھرم ہونے کے ادب سے سر نیزہ جھکا کر اکیس سلام کئے، شاہنشاہ دہلی نے سلام لیا اور اس وقت دونوں  
اشکبار ہو گئے اور یہ تک رقت قائم رہی، برٹش حکام نے اس طریقہ سلام کو حیرت کی نظروں سے دیکھا۔  
کیونکہ اس وقت شاہ اور وزیر و دونوں دولت برطانیہ کے قیدی تھے، حقیقت یہ ہے کہ انگریز مورخین  
ظفر شاہ کو یکے از رعایائے سرکار لکھتے ہیں لیکن یہ ایک ایسا غلط دعویٰ ہے جس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا  
کون کہہ سکتا ہے کہ ظفر میں اکبر اور بابر کا نسلی خون شمال نہیں ہے، ظفر بلاشبہ سلطنت منلیہ کا آخری  
شاہنشاہ تھا، صاحب واجد علی شاہ ظفر کے بزرگوں کے پروردہ تھے، لہذا شاہ نے اپنے آقا کا جس  
حیثیت سے استقبال کیا اور کورنش بجالائے وہ اس کا مستحق تھا۔

واجد علی شاہ والسرائے کو یکے از ملازمان کو سن دکھائیے سمجھتے تھے اور رسمی طریقے سے ملتے تھے  
چنانچہ والسرائے کا ظفر سے مصافحہ تک نہ ہوا۔

۱۵۵۸ء ختم ہونے سے پہلے اکبر کا آخری وارث رنگون  
**قید فرنگ اور وفات** | پہنچا، جہاز سے اترتے ہی گوروں کی حراست میں بند گاہ

سے سد بازار کے ایک دو منزلہ بنگلہ میں گیا جو پانی گھوڑ دوڑ کے میدان کے قریب موجود  
سڑک والے دوڑ پر واقع تھا، اس بنگلہ کے گرد گوروں کا پہرہ ظفر کی زندگی تک رہا اور خرچ آب

ط : یادایام عبدالرزاق مصنف البراکہ ۱ ص ۲۳۱



نمک کے لیے صرف چھ سو روپیہ ماہوار ملتے ہیں انھوں نے سرکار انگریزی سے کسی امداد کی استدعا نہیں کی، فاقہ کشی اور غربت کی زندگی گوارا کی، لیکن حمیت و غیرت ترک نہ کی، ذہنیت محل کے پاس کچھ ذہنیات باقی تھیں، انھیں کو معاش کا ذریعہ بنایا اور بد نصیب زندگی کی آخری سانسیں افلاس و تنگدستی میں گزار دیں، شاعری کا شوق رنگوں میں بھی باقی رہا، ان کی بعض دردناک نظمیں قید خانہ کی چار دیواری سے نکل کر دہلی تک پہنچیں اور اب بھی سخن فہموں کے پاس محفوظ ہیں لیکن وہ نہ تو خود ان کو شائع کرتے ہیں نہ دوسروں کو، ان کی زیارت سے بہرہ مند ہونے دیتے ہیں مرحوم ایڈیٹر صلائے عام دہلی کے پاس ایک نظم نظم اسی دور مصیبت کی تصنیف کسی ذریعے سے پہنچ گئی تھی اور اس کے کئی اشعار دہلی دلوں کی زبان پر آ گئے تھے، وہ نظم نعت میں بطور مناجات کے تھی اور مدینہ میں موت نصیب ہونے کی تمنا کا اظہار تھا :

غریبت کدہ رنگون کے اشعار

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل غزل رنگون کی ہے کسی اور کس مہر سی کی یادگار ہے، بادی النظر میں شبہ ہوتا

ہے کہ زبان ظفر کی نہیں ہے لیکن ان کے دیوان اول میں بھی ایک غزل اسی طرز کی موجود ہے ۔  
 کون گھر میں آئے ہم کون نگہ ہیں با سے ہیں  
 دس نیا ہے بھیں نیا ہے نگہ نیا ہے ڈھنگ نیا ہے  
 کیا کیا پلو ٹیکھے ہیں ہم نے اس بھلائی میں  
 دنیا ہے یہ رہو بیزاریت گئی رہی تھوڑی سی  
 حسب ذیل اشعار بھی قید رنگون کی یادگار ہیں اور جذبات کی صحیح ترجمانی ہے ۔

نہ کسی کی آنکھ کا لہو ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں  
 میرا رنگ روپ بگڑ گیا میرا حسن مجھ سے بچھڑ گیا  
 پیٹے فاقہ کوئی تائے کیوں کوئی چار پھول چڑھا کے کیوں  
 یہ شعر بھی اسی درد کی حسرت و مصیبت کی تصویر ہے ۔

نہ دیا یا زیر زمین انہیں نہ دیا کسی نے کفن نہیں نہ ہوا نصیب وطن انہیں نہ کیوں نشان مزار ہے  
غرض قید خانہ کے تنگ و تاریک کمرے میں وہ موت کا انتظار کرتے تھے، پہل قدمی یا  
ہوا خوری کے لیے بھی کم باہر نکلتے اور بیشتر وقت یاد خدا، تسبیح و استغفار میں صرف کرتے تھے آخر کار  
ان کی دعا قبول ہوئی اور ۷ نومبر ۱۹۶۲ء کو قید فرنگ اہد قید حیات دونوں سے آزاد ہو گئے۔

مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دُور | سبکرات موت کے وقت سوائے زینت محل ہوں بخت

ان کی جوی اور ایک خود سال بچی کے اور کوئی موجود نہ  
تھا، حکام کی اجازت سے تجسیر و کفن کر کے اسی جگہ کے احاطہ میں دفن کر دیا، کچی قبر تھی ایک سیری کا دھت  
سرانے لگا تھا اور اسی سے عرصہ تک مرقد کا نشان رہا۔

زینت محل کچھ مدت تک اسی جگہ میں فروکش رہیں بعد ازاں دوسرے مکان میں  
دعا دار جوی | حکماً منتقل کی گئیں، پابند وضع شوہر کی وفات سے پانچ سال تک انہوں نے  
بھی انگریزی حکومت سے کوئی امداد قبول نہ کی۔

انچہ شیراں راکستہ رو بہ مزاج | احتیاج است احتیاج است احتیاج

موجود ہو کر ۱۹۶۷ء پانچ سو روپیہ کی پیش منگودہ کر لی اور اسی مقد و خسیفہ مرزا جوان بخت کا بھی مقرر ہو گیا  
شہزاد سے نے غربت و بے کسی میں بمقام مولین ملک برہما ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا، آج تک  
قبر کا پتہ نہیں چلا ہے۔

غم نصیب زینت محل محلات عیش و عشرت کا غم اندوہ سے کفارہ ادا کرنے کے بعد ۷ ار  
جولائی ۱۹۶۹ء کو دنیا سے رخصت ہوئیں اور پرانے جگہ کے احاطہ میں مظلوم شوہر کی قبر کے پاس دفن  
کی گئیں۔

وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشان اُسے ٹھوکروں سے اڑا دیا | وہ احاطہ ایک پورہین سڑ ٹاسن  
کو جن کا برہما کی مشہد ڈاسن بنک

کپنی سے تعلق تھا ٹھیکے پر دیدیا گیا، صاحب بہادر کو مزار پر فاتحہ پڑھنے والوں اور چراغ جلی کے لئے  
م: بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

خادموں کی آمد و رفت ناگوار ہوئی، مقبرے کا راستہ بند کر دیا، مرقد مبارک کے ایک طرف ٹینس کھیلنے کا میدان تھا، اور دوسری طرف گھوڑے سدا رہنے کا چکر، چند روز میں قبروں کا نشان بھی ناپید ہو گیا اور روشن ضمیر ظفر کی پٹین گولی پوری ہوئی۔

پس مرگ قبر پر اپنے ظفر کوئی فاتحہ بھی کہاں پڑھے  
وہ جو لڑی قبر کا نشان اوسے ٹھوکروں سے اڑا دیا

بسیوں صدی کے آغاز میں ایک عقیدت مند پرستار ملک دولت عبدالسلام نامی مرحوم آخری تاجدار کا مزار تلاش کرتے ہوئے بہ ہزار مشکل اس احاطہ میں داخل ہوئے، بیری کا درخت موجود تھا۔ واقف کاروں نے نشان دیا کہ اسی درخت کے قریب بادشاہ اور اس کی بیگم کی قبریں فرض کر لینا چاہئے، غیرت مند و ناکیش نے حکومت برائے خط و کتابت کی، اخباروں میں مضامین لکھے ہندوستان سے لے کر لندن تک دردمندوں کے قلوب زخمی کر دیئے، تب اس مقام پر ایک کتبہ انگریزی زبان میں نصب کیا گیا جس کا ترجمہ عربی میں ہے۔

”وہی کا معزول بادشاہ بہادر شاہ، نومبر ۱۸۵۷ء کو دکن میں مراد اس جگہ کے قریب دفن ہوا“

چند ماہ کی مزید کوشش کے بعد اسی پتھر پر زینت محل کی تاریخ وفات بھی کندہ کر دی گئی سال کی مسلسل سہی بلیغ سے یہ مائل ہوا کہ گورنمنٹ نے مسلمانان ہند کو قبر کا نشان دوبارہ بنانے کی اجازت دی۔ اب دونوں قبروں کو لڑا کر ایک تنوید بنا دیا گیا ہے جسے کاسٹریل اور ٹین کا ساکباں ہے بہادر شاہ کے پوتے سکندر بخت قبر کی مجاوری کرتے ہیں اور مسلمانوں کو فاتحہ خوانی کے لیے آمد و رفت کی اجازت ہے اس غریب شہزادہ کا ذریعہ معاش سوائے نذر و نیاز کے کچھ نہیں ہے۔

ظفر احوال عالم کا کبھی کبھی ہے  
کہ کیا رنگ اب ہیں اور کیا ہنسیاں تھے

ع۔ بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علوی)



کئی لڑائیاں ہوئیں انجام کار سپاہِ مفسدہ کچھ ماری گئی، کچھ بھاگ گئی، اس لیے  
تاریخ و فات

ذہبت محل اور مرزا بھوان تخت اس کا چھوٹا بیٹا بھی اس کے ہمراہ تھا یہ بادشاہ ۱۲۴۹ھ ہجری مطابق  
۱۸۵۵ء میں بجاؤ نہ فالج فوت ہوا اس پر خاندانِ تمہدیہ تمام ہوا، یہ تاریخ کسی شاعر نے اس  
بادشاہ کے جلوس اور وفات کی کہی ہے۔

تاریخ جلوس و فات سراج الدین ابو ظفر

سراج الدین ابو ظفر مسافر و مسوئے محنت ہوا روانہ

کوس کے باعث مے نوشی سے جھلک لایا اباغ درہی

چراغ درہی جلوس کا ہے۔ سواب بھی دیکھو مطابق اس کے

سروش غیبی نے سال رحلت کیا بچا ہے چراغ درہی

خان بہادر میر ناصر علی نے بہادر شاہ کی رنگون کی زندگی کے کچھ  
مشاہدات شائع کئے تھے، رنگون کی زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے کچھ

نہیں معلوم کیسی گزری، لیکن ان چند سطروں سے ایک جھلک سی نظر آ جاتی ہے اور وہ بھی بیاخت ہے

جلادطنی میں ایک شخص بن کو رنگون دیکھنے گیا، اس کی زبانی  
رنگون میں ظفر کی صحت

ہے کہ تندرستی بڑھ گئی تھی، دلی میں مشکل سے دو ایک

کباب خود اک تھی سو وہ بھی چوس لیتے تھے، رنگون میں معمولی مقدار گوشت کی منظم ہو جاتی تھی،

خاندانِ تیموریہ کے خصالِ حمیدہ میں بڑی تعریف اس صفت کی ہے کہ جو ملازم

ہو گیا پھر وہ برخواست نہیں ہوتا تھا، مولوی بشیر الدین صاحب خلت مولوی

نذیر احمد صاحب رئیس، بی اپنی تصنیف فرامینِ سلاطین میں مولوی منظر الدین صاحب شیر کوٹی کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ بہادر شاہ کے انتقال کے بہت عرصہ کے بعد جب مولوی صاحب کا رنگون

جانا ہوا تو انہوں نے تیموری نسل کے پسماندہ افراد سے ملنے کا ارادہ کیا ان کے بیان کا اقتباس ہے کہ:-

ما : واقعاتِ ہند ص ۳۴۳ مطبوعہ ۱۸۷۵ء



۱۔ لکڑی کے ایک معمولی مکان میں ستر برس کی ایک ضعیفہ رہتی ہیں جن کا نام رونق زمانی بیگم صاحبہ ہے یہ جوان بخت کی بیٹی اور بہادر شاہ کی پوتی ہیں، دادا کا تخت تاج ہونے کے غم میں انھوں نے شادی نہیں کی، سکندر بخت ان کے بھانجے اپنی بھوپھی رونق زمانی بیگم کے ساتھ رہتے ہیں۔ رونق زمانی بیگم کو ویرھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ سرکار سے ملتا ہے۔ دونوں اس میں گزر کرتے ہیں۔ خرچ کی طرف سے تنگی سے گزر سکتی ہے وضع داری کا یہ حال ہے کہ:

دادا بہادر شاہ کے زمانہ کے بعض ملازمین کو اب تک علیحدہ نہیں کیا۔

شکر

اس صفت میں بہادر شاہ کی بہت تعریف تھی کہ سرکار انگریزی سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ زیادہ شہر والوں کی تنخواہوں میں صرف ہوتا تھا تنخواہیں اس نثر سے تھیں کہ وہ چار آنے ماہوار کی نسبت تھی جس کے وصول ہونے میں تنخواہ والوں کے دو دو چار روپیہ خرچ ہو جاتے تھے مگر اس قلیل تنخواہ کی عزت جاگیر کے برابر سمجھی جاتی تھی کہ نسبتاً بعد ازاں چلی جائے گی۔

# بہادر شاہ کی مذہبیت، دینداری اور خوش عہدگی

بہادر شاہ ایک درویش صفت، صوفی منش، اور، قلندرانہ خصال کے انسان تھے، انھوں نے دنیا دیکھی، دنیا کا رنگ دیکھا، دنیا والوں کو دیکھا اور ان سب سے ان کا جی سیر ہو گیا۔  
وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا  
اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

وہ بادشاہ تھے، ان کا خاندان صدیوں سے اس دایں پر حکومت کرتا چلا آ رہا تھا، لیکن اب یہ بادشاہت دم توڑ رہی تھی، وہ اب بھی بادشاہ تھے اور مال تلوع ان کا دار الحکومت بھی تھا اور حکومت بھی۔ لیکن یہ شاندار الفاظ درحقیقت کتنے تلخ تھے اسے ان کا دل ہی جانتا تھا، دنیا کی بے ثباتی ان کے دل پر نقش ہوئی تھی، دنیا والوں سے ان کا دل بیزار ہو گیا تھا، سب انسان مایوس ہوتا ہے تو خدا سے لو لگاتا ہے جب کوئی سہارا باقی نہیں رہتا، تو انسان اس کے آستانہ پر پہنچتا ہے جو دنیا کا شہوت ہے۔  
بہادر شاہ کی یہی کیفیت تھی، وہ اورنگ زیب پر متمکن ہونے کے باوجود ایک فقیر اور درد پیش بن گئے تھے، ان کے اوقات کا بڑا حصہ اوراد و وظائف میں صرف ہوتا تھا، وہ خود بھی مرید تھے، اور اب دوسروں کو بھی مرید کرنے لگے تھے وہ تخت شہی پر بیٹھے تھے، لیکن تھوڑی دیر، اور بے دلی کیا تھی البتہ سجادہ، مسئلہ ان کی پسندیدہ جگہ تھی، یہاں وہ دن کی روشنی میں، رات کی تاریکی میں، بیٹھے تھے اور بیٹھے رہتے تھے، وہ روتے تھے، گڑ گڑاتے تھے، اور اپنے خالق سے، اپنے رب سے، دل کی بہت بیان کرتے تھے اس سے دل بخور تسکین پاتا تھا، تن کی دنیا مٹ گئی تو مٹ گئی لیکن من کی دنیا اتنا بال تسخیر تھی، یہاں نہ ملکہ و کٹوریہ کا گزند تھا، نہ لارڈ کلینگ، نہ ”صاحب کلاں“ ریڈیٹنٹ بہادر کا۔

اسی دنیا میں سکون تھا، عافیت تھی، دل جمعی تھی، اور انسان کو اگر یہ نعمت حاصل ہے تو پھر اور چاہیے بھی کیا؟  
 بہادر شاہ کی موفیانہ زندگی مختلف پہلوؤں کی حامل تھی، اب ہم اختصار کے ساتھ ان پہلوؤں میں  
 سے چند پر روشنی ڈالیں گے۔

**آخری چار شنبہ کے مراسم** | مذہبی معاملات میں بہادر شاہ اتنے خوش عقیدہ تھے کہ وہ جن  
 مراسم، اور تقریروں میں حصہ لیتے تھے۔ یہ غور نہیں کرتے تھے  
 کہ حقیقتاً ان کی مذہبی حیثیت کیا ہے؟ آیا از روئے شرع بھی ان کو بجالانا جائز ہے یا نہیں؟ ان کی  
 خوش عقیدگی ان چیزوں پر غور کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے یہ سوچ کر کرتے تھے  
 کہ یہ کارِ ثواب ہے، عاقبت کو سنوارنے کا سبب ہے، وہ ایر و آں کے چکر میں نہیں پڑتے تھے  
 چنانچہ ملاحظہ ہو:-

”بادشاہ سلامت لال قلعہ میں رونق افروز ہیں، ماہ صفر کے آخری چار شنبہ کے دن باغِ شہنشاہ  
 میں تشریف لے گئے۔ مٹی کی ایک ہانڈی میں خود بدولت نے اٹھ فی ڈائی۔ باندھ کر پاؤں سے توڑ کر  
 زمین کی ٹھاس کو پاؤں سے روندنا۔ پھر دیوان خانے میں آکر مندر آرا ہو کر دربار کیا۔ مرشد زادے اور ملازم  
 آداب بجالائے منصرم جواہر خانہ نے کشتی میں چاندی سونے کے چھلے پیش کیے۔ نمورٹے پانچ  
 چھلے اٹھا کر اپنی انگلی میں پن لیے۔ پندرہ چھلے زینت محل سلیم کو اور پانچ دوسری بیگمات کو دیئے، وڈ  
 کے نام کے سات چھلے اپنے پاس رکھ لیے۔ اور پانچ پانچ مرزا فخر الدین اور دوسرے مرشد زادوں کو  
 عنایت فرمائے۔ سات چھلے گورنر جنرل بہادر کو، پانچ چھلے ان کی میم صاحب کو اور چھ چھلے لخت  
 گورنر بہادر آگرہ کو بھجوائے۔ معظم الدولہ صاحب ایجنٹ بہادر کو دس چھلے پانچ، ایجنٹی (دو پانچ)  
 خطاب فرزند ہی کے روانہ کیے اور کپتان قلعہ کو آٹھ چھلے دیئے۔ چار کپتان قلعہ کے سرداروں کے  
 اور چار سیکرٹری شپ کے۔ ایک ایک چھلے سورج نرائن مختار کو اور عظیم حسن اللہ خان کو مرحمت فرمایا۔  
 پھر موادار پور ہو کر دریا پار درگاہ سید محمود بناری کی زیارت کر کے نذر نیاز پیش کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے

## حضرت علیؑ کا دسترخوان

آج کے دن جہاں پناہ کے محل میں حضرت علیؑ کے دسترخوان کی نیاز ہوتی ہے۔ جو کے ستو بڑے بڑے خوانوں میں چوٹی دار بھر کر۔ دسترخوان پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور پردے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور باہر بیٹھ کر نیاز دی جاتی ہے۔ پھر پردے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اور شمع کی روشنی سے ستوؤں کو دیکھا جاتا ہے آج ایک خوان کے ستوؤں پر حضرت علیؑ کی تسبیح کے ایک دانے کا نشان نظر آیا اور حضور جہاں پناہ نے اس خوان کے ستوؤں بطور تبرک کے نوش فرمائے۔ اور پھر اپنے دست مبارک سے وہ ستو شہزادوں اور بیگمات کو تقسیم کیے اور اس کے بعد سب نے بارگاہ جہاں پناہ میں نذریں پیش کیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دسترخوان پر یا کھانوں پر کوئی خاص نشان نظر آتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے یہ نیاز قبول کی اور اس پر اپنی انگلی کا نشان لگا دیا۔ دسترخوان پر ہر قسم کے کھانے تھے اور جو کے ستو بھی تھے۔ حضرت علیؑ کی تسبیح کا نشان صرف جو کے ستوؤں پر ظاہر ہوا تھا۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان ستوؤں کو اس طرح چوٹی دار چٹا گیا تھا کہ کہیں کسی چھوٹے بڑے نشان کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ مگر جب تسبیح کا نشان اس میں نظر آیا تو سب کو بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت علیؑ نے یہ ستو قبول فرمائے۔ (۱)

## حضرت علیؑ اور امام حسینؑ سے عقیدت

بہادر شاہ کو حضرت امام حسینؑ سے بڑی عقیدت تھی، کیف و

اثر سے بھرے ہوئے شعر کہتے تھے، محرم کی رسمیں بجالاتے تھے، غرض ہر طرح اپنے جذبہ کا اظہار کرتے تھے، چند شعر ملاحظہ ہوں:-

جو اُس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست	قبول ہوتی ہے اُس کی علی الدوام نماز
جو ہو حسینؑ کا دشمن اُسے کہاں ایمان	اگرچہ پڑھتا بھی ہو وہ برائے نام نماز



نماز پڑھ کے سدا سجدہ و قیام کے ساتھ      وظیفہ چاہیے ذکر غم امام کے ساتھ

نہیں در دولت سے ہوتے سرور شاہ و گدا      پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجئے التجا  
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپ کا      آئیے اب تو مدد کے واسطے بہر خُدا  
یا حسین ابن علیؑ بندہ بہت ناچار ہے

مستغنی کو نین ہی رکھ اپنے ظفر کو      محتاج نہ کر حیدرِ کرار کسی کا

حرم میں بادشاہ فقیر بنتے۔ سبز کپڑے پہنتے اور گلے میں سبز جھولی ڈالتے تھے بھٹی تاریخ کو تھوڑی دیر کے لیے سدا ہاتھوں میں لے کر اور چاندی کی زنجیر کمر میں ڈال کر گشت کرتے تھے۔ ساتویں کی متدی بڑی دھوم دھام سے اٹھتی تھی اور بادشاہ بہ نفس نفیس اس کی مشاہدت کرتے تھے آٹھویں کو حضرت سقائے حرم کی یادگار میں لال کہا روے کی ننگی باندھ کر ہشتی بنتے اور شربت کی بھری ہوئی مشک کا ندھے پر رکھ کر معصوموں کو شربت پلاتے تھے۔ دسویں تاریخ کو موتی مسجد میں عاشورہ کی نماز پڑھ کر ظہر کے وقت حاضری کے دسترخوان پر نیاز دیتے تھے۔ دسترخوان پر شیرمالین چنی ہوتی تھیں اور شیرمالوں پر کباب۔ پنیر۔ پودینہ۔ ادک۔ مویاں کتر کے رکھی جاتی تھیں۔

**عاشورہ** حضور انور عاشورہ کے دن درگاہ شریف کے آثار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ مرزا جہاندار شاہ متولی کو خلعت قبائے خاص۔ سہ رقم جواہر۔ دستار سر بستہ، گوشوارہ مرصع اور حافظ قطب الدین کو خلعت شمش پارچہ۔ سہ رقم جواہر اور ان کے لڑکے کو خلعت سہ پارچہ اور دو رقم جواہر اور سادات عالی درجات کو پہننے کے کپڑے اور زرافہ اور فقرا و مساکین کو نیاز کا کھانا مرحمت فرمایا۔

**غوث پاک کی نیاز** | راجہ بھولا ناتھ کی معرفت دیوان خانے میں حضرت غوث الاعظم کی نیاز کی مہندی تیار کرائی، حضور انور نے خود شمع روشن کی

ملیدہ کے حوالوں پر فاتحہ پڑھی، اور ملیدہ کے خوان تقسیم کر کے آتش بازی اور روشنی کا تماشا دکھایا (۲)

**حافظ محمد علی خیر آبادی سے ارادت** | بہادر شاہ وقت کے مشہور صاحب طریقت بزرگوں سے بڑی ارادت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی سے کبھی انہیں عقیدت تھی، ذیل کا واقعہ خالی از دلچسپی نہیں:-

”بہادر شاہ ظفر نے چند مرتبہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی

اور ملاقات کا شوق ظاہر کیا لیکن حافظ صاحب نے ہمیشہ یہ فرمایا کہ ملاقات کی حاجت نہیں ہے

شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے بہادر شاہ نے اصرار کیا لیکن حافظ صاحب راضی نہ ہوئے بالآخر

بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی کالے صاحب وقت کے

منتظر رہے قطب صاحب کے عرس کے دنوں میں حافظ صاحب آستانہ شریف کی مسجد میں

رونق افروز تھے کالے صاحب نے فرمایا حافظ صاحب ایک ضرورت سے جاتا ہوں آپ

یہیں تشریف رکھیں یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے کر آئے حاضرین نے شور کیا

بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں جب یہ آواز حافظ صاحب کے کانوں میں پہنچی تو فوراً دیوار پھانڈ کر

پہنچ گئے (۳)

اس واقعہ سے بہادر شاہ کی خاکساری، اور عقیدت مندی پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

**درگاہوں سے ارادت و عقیدت** | ہندوستان میں زیادہ تر اسلام موصوفیوں کے ذریعہ پھیلا، ان کی پاک اور بے ریا

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ

(۲) سرطاس شہف کی ڈائری ص ۸۳

(۳) مناقب حافظیہ ص ۱۳۵ سے تا بیچ مشائخ چشت

زندگی نے یہاں کے باشندوں پر اثر ڈالا، اور وہ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، دلی اور اطراف دلی کے علاقے خاص طور پر تصوف کے مرکز، اور صوفیائے زاوئے رہ چکے ہیں بہادر شاہ طبعاً صوفی تھے، اور صوفیوں سے عشیت رکھتے تھے، انھیں مشائخ کی درگاہوں سے والہانہ وابستگی تھی، وہ جس طرح زندہ موقوف کی خالق ہوں اور نادلیوں میں حاضر ہوتے تھے اسی طرح مرحوم و مغفور مشائخ کے مزاروں، اور درگاہوں پر، ہوش ارادت سے سرشار ہو کر پہنچتے تھے زرباشی کرتے تھے، فاتحہ پڑھتے تھے، نیاز دیتے تھے نذر پیش کرتے تھے۔ اس طرح کے چند واقعات آپ بھی دیکھیے:-

”۵ جون ۱۸۴۸ء حضرت بادشاہ سلامت حضور قطب صاحب کے قریب والے مکان میں رونق افروز ہیں ایک درویش نے حاضر ہو کر تسبیح اجمیر شریف کی نذر کے طور پر پیش کی اور ایک اشرفی انعام میں لی (۱)“

”۷ نومبر ۱۸۴۵ء چار گھنٹی دن باقی تھا کہ جہاد پناہ سوار ہو کر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں حاضر ہوئے شاہی اور انگریزی توپخانہ سے سلامی کی توپیں چھیڑی گئیں درگاہ میں پہنچ کر نذر و نیاز کی، پھر وہاں سے درگاہ قطب صاحب میں تشریف لے گئے، مزارات کی زیارت کی فقراء و مسالین میں روپیہ خیرات فرمایا۔ (۲)“

”۱۰ جولائی ۱۸۴۶ء محمد علی درویش حاضر ہوئے اور مکہ معظمہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا بادشاہ سلامت نے ۲۵ روپیہ عنایت فرمائے۔“

شہنشاہ اولیاء خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار شریف کے نیاز کے لیے ایک چاندنی کاجراغ ایک نقاش کا جوڑا ایک اشرفی اور پانچ روپے میزنی بے جانے والے فقراء کو دیئے گئے

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۶۱

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۳۳

یہ فقراء ہر سال میندنی لے کر دہلی سے اجمیر تشریف تک پاسبانہ جاتے ہیں ایک ہزار تین سو روپیہ کی ہڈی ان شہزادہ بہادر کے خرچ کے لیے بھی روانہ کی گئی جو حج کے لیے تشریف لے گئے۔ (۱)

۲۵ ماہ جولائی ۱۸۴۵ء - حضرت سراج الدین محمد ابو ظفر بہادر شاہ دہلی خلد اللہ سلطنتہ حضرت قطب الاقطاب کے مزار کرامت آثار

## میندنی کی مشالیت

پرولق افروز ہوئے حضور غریب نواز خواجہ اجمیر کی میندنی روانگی کے لیے تیار تھی بادشاہ سلامت نے مبلغ ایک سو روپیہ مرزا بہادر بخش کو میندنی کے لیے مرحمت کیے اور ساتھ جانے کا حکم دیا اور ایک دو چوبہ دو عدد ادٹ، فراشوں اور سائبانوں کے ساتھ میندنی کے ہمراہ روانہ کر دیئے اور خود اولیاء مسجد تک میندنی کی مشالیت کے لیے تشریف لائے۔ پھر اس کو رخصت کر کے مراجعت فرمائی (میندنی اُس قافلہ کو کہتے ہیں جو پیدل اجمیر تشریف کے عرس میں جاتا تھا) چند خواجہ سراؤں نے سفر حج کا ارادہ ظاہر کیا بادشاہ سلامت نے ہر ایک کو خرچہ راہ کے لیے سو سو روپے عطا فرمائے۔ (۲)

۱۳ جون ۱۸۴۵ء - حضرت بادشاہ سلامت حضور قطب کے مزار پرولق افروز ہوئے درگاہ کے قریب جو محل بنوایا ہے اُس کے خس خانہ کو ملاحظہ فرما کر چھپرنبد کے افسر کو ایک جوڑا دوشالہ مرحمت فرمایا۔ (۳)

بہادر شاہ کو عرسوں سے بھی عرسوں کا اہتمام، درگاہوں کے متوسلین کی خبر گیری

بہت شغف تھا، اور مختلف درگاہوں کے متوسلین کو بھی وہ قد و عزت، اور احترام، عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے، اور ان کی ضروریات پور کرتے تھے۔ ذیل میں اس طرح کے چند واقعات

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ صفحہ ۶۳

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ صفحہ ۱۹

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ صفحہ ۱۱



اختصار کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں:-

(۱)

درگاہ شاہ ابو علی قلندر واقع پانی پت کے خدام نے تبرک پیش کیا۔ حضور والا نے دس روپیہ انعام دیئے۔ جن فقیروں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس شریف کی یادگار کے طور پر ڈیڑھ ٹی خاص پر خواجہ صاحب کا جھنڈا لگایا تھا۔ بادشاہ سلامت نے ان کو ایک سو روپیہ نقد اور نقدی چراغ درگاہ میں نذر کے لیے مرحمت فرمایا اور کھانے کے خوان بھیجے اور نقد دستور کے موافق حضرت قطب صاحب کی چٹریوں کے لیے بھی تقسیم فرمایا۔ میزان شاہ درویش کو جو مکہ معظمہ کی زیارت کے لیے گئے تھے بادشاہ سلامت نے پچیس روپیہ عطا فرمائے (۱۸ جولائی ۱۸۴۵ء)

(۲)

”زور آور چند کو حکم ہوا کہ پانسو روپیہ حضرت عرش آرام نگاہ (اکبر ثانی) کے عرس میں خود جا کر صرف کرو۔ حکم کی تعمیل میں زور آور چند نے خوانہائے طعام محل میں بھجوا دیئے جسے سرداروں اور دیگر اشخاص میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضور والا نے فاتحہ پڑھی اور فی کس پانچ روپیہ اور درویشوں کو ایک ایک روپیہ کھل مرحمت فرمائے اور پھر آتش بازی کے نظارہ اور توالی کے سٹنے میں مصرف ہوئے (۲۸ اگست ۱۸۴۵ء)

(۳)

”حضرت جہاں پناہ حضور قطب صاحب اور حضرت مولانا فخر صاحب اور حضرت عرش آرام نگاہ کے مزارات پر شریف لے گئے۔ گیارہ گیارہ روپیہ اور گلاب کا شیشہ ہر ایک مزار پر نذر دیا۔ اسی طرح دوسرے اولیائے کرام کے مزارات پر بھی حاضری دی اور ہر مزار پر پانچ روپیہ نیاز کے لیے دیئے (۱۴ نومبر ۱۸۴۵ء)

(۴)

”حضرت عرش آرام نگاہ (اکبر ثانی) کے عرس کی تقریب میں ایک ہزار توڑے محلات شاہی میں ادب پانچ سو توڑے اُمرام میں تقسیم کیے گئے۔ (۱۰ جولائی ۱۸۴۶ء)

(۵) ”فرقہ مدار یہ ملنگ کے سرگروہ ایرانی شاہ کو بادشاہ سلامت نے خلعت سہ پارچہ اور دوا شرفیاں عطا فرمائیں اور ان کے مریدوں میں سے ہر ایک کی دعوت فرما کر سب کو دل شاد کیا اور اس کے ساتھ نقدی بھی مرحمت فرمائی۔“ (۱۹ مارچ ۱۸۴۷ء)

(۶)

”حسب دستور قدیم بادشاہ کے جسم مبارک کے وزن سے ترازو نے بلند پدہ ہونے کا شرف حاصل کیا اور وزن کے موافق غربا اور مستحقین میں خیرات تقسیم کی گئی، ارشاد ہوا کہ ہماری دادی قدسیہ بیگم صاحبہ کے عرس کے مصارف کے لیے مرزا عبداللہ شاہ کو ایک سو پچاس روپیہ دے دیئے جائیں تاکہ انتظام میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔“ (۲ اپریل ۱۸۴۷ء)

(۷)

”چونکہ بادشاہ سلامت کی طبیعت کسی قدر ناساز تھی اس لیے منجموں کے کہنے کے موافق غلہ گڑ۔ سونا۔ چاندی حضور انور کے جسم کے برابر تول کر فقرا و غربا میں تقسیم کر دیا گیا اور کالے کبل بھی ضرورت مندوں میں بانٹے گئے۔“ (۳۰ اپریل ۱۸۴۷ء)

(۸)

”ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو مداری مشرب فقیروں کی ایک جماعت حاضر مبار ہوئی۔ صوفی قادر شاہ کو خلعت سہ پارچہ مرحمت فرمایا گیا اور حکم ہوا کہ ان سب کو ان کی مرضی کے موافق کھانا کھلایا جائے۔“ (۱۰ مارچ ۱۸۴۸ء) (۱)

حضرت شاہ فخر الدین صاحب کے خاندان سے بہادر شاہ کے خاندان کو بڑی عقیدت تھی۔ لال قلعہ کے اکثر لوگ ان کے مرید تھے، ان کا وصال ۱۱۹۹ء میں ہوا تھا، بہادر شاہ کا سال ولادت ۱۱۸۹ء تھا، انھوں نے شاہ صاحب

**حضرت کالے صاحب**

کو بچپن میں دیکھا ہوگا۔ لیکن عقیدت کا نقش اتنا گہرا تھا کہ زندگی بھر ان کا دم بھرتے رہے۔ انہی  
شاہ فخر الدین کے سجادہ نشین شاہ غلام قطب الدین تھے، ان سے بھی بہادر شاہ دلی ارادت رکھتے تھے۔  
شاہ فخر الدین کے بارے میں فرماتے ہیں:-

اظہارِ جہاں کیا بتاؤں تجھ سے جو کچھ ہوں سو ہوں  
لیکن ایسے فخر دین کے کفش برداروں میں ہوں

کوچہ فخر جہاں کی اسے ظفر  
خاک کی چٹکی بھی بس اکیر ہے

جو سمجھے کفش پٹے فخر دین کو تاج سرا پنا  
پند اس کو ظفر کب افسر شاہانہ آتا ہے

جس کو حضرت نے کہا الفقیر فخری اسے ظفر  
فخر دین فخر جہاں پر وہ فقیر ہی ختم ہے

کیا خطر اس کو راہ دیں میں ظفر  
رمہنا جس کا فخر دین ہو جائے

ایک جہاں فخر جہاں کتا ہے      پر ہے فخر دو جہاں فخر الدین  
میں گدا ہوں تیرے دروازہ کا      جاؤں اس در سے کہاں فخر الدین  
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر      میرا سب رازہ نہاں فخر الدین

رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت  
شغول دل و روزبان فخر الدین

شاہ فخر الدینؒ کے سجادہ نشین شاہ غلام قطب الدینؒ کے بارے میں فرماتے ہیں :-  
مرید قطب دیں ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں  
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمترین ہوں میں  
مجھے تو خالقانہ دے کدہ دونوں برابر ہیں  
لیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں  
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے  
سمجھتا اُن کو اپنا حامی دنیا و دیں ہوں میں  
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں  
لیکن اُن کا بے شیعہ گدائے رہ نشیں ہوں میں

**کالے صاحب سے عقیدت** | حضرت شاہ غلام نسیر الدین صاحبؒ عرف میاں کالے صاحب شاہ فخر الدینؒ کے پوتے تھے۔ بہادر شاہ انکے مرید با صفا تھے۔ ادا تہی دلی، اذت رکھتے تھے کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی، حضرت میاں کالے صاحب سے وہ دالہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی بارگاہ میں ایک خادم کی طرح حاضر ہوتے تھے، انکی خدمت کرتے تھے، ان کی خدمت میں گراں مایہ تحائف پیش کرتے تھے، اشعار میں ان کا ذکر۔ مجلس میں ان کو تذکرہ، غارت میں وہ موجد۔ جنوت میں وہ جلوہ گر، بہادر شاہ، کبھی اور کسی حالت میں ان کے خیال اور تصور سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ان کی زندگی سے اگر کالے صاحب کی ہمت منفی کر دی جائے، تو اس بڑا حوالہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا پر ہونا ناممکن ہے،



ذیل میں ہم چند واقعات پیش کرتے ہیں :-

**کالے صاحب کی شادی** خانقاہ میں دولت ظاہری کا اتنا انبار لگا کہ فقیری پر امیری - گداہی پر شاہی کا اطلاق ہونے لگا۔ پیر پرست

بادشاہ سا ہو کاروں سے قرض لیتا۔ سودی دستاویزیں تحریر کرتا۔ املاک شاہی کفالت میں دیتا۔ مگر خدمت بجالاتا تھا۔ پیر صاحب نے ملکہ بیگم نام ایک شاہزادی سے نکاح بھی کر لیا تھا اور صاحب جائداد ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے خزانہ سے لاکھوں روپیہ نذر و نیاز کے لیے مختلف اوقات پر ملا۔ اس کا کیا حساب۔ احسن الاخبار بمبئی کے نامہ نگار کی شہادت ہے کہ ۱۸۴۶ء میں صرف نو ماہ کے اندر اٹھارہ ہزار روپیہ سے زائد ان کو عنایت کیا گیا :- (۱)

**عرس کے مصارف** یکم ماہ اگست ۱۸۴۵ء - مبلغ دو سو روپیہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے عرس کے لیے پیر زادہ میاں کالے صاحب کو عنایت

کئے گئے زور اور چند کو حکم ہوا کہ پانچ سو روپیہ حضرت عرش آرمنگاہ کے عرس میں خود جا کر نہ دنا کرو حکم کی تعمیل میں زور اور چند نے تو انہمائے طوام محل میں بھجوا دیئے جسے مسروران اور دیگر اشخاص میں تقسیم کر دیا گیا، حضور والائے فاتحہ پڑھی، فی کس پانچ روپیہ اور درویشوں کو فرد کسبل مرحمت فرمائی (۲)

**درویش کی خدمت** جولائی ۱۸۴۳ء جو درویش حضرت میاں کالے صاحب کے ذریعہ سے بادشاہ سلامت تک پہنچا اور غرضت تک تو مید و عنان کی

باتیں کرتا رہا تھا حضرت بادشاہ سلامت نے اسے دو اشرفیاں عنایت کیں اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا - (۳)

(۱) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

(۲) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

(۳) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

## پیر کی خدمت میں نذرانہ

۳۰ ستمبر ۱۸۴۷ء موضع شمع پور باونی کی آمدنی میں سے مبلغ پانچ سو روپیہ حضرت شاہ غلام نصیر الدین عرف کالے

صاحب کو مرحمت فرمائے اور ارشاد کیا کہ اس آمدنی میں سے ہمیشہ پانچ سو روپیہ انشاء اللہ قبل از طلب حاضر خدمت ہو جایا کریں گے۔

عرض کیا گیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ایک ہزار پانچ سو روپیہ منجملہ چار ہزار روپیہ سالانہ کے بھیجے گئے تھے، حضرت شاہ صاحب نے یہ روپیہ واپس کر کے فرمایا کہ تمام روپیہ یکمشت آنا چاہیے۔ اس طرح ٹکڑے کر کر نہیں آنا چاہیے (۱)

۳۱ جون ۱۸۴۷ء محبوب علی خاں خواجہ سرائے سے فرمایا کہ میں فی الحال پیر زادہ میاں کالے صاحب کے صاحبزادے کی شادی کے لیے چار ہزار

روپیہ کی اور مرشدزادہ مرزا سلطان حیدر بہادر کی شادی کے لیے چار ہزار روپیہ کی اور اپنی منہ بولی بیٹی کی شادی کے لیے نواب ننھی بیگم صاحبہ کے پاس بھیجنے کے واسطے ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے اس روپیہ بہت جلد انتظام ہونا چاہیے۔ عرض کیا بسرو چشم (۲)

۱۱ دسمبر رخصت ہوئے تو زبدۃ الواصلین قدوۃ السالکین حضرت شاہ غلام نصیر الدین (عرف میاں کالے صاحب) حقائق و معرفت کے دفتر

ملاقات کے لیے تشریف لائے، معرفت و حقائق کے دفتر کھلے اس مبارک صحبت کے آخر میں علاقہ بخشی گری کے متعلق ہدایت علی خاں کے مقدمہ کے کاغذات پیش کیے گئے بادشاہ سلامت نے احترام الیومہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو طلب کر کے یہ تمام کام سپرد کر دیا۔ (۳)

(۱) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۷۹

(۲) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۱۳۸

(۳) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۵۔ یکم فروری ۱۸۴۵ء

## مرشد کی خدمت

(۱)

(۲۴ دسمبر ۱۸۴۶ء) ”حکیم احسن علیہ السلام خاں بہادر سے ارشاد ہوا کہ پیرزادہ حضرت غلام نصیر الدین صاحب کو نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی معرفت چار ہزار روپیہ ماہوار کھیتی دیا جائے (۲۱ اپریل ۱۸۴۷ء) ”کارپردازان خدمت کو حکم دیا گیا کہ حضرت میاں کالے صاحب پیرہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی ہے، دس ہزار روپیہ ان کے خرچ کے لیے عطا کیا جائے۔“

(۲)

(۲۵ جنوری ۱۸۴۷ء) ”صاحب کلان بہادر کے نام شفقہ جاری فرمایا کہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے محبوب علی خاں خواجہ سرا کی معرفت دس ہزار روپیہ قرض لیا ہے، یہ قرضہ دو ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے قسط وار ادا کیا جائے۔ اس میں سے چار ہزار روپیہ میاں کالے صاحب پیرزادہ کے صاحبزادہ کی شادی کے خرچ کے لیے ہے۔ (۱)“

(۳)

علامہ پیر و مرشد کے اور بھی معززین دربار تھے جن کی بوقت ضرورت اعانت ہوتی تھی اور تنخواہ بھی مقرر تھی مثلاً دزرا۔ استادان۔ علمائے شہزادگان۔ نواب ناظر۔ بخشی فوج۔ مہتممان کارخانہ جات۔ غرض بیگیاں وغیرہ وغیرہ (۲)

حضرت میاں کالے خاں صاحب سے بہادر شاہ کی عقیدت و ارادت کا کیا رنگ تھا، اس کا ایک دلچسپ مرقع، قلعہ شاہی کی ایاب خاتون کی زبان سے نیچے:-

## پیر و مرشد

(۱) بہادر شاہ، کارور نامچ

(۲) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

” حضور کو حضرت میاں کالے صاحب سے بیعت کھتی اور ایسا اعتقاد تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی بس پر پستی کرتے تھے۔ قاسم جان کی گلی میں جو جوہلی حضرت کو نذر کی تھی وہ لاکھوں روپے کھتی جس میں باغ تھا نہر تھی۔ سیکڑوں مکان شاہانہ اس میں تھے حضرت میاں کالے صاحب بھی لال قلعہ میں جایا کرتے تھے اور بادشاہ سلامت بھی حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بادشاہ سلامت حضرت سے کچھ رنجیدہ ہو گئے حضرت کو کیا غرض پڑی کھتی جو لال قلعہ جاتے مگر بادشاہ سلامت بھی اپنی بادشاہت کے گھمنڈ میں سلام کے لئے حضرت کی جوہلی میں کئی دن تک حاضر نہ ہوئے آخر بادشاہ سلامت کو خدا نے سمجھ دی اور یہ سمجھے مجھ سے غلطی ہوئی جو میں مرشد کی خدمت میں حاضر نہ ہوا مگر اب چلنا چاہیئے، خود بدولت ہا کھتی پر سوار ہوئے حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیر کو ساتھ لیا جب حضرت کے دروازے پر پہنچے تو ہا کھتی سے اترے حکیم صاحب سے کہا کہ رومال سے میرے ہاتھ باندھ دیجیے۔ اتنے میں حضرت کے صاحبزادے میاں غلام نظام الدین صاحب آگئے ان کی عمر اس وقت پانچ چھ برس سے زیادہ نہ تھی بادشاہ سلامت کو دیکھ کر بھولے مٹنے سے فرمانے لگے ہمارے آبا کے پاس اٹے بالوں والے دسکھ آئے تھے نرمی اثر فیاں سے گئے ہیں۔ کوٹھری میں ڈھیر لگ رہا ہے بادشاہ سلامت اس بات کو سن کر گئے اور اطلاع کرائی، بہادر حاتر ہے حکم ہو تو رو بہرہ حاضر ہو۔

جواب ملا شوق سے حاضر ہوئے۔ جب بادشاہ میاں صاحب کے سامنے رومال سے ہاتھ باندھے پیچھے تو کہا۔

برو آمد بندہ بگر رنجستہ

اُبرو سے خود لبصیاں رنجستہ

اور دھاڑیں مار کر رونے لگے میاں کالے صاحب نے اٹھ کر بادشاہ سلامت کے ہاتھ کھول دیئے اور گلے سے لگا لیا۔



پھر دونوں میں باتیں شروع ہوئیں۔

بادشاہ سلامت :- حضور اپنے بڑوں کا صدقہ اس غلام کی خطا معاف کیجیے۔

میاں گلے صاحب :- میں نے تمہاری خطا معاف کی اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ میرے اور تمہارے

گناہوں کو بخش دے، ابو ظفر تم نے جو خیال پکایا تھا کہ غلام نصیر الدین (گلے صاحب کا نام ہے) کے بال بچے لال قلعہ سے پلتے ہیں۔ یہ تمہارے دماغ کا قصور تھا۔ تمہیں یہ مجید نہیں معلوم کہ جب میں نے تونسہ شریف

حاضر ہو کر شاہ سلیمان صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت نے فرمایا۔ دیکھو تم ضرورت سے زیادہ بات نہ کرنا

میں نے عرض کی بہت خوب اس دن سے میں برائے نام بولتا ہوں، بلکہ اشاروں سے ہی کام لیتا ہوں پھر

ارشاد کیا کہ آنکھیں بند کرو میں نے اپنی آنکھیں بند کیں تو دیکھا میں ایسی زمین پر ہوں جو سونے کی بنی ہوئی ہے۔

اور شاہ سلیمان صاحب کے ہاتھ میں چاندی کا کھرپا ہے وہ کھرپا اپنے ہاتھ میں دیکر فرمایا سونے کی جس قدر ضرورت

ہو اس زمین سے کھود لینا اور خرچ کرنا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا زادہ دن ہے آج کا دن اس زمین سے

سونا کھودتا ہوں اور گلچھرے اڑاتا ہوں اس اٹھوار سے میں جو تم نہیں آئے کسی نے مجھے چاندی کا روپیہ

نہیں دیا بلکہ جس نے دی سونے کی اثر فی دی ایک فوج کی فوج بلکھوں کی آئی امداد صیر ساری اثر فیاں دے

گئی، یہ فرما کر میاں نے نوکرا کو اشارہ کیا، اس نے کوٹھری کا دروازہ چوڑا کھول دیا اور بادشاہ سلامت نے دیکھا

کہ کوٹھری اثر فیوں سے بڑھی جگہ ساری ہے۔

بادشاہ سلامت نے یہ تاثر دیکھ کر اپنے جی میں کہا چھوٹے میاں نے ڈیرہ صی پر فرما دیا تھا۔ بادشاہ

کی وجہ سے سارا شہر فیاں کا ادب کرتا تھا بب میاں غلام نظام الدین کا بیاد ہونے لگا تو مرزا نوشہ نے ایسا

سہرا لکھا جو وسیعہ کے سہرے سے اچھا تھا مگر میں بھول گئی دو ایک شہر یاد رہ گئے وہ سنا دیتی ہوں۔

بہر ختمک بھوم ہے کہ یہ بھوم سے آیا سہرا

پانڈ کا۔ اترے زہرہ نے گایا سہرا

رُشک سے لڑتی ہیں آپس میں اُچھد کر لڑیاں !

بندھنے کے بے میں نے جوا کھٹایا سہرا

میاں کالے صاحب اور بادشاہ سلامت کے آپس کے حالات اتنے بہت سے ہیں اگر انہیں کسے جاؤں تو کتاب بن جائے، جب میاں صاحب کا انتقال ہوا تو سارے شاہجہان آباد میں تہلکہ مچا۔ برہمن خاں نے فوراً تاریخ وقات کمی جو شہر کے بچے بچے کی زبان پر پہنچ گئی وہ یہ ہے۔

ہوئی جس دم وقات حشرت کی مجھ کو تاریخ کا خیال آیا  
ہاتھ غیب نے کسا ناگاہ کالے صاحب کو سرخورد پایا

غدر میں جب میاں کالے صاحب کی حویلی لٹی ہے تو لوٹنے والوں نے چودہ جھکڑے سونے چاندی کے پائے پیڑوں والے پلنگوں سے بھرے تھے (۱)

**خوفِ خدا** | صفحات بالا میں جو واقعات ہم نے پیش کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ بادۂ مذہبیت سے سرشار تھے، اور اس خمار میں وہ سنت اور بدعت کو نہیں دیکھتے تھے، لیکن ان کا دل خوفِ خدا سے لبریز تھا، اس پر ٹھیس لگی، اور بھڑک اٹھا،

عظیم آباد کے مشہور متبعِ سنت "واعظ مولوی دلایت علی جو حضرت سید احمد اور مولانا شہید کے اصحاب و رفقا میں سے تھے لیکن نعمت شہادت سے محروم رہ گئے تھے اسی زمانہ کے قریب دہلی تشریف لائے۔ نواب زینت محل کے استاد مولوی امام علی ان کے مرید ہوئے،

بادشاہ نے مولوی صاحب کو قلعہ میں طلب فرمایا، دیوان خاص میں اجلاس ہوا، تخت شاہی کے نیچے فرش مکلف بچھایا گیا۔ بادشاہ نے لب فرش تک استقبال کیا۔ مصافحہ اور معالقبہ کے بعد سند پر ایک طرف حضرت کو بٹھایا اور دوسری جانب خود بیٹھے۔ عطر و پان کی تواضع ہوئی۔ امراء دربار اپنے اپنے مقامات پر استادہ تھے۔ فرنگی قلعہ دار بھی شریکِ مجلس تھے اور (صاحبِ تواریخ عجیبہ معروف بہ سوانح احمدی کی روایات کے مطابق) بادشاہ کے سر پر مورچہ چل ہلاتے تھے۔ مولوی صاحب نے دنیا کی بے ثباتی پر وعظ شروع کیا۔ وزیر اعظم نے جھک کی عرض کی کہ دوزخ اور عذاب

(۱) دل قلعہ کی ایک جھلک (ناصر زبیر فراق) ص ۳۱

کا بیان بادشاہ کے سامنے نہ کیجیے۔ لیکن مولانا نے نہ مانا اور ایسی پُر اثر تقریر کی کہ بادشاہ، بیگمات اور شہزادے زار زار رونے لگے، بعد ختم مجلس مولانا کو محفّات شاہی کی سیر کرائی گئی اور پچاس خوانانوں نعمت کے بھرے ہوئے نذر کیے گئے۔ یہ بھی گزارش کی گئی کہ مولانا ماہ رمضان قلعہ میں بسر کریں تاکہ بادشاہ اور شہزادوں کو مواعظ میں شرکت کا موقع ملے۔ لیکن مولوی صاحب نے وہاں کا قیام خلاف مصلحت سمجھا کیونکہ حکام انگریز مختلف اشخاص سے دریافت کرتے تھے کہ یہ مولوی صاحب کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ مولوی صاحب نے محرم ۱۲۶۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کی بابت ایک لطیفہ مشہور ہے کہ جس زمانہ میں وہ دلی تشریف لائے ہیں۔ دارالسلطنت میں اُلو کی صلت و حرمت کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ایک فریق اُلو کو حلال کہتا تھا اور دوسرا حرام۔ بعض حضرات نے آپ سے استفتاء کیا تو بولے کہ ”بھائیو میں اُلوؤں کے جگرے میں نہیں پڑتا۔“ (۱)

خرقہ پیری و تاج خسروی | پھر اگر ان برگزیدہ خصائل و ملکات کے حامل بادشاہ  
فقیر منش کے لیے غائب یہ کہا تو کیا غلط کہا۔

شبلی از منبر دہد آواز عشق  
شاہ ما بر تخت گوید راز عشق  
شاہ ما دارد بسم در۔ ہروی  
خرقہ پیری و تاج خسروی

شاہی و دہدیشی این جا با ہم است  
بادشاہ عمد۔ قطب عالم است (۲)

(۱) بادی شاہ ظفر (امیر احمد علوی)

(۲) دیباچہ ”مہر نیم راز“

# بادشاہ کے مصارف اومالی حالت

۱۸۰۲ء میں، لارڈ ولک نے جب مرہٹوں کو دہلی سے نکال کر، اپنا تسلط جمایا، اور شاہ عالم کو غلام لال قلعہ میں گوشہ نشین کر کے نفعان اختیارات اپنے ہاتھ میں لی تو کسی دل بٹلے نے کہا تھا،  
”بادشاہی شاہ عالم۔ از دہلی تا پالم!“

لیکن اب بہادر شاہ کے زمانہ میں، یہ چند میل کا ٹکڑا بھی بہادر شاہ کی ملکیت میں نہیں رہا تھا، اب صرف لال حویلی، ایلاں قلعہ کے اندر ان کی نوبت بچتی تھی، ان کا پرچم ہراتا تھا، ان کا سکہ چلتا تھا، لال قلعہ سے باہر غلامان کی وہی حیثیت تھی، جو ایک معزز اور سربراہ درد، شہری کی ہوتی ہے۔

انگریزوں کی طرف سے بہادر شاہ کو جو پیشکش متی تھی، وہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار تھی۔ یہ رقم بھی صرف بادشاہ کے لیے نہیں تھی، اس میں قلعہ کے تمام مصارف شامل تھے، مرشدزادوں، سلاطین اور متوسلین شاہی کی تنخواہیں بھی اسی سے ادا ہوتی تھیں، دلی عہد کا مشاہیرہ بھی اسی رقم سے دیا جاتا تھا، شاہی مصارف، ذاتی کھاٹہ، انعام و اکرام، داد و دہش، بذل و عطا کے مظاہرے بھی اسی آمدنی سے ہوتے تھے۔

یہ آمدنی مشکل سے ایک ہفتہ چلتی ہوگی، باقی وہ اندوختہ جو از قسم زرد جوہر قلعہ میں موجود تھا، بکتا اور صرف متا رہتا تھا، بار بار کے مطالبے، اور بار بار کے وعدوں کے باوجود، انگریزوں نے پیشکش کی رقم میں اضافہ نہیں کیا، لیکن بہادر شاہ کا کھلا ہوا ہاتھ بند نہیں ہوا، بقول ریاض

زند قانع متوکل ہے، خدا دیتا ہے

جب وہ پاتا ہے، تو پیتا ہے پلا دیتا ہے

اب فیل میں بہادر شاہ کے شاہانہ مصارف کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو سکے



ہر طرح کی جکڑ بندلیوں، ادھر پریشانیوں کے باوجود وہ کیسے لکھ لٹھتھے!

**مقروض لیکن لکھ لٹ** | ایک طرف تو بہادر شاہ کی یہ کیفیت تھی کہ:۔  
”حضور جہاں پناہ نے ایجنٹ بہادر کو شفق لکھا کہ

روزمرہ کے شاہی اخراجات قرض لیے بغیر پورے نہیں ہو سکتے، لہذا بالوموچ نرائن کو شاہی جاگیرات کی آمدنی کے حوالہ سے متلک پر قرضہ لینے کی اجازت دی جائے۔ (۱)  
بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ”ایجنٹ بہادر“ کی اجازت کے بغیر قرض بھی نہیں لے سکتے تھے اور دوسری طرف یہ عالم تھا کہ جب روپیہ آ جاتا تھا، تو حوصلہ مندی روکے نہیں رکھتی تھی،  
”بادشاہ سلامت نے حکیم احسن اللہ خاں کی معرفت بارہ سو روپے کو موتیوں کی ایک

ملا خریدی، (۲)

**مفلسی اور دیادلی** | بادشاہ سلامت ”ایجنٹ بہادر“ کو لکھتے ہیں:۔  
”صاحب ایجنٹ نے شاہی مصارف پر اعتراض کیا تھا

حضور نے جواب میں شفق بھجوا دیا کہ شاہی امور کی سرانجام دہی میں اہل کاروں کا کچھ قصور نہیں ہے، ہزاروں روپیہ کے صرف کے بجائے دس روپے خرچ کرنے کی نوبت آگئی ہے، اس قدر کمی کے باوجود عرس و فیرو کے مصارف قرض لے کر کیے جاتے ہیں، اگر گورنمنٹ کی طرف سے شاہی قرض ادا کرنے کا انتظام کر دیا جائے گا تو آپ کی نیکی نامی کا سبب ہوگا (۳)

ایجنٹ کے اعتراض میں جتنی بے دردی، اور شقاوت تھی، شاہی جواب میں، اسی مناسبت سے،

(۱) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ

(۲) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۴۲

(۳) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۶

کتنی بے بسی ہے، گھٹی گھٹی سی آہ، اور کراہ، فریاد، اور فغان، نالہ، اور شیون، سب ہی کچھ،  
لیکن ان معذوریوں اور مجبوریوں کے باوجود جب خواجہ بلند بخت کوچ کلزم سفر کرتے دیکھتے  
ہیں تو دست جنوں جیب تک پھر پہنچ جاتا ہے

”بادشاہ سلامت قلعہ میں تشریف فرما ہیں خواجہ بلند بخت حج کو جا رہے ہیں، مدینہ منورہ  
کی زیارت کو بھی جائیں گے، حضور دالا نے کمناب کا ایک چٹہ اور ایک دو شالہ منقش جواہری  
خواجہ بلند بخت کو مرحمت فرمایا، اور ایک ایک خلعت پارچہ، خواجہ کے نولوں کو غنایت کیا۔ (۱)

مصارف ہیں کہ اٹھ سے چلے آتے ہیں،

## سورج گرہن اور خیرات

”سورج گرہن کے سبب بادشاہ سلامت

ترازد کے ایک پتہ میں بیٹھے، دوسرے پتہ میں ست رنگا غلہ، اور کچھ سونا چاندی رکھ کر  
وزن کیا گیا، پھر یہ ساری چیزیں، ایک بھینسا، ایک گھوڑا، اور دس روپے خیرات کیے  
گئے۔ (۲)

اب ایک مختصر فرست، بہادر شاہ کی زرباشیوں کی ذیل میں درج کی جاتی ہے،  
”اس سے اندازہ ہوگا کہ قرض دار ہونے کے باوجود، بادشاہ سلامت خرچ کرنے  
کے کیسے کیسے ہمارے ڈھونڈا کرتے تھے۔“

(۱)

”مولوی تیغ علی کیدانی کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ بادشاہ سلامت نے ان کو ازراہ عنایت خزانہ  
خلعت پنج پارچہ دہرہ رقم جواہر سے معزز و ممتاز فرمایا“ (۲۳ اپریل ۱۸۴۷ء)

(۲)

”حضرت بادشاہ سلامت حضور قطب صاحب کے مزار پر رونق افروز ہوئے۔ درگاہ کے

(۱) سرطامس ٹکاف کی ڈاڑھی ص ۶۶

(۲) سرطامس ٹکاف کی ڈاڑھی ص ۷۱

قریب جو محل بنوایا ہے اُس کے خزانہ کو ملاحظہ فرما کر چھپر بندوں کے افسر کو ایک جوڑا دو شالہ مرحمت فرمایا۔  
(۱۳۔ جون ۱۸۴۵ء)

(۳)

”بادشاہ سلامت نے سید ابوالقاسم خان کے بیٹے صاحب زادے سید محمد رضا خان کو خلعت شمش پارچہ اور سہ رقم جواہر سے سرفراز فرمایا۔ امین الرحمن خان کے لڑکے کریم الرحمن کو بادشاہ نے ایک جوڑا دو شالہ اور مکرم الدولہ بہادر تھوہ جنگ کے خطاب سے معزز فرمایا (۲۹ جنوری ۱۸۴۶ء)

(۴)

”قلعہ کی کوتوالی پر نواب یار خان کا تقرر عمل میں آیا۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے خلعت شمش پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت کیے گئے۔“ (۱۰ اکتوبر ۱۸۴۵ء)

(۵)

”بادشاہ سلامت نے خلیفہ محمد اسماعیل (غلف شیخ ابراہیم ذوق) کو خلعت شمش پارچہ و سہ رقم جواہر عنایت کیے۔“ (۵ جون ۱۸۴۶ء)

(۶)

”مرزا غلام فخر الدین کو عہدہ نظارت کے حصول کی تقریب میں خلعت شمش پارچہ و سہ رقم جواہر مرحمت فرمایا اور بیگم صاحبہ کے داماد حسین مرزا کو خلعت پنج پارچہ اور دو رقم جواہر مرحمت فرمایا۔“ (۱۳ اگست ۱۸۴۶ء)

(۷)

”بادشاہ سلامت کی طرف سے بھگوانداس کو خلعت پنج پارچہ و دو رقم جواہر اور خلعت سہ پارچہ و ایک رقم جواہر ان کے گماشتہ کو مرحمت کیا گیا۔“ (۴ دسمبر ۱۸۴۶ء)

(۸)

”مرزا محمد تقی بہادر کو جو لکھنؤ سے آئے ہیں بادشاہ سلامت نے ایک کنواری کی قبا، دو شالہ،

گوشتوارہ، دستار، سر رقم جواہر مرمت کر کے معزز فرمایا، مختار الدولہ، وحید الدین خان بہادر کو خلعت پنج پارچہ

اور رقم جواہر عطا فرمایا۔ (۱۹ مارچ ۱۸۴۷ء) (۱)

ایک شفقہ ایکسٹ بہادر کے نام بھیجا کہ ہم نے پندرہ ہزار روپیہ بالوسوچ ٹرائن سے قرض لیے ہیں

**پھر قرض**

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کے تمک کی تصدیق کر دیں، اور شاہی جاگیر کی آمدنی بھی

اس کو دیتے رہیں۔ (۲)

قرض لے کر مدد کی

(۱۹ مارچ) پیرزائے میان کا لے صاحب کے لڑکے کی شادی کے

مصارف کے لیے چار ہزار روپیہ سرکاری تمک کے ذریعہ ماہوکار سے

دلوانے کا حکم ہوا یہ تمک شاہی جاگیر کے دیہات کی آمدنی پر لکھا گیا۔ (۳)

**بادشاہ کی مالی حالت**

تصور والانے ایک شفقہ بھیجا کہ محبوب علی خواجہ سراق قرض خواری کی نسبت

بیان دینے کچھری میں جائے تو اس کو بیٹھنے کے لیے کرسی دی جائے۔

محبوب علی خواجہ سراق نے بیان دیا کہ میں نے بادشاہ سلامت کی طرف سے سترہ ہزار روپیہ طاسن حساب

سفیر لندن کو بھیجے، اور چھ ہزار روپیہ حکیم احسن اللہ خان کو دیئے اور بارہ ہزار روپیہ تخت طاؤس کی تیاری

کے لیے دیئے۔ جو سلا سے بنوائے گئے تھے، اور مرزا بلاتی مرحوم کے جنازے کا خرچ اٹھایا۔ کل رقم ایک

لاکھ اسی ہزار سات سو تیس روپے میرے حضور والا کے ذمہ ہیں۔

کنور دھنی سنگھ اد سالک رام نے اڑتیس ہزار روپیہ قرضہ کا کاغذ پیش کیا۔ حافظ داؤد صاحب نے

بیس ہزار روپیہ قرضے کا کاغذ پیش کیا۔

اور اسغر علی خان نے اسی ہزار روپیہ کا اور مبارک النساء زوجہ لونی اکثر صاحب مرحوم نے بیس ہزار

(۱) جہاد شاہ کا روزنامہ

(۲) سراسر شکاف کی ڈاڑھی ص ۶۹

(۳) سراسر شکاف کی ڈاڑھی ص ۹۲



روپیہ قرضے کے کاغذات پیش کیے۔

اور زود آدر چند اور دولت رام اور اجودھیا پرشاد اور گوکل سنگھ اور چرنجی لال اور غلام علی وغیرہ نے بھی اپنے کچے کاغذات اپنے قرض کے پیش کیے۔ حامد علی خاں کے وکیل نے عرض کی کہ میرا موکل لکھنؤ میں ہے اس لیے حامد علی خاں کے نام خط لکھا گیا کہ اپنے حساب کے کچے کاغذ بھیج دو ورنہ اس کے بعد سماعت نہ ہو سکیگی۔ صاحب بہادر قرضے کے ان کاغذات کے مطالعہ میں دیر تک مصروف رہے۔ (۱)

**بخشش، عطا، کرم** ”جو ادار میں سوار ہو کر میاں بکے صاحب کے لڑکے کی شادی میں تشریف لے گئے۔ کپڑوں کی گیارہ کشتیاں اور پان چھالیا۔ مصانع وغیرہ سات خوان عنایت فرمائے۔ برات کے جلوس کے لیے سارے لوازم (سپیل سوار، یا ہاکتی وغیرہ) کے فراہم ہونے کا حکم صادر فرمایا اور نقص کا ملاحظہ کیا۔ (۲)

**ہائے یہ حوصلے!** ”اعلیٰ حضرت قطب صاحب میں رونق افروز ہیں۔ حضور دالا کا ارادہ تھا کہ ختبی پبلک میلے کی سیر کو آئے سب کو کھانا بادشاہ کی طرف سے دیا جائے اور عمومی دعوت ہو مگر مصارف کا ٹوٹل اتنا زائد ہوتا تھا کہ اس رائے کو بدلتا پڑا اور شاہی نسبت رکھنے والوں کے علاوہ دوسری پبلک کی دعوت نہ کی گئی۔ (۳)

**مفلس بادشاہ** ”امید سنگھ اور رام دیال ملا زمان، نظارت کو حکم بھیجا کہ مابعد دولت کے صرف کے لیے دہنرا روپے بھیج دو۔ دو تین مہینے میں قرض مع سود کے ادا کر دیا جائے گا۔ (۴)

**ذوق پرالغامت کی بھرمار** ”مرزا ابو ظفر بادشاہ جو کہ بہادر شاہ ہوئے تو ذوق نے پھر

(۱) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۱۲۴

(۲) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۱۳۲

(۳) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۲۳۵

(۴) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۲۵۱

دکھش ترے رخ سے ہوا نور سحر رنگ شفق  
ہے ذہ تیرا پر تو نور سحر رنگ شفق

دلی عہدی میں۔ - للہ عہدینہ سے ہم ہو گئے، ہم سے ہم ہو گئے، جب بادشاہ ہوئے تو مسٹر مہینہ  
جب نواب حامد علی خاں مرحوم مختار شاہی (ہوئے، تب استاد شاہ گوردپے مہینہ ہوا ہمیشہ عید اور نوروز کے  
جشنوں میں قصیدے مبارکباد کے پڑھتے تھے اور خلعت سے اعزاز پاتے تھے۔

اور آخر ایام میں ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے، جب شفا پائی، اور انھوں نے ایک قصیدہ  
کہہ کر گزارا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر اور ایک ہاتھی حوضہ لقرنی النعام ہوا پھر ایک بڑا سا  
زور شور کا قصیدہ کہہ کر گزارنا، جس کا مطلع ہے،

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت

اس پر ایک گاؤں جاگیر میں عطا ہوا۔ (۱)

**بادشاہ کی فریاد** جناب مستطاب معظم الدولہ صاحب کلاں بہادر فرزند ارجمند سلطانی یعنی رینڈیٹ  
دہلی دایم اقبالہ شہر دہلی میں آئے اور حضرت جہاں پناہ کی باریابی سے بہرہ افروز  
ہوئے حضرت جہاں پناہ نے مزاج کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اضافہ تنخواہ سلاطین (سلاطین اُن  
شہزادوں کو کہتے تھے جو بادشاہ کے بھائیوں اور چچاؤں کی اولاد ہوتے تھے) کے متعلق دو شقے لکھ کر  
غایت فرمائے ایک مضمون یہ تھا کہ اُن فرزند ارجمند نے اپنی حسن تدبیر سے میرے دل کے رنج کو  
دور کر دیا جو تھوڑی بہت شکایت باقی ہے وہ بھی بہت جلد جاتی رہے گی، دوسرے شقہ میں فرمایا تھا کہ  
۹ لاکھ روپیہ کی قرضداری ہے اس کی ادائیگی کے لیے صدر دفتر میں رپورٹ کی جائے صاحب کلاں بہادر  
نے عرض کیا کہ ان دونوں شقوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہونا چاہیے۔ (۲)

(۱) اب حیات (محمد حسین آزاد)

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ چھپو

بخشش و عطا ایک درویش کو معطرہ جانے والا تھا حضور نے اس کو مبلغ ۲۶ روپیہ مرحمت فرمائے قطب بخش کو بیٹے نے عرض کیا کہ میں اور جانا چاہتا ہوں حکم دیا کہ اس کی

تنخواہ ادا کر دی جائے اور ایک ہاتھی اور دو سوار اور ہر کار سے اس کے ساتھ جانے کے لیے مقرر کیے گئے۔ (۱)

درویش بادشاہ درگاہ شاہ بوعلی قلندر واقع پانی پت کے خدام نے تبرک پیش کیا حضور والا نے دس روپے نذر دیئے جن فقیروں نے حضرت خواجہ شہنشاہ اولیائے ہند

معین الدین چشتی کے عرس شریف کی یادگار کے طور پر ڈیوڑھی خاص پر خواجہ کا جھنڈا لگایا تھا بادشاہ سلامت

نے ان کو ایک سو روپیہ نقد اور نقرئی چراغ درگاہ میں نذر کے لیے مرحمت فرمایا اور کھانے کے خوان لگا کر

بھیجے اور زر نقد دستور کے موافق حضرت قطب الدین صاحب کی چھڑیوں کے لیے بھی تقسیم فرمایا۔ میراں شاہ

درویش کو جو مکہ معظمہ کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے بادشاہ سلامت نے ۲۵ روپیہ عطا فرمائے۔ (۲)

تنخواہوں کی فکر بہادر شاہ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ متوسلین و ملازمین شاہی کو تنخواہیں دقت پر نہ ملیں ہر طرح سے فکر کر کے ادائیگی فدا کرتے تھے۔ (۲، جنوری ۱۸۴۶ء)

”خزانچوں کو حکم ہوا کہ تنخواہ کی تقسیم میں چار سو روپے کم ہیں جس طرح ممکن ہو انتظام کر کے

تقسیم کر دو۔ انشا اللہ جلد ادا کر دیئے جائیں گے۔ (۳)

عوام کی تکلیف کا خیال ۲۵ ستمبر ۱۸۴۶ء حضور بادشاہ سلامت نے صاحبکلاں بہادر کے نام اس مضمون کا ایک شدہ تحریر فرمایا کہ مجاہد پور کے ناکہ پر

ایک مضبوط پل بہت جلد تیار کیا جائے تاکہ حضور قطب الاقطاب قدس سرہ کے مزار مبارک پر آنے والوں

کو برسات میں تکلیف نہ ہو اگرے جو کچھ خرچ ہوگا شاہی آمدنی میں سے فیصدی ایک روپیہ کے حساب سے

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۱

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۲

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۲۹

وضع کر لیجیے گا۔ (۱)

**مالی حالت** ۲۹ مئی ۱۸۴۶ء دستار سربستہ گوشوارہ و شالہ سر رقم جواہر ملیہ ہر دوار کی رخصت کی بابت شاہزادہ محمد شاہ رخ بہادر کو عطا فرمائے شہزادہ نے دو اشرفیوں کا نذرانہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن خرچ راہ کے لیے کہیں سے روپیہ قرض نہ مل سکا اس لیے مقرر کا ارادہ ملتوی کیا گیا۔ (۲)

**بھولا بادشاہ** ۲۹ مئی ۱۸۴۶ء حضور بادشاہ سلامت حضور قطب صاحب قدس سرہ کے مسندار پر الوار پر حاضر تھے کہ حضرت سلطان مشائخ محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریفیہ کے خدام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں درگاہ شریف میں رات کو بشارت ہوئی ہے کہ عنقریب حضور انور کو کوئی بہت بڑی مسرت حاصل ہونے والی ہے حضور نے ان کو ۱۰۰ روپیہ بطور نذر مرحمت فرمائے۔ (۳)

**خوشنویس کو صلہ** ۱۳ فروری ۱۸۴۶ء۔ یہ محمد امیر صاحب خوشنویس کے (طیکے کی شادی کے موقع پر بادشاہ سلامت نے ایک پودا جوڑا اور سرہ مقیشی مرحمت فرمایا۔ (۴)

**خرچ، خرچ، خرچ** ۲۵ جون ۱۸۴۶ء۔ بادشاہ سلامت نے صاحب کلاں بہادر کے نام شفقہ جاری فرمایا کہ بدر الدین مکرن آپ کے پاس آتے ہیں ان کو پرگنہ کوٹ قاسم کی آمدنی میں سے ایک ہزار روپیہ دیدیا جائے کیونکہ ان سے ہمیں بنوائی کھتیں ان کی اجرت باقی ہے۔ (۵)

**مصارف ہی مصارف** آمدنی کی کمی کے باوجود بہادر شاہ کا دست عطا ہمیشہ بند رہتا تھا۔ کوئی موقع ہو داد و دہش سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک مختصر سی فرست ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ خرچہ

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ خرچہ ۵۹

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ خرچہ ۵۰

(۴) بہادر شاہ کا روزنامہ خرچہ ۱۰۲

(۵) بہادر شاہ کا روزنامہ خرچہ ۱۵۲



(۱)

”نواب حسام الدین حیدر خان بہادر کے فرزند ارجمند کی تقریب شادی میں خلعت سہ پارچہ اور سہرہ مقیشی اور تفضل حسین خان دکیل عدالت دیوانی کے فرزند کی شادی میں خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت نے مرحمت فرمایا“ (۱۶ جنوری ۱۸۴۶ء)

(۲)

”نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی دادی نواب نوازش علی خاں کی زوجہ محترمہ فوت ہو گئیں حکم ہوا کہ ۱۵۰ روپیہ تجیز و تکفین کے لیے اور خلعت ماتمی کے طور پر تین دوٹالے ان کے دارثوں کے پاس بھیج دیئے جائیں“ (۲۵ ستمبر ۱۸۴۶ء)

(۳)

”مرزا الف خان کو ان کی والدہ مرحومہ کی تعزیت کے طور پر خلعت شش پارچہ مرحمت ہوا“ (۲ اکتوبر ۱۸۴۶ء)

(۴)

نواب غلام محی الدین خان بہادر کی تقریب ماتم میں ان کے صاحبزادے مفتی الاسلام نواب قطب الدین خان بہادر کو خلعت شش پارچہ اور ان کے چھوٹے بھائی کو خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت کی طرف سے عطا کیا گیا“ (۶ نومبر ۱۸۴۶ء)

(۵)

نواب حسام الدین حیدر خان مرحوم کے بڑے صاحبزادہ معین الدولہ نظارت خاں وغیرہ حاضر ہوا ہوئے۔ بادشاہ سلامت نے مرحوم کی خدمت جلیلہ کا ذکر فرما کر ان کی وفات حسرت آیات پر بہت رنج و غم کا اظہار کیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔ پھر خلعت شش پارچہ اور نیم آستین لقمی خلیف ثانی مظفر الدولہ بہادر خان کو خلعت پنج پارچہ آغا مرزا کو ایک ایک دوٹالہ ان کی صاحبزادی اور زوجہ کو مرحمت فرما کر خضعت کیا۔ مرحوم کے پسماندگان نے منجھوں کی رائے کے موافق زرد جوہر اور دوسری چیزیں مرحوم کے نام سے فقیروں

اور غریبوں کو بطور خیرات تقسیم کیں“ (۱۲- نومبر ۱۸۳۶ء)

(۶)

”خبر آئی کہ علیم اللہ کا بدار جو حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا راستہ میں فوت ہو گیا۔  
مرحوم کے لڑکے پاس تعزیت کے طور پر خلعت سہ پارچہ روانہ کیا گیا“ (۲۹ جنوری ۱۸۳۷ء)

(۷)

”بادشاہ سلامت نے محمد حسین بیگ کے بھائی کو ان کی والدہ کی وفات کے موقع پر خلعت سہ  
پارچہ اور خواجہ باہر اور میر ہدایت علی سرچو کی خواہان کو خلعت دو پارچہ مرحمت فرمایا“ (۲-۱ اپریل ۱۸۳۷ء)

(۸)

”ظفر علی خان نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب میں تندرانیہ پیش کیا اور حضور انور نے ان کو  
خلعت فرخ پری بالابند اور سہرہ مردارید کے عطیہ سے سرفراز فرمایا“ (۲۳ اپریل ۱۸۳۷ء) (۱)  
**حجام کی عزت افزائی** ”بہادر شاہ، امیروں، رئیسوں، دولت مندوں اور صاحبان جاہ و  
اعزاز کو تو نوازتے ہی رہتے تھے۔ لیکن انھیں چٹکا کوئی پرسان حال نہیں  
تھا، وہ سب سے زیادہ نوازتے تھے، ان کی قدر فرمائی، دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے، وہ اس خلوص، اور  
سچائی کے ساتھ، داد و دہش سے کام لیتے تھے کہ نہ داب شاہی رکاوٹ بنتا تھا، نہ وقار خسروی آڑے آتا تھا،  
”نٹھو خاص تراش رجھام اکو خلعت سہ پارچہ، ایک رقم جو باہر اور اللہ رکھا کو خلعت سہ پارچہ اپنے دست  
مبارک سے مرحمت فرمایا،“ (۲)

**شاہی ٹھاٹھ** ”بہادر شاہ کی جیب خالی تھی، لیکن دل غنی تھا، آمدنی محدود تھی، لیکن مصارف دیکھے  
تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بادشاہ ہفت اقلیم بھی ہیں، ایک بادشاہ جس رکھ

(۱) بہادر شاہ کار و نہاچہ،

(۲) بہادر شاہ کار و نہاچہ،

رکھاؤ سے رہتا ہے، اس رکھ رکھاؤ میں انھوں نے کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ بے دریغ روپیہ صرف کیا،  
دربار کی رونق کے لیے کھوٹی سی فوج بھی رہتی تھی جس کی بچھیری پٹن اور اگیری پٹن نے غدر  
میں شہرت پائی۔ ایک رسالہ سواروں کا ملازم تھا اور حسب ذیل کارخانہ جات شاہی تھے۔

خاصہ کلاں۔ خاصہ خود۔ آبدار خانہ۔ دوا خانہ، توشہ خانہ، جواہر خانہ، سلج خانہ، فیض خانہ۔، عطیل گنجی  
خانہ۔ توپ خانہ۔ شتر خانہ۔ رکھ خانہ۔ کارخانہ جلوس ماہی مراتب، نجشی خانہ فوج، کتب خانہ، کبوتر خانہ۔ داروغہ  
نذر دنیار، داروغہ فراش خانہ، پالکی خانہ، داروغہ کھاران، داروغہ خاص برداران، افسر خواجہ مسرایان وغیرہ وغیرہ  
معیبت کے وقت بد باطن کمینوں نے فوجی عدالت کے سامنے ظاہر کیا کہ بادشاہ دلچ کے  
بندے تھے اور روپیہ کی پرستش کرتے تھے۔ کسی کے منہ سے نہ نکلا کہ ان کے شانہ و اخراجات اس قدر بڑھے  
ہوئے تھے کہ خزانہ ہمیشہ خالی رہتا تھا اور قیامی سخاوت کی مد سے گزر کر اسراف تک جا پہنچی تھی۔ وہ صرف پیرزادہ  
ہی کی خدمت نہیں کرتے تھے بلکہ تمام متوسلین شاہی کی شادی و غمی کے موقع پر امداد کرتے تھے (۱)

(۱) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

# بہادر شاہ کا برتاؤ ہندوؤں کیساتھ

مغل فرمانرواؤں نے اپنے طویل دور حکومت میں، اقلیتوں کے ساتھ، اور محکوموں کے ساتھ، بے انتہا شفقت اور داد داری کا برتاؤ کیا۔ اکبر نے تو اس حد تک رواداری برتی کہ بدنام ہو گیا۔ عالمگیر بھی جس کا مذہبی تشکیف بڑھا ہوا تھا، ہندوؤں کے ساتھ روادارانہ، اور فراخ دلانہ برتاؤ کرتا تھا۔ بنارس کے اور دوسرے متعدد مقامات کے نام اس نے جاگیریں وقف کر دیں، ان اوقاف کی آمدنی اب تک ان مندروں کو مل رہی ہے ہندوؤں کے مورخوں میں سربادونا تھ سرکار، عہد مغلیہ کے عموماً اور عہد عالمگیر کے خصوصاً اسپیشلسٹ "ہیں، انھوں نے اپنی طویل و ضخیم تاریخ میں ان حقائق کا اعتراف کیا ہے، یہ دو سرکاریات ہے کہ اس کے بعد بھی،

تمہیں دے دے کے ساری داستان میں یاد ہے اتنا  
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستم گر تھا

## ستی کی رسم

ہندوستان میں مغلوں کے لیے سب سے زیادہ تلخ اور صبر آزما چیز ہندوؤں کی ستی کی رسم تھی، وہ بے انتہا روادار تھے، اور ہرگز ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ستی کی انسانیت سوز رسم کا برداشت کرنا بھی ان کے لیے ناممکن تھا، انھوں نے اس سلسلہ میں براہ راست کسی طرح کا امتناعی حکم تو نہیں دیا، لیکن اس رسم کے انجام دینے میں، ایچ بیچ ایسے لگائے کہ یہ بت کم ہو گئی، ڈاکٹر، برنیر جو عہد شاہجہان و عالمگیر میں کئی سال تک دلی میں شاہی ملازم کی حیثیت سے مقیم رہا، اس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا ہے:-



آج کل پہلے کی نسبت سستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس  
 وحیائے رسم کو نسبت و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی  
 قانون مقرر نہیں ہے کیونکہ ان کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کے معاملات میں  
 دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں تاہم سستی کی رسم  
 کو بعض ایجنسیوں کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم  
 کے سستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک واقعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ  
 اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئے گی۔ صوبہ دار جو یہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وغیرہ کرتا  
 ہے اگر اس کی فمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنے محکمہ میں بھیج دیتا ہے  
 تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔ مگر باوجود ان سب امور کے سستی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً  
 ان راجاؤں کے علاقوں اور عملداروں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار نہیں ہے۔ (۱۱)

اس سلسلہ میں برسرِ اپنا ایک مشاہدہ بھی بیان کرتا ہے :-

### برسرِ کامشاہدہ

چندی داس میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خان کا میسرشتی تھا۔ وہ تپ دتی  
 بیماری سے جس کا معالجہ میں نے دو برس سے کچھ زیادہ عرصے تک کیا تھا، مر گیا۔ اس کی زوجہ نے اپنے شوہر کی  
 لاش کے ساتھ سستی ہونے کا ارادہ کر لیا، اس کے بٹہ دار میرے آقا دانشمند خاں کے نوکر تھے اور ان کو یہ حکم دیا کہ  
 تھا کہ اسے اس دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ انھوں نے سمجھایا کہ گو تمہارا یہ قصد پسندیدہ اور باعثِ عزت  
 اور خوشنودیِ خاندان اور سرِ لائقِ تحسین اور مہمت کا کام ہے لیکن تم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ تمہارے بچے کم عمر  
 ہیں اور ان کو چھوڑنا بڑی بے رحمی ہے۔ اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے اس فمائش کو کسی طرح نہ مانا تو ان کا دل  
 نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ چل کر سمجھا دیں۔

چونکہ ہمارے آقا دانشمند خاں کی بھی یہی ذہنی تھی اور اس خاندان سے میری ویر سے دوستی تھی اس لیے میں

اس کے پاس گیا جب مکان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ ۷-۸ بدصورت بڑھیا عورتیں ۴-۵ من اور ضعیف العقل برہمن لاش کے ارد گرد جمع ہیں اور یہ سب عورتیں باری باری روتی اور بڑے زور سے اپنے ہاتھوں سے سینہ پیٹتی ہیں یہ عورت لاش کی پائنتی میٹھی تھی بال کھلے ہوئے تھے چہرہ زندہ ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ میں اس محنت گردہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ اب تمہارے دونوں بیٹوں کے واسطے وظیفہ جاری رکھینا بشرطیکہ تم اپنی جان تلف نہ کرو کیونکہ تمہارا جیتنا رہنا بچوں کی خبر گیری اور تربیت کے واسطے ازلیں ضرور ہے اور تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم طرح سے تمہارا چتا پر مٹھنا ادھی ہو ماروک سکتے ہیں اور ان لوگوں کو جو تمہیں اس نامعقول بات کی جرأت دلاتے ہیں۔ سزا دے سکتے ہیں۔

میں نے کئی بار اس تقریر کو دہرایا لیکن اس نے مطلق جواب نہ دیا آخر کار آنکھ ملا کر یوں بولی کہ میں ستی ہونے نہ پاؤں گی تو دیوار سے سر کھینچ کر مر جاؤنگی یہ سن کر میں نے نہایت غصہ سے پکار کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے! بہت اچھا ستی ہو جاؤ لیکن پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر ان کو اسی چتا پر جلا دے کیونکہ ہم کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو توستی ہو کر اس دنیا سے چل دے اور ان کو بھوکا مرنے کیلئے پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں۔

میرے اس کہنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ چپ ہو گئی اور فوراً سر جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے کی طرف کھسک گئے اور یہ دیکھ کر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اسکے رشتہ داروں کے سپرد کر کے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں۔ چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا آیا شام کے وقت جب میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنے جاتا تھا راستہ میں اس کا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ازاں شکر بولا کہ اس کے شوہر کی لاش بغیر اس کے جلائی گئی اور اس نے اپنی جہان نہیں گنوائی۔ (۱)

**ہندو مسلم تعلقات** | مسلمان حکمرانوں کی رواداریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلمان، بہت جلد شیر شکر ہو گئے، انگریزوں کی فتنہ سامانیوں کے باوجود عام طور پر ہندو اور مسلمان،

کھلے دل سے ایک دوسرے سے ملتے تھے، اس لیے کہ ہندو یہ دیکھتے تھے کہ مسلمان بادشاہ، مسلمان ہونے کے باوجود ان کے دکھ سکھ کا شریک ہے، ان کی چارہ سازی کرتا ہے۔ ان کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔ مسلمان یہ محسوس کرتے تھے کہ ہندو اگرچہ ہمارے محکوم ہیں لیکن انسانیت کا رشتہ عالم اور محکوم کے امتیاز سے بالا ہے، ان حقائق نے بعض شہیدہ سروں کی فتنہ انگیزی کے باوجود، عام طور پر ہندو مسلم تعلقات خوشگوار رکھے، بہادر شاہ کے دور تک یعنی مغل سلطنت کے اختتام تک یہی کیفیت طاری رہی،

اس سلسلہ میں ذیل کا واقعہ خاص طور پر لائق توجہ اور قابل مطالعہ ہے :-

دگوہرانوالہ میں، ایک تھے کرنل دھن راج وہ دیوان مول راج کے کچھ عزیز بھی تھے اور دیوان مول راج وہ جن کا پنجاب کی لڑائیوں میں نام آتا ہے کرنل دھن راج کشمیر میں کسی بڑے عہدہ پر تھے ان کی رانی کی سرکار انگریزی میں بڑی عزت تھی رانی صاحبہ نے مولانا ذریا احمد سے کہا کہ میرے بچوں کو بھی پڑھا دیا کرو مولانا نے کہا بھیجا کہ بچوں کو مدرسہ میں بھیج دیا کرو رانی نے کہا کہ یہ ہماری عزت کے خلاف ہے مولانا نے کہا تو پھر ڈپٹی کمشنر صاحب سے کہہ کر مدرسہ کا مدرسہ ہاں اٹھوا انگوائے چنانچہ ایسا ہی ہوا مولانا اس موقع پر فرماتے ہیں کہ اب میں مدنی میں داخلہ شمال ہو چکا تھا بہتر سے بہتر مسکن رہنے کو ملا کرنل صاحب کے خدمت گاہٹل کو گھوڑے ٹیو سواری کو دونوں وقت عہدہ سے عہدہ کھانا رانی صاحبہ کے سر۔ (۱)

**بہادر شاہ کارویہ** | بہادر شاہ اگرچہ برائے نام بادشاہ تھے، اختیارات انگریزوں نے لے لیے تھے، دولت داغ مفارقت دے چکی تھی، لیکن ہندوؤں کے ساتھ، خواہ وہ امر اور روم ہوں یا غریب اور مفلوک الحال، ان کا برتاؤ وہی تھا جو ایک باپ کا اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، قلعہ کے ملازمین



میں ہندوؤں کی کافی تعداد شامل تھی مرحوم دلی کالج کے انگریز پرنسپل مسٹر ٹیلر اپنی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:-  
 قلعہ معلیٰ میں عجیب و غریب ہے کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ اگرچہ قدرتا ہمدردی تھی، لیکن  
 اس کے باوجود جتنے ملازمین شاہی ہیں، ایسی خدمات پر جہاں رات دن فارسی اُردو کی  
 ضرورت پڑتی تھی) سب کے سب ہندو ہیں۔ (۱)

مسٹر ٹیلر کا تعجب بجا تھا۔ اس لیے کہ انھوں نے مسلم رواداری کا یہ منظر پہلی مرتبہ دیکھا تھا،  
 اب ہم جسے سب سے واقعات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ بہادر شاہ کا برتاؤ ہندوؤں کے  
 ساتھ کیسا ہمدردانہ اور مشفقانہ تھا،

**ہندو کی عقیدت** حضور والا ہوادار پر سوار ہو کر پل کے راستے سے جہنا کے پار شکار کے لیے تشریف  
 لے گئے۔ بالو سورج زرائن مختار سابق بنارس سے واپس آ رہا تھا۔ حضور کی سواری دیکھ کر  
 سواری سے اتر پڑا اور حاضر خدمت ہو کر آداب شاہی بجالانے کے بعد پانچ روپیہ منہ کے پیش کیے۔ اس کے  
 ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس نے منہ میں چار روپیہ پیش کیے۔ سورج زرائن نے عرض کی حضور کی قدمبوسی  
 کو بیت دل چاہتا تھا۔ اس لیے فدوی بنارس سے حاضر ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا دربار میں حاضر ہونا۔  
 اس کے بعد حضور والا مراجعت فرما کر محل میں تشریف لے گئے۔ (۲)

**ہندو کو خلعت دیا** حکیم حسن اللہ خاں کے ہمراہ پنڈت مندر کشور نے حاضر ہو کر منہ پیش کی حضور انور  
 نے پانچ پارچے کا خلعت عطا فرمایا۔ (۳)

**بنت سے دلچسپی** ۲۹ تاریخ کو تمام روئے زمین پر بنت ہوگی۔ علاقہ ذیل میں سب سے پہلے  
 قطب صاحب میں میلہ ہوگا۔ حضور والا تخت (ہوادار) پر سوار ہو کر جھروکے

(۱) مرحوم دلی کالج (ڈاکٹر عبدالحق)

(۲) سرطاس ٹکاف کی ڈائری ص ۵، جنوری ۱۸۴۹ء

(۳) سرطاس ٹکاف کی ڈائری ص ۵



کے نیچے والی سڑک سے ہو کر قطب صاحب پہنچ گئے۔ مینا بازار کے مکان اور سڑک کا ملاحظہ کیا۔ بسنت کی سیر کی۔ اپنے بزرگوں کے مزارات پر جا کر نذر نیاز پیش کر کے ایک ایک غلاف عرش آرام گاہ۔ فردوس منزل بہتار محل، مولوی نحر الدین اور قطب الدین وغیرہ کے مزارات پر چڑھا کر تبرک لے کر واپس تشریف لے آئے۔ (۱)

تقریب بولی کے سلسلہ میں حضور والا نے اہل کاروں کی نندیں قبول فرمائیں

**بہادر شاہ اور بولی**

تمتھاری چھٹی ہے۔ جاڈ گاڈ بجاڈ پیو پلاڈ مچھسکار کا ایک ہرن الجھٹ کو بھیجا۔ (۲)

جہاں پناہ بادشاہ سلامت نے راجہ بھولانا تھ کو حضرت غوث الاعظمؒ کی

**بھولانا تھ کو خلعت**

نیاز کا انتظام کرنے کے سلسلے میں چھ پارچے کا خلعت عنایت فرمایا۔ (۳)

بلب گڑھ کے راجہ کا سابق مختار عام سنت رائے محبوب علی خواجہ سرا کی معرفت بارگاہ

**ہندو کا سبج**

جہاں پناہ میں باریاب ہوا اور حذر میں چار روپے نذر کے پیش کیے۔ حضور والا نے

اس کو اپنی نوکری عطا فرمائی اور یہ سبج بھی موزوں کر کے اس کو عطا کیا۔

سری گنگا جیوس سہائے (۴)

”دیوی دیال دلد کیدارنا تھ نے اپنی شادی کے سلسلہ میں چھ روپے نذر

**ہندو کے لیے سہرا**

میں پیش کیے حضور نے خلعت سر پارچہ اور نقشبندی سہرا مرحمت فرمایا۔ (۵)

حضور نے ناظر قلعہ کو حکم بھیجا کہ دیوالی کے سلسلہ میں جمعہ سے بدھ تک زمانہ

**دیوالی کی روشنی**

ڈیوڑھیات کی آمد و رفت بند رکھی جائے۔ حسب معمول روشنی کی جلے اور

(۱) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۳۴

(۲) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۳۳ تاریخ ۱۸۴۹ء

(۳) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۸۹

(۴) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۹۴

(۵) سرطاس ٹسکاف کی ڈاڑھی صفحہ ۱۵۷

پرنسپس خواجہ سرا کو قلعہ میں آنے سے نذر دیا جائے۔ (۱)

**لالہ ٹھاکر داس** لالہ ٹھاکر داس سابق ناظر عدالت نوبعداری دار الخلافہ شاہجہان آباد کے نام شہد

خان بہادر کے تبارع کے فیصلے کے واسطے بعد ازاں مقرر کیا جاتا ہے دونوں رئیسوں کے نام خطوط لکھے گئے کہ اپنے اپنے قابل اعتماد آدمیوں کو ہمارے مقرر کیے ہوئے مابین کے پاس روانہ کر دو۔ (۲)

**دیہی سنگھ پر اعتماد** تاج محمد خاں کے لئے فرمان صادر ہوا کہ چونکہ راہ دیہی سنگھ سلطنت کے قدیم متوسلین میں سے ہیں اور مفتی امداد حسین خاں کے والد کے نذر دینے کے حالات

اور ان کے تقرری کے واقعات سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کو اطلاع دی جائے کہ وہ بہت جلد دربار خلافت میں تمام و کمال حالات پیش کریں فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ (۳)

**دفتر خاص کا ہندو محرر** دفتر خاص کا محرر، یعنی سررشتہ دار بھی ہندو تھا، جو بادشاہ کی خدمت میں تمام کاغذات پیش کیا کرتا تھا، حتیٰ کہ حکیم احسن اللہ خاں جیسے بلند مرتبت شخص کی عرضی بھی اسی کے وسیلہ سے آتی تھی:

”لالہ شیوالال محرر دفتر خاص نے حکیم احسن اللہ خاں کی عرضی پیش کی (۱)

**ہندو بیوہ کی ماتم پرسی** بادشاہ کا کوئی ہندو ملازم اگر مرجاتا تھا تو بادشاہ اس کے متوسلین کا پورا پورا احاطہ کرتے تھے، اور جو کچھ بن پڑتا تھا سلوک بھی کرتے تھے۔

”شاہی ملازم جگ جیون داس متوفی کی زوجہ کے پاس ایک دو سالہ بطور ماتم پرسی

(۱) سرطاس شکاف کی ڈاڑھی ص ۲۷

(۲) بہادر شاہ کارونہ تاجہ ص ۲۲۔ یکم اگست ۱۸۲۵ء

(۳) بہادر شاہ کارونہ تاجہ ص ۳۰ نومبر ۱۸۲۲ء

(۴) بہادر شاہ کارونہ تاجہ ص ۲۲

روانہ کیا گیا۔ (۱)

**انتہائی اعتماد** | ہندوؤں پر بہادر شاہ ہر معاملہ میں انتہائی اعتماد کرتے تھے، حتیٰ کہ مذہبی معاملات کا انصرام و اہتمام بھی انہی کے سپرد کیا جاتا تھا،

”شمش پانچہ دسہ رقم جواہر حضرت شاہ مرداں (حضرت علی) کی نیاز کے دسترخوان اور مہندی کی تیاری کے لیے راجہ بھولانا تھ کو مرحمت فرمائے“ (۲)

**منتھول کے بیٹے** | جن ہندوؤں کو، بادشاہ سے کسی طرح کا بھی تعلق تھا، جہاں پناہ، ان کا بہت خیال رکھتے تھے، اور خوشی و غمی کے موقع پر، ان تمام روایات کی

وضعداری کے ساتھ پابندی کرتے تھے، جوان کے معمولات میں داخل تھے،

”منتھول تجویدار، عداقہ جوہلی سرسہ کے لڑکوں کو خلعت مرحمت فرمایا، کیونکہ

یہ لڑکے اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے، عزاداری میں تھے، ادب عزاداری

کا زمانہ ختم ہو گیا، (۳)

**گینڈا مل متصدی** | گینڈا مل متصدی کو حکم ہوا کہ تو امرا، شہی روزمرہ خبر کے لیے حاضر ہوتے ہیں ان کی حاضری وغیرہ حاضری روزانہ ایک ریسٹریں درج

کی جایا کرے تاکہ غیر حاضر ہونے والے لوگوں کی تنخواہ بقدر غیر حاضری وضع کی جائے۔ (۴)

**ہیرالال ویل** | شقہ سلطانی جاری ہوا کہ روشن آرا بیگم کے باغ اور سرہندی کے باغ اور چاندی محل کو ذاب حسینی بیگم صاحبہ بیگم مرزا محمد سلیم شاہ بہادر مرحوم کے قبضہ سے الگ

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ۲۴ - ۱۲ دسمبر ۱۸۴۵ء

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۴ - یکم مئی ۱۸۴۶ء

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ ۲۲ - یکم فروری ۱۸۴۶ء

(۴) بہادر شاہ کا روزنامہ ۹ جنوری ۱۸۴۶ء



کر لیا جائے۔ پہلے ان سے خالی کرنے کی نسبت کہا جائے مگر وہ نہ مانیں اور خالی نہ کریں تو بہر اللال وکیل سے کہا جائے کہ عدالت عالیہ میں نالش کرنے کے لیے کارروائی شروع کر دیں چنانچہ انھوں نے خالی نہیں کیا اور بہر اللال وکیل نے مقدمہ کی کارروائی شروع کر دی۔ (۱)

**ٹھاکر داس امین** | ٹھاکر داس امین کے نام پر روانہ جاری ہوا کہ شاہ پیر اد پنچا پیر کے زمینداروں کے درمیان اپنی اپنی حدوں کے مقرر کرنے میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے لہذا فریقین کی زمینوں کی حدیں مقرر کرنی چاہئیں۔ (۲)

**کنور کا لقب** | کنور سالک رام کے لڑکے کنور گوپال سنگھ کی شادی میں بادشاہ سلامت نے خلعت فرخ سیری جامہ، کمر بند سہرا مقیشی روانہ فرمایا اور کنور کا لقب دیا اور حکم دیا کہ شاہی خرچ سے کنور گوپال سنگھ کی شادی کا جلوس شانہ تزک و احتشام کے ساتھ نکالا جائے بادشاہ سلامت کے اخلاق کا یہ حال ہے کہ رعایا کے ساتھ ہر موقع پر انعام و اکرام کا سلوک فرماتے رہتے ہیں۔ (۳)

**ہندو شادی کے انتظامات** | ہندو خواہ، وہ قلعہ کے متوسلین میں ہوں، یا نہ ہوں، ضرورت کے وقت بہادر شاہ کے پاس آتے تھے،

اور گل آرزو سے دامن مراد بھر کر واپس جاتے تھے،  
"کنور دیبی سنگھ نے اطلاع دی کہ حضور مجھے اپنے بھتیجے کی شادی کے لیے کچھ ضروری سامان،  
نیز چنچیر اسیوں، اور چوبداروں کی ضرورت ہے،  
حکم ہوا درخواست کے مطابق انتظام کیا جائے۔ (۴)

(۱) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۴۸

(۲) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۵۴۔ یکم مئی ۱۸۴۶ء

(۳) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۱۰۶۔ ۱۲ مارچ ۱۸۴۷ء

(۴) بہادر شاہ کارونما چہ ص ۱۱۲۔ ۲ فروری ۱۸۴۷ء



**بھولانا تھا کو انعام** | چونکہ راجہ بھولانا تھا نے حضور پیران پیر غوث الاعظم و سنگیر کے عرس کے فرائض کو بخوبی کے ساتھ انجام دیا تھا اس لیے بادشاہ نیک خیال و

نیک پسند نے انھیں خلعت شش پارچہ اور سر قم جو اہر مرتبت فرمائے۔ (۱)

**دیہی سنگھ کی دل دہی** | کنو دیہی سنگھ سے ارشاد ہوا کہ تم جس طرح سے مرزا محمد شاہ ہرخ بہا

مرحوم کی حین حیات میں ہمد دی اور وفاداری کے ساتھ ان کے کاروبار کا انتظام کرتے تھے اب بھی اسی طرح اپنے فرائض کو انجام دیتے ہو اور اپنے معمول میں دستور قدیم کی نسبت کوئی فرق نہ آئے دیتا۔ (۲)

**سلوک شاہانہ** | بہادر شاہ کے حسن سلوک کی کوئی انتہا نہ تھی، ان کا برتاؤ، پست و بلند ب کے ساتھ یکساں تھا،

”رام دیال گوجر کے مرنے کے بعد اس کی زوجہ کو ماتم پرہی کے طور پر جہاں پناہ

نے ایک درشاہ عطا فرمایا۔ (۳)

**ہندوؤں پر نظر عنایت** | کنور سالگرام کو امین بخشی گری کا عمدہ اور خلعت شش پارچہ اور سر قم جو اہر ان کے لڑکے کنو گوپال سنگھ کو خلعت پنج پارچہ و

سر قم جو اہر اور فخر الملک بہادر کے پیش کار را مجید اس کو خلعت چار پارچہ سر قم جو اہر اور مرزا قطب الملک کا عمدہ عطا فرمایا اور گوبند پرشاد کو مرزا شمس الملک کی پیشکاری کے عمدہ کی تقریب میں خلعت سر پارچہ اور سر قم جو اہر سے معزز فرمایا۔ (۴)

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۲۸-۱۲۲ اپریل ۱۸۴۷ء

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۲۸-۱۲۳ اپریل ۱۸۴۷ء

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۲۸-۱۲۴ اپریل ۱۸۴۷ء

(۴) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۲۸-۱۲۳ اپریل ۱۸۴۷ء

ہندو کی وجہ سے جرمناہ اور عتاب | اگر کسی ہندو سے ناروا،  
ردک لڑک یا پوچھ گچھ ہوتی تھی، تو جہاں پناہ متعلقہ

عہدے داروں کو سزا دیتے تھے اور وہ عتاب شاہی کے ہدف بنتے تھے،

”کنور ہمیش داس خلف راجہ سوہن داس کے نذرانہ کو شرف قبولیت عطا کیا گیا، اودان کے  
بھائی ورگا پرشاد کو قلعہ معلیٰ میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی جس سپاہی نے انھیں آنے سے روکا تھا  
اس پر جرمناہ اور عتاب ہوا، (۱)

مدن گوپال | مرزا محمد شاہ رخ بہادر مرحوم کے پیشکار مدن گوپال مقصدی کو عہدہ دیوانی اور گنگا داس  
کو عہدہ پیشکاری پر ترقی دی گئی اور خلعت عطا فرمایا۔ (۲)

راکھی کا میلہ | حضور انور نے راکھی سلونوں کے میلہ کے تقریب میں راجہ بھولانا تھ کو ۵۰ روپیہ اور  
تخت خاص کے کماروں کو ایک اشرفی مرحمت فرمائی۔ (۳)

دیوالی کی تعطیل | دیوالی کے دن ہندوؤں نے مٹی کے کھلونے اور مٹھائی حضور انور کی خدمت اقدس  
میں پیش کی جسے حضور نے شرف قبولیت مرحمت فرما کر دیوالی کی تعطیل کا حکم

سنادیا۔ (۴)

خلعت سوگواری | کالا داس فوت ہو گیا اس کے لڑکوں کو خلعت سوگواری مرحمت کیا گیا اور ان  
ٹک کے چارنانے ایک سو روپیہ میں خرید فرمائے۔ (۵)

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ، ۱۲۲ھ ۱۸ جون ۱۸۴۷ء

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ، ۱۲۰ھ ۱۸ جون ۱۸۴۷ء

(۳) بہادر شاہ کا روزنامہ، ۱۵۷ھ ۲۲ ستمبر ۱۸۴۷ء

(۴) بہادر شاہ کا روزنامہ، ۱۸۲ھ ۲۰ دسمبر ۱۸۴۷ء

(۵) بہادر شاہ کا روزنامہ، ۱۸۷ھ ۳۰ مارچ ۱۸۴۸ء

لالہ شوقی رام وکیل کی قدر افزائی

لالہ شوقی رام وکیل کو خلعت شمش پانچ سو قلم جواہر اور

خلعت سہ پانچ سو حرمت ہوا اور وکیل صاحب کو چار ہاتھی چار اونٹ چار سو چار پہرہ دار سپاہی اور آٹھ کھارا اور ایک ایک چوبدار فرشتہ۔ سقہ خاکروب ہر کارہ وغیرہ معین کر کے صاحبزادوں بہادر کے لشکر میں جانے کے لیے رخصت کر دیا۔ (۱)

بہادر شاہ اور ان کے پیش رو سلاطین کے اس روادارانہ طرز عمل نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں دوستی اور خلوص کے روال بطور پیدائش کر دیئے تھے، پادری سی ایف اینڈ

ریوز نے بالکل صحیح اور درست تحریر فرمایا ہے کہ :-

”ان دنوں میں یہ عام بات تھی کہ دونوں فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں شرکت کیا کرتے تھے، ہندو مسلمانوں کے تہواروں میں شامل ہوتے تھے اور مسلمان ہندوؤں کے تہواروں میں شرکت کرتے تھے۔ یہ قدرتی طور پر ایک مقامی رسم ہو گئی تھی اور کوئی شخص بھی سوائے سخت محاط اور متشدد عقیدہ رکھنے والوں کے ایسے دوستانہ مراسم پر حرف گیری نہیں کرتا۔

مسلمان بعض ہندو جوگیوں کا بڑا احترام کرتے تھے، مغلیہ زمانہ کے بعض مشہور تصاویر میں بادشاہ ادا اس کے دربار کے امرا بعض ایسے مقدس آدمیوں کی زیارت کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ ہندو بھی اپنے طور پر ایک مشہور و معروف مسلمان بزرگ کے مزار پر جو دہلی کے قریب واقع ہے۔ دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے دعا مانگنے کی غرض سے باقاعدگی سے جایا کرتے تھے۔ دہلی دروازے کے باہر سلطان نظام الدین اولیا کے مزار پر بھی ہندو برکات حاصل کرنے کی غرض سے حاضری دیا کرتے تھے۔

اسی طرح ہندو مصنفین جو اردو علم و ادب میں بہت مشہور ہو گئے ہیں اور جو اپنے فارسی کے علم پر فخر کیا کرتے تھے۔ اپنی ادبی تحریرات کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا کرتے تھے اور یہ ایک اعتبار سے نئی بات تھی۔ ہندوؤں کے بچے مساجد سے ملحقہ مکاتب میں کثیر تعداد میں جایا کرتے تھے اور وہ وہاں عربی و



فارسی دونوں پڑھتے تھے، فارسی زبان شاعری کی زبان کی حیثیت سے انھیں خصوصیت کے ساتھ محبوب تھی اور فارسی کی یہ روایت آج بھی دہلی کے بہت سے ممتاز ہندو گھرانوں میں اسی طرح سے چلی آ رہی ہے، ہندو اپنی تحریرات کو حافظہ وغیرہ کے کلام سے مزین کیا کرتے ہیں، اور اپنی گفتگوؤں میں بھی فارسی شعر کا کلام پڑھا کرتے تھے۔ غالباً اسی فارسی زبان کے وسیلہ سے دہلی کے ہندو اسلامی تصوف سے واقف ہوئے جو روحانی مطمح نظر کے اعتبار سے خود ان کے فلسفہ و ایمان سے ملتی جلتی چیز تھا۔

ہندوؤں کے تہواروں کے موقع پر ہندو گھرانوں کے بچے مساجد کے مکتبوں کے اساتذہ کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لایا کرتے تھے۔ وہ اپنے استادوں کو اپنے گھروں میں دعوت دے کر بلاتے تھے تاکہ وہ بھی ان کی مسترتوں میں شریک ہوں اور ایسے دعوت نامے بڑی خوشی اور باقاعدگی قبول کیے جاتے تھے اسی طرح مسلمان بھی ہندوؤں کے مذہبی تہواروں کا ذکر بڑے احترام سے کرتے تھے اور اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ وہ ہندو رسوم کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے ان کی دل آزاری ہو۔

معاشرتی تقریبات کے مواقع پر مثلاً شادی بیاہ میں وہ لازمی طور پر اپنے ہندو دوستوں کو تحفے تحائف بھیجتے تھے اور ان سے درخواست کرتے تھے کہ وہ انہیں اور شادیوں میں شرکت کر کے انھیں عزت بخشیں وہ دولہا دھن کو مبارک باد دیتے اور انھیں اپنی طرف سے تحفے تحائف مقرر کرتے۔ عام خوشی کے موقع پر بھی مثلاً عید رمضان کے موقع پر ہندو اپنے مسلمان دوستوں کو مبارک باد کے خط بھیجا کرتے تھے اور مسلمان نہایت محبت بھرے انداز میں ان کا جواب دیا کرتے تھے مختلف مذہب کے پڑوسیوں کے ساتھ پر امن طریقہ سے رہنے کا فن بہت بلند سطح پر پہنچ گیا تھا،

بڑے شہنشاہ بہادر شاہ ان امور میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک تکالیف رسمی کے نہایت پابند رہے وہ اپنے شاہی ہاتھیوں پر سوار ہو کر جن پر زربغت کی جھولیں پڑی رہتی تھیں۔ جلوس کی شکل میں گزرتے اور بعد میں قلعہ کے مشن برج میں بیٹھ جاتے، ہندوؤں کے بڑے تہواروں اور مسلمانوں کی بڑی تقریبوں کے موقعوں پر نیچے کے مجمع کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ مجمع انھیں دیکھ کر آداب بجا لاتا اور اس طرح سے خیر گالی کے جذبات بہت کچھ ترقی پاتے ان موقعوں پر بادشاہ اپنی طبع زاد غزلیں سنایا کرتے تھے اور پبلک زور شور سے ان کی



داد دیتی تھی،

مغل شاہزادے بھی ان تہواروں پر جبکہ سالانہ شہر تعطیل مناتا۔ اعلیٰ درجے کے مجھے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے بازاروں کا گشت کرتے تھے۔ (۱)

اس نضام ماحول کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ رعایا کے دونوں بڑے طبقے — ہندو اور مسلمان — یہ بلور کر لیں کہ اس ملک میں دونوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد، ساتھی اور غمگسار بن کر رہنا ہے، اور جب تک بہادر شاہ کا سایہ قائم رہا، یہ احساس شدت کے ساتھ دونوں قوموں میں پیدائش پاتا رہا، چنانچہ، پادری سی ایف اینڈریوز فرماتے ہیں:۔

”دہلی کے قدیم باشندوں میں سے جو لوگ ہندو تھے۔ جب میں ان کے پاس اطلاع حاصل کرنے کی غرض سے گیا، انھوں نے خود بغیر کسی پس و پیش کے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ آخری مغل بادشاہوں کا برتاؤ ان کے فرقہ کے ساتھ بہت اچھا تھا اور اس سلسلہ میں انھیں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی مابعد کے ایام کی یہ تمام آسودہ خاطری صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور دوسرے امور میں مغل شہنشاہوں کے خلاف بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ بجا طور پر اس نیک نامی کے حقدار ہیں کہ وہ مذہبی تعصب پر غالب آگئے تھے۔ اور اس بنا پر اس قابل ہو گئے تھے کہ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ صربانی کا سلوک کریں اور غیر جانبدارانہ انصاف کریں نیز انھوں نے شاہی صدارت کے مسلمان امرا پر بھی اچھی طرح ذہن نشین کر دیا تھا کہ وہ ہندوؤں کے احساسات و جذبات کا انکی ہی طرح خیال رکھیں۔ اگرچہ جاہل اور اڑن عوام میں مذہب کی کسی توہین کے سلسلہ میں کبھی کبھی فسادات ہو جاتے تھے۔ تاہم یہ تنازعات سوسائٹی کے اس مخصوص طبقہ سے کبھی آگے نہیں بڑھتے تھے اور جو دشمنی اس طرح سے پیدا ہو جاتی تھی وہ آسانی کے ساتھ دبا دی جاتی تھی مغل شہنشاہ جانتے تھے کہ صلح فاشی کس طرح سے قائم رکھیں۔ (۲)

(۱) ڈاکٹر دہلوی (سی ایف اینڈریوز ص ۴۴)

(۲) ڈاکٹر دہلوی (راز سی ایف اینڈریوز ص ۴۶)

# بہادر شاہ اور انگریز توہین، بے لختی، شرارت اور بے مروتی

مشرع مشرع میں یہ کیفیت تھی کہ وائسرائے اور کمانڈر انچیف بادشاہ کی خدمت میں  
مندر پیش کرتے تھے، لفٹنٹ گورنر مائک مغربی و شمالی ان کا ہندی خاص ہونے پر ناٹاں دیتا  
تھا، انگریز ریڈینٹ، مگاتیب میں اپنے آپ کو بادشاہ کا فرزند لکھتا تھا، اور اس اعزاز  
پر خوشی سے جا رہا تھا، پھولا نہیں سماتا تھا،

پھر یہ نوبت پہنچی کہ مندر بند ہو گئی، اعزاز و القاب نظر انداز کیے جانے لگے، فروتہ  
دہندے، فرزند ہی سے اور ہندی خاص نے، ہندی ہونے سے باقاعدہ انکار کر دیا، بادشاہ کے  
حقے اور رتے جاتے تو انہیں رومی کی ٹوکی میں پھینک دیا جاتا، بادشاہ کے مطالبات نظر انداز  
کر دیئے جاتے، بادشاہ کی شاہزادوں کی شاہی ملازموں کی اشتعال انگیزی کی حد تک توہین کی جاتی  
کئی بات نہ مانی جاتی۔ ہر بات پر اپنی بات بالا رکھی جاتی۔

ان واقعات کو دیکھ کر ایسا اندازہ ہوتا ہے، جیسے انگریز خود یہ چاہتے تھے کہ بادشاہ  
کو بغاوت پر مجبور کر دیں اور جب وہ بغاوت کرے، تو اس کی گردن قلم کر دیں، انگریز اپنے

اصول تہذیب اور رکھ رکھاؤ پر فخر کرتے ہیں، لیکن بہادر شاہ کے معاملہ میں انہوں نے ہر چیز  
بالائے طاق رکھ دی تھی، بہادر شاہ کو وہ اپنے لیے مستقل درو سر سمجھنے لگے تھے۔ اور اس  
درو سر سے ٹھکرا پالنے کے لیے وہ کسی رکیک متبذل اور چھپوری حرکت سے دریغ نہیں کرتے

تھے،

قیل میں۔ اس داستان کے کچھ ٹکڑے پیش کیے جاتے ہیں۔  
 انہیں افسانہ غم ڈرتے ڈرتے  
 بنایا کچھ کہیں سے، کچھ کہیں سے

ذاتی معاملات میں فرنگی مداخلت | ایجنٹ بہادر کی تحریر آئی۔ کہ حضور نے بالوسراج  
 زائن کو مختار کار بنایا ہے۔ اس کی فصول خرچ  
 سے حضور قرضدار ہو جائیں گے۔ حضور قرض کیوں لیتے ہیں۔ آمدنی کے موافق خرچ رکھیں۔ (۱)

بہادر شاہ اور انگریز | ۲۷ مارچ حضرت ابد ظفر بہادر شاہ قلعہ دہلی میں رولت افروز ہیں  
 معظم الدولہ صاحب کلاں ایجنٹ بہادر کا معروفہ بارگاہ جہاں  
 پناہ میں پیش کیا گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ شاہ مجاہد کے بھائی مرزا سلیم جہانگیر مرحوم کی بیوہ حسینی بیگم  
 نے ایک عوضی ولایت لندن (کریجی) تھی۔ کہ باغ روٹن آراہ سرہندی میرے شہر کی  
 طرف سے میرے گزارے کے لیے وراثت تھا۔ مگر دہلی کے بادشاہ اور انگریزی کے ایجنٹ  
 نے مل کر میرے مذکورہ باغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس عوضی کی نسبت پیش گاہ عداوت الہیہ صاحب  
 کورٹ آف ورکنگ دغا بدار ڈا انگلستان سے حکم آیا ہے کہ باغ مذکور حسب حال وٹا ہی قبضہ میں  
 رہے۔ مگر بیگم مذکور کے گزارے کے لیے بادشاہ دہلی تنخواہ مقرر کر دیں۔

حضور جہاں پناہ نے یہ معروفہ سننے کے بعد ارشاد فرمایا۔ بیگم مرزا سلیم کی تنخواہ مقرر  
 کر دی جائے اس کے بعد حضور پر نور نے حکم دیا کہ ایجنٹ بہادر کے نام مابدولت کی طرف  
 سے ایک شفق لکھا جائے کہ لفٹنٹ گورنر اگر نے مابدولت اور ہمارے خاندان کی تنخواہوں

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱۲

کے اصلے کی نسبت اور ہمارے قرضے کی ادائیگی کے بابت جو مراسلہ بھیجا ہے۔ اس کی انگریزی اور فارسی نقل لکھ کر ہمارے ملاحظہ میں پیش کی جائے۔

معظم الدولہ صاحب کلاں ایجنٹ کمشنر بہادر دہلی۔ دام تلوہ، ہر روز کار سرکار کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ ایک شفق حضور جہاں پناہ کا صادر ہوا تھا۔ اور مرزا سلیم مرحوم کی بیوہ حسینی بیگم کے چند خطوط بھی آئے تھے۔ جن میں لکھا تھا کہ میری عرضی کے جواب میں لندن سے حکم آیا تھا کہ باغ روشن آراء سرہندی چونکہ شاہ دہلی نے مجھ سے لے لیا ہے اس لیے بادشاہ دہلی میرے روٹی کپڑے کے لیے ہمیں حیات تنخواہ مقرر کر دیں۔ مگر بادشاہ سلامت کہتے ہیں کہ حسینی بیگم کے پاس بہت سا چاندی سونا ہے۔ میں ان کی تنخواہ مقرر نہیں کروں گا۔

حسینی بیگم نے لکھا ہے کہ مذکورہ باغ میرے قبضہ میں دیا گیا تھا۔ اگر بادشاہ نے میری تنخواہ مقرر نہ کی تو میں بادشاہ پر اپنے مہر کا دعویٰ کر دوں گی۔ (۱)

**بہادر شاہ سے کیفیت طلب کی گئی** | ”مرزا ولی عہد مرحوم کے لڑکوں اور لواحقین کی جواب اگر سے لے آیا ہے کہ ایک ہزار پانچ سو روپیہ ماہوار ولی عہد مرحوم کے لڑکوں اور لواحقین کے مقرر کئے گئے ہیں۔ لہذا بادشاہ کی تنخواہ سے ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار ان لوگوں کو دیا جائے۔ اگر سے یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بادشاہ سلامت نے کن اختیارات کے بموجب ولی عہد مرحوم کا اسباب نیلام کرایا۔ اسکی کیفیت بھی بادشاہ سے دریافت کر کے لکھی جائے۔ (۲)

**ایجنٹ کا اعتراض** | ”صاحب ایجنٹ نے مرزا تیمور شاہ کے کھنڈ بانی پر اعتراض کیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: کہ جب شاہزادوں کا اطاعت بند ہیں

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱۱

(۲) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱۲



جانا اور مختلف ریسیوں سے بغیر اجازت کے ملنا پسندیدہ عمل نہیں ہے تو مرزا تیمور شاہ لکھنؤ کیل گئے۔ ان کو فوراً واپس آ جانا چاہئے۔ (۱)

**ہاتھی کے دانت** | صاحبان کورٹ آف ڈائریکٹرز جس کا نصب العین یہ امر ہے کہ تمام خاندان تیموریہ کے ساتھ اور بالخصوص حضور والا کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ بدرجہ غایت مراعات و آرام رسانی کا برہماؤ اختیار کیا جائے۔ (۲)

**بہادر شاہ اور فرنگی** | لارڈ ڈل ہوزی گورنر جنرل تھے۔ جس کا عہد خدمت ہندوستان کی تاریخ میں دیسی ریاستوں کے الحاق کی وجہ سے یادگار ہے بادشاہ کی بندر جو گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کی طرف سے سالگرہ مبارک اور نوروز وغیرہ جشنوں کے موقع پر پیش کی جاتی تھی۔ ۱۸۴۳ء سے لارڈ ایلزرائے بند کردی تھی جو انگریز آخری مرتبہ یہ نذرانہ پیش کرتے گیا تھا اس کا بیان ہے کہ جس وقت میں نے دربار میں قدم رکھا تو مجمع پر عجیب قسم کی بیست طاری ہو گئی تھی۔ نئے گورنر جنرل کو اس رسم کی اطلاع نہ تھی۔ جب خبر ملی تو بہت متعجب ہوئے۔ اور ہمیشہ کے لیے اس دستور کو موقوف کر دیا۔ فرمانروائے دہلی کا نام سکہ پر نقش ہوتا تھا۔ وہ ۱۸۳۵ء سے بند ہوا۔ گورنر جنرل کی مہر سے "قدوسی خاص بادشاہ" کے الفاظ خارج کیے گئے۔ اور ہندوستانی ریسیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ بھی اپنی اپنی مہروں سے بادشاہ کی نسبت اس قسم کے بے معنی الفاظ خارج کر دیں۔ (۳)

**شکوہ و شکایت** | یکم جنوری ۱۸۴۹ء حضور بادشاہ سلامت قلعہ میں رونق افروز ہیں۔ مزاج مبارک بخیر ہے۔

۱، سرطاس مشکات کی قاری ص ۲۰۶

۲، بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۸

۳، بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

حضور بادشاہ سلامت نے لفٹنٹ گورنر آگرہ کو اپنا ادب و احترام نہ ہونے کی شکایت  
لکھی تھی۔ جواب آیا سب انگریزوں کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ کہ شاہی محل کے نیچے تھکی  
شکر پر جس کا آٹا سامنا حضور سے ہو جائے گا۔ وہ شاہی ادب بجا لائے گا۔ اس تحریر  
سے حضور خوش ہو گئے۔ (۱۱)

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء معظم الدولہ بہادر کی اس مضمون  
انگریز تعظیم شاہی سے مستثنیٰ تھے

کی عرضی پیش ہوئی کہ ناجپورہ کے چھاؤنی کے اندر  
سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جب بادشاہ سلامت کی سواری درگاہ قطب صاحب کی طرف  
جاری تھی تو کپتان سالاک صاحب بھی کہیں اُس راستہ سے گزر رہے تھے شاہی چوہداروں  
اور رہا ہمیوں نے زبردستی ان کو گھوڑے سے اتار دیا اور پیادہ کر کے کہا شاہی ادب ملحوظ  
رکھو اور سلام مجرا بجا لاؤ انہوں نے ہر چند کہا کہ جب سے اس صاحب بہادر کا مقدمہ  
ہوا ہے صدر دفتر سے فیصلہ ہو گیا ہے کہ انگریزوں کو اٹھائے راہ میں بادشاہ سلامت کی  
تعظیم و تکریم کے لیے مجبور کرنا نہایت نا زیبا ہے کیونکہ اس سے بادشاہ سلامت کی کسر شان  
ہوتی ہے۔ کسی نے ایک نہ سنی ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہیے کہ پھر کبھی اس قسم کی  
نامناسب حرکت کے مرتکب نہ ہوں یہ سنکر بادشاہ سلامت نے اسد علی خان کپتان اور  
آغا حیدر ناظر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ تحقیقات کر کے رپورٹ کرو تا کہ زیادتی و ظلم کرنے والوں  
کو سزا دی جائے۔ (۱۲)

۱۱ سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۳  
بہرات کی ایجنٹ کو اطلاع  
۱۲ لالہ زور اور چند مختار کار کو بک دوش کر کے اس  
بادشاہ سلامت دہلی کے قلعہ میں رونق افروز ہیں۔

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۳  
(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۲۸

کی جگہ بابہ سورج نرائن کو مقرر فرما کر ۵ مختار کاروں کا خلعت مرحمت فرمایا۔ چوہدار اور ہر کارے اور پھرے کے پیاہی معزول شدہ مختار کے گھر سے انٹھوٹھ کے جدید مکان پر تعینات فرمائیے گئے۔ اس موقعی اور اس بحالی کی اطلاعی تحریر ایجنٹ کو بھیج دی گئی۔ (۱)

بھرت پور کی فتح کے ایک برس بعد گورنر جنرل نے مالک مغربی  
آپ بادشاہ نہیں ہیں | میں دورہ کیا اور دہلی میں آیا اس نے یہاں کے بادشاہ کو لکھو

دیا کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں سرکار کپینی ہندوستان کی بادشاہ ہے اور تمام فرمان اس کے فرمان پر ہیں ایک بڑا دربار کیا جس میں تمام راجا بالو اکھٹے ہوئے اور نذریں اس کو دیں بادشاہ ہیں وہ اول ہی دفعہ شملہ پر گیا اور اس کی تقلید میں یہ پہاڑ موسم گرما میں برٹش گورنمنٹ کے لیے ارم بن گیا اس گورنر کے عہد میں دولت سرکار میں بڑا گھٹا آیا۔ لارڈ ہٹنگر نے جو خزانوں میں مسیہ پھڑپھڑاتا وہ سب خرچ ہو گیا بجائے تو فیز آمدنی میں نقصان آگیا قرض کا دس کڑم روپیہ بڑھ گیا اس قرض کی چوتھائی شاہ اودھ کے خزانے سے حاصل ہوئی تھی اور بہت سے ہندوستانی رئیسوں نے یہ روپیہ قرض دیا تھا۔ (۲)

۲۔ فوری ایجنٹ بہادر کو تحریر بھیجی کہ دلی عہد کی تنخواہ پانچ ہزار پانچ  
سوال و جواب | سو روپیہ ماہوار بدستور شاہی تنخواہ میں شامل کر کے بھیج جائے  
 جواب آیا کہ جب تک صدر عالی یعنی لفٹنٹ گورنر بہادر کا حکم نہیں آئے گا اس وقت تک دلی  
 عہد کی تنخواہ بطور امانت رہے گی۔ (۳)

صاحب ایجنٹ نے ایک چھٹی جھڑیٹ کاکڑ کے نام  
ایجنٹ کی بات پوری ہوئی | بھیجی کہ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ مشاہرہ و لیعبہ کی

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱

(۲) تاریخ ہند (عہد انگریز) از ذکاء اللہ صفحہ ۴۶

(۳) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱

خزانے میں امانت رکھے۔ اور باقی زر تنخواہ بادشاہ کو بھیج دے۔ (۱۱)

**اطمینان سے مرنے کی اجازت بھی نہیں** | ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ شہنشاہ بہادر بیمار ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا

وہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ برطانوی ایڈمنسٹریٹر نے صرف اس خیال سے کہ کہیں شہنشاہ کا انتقال ہوتے ہی حصول تخت کے لیے شہزادوں میں باہمی تنازعات شروع نہ ہو جائیں قلعہ کے دروازوں پر پابندیوں کی ایک پلٹن بٹھا دی۔ جنہیں یہ احکام دیئے گئے تھے۔ کہ وہ ایک قدم آگے نہ بڑھیں۔ اور نہ کسی اور طرح سے مداخلت ہی کریں۔ تاکہ کے ملازمین نے لڑھے بیمار بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی جب انہوں نے یہ خبر سنی تو برطانوی کمشنر کے نام جو شہر کے باہر رہا کرتا تھا۔ یہ پروگرام درخوارت لکھ کر بھیجی۔ جناب عالی کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میری لاش انگریزوں سے جھٹ کرے گی۔ کیا مجھے اطمینان دے سکتے ہیں کہ ساتھ مرنے کی بھی اجازت نہیں ہے؟

جب کمشنر کو یہ پیغام ملا۔ اس نے مسندت کے ساتھ پابندیوں کی پلٹن کو فوراً واپس بلا

لیا۔ اور بوڑھا شہنشاہ تنہا چھوڑ دیا گیا۔ (۱۲)

**کیا ایسری ہے کیا رہائی ہے؟** | رستم علی خواص اور غریبا وغیرہ ملازمان دلی عہد مرسوم نے تنخواہ نہ ملنے کی نالیش ایجنٹ بہادر سے

کی حضور والا کو اطلاع ملی تو نالیش کرنے والوں کو حوالہ میں بھیج دیا اور ایجنٹ بہادر کے نام تحریر بھیجی کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف جو عرضی آپ کو دی ہے وہ ہمارے ملا خطے کے لیے بھیج دیجئے۔ ایجنٹ بہادر کی جوابی تحریر آئی کہ حضور بالانے جو عرضی دینے والوں کو عرضی دینے

(۱۱) سرطامس مشکات کی ڈائری ص ۵۹

(۱۲) ذکاواللہ دہلوی دسی ایف اینڈریوز ص ۵۹



کے برم میں قید کر دیا ہے۔ ان کو چھوڑ دیا جاتے۔ یہ تحریر پڑھ کر صندور نے ان کو چھوڑ دیا۔ (۱۱)  
**بادشاہ کی بے وقربی** | یکم اگست ۱۸۴۵ء کو خاندان کے داروغہ نے آکر عرض کیا کہ شاہی  
 ملازم جب قند اور طکر لینے کے لیے شہر میں جاتے ہیں تو  
 چوٹی کے ملازم باز پرس کر کے پریشان کرتے ہیں۔ قلعہ دار کو حکم دیا گیا کہ چوٹی کے افسر کو چھٹی  
 لکھ دو کہ معافی کے پروانے موجود ہیں پھر یہ مزاحمت خواہ مخواہ کیوں کی جاتی ہے اس کا  
 انتظام ہوتا چاہیے۔ (۱۲)

۶ مارچ بادشاہ سلامت لال قلعے میں تشریف  
**ایجنٹ کی باز پرس بادشاہ سے** | فرمایا ہیں۔ ایجنٹ بہادر کا چہرہ اسی حاضر ہوا۔ یہ  
 عرض کیا صاحب ایجنٹ بہادر نے دریافت کیا ہے کہ ایجنٹ اور کپتان قلعہ کی اجازت  
 کے بغیر مستی کئی عیسائی قلعے کے اندر آیا تھا وہ کس طرح صندور میں بار یا بھید سکا۔ ایجنٹ کا  
 پیام سنکر صندور مالانے بابو سورج زائن سے کئی عیسائی کا حال معلوم کیا۔ اور ایجنٹ کے  
 چہرہ اسی کی زبانی جواب بھیجا کہ کئی عیسائی بابو سورج زائن کا ملازم ہے۔ بابو نے قلعہ کے  
 مکانوں کی سرکرائے کے لیے اسے بلایا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ سلامت نے اپنے نمائندہ  
 کی زبانی ایجنٹ کو کہلا بھیجا۔ اور بابو سورج زائن نے خود ایجنٹ کی کوٹھی پر جا کر کتلی کا حال کہہ  
 دیا۔ اور یہ بھی عرض کر دیا کہ اب عیسائی مذکور صندور مالانے کی ملازمت کا امیدوار ہے۔ ایجنٹ  
 بہادر نے کہا آئندہ کتلی قلعہ کے اندر آمد و رفت نہ رکھنے پڑے۔ بات یہ تھی کہ ولی عہد کے  
 متعلق جو انگیزی میں نوشتہ نمونہ ہوئی تھی۔ کتلی اس کو طول میں ڈالنا چاہتا تھا۔ (۱۳)

(۱) سرطاس مسکات کی ڈائری ص ۶۱

(۱۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۱۱

(۱۳) سرطاس مسکات کی ڈائری ص ۶۱

۲ جولائی ۱۸۵۷ء مرزا اسد اللہ خان غالب پر عدالت  
فوجداری میں جو مقدمہ دائر تھا اس کا فیصلہ سنایا

## بادشاہ غالب کو رہائی نہ کرا سکے

لیگا مرزا صاحب کو سچے سینے کی قید با مشقت اور دو سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی اور اگر وہ  
سورویہ ادا نہ کریں تو چھ ماہ قید میں اضافہ ہو جائے گا اور مقررہ جرمانہ کے علاوہ اگر ۵۰ روپیہ  
زیادہ ادا کر دیں تو مشقت معاف ہو سکتی ہے جو اس بات پر خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب  
عصر سے علیل ہیں سوائے پرہیزی غذا قلیہ چپاتی اور کوئی چیز نہیں کھاتے تو کہنا پڑتا ہے کہ  
اس قدر معیبت و مشقت کا برواشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے بلکہ ہلاکت  
کا اندیشہ ہے امید کی جاتی ہے کہ شش بج بہادر کی عدالت میں اپیل کی جائے اور اس مقدمہ  
پر نظر ثانی ہو تو نہ صرف یہ سزا موقوف ہو جائے بلکہ عدالت فوجداری سے مقدمہ اٹھا لیا  
جائے یہ بات عدل و انصاف کے بالکل خلاف ہے کہ ایسے باگدان رئیس کو جس کی عزت و  
حشت کا دیدار لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے معمولی سے جرم میں اتنی سخت سزا دی جائے  
جس سے جان جانے کا قوی احتمال ہے۔ ۱۱

کچھ عرصہ ہوا حضور بادشاہ سلامت نے انگریزی  
سرکار سے دو درخواستیں کیں تھیں تنخواہ بڑھا

## انگریز ایجنٹ کے لٹرائٹ

دی جائے۔ کیونکہ بادشاہ کی تنخواہ کم ہے خرچ پورا نہیں ہوتا۔ اور دوسری یہ کہ بادشاہ کے  
ذمہ جو قرضہ ہے وہ ادا کر دیا جائے۔

آج لفٹننٹ گورنر بہادر آگرہ نے ان درخواستوں کا حسب ذیل جواب بھیجا ہے۔ جس  
میں بات شرطیں لکھی ہیں۔ کہ اگر یہ شرطیں منظور کر لی جائیں تو حضور کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا  
جائے گا۔ اور قرض بھی ادا کر دیا جائے گا۔

۱۱، بہادر شاہ کا روزنامہ چہرہ ۱۵۴

پہلی شرط یہ ہے کہ حنفیہ والا کے اور شاہزادوں کے اور بیگمات کے اور تمام تیموری خاندان کے جس قدر دیہات لودہ جائیں، باغ اور کنوئیں اور مکانات ہیں سب انگریزی سرکار کے حوالے کر دیے جائیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو جائداد مذکورہ اشخاص انگریزی سرکار کے حوالہ کریں گے۔ تو وہ اگر کبھی حنفیہ والا واپس مانگیں گے تو وہ واپس نہ کی جائے گی۔ ایسی صورت میں حنفیہ کے ذمے تخمیناً چار لاکھ کا جو قرضہ ہے وہ انگریزی سرکار کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ حنفیہ والا نے اپنی ایک لاکھ روپیہ ماہوار کی تنخواہ میں سے اپنے شاہزادوں اور بیگمات اور خاندان والوں کی جو تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں اور جن میں حنفیہ والا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اس شرط سے منظور کیا جائے گا کہ جب وہ شخص مر جائے گا۔ جس کی کوئی تنخواہ تھی۔ اور جس پر اضافہ ہوا تھا۔ تو وہ تنخواہ اور اضافہ دونوں بحق سرکار انگریزی ضبط ہو جائیں گے۔ مرنے والے کے وارثوں کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ہر مہینے تیموریہ خاندان کی حیات و مات یعنی پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کا ایک نقشہ انگریزی سرکار میں بھیجنا ہوگا۔ تاکہ ہر شخص کی موت کے بعد اس کی تنخواہ ضبط کی جاسکے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ حنفیہ والا نے لکھا ہے کہ شاہ عالم اور اکبر شاہ اور بہادر شاہ کی اولاد کے علاوہ دوسرے شاہزادے قلعے کے اندر رہتے ہیں، اضافہ تنخواہ کے بعد ۵۰ شاہزادوں کو قلعے سے باہر کر دیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان سب لوگوں کو بھی قلعے سے نکال کر دیا جائے گا جو مذکورہ شاہزادوں کے علاوہ شاہ عالم سے پہلے بادشاہوں کی اولاد میں ہیں اور بکثرت قلعے کے اندر آباد تھے۔

بھیٹی شرط یہ ہے کہ شاہی خرچ سے قلعے کے اندر ایک انگریزی تعلیم کا اسکول جاری کرنا ہوگا۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ قلعہ کی عمارتوں کی مرمت اور تنخواہوں کی تقسیم آئندہ ایجنٹ بہادر

کی معرفت ہوا کرے گی۔

ایجنٹ بہادر نے گورنر بہادر کے اس شرائط نامہ کی نقل اپنے آفس میں رکھ لی۔ اور اصل خط کا لفظ اپنی تحریر کے ساتھ حضور والا کی خدمت میں بھیج دیا۔ (روزنامہ فہرست لکھا ہے کہ افواہ ہے کہ حضور والا کو شرائط مذکور منظور نہیں ہیں۔ دیکھئے آئندہ کیا جواب دیا جاتا ہے) (۱۱)

۲۰ اکتوبر ۱۸۵۷ء بادشاہ سلامت بیروت فریج اور فکار کی غرض سے **بادشاہ سے گستاخی** دریاے جہنا کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ آتے جاتے وقت ملازمان شاہی کے ساتھ پل کے پیرداروں نے روک ٹوک کی اس لیے بادشاہ سلامت نے قلعہ کے پیردار کے نام یہ حکم جاری کیا کہ ملازمین شاہی کے ساتھ یہ طرز عمل بالکل نامناسب ہے، متعلقہ افسر کو لکھ دیا جائے کہ وہ عملہ کے ماتحت لوگوں کو ہدایت کر دے کہ آئندہ بادشاہ سلامت کے آدمیوں کے ساتھ پل پر آتے جاتے وقت مزاحمت نہ کی جائے۔ (۱۲)

حضور بادشاہ سلامت لال قلعہ میں رونق افروز ہیں۔ بارگاہ جہاں **بہادر شاہ اور انگریز** پناہ میں ایجنٹ بہادر کا ایک عریضہ اس مضمون کا پیش ہوا کہ فیروز پور پنجاب سے گورنر جنرل بہادر کا مراسلہ آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ۴ مارچ کو راجہ شیر سنگھ اور سردار پتھر سنگھ اور ۳۷ اور سرداروں اور سولہ ہزار سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اور اپنا توپ خانہ اور میگزین بھی سرکار کے حوالہ کر دیا۔ اور خود بھی انگریزی سرکار کے پاس حاضر ہو گئے۔ لکھتے انگریز عورت مرد مکھوں کی قید میں تھے وہ بھی سب رہا ہو کر سرکاری کیمپ میں آ گئے۔

(۱۱) سراسر مشکات کی ڈائری ص ۹۵

(۱۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ص ۸۴



لہذا اس فتح کی خوشی میں اکیس اکیس توپوں کی سلامی ہر چھاؤنی میں ہونی چاہئے۔  
 حضور جہاں پناہ نے گورنر جنرل کا مذکورہ مراسلہ سننے کے بعد حکم دیا ہمارے توپ خانہ سے  
 بھی اکیس توپوں کی سلامی ہونی چاہئے۔ چنانچہ فوراً حکم شاہی کی تعمیل کی گئی۔ (۱)

**بناوٹ اور تصحیح** | صاحب کلاں بہادر سلامی کے لیے حاضر ہوئے اور علاقہ ضلع جنوبی  
 کے دورہ کی اجازت طلب کی اجازت مرحمت کی گئی۔ (۲)

دیکھا ٹانگ کے تماشے ہوتے تھے ریڈیو صاحب بہادر گویا ایسے مابعدار تھے کہ دورہ  
 بھی بادشاہ کی اجازت لے کر کرتے تھے یہ سب بادشاہ کے دل خوش کرنے اور اندر ہی اندر  
 اپنا اقتدار بڑھاتے رہنے کی حکمتیں تھیں۔ (۳)

**تساہی گزٹ** | حضرت محمد ابو ظفر بہادر شاہ نے جن شرائط پر انگریزوں سے اپنے قرضے  
 کی ادائیگی اور تنخواہوں کے امانتے منظور کیے ہیں وہ اوپر بیان ہو چکی  
 ہیں۔ اس لیے آج حکم ہوا ہے کہ عوام رعایا کی اطلاع کے لیے سرکاری اخبار (مرجز الاخبار) میں  
 یہ اعلان شائع کر دیا جائے۔

۱۔ حضور بادشاہ سلامت نے اپنی جیب خاص کے خرچ کے لیے پانچ ہزار روپیہ مہوار  
 منظور فرمائے ہیں۔

۲۔ جو کچھ بادشاہ سلامت اور ان کے خاص ملازمین کے ذمے قرض ہے۔ اس قرض کو  
 ایجنٹ بہادر کے ذریعہ انگریزی سرکار تمام وکال ادا کر دے گی۔

۳۔ سابقہ تجویز ادا لیا بن پور ٹوکے مطابق انگریزی سرکار نے تساہی تنخواہ میں جس کی مقدار  
 ایک لاکھ مہوار ہے۔ منظور کیا ہے کہ بیچا اس ہزار پانچ سو ستر روپیہ مہوار اس تنخواہ میں

(۱) سرطاس مشکات کی ڈگری ص ۱۰۶

(۲) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۳۱

امناذ کیا جائے۔ مگر اس امناذ سے پہلے قلعہ کی مرمت کی جائے گی۔

۴۔ جو شاہزادے موجودہ بادشاہ کی اولاد نہیں ہیں۔ سلاطین سابق کی اولاد ہیں۔ اور موجودہ بادشاہ کے قریبی قرابت دار بھی ہیں۔ اور قلعہ کے اندر آباد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں بھی سرکار انگریزی امناذ کرے گی اور ان کو قلعہ کے اندر آباد ہونے کی اجازت دے گی۔ اور جو شاہزادے قلعہ کے باہر رہتے ہیں اور موجودہ بادشاہ سے دور کی قرابت رکھتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں بھی امناذ کیا جائے گا۔

۵۔ موجودہ بادشاہ کی اولاد اور ان کے والد اکبر شاہ کی اولاد اور ان کے دادا شاہ عالم کی اولاد قریبی قرابت دار مانے جائیں گے۔ اور ان تین بادشاہوں سے اوپر کے بادشاہوں کی اولاد کو دور کا ورتدار تصور کیا جائے گا۔

۶۔ جو دیہات شاہی ملکیت مانے جاتے ہیں۔ وہ سب انگریزی سرکار کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

۷۔ ایسے سب دیہات کا نقشہ اور بادشاہ کے قریبی قرابت داروں کا نقشہ حکومت انگریزی کو بھیجا جائے گا۔

بادشاہ کی منظوری کے بعد مسٹریٹ نے چند بار قلعہ کے اندر آکر مرمت طلب مکانوں کو دیکھا۔ اور تجویز ہوئی کہ شاہجہانی عمارتیں تو رکھی جائیں گی۔ باقی پینک اور شاہزادوں کے جو مکان قلعہ کے اندر ہیں ان کو بالکل گرا دیا جائے گا۔ اور از سر نو پارک، میدان، بازار، سو من نہر اور کوٹھیوں وغیرہ کی تعمیر اس طرح کی جائے گی کہ قلعہ کا ہر باشندہ قلعہ کے اندر ہی تجارت وغیرہ سے ہزاروں روپیہ پیدا کر سکے گا۔

اس وقت انگریزی خزانے سے قلعہ کے اندر تنخواہ کے ایک لاکھ روپے آتے ہیں۔ آئندہ سوا لاکھ آیا کریں گے۔ (۱)

(۱) سر ملٹن مٹکات کی ڈائری ص ۱۲۷

## خلافت متانوں

۲۶ مارچ ۱۸۳۳ء ماہ مارچ کی ابتدائی تاریخوں میں بادشاہ سلامت

نے تاج محمد دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ریڈیٹنٹ بہادر کے پاس جاؤ

اور ہماری طرف سے کہو کہ آج ظہر کے وقت حضور انور قطب صاحب کی درگاہ میں تشریف لے جائیں گے اور عین گھڑی رات گزرنے پر قلعہ معلیٰ میں واپس تشریف لائیں گے ہمارے آتے جاتے وقت پناہیوں کی کہپنی اور توپ خانہ کا انتظام ہونا چاہیے۔ تاج محمد نے حضور انور کی طرف سے یہ پیغام ریڈیٹنٹ بہادر کے پاس پہنچا دیا انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات خلافت قانون ہے۔ کہ عین گھڑی رات گزرنے کے بعد پناہیوں کو کمر بستہ حاضر ہونے کا حکم دیا جائے تاج محمد نے جب یہ خبر پیگاہ خسروی میں بیان کی تو حکم ہوا کہ جاؤ ریڈیٹنٹ سے جا کر کہو کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو خلافت قانون ہو حضرت والد مرحوم کے وقت میں ہمیشہ کہپنی کے پناہی رات کو کمر باندھ کر حاضر ہوا کرتے تھے اور دربان نے پھر ریڈیٹنٹ بہادر کے پاس جا کر فرمان شاہی پہنچا یا ریڈیٹنٹ نے کہا اچھا فرمان شاہی کی تعمیل کی جائے گی (۱)

سرشتے کے ذریعہ شاہی قرض کے متعلق شاہی ملازموں سے اور قرض خواہوں

## خود داری

سے تحقیقات ہو رہی ہیں کہ کس کا کتنا روپیہ ہے کب لیا گیا؟ کس کا کس کے لیے

لیا گیا؟ کس کی معرفت لیا گیا؟ تمہک اور رسیدیں کہاں ہیں؟

بادشاہ کو اس قسم کی خوردہ گیری اور موشگافی پسند نہیں ہے۔ اس لیے حضور دالا

نے صاحب ایجنٹ کو سورج نراتن کے ہاتھ خط بھیجا ہے کہ مابدولت نے بخوبی قرضے کی تحقیقات

کر لی ہے۔ اور نتیجہ کے بعد تمہک دیتے ہیں۔ تمہک کے مطابق زر قرض ادا کر دیا جائے۔ جس طرح

موشگافیاں ہو رہی ہیں ایسی خوردہ گیریوں سے ملازمان شاہی کی بدنامی ہے۔ اور بدنامی کے ساتھ

ہم کو زامنا لینا منظور ہے اور زر قرض ادا کرنا۔ (۲)

(۱) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۱۱۲

(۲) سرطاس مشکات کی ڈواری ص ۱۳۴

۱۲ جولائی ۱۸۶۱ء میں اس سے جو شخص آیا تھا اس نے مرزا الہی  
انگریزوں سے پیمانہ وفاق

بخش بہادر سلاطین کی معرفت ایک عرضی اور دو اشرفی کا  
مذرانہ پیش کیا اور ظاہر ہوا کہ سائل کو صاحب کلاں بہادر کی معرفت درخواست پیش کرنی چاہئے  
مٹی۔ باہر کے رہنے والوں میں سے کسی کی درخواست بغیر صاحب کلاں بہادر کی وساطت کے  
مقبول و مسموع نہیں ہو سکتی ہے ہمارا یہ مقررہ قاعدہ ہے اور اس کی خلاف ورزی بغیر کسی  
اشد ضرورت کے دشوار ہے۔ (۱۱)

صاحب ایجنٹ کی تحریر آئی کہ حافظ داؤد نے اپنے بیان میں کہا تھا ہی حکم  
بادشاہ کی مٹکی

حکیم احسن اللہ خان کو دیتے تھے۔ مرزا جلال الدین نے لکھا کہ شہزادے فخر الدین کی سرکار کی  
مختار کاری کے زمانے کے میرے پانچ ہزار کچھ سو روپے باقی ہیں۔ اس لیے حکیم احسن اللہ خان  
اور حافظ داؤد اور محبوب علی وغیرہ کو یہاں بھیج دیا جائے۔ اس پر سورج ناتھ نے کہا کہ شاہی  
اہلکاروں کے آنے میں بادشاہ کی بدنامی ہے۔ اور حسد والا کہ اپنی بدنامی منظور نہیں ہے۔  
صاحب ایجنٹ نے کہا چھ حکم حسد والا کے اچھے ہیں کہ گورنمنٹ کو جس طرح منظور ہو شاہی قفسہ  
کو معلوم کر کے بیباق کر دیا جائے۔ اور لفٹنٹ گورنر کے حکم کا بھی یہی غٹا ہے۔ جس وقت  
تک قفسہ کی کیفیت واضح نہ ہو جائے گی رقم قرضہ ادا نہیں کی جا سکتی۔ اب لفٹنٹ گورنر  
کو دوبارہ رپورٹ کی جائے گی۔ اور جواب آنے تک ساری تحقیقات ملتوی رہے گی۔ اگر شاہی  
اہلکار یہاں بیان دینے آتے ہیں۔ تو ان کو میٹھنے کے لیے چوکی دی جاتی ہے۔ اس میں بدنامی  
کون سی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ملازموں نے بادشاہ کو درخشا ہے۔ جس معنوں کی تحریریں میرے  
پاس بھی گئی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفٹنٹ گورنر کے نام اسی معنوں کی تحریر لکھ دی

۱۱۔ بہادر شاہ کا دروازہ صحت



جاتے۔ میں اپنی رپورٹ کے ساتھ شاہی تحریر بھی بھیج دوں گا۔ (۱)

۲۹ جون ۱۸۵۷ء اب سے پہلے جہاں پناہ بادشاہ دہلی رنڈنٹ دہلی کو  
**”فرزند ارجمند“** اس خطاب سے یاد کرتے تھے۔

”فرزند ارجمند سلطانی معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خان طامس تہیانس شکاف  
 بہادر فیروز جنگ“ آج ارشاد عالی ہوا چونکہ انہوں نے قلعہ کی مرمت و درستی کا انتظام کر دیا  
 ہے شاہی دیہات کے انتظام و انصرام اور بعض دوسرے کاموں کے سرانجام دینے میں ابید  
 سے زیادہ کوشش کی ہے اس لیے ان سے بہت زیادہ خوشنود ہوا اس کے بعد حکیم احسن  
 اللہ خان کی طرف خطاب کر کے فرمایا مجھے صاحب کلاں معظم الدولہ کی خبر خواہی اور ہمدردی سے  
 بہت خوشی حاصل ہوئی اس لیے دفتر خانہ میں حکم دے دیا جاتے کہ ان کے پورے القاب  
 کے ساتھ ”فرزند ارجمند بجان پیوند سلطانی“ بھی ضرور لکھا جائے اب سارے القاب کی صورت  
 یہ ہوئی۔

”فرزند ارجمند بجان پیوند سلطانی معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خان طامس  
 تہیانس شکاف بہادر فیروز جنگ“ لیکن خاکسار ایڈیٹر احسن الاخبار اپنے ناظرین کی خدمت  
 میں عرض گزار ہے کہ اتنا لمبا چوڑا القاب لکھنے سے طوالت ہوتی ہے اور بعض لوگ پڑھتے  
 ہوئے گھبراتے ہیں اور شکایت لکھ کر بھیجتے ہیں اس لیے لوگوں کو سمجھانے کے لیے ان کا نام  
 نامی صرف نواب معظم الدولہ بہادر دام القبالہ تحریر کیا جائے گا ناظرین نوٹ کریں اس اختصار  
 میں کام نکل جائے گا اور ناظرین کا فضول وقت ضائع نہ ہوگا۔ (۲)

اعلیٰ سہرت قلعے میں تشریف فرما ہیں۔ قطب صاحب میں پیام  
**”خلافت تہان“** کے وقت حضور والا نے دربان کی زبانی ایجنٹ کو اطلاع کر دیا

(۱) سرطامس شکاف کی ڈائری ص ۱۳۴

(۲) بہادر شاہ کا معزز ناچہ ص ۱۱

کھتی۔ کہ ماہدولت دو گھنٹی دن رہے قلعہ مسئلہ پہنچ جائیں گے۔ سلامی کے لیے توپ خانہ امد  
انگریزی کپنی بھیج دی جاتے۔ حسب الحکم مقرر وقت پر کپنی امد توپ خانہ قلعے کے باہر پہنچ  
گیا۔ مگر حضور والا کی سواری دو پہر رات گئے سے قلعہ میں آئی۔ سخت گرمی اور تاریکی تھی  
پاہیوں کو غیر معمولی انتظار کے سبب بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ پھاؤنی کے کمان افسر  
نے پاہیوں کی تکلیف کی اطلاع صاحب ایجنٹ کو دی۔ امد ایجنٹ نے شاہی خدمت میں  
عرینہ بیجا کہ فرج کو اتنی تکلیف دینی حضور کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ حضور والا نے  
جواب میں فرمایا۔ بہتر ہے۔ (۱)

**اختصاص یارخاں** ۳ مارچ ۱۸۴۳ء نواب فتح اللہ قاب امین الملک اختصاص یارخاں  
طاس تہیا فلس مسکات صاحب بہادر فیروز جنگ فرزند ارجمند  
سلطانی کی عرضی حضور النور کی نظر سے گزری کہ جو کاغذ حضور نے عنایت فرمایا تھا وہ صدر  
دفتر میں روانہ کر دیا گیا۔ (۲)

**انگریز ایجنٹ کی آمد قلعہ میں** ۳ جولائی ۱۸۴۹ء سر شنبہ دہلی :-  
بہم نے قلعہ صاحب میں پھولوں والوں کے میلے  
کی بیس تاریخ مقرر کر دی ہے۔ ۲ جولائی سے گل فروشوں کا میلہ ہوگا۔ ہمارا ارادہ خود بھی قلعہ  
صاحب جانے کا بلکہ چند ماہ قیام کرنے کا ہے۔ آپ کے دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ کسی وقت  
تشریف لے آئیے تو مناسب ہے۔ اور حسب معمول سلامی کا بھی انتظام کر دیجئے۔  
شاہی دکن نے واپس آکر عرض کیا۔ صاحب ایجنٹ دو پہر کو حاضر خدمت ہوں گے  
بادشاہ سلامت نے حکم دیا ولی عہد مرحوم کے زمانے کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔ ایسا

(۱) سر طاس مسکات کی ڈائری ص ۱۲۹

(۲) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۳

نہ ہو کر ایجنٹ کے آنے کے وقت دلی عہد کے متعلقین کچھ واویلہ چھپائیں۔ مقدری دیر کے بعد صاحب ایجنٹ کپتان تلمع کے ساتھ آگئے۔ بابو سورج ناتھ نے استقبال کیا۔ چوہدریوں نے بلند آواز سے کہا۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت دونوں طرف سے مزاج پرسی ہوئی۔ شاہی وکیل نے بادشاہ کی طرف سے کہا، دلی عہد مرحوم کے لواحقین اپنی پرورش کے لیے کچھ واویلہ چھپائی چاہتے تھے اس لیے ہم نے تمام بیگیاں کی ٹویڑھیاں بند کرا دیں۔ صاحب ایجنٹ نے جواب دیا۔ اس کے متعلق میں نے گورنر آفس کو لکھا ہے۔ حنفیر والانے فرمایا دلی عہد کے متعلق کیا جواب آیا۔ ایجنٹ نے کہا ابھی کوئی حکم نہیں آیا۔ جس وقت آنے کا فوراً خدمت عالی میں عرض کروں گا۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ ایجنٹ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ (۱)

۱۷ جولائی ۱۸۴۶ء دفتر میں شاہی حکم نافذ ہوا کہ  
**ہر کام ایجنٹ کے مشورے سے** | ہر کام نواب معظم الدولہ بہادر کے مشورے اور رستے

سے کیا جائے اور کسی صورت میں کسی دفتر کے آدمی سے ایسا فعل سرزد نہ ہو جو نواب معظم الدولہ کی نائنوٹی کا باعث ہو اور تمام معاملات کو اس خوبی و عمدگی سے انجام دیا جائے کہ رعایا میں سے بھی کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے اور اراکین سلطنت اور سلطنت کا مفاد بھی ہر نظر رہے۔ (۲)

۱۲ اگست ۱۸۴۹ء شنبہ دہلی :-

**انگریز کا ادب**

اعلیٰ حضرت قطب صاحب میں تشریف فرما ہیں۔

تہنکٹورہ باغ کے مقدمہ کے معارف کے چار سو سات روپے ایجنٹ کی استدعا کے موافق اعلیٰ حضرت نے ایجنٹ آفس کو بھیج دیے۔ صاحب ایجنٹ نے ہیرالڈ دیں کو مختصراً کے دو سو تیس روپے دے دیے۔

(۱) سرطامس مشکات کی ڈائری صفحہ ۱۰۹

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ مچر صفحہ ۶

صاحب مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ شاہی ہاتھی اگر کسی غمی، یا میلے، یا شادی وغیرہ میں جائیں تو ذیل بان بنایت ہو شکاری سے ان کو لے جائیں۔ پبلک کو نقصان نہ پہنچے۔ صاحب ایجنٹ نے اپنے عریفندہ کے ساتھ مجسٹریٹ کی تحریر کی نقل شاہی خدمت میں بھیج دی۔ اعلیٰ حضرت نے مجسٹریٹ کی تحریر کے موافق ذیل خانے کے داروغہ کو تاکید کر دی اور حکم دے دیا کہ اگر کسی ہاتھی کے سامنے راستے میں کبھی انگریز کی سواری آجائے۔ تو ذیل بان ہاتھی کو علیحدہ کر لے۔ (۱)

حضور والا نے اخبار حکومت انگریزی کا اعلان ملاحظہ فرمایا

### انگریزی انتظام کی تعریف

کریکس دینے میں گونا گوں فائدے ہیں راستوں میں کوڑا کرکٹ نہ رہے گا۔ سڑکوں اور گلی کوچوں کی صفائی ہو جائے گی۔ تالابوں میں پانی اور کوڑا نہ مڑے گا۔ شہر میں روشنی ہوگی۔ بازار کی حفاظت ہوتی رہے گی۔ شہر میں بیماری نہیں پھیلے گی سب تندرست ہوں گے۔ کھیت سے دہلی تک اور دہلی سے لگتے تک ہر قسم کی درآمد برآمد پچاس گھنٹے میں ہوتی رہے گی اس لیے پبلک کو آپس میں چندہ کر کے گورنمنٹ سے پی۔ ڈبلیو ڈی کے لیے درخواست کرنی چاہیے۔ سرکار پبلک کی خواہش پوری کرے گی۔ گورنمنٹ کے پیش نظر رواج عام ہے اعلیٰ حضرت نے خبر پڑھ کر فرمایا یہ تمام باتیں پبلک کے اُسام کی ہیں۔ انگریزی سرکار نے سڑکوں کی تیاری۔ گلی کوچوں کی صفائی۔ نعین کی درستی۔ اور فیض نہر کا پانی لانے کی بہت کوشش کی ہے۔ مخلوق خدا کو بہت آسائش ہوگی۔ (۲)

صاحب ایجنٹ نے شاہی فائدے سے فرمایا حضور

### ملکہ کو چھوٹی بہن نہ لکھیے

والا نے اپنے خط میں ملکہ معظمہ کو چھوٹی بہن کا القاب

(۱) سرطامس مشکات کی ڈائری ص ۲۱۱

(۲) سرطامس مشکات کی ڈائری ص ۲۵۴



لکھا ہے آپ حضور سے عرض کر دیں کہ ملکہ محترمہ کو بڑی بہن کا القاب لکھیں ہیں انگلستان کو خط بھیج دوں گا شاہی نمائند  
نے خدمتِ دالامیں حاضر ہو کر صاحبِ ایجنٹ کا پیغام عرض کر دیا اور لوٹ کر صاحبِ ایجنٹ سے بادشاہ کی  
طرف سے کہا سابق ملکہ انگلستان نے بادشاہ جلال الدین اکبر کو بڑے بھائی کا القاب لکھا  
تھا اس لیے میں نے موجودہ ملکہ کو پھوٹی بہن کا القاب لکھا صاحبِ ایجنٹ نے فرمایا حضورؐ  
نے خط کے ساتھ مرزا جوان بخت کے پنجے کا نشان بھی بھیجا ہے۔ درحقیقت اس سے  
کوئی فائدہ نہیں مرزا جوان بخت ولی عہد نہیں ہو سکتے۔ ولی عہد ہونے کا حق مرزا فخر الدین  
کا ہے۔ (۱۱)

حضرت دیرینہ "اعلیٰ حضرت نے انگریزی اور فارسی میں ایک خط گورنر جنرل کو بھیجا  
کہ عید اور نوروز اور خوشی کی تقریبات پر بادشاہ کا اندر میں لینا  
ہمیشہ کا دستور تھا۔ لارڈ ایلنبرائن نے اس کی مخالفت کر دی۔ اس وقت سے اندر میں لینا بند  
کر دی گئیں۔ آپ اگر دستورِ قدیم کے مطابق بند شدہ سند پھر جاری کر دیں گے تو بہتر ہوگا۔"  
رتنی رتنی کی خبر انگریزوں کو "حضورؐ والانے ساڑھے تین روپے کا ایک دوپٹہ  
تاج محل بیگم کو عطا فرمایا۔ (۱۲)

بادشاہ لاہور اب ہو گئے "۲۳ اکتوبر ۱۸۵۷ء سرسبز دہلی :-  
بادشاہ مدظلہ آرا باغ میں :- اعلیٰ حضرت مع بیگم  
کے مدظلہ آرا باغ میں تشریف فرما ہیں۔

حضورؐ والانے ایجنٹ کو روپکار بھیجا کہ مابعدولت مع بیگم کے باغ میں فروکش ہیں

۱۔ سلاطین شکامت کی ڈائری ص ۲۴

۲۔ سلاطین شکامت کی ڈائری ص ۲۶

۳۔ سلاطین شکامت کی ڈائری ص ۲۶

اس لیے باغ کے داروغہ کو حکم دے دیا جاتے کہ باغ کی حفاظت اور ہنگامی کے لیے مالیوں کی جگہ ان کی عورتوں کو تعینات کر دے۔ صاحب ایجنٹ نے جواب بھیجا۔ کہ حکم کے مطابق میں نے داروغہ کو لکھا تھا مگر اس نے جواب دیا کہ باغ کا ٹیکیدار ملک دھرمی اس بات کو منظور نہیں کرتا۔ حضور والا نے ایجنٹ کی عرضداشت ملاحظہ فرمائی۔ اور خاموش ہو گئے باغبانوں نے ڈالی پیش کی۔ (۱)

**گورنر جنرل خفا ہو گئے** بادشاہ دہلی کو منٹ پر اپنے افاضہ متخاۃ کا سخت تقاضہ کرتا تھا آخر کو یہاں تک تنگ ہوا کہ بغیر گورنر جنرل کے حکم راجہ رام موہن رائے کو اپنا وکیل مختار بنا کر ولایت بھیجا گورنر جنرل کا حکم ان کی وکالت کے لیے تھا اس لیے وہ مختار شاہی انگلستان میں بھی گیا گورنر جنرل ایسا ناراض بادشاہ سے ہوا کہ جب اضلاع بالا میں دورہ کرتا ہوا دہلی میں آیا تو بادشاہ سے بغیر ملاقات کئے پہاڑ پر چلا گیا بادشاہ کی پیش کا کچھ افاضہ اس شرط سے منظور ہوا تھا کہ وہ اس تک سے دست بردار ہو جواب تک اس کے نام سے چلا جاتا تھا مگر اس شرط کے منظور کرنے میں اس کو تامل ہوا اس لیے افاضہ ہی نہ ہوا رام موہن رائے کا نام ہم نے اوپر لیا ہے اگر اس حق پر وہ اور حقیقت گوئی کا تقوڑا سا بھی حال نہ لکھیں تو ہم اپنی تاریخ کا حق تلف کریں گے اس لیے مختصر ان کا مذکرہ لکھتے ہیں۔

یہ ستودہ صفات قوم کا برہمن تھا اور ایک شریف خاندان میں ۱۸۶۸ء میں برہمنوں میں پیدا ہوا تھا اس کے باپ دادا نواب بنگال کی عمدہ حد میں رکھتے تھے اس لیے انہوں نے فارسی عربی زبانوں کی تعلیم پائی اور بہت خود غرضی سے قرآن شریف سے استفادہ کیا۔ جس سے اس کے دل میں توحید الہی کا ہوش اٹھا بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی وہ انگریز

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری صفحہ ۲۸۲

سرکار کے نوکر ہوتے اور بددیوبختی ترقی پاتے گئے مسکرت اور انگریزی زبان میں استاد بہم پہنچائی پھر ۱۸۳۸ء میں ترک ملازمت کر کے لکنتہ میں سکونت اختیار کی خدا پرست اور مومند کامل ہو کر اپنے مذہب کے حاملوں کو آخرت کے نفع کا رستہ یوں بتاتا شروع کیا کہ دید اور دیدانت کو مسکرت اور بنگالی اور انگریزی میں پھرایا اور اس میں یہ بتلایا کہ ہندوستان کے عقیقے کی بنیاد تو قید پر ہوئی ہے اور ایسے خاطر پسند کلام شروع کیے کہ اعلیٰ درجہ کے ہندو دولت مند تسلیم یافتہ اُس کے پیٹے بن گئے غرض اس خدا پرست نے اپنی صفائی قلب سے ہزاروں دلوں سے رنگ بت پرستی کو مٹایا اور فقط درجہ زدہ گری علم اور آموزش و دانش کے واسطے انگلستان کی سرکار اراہہ کیا اور بادشاہ کی مختاری کا عہدہ قبول کیا ۱۸۳۳ء میں دلالت پہنچا یہاں کے جو ہر فاسق کو اپنے جوہر ریافت ایسے دکھاتے کہ بڑے بڑے آدمی وہاں اس غریب الوطن کے دوست ہو گئے افسوس یہ ہے کہ حقیقت شناس وہاں سے زندہ نہ آسکا برٹولی میں ۱۸۴۳ء میں روح مقدس ان کی جنت کو رخصت ہوئی اگر وہ یہاں زندہ آتا تو اپنے ہم وطنوں کے واسطے ارمغان دانش ایسا لاتا کہ صفائی باطن اور پاکی ظاہر کے خزانوں کا منہ کھل جاتا۔ (۱)

”توروں نے اپنے دل بہلانے کے لیے لاہوری دروازہ پر  
**بہادر شاہ کی تذلیل**  
 بہادر شاہ کی ایک تصویر بنائی تھی جس کے گلے میں پھانسی ڈالی  
 تھی۔ غرض بادشاہ کی تذلیل کی کوئی حد باقی نہ تھی۔ مگر زندگی باقی تھی۔ ایک سرکاری افسر نے  
 بادشاہ کی تعظیم کے لیے اپنے سر پر سے ٹوپی اتاری تو اس پر انگریزی اجباروں نے لعن طعن  
 کا مار بامدھ دیا۔ (۲)

(۱) تاریخ ہند و عہد سلطنت انگلشیہ از ذکاؤ اللہ ص ۴۸۲

(۲) تاریخ عروج عہد انگلشیہ از ذکاؤ اللہ ص ۴۸۲

# دلی عہدی کی کشمکش

بہادر شاہ اور انگریزوں کے تعلقات کی تلخی میں سب سے زیادہ جو چیز مہم و معاون ہوئی وہ بھی دلی عہدی کی کشمکش تھی، انگریزوں نے پوری رغبت اور کبر و نخوت کے ساتھ، بادشاہ کا نامزد ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا، وہ بہادر شاہ کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ شاہ شہر نج سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، وہ کسی معاملہ میں، حتیٰ کہ اپنا دلی عہد، اور جانشین منتخب کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے اور کوئی شبہ نہیں بہادر شاہ نے یہ حقیقت محسوس کر لی، یہ باور کر لیا کہ اب وہ برائے نام بادشاہ بھی نہیں ہیں، انگریزوں نے صرف، ملک کے مالک بن چکے ہیں بلکہ لال قلعہ کی چھوٹی سی دنیا بھی ان کے تصرف میں ہے، اور اس چھوٹی سی دنیا کا سلطان بھی ان کے زیر نگین ہے، اور اس سلطان کی ہر آرزو اور تمنا پر بھی، فرنگی استبداد اور قہرمانیت کا کڑا چیل رہا ہے۔

اس کشمکش کی داستان بہت طویل ہے، لیکن اس طویل داستان کو مختصر کر کے ہم بیان کرتے ہیں : —

**نئے دلی عہد کا جلوس** دلی عہد مرحوم کے اصطلح کے گھوڑوں کا ملاحظہ فرمایا۔ دلی عہد مرحوم کے چودہ لڑکوں یعنی مرزا کالے۔ مرزا الہو

مرزا جھپو، اور احمد وغیرہ کو ایک ایک گھوڑا سواری کے لیے عنایت فرمایا۔

عرض کیا گیا شاہزادہ مرزا ہواں بخت درگاہ قدم شریف کو جائیں گے۔ زیرت محل کے کہنے کے بموجب دلی عہدی کے جلوس کا سامان پچاس سو اداہ ہار شاہی نشان مقرر فرما دیے۔



لہذا احمد علی خاں کو طلب فرما کر کچھ سمجھا کر ایجنٹ بہادر کے پاس بھیج دیا۔ (۱۱)

**خاندانی چیمپکس** | کسی نے حضور سے عرض کیا۔ ولی عہد مرحوم کا جو سامان کرے کے اندر مقفل تھا۔ ولی عہد مرحوم کے لڑکوں نے دوسری کبھی سے قفل کھول کر

سب سامان نکال لیا۔ حضور خاندان نے یہ خبر سن کر آدمی بھیج کر لڑکوں کے مکان سے سب سامان منگوا لیا۔ لڑکوں نے عرضی دی کہ سامان ہمارے والد کا تھا۔ حضور نے کیوں اٹھلا کر منگوا لیا؟

**خاندانی کشمکش** | بادشاہ سلامت نے اپنے مرحوم ولی عہد کے لڑکوں سے منگوہ فرمایا کہ تم نے اپنی تنخواہ کے لیے ایجنٹ سے ہماری شکایت کی۔ حالانکہ ہم خود تمہاری تنخواہیں مقرر کرانے کے لیے کوشش کر رہے تھے اور ہم نے ایجنٹ کو لکھ دیا تھا کہ مابعد دولت ہمیشہ تمہاری پرورش کرتے ہیں۔ (۱۲)

**ایجنٹ کی بشارت** | صاحب ایجنٹ شہزادے فخر الدین کے مکان پر گئے تھے۔ ولی عہد کی تنخواہ کا تذکرہ آیا۔ تو ایجنٹ نے کہا ولی عہد کے تقریباً

ایک ہزار پان سو بیس روپیہ ولی عہد کی تنخواہ ولی عہد مرحوم کے لواحقین کو ملتی رہے گی۔ ولی عہد نے کہا آپ کو حق ہے مگر بادشاہ سلامت آپ کو ولی عہد بنانا نہیں چاہتے۔ تاہم اگر آئندہ کسی کو ولی عہد ملے گی تو انکے ان سے آپ کو ملے گی۔ (۱۳)

**نیا ولی عہد** | اطلاع ملی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے انگریزی گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر اپنی طرف سے مرزا جواں بخت کو ولی عہد مقرر فرما دیا ہے لہذا احکام بھی جاری

(۱۱) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۴۲

(۱۲) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۶۸

(۱۳) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۹

(۱۴) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۱۲۴

کر دینے ہیں۔ دلی عہد کو ٹوپی اور جلوس بھی عنایت فرما دیا ہے ۱۱

**سازش** اعلیٰ حضرت کو اطلاع ملی کہ کپتان قلعہ شاہزادہ مرزا فخرالدین کے پاس گئے تھے اور شاہزادے صاحب نے دلی عہد کے متعلق ان سے کچھ مذکرہ کیا تھا۔ یہ خبر سن کر حضرت صاحب بہت تانخوش ہوئے۔ شاہزادے کو سخت سست کہا۔ اور کہا نالائق انگریزوں سے دلی عہد کی بابت خفیہ ساز با ذکر کرتا ہے۔ شاہزادہ مرزا فخرالدین کو بادشاہ کی طرف سے خطوط میں قرۃ العین لکھا جاتا تھا۔ حضور نے ناراض ہو کر خطاب مذکور موقوف کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ آئندہ دوسرے شاہزادوں کی طرح مرزا فخرالدین کو بھی یہ خود درکار کا مٹا رکھا جائے۔ اور تقاریر کے عینے کو فرمان بھیج دیا۔ کہ مرزا فخرالدین کے پاس آمدورفت نہ رکھیں۔ صرف دفتری ڈیوٹی انجام دیتے رہیں۔ (۱۲)

**ملکہ وکٹوریہ کے نام خط** بادشاہ نے مرزا جوان بخت کی دلی عہد کے متعلق فارسی اور انگریزی میں ایک خط ملکہ معظّمہ کو انگلستان بھیجا، اور مرزا جوان بخت کے پہنچنے کا نشان بھی روانہ کر دیا اور لکھ دیا یہ ہاتھ میں ملکہ کے ہاتھ میں دیتا ہوں، اور دستگیری کی امید رکھتا ہوں۔ (۱۳)

**جوان بخت کا جلوس** اعلیٰ حضرت قطب صاحب کے محل میں رونق افروز ہیں اطلاع ملی کہ شاہزادہ جوان بخت بڑی شان و شوکت اور شامانہ جلوس کے ساتھ جامع مسجد کو حیمۃ الدواع کی نماز پڑھنے گئے، یہ کم سنی اور شامانہ جلوس، اور بزرگانہ وقار راستے میں جو دیکھتا تھا خوش ہوتا تھا، (۱۴)

(۱) سرطاس مشکات کی ڈاڑی صفحہ ۲۱

(۲) سرطاس مشکات کی ڈاڑی صفحہ ۲۵

(۳) سرطاس مشکات کی ڈاڑی صفحہ ۲۳

(۴) سرطاس مشکات کی ڈاڑی صفحہ ۲۲

شاہشاہ میں لارڈ صاحب نے مرزا محمد قریش کی جالٹیشی تہ تیغ  
**شرط ولی عہدی** کر لی تھیں ساتھ ہی یہ قید لگا دی کہ بہادر شاہ کی وفات کے بعد وہ  
 بادشاہ متعین نہ ہوں گے بلکہ نئے شاہزادے ہی شاہزادے مانے جائیں گے یعنی اُس نام کی  
 بادشاہت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اس پر یہ طرہ ہوا کہ درپیش گھٹ گھٹا کر صرف پندرہ ہزار روپیہ  
 مانے پر اُن لگا زینت محل کی اس دفعہ بھی کچھ نہ چلی وہ لاکھ طاق کی طاق رہ گئیں  
 قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کند ہو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

غرض یہ کہ بڑا کٹ گورنمنٹ نے ایسا انتظام کر دیا تھا کہ سلسلہ سلاطین مغلیہ یہیں سے از  
 خود القط ہو گیا تھا لیکن تقدیر میں ابھی ایک اور گردش تھی جس سے بادشاہان تیموریہ کے طویل  
 طویل سلسلہ کا خاتمہ ایک ایسے غیر متوقع طریقہ پر ہوا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا اس غیبی  
 گولہ نے سلطنت مغلیہ کے چیمبرے بکیر دیئے تھے اور رہے سہے نام کو ملایا میٹ کر دیا

اب ہم ذیل میں کٹکٹش ولی عہدی کی تاریخ اور پس منظر  
**کٹکٹش ولی عہدی کی تاریخ اور پس منظر** در تفسیر کے ساتھ درج کرتے ہیں جس سے بہادر  
 شاہ کی بے بسی اور انگریزوں کی پالیسی اچھی طرح واضح ہو جائے گی، اور معلوم ہو جائے کہ انگریزوں کی  
 پالیسی نے کیسے کیسے مدد بھی مراحل طے کیے۔

اب بڑا معرکہ لارڈ کینگ کے سامنے یہ پیش آیا کہ دہلی سے انگریز نکالے گئے اور کچھ  
 سالوں کے لیے اس شہر میں جو مسلمانوں کا مرکز تھا، مغلوں کا خاندان شاہی پھر بحال ہوا۔ دہلی سے  
 شاہشاہ دہلی کی اصلی حکومت ان آدمیوں پر فو ساسی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ جن پر وہ پہلے عراقی  
 کرتا تھا۔ پچاس برس سے دہلی کی لال جلی کا مالک انگریزوں کے تحمیل میں ایک چھوٹی نقل اور  
 خالی نمائش مانگ باقی تھا۔ لیکن اس چھوٹی نقل اور خالی نمائش مانگ اور تمام نے اپنا زندہ اثر



سلاطین اور رعایا ہند پر کبھی موقوف نہیں کیا تھا۔ زمانہ سال تک ہندوستان کے منسل بادشاہوں کے نام کے سکتے چلتے رہے۔ اور ہندوستان کے سلاطین خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو ہوں اپنے جانشینوں کے لیے۔ برائے نام شاہی فرمان مانگتے تھے۔ اور ان کو سرکار کہنی کے فرمان سے زیادہ باوقعت و مستحکم جانتے تھے۔ گو دہلی کے بادشاہ کا افسانہ ہی باقی تھا۔ مگر یہ افسانہ عالم ہمہ افسانہ مدار و مانہج رعایا کے دلوں میں اور زبانوں پر بڑا معزز و ظیفہ تھا جس کو وہ جپا کرتی تھی۔

پہلے تھڑوں کا بادشاہ بہادر شاہ شاہ عالم شہنشاہ دہلی کا پوتا تھا۔ شاہ عالم اندھا بے کس اور معیبت زدہ تھا۔ جس کو انگریزوں نے مرہٹوں کے پنجہ سے اس وقت پھٹایا تھا کہ انیسویں صدی کے شروع میں سکندریہ میں ایک صاحب اور دلائی کے سپاہیوں نے مرہٹوں کے زور کو توڑا تھا۔ اور فرانسیسیوں کی آرزوں کو کشتہ کیا تھا۔ شاہ عالم باوجودیکہ نہایت معیبت زدگی اور فساد کی حالت میں تھا لیکن بڑے بڑے عالی شان گورنر جنرل اس کو بڑا طاقتور شہنشاہ سمجھتے تھے۔ اس کی حمایت کرتے گو اپنے حق میں مفید جانتے تھے۔ اور اس کی بیخ کنی کو گناہ سمجھتے تھے۔ وہ بادشاہ تھا مگر بادشاہ نہ تھا۔ وہ کچھ چیز تھا مگر کچھ چیز نہ تھا۔ وہ ایک وقت میں اصلی اور مصنوعی تھا۔ انگریزوں

### بادشاہ مگر بادشاہ نہیں

کو اپنی بازی میں یہ بڑی خاطر جمع تھی کہ بادشاہ ان کے پاس تھا۔ لیکن وہ شدید اس میں تھے کہ بازی کیوں رکھیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملکی حکومت سے جو عزت حاصل ہے اس کی خاص مقدار بادشاہ کی ذات کے لیے مقرر کی جائے۔ یعنی خاص حدود کے اندر اب بھی ہمیشہ عدالت وہ سمجھا جائے اور اس کے ہاتھ زندگی یا موت کا اختیار فیا خانہ رکھا جائے اور ان اضلاع کے سوا جو تخت کے لیے جدا رکھے جائیں۔ بادشاہ اور اس کے کنبے کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا جائے اس خرچ سے وہ شہنشاہ جو دنیا میں سب سے بڑا تھا۔ تاجروں کی کہنی کا ایک پیش خوار ہو گیا۔ انگریزوں نے خوب سوچ لیا تھا۔ کہ اگر یہ آبائی سلطنت اس طرح دوامی رہے گی اور



بادشاہ شاہجہاں آباد کے قلعہ میں رہے گا اور اس کے معاصب اپنے شہر میں اس کے ساتھ رہیں گے جہاں مسلمانوں کی آبادی اس کے ساتھ جاں نثاری و وفاداری کرے گی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ اس غارت شدہ سلطنت کو شاہ عالم کے بالائیندوں میں سے کوئی شخص دوبارہ حاصل کرے گا۔ جس کے سبب سے ہم کو بڑی گوندہ پہنچے گی یہ تجویز پیش ہوئی کہ بادشاہی خاندان منگبرہیں مقیم ہو۔ لیکن بادشاہ اس انتقال مکانی کے خیال سے لڑنا ہوا اور یہ لڑہ اس کے خاندان و ملتز میں کے سخت مرد پر پیچے سے بوڑھے تک چڑھا اس واسطے لارڈ ولزلی نے اس خیال سے کہ بلاشاہ کو اس مصیبت میں اور زیادہ ملال نہ دیا جائے مرنے پر سو رہ نہ ہوں دہلی ہی میں اس کو قلعہ کے اندر بالفضل رہنے دیا۔ آئندہ کسی زمانہ کے لیے انتقال مکانی موقوف رہا۔

**رفتہ رفتہ بادشاہ کی وقعت گھٹتی ہے** | آئندہ میں شاہ عالم مر گیا۔ اور اکبر شاہ اس کا جانشین ہوا۔ یہ وقت ایسا تھا کہ

انگریز قدیمی ہندوستانی درباروں کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ شین صاحب دہلی کے گورنمنٹ تھے، وہ خاندان شاہی کے تعظیم و تکریم پر مرتے تھے بادشاہ کے آگے تسلیم و کورلش و مجرا بجا کرتے تھے۔ نوجوان چارلس ملکٹ صاحب شین صاحب کے نائب مقرر ہوئے اگرچہ وہ ابھی حالت طفلی سے نکلے تھے مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ بادشاہ کے احترام کو جو گورنمنٹ نہیں گھٹاتی وہ آئندہ کے لیے اپنے حق میں لائے جاتی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں اس پالیسی کے ساتھ موافقت نہیں کرتا۔ جو اسٹین صاحب نے خاندان شاہی کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے۔ جو شخص برٹش گورنمنٹ کی طرف سے دہلی میں حکمرانی کے لیے مقرر ہو۔ وہ بادشاہ کی تعظیم اس طرح کرے۔ کیونکہ بھلا مقصود یہ نہیں ہے کہ بادشاہ کو بادشاہی کے اختیار و اقتدار حاصل ہوں۔ اس لیے ہم کو ایسی سرکیں نہیں کرنی چاہئیں۔ جن سے اس کے دل میں اپنی بادشاہی کے حاصل کرنے کی تپا پیدا ہو۔ اس کا ادب اس کی شان کے موافق کرنا چاہیے۔ اس کو خوش و خرم و آسائش و آرام سے رکھنا چاہیے۔ اگر ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس کی حکومت کو دوبارہ قائم کریں۔ تو ہم کو چاہئے

کہ بادشاہی کا خواب اس کے خواب میں بھی نہ آنے دیں۔ پھر چند سال گزرنے کے بعد خود دہلی کے رولڈنٹ مشنٹ صاحب مقرر ہو گئے کل معاملات کی عثمان ان کے اختیار میں آئی۔

زمانہ گزرا انڈیا میں بڑے بڑے ملک انگریزوں کے قبضہ میں آ گئے  
فرنگی ایستلا اور استعلا | کہ ان کو کسی بیرونی حملے کا خوف نہ رہا ان کو قوت ایسی حاصل

ہو گئی کہ ہندوستان میں خواہ کیسے ہی خوف و خطر پیدا ہو وہ خاک میں ملا سکتے تھے۔ تو انہوں نے بہادرانہ قدم آگے بڑھانے شروع کیے۔ لارڈ بیکنز نے اس اقدام کے نتائج دیکھے جس کا فیصلہ کچھ نہ ہوا تھا۔ انہوں نے یہ مستقل ارادہ کیا کہ برٹش گورنمنٹ کے والا اقتلا ہونے کا اعلان کریں کہ وہ ہندوستان کے کل مالیات ملک پر استعلا رکھتی ہے۔ زمانہ بتا گیا اس کے ساتھ انگریزوں کے خیالات بدلتے گئے۔ کہیں اس بات کو بالکل بھولی نہیں تھی کہ اس کی بنیاد خالص تجارت تھی۔ لیکن یورپ میں جو انگریزوں کو فتوح حاصل ہوئیں اس سے یقین ہوا کہ ہم بڑی میٹری قوم ہیں۔ انگلینڈ تمام سلاطین ہند کا سرورج ہو گیا۔ اور پھر اس کو اپنے والا اقتدار سے برتر ہونے کے اعلان میں کچھ تامل نہ ہوا۔ اس اعلان میں یہ بھی ضرور تھا کہ دہلی کی سلطنت کا قلعہ چکایا جائے۔ مشرق میں اب ایہا تر سلطنت کا لفظ صرف برٹش حکمرانی کے ساتھ مخصوص ہو گیا اور دہلی کی بادشاہی کا برائے نام قائم رکھنا جو پہلے انگریزوں کے لیے مفید تھا۔ اب وہ ان کو گراں خاطر معلوم ہونے لگا صحیح الامکان جلد اس کے دور کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ بیان کرنا چاہیے کہ تیس برس کے عرصہ میں بادشاہی کی صورت کم ہوتی چلی گئی۔ ایک گورنر جنرل کے بعد دوسرا گورنر جنرل گیا وہ بادشاہ کے گھنڈ کو ڈھاتا گیا اور خاندان تیمور کی تعظیم و تکریم کے مراسم کو گھٹاتا گیا۔ یہ تمام باتیں اہل قلعہ کے دلوں میں کانٹوں کی طرح چبھتی تھیں۔ لیکن وہ برٹش گورنمنٹ کی حلو مرتبہ اور والا اقتدار ہونے کے لیے لازمی تھیں۔

بہادر شاہ کی ولی عہدی اور بادشاہت | ۱۸۵۷ء ستمبر کی تمام کو اکبر شاہ بیاسی برس کی

عمر میں اس بہان سے رخصت ہوا اس نے اول یہ کوشش کی کہ مرزا جہانگیر کو اپنا ولیہد بنائے۔ جنہوں نے سیٹن صاحب ریڈنٹ پر گولی چلائی اعدائے کو فو کو کہا۔ وہ تو وہی سے الم آباد میں جلا وطن ہوتے پھر بادشاہ نے مرزا نیلی کے لیے کوشش کی اس میں بھی ناکامی ہوئی شہزادہ المظفر تاریخی نام ہے جس کے عدو مشہور ہیں) تخت نشین ہوا اور ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ عازی خطاب ہوا اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی حلیہ و عشرت میں بسر ہوئی تھی۔ وہ سکین مزاج نہایت کامل تھا۔ شاعری کا بڑا شوق تھا خود بڑا شاعر تھا۔ اس میں کسی قسم کی سازش کرنے کی یا قدرت قدرت ہی نے نہیں دی تھی۔

اس وقت پارلس مینٹ لفٹنٹ گورنر تھے۔ انہوں نے بادشاہ

### نذر بند کر دی گئی

کے اٹاقہ منخواہ کی سازش نہیں کی وہ یہ جانتے تھے کہ اضافہ

کا کرنا سرکاری روپیہ کا برباد کرنا ہے۔ ایسا ہی لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل نے اس کو جانا انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس کا اقرار کیا گیا ہے جو پورا ہونا چاہیے مگر اس کے ساتھ پہلے یہ شرائط بھی پوری ہونی چاہیں کہ بادشاہ اپنے تمام دعووں سے جو برٹش گورنمنٹ پر ہیں منہ ہٹ کے طبع پر دست بردار ہو لیکن بہادر شاہ نے وہ کام کیا جو اس کے باقیے کیا تھا۔ کہ شرائط مذکور کے قبیل کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ سمجھا کہ انگلینڈ میں اپیل کرنے سے مطلب بھاری ہر جلتے گی۔ اکبر شاہ نے رام موہن رائے کو راجہ کا خطاب دیا۔ اور اپنا سفیر بنا سکے انگلینڈ بھیجا۔ راجہ صاحب کی انگلش سوسائٹی میں ان کے علم اور لیاقت کی بڑی قدر شناسی ہوئی۔ مگر اس کی سعادت کی رتی برابر بھی تدویر حرمت نہیں ہوئی۔ وہ اپنے کام میں بے نیل و نرم رہا مگر بہادر شاہ کو اپنے مقصد حاصل کرنے کا خیال چلا جاتا تھا اس نے جاریہ طاس کی تحریر و تقریر کی بڑی تعریف سن کر بلایا اور اپنا ملازم کیا اس کے سامنے بہت سی باتیں بیان کیں کہ وہ ان کی اصلاح کرائے۔ لارڈ ایلن برائے بادشاہ کی نذر بند کر دی جو ریڈنٹ کی معرفت حیدریں و نوروز اور بادشاہ کی مانگہ کے دن گورنر جنرل اور لارڈ ایلن کی طرف



سے بادشاہ کے روبرو پیش کی جاتی تھیں۔ ۱۸۳۶ء کو بہادر شاہ کو بھی کمانڈر انچیف نے نذر پیش کی تھی ان نذروں کے موقوف ہونے سے بادشاہ کو ہمیشہ انگریزوں سے کینہ و ملال رہا۔ متقیین قلعہ کو بھی اپنے آقا کی اس سخت پر بڑا افسوس ہوا۔ غرض اس نذر کے بند ہونے سے یہ ثابت ہوا کہ برٹش گورنمنٹ اب خاندان تیمور کی بادشاہی کو کسی طرح سے نہیں مانتی کہیں نے خاندان کے وظیفہ کے اعناض سے بھی انکار کیا جب تک کہ وہ شرائط مذکورہ بالا کو منظور نہ کرے۔ مگرٹ آف ڈائریکٹرز کی پھٹی مورخہ "فروری ۱۸۳۷ء آئی" کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم اس شرط سے ہٹیں کہ آئندہ تمام دعویٰ سے بادشاہ منابطہ کے طور پر درست ہوا۔ اس فیصلہ کو مسٹر جارج طامس بھی راجہ رام موہن داس کی طرح منسوخ نہیں کرا سکے کوئی وجہ بھی نہ تھی کہ وظیفہ شاہی کا اعناض ہوتا۔ ایک لاکھ روپیہ اس کثیر الحال بادشاہ کی خوش گنتی کے لیے کافی تھا۔ اس ایک لاکھ روپیہ مالانہ میں سے ایک ہزار روپیہ ہوا۔ لکھنؤ میں بادشاہ کے بیچوں کی تحفہ کا جانا تھا۔

۱۸۳۹ء میں دلی عہد دارالبحث نے انتقال کیا۔ اس وقت **دارالبحث کا انتقال** بہادر شاہ کی عمر ستر برس سے کچھ زائد تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب عرطبی ختم ہونے کو ہے۔ بہادر شاہ کے بعد جانشین بنانے میں گورنمنٹ متفکر ہوئی۔ لکھنؤ وکیل ہوزی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس بادشاہی کی بھوٹی وکھاوٹ بھی باقی رہے۔ پہلے ان سے جو گورنر جنرل تھے وہ اس قدیمی خاندان کی باقوں پر بنابیت رحم دلی سے غمزدہ ہوتے تھے۔ پہلی اگست ۱۸۳۹ء کو کورٹ آف ڈائریکٹرز کے حکم کے موافق گورنر جنرل نے اپنے ایجنٹ دہلی کو یہ ہدایتیں کیں کہ جب دہلی کا بادشاہ (بہادر شاہ) مر جائے تو اس کے جانشین بنانے کے باب میں ہر معاملہ کی خاص منظوری گورنر جنرل سے لینی چاہئے اگرچہ ان ہدایتوں میں بادشاہ کے لقب کی موقفی کی نسبت خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن ہم اس کی موقفی کا حکم جب تک نہیں دے سکتے کہ اس باب میں زیادہ امد مفصل حال تم سے نہیں امد من باتو



کی تم سفارش کرو اس کے مقصد اور وجوہ پر ہم فرصت میں غور نہ کریں ۔

**مرزا مخرو** | جب ولی عہد مرزا دارا بخت کا انتقال ہوا تو گورنر جنرل لارڈ ڈیل ہوزی کو موقع ہاتھ لگا کہ اس جالیننی کے باب میں فیصلہ کریں مرزا مخروالدین

فتح الملک مارٹ شرعی بادشاہ کے جالیننی کے لیے ہے۔ اس کی عمر تیس سال کی تھی۔ انگریزوں کی سوسائٹی کو پسند کرتا تھا۔ گورنر جنرل نے دیکھا کہ اس شہزادہ کی خصائل اور حالتیں اس کے منصب کے لیے ایسی ہیں جس کے سبب سے جو تبدیلیاں وہ کرنی چاہتے ہیں۔ ان کو وہ دانشمندانہ سرانجام دے گا ۔

**قلعہ خالی کرانے کی مجہد** | بے شک یہ ایک فائنٹی کی بات تھی کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد پاوشاہی خاندان قلعہ سے باہر

چلا جائے سلاطین کے سب حقوق موقوف ہو جائیں۔ یہ کام کچھ مشکل نہ تھا۔ لارڈ ڈیل ہوزی اس کام کو بغیر تاخیر کے کرنا چاہتے تھے۔ اپنے نزدیک بادشاہ کے مرنے کا انتظار دیکھنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ غالب بادشاہ کو اگر کافی ترغیب دی جائے گی وہ قلعہ خالی کر دیں گے وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ قطب ایسا مقدس مقام ہے۔ جہاں ایک ولی اور باپ دادا کی قبریں ہیں۔ بہادر شاہ اور اس کے خاندان کے آدمی آباد ہونے میں کوئی اعتراض نہیں کریں گے امداد ہو تاں کریں گے تو اس بات پر غور کیا جائے گا کہ آیا ان پر دباؤ زیادہ نہ ڈالنا چاہیے۔ یا یہ تدبیر آخر کو کی جائے کہ اگر وہ قطب میں جائز آباد ہوں تو ان کا وظیفہ بند کر دیا جائے ۔

**مخالفت اور التوا** | ۱۸۵۷ء کے موسم بہار میں لارڈ ڈیل ہوزی کے پاس سے مراسلہ آیا جس میں اس باب میں ہدایتیں بھی ہوئی تھیں بعض ممبروں نے

لارڈ ڈیل ہوزی کی درخواست کے برخلاف اپنی رائے کو بڑے زور سے ظاہر کیا تھا۔ سرٹنگ صاحب نے جن کی عمر انٹی بس کی تھی رائے دی۔ میں اس بات کو ایک لمحہ کے لیے بھی یقین نہیں کر سکتے کہ خاندان شاہی ترغیب دینے سے قلعہ کو خود خالی کر دے گا۔ ہندوستان کے

آرمیوں کا خزاہ وہ کیسے ہی غریب و مفلس ہوں باپ دادا کے سکونت کے مکان سے بڑی محبت رکھنا مشہور ہے وہ سب لوگ خوب جانتے ہیں جو ہندوستانیوں کی باتوں کو کچھ بھی سمجھتے ہیں۔ قلعہ سے اس خستہ حال خاندان شاہی کو الفت ہے۔ وہ ان کی گذشتہ شان و شکوہ کی نشانی ہے۔ یہ مطلب کہ قلعہ کو خاندان شاہی خالی کر دے صرف جنگی زور یا دھکیوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جس میں گورنمنٹ کی ہشک ہوگی۔ اور اس سے برٹش گورنمنٹ کے خلاف کینسر و نفرت پیدا ہوگی۔ انہوں نے کہا میں لارڈ ڈیل ہوزی کی ذہانت اور فطانت اور پبلک پریس کا ادب کرتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ قلعہ کوئی بڑی ضمانت نہیں رکھتا اس کو تو بہت دھڑانٹری محسوس نے فتح کیا تھا۔ جو قواعد جنگ سے نا آشنا تھے۔ لارڈ ڈیل ہوزی مع کونسل کو کورٹ نے اختیار دیا تھا کہ وہ تجاویز ملکہ کو عمل میں لائیں لیکن انہوں نے یہ سوچ کر کہ ان تجاویز کے برخلاف انگلینڈ میں بہت کچھ کیا گیا ہے گو اس سے میری اپنی رائے سابقہ میں تفاوت نہیں آیا۔ لیکن یہ کوئی کام ایسا اہم و ضروری نہیں کہ اس میں جلدی کی جائے اس لیے اس معاملہ کو ملتوی کر دیا۔

یہ مباحثات ہو رہے تھے۔ کہ بادشاہی محل میں ایک شکوہ **بہادر شاہ کی ناراضی** | لکھا کہ بہادر شاہ نے اپنی ناراضی ظاہر کی کہ مرزا نواز الدین اس کا جانشین ہو۔ بادشاہ کی بیوی زینت محل نے اس کو بھڑکایا تھا۔ اور یہ چاہا کہ اس کا بیٹا جس کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ بادشاہ کا جانشین ہو۔ مرزا نواز الدین کی جانشینی پر ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ مرزا کا ختنہ ہوا ہے۔ اور یہ دستور ہے کہ جو شخص ماقبل الاعضاء ہو وہ تخت نشین نہیں ہو سکتا مگر اس بیان میں مبالغہ تھا۔ ہمایوں بادشاہ تک خاندان مغلیہ کے بادشاہ کا ختنہ ہوا تھا۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے وہ موقوف ہوا اس کا یہ قول تھا کہ بچوں کو ان کی معصومی کی حالت میں تکلیف زخم کی نہ دی جائے۔ جب وہ بارہ سال سے بڑے ہوں تو ان کو اختیار ہے کہ وہ اس تکلیف کو اٹھائیں یا نہ اٹھائیں۔ اس وقت

سے خاندان تیمور میں ختنہ کی رسم موقوف ہوئی عام خیال یہ تھا کہ شاہزادے ختنہ اس لیے نہیں کراتے کہ وہ ساقط الاعضاء ہو جائیں گے جس کے سبب سے پادشاہی سے محروم ہو جائیں گے اس خاندان کے ہر شاہزادہ کو یہ ضبط تھا کہ وہ پادشاہ ہو سکتا ہے شاہزادے معاملات میں یہ قسم کھایا کرتے تھے کہ خدا مجھے تخت نصیب نہ کرے غرض جہاں قلعہ کی حماقت و خرافت کی اہد باتیں تھیں ان میں سے یہ ختنہ کرانا بھی تھا۔ مگر جن شاہزادوں کو اپنے مذہب کا پاس ہوتا وہ اپنا ختنہ کراتے تھے۔ مرزا غفر الدین اپنے مذہب کا بڑا پابند تھا۔ اس نے اپنا ختنہ کرایا تھا۔ شاہزادے اس کو مشرّع ہونے کے سبب سے دہلی کہتے تھے۔ ان باتوں کے سبب سے لارڈ ڈیل ہوزی نے حسب سررشتہ اس جانشینی کا معاملہ طے کرنے میں ایک مدت توقف کیا۔ اہد منتظر رہا کہ آگے کیا معاملات پیش آتے ہیں۔

اس عرصہ میں گورنر جنرل نے اپنی کونسل کے ممبروں سے اس جانشینی کے بارے میں **صلح و مشورہ** میں رائے طلب کی اس وقت ان کی کونسل کے ممبر مشرف زید رک کری۔ مشرجان ٹیلر اہد جان لوئس تھے۔ اولی ممبر نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کے مرنے میں کچھ زیادہ دن کا نہیں ہے۔ اس کے مرنے کے بعد ہم کو اس جانشینی کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس وقت ہم جس امیدوار کو جانشینی کے لیے مقرر کریں گے۔ قلعہ کے خالی کرنے کی شرط باسانی ٹھہرائیں گے۔ مشرجان ٹیلر کو یہ یقین تھا کہ مسلمانوں کی آبادی قدیمی خاندان مغلیہ کو بڑے ادب اہد محبت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ اس حرکت سے آزرده اور خفا ہوگی۔ اس لیے انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ جو کام کیا جائے خرم و احتیاط اور ترغیب سے کیا جائے۔ جبر سے نہ کیا جائے۔ جان لوئس ان سب باتوں کا منہ نہ کرتا تھا۔ اہد کہتا تھا کہ میں یہ یقین نہیں کرتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو فدا سی بھی دہلی کی یا اس کے بادشاہ کی ہڈیاں ہو خرم و احتیاط یہ ہے کہ بغیر کسی تاخیر کے بادشاہ کا خطاب موقوف کیا جائے۔ اہد قلعہ خالی کرایا جائے۔

**تمہیریں اور سازشیں** | ان تمام باتوں کا محصل یہ تھا کہ ایک مراسلہ انگلینڈ کو بھیجا جائے



جس میں یہ سفارش کی گئی کہ بادشاہ موجودہ کے مرنے تک تمام حالات سابقہ بدستور رہیں مرزا غزالدین بادشاہ کے لقب کے ساتھ جانشین کے لیے تسلیم کیا جائے مگر اسے خالی خطاب ملی ہوئی ہوئے کی سبب سے قلعہ دینے کا حق نہ دیا جائے اور ترغیب جاری رہے کہ وہ قلعہ کو خالی کر کے قطب میں بود و باش اختیار کریں۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کا حق قلعہ میں رہنے کا اضافہ مشاہرہ کے عوض میں خریدایا جائے۔

**اہل شہر پر اسکی کی کیفیت** | گورنر جنرل کی تمام سفارشوں کو ہوم گورنمنٹ نے منظور کیا۔ دہلی کے ایجنٹ کو اجازت دی گئی کہ مرزا کو

سے ملاقات کر کے برٹش گورنمنٹ کی خواہشوں سے اس کو اطلاع دے دے۔ مرزا اور مرطاس کی ملاقات ہوئی مرزا نے گورنمنٹ کی خواہشوں کو بخوشی قبول کیا۔ بشرطیکہ اس کو خطاب بادشاہ کا عطا کیا جائے۔ اور اسے اپنی عمارت شاہی قائم رکھنے کی اجازت دی جائے گورنمنٹ کو اس کی منظوری سے خوشی ہوئی۔ جب لغٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی دہلی میں آئے قطب میں ان کی مرزا غزالدین سے ملاقات ہوئی اور اس میں کچھ معاہدات ہوئے۔ جن کے اصل حال تو نہیں معلوم ہوئے۔ مگر قلعہ کے خالی کرنے کی راہ اس کے اہم میگزین جانے کی شہرت ہو گئی۔ جس سے اہل قلعہ اور اہل دہلی کو بڑی سراسیمگی اور پریشانی اور خوف طاری ہوا۔ زینت محل اور بادشاہ دلو جواں بخت کے ولی عہد نہ ہونے سے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ برٹش گورنمنٹ کو وہ کسی طرح نہ بچا سکے کہ جواں بخت ولی عہد ہو۔

**جواں بخت کے خلاف دراندازیوں** | مارچ ۱۸۵۶ء مرزا غزالدین کا ہیمنہ سے انتقال ہوا۔ یہ شبہ بھی ہوا کہ ان کو زہر دیا گیا۔ بادشاہ

مرزا ناچھ میں لکھا گیا۔ مرزا کو اشتباہ معلوم ہوئی اس نے جانا کہ خالی معدہ میں صفر کے زوے سے یہ اشتباہ ہوتی ہے۔ کچھ دلی کھائی بخنی پی تو استفراغ کی زیادتی ہوئی کسی دوائے کچھ اثر نہیں کیا۔ نزاع کی حالت طاری ہوئی۔



مرزا ابلی بخش دھرم دیوید نے حکیم احسان اللہ خان کو بلایا انہوں نے حقانہ دلوایا جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ چھ مہینے شام کو دیوید کا انتقال ہوا۔ گھر میں کہرام ہوا۔ بادشاہ کو بیٹے کے مرنے کی خبر ہوئی بہت رنج و ملال ہوا زینت محل نے اس کی تسکین و تسلی کی۔ دیوید کے معالج حکیم محمد نقی خان تھے۔ ان کی نسبت یہ مشورہ ہوا کہ زینت محل سے علی کر دوا میں نہ ہر ملا کر دے دیا۔ لیکن یہ سب بازاری گپیں ہیں۔ اس زمانہ میں شہر میں ہیضہ تھا۔ دیوید ہیضہ ہی میں مرا ہوا۔ دوسرے دن سرطاس مٹکتا ایجنٹ دہلی بادشاہ کی خدمت میں آئے یہاں پناہ لینے ایک کاغذ ایجنٹ کے ہاتھ میں دیا۔ اس میں اپنی پہلی درخواست کا اعادہ کیا کہ مرزا جواں جنت کو برٹش گورنمنٹ، دلی عہد مقرر کر دے۔ اس کے ساتھ ایک محضر تھا جس میں بادشاہ کے آٹھ بیٹوں کے دستخط لکھے ہوئے اور مہر لگی ہوئی تھیں اس محضر میں لکھا تھا کہ ہم سب خوش ہر زینت محل یا مرزا کا جس میں خانہ یا قسطنطنیہ علم و خوش اخلاقی کے سنت موجود ہیں۔ دلی عہد مقرر ہو۔ یہ دوسرے دلی بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے مرزا قریظ دعوت مرزا قویا علی اسے اپنی غرضت میں ایجنٹ کو لکھا کہ بادشاہ نے شہزادوں سے اعزاز و تمغہ کا اہل روپیہ دینے کا وعدہ کر کے تمغہ دے گا اور مہر لگی ہوئی ہیں۔ مجھے بھی پوشیدہ یہ رشوت پیش ہوئی تھی کہ اگر دستخط و مہر دے گا تو اعزاز و تمغہ ہو جائے گا۔ اور اگر نکار کر دے گا تو تمغہ بند ہو جائے گا۔ میں اپنے آپ کے حکم سے مرزا کو کنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ زینت محل کے اخلاقیات سے بادشاہ کا بیٹا دلی عہد سے عہد کرنا چاہتا ہے تو میں نے برٹش گورنمنٹ کی طرف رجوع کیا کہ میں اس طرح تیار ہوں۔ میرا حق ما جائے۔ جسے اس لیے میں نے اپنے گورنمنٹ کے رو برو پیش کیا کہ وہ سب عادت پر نظر کر کے حق رس کرے وعدہ اس کے کہ میں بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ حافظہ قان اور عاقبت بھی ہوں۔ ہمدردی یا قتل کا حال ملاقات میں آپ پر کھل جائے گا۔ لارڈ لیبٹ کا خیال تھا کہ بادشاہی نقل کے جلال بہت سے زرد ہوا ہر اتر چکے ہیں۔ میں سے اس کی پہلی ہی جگہ ملک نہیں رہی ہے۔ اہ اس کے وہ حقوق ہیں پر خاندان تیمور کو گورنمنٹ عطا ایک دوسرے کے بعد تلف ہو چکے

ہیں اس لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ کہ تم کے ایک ڈوبے میں بہادر شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ کا لقب موقوف کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی زندگی گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف دیتے تھے موقوف ہوئی۔ بادشاہ کا جو سکہ بنایا جاتا ہے۔ وہ آئندہ موقوف کیا گیا۔ دہلی بادشاہ کے سکے پہلے بنا کرتے تھے میں نے اس کے سکے کے روپیہ کو دیکھا ہے۔ گورنر جنرل کی مہر میں سے بادشاہ کے ہندو خاص کے الفاظ ماقط ہوئے۔ اور ہندوستانی ریسل کو ممانعت کی گئی کہ وہ کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں۔ یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے۔ کہ یہ ظاہری باتیں جن سے کہ کہنی کی ہاتھی معلوم ہوتی ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی اصلی اور مستحکم اقتدار کی شان کے خلاف ہے۔ اور ایسا ہی لفظ شاہ دہلی کا ہے۔ جس سے ایک جھوٹی بادشاہی کا اعلان ہو رہا ہے کسی نئے شخص کے لیے بادشاہ کا لقب دینا اور اس کی شاہی علامات کا قائم رکھنا گورنمنٹ ہند کی خود اپنی مرضی کا کام ہے۔ اس پر کوئی اس کا اتفاق نہیں ہے۔ گورنر جنرل نے یہ اور اضافہ کیا کہ خواہ مصدقہ مرتبہ ہی ہو اس کا مستحق وارث گورنمنٹ مرزا قریش کو سمجھتی ہے۔ وہ بادشاہ کا سب سے بڑا زندہ بیٹا ہے۔ جو ایک اور نسل تک اصل شان اپنے خاندان کی باقی رکھے گا جس کی یاد کو وہ اپنے حافظہ میں لانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ گورنر جنرل نے باتفاق اپنی کونسل کی رائے کے جس پالیسی کا فیصلہ کیا اس کو مع ہدایتوں کے دہلی کے ایجنٹ کے پاس بھیجا جن کا خلاصہ یہ تھا =

اولاً اگر ایجنٹ کو بادشاہ کے خط کا جواب بھیجنا ضروری معلوم ہو تو وہ اس کو لکھے کہ گورنر جنرل مرزا جواں بخت کا ولی عہد ہونا منظور نہیں کر سکتا ہے۔

دوم مرزا قریش کو یہ امید نہ دلائی جائے کہ اس کی ولی عہدی کے لیے وہی شرائط منظور ہوں گی جو مرزا خزانہ بین کے لیے منظور ہوتی تھیں اور بہادر شاہ کی زندگی میں بادشاہ سے یا کسی اور رکن خاندان شاہی سے جائینی کے باب میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

سوم پادشاہ کی وفات کے بعد مرزا قزیش کو اطلاع دی جائے کہ گورنمنٹ خاندان تیمور کا سرپرست اس کو ان ہی شرائط کے ساتھ مقرر کرتی ہے۔ جو مرزا غزالہ دین کے ساتھ ہوئی تھیں سوا اس کے کہ اس کا لقب بجائے پادشاہ کے شہزادہ ہو گا اور اس کی دستاویز کوئی اس کو تحریر نہ دی جائے۔ گورنر جنرل مع کونسل کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ اس کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کو قبول کرے بلکہ وہ گورنمنٹ انڈیا کے پختہ اور مستحکم فیصلہ کا اظہار کرے۔

پہلے۔ ایجنٹ اس امر کی رپورٹ بھیجے کہ قلعہ میں جن لوگوں کے رہنے کا استحقاق ہے ان کی تعداد کتنی ہے اور کتنے شہزادوں کو استحقاق حاصل ہے۔ جو نہ پادشاہ کے بیٹے اور پوتے ہیں اور نہ پادشاہ ہوں کے زیادہ دور کے رشتہ دار ہیں۔

پہلے۔ خاندان تیمور کا جو وظیفہ ہے۔ ان میں سے پندرہ ہزار روپیہ ماہوار مرزا قزیش کو مل کرے گا۔ بہادر شاہ کو اپنے حفظ صحت اور تفویج طبع کے لیے قطب میں رہنا بہت پسند تھا۔ وہ سال بھر میں دو چار مہینہ وہاں رہتا تھا۔ اور نئے نئے مکانات وہاں قلعہ کے مکانات کے ناموں پر مثلاً دیوان عام وغیرہ کے بنواتا تھا وہ خاندان چشتیہ کا مرید تھا۔ قطب صاحب کی زیارت سے مسرور ہوتا تھا۔ وہیں اس نے اپنی قبر سنگ مرمر کی بنوائی تھی۔ اس کے وہاں رہنے سے اس کے غریب ملازموں کو اپنی گھر کی دور رہنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ زمینت محل قلعہ میں نہیں رہتی تھی۔ وہ لال کنوئیں پر اپنی ایک بڑی سوئی میں رہتی تھی۔ دن کے آٹھ بجے قلعہ میں جاتی اور سر پہر کو اپنی سوئی میں واپس آتی اس کی سواری کے ساتھ آنے جانے میں گھوڑے پر ٹونکا بٹھا ہوا جاتا تھا۔ اس لیے اب شہر نے اس کا نام ٹونکا بیگم رکھ دیا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ بھی اس کی سوئی میں جا کر آٹھ سات روز تک رہا تھا۔ غرض بہادر شاہ اور بیگم صاحب نے قلعہ سے باہر رہنے کی بد شکونی خود ہی شروع کر دی دونوں کو قلعہ کے چھن جانے کی پروا نہ تھی، بادشاہ خوش تھا کہ اس کے مرنے کے

بعد مرزا فتح الملک کو جو اس کی مرضی کے خلاف ولی عہد ہوا تھا۔ قلعہ نہ دیا جاتے ان کو سخت رنج یہ تھا کہ اس کا تخت جگر جوان بخت ولی عہد نہیں ہوا تھا۔ پہلے ہی ان کے دلوں پر مرزا غزالدین کی ولی عہدی کا زخم لگا تھا۔ ابھی وہ بھرنے نہ پایا تھا کہ اس پر مرزا قریش کی ولی عہدی نے اور چرکا لگایا۔ جس سے دونوں بے تاب ہو گئے رات دن اسی اڈھیڑ بن میں رہتے تھے۔ کہ کسی طرح سے گورنمنٹ کو مرزا جواں بخت کی ولی عہدی پر راضی کریں۔



اُمراءِ مہینہ کے ساتھ انگریزوں کا ہرماؤ

انگریز اس ملک میں تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، پھر اپنی فریب کاریوں، نفاق انگیزوں  
چالاکیوں، اور موقع پرستیوں سے فائدہ اٹھا کر، یہاں کے حکمران بن گئے، برطانوی عظمیٰ کے طرہ افتخار  
کا رادید بر، ہندوستان پر منحصر تھا، یہاں کے عوام، یہاں کے خواص، امراؤ رؤسا، والیان ریاست  
نواب اور راجہ، سب اپنی خود غرضیوں اور مصحتوں اور مجبوری کے پیش نظر انگریزوں کا ساتھ دیتے  
تھے، اپنی جڑ کاٹتے تھے، اور انگریزوں کو فائدہ پہونچاتے تھے، خود غلامی پر قناعت کرتے  
تھے، انگریزوں کے سر پر تاج شہزادی رکھ دیتے تھے، اپنے حدود میں یہ راجہ راجا بن گئے، اثر و  
الہاک تھے، وزیر باتدبیر تھے، شاہ ذی جاہ تھے، ان کے منہ سے نکلنا ہوا، ایک ایک لفظ حکم اور  
فرمان کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن انگریز کے دربار میں یہ صرف قدوسی خاص اور خادم بااختصاص تھے،  
وہاں ان کی تیار مندیاں، نگہداریاں، تابعداریاں، اور ان کے مقابلہ میں انگریز کی رعوت و نخواست  
قابل دید تھی، اپنے حدود میں ان کے دیدہ نگاہ عالم تھا کہ کسی کی مجال نہیں چوں کر سکے، اور انگریز کے  
ایوان اقتدار میں ان کی مجال نہیں تھی کہ چوں کر ملیں۔

ان نیاز مند یوں اور فرماں برداریوں کا صلہ انگریزوں نے ہمیشہ تحقیر و تذلیل اور توہین کی صورت میں دیا۔ کبھی ان کی بات نہ مانی، کبھی ان کی شخصیت کا پاس و لحاظ نہ کیا، اپنا کام ہمیشہ ان سے نکالا، ان کا عملی کام نہیں کیا، خود جب چاہا، سندھ، اور ہندکوئی نشان سے ان سے ہر نہایت گیارہ ہزار کھیلوا، دھڑتیں اڑائیں، قیمتی تحفے لیے، خراج وصول کیا، جتنی زمین چاہی قبضہ میں کر لی، جو شہر چاہا فوجی محاصرہ کر کے لیے حاصل کر لیا۔ اور جب کبھی یہ اس کے ہاں پہنچے، تو ان کی بات بھی نہ پوچھی، اور پھر یہی

ان کی وفاداری اور نیاز مندی میں فرق نہیں آیا ہے

وہ کون ہے جو مجھ پر تاسف نہیں کرتا

پر میرا جگر دیکھ کہ میں ات نہیں کرتا

امراتے ہند کے ماتھے انگلیوں کے برتاؤ کی داستان اگرچہ دل خراش اور تکلیف دہ ہے،

لیکن موضوع کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر بھی ہم ایک نظر ڈالتے چلیں، خواہ وہ کتنی ہی سرسری

کیوں نہ ہو: —

(۱)

## علاقات کی فرصت نہیں

انگریز، والیان ریاست، امراؤ رؤسا، اور ناموران ہند کی توہین و تذلیل کے عادی ہو چکے تھے، یہ لوگ، محض نیاز مندی، اور وفاداری کے اظہار کے لیے، طالب ویدار ہو کر اُتے تھے، مگر محروم دیاوس کر دیتے جاتے تھے۔ ذرا بھی پاس خاطر ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔

از دربار چہ گویم بہ چہ عنواں رستم

ہمہ شوق آمدہ بوم ہمہ حرمال رستم

یا اکبر آلہ آبادی کے الفاظ ہیں،

نصیب ہو نہ سکی دولت قدم بوسی

ادب سے پوچھ کے حضرت کا آستان چلے

نمونہ ذیل کے چند واقعات ملاحظہ ہوں :—

”راؤ رتلام رئیس ریولڑی کے وکیل نے ایجنٹ بہادر سے عرض کی کہ راؤ رتلام صاحب

ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہتے ہیں جواب دیا ملاقات کی فرصت نہیں ہے۔“ (۱)

پیارے نے یہ جواب سنا، مایوس و محروم واپس چلے گئے۔

جاتے ہیں تیرے کوچہ سے ہمالی حقائق ہو

ٹکڑے تو ڈھونڈ لیں دل صد پاش پاش کے

(۲)

## ایجنٹ بہادر کی فرعونیت

امین الدین خان جاگیردار لاہور نے ایجنٹ بہادر کو لکھا تھا چونکہ میں اپنی جاگیر

کو واپس جانے والا ہوں۔ اس لیے رخصتی ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ ایجنٹ

بہادر نے جواب دیا : ہمیں ملاقات کے لیے فرصت نہیں ہے۔“ (۲)

(۱) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۲۳

(۲) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۲۴

## صاحب کی عظیم الفرستی

مصطفیٰ خاں جاگیردار کے نمائندے نے اپنے آقا کی طرف سے ملاقات کی خواہش کی۔ صاحب نے فرمایا فرصت نہیں ہے۔

نیز خبر آئی ہے کہ شاہی نمائندہ نے اپنے بادشاہ (بہادر شاہ) کے خضر احمد قلی خاں کی طرف سے ملاقات کی خواہش کی صاحب نے فرمایا اس وقت فرصت نہیں ہے کوٹھی پر بہت انگریز جمع ہیں۔ (۱)

## قمار باز کی سفارش

انگریزوں کے متعلق مشہور ہے، کہ نہ وہ کسی کی سفارش کرتے ہیں، نہ کسی کی سفارش قبول کرتے ہیں، ان کے ہاں مدارِ کار، صرف عدل و انصاف ہوتا ہے، نہ کہ سعی و سفارش، لیکن اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں جس پھیز پر بہت زیادہ سختی سے وہ کار بند رہے، وہ یہ تھی کہ سفارش ملتے نہیں تھے، کرتے تھے، چنانچہ ذیل کا دلچسپ واقعہ ملاحظہ ہو: —

”مستی سوہن نے ایجنٹ آفس کو عرضی دی کہ نواب صاحب فرخ نگر نے مجھے فرخ نگر سے نکال



دیا ہے۔ حدود فرخ نگر میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی ہے۔ کیفیت پر نواب صاحب نے لکھا  
 سوہن کو قمار بازی کی وجہ سے شہر بدر کیا گیا ہے۔ صاحب ایجنٹ نے نواب صاحب کو لکھا۔  
 تمبردہ کو فرخ نگر میں رہنے کی اجازت دے دیجئے۔ اگر قصور کرے گا سزا پائے گا۔ (۱۱)

(۱۵)

## مجسٹریٹ کے اختیارات

انگریزوں کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ اپنے نظام مملکت میں اس  
 پر سختی سے عامل ہوتے کہ کوئی حاکم، دوسرے حاکم کے اختیارات میں مداخلت نہ کرے، ہر شخص  
 اپنی حد کے اندر رہے، حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرے، لیکن جب وہ حکمران بن رہے  
 تھے، تو اس معمول کی بھی انہوں نے پروا نہیں کی۔ —

”مجسٹریٹ“ رو بکار آیا کہ تمام جائیدادوں اور زمینوں نے مجسٹریٹ کی ہدایت کے موافق اپنے  
 اپنے باقیوں کو احتیاط سے چلانے کا اقرار نامہ لکھ دیا ہے۔ گرامین الدین خان جائیداد لوہارو  
 اقرار نامہ لکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ صاحب ایجنٹ نے لوہارو کے قاضی سے فرمایا آپ  
 کے نواب صاحب عدالت کے حکم کے خلاف کرتے ہیں یہ بات اچھی نہیں سب جائیدادوں نے اقرار نامہ  
 لکھ دیا ہے آپ بھی لکھ دیجئے لوہارو کے قاضی نے عرض کی ریاست لوہارو کے ساتھ کا تعلق  
 ایجنٹ آفس سے ہے مجسٹریٹ سے نہیں ہے۔ مجسٹریٹ کو اقرار لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

امین الدین خان اقرار نامہ نہیں لکھیں گے اگر جناب عالی زیادہ تاکید فرمائیں گے تو ہاتھیوں کو فروخت کر دیں گے یا لوہارو کو بھیج دیں گے وہی میں نہیں رکھیں گے صاحب ایجنٹ نے فرمایا آپ کا عند بے جا ہے۔ (۱)

(۶)

## زبردست مائے اور رونے نہ دے

انگریزوں کی اس خصوصیت پر بھی بڑا زور دیا جاتا ہے کہ اصول اور نظم کے معاملہ میں، وہ کسی کی پرعا نہیں کرتے، نہ کرتے ہوں گے، لیکن صرف ہندوستانیوں کی حد تک۔ ورنہ جہاں اپنے کسی ہم قوم یعنی انڈیز کا معاملہ پیش آجاتا تھا وہ اس اصول کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے، اور علاقہ طور پر وہاں دہلی لوہاریہ زوری کا مظاہرہ کرنے لگتے تھے۔

یہ واقعہ ملاحظہ ہو : —

کپتان گرانٹ آگرے کو جا رہے تھے، راستے میں بلب گڑھ کے علاقہ میں پڑاؤ کیا، وہاں کے آدمیوں نے مزاحمت کی اس پر لڑائی ہوئی بلب گڑھ کے فائنڈس نے حاضر ہو کر عرض کیا کپتان گرانٹ بلب گڑھ کے مندر میں گئے تھے، مندر کے پجاریوں نے روکا، کپتان نے پجاری کو اتنا مارا کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا، اور پجاری کے دو ساتھیوں کو بھی زود کو بکھا، صاحب ایجنٹ نے فوراً راجہ بلب گڑھ کو لکھا، آپ کے لیے مناسب یہی ہے خود پول ہوڈل پہنچ کر کپتان سے

۱۱ سرطاس مشکات کی ڈاڑی ص ۲۳۲

سانی مانگیں اور راضی نامہ لے کر ہم کو بھیج دیں، کپتان گراٹ گورنر جنرل کے آدمی ہیں استطاعت گورنر جنرل تک جلسے گا، تو نتیجہ آپ کے لیے اچھا نہیں نکلے گا، کپتان صاحب کو راضی کر لینا ہی مناسب ہے۔

ہے۔ (۱۱)

(۱۲)

## مسلمانوں سے میل جول کی مشرا

”لڑاؤ اور حکومت کرو“ اندیزوں کی پالیسی تھی، اس پالیسی پر دو سختی سے قائم رہے،

کبھی اس سے سرمود اخراج نہ کیا۔

غدر سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات وہ نہیں تھے جو آج ہیں اس کے برعکس

ان میں وضعداری تھی، مشافہت تھی، رکھ رکھاؤ تھا، ان تھی، انگریز جب اس طرح کے واقعات دیکھتے تھے، تو گوشت سے ناسخ کو جدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ذیل کا واقعہ خاص طور پر

غور طلب ہے :—

جناں راؤ بھٹی سنگھ دھاراجہ الہیہ نے پانچ برس قانچ میں جبکہ وہ ۱۸۵۵ء میں وفات

پائی۔ لہذا ان کا کس بٹا جہاں راہب شیو دھاراجہ سنگھ مسند نشین ہوا۔ اس کے ابتدائی دور میں امین اللہ

صاحب دیوان تھے، لہذا سفند یار بیگ نائب۔ لیکن بعد میں کھٹک شروع ہو گئی۔

امین اللہ خاں عفت امو خاں ایک معمولی آدمی تھے۔ ترقی کرتے کرتے وہ اور میں بخاری کے

” سرطاس مشکاف کی ڈاڑھی ص ۲۰۱

عہدے تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے منجانبے بھائی افضل اللہ خاں کو نائب دیوان اور چھوٹے بھائی انعام اللہ خاں کو فوج کا بجنٹی مقرر کر دیا۔ یعنی ریاست کے تمام امور پر حاوی ہو گئے۔ تینوں بھائی بڑی فکری اور زیرک و ہوشیار تھے۔

اسفندیار پہلے فیروز پور بھر کر میں ملازم تھا۔ پھر اور پہنچ گیا۔ شروع میں وہ اور امین اللہ خاں ایک دوسرے کے بھی خواہ تھے۔ پھر کسی بات پر ناچاقی ہو گئی۔ اور اسفندیار نے ان بھائیوں کے خلاف سادشیں شروع کر دیں۔

امین اللہ خاں نے شیو دھان سنگھ کی والدہ کو بہن بنایا تھا اسی وجہ سے راجہ اسے ماموں کہہ کرے پکارتا تھا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت میں وہ تینوں بھائیوں میں سے کسی ایک کی بیٹی سے شادی کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اس کا میلان مسلمانوں کی طرف بہت زیادہ تھا۔ اسفندیار نے اسی بات کو مختلف ساز باز کی بنا بنا لیا۔ اور راجپوت ٹھاکروں سے کہنا شروع کیا کہ مسلمان سادے کا دوبارہ پر حاوی ہو گئے ہیں۔ اگر بھی صورت قائم رہی تو راجہ مسلمان ہو جائے گا۔

ایک ٹھاکر نے جوش میں آکر رات کے وقت امین اللہ خاں کے مکان پر حملہ کر دیا۔ جس میں دیوان کا ایک بیٹا اور ایک خدمت گار مارے گئے۔ اور تینوں بھائیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ راجہ نے ان کو رہا کر کے دہلی بھجوا دیا۔ پھر ایک ریجنی کونسل بنی جس کے صدر کپتان گچلے تھے۔ انہوں نے اصلاح کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن راجہ کے صرف عین مطالبہ تھے۔ جو آخر وقت تک قائم رہے۔

۱۔ - بچے اختیارات دینے جائیں۔

۲۔ - دیوان بھائیوں کو واپس بلایا جائے۔

۳۔ - ٹھاکروں کو سزا دی جائے۔

۱۸۶۳ء میں راجہ کو اختیارات ملے۔ کچھ مدت تک کام بڑی اچھی طرح جاری رہا۔ لیکن پھر بد نظمیاں پیدا ہو گئیں۔ اور راجپوت موقوفہ ہونے لگے۔ جن سے راجہ کو سخت نفرت تھی۔ اس سبب عکس رسالوں سے گہرا میل جول تھا۔ ۱۸۶۵ء میں پھر راجہ صاحب بے اختیار کر دیئے گئے۔



(۸)

## الور اور تجارت

وہ انگریز گورنمنٹ جو دھڑا دھڑیائیں ضبط کر رہی تھی، جب اپنے مصارف و کھچتی تھی تو یہ بھی اتنی تھی کہ حقدار سے حق چھین کر، اسے دے دیتی تھی جس کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔ جب ذیل کے واقعے سے معلوم ہو گا۔

” آج ملت بارش ہوئی تجارت کے راجہ بدونت سنگھ نے دینے سے رخصت کی ان کی عمر تقریباً ۲۵ اس کی مٹی ان کے دربار میں سے ہوئی ایسا نہیں ہے جو ان کا جانشین قرار پائے گا۔ جامیہ کے ان کی ریاست اور تمام متروکہ مال و اسباب مہاراجہ الور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ مہاراجہ غریب سے اس بات کے خواہشمند تھے ایجنٹ نے بھی مہاراجہ کے موافق ہی فیصلہ کیا ہے۔ تمام ریاست پر عمل دخل کے لیے راجہ صاحب تالیم اللہ خان اور اسفندیار خان کو پیادوں کی ایک پلیٹن اور سواروں کے ایک رسالہ کے ساتھ تجارتی دکان کر دیا ان صاحب نے تجارتی پہنچ کر صدافوں اور تنخواہ داروں سے ان کی مطلوبہ رقم لینی ادائیگی کا وعدہ کر کے بیس لاکھ روپے نقد پر قبضہ کر لیا۔ اس میں پچھ ہزار اشرفیاں بھی شامل ہیں۔“ ۲۱

۱۱، غالب (غلام رسول صاحب) ص ۲۳۹

۱۲، بہادر شاہ دوم، ناچر ص ۵، فروری ۱۸۳۵ء

(۹۱)

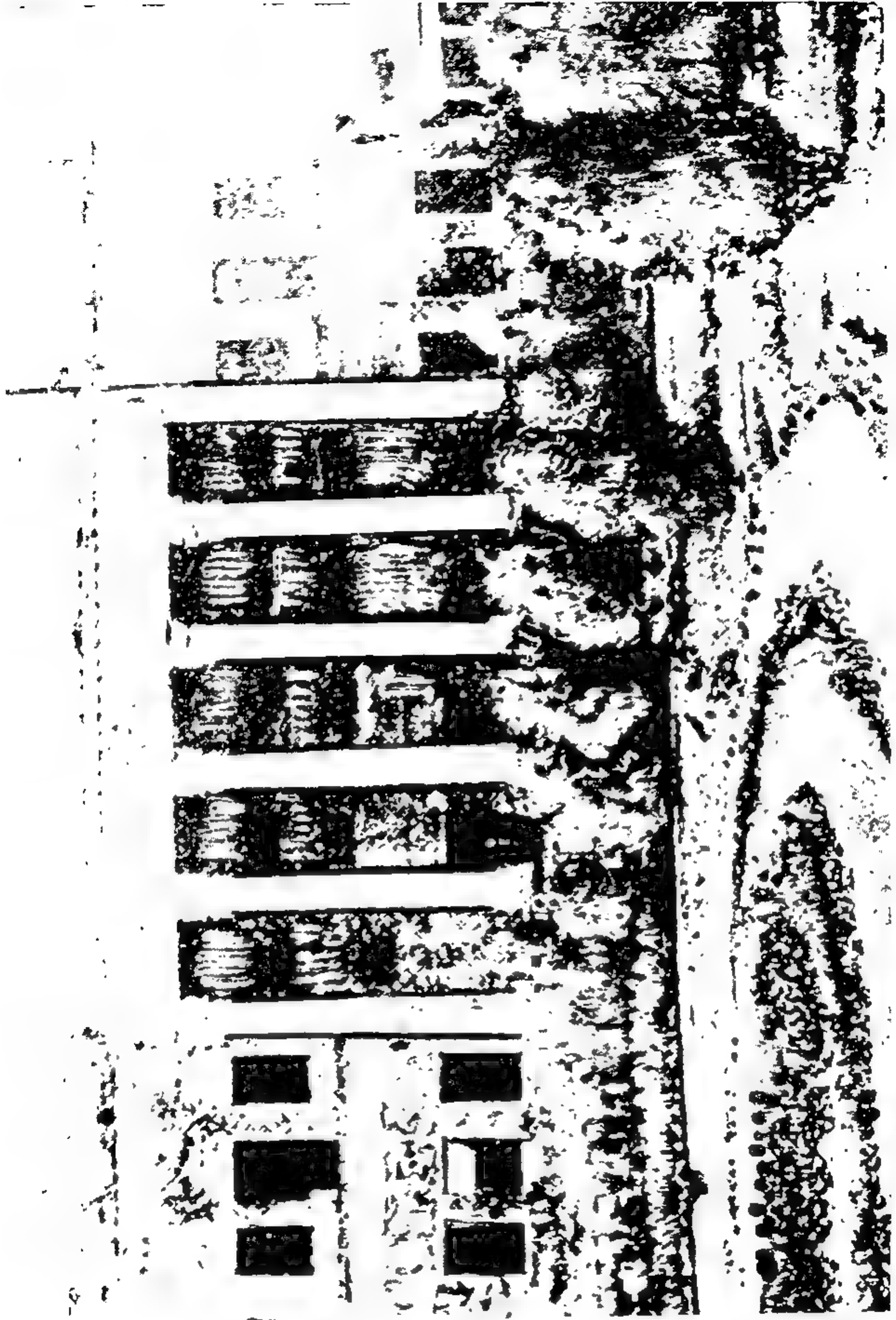
## شمس الامرا کی موقوفی

گو اور مقامات سے وحشت ناک خبریں شہر میں شہرت پائیں اور فساد کو سنبھالنے پر آمادگی پیدا کرتی تھیں جس سے سالار جنگ اور نظام کے لیے دشواریاں زیادہ ہوتی تھیں مگر گورنمنٹ نظام اور برٹش ریذیڈنٹ میں آپس میں حسن ظن اور اعتماد ایسا تھا کہ فقط اس سبب سے امن و امان و نظام سب قسم کی حکمتیں کام میں لائے جتا جو ہندوستانی صاحب قدرت گورنمنٹ کام میں لائیں تھی کہ بدخواہوں کے جوٹل بند بھی کو روکے۔

راجہ دشولا پور چند سواروں کو ہمراہ لے کر حیدر آباد کی طرف مسرور ہوا۔ بازار میں پھرتا تھا کہ سالار جنگ نے اس کو گرفتار کر کے ریذیڈنٹ کے حوالہ کیا۔

جب راجہ بھاگ گیا تو دشولا پور کو سپاہ نے خالی کر دیا۔ پٹان روس کیپل نے اس ملک کا انتظام سنبھال لیا۔ اس طرح فکر و حیدر آباد میں جو فساد اٹھا تھا وہ ختم ہو گیا اگر خدا نخواستہ حیدر آباد کا نظام سرکشی کرتا تو ہندوستان میں بڑی ہل چل پڑتی سارے دکن میں زلزلہ آجاتا اور طوفان برپا ہوتا مگر یہ سالار جنگ ہی کی دانائی اور دور اندیشی تھی کہ انہوں نے اس ملک میں بغاوت کے بیج کو برپا نہیں ہونے دیا۔

لیکن ابھی سالار جنگ نے سب برابر کا مطالبہ کیا، تو گرفتار ہوتے ہوتے بچے،



حیدرآباد دکن میں انگریز ریڈیٹنٹ کی کونٹری ہوسٹل آؤٹری ہسٹل کے خلاف اور  
برطانوی استعمار کی تائید میں سازشیں ہوتی تھیں





انگریزی نظام جس کے یہ کارنامے تھے، جسے استغناء دار الفاظ میں خراج تحسین انگریزوں نے پیش کیا، جس کے احسانات کا اعتراف کیا، اتنا حق اور اختیار بھی نہیں رکھتا تھا کہ اپنا وزیر اعظم اپنی مرضی سے رکھ سکے،

جنرل فیروز دینڈیڈنٹ کے مشورے سے نظام جیسا باؤ نے وزیر اعظم شمس الہرا کو موقوف

کر دیا - (۱۱)

(۱۰)

## نواب شمس الدین خاں کا قتل

انگریزوں کا بعد حکومت، اس اعتبار سے تو شرمناک تھا ہی کہ انہوں نے عوام پر اسٹنہ معائب توڑے کہ وہ زمینگی سے تنگ آگئے، نفرت کرنے لگے زمینگی سے، لیکن اس اعتبار سے بعد زیادہ شرمناک ہے کہ جن لوگوں نے، انگریزوں کی مدد کی، جنہوں نے ہر مرحلہ پر انکے بند کسے ان کا ساتھ دیا، جنہوں نے، اپنے بادشاہ، اپنے ملک، اپنی قوم، اور اپنی ملت تک کا ساتھ انگریزوں کے مقابلہ میں نہیں دیا، انہیں بھی انگریزوں نے معاف نہیں کیا۔ بتایا، دکھ دیا، پریشان کیا، اور جب کسی نے، فلاں کر دکھائی، اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا تھاں دیا، غرض —

جہاں تک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں

اس سلسلہ میں، نواب شمس الدین خاں دو باروں کو جس طرح، پھانسی دی گئی، وہ ایک

(۱۱) سرطاس مسکات کی ڈائری ص ۲۳۲

اہم واقعہ ہے، اور اسے ذرا شرح اور بسط کے ساتھ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

پہلے نواب شمس الدین خان کا سراپا ملاحظہ ہو :-

تقوڑی تارا، ماسٹے پر چاند سورج کی سی کرن، رنگ میدہ و شہاب سوائی تاک، غلافی آنکھ  
چہرہ کی چھب دل میں کبھی جاتی ہے، ہر عضو بدن سا پنچہ میں ڈھلا ہوا عجب سج و صبح سے چلا اُٹھتا ہے  
یہ کون تو جوان ہے کہ اہل دربار اسے ٹکٹھی ہاندھ دیکھ رہے ہیں جس کی جہاں نظر پڑی جم کر رہ گئی  
ع کرشمہ دامن دل کی کشد کہ جا اینجاست ۔ بے ساختہ زبان پر آیا ہے

بدان شکل تو بت کمتر آفرید خدا

مرا کشیدہ دعوات از قلم کشیدہ خدا

یہ نیرتایاں شمس الدین خان والی فیروز پور ولہارو ہے، یہ آفتاب حسن ہے، تمام فنون سے  
گئی کا مسلم الثبوت است و شاعر ہے، اور بڑے پائے کا نقاد، اس کا دربار اہل کمال اور اہل علم کا  
طلبا و ماوے ہے۔

نواب احمد بخش خان صاحب والی فیروز پور ولہارو کے دو محل ہیں ایک کی اولاد میں  
مہر نیم روز | مہر نیم روز شمس الدین خان ہیں دوسری کے بلن سے نواب امین الدین خان صاحب  
اور نواب ضیا الدین خان صاحب بڑے لڑکے کو فیروز پور کہ حاصل ریاست ہے عطا ہوتا ہے آخر الذکر  
دونوں کو ولہارو نواب احمد بخش خان صاحب غلدا شانی ہوئے۔

نواب امین الدین نے منشی کو طلب کیا دعوات قلم سیاہ لے کر آئی  
ترکہ منقولہ و غیر منقولہ | صفحہ قرطاس نقش عبت سے پاک قلم وہی دریدہ روئے سیاہ لیے

حاضر ہوئی صفحہ بہتی سے حرف جبت اٹھ رہا ہے سرکار انگریزی میں درخوارت گذاری کہ والد مرحوم کی  
وصیت متروکہ غیر منقولہ کی بابت ہے کہ منقولہ ہم میں تقسیم کر دیا جائے۔  
بلئے عمامت پڑ گئی دوریتوں میں بگڑ گئی فیصلہ امین الدین خان صاحب کے موافق ہو رہا ہے شمس الدین

خان صاحب آگرہ میں اپیل کرتے ہیں ولایت کے قانون کے مطابق نو بارو بھی بڑے لڑکے نواب شمس الدین خان صاحب کو مل جاتا ہے امین الدین خان صاحب احمد منیاہ العیسیٰ خان صاحب کے حق میں ایک ایک ہزار روپیہ گزارہ کا حکم ہوتا ہے۔

**فریزر کی شرارت** | نواب امین الدین خان صاحب کے پاس یہ کون انگریز بیٹھا ہے؟ اور فریزر صاحب ہیں چپکے چپکے ہائیں ہو رہی ہیں۔ افسردہ خاطر سے بیٹھے ہیں۔

فریزر کہتا ہے بھائی امین الدین پریشان نہ ہو اس وقت اچھا موقع ہے کلمتہ کا گورنر جنرل میر دوست ہے تم وہاں اقبل کرو میں سفارشی بھیجتا دیتا ہوں کام بن جائے گا، پردہ کے پاس یہ کون کن سوئیاں لے رہا ہے غضب ہو گیا۔ یہ تو جنرل بیگ شمس الدین کا آدمی ہے بھائی کے ہاں ٹوہ لینے کو بھجوا رکھا ہے پتنگ چھڑی پل کی پل میں نواب شمس الدین خان صاحب کے ہاں جا پہنچا سارا معاملہ کبہ نہ نواب صاحب کی خاطر عاظر مکتدر ہو گئی ٹہل رہے ہیں چہرہ غصہ سے تھمتا رہا ہے نادی عنادی یہاں بھی موجود ہیں ایک نے کہا فریزر نے بڑا غضب ڈھا رکھا ہے جب تک یہ ہے جمع خاطر معلوم دوسرا ہوا قضا سر پر کھیل رہی ہے تیسرے نے کہا منٹوں میں سوٹ پٹ کیا جا سکتا ہے نواب صاحب نے مونچھا یہ ہاتھ پھیرا اور کریم خاں کو طلب کیا سیاہ خام گرانڈیل جواں ہے انکھوں سے تھری ٹپک رہی ہے چپکے چپکے اُس کو کچھ ہدایاں دیں اور کہا: بیا اور اصل کو ساندینوں پر ساندوے جاؤ وہ آداب کر چکا ہوا نواب صاحب ایک غوط میں خوش بیٹھے ہیں۔

**فریزر کا قتل** | اندھیری رات ہے اور چاروں طرف سناٹا ایک شخص گھوڑے پر سوار اور دوسرا ندی سوار دلی کے قریب باؤسٹے پر درختوں کی آڑ میں گھسے ہیں۔ ایک سنبھ کا

عمل ہے ایک انگریز تنہا گھوڑے پر سوار اس طرف چلا آ رہا ہے ساندنی سواروں نے راستہ روکا گھوڑے پر جو شخص ہے اس نے ایک ہاتھ تلوار کا دیا۔ انگریز پیچہ کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتا تھا کہ ایک تالا ہوا ہاتھ اور ملا کام تمام کر دیا۔ پھاڑ کھا کر گرا۔ خون کے شرٹے یہ گتے تمام زمین لہو بہاں ہو گئی۔ انگریز مارا گیا۔ یہ خون رنگ لاتے گا۔ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا اُمیں کا

ہاتھوں نے اپنا اطمینان کیا کہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا ہے یا ابھی کچھ جان باقی ہے سائنڈنی سواروں نے اپنی  
 وہ لی اصل قاتل نے دلی کا رخ کیا۔ شہر کے دروازے بند ہیں یہ تمام رات باہر پھرتا رہا صبح دلی  
 دروازے سے داخل ہوا دریا گچ میں نواب صاحب فیروز پور کی کوٹھی میں آیا اور ہو یہ تو کریم خان ہے  
 جس کو کچھ روز پہلے ہم نے نواب شمس الدین خان صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ گھوڑا اصریل میں  
 باندھ سستائے کو چار پائی پر لیٹ گیا۔

یہ کس کی نعمت ہے جسے تمام افسران گھیرے کھڑے ہیں آپس میں سرگوشیاں ہو رہی  
 ہیں۔ ایک بولا فریزر صاحب رات کو مارے گئے دوسرے نے کہا راجہ صاحب بدب گرمہ کے  
 ہاں سے دعوت کھا کر جا رہے تھے میسر بولا نعمش باؤٹسہر علی قاتل مفروضہ لارنس صاحب  
 بھڑیٹ قریب کھڑے زخموں کو دیکھ رہے ہیں کہ نواب فتح اللہ بیگ تشریف لائے یہ نواب  
 امین الدین صاحب کے قریبی رشتہ دار ہیں نعمش دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے کہنے لگے بھائی فریزر میں  
 پہلے ہی کہتا تھا کہ کریم خان تجھے فیروز پور سے مارنے آیا ہوا ہے تو اکیلا دیکھنا نہ پھر تو نے میری  
 بات نہ مانی اور اپنی جان دی یہ بات لارنس صاحب نے سنی اور مجمع سے باہر آ گئے سید سے  
 نواب صاحب فیروز پور کی کوٹھی پر پہنچے قضا عند اللہ دروازہ پر کریم خان کھڑا ہے پوچھا تو کون ہے؟  
 اس نے کہا سپاہی۔ کیا نام؟ جواب ملا کریم خان دریافت کیا کہ دہلی کب آیا؟ اس نے جواب دیا کہ  
 کوئی دس روز ہوئے۔ کیوں آیا تھا؟۔ سرکاری کام کو۔ اصریل دریافت کیا۔ اس نے اشارہ سے بتایا  
 وہاں دیکھا تو ایک گھوڑا پسینہ میں مڑا ہوا کھڑا تھا کریم خان سے دریافت کیا تیرا گھوڑا کون سا  
 ہے اُس نے اُسی کی طرف اشارہ کیا کریم خان غافل رہا۔

دو سائنڈنی سوار مارا مار منزلیں مارتے فیروز پور کی طرف چلے جا رہے ہیں سائنڈنیال پید  
 پسینہ ہو رہی ہیں ہر یہ دباتے لیے چلے جاتے ہیں۔ صبح ہوتے فیروز پور آیا۔ محل کے دروازے  
 پر پہنچے اطلاع کروائی کہ داخل حاضر ہے فرما طلبی ہوئی نواب شمس الدین خان صاحب مع صاحبوں  
 کے بیٹھے تھے یہ آداب بجا لایا اور کہا۔ حضور مبارک ہو کام تمام کر دیے آپ کے اقبال سے



ارشاد ہوا۔ شاہنشاہ! یا آرام کرو اصل باہر نکلا ہی تھا کہ ایک معاصی نے کہا اس کو مروا دیجئے مہلے قبول دے نواب صاحب نے قدرے توقف کیا پھر آواز دی داخل کو بھیج دو یہ باہر سن چکا تھا باہر ہی سے جواب دیا ابھی حاضر ہوا اوتھنی باندھ آؤں بس اتنا کہتے ہی اونٹنی کی پیٹھ پر تھا۔ تیارہ کے علاقہ میں جا کر رپورٹ درج کرائی۔

یوسف زندان میں ہے۔ شمس الدین خاں قید ہیں۔

آج سنگار کیوں ہو رہا ہے؟ کیا رہائی کا حکم آگیا؟ نہیں آج قید ہستی سے رہائی ہے نہاد صوبہ شاہک ہیں عطر مل باہر نکلا بسم اللہ کہہ کر پھانسی کے تختہ پر ہدم رکھا بھنگی جو کھڑا تھا اس کو ہٹا دیا اپنے ہاتھ سے گلے میں پھنسا ڈال جان بحق تسلیم ہوا۔ (۱۱)

نہیں یہ اتنی بڑی جرات تھی کہ انگریز بھی خوف نتائج سے کانپ رہے۔ انہوں نے شمس الدین خاں کو پھانسی دینے سے پہلے، تمام اعلیٰ ملی مدارج ملے کر لیتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

”سندکار کے بعد یہ دوسری پھانسی تھی۔ جو ایک ہندوستانی رئیس کے لیے انگریزی قانون کو تلاش کرنی پڑی۔ چونکہ شمالی ہند میں اس وقت تک کوئی واقعہ ایسا نہ ہوا تھا۔ اس لیے حکومت کو غیر معمولی احتیاطوں سے کام لینا پڑا۔ حکومت سے ایجنٹ کو لکھا گیا کہ اس بارے میں شاہ دہلی سے ایک فرمان حاصل کرنا چاہیے۔ نیز علماء و ثقافت کا ایک محضر تیار کرانا چاہیے۔ کہ احکام شرع کی مدد سے بھی فریئر صاحب کا قصاص ضروری ہے۔ اور اس بات میں انگریزی فیصلہ فیصلہ شرع کے خلاف نہیں۔“

مولوی رشید الدین کے مطابق کتب خانہ میں ہے۔ اس کی ایک تحریر سے ظاہر ہے کہ ایجنسی کے دفتر انڈین ایک تحریر تیار کی تھی۔ جس میں کتب فقہ کی وہ تصریحات نقل

(۱۱) حلی کا مباحثہ (خواجہ محمد طہسین دہلوی) ص ۱۰۰

کردی تھیں۔ جو ذمہ کے قصاص کے بارے میں ہیں۔ لہذا صحت پر بھی فریبرز ذمیوں میں داخل تھے۔  
 اس کے مسلم تا تک لہذا محرک قتل سے قصاص لینا واجب ہے۔ بلو شام نے بڑی کوشش کر کے بعض علماء  
 کو جو قلم سے وابستہ تھے اس پر آمادہ کیا۔ کہ اس تحریر پر دستخط کر دیں اور اس محفل کی بنا پر خود  
 بھی ایک شفق لکھ کر ایجنٹ کے حوالے کر دیا۔ یہ شفق لہذا محفل تمام ملک میں شائع کیا گیا تھا۔ اور  
 ریڈیف نٹوں اور پولیٹیکل ایجنٹوں کے ذریعہ تمام ریاستوں کے درباروں میں پہنچایا گیا تھا۔ (۱)





زینت محل — ملکہ ہند



# ملکہ زینت محل

خاک میں کیا صدفیں ہوں گی کہ نہاں ہوئیں

زینت محل بہادر شاہ کی چہیتی ملکہ تھیں، بادشاہ ان سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ اور اپنے کردار و سیرت، شخصیت اور شوہر پرستی کی روایتی شان کے باعث اس قابل بھی تھیں کہ انہیں چاہا جاتے، اور انہیں وہی منزلت دی جائے، جس کی وہ مستحق تھیں،

بہادر شاہ اور زینت محل کی عمریں بہت زیادہ تفاوت تھا۔ لیکن نفسیاتی طور پر اس تفاوت سے انہوں نے کوئی برا اثر نہیں قبول کیا، زندگی کی آخری سانس تک وہ نہایت بچائی کے ساتھ اپنے شوہر کے دامن محبت سے وابستہ رہیں، بہادر شاہ کی دوسری بیویوں کی طرح ان کے لیے بھی یہ ممکن تھا کہ وہ رنگون جلا وطن نہ ہوتیں، لیکن بدست، استقامت، عزم و ثبات، عورت کی سرشت ہے، اور یہی سرشت زینت محل کی بھی تھی۔ انہوں نے بہادر شاہ کے ساتھ دنیا کے مزے لوٹے تھے، شاہانہ زندگی بسر کی تھی، عیش و نعم میں دن بے رات تھے سونے کے برتنوں میں کھانا کھایا تھا، نذاعت اور کھاب کے کپڑے پہنتے تھے، موتیوں اور پیروں اور حجابرات کے زیند استعمال کیے تھے، اور اب جب بہادر شاہ ایک فقیر بے لقا ایک ناقابل معافی مجرم، اور ایک بے کس اور بے سہارا شخص کی حیثیت سے، غربت اور فقر و فاقہ کے عالم میں، جلا وطنی کی زندگی بسر کرنے رنگون جا رہے تھے، تو زینت محل کی غیرت شرافت، اور شوہر پرستی نے اسے گوارا نہ کیا کہ مظلوم، ضعیف، اور قابلِ رحم شوہر کو کس پہرے

کے عالم میں چھوڑ دیں، انہوں نے ہمت اور استقلال کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا کہ جس شوہر کے  
ساتھ انہوں نے عیش و لہم کی زندگی بسر کی تھی اس کے ساتھ مصیبت کے یہ دن بھی کاٹ جائیں گے۔  
اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات  
رو کر اسے گزار کہ ہنس کر گزارے

انہوں نے شمع کی طرح رو کر نہیں پھول کی طرح ہنس کر، زندگی کی یہ تلخیاں مردانہ استقامت  
کے ساتھ برداشت کیں،

رنگون پہنچنے کے بعد، زینت محل کی زندگی یکسر بدل گئی، یہ وہ حال تھا کہ، خاموش تھیں  
کینزری تھیں، باہیاں تھیں۔ دولت کی دیل پیل تھی، یارنگون پہنچنے کے بعد، یہ حال ہوا کہ، رہنے  
کو تنگ و تار یک کو ٹھری، پہننے کو میسے کھید، اور پھٹے پرانے کپڑے، کھانے کو روکھی سوکھی  
دوٹی، غالب نے جو بات شاعرانہ طرز پر کہی تھی، وہ ان کے بادشاہ، اور ملکہ پر لفظ بہ لفظ صادق  
آئی،

رہیتے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
ہم لٹیں کوئی نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو  
بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چاہئے  
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو  
پڑے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار  
اور اگر مر جائیے تو نوہر خواں کوئی نہ ہو

واقعہ بہادر شاہ، اور زینت محل کا یہی حشر ہوا، زینت محل نے آنکھ سے ایک آنسو  
گراتے بغیر اور زبان پر حرمت شکایت لائے بغیر، اپنی ساری زندگی قید، اور جلا وطنی کے عالم  
میں گزار دی، بہادر شاہ کے انتقال کے بعد بھی ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ دلی واپس چلی جائیں  
جہاں اب وہ جاسکتی تھیں، اور جہاں خاندان شاہی کے بہت سے افراد موجود تھے،

زینت محل کی زندگی ایک بہت بڑا المیہ ہے، لیکن نہایت شاندار، یہ المیہ اتنا ہی شاندار ہے۔ جتنی خود زینت محل تھیں، ہر ٹریجڈی۔ شاندار اور باوقار نہیں ہوتی، لیکن زینت محل کی ٹریجڈی شاندار بھی تھی، اور باوقار بھی۔

ذیل کے صفحات میں، زینت محل کی زندگی، رکھ رکھاؤ، وضع و انداز، اور، طور طریق کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ زینت محل کیا تھیں، اور زمانہ کی تبدیلی نے انہیں کیا بنا دیا : —

**زینت محل کا خاندان** بادشاہ سلامت لال قلعہ میں رونق افروز ہیں۔ معظم الدولہ ایجنٹ بہادر کو زبانی پیام بھیجا کہ زینت محل بیگم احمد علی خاں کی بیٹی ہیں۔ اور احمد علی خاں۔ احمد شاہ دہلوی شاہ کا بل کے خاندان میں سے ہیں۔ لہذا زینت محل بیگم کی اولاد کو بادشاہیت کا استحقاق ہے۔ اس لیے بیگم مذکور کے بیٹے مرزا جواں بخت کو ولی عہد بنا دیا جائے۔ ایجنٹ کا جواب آیا کہ مدد اگرہ کو رپورٹ کر دی گئی ہے۔ جو حکم آئے گا ویسا ہی ہوگا۔ (۱)

**شہر سے عقیدت اور محبت** تین روز سے بادشاہ سلامت شہر میں قاسم جاں کی گلی میں زینت محل بیگم صاحبہ کے مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ بیگم مذکور نے طمع طرح کے فرش صغور والا کے قدموں کے نیچے بچھائے تھے۔ اور ان کو بطور خیرات کے لٹوا دیا تھا۔ اور ایک تلوار و پیر صغور والا کے سر پر بچھاؤ کر کے خیرات کیے تھے۔ اور سات اشرفیاں اور ایک تلوار ایک کشتیاں پوٹ کی کپڑوں کی اور شاووں کی نند میں پیش کی تھیں۔ اور ہاتھی گھڑے بھی نذر کیے تھے۔ (۲)

(۱) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۲

(۲) سرطاس مشکات کی ڈائری ص ۱۱

”حضرت محمد ابو ظفر بہادر شاہ پانچ روز سے ملکہ زینت  
**بہادر شاہ اور زینت محل** | محل بیگم کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔ جب سواری لال  
 قلعہ سے شہر کے اندر بیگم عاصدہ کے مکان پر گئی تو راستے میں حافظ داؤد اور شادی رام اور  
 بالو سورج ناتھ، اور کنور دیپی رنجو۔ اور ملک ہم اور حکیم احسن اللہ خان نے اپنے اپنے  
 سلاخوں کے سامنے آداب بجا لانے کی عزت حاصل کی اور پانچ پانچ چار چار روپیہ نذر  
 کے پیش کیے۔

حنور پر نور نے بیگم مذکور کے ہاں خاصہ تناول فرمایا اور نوکروں کو کھانے تقیم  
 کرائے اور طعنا نقول کا ناپچ دیکھا۔ (۱۱)

”بیوی کی تعلیم“ | ایک دن جہاں پناہ خاصہ نوش فرما رہے تھے اور چلن کے پیچھے میں اور  
 میری ساس حاضر تھیں ملکہ زینت محل نے کہا: ”حنور یہ جو گرگ باران  
 دیدہ کہلا رہے تو کیا بھیڑیے کے بارہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس بات کو سن کر بادشاہ سلامت  
 خوب ہنسے اور فرمایا نہیں نہیں یہ بات غلط ہے بلکہ بڑوں سے ایسا سنا ہے کہ جب برسات  
 بہت برسی ہے اور جل جل بھر جاتے ہیں۔ جنگل اور میدانوں میں پانی ہی پانی ہوتا ہے تو  
 گیدڑ و مڑیاں، بھیڑیے اپنے اپنے بھٹوں میں اور اپنے اپنے گھروں میں چھپ جاتے  
 ہیں ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ ایک کھوہ میں دس پندرہ بھیڑیے گھس کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور  
 عینہ لہ پانی کے مارے باہر نہیں نکل سکتے۔ بھوک کے مارے بولاتے ہیں ان میں جو نڈھال ہو  
 جاتا ہے اور ناتوانی سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اور بھیڑیے اسے تگہ بوٹی کر کے کھا لیتے ہیں  
 اور اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز ایک بھیڑیا آدھ موٹا ہوتا رہتا ہے اور بھیڑیے  
 اسے کھاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے پنج یا ایک بھیڑیا رہ جاتا ہے اور اب



مینہ بھی کھل جاتا ہے بھڑموٹ ہو جاتی ہے اپنے سایہ سے بھڑکتا ہے پتھر سے پھڑکتا ہے۔ اور جب کوئی آدمی ایسی ہی ہوشیاری کر لیتا ہے تو کہتے ہیں گرگ باراں دیدہ ہے اسی طرح بھیڑیا اور اس کی مادہ پانچ پچے جنگل میں ان کے ساتھ پھرتے ہیں۔ لہذا شکار ڈھونڈتے ہیں تو سارا دہن کھلاتے ہیں یہ سب کے سب داؤں کرتے ہیں لہذا بجا بچھپ جاتے ہیں اور ہرن بیچارے کو پکڑ لیتے ہیں لہذا بل جل کر کھا جاتے ہیں۔ کوئی آدمی بے بلائے اپنے جو رو بچوں کو لے کر کسی کے ہاں مہمان آجاتا ہے تو طعن سے کہا جاتا ہے بوا ستار مار دہن آ پہنچا۔ (۱۱)

**زینت محل کی مہربانی** جب ملکہ زینت محل کی مہربانی سے محبوب علی خان خواجہ سرابو ظفر بادشاہ کے وزیر ہوئے تو انہیں دھیان آیا کہ میں ان پڑھ ہوں

لہذا وزارت کے لیے علم درکار ہے کیونکہ کام چلے گا ان کے ایک خیر خواہ نے خبر دی کہ بتلی وارے میں ایک معلم رہتے ہیں جو بادشاہ زادوں اور امیروں کو ٹیکہ لے کر فارسی پڑھنا سکھاتے ہیں۔ جس رنگ کی انشاء کہتے اس رنگ کی شاعر کہنے لگتا ہے ٹیکے کی دستاویز قاعدہ کے ساتھ لکھو لیتے ہیں۔ اور اگر میاں مقررہ میں شاعر نامراد رہے تو روپیہ جو بیٹگی یا ہے ہنسی خوشی واپس کر دیتے ہیں۔ مگر اس پچاس برس میں یہ شکایت ایک شاعر نے بھی نہیں کی کہ میں تعلیم میں بیٹا ہوں۔ لہذا استاد کو بیٹگی رقم واپس کرنی پڑی ہو۔ اس کا نام مولوی امام علی صاحب ہے شاہجہاں آباد کی تحصیل سے باہر بتلی وارہ میں رہتے ہیں۔ محبوب علی خان یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور بادشاہی سواری بھیج کر مولوی صاحب کو لال قلعہ میں بلوایا اور بہت تعظیم سے بٹھایا اور اپنا مدعا سنایا مولوی صاحب نے کہا پانچ ہزار روپے لگا ایک برس میں آپ اسنے قابل ہو جائیں گے کہ فارسی عبارت فلسفی عنایت اللہ کی مہاراجاں بیسی گنتے لکھیں گے لہذا وزارت کے تحریری کام میں کسی طرح بند نہ ہوں گے۔

بعد روکہ تک گواہی شاہی سے لکھا گیا اور ڈھائی ہزار روپیہ نقد پیشی وزیر صاحب  
 نے مولوی صاحب کو دے دیا۔ مولانا کے واسطے وقت مقررہ پر ساری جاتی اور مولانا لال قلعے  
 میں تشریف لے جاتے ایک گھنٹہ شاگرد کو پڑھواتے لکھواتے اور پہلے جاتے مولانا نے محبوب علی  
 خان کو ایک تلمیذ انشا بھی اپنی تصنیف سے دے رکھی تھی جس سے بہت نکتے حل ہوتے تھے ایک  
 سال میں چھ مہینے گزرے تھے جو محبوب علی خان قابل ہو گئے برسوں پورا ہوا تو مولوی صاحب نے  
 اپنے باقی روپیہ کا تقاضا کیا شاگرد صاحب روپیہ کا ہم سن کر بڑ گئے انہوں نے کہا استاد مجھے فارسی ماری  
 کچھ نہیں آتی پیشگی جو ڈھائی ہزار روپے آپ نے لیے ہیں وہ بھی واپس دیتے مولانا جانتے تھے کہ  
 اصل بد از خطا خطا نہ کند۔ سال بھر کے سودے شاگرد کے ہاتھ کے ان کے پاس محفوظ تھے ان  
 کے ذریعہ سے شاگرد پر انگریزی عدالت میں ڈھائی ہزار روپیہ کی نالش کر دی مقدمہ نے طول کھینچا  
 شاگرد برابر انکار کرتے رہے اور کہتے رہے کہ مولوی اہم علی صاحب کی تعلیم سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔  
 عدالت نے مجبور ہو کر مرزا فوسٹر۔ قالیب۔ منشی صدر الدین آندوہ۔ مولوی اہم بخش صاحب مہبانی۔ منشی  
 فاتح داس صاحب پٹواری کو جو فارسی کے خاتمی اور الفی تھے اپنی طرف سے بیخ بد اور مدعی اور مدعا  
 کو لاچار کیا کہ جو کچھ بیخ کہیں گے اس فیصلہ کو تمہیں منظور کرنا ہوگا بیخوں نے غرور اور پھان بین کے  
 بعد لکھ دیا کہ مولوی اہم علی صاحب کو مدعیہ سے ڈھائی ہزار روپیہ دلایا جاسے مدعا علیہ منور غشی  
 حایت اللہ کے رنگ کی عبارت فارسی لکھا ہے۔ اور استاد کا کابل ریٹک اس شاگرد میں اڑ کر گیا ہے چنانچہ  
 عدالت انگریزی نے ڈھائی ہزار روپیہ محبوب علی خان سے مولوی صاحب کو دلانے ٹر اس نے  
 دغا بازی سے مولوی صاحب کی انشاد ماری کیونکہ مولوی صاحب نے اپنے دھمے میں شامل کیا تھا  
 اور درباری مذکرہ اس کا آیا تھا جب مولوی صاحب نے اس سے کتاب ملگوائی تو شاگرد نے کہلا  
 بھیجا کہ محض آپ کی دل آزاری کے لیے کتاب نہ دوں گا ورنہ وہ انشا ہے حقیقت ہے مولوی صاحب  
 نے کہا کہ اس نس کے سے کہہ دینا ہے

کینہ خداوند ہستی مباد جو نمرود تنگدستی مباد

تو کتاب زدے مگر انشاء اللہ میری دل آزاری کر کے ایمان سلامت نہ لے جائے گا آخر وزیر صاحب  
مرض استعنا میں مبتلا ہوئے اور مجھے صاحب کتاب کی بددعا کا لکھا ٹر ہے ذبح ہو کر کتاب مولوی صاحب  
کی خدمت میں بھیج دی اور مصافی چاہی مولانا نے جواب میں کہلا بھیجا مردوں کا وار خالی نہیں جا تا میرا  
تبر حفت پر پہنچ گیا ہے

تو مشو مغرور از علم خدا  
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا (۱)

زینت محل کا قرض | صاحب کلاں بہادر کے نام شفق جاری فرمایا کہ نواب زینت محل بیگم  
صاحبہ نے محبوب علی خان خواجہ سرا کی معرفت دس ہزار روپیہ قرض

لیا ہے یہ قرض دو ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے قسط وار ادا کیا جائے ۴ ہزار روپیہ مہیاں  
کالے صاحب بہر زادہ کی صاحبزادی کی شادی کے خرچ کے لیے، ۱ ہزار روپیہ بادشاہ کی منہ بولی  
بیٹی کی شادی کے لیے، ۱ ہزار روپیہ خضر سلطان کے لیے، ۱ ہزار روپیہ مرزا احمدی بہادر کے لیے  
۱ ہزار ۴ سو ۵۰ روپیہ مرنی دھراہ رام پرشاد مہاجنوں کے قرض ادا کرنے کے لیے ضرورت  
مندی روپیہ بچا ہوا ہے وہ جیب خاص میں خرچ ہو گا - (۲)

زینت محل یا نور جہاں | سلطنت کے تمام کار پروانوں کے نام حکم جاری کیا گیا کہ جس  
دستادیر پر نواب زینت محل بیگم کی مہر نہ ہوگی وہ غیر معتبر ہے

صنوبر عالی ستالی نے اپنے دستخط خاص سے ایک شفق جناب زینت محل بیگم صاحبہ کے  
ہم جاری فرمایا کہ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ بخشی گری کی تنخواہ آپ کے رو برو تقسیم کی جائے۔ (۳)

۱۱ لال تلہ کی ایک بھلک (۵۲) وزیر ذائق (۵۲)

۱۲ بہادر شاہ کا عقد نامہ ۱۵۲ (۲۵ جون ۱۸۴۷ء)

۱۳ بہادر شاہ کا عقد نامہ ۱۵۲ (۲ جون ۱۸۴۷ء)



نواب صاحب کلال تے اطلاق بھیجی کہ میں شرف ملاقات حاصل کرنے کی غرض سے  
پس پردہ حاضر ہونا چاہتا ہوں اور امور سلطنت کے مختار البام وکیل شاہی کو حکم ہوا کہ استقبالیہ  
 کے لیے جاؤ صاحب کلال بہادر شرف حضور کی سے مشرف ہوئے بہت دیر تک بعض نمک حرام ملاؤ  
 کی بابت گفتگو ہوتی رہی پس پردہ نواب زینت محل بیگم صاحبہ تشریف رکھتی تھیں انہوں نے صاحب  
 کلال بہادر کے لیے ایک بیٹوہ جس میں لالچیاں وغیرہ تھیں کتا منج کے طور پر بھیجی - (۱۱)

زینت محل کے مصارف ”دیوان دھول سنگھ سے ارشاد ہوا کہ بعض شاہزادگان کی شادی  
 کے لیے نواب زینت محل بیگم صاحبہ کو روپیہ قرض لینے کی  
 ضرورت ہے قرضہ کی ادائیگی کی نسبت اسٹی کامنڈری پر لکھ دیا جائے گا اور یہ قرضہ ۲ ہزار روپیہ سالانہ  
 کی قسط کے حساب سے اُن دیہات کی آمدنی سے ادا کیا جائے گا جو شاہی تولیت اور اقتدار میں  
 ہیں - (۱۲)

روزمرہ کا خرچ ”نواب زینت محل بیگم نے فرمایا مجھے گھر کے روزمرہ کے خرچ کے  
 لیے کچھ روپیہ ملنا چاہئے۔ محبوب علی خواجہ سہرا کو ارشاد ہوا کہ ایک

ہزار روپیہ کا بندوبست کر کے بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھیج دو - (۱۳)  
دادی کا انتقال ”۲۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کو نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی دادی نواب  
 نواز علی خان کی زوجہ محترمہ فوت ہو گئیں حکم ہوا کہ ایک سو پچاس روپیہ  
 تجبیز و تکفین کے لیے اور خلعت ماتمی کے طور پر مین وہ شالے اُنکے مارٹوں کے پاس بھیج دینے جائیں۔“

(۱۱) بہادر شاہ کا روز نامہ منشا - ۱۸ جون ۱۸۴۴ء

(۱۲) بہادر شاہ کا روز نامہ منشا - ۱۴

(۱۳) بہادر شاہ کا روز نامہ منشا - ۹

(۱۴) بہادر شاہ کا روز نامہ منشا - ۶



”قل میں نواب زینت محل کا مکان دل کنویں کے پاس اب بھی موجود ہے۔“

## زینت محل

بلو شاہ نے وہیں دربار کر کے مقیدہ سنا، نقاء

(زبے نشاط کو گر کیجئے اسے تحریر

عیاں ہو غامہ سے تحریر نغمہ جائے سریر

ہوا پر دوڑتا ہے اس طرح سے ابر بیاہ

کو پیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

اس برس ایک شادی کی تقریب میں مجھے دلی جانا ہوا اسی مکان میں برات بیٹھی تھی،

فتح دہلی کے بعد گورنمنٹ نے وہ مکان سرکار پٹیار کو دے دیا ہے، بند پڑا رہتا ہے اب اتنے

ہی کام لگے کہ اگر محلہ میں کوئی برات یا شادی کا جلسہ ہوتا ہے، تو داروغہ سے اجازت لے کر

وہاں بیٹھتے ہیں، واہ سے

کشتوں کا تیری چشم سحر مست کے مزار

ہو گا خراب بھی تو خرابات ہونے لگا

وہ زمانہ اور آج کی حالت دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، (۱۱)

”مسیحی ۱۸۴۷ء صاحب کلاں بہادر کے نام شفقہ روانہ کیا گیا کہ حکیم امام الدین

## حکیم کا پاس خاطر

خان بہادر نواب زینت محل بیگم کے علاج معالجہ میں معہوت ہیں ان

کو نواب صاحب فرخ آباد کے معالجہ کے واسطے روانہ نہیں کیا جاسکتا اگر ان کو رخصت کر دیا جائے

گا تو بیگم صاحب کے علاج میں مشکل واقع ہو جائے گی۔ (۱۲)

”حکیم مسیحی ۱۸۴۷ء نواب فرخ آباد نے گورنر جنرل کی ہدایت کے

## گورنر جنرل اور زینت محل

بوسحب اپنے خاص طبیب حکیم امام الدین خان کو زینت محل

(۱۱) اب حیات د محمد حسین آزاد

(۱۲) بہادر شاہ کا روز تاجہ ص ۵۵

بگیم صاحبہ کے علاج کے لیے دہلی بھیجا ہے آج نواب فرخ آباد کا مختار امداد علی ملاحظہ شاہی  
میں پیش ہوا - (۱)

**زینت محل کے معالج کا حشر** | عظیم امام الدین خان ولد حکیم غلام رمضان خاں - حکمت  
میں اپنے وقت کے شیخ مانے جاتے ہیں - ابراہیم شاہ

کے زمانے میں شاہی طبیب تھے۔ پان سو روپے ملتے تھے۔ بہادر شاہ کے زمانے میں تلواریہ  
پاتے تھے۔ نواب زینت محل بگیم کے معالج تھے۔ خدر کے زمانے میں گھر میں بیٹھے رہے۔ جب  
سب لوگ شہر چھوڑ بھاگنے لگے۔ تو یہ بھی دہلی چھوڑ کر چلے گئے۔ چند روز بعد برٹن صاحب  
کے حکم سے اپنے مکان میں رہنے لگے۔ پھر جوتی پر شاہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ کچھ دن بعد  
بنارس سے چلے گئے۔ پھر دہلی ٹونک کی طبیبی پر بہتر شاہ میں ٹونک چلے گئے - (۲)

**زینت محل کے والد کا حال زار** | نواب احمد علی خان نواب عباس علی خاں مرحوم کے بیٹے  
تھے۔ ان کی بیٹی نواب زینت محل بگیم بادشاہ کی بگیم تھیں

بادشاہ کے خسر تھے اور بہت نامور لوگوں میں سے تھے۔ جس دن انگریز دلی میں داخل ہوئے  
ہیں۔ تو یہ بھی بھاگے۔ لیکن جھڑ سے پکڑے ہوئے آئے۔ ان سے بڑھاپے کے سبب قید کی  
سختیاں برداشت نہ ہو سکیں۔ آخر جیل خانے ہی میں انتقال ہو گیا - (۳)

**وقادار بیوی** | جس شخص کے ادنیٰ اشارے سے کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا وہ اُس وقت پادشاہ  
کے پہرہ میں خاموش گھٹنوں میں منہ دینے بیٹھا تھا جب دریا وہ وحشت  
ہوتی تو ٹہل لینا اور پھر اٹھ کر جھک گئی تھی۔ بیماریوں نے دم ناک میں کر رکھا تھا صبح کا سہانا

(۱) بہادر شاہ کا مدد نامچہ مشک

(۲) نصرت نامہ گورنمنٹ

(۳) نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۵

وقت تھا کہ دونوں لڑکوں اور تیسرے پوتے کی خبر موت سنی کلیجہ نکل گیا سفید دالھی آنسوؤں  
سے تر ہو گئی زینت محل کی طرف دیکھ کر کہا

کچھ سنا بہ بیچے رخصت ہوئے

یہ کہہ کر ہیچ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کی بے ہوشی میں بادشاہ بیگم کے پاس پانی کے چند  
قطروں کے سوا ہوش میں لانے کی کوئی چیز نہ تھی جواں بخت نے رد کر چھوٹے دیئے زینت  
محل نے شوہر کا سراپا گود میں لے لیا ہوش آیا تو بچوں کو یاد کر کے بد نصیب بادشاہ نے  
دیواروں سے سر پھوڑا دن بھر یہی کیفیت رہی کوئی انتہا نہ تھا کہ دو باتوں سے بد بخت کا  
جی بہلاتا - (۱)

# جوان تخت

## نوش در شید و لے شعلہ مستعمل بود

جوان تخت خاندان شاہی کامل سرسبد تھا، وہ بد قسمت تھا، لیکن اس میں تاجروں اور  
خزروں کی صلاحیت موجود تھی، یہ صلاحیت رائگاں گئی، قسمت کا کھٹا پورا ہوا۔ اور وہ  
اورنگ لشیں حکومت نہ ہو سکا،

بہادر شاہ جوان تخت کو بہت چاہتے تھے، اور زینت محل کا یہ عالم تھا کہ اپنے گوشہ  
بگڑ پر، پردانہ دار قربان ہوئی، بقیں اور وہ اپنے اذقاع و اطوار کے لحاظ سے اس محبت اور چاؤ  
کا سزاوار بھی تھا۔

بالائے مرش ز ہوشمندی

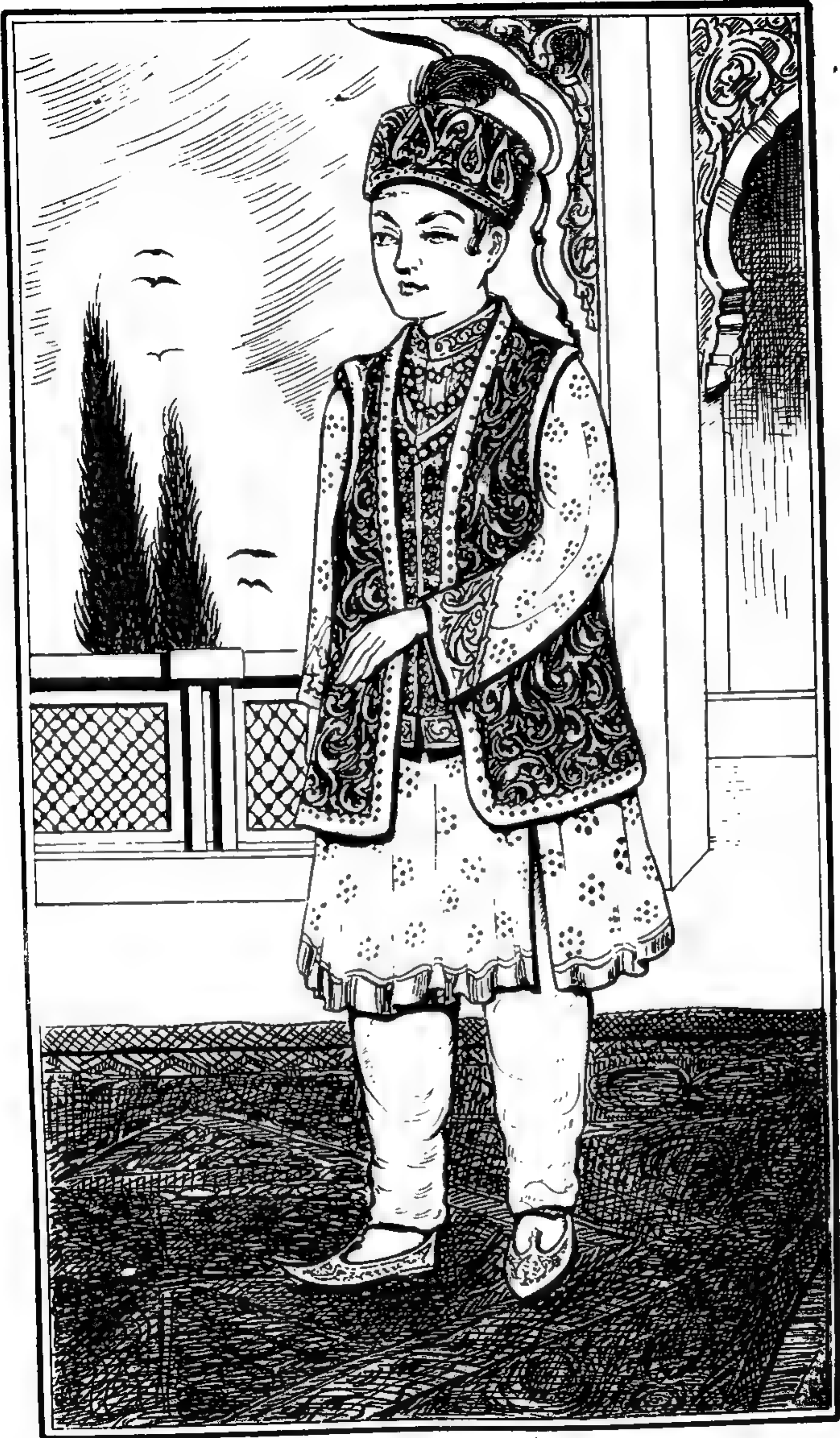
می تافت ستارہ بلندی!

یہ جوان تخت وہی ہے، جس کے سہرے خائب اور ذوق نے کبھے تھے، جو عین عنفوان  
شباب میں باپ کے ساتھ زندوں جدا وطن ہوا، اہ و ہاں، غربت و فلاکت کی زندگی سے تنگ  
آکر آخر ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو گیا، جو محل میں رہتا، اور تخت ہند کا مدعی تھا۔ وہ ایک  
پرستے دیں میں، اس حالت میں دنیا سے مد ہارا کہ نہ کفر کو کوٹری تھی، نہ قاتحہ پڑھنے والے لوگ،

رکھ لی مرے خدانے مری بے کسی کی شرم

مارا دیا پر غیر میں مجھ کو وطن سے دور





ولی عبدالجواں بخت  
جس کی قسمت میں تاج و تخت کے بجائے رنگون کی کالی کوٹھڑی تھی۔  
یہ تصویر، دربار بہادر شاہ کے ایک گروپ فوٹو سے الگ کر کے بنوائی گئی ہے۔ جس کی صحت شک و شبہ سے بالا ہے۔



جواں بخت کی کہانی کچھ زیادہ طویل نہیں، لیکن جتنی کچھ بھی ہے، ہے قابل مطالعہ :-

**دلی عہد جواں بخت کی خوشامد کرتا تھا** | ۱۹ جولائی ۱۸۴۷ء سرکارِ ولیعہد بہادر نے ایک  
شہابی روحِ مالِ محبت و خلوص کے تحفہ کے طور پر  
مرزا جواں بخت بہادر کو عطا کیا۔ (۱)

**جواں بخت کی روزہ کشائی** | ۱۸ ستمبر ۱۸۴۷ء حافظ احمد علی کو مرزا جواں بخت بہادر کے روزہ  
رکھنے کی تقریب میں عطلائے خلوت سے سرفروزی  
فرمانی گئی۔ (۲)

**انگریزوں کی شرارت** | ۱۹ مارچ ۱۸۴۷ء محبوب خواجہ مرزا کا عریفہ پہنچا کہ قدم شریف کے  
مید سے جب مرزا جواں بخت بہادر تشریف لائے تھے  
تو چند بد معاشوں نے انگریز سپاہیوں کی اعانت سے ان کو گھیر لیا گھوڑہ اور بٹوہ جس میں  
تین اٹرنیاں تھیں اور ہیکل چھین کر لے گئے بادشاہِ سندھ نے یہ خبر دحشت اڑ سن کر، جب  
کلاں بہادر کے نام اطلاع بھیجی کہ ایسے بد معاشوں کو قرارِ واقعی سنزدینی چاہئے بادشاہِ سندھ  
سے عرض کیا گیا کہ اس کاروائی کی نقل انگریزی ایجنسی کے محمد فوجداری میں بھی ضرور رس ہونی  
چاہئے تاکہ مناسب کاروائی عمل میں آسکے (۳) راجب ہے کہ بادشاہ کا اس قدر روز بیٹا  
مید میں جاتے اور بد معاش لوگ اُس کا گھوڑا تک چھین لیں یہ دلی کے باشندوں نے مدد  
نہ کی لہ انگریز سپاہیوں کی شرکت کا لفظ بھی حیرت میں ڈالتا ہے غالب اس واقعہ کے اندر  
لہ کوئی راز پوشیدہ ہے جو اخبار و سلسلے کو معلوم نہیں ہوا بہادر شاہ جواں بخت لی ولیعہدی  
چاہتے تھے لہ انگریز اُس کے خدمت سے ۔

(۱) بہادر شاہ کا روز نامہ پیر ۱۵۴

(۲) بہادر شاہ کا روز نامہ پیر ۱۵۵

(۳) بہادر شاہ کا روز نامہ پیر ۱۵۸



باب اور بیٹا " ۱۲ نومبر ۱۸۳۵ء سواری دولت مرآت واقع مہرولی میں حاضر ہوئی بادشاہ سلامت اس پر سوار ہو کر قلعہ معلیٰ کی طرف روانہ ہوئے پہلے اس نے

باغ کے خیموں میں نزول اجلال فرمایا جو نواب مکہ دوران زینت محل بیگم صاحبہ نے حال میں خریدے ہیں بیگم صاحبہ کے صاحبزادے شہزادہ جواں بخت بہادر نے کپڑوں کی سترہ کشتیاں دو شالہ شالی رومال کھواب کا نقانہ ترین کمر بند یہ تمام چیزیں تحفہ مندر کے طور پر پیش کیں تھوڑی دیر میں قیم فرمایا پھر بلند و بالا ہاتھی پر سوار ہو کر اور مرزا فتح الملک بہادر کو اپنے ساتھ بٹھا کر شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قلعہ معلیٰ میں رونق افروز ہوئے انگریزی اور شاہی توپ خانہ سے بلند آواز توپیں چھوڑی گئیں اور قلعہ میں چاروں طرف شادمانی کا غلغلہ ہوا۔ (۱۱)

پانی پت کی زیارت " ۱۰ اکتوبر ۱۸۳۵ء مرزا جواں بخت بہادر شہزادہ خورد سال تھے دستار زبیر فرما کر اندر طرہ مقیش دو شالہ شالی رومال۔ قبلے کھواب سپر لہ شمشیر سر رقص جواہر خلعت حاصل کر کے اور چہار پہرہ ۲۰ سوار ۲ ہاتھی سواری کے واسطے لیکر مزار نور باد حضرت شاہ بوعلی قلندر نور اللہ مرقدہ پر حاضر ہونے کی اجازت حاصل کی اجازت دی گئی اور شہزادہ پانی پت کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۱۲)

جواں بخت کے لیے کھلونے " ۱۵ مئی ۱۸۳۶ء حضرت شاہ جہان دہلی اپنے دولت خانہ واقع درگاہ قطب صاحب میں تشریف لے گئے غلام علی

خان نے جو نواب حامد علی خان کے ہمراہ لکھنؤ سے آتے تھے پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا اور نواب حامد علی خان نے ایک سو تانبے کے کھلونے اور کپڑے شہزادہ جواں بخت بہادر کے سامنے پیش کیے (۱۳)

(۱۱) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۸۹

(۱۲) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۲۶

(۱۳) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۵۶



عہدہ امانت "مکتوبر ۱۸۳۲ء مرزا جواں بخت بہادر کو تمام کارخانوں کی امینی کا عہدہ اور خلعت کا اعزاز و امتیاز بخشا گیا۔ (۱)"

نذری تاکید ۱۵ اکتوبر ۱۸۳۲ء آج ہر قسم کے کاروبار کی امینی کا عہدہ مرزا جواں بخت بہادر کے سپرد کر کے ارشاد ہوا کہ حسب معمول سب اہلکار مرزا جواں بخت بہادر کو نذر دیں۔ (۲)

انگریز اور جواں بخت "مرزا جواں بخت اپنی والدہ نواب زینت محل کے کہوٹے پر کودتے تھے، جن کو بادشاہ کے مزاج میں ہمارے پورے بادشاہ کا نور چلتا تو جواں بخت کو اپنے میں حیات میں، تخت نشین کر دیتے۔ مگر انگریزوں کی پچھڑی زبردست مٹی، مرزا، جواں بخت کے ساتھ سارے برتاؤ دلی عہدی کے برتے جلاتے تھے صرف دو باتوں کی کسر مٹی، ایک تو دلی عہدی کی تنخواہ خزانہ شاہی کی تحریروں میں رہتی تھی، دوسرے انگریزوں نے دلی عہدی کا ادب قاعدہ ان کے ساتھ نہیں رکھا۔ (۳)"

تقریب شادی کتھالی مرزا جواں بخت "ہر چند کہ تقریبات بسیار ریاست ہائے ہندوستان میں نظر سے گزری

ہیں۔ مگر جیسی شادی بازیب و تجمل شاہزادہ مرزا جواں بخت بہادر مرحوم کی ہوتی ایسی رنگین محفل و تقریب و نظریہ باجاہ و چشم اس دریا دلی کے ساتھ کہیں نظر سے نہیں گزری۔ بیان تکلفات رسوم ساجی، وجہندی و برات و آرائش شہر و روشنی و نقار و نجات وغیرہ نقلا جان کر قلم انداز کیا جا سکتا ہے۔ البتہ دو امر قابل نگارش ہیں۔ ایک یہ کہ قرینہ محفل سب سے

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۵۹

(۲) بہادر شاہ کا روزنامہ ۱۶۸

(۳) ابن الوقت (ڈپٹی نذیر احمد) ص ۱۱

جدا گاہ تھا۔ دیوان کی بارہ دری میں، جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔

ہر در میں ایک طائفہ جدا رکھ کر مانتا تھا۔ شاہزادگان کی محفل جدا، ملازمین معززین کی محفل جدا، فرقہ سپاہ کی بزم جدا، شاگرد پیشہ کے لیے جدا، اسی طرح ہر فریق کی محفل جدا تھی۔ اہل شہر کے لیے حکم عام تھا کہ آئیں اور تماشا دیکھیں۔ رقص و مہرود سے محفوظ ہوں۔ رقاماں پری پیکر ہر طرف سرگرم تازہ انداز تھیں دھڑکیاں ناہید نواز زمزمہ پرواز، دس بارہ روز تک یہ محفلیں گرم رہیں۔ کل غلامانہ شاہی و رورہاؤ دربار کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا۔ کہ جس کا جی چاہے پچاس روپے نقد تورے کی قیمت لے خواہ تورہ لے، جتنے قلم کے نوکر تھے۔ نام بنام سب کو تورے تقسیم کیے جاتے تھے۔ مثلاً میرے باپ کا تورہ جدا، میرے نام جدا، میرے چھوٹے بھائی کے نام جدا وہ بھی نوکر تھا۔ میری والدہ کے نام جدا کیونکہ ان کے نام بھی ایک تھا۔ میں نے بہتان تورہ بندی سے کہلا بھیجا تھا کہ آٹھ روز کے بعد ایک تورہ بھجوا دیا کرو۔ اس دریا دلی سے تقسیم تورہ جات کی ہوتی تھی جس روز تورہ آتا تھا تمام عزیز و اقارب دوست احباب کے گھر کا کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ ایک تورہ میں تمام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل حکم سیر ہو کر کھائے۔ میرے مکان کا تمام دالان چھڑا تھا ایک ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا۔ چار چار پارچ پانچ طرح کے پلاؤ رنگ رنگ کے میٹھے چاول، سرخ، بڑا، پانچ سیر کی باخروانی، ایک شیریں ایک نمکین اھکنی قسم کے نان غرض کہ اقامت خوردنی سے کوئی شے باقی نہ رکھی گئی تھی۔ مختصر یہ کہ کسی ریاست میں ایسی پر تکلف تقریب نظر سے نہیں گذری۔ جو اس گئی گندی سلطنت میں دیکھنے میں آئی ہو اس کے علاوہ جن شعرا نے قصائد تہنیت اور سہرے وغیرہ لکھے تھے۔ باوجود یہ کہ ملازم تھے مگر سب کو صلے و خلعت و انعام عطا ہوئے، شاگرد پیشہ کو جوڑے تقسیم کیے گئے۔ (۱)

جہاں محنت کی شاہی کے موقع پر، اردو زبان کے دو بہت بڑے شاعروں، — ذوق اور غالب — نے، سہرے لکھ کر اپنی جولانی طبع، زور بیان۔ اور حسن زبان کا ثبوت دیا تھا، جہاں محنت کی بڑیاں خاک میں

۱۱۔ داستان خلد (راحم الدولہ ظہیر دہلوی) ص ۱۱۰

مل گئیں، غالب اور ذوق بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن یہ سہرے اب بھی اتنے ہی  
تروتازہ ہیں، جتنے، آج سے سو برس پہلے تھے۔

## غالب

خوش ہوا سے محنت کہ ہے آج ترے سر سہرا  
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا  
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھنڈا لگتا ہے  
ہے تیرے حسن دل افروز کا زیور سہرا  
سر پہ چڑھنا تجھے پھبت ہے پر لے طرف نگاہ  
مجد کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لبر سہرا  
ناؤ بھر کر ہی پرہے گئے ہوں گے موتی  
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں رگڑ سہرا  
سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی  
تب نہ ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا  
رٹا پہ دولہ کے بڑی سے پسینہ نیرکا  
ہے رگ ابر گہر بار سرد سر سہرا  
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قب سے بڑھ جانے  
رہ گیا ان کے دامن کے برابر سہرا  
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں انہ چیز  
پاس سے پھولوں کا بھی اک مقرر سہرا  
جبکہ اپنے میں سمادیں نہ خوشی کے مارے  
گوند سے پھولوں کا بھنڈا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غنماں کی چمک  
 کیوں نہ دکھائے فروغِ مودا ختر سہرا  
 تارِ ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار  
 لائے گا تاب گر انباری گوہر سہرا  
 ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں  
 دیکھیں اس سہرے سے کہ دے کوئی بڑا سہرا

### ذوق

اے جواں بخت مبارک تجھے سرِ سہرا  
 آج ہے عین و سعادت کا ترے سر سہرا  
 آج وہ دن ہے کہ لائے درِ انجم سے فلک  
 کشتیِ زرین مر تو کی لگا کر سہرا  
 تابشِ حسن سے مانند شعاعِ خورشید  
 رخ پر نور پہ ہے ترے منور سہرا  
 وہ کہے صلی علیٰ یہ کہے سبحان اللہ  
 دیکھیں مکھڑے جو تیرے مودا ختر سہرا  
 تابنیِ لور بنے میں رہے اخلاص بہم  
 گوندھیے سورہٴ اخلاص کو پڑھ کر سہرا  
 دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی  
 گائیں مرغانِ نوا سچ نہ کیونکر سہرا  
 روتے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار  
 تارِ بارش سے بنا ایک سرا سہرا



ایک کو ایک پر ترزین ہے دم آرائش  
 سر پر دستار ہے دستار کے اوپر سہرا  
 اک گہر بھی نہیں صد کان۔ گلبر میں چھوڑا  
 تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا  
 پھرتی خوشبو سے ہے اتراتی ہوئی بادبیا  
 اللہ اللہ رے پھولوں سے معطر سہرا  
 سر پر طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھتی  
 کنگن با حق بل زیب ہے تو منہ پر سہرا  
 رونمائی میں تجھے دے مرہ خورشید شک  
 کھل دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا  
 کثرت تار نظر سے ہے تماشائیوں کے  
 دم نظر رہ تے دے دے نکو پر سہرا  
 در خوش تب مضامین سے بنا کر لایا  
 واسطے تیرے ترا ذوق فنا گر سہرا  
 جس کو دعویٰ ہو عین کا یہ نہ دے اس کو  
 دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں عین و سہرا

اور جس جوان محنت نے طہ طراق سے زندگی  
 بسر کی تھی اس کا انجم یہ ہوا کہ اس

عمر میں جتے تھے

بھائی کی راتیں مرادوں کے دن

کہتے ہیں، وہ باپ کے ساتھ جلا وطن ہو کر رنگون پہنچا، اور وہاں عسرت و فداکت  
 اور غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا،  
 ہمیشہ رہے نام اللہ کا !

---

## عہد بہادر شاہ کے صوفیاء اور مشائخ

بہادر شاہ کا دور اس اعتبار سے بھی بہت ممتاز ہے کہ اس عہد میں بڑے بڑے صوفیاء اور مشائخ متہد مشہور پر جلوہ گر ہوئے۔ ان کے صفائے باطن، کردار بلند اور پاکیزگی قلب نے، لوگوں کی ہیئت اور فطرت بدل دی۔ جو سنگ دل تھے، خدا سے بے پروا تھے، دنیا میں مست تھے، فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہے تھے، وہ ان کے فیض صحبت سے، کچھ سے کچھ ہو گئے، وہی دس جو پتھر کا ٹکڑا تھا، سوز و گداز کا پیکر بن گیا۔ جو سب کچھ دنیا کو بھٹے تھے وہ دنیا سے ایسے بیزار ہوئے کہ ہر آخرت کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔

وہی ریاض جو تھے بت پرست و باوہ پرست  
خدا کی یاد میں بیٹھے ہیں سر جھکاتے ہوئے  
ان بزرگوں کے حوال و سواغ کے لیے، ایک ضخیم دفتر درکار ہے لیکن ہم ایجا نہ سے ہم  
لیتے ہیں، اور چند کا ذکر، مختصر طور پر کرتے ہیں کہ اس عہد غلامی کی کچھ سمن، یہ اور مبارک شخصیتوں  
کام قیام انہوں کے سامنے آجائے۔

اس باب میں جن بزرگوں کا ذکر ہے، ان کے حالات کو زیادہ سے زیادہ مستند طور پر  
جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ —

## شاہ غلام علیؒ

”میرا کیا مقصد ہے کہ آپ کے کمالات ظاہری اور مقامات باطنی کا حال کنو سکوں کیونکہ حالات آپ کے اس سے سوا ہیں جو بیان ہو سکیں اور مقامات اس سے بہت ہیں جو کہنے میں آویں سبحان اللہ علم اور عمل اور فضل و کمال اور تجرید اور مجرد اور حلم و کرم اور سخاوت اتم اور ایثار و انکسار آپ کی ذات پر ختم تھے۔ جو کچھ آیا اور جس قدر ہوا سب تام اللہ صرف کیا اور کبھی کل کا غم نہ کیا دن رات اللہ اور اللہ کے رسول کے فکر میں بسر کی اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رکھی۔ علم ایسا تھا کہ کاتب کو ہوا ہے، زبد اور مجاہدہ ایسا کہ بیان اس کا نہیں ہو سکتا، تقویٰ اور ورع اس درجہ پر کہ سوا اس سے ممکن نہیں اور پھر اس پر غزویں ہی تھیں، انکار و لیاہی، اتباع سنت اس درجہ پر کہ اچھے اچھے لوگ وہاں قدم نہ رکھ سکیں، آپ کی صحبت سے اس قدر فیض حاصل کہ بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہ چاہتا۔ وطن اصلی آپ کا موضع داتا ہے جو پنجاب کے ملک میں انبرسر کے پاس واقع ہے۔ اور آپ سادات علوی سے ہیں۔ والد ماجد آپ کے بھی بڑے زاہد اور عابد تھے اور جنگلوں میں جا کر ذکر خیر کیا کرتے تھے، آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ایک دفعہ آپ کے والد ماجد نے جناب امیر المومنین علی ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمہارے ہاں عنقریب لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کو میرے ہم نام کرنا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ انہوں نے عبد اللہ اور آپ کا نام رکھا اور آپ کے عم بزرگوار نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اشارت سر پابا برت سے عبد اللہ آپ کا نام رکھا اور اسی سبب سے آپ کا اصلی نام عبد اللہ اور عرف غلام علی تھا <sup>۱۵۶</sup> میں آپ نے اس عالم کو منور کیا۔ بعض شعرا نے آپ کی ولادت



باسادت کی نارنجیں بھی منظوم کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

چونچم چرخ ہدیٰ حضرت غلام علی      شدہ نظیر نکلن درجہاں بہاں بر شگفت  
سن دلا دشر لقیش چو بہت رقت دل      مد سپہ بدایت شدہ طووخ بگفت

غرض کہ آپ نے سولہ برس کی عمر تک تو اسی نواح میں بسر کی خلاصہ یہ ہے آپ کے والد

ماجد نے اس ارادہ سے دہلی میں بلوایا کہ اپنے پیر شاہ ناصر الدین قادری سے جن کا مزار فی اعید  
گاہ کے پیچھے بیعت کرادی جائے۔ آپ کے پہنچنے سے پہلے شاہ ناصر الدین صاحب نے  
انتقال کیا، اور جو کہ اللہ تعالیٰ کو امداد ہی کچھ پردہ غیب سے ظاہر کرنا تھا۔ یہ بات نقاب خفا و  
حیز التوا میں رہی۔ تب آپ کے والد ماجد نے اجازت و اختیار دیا کہ جس سے چاہو بیعت  
کرو۔ شاہ میں بائیس برس کی عمر میں آپ نے جناب مرزا جان جاناں مظہر عبید رحمت سے  
بیعت کی اور یہ شعر پڑھا۔

از برائے سجدہ عشق آسمانے یافتہ

مرزائے بود منظور آسمانے یافتہ

بعد بیعت کے سالہا سال آپ نے پیر مرشد کی خدمت میں اوجہ ت بسری اور وہ زہد  
مجاہدہ اور ریاضت کی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ دن بدن عروج کماں اور مقام بہ بہ اعلیٰ  
اور مکہ شہر اور ترقیات فائزہ ہولی۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کے شیخین غیور اور صاحب شہر  
ہوتے اور تلقین دار شد۔ دسہرہ دروست اپنے پیر مرشد کے صاحب فرمایا۔ اگرچہ آپ نے  
بیعت سلسلہ قادریہ میں کی تھی لیکن کار و افکار و مشغل و اشغال طریقہ جلیہ، نقشبندیہ مجددیہ میں  
جاری کیا اور ہر طریقہ کی اجازت حاصل کی۔ اور اپنے پیر مرشد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین  
ہوتے اور حقیقت میں میرے اعتقاد بموجب اپنے پیر پر بھی فون لے گئے۔ سبحان اللہ کیا آزادی  
لحق کر مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ کیا الماعت سنت تھی کہ ہر مو بھی فرق نہ تھا۔ توکل تو اس  
درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا۔ امرا اور بادشاہ آرزو رکھتے تھے کہ ہم خانقاہ کے

فتر کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کریں، ہرگز آپ منظور نہ فرماتے۔ ایک دفعہ نواب امیر الدولہ امیر محمد خان  
ہالی ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرر وظیفہ کی اس کے جواب میں آپ نے صرف یہ تحریر لکھ دی:

ما آبروتے فقر و قناعت نمی بریم  
ہا میرخان بگوئے کہ روزی معذرت است

آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہاں میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے  
ان کے بیعت اختیار کی ہیں۔ حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر  
اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمات خانقاہ کو سعادت ابدی  
سمجھے۔ اور قریب قریب کے شہر وں کا مثل بندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ  
میتوں کی طرح امنڈتے تھے۔

حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا۔ اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے  
ذمہ تھا، اور باوجود اس کے کہ کہیں سے ایک جہتہ مقرر نہ تھا اللہ تعالیٰ غیب الغیب سے سب کام چلا  
تا۔ اس پر قیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا، جو اس نے مانگا وہی دیا جو  
چیز عمدہ اور تحفہ آپ کے پاس آتی اس کو بیچ کر فقرا پر صرف کرتے اور جیسا نزی گاڑھا موٹا تمام  
فنیروں کو میسر ہوتا دیا ہی آپ بھی پہنتے۔ اور جو کھانا سب کو میسر ہوتا وہی آپ کھاتے۔ بھلا  
غور کرو کہ بشر کی طاقت سہی کہ ایسی بات کر سکے۔

اور اگر کبھی کچھ اباب اور سامان دنیا کا ذکر آتا تو ارشاد فرماتے :-

مرص ما نفع نیست بیدل ورنہ اسباب بہاں  
ہرچہ ما داریم زان ہم اکثرے درکار نیست

آپ کی اوقات شریف نہایت منضبط تھی۔ کلام اللہ آپ کو حفظ تھا اور تحقیق قرائت بھی  
بہت خوب تھی۔ نماز صبح اول وقت ادا فرما کر دس پارہ کلام اللہ کے ختم فرماتے اور بعد اس کے حلقہ  
مریدین جمع ہوتا اور نماز اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا۔ بعد ادا کرنے نماز اشراق

کے ہمہ گیر حدیث اور تفسیر کی شروع ہوتی۔ جو لوگ اس جلسہ کے بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا جلتے کہ اس میں کیا کیفیت ہوتی تھی، اور پڑھنے پڑھانے اور سننے سناتے والوں کا کیا حال ہوتا تھا۔ جہاں نام رسول خدا آتا آپ بے تاب ہو جاتے، اور اس بے جاگی میں حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی سبحان اللہ کیا طرح تھے باقی باللہ اور عاشق رسول اللہ۔ علم حدیث اور تفسیر نہایت مستحضر تھا۔ اگر باعتماد علوم نقلی خاتم محمد تین و المفسرین تعبیر کیا جوسے تو بھی زیب سے اور اگر براعتبار عظیم عقلی سرآمد فلسفیان متقدمین اور ماخترین لکھا جاسے تو بھی بجایا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا مجمع علوم پیدا کیا تھا ہر ایک علم ظاہری اور باطنی میں درجہ کامل پر پہنچنے کا دل حاصل تھا۔ بعد اس مدرس مدرس کے آپ کچھ تھکا سا کھانا کہ عبادت مجسود کو کافی ہو، تناول فرما کر ہر اتباع سنت نبوی فیروزہ اسراحت میں آرام کرتے تھوڑی درجہ لذت نماز ظہر ادا فرما کر پھر درس و تدریس و تفسیر و فقہ و کتب تصوف میں مشغول ہوتے اور نماز عصر، نماز مغرب حلقہ درین جمع ہوتا، اور ہر ایک آپ کی توجہ سے خود مدارق و عن کرنا ہمیشہ تمام رات آپ شب بیداری فرماتے تھے شاید کہ گھڑی دو گھڑی بمقتضائے بشریت غفلت آجاتی ہو سودہ بھی جانا نہ پڑا رسول آپ نے چرپائی پر اسراحت نہیں فرمائی، کتب تفسیر کا بہت غلبہ ہوتا۔

علاوہ اللہ اللہ کرتے پڑتے رہے۔ آپ کی خانقاہ میں عجیب عالم ہوتا تھا۔ بوریا، فرشتے رہتے تھے۔ اسی کے سرے پر ایک مصنی کبھی بوریا کا اور کبھی کسی اور چیز پر رہتا تھا۔ اور وہیں ایک تکیہ چڑھے رکھا تھا۔ آپ دن رات اسی مصنی پر بیٹھے رہتے اور عبادت مجسود کیا کرتے، اور سب حاضرین گرد آگے آپ کے صفہ باندھے بیٹھے رہتے اور ہر ایک کو جدا جدا فیض حاصل ہوتا۔

حق یہ ہے کہ ایسا برشتہ جان فیض دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور میں تو اس بات پر عاشق ہوں کہ ہودہ و انبی اور خود انبی کے سرمود احکام شریعت سے تجاوز نہ نجا جو کام قتل و بربادی سنت کے عقہہ مشتبہ سے نہایت پرہیز کرتے اور مشتبہ چیز ہرگز نہ لیتے جو طحطی خلاف شرع اور سنت ہوتا اس سے نہایت حقا ہوتے اور اپنے پاس اس کا آنا گوارا نہ کرتے

غرض کہ سالہا سال تک آپ کی ذات فیض آیات سے یہ عالم منظور رہا اور ہر ایک کو اس

دارالافتاء سے دارالبقا کو چلنا ہے، آپ نے بھی ہفتہ کے دن صفر کی بائیسویں شب ۱۲۴۲ھ میں اس جہاں سے انتقال کیا، اور آپ کی قافلہ میں آپ کے پیر کے پہنو میں دفن کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
 ”نور اللہ معجزہ“ آپ کے انتقال کی تاریخ ہے۔ (۱۱)

---



---

۱۱، تذکرہ اہل دہلی دسرتیدم ص ۱۷۱



## خواجہ حضرت محمد نصیر

آپ کے صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اُس سے سوائے جو سمجھنے میں آویں اور اُس سے بہت ہیں جو کہے جاویں آپ کو اسے ہیں خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے جو بڑے مامی مشائخ تھے اور اُن کا نام تمام عالم میں مشہور ہے۔

ولادت آپ کی ۱۰۸۹ھ میں ہوئی۔ اور ابتدا سے طالب خدا ہوئے۔ چھتہ پن ہی میں حضرت خواجہ میر درد علیہ رحمۃ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور توجہ دیتے، بلکہ اُسی زمانہ میں خواجہ میر درد علیہ رحمۃ سے بیعت کی تھی جب کہ آپ کا سن شریف دس برس کا ہوا۔ خواجہ میر درد علیہ رحمۃ نے وفات پائی در درد جدائی آپ کے لعل لب ہوا۔

آپ کو اکثر علوم میں خصوصاً ریاضیات میں بہت دخل تھا علم موسیقی بہت خوب جانتے تھے۔ لہذا تال لے سے ایسے واقف تھے کہ بڑے بڑے استاد اُن کے سامنے کان پڑتے تھے۔ وفادار چاٹ کر نام لیتے تھے۔ علم حساب کو اُس سے زائد جانتے تھے اور مسائل حساب میں وہ بہت بہم پہنچاتی تھی کہ مسئلہ لا یخفى بر آسانی حل فرماتے تھے۔ چنانچہ تال اور حساب میں اُن کی تصنیفات سے اسے موجود ہیں۔ یہ توصیفات ظاہری تھیں۔ اور کمالات باطنی میں ان سب سے بہتر بڑی تھی۔ اور وہ مقام ہی، اور کمالات باطنی خواجہ میر اثر صاحب (۱) سے کہ خواجہ میر درد علیہ رحمۃ نے چھوٹے

۱۱ مشہور مولیٰ بزرگ اور اردو کے شاعر، صاحب غنیمت خواب و خیال (مطبوعہ انجمن ترقی اردو، تذکرہ میر حسن دہلوی) میں ان کے حالات ملتے ہیں۔

بھائی تھے، حاصل کیے۔ جب کہ خواجہ میر اثر علیہ رحمۃ کا انتقال ہوا خواجہ صاحب میر علیہ الرحمۃ خواجہ میر علیہ رحمۃ کے فرزند ارجمند سجادہ نشین ہوتے۔ جب کہ اُن کا بھی انتقال ہوا تو آپ کی ذات فیض آیات سے اس مسند جالبینی کو رونق تازہ حاصل ہوئی۔ ہر مہینہ دوسری اور چوبیسویں کو مجلس بین لوازم کی آپ کے روبرو ہوا کرتی آپ کو صبر میں درجہ کمال حاصل تھا۔ اور دین سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ والد ماجد آپ کے میر کو صاحب اکبر آبادی بہت صحیح النسب سادات سے تھے اور نسبت دامادی کی خواجہ میر علیہ الرحمۃ سے رکھتے تھے اور بیعت بھی انہیں سے کی تھی۔ اوصاف حمیدہ آپ کے لاتعداد تھے ہیں، میری طاقت اُن کے بیان کی نہیں۔ دوسری شوال ۱۲۳۱ھ کو آپ نے وفات پائی اور دردمبارت مخلصان خاص کو دیا کبھی کبھی آپ شعر بھی کہا کرتے تھے اور رنج مخلص کیا کرتے چنانچہ یہ چند شعر آپ ہی کی طبع فرما دیں۔

شعار ہمدی :-

خط دیکھ کر ادھر تو میرا دم الٹ گیا  
قاصد اُدھر بدیدہ پر نم الٹ گیا

دل یہ جس کے لیے پہلو میں تپاں رہتا ہے  
لیل سنا ہے کہ اسے بھی خفقان رہتا ہے

دیکھی نہیں حالت یہ جدائی میں کسی کی  
ہے طور جدا اپنا جدائی میں کسی کی (۱)

(۱) تذکرہ مجموعہ نغز درج ۱ ص ۱۲۷، نور گلشن بیخار د ص ۱۹۰ میں آپ کا تذکرہ ہے۔ آخر الذکر

تذکرے میں آپ کے ہی چچا اشعار منقول ہیں۔

(۲) تذکرہ اہل دہلی د سرتیدا ص ۱۱۱

## مولانا نصیر الدینؒ

شہزادان بہاب مولانا محمد اسحاق مغفیر مرحوم سے ہیں۔ کتب و رسدہ خصوصاً دینیات میں بہت اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ باوصف کہ بہ سبب علوم دینی مرجع عوام و خواص ہیں، خصوصاً تقریب بادشاہی سے سرفراز ہیں لیکن امر حق کے اظہار میں کچھ پاس و لحاظ مطلقاً نہیں رکھتے۔ بالخصوص اُس کے اظہار میں اپنا ہی نقصان ہو، پروا نہ کر کے امر واجب کو بھی نہیں چھپاتے۔ اس امر میں گویا شمشیر برہنہ کا حکم رکھتے ہیں۔ ایسے زمانہ تا پر سال ہیں ایسا حق گو بس غنیمت ہے اور پھر قناعت اور استغنا اور متانت و دفع بوسلالت روی ایسی ہے کہ کچھ بیان میں نہیں آسکتی۔ (۱)

”مذکرہ اہل دہلی دمرتید، ص ۸۰“

## میر محمدی صاحبؒ

”آپ کا سلسلہ جناب غفران مآب مولانا مولوی غفر اللہ والدین قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ مقبولان بارگاہ کبریا نے الہی سے تھے۔ قبول خاطر خاص و عام بھی یہاں تک حاصل تھا کہ اُمراء سلاطین آپ کے دیدار فیض انوار کو نعمت کہی اور آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کو ایک موصبت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ ازبکہ جذب باطن کی تاثیر سے ساکین تمام شہر کے، خصوصاً صادقین قلعہ مبارک کے، علی الخصوص شہزادگان جلیل القدر آپ سے بہت رجوع رکھتے تھے، عوام کا لالچام عمل تسخیر کا گمان کرتے۔ ہر چند اعمال بھی آپ کے ایسے سرلج الافرنجے کہ آپ کا نفس دم عیسیٰ تھا اور آپ کے ہاتھ کی خاک کی چٹکی اکیر کا کام رکھتی ایک مدت ہوئی کہ ۱۸ جہاں قالی سے عالم باقی کو راہی ہو کر اپنے ہی دیوان خانہ میں جو متصل چٹکی قبر کے ہے مدفون ہوئے (۱۴)۔

(۱۱) آپ کا نام سید محمد عماد الدین اور میر محمدی، عرف تھا۔ (مذکرۃ الفقراء ص ۱۳)

(۱۲) آپ کی وفات ۱۲۳۲ھ میں ہوئی (مذکرۃ الفقراء ص ۱۴)

(۱۳) مرزا سلیم آپ سے نہایت عقیدت کے ساتھ مرید تھے، جب میر صاحب موصوف کا انتقال ہوا تو مرزا سلیم نے اپنے مکان ہی میں آپ کا مزار بنوایا۔ اور وصیت کی کہ بعد

انتقال کے میں بھی یہیں دفن کیا جاؤں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۴) تاریخ دہلی از سید احمد خاں (ص ۱۵۷)

(۱۵) تذکرہ اہل دہلی (سر سید ص ۳۱)



چند شاہزادے خصوصاً مرزا نجستہ بخت بہادر آپ کی خلافت کا دم بھرتے  
ہیں۔ (۲)

- 
- (۱) مرزا احمد اختر خلیفہ مرزا نجستہ بخت اپنے رسالہ مذکرۃ الفقراء ص ۱۳ میں لکھتے ہیں:-  
"جد فقیر نے بھی حضرت سے اکتساب علم معرفت کیا، اور بہت سے شاہزادے اور اُمراء  
مطلانی بیعت میں آئے تھے اور بعضوں نے غزوہ خلافت بھی حاصل کیا، جیسے میرے پیر و مرشد  
برحق حضرت مرزا روشن بخت قدس سرہ اور میرے والد اور مرزا نجستہ بخت علم شاہ و شاہزادہ  
سلیم برآمد شاہ" (مذکرۃ الفقراء ص ۱۳)
- (۲) تذکرہ اہل دہلی دسرتیہ احمد خاں ص ۳۱

## نشاہ عبد الباقیؒ

”کھلائے دہرے تھے افاکِ حال میں مکان سکونت معین نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی گوشہ میں لے کبھی کسی سایہ دیوار میں پڑ رہتے جب تک کہ مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ قید حیات میں اور مسجد اکبر آبادی میں ساکن تھے، ان کے مادام الحیات لزوم اس امر کا تھا کہ شب کو کسی گوشہ میں بسر کیا اور صبح سے شام تک مسجد مذکور کے سامنے ایک بفتح پر جو کہ نہر پر واقع ہے، بیٹھے رہتے سالہا سال اسی طرح سے کٹے اور اکثر اہل حاجت اپنی روئے حاجات کے واسطے وہیں آپ کی خدمت میں پہنچتے اور منتظر دعائے خیر رہتے۔ مولوی صاحب مزعوم بھی طالبان اخلاص کے سامنے اکثر آپ کی تعریف بیان فرماتے، حتیٰ کہ مولوی صاحب بیمار ہوتے اور صاحب فراش ہوتے، جب کہ نوبت نفس واپس کی پہنچی یہ بزرگ اپنا بستر کندھے پر ڈال کر کسی طرف کو روانہ ہوتے اور جو کہ یہ امر غلات عادت تھا، لوگ اس حرکت سے بہت متعجب ہوتے۔ جب آپ کے قریب گئے تو کلمات تاسف آپ کی زبان پر جاری تھے اور یہ کہتے تھے کہ اب قدرواں ہمارا دنیا سے چلا گیا، ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ اور اس طرح سے چلے کہ کسی نے نہ جانتا کہ کس طرف راہی ہوتے۔ بعد کتنی دیر کے حضرت مولانا جہاں گزراں سے ملک بقا کی طرف راہی ہوتے، جو کہ وہ بزرگ کبھی مسجد کے اندر نہیں جاتے تھے اور باہر سہراہ بیٹھتے تھے، مولانا کے انتقال پر آگاہ ہو جانا صرمت آپ کے کشف سے علاقہ رکھتا ہے۔ بعد چند روز کے یکایک پیدا ہو گئے اور مسجد جامع کے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی۔ کرامتیں آپ کی اکثر مشاہدہ اور معائنہ ہوئیں۔ باوجود غلبہ جذب کے نذذ کی طرف بھی اکثر مصروف رہتے لیکن پابند اوقات معینہ کے نہ تھے اور اکثر ایک گوشہ میں

بیٹھے ہوئے قرآن مجید بجنہ نسخ لکھا کرتے اور کسی سے بات نہ کرتے۔ نفس واپسین تک یہی ایک حالت آپ سے مشاہدہ ہوئی۔ اکثر دوسرے قوی مقدور آپ کی خبر گیری سے غافل نہ رہتے تھے خصوصاً بخشی بھائی شکر کہ ایک اُمرائے شاہجہاں آباد سے تھا، شب و روز خدمت گذاری میں مصروف رہتا تھا۔ آپ کی خوراک دونوں وقت دہی اور پیڑے تھے اور تعجب یہ ہے کہ کبھی یہ خوراک آپ کو معزت نہ پہنچاتی تھی اور کبھی بیمار نہ پڑتے تھے۔ باد جوڑ کہ عمر قریب شرب کے تھی لیکن رنگ ایسا سرخ سفید تھا کہ جیسا عالم جوانی میں ہوتا ہے۔ تمام عمر میں ایک دفعہ بیمار ہوئے۔ جو مرض الموت تھا۔ (۱۱)

## شاہ فدا حسینؒ

آپ کا اصل نام خواجہ نجیب الدین احمد ہے اور آپ اولاد حضرت خواجہ ہمدانی سے ہیں۔ اٹھارہ برس کی عمر سے فقیری اور خاکساری اختیار کی اور اپنے پیر کی خدمت میں فراغت تحصیل علوم سے کی۔ تصوف میں بہت بڑا ملکہ تھا اور فصوص الحکم وغیرہ کتب مشککہ تصوف کو بہت آسانی سے پڑھ جاتے تھے۔ دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ اخلاص و خاکساری بدرجہ کمال تھی۔ گوشہ نشینی اور زاویہ گزینی حد سے سوا تھی۔ صحبت عوام الناس کی بہت ناپسند فرماتے اور ہمیشہ تنہا بیٹھے رہتے۔ اور تمام عمر خاک بدن سے ملی اور اینٹ سرہانے رکھی اور زمیں پر یا پتھر پر پڑ رہتے۔ اگرچہ آپ کے مزاج میں سلوک جذب پر غالب تھا، لیکن کبھی شان جذب بھی ظہور کرتی تھی۔ بیس برس تک اولاد میں اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ اور طرح طرح کی ریاضت کی اور اپنے پیر مولوی محمد حنیف صاحب کی وفات کے بعد ان کی جگہ بجادہ نشین ہوتے اور پھر بسبب بعض سوانح کے دلی تشریف لے گئے اور چالیس برس ایک حجرہ میں بیٹھے رہے۔ بعد اس کے راجہ بنے شکر الوری نے نہایت تمنا کی کہ پھر اسی تکیہ میں آن کر رہیں۔ اگرچہ آپ کو اُس زمانہ میں بسبب حقوق امراض متعددہ کے محاسن ظاہری نہ تھے، لیکن آپ کے مرید اُسی حال میں وہاں لے گئے اور چند مدت بعد وہاں جا کر اٹھارویں محرم ۱۲۵۰ھ میں جمعات کے دن انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی ذات مُستَنات روزگار سے تھی۔ اور بیسیوں خرق عادات آپ سے ظہور میں آئی ہیں۔ حقیقت میں

”یہ سرسیدؒ کے نانا خواجہ فرید الدین کے لگے بھائی تھے دسیات جادویر - عالی“



خاتم سلسلہ رسول شاہیہ (۱۱)، ہوتے اور آپ کی ذات فیض آیات سے اس سلسلہ کو رونق تازہ ہو گئی تھی۔ خلفا آپ کے بلاد دور دراز گئے ہیں۔ چٹ پنجہ تربت اور سرانندیب اور مشہد وغیرہ بلاد میں آپ کے فقیر موجود ہیں کبھی کبھی آپ اپنے پیر کی طرح عالم جذب میں شعر بھی فرماتے تھے اور غنوی بن سوسرا آپ کی طبع زاد سے موجود ہے کہ بعض معتقدین نے جمع کی ہے۔

### اشعار فارسی

مراجز دیدن دیدار وجہ اللہ کاری نیست در دنیا  
شفاعت ما بجز ذات رسول اللہ یاری نیست در عقبی

خویشتر را خود عیاں سر مودہ  
مورتے از جسم و جاں بنمودہ  
کل نفس : واحد سر مودہ  
واحد فی کل نفس بودہ

نسبت طاعت بخود عصیاں بود  
نسبت عصیاں بخود عرفاں بود  
چول بہر صورت بہ بینی یار را  
خود بخود واقف شوی اہل را (۱۲)

۱۱۔ یہ طریقہ سید رسول شاہ صاحب الوری سے جاری ہوا۔ اس گروہ کے فقیر چہرہ پر خاک لگاتے ہیں اور چار ابرو کا صفایا رکھتے ہیں اور ایک دو مال مثل کلاہ کے سر پر رکھتے ہیں اور رات کا سوتا حرام جانتے ہیں۔ اگر صاحب ورد وغیرہ حسن و تحلیل کو اپنی زبان سے چاٹ کر اچھا کرتے ہیں سلسلہ بیوت اُن کا حضرت شیخ شاہ الدین سروردی تک پہنچتا ہے (مذکرہ الفقراء صفحہ ۱۲)

(۱۲) تذکرہ اہل دہلی (سرستید) ص ۱۱۱

## مولانا محمد حسینی

وطن اصل آپ کا ملک پنجاب ہے۔ اُسی لاج میں تحصیل علوم دینی سے فراغت حاصل کر کے چند اطراف ہندوستان میں بہ لباس طالب علمی بسر کی اور پھر شہر شاہجہاں آباد میں وارد ہو کر اہل حال میں شاہ سید صابر علی معروف بہ شاہ صابر بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں فروکش ہو کر درس علم معقول اور منقول میں معروف رہے۔ چونکہ علم و فضل آپ کا رشک اقران و امثال تھا، طلباء اطراف و جانب سے تحصیل علم کے واسطے حاضر خدمت ہو کر آپ کی تعلیم کے فیض سے مرقبہ نصیبت کو پہنچے اور آپ کے یہاں کا اونٹ طالب علم اور جاتے کے فضلا سے بہتر گنا جاتا تھا۔ چند تلمیذ آپ کے فیض خدمت سے یکتائے عصر اور یگانہ دہر ہو گئے۔ خصوصاً حافظ عبدالرحمن کہ آپ کی تعریف اور توصیف علم و فضل کی حینز مقال اور حیطہ گفتگو سے باہر ہے۔ باوجودیکہ یہ بزرگوار بعادت سے معذور ہیں کوئی علم عقلیہ اور نقیہ سے ایسا نہیں کہ اس کو محققانہ نہ جانتے ہوں۔ اور طرفہ تو یہ ہے کہ ہیئت اور ہندسہ باوجود بینائی نہ ہونے کے اس طرح بے تکلف پڑھتے ہیں کہ اور ماہرین اس فن کے اگر ہزار چشم بظالمہ شب و روز صرف کتاب کریں تو حیثیت خطوط و دوات کی ویسی آپ نہ سمجھیں اور نہ دل نشین تلمیذ کے کریں۔ از بسکہ حضرت موصوف کے مزاج تقدس امتزاج پر قدیم الایام سے مرکب غالب تھا۔ جب ایسے علامہ باکمال کو فارغ التحصیل اور لائق درس و تدریس کے پایا اپنی طبیعت کو اس طرف سے اٹھا کر ذکر و اشغال کی طرف معروت کیا اور کل فضا اور عظمتے مشائخ سے فیض باطن کو کسب اور نعمتے معنوی کو حاصل کیا اور رنج سفر اپنی ذات موہبت آیات پر گوارا کر کے پاک پن میں جا کر حضرت شاہ

سلمان صاحب کی خدمت سے مشرف ہوتے اور اُن کے فیضِ محبت سے تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کو بہ کمال پہنچایا اور رخصتِ انصاف حاصل کر کے پھر وارو شاہجہاں آباد ہوئے، ان دنوں میں شاہ مبارک بخش صاحب جہان ثانی سے راہی عالم باقی ہو چکے تھے۔ اُن کی خانقاہ کی بود و باش کو ترک فرما کر ایک اور مسجد میں کہ قریب قلعہ مبارک کے واقع ہے، سکونت اختیار کی اور آج تک وہیں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کی برکت قدم سے اُس مسجد کی مرمت ہر سال ہوتی رہی ہے۔ اور ایسی آباد ہو گئی ہے کہ اب اس کو بہ اعتبار کثرت عبادات اور دُور طاعات خیر المساجد اور افضل المعابد کہنا چاہئے۔ اب سنِ شریف آپ کا قریب ستر کے پہنچا ہے۔ خلتے عزوجل آپ کی عمر کی ترقی کرے کہ طالبانِ صادق کو آپ کے فیضِ باطن سے فائدہ کثیرہ اور ہدایت موفورہ حاصل ہوتی ہے۔ ۱۱

## حاجی علاؤ الدینؒ

آپ شاہ آفاق صاحب کے خلیفہ اور سجادہ لشیمن ہیں اور حقیقت میں اپنے پیر کی نشانی ہیں اس زمانہ میں ایسے لوگوں کا ہونا مقننات سے ہے۔ ایسے لوگ کا ہے کو پیدا ہوتے ہیں۔ تمام عمر فیری میں صرف کی اور دنیا دانیہا سے جرنہ رکھی سچ ہے کہ السید من سعدنی بطن امر۔ چھٹ پن سے آپ کو فیری کا شوق تھا۔ سولہ برس کی عمر میں بیعت کی اور طرح طرح کے زہد اور مجاہدہ کیے اور اپنے پیر کی خدمت میں ہمیشہ سفر اور حضر میں حاضر رہے۔ آپ کا نسب حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے ملتا ہے۔ تو کلمی علی اللہ اور عشق رسول اللہ ہر دوت آپ کے برتاؤ میں ہے عالم جہانی بر حج خانہ کعبہ ادا کیا اور زیارت روضہ منورہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام حاصل کی اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نصیب کرے۔ آمین یا رب العالمین۔ اب بن شریف آپ کا نوے برس کے قریب ہے، آنکھوں سے معذور ہیں، اور پاؤں سے اٹھ نہیں سکتے۔ طاقت طاق ہے مگر ہر شغل جاری ہے، اور صوم و صلوٰۃ قائم۔ بھان اللہ کیا لوگ ہیں کہ کسی حالت میں اپنے معبود کی یاد سے غافل نہیں۔ (۱۱)

(۱۱) تذکرہ اہل دہلی و سرستیدہ ص ۲۲



## حضرت سید احمد صاحب قدس سرہ

”جناب ہدایت القنادیہ زیدہ و سلطان درگاہ سید احمد صاحب درجناب مشاہدہ و جہل الجنۃ مشاہدہ، سادات عظام اور مشائخ کرام سے تھے موطن اصلی آپ کا بریلی۔ اوائل حال میں شوق طیب علمی میں وطن سے وارد ہوا، جہاں آباد ہو کر حضرت پیر کرمی، مولانا عبدالحق درعبیہ الرحمۃ کی خدمت میں سرفادست ہیں۔ حضرت ہو کر مسجد اکبر آباد کی میں فروکش ہوئے اور صرف و نحو میں فی الجہد سہولت حاصل کیا۔ از بسکہ ذوق درویشی اور مسکینی طینت میں پڑی ہوئی تھی۔ کثرت خدمت مسجد در اس مقام کے واردوں، خصوصاً درویشان پاک طینت کی، جو دور دراز سے تحصیل علم باطنی کے شوق میں جناب مولانا عبدالحق در صاحب مغفور موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے، خاطر درنی در سرانجام مہم میں ایسے بدل سرگرم ہوتے گویا اس امر کو ابھم نہ مسمیٰ سمجھے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں بھی اپنی اوقات کو طاعات و عبادات میں ایسا مصروف کیا تھا کہ جو لوگ صرف اس امر سے واسطے کتب نشیون و کوششیں لگتے ان سے اس طرح خاطر مجموع اور حسنہ تہذیب سے نصیب میں نہ آتے تھے۔ اکثر مولانا نے معذور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے احوال سے آثار کمال نظام ہوتے ہیں در مادہ اس سعادت منش کا ترقی مدارج عین کے قابل نظر آتا ہے۔ اس اثنا میں سرور علمائے نام، اسوۂ بلغائے عظام، جامع کائنات صوری و معنوی، خادم حدیث شریف نبوی، مولانا مولوی شاہ عبدالعزیز در عبیہ الرحمۃ سے بیعت کا ارادہ کیا۔ در چند آپ واپس تشریف لے گئے ایک عہد کے بعد واپس آئے، ان دنوں آپ کے تشریف لانے سے مردم شہر میں ایک غنڈہ پڑ گیا۔ مر غائب

فیض باطن کے کثرت سے بہجوم کرنے لگے۔ ایک بار مولوی صاحب موصوف نے ہر اتفاق مولوی عبدالحی (۱) رحمۃ اللہ علیہ کے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ ہم کو نماز حضور مکتب سے کبھی میسر نہیں ہوتی، اگر آپ کی ہدایت سے یہ امر حاصل ہو جائے تو عین مدعا ہے۔ حضور نے کشف باطن سے معلوم کیا کہ یہ بطریق امتحان اس طرح سے کہتے ہیں۔ تبسم کیا اور فرمایا کہ مولانا آج شب کو اس حجرہ میں تشریف لاؤ شاید یہ بات ظہور میں آجائے۔ اُن کو زیادہ استعجاب ہوا اور شب کو دونوں صاحب تشریف لے گئے اور آپ نے ساتھ ان کو نماز میں کھڑا کیا اور جب نماز پڑھوا چکے، فرمایا کہ اب جدا جدا نیت باندھ کر دو دو رکعت عینجدہ پڑھو۔ یہ جب کھڑے ہوئے تو اس طرح کا استغراق ہوا کہ ان دونوں صاحبوں کو انہیں دو رکعت میں شب بسر ہو گئی، جب یہ فیض باطن مشاہدہ کیا، صبح کو دونوں صاحبوں نے بیعت کی امد یہاں تک آپ کی کفش برداری میں حاضر رہے کہ آپ کی کفش برداری کو فخر سمجھتے تھے۔ چند روز کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا مشیت الہی میں ہے کہ تم کو تکمیل اس علم کی اور تمہیں ان مراتب کی سفر میں حاصل ہو، ان کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ کا سفر کیا اور راہ میں قریب ہزار آدمی کے اپنے ہمراہ لے کر اور ان کے مایحتاج کے کے متکفل ہو کر حج ادا کیا اور وہاں سے پھر ہندوستان کی طرف تشریف لائے۔ اور آپ جو ترویج رسوم شرعیہ اور امر بالمعروف بہت کرتے، منہیات کا رواج اُن کے قدم کی برکت سے اکثر اطراف سے اٹھ گیا طرفہ یہ ہے کہ شہر کلکتہ میں جب تک آپ نے تشریف رکھی شراب مطلق نہ بہنے پانی اور کھانا خانہ بند رہا اور اس نواح میں آپ کے مریدوں کی کثرت لاکھوں سے

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ کے شاگرد اور داماد۔ فقہ حنفیہ کے بڑے ماہر تھے۔ ان کی تصنیف سے فتاویٰ اور رسالہ نکاح ایامی دو کتا ہیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ جہاد

میں شریک تھے۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۴۔ ایجد العلوم ص ۹۱۶ - ۹۱۵۔

۱۔ لکھنؤ۔ لک کی جمع، یعنی لکھنؤ۔

گندگی بعد آپ کے اکثر خلفاء کو قطب اور اوتاد کا مرتبہ حاصل ہوا۔ اور چونکہ از روئے کشف باطن کے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کو مع اکثر مومنین پاک اعتقاد کے سعادت شہادت حاصل ہونے والی ہے۔ مولانا اسماعیل علیہ مولانا عبدالحی کو اجازت حاصل ہوئی کہ اطراف ہندوستان میں وعظ کہو اور بیش تر جہاد اور فضیلت شہادت بیان کرو۔ ہر چند یہ اس منشا کو نہ جانتے تھے اور پہلے نہ لے گئے کہ اس ارشاد کا سبب کیا ہے، لیکن جو کہ مرید باخلاص تھے سرور جہاد و نہ کی اور فرماں بجا لائے، ان کے فرمان سے لکھنؤ میں مردم شاہراہ ہدایت پر آئے اور شوق ماہو بحق دل میں جہم یہاں جہاد کی افضلیت ذہنوں میں بیٹھ گئی اور خود بخود چاہنے لگے کہ اگر جان و مال رہا الہی میں ضرر ہو تو عین سعادت ہے۔ بعد مدت کے ان بزرگوں کو حضرت نے لکھا کہ اب ہمارے پاس چھ آؤ۔ یہ تو جان نثار تھے ہر مجرّد حکم کے مشائخ و عظماء کو نیم جان چھوڑ کر خدمت ہدایت میں ماہی ہوئے اور حضرت ان کو ہمراہ لے کر کوہِ تن چھ گئے اور یہ مہنوز اس کے منشا سے واقف نہیں جب پنجتار میں وارد ہوئے قوم افغان با آن کہ دھوش سے کہ نہیں حضرت کے ایسے معتقد ہوئے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ماست کی اور عہد کیا کہ اگر حضرت جہاد کریں تو ہم سر فر دہی کو حاضر ہیں۔ آپ نے سکھوں کی قوم پر جہاد قائم کیا۔ مردم ہندوستان اس خبر کے سننے سے ہاتھ جوانب سے ماہی ہوئے اور سوائے قوم افغان کے مردم ہندوستان لاکھ آدمی کے قریب جمع ہوئے حق جل و علا نے اس صاف باطن کو اختیار حلیقہ رشد و ہدایت کے باب میں واسطے ہمتا نہیں رکھا اور دسینہ کا نیاز مند نہیں کیا۔ لیکن اہل ظاہر کے نزدیک ہر چیز کے لیے ایک سبب ضرور ہے، رفع حجت عظام کے واسطے کچھ مفاد تھے نہیں پھر آپ نے مولانا سے موصوف سے بیعت کے بعد چند مدت کے سفر اختیار کیا اور اطراف و جوانب میں مذاقنا سال پاک باطن سے فیض حاصل کرنے میں سرگرم رہے از بسکہ مقامات عالی نوز بروز کھنتے جاتے تھے اور مراتب طہا آتا تھا ترقی میں تھے، اس دولت بے زوال سے اہل ظاہر کو آگاہی ہو چکی اور ہر طرف سے لوگوں نے هجوم کیا اور کسی نے بیعت ادا کر کے نہ روئے حاجت سے سوال کرنا شروع کیا۔ چونکہ

اخفائے حال اور سزا حوال منظور کیا خیال میں یہ آیا کہ اگر اہل دنیا کے پاس سے تیس ہو کر علم باطنی کی تحصیل اور تکمیل کی جادے تو یہ بجوم عوام کا جمیعت اوقات میں خلل انداز نہ ہوگا۔ اس خیال سے ٹونک کی ملاوت تشریف لے گئے اور نواب امیر خان کی رفاقت میں بسر کی۔ بعد ازاں بکر شجاعت اور جہان مودی سادات صحیح النسب کا جوہر رہے، اس اثنا میں ترددات عظیمہ آپ سے ظہور میں آئے اور بایں ہمہ تلاش اہل باطن کی درود مشبہ پیش بنیاد تھی اور اثر و دل کو ہدایت کی راہ بھی آپ سے حاصل ہوئی۔ جب اس عرصہ میں جمیع مراتب کی تکمیل ہو گئی آپ ترک دنیا کر کر پھر شاہجہان آباد میں تشریف لائے اور مسجد اکبر آباد میں وارد ہوئے۔ اس اثنا میں مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور مولوی محمد اسماعیل (۱) رحمۃ اللہ علیہ قائم مقام علوم رسمی کے درس و تدریس میں مصروف اور نطفہ آپ کے نام کا پڑھا گیا، دور دور امام (۲) ہو گیا۔ چند منزل تک عشر جو طریقہ اسلام میں ایک نوع خراج کی ہے۔ آپ کے پاس آئے لگا۔ پشاور اور بعض مکان سکھ کی عمداری سے نکل کر غازیان اسلام کے اعتراف میں آگئے۔ سکھوں کے باوجود اس شدت و شان ظاہر ہوئے آپ کا ایسا رعب دل میں بیٹھ گیا کہ کچھ تک دینے پر راضی ہوئے، سچ ہے۔

ج بیلست حق است این از خلق نیست

لیکن حضرت کو جو کہ ترویج اسلام منظور تھی قبل نہ کیا۔ کئی سال تک یہی سلسلہ یوں ہی چلا گیا۔ اور مولانا مولوی عبدالحی علیہ الرحمۃ نے بیماری بدنی سے سفر آخرت اختیار کیا (۳) بعد اس

(۱) مولوی محمد اسماعیل ابن مولوی عبدالعزیز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے۔ مشہور عالم دین، کئی کتابوں کے مصنف۔ سید احمد بریلوی کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ (۲) مولانا مولوی عبدالغفور شہید ہوئے۔ آپ کے حالات میں ایک کتاب "سیرت اسماعیل شہید" اردو میں لکھی گئی ہے۔

(۳) دور دورہ امام

(۴) شجہان شاہ میں بعد از وفات آپ نے دعوات پائی (تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۱۲)





## شاہ محمد اسحاقؒ

یگانہ آفاق مولانا مولوی محمد اسحاقؒ آپ نواسر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم قدس سرہ کے، علم حدیث کو شاہ صاحب مہرور و مغفور کی خدمت میں حاصل کیا اور بیس برس کامل تک یہ فن شریف اور علم مینف ان کے حضور میں بیٹھ کر طلبہ جدید الفکر کو پڑھایا۔ امتناع سنت سے کوئی کام آپ سے سرزد نہ ہوتا۔ چونکہ حق جل و جلا نے صورت اور سیرت دونوں عطا کی تھیں، آپ کی صورت سے آثار صحابت ظاہر ہوتے تھے اور یقین ہوتا تھا کہ سید الشقیین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا فیض جنہوں نے پایا ہو گا ان کی یہی صورت و سیرت ہوگی۔

### ع زیہ امت خاتم المرسلین

بعد وفات شاہ صاحب موصوف ان کا فرق مبارک دستار خلافت سے مزیں اور تمام معتقد صافی اعتقاد کی رجوع آپ کی طرف ہوئی۔ ناز اور فخر کرنا چاہئے ایسی خدا جوئی پر کہ سب کچھ چھوڑ کر سفر حج و زیارت اختیار کیا اور وہاں مع قبائل و عشائر پہنچ کر فرض حج ادا کیا اور پھر تشریف لا کر مواعظ و نصائح سے خلق کو راہ ہدایت دکھاتے رہے۔ بعد ایک مدت کے از بسکہ شمار اسلام میں ضعف اور رسوم کزیدعات میں قوت آتی جاتی تھی۔ نیت ہجرت کو معمم کر کے تمام قبائل کو ہمراہ لے کر راہی مکہ معظمہ ہوئے (۱)۔

(۱) ان کے حالات کسی عمدہ تفصیل کے ساتھ کتاب الحیاة بعد الممات دسوانح میاں نذیر حسین، ص ۲۸ میں درج ہیں۔ نیز دیکھو حقائق الخفیہ ص ۴۲۔

(۲) ۱۲۵۶ھ میں آپ نے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی (تاریخ دہلی از سید احمد ص ۱۰۶)۔

لہذا وصفت کہ تمام سکناے شہر اور سلطان وقت ہر ساجوت تمام مانع آتے، چونکہ شوق ماہوا الحق غالب تھا، آپ متنع نہ ہوئے لہذا مکہ معظمہ جا کر توطن اختیار کیا اور ہر سبب کرم کے آپ کا بیسہ ہمیشہ خالی رہتا تھا، خصوصاً ان لوگوں کی مراعات کے سبب جو ہندوستان سے ادا تے حج کر وارد مکہ شریف ہوتے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت کے وجود مطہر کو از جہذ مقتنات سمجھا لہذا ان کا وہاں ہونا محبوب برکت جانا۔ شاہجہاں آباد سے جدا ہو کر اسی دیار میں چھ برس کا فل تشریف رکھی۔ اب ایک برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ اسی دیار میں جہان فانی کو وداع کیا<sup>(۱)</sup> اور عالم باقی کی طرف راہی ہوئے<sup>(۲)</sup>

**محویت اور استغراق** | شاہ عبدالعزیز صاحب جب مدرسے میں تشریف لے جا کے دریافت کرتے کہ اس وقت مدرسہ میں کون ہے۔ اگر خدام کہتے کہ حضرت خدا ہے۔ تو فرماتے۔ غیر اور کہہ دیتے کہ میاں اسحاق ہیں۔ تو فرماتے کہ مدرسہ کی حفاظت کا انتظام کر دو۔ اسحاق کے بھروسہ نہ رہو۔ اسباب تو اسباب اگر کوئی مدرسہ کی دیواریں اٹھا کر لے جائے گا۔ تب بھی اسے بخر نہ ہوگی۔ (۳)

**گاؤں ضبط ہونے کی خوشی** | خان صاحب نے فرمایا۔ کہ تحصیل سکند آباد میں ایک گاؤں ہے۔ سن پور میں کوئیں نے بھی دیکھا ہے۔ بہت بڑا گاؤں ہے۔ یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے۔ کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب بہت سخی تھے۔ اور اکثر مٹگی کی دہر سے کچھ طول سے رہتے تھے۔ لیکن ایک روز میں نے دیکھا۔ کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں۔ اور خوشی میں ادھر سے ادھر آتے جاتے۔ لہذا کہیں یہاں سے وہاں اہ وہاں

(۱) ۱۲۶۲ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

(۲) مذکورہ اہل دہلی دسرتید مسلک

(۳) امیرالزمانات ص ۲۲۳

سے یہاں رکھتے اور خوشی کے بعد میں آپس میں باہمی کر سہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر بھی کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے یہ اس قدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ قلم دریافت کر دوں۔ مگر بڑے میاں صاحب سے تو پوچھنے کی بہت تہی ہوئی۔ چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ آج بہت خوش نظر آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا۔ میں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے۔ یہ خوشی اس کی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ تھا ہم کو خدا پر پیدا توکل نہ تھا۔ بعد اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے بعد جب خان صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ تو اس قدر خوش ہوئے کہ میں نے ان کی خوشی یاد آگئی اور میں نے یہ شعر پڑھا۔

کیا یاد کے آنے کی سستی یا کہ اجل کی ؟

گا ہے کی خوشی بحر میں ہے جان سمز میں ؟ (۱)

**حدیث و تفسیر میں یگانہ** آپ شاہ عبدالعزیز کے فرائے سے تھے علوم فقہ و حدیث و تفسیر میں طاقی یگانہ آفاق صاحب فتویٰ تھے بڑے بڑے علماء و فاضلین نے آپ سے علوم پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی پنا پڑ مولانا نواب محمد قطب الدین محدث دہلوی مصنف مظاہر حق ترجمہ اردو مشکوٰۃ شریف آپ کے ہی شاگرد تھے آپ نے ایک رسالہ مسائل اربعین نام تصنیف کیا جس میں کسی ایک جگہ پر اچھے کچھ لغزشیں وقوع میں آئیں اور ان کے جواب میں علما وقت نے رسائل تصنیف کیے وقات آپ کی ۱۲۹۷ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی تاریخ وقات آپ کی اسحاق خلیج آفاق سے نکلتی ہے۔ (۲)

خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود پھلتی احمد نواب پادری سے مناظرہ

محمود علی خان سے سنا ہے۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسلم



صاحب کے زمانہ میں ایک انگریز پادری دلی میں آیا یہ بہت قابل اور لسان اود مشہور پادری تھا۔ اس نے دلی میں طور پر علماء کو مناظرہ کی دعوت دی اس وقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے، ان کو شاہ اسحاق صاحب سے بہت کاوش تھی۔ انہوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم شاہ اسحاق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو چونکہ شاہ صاحب بہت سیدھے اور بہت کم گو تھے۔ اور زبان میں لکنت تھی۔ اس لیے ان کو خیال تھا کہ یہ لسان پادری شاہ صاحب کو ضرورت دے گا۔ اور ان کو ذلت ہوگی۔ اس پادری نے شاہ صاحب کو دعوت مناظرہ دی شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمائی۔ اس پر شاہ صاحب کے دوستوں کو بہت خیال ہوا۔ مولوی فرید الدین صاحب جو مراد آباد کے رہنے والے اور مولوی اسماعیل صاحب اور نواب رشید الدین کے اچھے شاگردوں میں اور نہایت ذہین آدمی تھے۔ اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں۔ آپ ہم کو اپنا وکیل بنا دیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو دعوت دی ہے۔ میں ہی مناظرہ کروں گا۔ وکیل بنانے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ قلعہ میں مناظرہ کی ٹھہری جب مناظرہ کا وقت آیا۔ اس وقت سب لوگ قلعہ میں پہنچ گئے۔ اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی خدا کی قدرت جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اس کے جسم پر لرزہ پڑ گیا۔ اور حواس باختہ ہو گئے۔ اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ باب کچھ دیر ہو گئی۔ تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا : کہ آپ کچھ فرمائیں گے۔ یا میں ہی عرض کروں۔ اس نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں۔ شاہ صاحب نے خوب زور و شور کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے وہ پادری ساکت محض تھا۔ نہ اس نے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا۔ جب تمام لوگوں پر اس پادری کا عجز ظاہر ہو گیا۔ تب آپ نے ان مخالف مولویوں کی طرف جنہوں نے اس پادری کو ابھارا تھا۔ متوجہ ہو کر فرمایا : کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات و انجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ بغیر ان کتابوں

پر عبور ہوئے۔ قرآن شریف کا لطف نہیں آتا۔ اسی قاعدے کے مطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھانی گئی تھیں۔ اور اس لیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔ اور یہ فرما کر فرمایا۔ کہ اگر اسحاق کو شکست اور ذلت ہوتی۔ تو کچھ بات نہ ہتی۔ کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے۔ لیکن اسلام تو تمہارا بھی تھا۔ اس سے تمام مخالفین پر پانی پڑ گیا۔ اور منظرہ ختم ہو گیا۔ (۱)

---

(۱۱)

## حضرت کالے صاحبؒ

محمد شاہ کی دلی ہے زوال و انحطاط کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں قتل و غارتگری کا دور دورہ ہے۔ سکھ اور مرہٹے ہر طرف لوٹ مار کرتے پھر رہتے ہیں نادر شاہ کا قتل عام اسی زمین پر ہو چکا ہے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہچکچیاں لے رہا ہے اور دم توڑا ہی چاہتا ہے جس دور کی ابتدا وایبک وایتش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی وہ آج محمد شاہ کی رزم آرائیوں اور شکامہ دے ناؤ نوش میں ختم ہو رہا ہے۔

اس سیاسی بد امنی اور اخلاقی پستی کے زمانے میں اللہ کے کچھ بندے درس و تدریس کے کام میں مشغول ہیں براہ تیز و تند ہے لیکن وہ اپنا پیرایہ جلا رہے ہیں طوفان امنڈتا چلا آرہا ہے لیکن وہ تہمت نہیں بارتے اور اپنے کام میں اسی طرح مشغول ہیں۔

وہ مدرسے ایسے ہیں جو اس وقت کی دلی کی زبان ہیں ایک مدرسہ رحیمیہ جس میں دربار دلی الہی سچ رہا ہے اور ایک زبردست انقلابی تحریک کی مانع بیل ڈالی جا رہی ہے اور دوسرا اجیری دروازہ کا مدرسہ جس میں دکن کا ایک نو عمر عالم کسی روحانی اشارے پر آکر اقامت گزین ہو رہا ہے تقریباً نصف صدی قبل اس نوجوان کے والد کو وہلی کے ایک مشہور بزرگ نے دکن میں تبلیغ و اصلاح کے کام کے لیے بھیجا تھا۔ آج اس کا یہ فرزند علم و عرفان کی شمع جلانے کے لیے دکن کو چھوڑ کر دہلی چلا آیا ہے دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھینچ کر اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں اس کی چتون میں غصب کا جامو بھرا ہے کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے جب حدیث کا درس دینا شروع کرتا ہے ترسنے والوں پر بھی

## فتاویٰ سامعہ در موج کوثر و تسنیم

کا عالم طاری ہو جاتا ہے یہ شاہ فخر الدین رح ہیں۔ اُن کے والد شاہ نظام الدین اورنگ آبادی حضرت شاہ کلیم الدین دہلوی کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو بغیر سندنہ فرماتے نہ نماز جماعت سے ادا فرماتے اور اسی کی تلقین فرماتے۔

”تقیہ جماعت بدرجہ اتم در خاطر مبارک است“ ۱

معمولی معمولی باتوں میں اتباع سنت کا خیال رہتا تھا برتن ”مکان ضرور“ اور وضو کے لیے علیحدہ رکھتے تھے ۲ ایک مرتبہ کھانے کے لیے بیٹھے تو فرمانے لگے۔ میں جس طرح بیٹھا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھا کرتے تھے ۳ پھر لوگوں کو مسواک کی ہدایت فرمائی کہ اس پر حدیث شریف میں بہت اصرار کیا گیا ہے کہ جو شخص خواب سے بیدار ہو اس کو مسواک کرنی چاہئے ۴ ایک مرتبہ خوشبو کی تلقین فرماتے ہوئے نہایت محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی ۵

ملفوظات و حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مریدوں کو اتباع سنت و شریعت پر مجبور کرتے تھے اور طرح طرح سے فوائد بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ اپنا قصہ بیان فرمانے لگے کہ جنگ کے دوران میں بارود کے اثر سے آنکھوں کو نقصان پہنچ گیا تھا اور ڈر تھا کہ بصارت بہت کم ہو جائے گی لیکن سرمر کے استعمال سے بصارت میں زیادہ

۱۔ فخر الطالبین ص ۱۵۱

۲۔ فخر الطالبین ص ۲۶

۳۔ ۴۔ فخر الطالبین ص ۱۰۱، ۱۰۰

۵۔ فخر الطالبین ص ۱۰۱



کی نہیں ہوتی۔ یہ اس دہر سے ہوا کہ یہ متابعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھی اسے  
ایک جگہ مریدوں کو ہدایت ہوتی ہے۔۔۔

دروے کہ در حدیث شریف حدیث شریف میں جو طوطا آیا ہے  
آمدہ ہوں را بخواند بطرف اسی کو پڑھیں دوسری چیزوں کی  
چیز ہائے دیگر رجوع نہ کنند بہ طرف رجوع نہ کریں مذہب حنفی  
مذہب حنفی تعصب می کنند پر مضبوطی سے چپا تم رہیں حدیث کی  
بطرف حدیث بیار رجوع دارند طرف کثرت سے رجوع کریں  
وفات سے پہلے کا ذکر ہے کہ ریش مبارک بڑھ گئی تھی طول ہو کر فرمانے لگے۔  
”این ترک مذمت از ما شد۔“

سکھ شاہ صاحب :۔ شاہ فخر الدین صاحب کے زمانے میں سکھوں کی ہیرہ دستیاری  
انتہا کو پہنچ گئی تھیں وہی کا ہر خاندان ہر سال اور پریشان تھا۔ بڑے بڑے خاندانوں کی عزت  
خطرے میں تھی شاہ فخر الدین صاحب نے قتل و غارت گری کے یہ سب نظارے اپنی آنکھوں سے  
دیکھے تھے۔ غرض جب وہ دہلی سے خیانت گدھ گتے تھے تو سکھوں سے حفاظت کے لیے راستے  
میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا سکھوں کی غارت گری سے ان کو سخت صدمہ تھا انسانی خون کی ارزانی دیکھ  
کر ان کو بادشاہ کی حالت پر غصہ آتا تھا کہ وہ ان قتلوں کے انساؤ سے کیوں غافل ہے آخر کو نہ رہا  
گیا اللہ ایک دن وہ بار میں بادشاہ سے کہہ اُٹھے :۔

”بہ تنہا انہا دفرق سکھوں، باید پرداخت کر ظلاح دینی و دنیوی در ضمن آل است۔“  
نبلیغ کے سلسلہ میں آپ کا وہی مسلک تھا جو حضرت شاہ کلیم اللہ اور دیگر جرمین چڑت  
کا تھا کہ ہندوؤں کو ذکر بتاؤ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا

شاہ فخر الدین صاحب سے شاہ فخر الدین صاحب سے ۱۲۲

جاتے اس لیے کہ

۱۔ ذکر خود اورا در حلقہ اسلام خواہ کشید ۲۔

اس زمانے میں بہت سے ہندو خاموش طریقہ سے مسلمان ہوتے تھے بعض کا ذکر شاہ  
 حکیم اللہ صاحب کے سلسلہ میں کیا گیا ہے وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان صاف طور سے مخالفت  
 کے دوسے نہیں کرتے تھے اور یہ ڈر ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ شجرۃ الانوار میں ایک ہندو عورت  
 کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کھلم کھلا مسلمان ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ بی بی بلوہ ہو گیا تھا بد امنی  
 یہاں تک پہنچی تھی کہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب نے دہلی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تھا غرض طالبین  
 میں ایک ہندو کا ذکر ہے کہ جب وہ حضرت شاہ صاحب کے پاس آتا تھا تو وہ دروازے بند  
 کر دیا کرتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں بھی ایک ہندو اتم چند کا ذکر ہے کہ وہ  
 مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کا ذکر نہ کرتا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت تمام اُن بزرگوں  
 نے جو تبلیغ و اصلاح کے کام میں مصروف تھے اسی طرح سے اپنے کام کو انجام دیا۔ فخر الدین غری  
 نے کسی ایسے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ فخر صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے ایک  
 جگہ لکھا ہے :۔

۳۔ ہندوئے آمد کہ از مدتے در طریقہ شامل شدہ است و نماز ہم با خفای گزاری و گویا  
 از یاران است ۴۔

۱۔ مکتوبات لکھی

۲۔ شجرۃ الانوار

۳۔ فخر الدین ص ۶۸

۴۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۶۸

۵۔ فخر الدین ص ۶۸

شاہ صاحب ہندوؤں سے بہت اچھی طرح جانتے تھے ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی حامل تھا جوہ جس چیز کو چاہتا تھا منگا لیتا تھا شاہ صاحب سے کہنے لگا۔ اگر کرم فرمودہ بخانا من تشریف فرمایا مگر کمال میں عمل بشما آٹا لازم۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں موجود ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

”بہلہ امور در قرآن شریف موجودہ است حاجت ندارم“

شاہ فخر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس انتظار میں نہیں رہنا چاہئے کہ اول مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔

۱۔ مارا چٹال معلوم است کہ از تعلیم نام خداے عزوجل کو تا ہی بنید کرد و در بند آن بناید شد کہ اہل مسلم شود من بعد چیزے شغل کند نام اثر ہا است خود بطرت خدا خواہد کشید ۲۔

یہی وہ طریقہ تھا جس کے اختیار کرنے کی تاکید کلیم اللہ صاحب نے فرمائی تھی اور جس کی تائید ان کے سلسلہ کے ہر بزرگ نے محسوس کی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

وفات :۔ حضرت شاہ فخر الدین صاحب نے ۲ جمادی الثانی ۹۹۹ھ کو وصال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال تھی سکھ

حضرت شاہ فخر الدین صاحب کے ایک فرزند تھے ان کا نام غلام قطب الدین تھا اولاد وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے اور شاہ صاحب دہلی تشریف لائے تو اپنی بہن

۱۔ مناقب ۱ ص ۹۳

۲۔ فخر الطالبین ص ۶۹

۳۔ شجرۃ الانوار

۴۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۱۵

کے سپرد کر دیا ۔

غلام قطب الدین صاحب نے ۱۸ محرم ۱۲۳۲ھ کو وصال فرمایا،

کالے صاحب

اور حضرت قطب صاحب رحمہ کے جوار میں آسودہ ہوئے ۔

غلام قطب الدین صاحب کے بھی ایک ہی فرزند تھے اُن کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا۔ دلی میں خواص و عوام سب اُن کا ادب و احترام کرتے تھے سرسید نے لکھا ہے :  
”اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شخص نہیں ہے حضور والا اور تمام سلاطین و جمیع امراء عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں“

دہلی کا ہر شخص امیر و غریب چھوٹا اور بڑا ان سے ملتا تھا۔ غالب کو اُن سے خاص لگاؤ اور اُنس تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

”میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں، بلی ماروں کے محلے میں ایک سونے کی کڑی کو لے کر اس میں رہتا ہوں وہاں کا رہنا میرا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا“

بہادر شاہ ظفر کو اُن سے بڑی عقیدت تھی لکھتا ہے :

نظام خاندانِ محمدیہاں تمہیں تو ہو	قیام سلسلہ و خاندان تمہیں تو ہو
نیکو نکرتم سے ہوں ظاہر مستطاب الدین	خدا رکھے تمہیں ان کا نشان تمہیں تو ہو
تمہارے در پر جھکا کر سر ارادت خلق	کہے ہے کعبہ امن و اماں تمہیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پروانہ سال ہزاروں دل	کہ شمع محفل صاحب دلال تمہیں تو ہو
تمہاری قوت باطن سے تقویت ہر جے	کہ میرے باعث تاب و توان تمہیں تو ہو

لے آثار الضادید

۱۷ اردوئے معلیٰ حصہ دوم ص ۱۷



بغیر آپکے ہوں کیوں نہ جان و دل بے چین کدراحت دل و آرام جان تمہیں تو ہو  
 ظفر کو چاہئے نصرت تری نصیر الدین کہے اس کے بار و مدد گاہاں تمہیں تو ہو  
 کالے صاحب خود بھی بادشاہ کے پاس آکر جایا کرتے تھے بمبئی کے اصحن الاخبار اور دلی کے  
 سراج الاخبار کے اقتدار سے جو خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہادر شاہ کے روزنامہ کے نام  
 شائع کئے ہیں۔ (۱۱) یہ ثابت ہے:

”بادشاہ کی طرف سے اُن کا وظیفہ بھی مقرر تھا تقریبات کے موقع پر بادشاہ اُن  
 کے سارے اخراجات برداشت کرتا تھا حکیم میر قطب الدین باطن کالے صاحب کے مرید تھے  
 انہوں نے گلشن بے خار کے جواب میں ”نغمہ عندلیب“ مذکورہ لکھا تھا  
 کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں تھی جواب احاطہ کالے صاحب کے نام سے  
 مشہور ہے کالے صاحب نے ۱۵ صفر ۱۲۶۲ھ کو وصال فرمایا مہر دلی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا  
 کالے صاحب کے پانچ بیٹے تھے:

(۱) غلام نظام الدین

(۲) غلام معین الدین

(۳) وحید الدین

(۴) امین الدین

(۵) کمال الدین

۱۔ تاریخ مشائخ پشت شاہ

۲۔ کالے صاحب کے بہادر شاہ سے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون ”۱۸۵۴ء سے پہلے  
 کی دلی“ مطبوعہ برہان دہلی جولائی ۵ تا ۸ نیز ملاحظہ ہو بہادر شاہ کا روزنامہ ”۵۹-۸۶-۹۲ وغیرہ  
 ۳۔ مطبوعہ نول کشور ۱۸۵۴ء کے مناقب فریدی ص ۲۹

پہلے دو ماہ جزاویں سے ایک سید زادی سے تھے بقیہ ایک شہزادی سے تھے۔  
 کالے صاحب کے فرزند اکبر غلام نظام الدین سجادہ شجرت پر بیٹھے ان کے مریدوں کی  
 تعداد بھی کافی تھی غدر میں کالے صاحب کی اطلاق منبٹ ہو گئیں۔ نظام الدین صاحب حیدر  
 آباد چلے گئے تھے بعد کو جب حالات درست ہوئے تو دہلی واپس آ گئے ۱۲۹۲ھ میں وصال  
 فرمایا اور والد کے پہلو میں دفن ہوئے تھے۔

سربید حضرت کالے صاحب کے بیان میں فرماتے ہیں : —  
**سربید کا بیان** | آپ جناب حضرت مولانا قطب الدین صاحب کے فرزند ارجمند ہیں  
 محامد آپ کے حیرت تحریر اور حیطہ تقریر سے باہر ہیں۔ اخلاق اس وسعت سے بے کہ جس کا کچھ  
 بیان نہیں ہو سکتا۔ مکیبی اس درجہ پر ہے کہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا اوقات آپ کی بہت توجہ  
 اور حرکات آپ کے نہایت محبوب۔ ہر دم ہر لحظہ وظیفہ سے خالی نہیں رہتے۔ بات کہنی بھی  
 آپ کو مشکل ہوتی ہے۔ جب کوئی کچھ پوچھے اُس کا جواب لاچار دینا جاتا ہے اگر پھر اُس وقت  
 ظاہر میں زبان فغل سے باز رہتی ہے۔ لیکن دل اُسی طرح مشغول حق رہتا ہے۔ اس زمانہ میں ایسا  
 نامی گرامی شیخ نہیں ہے۔ حضور والا (۵) اور تمام سلاطین اور جمیع اُمراء عظام آپ کے نہایت  
 معتقد ہیں۔ جس مجلس میں آپ تشریف لاتے ہیں ہر شخص بے اختیار دوڑتا ہے۔ اور قدموں  
 پر گرتا ہے اور اپنی سعادت ابدی سمجھتا ہے۔ تھوڑی مدت ہوئی کہ آپ پر شوق الہی غالب ہوا۔

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۵۰ - ۵۱

۲۔ غالب کا خط بنام انوار الدولہ سعد الدین خان شفق (اردوئے معلیٰ حصہ اول ص ۱۲۳)

۳۔ مناقب فریدی ص ۳۹ -

۴۔ تاریخ مشائخ چشت ۵۱۹

۵۔ مراد از سراج الدین ابو ظفر بادشاہ دہلی -

اور اپنے دادا صاحب کے فیض حاصل کرنے کو دل چاہا۔ اگرچہ وہ فیض سینہ بہ سینہ اپنے جناب  
 والد مرحوم سے پایا تھا لیکن یہ شوق ایسا ہے اور یہ نعت وہ ہے کہ طالب اس کا بس نہیں  
 کرتا، جتنا دیتے جاؤ اتنا ہی اور مانگتا ہے۔ آپ نے سفر اختیار کیا اور زیارت حرمین شریفین  
 سے مشرف ہوئے اور پاک پٹن میں تشریف لے گئے اور شاہ سیدان (۱) کی خدمت میں حاضر  
 ہوئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ سیدان صاحب اس بات کو نہایت غنیمت سمجھے اور ان کے قدمِ محنت  
 لازم سے ہزار باغریہ کیے۔ چند کروہ (۲) استقبال کو آئے اور باعزاد و اکرام لے گئے۔ چند  
 آپ نے وہاں تشریف رکھی۔ اور جو کچھ فیض اور برکات اپنے دادا صاحب کے ہتھے اُن کو پھر  
 تجدید کیا۔ اور رخصت ہو کر شاہجہاں آباد میں تشریف لائے کہ اب یہیں رونق افروز رہیں۔  
 اس تشریف آپ کا پچاس سے متجاوز ہے۔ محبت آپ کی غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے  
 بزرگمان حق پرست کو سلامت رکھے۔ (۳)

۱۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان غازی نظامی ۶۰ مرید و خلیفہ حضرت مولانا غزال الدین قدس سرہ جنہوں نے  
 تونسہ شریف میں قیام فرمایا اور ہدایت خلق اللہ مشغول ہوئے۔ یہ مقام تونسہ  
 شریف بنامریخ، صفر ۱۲۲۵ھ میں، عمر یک صد سال سفر آخرت اختیار کیا (دیکھو تذکرۃ الفقرا  
 ص ۱۱۳) لیکن برکات اولیاد ص ۵۹۹ میں سن وفات ۱۲۶۰ھ مرقوم ہے کہ یہی سن صحیح معلوم نہ کہے۔

(۲) ایک کوس یا دو میل کی مسافت۔

(۳) تذکرہ اہل دہلی دسرتید ص ۲

## عہد بہادر شاہ کے علماء

اگرچہ بہادر شاہ کا عہد بہر اعتبار سے زوال پذیر تھا۔ لیکن درس و تدریس، علم و فن، اور ذہانت و ذکاوت کے لحاظ سے اتنا ہی شاندار تھا، اس حد تک کہ کتب و مدرسے کی جو رونق نظر آ رہی ہے وہ پھر کبھی نظر نہیں آئی، اس دور میں جتنے وسیع النظر، ہمدون اور سراپا محقق و متقی علماء نظر آئیں گے، چھٹم نکلے، اس کی مثال پھر کبھی نہیں دیکھی فقہ و اصول کی سند پر فقہاء نظر آئیں گے، جن کی موٹگافیاں اور دقیقہ بنیال، اپنا جواب نہیں رکھتیں، فرق و تفسیر کی سند پر، مفسر اور شارح نظر آئیں گے، جن کی وقت نظر، محقق اور معنی آور یعنی دعاتر کی زینت ہے، حدیث و روایت کی سند پر جو محدث اور اصحاب خبر نظر آئیں گے، انہوں نے قل رسول کی تحقیق و تفتیش میں اپنی عمریں صرف کر دیں، یہ علم و فضل میں یکساں تھے، وسعت نظر اور ہمدانی میں لا جواب تھے، امور و مسائل کی تفصیل و تشریح میں یگانہ تھے۔

اس سلسلہ کا آغاز بھرا کا ہم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے کرتے ہیں اگرچہ ان کا زمانہ کچھ مختلف ہے۔



## (۱) شاہ عبدالعزیز دہلوی

شاہ عبدالعزیز شافعی بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی خطہ ہند میں استاد الاساتذہ اور امام بقیۃ السلف  
 حجتہ الخلف خاتم المفسرین والمحدثین تھے وہ اللہ میں پیدا ہوئے آپ کا نام تاریخی غلام علیم ہے علوم اپنے والد ماجد اور  
 ان کے خلفاء سے اخذ کیے اور اپنے وقت میں مرجع علماء و مشائخ ہوئے تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ و  
 نقلیہ میں دستگاہ فوق البیان رکھتے تھے اور کثرت حفظ و علم تعبیر و یاسلیقہ و عطا و انشا و تحقیقات لغات  
 علوم اور مذاکرہ و مباحثہ ضخیم میں ممتاز ہیں تمام عمر تدریس و افتاد و فصل خصوصیات و وعظ و تربیت مریداں اور میل  
 تمیز میں بسر کی اور جاہ و عزت ظاہری کو کمالات باطنی کے ساتھ جمع کیا ہندوستان میں ریاست علم و عمل کی  
 آپ اور آپ کے بھائیوں پر منتی ہوئی ہندوستان کی بلکہ دیگر ولایت ہیں ایسا کوئی عامل کم ہو گا جس نے تمدن یا  
 استنادہ بالعلم کی نسبت اس خاندان کے ساتھ دست نہ کی ہوگی اور اس خاندان کی طاہری کو فخرتہ سمجھا ہوگا۔  
 ہندوستان میں علوم حدیث و فقہ حنفی کی خدمت جیسی کہ اس خاندان سے ظہور میں آئی ایسی کسی اور خاندان سے  
 کم و قورع میں آئی ہے آپ کی تصنیفات سے تفسیر فتح العزیز سوانین پارہ قرآن شریف و مبدل کلاں محفوظ اثنا عشر  
 تہذیب قیصرستان المدین سرائشا و عین عالمہ مانعہ اور فتاویٰ کثیرہ یادگار اور مشہور ہیں۔ نواسی سال کی عمر میں  
 وفات پائی اور دہلی کے مکان طرازہ کے باہر اپنے والد ہر گولر کے پہلو میں مدفون ہوئے عظام شعرائے اپنے  
 آپ کی وفات میں بہت سی تاریخی تصنیف کی جس میں سے ایک شیخ پیرشوا سے بھی ہے ۱۲۳۹  
 ہجری امام گاہ دہلی میں بے پہلوئی پدر بزرگوار اس آرام فرمایا ان کا خاندان  
 خاندان کے خدمات جلیلہ | علوم حدیث و فقہ حنفی کا ہے خدمت اس علم شریف جیسی اس اہل بیت

سے وجود میں آئی ویسی اس ملک میں کسی اور خاندان سے معلوم و معہود نہیں ہے محکم عمل بالحدیث کا درحقیقت ان کے والد نے اس سرزمین بویا اور انہوں نے اس کو برگ و بار بخشا ورنہ ملاوہند میں سوائے فقہ حنفی کے کوئی بھی علم حدیث شریف کا اور اس کے ساتھ علم و عمل میں تمکک کرنا نہیں جانتا تھا (۱)

”کاتب سرودت عفا اللہ عنہ وقت درود دہلی شریف مرارات بابرکات ان حضرات کی زیارت سے مراد ہوا ہے اس خاندان عالی شان کا قبرستان دہلی دروازے کے باہر مہندیوں میں واقع ہے ایک چبوترہ مسلح پر ہے ان کے پائیں حضرت شاہ عبدالقادر رضی اللہ عنہ صاحب مفتح قرآن کا مزار شریف ہے آپ کی وفات ۱۹ رجب ۱۲۳۱ھ کو ہوئی ہے اور حضرت شاہ عبدالرحیم کے برابر شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا مزار ہے اور اس کے برابر حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی قبر شریف ہے رضی اللہ عنہم (۲)

(۱) اتحات النبلا

(۲) الروض المصطفیٰ تراجم علماء فہرچ العدد ۱۹۰

## شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

علم عامل فقیہ فاضل - زائد عابد خصوصاً حدیث و تفسیر میں بیگانہ روزگار صاحب درع و آلاء و مناقب تھے علوم اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز سے حاصل کیے تمام عمر تدریس علوم میں رہ کر خاص و عوام کو لینے چھڑنے نہیں سے سیراب کیا اور اپنے والد ماجد کی تفسیر فتح الرحمن جو فارسی میں ہے نہایت فصاحت و بلاغت سے اردو میں موضح القرآن نام سے ترجمہ کیا جو مطبوعہ امام ہوا۔ وفات آپ کی سالگرہیں ہوتی اور منظور الہی تاریخ وفات ہے۔ (۱)

**مولوی عبدالقادر دہلوی (۳)**

شاہ صاحب کا قلعہ سے تعلق مولوی عبدالقادر صاحب کے حالات بہت دل چسپ ہیں یہ بادشاہ کی بہو مرزا فتح الملک دلی عہد کی بیوی محمدی بیگم کے اساتذہ

بعد مجد اور ننگ آبادی کے ام بھی تھے قلعہ بادشاہی میں باریاب تھے مولوی ذی علم اور صاحب اقبال تھے۔ حاجی حافظ اور حکیم تھے گویا ماعدہ مطب نہیں کرتے تھے لیکن فن طب میں عبور کامل تھا اور خاص خاص معرکۃ الاداء علاج کیا کرتے تھے تعویذ گنتے بھی کیا کرتے تھے مگر بطور ذریعہ معاف نہیں نہ بالعموم بلکہ بطور خاص اپنی جان پہچان میں لوگ کہتے ہیں کہ بعض علیات مولوی صاحب کے اب تک مشہور ہیں ہمیشہ عاشورے کو وحط بھی کیا کرتے تھے محمدی بیگم صاحبہ کی زندگی تک ان کو خاندان شاہی سے پیشین طبعی رہی گورنمنٹ انگریزی سے ہر ماہ مذہب اور ننگ آبادی ان کو معقول معاوضہ بطور العام مل چکا تھا ایام غدر میں لیسن کی میم کو پناہ دی تھی جس کے صلے میں اعلیٰ درجے کے خیر خواہ گورنمنٹ خیال کیے جاتے تھے اور سرکاری دبار میں حاضر باش رہتے تھے دہلی کے اعلیٰ درجہ میں آپ کا شمار کیا جاتا تھا آدمی بڑے ذی وجاہت تھے تمام شہر ان کو ماننا تھا



آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے تاہم سارا کام بارہا شادی بیاہ کا یہی انتظام کرتے تھے کیونکہ ان کو اس کام میں خاص قسم کا سلیقہ تھا۔ ۳۰ برس ہوتے کہ انتقال ہو گیا مرتے وقت زبان پر کلمہ جاری تھا مولوی صاحب رمضان شریف میں بالالزام تراویح سنایا کرتے تھے قرآن مجید خوب یاد تھا اور خوش الحان بھی تھے ان کے حقیقی چھوٹے بھائی حافظ عبدالرب صاحب نے وعظ گوئی میں بڑا ملکہ حاصل کیا تھا تمام ہندوستان میں ان کے وعظ کی بڑی دھوم تھی انہوں نے بہار نپور میں جامع مسجد دہلی کے نمبر پر ڈاکدار مسجد چندے سے بنوائے ہیں یہ صاحب بھی ۱۵-۱۶ برس ہوتے رخصت ہوئے تھیں بھائی حضرت مائی باللہ رحمۃ اللہ کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ مولوی عبدالعقید صاحب کی آل و اولاد کا بڑا کنبہ ہے خان بہادر عبدالحمید صاحب انہیں کے صاحبزادے ہیں جو بھوپتی کلکری کے عہدے سے پیش لے کر اب دہلی کے آزادی جبر میٹ ہیں ان کے بڑے بھائی مولوی عبدالواحد صاحب کے بڑے لڑکے سید آباد میں مدوگا مہتمم بندوبست تھے انھوں نے وہیں انتقال کیا مولوی عبدالعقید صاحب کی عین لڑکیاں تھیں ایک مولانا کی سونم عزیم جنہوں نے ۱۳۱۵ھ میں انتقال کیا دو لڑکیاں اب بھی زندہ ہیں منجلی صاحب زادی مولوی احمد حسین صاحب تحصیلدار پیشہ کی زوہر ہیں اور چھوٹی صاحبزادی حاجی حافظہ اور قادی بھی ہیں وہ بھالی میں بیوہ ہو گئیں اولاد میں اس لیے انہوں نے آخرت کا راستہ درست کیا گھر میں لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھاتی ہیں جمعہ کے جمعہ وعظ کہتی ہیں رمضان شریف میں عذاب بھی سناتی ہیں مولوی عبدالرب صاحب کے خاندان کی حالت اس کے خلاف تھی ان کے ایک لڑکی تھی وہ شادی ہوئی ہی جوان مر گئی پھر ایک جوان لڑکا ہوا محمد ادریس وہ باپ کے قدم پر قدم تھا اور شمس العلماء مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کا نواسہ داماد تھا مگر وہ بے چارہ جوان بیضہ میں چپٹ پٹ ہو گیا مولوی صاحب کی ایک بیوی سکیم شریعت الدین خان صاحب کی بہن زندہ تھیں وہ بھی رانی گزشتہ میں گندہ گئیں اور اس طرح مولوی عبدالرب صاحب کے خاندان کا منسلک باقی نہیں رہا اللہ و انما الیہ راجعون ۱۱-۱۲

غسل کے زمانہ میں شاہ صاحب بھی مجنوں کی سازش سے پھانسی کے میدان میں پہنچا دئے گئے۔



حالانکہ انگریزوں کی جان بچا چکے تھے، یہ داستان بڑی دلچسپ ہے :-

جب ان مولویوں کی باری آئی معلوم نہیں اُس کے محل میں کیا آیا اس نے کہا کہ یہ بیچا سے بھلی

لوگ ہیں اگر کہیں ان کے منہ سے نکل جائے کہ یہ مولوی ہیں تو چھریہ سب بچانسی پاتے لیکن زندگی باقی تھی

بچ گئے طرفہ یہ کہ لیس کی میم نے ایک چھٹی مولویوں کو لکھ دی تھی اور لکھ دیا تھا کہ جو تب تم کو کام پڑے یہ دیکھا

دیا اور وہ چھٹی مولانا کی پگھلی میں تھی مگر اُس کے دکھانے میں پس و پیش کیا انگریزی تو ان میں سے کوئی پڑھا

نہ تھا لگان ہوا خدا جانے اُس نے کیا لکھ دیا ہو کہیں ایسا نہ ہو کچھ شکایت لکھی ہو تو اٹھ لینے کے دینے

پڑ جائیں اس ڈر سے پیش نہ کی گئی اگر وہ چھٹی دکھلا دی جائی تو اتنی زحمت نہ ہوتی اور معاف رہتی ہو جائی اتفاقاً

سے جس مکان میں یہ لوگ قید تھے اُس کے کونٹے پر مسٹر لٹس میگزین میں کوئی خدمت رکھتے تھے ٹھہرے

ہوتے تھے مسٹر لٹس نے غدر سے پہلے ٹیلر صاحب پر پیل لالچ کی سفارش سے کچھ اردو پڑھی تھی غرض تعارف

اچھا تھا زینے سے اُترے تو انہوں نے مولانا کو پہچانا اور حالات معلوم کر کے ان سب کی حالت پر بہت

افسوس کیا مہیا خدی کو تو نہ گئے اور ان سب کو کونٹے پر لے گئے وہاں چلے پلائی اور کٹنگ افسیر کو

لکھ کر راہ دلی کا پردانہ دلا دیا ۔

اب یہ لوگ عورتوں کے جتھوں پریشان پڑے پھرتے تھے بڑے تجسس کے بعد پتہ لگا کہ مولوی

حافظ اللہ خان صاحب و اعظم جو مولوی مٹریف حسن صاحب کے خسر ہوئے تھے عہد قوں کو برا آمد سے میں

لے گئے جہاں ان کے کچھ مرید رہتے تھے غرض ہا شدہ مولوی بھی وہیں پہنچے اور وہاں مہلتا تے تپ و لرزد

ہو گئے ان میں صرف مولوی عبدالعادر صاحب بچے ہوئے تھے آخر انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ سرکاری فیل

خانے میں کسی فیل بان کے پاس ٹھہریں اس شخص کا پتہ ان کو دے دے والوں سے ملا ہو گا کہ نکلاں فیل بان

یہاں کا بڑا دیندار ہے اور مولویوں کا مستعد بھی ہے اس شخص نے مولوی عبدالعادر صاحب کی مریدانہ بڑی

مدد کی سرکاری ہاتھی ہدم مکانات کے لیے فہرستیں بھیجے جاتے تھے مولوی عبدالعادر صاحب نے عہد قوں

کے زیورات ایک پٹائی میں بھر کر پنجابی کڑے کی مسجد کے ایک حجرے میں دفن کر دیئے تاکہ لوٹنے والوں

کو مرغانے اُس دیوار کے نکالنے کے لیے مولوی عبدالعادر صاحب فیل بانوں میں مل کر شہر میں آتے کھو کر

پٹاری نکالی اور فیل بالوں کے ساتھ شہر کے باہر ہو گئے مولوی لوگ اکثر بھولے بھی ہوتے ہیں انہی انجنت  
 بدو فیل بالوں کی ارادہ مندی دیکھ کر مولوی عبدالقادر صاحب سب کے سامنے پٹاری کھول کر بیٹھ گئے انہوں  
 نے دیکھا پٹاری میں بھڑا سونا چاندی رات کو زیور نکال پٹاری میں پتھر بھر دیتے مولوی صاحب بند کے بند  
 لے کر آئے اس وقت ہمارے مولانا محمد کے ایک حجرے میں بیمار پڑے تھے پتھلو کو غل چلتے  
 سنا کہ مولوی صاحب زیورات کی پٹاری نکال لے گئے ہیں تھوڑی دیر میں سنا مولوی عبدالقادر صاحب ڈوبتے با  
 رہے ہیں اس لیے کہ ان کو بروا لے پہنچ کر معلوم ہوا کہ پٹاری میں پتھر بھرے پڑے ہیں غرض خود مولوی صاحب  
 اور جن عورتوں کا زیور تھا رو دھو کر بیٹھ رہے اس پٹاری میں زیادہ مالیت ہمارے مولانا کی تھی مولانا کی  
 بی بی کا کل زیور تھا مولانا کا چاندی کا حقہ چاندی کا سرلوہی چاندی کی چلم چاندی کا تھلاں وغیرہ اس قسم کی  
 چیزیں تھیں مولوی عبدالقادر صاحب ڈوبتے تو کیا اور ان کو ڈوبنے بھی کون دیتا وہ بھی بیمارے رو دھو  
 کر چپ ہو رہے - (۲۵)

سے بھولے بھالے جنتی ہوں گے۔

۴ - حیات النذیر (انتخاب عالم مارہروی)

## مولانا فضل امام خیر آبادی

مولانا فضل امام خیر آبادی، علم و فضل، اور فنون عالیہ میں اپنی مثال آپ تھے، اس خاندان نے، ہو گلاں  
ماہر خدمات علمی انجام دیے ہیں وہ تاریخ کا ایسا روشن باب ہیں، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا،  
مرسید فرماتے ہیں :-

”جمال نہیں کہ آپ کے اوصاف حمید اور عماد پندیدہ کی تقریر ہو سکے۔ اگر ہزار برس مشق سخن کے  
اور اسی ذکر میں زبان سخن بجھی سے معاف نہ رکھے لیکن ہے کہ ہزار سے ایک نہ ادا ہو سکے۔ علوم عقیدہ و فنون  
حکیمہ کو ان کی طبع و تہ سے اعتبار تھا اور علوم ادبیہ کو ان کی زبان عالی سے افتخار، اگر ان کا ذہن۔ رسد لائق  
تعلیم بیان نہ کرنا، نفس کو معقول نہ کہتے، اور اگر ان کا نظم صائب براہین ساطعہ قائم نہ کرنا، شکل ہندی تار  
عقیدت سے سست نہ نظر نہ آئی۔ اس لوح میں ترویج علم حکمت و معقول کی اسی خاندان سے ہوتی  
گویا اس دودھ والا بار سے اس علم نے یک جہتی بہم پہنچائی ہے۔ باوجود ان کلمات کے خلق اور علم کا  
کچھ حساب نہ تھا۔ ہمیشہ سرکار حاکم وقت میں مناصب بلند سے سرفراز اور انباتے عہد سے ممتاز رہے۔  
پایہ ہمت آپ کا بلند تھا اور سلوک آپ کا حق پسند۔ بہ سبب کثرت ایثار کے منگی دست خلاق دیکھ  
نہ سکتے تھے اور بہ سبب خلق و بیع کے ہر عاجز و زبوں کو عزمِ نیاز سے منتخ نہ کرتے۔ اگرچہ وطن اصلی  
آپ کا خیر آباد ہے لیکن چندہ در چنداں سب سے حضرت نے شاہجہان آباد میں اس طرح سے وطن  
اختیار کیا کہ گویا یہیں کے رہنما میں سے محبوب ہوئے لگے۔ ایک مدت مدید ہوئی کہ ترک روزگار کر کے  
خود وطن مالوت کی طرف تشریف لے گئے اگرچہ سب اہل و عیال کی یہاں بدستور بود و باش رہی اور جب  
سے گئے پہر معاودت نہ فرمائی۔ عرصہ انیس بیس برس کا ہوتا ہے کہ عالم نالی سے ملک باقی کی طرف سفر  
ناگزیر اختیار کیا اور واقعہ جان کاہ پانچویں ذیقعد ۱۲۸۳ھ میں سانچ ہوا۔ (۱۱)

”مذکرہ اہل دینی دمر سید ص ۸۶

ان کے کچھ حالات تذکرہ علمائے ہند (ص ۱۶۲) میں درج ہیں۔ مرزا غالب نے ان کی دکیات پر قطعہ تاریخ کہا ہے جو حسب ذیل ہے :-

اے دریا قبلہ ارباب فضل	کرد سوتے جنت المادئی حرام
یوں ارادت از پتے کسب ثروت	جست سال فوت آں عالی مقام
پھر ہستی خراشیدم تخت	نا بناء مخزبہ گردد تمام
گفتم اندر "سایہ لطف نبی"	باد آرامش گہ "فضل امام"

۱۲۱۲۴ = ۹۹۲ - ۱۲۲۹ = ۵ - ۱۲۱۲۴

دکیات غالب قطعہ ۵۱ ص ۲۳ - ۲۲ - ۱۹۲۰ (۱۹۲۰ء) -



## مولانا شاہ اسماعیل<sup>(۴)</sup>

علم برکش اے آفتاب بلند      خزاں شواہے ابر مکیں پند  
 نال اے دل رعد چوں کوس شاہ      بخند اے لب برق چوں بھیج گاہ  
 یار اے ہوا قطرہ ناب را      بگیر اے مدت درکن ایں آب را  
 مد اے دراز قصر دریائے خویش      تاج سر شاہ کن جائے خویش (۲)

آپ کو حضرات ثالثہ یعنی مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر غفر اللہ لہم کے ساتھ نسبت برادر زادگی کی تھی لہذا بسبب اس کے کہ جناب جنت مآب مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے بعد انتقال والد ماجد ان کے بجائے فرزندوں کے پرورش کیا تھا اور حضرت مہرور مغفور علی نقی بھی ان کے ساتھ منسوب تھیں، ان کی تربیت اپنے ذمہ پر لے کر رفقہ شرب حضرت کی تکمیل میں سامی تھے از لیکہ جو ہر قابل محتاج تربیت لہذا نیاز مند تعلیم نہیں ہوتا، آپ کے آئینہ خاطر نے مصقلۃ تائید الہی سے ایسی صفا اور جلا حاصل کی تھی کہ اسرار انزل نے جناب آپ پر منکشف تھے۔ اسی واسطے افعالِ حال میں مطالعہ کتب کی طرف چمکلاں التفات نہ فرماتے تھے، لہذا حال یہ تھا کہ حضرت مہرور کی خدمت میں نانوائے سبقِ سخاوتی تہہ کر کر بیٹھتے از لیکہ بسبب استغنا کے یہ محفوظ نہ رہتا تھا کہ سبق کس جائے سے شروع ہوگا۔ کبھی اس کے مابعد کی عبادت سے شروع کر دیتے۔ جب حضرت مغفور وہاں سے

۱۱ حالات کے لیے دیکھو اتحاف النبلا ص ۴۱۶، اجدالعلوم ص ۹۱۶ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۹،

الحیاء بعد المآء، ص ۱۰۴ تا ۱۱۵ -

(۴) اشعار نظامی در مکتبہ نامہ -

امتناع فرماتے تو آپ فرماتے کہ اس مطلب کو آسان سمجھ کر نہیں پڑھا اور فی الواقع اگرچہ مطلب عقیدہ مالاخیل ہوتا۔ اس طرح اس کی تقریر کرتے کہ موجب ہجرت اعلیٰ و ادانی ہوتا اور کبھی اس کے ماقبل سے آغاز کرتے جب حضرت اس سے متنبہ فرماتے تو آپ اس میں کچھ شبہ کر دیتے، اور وہ سبب ایسا کہ حضرت اس کو اس کے دفع میں بہت متوجہ ہونے کی حاجت ہوتی۔ اس استدلال و خلا داد کی اعانت سے پندرہ سولہ برس کی عمر میں تحصیل معقول و منقول سے فراغت حاصل ہو گئی۔ جو کہ آپ کی ذہانت کی دھوم تمام شہر میں مچی وہ فضائے کمال کہ دعوئے کتاب حانی و دقیقہ شناسی کا رکھتے تھے، وہ مقامات باریک کر جن کے مان کرنے میں مدگار و ماز فکر کرنا چاہیے، آپ سے ہر راہ ملائی ہو کر باعتبار ظاہر کیے بطور مناظرہ کے استفسار کرتے، اس لحاظ سے اگر ان کے مکان پر جاویں گے تو شاید مطالعہ کتاب یا اعانت مشرح لہ حاشی سے اس کو بیان کریں۔ لہذا آپ یہ مائل اس کو اس طرح سے تقریر فرماتے کہ ان کو اس جرائع سے کمال خیالات حاصل ہوتی۔ ذکر اس زبدۂ ارباب کمال کا داعی ہے کہ ہزار ہزار محامد پسندیدہ کو زبان پر لا کر ان کے انش ثوق کو تکبیر دے۔ بیت

گہر نثار کند بر سر زبان چشم

اگرچہ نام شریف تو بر زبان آید

لیکن کیا کرے کہ نہ زبان کو طاقت تقریر ہے لہذا نہ قلم کو یا لستے تحریر معقولات میں آپ کا نتیجہ دہم مثل یقینات اور منقولات میں آپ کی تنہا نقل مانند متواترات۔ فقہ کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلہ کو آیات و حدیث کے ساتھ مستند فرماتے تھے۔ بیشتر کتب علم معقول پر حواشی تحریر کیے اور از بسکہ طبیعت و قوہ حدیث و آثار کی طرف مائل تھی، ایک رسالہ منطق میں لکھا اور اس میں شکل اول کے بعد الطباع اور شکل رابع کی ابدۃ البدیہات ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرماتے کہ اگر علم اعلیٰ موجود ہوتا اپنی براہین کو مار عنکبوت سے سست تر سمجھتا۔ اور ایک رسالہ اثبات رفع یدین میں مسمیٰ ”بقرة العینین فی اثبات رفع الیدین“ تالیف کیا اور حدیثیں اشہر اور نہایت قوی سے اس کا استدلال کیا ہے اور دلائل فقہائے مابین اس کے مقابل میں ہیں، اپنے سوالات سے اس طرح پراختیاء ہے

کہ مصطفیٰ غیر متعصب کو سوائے سلیم کے اور چارہ نظر نہیں آتا۔ اور سائل کثیرہ فضول شقیں آپ سے  
یادگار ہیں۔ جی پابنا ہے کہ آپ کے حال ہدایت ایشمال میں سے قدمے بدیر ارباب کمال کیا جاوے  
تاکہ خلق ہونا ایسے فرد کمال کا نمونہ ملت رب فوالجہاں سمجھا جاوے۔ احوال میں از بس کہ ب  
فیض باطن کا بہت اچھا تھا، جناب غفران باب زہد و لولاد حضرت خیر الامم مکی جہاں محمد عبید السلام  
میر سید احمد مدس سرہ العزیز کی خدمت میں اعتقاد بہم پہنچایا اور ان سے فیض باطن کو سب کیا۔ بعد  
پیر کی رفاقت میں ستر حجاز اختیار کر کے مسک حج کو ادا کیا اور وہاں سے ہندوستان کو مراجعت کر کے  
حضرت کی خدمت میں اطراف و ہوا میں اس پر کیا اور ہدایت وارثاد سے عبد اللہ کو راہ راست  
دکھائی اس اثنا کے احوال تو اس قدر ہیں کہ زبان قلم اس کے تصور سے شوق ہوتی ہے، مگر افسوس  
بادشاہ سید الطائفہ پر طریقت کے احوال مزہم شاہجہان آباد کی اہل مذمت ہو کر راہ رشد و ہدایت  
کو ادا کیا اور خط و نصائح سے اہل غفلت کے کان کھل دیے جو مسائل کہ ان پر مواظبت کرنی  
فہمیت دین سے حق اور بر سبب سستی اور کاپی کوئی عمامے وقت کے عوام روزگار کیا بل خواص کے  
گوش و ہم تک بھی نہ پہنچے تھے۔ آپ کی سعی و جہد سے سب پر کھل گئے۔ اور کوزہ اعلا سنت اور  
ہم بیان شرک و بدعت کا وضع و شریعت کے کان تک پہنچ گیا۔ یہ وہ بود۔ یہ کہ ارباب مشیخت اور  
صاحبان تشیع کہ سلسلہ اعتقاد و مہر رشتہ اشدت خاص و عام کا ان کے ساتھ مستحکم تھا۔ اور کسی کو  
ان کی مذہبیت کا گمان نہ ہوتا تھا۔ اس گمان سے کہ اگر مسائل حقہ گوش و موم روزگار تک پہنچے تو ہمارے  
حق میں موجب ضعف اعتقاد کا ہو جائے گا۔ علم منازعت اور امانتہ مخالفت بلند کر کے درپے  
اذیت و اذیت ہوئے۔ لیکن چونکہ مؤید بایہ اللہ تھے، اس ہدایت وارثاد سے باز نہ آئے اور حق  
کو یہاں تک توفیق اختیار سنت نبوی اور ترک بدعات و احداث کے ہمیں کہ ایک اور ہی طرح کا نفع ہر  
ایک کی پریشانی احوال سے چکنے لگا، لہذا ان مفسدان مغل کا بازار کا سد ہو گیا اور لوگوں نے جان لیا کہ یہ بزرگ  
للہم اخذ و جر کے اموال کو حج تک پہنچاتے رہے۔ لہذا پیشہ خود رکھا گیا کہ و غنیم و شریف کو توفیق  
نمانکی لہی ہوئی کہ مجددیات میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہوئے لگی کہ، جیسے عید گاہ میں



غاز عیدین کے واسطے ہوا کرتی ہے۔ اور تائید الہی اور ان کی صدق نیت اور خلوص طریت کی برکت سے صلی اللہ  
 علیہ وسلم حال چلا جاتا اور یہ ثواب انہیں حضرت کے جریۃ اعمال میں لکھا گیا اور آج تک اس کا اجر ان کی مدح  
 پر فتوح کو پہنچتا جاتا ہے۔ الحمد للہ ذلک فالحمد للہ علی ذلک۔ آپ کی عادت یہ تھی کہ روز جمعہ اور ہفتہ  
 شنبہ کو مسجد جامع میں مجلس وعظ کو مرتب فرماتے تھے، طرفہ تریسے کر سامعین کو کہ ہزار ہا سنے سمجھتے  
 ہوتے تھے، اس پار عرصہ کے عرصہ میں بہ سبب لغوائے معویان غلالت نہاد کے یا بہ سبب انحراف نفس  
 امارہ کے اگر شبہ پیدا ہوئے اور ارادہ کرتے کہ اپنے وعظ میں آپ کی حق تقریر سے اس کو دفع کریں گے  
 جب درس کی مجلس میں آن کر حاضر ہوتے تو حضرت ابتدا وعظہ میں کلمات چند بہ طریق مہیہ سے ارشاد کرتے  
 لہذا ان کی تقریر کی جامعیت وہ چیزیں مذکور ہوئیں کہ ہر شخص اپنے شبہ کا جواب پالیا اور کچھ غرض  
 باقی نہ رہتا، یہاں تک کہ بعد اتمام درس کے کسی کو یہ خیال نہ رہتا کہ ان شعبہات کو پھر اپنی زبان سے  
 بیان کرنے دلیل کرے اور عمدہ معاصر تردید فکر و بدعت اور احیائے سنت تھا کہ آپ کی حق تقریر  
 سے وہ مسائل غامضہ کہ طالب علم کو بعد مدقح کے ذہن نشین ہو، جہلائے عامی کو بجز استماع  
 کے سمجھ میں آجاتے تھے لہذا اس طرح منقوش خاطر ہوتے تھے کہ مخالفین سے بعض اہل علم چاہتے کہ کچھ  
 دلائل علمی سے اس کو رد کرے اس کے ذہن سے نکالیں ممکن نہ ہوتا۔ جب یہ مطالب خوب چھن گئے،  
 بموجب ارشاد سید اصفیاء یعنی میر طریق ہذا کے اس طرح سے تقریر وعظ کی بنا ڈالی کہ مسائل جہاد فی سبیل  
 اللہ بیشتر بیان ہوتے اور یہاں تک آپ کی میقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینہ باطن معصفا اور مجلدا ہو گیا  
 لہذا اس طرح سے راہ حق میں سرگرم ہوئے کہ ہر شخص نے اختیار چاہنے لگا کہ سر اس کا راہ خدا میں خدا ہو  
 اور جان اس کی اعلیٰ لوائے دین محمدی میں صرف ہو۔ بعد مدت کے ہیر دستگیر نے طلب کیا اور  
 معتقدین کو قند چھوڑ کر ان کی خدمت میں مابی ہوئے اور بالاتفاق حضرت ممدوح کے جہاد پر کربا بھی  
 اور کوہستان میں لے جا کر اطراف ہندوستان میں غلط طلب بھیجے۔ اس فوج سے جوق در جوق روانہ ہوئے  
 اور حضرت کی خدمت میں سلائے مردم کو ہمان ہندوستان میں سے لاکھ آدمی سے زیادہ جمع ہو گئے  
 اور کارہائے نمایاں راہ خدا میں ظہور میں آئے۔ تائید الہی سے ان حضرت کا رعب کفاس کے دل میں آیا



متن ہو کہ جس جگہ گروہ قلیل غزوات مسلمین بے متوجہ ہوا اور اس کا سرگروہ یہ حضرت ہوئے، لہذا کفار اگرچہ  
مردوخ سے زیادہ ہوتا، بے سرد ہا قرار دی ہوا۔ اور وہاں کے محاملات کی تفصیل حضرت بابرکت و بدہ لود  
سید المرسلین کے احوال کے ضمن میں جوہکی ہے۔ چونکہ مشیت الہی میں سلسلہ اس کام کا یہ ہیں تک تھا  
اتفاق تقدیر سے لشکر کفار کو غلبہ ہوا اور حضرت قلعہ بالا کوٹ کے فوج میں ہمراہ ہر طریقہ اور  
اکثر مسلمین غزوات کے جنت اعلیٰ کی طرف راہی ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ اس واقعہ کو چودہ پندرہ  
برس گندتے ہیں اور چونکہ یہ طریقہ ان زمانوں میں بنیاد ڈالا ہوا ان حضرات کا ہے، اب تک اس سنت  
کی ہر فی علیہ اللہ نے ہاتھ سے نہیں دی اور ہر سال مجاہدین اولیٰ ان مختلفہ سے بریت جہاد اسی  
فوج کی طرف راہی ہوا کرتے ہیں اور اس امریکہ کا ثواب آپ کی روح مطہر پر ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے۔  
**مولانا شاہ اسماعیل کی کیفیت شہادت** <sup>منقولہ</sup> میں ہے کہ ان کی پیشانی میں گولی لگی تھی  
عبدالرحمن و خواہر زاوہ سید صاحب نے شیخ

ولی محمد احمد امان اللہ خان لکھنوی کی زبانی سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی اس سے اگرچہ خفیت  
زخم آیا لیکن طرہی خون سے رنگ گئی پھر آپ نکلے سر امان اللہ خان کو ملے۔ بندوق بھری ہوئی تھی اور  
بلبی پڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا امیر المومنین کہاں ہیں؟ اذن اللہ خان نے اشارہ کیا مٹی کوٹ کی طرف ادھر سے  
بکڑت گولیاں آ رہی تھیں لیکن یہ کہتے ہوئے چلے گئے بھائی میں تو وہیں جانا ہوں پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کس  
حرب سے شہادت پائی یہ میاں حفیظ اللہ دیوبندی نے انہیں دھانوں کے کھیتوں میں مٹی کوٹ کے  
نالے کے قریب بندوق چلاتے دیکھا تھا میاں امام الدین بودھالوی کا بیان ہے کہ جب غازی حضرت  
امیر المومنین کی تلاش میں تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا رفل کنسہ پر رکھے ہوئے چل قدمی کر  
رہے ہیں پیشانی سے خون جاری ہے لعل محمد جلدیش پوری مٹی کوٹ کے دامن کے حالات بیان

(۱) حذکرہ اہل جہلی سرسید

۲۲۸ کے منظورہ حاشیہ ص ۱۱۹ کے دتات جلد سوم ص ۲۰۹ کے دتات جلد سوم ص ۱۲۵ کے دتات جلد سوم ص ۲۲۸

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے بائیں طرف سے مولانا اسماعیل رنل کنڈہ پر ڈالے اور ننگی ٹکڑیاں تھیں  
 لیے میرے پاس آئے پیشانی سے خون بہہ رہا تھا پوچھا امیر المومنین کہاں ہیں میں نے اپنی داہنی طرف  
 ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں یہ سن کر وہ اس طرف بھاگے ہوئے چلے گئے کہیم اللہ خان  
 میواتی کا بیان بھی یہی ہے کہ مولانا اس ہجوم کی طرف چلے گئے جہاں ٹکڑیاں رہی تھیں وفاق میں ہے کہ سر  
 سے غلن جاتی تھا یہ معلوم نہیں کہ گولی پیشانی پر لگی تھی یا کتبی پر۔ ہجوم میں جاکر وارد فضا عت دیتے ہوئے  
 شہید ہو گئے۔ ۳

۲۵۲-۲۵۳

۱۱۔ وفاق جلد سوم ص ۲۵۲-۲۵۳  
 ۱۲۔ کواریج عجیبہ میں ہے کہ گھوڑے سے جدا ہونے سے پہلے آپ کا جسم گولیوں سے پھلنی ہو گیا ص ۱۱  
 ۱۳۔ سید احمد شہید دغلم رسول مبرا ص ۲۱

## مولانا اب قطب الدین خاں

یہ ایک طرف، دولت و تیا سے مالا مال تھے، دوسری طرف دولت علم بھی با افراط تمام ان کے کاشنہ  
ہیں موصوفی۔ دین کے خادم تھے، دنیا کے سرگرد، !  
سر سید ان کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں : —

تحصیل علم و فضل خصوصاً فقہ و حدیث خدمت بابرکت مولانا اسحاق صاحب مرحوم معتمد مہر  
سے کی۔ اتباع شریعت میں سب پیش روان مسکن دین سے آپ کا جہم آگے بڑھا ہوا ہے، وضع و باطل  
میں اپنے استاد عالی نہاد سے ایسے مشابہ ہیں کہ جس نے ان کو نہ دیکھا ہو ان کو دیکھے۔ اخلاق و علم علاؤ  
فضل و کمال علمی کے ایسا آپ کی ذات میں جمع ہے کہ لوگوں میں بہت کم پایا گیا۔ ان دونوں فنون میں  
توفیق کمال بہم پہنچایا۔ تعوی اور دس کے تو حساب نہیں۔ آپ کے اجداد والا تبار عالی خاندان والا دودھان  
سے ہمیشہ پیش گاہ سلطنت سے منامسب جلیلہ رکھتے تھے۔ اب اس جزو زمان میں بھی آپ کو اقرب حضرت  
معدنی سے وہ عزت و جاہ حاصل ہے جو چاہتے جو تھے دل اپنے استاد کی پیروی اور خلق کی رہنمائی کے  
لیے مجلس وعظ منہمقد فرماتے ہیں اکثر زبان زبان ریختہ میں فاسطے فوائد عوام کے تحریر کیے اور اس  
میں مسائل ضروریہ ہر طرح کے مندرج فرماتے اور حق یہ ہے کہ ان رسائل سے خلق کو بہت فائدہ ہوا  
کہ ضروریات دین سے ہر شخص مطلع اور آگاہ ہو گیا۔ کتب حدیث سے مشکوٰۃ کا ترجمہ زبان اردو میں  
بہت عاف و مستند و قائمہ مندر کیے اور اکثر فوائد کتب متادلہ و غیر متادلہ سے اس پر بڑھنا  
جب اس کتاب کا چھاپا ہوا یا وجود میں آنے کے خلق نے ہاتھ لیا اور ہر روز رواج دین اور  
تقویت شرع میں مل معروف رہتے ہیں۔ البم زو فزو۔ اب جو شخص راہ خدا پر چلے گا ثواب اس کا انہیں کے  
جریدہ اعمال میں مرقوم ہوگا۔ ان اللہ فیض اجر المحسنین۔ (۱۱)

۱۱۱ تذکرہ ابن دہلی دسر سید مس

بادشاہ کی طرف سے خلعت  
۱۲۳۳ھ کو میرزا نواب غلام محی الدین خان بہادر کی تقریب نام میں ان کے صاحبزادے فخر الاسلام نواب محمد قطب الدین خان بہادر کو خلعت

شش پارچہ اور ان کے چھوٹے بھائی کو خلعت سہ پارچہ بادشاہ سلامت کی طرف سے عطا کیا گیا خلعت دین کے ساتھ عزت و امتیاز سے پیش آنا آپ کا خاص دستور العمل ہے۔

۱۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے زمانہ کے عالم اہل فاضل اکمل فقیہ۔ محدث  
جامع معقول و منقول  
مفسر جامع معقول و منقول حادی فروع و اصول۔ جامع شرک و بدعت

و معتضف عابد متورع مودود فرقة و غیر معتمد صاحب لغات کثیرہ تھے علوم شرعیہ خصوصاً حدیث و اصول حدیث شاہ اسحاق دہلوی سے حاصل کیے ان سے اور نیز علمائے عرب میں شریعت سے حدیث کی سندیں لیں لہ کئی دفعہ حج کیا راقم نے بھی دہلی میں ۱۲۳۹ھ میں آپ کی زیارت کی بقیہ آپ صودت و سیرت میں آیات ربانی میں سے ایک آیت تھے۔ مگر افسوس آپ سے استفادہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ اکثر پیرے چوتھے سال حج کو جاتے۔ چنانچہ آپ کی وفات بھی ۱۲۸۹ھ کو مکہ معظمہ میں ہوئی لہ مرجع احکام شریعت آپ کی تاریخ وفات سے آپ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مظاہر حق اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ (۲۱) جامع التناویر دو جلد (۳) طفر جلیل ترجمہ شرح معین

حصین، (۴) مفہر جمیل (۵) مجموع الخیر (۶) جامع الحکامات (۷) خلاصہ جامع صغیر (۸) ہادی الناصرین

(۹) تحفہ سلطان (۱۰) معدن الجواہر (۱۱) وظیفہ سنونہ (۱۲) تحفہ الزوجین (۱۳) احکام لفظی (۱۴)

فلاح الدین (۱۵) تنویر الحق (۱۶) توفیر الحق (۱۷) تحفہ العرب والعم (۱۸) احکام العیدین (۱۹) رسالہ ایک

(۲۰) خلاصہ النصاب (۲۱) گزدار جنت (۲۲) شبہ النساء (۲۳) حقیقۃ الایمان (۲۴) مراد العباد (۲۵)

تذکرہ الصوم (۲۶) تذکرہ الربا وغیرہ ذلک (۲۷)

(۱) بہادر شاہ کا روز نامہ چہرہ ۸۹

(۲) حقائق الخفیہ ص ۸۸



ان کے والد کا نام محمد علی الدین اسماعیلی ہے وہلی کے بہت  
**مولانا قطب الدین کا طرز النشا** جسے عالم و محدث تھے امدت و ثروت بھی رکھتے تھے۔

مولانا حاجی محمد اسحاق دہلوی (مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے کے شاگرد رشید تھے ۱۸۴۲ء تا ۱۲۸۹ھ) میں  
 انتقال کیا ان کی تصانیف میں سے ۲ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نظریہ جلیل اردو ترجمہ حسن حسین (مصنفہ قاضی القضاۃ شمس الدین محمد دمشقی متوفی ۱۲۳۰ھ) مولانا قطب  
 الدین نے تاریخی نام رکھا ہے اس سے سال تالیف ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۷ء) نکلا جیسے اس کا نمونہ یہ ہے۔

”حمد بے شمار ہے اس پاک پد درود گارنے لیے کہ ہم کہ تو فیق دی اپنے ذکر کی اور  
 راہ بتائی اپنے نکلنے کی یا الہی وود سلام بے حد نازل کر خام البین الذین رسول ایو  
 پر اہ ان کے اصحاب اہل اور آل اطہار پر اور سب پر۔“

(۲) مظاہر حق اردو ترجمہ و شرح ”مشکوٰۃ المصابیح“ اس ترجمہ کا نام بھی تاریخی ہے اس سے ۱۲۵۲ھ  
 (۱۸۳۷ء) نکلے ہیں۔ یہ مولانا قطب الدین کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے یعنی چار جلدوں میں بہت  
 بڑی تقطیع کے ۲ ہزار صفحوں سے زیادہ پر طبع ہوا ہے۔ اردو زبان میں یہ سب سے پہلی جامع و مکمل  
 حدیث شریعہ ہے اس کا حال خود قطب الدین صاحب نے دیا چہ میں لکھا ہے۔

”بعد اس کے مکین محمد قطب الدین شاہجہاں آبادی عرض کر رہے ہیں کہ کتاب مشکوٰۃ مقرر  
 علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں۔  
 اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگوار مولانا محمد و مناکم حضرت حاجی محمد اسحاق  
 نواسہ حضرت شیخ عبد العزیز - اللہ تعالیٰ کے نے بیچ زبان ہندی کے بیوں لکھا  
 میں لکھا تھا کہین کا تہول سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا۔ مرضی جناب موصوف  
 کی ایسی پائی کر اگرے بطور شرح کے لکھا جائے بہتر ہے اس لیے اس پر بیچدان نے  
 ترجمہ اس کا عبادت حولی سے علیحدہ کر کے لکھا اور غاندے عنقرض سبب، مقام کے  
 خروج مشکوٰۃ وغیرہ سے مشرق و غرق ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبد الحق

اور حاشیہ سید جمال الدین رحمہ اللہ کے اور موصاتے ان کے۔ سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں ہونے  
کی اور بنا یہ ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے تیرکا اس میں درج کیے اور تمام اس  
کا مظاہر حق رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی بکھلتی ہے۔

مولانا تطلب الدین کے استاد بزرگوار کا ترجمہ اس سے بھی پہلے لکھا ہے لیکن اب نایاب ہے مولانا  
نے مظاہر حق کے فائدوں میں ہر جگہ ان شروح و تراجم و حاشی کا حوالہ دے دیا ہے جن سے استفادہ کیا  
ہے ان سوا بات میں کہیں کہیں لکھا ہے کہ "تحریر مولانا" معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت ان کے استاد  
مولانا محمد اسحاق کی ہے لیکن اس میں اور مولانا کی تحریر میں طرز بیان کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن فائدے  
کہیں بالمش پرانی روشنی کے ساتھ ہیں کہیں ترتیب الفاظ زیادہ صاف و باقاعدہ ہے ترجمہ فائدہ  
کا نمونہ عربی کی حدیث کو چھوڑ کر درج کیا جاتا ہے۔

اور دعایہ تہ ہے کہ فائدہ میں استمع سے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس  
شخص نے کہ طلب کیا علم اور حاصل ہوا اس کو ہوگا واسطے اس کے دو ہزار ثواب اور اگر نہ حاصل  
ہوا ہوگا واسطے ۳۰ کے ایک صدہ ثواب سے روایت کی یہ داری نے وہ دو ہزار ثواب  
ایک ثواب طلب کیا اور مشقت کا تحصیل علم کیا کہینے ہے دو ہزار ثواب حاصل ہونے علم کا  
دور پڑھنے کا اور وہ کو یہ ثواب عمل کا نعم پڑ گیا ہے اور "سہرے کو ایک ثواب مشقت بھی  
کا ہوگا" ہر قدر طلب علم میں رہنا چاہئے اگر حاصل ہوا نور علی نور و اللہ طلب علم میں  
رہنا بھی سہ دست ہے بیت

گرچہ نتوں بدوست رہ نردین

شرط یاری ست در طلب نردین

## مولانا فضل حق خیر آبادی<sup>(۶)</sup>

مولانا فضل حق خیر آبادی نے، غدر کے زمانہ میں بڑے گلال بہا خدمات انجام دیئے، اپنی زندگی اسی مقصد عظیم پر قربان کر دی، ان کے حالات نسبتاً تفصیل سے، ایک دوسرے باب میں ملاحظہ ہوں، یہاں ہم صرف سلسلہ قائم رکھنے کے لیے، کہ اس مجلس علم میں بھی ان کی شرکت ضروری تھی، مختصر حالات بطور تعارف کے درج کر دیتے ہیں : —

مولانا فضل حق خیر آبادی عمری ماتریدی چشتی در سال ۱۲ ہجری پیدائش یافتہ شارد پور خود مولوی فضل امام

است حدیث از مولانا عبدالقادر دہلوی، شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم، اخذ کردہ  
قرآن مجید در چہار ماہ یاد گرفته فراغ علمی بجر ۱۳ سال حاصل نمود مرید شاہ ۱۰ ہون  
دہلوی بود در علم منطق و حکمت و فلسفہ ادب و کلام و اعمال و شعر نالائق الا قرآن استحقاقاً  
فوق البیان داشت لفظش زائد بر چہار ہزار اشعار خواہ بود از بلاد بعیدہ طلبہ  
علوم آمدہ از دستغیندے شدند بسال ۱۲۶۲ ہجری موافقت چہار ماہ مقام لکھنؤ  
بخدمت ملکہ رسیدہ دید کہ در عین حقہ کشی و شطرنج بازی تمیز را سبق افق المبین میداد  
و مطالب الکتاب را بر مستعلم با حسن بیانی و تشریح نمود تا ایضا راتقہ دارد انگیزان  
عدا بزمانہ فساد ہند قید کردہ بجزیرہ رنگون فرستادند آنجا ببارتخ ۱۲ صفر  
۱۲۶۸ ہجری وفات یافتہ (۱)

(۱) مذکورہ علمائے ہند فارسی میں ۱۲۶۵ھ



ایک روز ارشاد ہوا کہ جب ہم دوبارہ رام پور میں گئے۔ تو  
مولانا فضل حق کے دو واقعے

سڑے میں ٹھہرے اتفاقاً مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی  
نبایت محبت و عنایت سے پیش آئے۔ اور اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ۔ میں نے  
کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا جہاں آپ خوش  
رہیں۔ لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ اُن کے خرچ کا حساب ہمارے دفتر ہے۔ اگر پانچ روپیہ روز بھی  
امیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہم دیں گے لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا ہماری اجازت کہیں چلے  
نہ جائیں۔ ایک روز پھلی باتوں کا ذکر آگیا۔ اپنے والد بزرگوار کو یاد کر کے روتے رہے۔ ہم نے کہا  
کہ مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستِ رفیقت  
ہد جا پڑی تھی۔ ہنسنے لگے۔ اور فرمایا خوب یاد ہے۔ وہ عجیب زمانہ تھا۔ اور وہ قصہ اس طرح تھا کہ مولوی  
فضل امام صاحب نے ایک طالب علم کو فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو۔ وہ آیا غریب آدمی بد  
صورت عمر زیادہ علم کم ذہن کند یہ نازک طبع ناز پروردہ جمالِ صورت و منی سے آراستہ چودہ برس کا  
سن و سال، نئی فضیلت و ذہن میں جودت، بھلا دل سٹے تو کیسے ملے اور صحبت راس آئے تو کیونکر آتے  
تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے۔ بھٹ اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ رونا  
ہوا مولانا صاحب کی خدمت حاضر ہوا اور سارا حل بیان کیا۔ فرمایا بلاؤ اس بھیت کو مولوی فضل حق  
صاحب آتے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا صاحب نے ایک تھپڑ دیا ایسے زور سے کہ انکی  
دستِ رفیقت دور جا پڑی اور فرماتے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گبندر میں رہا، ناز و نعمت میں پرورد  
پائی جس کے سلسلے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت تو کیا جائے  
اگر مسافرت کرنا بھیگ مانگتا اور طالب علم جتنا حقیقت معلوم ہوتی۔ ارے، طالب علمی کی قدر ہم

سے پوچھو

فضل  
حق  
کا صاحب  
علم کی  
سارا  
اور  
فضل  
حق  
کا

درازی شب از مشکان من پرس  
کہ یک دم خواب در چشم نگشت رست



خبردار تم جانو گے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا۔ یہ چپ کھڑے رہتے رہتے کچھ دم نہ مارا۔  
 غیر قصہ رفع دفع ہوا۔ لیکن پھر کبھی کسی طالب علم کو کچھ نہ کہا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ مولیٰ فضل حق صاحب  
 نے قصیدہ عربی زبان میں امراہ العقیس کے قصیدہ پر کیا۔ اہم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت  
 میں پیش کیا شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں انھوں نے بنیٰ شریعتہ میں  
 پڑھ دیتے۔ مولیٰ صاحب فضل اہم صاحب نے فرمایا کہ بس حد ادب۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت  
 یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں، فن شاعری ہے۔ اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ  
 صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تو سچ کہتا ہے۔ مجھ کو سہو ہوا تھا غرض ہم نامید ہیں مہینہ بھر مولیٰ صاحب  
 کے جہان رہے۔ (۱)

مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد کی  
 زندگی کا انجام | پاداش اور مجرم بغاوت میں اٹھ بیان بھی دیا گیا۔ وہیں بڑی بڑی ذیل خدمتیں ان  
 کے سپرد ہوئیں۔ آخر وہ ان مصائب کو برداشت نہ کر سکے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ (۲)

## مولانا امام بخش صہبائی

قلی کے دور آخر میں۔ جو یگانہ روزگار افراد رونق یزدان بن گئے، وہ محفل چہر کبھی نہ تھی، اپنی غرور گزاروں کو  
 میں ایک امام بخش صہبائی بھو تھے جن کی سیرت و شخصیت کے معرف اصغر و اکبر سب تھے بڑا المیہ یہ  
 ہے کہ بے خطا بے مقصد غم کے سلسلہ میں، انگریزوں کے ہاتھوں مارے گئے  
 سرسید صہبائی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں :-

ساتی خمدرد سخن سرائی مولوں امام بخش متخلص بہ صہبائی۔ نسب آپ کا والد عابد کی طرف  
 سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اور والدہ شفقت کی جانب سے حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر

(۱) تذکرہ غوثیہ ص ۱۳۶-۱۳۷

(۲) مولانا فضل حق والہ الصنفین اعظم رحمہ ہمارے علماء کا خاندان رضی اللہ عنہ کے علماء مکتہ ادب۔ کلاسیک ادب ص ۲۵

جلد فی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچا ہے کلمات ظاہری اور جلال باطنی اور حسن خلق اور حماد اطوار میں پسندیدہ علم  
مقبول مخلوق ہیں۔ خلق کوئی آپ کا آئینہ بہار اور اصناف حمیدہ آپ کے محمود روزگار۔ اس جزو نماں میں  
ایسی جامعیت کے ساتھ کم کوئی نظر سے گذرا ہے اور طرفہ سے کہ فنون متعارف سختوری مثل تحقیق لغت  
واملاعات زبان وری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عروض و قافیہ اشکال فن معاد وغیرہ میں ایسا کمال  
پہنچا ہے کہ ہر فن میں ایک فن کہنا چاہیے۔

شرح کتب اور قواعد زبان فارسی اور رسائل علم عروض و قافیہ اور متعجب و سوچ آپ کے ریختہ رقم  
نفاکت رقم ہیں ایسے نفاکت مقام اور جلال مطالب پر مشتمل ہیں کہ متبعان فنون مذکور کو ان فوائد جلیلہ  
کا حاصل بعد ایک عمر دراز کے بھی متعجب ہے، خصوصاً رسالہ گنجینہ رموز کہ صنعت معما میں آپ کے تمام  
معنی طراز سے جلوہ پرداز ہو ہے ہر چہ رسائل متعدد اس فن میں اس آئندہ سلف سے یادگار ہیں  
لیکن جو کہ عہد ہر کار رہن روزگار سے استرحمن اس کمال کا اب تک گنجینہ تحریر میں سر بہر امانت قلم  
ان پیشوایان فن دقیقہ یابی کو اس طرز و انداز سے سونے آرائش سہل کے لصب نہیں ہوا، تفصیل اس  
اجمال کی یہ ہے کہ وہ رسالہ مشتمل ہے ایک مسامی شرح پر کہ شرح دشمن دونوں آپ ہی کی نتائج طبع فیاض  
سے ہیں۔ وہ بیت باعتبار نظاہر کے سونے چند کلمات محدود جو ظرف بحر متعارف میں گنجائش پذیر ہو  
سکتی ہیں اور کیا رکھتی ہیں، لیکن اگر چشم بصیرت سے دیکھا جاوے وہ بیت ایک علم ہے کہ جلوہ ہاتے  
ہزار در ہزار سے دیدہ فریب اہل کمال ہے۔ اور باب دانش و اہل خرد پر ظاہر ہے کہ فن معما اگر اصول و شانزودہ  
گمان سے زائد نہیں رکھتا، لیکن ذوق متکثر اور شعب متوافر اس سے اس قدر متفرع اور منشعب ہیں کہ  
ظرف محدود شمار اس کی گنجائش سے عاجز و زہل ہے۔ اس بیت نے باوجود ایسی تنگ نظری کے اس دہانے  
ذخائر کو اپنے اسخوش میں چھپایا ہے، یعنی قیل بیان اعمال میں یہ ہی ایک بیت مثال ہے۔  
اے اس میں سو ساٹھ مختلف اسامی مستخرج ہوئے ہیں۔ اور طرہ ہے کہ استخراج اس کا نہایت  
سہولت و بے تکلفی کے ساتھ ہے اگر انصاف یاران سخن فہم کی طبیعت سے گوشہ گیر نہ ہو تو ارشاد کریں  
کہ اس کیفیت کے ساتھ کوئی رسالہ عہد عدم سے اس دم تک کس صاحب امتیاء کی پرودہ فکر سے جلوہ گر

ہوا ہے ہا ایک رسالہ جواہر منظوم نام مشتمل رباعیات پر کہ ہر رباعی سے ایک نام نواہاتے باری غرض شاعر  
 کا مستخرج ہوتا ہے باوجود لطافت افعال معا کے معنی شعری اس لطف کے ساتھ ہے کہ ناز و انداز خوبا  
 نغ و نوا و اس کے آگے طبائع عشاق سے ہزار گویاں پرے رہتا ہے۔ سوائے اس کمال کے نثر و نظم  
 زبان ہدی سے خرد گیر ہاتے متعدد مملو ہیں۔ نثر ایسی کہ نثر ثریا اس پر نثار ہے۔ اور نظم ایسا کہ نظم جواہر  
 اس پر خدا، ایک نثر پار پانچ جزو کی مسمیٰ بریزہ جواہر سلطان عہد عالی عصہ محمد مہراج الدین بہادر شاہ خدشہ  
 ملکہ و سلطنت کی مدح میں اس آب و تاب کے ساتھ ریختہ قلم نزالت رقم کی ہے کہ اگر شک و شبہ ہم عہد  
 چشم پوش نہ ہو تو اس کی جلوہ گاہ میں سہ نثر ملا نور الدین ظہوری کو ہرگز پردہ حجب سے بیوہ گرد نہ کریں  
 اور ظہوری کو اس کے عہد میں سختی بناویں اور ایک انشاٹے کا تیسب نہایت ممانعت عبارت اور لطافت  
 معانی کے ساتھ ہے کہ اکثر اس کا بطرز نثر مرزا بیدل علیہ الرحمۃ ہے اور نظم میں غریب کثرت اور قصیدہ  
 متعدد بعضے بطرز معتدین اور بعض بطرز ماسخرین نہایت لطف عبارت و کمال حسن معانی کے ساتھ موجود  
 ہیں الغرض احاطہ آپ کے محسن و محمد کا اندازہ تقریر و احاطہ تحریر سے افزود ہے ان کے نظم و نثر کے  
 الفاظ عالی شاہوار اور معانی یا قوت آبدار کی برابری کرتے ہیں۔ قلم بوا نہیں کی عبارت انتہا حسن و تسلیق  
 گوئی میرا صفحہ انہیں کے معنی رنگین کے فیض سے بساط گل ہا ہمسر۔ ہر دائرہ طراوت معانی رنگین سے  
 راغزل اور ہر سطر رنگینی منہ میں سے شاخ گل ان کلمات پر علم یاسی۔ خلق و یاسی ہی۔ زبان ان کی و  
 لفظ اخلاق اور سینہ ان کا صندوق خزان و نفاق۔ ہر چہد اس گروہ ارباب وفاق اور اس سہ جہد نیکو کمال  
 آفاق اور راقم میں ہر رشتہ محبت و اخلاص ایسا مستحکم ہے کہ گویا دو الب میں ایک جان جاری و جاری ہے  
 اور یہ امر حال ہے اس بات پر کہ ذکر اوصاف حمیدہ اس یگانہ روزگار کا شہ نہ نتیجہ افراط محبت کا مولیٰ  
 راقم نے مراتب دوستی و مدارج اتحاد کو اس امر میں کچھ مدخل نہیں دیا اور جو کچھ بیان واقعی تھا اسی کو کہا  
 ورنہ محبت کا اقتضا یہ تھا کہ ہر وقت ان کی حمیدہ اوصاف میں زبان کھولتا اور تحریر منقشب میں حکم کو ہاتھ  
 میں لیتا شاید سوالات محشر کے جواب کی تقریب ہی ایک دو لمحہ کے واسطے زبان کو اس فکر سے باز رکھتی  
 اور صدمہ زلزلہ قیامت قلم کو ایک دو فقرہ ہلکے سے گرا دیتا۔ جو کہ اوصاف نفس الامری بھی غیر ملتا ہی تھا



اور ان کا حصہ ظرف اعداد و ارقام ہی میں بھی محال ہے، بالغرض اگر ہمت اُن کے بیان سے عاجز نہ ہو زبان کو  
کا در ماندہ اور قلم جو ہیں کا فرسودہ ہونا ممکن ہے۔ (۱۱)

راستے میں مولوی امام بخش صہبائی مل گئے، یہ کالج میں میرے استاد رہے  
**صہبائی کی وضع قطع**

میں کھلا ہوا گندم گوں رنگ سہے منہ پر کہیں کہیں پھچک کے داغ ہیں سر  
پر پٹے ہیں بڑے دبے پتے آدمی ہیں کوئی ۴۰ سال کی عمر ہوگی ایک برکاسفید پاجامہ سفید انگڑکھا، کٹیری  
کلام کا جبہ پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافہ باندھتے ہیں یہ بھی پیلیوں کے کوچوں ہی میں رہتے ہیں۔ (۱۲)

صہبائی قدیم دلی کالج میں فارسی اور عربی کے پروفیسر بہت روشن خیال اور  
**صہبائی کا فضل و کمال**

اخلاقی جرات کے آدمی تھے۔ زبان فارسی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ بعد اس  
زمانہ میں بھی جبکہ فارسی کا دور دورہ تھا۔ ایک خاص عزت اور تندرکی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں  
نے سرسید کو آثارِ ضابطہ کی تصنیف میں بہت مدد دی تھی، طلبہ میں بہت ہر دل عزیز تھے اور ان کی قابلیت  
اور شہرت کا طلبہ کے دل پر بڑا اثر تھا۔ فنِ شعر میں اس کا مشہور تھے اور قلم کے اکثر شہزادے اور متوسلین  
ان سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ متعدد کتابیں ان سے یادگار ہیں۔ زمانہ غدر میں مارے گئے۔ اور ان کا  
مکان کھو کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔ (۱۳)

ذکار اللہ کے تاثرات

ذکار اللہ صرف بارہ برس کے تھے۔ جب وہ قدیم دہلی کالج میں داخل  
ہوئے۔ ان کے والد جن سے انہیں اعلیٰ ذہانت و درشتی ملی تھی۔ ہر  
سر پہر کو ان کا سبق سننے تھے۔ جب وہ پڑھ پڑھا کر گھر واپس آتے وہ اپنے ساتھ جدید سائنس کا کوئی  
ذکوئی نیا عجوبہ ضرور لاتے تھے۔ تاکہ بچپن کے جوش کے ساتھ اس کا اظہار کیا کریں۔ وہ مابعد کے سلاطین

(۱) تذکرہ اہل دہلی (سرسید) صفحہ ۱۴

(۲) دلی کی انگریز شمع صفحہ ۳۳

(۳) تاریخ ادب اردو (جسٹ نثر) رام بابو سکینہ صفحہ ۸



میں اپنے کالج کے پروفیسروں کا ذکر انتہائی احترام اور محبت سے کرتے تھے۔ بالخصوص اپنے فارسی اور عربی کے اہل حق مولوی امام بخش کا جن کا تعلق صہبائی تھا۔ یہ مولوی صاحب دہلی کے ممتاز شہری تھے۔ اعلیٰ اخلاقی حیرت کے مالک تھے۔ نیز نہایت روشن خیال اور مہذب انسان تھے۔ انہوں نے سرسید احمد کا ہاتھ بٹایا جبکہ وہ اپنی کتاب آثار العنادید لکھ رہے تھے۔ شاگرد عینی محبت امام بخش سے کرتے تھے۔ انہی مشکل سے کسی اور اساتذہ سے کرتے ہوں گے۔ ان کی شخصیت کا نو عمر ذکاوت کا اثر اس قدر اثر پڑا کہ بیس سال کے بعد جب وہ الہ آباد کے میونسپل کالج میں فارسی علم ادب کے پروفیسر کی حیثیت سے طبیبانہ کے سامنے لکچر دیتے تھے۔ تو اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ لکچر دیتے وقت مولوی امام بخش کی تصویر ہر وقت ان کے سامنے رہتی ہے۔ اس لٹاؤٹے میں علم کے جھنڈے پر گزیدہ علم بڑا رہتے۔ ان میں وہ سب سے بڑے تھے۔ ان خوفناک ایام میں جو دو مان غدریں دہلی کی تباہی کے بعد آئے۔ جب جذبات اسفل کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ شہر کے اس حصہ میں جہاں یہ بوڑھے پروفیسر رہا کرتے تھے۔ فوجی گولہ باری کے سبب ان کا مکان اور بہت سے دوسرے مکان زمین کے برابر کر دیئے گئے تھے۔ خود مولوی صاحب اور ان کے بہت سے رشتہ دار مارے گئے۔ اور اب ان کا خاندان تقریباً معدوم ہو گیا ہے۔ وہ اللہ ان کے لیے بہت زیادہ ماتم کماں پہنچتے تھے۔ غدری جہاں اور بہت سی تلخیاں ان کے دماغ میں محفوظ رہ گئیں تھیں۔ ان میں سے ایک ان کی شہادت بھی تھی۔ وہ نجد سے فرمایا کرتے تھے۔ یہ غولی فعل ایسا ہے کہ اسے کبھی ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ (۱۱)

مولوی صہبائی دہلی کالج میں مدرسِ اول فارسی تھے۔ ہندوستان میں نونویں صدی کی براہِ فارسی زبان کا محقق نہ تھا۔ جسے دوسری صدی قریب میں کمال تھا۔ ان کے ہندو مسلمان مددگار تھے۔ ان کے معنی صد الدین آزادہ بڑے دوست تھے۔ ان کے مرنے پر انہوں نے یہ شعر کہا ہے

(۱۱) ذکاوت اللہ مولوی دہلی ایٹ اینڈ ریورنہ ص ۱۶

کیونکہ آزرود نکل جائے نہ سودائی ہو

نکل اس طرح ہے بے جرم جو مہبائی ہو ۱۱

گارساں دتاسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں۔

## سب زیادہ فاضل

مولانا مہبائی منشی کریم الدین کے ہم عصر ہیں اور غنی صاحب اپنے تذکرہ

شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کیے جاتے

ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کیے گئے۔ (۱۲)

## مہبائی کی شہادت

اس المناک واقعہ کی تفصیل مصور غم علامہ راشد النجری نے میر قادر

علی مرحوم سے نقل کی ہے۔ مولانا قادر علی صاحب مولانا مہبائی کے حقیقی

بھانجے تھے اور ان ہی کے ساتھ ان ہی کے گھر میں رہتے تھے، ایک موقع پر بیان کرتے تھے کہ میں صبح

کی نماز اپنے ماموں مولانا مہبائی کے ساتھ کھڑے تھے کہ گھر پروردہ کی مسجد میں پڑھ رہا تھا کہ گورے دن دن کرتے

آپہنچے پہلی ہی رکعت تھی امام کے صاف سے ہماری منگیں کس لی گئیں، شہر کی حالت نہایت خطرناک تھی

وہ دلی حشر کا میلان بنی ہوئی تھی، ہماری بابت مجرموں نے بے ادبیت کی الملائیں سرکار میں دیدی تھیں اس

لیے ہم سب گرفتار کر کے دریا کے کنارے پر لائے گئے۔۔۔۔۔ ایک مسلمان افسر نے ہم سے آکر کہا کہ

موت تمہارے سر پر ہے گولیاں تمہارے سامنے ہیں اور دریا تمہاری پشت پر ہے تم میں سے جو لوگ تیرنا

جانتے ہیں وہ دریا میں کود پڑیں۔ میں بہت اچھا تیراک تھا مگر ماموں صاحب یعنی مولانا مہبائی اور ان

کے صاحبزادے مولانا سوز تیرنا نہ جانتے تھے اس لیے دل سے گوارا نہ کیا کہ ان کو بھڑکرا اپنی جان

بچاؤں۔ لیکن ماموں صاحب نے مجھے اشارہ کیا اس لیے میں دریا میں کود پڑا پچاس یا ساٹھ گز گہرا بنو گا کہ

(۱) تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار اللہ ص ۶۶)

(۲) خطبات گارساں دتاسی

(۳) قدیم دلی کالج

گلیوں کی آوازیں میرے کان میں آئیں، اور صفت بستہ گر کر مر گئے۔»

لیکن نواب صدیق حسن خاں صاحب نے صہبائی کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں پہاڑی دی گئی تھی<sup>(۱)</sup>

کسی شاعر نے، صہبائی کی بے بسی اور بے کسی کی شہادت پر کیا خوب  
صہبائی کا مرثیہ کہا ہے : —

ندامت کجا رفت آل لقتل پاک	لک بردیا ماند بر روستے خاک
ندامت کسے داد او را کفن	دیا ماند چوں سایہ بر خاک تن
ندامت چہ کرد است با او سپہر	ز جامہ کفن کرد یا تاب مہر
نجا کش نمودند او را نہال	دیام تر کفح شد سوسے آسمان
کسے فاتحہ ہم برد بخواند است	بخطر گلابی بر افشاہ است
کدامی گل و بلبل و باد و شست	نجا کش بر حسن عقیدت گذشت

» دلی کی آخری بہار

۱۲۱ء تذکرہ طہور

(۳) ہمیم دلی کالج

## مولانا عبدالحی

مولانا عبدالحی بھی ان مجاہد پیغمبر بزرگوں میں تھے جنہوں نے حضرت سید احمد شہید پر یلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور زندگی کی آخری سانس تک راہ جہاد پر ثابت قدم رہے، کوئی ملوث اور سانحہ انہیں جاوہ صواب سے مغرت نہ کر سکا،

سر سید فرماتے ہیں : —

مولانا عبدالحی صاحب غفر اللہ مولانا عبدالعزیز قدس سرہ کی خدمت میں نسبت دامادی اور شاگردی کی رکھتے تھے۔ ہر فن کے ساتھ نسبت خدا واد لقی کہ جن فن میں جس نے آپ سے بحث و مناظرہ چاہا اسی فن کو جانا کہ راہِ مد سحر ان کا نظیر نہیں پیدا ہوا۔ ایک مدت درس و تدریس علوم میں صرف ہمت کی۔ آخر میں زبدۂ ساوات کرام اسوۂ اولیائے عظام سید احمد مغفور مبرود کی خدمت میں، جن کا ذکر اس سے پہلے ذیل اولیاء وصلحاً ہو چکا ہے، پہنچ کر بیعت کی اور نام زلیست ان کے سایۂ عاطفت سے کبھی علیحدہ نہ ہوئے۔ سفر و حضر میں مثل سایۂ کسے ان کی بیعت میں حاضر رہتے، انہیں کی خدمت میں سفر بیت اللہ کو اختیار فرما کر فرض حج ادا کیا اور وہاں سے مراجعت فرما کر چندے بموجب ارشاد ہر طریقت کے وعظ گوئی میں اوقات تشریف کو بسر کیا اور لوگوں کو نہایت ہدایت حاصل ہوئی اور باتفاق مولوی محمد اسماعیل صاحب کے جن کا ذکر بعد اس کے تفصیل آتا ہے، ترغیب جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہے۔ جب سید صاحب مغفور اس ارادہ پر کوہستان کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ اسی نواح میں چند سال تک رفیق رہے اور پھر مرض بواسیر کی شدت سے سفرناگزیر اختیار کیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ (۱)

تذکرہ اہل دیوبند سیدہ صفحہ



خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالغفار علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی  
مولانا کاظم و قاریا رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسماعیل صاحب

اور مولوی رستم علی صاحب ہاندلی چوک کو جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گایاں دین  
 شروع کیں۔ اس پر مولوی رستم صاحب کو غصہ آیا۔ لہذا وہ تلوار نکال کر اس کو مارنے کو دھڑے۔ مولانا نے  
 جھپٹ کر مولوی رستم علی صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو۔ وہ گایاں بیجا نہ  
 دیتا۔ بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی تو کہتا ہے کہ بڑا بد دین ہے۔ جو نئی نئی باتیں منہ لٹا ہے۔  
 سراسر میں وہ کیا بے جا کہتا ہے۔ میری باتیں تو واقعی اس کے لیے نئی ہیں۔ علم ہونے پر باتیں ان بچاروں  
 کو کہاں سنائی ہیں۔ پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں۔ اور وہ گایاں کیوں نہ دے۔ اس کا اس پہلوان پر  
 بہت اثر ہوا۔ اور اس بعد سے مولانا کا دوست ہو گیا۔

مولد بڑھا نہ ضیع مظفر نگر والد کا نام بہتر اللہ دین لور اللہ مدنی  
شاہ عبدالحی کے تھانص بعض حضرات کا خیال ہے کہ مولانا عبدالعزیز صاحب کے حرم میں

آپ کی چھوٹی تھیں بہر حال سن رشد کے ساتھ ہی بغرض تعلیم دہلی تشریف لائے اور اپنی حضرات سے  
 کے درس میں شامل ہوئے، شاہ عبدالغفار صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب نے خلافت بھی غلط  
 فرائض اور حب دہلی میں شاہ محمد اسماعیل سے معترف نے کہا میاں صاحب آپ کی اپنی ہمیشہ دروازہ  
 شاہ عبدالعزیز صاحب، تو گھر میں بیوہ بھی ہیں اور آپ دوسروں کو نکاح دانی کی ترغیب فرماتے  
 ہیں، شاہ صاحب نے فوراً اٹھی شادی کرا دی۔ تصانیف میں رسالہ مذکور  
 کے سوا کتاب صراط المستقیم فارسی مصنف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو باب دسلوک میں آپ  
 کے تلمذ سے ہیں، اس کتاب کو عربی لباس بھی آپ نے پہنچا دیا سوائے ازیں شیخ رشید الدین الشافعی  
 دہلوی (د ۱۲۴۹ھ) سے آپ کا جو تحریری مناظرہ ہوا اس کی تعداد بھی آپ نے مرتب فرما کر

کتابی شکل میں منضبط کر دی عنقریب کہ

”کان آية من آيات الله سبحانه في التقوى والعمل وما يثير الوعظ وملكة الال وایار العنا حنة  
فی الملبس والمسا کل کثیر الصمت شدید التوکل جلیل الوہار محباً للسنۃ النبیۃ مقتبداً عن الرسوم والہدیۃ قد  
نور الایمان سیموا الصالحین بغضب اذا مدح ولستیشر افا الفخ والعلم فی المدح لعدم امکان الا ساطرہ لیمین  
وہ اللہ کی نشانیوں میں تھے تقویٰ عمل مایہ وعظ صبر یاس وغذا کی سامگی تنفر بدعت و مراسم میں بے مثل تھے  
نور ایمان ان پر چھایا جاتا تھا بشرے سے صلاحیت عیاں تھی، اپنی تعریف سے کبیدہ خاطر ہوتے  
اور نصیحت سے خوش الغرض وہ اتنے جامع الصفات تھے کہ قلم جن کے نام سے عاجز ہے۔ (۲۱)

”قیام خیر کا ایک نہایت رنجیدہ واقعہ مولانا عبدالحی کی وفات ہے۔  
**مولانا عبدالحی کی وفات**

مولانا بہت بوڑھے تھے بواسیر کا مرض پہلے سے تھا، قیام خیر  
کے غلے میں شدید وعدہ ہوا۔ علاج میں کوئی کوتاہی نہ ہوئی، لیکن جو دوا دی جاتی، مفید نہ پڑتی کمزوری  
بہر بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً بہوشی طاری رہنے لگی۔ سید صاحب بعد از عیادت کے  
لیے مولانا کی قیام گاہ پر جاتے۔ ایک روز آپ گئے تو بہوشی سے افاقہ ہوتے ہی مولانا نے آنکھیں کھولیں  
اور سید صاحب کو پہچان لیا۔ آپ نے مزاج پوچھا تو بولے: نہایت تکلیف ہے۔ آپ میرے لیے  
دعا فرمائیں اور میرے سینے پر پاؤں رکھ دیں۔ شاید آپ کی برکت سے میری مشکل آسان ہو جائے اور اس  
معیت سے نجات پاؤں۔ سید صاحب نے فرمایا مولانا آپ کا سینہ علوم کتاب سنت کا گنجینہ ہے۔  
میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکے۔ پھر پاس بیٹھ گئے اور سینے پر ہاتھ رکھا، جس سے کسی قدر تسکین ہوئی۔  
تھوڑی دیر بعد چند بار اللہ رفیق الاعلیٰ اللہ رفیق الاعلیٰ کہا اور روح جسد عنقریب کو چھوڑ کر بالک حقیقی  
کی بارگاہ میں پہنچ گئی۔

۱۱۔ ترجمہ السید الامام احمد بن عرفان ص ۲۰ مطبوعہ مصر

(۲۱) قیام خیر کے حدیث ہند حصہ اول صفحہ ۱۳

لواکل ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ میں پہنچے تھے اور چار باغ دوست میں سید صاحب سے ملے تھے، شہان  
 ۱۲۲۲ھ ۲۲ د - ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ کو رحلت فرمائی۔ مولوی محمد یوسف بھٹی خطیب لشکر اسلام کی وفات کے بعد مولانا  
 عبدالحی کا انتقال غازیان اسلام کے لیے دوسرا نہایت غم انگیز حادثہ ہوا۔ مولانا کے اکلوتے فرزند مولوی  
 عبدالقیوم ناتھ تھے سید صاحب نے فرط شفقت سے انہیں سینے سے لگایا اور بہت تسلی دی۔  
 سلطان شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسن، ہامضی علاؤ الدین بکھر وی، بیال جی چشتی، لہو میاں  
 جی محی الدین میت کے غسل میں لگ گئے۔ سید صاحب مولانا کے فضائل اور محاسن  
 بیان فرماتے رہے، واقع کے بیان کے مطابق اسی قسم کے الفاظ فرماتے، مولانا دین کے ایک رکن تھے اور  
 مملکت طے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھایا، جو مرضی مالک کی۔ آنکھوں سے برابر آنسو بہہ رہے  
 تھے۔ ۱۱۱

خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد میں شہید نہیں ہوئے، بلکہ  
 شہادت کی حسرت | اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا ہے، تو  
 انہوں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی۔ اب اتنی تمنا  
 ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے۔ سید صاحب  
 نے فرمایا کہ میرا پاؤں اسی قابل کہاں ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو۔ اور اپنے ان کی تسلی کے لیے اپنا  
 ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ۱۱۲

۱۱۱ سید احمد شہید حصہ دوم د غلام رسول مہر ص ۳۵

۱۱۲ امیر الد آیات ص ۳۲

## مولانا محمد اکرم محدث دہلوی

علوم ظاہری و باطنی فقہ و حدیث و تفسیر و قرأت قرآن میں وحید العصر فرید الدہری تھے حضرت شاہ  
عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر عزیزی محض آپ کی خاطر تصنیف کی آپ کے والد ہندو تھے جو شاہ عبدالعزیز کے  
ہاتھ پر مشرقت باسلام ہوئے آپ نے بعد تحصیل علوم ظاہری حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں  
حاضر ہو کر علوم باطنی کی تکمیل کی اور غرقہ خلافت کا حاصل کیا اگر اہل دینی نوع قرأت میں آپ کے شاگرد تھے  
پہلے آپ نے حج کیا تھا تو جب وطن میں واپس آئے تو اپنی دلیپسی سے نہایت افسوس کیا پھر زیارت حرم  
شریف کو تشریف لے گئے لیکن راستہ ہی میں وفات پائی شیعہ تاویلات ہمارے مخالف دعات سے ۱۱



# شاہ محمد اسحاق مہاجر کی

متونی

۱۲۶۲ھ ہجری ۱۸۴۶ء عیسوی

نویسہ جتہ اللہ شاہ علی اللہ یعنی

”اگاہی آمدیں فرزندوں کے لطف الہی ایشان باعطا کردہ است ہر مہمندانہ نوعی انداز  
ملکیت در ایشان ظہور خواہد کرد لیکن تدبیر غیب تقدیر مے کند کہ دو شخص و دیگر پیدا  
شوند کہ در کتہ و مدینہ احیائے عوام دین نمایند و ہماں جا وطن اختیار کنند  
از طرف مادر نسب ایشان با ممکن باشد زیرا کہ ادنی زادہ بوطن مادر میلان طبعی  
دارد و انتقال جماعت کہ وطن والدہ ایشان ممکن باشند بسر زینے بالطبع متغیر است“

والد کا نام محمد افضل (فاروقی) سن ولادت ۱۱۹۲ھ کنیت ابوسلیمان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب  
کے نواسے تھے ناما کی رحلت کے بعد مرحوم کی مہر علم و سدادت کے مالک ہوئے اسمائہ میں شاہ  
صاحب ممدوح شاہ عبدالغادر اور شاہ رفیع الدین تھے جن سے جہد مشغول و معقولات سبقتاً سبقتاً  
۱۲۴۱ھ میں پہلی مرتبہ حج کے لیے گئے تو فتح عمر بن عبدالکرم ملکا (متونی ۱۲۴۴ھ) سے سند و اجازہ  
حدیث حاصل ہوا فیخ عمر (ممدوح) سے مذاکرات ہوئے تو آپ نے شاہ صاحب سے مشتق فرمایا تہم صلت  
فیہ برکتہ جہدہ الشیخ عبدالعزیز دہلوی، دان کے اندر ان کے بزرگوار شیخ عبدالعزیز دہلوی کی برکت حاصل  
ہو گئی ہے) اور آپ کے زہد پر شاہ عبدالعزیز مرحوم فرمایا کرتے ہیں

”تہی تقیر اسماعیل (شہیدانے تحریر رشید الدین نے اور تقویٰ مان نے لکھا۔“

لے قول علی بن عقیل جتہ اللہ شاہ علی اللہ صاحب بحوالہ انکشاف النبلا ص ۲۲۰ - ۲۲۱

یہاں تک کہ ممدوح نے اپنی زندگی میں اپنا پیش امام آپ کو مقرر کر رکھا تھا اتباع سنت کے شوق و ترویج میں بغیر عمامہ نماز پڑھا دیتے دھڑلے لڑھکیوں کی شکایت خلاۃ حضرت صاحب در شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کرتے رہے آخر ایک روز آپ نے جلال میں آکر فرمایا :-

”ابھی تو اسحاق ٹوپی سر پر رکھ کر امامت کا ہے اُبتدہ میں اس سے کہہ دوں گا کہ تنگے سر نماز پڑھائے اور ساری دنیا کو اُفتدا کرنی ہوگی“۔

حضرت صاحب اپنے بھتیجے سیدنا محمد اسماعیل شہید اور اس کے نواسے کو دیکھ کر یہ آیت پڑھتے الحمد للہ الذی وہب لی علی اکبر اسماعیل واسحاق۔

اپنے ناما مرموم کی زندگی ہی میں مدرس شروع کی برسل حضرت کی موجودگی میں پڑھایا اور بعد میں تو زینت مسند بھی تھے درس کے اس اہتمام کی وجہ سے ”الصدۃ الحمیدہ“ کے لقب سے مشہور ہوئے جیسا کہ ”الموسیٰ مکہ معظمہ میں منقول ہے۔

”آخر کتاب الموسی من اسادیث الموطا الصدۃ الحمید مولانا محمد اسحاق بن محمد افضل العمری الدہلوی عن جدہ لاہ قیم الطریقۃ دلی اللہ علیہ الامام عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی عن ابیہ“ ہجرت کے بعد مولانا ابنی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام ہوا تو وہاں بھی مدرس ہی کا مشغلہ تھا، ہزاروں پلے سے اس چشمہ سے سیراب ہوتے۔

رسید احمد خان مرموم فرمایا کرتے تھے

”میں شاہ واسحاق صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا باہر مردوں کا ہجوم ہے زمانہ میں عورتیں جمع ہیں ڈولوں کا شمار نہ پاکیوں کی گنتی، محلات شاہی کی بیگمیں تک حاضر ہوتی امرات کے یہاں سے ملک

لہ الحیاۃ بعد المماتہ ص ۳۸

لے بروایت نواب صالح الدین احمد صاحب دین خواجہ شرف الدین احمد مرموم کو چہ چیلان دہلی یہ بزرگوار نواب السید داس سعید صاحب خلف السید محمود بن سرسید احمد خان کے حقیقی مامول ہیں۔

کھانوں کی دیگیں کہاؤں کے کندھوں پر لپی چلی آرہی ہیں صاحبزادی حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں، حضرت جی! کھانے آگئے فرماتے تقسیم کر دو اور نانا نہ حلقہ و عطر سے عورتیں اپنے اپنے برتن پیش کرتی ہیں۔ سب سے پہلے طلباء کے لیے کھانا بھیجا جاتا پھر عورتوں کو کھانا آس پر بھی بچ رہا تو صاحبزادی عرض کر رہیں! حضرت جی! کھانا بچ گیا ہے فرماتے بیٹی ہمارے لیے نہیں بچا اسے رہنے دو۔

شہ صاحب خود معمولی پیپاتی یخنی کا سا شور بہ گاڑھے کے دسترخوان پر رکھ کر داخل فرماتے میں نے اُن کا سا کھانا کسی کو کھاتے نہ دیکھا۔

گر دو نواح کی محتاج عورتیں آجائیں اور اس بے نقی سے دو لکھہ پر ہفتوں رہی آئیں گویا باوا کے گھر میں آگئی ہیں جب خود ہی جی چاہتا رخصت ہوئیں محتاج عورتوں کی اس طرح کی مہمان نوازی مکہ معظمہ میں بھی رہی آتی۔

۱۲۸۵ھ میں اپنے برادر شاہ محمد یعقوب کو ہمارے کربیت اللہ الحرام کے قصد سے چلے ہجرت کی پہلی منزل نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ جہاں میں روز قیام فرمایا، طہر کے اکثر علماء و روسا و باریاب ہوئے ترک قصد کے لیے درخواستیں کیں ریڈیڈنٹ تک فسخ عزم کے ملجی ہوتے مگر شاہ صاحب نے التواء نہ فرمایا یہیں مفتی صدر الدین صاحب اور حضرت میاں صاحب کو سند حدیث مرحمت فرمائی۔ مکہ معظمہ میں ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی غسل جنازہ پر شیخ عبداللہ سراج (مکی) متوفی ۱۲۷۴ھ نے فرمایا: واللہ لمانہ عاف و قرأت علیہ الحدیث طویل عمری ماننا لہ (سو گند بخدا اگر یہ بزرگ کچھ مدت اور دلدہ سبتے اور میں ان کو ابھی رسول حدیث سنا تا تب بھی ان کے مرتبہ کو نہ پہنچتا)۔

تصانیف میں مسائل اربعین... و مسائل متذکرۃ العیام ہیں۔

اسحاق شیعہ آفاق مادہ تاریخ وفات ہے

دو صاحبزادی ایک (ملا، مولانا عبدالقیوم بھوپالی کے گھرنی زینت بنی دو سہری سہرت منشی بن معتمد بن مقرب اللہ بن شاہ اہل اللہ صاحب دراور تاجۃ اللہ شاہ علی اللہ کے حرم میں داخل ہوئیں اور ان سے مولانا عبدالرحمن کا ظہور ہوا اور اس کے بعد سلسلہ اولاد کا کوئی علم نہیں ہو سکا ۱۱۔

۱۱ تراجم علماء اہل حدیث ہند، حصہ اول، ص ۱۲

## مولانا محلوک اعلیٰ

مولانا محلوک اعلیٰ صاحب مدرسہ دہلی میں مدرس اعلیٰ ہیں عجیب باکمال آدمی ہیں مدرسہ میں ان کی ذات برکات سے وہ فیض ہوا ہے کہ شاید ہی کسی زمانہ میں کسی استاد سے ہوا ہو بہت پابند شرع ہیں اس لیے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ہیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کر دینا گویا اس کو قدام کی سند دے دینا ہے کوئی ۴۰ سال سن ہے رہنے والے تو مالوتہ کے ہیں مگر مدتوں سے دہلی میں اُسے ہیں اعلیٰ رات پڑھتے پڑھانے سے کام ہے۔

فقوڑے ہی دل ہوتے بیچاڑے پابندی شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے تھے، ہوا کہ رتہ پڑنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے ان کے علم اور رتبہ کے خیال سے ہاتھ ملایا جب تک صاحب بہادر دہال سہے انہوں نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی بجز کو دور رکھتا ہے صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کسی بار دھویا کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی ان کو بہت غصہ آیا کہ ہم نے تو ہاتھ ملا کر ان کی عزت افزائی کی انہوں نے اس طرح ہماری توہین کی غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

”علی کی سفری شمع“ فرحت اللہ بیگ دہلوی، ص ۱۷۷

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ فرماتے ہیں : —

”اس واقعہ کا ذکر ڈاکٹر ہدیر امجد مرحوم نے ابن الوقت میں کیا ہے، مگر نام نہیں لکھا،

مجھے یہ واقعہ اپنی کی زبانی معلوم ہوا سن کر تعجب ہوا، اب ایسے بہت سے لوگوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، — !“



**مولانا کا مزار** حضرت عکبر بارکے پائیں ذرا الگ کو مولانا غلوک العلی صاحب نانوتوی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے۔ کچی قبر بنی ہے۔ کوئی کتبہ وغیرہ نہیں ہے۔ اس لیے جب تک واقعہ کار آدمی سے پوچھا نہ جاتے ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ کس بزرگ کی خواب گاہ ہے۔ افسوس بڑا اعلیٰ شاگرد، موجود ہونے کے کوئی اثنا بھی نہیں کر یاد گاری کا نشان تو بنا دے کہ وارث صادر فاتحہ ہی پڑھ جائیں آپ کا اعلیٰ وطن نانوتوی ہے جو ضلع سہارنپور میں واقع ہے مگر جب سے دلی میں مدرسہ ہوئے تھے یہیں بود و باش اختیار کی تھی۔ آپ مولانا رشید الدین علیہ الرحمۃ ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تمام ہندوستان آپ کے فیض سے منور ہے۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی بھی فخریہ مستان تھے۔ ایک مدت تک مدرسہ دیوبند کے مدرس اول رہے مولانا محمد یعقوب صاحب کے کئی صاحبزادے تھے جن میں سے اس وقت مولوی حکیم عیسیٰ الدین صاحب سہارنپور موجود ہیں۔ تشخیص افاضی میں کامل رکھتے ہیں۔ اور نہایت متقی پرہیزگار و متکرم مزاج متوطن شخص ہیں اپنے اعلیٰ وطن نانوتوی ہی میں قیام رکھتے ہیں۔

**عالم بے بدل اور مستحق بے مثل** مدرس اول مدرسہ دہلی جناب مولوی محمد اکبر العلی عالم بے بدل اور مستحق بے مثل احمد ناضل کامل ہیں عہدہ میر مولوی بشاہرہ سورہ پیر ماہواری مدرسہ میں مقرر ہیں حق یہ ہے کہ اس فاضل کی جیسی قدر ہونی چاہیے ویسی نہیں یونہی یہ عہدہ فاضل بے بدل بہت کم ہیں اور واقع میں بناء مدرسہ عزلی ان کی ذات سے مستحکم ہے فارسی اور اردو اور عربی عینوں زبانوں میں کامل رکھتے ہیں، ہر ایک علم اور فن سے جو ان زبانوں میں ہیں مہارت ان کو حاصل ہے اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگریزی سے ترجمہ ہوتی ہے اس کے اصل اصل سے بہت جلد ان کا ذہن چپاں ہوتا ہے گویا اس فن کو اول ہی سے جانتے ہیں اور جس نام پر مامور ہیں اس میں کبھی کسی طرح کا سمجھنا وسیع ان سے قصور نہیں ہوا مدرسہ میں ان کی ذات برکات

سے اتنا فیض ہوا کہ شاید کسی زمانہ میں کسی استاد سے ایسا ہوا ہے بندہ کے زعم میں یہ ہے کہ  
 کبھی ایسا فائدہ لوگوں نے کسی فاضل سے نہ اٹھایا ہوگا اگر ان کو کمال علم اور مخزن اسرار کھول تو بجائے  
 کیونکہ فاضل ایسا ہی ہے کوئی کتاب کسی فن کی مشکل اس کے پاس لے جاؤ حفظ پڑھا دیں گے گویا اس  
 کو حفظ کر رکھی ہے اس لیے رات دن سوائے مدرسہ کے ان کے گھر پر طلباء پڑھتے رہتے ہیں ہر وقت  
 ان کو گھیرے رہتے ہیں اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے ہیں سب کو پڑھاتے  
 ہیں تمام شب اور دن میں شاید دو پہر رات کو آرام کرنا ان کو نصیب ہوتا ہوگا ورنہ رات دن دلی دہی  
 طلبہ میں گذرنا ہے اور باوجود اس کثرت درس اور فیض ربانی کی پابند شرع شریعت کے ایسے ہیں  
 کہ اس طرح کے آدمی کم دیکھنے میں آتے ہیں غرضیکہ جتنا ان کی تعریف میں لکھیں بجا ہے اگر کوئی امر  
 بطور مبالغہ بھی لکھیں وہ بھی امر واقعی ان کی ذات میں پاتا ہوں بہت بے نظیر فاضل ہیں۔ ان کا  
 مثالی کوئی فاضل ایسا نہیں ہے جس سے اس طرح کا فیض عام اور شخصی خاص و عام حاصل ہو عمر ان کی  
 ۱۸۴۲ء میں قریب سا ٹھہرے کی ہوگی بہت خندہ پیشانی اور عقلمند اور فکی اور ذہین اور تیز  
 فہم اور محقق اور مدقق ہیں تحریر قلیدس کا ترجمہ زبان اردو میں چار مقالہ اول کا اور دو مقالوں آخر گیارہویں  
 بار ہوں کا کیا ہے، حق یہ ہے کہ علم ہندو کو پانی کی طرح بہا دیا ہے اصل وطن ان کا تانور ہے مدت  
 سے شاہجہاں آباد میں رہتے ہیں - ۱۱

## (۱۲) مفتی صدر الدین خاں آزرودہ

مفتی صدر الدین خاں آزرودہ گونا گوں فضائل و کمالات اور محامد و محاسن کے بزرگ تھے، وہ بڑے اچھے شاعر تھے، بہت بڑے عالم تھے، اور بہت اچھے انسان تھے۔ ہر ملک جناب کے لوگ ان کی سیرت و شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں، کوئی نہیں جو ان کے کردار بلند کا مداح و معترف نہ ہو، انہوں نے بڑے ٹھانڈے اور شان کی زندگی بسر کی، زندگی کا آخری دور، غنہ کی تباہ کاریوں کے باعث عسرت و مشکلات میں بسر ہوا، شروع میں وہ پیر غنکھوہ و مجمل تھے، آخر میں درس عبرت، مرسید کس عقیدت اور والہانہ محبت کے ساتھ کہتے ہیں :-

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب  
ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی نیست

قلم کو کیا طاقت کہ ان کے اوصاف حمیدہ سے ایک حرف نکلمے خود زبان کو کیا یاد کہ ان کے محامد پسندیدہ سے ایک لفظ کہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس زبدۂ جہان و جہانیاں کی صفات کا احصاء محالات سے اور کمالات کا احصاء مرتبہ متفہرات سے ہے، جس وقت قلم چاہتا ہے کہ کوئی صفت صفات میں سے کہے، یا زبان الادہ کہتی ہے کہ کوئی مدح مدائح میں سے کہے جو کہ ہر صفت و قابلیت اول لکھنے کی اور مدح یا قست پہنچانے کی رکھتی ہے، مدت تک یہی عقدہ بند زبان تحریر لہر لہاں تقریر رہا ہے کہ کون سی صفت سے آغاز اور کون سی مدح سے ابتدا کرے۔ شروع۔

۱۔ المستوفی شمس الدین کے حالات کے لیے دیکھو تذکرہ علمائے ہند ص ۹۳ و ۹۴، ۱۔ بعد العلوم ص ۹۰۳ - ۹۰۵ نیز حدائق الحنفیہ ص ۲۸۱ - ۲۸۲ میں ان کے حالات مرقوم ہیں۔

مجلس تمام گشت و بیان رسید عمر

ماہمناں در اول و صفت تو ماندہ ایم

بے شک بہ تکلف و بے آمیزش مبالغہ ایب ماضل در دنیا کا مل کہ جامع فنون فنی اور مستجمع علوم بے منتہا ہو، اب سوا اس سرگروہ علمائے روزگار کے بساط عالم پر جلوہ گر نہیں۔ ان حضرت کی طبع راسخ و راجع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہے کہ بدیہی الائنات جیسے ارباب فہم و ذکا اور ناخن نکر عقدہ لائیل کو پہلے اس سے واکرنا ہے کہ گرہ حجاب کو انگشت موج دربار معنی فہمی اس درجہ کہ راست و درست سمجھ لیا کہ زبان سوسن نے کیا کہا، اور رمز شناسی اس مرتبہ کہ حقیقی معلوم ہو گیا کہ نگاہ زکس نے کیا اشارہ کیا۔ اگر ان کا حدس حاشیہ مصحف گل پر تصنیف دیکھنا، بلبل امی عرض رہی، اور اگر ان کا فکر راسط شمشاد کے معنی نہ بیان کرنا، قمری ببح خوان نہ ہوتی۔ ان کی وقت طبع اور حدت فہم کے سامنے لالہ کے داغ دل اور سنبھل کی پریشانی اور ارغوان کی جگر خونی کی دھند سے مضمون پیش پا افتادہ ہے۔ اگر ان کی رائے روشن معجز نہ ہو لقطہ مودہ موم کو اشارہ رنگت سے تقسیم کرے، اور اور جزو لای تجزی کو دو نیم۔ ملک المومن عرش اللہ گویا انہیں کے دل کی شان میں ہے کہ حامل ان انقاس فیض اقتباس کے دانستے گوش بر آواز رہتا ہے اور لی مع اللہ ان پر علی الدوام صادق ہے کیونکہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے کہ جبرائیل بارگاہ قرب الہی پر دیر تک اجازت کا منتظر نہ رہے۔ راہ حق میں تیز رو اور مسلک دنیا میں کابل کوش لیکن تو نگہی ظاہری درویشی معنوی کی پردہ پوش ہے :-

کسانیکہ راہ خدا داشتند

چنین سخرۂ زیر قبا داشتند

اگر مولوی جامی زندہ ہوتے یہ بیت :-

پو فقر اند لباس شاہی آمد

یہ تدبیر عبید اللہی آمد



سوا اس برگزیدہ انفس و آفاق کے اور کسی کی شان میں نہ کہتے۔ جو کہ ارباب معنی پر یہ بات  
 نظر ہے کہ لباس فقر میں مصروف الحاحت ہونا اور گویہ خلوت کو واسطے فرغ عبادت کے اختیار  
 کرنا موجب شہرت ہے۔ اور مصیبت بلند بسبب کثرت اہل دنیا کے اس شغل کے اہم سے باز رکھتی  
 ہے، لباس اہل ظاہر کو اختیار کیا اور بسکہ احقاق حق اور زیادہ اسی عباد اور عدل و انصاف فضل عبادت  
 ہے، منصب صدارت کو اپنے ذمہ پر لیا سبحان اللہ کیا طریقہ واسطے اور کیا سرشتہ انصاف ہے  
 کہ نو شیر وال ان کے دیوان عدالت میں عہدہ پیشکاری کے لائق بھی نہیں سمجھا جاتا۔ باقی رہا عدل عمر یہاں  
 بسبب ادب کے کچھ نہیں کہا جاتا۔ شوکت ظاہری سے ان کے دربار میں دارا کو گزار نہیں اور عدالت  
 باطنی سے ان کی خلوت میں فرشتے کو بار نہیں باوجود ان مراتب بلند اور اس منصب ارجمند کے خلق  
 محمدی اختیار کیا ہے کہ مادہ علوم اور امانت مآل دین کے وقت ہر ادنیٰ کو بہ نسبت سخن ہے۔

تمام علوم و فنون متعلق بہ خدمت ریاضیات بمعنی۔ بین ادب

**آزادہ اور ان کے خصوصیات** | ان فقہ حدیث تفسیر وغیرہ میں یدِ طولی رکھتے تھے اور درس

دیتے تھے ابا و جہاد آپ کے کا ضمیر کے اہل بیت علم و صلاح سے تھے مگر آپ کی ولادت دہلی میں  
 ہوئی علوم فقہ و فقہ حدیث وغیرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے بھائیوں سے حاصل کیے  
 لکھنؤ کی سب سے لیں اور فنون عصیہ کو مولوی فضل امام شیر آبادی والد مولوی فضل حق سے اخذ کیا اور  
 شیخ محمد اسحاق دہلوی نے بھی آپ کو حدیث کی اجازت مکتوبی آپ بڑے صاحب دینا بہت  
 سیاست اور اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار اور مادر عصر تھے ریاست درس و تدریس خصوصاً انسانے  
 ملک محروسہ مغربیہ بہ خمر قیہ و شمالیہ دہلی اور امتحان مدارس و صدارت حکومت دیوانی کی آپ پر  
 ہوئی۔ بجز شاہ دہلی کے تمام اعیان و اکابر اور علماء و فضلاء خاص دہلی اور گزشتہ نواح کے آپ کے مکان  
 پر حاضر ہوتے تھے طلباء تو واسطے تحصیل علم اور اہل دنیا واسطے مشورات معنات اور فحشی و غیرہ

۱۔ تذکرہ اہل دہلی، ص ۱۰۰

بغرض اصلاح انشاء اور شعرا واسطے مشاعرہ کے آئے تھے اس اخیر وقت میں ایسا فاضل باہیں جمعیت اور قوت حافظہ و حسن تحریر و مسانت تقریر اور وضاحت بیان اور بلاغت معانی کے صاحب مروت و اخلاق اور احسان دیکھا نہیں گیا طیبہ مدرسہ داراللبقہ جو جامع مسجد کے نیچے تھا اکثر معلم و لباس اور بعضے ماہوار جناب سے پاتے اور آپ سے اور دیگر علما سے تحصیل علم کرتے ۱۲۶۳ھ میں دہلی کے غدر میں آپ کو سخت زخم چیم پہنچا کہ تعلق روزگار بھی ہاتھ سے گیا اور تمام جائداد املاک بھی جو تیس سال کی ملازمت میں پیدا کی ہوئی تھی سرکار میں ضبط ہو گئی بلکہ جہاد کے فتویٰ کے اشتباہ میں چند ماہ تک نظر بند رہے چونکہ اصل میں بے قصور تھے آخر دہلی پا کر لاہور میں تشریف لائے اور واسطے اپنے کتب خانہ مالیتی بین لاکھ روپیہ کہ دہلی کی لوٹ میں نیلام ہو گیا تھا حضور لارڈ لارنس صاحب کے پاس جو اس وقت پنجاب کے چیف کمشنر تھے اور مولانا ممدوح کے دہلی میں بڑے مہربان رہ چکے تھے مطالبہ کیا چونکہ جائداد منقولہ کے نیلام کا واپس ہونا متعذر تھا اس لیے اپنے مطلب میں کامیاب نہ ہوئے لیکن اتنا ہو گیا کہ جائداد غیر منقولہ جو سرکار میں ضبط ہو گئی تھی واکذار ہو گئی اور مولانا موصوت دہلی میں واپس تشریف لے جا کر چندے بستی حضرت نظام الدین اولیا اور پھر اپنی حویلی خاص واقعہ دہلی میں خانہ فیض ہوئے اور اپنی حیات کے باقی ایام کو وظائف و عبادت اور تدریس علوم دینہ میں بسر کیا مولف حقائق ہذا بھی ۱۲۶۴ھ میں جب مولانا موصوت بستی حضرت نظام الدین اولیا میں امامت گئے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور تیرہ ماہ تک ان کی خدمت میں مشرف رہ کر علوم نقلی و عقلی کا استفادہ کرتا رہا اس وقت میں مولانا موصوت بادیہ دیکھ چھوٹے سال کے تھے مگر ذوق شعری و سخن میں جواناں عاشق مزاج سے زیادہ مذاق رکھتے تھے عربی فارسی اردو نہایت عمدہ شعر کہتے تھے آزدہ تخلص تھا بمقتضائے اس کے ہمیشہ فطرت عشق اور ولولہ محبت سے آندہ خاطر افسردہ طبع دیدہ گریان سینہ ہریاں رہتے تھے اور اشعار کے پڑھنے میں نہایت دلگاہ آواز اور لہجہ حویں اور صورت دردا انگیز رکھتے تھے جس نے آپ کی زبان سے سخن موزوں سنا ہے وہی اس کیفیت کو جانتا ہے کہ کیا انشاء شعر تھا یا ایجاد بحر غالب و حریف اور سون و غیرہ شعرا سے دہلی نے آپ کی مدح و تعریف میں بڑے بڑے قصائد و اشعار تصنیف

کیے ہیں اور فضائے زمانے نے آپ کی نگہ و شاگردی کو باعثِ تفاخر تصور کیا ہے بہت لوگ بلاد  
و امصار دور و دلاز سے علوم متداولہ اور فنون مرویہ حاصل کر کے آپ کی خدمت میں آتے اور ایک دو  
سبق یا کوئی مختصر کتاب پڑھ کر فراغت حاصل کرتے اور محصلین اہل فضیلت میں شمار کیے جاتے تھے  
تصنیفات آپ نے بہت تھوڑی کی اور اکثر عمر اپنی تدریس و اقامت پر بسر کی رسالہ منہتی المال فی شرح  
حدیث لائشہ الرجال اور دار المنقود فی حکم امرأۃ لفقہ اور جوہر کثیرہ استغاثت آپ کے ہاتھ لگ رہی ہیں۔  
آخر عمر میں ۲۰-۱ سال مرض فالج میں مبتلا ہو کر ۸ سال کی عمر میں یوم پنجشنبہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۰۸۸ھ میں  
فوت ہوئے مولوی ظہور علی مخاطب غمشل الشعر نے آپ کی تاریخ وفات حسب ذیل لکھی ہے۔

بہل مولانا صدر الدین کہ در عصر	امام اعظم آخر زوال بود
زہی صدر الصدور نیک محضر	بجمل و داد چوں نو شیر دال بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت	کہ ایں عالم نہ جائے جاد دال بود
ربیع الاول ولبت چہ زرم	وداع آو سوسے دارا لجنان بود
ظہیر افسوس آل اسناد ذی قدر	پند دارم ہمیشہ مہربان بود
چراغش بست تاریخ ولادت	کنور گفتم چراغ دو جہان بود

آپ نے رسالہ منہتی المال میں ابن تیمیہ و ابن حزم پر جہنموں نے بحسب زعم خود بروئے حدیث لائشہ  
والرجال کے قبور انبیاء و اولیاء کی زیارت کے لیے سفر کو حرام لکھا ہے تقلید اید، باعزت فقہاء و محدثین  
ثانیہ مثل ابن حجر مکی و کئی سبکی اور فہمذنی وغیرہ کے بڑی تشہید کی ہے اور ان کے عقائد کی مذمت میں  
بعض تواریخ معتبرہ مثل بکری و لویری سے عمدہ عمدہ اقوال نقل کیے ہیں بعد رسالہ مذکور کہ دریا چہر میں اس کی  
تالیف کا سبب بھی مجلہ دیگر مطالب کے لکھا ہے۔

صدر الصدور مفتی صدر الدین صاحب کو صدر العہد مہدی کی تنخواہ کے  
سرکار کشمی کی سروسہ پہر دیتی تھی اور بادشاہ سلامت کے خزانے سے

**بادشاہ سے عقیدت**

(۱) حدائق الحنفیہ ص ۲۸۱



معنی کے منصب کے دو روپیہ اکٹھا کرنے ملتے تھے وہ بھی محبوب علی خان خواجہ نے وزیر ہو کر بند کر دیے  
 معنی صاحب نے بادشاہ سلامت کے ہاں ڈھائی روپیہ کا مقدمہ دائر کیا اور باقاعدہ مقدمہ لڑ کر روپے جاری  
 کرائے صاحب کٹنڈوہلی نے معنی صاحب سے کہا آپ کو ہماری سرکار ہزار روپیہ سے لو پر دیتی ہے ۔  
 آپ نے ڈھائی روپیہ کے لیے اتنی کھینٹ کیوں اٹھائی معنی صاحب نے کہا آپ کے ہزار بارہ سو روپے بچے  
 ڈھائی بھٹی ہیں یہ تبرک ہے اس پر ہمیں فخر ہے ۔ (۱۱)

۱۹ دسمبر ۱۸۸۵ء مولوی صدر الدین صاحب

## دیانت دار، الصاف پسند، نیک دل

بہادر کے نذرانہ پیش کرتے وقت نواب گورنر

جنرل بہادر کے سیکرٹری نے کہا آپ لوگوں کی دیانتداری الصاف پسندی ۔ نیک نامی اور علم فراست سے بہت  
 مسرور اور رضا مند ہیں ۔ (۱۲)

## زیارت رسول

خان صاحب نے فرمایا ۔ کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفیٰ خاں کے

مکان پر اپنے چھو پچا کے ساتھ موجود تھا ۔ اور وہاں معنی صدر الدین خان اور مرزا

غالب بھی موجود تھے معنی صدر الدین خان صاحب نے مولوی محمد عمر حیات ابن جناب مولانا اسماعیل صاحب

شہید کا ایک قصہ بیان فرمایا ۔ اور فرمایا کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی محمد عمر صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے ۔ اس پر میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دوسرے اشخاص نے اصرار کیا

کہ ہم کو بھی زیارت کرا دیجئے مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا ۔ لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا

ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر کثرت فرما

ہیں ۔ اور مولوی محمد عمر صاحب آپ کو مور پھیل بھیل رہے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ جناب رسول اللہ

علیہ وسلم کی زیارت کر لو ۔ اور بعینہ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا اور بعد ازیں اسی طرح ان دوسرے اشخاص

(۱) لال قلعہ کی ایک مسجد دنا سر نذیر خاں ص ۲۷

(۲) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۳۵



نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا۔ تاکہ اُن سے یہ خواب بیان کر دوں۔ اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لیے میری طرف چلے اور وہ دوسرے افخاص میں بھی ہتھالی طرف چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے۔ اور میں نے کہا میں تمہارے پاس جا رہا تھا۔ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہم تمہارے پاس آ رہے تھے۔ ہم نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب کے مکان پر آئے۔ تو اس وقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ (۱)

”جناب آذر وہ۔ مرحوم ان سپہ افخاص میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک میں بھی یہی اعلیٰ استعداد

## ذہانت و فراست

کا سد بٹھا دیا آپ اپنے ذہن کے مشابیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھ جاتے تھے پیروی مقدمہ میں جواب دعویٰ یہ کیا۔ میں نے فتوے پر دستخط کیے مگر کچھ عبارت بھی نکود دی ہے بالآخر لوگ پڑھتے ہیں، وہ بالجبر میں لکھا ہے۔ مفسدوں نے زبردستی مجھے لکھوایا تھا۔ کاغذات پر آمد ہوئے تو پڑھا گیا۔ معنی صاحب کے بیان کی تصدیق ہوئی اور چھوڑ دیتے گئے (۲)

”مولانا مولوی صدر الدین خان ۳۵ سال سے انگریزوں کے مددگار تھے۔ بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ اب ۲۵ سال سے دہلی کے صدر الصد

## حکومت کے خیر خواہ

تھے۔ بڑے ایماندار حکم تھے۔ اہل مقدمہ ہمیشہ ان کے اصرار سے خوش رہتے تھے۔ مولانا انگریزی کے بہت خیر خواہ تھے۔ جب غدر میں کچھ بیاں اور دفتر جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے تو یہ بھی گھر میں بیٹھ رہے۔ پھر بادشاہ کے بلانے سے جبراً و قہراً قلعہ میں عدالت کا کام کرنے لگے۔ انگریزوں کے قتل

(۱) امیر اردات ص ۱۱۰

(۲) محل رجوع دخیلم عبدالمی

کے فتوے پرائیوں نے بھی باغیوں کے جبر سے مہر لگادی۔ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو یہ بھی اسی جرم میں گرفتار ہو گئے۔ لیکن پہلے چونکہ بڑی نیک نامی اور دیانت داری سے حکومت کر چکے تھے۔ لہذا سابقہ کارگزاریوں کے باعث چند ماہ نظر بند رہ کر رہا ہو گئے۔ پھر درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں ایک مختصر مکان دیں لے کر رہنے لگے۔ (۱)

خان صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ قصہ بھی مولانا گنگوہی آزادہ کی عقیدت شاہ عبدالغنی سے بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب کے

بہار کئی دن کا فاقہ ہوا۔ اس کا تذکرہ ان کی مال نے کہیں کر دیا۔ اس کی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدر الدین خاں صاحب کو بھی ہو گئی۔ مولوی صاحب نے عین سو روپیہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ شاہ صاحب نے واپس کر دیئے۔ اس پر مفتی صاحب وہ روپیہ لے کر خود حاضر ہوئے۔ اور تھلیہ میں روپے پیش کیے۔ اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ یہ صدر الصدور رشوت لیتا ہوگا اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا۔ بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں آپ ان کو قبول فرما لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ مجھے تو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ تم رشوت لیتے ہو گے۔ میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا لہذا اس لیے میں ان کے لینے سے معذور ہوں۔

خان صاحب نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ مفتی صدر الدین خاں صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگوائیں۔ شاہ صاحب نے بھیج دیں۔ جلدیں ٹکستہ تھیں۔ مفتی صاحب نے واپسی کے وقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس فرمادیں۔ جب شاہ صاحب کے پاس کتابیں پہنچیں۔ شاہ صاحب نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کے پاس واپس فرمادیں۔ لہذا کہلا بھیجا کہ ہمارے وہی پڑتے پڑتے بیچ دو۔ (۲)

مفتی محمد صدر الدین خاں بہادر صدر الصدور دہلی نے جو کہ ازراہ صدر الصدور کی شہادت غامض و ترغیب طلبہ عرصہ پانچ سال سے ایک تمنہ ملائم علی

(۱) نصرت نامہ گورنمنٹ، ص ۵۶

(۲) امیر الروایات ص ۱۲۱

قدسی جواب مضمون پر مرحمت فرمایا اس پر دہلی اردو اخبار نے ان کی تعریف کی ہے کہ ہے کہ ہم نہایت درست  
دست اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ حقیقت میں ہمارے مدیر الصدوق کی ذات مجمع الصفات بھی نہایت ارفع ہے  
یکتا ہے مذکور ہمارے اس حکومت اور ریاست و عظمت و فضل اللہ ولی پر یہ حسن اخلاق اور باس صفت و  
قدر عظمت جو کہ نتیجہ کمال علم کہ ہے اس زمانہ میں بہت کم ہے ہمارے ہندوستانی صاحبوں میں ایسا  
جامع کمالات مفقود پایا جاتا ہے۔

مولانا ابو الظلام کی روایت : —

## کمال علم و ذوق شعرا

والد مرحوم کے نام مولانا رکن الدین رکن الدین اور مولانا رشید الدین

مفتی صاحب کے پڑوس میں رہتے تھے۔ یہ زمانہ دہلی کے محاصرہ اور انگریزوں اور مرہٹوں کی لڑائی کا تھا  
لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں سندھیا اور ہونکر کی فوج کو دہلی کے سامنے آخری شکست دی۔ اس لیے بھنا  
چلے گئے کہ ۱۸۰۱ء اور ۱۸۰۲ء کا زمانہ ہو گا۔ تحصیل علم کے شوق اور شاہ عبدالعزیز کی شاگردی کے شوق نے  
مولانا منور الدین کو گھر سے نکالا۔ بزرگوں اور عزیزوں پر جدائی مشاق تھی۔ اس لیے سفر کے مدارج نہ تھے  
مجبوراً بغیر کسی کو خبر دیتے پوشیدہ طبع پر نکل کھڑے ہوئے۔ اور قصور سے دہلی تک کا سفر باہار  
کیا۔ دہلی کے حوالی میں کی جگہ گرفتار ہوئے ہوتے بچے۔ ایک مقام پر ایک گوبر کی خدمت رکے اس کو  
اپا حامی بنا لیا۔ دہلی پہنچے تو شاہ صاحب کے درس میں مفتی صدر الدین اور مفتی رشید الدین شامل ہو  
چکے تھے۔ یہ بھی شامل ہو گئے۔ شاہ صاحب نے ایک عربی مکتوب میں۔ اس عہد کے سرور  
کا حال بیان کیا ہے۔ انگریزوں کی فوج کو مشرقی فوج کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ پورب ان کا مرکز  
تھا۔ مشرقی فوج کے معرکہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس کا نام ہندی میں تھا۔ مفہوم رکھتا ہے۔ یعنی یہ  
بہر حال مفتی صاحب کیونکہ مولانا کے ہم درس تھے۔ اس لیے وہ لوگوں میں بڑا دانشور سمجھے گئے  
تھے دہلی پہنچنے کے بعد انہوں نے دہلی میں شادی کر لی۔ اور منیم ہو گئے۔ اس معاملہ میں بھی مفتی صاحب کے

دہلی اردو اخبار ۲۶ دسمبر ۱۸۵۲ء



ایما و مشورے کو دخل تھا۔ والد مرحوم نے مفتی صاحب سے بھی تحصیل کی تھی۔ ان کے فضل و کمال و جامعیت کے بے حد معترف تھے۔ فرماتے تھے ان کا سلوک مجھ سے ایسا تھا جیسا اپنے خاص عزیزوں سے ہوتا ہے عید کے دن ہمارے ہاں آتے تو جس طرح اپنے عزیزوں کو بطور عیدی کے کچھ دیا کرتے تھے ایک انٹرنی میرے لیے بھی ضرور لاتے۔ ماما مرحوم فرماتے یہ انٹرنیاں بطور تبرک رکھو۔

فضل و کمال علمی کے ساتھ ادب و شعر کا ذوق بھی عین زبائوں میں تھا۔ عربی۔ فارسی اردو عین زبائوں کے شاعر تھے۔ ان کا اردو کلام بہت تھوڑا ہے۔ مگر جتنا ہے انتخاب ہے اور پایہ بلند کے شایل ہے۔ والد مرحوم ایک مشاعرہ کا حال سناتے تھے۔ جس میں ان کی غزل نے تمام اکابر کا رنگ پھیکا کر دیا تھا۔

دور نہیں، منظور نہیں مصرع طرح ہوتا۔

دامن اس کا تو بہت دور ہے اے دستِ جنوں کیوں ہے بیکار گریباں میرا تو دور نہیں یہ شعر بھی جو ہمیشہ میری زبان پر رہا ہے۔ ابھی کا ہے۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھانہ کوئی کچھ ہوتے تو یہی رمدان تدرجِ خوار ہوتے والد مرحوم اپنے چچا کا جنہوں نے مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ جب کبھی ذکر کرتے تھے۔ مفتی صاحب کا یہ شعر پڑھاتے تھے۔

آزاد ہر کے کوچہ جا ناں میں رہ گئے دی تھی دعا کیس نے کہ جنت میں گھر ملے والد مرحوم فرماتے تھے کہ ادب عربی کا ذوق ان سے بڑھکر میں نے وقت کے کسی فاضل میں نہیں پایا۔ ماسٹر کے سینکڑوں اشعار نوک زبان تھے۔ مثنیٰ کا درس دہلی میں سب سے پہلے انہوں نے ہی دیا۔ درس ام کا کلام درس کی چیزوں میں داخل نہ تھا۔ انہوں نے مثنیٰ کی ایک شرح بھی لکھی تھی۔ افسوس ہے کہ ان کی مصنفات، غدر میں خدایہ جو گئیں۔ صرف ایک عربی رسالہ "لائقہ و الرجال" کے متعلق میری نظر سے گذرا اور ایک تحریر مسئلہ امتناعِ نظیر پر ہے۔ (۱)



والد کا نام مولوی لطف اللہ کشمیر مفتی صاحب دہلی میں ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے  
**آزادہ کی نشر کا نمونہ**

مولانا شاہ عبدالعزیز مولانا شاہ عبدالقادر مولانا محمد اسحاق مولانا فضل امام

خیر آبادی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے مشہور علمائے اہل سنت سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ سندس سے پہلے  
 انگریزی خدمت کی طرف سے دہلی میں صدر الصدور اور مفتی تھے غرض ۱۸۵۷ء میں ان پر جہاد کے فتوے کا  
 اہرام لگایا گیا۔ گرفتاری اور جہاد کی فطری عمل میں آئی۔ لیکن چند روز بعد رہا کر دیئے گئے۔ اور جہاد کا  
 حصہ بھی واپس کر دیا گیا۔ تعلیم و تدریس کا اس کا شوق تھا کہ "صدر الصدور" ہونے کی حالت میں بھی طالب  
 علموں کو پڑھا کرتے تھے۔ مفتی صاحب کے فاکر واصل میں نواب یوسف علی خاں والی ریاست رام پور سرسید  
 احمد خان۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی شامل ہیں۔ عربی و فارسی کی چند تالیفات اور فتاویٰ ان کی  
 یادگار ہیں۔ فیاضی کا بھی شوق تھا۔ عربی، فارسی، اردو و ہندو زبان میں شعر کہتے۔ آزادہ تخلص تھا۔ اردو میں  
 شاہ نصیر میر مضمون اور عیاں مجرم اکبر آبادی سے مشعرہ کیا۔ اردو کے شاعروں کا تذکرہ فارسی میں مرتب  
 کیا تھا لیکن اب ناباب ہے۔ ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ مرزا غالب نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اہم بخش صاحب  
 سے مفتی صاحب کے خاص تعلقات تھے۔ ان صاحبوں سے اردو میں خط و کتابت رکھتے تھے۔ اردو کی  
 یہی تحریریں مفتی صاحب کی یادگار ہیں۔

نامہ آزادہ بنام نواب مصطفیٰ خان شیفتہ

وہ کہ ہے اس پروردگار عالم کا جس نے مجھ کو ایسی دلیل سے کہ ہمہ تن اس میں غرہاب  
 تھا نکالا کیسے علائق میں جگر بند تھا کہ نکلا اس سے سوائے ایسی صورت کہ جو پیش  
 آئی ممکن نہ تھا مقدمات اصلی کا فیصل کرنا منصفوں اور صدر الایمنوں کے مقدمات کا  
 ملاحظہ سننا جہشی کہ وفاق پر دستخط کرنا مقدمات دورہ میں فتویٰ دینا کیٹیڈ میں  
 حاضر ہونا طلبہ مدرسہ سرکاری کا امکان ماہرہ لیٹا اسکام اخیر کو اپنے ساتھ سے کھانا  
 ہزار ہا کا غنفل پر دستخط کرنا پھر گھر آکر طالب علموں کو پڑھانا اور اطراف و ہوا ب  
 کے سلطنت شرعی کا جواب کھانا و ماہیوں اور بدعتوں کے حجت سے مل کر حکم ہونا مجاہد

شادی و غمی اور اعزاز میں جانا شعر و شاعری کی محبت کو گرم رکھنا باغات کی سیر کو  
اور خواجہ صاحب کی زیارت کو اکثر جانا

ترجمہ حقائق البلاغت کا مختصر نمونہ ہے۔

منعت تمیيع - یہ اس طرح ہے کہ کلام شعر ہو کسی واقعہ مشہورہ پر یا ایسی چیز پر اشارہ  
کیا جائے کہ کتب مستعمل میں مذکور ہو جیسے شعر سودا کا

دکھلائیے جا کر جو تجھے مصر کا بازار

پہر دان کوئی خواہاں نہیں اس جنس گراں کا

اس شعر میں اشارہ ہے طرف قصہ حضرت یوسف کے کہ وہ مشہور ہے اور یہ شعر فقیر محمد خاں  
گویا کا ہے

منہ دکھانا تو کہاں باہیں تھیں اس کی مجھ تک

اس ترانی کی بھی آئی نہ صدا میرے بعد

اس شعر میں حضرت موسیٰ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ جو لوگ پاشنی الصا  
اص مذاق بہرہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ شعر جواب نہیں رکھتا جیسے یہ شعر

خزاں میں اس لیے لوٹے ہے خاک پر غنچہ

کہ یہ علاج ہے اس کا جسے ہو استعفا

اس شعر میں اشارہ ہے طرف مسئلہ طب کے۔

یہ ترجمہ پہلی مرتبہ حقائق البلاغت کے حاشیہ پر دو سیمبر ۱۸۸۵ء میں مطبع لوکشر واقع شہر کانپور سے شائع ہوا

سے مرزا غالب کو یہ شعر بہت پسند تھا لیکن وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

دکھلائیے میا کے تجھے مصر کا بازار

لیکن کوئی خواہاں نہیں داں جس گراں کا

۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷،

پہلی قبر کے قریب حویلی عزیز آبادی کے سامنے مفتی صدر الدین صاحب کا مکان ہے۔ مکان کو مٹی کے نمونہ کا ہے انگریزی اور ہندوستانی دونوں وضع

## مفتی صاحب کا مکان

کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ صحن بہت بڑا نہیں ہے اس میں مختصر مٹی نہری ہے سامنے دالان در والان اور پہلو میں انگریزی وضع کے کمرے ہیں۔ دالانوں سے ملا ہوا مادہ نچا صحن چبوترہ ہے چبوترہ کے اوپر تخت پٹھے ہوئے تھے ان پر چاندنی کا فرش اور دو طرف کچاؤ تکیے لگے ہوئے تختوں پر مفتی صاحب اور عواہ صاحب بیٹھے بائیں کر رہے تھے مفتی صاحب کی عمر کوئی ۵۶، ۵۷ سال کی ہوگی۔ گداہ جسم، سا فولا رنگ، پھوٹی

پھوٹی آنکھیں۔ ذرا اندر کو دھنسی ہوتی، بھری ہوئی وارھی، بہت سیدھی سادھی وضع کے آدمی ہیں نہ ہری نہ لکڑی سے کوئی سروکار نہیں۔ بدن میں سینہ ایک۔ برکا ہا جامہ۔ سفید کرتہ اور سفید ہی عمامہ

آئندہ گنجینہ علم و کان صم و بحر سخا مخزن لطف و ہود و عطا لیب و دوران، حجاز ہندوستان، عامل کامل، فاضل اہل، فقیر بے مثل، عالم باعمل، مدح ہیں

## آزادہ کی شاعری

ان کی جو لکھول سو کم ہے۔ کیونکہ وہ ایسا ہی عالم ہے۔ ہر چند کہ مناسب نہیں کہ اس تذکرہ شعرائے اردو میں جو کہ ان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ان کا نام لکھول گمراہ میں جانتا ہوں کہ بدین نام نامی ان کے کی یہ کتاب رونق نہ پاوے گی۔ اور پسند اجاب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس زمانہ کے شعرا اردو گویوں میں وہ مثل شہنشاہ کے ہیں۔ (۱۱، ۱۲)

سدا ہمالے دمان میں شرمناکھر پر بھی پورا لباس پہننے رہتے تھے۔ زمانے میں جانے کے خاص خاص وقت تھے وہ سارا وقت مردانے ہی میں گذرتا تھا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی جھٹنے جلنے والا پکس بیٹھا رہتا تھا عالم ہوتے تو دس کا حلقہ، شاعر ہوتے تو شعرا چرچا رہتا تھا غرض کوئی وقت بیکار نہ گذرتا، خاص خاص دوستوں سے مذاق کی گفتگو ہوتی در نہ عام طور پر اپنے کو بہت لیے دیتے رہتے۔ جہاں جاؤ یہی سہم ہوتا کہ دربار لگا ہوا ہے۔ ہر شخص دو زانو ہو کر بیٹھتا ہے ضرورت نہ بات کی جاتی نہ جواب دیا جاتا ہے کوئی ہنسی کی بات ہوتی خدا مسکا دیتے کھل کھنکرت ہنستا معیوب اور بڑھ بڑھ کر بولتا یا اونچی آواز میں بات کرتا خفاف ادب سمجھا جاتا تھا۔ — علی کی آخری قطع — تذکرہ کریم الدین ص ۱۴۴ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو سخن شعرا (دولت شہد) از نسخہ ۲۳ - ۳۵ کلاسیکی ادب ص ۱۷۷

بعد بھران تو می سوخت مرا حسرت وصل  
 در شب وصل تو اندیشہ و بجرانم سوخت  
 بیچ کہ چرخ جفا پیشہ نمی ساخت بہ من  
 فکر ایزد کہ ز آہ شر افغانم سوخت  
 زحمت از بہر عذابم مکش اے نار بحسب  
 کہ سراپائے مرا خجست عصیانم سوخت  
 برگ و بھمیت دیوان جزا برہم خورد  
 جنت از حسن تو و دوزخ از افغانم سوخت  
 دل پر درد فجوں ناب اے گشت مرا  
 آنکہ یک عمر بہ او ساختہ ام آنم سوخت  
 ہر نگہ کاں بت عرسا بچہ در کلام کرد  
 آتش بود کزو خرم ایانم سوخت  
 کونسی کہ زیشرب وزد و سبز کند  
 غارت از ہند سموے کہ گل نام سوخت  
 گر ز آتش سختی بیچ کالم نہ فروز  
 لیکن آذر دہ از د جان صودا نام سوخت  
 اے بلبلاں شعلہ دم ایک نالہ اور بھی  
 گم کردہ راہ باغ ہوں یاد آشتیاں نہیں  
 اٹھ کر سحر کو بجدہ مسانہ کے سوا  
 لاعت قبل خاطر پیر معال نہیں

نمونہ غزل ریختہ :



اُس بزم میں نہیں کوئی آگاہ دردِ کب  
 یاں خندہ زیر لب او ہر اشک نہاں نہیں  
 افسردہ دل نہو درِ رحمت نہیں ہے بند  
 کس دن کھلا ہوا درِ پیر مغاں نہیں  
 کیا کچھ نہ کر دکھاؤں پر اک دن کے واسطے  
 ملنا بھی ہم کو منصبِ ہفت آسماں نہیں  
 ناز و نگہ روشں سبھی لاگو ہیں جان کے  
 ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جاسماں نہیں  
 وہ شاخ نخل خشک ہوں میں کج باغ میں  
 دیکھے ہے بھول کر بھی جسے باغباں نہیں  
 ملنا یہ تیرا غیر ہے ہو بہر مصلحت  
 ہم کو تو سادگی سے تیری یہ گمان نہیں  
 آرزو نے پڑھی غزل اک بیکدہ میں کل  
 وہ ماتِ ترکہ سینہ پیر مغاں نہیں

دلہ

ذکرِ وفا وہ سنتے ہی مجلس سے اٹھ گئے  
 کچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی ایسے باب میں  
 کیا عقل محتسب کی ہے لایا ہے کیسے کر  
 سوا ندوئل کو محکمہ احتساب میں  
 بے اعتدالیاں مری ظرافت تنک سے ہیں  
 مقرر نقص کچھ نہ جوہر صبا کے ناب میں

تحقیق ہو تو جاتو کہ میں کیا ہوں تیس کیا  
 لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں  
 میں اور فوق بادہ کشی؟ لے گئیں مجھے  
 یہ کم مگاہیاں تری بزم شراب میں  
 یہ عمر اور عشق ہے آزدوہ جاتے شرم  
 حضرت یہ باتیں پھلتی ہیں عہد شباب میں

جناب مولوی صدیق الدین صاحب بہت دن سوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ  
 پھیل گیا اور رو بکالیاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دے دیا۔ کوڑی

موقوف، جائیداد ضبط، ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے فنانسٹل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے اذراہ  
 ترجم نصف جائیداد کا گزارشت کی۔ اب نصف جائیداد پر مابض ہیں۔ اپنی سولی میں رہتے ہیں  
 کرایہ پر مکش کا دارو مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک  
 آپ ایک بی بی تیس پالیس روپیہ کی آمد۔ لیکن چونکہ امام بخش پیرا سی کی اولاد ان کی عورت ہے۔ اور  
 وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ لہذا فراغ مالی سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے گھیر لیا ہے، (۱)

آزدوہ کے انتقال سے ایک دن پہلے نواب کلب علی خاں علی  
 رام پور کو ایک خط لکھا ہے۔ جو نہایت اہم اور غیر مطبوعہ ہے۔

”فکر الطاف والا میری طاقت سے افزوں ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ نے میری آخری عمر میں  
 مجھ سے ایسا سلوک کیا کہ اس کا عوصن سوائے خداوند کریم کے بشر سے ہونا جملہ محالات سے ہے  
 اللہ کریم آپ کو اپنی بارگاہ والا جاہ سے دین اور دنیا میں مدارج علیہ عطا فرمائے۔ میں ایک عرصہ دراز  
 سے مرض نالج میں مبتلا تھا۔ چنانچہ جناب پر بھی تمام کیفیت روشن ہے۔ اب چند روز سے تپ

اس مدت سے ہوتی ہے کہ مجھ کو زندگی سے یاس ہے۔ ایک میری زوجہ ضعیفہ اور دوسرا خواہر زادہ محمد  
احسان الرحمن خاں نام جس کو میں نے فرزندانہ پرورش کیا ہے۔ اور نہایت لائق و سادہ و محنت اور نیک چلن  
ہے۔ ان دونوں کو آپ کے سپرد کیے جانا ہوں۔ اگر ناگوار خاطر ناظر نہ ہوتے میرے بعد ان کی بھر گیری فرماتے  
رہیں۔ یہ ایک نوع کا حسن سلوک میرے بعد بھی مجھ سے ہوگا۔

سپردم بتو مایہ خویش را تو فانی حساب کم و بیش را  
شاید یہ میرا آخری خط ہے۔ ذوالجلال والا کرام آپ کو عمر خضری اور دانش فلاحی اور  
اقبال سکندری عطا فرماتے۔

معوضہ پانزدہم جولائی ۱۸۶۵ء مطابق بہت و سوم ربیع الاول ۱۲۸۵ھ نیاز نامہ محمد  
صدر الدین خان صدر الصدور سابق دہلی۔ پتہ پر لکھا ہے۔

بسیار ضرورت زود تر برسد مہر محمد صدر الدین خاں (۳)

خواجہ حاجی نے ان کی فراخ حوصلگی کے دو واقعہ لکھے ہیں۔ ایک  
**غالب اور آزدہ کی دوستی** مرتبہ غدر کے بعد ان کو لفٹنٹ گورنر کی طرف سے سات ہاسپے  
کا خلعت مع عین رقوم جواہر کے ملا۔ لفٹنٹ کے چہر اسی اور جمہدار با عدے کے مطابق انعام کے لیے آئے  
غالب کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا۔ چنانچہ چہر اسیوں کو ایک الگ مکان میں بٹھا دیا  
گیا۔ لہ خلعت مع رقوم بغرنی فروخت بازار بھیج دیا گیا۔ بازار سے قیمت آئی تو چہر اسیوں کو انعام  
دے کر رخصت کیا۔

۱۰ لاڈ بیگم نام تھا۔ رام پور میں نواب صاحب کے نام لاڈ بیگم کی عرنسی بھی تارسی میں ہے۔ جس  
میں انھوں نے آزدہ کے کتب خانہ کی فہرست بھی تارسی میں بھیجی ہے۔

۱۱ دارالانشا سرکار دولتمدار رام پور مثل نمبر ۱۵۶، صیفہ دست آشنایاں۔ اس کے بعد دو سو روپے

لاڈ بیگم کے مقرر کر دیئے گئے، ۱۲ کلاسیک ادب ص ۸۲

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ غالب کے ایک امیر دوست، جن کی حالت خردی بہت سقیم ہو گئی تھی پھینٹ کا فرغل پہنے ملنے کے لیے آئے۔ غالب نے ان کو کبھی مالیدہ یا جامہ دار کے چغول کے سوا نہ دیکھا تھا۔ پھینٹ کا فرغل دیکھ کر دل بھر آیا۔ امداد کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن دوست کی خود داری کا خیال ملاحظہ رکھتے ہوئے سلوک ایسے طریق پر کرنا چاہتے تھے کہ اسے بیچارگی کا احساس نہ ہو۔ اور پیش کردہ ہدیہ کے قبول میں عار نہ آئے۔ غرض غالب نے پھینٹ کے فرغل کی بے حد تعریف کی۔ پوچھا کہ یہ کہاں سے لی ہے۔ اور درخواست کی کہ مجھے بھی اسی کا فرغل بنوا دیجئے۔ دوست نے بے تکلف کہا کہ اگر آپ کو یہ پسند ہے تو یہی فرغل لے لیجئے۔ غالب نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ سے ابھی پھین لوں۔ لیکن جاڑا شدت سے بڑھ رہا ہے۔ آپ یہاں سے مکان تک کیا پہن کر جاتیے گا اس کے ساتھ ہی مالیدے کا اپنا نیا چغڑا ان کو پہنا دیا۔ ایک نازک دل اور نازک احساسات والے شاعر کی ذرا دوست داری کا ثناء یہی تھا۔

حضرت مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں کہ یہی صمد الدین آزدہ کا واقعہ ہے خواجہ حالی کہتے تھے کہ میں نے نام لکھنا پسند نہ کیا۔ کہ شاید ان کے عزیزوں پر گراں گندے (۱)

غالب نے آزدہ کی مخالفت کی

طرح لطیف ہے کہ غالب نے آزدہ کے انتقال کے بعد جن سے زندگی بھر ان سے بڑے اچھے مراسم رہے اور جن کو انہوں نے میر و معدوم و مطاع اور عالی و مولا سب ہی کچھ کہا تھا، نواب کلب علی خاں کو ایک خط لکھا ہے۔ جس میں مرحوم دوست کی بیوہ کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے ان کی ضرورت کو غیر اہم ثابت کر کے اپنا کام نکال چاہا ہے۔ غالب کی سیرت کا یہ پہلو قابل اعتراض ہی نہیں، عبرت انگیز بھی ہے۔ ہم وہ غیر مطبوعہ خط بخندہ نقل کرتے ہیں۔

”حضرت ولی نعمت آیدہ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے آج شہر میں شہرت ہے



کہ حضرت امیر المسلمین نے مفتی صدر الدین کی زوجہ کو پانسو روپے مفتی جی کی تجہیز و تکفین کے واسطے  
 رام پور سے بھیجے ہیں۔ فقیر کو بھی تو قع پڑی کہ میرا مرد بے گور و کفن نہ رہے گا جیسا کہ مرزا جلال  
 اسیر کہتا ہے۔

حج ہجرت لطف تو بعد از ماہِ خواہد رسید  
 میں نے کل ایک خط لواب مرزا خاں کو لکھا ہے خدا جانے وہ حضرت کی نظر سے گزرے  
 یا نہ گزرے اس خط میں میں نے زوجہ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لا ولد ہے۔ اور ساتھ روپے  
 کراہیکے مکان اس کے تحت ہیں۔ ابین الرحمن اس کا بھانجہ ہے۔ مفتی جی کا کوئی بہن نہیں۔  
 اب اپنی حقیقت عرض کرتا ہوں۔ آخر عمر میں یمن التماسیں ہیں آپ سے ایک تو یہ کہ میں  
 ہزار بارہ تنو کا قرض رکھا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے۔ دوسری یہ کہ حسین  
 علی خاں کی شادی آپ کی بخشش غامی سے ہو جائے۔ اور یہ تنو روپیہ ہدینہ جو مجھے ملنا ہے اس کے  
 نام پر اس کے سین حیات قرار پائے۔ یہ دلوں خواہشیں خواہ میری زندگی میں خواہ میرے بعد اجلا  
 پائیں۔

تم سلامت رہو قیامت تک۔ دولت و عزت و جاہ روز افزوں  
 روز شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۷۴ جولائی ۱۸۵۸ء حال عرض داشت دولت خواہ علی اللہ رلفافہ  
 پر ۲۷ جولائی ۱۸۶۸ء درج ہے

گمان سخن میں لکھا ہے ہر کمال کا مرجع آرزوہ کی ذات ہے۔ اور ہر فضیلت کا منبع اسی  
 کی طبیعت سرسید نے ان کا ذکر اس شعر سے شروع کیا ہے  
 ہزار بار بشتو تم دین ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی رت (۱)

(۱) دارالانشا سرکار دولت دارالام پور مثل نمبر ۲۲۳ صیفہ دوست آشنایاں کلاں کی ادب سہ ۸۵

(۲) کلاں کی ادب دغا جبر احمد قاروقی صلا

آزادہ کا ایک اور خط | اگر خدام والا مقام ازاد و سرداری و مدرسہ شناسی ارباب کمال کچھ وظیفے

مقررہ برائے چودے کے جس سے گزارہ ادوات طلبہ علوم و عزیزاں ہووے مقرر فرمادیں تو باعث نیک نامی کا دنیا میں موجب اجر عظیم کا آخرت میں ہوگا۔  
ج باکریاں کارہا دشوار نیست

دنیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاکسار آفتاب لب بام ہے۔ غایت سے غایت اجرا اس وظیفے کا چھ مہینے سے زیادہ نہ کیجئے گا لیکن ہے کہ آپ جیسے سردار باہمت سے واسطے محمد جیسے ترقی خواہ قدیم کے اور پھر ایسے امر خیر میں کہ وہ بھی برائے چود روز ہے۔ تو بہ دروغ نہ ہوگی اور یہ بھی مانع ہووے کہ باوجودیکہ لواب غفران ماب لواب محمد یوسف علی خاں بہادر مرحوم کو قدیم الایام سے ایک اخلاص اور اعتقاد خاکسار سے تھا۔ بار بار چاہا کہ کچھ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ شاید مولوی مفتی محمد سعد اللہ صاحب بھی اس سے واقف ہوں۔ الا تکلیف وہ ان کا نہ ہو اب توقع ہے کہ اس مصرع پر عمل ہووے۔

ج اگر پدر نتواند پسر تمام کند

امید ہے کہ جواب بصواب سے بزودی مقرر فرمائے۔ اور اس ترقی خواہ کو مدام ترقی خواہ قدیمی اپنا جان کر ہمیشہ ہر ارسال مرودہ مزاج مبارک سرور و خوش وقت فرمائے رہے۔ ایام شمت و دولت مدام رہے۔

الراقم آثم دھبرا محمد صدر الدین خاں صدر الصدور مبالغہ دہلی۔ مرقوم، ارمہ جنوری ۱۸۶۶ء مطابق ۲۹ ماہ شعبان ۱۲۸۲ھ مقدسہ۔

۱۔ اس درخواست کا نتیجہ یہ ہوا کہ مبلغ ۱۰۰ روپے ماہوار مقرر کر دیئے گئے۔

۲۔ کلاسی ادبہ دخواہ احمد فاروقی،

شاکر د | نواب صدیق حسن خان - نواب یوسف علی خاں رامپوری - سرسید احمد خاں -  
مولوی ذوالفقار علی دیوبندی - مولوی فیض الحسنؒ مولوی سلیم محمد الحسنؒ امر دہوی - مولوی

احمد حسن مراد آبادی مولانا سید نواب علیؒ

وقات | اکیاسی برس کی عمر پاکر ۱۸ دسمبر ۱۸۸۳ء کو فالج گرا کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ ربیع  
الاول ۱۳۸۰ھ کو ماہی ملک بقا ہوئے۔ درگاہ حضرت چراغ دہی میں دفن

ہوئے۔

۱۱ داستان تاریخ اردو ص ۴۳

۱۲، نقش یدمانی - تذکرۃ الکرام ص ۳۸۹

## میاں نذیر حسین صاحب عُلّت دہلوی

۱۳۲۰ - ۱۲۲۰ھ

۱۹۰۲ - ۱۸۰۵ء

آپ سوری گڑھ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے، اور ماں باپ دونوں کی طرف سے سید تھے، آپ کے والد کا نام سید جواد علی تھا، آپ کے بزرگ اورنگ زیب کے زمانہ میں عہدہ قضا پر مامور تھے، جب مولانا سید احمد شبید اور مولانا شاہ اسماعیل پٹنہ تشریف لے گئے، تو آپ وہاں موجود تھے، کچھ دنوں الہ آباد میں رہ کر علم حاصل کیا، بالآخر ۱۲۲۲ھ میں دہلی تشریف لائے، پنجابی کٹڑہ کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا کرتے تھے، اور مولوی عبدالخالق سے، جو مولانا شاہ اسحاق کے ارشد تلامذہ سے تھے، چند کتب عربی کی پڑھیں، اس طرح مولانا شاہ عبدالقادر، اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحبان بن شاہ ولی اللہ صاحب سے پڑھا، جب آپ نے تحصیل علوم سے فراغ حاصل کیا، تو مولوی عبدالخالق صاحب کے اس قدر منظور نظر ٹھہرے، کہ انہوں نے ۱۲۲۴ھ میں اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کر دیا، اس کے بعد آپ نے، مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ سے حدیث و تفسیر پڑھی، اور تیرہ برس آپ کی خدمت میں رہ کر بہت سے فیوض و برکات حاصل کئے، غرض آپ ایسے مرتبہ کامل کو پہنچ گئے، کہ اپنے استاد علام کے سامنے فتوے دیتے اور فیصلے کرتے تھے۔

ماہ شوال ۱۲۵۸ھ میں، حضرت شاہ محمد اسحاق نے آپ کو اجازت علوم حدیث وغیرہ سے مستند فرما کر مقدم الوقت کر دیا، اور ہجرت کے وقت آپ کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر فرمایا،

**فقہ و حدیث میں مہارت** | مولوی نذیر حسین بہت صاحب استعداد ہیں خصوصاً فقہ



نفاذ فقہ میں ایسی استعداد بہم پہنچاتی ہے کہ اپنے فطرت و اقرار سے  
گوئے سبقت لے گئے ہیں، دعایت میں آج بے نظیر ہیں، باوجود اس  
کمال اور استعداد کے خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، بہ اعتبار  
سن کے جوان، اور باعتبار طبیعت علم اور وضع مہین کے پیر — ! (۱۱)“

۱۲۵۰ء تک آپ کو فقہ وغیرہ تمام علوم و فنون سے ایک خاص مذاق اور لگاؤ تھا، لیکن  
اس کے بعد قرآن اور حدیث کے درس و تدریس کی محبت آپ پر ایسی غالب ہوئی کہ آپ اس کے  
مصدق ہو گئے۔

ما آنچہ خواہدہ ایم فراموش کردہ ایم  
الاحادیث دوست کہ تندر می کنم، !

مارے ہندوستان، نیز ہندوستان کے باہر بھی مین، جند، سنوکن، اندلس، افغانستان  
کشمیر، خراسان، کاشغر، برما، چین، جاوا تک آپ کے ملاگرد پھیلے پڑے ہیں۔

عرصے سے آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد، مولانا شاہ عبدالغفور صاحب کے ترجمہ قرآن  
شریف کے دو میں رکوع روزانہ سب کو پڑھایا کرتے تھے، اس کے بعد حدیث شریف کا درس ہوتا  
تھا، دس بجے آپ مسجد سے سیدھے اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لاتے، اور تخت پر  
بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، کثرت اشتغال علم حدیث، اور جواب استفادہ وغیرہ سے آپ کو تائین  
و تصنیف کی زیادہ فرصت نہ ملی، صرف ضرورت وقتی کے لحاظ سے آپ نے چند رسالے لکھے ہیں۔

۱۔ معیار الحق

۲۔ واقعۃ القتل

۳۔ واقعۃ

۴۔ ثبوت الحق الحقیق

۱۱۔ آثار الصادقہ (سر سید احمد خان)

۵ - فلاح الالی بابا ع البنی ۲

۶ - ابطال عمل المولد

نیز ایک رسالہ عورتوں کے زورات کے بیان میں، البتہ اگر آپ کے فائدے جمع کئے جائیں، تو اس قدر ہیں کہ کئی جلدوں میں بھی نہ سمائیں۔

بزرگانِ دین کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ ان پر کفر کا فتویٰ ہو جاتے، یہ سلوک بھی آپ کے ساتھ ہو چکا، مسئلہ میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے، تو وہاں بہت کچھ اودھم مچا، مگر آپ اس آزدائش میں بھی پورے اترے،

سارے شہر میں "میال صاحب" کے پیارے ہم سے پکارے جاتے تھے، لباس بالکل سادہ تھا، اگر لنگی اوڑھے رہتے تھے شہر میں پا پیادہ پھرتے تھے، مگر سچا اللہ کیا خدا داد عزت تھی کہ جدھر سے گند جاتے تھے، لوگ کھڑے ہو جاتے تھے،

آپ کے ایک ہی صاحبزادے تھے، مولوی سید خریف حسین، جو علم و فضل اور تقویٰ میں باپ کے قدم بہ قدم تھے، اور درس و تدریس کا سارا بار خود اٹھاتے ہوئے تھے، وہ باپ کی حیات میں قضا کئے، دو صاحبزادے چھوٹے مولوی عبدالسلام اور مولوی ابوالحسن،

بجز کبر سنی کے کوئی خاص مرن نہ تھا، پلنگ پر لیٹے رہتے تھے اور ہاتھ میں تسبیح رہتے تھے۔ ہر وقت بے خودی اور استغراق کا عالم طاری رہتا تھا، نماز کے وقت خود بیٹھا ہو جاتے تھے، اٹھ کر سہارا سے کرسی پر بیٹھا دیا، نادر پڑھ لی، پھر سکون کی حالت ہو جاتی تھی، یہی حال تسبیح و تہلیل کا تھا، اگر تسبیح ہاتھ سے چھٹ گئی تو بس بے چین ہو گئے، پھر دے دی پڑھنے لگے،

۱۰ رجب ۱۳۱۳ھ شنبہ ۱۳ ستمبر ۱۳۱۳ھ کو انتقال فرمایا، اور شیدی پورے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۱)

۱۱ واقعات دارالحکومت دہلی صہ دوم دبیر الدین احمد ص ۲۶

سر سید میاں صاحب کے ذکر میں فرماتے ہیں : —

## سر سید کی تحریر

زبدۂ اہل کمال، اسوۂ ارباب فضل افضال، مولوی سید مدیر حسین صاحب بہت صاحب استعداد ہیں، خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بہم پہنچائی ہے کہ اپنے لفظاً و قرآن سے گوئے سبقت لے گئے ہیں روایت کثیف میں آج بے نظیر ہیں باوجود اس کمال اور اس استعداد کے مزاج میں خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، باعتبار اس کے سوانح اور باعتبار طبیعت حلیم اور وضع متین کے پیر - (۱)

”مولوی محمد نذیر حسین صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی حفیظ

## خدماتِ غدر

اللہ خاں صاحب نے غدر میں ایک دو میمیں اور بچوں کو اپنے گھر میں

چھپایا تھا۔ اس صلے میں انگریزوں نے ان کو الھام دیا۔ اور ان کی خیر خواہی کی ہمدردی کی۔ (۲)

لے مذکرہ اہل دہلی دسر سید، ص ۸

لے نصرت ہمارے گورنمنٹ ص ۶۵

## شاہ محمد مخصوص اللہ

(ابن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ)

متوفی ۱۲۴۳ھ = ۱۸۵۷ء

برایت لو اب خواجہ مصلح الدین احمد بن خواجہ شرف الدین احمد (کوچہ پیلان دہلی)۔  
مقدس بزرگ زاہد و عابد شب زندہ دار تدریس و تعلیم کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا اور یہ بزم  
روشن الدولہ کی مسجد (واقعہ قاضی واڑہ) میں منعقد تھی عاملِ آئین و رفیع الدین تھے، سرسید احمد خاں  
مرحوم آپ کے شاگردوں سے تھے، اور اسی وجہ سے وہ آخر تک ان مسلوں کے عامل رہے، خاندان مغلیہ  
کی شہزادیاں سوہیلی پر تشریف لانے کی زحمت دیتیں، مکلف کھانوں کے خزان خدمت عالی میں پیش ہوتے  
جن پر آپ دعا پڑھتے اور مساکین کو بانٹ دیتے طلباء اعتراف کرتے تو آپ فرماتے ہیں اس معلم کو متوفی  
کی تسک کر دیتا ہوں پھر اعتراف ہوتا تو فرماتے میاں اس پہلے سے مساکین کو کھانا مل جاتا ہے مدرسہ  
میں بھی کھانوں کے خزان آتے اور اسی طرح لٹا دیتے جاتے اپنی بسر و بات اس موضع کی آمدنی پر تھی  
جو غازی عالمگیر مرحوم نے آپ کے مورث اعلیٰ (شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمۃ) کے نذر کیا تھا اور جو اب تک  
اہل اللہ (ابن شاہ عبدالرحیم) کے ورثہ کے قبضہ میں ہے۔

شاہ محمد مخصوص اللہ کی ایک صاحبزادی امۃ الغفار تھیں صحاح ستہ پڑھی ہوئی تھیں۔

بڑی زاہدہ اللیم اغفر لہا و لا یہا۔ (۱)

اس کے بعد آپ کا وہ ترجمہ لکھا جاتا ہے جو صاحب "حیات ولی" نے قلمبند فرمایا۔

۱۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند ص ۱۱۱



”تمام علوم کی تحصیل اپنے عم بزرگوار جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کی اور چندی دلوں میں اپنے ہمعصروں سے گونے سبقت لے گئے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک زمانہ تک مدرسہ طلیعہ میں مصروف رہے اور اوقات فراغ میں علمی و فنی و فنی کی ترویج میں مصروف رہے چونکہ ۲۰-۲۵ سال تک برابر مولانا صاحب کی خدمت میں قرأت کلام الہی اور حدیث رسالت پناہی کرتے رہے اور آپ کی تفسیر گوشت و ہوش کا ذخیرہ فرماتے رہے اس لیے آپ نے حدیث و تفسیر میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان دونوں فنون کے جو بیش قیمت اور انمول جواہر آپ کے خزانہ نیر میں تھے، وہ اور کہیں نہ پائے جاتے تھے، علاوہ حدیث و تفسیر کے فقہ و عقائد کلام اصول وغیرہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے اور ان علوم کو عروج کمال تک پہنچا دیا تھا اور چونکہ آپ کی طبیعت زیادہ تر عبادت و سنت اور مزاج زیادہ تر سادہ واقع ہوئی تھی اس لیے آخر عمر میں سررشتہ مدرسہ طلیعہ سے دے کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ہمیشہ عبادت الہی میں مصروف رہتے تھے آپ کے اوقات اس درجہ مجموعہ تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں ادیانے کرام کے اوقات ایسے ہوں گے اور چونکہ آپ کی ساری ہمت عبادت الہی اور تقویٰ شکاری میں مصروف تھی لہذا نظم عربی اور انشا پروازی کی طرف میلان طبع نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا کوئی کلام بادیہ و تحقیقات کے مجھے دستیاب نہ ہوا (۱)

امیر المومنین سید احمد بریلوی سے بیعت تھے آخر عمر میں دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

مولوی عبدالرشید مراد شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی (۲)

**آئندہ**

لے حیات ولی مر ۳۴۹

لے تراجم علل اہل حدیث صفحہ اول، ص ۱۱۵

## شاہ محمد یعقوب مہاجر مکی <sup>(۱۶)</sup>

متوفی ۲۷ ذیقعد ۱۲۸۳ھ = ۳ اپریل ۱۸۶۷ء

شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر کے چھوٹے بھائی ہیں علم و فضل میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اور خلق جمیل صفات جزیل قناعت استغنا میں آپ کی مثال ہزار تلاش کے بعد بھی نہیں ملے گی اکثر لوگ آپ کے پاس ہدایا اور تحفے لے کر حاضر ہوتے لیکن آپ کسی چیز کو نگاہ قبول سے نہ دیکھتے تھے بلکہ جو سرمایہ آپ پاس رکھتے تھے اُس میں قوت لبری کرتے آپ نے بھی اپنے برادر عزیز کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ میں توطن اختیار کر لیا اور انجام کار وہیں رحلت فرمائی تھے۔

السید احمد دامیر المومنین کی بیعت سے مشرف تھے جب تک دہلی مقیم رہے یہاں تدبیر فرمائی مکہ معظمہ قیام کیا وہاں بھی اپنے برادر بزرگ الصدور الحمید مولا مہاجر شاہ محمد اسحاق صاحب کے دوست بدوش پر مشغول جاری رہا دہلی کے مکالمہ میں حکیم عبدالحمید شہاں لام پوری اور مکہ کے اجازہ سے والا جاہ السید صدیق حسن خان والی بھوپال کے اساتذہ گرامی معلوم ہو سکے ہیں۔

سلسلہ اولاد کی اگلی سے اب تک محرومی ہے مکہ معظمہ ہی میں شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد رحلت فرمائی۔

سلسلہ السنوی مطبوعہ مکہ معظمہ (حاشیہ) ص ۵۴

۱۔ حیات ولی ص ۲۳۸

۲۔ تذکرہ کالملاں رام پور ص ۲۴۲

۳۔ مآثر مدنی ص ۱۷

(۱۶)

## مولوی احمد علی محدث سہا پوری

عالم فاضل۔ فقہ محدث جامع متون و معتقل حاوی فروع و اصول تھے حفظ قرآن کے بعد علوم عربیہ و غیرہ میں مشغول ہوئے اور اپنے ملک کے علماء و فضلاء سے علوم مہکادہ حاصل کر کے دہلی میں مولانا محمد اسحاق محدث سے حدیث کو پڑھا اور اس کی سند ان سے لی پھر حج کیا اور عربین شریفین کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی اور پھر دہلی میں آکر مطبع احمدی نام جاری کیا جو غدر تک بڑے زور شور سے جاری رہا اور اس میں بڑی بڑی علمی کتابیں اس کے اہتمام اور بخشنے سے چھپتی رہیں خصوصاً صحیح بخاری و غیرہ پر اپنے عمدہ حواشی چھڑھوائی اور ان میں حنفی مذہب کی خوب مائتہ کی عددہ تحشیہ و تعلیقات کے ایک رسالہ الدلیل القیدی علی ترک القراءۃ للتمتقی خوب تحقیق و تدقیق سے فارسی میں تصنیف فرمایا جس کا ترجمہ اردو میں اب چھپا ہوا موجود ہے مطبع مسندت ہونے کے بعد آپ اپنے وطن مالوہ سہارنپور میں آگئے جہاں مرض فالج سے ۶ جمادی اول ۱۲۹۷ھ کو وفات پائی خزانہ خلی آپ کی تاریخ وفات ہے آپ سے بذریعہ مدرسہ اہل الطباع کتب عنیہ کئی تنسیخیں علمی ہوئی۔ ۱۱

## شاہ ابوالسعید صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ دہلوی مجددی

علوم ظاہری و باطنی فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ میں طاق یگانہ آفاق تھے مام پور میں دم ماہ ذی قعدہ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے علوم ظاہری معنی ثروت الدین دہلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی سے حاصل کیے اور نیز مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت سراج احمد بن شیخ محمد مرشد سے علم فقہ و حدیث کی سند حاصل کی بعد تحصیل علوم ظاہری کے علوم باطنی کو پہلے اپنے والد ماجد سے حاصل کیا پھر ان کی اجازت سے شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہو کر خرقہ خلافت کا پایا چونکہ ابھی شوق خدا طلبی کا باقی تھا اس لیے آپ مام پور سے دہلی آئے اور نامی شاہ اللہ پانی پتی کے مام خدا طلبی کے باب میں خط لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ اس وقت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی شخص نہیں اس پر آپ شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر مقام ٹونک میں پہنچے ۳۵ھ یا کی عمر میں عید الفطر کے روز ۲۵ھ میں وفات پائی اور بعد غسل جنازہ کے آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالغنی تھے آپ کی لاش مبارک کو صندوق میں ڈال کر چالیس روز کے بعد دہلی میں لا کر حضرت شاہ غلام علی اور میرزا مظہر جانناں کے پہلو میں دفن کیا۔ ۱۱۱



## عہد بہادر شاہ کے شعر

ملات گزرتی جا رہی ہے شمع جھٹلا رہی ہے۔ یادیں بزم ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں۔ حاضرین جمائیں گے، سب سے پہلے اور ایسا معدوم ہوتا ہے شعر و شاعری کی لہذا طائفا جاتی ہے۔ لیکن وقتاً فوقتاً نوجوان باغ معنی کی خوش اعلانی اور نغمہ سرائی پھر سے ایک سماں پیدا کرتی ہے جو اٹھ رہے تھے وہ بیٹھ گئے جو اٹھ چکے تھے وہ بہت ترقی و توجہ بن گئے درجہ دلی کے ساتھ چین پیشانی پر محفل سے باہر جا چکے تھے یہ نغمہ دہائیاں سن کر ٹھٹھکے، رکے ٹھیرے اور پوشش اشتیاق کے ساتھ پھر سے شریک بزم ہو گئے اکٹرا ہوا رنگ جم گیا جھٹلاتی ہوئی شمع کی لہر بھڑائی اور قائم ہو گئی سب پر سرور و کیف کا عالم طاری ہو گیا، ہر کوئی بے خوف ہر کوئی مدح و تحسین طرازی یا معنی سحر حلال تھی۔

من ملیت لیسوا

غزل اس نے چھڑی مجھے ساز دینا

اس عہد ادب و انحطاط میں فن شعر اپنے عروج کو پہنچ گیا، جس نے قصیدہ کی طرف توجہ کی دو بے بہا نظر آئے، جس نے غزل سرائی کو شمار بنایا، یکتا دکھائی دیا، الفاظ کی تراش خواہشیں بہت خیالات، تین ہمت، تشبیہات و استعارات میں ازگی و رعنائی تریبوں اندہ بندش میں شریعتی اہد باکین :

اس دلا کے شعر پر ایک نظر ڈالنے تو ہر طرف کے اکال نظر آئیں گے کوئی فیاضیت کی کٹہر نہیں بے نظیر ہے کوئی زبان و محاورہ نہ ہوتا۔ اس کا انداز نے امتیاز پہل

مستحق کوئی ادق الفاظ اور پیچیدہ ترکیب کا ماہر غرض جو ہے وہ بے شمس، لا جواب  
انتخاب :-

عبد بہادر شاہ کے شعراء کی فرست زنگارنگ اور بوقلموں پرے نگاہ انتخاب حیران  
ہند کے چھوٹے سے ادب کے توڑے زبان عقیدت ششدر ہئے کس کی مدحت طرازی  
کہ سے اور کسے تنقید و تعلق کا ہدف بنا ئے فن کا مقصد و مائدہ نظر آتا ہے۔ کس  
پر کھے اور کسے با پیچھے؟ ایسے موقع پر پی کا جا سکتا ہے کہ اس طبقہ کے "خواص"  
پر نظر خوش گزرے، مثال لی بائے فن کی عظمت و بلالت کا ایک ہکا سا اندازہ تو  
جو ہی جائے گا۔

شعرا کا ذکر میں نے حروف تہجی کے اعتبار سے کیا ہے :-

## خواجہ غلام غوث بے خبر

خلف خواجہ قطب الدہ کشمیری ان کے مورث اعلیٰ سلطان زین العابدین بادشاہ کشمیر کی اولاد سے تھے سلطان مغلیہ کے تسلط کشمیر کے زمانے میں خواجہ بے خبر کے بعض بزرگ کشمیر میں قاضی رہے بے خبر کے والد کشمیر سے ترک وطن کر کے لاسہ (بنت) چلے گئے وہاں سے ریاست نیپال پہنچے۔

خواجہ نیپال نے بڑی عزت کی خواجہ غلام غوث نیپال میں ۱۸۱۲ء میں ۱۲۴۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے چار برس کی عمر میں ان کے والد ہندوستان آگئے اور بنارس میں قیام کیا خواجہ صاحب نے یہیں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی ان کے خاوندان بہادر مولوی سید محمد علی لکھنؤ گورنمنٹ کالج شمال مغرب کے میونسٹی تھے بے خبر ۱۲ سال کی عمر میں ۱۸۲۷ء میں میونسٹی کے نائب مقرر ہوئے صوبہ کا صدر مقام لکھنؤ تھا، بے خبر توں آگرہ رہے جب لارڈ ایلن برکگورنر جنرل (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء) نے گوالیار چلے کیا (۱۸۴۲ء) تو گورنر کے منشی خزانہ کے ساتھ بے خبر بھی شریک مہم ہوئے اور خانہ جنگ پر کارگزاری کے صلہ میں نفع پائی۔ اس وقت ان کی عمر انیس برس کی تھی۔ خانہ کی منشن کے بعد ان کی جگہ میونسٹی ہو گئے خد کے زمانے میں صوبہ ہندوستان کی جان بچالی اور گورنمنٹ کے بھی انتہاء درجہ کے وفادار رہے اس کے صلہ میں سند اور خدمت و عزت پانچ سو قین و قوم بواہر سرکار کی طرف سے مرحمت ہوئے ملک و کٹوریہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقع پر لارڈ لٹن نے جوہر باریا اس میں بھی خواجہ صاحب کو تمغہ قیصری عطا ہوا۔ پنتیا لیس سال کی ملازمت کے بعد ۱۸۵۵ء میں منشن لی گورنمنٹ نے خان بہادر ذوالقدر کا خطاب پانچ سو مزید اعزاز بخشا کہ منشن لینے کے لیے عدالت کی حاضری معاف کی منشن کے بعد نواب غلام اسٹان کلب علی خان بہادر ولسی رامپور نے خواجہ صاحب کو ریاست کا مدارالہام بنا نا چاہا لیکن انھوں نے شکریہ کے ساتھ معافی چاہی اور آخر عمر کو بادالہی میں گزار کر ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔

بے خبر عربی و فارسی کے عالم تھے فارسی کے ایسے بلند پایہ شاعر تھے کہ اہل زبان ایران جو

ہندوستان ہوئے انہوں نے ان کی زبان دانی و لکتہ سخن کی داد دی۔ بے خبر مرزا غالب سے چھوٹے  
تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے غالب باوجود بڑے ہونے کے بے خبر کی نہایت عزت کرتے  
تھے اور خط میں قبلہ اور مولانا لکھتے تھے بے خبر کی سخن گوئی کے ایسے مداح تھے کہ ان کو ایک خط میں  
لکھا تھا :-

و رامپو ہی میں تھا کہ اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر افروز ہوئی، کیا کہنا ہے ! ابداع  
اس کو کہتے ہیں جدت طرز اس کا نام ہے جو ڈھنگ تازہ نوایں ایران کے خیال میں نہ گذرا  
تھا وہ تم پر ہوئے کار لائے نہ اتم کو سلامت رکھے،  
رقعات غالب کا پہلا مجموعہ (عود ہندی) بے خبر کی امانت و مشورہ سے طبع ہوا،

ط : "عود ہندی" میں رقعہ غالب کے ساتھ بے خبر کی وہ غزل بھی درج ہے جو مسلسل کہی ہے مطلع و مقطع  
لہ ایک شعر نقل کیا جا رہے

چشم کہ باز شد ز خواب فتنہ ازو بچار سوست	پر وہ رخ کہ بر کشادہ ہر ز شرم زرد اوست
جام صبو حے کہ زد ؛ شیشہ بسجدہ می رود	مے ز لب کہ کام یافت ؛ جوش نشاط دہد سوست
مخت کجاست بخیبر ؛ آہر کاب اودوم	بر سرہ نشسته ام نیم نگاہم آزدوست

ط : داستان تاریخ اردو (حامد حسن قادری) صفحہ ۲۵۵



(۲)

## شیخ محمد ابراہیم ذوق

بہادر شاہ کے استاد تھے اعلیٰ زبان کے بادشاہ تھے الفاظ ان کی کمال میں طے پاتے تھے  
محامدات ایجاد کرتے تھے نئی نئی ترکیبیں اور بندشیں کنیز کی طرح ان کی خدمت میں حاضر  
رہتی تھیں پرگو تھے زودگو تھے ان کی زبان مستند تھی۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

سرستید من کی خدمت میں خراج عقیدت یوں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عہدہ استاد دی سلطان عصر محمد سراج الدین بہادر شاہ سے ممتاز اور پیش گوہ سلطنت سے  
خطاب بانی ہند سے سرغراز ہیں مشت سخمہ می اس درجہ کو پہنچی رہے کہ کوئی بات اس صاحب  
سخن کی غالب ہے کہ پیرایہ وزن سے مترانہ ہوگی، پرگو اور خوش گو غزل جیسی ہی اور قصائد ویسے ہی  
غزل گوئی میں سعدی و حافظ و تقیہ میں انوری و خاقانی مشوی میں نظامی ٹو اگر بر سخن گو کی شاگرد  
سے فخر ہو تو کچھ عجب نہیں شمار ان کے اشعار گہر نثار کا بجز عالم الغیب کے اور کوئی نہیں کہ  
نکتا، اس متدا جامعیت کہ فصاحت عبارت اور متانت ترکیب اور تازگی طرز اور جدت  
معنی اور غرابت تشبیہ اور حسن استعارہ اور خوش سلوکی کنایہ اور لطف تلمیح اور پائے الفاظ  
اور تنک و زنجی کلمات اور بہت قافیہ اور نشست و ولیف نظم و لیس کلام اور حسن آغاز و  
انجام ایک جائے میں جمع ہیں مقتدرین سے متاخرین تک کسی اور فرد بشر کو حاصل نہیں ہوئی

ط : تذکرہ اہل دہلی (سرستید احمد خاں) ص ۱۹۸

محمد حسین آزاد کہتے ہیں :-

مک الشعراء غافقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سیاح تھے وہ دہلی میں کابلی دروازے کے پاس رہتے تھے شیخ ابن کے اکلوتے بیٹے تھے سلسلہ میں پیدا ہوئے۔

**ذوق کا علیہ اور وضع** | استاد ذوق قدومت میں متوسط اندام رنگ اچھا سانولا چہرے پر چمپک کے بہت سے داغ آنکھیں بڑی بڑی اور روشن اور نگاہیں تیز چہرے کا نقشہ کھڑا کھڑا سفید تنگ پانچاڑ، سفید کرتا اور سفید ہی اکر کھما سر پر ٹل کی ٹوپی گول چندو سے کی۔

**ذوق اور شاہ عبدالعزیز** | کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب بڑی اکبر ثانی اور ابو ظفر بہادر شاہ اور شیخ محمد ذوق کے استاد تھے جب شاہ نصیر صاحب اور ذوق کا دل کھٹا ہو گیا اور اصلاح موقوف ہوئی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا عبد العزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غم سے سننے لگے کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا :-

استاد مجھ گندگار سے ناخوش ہو گئے، شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے کیونکہ مولانا عبد العزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ہیں ان کے بیان اور گفتگو کو سننا ہوں اور اردو کے محاورہ سے روزمرہ یاد کرتا ہوں اس کے لئے کہ شاہ عبد العزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے مطابق اردو زبان سیکھنے کے لئے خواجہ میر قدوسی کی خدمت میں چھپٹن سے حاضر ہوئے تھے اور چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر کو سنا کرتے تھے اور

ط : آب حیات (از محمد حسین آزاد)

ط : دہلی کی آخری شمع ص ۲۸

محمود است کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے مولانا ولی اللہ صاحب اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے سچے اصول حدیث اور اصول فقہ فن ہے اسی طرح بھول ناپلن بھی فن ہے اور اردو زبان کے مجدد اور مجدد بنو احمد میر درد صاحب ہیں آپ کی صحبت کو اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو کیونکہ خواجہ میر درد صاحب کے استاد ہیں چنانچہ شاہ عبد القادر صاحب خاص طور پر میر درد کے تھے۔ تو شاہ نصیر صاحب کا تذکرہ تھا شاہ صاحب جیسے بالکل تھے ویسے ہی کم رو تھے ایک دن پلٹن کے چار سپاہی دشمن پود سے ہیں جہاں شاہ نصیر صاحب رہتے تھے یہ کہتے ہوئے آئے کہ ہمارے صوبیدار صاحب ہندوستانی کپڑے سلوائیں گئے ایک درزی کی ضرورت ہے اگر ہر محال میں کوئی درزی رہا ہو تو بتا دو کپڑے سی آئے منہ مانگی سلوائی سے آئے غمی کے کٹڑ پر چند اوباش بیٹھے تھے انھوں نے کہا دیکھو یہ سامنے والا جو مکان ہے اس میں ایک درزی رہتا ہے جو بڑا کارگر ہے اسے شاہ صاحب لہہ کر پکار لو اور جب وہ دروازے پر آئے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر کہو سینے چلو وہ کہے گا میں درزی نہیں ہوں مگر تم یقین نہ کرنا اور اپنے ساتھ پڑاؤ پر لے جانا اور کچھ سلوانا ہو سلوائیں چنانچہ شاہ نصیر صاحب نے جوبلی سے باہر آئے تو ان کی صورت پر درزی اپن برتا تھا کیونکہ ظاہری شان سے خدا نے حضرت کو محروم کر دیا تھا بہتر انھوں نے کہا میں درزی نہیں ہوں۔ لیکن

سپاہیوں کو محلے کے بدعواش پیسے سبق سے چکے تھے وہ بھلا کب مانتے تھے روکوس پیدل چل کر پڑاؤ پر انھیں لے پہنچے صوبیدار صاحب نے انھیں اپنے ڈیرے میں بٹھایا اور نمین سکھ کا ایک تھان منگا کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ شاہ صاحب نے نمین سکھ کے تھان کو الٹ پلٹ کر کہا کفن تو سی ہی ہیں گامریت کا ڈیل ڈول اور قند قامت تو تیری جس کے انداز پر کفن اور پوٹ کی چادر بچاؤ صوبیدار نے کہا ہم نے تمہیں گولھا سونے کے لیے بلایا ہے۔

شاہ صاحب : میں تو کفن دوز درزی ہوں !

صوبیدار : آپ نے ہمارے آدمیوں کو بتایا نہیں تھا ؟

شاہ صاحب : میں نے سب کچھ بھائی اور بتایا تھا مگر وہ ٹھیک پور کے گنوار ہیں وہی کی



ہوئی ان کے سمجھ میں نہیں آئی اور مجھے مذہبستی پکڑ لائے ۔

صوبیدار : قریب الہی ان سپاہیوں نے صبح ہی صبح کیا بدشگونئی نکوئی ہے۔ میاں صاحب خدا کے لئے آپ ہم سے سواری لیجئے اور گھڑی کے چوتھائی میں گھر سدھائیئے اور کبھی خدا ایسا موقع نہ لائے کہ آپ ہماری ٹپن میں آئیں !

جب شاہ صاحب نے یہ لطیفہ بادشاہ کو سنایا تو بادشاہ ہنسی کے مارے لوٹ ہو گئے اور فرمایا وہ استاد آپ نے یہاں بھی نازک خیالی کو نہ چھوڑا اور اپنے تئیں کفن و مذکورہ کر چھپا چھپا بادشاہ سے سپاہی اور صوبیدار آپ کو بہت پریشان کرتے کیونکہ یہ لوگ ذرے اور جٹ ہوتے ہیں۔

ذوق کا بہت بڑا اکھنامہ یہ ہے کہ لغوں نے زبان کو خوب صاف کیا اور اس پر چلا دی، وہ ایک بڑے صنّاع تھے اور

## ذوق کی خدمت زبان

الفاظ کی نشست اور مناسب استعمال سے کماحقہ واقف تھے محاورات اور مثال کے استعمال میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے، الفاظ کا محل استعمال فن عروض سے واقفیت موسیقیت، کلام، اندر تخلیل اور طبعی مضامین یہ سب چیزیں مل کر ان کے کلام کا جوہر اعلیٰ بن گئی ہیں کسی دوسرے شاعر کے کلام میں لطف الفاظ کے ساتھ خوبی معنی اس قدر نہیں پائی جاتی ۔

ذوق کی شاعری میں تکلف اور تشنع بالکل نہیں ہے ان کے ماں تشبیہات اور استعارات

## انداز کلام

اور دیگر ضائع بدائع نہایت مناسبت سے کالمح فی الطعّم استعمال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے شعر کا حسن و بالا ہو جاتا۔ ان کے کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شاعر اپنی قابلیت اور علم و فضل کا مذہبستی اظہار کرنا چاہتا ہے کلام میں روانی اور نرمی بہت ہے اعلیٰ تخلیل اور طبعی مضامین کبھی الفاظ کی خوبصورتی اور صرفت بر محل کے مزاجم نہیں ہوتے ہر شعر بر محل اور شور و زواد سے پاک ہوتا ہے سست اشعار ان کے دلوں میں نہیں ہیں قوت کلام اور تنوع مضامین کے اعتبار سے ان کا مقابلہ سودا سے کیا

ط : لال قلعہ کی ایک جھلک (ناصر ندیم فریق) ص ۱۷۱



جاسکتا ہے اور ان ہی کے متبع تھے بھی مگر ان کے ہاں اور استادوں کا بھی رنگ موجود ہے مثلاً خواجہ میر درد اور جرأت مصطفیٰ قصیدہ میں وہ کامل استاد مانے گئے ہیں اور اپنے تمام معاصرین پر سبقت لے گئے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے اکثر قصائد ضائع ہو گئے مگر جو کچھ بچا ہے اسے سامنے ہیں وہ ان کی قادر الکلامی اعلیٰ تخیل اور بلند پروازی اور روانی کلام کے بے مثل نمونے ہیں اس صفت میں وہ آپ اپنی نظیر تھے۔ ان کی غزلیں آذکی مضامین خوبی محاورہ سادگی اور صفائی کے لیے مشہور ہیں ان کے کلام میں شاہ نصیر، سودا درد، مصطفیٰ اور جرأت سب کا رنگ پایا جاتا ہے اسی وجہ سے ان کے کلام کو گلدستہ گھاسنے کا رنگ کہنا بے جا نہیں ان کی وہ غزلیں جو جرأت کے رنگ میں ہیں مگر جرأت کے عیوب سے پاک ہیں۔ نزایت اعلیٰ درجہ کی ہیں ان کے کلام پر بعض لوگوں کو یہ اعتراض ہے کہ وہ معاصی سے پاک نہیں ہے اور عام لوگوں کے لیے ہے۔

ایک دفعہ برسات کا موسم تھا بادشاہ قطب میں تھے یہ ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے اس وقت قصیدہ کہہ رہے تھے چڑیاں سائبان میں تنکے رکھ کر گھونسلانا رہی تھیں اور تنکے جو گرتے تھے انھیں لینے کو بار بار ان کے پاس آ بیٹھتی تھیں یہ عالم محویت میں بیٹھے تھے ایک چڑیا سر پر ان بیٹھی انھوں نے لہجہ سے ارادیا تھوڑی دیر میں پھر ان بیٹھی انھوں نے پھر ارادیا جب کہی دفعہ ایسا ہوا تو ہنس کر کہا:-

اے غیبیانی نے میرے سر کو کب تروں کی چھتری بنالیا ہے ایک طرف میں بیٹھا تھا۔  
ایک طرف حافظ ویران بیٹھے تھے وہ نابینا ہیں انھوں نے پوچھا  
حضرت کیا ؟

میں نے مال بیان کیا، ویران بولے !

وہ ہمارے سر پر تو نہیں بیٹھی !

ط : تاریخ ادب اردو - رام بابو سکسینہ صفحہ ۳۱۰

استاد نے کہا

”میٹھے کیونکر؟ مانتی ہے کہ یہ فلا ہے عالم ہے حافظ ہے بھی اہل لکم الصید کی آیت پڑھ کر کھلو اور اللہ بسم اللہ - اللہ اکبر کر دے گا۔ دیوانی ہے جو تمہارے سر پر آئے گی۔“

۴ صفر ۱۲۷۱ھ ہجری جمعات کا دن تھا، شراب و ن بہیار رہ کر وفات پائی۔ مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا۔

**ذوق کی وفات**

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا  
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرتے

قدم شریف کے پاس گلو کا تکیہ دلی کا مشہور قبرستان ہے یہیں ایک عجب اعلیٰ اور پیل اور نیم کے تین درخت برابر واقع ہیں جن کے متصل ایک شہنشاہ چار دیواری کے اندر طوطی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق، ابو ظفر سراج الدین بادشاہ کے استاد آرام فراتے ہیں۔

**ذوق کا مزار**

**نمونہ کلام**

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا  
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہ گاروں کا

مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا  
پر ذکر سارا نہیں آتا نہیں آتا

ط : آب حیات (از محمد حسین آزاد)

ط : آب حیات (از محمد حسین آزاد)

ط : واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم (بشیر الدین احمد) ص ۴۴

کہے ہئے خنجرِ قاتل سے یہ گلو میرا  
کمی ہو مجھ سے کرے تو پٹے لہو میرا

خطِ پٹہ کے اور بھی وہ ٹوا پیچ و تاب میں  
کیا بانسے کچھ دیا آستہ کیا اضطراب میں

وہ جنازہ پر مرے کس وقت آئے دیکھنا  
جبکہ اذنِ عام میرے اقربا کہنے کو تھے

ہاں تاتل دمِ ناکِ بنگلنی خوب نہیں  
ابھی چھاتی میری تیریں سے چھینی خوب نہیں

اُس خودکش کا گھر مجھے جنت سے ہوا ہے  
پر وہاں قریب ہو تو جہنم سے کم نہیں

دیکھسا دمِ نزعِ دل آرام کو  
عید ہوئی ذوقِ دسے شام کو

عبث تم اپنا لگاؤٹ سے منہ بتاتے ہو  
وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

تو جان ہے ماری اور جان ہے تو سب کچھ  
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

نُصرت لے لئے زنداں جنوں زنجیر و کڑ کاٹے ہوئے  
مژدہ غار و شست پھر تو اسرا کھجائے ہوئے

قطرہ قطرہ آنسو جس کی طوفاں طوفاں شدت ہوئے  
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہوئے

زخمی میں ہوا ہوں تیری دُردیدہ نظر سے  
جانے کا نہیں چور سے زخم جگر سے

نگہ کا دار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی  
چلی تھی بچھی کسی پر کسی کے آن لگی

اُلفت کا نشان جب کوئی مڑ جائے تو جانے  
یہ دوسرا کیا ہے کہ سر جائے تو جانے



## مسلسل کلام کا نمونہ اور اس کی روانی بھی دیکھ لیجئے

کہوں کیا ذوق احوال شب بھر  
 کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے  
 نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھے  
 مرے بخت سیہ کی تیرگی نے  
 تپ غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم  
 اور آتے تھے پسینوں پر پسینے  
 یہی کہتا تھا گھبرا کر نکل سے  
 کہ اوسے مہر بد اختر کیلئے  
 کہاں میں اور کہاں یہ شب گر تھے  
 مری جانب سے تیرے دام میں کیلئے  
 سو اہن ظلمت کے پردے میں کیے ظلم  
 اسے ظالم تیری کیلئے وری نے  
 عرض کس بادہ نوشی کے مجھے آج  
 پڑے یہ زہر کے سگھونٹ پینے

حواس و ہوش جو مجھ سے قریب تھے  
 قرینے سے ہوئے سب قریب  
 مری سینہ زنی کا شہد سن کر  
 بچھٹے جاتے تھے ہمایوں کے سینے  
 اٹھایا گاہ اور گاہ سے بٹھایا  
 مجھے بے تابی و بے طاقتی نے  
 کہا جب لڑنے تو کچھ کھل کے سورا  
 بہت الماس کے توڑے سنگینے  
 نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ  
 بہت سی جان توڑی جان کنی نے  
 بہت دیکھا نہ دکھلایا ذرا بھی  
 طلوع صبح سے منہ روشنی نے  
 کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات  
 یقین ہے صبح تک سے گی نہ جینے  
 لگے پانی چلانے منہ میں آنسو  
 پڑھی لیسین سرمانے بیکی نے  
 مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی  
 لگا رکھے تھے میری زندگی نے

کہ قسمت سے قریباً نہ میرے  
 اذان مسجد میں دی باسے کسی نے  
 بشارت مجھ کو صبحِ دل نے دی  
 اذان کے ساتھ یمن و فرقی نے  
 ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر  
 کہ خوش ہو کر کھانا خود یہ خوشی نے  
 موذنِ حربا بر وقت بولا  
 تری آواز کے اور مدینے

---

# قربان علی بیگ سالک

"وہ نوجوان سہمی مگر شاعر ہے اور ایسا شاعر کہ ہندوستان بھر میں نام کرے گا۔ بھلا کون شاعر ہے جس میں مرزا قربان علی بیگ سالک کی غزل شوق سے نہیں سنی جاتی اور کون سا شعر ہوتا ہے جو بار بار نہ نہیں پڑھوایا جاتا جو ایک دفعہ بھی کسی شاعر سے میں گیا ہے وہ ان کو دور سے پہچان لے گا، چھوٹا سا تندرے بلے پتے ہاتھ پاؤں موٹی سی ناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں موٹی جلد گندی رنگ اس پر چھپکے دلہن چھوٹی چھوٹی ٹسی، واڑھی کٹوں، پیکم ٹھوڑی پروردہ زیادہ سر پر خشتا شی بال کوئی تین سال کی عمر سجاد اکے ترک معلوم ہوتے ہیں، ہال لباس ان لوگوں سے مختلف ہے، سر پر سفید گول ٹوپی ہاتھ میں سفید لٹھے کا رومال نیچی چولی کا انکر کھا، تنگ مری کا پانچاٹھ

## نمونہ کلام

انتہا صبر آزمائی کی	ہے درازی شب جدائی کی
ہے برائی نصیب کی کہ مجھے	تم سے امید ہے بھلائی کی
نقش ہے سنگ آستان پر ترے	داستان اپنی جیت سائی کی
ہے فغاں بعد اتحسان فغان	پھر شکایت ہے نار سائی کی
کیا نہ کرتا دھمال شادی مرگ	تم نے کیوں مجھ سے بیوفائی کی
راڈ کھلتے گئے مے سب پر	جس قد اس نے خود نمائی کی
کتے عاجز ہیں ہم کہ پلتے ہیں	بندے بندے میں بخدائی کی
رہ گئیں دل میں حسرتیں سالک	آگئی عمر پارسائی کی

۱۔ : بیک کی آخری شین مٹے



## سالت پر تبصرہ

مرزا قربان علی بیگ سالت نواب مرزا عالم بیگ کے بیٹے تھے۔  
 حیدر آباد میں پیدا ہوئے، اگر بعض کے نزدیک مسقط الرأس دہلی  
 ہے غرضیکہ دہلی میں نشوونما پائی، پہلے قربان تخلص کرتے اور مومن سے اصلاح لیتے تھے، مگر جب ان  
 کا انتقال ہو گیا تو غالب کے شاگرد ہوئے اور سالت تخلص اختیار کیا، غدر کے زمانے میں دہلی چھوڑ کر الود  
 چلے گئے، جہاں کچھ عرصہ تک وکالت کرتے رہے اس کے بعد حیدر آباد گئے اور وہاں سرشتہ دار  
 ہو گئے، حیدر آباد میں مخزن الفوائد کے نام سے ایک اردو رسالہ زیر سرپرستی نواب عماد الملک بہادر  
 نکلتا تھا، سالت کچھ عرصہ تک اس کے مدیر بنے<sup>۱۳۹۱</sup>۔ ہجری میں حیدر آباد ہی میں انتقال کیا، ہنجا سالت  
 دیوان کا نام ہے۔ یہ بھی غالب کے مشہور شاگردوں میں سے تھے، کلام خیال اور زبان دونوں کے اعتبار  
 سے اچھا ہے، مگر عذت سے خالی ہے ان کا شعر آشوب و ہلی کی تباہی پر اور اپنے استاد غالب  
 کا مرثیہ بہت پر زور اور درد انگیز ہے،

نواب کریم بخش  
 حیدر آباد

ط : تاریخ ادبِ اردو رام راپوسکینہ ص ۲۴۱

## نواب مصطفیٰ خاں شیفہ

نواب محمد مصطفیٰ خاں نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک ترقی خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ ۱۸۳۷ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی اس وقت نواب ترقی خاں کو لارڈ صاحب موصوف نے دہلی کے قریب پول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جوسات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجہ ان کے نواب ترقی خاں بھی تھے۔ ۱۸۴۷ء میں نواب صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھوس رائے کی ملکیت تھا اور بعدت عدم ادائے مالگداری نیلام ہوا تھا، خرید لیا۔ اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد پول کے علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اس کے عوض اراکین خاندان کی پیش کردہ ہوندر ۵۵۰۰ تک جاری رہی۔

نواب ترقی خاں نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادے مصطفیٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا، جو ان کے بعد ان کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم برقرار ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کی ولادت ۱۸۳۷ء میں بمقام دہلی ہوئی، میاں جی مالال سے فارسی عربی کی تعلیم پائی مولانا محمد نور سے فن حدیث و تجوید میں استفادہ کیا۔ ۱۸۵۵ء ہجری میں آپ کو عربی تفسیر کی محنت نصیب ہوئی تو مکہ معظمہ کے فاضل اہل عالم باکال حضرت شیخ عبداللہ سرورؒ کے پاس گئے آپ نے صحاح کے ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے۔

آپ بے انتہا خلیق اور صاحبِ مروت تھے ہمیشہ رات کے تین بجے نماز تہجد کے واسطے بیدار ہوتے اور نماز تہجد صبح کے درمیان منون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔

ایام غم میں ہندوستان کے عمائد بطور شرماء پر جو مصیبت گزری بنے خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے

نواب صاحب بھی لپیٹ میں آگئے، ان کا دارالریاست جسٹاگیر آباد خطرناک حالت میں تھا البصاحب اس کو چھوڑ کر بمقام خاںپور اپنے عزیز دوست عبداللطیف خاں کے ہاں اقامت گزیریں ہوئے۔ ٹھاکروں نے قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ کر لیا، اور نواب صاحب کے خوشنما اور عالی شان محلوں کو آگ لگا دی تمام قیمتی اور پرتکلف اثاثہ البیت جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان کا گروں بہا کتب خانہ اور ان کی اپنی تصانیف جس میں اردو فارسی کا کلام بھی شامل تھا آگ کے شعلوں کی نذر ہو گیا، جس وقت مجیم سنگھ اور اس کے ساتھ ٹھاکروں نے جہانگیر آباد میں یہ ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، حسن اتفاق سے ریاست رامپور کی فوج دہلی جاتے کے لئے جہانگیر آباد سے گزری اس فوج کا افسر نواب یوسف علی خاں والٹھی رام پور، اور نواب مصطفیٰ خاں کے دوستانہ تعلقات سے واقف تھا اس لئے اس نے ٹھاکروں کے مقابلہ میں نواب صاحب کے تابعین کی مدد کی اور ان کو از سر نو قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ دلایا ۔

نواب صاحب پر بغاوت کا الزام بھی لگایا گیا تھا اور کچھ عرصہ تک یوسف زہداں بنائے گئے مگر آخر کار گھوڑا صی آلی اور نواب صاحب ناموں مصون رہے اور مدارج و مناسب بھی برقرار رہے۔ مصائب غدر میں ایک دن نواب صاحب پیادہ پا محافلین کے ساتھ شکر پر جاتے تھے، اس اثنا میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا :-

”تیری شان کریبی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی دوزخ میں تو اس سے بھی زیادہ ہزار کا مستوجب ہے، شمس العلماء منشی ذکا، اللہ ناقل تھے کہ بڑی ہیں نواب صاحب کو مرض سرطان عارض ہوا ڈاکٹر آپریشن کیا کرتا تھا اور ناقص گزشت کا ٹاکر تا تھا جس سے سخت تکلیف ہوتی تھی اور اوپر والوں سے دیکھا نہ جاتا تھا، چنانچہ ایک روز صاحبزادے محمد علی خاں بے اختیار روئے گئے لیکن نواب صاحب کی پشانی پر نہ ابھی بل نہ آتا تھا۔ صاحبزادے سے کہا :-

”ابن جسم خاکی کے زوال پر دونا بڑی کم تہمتی کی بات ہے ۔۔۔“

ذکا واللہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ضبط و استقلال میں نے آج تک کسی انسان میں

نہیں دیکھا :

آپ نظم و نثر دونوں پر قدرتِ کاملہ رکھتے تھے اور حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے اردو میں شفیقہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے دیوان فارسی درختہ کے علاوہ آپ کے رقعہ جات بھی پڑھنے کے قابل ہیں جن سے آپ کی اعلیٰ درجہ کی انشا پر وازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے نواب صاحب کی ایک مبسوط کتاب گلشن بے غار شعرا کا تذکرہ ہے جو ۱۲۵۶ھ میں چھپا۔  
۱۸۶۹ء میں ترستھ سال کی عمر میں آپ نے رحلت کی اور دہلی میں درگاہ سلطان الشانچ میں اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے، ذیابیطس کا عارضہ پہلے سے تھا وقت سفر ماتہ میں ایک کالا دانہ نکلا وہی موت کا بہانہ ہوا، اپنا کفن بیت اللہ سے ہمراہ لائے تھے اس میں کفنائے گئے آپ کی وفات کی تاریخ اس آیت سے برآمد ہوتی ہے :-

وَحِبِّ اَهِمَّ بِنَامِنٍ وَاجِنًا وَحِزَامِ  
یہ مادہ تاریخ مولانا خاں کا ہے جو آپ کے مزار پر کندہ ہے :-  
سر سید شفیقہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

مدحائے کرم عطار در قم، رستم تو ان نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر رنجہ میں شفیقہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں اگر ان کے جاہ و جلال و حشمت و اقبال کی مدح لکھوں گے پاس ہار گاہ کے اندیشہ کو مانع بار ہے اور ان کی شجاعت ذاتی اور جرأت جلی کے اوصاف ذکر کروں اس تہمتن تو ان کی بہت شیری فکر لزدہ و ہشت میں بے اختیار اور اگر بالفرض ان سب چیزوں سے ہاتھ اٹھا کر چاہوں کہ مناسب مقام سے ذکر بخوری و معنوی پروری کا کروں تاکہ سبب فی الجملہ مہارست کے خاتمہ قاصر البسیان کچھ ہی سان کر سکے جب اس جگہ قدم دکھا ہر مضمون پست کو اس درجہ بلند پر دیکھا کہ کنگرہ عرش! اس پر سر بندی اس فدائے ہزار پایکے نیچے تھا اور طاریت پرواز سدرہ سو برس کی پرواز کے بعد وہاں تک پہنچ نہ سکتا تھا

۱ : واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم (بشیر الدین احمد) ص ۲۳۳



اندیشہ کوتاہ اس طبع پر داری سے عاجز اور اس بالادری نے بون ہو کر ایک سید سے  
 رستہ پر چلنا یعنی کچھ احوال سوادت ایشتمال اس حضرت کا لکھ کر چاہتا ہے کہ اپنے  
 تئیں روشناس اہل سخن کر سنے یہ زیدہ اراکین روزگار خلف الرشید ہیں اعظم الدولہ سر فرزند  
 الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر مظفر جنگ مرہوم کئے اور باعتبار کمالات ظاہری اور  
 جلالست باطنی کے فخر خاندان اور شرف دروہان ہیں خاک دروازہ کی معدن در اور  
 سنگ اون کے آستان کا کان گہرا اگر ابرسیان کو ان کے بحر کف سے ایک نم حاصل  
 نہ ہوتی گوہر بار نہ ہوتا اور اگر آفتاب کو ان کے چہرہ شگفتہ کا فیض نہ ملتا، عالم اس کے  
 اثر سے گلزدہ ہوتا، بہار ان کے خلق سے نکلتا آمیز اور موج گوہر کے بحر عطا سے  
 طوفان خیز رہے شجاعت کہ اگر تصور طراچی کے وقت ان کا نام لئے تصویر رستم میں لرزہ  
 پڑ جائے اور عجب عدالت کہ اگر ان کی مدح کے وقت نوشیرواں کا نام لینے کا ارادہ  
 کریں زبان کو اس حرف سے تنگ آئے بلند پایگی حشمت و جاہ کا وہ عالم کہ علماء لفظ  
 ان کے خاک آستان کو بہ از قاجار ادا جانتے ہیں اور ہزار سلام بے جواب کو بہر خلعت  
 دارائی سے سمجھتے ہیں اور خلق و علم کا وہ حال کہ احوال ہر خاکسار جب نظر شفقت سے  
 نگزے نسخہ مراہم کو نامآم اور دفتر تلمیذ کو ابتر تصور کرتے ہیں سبحان اللہ انک علی  
 خلق عظیم کا مظہر اس سے زیادہ ہونا محال ہے و تخلق باخلق اللہ اس سے بڑھ  
 کہ ہونا ہم خیال باوجود ناز و نعم مشرقت کے مثنیٰ سخن کو اس مرتبہ پہنچایا ہے کہ  
 قلم تردد سے نہیں آسودہ ہوتا اور سبک تلاش سے بل کی سجع خوانی اور قمری کی  
 فصیح بانی انھیں کی استعین گوئی سے مستغاد ہے الحق یہ پایہ فصاحت کا اور یہ سرمایہ  
 بلاغت کا خداداد ہے اگر نگین مضامین کے گل کو رنگ اللہ عبارت کی لطافت  
 گوہر کو آب نہ دے بل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینب تمام نہ ہو، مصرع غزل  
 شعلہ آہ عشاق اور بیت عشوی ابروئے خوبان آفاق

## ولادت و خاندانی حالات

عظیم الدولہ مسرور از الملک نواب مصطفیٰ خاں شفیقہ  
۱۸۰۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، ان کے

والد نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ جہانگیر آباد ضلع دہلی کے رئیس تھے اور والدہ مرزا اسماعیل خاں  
بہدائی مشہور سپاہی لارہ کی بیٹی اور احتشام الدولہ محمد بیگ بہدائی کی زامی تھیں۔

اجداد بگشتات سے عہد فرخ سیر میں وارد ہوئے نواب مرتضیٰ خاں اور نواب محمد خاں بگشت  
بیس فرخ آباد یکجہی تھے، نواب مرتضیٰ خاں کا قیام بھی فرخ آباد میں تھا یہی وہ وقت تھا کہ سلطنت  
دہلی کی نیا ستر زلزل ہو چکی تھی۔

مرتضیٰ خاں نے ہمارا جہ جہوت راؤ ہلک کی عازمت اختیار کر لی تھی۔ مردم شناس راجہ نے  
انہیں سپاہ اندر کا افسر اعلیٰ مقرر کیا مگر اندوہ بھی اس وقت غیر مطمئن حالت میں تھا، نواب کے ظہم  
ہوتے ہی لاڈ لیک گورنر جنرل کی مدافعت کے لئے مامور کئے گئے جو حکومت کمپنی کی طرف سے  
جہا لاجہ کے استیصال پر تھیں ہوئے تھے۔ عرصہ تک مقابلہ رہا، بہت سے آدمی طرفین کے ہلاک  
ہوئے آخر نواب مرتضیٰ خاں کی اسابت رائے اور موقع شناسی کی بدولت باہر صلح ہو گئی  
لاڈ لیک کو اس موقع پر نواب مرتضیٰ خاں کے جوہر قابل ہونے کا پورا تجربہ ہو چکا تھا مقامات  
دہلی میں پرگنہ پول علاقہ گڑ گاڑ میں تین لاکھ روپیہ سالانہ محصول کا ان کو عنایت کیا مگر نواب صاحب نے  
اس جاگیر پر قناعت نہ کرتے ہوئے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنے خلیفہ رشید نواب مصطفیٰ خاں شفیقہ  
کے نام خرید لیا، نواب مرتضیٰ علی خاں کے انتقال کے بعد علاقہ پول گورنمنٹ نے واپس لے لیا  
اور اراکین خاندان کی پیش مشورہ دی جو ہنگامہ ۱۸۵۰ء میں بند گئی۔

نواب شفیقہ نے ماں باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی، فارسی عربی  
تعلیم و استعداد اور علوم مروجہ کی تعلیم میاں جی مالال دہلوی سے پائی، حدیث و  
قرآت میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم  
مدینہ منورہ سے استفادہ کیا علاوہ ان کے مولوی کرام اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔

فی الجملہ تمام علوم دینی اور فنون مستداولہ سے بخوبی واقف تھے۔

**تصنیف و تالیف** | ترغیب السالک الی الحسن المسالک اور تذکرہ گلشن بے خار اور دیوان ریختہ و فارسی رقعات شنیفۃ ان کی علمی یادگاریں ہیں سفر حج کے حالات فارسی میں لکھے جو ۱۲۵۴ھ ہجری میں برہ آور دئے گئے نام سے طبع ہوئے؛

**گلشن بے خار** | ابن کا تذکرہ گلشن بے خار ایک مبسوط اور مشہور تصنیف ہے اور ہمارے نزدیک وہ پہلا تذکرہ ہے جس میں انصاف اور آزادی کے ساتھ اشعار کی تنقید کی گئی ہے اور وہیں شنیفۃ اپنے استاد مومن کے پیرو ہیں ان کا کلام اخلاق و تصوف کے مضامین سے لبریز ہے؛

تذکرہ گلشن بے خار ۱۲۴۲ھ ہجری میں لکھا گیا، ابن کا نام کی رسم کے مطابق شعراء کے کلام کے ساتھ ساتھ ابن کا مختصر حال لکھنے کے لئے فارسی زبان اختیار کی گئی لیکن اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ شعراء کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی کی گئی ہے اور اردو شعراء کا یہ سب سے پہلا تذکرہ ہے جس میں تنقید کی طرف دم بڑھایا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے جو تذکرے شعراء کے لکھے ہیں اس میں تعریف کے سوا تنقیدی پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا کسی کو حبس و ادم ہوا، کوئی سات برس کیلئے قید ہوا، شنیفۃ کو بھی سات برس قید فرما دیا، نواب صدیق حسن خاں بہادر شوہر نواب شاہجہان بیگم صاحبہ عالمی بھوپال نے بڑی کوشش کے بعد ابن کو رہا کرایا؛

مؤرخہ بیگم شعبان ۱۲۶۳ھ ہجری نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے میرمن علی خاں صدر الصدور ساکن سندھ کو ایک سفارش نامہ لکھا اور بڑی جدوجہد کے بعد نعت جاگیر واکذاشت ہوئی؛

ط : خد کے چند علماء ۶۲

ط : تاریخ ادب اردو رام پور مکتبہ ۱۲۷



نواب صاحب پابند وضع خوش اخلاق اور مذہب النفا کے ولداؤ  
**اخلاق و عادات** | نہایت صابر و مستقل مزاج بزرگ تھے۔ تسلیم و رضا کی دولت نصیبیت  
 سے مٹا ہوئی تھی، چہرل میں خوش رہا ان کی زندگی کا نمایاں ترین وصف تھا طبیعت میں استغابرت تھا  
 همان نولذی اور فیاضی میں مشہور تھے۔ مجددی فتنہ بندی خاندان سے بیعت تھی شریعت کے بڑے  
 پابند تھے، بھول کر بھی کسی ناجائز یا غیر مشروع امر کا ارتکاب نہ کرتے تھے۔

جامہ زیبی میں حکیم مومن خاں مومن کے بعد دہلی میں نواب مصطفیٰ خاں شفیقہ  
**شفیقہ کی جامہ زیبی** | ہی کا بڑا تھا۔ ان کا رنگ گہرا سا لالہ تھا، لیکن ناک نقشہ غضب کا پایا  
 تھا اس پر بھی سیاہ گول داڑھی بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی جسم کسی ستہ بھاری اور قد متوسط تھا لباس  
 میں بھی زیادہ تکلف نہیں تھا، تنگ حری کا سفید پانجامہ سفید کرتا، پچی چوٹی کا سفید انگرکھا اور قبہ نما  
 چوگوشہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے تقریباً انا لیس چالیس سال کی عمر ہے۔

ترمیم سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں مقام دہلی وفات پائی۔  
**مرض الموت اور وفات** | حضرت شاہ نظام الدین مجرب الہی کی خالقا ہیں  
 دفن ہوئے۔

- ط : غدد کے چند علماء ص ۶۲  
 ط : دہلی کی آخری شمع ص ۴۹  
 ط : غدد کے چند علماء ص ۶۲



## نمونہ کلام

اے مرگ آ کہ میری بھلاہ جاسے آبرو  
رکھا ہے اُس نے سوگِ عدو کی وفات کا

میر ہی ناکامی سے فلک کو حصول  
کام ہے یہ اسی ستم گر کا

نوبی بخت کہ پیمانِ عدو  
اس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

اس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کو آیا  
کیا کروں تمہارے دل میں وہ زباں پر آیا  
آپ مرتے تو ہیں پر جیتے ہی بن گئے گی  
شیقتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن  
تیرے وجود کو جیتے ہوئے بے جان کیا

ط : شوقِ مردن ہے تو پھر جینے سے بن آئے گی ،

نہ کھنا تھا غم ناکا مٹی عشق  
بواب نامہ بے مدعا کیا

کب طلح خفتہ نے دیا خواب میں گئے  
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

شب ہجراں نے کہا قہر گیسوئے دراز  
شیفتہ کو بھی دل زار نے سونے نہ دیا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس  
تھا دوست ہمارا بھی سنبھل جائے تو اچھا

نہ کیجو غل اے خوشنویاں صبح  
یہ ہے وقت اُن کے شکر خراب کا  
محبت نہ ہرگز جتائی گئی  
رہا ذکر کل اور ہر باب کا  
پڑے صبر آرام کی جان پر  
مری جان بے صبر دے آب کا

کیا حال تھا رہے ہمیں بھی تو بستاؤ  
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار  
 شرب موم کر یا سحر آہن بنا دیا  
 مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں  
 اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی پُر فن بنا دیا

شکایت کو اُس نے سنا بھی نہیں  
 گھلا غیر پر راز پنہاں عبث

## ایک چھوٹی سی مسلسل غزل

آرام سے رہنے کون جہان خراب میں      گلِ سینہ چاک اور صبا اضطراب میں  
 سب اس میں محو اور یہ سب سے علیحدہ      آئینہ میں ہے آب نہ آئینہ آب میں  
 معنی کی فکر چاہیئے صورت سے کیا حصول      کیا فائدہ ہے موج اگر ہے سراب میں  
 ذات و صفات میں بھی یہی رابطہ چاہیئے      جوں آفتاب روشنی آفتاب میں  
 وہ قطرہ ہوں کہ موجِ دریا میں گم ہوا      وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں  
 بے باک شیوہ شوخ طبیعتِ زباں دراز      طزم ہوا ہے پر نہیں عاجز جواب میں

تکلیف شفیقتہ ہوئی تم کو مگر حضور

اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

## راقم الدولہ ظہیر

سید ظہیر الدین نام ظہیر تخلص سید عیال الدین حیدر کے بیٹے دہلی کے باشندے تھے ان کے والد ابو المظفر بہادر شاہ کے خوش نویسی میں استاد مرتضیٰ قلم خاں بہادر کے خطاب سے سرفراز تھے خود ظہیر بھی کسی ہی میں شامی ملازمت میں داخل ہو گئے تھے اور راقم الدولہ خطاب اور ایک صبح دعوات انعام میں پائی تھی شعر و سخن سے بچپن ہی سے شوق تھا چودہ برس کے سن میں استاد ذوق کے شاگرد ہو گئے ۸۵ء کے شہ گامے میں ناچار دہلی سے نکلنا پڑا، جھجھک سونی پت اور نجیب آباد ہوتے ہوئے بریلی آئے اور یہاں سے لکھنؤ کے لیے ارادہ کیا مگر وہاں کے ابتر حالات سن کر کچھ دن وہاں رہ کر رامپور چلے گئے، وہاں چار برس رہے اس کے بعد دہلی آئے اور وہاں چنگی میں ملازمت مل گئی، اس کے بعد تھوڑے عرصہ بعد اخبار جلوہ طور کے ایڈیٹر ہو گئے، جو بڑے شہر سے نکلتا تھا، ان کے مضامین کو جہاں شہود و صانع سنگھ والی اور نے پڑھا اور بہت پسند کیا، ان کو الود بلا بھیجا جہاں وہ چار برس رہے وہاں کی سازشوں سے دل برداشتہ ہو گئے، مجبور ہو کر پھر دہلی آئے اور وہاں نواب تغنی خاں شیعہ کی سفارش سے جے پور کے محکمہ پولس میں ان کو ایک معقول جگہ مل گئی، جے پور میں کم و بیش انیس سال رہے والی ریاست کے مرنے کے بعد ان کا تعلق ریاست سے منقطع ہو گیا چند روز پریشانی میں بسر ہوئے تھے کہ نواب محمد علی خاں خلع نواب امیر خاں والی ٹونک نے بلا بھیجا اور جب تک نواب زندہ رہے یہ بہت عزت و آبرو سے ان کے ساتھ رہے نواب کے مرنے کے بعد ان کے صاحبزادے نواب ابراہیم علی خاں نے بن کا وظیفہ مقرر کر دیا، اس طریقہ سے تقریباً پندرہ سولہ برس ٹونک میں رہے آخر عمر میں حیدر آباد جانے کا شوق پیدا ہوا تھا، چنانچہ ٹونک سے رخصت ہو کر حیدر آباد گئے، جہاں آٹھ ماہ کے قیام کے بعد بارہابی ہوئی مگر تنخواہ مقرر ہونے کی نوبت نہ آئی تھی کہ موت نے ساری امیدیں اور آرزوؤں کا خاتمہ



کر دیا، بیکاری کے زمانے میں جب پریشان حال ہو گئے تھے تو عمار اجداد سرکشن پر شاد نے ان کی مدد کی تھی ۔

ظہیر ایک پرگو شاعر تھے، تصنیفات کا مال یہ ہے کہ ایک دیوان مستمعی گلستان سخن اگر وہ میں چھپ گیا، دیوان دوم رسوم کا حق تصنیف قاضی عبدالکریم مالک مطبع کریم بی بی کے مالک نے خرید لیا تھا، اور یہ بھی چھپ گئے ہیں چوتھا دیوان جن میں بقول حسرت موہانی تین سو غزلوں کے علاوہ بہت سے قصائد اور مسدس شامل ہیں ان کے نو اسے کے پاس ہے ۔

ظہیر اپنے زمانہ کے مشہور شاعر تھے گو کہ ذوق کے شاگرد تھے مگر کلام میں مومن کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے جس کا اعتراف بعض غزلوں کے مقطعوں میں خود انہوں نے کیا ہے ۔

طرز مومن سے نہ آگاہ تھا جب تک کہ ظہیر  
سچ تو یہ ہے کہ کبھی رنگ غزل نے نہ دیا

کیا بنا ہے طرز مومن اسے ظہیر

طاق ہیں لایب اپنے فن میں ہم

آخروہ کے بڑے نامور شاعر تھے اور اپنے زمانے میں زبان اور شاعری دونوں کے استاد مانے

جاتے تھے، ان کے مشہور شاگرد نجم الدین احمد ناقد بدایونی جو پہلو بن سخن کے نام سے مشہور ہیں ۔

آہا ! زبان کا لطف اٹھا تا ہے تو اب سید ظہیر الدین حسین خان ظہیر

کو سنئے، ابھی ۲۶، ۳۰ سال کی عمر رہنے لگا کلام میں خدا نے وہ اثر دیا ہے

کہ واہ واہ، استاد ذوق کی اصلاح اور سونے پرہاگہ کا کام کیا ہے، شکل و صورت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی طبیعت اس بلا کی ہے، قد خاصہ اونچا، چھریا بدن، کشادہ سینہ، سانولی رنگت، کشادہ دہن۔

اوپنی ستواں ناک آنکھیں نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی، مگر روشن گول وارھی نہ بہت گھنی نہ بہت  
چھدری سر پہ پٹھے، لباس میں انگرکھا، تنگ مری کا سفید پانجامہ سر پہ سفید گول ٹوپی، خوش مزاج  
ادب لطیفہ سنج ایسے کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں پڑھنے کا بھی ایک خاص طرز ہے لکھنؤ والوں  
کے تحت اللفظ پڑھنے سے ملتا جلتا ہے ساتھ ہی اشاروں سے ایک ایک لفظ سمجھاتے جاتے ہیں۔

### نمونہ کلام

جہیں اور شوق اُس کے آساں کا	ارادہ اور ارادہ بھی کہاں کا
نسا ہے قافلہ تاب دتواں کا	خدا حافظ ہے دل کے کارواں کا
مری دامانگی منزل رساں ہے	سراغ نقش پاہوں کا رواں کا
رہے پابند دل کے دل میں ارماں	قدم منزل نے پکڑا کارواں کا
اٹھا سکتے نہیں سرآستان سے	غضب، بار منت پاسبان کا
ہمیشہ مود و برق و بلاہوں	مٹے جھکڑا لہی آشیاں کا
دل بے تاس نے وہ بھی مٹایا	کبھی کو کچھ جو دکھ کا تھا فغاں کا
ظہیر آؤ چلو اس میکہ کو	
نکالا نہ بدلتی ہے کہاں کا	

ط : دہلی کی آخری شمع مٹ

## حکیم آغا جان عیش

حکیم آغا جان عیش، بادشاہی اور خانہ دانی طیب تھے، ولید علم اور لباس کمال سے آراستہ، صاحبِ خلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ مزاج جب دیکھو یہی معلوم ہوتا تھا مسکراہے میں ساتھ اس کے شعر کا عشق تھا، طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پالی تھی کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہیں، غزل، صفائی کلام، شوخی مقالات اور حسن محاورہ سے پھولوں کی جھڑی معلوم ہوتی تھی۔ اور زبان گویا لطافت و ظرافت کی پھلجھڑی، میں تھے دو دفعہ استاد کے ساتھ مشاعرہ میں دیکھا تھا، اسے افسوس اس وقت تصویر آنکھوں میں پھر گئی، مہمانہ قد، خوش اندام سر پر ایک ایک انگل بال سفید ایسی ہی دائرہ صحرای اور سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی، گلے میں ملل کا کرتے جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے میں ان دنوں دہلی کالج میں پڑھتا تھا استاد مرحوم کے بعد ذوق سخن اور ان کے کمال کی کشش نے کھینچ کر ان کی خدمت میں بھی پہنچایا، اب ان صدقوں کو آنکھیں ترستی ہیں اور نہیں پاتیں شہادہ کے قند کے چند روئے بعد دنیا سے انتقال کیا، خدا مغفرت کرے۔

ط : آبِ حیات (محمد حسین آزاد)

## مرزا غالب

مرزا پانچ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ کچھ عرصہ چچا کے زیر سایہ زندگی بسر کی پھر اپنے وطن آگرہ سے دہلی آ گئے، نانا دانی امیر تھے لیکن یتیمی نے سب کچھ چھین لیا۔ دہلی میں شاعری نے رنگ دکھایا خواص میں زیادہ عوام میں کم مقبول ہوئے، ذوق کی وفات کے بعد بہادر شاہ نے استاد بنا لیا اور تنخواہ مقرر کر دی، نانا دانی پٹن انگریزوں کے دربار سے ملتی تھی۔ غدر میں دونوں پٹنیں بند ہو گئیں، عمر کا آخری حصہ بڑی مصیبت میں گزرا، نواب امپور حق شاگردی ادا کر کے سو روپیہ ماہوار وظیفہ نہ مقرر کر دیتے تو شاید فاقہ تک نوبت پہنچ جاتی۔

تینتر برس کی عمر میں ۱۸۶۹ء، ۱۲۸۵ھ ہجری جہان نانی سے انتقال فرمایا۔

## غالب بہ قلم خود

خود مرزا اپنے باسے میں فرماتے ہیں

میں قوم کا ترک سبھوتی ہوں، داد امیر امادور النمر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا، سلطنت ضعیف ہو گئی تھی، صرف پچاس گھوڑے نفاذ دار سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ایک پرگنہ حیر محل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ کیلئے پایا بعد انتقال اس کے جوڑا لٹ الملوکی کا بازار گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میر عبد اللہ بیگ خان بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر ہوا، اور چند روز حیدر آباد جا کر نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو

ط : آب حیات (محمد حسین آزاد)



مسوار کی جمعیت سے فوج دیا، کئی برس وہاں ٹاہا، نوکری ایک خانہ جنگی کے بھیڑ سے میں  
جاتی رہی والد نے گھبرا کر الود کا قصد کیا، راجہ راجنچند اور سنگھ کا نوکر رہا، وہاں کسی بڑائی  
میں مارا گیا، نصیر اللہ بیگ میرا چچا حقیقی مرٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا،  
اس نے مجھے پلاسٹک میں جرنیل ایک صاحب کا عمل ٹھہرا، صوبہ دار کی کشتنری  
ہو گئی اور صاحب کشتنری ایک انگریز ہوا، میرے چچا کو جرنیل ایک صاحب نے  
سواروں کی بھرتی کا حکم دیا، چار سو سواروں کا بریگیڈ بنوا، ایک ہزار روپیہ فوات کا  
لاکھ روپیہ سال کی جائیداد حیات علاوہ ساں بھر مرزا بانی کے عتی کر بزرگ ناگہاں  
مرگیا، رسالہ بطرف ہو گیا، ملک کے عوض نقدی "غیر ہوئی وہ ایک با آہوں پانچ  
برس کا تھا جو با سپر گیا، آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا، سنہ ۱۸۳۰ء میں نکلتا گیا، ادب  
گورنر جنرل سے شننے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا، میری ریاست کا حال معلوم  
کیا گیا، ملازمت پہلی، سات پارچے اور جینہ سر بیج، بالاسے مردار یہ تین  
رقم کا خلعت ملا، زراں بعد جب زلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملا رہا، بعد غدر  
بہ جرم مصاحبت بہادر شاہ دربار خلعت دونوں بند ہو گئے میری پریم کی درخواست  
گورنری تحقیقات ہوتی رہی تین برس بعد پٹھان اب خلعت معمول ملا،

**عالم کی تصویر** میں نے چاہا، مرزا صاحب کی تصویر الفظ و معانی سے کھینچوں مریاد  
آیا کہ انہوں نے ایک جگہ اسی رنگ و روغن سے اپنی تصویر آپ کھینچی ہے  
میں زیادہ کیا کریں گا، اس کی نقل کافی ہے مگر اول اتنا کسٹن ہو کہ مرزا نام علی قمر خدس ایک  
شخص اگر میں تھے مرزا کی اواخر عمر میں اس ہم وطن بھائی تھے خط و کتابت جاری ہوئی وہ ایک  
وجہ اور طرحدار جوان تھے ان سے ان سے دید و شنید نہ ہوئی لیکن کسی زمانہ کی ہم وطنی، شعر گوئی

دل : غالب کا روزنامہ صفت

ہم مذہبی اور اتحاد خیال است کے قسطن سے شاید کسی جلسہ میں مرزا نے کہا کہ مرزا اعظم علی گڑھ کو سناتا ہوں کہ طرہ دار آدمی ہیں دیکھتے کو بھی چاہتا ہے انھیں جو یہ تصویر چچی تو مرزا کو خط لکھا اور اپنا علیہ بھی لکھا، اب اس کے جواب میں جو مرزا آپ ہی اپنی تصویر کھینچتے ہیں اسے دیکھنا چاہیئے تبیلٹی تمھاری طرح ادائی کا ذکر میں نے عقل جان سے سنا تھا، جسٹ مانہ میں کہ وہ حامد علی خان کی لڑکھنوی اور اس میں مجھ میں بے شکنا نہ رہتا تھا تو اکثر منزل حال سے پیروں اختلاط ہوا کرتے تھے اس نے تمھارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھا دئے بہر حال تمھارا طیرہ دیکھ کر تمھارے کشیدہ قارت ہونے کا مجھ کو رشک نہ آیا، کس واسطے کہ میراثہ بھی درازی میں انگشت نما ہے، تمھارے گدھی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو سیرانگ چنپی تھا اور دیدہ و دوک اس کی ستائش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھرتا ہے، ہاں مجھ کو شک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ (تمھاری) ڈاڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مرزے یاد آگئے کیا کہوں گی پر گیا گدھی بقول شیخ علی عزیز ۔

تاوترسم بود ز دم چاک گریبان

خمر مندی از خرقہ پوشینہ مذام

امیر سے) جب ڈاڑھی موچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چوٹی کے اڈے گاؤں پر نظر لگنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دو دانت ٹوٹ گئے ناچار (میں نے) مستی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یاد رکھیئے کہ اس مجھ سے شہر میں (یعنی دہلی میں) ایک دردی ہے عام ۔ ط ۔ حافظ بساطی ۔ پیچہ بند ۔ دھوبی ۔ سقہ ۔ جلا ۔ کنجڑہ ۔ منہ پر ڈاڑھی ۔ سر پر بال ۔ میں نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا ۔

نواب الہی بخش خان مرحوم کی صاحبزادی سے مرزا صاحب کی شادی ہوئی اور اس وقت تیرہ برس کی

شادی اور اپنی زندگی

ط : آب حیات (از محمد حسین آزاد)

عمر تھی۔ باوجودیکہ اوصاف و اطوار آواز نہ رکھتے تھے لیکن آخر صاحبِ خاندان تھے۔ گھرانے کی لاج کا خیال کر کے بی بی کا پاس خاطر بہت مد نظر رکھتے تھے۔ پھر بھی اس قید سے کہ غلاف طبع تھی، وجہ بہت وق بہتے تھے تو ہنسی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ دوستوں کی بیانیہ نصیحتیں بھی سنیں اور ان کے خطوط سے بھی کٹر جگہ پایا کرتا تھا۔ ایک قادی شاگرد سے ایسے معاملات میں بہت تکلفی تھی اس نے امر ٹونگہ ہم ایک شاگرد کی بی بی کے مرنے کا حال مرزا صاحب کو لکھا اور یہ بھی لکھا کہ غصے غصے نیچے ہیں اب شادی نہ کرے تو کیا کرے؟ پھر نیچے کون پڑے؟ یہیں شخص کی ایک بیوی پہلے مر چکی تھی اور یہ دوسری بیوی عمری تھی۔ اب حضرت اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں امر ٹونگہ کے حال پر اس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ ایک وہاں کہ دو بار بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اور پچاس برس سے جو چاندنی کا پھندا گھلے میں پڑا ہے نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے اس کو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنسا ہے؟

جب ان کی پیش کشی تو ایک اور شخص کو کہتے ہیں: تجھ کو میری جان کی قسم اگر میں تنہا موتا تو اس قلیل آمد میں کب فارغ البال اور خوش حال رہتا؟ مرزا صاحب نے فرزندِ دو عالمی یعنی پاک خیالات اور عالی مضامین کا ایک انورہ بے شمار اپنی نسل میں یادگار چھوڑا۔ اگر افسوس کہ جس قدر اور خوش نصیب ہوئے ہوں وہی قدر زندگان ظاہری کی طرف سے بے نصیب ہوئے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں سات بچے ہوئے مگر برس برس دن کے پس و پیش میں سب ملک و دم کو چھلے گئے۔ ان کی بی بی کے بھانجے الہی بخش مرحوم کے نواسے زین العابدین خاں تھے وہ بھی شعر کا کرتے تھے اور عارف تخلص کرتے تھے، عارف جوان مر گئے اور دو غصے غصے نہ بکے یادگار چھوڑے۔ بی بی ان بچوں کو بہت پرہیزی تھیں۔ اس لیے مرزا نے ان بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ بڑھاپے میں انھیں گلے کا مار کئے پھرتے رہے جہاں جاتے وہ پاکی میں ملتے ہوتے تھے ان کے آرام کے لیے آپ بے آرام ہوتے تھے ان کی فرمائش پوری کرتے تھے۔ افسوس کہ مرزا کے بعد دونوں جوان مر گئے۔ نواب احمد بخش خاں مرحوم کے رشید فرزند مرزا صاحب کا تکلیف نہ دیکھ سکتے تھے کمال کی دولت ان سے لیتے تھے، دنیا کی ضرورتوں میں انھیں آرام دیتے تھے



کئی مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہوگا مگر یہ کہتے ہیں کہ اپنے اعتقاد میں انکے ایک حرف کو بہتر ایک کتاب سے  
اور ان کے ایک نکل کو بہتر ایک گنڈاز سے جانتا ہوں اور اگر دیکھا جائے تو حق بھی یہی ہے خوشا  
حال ان لوگوں کا جو آپ کی خدمت بابرکت سے استفادہ ہوتے ہیں اور جو ہر گراں مائیہ آپ سے  
جانتے کرتے ہیں اس کو معتقہ جان کر بھی جزو دان حافظ میں محفوظ اور صندوق بیاض میں مانتے رکھتے  
ہیں ۔

مولانا فضل حق جن مادیوں دلی میں سررشتہ دار  
تھے اس وقت مرزا خان کی کوٹوال شہر تھے

## موجودہ انتخاب دیوان غالب

یہ تھے مرزا قلیل کے شاگرد، مثر و نظم میں کامل دستگاہ، حاصل ہمتی، ان ہر دو بالکلاں سے مرزا غالب سے  
زلی، بہترین تھی، ہمدردیہ باہم دوستانہ جلسہ اور مشروحن کے چوچے رہتے تھے مولانا آزاد آپ حیات میں کہتے ہیں  
”انہوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی  
سمجھ میں نہ آئیں گئے مرزا نے کہا اتنا کچھ کہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے انہوں نے کہا خیر ہوا سوٹوا انتخاب  
کر دو اور مشکل شعر نکال دو، مرزا صاحب نے دیوان حوالے کیا، دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا  
وہی دیوان ہے جسے آج عینک کی طرح لگائے پھرتے ہیں۔“

## مرزا خانقاہ تصوف میں

مرزا غالب زندہ لایالی ہونے کے باوجود خوش عقیدہ شخص تھے ایک نمونہ ملاحظہ ہو:-  
”ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم مرزا الومشہ کے مکان پر گئے نہایت حسن اخلاق سے ملے لب فرش تک کہ  
کر لے گئے تمام حال دریافت کیا ہم نے کہا کہ مرزا صاحب ہم کو آپ کی ایک غزل بہت ہی پسند

ص : تذکرہ اہل دہلی (سیرت) ص ۱۰۰

ص : آپ حیات ص ۵۲۱



ہے علی لخصوں یہ شعر ہے

تو نہ قاتل ہو کوئی اور ہی ہو تیرے کو چپے کی شہادت ہی سہی  
کہا صاحب یہ شعر تو میرا نہیں کسی استاد کا بننے کی الحقیقت نہایت ہی اچھا ہے مگر میرے  
اشعار میں ہیں :-

عشق مجھ کو نہیں بہشت ہی سہی میری وحشت تیری شہرت ہی سہی  
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی  
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی اسے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی  
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو انگی گر نہیں غفلت ہی سہی  
عمر ہر چند کہ ہے بدق خرام دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی  
ہم کوئی ترس و فاکہرے ہیں نہ ہی عشق مصیبت ہی سہی  
کچھ تو دے اے فلک! انصاف آؤ و فریاد کی رحمت ہی سہی  
ہم بھی تسلیم کی خود مائیں گے بے نیازی تیری عداوت ہی سہی

یاد سے چھیڑ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اُس دن سے مرزا صاحب نے یہ دستور کر لیا کہ تیسرے دن زینت المساجد میں ہم سے ملنے کو آتے  
اور ایک خوان کھالے کا ساتھ لاتے ہر چند ہم نے غلہ لیا کہ یہ تکلیف نہ کیجئے مگر اسنے نہ سہتے ہم  
نے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو کہنے لگے میں اس قابل نہیں ہوں، میخوار رو سیاہ گند کار مجھ کو آپ  
کے ساتھ کھاتے شرم آتی ہے البتہ اوش کا مضائقہ نہیں ہم نے بہت اصرار کیا تو الگ دھڑکی  
میں لے کر کھایا، اُن کے مزاج میں کمال نفسی اور فروتنی تھی :-

ط : تذکرہ غوثیہ ص ۱۱۰ :-

غالب اور جب علی بیگ مسرور | ایک روز ارشاد ہوا کہ مرزا رجب علی مسرور  
مختلف فسانہ عجائب لکھو سے آئے

مرزا نوشہ سے ملے اثنائے گفتگو میں پوچھا کہ مرزا صاحب اندو زبان میں کس کی کتاب لکھا ہے۔ کہا  
چار درویش کی میاں رجب علی بوسے: اہ فسانہ عجائب کیسی ہے: مرزا بے ساختہ کہ اٹھے اہی  
لا حول ولا قوتہ! اس میں لطف زبان کلام، ایک تک بندی اور بھٹیاد خانہ جمع ہے۔ اس  
وقت تک، مرزا نوشہ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہی میاں مسرور ہیں۔ جب چلے گئے تو مال معلوم ہوا بہت افسوس  
کیا اہ کہا کہ ظالمو پہلے سے کیوں نہ کہا، دوسرے دن مرزا نوشہ ہائے پاس آئے یہ قصہ سنایا  
اور کہا کہ حضرت یہ امر مجھ سے ناوانستگی میں ہو گیا، آئیے آج ان کے مکان پر چلیں اور کل کی مکانات  
کہ آئیں ہم ان کے ہمراہ ہو لیے اہ میاں مسرور کی فرود گاہ پر پہنچے، مزاج پر سی کے بعد مرزا صاحب نے  
عبارت اولیٰ کا ذکر چھیڑا اور ہماری طرف مخاطب ہو کر بوسے کو کہ جناب مولوی صاحب رات میں  
نے فسانہ عجائب کو جو بخور دیکھا تو اس کی خوبی عبارت اور نگینی کو کیا بیان کروں، نہایت ہی فصیح و بلیغ  
عبارت ہے میرے قیاس میں تو ایسی عمدہ و نثر نہ پہلے ہوئی نہ آگے ہوگی اہ کیر کھو ہو اس کا مصنف  
اپنا جواب نہیں رکھتا، غرض اس قسم کی بہت سی باتیں بنائیں اپنی خاکساری اہ ان کی تعریف کر کے  
میاں مسرور کو نہایت مسرور کیا، دوسرے دن ان کی دعوت کی اہ ہم کو بھی بلایا، اس وقت بھی میاں مسرور کی  
بہت تعریف کی، مرزا صاحب کا مذہب یہ تھا کہ دل آزاری بڑا گناہ ہے اہ حقیقت یہ خیال  
بہت درست تھا: المؤمنین من سکم السبلون من یدک و سبانیہ۔

مباش در پئے آزار و سرچہ خواہی کن

کہ مد طریقیت ما غیر ازیں گناہے نیست

غالب کا مکان | حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے سامنے گلی قاسم جان کی گلی کٹی ہے۔  
بائیں طرف ہی مرزا نوشہ کا مکان تھا۔ یہ مکان مسجد کے پیچھے ہے اس کے دو

دروازے ہیں، ایک مردانہ ددسرا زمانہ، محل سرا کا ایک راستہ مردانے مکان میں سے بھی ہے  
 باہر کے دروازے کی دہلیز اور دھنسی ہی ہے دروازے کے اوپر ایک کمرہ ہے اور کمرے کے  
 دونوں پہلوؤں میں دو کھڑکیاں گرمی میں دہپہر کے وقت مرزا صاحب اسی ایک کھڑکی میں رہا کرتے ہیں۔  
 دروازے سے گزر کر مختصر سا صحن ہے اور سامنے ہی دالان در دالان۔ جب میں پہنچا تو اندر کے  
 دالان میں گاؤں تکیہ سے لگے بیٹھے تھے کچھ لکھ رہے تھے۔ مرزا نوشہ کی عمر کوئی پچاس سال کی ہوگی  
 حسین اور خوشرو آدمی ہیں۔ قد اونچا اور لاڈ بہت چوڑا چکلا، موٹا، موٹا نقشہ اور سرخ سفید رنگ  
 ہے، لیکن اس میں کچھ زردی چھلکتی ہے ایسے رنگ کو محاورے میں چھپی کہا جاتا ہے آگے کے در  
 دانت ٹوٹ گئے ہیں داڑھی بھری ہوئی ہے مگر گھنٹی نہیں ہے سر منڈا ہوا۔ اس پر لمبی سیاہ پوستین  
 کی ٹوپی ہے جو کلاہ پانچ سے ملتی جلتی ہے ایک برکا سفید یا بجامہ، سفید ملل کا انگرکھا اس پر  
 ہلکی زرد زمین کا جامہ دارمی چھتہ

## غالب کے لطیفے

ایک دفعہ رات کو انگنائی میں بیٹھے تھے چاندنی رات تھی، تارے چھٹکے ہوئے  
 تھے، آپ آسمان دیکھ کر فرمانے لگے جو کام بے صلاح مشورہ ہوتا ہے بے ڈھنگا  
 ہوتا ہے، خدا نے ستارے آسمان پر کسی سے مشورہ کر کے نہیں بنائے جمعی بھرے ہوئے ہیں، نہ  
 کوئی سلسلہ نہ بخیر نہ بیل نہ بوتا

ایک مولوی جن کا مذہب سنت والجماعت تھا، رمضان کے دنوں میں ملاقات کو آئے  
 عصر کی نماز ہو چکی تھی، مرزا نے خدمتگار سے پانی مانگا، مولوی صاحب نے کہا حضرت غضب

۱۔ دلی کی آخری شمع منہ ۳۱-۳۲

۲۔ قلعہ دہلی کے عجائب خانہ میں مرزا غالب کی ایک تصویر ہے اس سے یہ لباس لیا گیا ہے



کرتے ہیں رمضان میں روزے نہیں رکھتے، مرزا نے کہا سنی مسلمان ہوں چار گھنٹی دن سے روزہ کھول لیا کرتا ہوں :

رمضان کا مہینہ تھا آپ نواب حسین مرزا کے بہاں بیٹھے تھے، پان مزگا کہ کھایا  
ایک صاحب فرشتہ سیرت نہایت متقی و پرہیزگار اُس وقت حاضر تھے انھوں  
نے متعجب ہو کر پوچھا کہ قبلہ آپ روزہ نہیں رکھتے مسکرا کر بوجے شیطان غالب ہے۔

لطیفہ

چار سوسے کا موسم تھا ایک دن نواب مصطفیٰ خان صاحب مرزا کے گھر آئے اپنے  
اُن کے آگے شراب کا گلاس بھر کر رکھ دیا وہ اُن کا منہ دیکھنے لگے آپ نے  
فرمایا لیجئے، چونکہ وہ تائب ہو چکے تھے انھوں نے کہا کہ میں نے توبہ کی ہے آپ متعجب ہو کر بوجے  
کہ ہیں جاڑے میں بھی !

ایک صاحب نے انھیں سنانے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے، آپ نے منہس کر کہا  
کہ بھلا جو پئے تو کیا ہوتا ہے انھوں نے کہا کہ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دُعا نہیں قبول  
ہوتی، مرزا نے کہا کہ آپ جانتے ہیں شراب پیتا کون ہے، اول تو وہ ایک بوتل اولڈ ٹام کی  
با آسانی سامنے حاضر ہو دوسرے بے فکری، تیسرے صحت آپ فرمائیے کہ جسے یہ سب کچھ  
حاصل ہوا وہ سے اور چاہئے کیا جس کے لیے وہ دُعا کرتے ،

ایک دن ہم نے مرزا غالب سے پوچھا : تم کو کسی سے محبت  
بھی ہے، کہا کہ ہاں ! حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے پھر ہم  
سے پوچھا کہ آپ کو ۔ ہم نے کہا وہ صاحب ! آپ تو مثل بچہ ہو کہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کی محبت  
کا دم بھریں اور ہم اُن کی اولاد کہلائیں اور محبت نہ رکھیں کیا یہ بات آپ کے قیاس میں آ  
سکتی ہے ؟

جواب لا جواب

ع : آپ حیات (محمد حسین آزاد)

ع : تذکرہ غوثیہ ص ۱۱۲-۱۱۱



## آدھا مسلمان

بیان کیا جا تا ہے کہ کرنیل نے غالب سے پوچھا کہ تم مسلمان ہو بلکہ آدھا، شراب پیتا ہوں۔ سو نہیں کھاتا۔

## محسب عیادت

ایک دن بہن کی عیادت کو گئے، دیکھا کہ بہن کی حالت اچھی نہیں ہے، بھائی کی عیادت دیکھ کر بہن رونے لگیں مرزا

نوشہ نے سہو کر کہا کہ بہن روتی کیوں ہو؟ بہن نے کہا کہ روتی تو یوں ہوں کہ موت کا پیغام تو آچکا ہے، اب بچنے کی امید نہیں، لیکن مجھ پر قرض بہت سا ہے دیکھئے وہاں کیا بنتی ہے یہ سن کے اسی رونکھی آواز میں مرزا نوشہ نے کہا کہ بہن کچھ غم نہ کرو، مفتی صدر الدین آسمان پر تمھارے نام سمن جاری نہیں کر سکتے، نہ تم پر وہاں ڈگری دیں گئے تم ناحق اپنا جی اڑھاتی ہو۔

## مرزا کی منشن

مرزا اسد اللہ خاں غالب عرف مرزا نوشہ صاحب کے گھر میں کچھ گویے گھس گئے اور ان کو گرفتار کر کے فیس گئے اور کہیں بدن کے

سامنے ان کو پیش کیا، مرزا صاحب کی کچھ نہ لگی ابھی باقی تھی ان کے ایک دوست اتفاق سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ان کی رسد رشن کر کے رانی ڈرا دی، ان کا کہنی کی طرف سے ساٹھ روپے ماہوار منشن شری ہو لیکن اس میں ان کی گزیر بہت ہوتی رہے ہمیشہ تنگ دست رہتے ہیں۔

## ایک اور مذاق

کسیوں کا ناچ ہو رہا تھا کہ سر مرزا نوشہ شریف لانے، ان کے ایک بھائی نے جو ایک چھوٹی ریاست کے نواب تھے میر خسرو کی خالقی باری کا

مرزا نوشہ کو دیکھ کر یہ مصرعہ پڑھا، سیا برادر آؤ سے بھائی، مرزا نوشہ نے بے ساختہ یہ جواب

ح : غالب (غلام رسول تھر ۱۵۲)

ٹ : چراغ دہلی (مرزا تہت زہوی ۱۵۲)

ع : نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۱۶

دیا کہ دوسرا مصرعہ بھائی تم نے کس لیے چھوڑ رکھا ہے یہ بی صاحبہ کی طرف خطاب کر کے پڑھ دو اس پر مجلس میں بڑا افسوس پڑا اور وہ مصرعہ یہ رہے ”بنشیں مادر بیٹھ ری مائی“ یہ عام طور پر سنا جاتا ہے۔ کہ جب کوئی بڑا معرکہ کا مشاعرہ ہوتا تو مرزا نوشہ ذوق کے مقابلے میں نہ آتے تھے اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتے تھے۔ چنانچہ نگلش کے کمرے میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا، مرزا نوشہ کو بلایا گیا مگر انھوں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے ٹال دیا اور اس مشاعرے میں استاد ذوق نے وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے ۔

توڑا کمر شاخ کو کثرت نے ثمر کی دنیا میں گر انباری اولاد غضب ہے

مرزا غالب اور سر سید

مرزا غالب کی تقریظ جو ایک چھوٹی سی فارسی مثنوی ہے وہ کلیات غالب میں موجود ہے مگر آئیں اکبری میں سر

سید نے اس کو قصداً نہیں چھپوایا اس تقریظ میں مرزا نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ابوالفضل کی کتاب اس قابل نہ تھی اس کی تصحیح میں اس قدر کوشش کی جائے چنانچہ کہتے ہیں ۔

مژدہ یاراں را کہ این دیریں کتاب یافت از اقبال سید فتح باب

دیدہ سینا آمد و باز و قومی کنگلی پوشید تشریف نومی

دیں کہ در تصحیح آئین را می دوست ننگ و عار ہمت والا می دوست

اس کے بعد بہت سے اشعار اس مضمون کے لکھے ہیں کہ تعریف کے قابل انگریزوں کے آئین و ایجاد و اختراع ہیں نہ کہ اکبر اور ابوالفضل کے اور مثلاً انگریزوں کے بہت سے ایجادات کے بیان کئے جب یہ تقریظ سر سید کو مرزا نے بھیجی انھوں نے اس کو مرزا کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ ایسی تقریظ مجھے درکار نہیں ہے۔

ط : چراغ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص ۳۲

ط : حیات جاوید (عالی) ص ۴۵

## مرزا غالب کی شوخی اور بذلہ سخی

مخبر روح کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”میر محمدی تم میری عادات کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینہ میں رام پور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے، برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن بیاں پہنچا، یکشنبہ کو غزوہ ماہ مقدس ہوا، اسی دن سے ہر صبح کو حاد علی خاں کی مسجد میں جا کر مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سناتا ہوں شب کو جامع مسجد میں جا کر تراویح پڑھتا ہوں کبھی ہوجی میں آتی ہے تو وقت صوم مناب باغ میں جا کر روزہ کھاتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں واہ وا! کیا عمر بسر ہوتی ہے اب اصل حقیقت سنو، لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا وہاں انہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا تنہا بے صبح دینے میں دم آیا کہ خدا جانے اگر کوئی اسر عا د ہو تو بدنامی عمر بھر رہے اس سبب سے ہلا چلا آیا، درنہ گرمی برسات دہیں کاٹنا، اب شرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤں گا۔ اور بہت دنوں تک بیاں نہ کوں گا۔ قرار دار یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ سورویہ مجھے

ماہ بھاؤ بھیجتے ہیں اب جو میں وہاں گیا تو سورویہ مہینہ بنام دعوت اور ریالینی رام پور رہوں تو دو سو روپیہ پاؤں اور دہلی رہوں تو دو سو روپیہ، بھائی سو دو سو میں کلام نہیں، کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دوستانہ اور شاگردانہ دیتے ہیں مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے ہیں ملاقات بھی دوستانہ رہی، معافقہ و تعظیم ہر طرح احباب میں رسم ہے وہ دعوت ملاقات کی ہے لڑکوں سے میں نے تقد و ہوائی تھی بس بہر حال غنیمت ہے، رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیے، کمی کا شکر کیا، انگریز کی سرکار سے دس ہزار روپیہ سال ٹھہرنے اس میں سے مجھے ساڑھے سات سو روپیہ ہوا، ایک صاحب نے نہ دیئے، مگر تین ہزار روپیہ سال۔ عزت میں وہ پایہ جو نہیں۔ اداؤں کے واسطے ہوتا ہے بنا۔ ہا۔ خاں صاحب بسیار مہربان دوست القاب خلعت سات پارچہ اچھی صغیر و سر بیج والا سے مراد بادشاہ اپنے فرزندوں



کے باہر پار کرتے تھے بخشی ناظر، حکیم کسی سے تو قیصر کم نہیں مگر فائدہ وہ ہی قلیل سو میری جان یہاں بھی  
وہی نقشہ ہے، کوٹھڑیاں بٹھایا ہوں، ٹٹی لگی ہے ہو آدھی ہے پانی کا جھجرا دھرا ہٹا ہے حقہ پی رہا  
ہوں، یہ خط لکھ رہا ہوں تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا یہ باتیں کر لیں۔

”علو سے خیال، فلسفہ حیات اور

ذہانت و طباعی میں غالب

## غالب کا مقابلہ اپنے معاصرین شعرا سے

اپنے معاصرین مومن و ذوق سے بڑھ کر ہیں مگر روزمرہ اور سادگی بیان اور محاورہ بندی کے اعتبار سے  
ذوق ان سے بڑھے ہوئے ہیں گو کہ مومن اس میں بھی ان سے کم ہیں، یورپ کے شاعروں میں جو ان کے معاصر  
یا فریب الحمد ستھے ان کے کلام کا توازن ذیل کے کلام سے کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ لارڈ برادنگ جو انگلستان کا اسی عہد کا ایک شاعر تھا پر فلسفہ سنیسبری برادنگ  
اسکی نسبت لکھتے ہیں کہ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ روح کا تجزیہ کرتا ہے۔ مرزا غالب تجزیہ  
اس قدر نہیں کرتے جتنا کہ رموز روحانی کے عمق کو دریافت کرتے ہیں، حقائق کی جھلکیاں وہ دیکھتے  
ہیں ان کا کلام مثل مونا ماروم وغیرہ کے سراپا اسرار و نقوش نہیں ہے اور نہ من اولہ الی آخر  
کوئی فلسفہ ہے، مگر حقائق و رموز کا ان کے کلام میں جا بجا پر تو موجود ہے، ان کو صوفی برادنگ  
کہنا بجا ہے، ہرچند کہ برادنگ کے کھر سے پن ادھ اکھڑ پن سے ان کا کلام پاک ہے۔

۲۔ مضامین عزن و یاس میں ان کا مقابلہ جرمنی کے شاعر ہین "سے خوب ہو سکتا ہے

۳۔ مگر فی الحقیقت اگر کوئی شاعر یورپ میں ان کے مقابلہ کا گزرا ہے تو وہ جرمنی کا

مشہور معروف "گوٹے" ہے، غالب میں ان تینوں چیزوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔ یعنی فلسفی

کی عقل و ادراک، صوفی کی نگاہ، دور بین، چابک دست، مصور کا نازک ہاتھ، ان کی صنعت پر

کاری اور پرکاری صنعت ہے اور حسن حق ہے وہ ایک صوفی صاف دل تھے اور ان کا یہ

ط : آب حیات (از محمد حسین آزاد)



قول بالکل صحیح ہے ۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں  
غالب صریح خانہ نوائے سرودش ہے

اس کا مضمون کوئی شغل دلچسپی نہیں اور نہ ان کی شاعری محض خیالی شاعری ہے، بلکہ وہ واقعات اور  
واردات سے لبریز ہے اور اسی وجہ سے اس کا شمار دنیا کی بہترین شاعری میں کیا جاسکتا ہے۔

غالب کے بکثرت شاگرد تھے جن میں اصحاب ذیل کے نام قابل  
ذکر ہیں۔ نواب ضیاء الدین خاں تیرہ درخشاں، تخلص کران کے عزیز

**غالب کے شاگرد**

بھی تھے میر محمدی مجروح، مرزا قربان علی بیگ سالک، خواجہ الطاف حسین حالی، مصنف یادگار  
غالب منشی بہرگاہ تفتہ، نواب علاؤ الدین خاں علوی، زکی، عزیز اور مشتاق و جوہر وغیرہ

سرسید کہتے تھے کہ جب میں مراد آباد آیا تھا اس وقت مرزا صاحب

**شوق شراب**

نواب یوسف علی خان مرحوم سے ملنے کو رام پور گئے تھے، ان

کے جانے کی تو مجھے خبر نہیں ہوئی، مگر جب دلی کو واپس جاتے تھے، میں نے سنا کہ وہ مراد آباد  
میں سرسید سے مل کر ٹھہرے ہیں میں فوراً سرسید کے چہنچا اور مرزا صاحب کو مع اسباب اور تمام ہتھیاروں  
کے اپنے مکان پر لے آیا، ظاہراً جب کہ سرسید نے تفریق کے چھاپنے سے انکار کیا تھا وہ مرزا  
سے اور مرزا ان سے تھے اور دونوں کو جواب دہانگی تھی اس لیے مرزا نے مراد آباد میں آنے کی  
اطلاع ان کو نہیں دی تھی الغرض جب مرزا سرسید سے سرسید کے مکان پر پہنچے اور پالکی سے اُتے  
تو ایک بوتل ان کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے اس کو مکان میں لاکر ایسے موقع پر رکھ دیا جہاں ہر ایک  
آتے جاتے کی گواہ بنتی تھی سرسید نے کسی وقت اس کو وہاں سے اٹھا کر اسباب کی کوٹھڑی رکھ دیا

مرزا نے بوتل کو دھاں نہ پایا تو بہت گھبرائے، سرسید نے کہا، آپ جمع خاطر کھیٹے ہیں نے اس کو بہت احتیاط سے رکھ دیا ہے مرزا صاحب نے کہا بھی مجھے دکھا دو، تم نے کہاں رکھی ہے انہوں نے کوٹھری میں سے جا کر بوتل دکھلا دی اپنے ہاتھ سے بوتل اٹھا کر دیکھی اور مسکرا کر کہنے لگے کہ بھی ہیں تو کچھ خیانت ہوئی ہے سچ بتاؤ کہ کس نے پی ہے شاید اسی لیے تم نے کوٹھری میں لا کر رکھی تھی، حافظ نے سچ کہا ہے کہ

واعظان کایں جلوہ در محراب و میکنند  
چون بخت میر و ندان کار و یگر میکنند

سرسید منہس کے خوب ہوا ہے، اس طرح وہ رکاوٹ جو کئی برس سے چلی آتی تھی دور ہوئی، مرزا ڈوون  
ٹھوکر کوئی چلے آئے

## نمونہ اشعار رنجیہ

تھی نوا آمد و فنا ہمت و شوار پسند  
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسماں نکلا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
اڑنے سے پیشتر بھی مرا نگ زد تھا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جنا سہ قہ  
ہائے اس زود و پشماں کا پشماں ہونا

ط : حیات جاوید (مولانا الطاف حسین حالی) ص ۴۵ :

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا  
زخم کے بھرنے تک: خون نہ پھڑکائیں گے کیا

وائے گر میرا ترا الصاف محشر میں نہ ہو  
اب تک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

دریا سنے معاصی تنک آبی سے ٹوا خشک  
میرا سردامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا:

سر پھوٹنا وہ غالب شوریدہ حال کا  
باد آگیا مجھے ترمی دیوار دیکھ کر

قاصد کے آتے آتے خط آک اور لکھ بھول  
میں جانتا ہوں جو وہ نکھیں گے جواب میں

میں اور خط وصل خدا ساز بات ہے  
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

بلا سے گرم تر بیا تشنہ خون ہے  
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خوفشاں کیلئے

ظالم میرے گناہ سے مجھے متغفل نہ چاہ  
ہے ہے خدا نہ کر دے تجھے بے وفا کہوں

کہتے ہیں جیتے ہیں اُمّتِ یہ لوگ  
ہم کو جینے کی بھی اُمّتِ نہیں

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمّت  
نا اُمّتِ یہی اس کی دیکھا چاہیے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا کہتے تھے

چونٹھ کھبے سے ملا ہوا بجانب شمال ایک  
اعاطہ میں اور قبروں کے ساتھ نجم الدولہ

مرزا غالب کا مزار (۱۸۶۹ء)

دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب عرث مرزا نوشہ کی پختہ قبر ہے

ط : واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم (البشر الدین احمد) ص ۵۴ :



## حکیم مومن خاں

طیبِ ماذق، شاعرِ بے مثال، مردِ مومن، خود دار، اتنا کہ زبان کسی تاجدار اور تاجور  
کی مدح و قصیدے سے آلودہ نہیں ہوئی، جو خود اعلیٰ شعری سخن کا تاجدار ہوا۔ کسی سلطان کی مدح  
کیا کرے گا؟ جذبہِ مذہبیت کا یہ عالم کہ شوقِ شہادت سے سرشار، حضرت سید احمد  
شہید کی تحریکِ اجیاء دین کے سلسلہ میں جو دالمانہ اشعار کہے ہیں وہ اپنی مثال آپ میں تغزل  
کا رنگ و بھر سے ممتاز بھی اور منفرد بھی مرزا غالب نے مومن کا جب یہ شعر سنا ہے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو اپنا دیوان دینے پر تیار ہو گئے،

سر سید، مومن خاں کے بارے میں کس جوشِ حقیقت کے ساتھ لکھتے ہیں :-

”ان کے کمالات کا اندازہ ظرفِ شمار سے افزوں اور حیطہٴ تعداد سے بیرون رہے۔

معنی تازہ سے قالبِ الفاظ میں جان و آلتا ایک شیوہ ہے، معانی پناہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ شیرینی

زبان حافظ اور نمکِ سخن سعدی اور متانتِ تراکیب انہدی اور نشستِ الفاظ خاقانی اور صوا

اہس کے جو خوب صنفِ شعر اسے کسی کے ساتھ مختص ہے سب ان کے کام معجز نظام میں ہے حق

شناسی اور مرتبہ سے بہت بعید اور نہایت دور از کار ہے حق یہ ہے کہ قاسم ازل نے

سب کو انھیں کے خزانِ استعدادی سے منصبِ ریزہ چینی اور انھیں کے دیگِ کمال سے

وظیفہٴ چاشنی گیری عطا کیا ہے زبانِ ریختہ میں وہ کمالِ مبدیہ فیاض سے حاصل ہوا ہے کہ سودا کو

ان کے سخن کے رشک سے جھون اور تمیز ان کے کلام کی خجالت سے مرقد میں سرنگوں سخن گوئی کو

یہ حد اعجاز پہنچایا اور شعر نے ان سے مرتبہ حکمت کپایا، نکات سخن اور دلائل فن ان کی قلم سے اس طرح گرتے ہیں جیسے ابر سے باران لطافت، ابیات ان کی مثل بیت ابر و سراپا انتخاب اور اشعار ان کے مانند صریح زلف مجموعہ آب و تاب سخن ان کا باوصف پرگوئی کے رکاکت سے خالی اور فکر ان کا باوجود غور کے عالی ط

ان کے والد حکیم غلام نبی خاں ولد حکیم نادر خان شہر کے شرفا میں سے

### مومن کا خاندان

تھے (جن کی اصل نجبا ئے کشمیر سے تھی) اول حکیم نادر خان اور حکیم نادر خان دو بھائی سبطت مغلیہ کے آخری دور میں آکر بادشاہی طبیبوں میں داخل ہوئے شاہ عالم کے زمانے میں موضع بلاہٹہ غیر پرگنہ نارنول میں جاگیر پائی جب سرکار انگریزی نے جھجھکی ریاست نواب فیض طلب خاں کو عطا فرمائی تو پرگنہ نارنول بھی اس میں شامل تھا، رئیس مذکور نے ان کی جاگیر ضبط کر کے ہزار روپیہ سالانہ پنشن ورثہ حکیم نادر کے نام مقرر کر دی، پنشن مذکور میں سے حکیم غلام نبی خاں صاحب نے اپنا حصہ لیا اور اس میں سے حکیم مومن خاں نے اپنا حق پایا۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان کے چار طبیبوں کے نام پسرور پیہ یا ہوار پنشن سرکار انگریزی سے بھی ملتی تھی، اس میں سے ایک چوتھائی ان کے والد کو اور ان کے بعد اس میں سے ان کو حصہ ملتا رہا :

ان کی ولادت ۱۲۱۵ھ ہجری میں واقع ہوئی، بزرگ جب بڑی آئے تو چلوں کے کوچہ میں رہے تھے وہیں خاندان کی سکونت رہی، شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ وہاں سے بہت قریب تھا ان کے والد کو شاہ صاحب کے کمال عقیدت تھی، جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت ہی نے آکر کان میں اذان دی اور مومن خان نام رکھا، گھر والوں نے اس نام کو ناپسند کیا اور حبیب اللہ نام رکھنا چاہا لیکن شاہ صاحب ہی کے نام سے نام پایا۔

بچپن کی معمولی تعلیم کے بعد حبیب نور اہوش سنبھالا تو والد نے شاہ عید القادر صاحب کی

ط : تذکرۃ اہل دہلی (سرسید) ص ۱۴۹

قدرت میں پہنچا یا۔ ان سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے، حافظہ کا یہ حال تھا کہ جو بات شاہ صاحب سے سنتے تھے فوراً یاد کر لیتے تھے، اکثر شاہ عبدالعزیز صاحب کا وہ عظیم دفعہ سن کر بعینہ اسی طرح ادا کر دیتے تھے، جب عربی میں کسی قدر استعداد ہو گئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انھیں کے مطب میں نسخہ نویسی کرتے رہے۔

نیز طبیعت کا خالقہ یہ کہ ایک فن پر دل نہیں جماتا، اس نے بزرگوں کے علم یعنی طبابت پر تھمنے نہ دیا دل میں طرح طرح کے شوق پیدا کئے، شاعری کے علاوہ نجوم کا خیال آیا، اس کو اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہنچائی، ان کو نجوم سے قدرتی مناسبت تھی ایسا ملکہ بہم پہنچایا کہ احکام سن کر بڑے بڑے منجم حیران رہ جاتے تھے سال بھر میں ایک بار تقویم دیکھتے تھے پھر برس دن ہم ستاروں کے مقام اور ان کی حرکات کی کیفیت ذہن میں رہتی تھی، جب کوئی سوال پیش کرتا نہ زائچہ کھینچتے نہ تقویم دیکھتے پوچھنے والے سے کہتے کہ تم خاموش رہو جو میں کہتا جاؤں اس کا جواب دیتے جاؤ پھر مختلف باتیں پوچھتے تھے اور سائل اکثر تسلیم کرتا جاتا تھا۔

**ایک نقاد کی رائے** | مومن کی آسودہ حالی اور مذہبیت نے ان کے اندر خود داری اور استغناء کی شان پیدا کر دی تھی، ان کے یہاں نہ ذوق کی کمی نہ ہر گز بے ادب نہ غالب کا سا "نا خدا باشد بجا و شاہ باد" والا اندازِ بیاں، نہ انگریز حکام کی شاگستری نہ جاپوسی اس کے برخلاف وہ شوقی بہادر یہ ہیں لکھتے ہیں :-

جو داخل سپاہِ خدا میں ہوا  
فدا جی سے راہِ خدا میں ہوا

ط : آبِ حیات ۴۹۳ :

ط : کلاں ادب (خواجہ احمد فاروقی) ص ۱۱۱ :



مومن کی حیاتِ معاشقہ | تذکرہ کریم الدین میں لکھا ہے: صاحب ایک عورت

مسماۃ امتہ العاطرہ بیگم جس کو صاحب جی بھی کہتے ہیں وہ میان شاہجہان آباد کے حکیم مومن خاں سے ملاقات اس کی بتقریب علاج کے ہوئی تھی، مدت تک آشنائی رہی کئی سال گزرے کہ لکھنؤ چلی گئی ہے وہ ایک خانگی تھی۔ مثنوی قول مومن خاں کی اسی مجربہ کے حق میں ہے۔ بسبب فیض صحبت مومن خاں صاحب کے وہ بھی شعر کہنے لگی تھی۔

مومن خاں کی سجد و سج | حکیم آغا جان کے چھتے کے سامنے خاں صاحب کا مکان تھا۔

بڑا دروازہ ہے اور اندر وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت بنے دو طرف صحنیاں ہیں اور سامنے بڑے بڑے والان ہیں پچیلے والان کے اوپر کمرہ بنے سامنے کے والان کی چھت کو صحن کر دیا لیکن منڈیر بہت چھوٹی رکھی ہے۔ والانوں میں پاندنی کا فرش بنے اند کے والان میں بیچوں بیچ قالین بچھا ہوا ہے، قالین پر گاؤ تکیہ سے لگے حکیم مومن خاں بیٹھے ہیں سامنے حکیم سکھانہ المستخلص بہ رقم اور منوار حکیم الدین حیات مودب دوزانو بیٹھے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دربارہور ہا ہے کہ کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بولنے کا بار انہیں ہے۔

حکیم مومن خاں کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی کیشدہ قامت تھے سرخ سفید رنگ تھا جس میں سبزی جھلکتی تھی بڑی بڑی روشن آنکھیں لابی لابی پلکیں کھنچی ہوئی بھوین لمبی لمبی ستواں ناک پتلے پتلے ہونٹ ان پر ان کا لاکھا جھاڑا مستی آلودہ دانت ہلکی ہلکی مونچھیں خوش خوشی داڑھی بھرے بھرے بازو پتلی کمر چوڑا سینہ لمبی لمبی انگلیاں سر پر گھونگر والے لمبے لمبے بال زلفیں بن کر پشت اور شانوں پر بکھرے ہیں کچھ لٹیں پیشانی کے دونوں طرف کا کلوں کی شکل رکھتی ہیں کان کے قریب تھوڑے سے بالوں

ط ۱: تذکرہ کریم الدین ص ۳۷۲

ط ۲: اس منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے اٹھا اور بازو ٹوٹ گیا اس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا۔ خود ہی مرنے کی تاریخ لکھی تھی: "دست و بازو بشکست"



کو موڑ کر زلفیں بنایا تھا، بدن پر شرتی ملل کا نیچی چولی کا انگر کھاتا تھا، لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا اور جسم کا کچھ حصہ انگر کھ کے پردے میں سے دکھائی دیتا تھا، گھٹے میں سیاہ رنگ کا فیتہ اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ خاک ویزی رنگ کے دوپٹہ کو بل سے کرکڑ میں لپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں سر سے سامنے پڑے ہوئے تھے لافٹہ میں تپلا سا غار پشت پاؤں میں سرخ گلابن کا مرنو پاجامہ پر سے تنگ اوپر جا کر کسی قند و حیلہ کبھی کبھی ایک برکا پاجامہ بھی پہنتے تھے مگر کبھی قم کبھی ہو، ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا، چوڑا سرخ نیفہ انگر کھ کی آستین آگے سے کٹی ہوئی کبھی لٹکتی رہتی تھیں اور کبھی الٹ کر چڑھا لیتے تھے، سر پر گلشن کی پڑی دپڑی ٹوپی اس کے کنارہ پر ایک بیس ٹوپی اتنی بڑی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈھ کر آگئی تھی، آندے سے جا لگ اور اسٹھے کا کچھ حصہ اور بال منہ جھٹکتے تھے، غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمی تھے۔

ایک روز مومن خاں اپنی عیالی میں تشریف فرما تھے ان کے ہندو شاگرد  
**اختر شناس شاعر** سکھانڈ بھی بیٹھے تھے مومن خاں نے ان سے کہا: "میاں سکھانڈ تم بیٹھے انتظار کرتے ہو میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کی طرف سے اس جھپکلی کا جھوٹا نہ آجائے یہ دیوہ سے نہ جائے گی، اس کا جھوٹا آتے پر آئے۔"

سکھانڈ حکیم تھے، رقم تخلص کرتے تھے، دھرم پور سے میں رہتے تھے کوئی چالیس سال کی عمر تھی، ریختے میں شاہ نصیر کے اور مل میں خان صاحب کے شاگرد تھے بڑے خوش پوشاک خوش وضع خوش اخلاق ظریف الطبع علیم خوبصورت اور شکیل آدمی تھے، استاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئی بیاباب کا ادب کرتا ہے، حکیم صاحب کی باتیں سن کر بہت مناسب کہتے رہتے، ان سے گفتگو کر کے حکیم صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے، کہنے لگے: "اے بھائی صبا، تم تو کئی دن سے نہیں آئے، کہو خیریت سے تو ہو اور آپ کے ساتھ یہ صاحب کون ہیں مولوی صبا، انے کہا یہ پہلے کالج میں میرے شاگرد تھے، اب طبع

کھول لیا، وہاں مشاعرہ کرنا چاہتے ہیں آپ کو تکلیف دینے آئے ہیں حکیم صاحب نے سنس کر کہا "بس مجھے  
معاف نہ کیجئے۔ اب وہی کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رہے ایک صاحب ہیں  
جو اپنی اُمت کو لے کر چڑھ آتے ہیں شعر سمجھنے کی تو کسی کو تیز نہیں، مفت میں واہ وا، سبحان اللہ کا غل  
مچا کر طبیعت منعطف کر دیتے ہیں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گھٹے لے کر آیا، شہر میں جب  
کوئی آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا انا لازمی تھا، ریشمی کپڑوں سے اُن کو عشق تھا، کوئی کپڑا پسند آتا  
تو پھر قیمت کی پروا نہیں کرتے تھے جو مانگتا دیتے، اس سوداگر نے آکر گھڑی مزدور کے سر پر سے آمادی  
اس میں سے پٹ سے چھپکلی نیچے گرمی اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ گئی جو چھپکلی پہلے سے دیوار  
پر تہی بیٹھی تھی۔ وہ لپک کر اس سے اُلی اور دونوں مل کر ایک طرف چلے گئے۔

خانہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی سراج احمد صاحب جو ی فرماتے تھے کہ مومن  
مومن خاں کی قابلیت خاں احمد مولوی فضل حق صاحب نے طرح لکھا کرتے تھے اور مومن خاں کھیل میں  
غالب رہتے تھے ایک مرتبہ مرزا غالب نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ آپ اس قدر تیز طبع انداز ہیں  
پھر کیا بات ہے کہ مومن خاں سے مات کھا جاتے ہیں مولوی فضل حق صاحب نے فرمایا کہ مومن خاں بھیر پاشا ہے  
اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے عشق و عاشقی کے قصوں میں بھنس گیا اگر علمی مشغلہ میں پڑتا، اس وقت اس کے ذہن  
کی حقیقت معلوم ہوتی، فی الحقیقت نہایت ذہین آدمی ہے۔

خانہ صاحب نے اپنی نجوم دانی کو ایک غزل کے شعر میں نہایت خوبی سے ظاہر کیا ہے۔

ان نصیبوں پر کیا اختر نشا کس

آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

۱۔ یہ واقعہ ہے اس کے دیکھنے والے ایک صاحب کا، ابھی کوئی بینر برس ہوئے انتقال

پڑا، میں نے یہ واقعہ خود اُن کی زبانی سنا ہے۔ (دلی کی آخری شمع) ص ۳۶-۳۷

۲۔ امیر، الروایات ص ۱۶۱

شطرنج سے بھی ان کو کمال مناسبت تھی جب کھیلنے بیٹھتے تھے تو دنیا مافیہا کی خبر نہ رہتی تھی اور گھر کے نہایت ضروری کام بھی بھول جاتے تھے دلی کے مشہور شاطر کرامت علیمان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے اور شہر کے ایک مشہور شاطروں کے سوا کسی سے کم نہ تھے۔

شعرو سخن سے انھیں طبعی مناسبت تھی اور عاشق مزاجی  
**مومن کے استاد اور شاگرد** نے اسے اور بھی چمکا دیا تھا انھوں نے ابتدا میں شاہ قیصر

مرحوم کو اپنا کلام دکھایا مگر چند روز کے بعد ان سے اصلاح لینی چھوڑ دی اور کچھ کسی کو استاد نہیں بنایا۔  
 ان کے نامی شاگرد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ صاحب تذکرہ گلشن پنجاب خلیفہ نواب  
 اعظم الدولہ سرفراز الملک رفعتی خاں مظفر جنگ بہادر رئیس یوپی اور ان کے چھوٹے بھائی نواب کبیر خاں  
 کہ چار برس ہوئے لوہ پسنڈی میں دنیا سے انتقال کیا۔ حیرت انگیز کہ نہایت ذکی الطبع شاعر تھے۔  
 سید غلام علی خاں وحشت غلام ضامن کرم، نواب اصغر علی خاں کہ پے اصغر تخلص کرتے تھے، پھر  
 نسیم تخلص اختیار کیا اور مرزا خدا بخش قیصر شہزادے وغیرہ اشخاص تھے۔

” رنگین طبع رنگین مزاج و خوش وضع، خوش لباس  
**مومن ترغم سے پڑھتے تھے** کشیدہ قامت سنہ و رنگ سر پر بے بے گھوگرانے

بال اور ہر وقت انگلیوں سے ان میں کنگھی کرتے رہتے تھے ملل کا انگر کھا ڈھیلے ڈھیلے پانچے اس  
 میں لال نیلہ بھی ہوتا تھا، میں نے انھیں نواب اصغر علی خاں اور مرزا خدا بخش قیصر کے مشاعروں میں غزل  
 پڑھتے ہوئے سنا تھا ایسی دردناک آواز سے واپس ترغم کے ساتھ پڑھتے تھے کہ مشاعرہ وجد  
 کرتا تھا، اللہ اللہ اب تک وہ عالم آنکھوں کے سامنے ہے باتیں کہانیاں ہو گئیں باوجود اس کے  
 نیک خیالوں سے بھی ان کا دل غالی نہ تھا، نوجوانی ہی میں مولانا سید احمد صاحب بریلوی کے

ط: آب حیات ص ۴۹۹

ط: آب حیات ص ۴۹۹



مرید ہوئے جو مولوی اسماعیل صاحب کے پیر تھے۔ خالص صاحب انہیں کے عقائد کے بھی قائل رہے۔  
 راجہ کپور تھلہ نے انہیں ساڑھے تین سو روپے جہیز کر کے بلایا اور ہزار  
 روپیہ خرچ سفر بھیجا وہ بھی تیار ہوئے مگر معلوم ہوا کہ وہاں ایک گوتیے  
 کی بھی بی تھوڑا ہے کما کہ جہاں میری اور ایک گوتیے کی برابر تھوڑا ہو نہیں سکتا +  
 جس طرح شاعری کے ذریعے سے انہوں نے روپیہ نہیں پیدا کیا اسی طرح نجوم۔ رمل اور طبابت  
 کو بھی معاشن کا ذریعہ نہیں بنایا جس طرح شطرنج ان کی ایک دل لگی چیز تھی اسی طرح نجوم، رمل اور  
 شاعری کو بھی ایک اور ہلاک و اہل کا سمجھتے تھے۔

خالص صاحب پانچ چار دفعہ دہلی سے باہر گئے، رام پور جا کر کہا  
 دہلی سے رام پور چلایا جنوں کا شوق  
 دیرانہ چھوڑ آئے ہیں دیرانہ تہ میں ہم  
 دوسری دفعہ سہسولہ گئے

## استادانہ کمال

ان کے کسی شاگرد نے غزل میں یہ شعر لکھا :-  
 ہجر میں کیونکہ پھروں ہر سو نہ گھبرا یا ہوا  
 وصل کی شب کا سماں آنکھوں میں ہے چھایا ہوا  
 خالص صاحب نے پہلے مصرع کو یوں بدل دیا  
 اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرما یا ہوا

ط : آب حیات ص ۴۴

ط : آب حیات ص ۴۹۵



اہلِ بدلتی جانتے ہیں کہ اب شعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا  
ایک اہل شخص نے الہی بخش کا سچ لکھا تھا :-  
”مجھ گنہ گار کو الہی بخش“

خانصاحب نے فرمایا :-

”میں گنہ گار ہوں الہی بخش“

## مومن کی تاریخیں

مومن کی تاریخیں بڑی جہت اور بے ساختہ ہوتی تھیں چند ملاحظہ ہوں ۔  
خلیل غاں کے عقد کی تاریخ کی :-

سنت خلیل اللہ

اپنی عہ کے مرنے کی تاریخ کہی

”ہما اجر عظیم“

اپنے والد کی تاریخ کہی

”قد ناز فوزاً عظیماً“

اپنی بیٹی کی تاریخ ولادت کہی

مال کھٹنے کے ساتھ آلف نے

کہی تاریخ ”وخرتہ مومن“

شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کی تاریخ

دست بے داد اجل سے بے سڑپا ہو گئے فقر و دین، فضل و مہر، لطف و کرم علم و عمل

مصرع کے اول و آخر کے حرفوں کو گادو: بیچ کے حرفوں کے عدد سے لوز ۱۲۳۹ رہتے  
ہیں، ان کے متغے متعدد ہیں مگر ایک لاجواب ہے ایسا سنا نہیں گیا  
بچے کیونکہ کہ ہے سب کار اٹا  
ہم اٹے بات اٹھی، یار اٹا  
یعنی "مناہب رائے"۔

**سکینہ کی رائے** "مومن شعرائے اردو میں ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں نہ صرف  
اپنی ذہانت اور طباطبائی اور دلفریب شاعری کی وجہ سے بلکہ  
اس لیے کہ وہ ایک صاحب طرز ہیں جن کے پیروستیم دہلوی، منشی امیرالدین تسلیم حسرت مولانی وغیرہ  
ایسے نام پر آرد وہ لوگ ہیں مومن کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ و احب تذکرہ  
گلشن بے غار، میر حسن تسکین، میر غلام علی وحشت، اصغر علی خان نسیم وغیرہ  
مومن کا انتقال ۱۳۶۸ھ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء میں کوٹھی سے گر کر ہوا، انھوں نے حکم لگایا  
تھا کہ پانچ دن یا پانچ مہینے یا پانچ سال میں مرعادل گوا، چنانچہ پانچ ماہ کے بعد مر گئے، گرنے کی تاریخ خود  
کسی تھی، دست و بازو بے شکست، چونکہ اسی سال انتقال ہو گیا تھا، لہذا یہی تاریخ ان کے مرنے کی سمجھا جائیے  
مومن جیسے زند غزل خواں کے انگریزوں کے خلاف یہ جہاد یہ انشراحطہ  
**جذبہ جہاد** ہوں۔

الہی مجھے بھی شہادت نصیب  
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب  
الہی اگر چہ میں ہوں تنصیب  
پہ تیرے کرم کا ہوں اُمیدوار  
یا فراتے ہیں :-

ط : آب حیات ط ۴۹۶ :-

ط : تاریخ ادب اردو رام بابو سکینہ ص ۳۰۸

الہی بیا مرزِ مظلوم را      کلاہ شہی عد بہ ملک بقا  
بغردن علی بد جائے او      بہشت بریں باداوائے او

## نمونہ کلام

خو ہو گئی ہجر میں میں تڑپنے کی شبِ وصل  
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہو گا

عشق کیوں دے جان شوق ہے کیوں سینہ شکاف  
دشمنی دل شکنی شیوہ احباب نہیں  
گلہ چرخِ عیث شکوہ جاں بے جا  
ایں دحرمان کو میری حاجت اسباب نہیں

گڈے ہیں میری خاک پہ غیروں کے ساتھ  
فتنہ اٹھانے گرد پس کارواں نہیں  
کھل جائے شاید اکھ کوئی دم شبِ فراق  
نامح ہی کو لے لو گر افسانہ خواں نہیں  
اوس بت کی ابتداءے جوانی مراد ہے  
مومن کچھ ادفست نہ آخر زماں نہیں

کھتہ میں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں  
سائے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

ص : داستانِ تازیخِ ارد (عابد حسن قادری)

دردوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش  
 وہ ہی خط ادس نے بھیج دیا کیوں جواب میں  
 پیہم سجود پائے ضم پر دم و دواع  
 موتن خرد کو بھول گیا اضطراب میں

---

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی  
 قافی کی بھی خطا لم نے تو کیا کی  
 کما ادس بت سے مرتا ہوں تو موتن  
 کما ین کیا کروں مرضی خردا کی

---



## میر ہمدی مجروح

میر ہمدی مجروح غلت میر حسین ذکا، مرزا غالب کے محبوب اور سب سے عزیز شاگرد و آئی کے رہتے داسے تھے، غدت کے زمانے میں وطن چھوڑ کر پانی پست چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی، کچھ عرصہ بعد جب غدت کا طوفان فرو ہو ا اور آئی میں گو نہ امن کی صورت پیدا ہوئی تو یہ پھر واپس آ گئے اور اپنے قدیم مشغلہ شعر و سخن سے دلچسپی لینے لگے اور شاعروں میں شریک ہوتے، بعد چند روز کے بتلاش معاش اور گئے، جہاں ہمارا جہ شہود و جان بنگھ نے ان کی قدر کی، آخر عمر میں نواب صاحب رام پور کی قدروانی سے اس ریاست میں چلے آئے اور بغراقت زندگی بسر کی۔

۳۱۶ ہجری میں اپنا ایک دیوان ”مظہر معانی“ کے نام سے چھپوایا، میر ہمدی کی زبان نہایت سادہ صاف اور شیریں ہے، چھوٹی بھروں میں ان کا کلام بوجہ احسن معلوم ہوتا ہے خیالات میں قدرت اور مضامین میں جدت ان کے کلام میں نہیں ہے، گریز ادا استادانہ اور شعر عیب سے پاک ہیں مولانا حالی ان کے بڑے معرفت تھے، میر ہمدی مجروح ان لوگوں میں ہیں جن کو اردو شاعری کی آخری یادگار تصور کرنا چاہیے، انھوں نے اردو شاعری کی روایات قدیمہ کو حتی الامکان خوب سنا، مرزا غالب کے اکثر دلچسپ خطوط عمود ہندی اور اردو سے متعلق ہیں ان کے نام موجود ہیں۔

ط : تاریخ ادب اردو - (ام) (ایو بکسینہ) ص ۳۴۰

## میر نظام الدین مثنوی

میر نظام الدین مثنوی خلف ملک الشعراء میر قمر الدین منت پیش گاہ خلافت و بارگاہ سلطنت دارائے ہند سے مخاطب خطاب فخر الشعراء سخن میں ایک طرز تازہ کو ایجاد اور ادبیات بلند کو معانی ارجند سے آباد کیا۔ متانت کلام صفائی عبارت اور تازگی مضمون اور غرائب تشبیہ اور نوی استعارات جیسے اس گروہ اہل کمال کے سخن میں موجود ہے کسی اہل فن کے سخن میں متصور نہیں ہے الحق ریختہ کو ماری اور اردو کو دری کر دیا، نہ ان کے قصیدہ کے سامنے قصائد قدما کو رتبہ ہے نہ ان کی غزل کے آگے غزلیات متاخرین کو رتبہ، ہر نقطہ ان کے سخن کا گوہر آبدار اور ہر لفظ ان کے کلام کا لولہ سے شاہوار طبع بلند ان کی دریائے ذخار ہے اور خامہ معنی طراز ابر گوہر بار مومہت فیض حقیقی سے مرتبہ اس بیگانہ مدگار کا مستغنی ہے اس سے کہ قلم ان کی تعریف میں کچھ لکھے یا زبان ان کی توصیف میں کچھ کہے بے تکلف تشریح بدن اشعار کے باب میں جالینوس اور نگہبانی چراغ معنی کے واسطے طبیعت ان کی نانوس۔ عرصہ تین برس کا ہوتا ہے کہ اس جہان نا پایدار سے رخت سفر کو باندھ کر راہی حجت ہوئے ۔

### نمونہ کلام

برائے مت مرے دیکھنے سے  
تھیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

ط : گمشدہ بے خار صفحہ ۱۸۷ اور سخن شعراء فلاح صفحہ ۳۵۵ میں ان کا تذکرہ اور انتخاب دیا گیا ہے ۔

ط : تاریخ وفات ۱۲۶۰ھ ہجری ۔

ط : تذکرہ اہل دہلی (مرستہ) ص ۱۶۴ ۔

اُدھی سو شود عشر گرد ہو مہیاں ایک جنبش میں  
کیا تو نے غبار اے چرخ ہم کو کس کے دوا ان کا

قربان ناز نعلش میری دیکھ کر کہا  
گردن پہ کس کی خون ہے اس بے گناہ کا

ہاتھ میں جنبش محل کے عنان ہے اپنی  
ورنہ یہاں کس کو ہے سر آبلہ فرسائی کا

غموں کی گرہی بالیدگی ہے تو آخر  
دل گرفتہ نہیں سینہ میں سمانے کا

بے تابی دل تیری شہیدوں کی کہاں بائے  
کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا

ممنون قضا نے ہم کو دیا کیا بغیر دل  
سودہ بھی نند کا ہنس و تشویش ہو گیا

نہیں دیتی دکھائی صورت زلیبت  
مناسب صورت ہوں آیا دیکھ کر آج

یوں تو ہے وہ فرشتہ خوگین  
ہے فدا آدمی کشی کا شوق

---

بس مستانہ آزمائی ہو چکی  
دلبروں سے لامتناہی ہو چکی  
رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت  
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

---

تفاوتِ تماستِ یاد اور قیامت میں ہے کیا مہم  
وہی فتنہ ہے لیکن یہاں فدا سانچے میں ڈھلتا ہے

---



## ضیاء الدین خاں نیر خشاں

بلند پایہ شاعر اور بہت اچھے انسان تھے، محمد حسین آزاد، ابن کا ذکر بڑے چاؤ سے کرتے ہیں، بن السلطہ سے محبت اور عقیدت ٹھیک رہی ہے :-

”فخر الدولہ مرحوم، نواب امین الدین خاں، نواب ضیاء الدین خاں کو جدا جاگیر سے گئے تھے کہ لوہارو مشہور ہے، نواب امین الدین خاں مسند نشین ریاست رہے، ان کے بعد بن کے بیٹے نواب علاؤ الدین خاں مسند نشین ہوئے کہ علوم مشرقی کے ساتھ زبان انگریزی میں جہارت کامل رکھتے ہیں۔ عظامی تخلص کرتے ہیں اور غالب مرحوم کے شاگرد ہیں، نواب ضیاء الدین خاں بہادر کو علوم ضروریات سے فارغ ہو کر فن شعراء مطالعہ کتب کا ایسا شوق ہوا کہ دنیا کی کوئی دولت اور لذت نظر میں نہ آئی اب تک اس میں محو ہیں، غالب مرحوم کے شاگرد ہیں سادسی میں نیر تخلص کرتے ہیں احباب کی فرمائش سے کبھی اردو میں بھی کہہ دیتے ہیں اور اس میں خشاں تخلص کرتے ہیں فیر آزاد اور اس کے مال شہقت بزدگانہ فرماتے ہیں، خدا دونوں کے دامن کمال کا سایہ اہل دلی کے سر پر رکھے۔ انہی لوگوں سے دلی دلی ہے ورنہ اینٹ پتھر میں کیا دھرا ہے ۔

ہم تبرک ہیں بس اب کہ لے زیادت مجوں

سر پر پھرتا ہے لیے آبلہ پا ہم کو

نواب احمد بخش کے بالے میں آزاد کہتے ہیں :-

نواب احمد بخش خاں، راجہ مختار سنگھ والی اللہ کی طرف سے معتمد اور وکیل ہو کر لالہ

لیک صاحب بہادر کے ساتھ ہندوستان کی حیات میں شامل رہے اور اپنی ذات سے بھی رسالہ

ط : آب حیات (محمد حسین آزاد)

رکھ کر گورنمنٹ کی خدمات بجالاتے رہے اس کے صلہ میں فیروز پور جھڑکہ وغیرہ جاگیر سرکار سے  
عہدہ ہوتی اور دربار شاہی سے خطاب فخر الدولہ دلاور الملت رستم جنگ بوسیلہ ریزڈنٹ  
وہی عطا ہوا، ان کے بڑے بیٹے نواب شمس الدین خان جانشین ہوئے، مگدانا نے اس کا مدق اس  
طرح لکھا کہ ہم و نشان ہم نہ رہا ۔

سرستید بن کے پاسے میں فراتے ہیں :-

ان کی رفعت شان کے سامنے بندی آسمان کی کمتر ہے پستی زمین سے ادا ان کے صفت و  
اقبال کے آگے جاہ سکند اور دستگاہ دلاورانی ہے مرتبہ بندہ کہیں سے ان کی سخاوت کے دور  
میں حاتم کو سخی کہنا سخن استنزا ہے ادا ان کی سخاوت کے سامنے رستم کو شجاع ٹھیلنا کلام طرافت  
انتہا صبح ان کے خندہ لطف نمایاں ادا آفتاب ان کے ضمیر سے درخشاں، سخاوت اور ان کی  
طبیعت جیسے موج اور دریا لطف اور ان کا مزاج جیسے خضر ادا آب بقا، سبحان اللہ ان کی  
رفعت مرتبہ آسمان سے ہم پہلو اور ان کی رسائی تدبیر تقدیر کے ساتھ ہم باز و لطف سخن سے نفس  
ان کا دشت گوہر اور صفائی عبارت سے کلام ان کا موج کوثر سخن کو اس صاحب قدرت کی زبان  
سے کلام کا وہ رتبہ حاصل ہوا ہے کہ اگر ہر حرف کو دو سولے درجہ حرارت گن کا ہو تو لائق ہے اور کلام  
کو اس والا فطرت کی طبیعت سے وہ پایہ بہم پہنچا کہ ہر نکتہ اس کا الہام سے اور ہر دقیقہ اس کا  
کشف سے غائی ہے معانی غزل کی شوخی بعینہ خرام ہو، فکر ان کا مثل لانا کے آسمان پیا  
اور اندیشہ ان کا مانند عاٹے مستجاب کے تاعرش رسا، غلت الرشید ہیں نواب جہانیاں آب گرد  
جناب معالی القاب فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر مرحوم والہی فیروز پور جھڑکہ کے ادا علاوہ  
قرابت قریبہ نسبت تلمذ کی مرزا اسد الدین خاں غالب کی خدمت میں رکھتے ہیں کمال توجہ اُستاد  
سے کلام ان کا سخن قدام کے ہم پایہ ہے

م : آب حیات (محمد عین آزاد) \*

م : تذکرہ اہل دہلی (سرستید) ص ۱۱۱

## شبلی کا مرثیہ

نواب ضیاء الدین خان نے ۲۶ جون ۱۸۵۷ء کو انتقال کیا، شمس العلماء شبلی نعمانی نے یہ  
مرثیہ لکھا :-

آں طراز سخن آں یوسف کنعان سخن  
آں کہ آراستہ ز نوزلف پریشان سخن  
آں کہ صد پایہ فرود از سخنش شان سخن  
آں کہ لعل و گرافشانہ بد امان سخن  
دوسہ دھڑلیست کہ از جام اہل مدہش است  
عالم زد بہ سخن ماندہ داد خاموش است

آں گراں پایہ کہ دہں مرثیہ اوست سخن  
شاعر سے کز دم و گمش ہمہ بادوست سخن  
فیض لادہیں کہ بایں رنگ بایں پست سخن  
خواجہ اوبہد و توآں گفت کہ ہندوست سخن  
اینگانہ دست اہل حبیب جوش چاک است  
پایہ فن بہ خاک برہ و خود برخاک است

علم و فن را بہ جہاں داد گرے بود۔ نماز  
نکتہ سخن دیدہ در سے بود۔ نماز  
و جہاں نخل بود شتر سے بود۔ نماز  
نظم را خامہ اداں پر سے بود۔ نماز

مثلیا دست نہ ادا من اداک بزن  
 شیشہ صبر ازیں حادثہ بڑا ک بزن  
 اسے جنوں حبیب دگر یاں خود پاک بزن  
 تو ہم اے نالہ سرا نالہ برا نکاح بزن  
 گردنوں گشتہ بہ مڑگاں حرم می آئی  
 آخر اے دل بہ چہ کار دگر می آئی

### نمونہ کلام

جب اپنے شغل سے دل تو نہیں نہ باز آئے  
 پھر کیا گناہ دیدہ غوغا بہ بار کا

جب پاہو آؤ دل میں کہ ہے آپ کھر کاں  
 بیاں خوف شخا و خطر پاسباں نہیں  
 گر انتہا نہیں ستم و جہد یار کی  
 شوق زیادہ جو کو مری بھی گراں نہیں



نسلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے وامن میں  
 بجز آنکھوں کے سوا ، گوہر آبا ب نہیں  
 پیری و مفسی میں نہ لو نام سے کہ اب  
 لطف از تکاب میں ہے نہ اجر اقتلاب میں  
 آتی ہے بوترا ب لحد سے عبیر کی  
 رختاں ہوئے جو خاک غم بوترا ب میں  
 سے کے گرنے کا ہے خیال نہیں  
 ساقیا لیچو سنبھال نہیں  
 شب نہ آئے جو اپنے وعدہ پر  
 گذرے کیا کیا نہ احتمال نہیں  
 کیا پہنچے تو فرشتہ کا جس با گذر نہ ہو  
 بیت العنم ہے شیخ خدا کا یہ گھر نہ ہو  
 چل کر خرام ہاڑ سے بر پا کرے و حشر  
 گراں پر پس کا اے خوف و خطر نہ ہو  
 آنسو اگرچہ رکھتے نہیں لیکن آہ کرم  
 ہے تجھ سے چشمداشت کہ یہ نامہ برد نہ ہو  
 رختاں جو آتے آتے ابھی ک گئے ہیں اشک  
 آنکھوں میں آگیا کوئی نختہ جگر نہ ہو  
 رات سینہ سے سینہ کس کا ملا  
 کہ مقرر مرا گریباں سے

## پنڈت نرائن داس ضمیر

سخن شناس معنی اساس 'محو جلوہ شاید نکتہ والی نظر باز عرائس معانی' صاحب طبع روشن و  
افکار منیر پنڈت نرائن داس متخلص بہ ضمیر و مائق سخن سے کما ہی آگاہ ادب سنون شتی میں صاحب  
دستگاہ، لوازم سخنندی مثل بیان معنی بدیع عروض و قوافی سے اسرار و خفایا نے رموز بہرہ تمامہ اس صاحب  
کمال کے سامنے ظاہر زبان فارسی میں ہم نظم متین و ہم نثر دل نشین ان کے غامض معنی طراز سے جلوہ گر ہے  
اگر نظم ہے مثل نظم جو اس کے مقبول طبائع اہل ہنر 'اے اگر نثر ہے اند نثر نثر کے منظور اہل نظر ہر مصرع  
ان کا رشک مصرع زلف خوباں ادب ہر بیت غیرت بیت ابد سے محبوبان رنگینی عبارت کی رنگینی  
گل سے ہلاتر ادب معانی الفاظ معانی گہر سے دلاتر

### نمونہ کلام (فارسی)

قود شوخی و تبسم بہزار تازہ کردن  
من و مجز و بانفشانی ز سر نیاز کردن  
شب تیرہ فراق چہ غم از بہر نیاید  
بیک آہ می توانم از صبح باز کردن

## ہد الشراء

برادر شاہ کے زمانہ میں مزاح گو شاعر بھی تھے ایک کا ذکر بعد نمونہ کے محمد حسین آزاد کی زبان

سے سنئے :-

”ایک شخص عبداللطیف نام پورب کی طرف سے دہلی میں آئے اور حکیم آغا جان کے پاس ایک مکان میں مکتب تھا اس میں لڑکے پڑھانے لگے حکیم صاحب کے خویش و اقارب میں سے بھی لڑکے وہاں پڑھتے تھے ان میں ایک لڑکا سکند نامہ پڑھا کرتا تھا حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن کو ہر ایک لڑکے کا سبق سنا کرتے تھے سکند نامہ کا سبق جو سنا تو عجائب و غرائب معنی

سننے میں آئے، فرمایا کہ اپنے مولوی صاحب کو کسی وقت ہمارے پاس بھیجنا، وہ دوسرے ہی دن تشریف لائے حکیم صاحب آخر حکیم تھے ملاقات ہوئی تو اول قیافہ سے پھر گفتگو سے نہیں دیکھی معدوم ہوا کہ شد بد سے زیادہ بادہ نہیں گمرے طرف معجون انسان تھوڑی سی ترکیب میں رولن محفل ہو سکتا ہے پوچھا :-

”آپ کچھ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں ؛

مولوی صاحب نے کہا :-

”کیا مشکل بات ہے ہو سکتا ہے ؛

حکیم صاحب نے کہا :-

”ایک جگہ مشاعرہ ہونا ہے، آٹھ نو دن باقی ہیں یہ طرح مصرع ہے آپ می غزل کہئے تو

مشاعرہ میں سے چلیں ۔

وہ مشاعرہ کو جی نہ جانتے تھے اس کی صورت بیان کی تو مولوی صاحب نے کہا اس عرصہ میں بہت کچھ

ہو سکتا ہے غزل کہہ کر گئے تو سبحان اللہ ! مولوی ہی شخص رکھا حکیم صاحب کی طبع ظریف مشغلو

ایسا اللہ خدا سے بہت تعریف کی غزل کو جا بجا اصلا میں سے کہ خوب نون مرج چھڑکا، مولوی صاحب بہت خوش ہوئے یہ دیکھ کر حکیم صاحب کو اطمینان ہوا، مولوی صاحب کی چکی دار بھی اس پر لمبی اور نیکی سر منڈا ہوا اس پر بنگو عمامہ فقط کھٹ بڑھتی نظر آتے تھے، حکیم صاحب نے کہا شعراء کو تخلص ہی ایسا چاہیئے کہ ظریفانہ، لطیفانہ ہو اور خوشنما ہو۔ اور شان و شکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو بہتر ہے کہ آپ بہت تخلص کریں حضرت سلیمان علیہ السلام کا راتہ رات تھا۔ اور قاصد محبتہ کام تھا وغیرہ وغیرہ چنیں و چناں مولوی صاحب نے بہت خوشی سے منظرہ فرمایا :

مشاعرہ کے دن جلسہ میں گئے، جب ان کے سامنے شمع آئی تو حکیم نے ان کی تعریف میں چند فقرے مناسب وقت فرمائے سب متوجہ ہوئے، جب انھوں نے غزل پڑھی تو تسخر نے تالیاں بجائیں، طرافت نے ٹوپیاں اچھالیں اور قہقروں نے اتنا شور مچایا کہ کسی غزل پر اتنا جوش نہ ہوا تھا، مولوی صاحب بہت خوش ہوئے، چند نذر اسی طرح مشاعرہ کو اور بعض امراء کے جلسوں و مہلت دیتے رہے مگر کتب کے کام سے جاتے رہے حکیم صاحب نے سوچا ان کے گزارہ کے لیے کوئی نسخہ ضرور تجویز کرنا چاہیئے ان سے کہا :

۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو تو تمہیں ایک دن دربار میں سے ملیں، دیکھو مذاق مطلق کیا ساں کرتا ہے۔

قصیدہ تیار ہوا اور حکیم صاحب نے ہر ہر کو اٹھا کر دربار میں پہنچا دیا، افسوس کہ اب نہیں مل سکتا چار شعر یاد ہیں مستحق نمونہ از خرد والے سے تحفہ احباب کرتا ہوں :-

جو تیری طرح میں نہیں چمنچ اپنی دا کہ دوں

تو رشک باغ ارم اپنا گھونلا کہ دوں

جو آ کے ریز کرے میسے آگے مو سیار

تو ایسے کان مر دلوں کہ بے سر اکر دوں



جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آ کر  
تو اس کے فوج کے پر مشکی نیولا کر دوں  
میں کھانے والا ہوں نعمت کا ادمیے لیے

فلک کے ہے مقرر میں باجرہ کر دوں

بادشاہوں اور امیروں کو مسخر اپن بلکہ زمانہ کی طبیعت کو یہ غذا موافق ہے ظفر تو خود شاعر تھے  
خطاب عطا فرمایا، طائر لارا کین شہر الملک، ہر ہر الشرا، منقار، جنگ بہاد اور سات پڑے مہینہ  
سرو کر یا، اور انکی شاعری کی بنیاد قائم ہو گئی، پھر تو سر پر بسے بسے بال ہو گئے، ان میں چنبلی کا تیل پڑنے لگا  
اور داڑھی دو شاخ ہو کر کانوں سے باتیں کرنے لگی۔

ایک برسات نے ان کا مکان گرا دیا، گھونسلے کی تلاش میں بھٹکتے پھرے وہاں ہاتھ  
نہ آیا حکیم صاحب سے شکایت کی، فرمایا کہ بادشاہی کمالات شہر میں بہترے پڑے ہیں کیا بہہ کے  
گھونسلے کو بھی ان میں جگہ نہ ملے گی، دیکھو بندہ دست کرتے ہیں جھوٹ عرضی مندوں ہوئی، چند متفرق  
اشعار اس کے باد ہیں :-

جزیرے شاہنشاہ کس کے آگے روئے  
کس سے کہئے جا کے یہ نعم کو مہارے کھوئے  
تجھ کو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار  
ہیں بجا گرنے سمند طبع کو یاں پوئے  
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئی عمر  
کاش کے ہم سکھتے اس سے بنانے ہوئے  
سنگلاخ ایسی زمین ہے سوچ لئے نل تا کجا  
نکر کیجئے صرف اس میں اور پتھر ڈھوئے

رشتہ عمر شہنشاہ جہاں ہو سئے دراز  
یا خدا رکھتے رہیں، دنیا میں جب تک میتھے  
دیدے اس میں بھی زمین تھوڑی کہ بن گھر گوندے  
ار تاپھرتا رہا رہا ہے ٹانگ ٹوٹے

ایک سال سرکار شاہی کو تختہ میں دیر گئی، بددہ نے حکیم صاحب شکایت کی، بیان جطرح امراض  
شکم کے نیسے علاج تھے، اس طرح بھوک کے تدارک کا بھی نسخہ تیار تھا، ایک قطعہ راجہ دیپ سنگھ  
کی مدح میں تیار ہوا کہ انہی دنوں میں خان مانی کی تختہ انھیں سپرد ہوئی تھی۔ چار شعر اس وقت یاد  
ہیں وہی لکھتا ہوں :-

جہاں میں آج دیپ سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے  
خدا کا فضل ہے جو قطعہ میں تو آبرا جا ہے  
سلیمان نے ہے تیرے اٹھ میں دی لذت کی کنجی  
تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجہ ہے  
فکرم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے  
دامہ تیرا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے  
کبھی کو مے نہ مے تختہ تو مختار ہے ہر کا  
مگر بددہ کو دیدے کیوں یہی بددہ کا کھا جا ہے

ط ۱ آب حیات (محمد حسین آزاد)

## عہد بہادر شاہ کے اطباء

علمی، فنی اور ذہنی اعتبار سے بہادر شاہ کا دور حکومت عہد آفرین تھا۔ زندگی کے جس شعبہ بد نظر ڈالئے بہار ہی بہار نظر آئے گی، ہر علم و فن کے یکتا اور بے ہمتا لوگ اس دور میں نظر آئیں گے چنانچہ عہد بہادر شاہ کے اطباء پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا اس اعتبار سے بھی یہ عہد ممتاز اور یگانہ تھا۔ ایسے ایسے طبیب عاذق اس عہد میں ملیں گے کہ جس مطلب کو دیکھئے بے نکتہ زبان سے نکل جائے گا۔

”یہ دار الشفا ہے، یہ دار الشفا ہے“

اور یہ شعائرِ رحمت طرازی نہ ہوگی، حقیقت اور واقعہ کا بیان ہوگا۔

یوں تو عہد بہادر شاہ کے نامی گرامی اطباء کی فہرست غاصی طویل ہے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف چند اطباء کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، وہ بھی نہایت درجہ اختصار کے ساتھ۔

(۱)

## حکیم احسن اللہ خاں

حکیم احسن اللہ خاں بہادر شاہ کے صرف وزیرِ با تدبیر ہی نہیں طبیبِ خاص بھی تھے بہادر شاہ کے والد اکبر شاہ ثانی نے ان کی صداقت اور مہارتِ فن سے متاثر ہو کر طبیبِ شاہی کے منصب پر فائز کیا اور خطابِ عمدۃ الملک عاذق الزمان کا دیل بہادر شاہ کے عہد میں مرتبہ اور راسخ اور بڑھا، اور احترامِ المصلیٰ عمدۃ الملک اور معتد الملک عاذق الزمان ثابت جنگ کا خطاب ملا۔

ملک : واقعات دار الحکومت دہلی، حقہ دم ص ۲

گورے چٹے آدمی ہیں۔ سفید بھری ہوئی داڑھی۔ گول چہرہ۔ پس میں کچھ چپک کے  
**حلیہ** | داغ، آنکھوں سے منہ ہانت ٹپکتی ہئے سر سے پاؤں تک سفید لباس فن طلب میں  
 کمال اور تاریخ کے عالم ہیں ۛ

بہادر شاہ کے عہد میں آپ کا وہ موصوف اور اعتماد تھا کہ کوئی کام بدوں آپ کی صلاح و مشورت  
 کے نہ ہوتا تھا ۛ

سرسید احمد خاں نے حکیم صاحب کے احوال و موصوف ذرا  
**خاندان، حالات، کوائف** | تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

حکیم محمد حسن اللہ سرگودہ ارباب کمال شیخ صدیقی اور ہراتی الاصل ہیں سلسلہ ان کے نسب کا  
 حضرت خواجہ ذہب "ین ہراتی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے کہ عرفائے دھر اور کلائے روز گار سے  
 تھے۔ اور طریقہ پیری سریدی کا ان کے خاندان میں جاری تھا اور مردم روز گار کا ان کی ذات فیض  
 سمات سے استفادہ فیض باطنی اس کثرت سے تھا کہ ملتزان صحبت پر غوث اور قطب کا احتمال  
 ہوتا تھا ۛ

آخر الامر دہلی ہرات کے سبغ مزاجی سے عزم غربت فرا کہ کشمیر جنت نظیر میں تشریف  
 لائے اور وہاں قیام اختیار کیا اور وہیں قضائے ربانی کے تقاضے سے گلشت عدالت کشمیر سے  
 سیر ہو کر سیر گلستان جہاں کے واسطے راہی عالم باقی ہوئے ان حضرت کا مزار برکت آثار چشمہ ٹول  
 سے کنارہ پر واقع ہے اور بنام زمبہ نذارت شاہ موسوم ہے وہاں کے رہنے والے ان کی  
 روح مطہر سے بسبب کمال اعتقاد کے امیدوار امداد باطنی اور اعانت معنوی کے رہتے ہیں ۛ  
 حکیم صاحب موصوف کے اجداد ہمیشہ روز گار پیشہ رہے اور عمائد روز گار کی سرکار

ص ۱ : دہلی کی آخری شمع ص ۱۰ ۛ

ص ۲ : واقعات دار الحکومت دہلی صفحہ دوم ۛ



میں مناسب عمدہ سے سرفراز والد ماجد ان کے حکیم محمد عزیز اللہ خاں مرحوم کے کمالات ان کے حیرت  
محرر اور حیطہ تقریر سے خارج ہیں اپنی ذات سے تحصیل علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس  
فن شریف کو احکم الحکماء عارف الملک حکیم محمد ذکا اللہ خاں مرحوم و معتمد سے حاصل کیا اور اطباء  
نامی شہر شاہجہان آباد سے اس فن میں سبقت لے گئے۔ انھوں نے فنون حکمت ہندوہیت  
فلائیے عصر سے حال کر فن طبابت کو اپنے والد ماجد سے حاصل کیا اور از بس کہ حافظہ پارہ  
روح محفوظ تھا۔ مدارج کمال سے کوئی باقی نہ رہا، کہ طے نہ کیا ہو، اور شفا کے مرضا داد الہی ہے  
جس کی زندگی سے میمانے ہاتھ دھوئے ان کے نسخہ سے جی گیا۔ اس واسطے ساکنین شہر اور  
قاطبین دھرسواٹے اس زبدۂ اہل کمال کے اور کسی کی طرف رجوع نہ کرتے جب شہر فضل  
کا گوش ملک تک پہنچا۔

**لازمیت کا آغاز** | اوائل حال میں خلاصہ روسائے نامدار فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں  
مرحوم والہی فیروز پور جھڑ کے کی لازمیت میں کمال عزت و توقیر کے ساتھ

منصب طبابت پر مامور ہوئے اور ان کی رحلت کے بعد اسد الدولہ نواب فیض محمد خاں مرحوم  
والہی جھڑ کے پاس ایسی منصب پر مقرر ہوئے از بس کہ مزاج والی اس صاحب بن رسا کے حقے  
میں رہے اس سردار ذی الاقتدار کا اعتقاد ان کی طرف استوار ہو گیا کہ اپنی زیست انھیں کی توجہ  
سے جانتا تھا، ان رئیس کے انتقال کے بعد ترک روزگار کے چند سے خانہ نشینی اختیار کی ۔

**لال قلعہ سے تعلق** | لیکن از بس کہ ہر حرف ان کے نسخے کا ہوا شافی ہے اور ان کا نفس  
نفس عیسیٰ کا خواص رکھتا ہے حضرت معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ

عرش آرام گاہ نے نہ چھڑا کہ فیض لازمیت سے بہرہ انداز نہ ہوں اور جس طرح سے ہوسکا۔  
اپنے پاس بلا کر عطا ئے خلعت اور عنایت خطاب عمدۃ الملک عارف الزمان سے مشرف  
فرما کر خاص اپنے معالجے کے واسطے معین کیا اور تادم زیست یہ سمجھے کہ اگر یہ سلاک کرام ایک م  
ایک ہو تو زندگی اس بادشاہ گردوں جاہ کی محال ہے ۔

اور ان کے انتقال کے بعد حضرت ظل الہی ظاک بارگاہی ظفر  
**یہا در شاہ کی بارگاہ میں** | محمد سراج الدین بہادر شاہ، بادشاہ غلہ اللہ ملکہ و سلطان نے

قدر وانی و ترسہ شہنشاہی سے سہ ماہوں میں طلب کیا اور سعادت فیض گیری سے مستعد فرما کر  
 احترام الدولہ اور شہادت جنگ خطاب سابق پر زیادہ کیا اور از بس کہ حضور فیض گنجور حضرت  
 ظل اللہ کے مزاج اقدس میں ان کے کمالات جائے گیر ہوئے، روز بروز ترقی مدارج اور ارتقا  
 مناسب ظہور میں آنے لگا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ یہاں تک بادشاہ جم جاہ کی طبیعت پر تصرف  
 ہوا کہ کوئی امر جزوی و کلی کے بلے مشورہ و صلاح اس صاحب تدبیر صاحب کے وقوع میں  
 نہیں آسکتا وہ امر اگرچہ متعلق منصب و ذات ہی ہو۔

**عمارات کا شوق** | حکیم احسن اللہ خان کو عمارات بنوانے کا بھی شوق، قدرت کی طرف سے  
 ملا تھا، چنانچہ انھوں نے حویلی بدل بیگ خاں خرید کر ۱۲۵۳ھ ہجری  
 ۱۸۵۳-۵۴ء میں شاندار دروازہ بنوایا جس کی تاریخ غالب نے یہ کہی :-

نہادہ بنا احسن اللہ خان  
 سر راہ بد نماں در دلکش  
 کہ غالب پئے سال تاریخ او  
 رقم کردہ در دلکش حبذا  
 ۱۲۵۳ھ ہجری

حکیم صاحب کا ایک مکان مرولی میں ہے، وہی دسے مکان کے احاطے میں حکیم صاحب  
 نے ایک حمام تیار کیا، حمام کے اندر ایک دیوار میں سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ لگا ہوا  
 ہے :-

ط : تذکرہ اہل دہلی (مرسید) ص ۱۷۱

مرتب گشت این حاتم دل خواہ  
بہ تعمیر فقیر احسن اللہ

(۲)

## حکیم غلام نجف خان

حکیم غلام نجف خان ابن حافظ محمد سیح الدین شیخ پوری ساکن شیخوپورہ کہ بدیوں کے مضافات سے  
ہے اصل میں شیخ فاروقی ہیں اور بسبب عنایت سرکار شاہی کے خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ جد  
ششہین ان کے شیخ فرید الخاٹب مجتہد ناں امرائے عیال الشان عہد جہانگیر کی شاہجہان سے تھے  
کہ منصب پنج ہزاری ذات و پانچ ہزاری سوار سے سرفراز تھے۔ بہ موجب آپ کی استدعا کے حضرت  
جہانگیر بادشاہ سے چاہیگی کہ اسی موضع مولیا میں سے آبادی و سکونت کے واسطے مرحمت ہوئی  
اس سرزمین میں ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام جہانگیر کے نام پر شیخ پور رکھا، کس واسطے کہ  
حضرت جہانگیر کا نام ایام شہزادگی میں مرزا شیخ بہت مشہور تھا اور والد شیخ فرید کے ذاب قلعہ بن  
خان نمبر ۶ حضرت سلیم شہنشاہ فتح پوری کے اولاد حضرت اکبر بادشاہ کے عہد میں صوبہ داری صوبہ  
بہار اور حضرت جہانگیر کے عہد میں پنج ہزاری ذات و سوار و خدمت خاصہ و شمشیر و اسلحہ صوبہ باریں  
مرستع اور عنایات شامانہ سے سرفراز ہو کر دار الملک بنکالہ اور اڑیسہ کی صوبہ داری سے کم پچاس ہزار  
سوار کی جائے ہوئے مامور ہوئے۔

مل : واقعات دارالحکومت دہلی صحت دوم :



## انگریزی ملازمت

جب ان کے سب اسلاف، کمال معلوم ہو چکا، اب ان کا حال سنا چاہئے کہ شیخ پورہ سے ہمراہ اپنے خالو بزرگوار میر

سید علی صاحب کے حکام عہد یعنی صاحبان انگریز بہادر کی خدمت میں عہدہ جلیلہ تحصیلداری پر مامور ہے اور آخر کو نواب گونہ بہادر کی خدمت میں عہدہ میرمنشی سے سرفراز ہوئے، پانچ برس کی عمر میں شاہجہان آباد میں وارد ہوئے، جب سن تمیز کو پہنچے یہیں کی سکونت اختیار کی اور از بسکہ فن طب اشرف فنون اور اعزہ علوم ہے اس فن کی طرف متوجہ ہو کر کتب درسیہ اس فن کی حکیم صادق علی خان ولد حکیم حکیم شریف خاں سے تحصیل کی اور مشق نسخہ نویسی اور معالجہ مرضا کی عاذق الملک حکیم حسن اللہ خاں کی خدمت میں بہم پہنچائی، جو کہ ان کو عاذق الملک موصوف سے قرابت قریبہ بھی تھی ان کی تعلیم میں کمال کوشش و سعی کو کار فرمایا، یہاں تک کہ یہ حضرت شہر شاہجہان آباد کے مشاہیر اطباء ہوتے،

حضور بادشاہ ظل اللہ سراج الدین بہادر شاہ سے خطاب عضد الدولہ

## خطاب عضد الدولہ

حکیم غلام نجف خان بہادر پایا اور اب سرکار کمپنی بہادر سے عہد طبابت

پر واسطے معالجہ مرضا کے مامور ہیں واقعی مروت جبلی اور لطف طبیبی ایک امر خدا داد ہے جس کو دیا دیا اور جس کو عطا کیا کسی کے ہاتھ نہیں آیا اور ان کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حیرت خیز سے خارج ہیں۔ قدرت الہی ہے ایسا دست شفا نہیں دیکھا کہ وہ امراض جن کو لا دوا اور لا علاج سمجھتے ہیں انکے توجہ اور تھوڑے سے التفات میں اس طرح سے زائل ہو گئے کہ پھر تمام عمر اس بہادی کا نام و نشان باقی نہیں رہا، مردم رنہ کار مردہ پسند ہیں کہ ایسے طبیب عاذق اور حکیم دانا کے ہوتے۔ لفظ اور مستقراط کا نام لیتے ہیں وہ بھی اگر اس زمانہ میں ہوتے تو اس حکیم بافرہنگ کے مجربات کو سراپا اپنے کمال کا ثبوت دے اور ان کے قوانین علاج کو اپنا دستور عمل مقرر کرتے، ادنیٰ نسخہ نویس ان کے مطرب کا علوی خان کے نسخے پر حرف رکھ سکتا ہے۔ ان کے ہاتھ سے خاک کی چٹکی حکم اکسیر کا کھتی ہے اور ان کی زبان سے خاصیت نفس عیسیٰ کی ہے

ط : تذکرہ اس دہلی اسریدہ ص ۴۵



## حکیم حسن بخش ستان

سرگروہ کلائے شہر میں زبدۂ افاضل بہر اسوۂ دانش مذاہن نام حکیم حسن بخش ستان وطن ان کے باؤ بہادر  
کا شہر تھا فیروز اور مولد مسکن ان کا شہر شاہجہان آباد جمیع فنون و علوم میں مثل معقول و منقول و حکمت و ہندسہ  
ہریت و مہارت تمام رکھتے تھے اور کثرت طبع و سبب کماں عافیت کے قانونیچہ سے قانون شیخ اور میں  
نہایت بلا تشبیہ مثل عبارت قرآن مجید از بر یا یقین علم عقلیہ کی موزونیت سے کسی کو معاصرین سے ان کے  
ساتھ یاد لے سنے نہ نظر نہ تھا بارہا مشاہدہ ہوا کہ جس مجلس میں اس زبدۂ افاضل کا خطاب تھا وہاں ہر شخص کا ہنر و فن و کمال  
جمیع برقرار مجلس مثل تصویر کے ساکت و صامت رہ گئے۔ اوائل میں در باب فیض محمد خاں رئیس بھجور کی  
مکرم میں منسلک ہے اور اس رئیس کی وفات کے بعد چہ سے خزانہ نشین اللہ بعد اس کے سنہ  
سراج الدین بہادر شاہ میں صاحب عالم مرزا فتح الدین بہادر کی سرکار میں جود و غلبت پر مامور ہوئے  
دو تین سال کا عرصہ گزرا ہے کہ جہاں فانی کو رواج کہا پڑا

## حکیم آغا جان عیش

حکیم آغا جان عیش بادشاہی اور خانہ فیض طہریب میں زیور علم سے راستہ و لباس جمال سے

پیراستہ، صاحب اخلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ صورت، جب دیکھو معلوم ہوتا ہے کہ مسکرا رہے ہیں طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ منج پائی ہے کہ سبحان اللہ  
 میانہ مستد خوش اندام، سر پر ایک ایک انگل بال سفید ایسی ہی ڈھکی اس گوری سرخ و سفید  
 رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی ہے۔ گلے میں مثل کار کا کرنا جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے۔  
 شعر و شاعری سے لکھی جاتی۔ شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے :

### نمونہ کلام

صلح اُن سے ہمیں کیسے ہی بنی      دل پہ جھگڑا تھا دل دینے ہی بنی  
 زہد تقویٰ دھڑے رہے ساسے      لاکھ سے اس کے مٹے پٹے ہی بنی  
 لائے وہ ساتھ غیر کو ناچار      پاس اپنے بٹھا لیے ہی بنی  
 کس کا تھا پاس شوق ظلم لے عیش  
 اُن جفاؤں پہ بھی جسے ہی بنی

(۵)

حکیم رستم علی خاں

تحصیل سے فارغ اور کتب ہیئت و ہندسہ کے ناظم صاحب مرحوم نواب میر الدولہ

ط : دہلی کی آخری شمع مٹ

امین الملک خواجه فرید الدین احمد خان بہادر مصلح جنگ سے اچھی طرح پڑھا اور حدیث و فقہ جناب مولوی اسحاق علیہ الرحمۃ سے اور طب میں مہارت معقول رکھتے ہیں اور مرضیہ ان کے علاج سے شفا پاتے ہیں اور کتب نارسہ کو بھی بہت تحقیق کے ساتھ پڑھاتے ہیں غرضیکہ عالم مستی اور فاضل اجل ہیں۔ بالفعل خدمت و قانع نگاری پر حضرت بادشاہ جم جاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ عبد اللہ ملکہ و سلطانہ کی سرکاری امور میں اور خطاب مصلح الدولہ حکیم محمد رستم علی خان بہادر سے ممتاز، راقم سے بھی رابطہ محبت بحال رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ نظم و نشر کی طرف متوجہ ہونے میں مگر اخبار سلطانی ہر ہفتہ ان کی شریعت زاد کا نمونہ ہے۔

(۶۱)

## حکیم نصر اللہ خاں

علوم متداولہ مثل منطق اور معانی و ہیئت و ہندسہ کے حضرات ثلاثہ یعنی مولوی عبد العزیز اور مولوی رفیع الدین اور مولوی عبدالغادر صاحب قدم تیسریم العزیز کی خدمت سراپا برکت سے حاصل کیئے اور علم طب کو احکم الحکم حکیم شریف مرحوم و مغفور سے تحصیل کیا، کتاب دانی و حدس صائب اور مرض شناسی میں بے مثل و مانند ہیں رسائل متعددہ بکراں اور دریافت مزاج نسخہ مرکب وغیرہ میں تصنیف کیے ہیں۔ ان رسائل سے ان کے تجربہ کا حال معلوم ہوتا ہے اوائل حال میں نواب فیض محمد خاں رئیس جھجور کی سرکاری عمدہ طبابت پر مامور تھے بعد ازاں کے اور عمدہ نمائے

ط : تذکرہ اہل دہلی (سرید) ص ۱۱۱ :

روزگار کی سرکار میں منسلک ہے، اب پھر بہ نظر قدامت کے نواب عبدالرحمن خان صاحب رئیس  
جہجھر کی خدمت میں جو نواب مخفوقہ کا نبیرہ اور سند نشین بننے الہی عہدہ سے سرفراز ہیں

(۷)

## خاندان شریفی

### حکیم شریف خان اور ان کی اولاد و احفاد

اب ہم دہلی کے سربے بڑے واقعہ اور بادشاہی خاندان یعنی خاندان شریفی کا ذکر کرتے  
ہیں اس خاندان نے کئی پشتوں تک بڑے و بدبہ کے ساتھ ملک قوم کی خدمت کی جس سے  
تاریخ کے صفحات مزین ہیں :-

اجمل خان امد خاندان شریفی کے مورث اعلیٰ بابر  
خاندان شریفی کے مورث اعلیٰ کے ساتھ ۱۵۲۶ء کے لگ بھگ ہندوستان

آئے اس حقیقت پر سربے بڑی سند حکیم محمود خان اعظم کی ایک تحریر ہے جو ان کے قلم سے  
ایک خاندانی کتاب کے مسودہ میں ہمیں ملی، اس تحریر کا عنوان درحال بزرگان خاندانی و سرگزشت  
نمود از ابتائے زمانہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

لکھنؤ خاطر باد کتاب کہ در آن سلسلہ خاندانی درج بود ہنگام تعلیم کتب خانہ جدی

(حکیم محمود شریف خان) کہ پیشش سپران منقسم شدہ بود در حصہ عمومی صاحب کلاں حکیم

محمد اشرف خان مرحوم رفتہ و از آنجا بغرض تلف درآمد، لہذا از ضبط تحریر حال ابتدائی

ط : تذکرہ اہل دہلی (مرسید) ص ۵



خانہ الی معذور ماذم :

یہ کتاب گھم نہ ہوتی ہوتی تو بلاشبہ وہ ابتدائی عہد مغلیہ کی تاریخ کا ایک اہم جزو ہوتی حقیقت یہ ہے کہ بابر کی بڑی فتح وہ نہ ہوتی یہ جو پانی پت کے میدان میں اس نے حاصل کی بلکہ پہلی فاتح وہ لوگ تھے جو بابر کے لشکر کے ساتھ ساتھ ہندوستان آئے اور اپنی تہذیب اور اپنے علم و تمدن کا سرمایہ لائے ۔ ہندوستان کی ایک جدید اور مشترک تہذیب کا نقشہ مکمل ہوا۔ بقول حکیم محمود خان بابر کے مہر اڑیوں ہی میں سے وہ دو بزرگ تھے جو ہرات سے آئے اور حیدر آباد سندھ پہنچے ان کے نام خواجہ محمد قاسم و خواجہ محمد ہاشم تھے۔ گوکہ حکیم محمود خان نے اپنے والد کے بیان کا حوالہ دے کر ان پر دو بزرگوں کے حیدر آباد سندھ میں بود و باش اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن حکیم محمد احمد خان مرحوم کو کسی تاریخی سلسلہ سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ غالباً جس حیدر آباد کا ذکر آیا ہے وہ حیدر آباد سندھ نہیں بلکہ حیدر آباد دکن ہے مزید تحقیقات کرنے پر یہ بھی تہیلا ہے کہ موضع منٹہ نواح اورنگ آباد دکن میں اس زمانہ کا ایک قدیم مزار موجود ہے جو خواجہ قاسم نے نام سے منسوب ہے۔ ایک اور سمت سے بھی اس گمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے حکیم بد الدین خان نے جو حکیم اجمل خان کے ایک جدی تھے "آسمان الاولیاء کے ترجمہ اردو بد الدینی میں ہے جو خانہ الی حالات لکھے ہیں اور جو شجرہ نسب نقل کیا ہے اس میں بھی خواجہ محمد قاسم اور خواجہ محمد ہاشم کا نام آتا ہے حکیم محمد احمد خان مرحوم نے اپنی ایک یادداشت میں یہ ثابت کیا ہے کہ جس زمانہ میں بابر آیا اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک سندھ میں کسی شہر حیدر آباد کا وجود نہ تھا بلکہ حیدر آباد دکن موجود تھا، اسی لیے ان بزرگوں کو حیدر آباد سندھ کا باشندہ و بتانا غلط ہے جو حکیم اجمل خان بھی بت کچھ تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ان دونوں بزرگوں نے حیدر آباد سندھ میں نہیں بلکہ اورنگ آباد کے قریب موضع منٹہ میں سکونت اختیار کی تھی :

خواجہ محمد قاسم اور خواجہ محمد ہاشم سے خانہ ان شرفی کے ان بزرگوں کا سلسلہ ملا نا جو عہد مغلیہ میں موجود تھے :

ہندوستان میں سلسلہ نسب

انسان نہیں ہے اس لیے کہ بعض وہ میلانی کڑیاں گم ہیں تاہم یہ حقیقت تو مسلمہ اور مستند ہے کہ ملا علی ، اور ملا علی دادو کے والد سلطان محمد جوہرات کے سہنے والے تھے ، آپ کے بعد اور غالباً بہاولوں کے زمانہ میں ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے اور بقول حکیم اجل خان اگر وہیں ان کا مکان ۷۵۰ء کے بعد تک موجود تھا حکیم اجل خان کے بیان کے بموجب ملا علی ہی اس دور میں خاندان شریفی کے مودت علی تھے اور وہ اکبر اعظم کے عہد میں بمقام اگرہ پیدا ہوئے تھے اکبر اعظم ہی کے عہد میں اس خاندان کا تعلق دربار شہری سے قائم ہوا چنانچہ اس کے بعد شاہ عالم کے زمانہ تک ہر دور میں اس خاندان کا ایک نہ ایک فرد دربار شہری سے وابستہ رہا ملا علی قاری کے علم و فضل نے ان کے خاندان میں طب یونانی کے فضل و کمال کی راہ اختیار کی ۔

(۸۱)

## حکیم واصل خاں اول

اس خاندان کے سب سے پہلے طبیب حکیم محمد فاضل خاں تھے جن کے بیٹے حکیم محمد واصل خاں اول عہد عالمگیری میں کبر آباد (اگرہ) سے دہلی آئے ۔ اور غالباً اورنگ زیب کے آخری زمانہ میں دربار کے عہد طبابت پر فائز ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ اقبال تیمور کا آفتاب نصف النہار سے گزر کر مائل بہ انحراف ہونے لگا تھا ۔ اورنگ زیب کا انتقال ۱۰۷۱ھ میں ہوا اور ۱۰۷۲ھ تک اکتالیس سال کی مدت میں اورنگ زیب کے بعد چار بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت شہری پر آئے اور گزر گئے ۔ ان میں سے دو قتل ہوئے اور تین کو مشکل ایک ایک سال سنہ تیموری پر سانس لینے کی مدت نصیب ہوئی ۔

اس دو انقلاب کو واصل خاں اول نے اپنی آنکھ سے دیکھا ، اغلب یہ ہے کہ شروع عہد محمد شاہ میں انہوں نے وفات پائی ۔ ان کے بعد ان کے دونوں بیٹے اور اجل خاں صاحب دربار شہری سے وابستہ ہوئے ۔

۱۔ حیات اجل (تاضی عبدالغفار)

## حکیم اکمل خاں

حکیم محمد احمد خاں اپنی یاداشت میں لکھتے ہیں کہ ”حکیم اکمل خاں کو جوہن کے جد اعلیٰ تھے وہ بارشاہی سے عظیم آباد (پٹنہ) میں دو لاکھ دو سو پینسالا لائے کی جاگیر عطا ہوئی تھی اور حافظ الملک کا خطبہ لکھا، اس طرح خاندان شریفی میں اکمل خاں حافظ الملک اول تھے ولادت و وفات کی صحیح تاریخ تو معلوم نہ ہو سکی لیکن چونکہ یہ ثابت ہے کہ اکمل خاں کی مشہور کتاب ”علاج الامراض“ ۱۷۱۵ء ہجری میں لکھی گئی تھی اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ وہ شاہ عالم ثانی کے بستہ الی زمانہ تک ضرور زندہ رہے اور انہوں نے نہ صرف محمد شاہی کے انقلاب اخیر و اتفاقات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ ہندوستان میں خاندان تیموری کے مرض الموت کا آغاز بھی ان ہی کی زندگی کے دوران میں ہو گیا تھا۔“

## حکیم شریف خاں

منجلیہ بعد آخر کے اسی طوفانی سمندر میں ایک موتی کی طرح اکمل خاں کے بیٹے شریف خاں پیدا ہوئے ان کا سن ولادت ۱۷۱۴ء تھا حکیم محمد احمد خاں اپنی یاداشت میں لکھتے ہیں ان کے ”جد امجد حکیم شریف خاں کو پانی پت اور ڈاسند کے علاقوں میں پچیس ہزار کی جاگیر ملی تھی اور شاہ عالم کی وفات کے چار ماہ بعد انکا انتقال ہوا شریف خاں کی زندگی کا یہ دور وہ تھا کہ اقبال تیموری کا آخری کنگرہ گر تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ سے فرنگی اقتدار نے ہاتھ پاؤں پھیلائے شروع کر دیئے تھے دہلی میں اس وقت مرہٹوں کا

اقتدار و بادشاہی پر تسلط تھا۔ اس وقت کی حالت کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شریف خان کو جاگیر کی جو سند عطا ہوئی تھی اس میں بادشاہ کی مہر کے اندر "مادھورا و سندھیا" کا نام "وکیل مطلق" مختار الملک "عبد الامرا" اور "قدوسی شاہ عالم بادشاہ غازی" کے عنوان سے درج ہے اس سند کی تاریخ ساٹھ سال جلوس یعنی ۱۷۹۶ء ہے۔

اقبال تیموری اور طغلق باہری کا دام واپسین غلام قادر و ہیلہ کے خنجر سے بادشاہ کی آئین نکالے جانے کا واقعہ ہونے اس کے بعد ۱۸۰۴ء میں سارا اناٹہ شاہی ایرٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آیا، افسوس ہے کہ غلامان شریفی کے بہت سے قدیم کاغذات ضائع ہو چکے ہیں جن میں شاید حکیم شریف خان کی آنکھوں سے اس آخری درد کے بہت سے مناظر دیکھ سکتے، علاوہ فتنی کمالات کے ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ غلامان نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی طب یونانی کی بربادی کو بڑی حد تک روک لیا اور یہ سمجھ کر اب شاہی دبار کی سرپرستی سے ان کا فن محروم ہو گیا ہے انھوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ بغیر اس سرپرستی کے بھی طب یونانی کو کس طرح باقی رکھا جائے۔

حکیم شریف خان نے ۱۲۳۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ قطب صاحب میں مجلس خسانہ کے قریب باؤلی کی طرف جاتے ہوئے ان کا مزار موجود ہے۔

(۱۱)

## حکیم صادق علی خان

جس وقت تیمور کی اولاد وائی کے قلعہ میں انگریزوں کی ولایت خولہ تھی اور ابوالنصر محمد حسین الدین اکبر شاہ



نہانی لال قلمے میں بھتے ہوئے چراغ کی طرح ٹٹھا رہے تھے، اُس زمانہ میں حکیم شریف خان کے فرزند اور  
اجل خاں کے دادا حکیم صادق علی خان برائے نام اس مبارک سے وابستہ تھے، بقول حکیم محمود خان اسی زمانہ  
میں انگریزوں نے اس خاندان کی جاگیر بھی ضبط کر لی اور اس کے بجائے حکیم صادق علی خان کے چچ بیٹوں کی  
کچھ تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ چونکہ وہ بارہ کچھ دم باقی نہ تھا، اس لیے لال قلمے سے حکیم صادق خان کا تعلق محض  
برائے نام تھا البتہ وہ اپنے والد کی طرح اپنے فن کی خدمت میں بہت مصروف رہا کرتے ان کی متعدد  
تصانیف میں سے ”زاد غریب“، ”کلیات خورد و کلاں“ شرح معالجات، ”تالو پنچہ و شرح  
تشریح اصحاء، مرکبہ قانون، رسالہ مدغواص ادویہ و اغذیہ و نسخہ مرکب و طب، دو رسالہ تقویۃ العقاید بہت  
مشہور ہیں۔

فن طب اور زبان عربی انداز سی کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ ان کی تصانیف سے چلتا ہے اس وقت  
تاکہ دو زبان تہجوری کی عظمت و فتنہ کو جو زہین کفن پہنائے جا رہے تھے ان کی مثال بھی حکیم صادق علی خان  
کی تحریروں میں ملتی ہے جہاں وہ بادشاہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

”مر سپر گیتی سستانی مرکز دایہ جہانبانی، سلاخاندانی رفیع۔ المکان گورگانی خلاصہ ردوان  
عظیم الشان صاحبقرانی“

خود سکنہ نشان ددارا دربان، خدیو جمشید شریکت کیوان، رندت برص مرتبت السلطان  
بن سلطان بن السلطان النعمان ابن النعمان احمد المعادک والغازی حسین الدین ابو النصر  
محمد اکبر بادشاہ غازی غلہ اللہ ملکہ و سلطنتہ و آقا صلی علی العالمین برہ و احسانہ۔۔۔

در حقیقت القاب و آداب کا یہ بیجوم اس عہد زوال کی مانگ واری تھی، ۱۲۵۰ صفر ۱۲۶۳ ہجری کو  
اتنی سال کی عمر میں صادق علی خاں نے وفات پائی، اسی زمانہ میں اکبر شاہ تانی کا بھی انتقال ہو گیا اس کے  
بعد خاندان شریفی کا کوئی تعلق دربار شاہی سے باقی نہ رہا۔

صل: حیات اجل (قاضی عبد الغفار)

حکیم صادق علی خان اپنے علم، صداقت اور مہارت کے اعتبار سے اس خاندان کا ایہ فخر تھے۔ سر  
سید احمد خان ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :-

”آج اس کمالات ظاہری و باطنی کا جامع عصر، روزگار میں جلوہ گر نہیں، علم عمل کے ساتھ اس بزرگ  
بلند فطرت کی ذات میں جمع ہے۔ ان کے والد ماجد اپنے عصر میں سرآمد حکماء اور طباقہ اعلیٰ تھے، آج  
تک ان کے کمالات کا شہرہ گنبد و دار میں از میں بلند ہے، جالینوس اسطو کا غلغلہ اس کے سامنے  
یسا ہے جیسا طوطی کی آواز نقار خانہ میں لدنی الحقیقت اس روزگار کے اکثر اطباء نے نامی انہیں  
کی نسبت شاگردی سے سرمایہ اعتبار کار کھتے ہیں جو کہ اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں حضرت مداح بھی  
اپنے زمانے میں یکتا اور بے مثل ہیں، ان کے علم کی صفت زبان قلم پر آسکتی ہے اور نہ ان کے  
عمل کی تعریف اندیشہ میں سما سکتی ہے، سارے زمانے کے کملا کر جس کے خاندان کی نسبت شاگردی  
سے فخر ہو اس کی تعریف اسی قدر کافی ہے۔“

(۱۲)

## حکیم محمود خان

اب حکیم محمود خان کا ذکر آتا ہے۔ اپنے وقت کے جالینوس تھے کسی کے علاج  
پر ان کا مائل ہونا اس کی صحت کی ضمانت تھی گویا ج  
”نبض مریض پنجہ عیسے میں آگئی“

م : تذکرہ اہل دہلی، سرسید، ص ۴۹

اُن کے خاص خاص حالات درج ذیل ہیں :-

**حکیم محمود خاں اعظم** | حکیم صادق علی خاں کے تین فرزند تھے: حکیم غلام محمد خاں، حکیم غلام محمود خاں، حکیم غلام مرتضیٰ خاں، حکیم غلام محمد خاں، اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں بچہ ۴ سال ذماتہ پا گئے تھے۔ حکیم غلام مرتضیٰ خاں نے ۱۲۹۲ھ ہجری میں بچہ ۵ سال انتقال فرمایا۔ حکیم محمود خاں کو اپنے خاندانی عظمت کا ورثہ سب سے زیادہ ملا۔

طریقہ علاج میں وہ بہت محتاط تھے اور اپنے علم و فضل پر مغرور نہ تھے، اپنے خاندان کے لیے موصوف نے جو کچھ بطور وصیت تحریر فرمایا ہے اُس کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱)

کے باہر بی یاد نہ کنسند غیبت مدائے دارند !

(۲)

مال بغیر وجہ حلال نگیرد و خصوص بہ مال یتیم خیال بد نہ کند !

(۳)

ماز قمار بازی و فدمی و شراب خودی و دیگر مسکرات از قسم افیون و ہنگ و چرس و غیرہ از بس استراز جوئید !

(۴)

و امور خیر کہ شش و سعی موفودہ بکار برند ..... علی الخصوص بکار محتاجان و درماندگان !

(۵)

و ہرگز بے تشخیص مرض معالجہ نہ کن کہ غلطی در آن علاوہ از رسوائی و نیاہوا خذہ عقبی گرفتار کند !

(۶)

پابندی صحبت زنان شر بر باہی و دوجہان است بغیر ضرورت ! اختصار کرو نش روانہ و ..... خصوص صحبت زنان ناحشہ بازاری !

کثرت ازدواج رو سیاہی دو جہاں می بخشد !

علم و فضل کا جب کوئی مرکز باقی نہ رہا تو خاندان شریفی کے افراد ویسی

علم و فضل

ریاستوں سے وابستہ ہونے لگے دلی کے دربار کا مال لکھنؤ، رام پور  
پٹنہ، کلکتہ، حیدرآباد میں پھیل گئے اور قدردانوں لے عہد مغلیہ کے ان جواہر ریزوں کو جہاں پایا چن لیا  
حکیم محمود خاں کے بھائی حکیم غلام محمد خان پٹیالہ سے پانچ سو روپیہ ماہوار وظیفہ پاتے تھے اور اکثر وہیں  
رہتے تھے ان کے بعد ان کے لڑکے غلام اللہ خاں (حکیم اجل خاں کے خسر) بھی پٹیالہ میں رہے  
حکیم مرتضیٰ خاں بھی عرصہ تک پٹیالہ سے وابستہ رہے خود حکیم محمود خاں ریاست جئید سے وظیفہ پاتے  
تھے ان کے علم و فضل کی داستان ایک علیحدہ تالیف چاہتی ہے ہمدستان میں آج تک ان کے  
علم و فضل اور کمال فن کے افسانے زبان زد ہیں ان کی تشخیص اور معالجہ کے عجیب و غریب قصے بیان کئے  
جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا نے ان کو غیر معمولی شخصیت نہ عطا کی ہوتی تو مغلیہ سلطنت کے زوال  
کے بعد اس خاندان اور اس کے ساتھ طبِ یونانی کی بقا ناممکن ہوتی۔

محمود خان اپنے خاندان میں ایک غیور مگر دروند طبیعت سے

غیور اور دروند طبیب

کراٹے تھے غریبوں کے حال پر خاص التفات فرماتے تھے  
لیکن امیروں کے لیے بہت تندرست تھے مطب میں حمال نہ تھی کہ کوئی امیر کسی غریب سے آگے بڑھ کر نبض  
دکھا دے اہل دول سے کبھی مرعوب نہ ہوتے تھے اور والیان ریاست اگر علاج کے لیے جاتے تھے  
تو ہزار خوشامدوں اور انتخابوں کے بعد تشریف لے جاتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور بہادر شاہ کی نام نہاد تاجداری کا پورا زمانہ گزار کر شاہ  
میں انتقال فرمایا۔ اس طرح شاہ کا غد ان کی جوانی کا زمانہ تھا، خوش قسمتی سے خاندان شریفی ان  
تباہیوں کی زد میں نہیں آیا۔ اس کا ایک سبب خود محمود خاں کا شخصی اعزاز تھا جس وقت برطانوی  
فوجیں آئی ہیں داخل ہوئیں تو ابھڑ پٹیالہ اور جئید کی فوجیں ان کے ساتھ تھیں اور ان مہاراجگان



نے برطانوی افسروں سے کہہ دیا تھا کہ شریف خانی خاندان کی حفاظت کی جائے، اس لیے کہ قلعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ چنانچہ انگریزی فوجوں نے پہلی میں داخل ہوتے ہی اس گھر کی حفاظت کے لیے پہرہ بٹھادیا اور تمام خاندان اس دار و گیر سے محفوظ رہا۔ مرزا غالب نے بھی حالات غدر کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے،

۸۔ جون ۱۸۵۷ء کو دہلی پر انقلابیوں کا انجھیں اُس زمانہ میں باغی کہا جاتا تھا۔ قبضہ ہوا اور ۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے فتح پائی اس کے بعد مہینوں تک ہنگامہ دار و گیر گرم رہا۔ باغیوں کی شکست کے وقت جب دہلی والے بھاگتے ہزار ہا اشخاص نے حکیم مسعود خان کی حفاظت میں اثاثہ چھوڑ دیا، حالت یہ تھی کہ لوگ حکیم صاحب کے پاس اپنا قیمتی سامان، زیور اور سواہرات محفوظ کرنے کے لیے لاتے تھے اور حکیم صاحب ایک کوٹھری بتا دیتے تھے کہ اس میں رکھ جاؤ، چنانچہ یہ کوٹھری چھت تک لوگوں کے پسندوں گٹھریوں اور کبوسوں سے بھر گئی۔ بقول حکیم محمد احمد خاں مرحوم اندازہ یہ تھا کہ اس وقت اس کوٹھری میں دو کروڑ روپیہ سے زیادہ کی امانت رکھی ہوئی تھی۔ یہ مرتبہ دہلی میں محمود خاں ہی کا تھا کہ لوگ ان کی کوٹھریوں میں اس طرح اپنی دولت ڈال کر جاتے تھے۔ غدر کے بعد جب لوگ اپنے گھروں کو واپس آئے تو حکیم صاحب نے اس کوٹھری کا دروازہ کھول دیا اور فرمایا جس کا جو سامان ہو، وہ پہچان سے لے جائے۔

دہلی میں اور خصوصاً آبی ماروں کے محلہ میں جو ہزار ہا جائدادیں ضبط ہوئیں، ان کے لیے محمود خان حکام کے پاس جاتے تھے اور انھیں واگزارت کر دیتے تھے جو لوگ گرفتار تھے انھیں رہا کرانے کے لیے

۱۰۔ اس زمانہ میں خاندانی دیوان خانہ کے سامنے یہ کوٹھری اس مقام پر تھی جہاں اجل خاں صاحب نے بعد کو اپنا ایک کمرہ تعمیر کیا۔ یعنی وہ کمرہ جس میں زیادہ تر مرحوم کی نشست تھی اور جواب بھی موجود ہے،

کو توالی جایا کرتے تھے اور یہ کہہ کر کہ میرے عزیز ہیں انہیں رٹا کر لیتے، حالانکہ عام طور پر کچھری اور عدالت میں جانے سے سخت نفرت کرتے تھے۔ تاہم خد کی مصیبت میں، دن رات مخلوق کی جو خدمت انجام دینی اس کے قصے عرصہ تک دہلی میں زبان زد خاص عام تھے۔ ایک طرف مزاج کی وسعت اور تمکنت کہ اہل دل کی صورت دیکھ کر چین بہ چین ہو جاتے تھے اور دوسری طرف طبیعت کی یہ نرمی اور گداز کہ غریبوں اور گرفتارانِ بلا کی خاطر کو توالی کے چکر لگاتے تھے محمود خاں کی فطرت کی بلندی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ تھا۔

حکیم محمود خان بہتر سال زندہ رہے اور مسلسل اپنے فن سے متعلق تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ مزاج بہت آزاد اور بے پروا پایا تھا، لالچ طمع، غرور اور خود نمائی سے نفرت ممتی لیکن خود داری کا جذبہ بہت قوی تھا، لہٰذا ان کے فنی معجزے بہت ہیں اور اس قابل ہیں کہ کتاب کی صورت میں محفوظ کیے جائیں۔

## معجزانہ علاج

مثلاً ایک واقعہ رسالہ "زبان" نے سن ۱۹۰۵ء میں شائع کیا تھا :-

• ایک دفعہ گرمی کے موسم میں ٹھیک دوپہر کے وقت جناب والدہ ماجدہ کو کسی مرض کا درد ہوا، یکایک ماتھے پاؤں سرد ہو گئے، کھجے میں منہم بولنے لگا منہ بند ہو گیا آنکھیں پھر گئیں اور وہ بے ہوش ہو گئیں مکان کے برابر ہی منوہر نامی ایک تجربہ کار دیدہ رہنے والے ان کو بلا کر دکھایا گیا، انہوں نے تجویز کیا کہ سردی اور ہوا کی خرابی ہے مگر مرض بہت بڑھ گیا ہے جانبری کی کوئی امید نہیں بہر حال انہوں نے گولی دی مگر وہ کسی طرح حلق سے نیچے نہ اترتی ناچار والد صاحب گھبرائے ہوئے حکیم محمود خاں کی خدمت میں پہنچے حکیم صاحب مکان کی چھت پر ایک حجرہ میں تیسرے دست بیٹھے تھے اور دوا بینہ خوانی میں محو تھے والد صاحب چونکہ بے تکلف تھے وہیں پہنچ گئے اور

عرض حال کیا، آپ نے جھٹک کر فرمایا کہ جا! شربت عذاب پلا دے اب سوچیے کجا شربت عذاب اور کجا یہ مرض زمین آسمان کا فرق ہے مگر خیر اس وقت تو چلے آئے پھر تھوڑی دیر میں پہنچے اور جا کر کہا کہ حضرت! شربت عذاب دیتے ہی مریضہ کی حالت اور بھی دگر دگوں ہو گئی، میں نے آپ کے کہنے سے شربت پلایا ہے اگر خدا نخواستہ وہ مر گئی تو میں قیامت میں آپ کا دامن پکڑوں گا۔ فرمایا میاں کیوں جھوٹ بولتا ہے تو مجھے خواہ مخواہ دھوپ میں پریشان کرنا چاہتا ہے اچھا چل یکسر آپ پا پیادہ ساتھ ہو لینے گھر پڑتے ہی ایک سوہے کی نان سے منہ کھول کر شربت عذاب پلویا اور اس کے پیتے ہی مریضہ کو آرام ہو گیا ۔

ایسی مثالوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو حکیم محمود نعمان کے قلم کمالات پر سند ہے محمود خاں کو خدا نے حسن ظاہر اور حسن باطن دونوں عطا فرمائے تھے، ترکمانی خون کی جھڑک سے ان کا چہرہ روشن تھا۔ پیرانہ سانی میں جی مردانہ وجاہت ان کے چہرہ پر نمایاں تھی۔ لانا باقد مناسب اعضا جسم کی نکت سرخ و سفید بارہ عینے گرمی اور جبار سے وہی شربت کی کانکر کھا اور سفید گپٹی، یہ ان کی وضع تھی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے تو وضع قطع بالکل سپاہیانہ ہوتی تھی ۔

۱۳۰۹ھ ہجری میں انہوں نے رحلت فرمائی تمام ملک میں ان کی رحلت کا ماتم ہوا ۔

حکیم محمود خاں کے معرکہ آرا علاج | ایک دفتر درکار ہے لیکن ذیل میں بطور مشتہ نونہ

از خروارے ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے :-

اسطوئے زمان حکیم محسن و دانا صاحب نے ایک بیان اپنے غاندان کے لیے ترتیب میں ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص مدت سے شدید دوسری گرفتار تھا اور علاج سے

ط : حیات اجل (تاضی عجب الغفار)



اسے کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔

آخر مزید سوالات کرنے سے معلوم ہوا کہ دوسرے پہلے نکسر چھوٹی تھی۔ اور روکنے کے بعد ہی دوسرے شروع ہوا، حکیم صاحب مرحوم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مریض کے سر کی رگوں میں خون بجم ہو گیا ہے چنانچہ آپ نے رات کو بیدار نہ بھگو کر صبح مصری ڈال کر پینے ارشاد فرمایا، دو تین روز مریض کی ناک سے خون کے جھبے ہوئے ٹکڑے خارج ہوئے اور مرض جاتا رہا۔

**ہمدردی خلق** | حکیم محمود خاں میں اپنا سٹے جنس کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قدر کے زمانہ میں مصیبت زدہ لوگوں کی انھوں نے جی جان سے گزر کر خدمت کی مرزا غالب ایک واقعہ لکھتے ہیں :-

۱۵۵۰ء کے آغاز میں ہمدردی کے عینے میں ہندوستانیوں کی خطائیں معاف ہوئیں۔ لوگ پھر شہر میں واپس آنے لگے۔ اسی اثنا میں حاکم شہر کو چیلنخوروں نے خبر دی کہ راجہ نرندر سنگھ بہادر کے معالج یعنی حکیم محمود خاں صاحب کا مکان مسلمانوں کے لیے جاسے پناہ بنا ہوا ہے اور بہت ممکن ہے کہ ایک دو باغی بھی ان لوگوں میں ہوں جو حکیم صاحب کے ہاں پناہ گزیں تھے چنانچہ ۲ فروری سے شنبہ کے روز حاکم مذکور دوڑے کر آگیا اور مالک خانہ کو مع ساتھ اور آدمیوں کے کپڑے کرے گیا۔ اگرچہ چند روز تک سب کو حوالا نہ رہی لیکن حکیم صاحب کی عزت و آبرو کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا بالآخر حکیم محمود خاں حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے چچا زاد بھائی حکیم عبدالحکیم خان کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ ۱۲ فروری کو کچھ لوگ اور چھوڑ دیئے گئے۔ ۱۳ فروری کو تین آدمیوں نے اور مانی پائی مگر نصف سے زائد آدمی حوالا نہ رہی میں رہے۔

۱ : حکایت الاطباء (حکیم محمد حسن قریشی ص ۳)

۲ : غالب کی فارسی تاریخ غدا، دستبرد، ص ۵۹ (روزنامہ غالب)



**حسن سلوک** حکیم صادق علی خاں کے بیٹے حکیم محمود خاں اور حکیم مرتضیٰ خاں جو بہت عرصہ سے اپنے بڑے

بھائی کی بگڑے ہوئی اور محمود خاں اپنے والد کی بگڑے ہوئی اور جب انگریزی فوج داخل ہوئی تو ان لوگوں نے بن کے ساتھ بڑی ہمدردی کی جن کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ تمام اہل محلہ اقربا و احباب۔ بلا امتیاز امیر و غریب پانسو آدمیوں کو اپنے گھر میں رکھا، اور جب تک یہ ہنگامہ فرو نہیں ہو گیا بربران کی خبر گیری اور خاطر مدارات کرتے رہنے ایک دن کسی نے مجزی کی اور سب آدمی حکیم صاحب کے ہاں پھیرے ہوئے تھے گرفتار ہو کر کوتوالی پہلے گئے حکیم صاحب بھی ان کے ہمراہ تین دن قید رہے۔ اور بڑی بالفتشانی سے بن سب کو چھڑا۔ اور چند دن بعد سب کو لے کر ریاست پٹیاہ چلے گئے۔

**محمود خان اور نذیر احمد** حکیم محمود خاں مرحوم کی نازک مزاجی ہندوستان میں مشہور تھی ان کا مطلب ایک مہلہ تھا۔ جہاں سینکڑوں مریض صحت یاب

ہوتے تھے۔ استاد و مکرّم مولوی نذیر احمد مرحوم کی تنک مزاجی سے کون بڑھا لکھا واقف نہیں اتفاق سے سرسید نے ایک سب جج کو کسی شکایت کے سلسلے میں دہلی بھیجا اور مولوی نذیر احمد کو لکھا کہ وہ خود حکیم صاحب کے پاس سے جائیں۔

نزاکت طبع کے اعتبار سے نذیر احمد اور محمود خاں ایک سے ایک بڑھتے ہوئے تھے نازک مزاجی کا اظہار تیار ہو چکا تھا اور دونوں کامل الفن و ماعنی طاقتوں میں چوڑے نکل میں اترنے کو تیار تھے مزاج اور نزاکت میں ڈوبا ہوا تھا جس کی تہ میں فتنگی کے جواہرات چمک رہے تھے محمود خاں مرحوم حکیم و رئیس تھے نذیر احمد معذور ادیب محترم تھا آج کی سرزمین جس نے میر تقی کی شکن اور پیشانی کو بوسے دیئے تھے اپنے دونوں پوت گود میں لیے اطمینان سے بیٹھی تھی۔ مولوی نذیر احمد مطب میں داخل ہوئے ایک ایسی کڑاک سے جو مطب میں گونج گئی کہا اسلام علیکم

شریف خانی نقاد است طبع اس کو رنگی کی تحمل آسانی سے نہ ہو سکتی تھی نہایت دھیمے سراں

ط۔ نصرت نامہ کوڈنٹ ص ۱۹

میں وعلیکم السلام کی ایک آواز نکلی اور ختم ہو گئی۔

## تشخیص مرض اور قیافہ شناسی

حکیم محمود خاں صاحب کا دور دور کے اطباء  
رومان گئے، تشخیص امراض کے ساتھ قیافہ

کو اتنا دخل تھا کہ دور سے مرض کی صورت دیکھ کر اس کا مرض بتا دیتے۔ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے  
موافق نسخہ دیتے، بناضی میں وہ کمال حاصل تھا کہ علاوہ امراض کے بہت سی باتیں بتا دیتے تھے۔

چونکہ حکیم صاحب کا مزاج بڑھا ہوا تھا اکثر ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں کہ مریضوں کو ہنسنے  
بہنسنے کچھ داتا بتا دیتے اور لوگ مزاح سمجھتے اور درحقیقت وہ ان کا علاج ہوتا تھا، غرض تمام  
ہندوستان میں آپکا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ حکیم محمود خاں صاحب علاوہ علمی لیاقت اور ذاتی شرافت  
کے فقیر دوست درویش نواز تھے۔ امیروں کی مطلق پروانہ کرتے فقیروں کا دم بھرتے :

## ایک مجذوب سے عقیدت

دیوبند ضلع سہارن پور میں رکھیں شاہ صاحب  
ایک مجذوب صاحب خدمت تھے حکیم صاحب

ہمیشہ دلی سے دیوبند تشریف لے جاتے اور پیادہ پا کئی کئی روز تک ان کے ساتھ رہتے۔ حکیم  
صاحب حافظ عبدالرحمن صاحب نابینا جو اکل فقیر اور عظام مشائخ سے تھے جن کا اب مزار حضرت  
سلطان نظام الدین علیہ الرحمۃ کی خانقاہ کے قریب ہے مرید تھے۔ ان کا فرایا ہوا حکیم صاحب  
ہمیشہ بعد مغرب درو رکھتے تھے ان کے بعد ان کے صاحبزادہ مازق الملک حکیم عبد المجید خانقاہ  
مروم کا بھی یہی طریق رہا، غرض کہ حکیم محمود خانقاہ صاحب نہایت آزاد مستغنی المزاج تھے یہ فقراء کی  
صحبت ہی کا اثر تھا دعا کا محض بیان تھا اور جو مریض آتا بہت جلد شفا پاتا۔ اس خانہ ان میں یہ بات بھی  
قابل تعریف ہے کہ شہر کے لوگوں سے مطلق نہیں لیتے امیر غریب سب کا علاج برابر اسی  
طرح تسلی اور تشفی سے کرتے تھے :

ط ۱ : دہلی کی آخری بہار علامہ راشد انجیری ص ۱۲۷

ط ۲ : یادگار دہلی رسید احمد ولی اللہ ص ۱۲۸

## حالی کی تقریر محمود خاں پر | حکیم محمود خاں کے انتقال پر مولانا حالی نے نہایت پُر اثر اور پُر درد مرثیہ لکھا، یہ مرثیہ صرف حکیم محمود خاں

کا نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ دہلی اور سلطنت اسلامیہ کا مرثیہ ہے دہلی کے روساء اور عمائدین اور حکیم صاحب مرحوم کے عقیدت مندوں نے پُر زور تحریک کی کہ ایک جلسہ عام حکیم صاحب کی تعزیت میں منعقد کیا جائے اور اس میں مصنف محترم کی زبان سے یہ مرثیہ سنا جائے لیکن اسی زمانہ میں مولانا بیمار ہو کر پہاڑ چلے گئے۔ دو تین مہینے کے بعد جب سفر سے واپس آئے تو ۲۰ محرم ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۸۹۶ء بروز یکشنبہ ایک جلسہ مفتی محمد سدر الدین خان صاحب مرحوم کی کوٹھی پر منعقد کیا گیا، اس میں مولانا نے یہ مرثیہ پڑھا، جس سے اہل جلسہ بے انتہا متاثر ہوئے مندرجہ ذیل تقریر وہ ہے جو مرثیہ سے پہلے مرثیہ لکھنے کی ضرورت پر مولانا نے فرمائی تھی :

مسلمانوں میں مرثیہ لکھنے کا رواج ابتدا سے اسلام سے پایا جاتا ہے اور اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی عزیزوں و دوستوں اور مشہور لوگوں کے مرثیے اب تک موجود ہیں سچ یہ ہے کہ کہیں شخص کی نیکی بزرگی اور مقبولیت کا ثبوت بھی کہ مرثیہ کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا، جو تعریف کسی کے مرنے کے بعد کی جاتی ہے اس میں بناوٹ یا قصص کا گمان ہرگز نہیں ہو سکتا عرب کے شعرا کو جب دل سے کسی کی تعجب اور بے ریا تعریف کرنی ہوتی تو اس کے مرنے کے بعد مرثیہ لکھتے تھے معن بن زائدہ شیبانی جو کہ خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ایک نہایت فیاض اور شجاع سپہ سالار گذرا ہے اس کے بیشمار مرثیے لکھے گئے ایک شاعر نے اس کے مرثیہ میں لکھا یا تھا کہ فیاضی اس کے ساتھ بخت ہو گئی اب کس سے فیاضی کی امید رکھیں خلیفہ ہمدانی نے اس جرم میں اسکو دوبار سے نکلوا دیا اور امراء نے اسکو عہد دینا موقوف کر دیا مگر اس پر بھی شعر اس کے مرثیہ پر لکھتے رہے جعفر برکی کو اہل رشید نے قتل کر دیا تو اس کے مرثیہ لکھنے پر بہت سے شاعر وں کو موت کی نرا دو گئی مگر پھر بھی لوگ مرثیہ لکھنے سے باز نہ آئے، فی الواقع کبھی شخص کی شکر گزاری اور اسماں مند ہی کے اظہار کا موقع اس سے بہتر نہیں ہو سکتا



کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی وفات پر افسوس کیا جائے اور اس کا ذکر جیل ملک میں پھیلا جائے۔  
 اسلام میں بلکہ شاید تمام دنیا میں کوئی واقعہ کر بلا سے زیادہ عالم آشوب اور مدد ناک وقوع میں  
 نہیں آیا اور اسی لیے فی زمانہ مسلمانوں میں مرثیہ کا اطلاق صرف سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 کے مرثیوں پر ہونے لگا۔ اس میں شک نہیں کہ بن مرثیوں کے سننے سے ہر مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا  
 ہے اور خاندان نبوت کی محبت جو کہ اسلام کی جڑ ہے دلوں میں موجزن ہوتی ہے اور شہدائے کر بلا کے  
 سبر و استقلال کی پیروی اور اتباع کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے قوم کے اکثر بزرگوں نے  
 واقعہ کر بلا کے بیان میں اپنی حسی تمام کر دی ہیں اور قوم کے رونے اور رلانے کے لیے اس قدر  
 ذخیرے چھوڑ گئے ہیں اب کسی شخص کو ان مضامین کے دہرانے کی ضرورت نہیں رہی لیکن اس  
 زمانہ میں کہ مسلمان کی قومی بندش ٹھیلی ہوئی ہے اور تمام جماعتوں میں تفرقہ پڑ سکھ ہوئے ہیں ان میں  
 ہمدردی کا بیج بولنے اور قومیت کی روح پھونکنے کی از بس ضرورت ہے جہاں اس کی اور بھی صحت  
 سمی تدبیریں ہیں ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ قوم میں سے جب قوم کا کوئی محسن اور خدمت گزار گزر  
 جائے تو اس کی زندگی کے حالات قلم بند کیے جائیں اور شعراء جو قوم کی زبان ہیں تمام قوم کی طرف  
 سے ان کے مرثیے لکھیں تاکہ معلوم ہو کہ قوم اپنے محسن کی قدر کرتی ہے اور اس میں ہمدردی کا مرق  
 باقی ہے ۔

اگرچہ میں اپنے تئیں اس عزت کا مستحق نہیں سمجھتا کہ مجھ کو قوم کی زبان سمجھا جائے لیکن چونکہ  
 میں نے دیکھا ہے کہ مرحوم حکیم محمود فاں کی وفات سے تمام ہندوستان میں عموماً اور دلی میں خصوصاً  
 ایک غیر معمولی رنج و افسوس پیدا ہوا ہے اور میرے اکثر اصحاب کو اس حادثہ سے سخت صدمہ پہنچا  
 ہے اس لیے میں نے چند بند بطور مرثیہ کے ترتیب دیئے ہیں اور اس وقت میں ان کی چھپنے  
 کی آپ صاحبوں سے اجازت چاہتا ہوں ۔

۱ : مقالات عالی (شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند)



## حالی کا مرثیہ محمود

علم والے علم کے دیا بہا کر چل دیئے      واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے  
کچھ سنبھرتے تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے      کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے  
ایک تختہ ۔۔ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا  
لے گئی سیل فٹاس کو بھی لے دتی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو لے شہرِ عظمت قوم کی      بڑھ چکی تھی آبرودت سے رخصت قوم کی  
پر کچھ اک محمود ناں کے دم سے تھی پیت قوم کی      اٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آبِ قسمت قوم کی  
کیا دکھ کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو  
نازِ اب کس پر کسے گا لے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دلی کوئی اب ایسا مقبول تھاں      دانش دارِ انوارت مرجعِ ہندوستان  
ہند سے سے تا عرب کشمیر سے تا اندھیاں      بچہ بچہ کی زباں پر نام ہے جس کا دواں  
نیم جہوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب  
خود کیوں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی ب تجھ میں ہیرو کیا کہ آئے نہاں      انقذاتِ زندگی کر دیجے گرائس کے بیان  
سمجھیں ہر افسانہ ناواقف اُسے اور دستاں      ہے تعجب خیرِ الحق سیرتِ مسعود خاں  
یاد داک جو ہر ایک تھا ہر انسان سے  
یا نہکتے اب نہیں ایسے جو ہر کان سے

اس کا تھا دیوانِ شانہ ملک کا اور الشفا      غلط کا دیوانِ رات راتا تھا جہاں آتا بندھا  
سنت جہادوں کو اس کے در سے ملتی تھی دوا      فکرِ نذرانہ کا تھا اس کو نہ شکرانہ کا تھا

اُس کے استثناء سے جھک جاتا تھا سرِ غرور کا

اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھیلِ مزدور کا

بے حقیقت اس نے سمجھا الٰہِ دولت کو سدا تھے برابر اس کے نزدیک اغنیا اور بے نوا

گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں سبے انتہا کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ مال اس کے سوا

کرتے ہیں جو دعوے ہمدردیٰ نزعِ بشر

اُس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوے سب

گو کہ جاتے تھے شفا خانوں میں خاص عام سب پرالچھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب

غلق کا پھر ملتا دوا دہی اُسی کا تھا مطلب اُس کے بیماروں کو گویا یوں ہوں یا جان بلب

نہ سود تیر و مصالح کی خطا کا ڈر نہ تھا

موت کا ڈر تھا مگر جھلک کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر مرجن بھروسہ جس قدر کرتے ہیں معلوم جو جو اُن سے امراضِ بشر

وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر اُس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرا میٹر

اُسا تھیں دور بین اہل صنعت کی جہاں

ماہِ پختی تھی نگاہ دور میں اس کی دماں

وہ زمانہ جب کہ تھا دلی میں ایک محشرِ بیا نفسی نفسی کا تھا جب پاؤں طرغِ غل پڑتا

اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جب کہ دریا غائبِ الجبال

باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دو چار

یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار

اگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر  
جل نہ جائیں اس کے شعلے سے کہیں سب خشک نہ

بالیقین جن مجرموں کو اس نے سمجھا بے خطا مارشل لا میں ثبوت ان کی گواہی کا دیہ  
چین سے بیٹھنا جب تک ہو گیا اک اک ما جو کہ تھے امداد کی ان کی اعانت بڑا

نہ دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا

بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

قصے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی جس کو نہ تھی ہی گواہی جس نے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی  
جس نے صورت تک عدالت کی کبھی کبھی تھی مانتہ سے جس نے بڑوں کی آن اب تک ہی نہ تھی

بے گناہوں کے لیے وہ بات نہ ملے گی میں تھا

پادوں اک اس کا عدالت میں تھا امداد گھر میں تھا

کی تھی جو پہچن سے طرز زندگی اختیار اس میں فرق آیا نہ وقت واپس نہیں رہا

کوہ اسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار وضع اس کی بزرگ تھی وضع صنعت کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی

عہد عالمگیر و اکبر شاہ کی تصویر تھی

# عہد بہادر شاہ کے مہرور اور فن کار خطاط، خوش نویس، نغمہ ساز، نقاش، مصور، داستان گو

آخری بادشاہ سراج الدین ظفر، یعنی بہادر شاہ کا عہد، ذہنی دماغی، اور فنی و علمی اعتبار سے ہندوستان کا ناباک ترین اور، روشن ترین دور تھا، اس عہد میں، زندگی کے ہر گوشہ میں ہمیں ایسی ایسی شخصیتیں نظر آتی ہیں۔ جن کا پھر کوئی ثانی پیدا نہ ہو سکا، جنہوں نے اپنے فن اور مہر کی ایسی نمائش کی، جو آج تک موضوع بزم انجمن ہے۔

عہد بہادر شاہ کے مہرور اور فنکاروں کا تفصیلی تذکرہ اگر مرتب کیا جلتے تو ایک ضخیم و طویل کتاب بن جلتے، لیکن ان میں سے چند کا تذکرہ ضروری ہے، تاکہ اس دور گرامی کی ایک جھلک نظروں کے سامنے آ سکے، اور وہ ماحول پیش نظر رہ سکے۔

اب مختصر طور پر چند مہرور اور فن کاروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے : —

خوشنویس

سید محمد امیر بخاری کش

یہ جناب سادات کبار سے ہیں خط نستعلیق کو بہتر زمان میں ان کی قلم کی صدائے مری نے  
مثل صور ثانی کے دوبارہ زندہ کیا، ہر دائرہ حروف کا اُن کے اوصاف حمیدہ کے ذکر میں



سراپا دہاں اور ملات انفاظ کی اُن کی محامد حمید کے بیان میں سراسر زبان ۔ ان کی خوشنویسی کے دور میں میر عباد کی خوش قلمی پر اعتماد نہیں رہا اور ان کی صانعی کے زمانہ میں غار شید بندہ ہو گیا یا دہودے کہ درزش پنجہ اور بکتی میں کوئی ان کا نظیر نہیں جس پر ہاتھ ان کا ایسا سبک ہے کہ قلم کو ایک اُن میں ہزار حروف لکھنا اور پھر اُس خوبی کے ساتھ کچھ گراں نہیں ۔ (۱)

ان میر پنجہ کش سے، صوفیا اور اکابر نے بھی مشق قلم کی تھی :-

" میر صاحب کا دستور تھا کہ جب کوئی لڑکا اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اول روز اُس کے ہاتھ سے ایک وصلی لکھواتے اور اپنے پاس رکھ لیتے جب کوئی شاگرد شکایت کرتا کہ حضرت اتنی مدت گزری لیکن میرا خط درست نہیں ہوا تو اس کی پہلی کلمی ہوتی وصلی نکال کر سسے رکھ دیتے کہ اس سے مقابلہ کرو، کتنا فرق ہو ابے جب وہ پہلی تحریر دیکھتا تو فرق بین معلوم ہوتا اور شاگرد کی ٹکیں ہو جاتی ۔ ایسا ہی حال طالبانِ طریقت کا ہے ۔ کہ جب تعلیم بدرجہ حاصل ہوتی ہے تو امتیاز حال نہیں ہوتا اور طالب کہ تشنگی طنب بدستور رہتی ہے اور خیال کرتا ہے کہ ابھی کچھ مانگ نہیں ہوا حالانکہ مرد کامل کی صحبت اپنا کام کرتی رہتی ہے ۔ اگر اس میں بھی وصلی لکھی جاتی تو ہم بھی لکھا رکھتے ۔ آج مقابلہ ہو جاتا ۔ لیکن تبدیل عیالات میں کچھ فرق ہوا یا نہیں پسے کی نسبت خود ہی کمی بیشی معلوم ہوتی تھی یہاں تکثات اگر اس کو منظور ہے تو وہ بھی ہو جائے گا " (۲)

## محمد جان صاحب مرحوم مغفور

شاگرد میر کلن خوشنویس بے بدل اور خوش قلم بے نظیر تھے جب تک یہ قید حیات میں تھے ان کے سامنے کسی خوشنویس کو یارائے دم ندون نہ تھا عرصہ پندرہ بیس برس کا ہوتا ہے کہ روح پر فتوح کو عالم غائی سے رہا کیا ۔ اللہ اغفر لی وار (۳)

(۱) تذکرہ اہل دہلی دہلی دہرستید،

(۲) تذکرہ غوثیہ ص ۲۱۳

(۳) تذکرہ اہل دہلی دہرستید،

## حافظ کلو خاں صاحب معقور

خط نسخ میں استاد یگانہ اور مشہور زمانہ۔ اس خط کو شان یا قوت پر لکھتے تھے۔  
بلکہ یا قوت کو ان کے سامنے یا قوت جرم دار کی مانند کچھ قدر نہ رہی تھی۔ عرصہ چند سال  
سے عالم باقی کی طرف حرام کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## میر امام الدین صاحب سلم اللہ تعالیٰ

خط نسخ میں استاد ہیں سلطان عصر حضرت نعل اللہ سراج الدین محمد بہادر شاہ کے استاد  
خط نسخ کو فاضلی کی شان پر لکھتے ہیں اور باتفاق زبان خلاقی پر ہے کہ اس شان پر ان سے بہتر بلکہ  
سے انیس بیس بھی لکھنا محال ہے۔

## یہ نڈت شکر ناٹھ

خط شکستہ میں شاگرد رشید تھے مولوی صاحب ممدوح کے اور بعد ازاں حضرت کے  
ان سے بہتر شہر شاہجہان آباد میں کوئی نہیں ہوا اور ذاب چھ سات برس کا عرصہ ہوا کہ جہان  
فانی سے راہی ہوئے۔

## یدر الدین علی خان مہر کن

خط نستعلیق لکھنے میں شاگرد ہیں سید امیر صاحب ممدوح کے اور مہر کنی کے فن میں مہم  
ہندوستان میں اس سرگروہ اہل کمال کا نظیر نہیں۔ مہر حکام وقت کی علی الخصوص ذاب گورنر جنرل  
بہار کی اسی یگانہ روزگار کے ہاتھ کھدا کرتی ہے۔ جو دائرہ کہ ان کی قلم سے نکلتا ہے ہزار  
حرف ان کی بیگانگی پر اپنے ذہن سے ادا کرتا ہے۔

## مولوی حیات علی صاحب معقود

خطِ غلستہ میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ اُن گتے ہر حرف کے خم و پیچ سے زلفِ خیال نمکتگی دام کرتی تھی اور خطِ استیلق میں ایک شانِ نئی اختراع کی تھی۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اس شان کی صدا گناہیں مختصر اور مطالِ امن کی قلم سے نکلی ہوتی ہیں کہ ہر حرف امن گناہوں کا ایک قطعہ شمار میں آتا ہے۔ ہمدتِ خدائی ہے کہ ایسے فردِ کامل بھی مغفورِ روزگار پر بہم پہنچے۔  
ان اللہ علی کل شیء قاریہ۔ مدتِ دراز مبعوثی کہ اس جہاں قافی سے راہی ہوئے۔ (۱)

### بابِ نغمہ و موسیقی

#### میرزا صراحمند

والدین اُنکے ساداتِ عظام تھے اور اتفاقِ زمانہ سے ہمتِ خان مرحوم موصوف کی دخترِ بلند اختر سے منسوب ہوئے۔ چونکہ اس صاحبِ کمال نے اپنے نامائے مرحوم کی صحبت میں رشد و بلوغ بہم پہنچایا اور اُس کی فیضِ تربیت سے فنِ موسیقی میں یکماتے عہد ہو گیا۔ وہ مغفور فنِ نغمہ سرائی میں مشہور روزگار تھا۔ یہ یکماتے زمانہ نغمہ سرائی اور بہنِ نوازی دولوں میں معروف روزگار ہوا اور ان دولوں کا مول کو ایسا کیا کہ گوشِ اہل روزگار نے ترانہ ہائے بہنِ رابعین کو فراموش کیا۔ اور کلماتِ دہر کو یہ اعتقاد ہے کہ جیسا اُن چیزوں کو انہوں نے

(۱) مذکرہ اہلِ دہلی دسرتید

برتا اسانڈہ سلف کو مجال نہ تھی کہ اس کے عیش عشر بر بھی قادر ہو سکتے۔ اپنے نانا کی وفات کے بعد بدستور قدیم حضرت خواجہ محمد نصیر صاحب مرحوم کے سامنے یہ بھی نغمہ سرائی بین نوازی انہیں دونوں تاریخوں میں کرتے رہے بعد اُن کی وفات کے حضرت مراد شاہ اہلوت جالین شاہ محمد نصیر غفر اللہ شرف خلعت یادگار سلف مولانا و بالفصل مولانا مولوی یوسف علی کے سامنے جولانی سجادہ نشینی خاندان موصوف بل اس امیر کے واسطے الیق ہیں۔ وہ ہی مجلس اس کمال کے وجود سے مزین ہوئی رہی۔ اب گردش آسیاتے گردوں سے بہ تعریب کوشش رنق نواح صوبہ اودہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں۔

## ہمت خان

بارید اس کا شاگرد کہیں لودنیا اس کا تلمیذ کترین۔ یہ ذبہ کلاتے روزگار اس عیش میں اپنے عہد میں کس لمن الملکی مارتا تھا۔ سب ارباب نغمہ اس کے نام سے اپنا کان پکڑتے تھے۔ دہرید کے گاتے ہیں اس کا نظیر تھا۔ اگر تان میں زندہ ہوتا زانوئے شاگردی تہہ کرتا لود اگر ہوجاؤ را قید حیات میں ہوتا خط غلامی لکھ دیتا۔ ہر چہ اطراف عالم سے رو سائے ذوی الاقدار اور راہر ہائے عالی تبار نہایت آرزو سے بطح زر خطیر خط لکھ کر تمنا کرتے تھے کہ یہ صاحب کمال قصداؤ کی ملازمت کا کرے۔ باستانت استغلتے خدا داد جو ارباب کمال کے لوازم ذاتیہ سے سب، تمام عمر ان کی طرف منہ نہ کیا اور وہ بلی سے قدم باہر نہ رکھا۔ ہو نغمہ سرا کہ ممالک دور درت سے مدعی اس فن کا ہو کر وارد شاہجہان آباد ہوا اس کی ایک تان کے سنتے ہی نہ تال کی خبر رہی نہ نمر کی لود اس کے قدم کی خاک کو اپنی آنکھ کا کحل الجواہر بنایا۔ حضرت بابرکت شاہ محمد نظیر صاحب مرحوم سجادہ نشین خلافت حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے سامنے بنا برسم مستوح کے دوسری اور چوبیسویں ہر مہینہ کی مجلس نغمہ گرم کیا کرتا تھا اور درد دیوار اس کی الحان واؤ دی سے مست ہو جاتے تھے اور از بسکہ درد باطن لود لذت فقر کی پاشنی اس مستغنی



الاصوات کے گلوئے حال میں یہ سنجی ہوئی تھی اس نغمہ کو ایک اور سی کیفیت بہم پہنچی تھی اور  
یہ کلام مولیٰ روم علیہ الرحمۃ

بشنوا ز نے چوں حکایت می کند  
وز جدائی ہا شکایت می کند  
کز نیساں تمارا بریدہ اند  
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

سی ماہر کامل کے نامی گلوئی شان میں صادق آتا تھا۔ عرصہ چند سال کا ہوتا ہے  
کہ اس عالم عسکری سے تقطاع نام کیا اور بزم جنت میں خراماں ہوا۔

## رحیم سین ستار زن

یہ صاحب کمال اثرات اولاد میاں تان سین ہے و صدائے نار اس کی تاریکی  
المان واؤ دی سے بخرو دیتی ہے۔ پھر راگ اور چھتیس راگنی اس کے نار ساز کے بال باند ہے  
غلام و کنیز ہیں۔ نواب فیض محمد خان عالی جج برتے کمال قمر دانی سے اپنی ملازمت میں رکھا تھا  
بعد ان کی وفات کے نواب فیض عسائی خان مرحوم نے کہ بذریعہ وراثت عالی اس ریاست  
کا ہوا بدستور قدر شناسی اس زبدہ کلمتے حصر کی کرتا رہا۔ اب جو وہ ریاست عبدالرحمن خان  
پھر نواب مرحوم تک منتقل ہوئی یہ رئیس بھی اس صاحب کمال کی قمر دانی میں کوئی دقیقہ فرد  
گناشت نہیں کرتا۔ واقع میں ایسے یکدمتے روزگار عرصہ عالم میں کم جلدیہ گر ہوتے ہیں۔

## ملکھوا پیکھاؤ جی

ملکھوا جی بھلے میں یکدمتے عصر لہر گانہ دہر۔ باتفاق کہتے ہیں کہ جو صحت اس کے

۱۱۱ مذکرہ اہل دہلی دمر تید

ہاتھ میں ہے نہ ملت کو میسر ہوتی اور نہ خلت کو۔ (۱۱)

## گلاب سنگھ کی پانچویں

جامع متانفون فنی موسیقی کا۔ ہاتھ اس صاحب کمال کا پیکہ باوج کے بجانے میں ایسا  
طیار تھا کہ اُس کے ہاتھ کی ایک جنبش میں سوراگ آنکھوں کے سامنے پہر جاتے تھے۔ اور  
ستار لوازی کو گویا اسی تے از سر نو زندہ کیا تھا۔ سوا اس کے جلتے رنگ کے بجاتے میں یدِ طولی  
رکھتا تھا۔ عرصہ دراز ہوا کہ سفر آخرت اختیار کیا اور عین جوانی میں داغِ مرگ سینہ پر لے گیا۔

کار بسیار و اندک است حیات  
عمر در خود کار یا پستی

## نظام خان

دہر پد لڑائی میں بے مثل و مانند اپنی فدا گردی کا نام سین و بر جو باور سے کو خیال  
میں نہیں لاتا تھا۔ عرصہ قلیل ہوا کہ ثبتانِ عالم بغیر اُس کے دہر دہشتِ آمو کے قائم نہ رہا ہو گئی۔

## قائم خان

دہر پد لڑائی میں ایسا کامل تھا کہ مقاماتِ دوازوہ گانہ راگ کو کہ کمالِ صعوبت سے  
بغتِ خواہاں رستم کا حال رکھتے ہیں، اُس کے انعامِ مجرہ اس میں تے یہ آسانی نہ کر گیا تھا۔ عہد  
آدم سے اس دم تک ایسا ماہر پیدا نہیں ہوا اور اس زمانہ سے لے کر عصر تک اس کے نظیر کا  
پیدا ہونا متصور نہیں۔ عرصہ چند سال سے عالم مالی سے کوچ کیا۔

(۱) تذکرہ اہل دہلی دہر سید ص ۱۷۷

## یہا درخان ستار زن

من ستار لوانی میں یگانہ روزگار۔ اس کی صداسے درو دیوار تصویر کا عالم ہم پہنچا  
تھے یہ فقو کہ مرغ از طیران و آب از جریان باز دارد۔ اسی ماہر کامل کی ذات پر صادق  
آتا تھا۔ پانچ چھ برس کا عرصہ ہوا کہ عالم باقی کی طرف سفر آخرت اختیار کیا۔

## راگرس خان

من بین نوازی میں یکمے روزگار اور یگانہ شہر و دیار۔ اس کی بین کا ہر تار شیرازہ  
کتاب حریت تھا۔ جیسا ہمت خان من نعمہ میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا یہ صاحب کمال بین نوازی  
میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ ہمت خان کے ساتھ دوسری پوہیوں میں حضرت موصوف مرحوم کے رو برو  
محبت بین نوازی سے گوش شوق کو ممنون اور سامعہ ممنا کو مرہون کرتا تھا۔ پچھ سال  
گنہے کہ عالم ثانی سے عالم باقی کو راہی ہوا۔

## مختار اور نقاش

## مرزا شاہرخ بیگ

من تصویر میں نہایت کامل اور اقران و امثال سے اس کام میں گوتے بہت سے گئے  
مژدہ چشم حور اگر ان کا قلم مو قلم بنے بجاسے لہریاں من گردن بھی اگر ان کا صفحہ ہو تو زیبا ہے۔  
کل نقشے اس کتاب کے فیض علی خان موصوف اور ان کی استعانت سے مرتب ہوئے ہیں۔ کام ان  
نقشہ کا نمونہ ان کی منعت کا ہے۔

## فیض علی خان

کہین برادر حقیقی ہیں غلام علی خان موصوف کے۔ مانی ان کا قلم بند و صدف وار اور بہن زادان کی طرح کا پیرہ نگار۔ شمع ان کی تصویر کی بزم افروز اور آتش ان کے نقشہ کی عالم سوز۔ از بسکہ مزاج ملج و لعل کی طرف بہت نائل ہے جاندار کی تصویر سے تا تب ہو کر نقشہ مکانات پر متاع کی زبان اللہ اس کام کو اس طرح سے انجام دیا اور اس امر کو ایسا انعام پہونچا یا کہ بیان اس کا اعطاء تحریر سے باہر ہے۔

## محمد علی

استاد فن ہے اور اس فن کے دقائق سے آگاہ۔ وضع قدیم کی تصویر جیسی اس سرگروہ اہل کمال کی قلم سے کھینچ سکتی ہے اور کی مجال نہیں (۱)

## غلام علی خان

صور بے مثل و مانند و پیکر آرائے بے شبہ و نظیر رنگینی از رنگ مانی ان کے نقشہ مادہ کے مقابل اجل اور آب و رنگ کار نامہ بہن زادان کی سیاہی قلم کے سامنے متغزل۔ نقاش بیمار نے ہرچند تصویر چمن کی وہی شقائق اور سفید آب نستان سے بنائی ان کے گروہ بے نقش و نگار کے آگے رولتی نہ پاتی ایسا قادر اس فن میں صفحہ روزگار پر نہیں پیدا ہوا کہ دیدہ و نگہ کی تصویر بننا اور زبان سوسن کا نقش گویا بنا سکتا ہے۔ غنچہ ان کی چمن تصویر کا بویا لہ مردم چشم ان کے موقع نہر میں آستانہ دیدہ نمود کے پردہ پر کرہ عالم کی تصویر اس طرح بنائی کہ میخانہ اصد بند گردش اخلاک و اوضاع کو اکب کو تفصیل اس

(۱) منظر اہل دہلی (مرستہ)



میں مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نقطہ مہجوم پر نقشہ کون و فساد کا ایسا کھینچا ہے کہ فکر حکیم استعارہ  
اجسام اور ممکن موالید اور حصول ترکیب اور تغیر فصول کیجئے اُس سے دریافت کر سکتا ہے۔  
گل کی نرمی اور خالص درختی اُن کی تصویر سے مشہود۔ حیوان کی حرکت اور نبات کا نمو اُن کے نقشے میں  
موجود۔

## داستان گو

### میر کاظم علی

فلک فتنہ ساز، عیار، چال باز۔ واقعات عیاری سن کر چشم رنگ سے روتے زمین کو دیکھ  
ہے۔ میر کاظم علی داستان گو تشریف لاتے ہیں طوطی برنگین بیان ببل ہزار داستان پر مقراض زبان  
گل کرتی ہے بزم آراستہ کرتے ہیں تو بزم پر دیز کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے رزم کا اہتمام کرتے  
ہیں تو کون رسم نقاب سحاب عنبرین نقاب منہ پر لیتی ہے شیروں کے پتے پانی ہو جاتے  
ہیں ابھی ابھی دسترخوان چناغوان فرعون کو بے تک کر دیا محض رنگ و بو آراستہ کی صراحی و پیاز  
لا دھرا ساقی گل غدار کہ لا کھڑا کیا دنیا کو بن پئے متوالا بنا دیا جادو کا ذکر چھٹرا اللہ سے جادو  
بیانی سامعین کو دم کے دم میں مستز کر لیا اور پھر لطیف یہ کہ دل گھبرانے نہیں پاتا طبیعت اتالی نہیں  
صاحب کمال تھے اہل دربار میں داخل ہوتے۔ (۱۱)

۱۱ " ولی کا سنبھالا۔ (خواجہ محمد فیض) ص ۱۳

## تراثن داس

منشی تراثن داس صاحب پنواڑی تشریف لاتے ہیں۔

برگ سبزا ست محفہ درویش

ع

پلی مارول میں پانل کی دوکان ہے۔ نثر پڑھاتے ہیں اس کتاب کے نکتے ان سے بہتر  
 سمجھنے والا دوسرے زمین پر نہیں شاگرد دوکان پر جمع رہتے ہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری  
 ہے پان بناتے جلتے ہیں علم کا دریا بہاتے جاتے ہیں سرخ رو ہوسے اہل علم میں جگہ پائی دے

دہلی، قلی کاسنہالا (خواجہ محمد شفیع دہلی) ص ۱۱

# عہد بہادر شاہ کے اخبارات

بہادر شاہ کے زمانہ میں۔ صحافت کی داغ بیل پڑ چکی تھی، اردو زبان میں اگرچہ پرنٹنگ بالکل نئی تھی، لیکن اس کا رجحان اور اٹھان عادت بنا رہا تھا کہ، آگے چل کر، صحافت ایک مستقل فن بننے والا ہے۔ بہادر شاہ بھی اخبارات سے دلچسپی رکھتے تھے، "مرآۃ الاخبار" ان کے حکم اور ایمان سے جاری ہوا تھا، جو مطبع سلطانی میں چھپتا تھا، اور لال قلعہ سے شائع ہوتا تھا۔

آج ان اخبارات کا دستیاب ہونا قطعاً ناممکن ہے، بہادر شاہ کے عہد میں شائع ہوتے تھے، لیکن مختلف کتابوں اور مقالوں میں، غنمٹ اور برسبیل مذکورہ جہاں کہیں ان کے بارے میں نامکمل اور کٹھنہ معلومات ملتے ہیں، ان سے بھی ایک سرسری اندازہ اس عہد کی صحافت اور ملازمت کا ہو جاتا ہے، اس زمانہ میں نہ رائٹر ایجنسی ملک میں پہنچی تھی، نہ ٹیمپو سرورسز قائم ہوئی تھیں۔ صحافت زیادہ تر معذیاتی خبروں اور منعمولوں پر مشتمل ہوتی تھی، لیکن جب کبھی ملکی مسئلہ پر گفتگو کی نوبت آجاتی تھی، تو آزادی، تحریر و راستے کا جلدی بھی نظر آ جاتا تھا، اس عہد کے لیے یہ بات قلعہ نئی تھی، اور قلوب انگیز آج بھی ہے۔

تلاش و کاوش کے بعد، جن اخبارات کا کچھ تذکرہ یا نمونہ مل سکا، یا جن کے نام ہی معلوم ہو سکے، اب ہم ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں، یقیناً یہ تذکرہ ناکافی ہے، اور مزید "مرآۃ" کے بعد یہ فہرست بڑھائی جاسکتی ہے، لیکن جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ بھی بہت کچھ ہے۔

## اردو کا پہلا اخبار اور مطابع کی کثرت

۱۸۳۵ء میں دہلی میں سنگی مطبع قائم ہوا اور ۱۸۳۶ء میں دہلی سے مولوی محمد باقر مولانا محمد حسین آزاد دہلی کے والد نے دہلی اردو اخبار جاری کیا۔ یہ اردو زبان کا دوسرا اخبار تھا پہلا اردو اخبار مولوی کرم علی نے کلکتہ سے ۱۸۱۸ء میں نکالا تھا نواب نعیم الدین حیدر دس سال جلوس ۱۸۳۷ء میں آگرہ کے پور سے بلا کلکتہ میں سنگی مطبع قائم کیا جس میں سب سے پہلی کتاب شرح النبی بھی ۱۸۳۷ء میں دہلی میں ٹائپ کا مطبع بھی قائم ہو گیا اس سال کے بعد تمام ہندوستان میں لیتھو کے چھاپے خانے کھلنے لگے اور اخبارات نکالنے لگے آگرہ میرٹھ بنارس۔ بریلی پنجاب دہلی مدھس وغیرہ میں بڑی کثرت سے مطابع و اخبارات جاری ہو گئے۔

۱۸۴۹ء میں صرف ممالک مغربی و شمالی یعنی موجودہ دہلی یوپی اور پنجاب میں ۲۲ مطبع تھے۔ جن میں سے ۱۲ مطبع صرف کلکتہ میں تھے اور ان مقامات پر ۲۳ اردو اخبار نکلتے تھے اس سال تمام ہندوستان کے اردو اخبارات اور رسائل کی تعداد پچاس کے قریب تھی اور صرف ممالک مغربی و شمالی میں ۱۳۱۷ء میں طبع ہوئے خد کے لگے سال ۱۸۵۵ء میں مطبع نوکلش قائم ہوا اور اسی سال اس مطبع سے اردو اخبار جاری ہوا یہ اخبار آئندہ چل کر روزانہ ہو گیا اور ملک کے ممتاز اخبارات میں شمار ہونے لگا اور مطبع نوکلش کو اس قدر ترقی ہوئی کہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ممالک مشرق میں اس سے بڑا مطبع نہ تھا۔ (۱۱)



## سید الاخبار

مرسید ابتدا سے نہایت فراخ سواد اور کثرتِ طبع تھے خرچ کی تنگی کے سبب اکثر منقبض رہتے تھے لہذا ان کو یہ خیال ہوا کہ کسی مدیر سے یہ تنگی رافع ہو سید الاخبار جو ان کے بھائی کا جاری کیا ہوا اخبار تھا کچھ تو اس کو ترقی دینی چاہی۔ اور کچھ عداوتِ دہلی کے حالات ایک کتاب کی صورت میں جمع کر کے شائع کرتے کا ارادہ کیا۔

سید الاخبار کا اہتمام اگرچہ برائے نام ایک اور شخص کے سپرد کر رکھا تھا مگر زیادہ تر مرسید خود اس میں مضامین لکھا کرتے تھے لیکن یہ اخبار ایک مدت جاسی رہ کر بند ہو گیا۔ (۲۱)

(۳۳)

## سراج الاخبار

سراج الاخبار جو ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہِ دہلی کا روزنامہ تھا اور ہر ہفتہ طبع سلطانی میں شائع ہوتا تھا۔ سلسلہ میں جاسی ہوا تھا تفصیل کے لیے دیکھو پنڈت کیفی دہلوی کا مضمون "اب سے آدمی صدی پہلے کے اردو اخبار" در سالہ اردو جلد ۱۹۵۳ء ص ۲۰۱ تا ۲۰۹۔

(۳۴)

## نبردہلی

یہ اخبار دہلی سے نکلتا تھا اس کا اہتمام محمد رفیع خیریں پیش کرنے کا طریقہ۔ اور خبروں

پرتبصرے کا اسلوب کیا تھا، اس کے لیے یہ چند سطریں بطور نمونہ کافی ہیں : —  
 ”کل کے دن اکیسویں مارچ ماہ نو میر کو گورنر جنرل بہادر لارڈ ڈال ہوسی صاحب دام اقبالہ“  
 قریب گیا رہ بجے کے دہلی میں داخل ہوئے اور سلامی ہوئی اور کوٹھی سرطاس مشکف صاحب  
 بہادر میں اترے یہ لارڈ صاحب بہادر نہایت مدبر اور عقلمند ہیں اور علم بہرہ کافی رکھتے ہیں  
 کئی دفعہ سخت لڑائیوں میں لڑے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ یہاں بالکل امن رہے گا لیکن  
 اب معلوم ہوا کہ سکھ لوگ خواہ مخواہ جنگ طلب کرتے ہیں خیر اگر وہ لڑائی چاہتے ہیں، انگریزی  
 گورنمنٹ بھی مستعد ہے، خبر ہے کہ لارڈ صاحب موصوف بائیسویں (۲۲) مارچ ماہ حال کو  
 بوقت شام کے دہلی سے روانہ ہوں گے یقین ہے کہ بعد سزا دینے اور زیر کرنے سرکشاں  
 پنجاب کے واسطے امن اور بہتری خلقت ہندوستان بہت سی تجویزیں کی گئیں۔“

(۵)

## کریم الاخبار

اسے مولوی کریم الدین نے نکالا تھا، یکم فروری ۱۸۵۷ء کے روزنامہ چچا بہادر شاہ میں  
 اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے : —  
 ”دہلی میں آج کل ایک مطبع رہا عام نہایت شان و شوکت کے ساتھ جاری ہوا  
 ہے کریم الاخبار جس کے مہتمم فضائل ماب مولوی کریم الدین صاحب ہیں اسی مطبع میں چھپا ہے  
 امید ہے کہ عنقریب یہ مطبع بہت زیادہ رونق و ترقی حاصل کرے گا۔ (۱)  
 کریم الاخبار تلک کی اندولی خبریں چھاپنے، اور ان پرتبصرہ کوفے بھی نہیں چوکتا تھا۔  
 ”آج کل دہلی میں بنارس کی طرف کا ایک برہمن آیا ہوا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں استخراج

(۱) بہادر شاہ کا روزنامہ چچا

بجولت دیکھتے ہوئے امور معلوم کرنے کا ایک قاعدہ کے ذریعے سے سمجھتے ہوئے خزانے اور دینے کا حال بنا سکتا ہوں مرزا عاشور بیگ صاحب کو جب برہمن کے اس کمال کی خبر ہوئی تو انہوں نے بلا کر کہا میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے اس مکان میں دینے ہے لیکن یہ نہیں معلوم کس جگہ ہے اگر تم خزانہ کا ٹھیک پتہ بتا سکو اور وہاں سے کچھ ٹکل بھی آئے تو میں اس میں سے کچھ حصہ دول گا برہمن نے کہا میں لٹان بتاؤں گا اگر وہ پیہر مکمل آئے تو آدھ تمہارا آدھ ہمارا حاصل کلام اسی شرط پر معاملہ ہو گیا برہمن نے حساب لگایا کہ ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کھدائی شروع ہو گئی برہمن اپنی طرف سے ایک آدمی کو نگرانی کے لیے چھڑ کر خود چلا گیا چند گز زمین کھودی گئی ہوگی کہ بارہ ہزار روپیہ اور ایک ہزار اشرفی نکلی مرزا عاشور بیگ نے جب یہ رقم دیکھی تو اپنے اقرار سے پھر گئے۔ دل میں کہا اپنے بزرگوں کی جمع کی ہوئی دولت کو جو انہوں نے اپنی اولاد کے لیے اڑے کھڑے وقت کے لیے رکھی تھی۔ اس طرح آسانی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دینا بے وقوفی کی علامت ہے۔ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ ہمارے دولت کا آدھا حصہ ہیکار نہ جلتے اور حلال روپیہ حرام صورت میں برہمن کے حصہ میں نہ آئے بہت غور و فکر کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ برہمن کے مقرر کیے ہوئے آدمی کو کسی طرح اپنی طرف کھینچا جائے تاکہ اصل حقیقت کا کسی کو علم نہ ہو اور تھوڑے سے خرچ میں کام بن جائے چنانچہ برہمن کے گماشتہ سے آٹھ سو روپے رشوت پر یہ معاملہ طے ہو گیا کہ برہمن سے یہ نظر ہر کیا جائے کہ صورت دو ہزار روپیہ نکلا ہے۔ اس پر مرزا صاحب اور گماشتہ میں قسما قسمی بھی ہو گئی چنانچہ اس قرار داد کے موافق ایک ہزار روپیہ گماشتہ کے ذریعے برہمن کے پاس بھیج دیا گیا کچھ عرصے تک اس واقعہ کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی مگر بعد میں راز کھل گیا کہ برہمن کو اصل واقعات کا علم ہو گیا اور اس نے اپنے گماشتہ کی رشوت سنائی اور مرزا عاشور بیگ کی وعدہ خدائی کا حال اعجاز کریم الاخبار کے مہتمم صاحب سے بیان کیا اور استدعا کی کہ اس کو مٹا لے کر دیا جائے مہتمم صاحب نے یہ حالات اپنے اخبار میں درج کر دیئے۔

ہمارے نزدیک یہ حکایت صداقت سے خالی ہے اور محض ایک نادر حکایت ہی ہے  
کیونکہ استخراج جہولات کے قاعدہ کے ذریعہ سے نامعلوم اشیاء کی اعداد اور حساب کی پوری کیفیت  
معلوم ہو جاتی تھی، یہ نہیں کہ یہ تو معلوم کر لیا کہ خزانہ مدفون ہے اور یہ نہ معلوم کیا اس کی تملوکیا  
ہے یہ بات اس فن کے جانتے مالوں میں سے ہر ایک پر ظاہر ہے غالباً اس پر ہنسنے لڑل و نجوم  
کے ذریعہ خزانہ کا پتہ چلا لیا ہوگا اور تملوکیا حال معلوم کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ (۱۱)

(۱۱)

## دہلی گزٹ

یہ اخبار انگریزی میں نکلتا تھا، اور ملکہ کے حکام پر نکتہ چینی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا  
تھا، ذیل کا دلچسپ واقعہ ملاحظہ ہو: —  
دہلی گزٹ میں باغ روشن آرا و باغ سر ہندی کے مقدمہ کی مثل پھپی ہے اور اس میں  
کچھ الفاظ ایسے بھی درج کیے گئے ہیں جو شان خسروی کے خلاف ہیں۔  
”دہلی گزٹ کے ایڈیٹر صاحب کو طلب کر کے ارشاد ہوا کہ اداکین سلطنت پر جو اعتراضات  
کئے گئے ہیں تم ان کے جواب بھی اپنے اخبار میں شائع کرو گے یا نہیں؟ انہوں نے کہا ضرور  
شائع کر دوں گا اخبار نویس کا فرض ہے کہ پبلک کی واقفیت کے لیے تصویر کے دو ٹول رخ پیش  
نہیں حضور والا نے یہ سند حکم دیا کہ اعتراضات کے جوابات لکھ کر ایڈیٹر صاحب کے پاس  
بیج دیتے جائیں۔ (۱۲)

(۱۲)

(۱۱) بہادر شاہ کا روز نامہ ۱۵ — ۲۲ جولائی ۱۸۴۵ء —

(۱۲) بہادر شاہ کا روز نامہ ۲۹ — ۲۵ ستمبر ۱۸۴۶ء —



(A)

Marfat.com

## احسن الاخبار

غندے دس ہندو سائل پہلے احسن الاخبار نام ایک فارسی اخبار بمبئی سے شائع ہوتا تھا۔  
اس میں دہلی کے متعلق بہت سی دلچسپ خبریں ہوا کرتی تھیں۔ اگر اس اخبار کا مکمل فائل دستیاب ہو  
جاتا تو بہادر شاہ مہ دوم کی نہایت مفصل سوانح عمری مرتب ہو سکتی۔ (۱)

## محبوب ہند

"ماشرام چند کے عیسائی مذہب قبول کر لینے پر اس سال کے ماہ ستمبر میں غامی پھل مچ گئی تھی کہا جاتا  
ہے کہ دہلی کے یہ پہلے ہندو ہیں جنہوں نے یہ مذہب اختیار کیا اس پنڈٹ کی عمر اس وقت ۳۵  
سال کی ہے یہ شخص دہلی کالج کا طالب علم تھا اور اس کالج میں اس نے انگریزی۔ ہندوستانی اور  
فارسی زبانوں کو حاصل کیا تھا لیکن علم ریاضی کی طرف اس کا خاص رجحان تھا وہ متعدد اور مفید کتابوں  
کا مصنف اور مترجم ہے جن میں سے ایک الجبرا ہے ایک کتاب علم مثلثات پر ہے جس میں مخروط  
بھی شامل ہیں۔ اور ایک کتاب علم ہند سر پر ہے ایک کتاب علم الحساب پر لکھی ہے لہذا ان کے علاوہ  
کئی کتابیں ادب پر ہیں یہ پروٹیسٹنٹ رسالوں کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص طور پر قابل  
ذکر ہے جس کا نام محبوب ہند ہے یہ ایک ماہانہ پریس ہے جس میں اہم مسائل و معلومات قوت  
پہ اہل ہند کی تعلیمی حالت پر اور عام ادب یعنی ہندوستانی زبان کی ترقی پر مضامین لکھے جاتے ہیں (۲)

(۱) بہادر شاہ ظفر دامیر احمد علی،

(۲) منتقل از خطبات گارسن و ناسی مطبوعہ انجمن ترقی ادب۔

(۳) داستان تاریخ ادب (احمد حسن خان دی) ص ۳۳۴

## اختیارات کی فہرست

چند اختیارات کا مع ان کے تصالُّص کے ہم نے صفحات بالا میں تذکرہ کر دیا ہے، اب ہم اس عہد کے اختیارات کی ایک فہرست — جس کے بارے میں ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے — کر لکھ رہے ہیں — پیش کرتے ہیں، جو مختلف کتابوں، مقالوں، نیز، انڈین ہٹارگیل ریکارڈ کمیشن جلد ۱۹ ص ۱۲۸ سے نیز پروویسیر قاسم علی بسن لال پروویسیر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد وکن کے مضمون سے ماخوذ ہے، درج کرتے ہیں: —

- |                    |                        |
|--------------------|------------------------|
| ۱۔ اخبار السعائت   | ایڈیٹر مولوی محمد باقر |
| ۲۔ دہلی اردو اخبار |                        |
| ۳۔ قرآن السعیدین   |                        |
| ۴۔ اسماء و حکمت    |                        |
| ۵۔ فوائد الناطقین  | ایڈیٹر نام چند         |
| ۶۔ صدر الاخبار     |                        |
| ۷۔ سلطان الاخبار   |                        |
| ۸۔ آفتاب عالمیاب   | ایڈیٹر محمد غوث        |
| ۹۔ زبدۃ الاخبار    | ایڈیٹر واجد علی        |
| ۱۰۔ اسوۃ الاخبار   |                        |
| ۱۱۔ مطلع الاخبار   |                        |
| ۱۲۔ فائدۃ السائقین |                        |
| ۱۳۔ عمدۃ الاخبار   |                        |
| ۱۴۔ سیماء الاخبار  | ایڈیٹر عبدالغفور       |

۱۵ - لسیڈ الاخبار

۱۶ - احسان الاخبار

۱۷ - خیرخواہ ہند

۱۸ - مراج الاخبار

۱۹ - احسن الاخبار

۲۰ - کریم الاخبار

---



# بہادر شاہ کے عہد میں

تراجم، مصنفات، مؤلفات اور ادبِ لٹریچر کی کیفیت

تصنیف و تالیف، اخذ و ترجمہ، انشاد و اڑسی، نشر و نگاری، اور لٹریچر کی نشوونما، بلکہ عروج و فروغ کے

اعتبار سے بھی، ہمیں بہادر شاہ کا عہد، ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہے۔

یہ وہ دور تھا، جب اردو قلعہ معلّٰی میں پردہ نشین تھی، بزم و مجلس میں اب تک اس نے قدم نہیں رکھا تھا، علماء اسے مٹہ نہیں لگاتے تھے۔ صوفیا کی خالقاہوں میں اسے بار نہیں ملا تھا۔ سرکارِ انگریزی کے دربار، اور جہاں پناہ کے ایوان شہریاری میں، اس کی کوئی سرکاری حیثیت نہ تھی، فارسی ہی میں روزنامے لکھے جاتے تھے۔ عدالتی کارروائیاں بھی فارسی ہی میں ہوتی تھیں، کار و بار سلطنت تمام تر، فارسی ہی میں انجام پاتا تھا، اہل ذکر و فکر اپنے دار و دات جس زبان میں قلمبند کرتے تھے، وہ فارسی تھی، حد یہ ہے کہ اردو شعرا کے تذکرے تک فارسی میں لکھے جاتے تھے، ایک شاعروں کی کُھل تھی، جہاں وہ پھل پھول رہی تھی، لیکن شاعروں کا بھی حال یہ تھا کہ اپنے فارسی کلام پر فخر کرتے۔ اردو کلام کو باعثِ ننگ سمجھتے تھے۔ غالب کہتے ہیں

فارسی میں تابیہ بینی نقشِ ہائے رنگِ رنگ

بلند رازِ مجموعہ، اردو کے بے رنگ من است

لیکن بہادر شاہ کے دور میں، ایک عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ اردو، صرف شاعروں کی زبان نہ رہی، کتابوں کی زبان بھی بن گئی، علمی اور فکری مطالب بھی اس میں ادا ہونے لگے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جو کام ہوا وہ بہت کم مایہ اور حقیر نظر آتا ہے، جب ہم دہلی کی اردو سوسائٹی، اور دہلی کالج کے حلقہ

مدتین و معلمین کے ترجمے دیکھتے ہیں، یا ان کی تصنیفات و تالیفات پر غور کرتے ہیں،

اس دور میں جو کتابیں لکھی گئیں، وہ ہر اعتبار سے قابل قدر ہیں، بلکہ آج بھی وہ سرفہرست نظر آسکتی ہیں، کیا ترجمہ کی سلاست اور روانی کے اعتبار سے، کیا مطالب کی دل نشینی اور فصاحت بیان کے لحاظ سے، دوسری خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ اس زمانہ میں علمی اور فنی اصطلاحوں کے وضع کرنے کا نہ صرف کام شروع ہوا بلکہ اس کے اصول اور ضابطے بھی بنالیے گئے۔ وہ اصول اور ضابطے آج بھی دلیل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کام بے سر و سامانی کے ساتھ شروع ہوا، لیکن تنظیم اور ترتیب کی روح شروع ہی سے کار فرما رہی،

زمانہ کی ستم ظریفی نے، اس قابل قدر سرمایہ کو، باقی نہ رکھا، لیکن اس کے جو آثار و نقوش باقی ہیں، وہ بتا رہے ہیں کہ اگر رفتار کاری ہی رہتی، اور غدد کی شہر آشوبی اس کا بے دردی کے ساتھ خاتمہ نہ کر دیتی، تو اردو، آج سے سو برس پہلے۔ ملک کی علمی، ادبی، اور عوامی زبان بن چکی ہوتی، عوامی کالفاظ ہم نے اس لیے استعمال کیا کہ غیر مسلم اہل قلم نے اس تشکیل جدید میں، مسلمان اہل قلم اصحاب سے زیادہ دذنی، باوقار اور بھروسہ حصہ لیا ہے، جس کی تفصیل آگے چلا کر پہلا خطہ کریں گے۔

**ایک نمونہ** | بہادر شاہ کے دور سے پہلے فورٹ ولیم کالج میں اردو کا جو کام ہو رہا تھا۔ وہ صرف افسانہ طرازی اور داستان سرائی تک محدود تھا، علمی اور فنی کام کی طرف چنناں توجہ نہ تھی، لیکن بہادر شاہ کے دور میں کایا پٹ گئی، اور تراجم و تالیفات کا ڈھیر لگ گیا، اور بہادر شاہ سے پہلے اردو کا تصنعی رنگ کیا تھا، اس کا نمونہ میرامن کی انشائیں دیکھیے۔

”میر سے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجالاتے رہے جاگیر منصب خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر مال اور مال کر دیا اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قد مولیٰ جتنی چلیے فرماتے رہے اور خانہ زاد موردی و منصبدار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھرا می گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے عیاں را چہ بیان تب سوج مل جاٹ نے جاگیر ضبط کر لیا، احمد شاہ درانی نے گھربار تاراج کیا ایسی ایسی تباہی کھا کر ایسے شہر

سے (کہ وطن اور ہم بھوم میرا ہے اور آزل نال دیں گڑا ہے) جلا وطن ہوا اور جہاز کر جس کا ناخدا بادشاہ تھا غارت  
 ہو میں نے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا ڈوبتے کرتے کے کا سہارا کا فی ہے کتنے برس بلدہ عظیم آباد میں  
 دم لیا کچھ بنی کچھ بگڑی آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے روز گارنے موافقت نہ کی خیال و اطفال کو چید کر تہنا  
 کئی پر سوار ہوا اشرف البلاد کلکتہ میں آب و دان کے زور سے اپنی چاندی بیکاری میں گزری اتفاقاً نواب  
 ولاد در جنگ نے بلو کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خان کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا قریب دو سال وہاں  
 رہنا ہوا لیکن نباء اپنا نہ دیکھ تب غشی میر بہادر علی کے وسیلے سے حضور جان گل گڑھ صاحب بہادر  
 دام اقبال کے برائی ہوئی باسے طالع کی مدد سے ایسے جوان مرد کا ہاتھ لگا ہے، چاہیے کہ دن کچھ بیٹے آدیں  
 نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سوتا ہوں اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پردہ شر  
 پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں خدا قبول کرے۔

باغ و بہار کے قصبہ کا ماخذ اور طرز تحریر بھی خود امیر آٹن کی زبانی یہ ہے۔

”قصبہ چارہ دیش کا ابتداء میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے لکھا کہ حضرت نظام الدین اولیا  
 ندی زرخیز جو ان کے پیر تھے اور درگاہ ان کے قلعہ میں تین کوس لال دروازے کے باہر مال بنگلے کے پاس ہے  
 انکی طبیعت مادی ہوئی تب مرشد کے دل بہلانے کی واسطے امیر خسرو یہ قصبہ ہمیشہ کہتے اور تیارداری میں حاضر رہتے اللہ نے چند زمیں  
 شادی تب انھوں نے غسل صحت کے دن یہ دعادی کہ جو کوئی اس قصبہ کو سنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا جب سے  
 یہ قصبہ فارسی میں مروج ہوا اب خداوند نعمت اور صاحب مروت نجیبوں کے قدر دان جان گل گڑھ صاحب  
 نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تک گنگا جمنابہے) لطف سے فرمایا کہ قصبہ کو ٹھیک ہندوستانی لکھنگو  
 میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بڑے خاص و عام آپس میں بولتے چانتے ہیں ترجمہ کرو  
 موافق حکم حضور کے میں نے بھی اس محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے!  
 باغ و بہار ۱۸۰۱ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۸۰۲ء میں ختم کیا، ۱۸۰۳ء میں پہلی بار طبع ہوا  
 باغ و بہار تاریخی نام ہے ۱۲۱۷ء نکلتا ہے۔ (۱)

(۱) داستان تاریخ اردو (عامین قادری) ص ۹



علمی ترجمہ کے اصول اور ضوابط | کسی غیر زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے، اور ترجمہ جب علمی اور فنی ہو تو دشواری اور

زیادہ بڑھ جاتی ہے، پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ پھر بھی غلطی کا احتمال رہ جاتا ہے، اس کا ردِ ثوار کو آسان بنانے کی کامیاب اور کارگر تدبیریں عہدِ بہادر شاہ میں شروع ہو گئی تھیں، ذیل میں ان کا ایک خاکہ ملاحظہ فرمائیے:-

انجمن نے انگریزی سے اردو میں ترجمے کے لیے چند قواعد بھی وضع کئے تھے جن کا یہاں بیان کرنا دلچسپی سے غالی نہ ہوگا۔

(۱)

جب سائنس کا کوئی ایسا لفظ آئے جس کا مترادف اردو میں نہیں مثلاً سوڈیم پوٹےسیم، کلورین وغیرہ تو ایسے لفظ کو بجنسہ اردو میں لے لینے میں کوئی سرج نہیں۔ یہی قاعدہ ایسے خطابات والقباب کے بارے میں بھی مد نظر رکھا جائے جن کے مادی خطابات والقباب ہندوستان کی کسی تاریخ میں نہیں پائے جاتے مثلاً بشپ۔ ڈیوک۔ ارل کھکٹر وغیرہ۔

(۲)

اگر سائنس کا کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مترادف اردو میں پایا جاتا ہے تو اردو لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے جیسے آئرن کے لیے لوہا، سلفر کیلئے گندھک، نائٹروجن کیلئے دزیر، سمندر کیلئے طلب نامہ۔

(۳)

اگر لفظ مرکب ہے اور ہر دو لفظ انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا مترادف اردو میں نہیں تو وہ لفظ بجنسہ اردو میں منتقل کر لیا جائے۔ جیسے ہائیڈرو کلورک، کیونکہ ہائیڈروجن اور کلورائن میں کسی کا مترادف اردو میں نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پورے انگریزی جملے کو بجنسہ اردو میں لے لیا جائے بلکہ

(۱) دہل کالج (عبداللہ الحق)





درختوں کے انواع (خاندانوں) کے نام یا تو اس نوع خاندان کے کسی ممتاز فرد پر رکھے جاتے ہیں یا اس نوع کی مشترک خاصیتوں کی بنا پر نام رکھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی پابندی اردو میں بھی کی جائے۔ اگر یہ زیادہ آسان اور مفید ثابت ہو کہ ہر نوع (خاندان) کے الگ الگ نام صرف اس کے خاص اور ممتاز افراد پر رکھے جائیں تو پھر یہی کیا جائے۔

اوپر کے قواعد میں اردو مترادف سے مطلب ایسا لفظ ہے جو ملک کے تعلیم یافتہ اور متوسط طبقے کے طبقے میں معروف ہے۔ اگر ہماری مشرقی زبانوں کی ڈکشنریوں میں کوئی مترادف لفظ نہ ملے اور پنڈتوں اور مولویوں سے پوچھنے کی ضرورت پڑے تو اس سے تو یہ بہتر ہے کہ انگریزی لفظ ہی اختیار کر لیا جائے۔ سائنس کا ترجمہ انگریزی ہی سے کیا جائے گا۔ ایسے انگریزی الفاظ سے زبان کو بچانا تقریباً ناممکن ہے۔

اساتذہ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ جہاں تک آسانی سے ممکن ہو انگریزی الفاظ **آسان اصول** کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ جو شخص کسی سائنس کی کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس سائنس پر جو کتابیں اس سے قبل لکھی جا چکی ہیں انہیں مہیا کرے اور جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہو انہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی کوشش کرے جو ان کتابوں میں استعمال کیے گئے ہیں، جب کسی انگریزی جملے میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو جس سے اہل ہند واقف نہ ہوں تو مترجم کو چاہیے کہ حاشیے میں یا مناسب ہو تو متن میں اس کی مختصر طور پر تشریح کر دے۔

مترجم کو لفظ بہ لفظ ترجمہ کی کبھی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ ترجمے میں سب سے بڑی بات اصل مفہوم یعنی جملے کے معنی اور مطلب کو صحیح طور سے ادا کرنا ہے۔ خواہ اس کی ساخت یا طرز ادائیگی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

**کیمسٹری کی اصطلاحات** | کیمسٹری کی اصطلاحات کے متعلق یہ رائے دی گئی تھی کہ تمام اصطلاحی الفاظ کو بجنہ اردو میں لینا مناسب ہوگا۔ البتہ کیمیاوی عناصر جن کے نام اردو میں موجود ہیں وہ دیے ہی رہنے چاہئیں۔ لیکن مرکبات میں

انگریزی نام ہی رہیں۔ جیسے ہائیڈرو۔ سلفرک وغیرہ۔ چونکہ اصطلاحی الفاظ کے مادے تعداد میں بہت زیادہ نہیں۔ اس لیے ان کی تفہیم میں کوئی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔

نباتیات کا ترجمہ بہت کٹھن ہے۔ یورپین مصطلحات کا لفظی ترجمہ بالکل مہمل ہو جائے گا۔ البتہ جو درجہ سرائیکی درختوں کے خاندانوں کے نام رکھنے کا بتایا گیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اور عام طور پر مستعمل ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یورپ کے کسی خاندان کے نباتات ممتاز افراد ہمیشہ وہی نہیں ہوتے جو ہندستان میں ہیں، بہر حال یہ نبات ضروری ہے کہ کوئی صاحب جو نباتیات کا علم رکھتے ہوں ادا رد بھی خوب جانتے ہوں اس کام کو انجام دیں۔

اس میں خدا بھی شبہ نہیں کہ اردو کو علمی زبان بنانے کی یہ پہلی سعی تھی جو خاص اصول اور قواعد کے ساتھ عمل میں آئی اب میں ان کتابوں کی فہرست دیتا ہوں جو اس سوسائٹی نے لکھوائیں یا طبع کرائیں، اس سے اس کے قابل تدرکام کا صحیح اندازہ ہوگا۔

## سوسائٹی کے ترجموں اور تالیفات کی فہرست

مقالہ اتما ۶ تا ۱۱ د ۱۳۱۱

۱۔ تحریر تقلیدس

۲۔ اصول قانون

۳۔ تاریخ ہند

۴۔ اصول حکومت

۵۔ اصول قوانین مالکذاری

۶۔ اصول قوانین اقوام

۷۔ تاریخ انکشتان

۸۔ الجبرا

۹۔ علم مثلث و ترشہائے مخروطی

(خلاصہ تاریخ گولڈ سمتھ کا ترجمہ)

(ترجمہ برجہ)

- ۱۰۔ عملی علم ہندسہ ریپریکٹیکل جیومیٹری (
- ۱۱۔ اصول علم ہیئت (ترجمہ علم ہیئت بہر مثل ابتدائی آٹھ باب۔ علم ہیئت یونی کیسل بارہواں باب۔  
نمۃ از انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)
- ۱۲۔ تاریخ اسلام
- ۱۳۔ تاریخ یونان
- ۱۴۔ تاریخ روما
- ۱۵۔ رسالہ کمیٹری (ترجمہ پارکر)
- ۱۶۔ استعمال آلات ریاضی
- ۱۷۔ اٹلس (جغرافیہ)
- ۱۸۔ قواعد اردو
- ۱۹۔ انتخاب شعرائے اردو
- ۲۰۔ انتخاب الف لیلہ
- ۲۱۔ شمس (منطق میں)
- ۲۲۔ سراجیہ (اسلامی قانون وراثت پر)
- ۲۳۔ ترجمہ گلستان
- ۲۴۔ قانون محمدی فوجداری (ترجمہ کتاب میکناٹن)
- ۲۵۔ اردو لغات (یہ کتاب تیار ہوئی مگر چھپنے نہ پائی)
- ۲۶۔ قانون مال (ترجمہ مارٹین)
- ۲۷۔ لیلادتی (حساب)
- ۲۸۔ رامائن
- ۲۹۔ مہا بھارت (انتخاب)



- ۳۰۔ نل و من  
 ۳۱۔ دیوان سودا  
 ۳۲۔ دیوان درد  
 ۳۳۔ دیوان میر تقی میر  
 ۳۴۔ دیوان جرات  
 ۳۵۔ نیچرل فلاسفی  
 ۳۶۔ پرنسپل اکانومی  
 ۳۷۔ تحلیلی علم ہندسہ  
 ۳۸۔ خلاصہ شاہنامہ  
 ۳۹۔ مبادیات تفرقی احصاء تکمیلی احصاء
- (معاشریات ترجمہ دینڈ)  
 (اردو میں)

- ۴۰۔ تاریخ ایران  
 ۴۱۔ میکانیات  
 ۴۲۔ نیچرل تھیالوجی  
 ۴۳۔ تاریخ اکتشاف بری و بحری  
 ۴۴۔ محاورات اردو  
 ۴۵۔ تزک تیموری  
 ۴۶۔ ترجمہ  
 ۴۷۔ یوسف خاں کی سیاحت یورپ  
 ۴۸۔ جغرافیہ قدیم کے نقشے  
 ۴۹۔ اصول جبر و مقابلہ
- (لارڈ سنر)  
 (پیلے)

۵۰۔ مختصر خاکہ تاریخ عالم دو جلد (بریف سروے آف ہسٹری از مارشمن)  
۵۱۔ انقلاب پلوٹاکس لائوز (مشاہیر یونان دروا)

۵۲۔ دھرم شاستر

۵۳۔ شرع اسلامی

۵۴۔ سکپ دتہ کا خلاصہ قانون فوجداری

۵۵۔ پرتسپ کا خلاصہ قانون دیوانی

۵۶۔ مارشمن کا سول گائیڈ مع خلاصہ شرع اسلامی دھرم شاستر

۵۷۔ ضابطہ مالگزاری (مارشمن)

۵۸۔ زلیخا

۵۹۔ بدر منیر

۶۰۔ یلی اجنوں

۶۱۔ حدائق البدائع

۶۲۔ شکنتلا

۶۳۔ سنکرت اور انگریزی ڈرامے

۶۴۔ رگھوونش (کالیڈاس کا ڈراما)

۶۵۔ تعلیم نامہ

۶۶۔ جامع الحکایات

۶۷۔ تاج الملوک و بکا دلی

۶۸۔ اسٹنٹ مجسٹریٹ گائیڈ

۶۹۔ تاریخ خاندان مغلیہ (تمیور کے زمانہ سے شاہ عالم تک)

۷۰۔ فلسفہ

- ۷۱۔ بحارستان (زیر ترجمہ)
- ۷۲۔ تاریخ چارلس دوازدہم (زیر ترجمہ)
- ۷۳۔ جغرافیہ طبعی (ترجمہ ٹریل)
- ۷۴۔ علم و عمل طب (عربی سے) (زیر ترجمہ)
- ۷۵۔ طبعی نباتیات (زیر ترجمہ)
- ۷۶۔ حفظان صحت (زیر ترجمہ)
- ۷۷۔ عضویات (علم افعال عضویات) (زیر ترجمہ)
- ۷۸۔ علم معدنیات (علم افعال عضویات)
- ۷۹۔ تذکرہ حکما
- ۸۰۔ مساحت (ترجمہ تھیوڈولک)
- ۸۱۔ چشمہ فیض (مختصر قواعد اردو)
- ۸۲۔ طبیعیات (ترجمہ ارناسٹ)
- ۸۳۔ صرف و نحو انگریزی (اردو میں)
- ۸۴۔ غلی مساحت زمین
- ۸۵۔ زمین
- ۸۶۔ ہندوستان کے پیداواری ذرائع (ترجمہ رائٹ)
- ۸۷۔ سوانح عمری رنجیت سنگھ
- ۸۸۔ رسالہ طب
- ۸۹۔ ترجمہ ابوالفدا (تین جلدوں میں)
- ۹۰۔ تاریخ کشمیر
- ۹۱۔ جغرافیہ ہند
- ۹۲۔ فراید الدہر (تاریخ شعرائے عرب)

- ۹۳۔ تاریخ بنگال
- ۹۴۔ رسالہ مقناطیس (روبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ)
- ۹۵۔ تذکرہ ہندو شعرا
- ۹۶۔ رسالہ جراحی (سرحدی)
- ۹۷۔ حرکیات و سکونیات
- ۹۸۔
- ۹۹۔ علم الناظر (ترجمہ قلب)
- ۱۰۰۔ حرارت (روبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ)
- ۱۰۱۔
- ۱۰۲۔
- ۱۰۳۔ رسالہ علم برق (ترجمہ راجٹ)
- ۱۰۴۔ گالون ازم ( " " )
- ۱۰۵۔ حکمائے یونان
- ۱۰۶۔ حالات ہندوستان ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا آف جبرگرافی مرتبہ مرے
- ۱۰۷۔ ہدایت المتبندی
- ۱۰۸۔ مرید الاموال یا سلاح الاحوال (علم ذراعت)
- ۱۰۹۔ رسالہ اصول حساب (ترجمہ ڈی میدگن)
- ۱۱۰۔ ترجمہ تاریخ الحکماء (ترجمہ تذکرۃ المفسرین (جمال الدین سیوطی)
- ۱۱۱۔ تذکرۃ الفقہاء خلاصہ دقیات اخیان ترجمہ تاریخ ابن خلدون
- ۱۱۲۔ تذکرہ شعرائے ہند۔
- ۱۱۳۔ رسالہ طب (انگریزی سے)



تراجم اور مولفات کی یہ فرست اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ بہادر شاہ کے دور میں، ترجمہ اور تصنیف کے کام نے کتنی منضبط حیثیت اختیار کر لی تھی، اور کیسی نادر اور نافع کتابیں مختصر سی مدت میں ترجمہ ہو گئیں۔

دلی سوسائٹی کے علاوہ بھی، ترجمہ اور تصنیف و تالیف کا کام اس عہد میں کیسوی، محنت اور ذوق و شوق کے ساتھ ہو رہا تھا

## چند اور تراجم علوم و فنون

فردی ہے کہ ایک طائرانہ نگاہ ہم اس پر بھی ڈال لیں، تاکہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے۔  
 فورٹ ولیم کالج کے بعد ایٹ انڈیا کمپنی ہی کی حکومت میں یعنی ۱۸۵۷ء سے پہلے اردو میں ہر قسم کے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ و تالیف ہو گئی تھیں اور ان میں سے اکثر طبع ہو گئی تھیں تاریخ و جغرافیہ - مذہب سائنس، نجوم، ہیئت معاشیات (اکنامکس) منطق طبیعیات (فزکس) فن زراعت تعلیمات درسیات وغیرہ موضوعات مضامین کی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے چند کتابیں بعض پرائیویٹ کتب خانوں میں دستیاب ہوتی ہیں۔ کلکتہ وغیرہ کی بڑی یا سرکاری لائبریریوں میں اور ریاستوں یا امیروں کے کتب خانوں میں بھی موجود ہوں گی لیکن لندن کے انڈیا آفس کی لائبریری میں سب کی سب موجود ہیں جن میں مطبوعات بھی ہیں اور قلمی بھی ان کی تصنیف و تالیف میں ہندو اہل قلم برابر کے شریک ہیں۔ چند مطبوعہ کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں :-

- |     |                     |                            |                   |           |
|-----|---------------------|----------------------------|-------------------|-----------|
| ۱ - | کھیت کریم ۲ حصہ     | مستفہ کان رائے             | مطبوعہ دہلی ۱۲۸۰ھ | رفن زراعت |
| ۲ - | اصول علم انتظام بدن | مترجمہ دھرم نارائن         | " " "             | (معاشیات) |
| ۳ - | اصول علم طب         | مترجمہ امجد شیاد شیاد شیاد | " " " ۱۲۹۰ھ       | (طبیعیات) |

- ۴- عجائب روزگار مصنفہ ماسٹر رام چند مطبوعہ دہلی ۱۸۴۶ء (طبیعیات)
- ۵- مرآۃ العلوم مصنفہ درمن لال مطبوعہ بنارس ۱۸۴۹ء ( " )
- ۶- اصول قواعد مانیات مترجمہ اجودھیا پرشاد مطبوعہ دہلی ۱۸۵۰ء ( " )
- ۷- قانون المطابع (چاپہ کافن) مصنفہ سیتل پرشاد " " ۱۸۴۸ء (رائٹس)
- ۸- اصول علم ہیئت مصنفہ ماسٹر رام چند " " " (نجوم و ہیئت)
- ۹- مختصر وقائع النجوم مولفہ کھڑے مطبوعہ بنارس ۱۸۴۸ء ( " )
- ۱۰- خلاصہ نظام آسمانی مرتبہ پنڈت واسمی دھیرا مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۲ء ( " )
- ۱۱- جغرافیہ ہند مترجمہ پنڈت پرادپ نرائن مطبوعہ دہلی ۱۸۴۸ء (جغرافیہ)
- ۱۲- فتح گدھ نامہ جغرافیہ ضلع فتح گدھ مترجمہ کالی رائے " " ۱۸۴۹ء ( " )
- ۱۳- پنڈنامہ کاشتکاری مصنفہ موتی لال مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۲ء (زراعت)
- ۱۴- ریشم کا کیرا مترجمہ موتی لال مطبوعہ لاہور ۱۸۵۲ء (صنعت و حرفت)
- ۱۵- بخار کی کل (ریشم انجن) مولفہ الیشوری لال مطبوعہ بنارس ۱۸۵۵ء (رائٹس)
- ۱۶- ہوا کا بیان مترجمہ بدری لال " " ۱۸۵۴ء (علم طبیعیات)
- ۱۷- معدنیات مولفہ جواہر لال مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۵ء (طبیعیات)
- ۱۸- خلاصۃ الصنائع مترجمہ بھولا ناتھ " " ۱۸۵۴ء (رائٹس)
- ۱۹- تحصیل فی جبر الشقیل مصنفہ مرید احمد خان (مرید) " " ۱۸۴۴ء (طبیعیات)
- ۲۰- ترجمہ معاشیات ل مترجمہ ذبیر علی مطبوعہ دہلی ۱۸۴۴ء (معاشیات)
- ۲۱- ترجمہ شمسہ مترجمہ سید محمد " " " (منطق)
- ۲۲- مقاصد العلوم مترجمہ سید محمد میر مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۱ء (طبیعیات)
- ۲۳- علم حکمت (میکانکس) مولفہ چارلس فٹک " " ۱۸۴۳ء (رائٹس)
- ۲۴- بحر الحکمت (ریشم انجن) مترجمہ ریونڈ پارکن مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۴۷ء ( " )

۲۵۔	توصیف زراعت	مرتبہ کلپ حسین	مطبوعہ آگرہ ۱۸۴۸ء	(زراعت)
۲۶۔	علم جغرافیہ	مترجمہ میر غلام علی	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۱ء	(جغرافیہ)
۲۷۔	رسالہ مفیاطیس	مترجمہ سید کمال الدین	مطبوعہ دہلی ۱۸۵۰ء	(طبیعیات)
۲۸۔	بجلی کی ڈاک	مولفہ جے ڈیلیوسیل	مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۲ء	( )
۲۹۔	اسول جبر ثقیل	مرتبہ محمد احسن	مطبوعہ بنارس ۱۸۵۴ء	( )
۳۰۔	چائے لکھنے کی کتاب		مطبوعہ لاہور ۱۸۵۴ء	(زراعت) (۱)

جہاں ان کتابوں کا فنی تنوع قابل دیدہ ہے، وہاں یہ منظر بھی کتنا جاذب نظر ہے کہ اردو تراجم میں، ہندو اور مسلمان دوش بدوش نظر آتے ہیں، کسی طرح کی مغارت اور اجنبیت نہیں، دونوں اردو کو اپنی زبان سمجھتے ہیں، اور جوش و خروش کے ساتھ اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔

مولوی کریم الدین نے اپنا ایک مطبع قائم کر لیا تھا۔ دہلی کالج میں پڑھاتے تھے۔ گھر پر کتابیں لکھتے تھے اور اپنے پریس میں چھاپتے تھے۔ انھوں

## کچھ اور کتابیں

نے بھی کافی کتابیں لکھ ڈالیں۔ چند کیفیت ملاحظہ ہو:-

- ۱۔ تعلیم النساء۔ لڑکیوں کی تعلیم پر جس میں آٹھ باب ہیں۔
- ۲۔ مہستان ہند (جس میں کئی باب ہیں۔ تقے۔ نصائح۔ منتخب اشعار وغیرہ)۔
- ۳۔ تذکرہ شعرائے ہند جس کا دوسرا نام طبقات شعرائے ہند ہے۔ یہ گار سال دہاسی سے، خود ہے۔ اس کی تالیف میں ڈاکٹر منین بھی شریک تھے علاوہ ترجمہ کے انھوں نے مختلف تذکروں سے بھی حالات جمع کر کے اضافہ کیے۔
- ۴۔ مغل دستہ نازیباں۔ یہ شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب ہے۔
- ۵۔ تذکرۃ النساء۔ اس میں نامور عورتوں کے تذکرے ہیں۔

۶۔ ترجمہ ابوالفدا۔ اول و دوم چارم و پنجم جلد کا ترجمہ اُسد میں ڈاکٹر سپرنگر کی فرمائش سے کیا۔

۷۔ تاریخ شعرائے عرب — سوسائٹی کے لیے لکھی، اور ۱۸۶۶ء میں طبع ہوئی،

ان کے علاوہ اور بھی کئی رسالے ان کی تالیف سے ہیں (۱)

غرض یہ اور ترجمہ اردو تصنیف و تالیف کے لحاظ سے نمایاں اور ممتاز و درمختاج ہے کسی طرح  
فراموش نہیں کیا جاسکتا،

(۱) مرحوم دلی کالج (ڈاکٹر عبدالحق)



## دلی کالج

ایک مشترک تہذیبی ادارہ جسے مسلمانوں نے بنایا، انگریزوں نے مٹا دیا۔ مسلمانوں کی عالی حوصلگی، وسیع نظری، اور رواداری کے ہمیشہ تخلیقی اور تہذیبی کاموں کو فروغ دیا۔ اور ابھارا وہ ایک فاتح کی حیثیت سے جب اس سرزمین پر آئے، تو یہاں کی زبان الگ تھی۔ تہذیب جدا تھی، وضع و طریق میں فرق تھا، لیکن اپنے ساتھ ایسے گراں بہہ تحفے لاتے کہ انہیں قبول کرنے سے ہندو قوم انکار نہ کر سکی۔ اس طرح مسلمانوں نے ایک مشترکہ تہذیب و ثقافت، زبان اور ادب، معیشت، اور معاشرت، کو جنم دیا، یہاں آکر انھوں نے خود بھی ”اسلام علیکم“ پھیلایا اور ہندوؤں سے بھی منہ ”چھڑا دیا، اور ادب عربی“ ”ہندگی“ ”تسمیات“ کے الفاظ کوئے، وہ فارسی یا عربی بولتے آئے تھے، ہندوؤں کو اپنی بھاشا، اور سنسکرت پر ناز تھا، لیکن انہوں نے فارسی اور عربی سمجھ رٹی، ہندوؤں سے ان کی زبان چھڑائی، اور، اردو ایک نئی زبان بنائی۔ جو نہ مسلمانوں کی تھی، نہ ہندوؤں کی، بلکہ دونوں کی تھی، اس میں عربی، فارسی، سنسکرت، اور دوسری کئی زبانوں کے الفاظ آئے، اب وہ اپنے خاندان سے جدا ہو کر ایک نئے خاندان میں آگئے تھے، اور یہاں کے ہو رہے تھے، تعلیم اور ادب پر بھی اس مشترکہ تہذیب کے اثر قرار۔ اور اس میں بھی اشتراک و خدائے الٰہی کی جھلک نظر آنے لگی۔

دلی کالج اسی طرح کا ایک تہذیبی ادارہ تھا، اس کے قیام کی داستان بڑی دلچسپ اور عبرت انگیز ہے، ۱۹۲۷ء میں یہ مدرسہ غازی الدین کے نام سے قائم ہوا، یہاں عربی، اور فقہ و دینیات کی تعلیم دی جاتی تھی، اسے نواب خادی الدین خاں فیروز جنگ ثانی، خلیفہ نظام الملک آصف جاہ

نے اپنے ذاتی سرمایہ سے قائم کیا تھا۔ ۱۸۳۵ء میں مختلف قالب بدلنے کے بعد یہ "دلی کالج" بن گیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی بھی لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئی۔ یعنی اس نے پانچ سو روپیہ ماہو کی گرانٹ مقرر کی، کالج بننے میں بھی مسلمانوں ہی کا حصہ تھا، یعنی انگریزوں نے، نواب اعماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر، وزیر بادشاہ کا ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ بھی اس کی تشکیل و تعمیر میں شامل کر لیا، یہ واقعہ ۱۸۳۹ء کا ہے۔

اب کالج ایک مشترک، تبلیغی اور تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے برطان چڑھنے لگا، اس کے اساتذہ، طلبہ، ماحل ہر چیز میں انفرادیت تھی، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ذریعہ تعلیم اردو زبان تھی، سرچارلس مٹکات، برٹش ریزیدنٹ کی سفارش پر ۱۸۲۵ء میں انگریزی جماعت کا اضافہ بھی ہو گیا، اور کمپنی نے ڈھائی سو روپیہ دیا لٹرمع کر دیا۔

انگریز شروع ہی سے، اس کے بہترین کارناموں اور شاندار نتائج کے باوجود اس کے مخالفت تھے۔ معین الدین شاہ اکبر ثانی اور بہادر شاہ کے عہد حکومت میں، وہ اسے پھلتے پھلتے دیکھتے رہے۔ مگر کچھ نہ کر سکے۔ خد کے بعد جب وہ ہندوستان کے بلا لٹرمع غیر مالک بن گئے۔ تو ۱۸۲۵ء میں، ایک حکم کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے احتجاج و الٹماس کے باوجود اسے ختم کر دیا گیا۔ اس کالج نے کیا کیا، اور اس نے مشترک مہدیہ کو کس طرح متواتر، اس نے کیا کیا خدمات انجام دیے، یہ داستان بڑی طویل ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ اسے بطور تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے یکسر نظر انداز کر دیا جائے، لہذا، اختصار پر قناعت کر لی پڑے گی۔

غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے ایک بات تو قابل ذکر یہ ہے کہ ایک اعزازی جماعت ایسی بنائی گئی جس نے طلبہ میں خاص

ستمبر ۱۸۲۹ء کی رپورٹ

جوش اور شوق پیدا کر دیا۔ دوسری چیز کتب خانے کی تو بیع ہے اور ان کے علاوہ سب سے بڑھ کر قابل ذکر لہ لائن سٹائن بادشاہ اور دھ کے وزیر کا فیاضانہ عطیہ اور وقف ہے۔ جس کا مختصر واقعہ یہ

ہے۔

وزیر اودھ کا عطیہ | نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر وزیر بادشاہ اودھ نے  
دہلی کے رزیڈنٹ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ایک لاکھ ستر ہزار کی  
رقم اس غرض سے گورنمنٹ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی آمدنی سے دہلی میں مسلمان نو جوانوں کی  
تعلیم کے واسطے ایک درس گاہ قائم کی جائے اس کی صورت وقف کی ہوگی۔ اور یہ رقم گورنمنٹ  
کے پانچ فیصدی والے قرضے میں لگائی جائے۔

گورنمنٹ نے اس فیاضانہ عطیہ کو نہایت فکریہ کے ساتھ قبول کیا مگر جنرل کمپنی نے بدعنوانی  
کے مشورہ کے بعد نواب صاحب کو جو رائے دی وہ رزیڈنٹ دہلی کی حسب ذیل تحریر میں مسترد ہو گئی۔  
"اس خیال سے کہ پانسو روپے ماہوار مقصد پیش نظر کی تعمیل کے واسطے کافی نہیں ہیں  
لاٹ صاحب دوستانہ مشورہ دیتے ہیں کہ مذکورہ بالا مقصد کے لیے جو رقم آپ  
غرض کرنا چاہتے ہیں گورنمنٹ اس رقم میں اضافہ کریں جس سے جو گورنمنٹ نے شہر  
دہلی میں اپنے کالج کے واسطے مقرر کی سب سے زیادہ یہ دونوں رقمیں مل کر موجودہ کالج  
پر خرچ ہوں تو انہوں کو متوقع نفع حاصل ہوگا۔ اگر آپ اس تجویز کو منظور فرما  
لیں گے تو آپ گورنمنٹ کالج کے معاملات کے بہتر یا افسر سمجھے جائیں گے۔ اور  
مدونیدوں اور طلبہ کا تقرر آپ کے نام سے ہوگا۔"

نواب صاحب نے اسے منظور فرمایا اور رزیڈنٹ نے جو وصیت نامہ نواب  
وصیت نامہ | صاحب نے اس کے متعلق تحریر فرمایا اس میں یہ الفاظ درج ہیں۔

"میں ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم نیک نیتی سے اس کالج کی اصلاح کے واسطے برائے  
گورنمنٹ کی تحویل میں چھوڑتا ہوں جو نواب غازی الدین خاں مرحوم نے میرے وطن دہلی میں عالی فارسی  
علوم کی ترقی و تعلیم کے واسطے قائم کیا تھا جو میرے مذہبی علوم میں نہ اخلاق کے سرچشمہ ہیں اور اس وقت  
کما ہوں کہ رقم موقوفہ کا منافع ان علوم کے طبقہ امداد تہذیب پر خرچ کیا جائے۔"

اس وصیت نامے میں انہوں نے اپنے داماد سید حامد علی خاں کو ان شرکاء کا گواہ بنایا۔



تھا کہ اگر گورنمنٹ کی طرف سے بوجہ کثرتِ مشغول یا دیگر غیر متوقع اسباب کی وجہ سے تساہل واقع ہو تو وہ گورنمنٹ کو اس طرف کو توجہ دلائیں اور بصورتِ ناکامی گورنمنٹ سے ایک بھلا گانہ کالج قائم کرنے کی درخواست کریں۔

۱۸۳۳ء میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مگر افسوس کہ حسب وعدہ نہ پرنسپل و نہ طلبہ کا تقریر ان کے نام سے ہوا نہ وظائف ان کے نام سے دیے گئے نہ کسی قسم کی کوئی یادگار کالج میں ان کی قائم کی گئی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس رقم سے کالج کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ نواب حامد علی خاں نے اس رقم کے بیجا صرف ہونے کی طرف بار بار توجہ دلائی اور اہل دہلی نے اس رقم سے حلیمہہ کالج بنانے کی بھی درخواست کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا سوائے اس کے کہ نواب حامد علی خاں بھی کالج کمیٹی کے ممبر بنادے گئے۔ آخر جہاں یہ جائیداد کالج گیا وہیں یہ عطیہ بھی گیا اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔

اس تساہل کی دلی

یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریز ملک کے اندول خورشید سے نچست ہو گئے تھے۔ بنگالہ مدت ہوئی ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ جنوب میں مرہٹوں اور خاص کر ٹیپو سلطان کا کھٹکا تھا سو وہ کانٹا بھی نکل گیا تھا۔ ملک میں امن و امان تھا یہ امن خاص کر دلی شہر میں جو ایک مدت سے ارضی و سماوی آفات کا آماجگاہ بنا ہوا تھا لوہے کی اجاگر نظرات تھیں سستی تھیں، روپے کی کمی نہ تھی، حرفت و صنعت فروغ پر تھیں، لوگ خوش حال اور زندہ دل تھے۔ شہر فصیل کے اندر کچھ کچھ بھرا ہوا تھا، ہر طرف چہل پہل نظر آتی تھی، خام کرچا ہڈی چوک میں جس کے بیچل بیچ نہر بہتی تھی وہ رولت تھی کہ نظر لگتی تھی۔ ہندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح ایسی صلح و دوستی سے رہتے تھے کہ آج کل اس کا یقین کرنا مشکل ہے۔ ایک دوسرے کی غشی و نادہی اور تیمار میں بے تکلف شریک ہوتے اور کسی قسم کی غیریت نہیں بدستے تھے۔ بادشاہ اگرچہ نام کے بادشاہ تھے۔ لیکن کیا ہندو کیا مسلمان سب ان سے محبت کرتے تھے ان پر جان نذا کرتے تھے۔ بادشاہ کا برتاؤ بھی دونوں سے یکساں تھا۔



پنچ مرٹیلر پرنسپل دہلی کالج اپنی ایک رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ قلعہ معلیٰ میں عجیب و برا تھا کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ اگرچہ تعدد تھا، ہمدردی تھی لیکن اس کے باوجود جلدے ملازمین شاہی تھے۔ ایسی خدمات پر جہاں فارسی اردو کی ضرورت رات دن پڑتی تھی، سب کے سب ہندو تھے۔ اگرچہ تعلیم آج کل کی طرح عام نہ تھی لیکن تہذیب اور ذوق جو تعلیم کی غایت ہے وہ عام طور پر پایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان بڑھڑھی اہل ذوق کے فیض صحبت سے صاحب ذوق نظر آتے تھے۔ خوش اطوار اور سلیقہ دہی کا جو ہر تھا۔ زبان کی تو تکمال ہی تھی جس نے دلی غیبیں دیکھی یا ہوئی میں نہیں۔ ہادہ زبان دان ہی نہیں، گویا جامع مسجد کی میزبیاں اور بستان زبان تھیں۔ فارسی کا گھر گھر چرچا تھا۔ خود بادشاہ شاعر تھے۔ شعر و سخن کے ہر درخان تھے۔ قلعہ معلیٰ کی زبان فصاحت کی جان تھی۔

لیکن اس زمانے کی ایک یاد گار نہایت قابل قدر ہے۔ وہ اردو زبان کی ترقی ہے۔ اس زمانے میں اردو اس کے بعد ایسے ایسے صاحب کمال

گذرے ہیں کہ اردو ادب کی تاریخ میں ان کے نام خصوصیات کے ساتھ ذکر کیے جائیں گے۔ لہٰذا ان کا ہم ہمیشہ ذوق و شوق کے ساتھ پڑھ جائے گا۔ یہ نمانہ ابتدائی ترقی کا تھا۔ اور اس وقت سے ایسی بنیاد پڑی کہ یہ زبان آکے ہی بڑھتی گئی۔ یہ سب کچھ فارسی کا طفیل تھا۔ کسی صدی سے فارسی کی تعلیم کا رواج عام طور پر چلا آ رہا تھا یہ کسی ایک مقام سے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ بنگال، بہار، دوآب، پنجاب، گجرات، دکن، ملائیں سب جگہ اس کا تسلط ہو گیا تھا۔ ہمارے انڈیا و آفاق، طبع طریقے، لٹریچر و برخواستہ طرز کلام وغیرہ پر فارسی کا اثر صاف نظر آتا تھا۔ اور یہ کچھ مسلمانوں پر ہی موقوف نہ تھا۔ ہندو مسلمان سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ بات بات میں فارسی امثال اور جملے، سعدی و حافظ، سعدی و جامی یا خسرو کے اشعار بے ساختہ زبان سے نکل جاتے تھے۔ مہمتاں بوسمل، دیوان حافظ، یوسف زلیخا، سکندر نامہ اور شاہنشاہ کا پڑھنا، قومی شعار ہو گیا تھا۔ مہموس ہی میں نہیں ہر گھر میں یہ کتابیں نظر آتی تھیں۔ اس وقت کے کسی ہندو مصنف کی کتاب اٹھارویں صدی سے ہی طرز تحریر ہے۔ اردو ہی اسلوب بیان ہے۔ ابتداء میں بسم اللہ لکھتا ہے۔

حمد و اُمت و منقبت سے مفرح کرتا ہے۔ شرعی اصطلاحات تو کیا حدیث و نص قرآن تک بے تکلف لکھ جاتا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی مسلمان کی بھی ہوئی نہیں قومی یگانگت میں تہذیب و فہم کی یکسانی کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔

سب فارسی اس طرح چھا گئی تھی تو بول چال کی عام زبان اس سے کس طرح بچ سکتی تھی۔ اردو نے اس کا دودھ پیا تھا۔ اس کے سہارے پر حال چڑھی اور وہ رنگ و روپ نکالا کہ سب میں مقبول ہو گئی۔ رفتہ رفتہ فارسی کی جگہ اس کا چلن ہو گیا۔ یہ ایک کھلی اصل تھا۔ جس طرح باپ کا جانشین بیٹا ہوتا ہے۔ اسی طرح فارسی قائم مقام اردو ہو گئی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ دہلی کا لالچ، فروغ شروع ہوا۔

بہر حال لارڈ جڈنگ کے روز لیوشن مورخہ مارچ ۱۸۳۵ء نے ان سب کا غمخ کر دیا وہ روز لیوشن جسے اب تاریخی حیثیت

### لارڈ جڈنگ کی تجویز

حاصل ہو گئی ہے یہ ہے۔

گورنر جنرل باجلاس کونسل کی یہ رائے ہے کہ حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہل ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے اور جس قدر قوم مقاصد تعلیم کے لیے مجتہد ہیں وہ صرف انگریزی تعلیم پر صرف ہوئی جائیں ہنز لارڈ رشپ کا یہ مشا نہیں ہے کہ دیسی تعلیم کے کسی کالج یا مدرسے کو کھڑا دیا جائے جس کے فوائد سے دیسی لوگوں میں تمتح حاصل کرنے کا شوق پیدا جاتا ہو۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل طلبہ کو زمانہ تعلیم میں وظائف دینے کا عمل قطعاً قابل اعتراض خیال کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں یہ ان علوم کی تشویق کی مصنوعی ترغیب ہے اور جب زیادہ مفید علوم کی تعلیم دی جائے گی تو یہ خود بخود ان پر سبقت لے جائیں گے۔ اس لیے وہ ہدایت کرتے ہیں کہ آئندہ کسی طالب علم کو کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہ دیا جائے اور جب کسی شرعی تعلیم کے کسی پروفیسر کی جگہ خالی ہو تو اس کی ریپورٹ گورنمنٹ کو کی جائے اور ساتھ ہی یہ بتایا جائے کہ جو جماعت اس کے زیر تعلیم تھی اس میں طلبہ کی کیا تعداد ہے اور اس جماعت کی کیا حالت

سب سے ماکہ گورنمنٹ اس کے جانیئین کے تقرر پر غور کر سکے۔

ہزارڈ شپ با اجلاس کونسل کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقم خیر مشرقی کتب سے طبع میں صرف کی ہے۔ ہزارڈ شپ با اجلاس کونسل ہدایت کرتے ہیں کہ آئندہ ان رقوم کا کوئی جزو اس کام میں نہ لایا جائے۔

ہزارڈ شپ با اجلاس کونسل ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ تمام رقوم جو ان اصلاحات کی رو سے کمیٹی کے قبضہ میں آئیں وہ آئندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے انگریزوں کے علم ادب لٹریچر کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔

اس کی تصدیق مسٹر کارگل پرچس دلی کالج کے افسر بیان سے ہوئی ہے جہاں کی سالانہ رپورٹ بہت طویل ہے۔

درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”مشرقی شعبے کا علم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کہیں ہوتا ہوا ہے۔“

اس کے بعد ہی وہ اس پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ نصاب کی مناسب کتابیں نہیں دینا اس کا علم اور بھی بہتر ہوتا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ :-

”حل ہی میں کالج، معائنہ بعض نہایت قابل ذہنی افراد اور مشنریوں نے کیا جو معائنات تعلیم سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے مشرقی شعبے کے طلبہ کا امتحان لیا اور ان سے علم ہیئت، جمل سائنس، اخلاقی لٹریچر، مسائل میں گفتگوئی۔ ان سب کا یہ بیان ہے کہ اس شعبے میں قلعی طور پر بہت بڑی ترقی پائی جا رہی ہے۔ تمام ہندوستان میں کسی جگہ ترقی کے ایسے آثار نہیں نظر آتے۔“

کالج کا معیار تعلیم | اس رپورٹ پر گورنر بہادر نے اپنے ہمسرے میں مشرقی شعبے کے متعلق جو یہ الفاظ تحریر کیے ہیں :-



• طلبہ (شعبہ مشرقی) کی سائنس کی ترقی کے متعلق جو یقین دلایا گیا ہے اس سے بے حد مسرت ہوئی۔

۱۸۵۶ء کی رپورٹ میں درج ہے کہ غزنی فارسی کی جماعتوں کے علاوہ سائنس کی جماعتیں بھی تھیں جن میں نہایت احتیاط سے مغربی سائنس زبان اردو کے ذریعہ کامل طور پر پڑھائی جاتی تھی ماسٹر رام چند اور دیگر اساتذہ کی قیادت میں درس و تدریس سے طلبہ ایسے ہوشیار ہو گئے تھے کہ وہ بیاضی، نیچر، فلاسفی اور تاریخ وغیرہ میں شعبہ انگریزی کے طلبہ کو نیچا دکھانے لگے تھے اور مقابلہ کے امتحان میں بازی لے جاتے تھے۔

نام سمن داس صاحب ڈپٹی کلکٹر اور ممبر لوکل کمیٹی دلی کالج نے اس سال طلبہ کا امتحان لیا اور انہوں نے اس بارے میں جو کیفیت درج کی ہے وہ طلبہ کی محنت و ذکاوت پر دلالت کرتی ہے۔ طلبہ نے نہایت اطمینان بخش جوابات دیے اور امتحان اس سے بہت خوش ہوئے۔ طلبہ بالعموم تمام مضامین میں نہایت اچھے نکلے۔ صرف ایک چیز کی یعنی بدخطی کی شکایت کی ہے۔ لہذا یہ شکایت غائب ہمارے کالجوں اور مدرسوں میں اب بھی پائی جاتی ہے۔

مسٹر فریڈرک جان مورٹ ایم ڈی۔ ایل۔ ایل۔ بی فرسٹ فریشن میڈیکل کالج کلکتہ و سکریٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال نے اپنی رپورٹ میں دہلی کالج کے مشرقی شعبے کے طلبہ کی استعداد اور قابلیت اور خاص کر ان کی سائنس کی واقفیت پر بہت قابل تحسین الفاظ میں تعریف کی تھی۔ گورنمنٹ مالک مسٹر مغربی شمالی نے جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کی رپورٹ بابت ۱۸۵۳-۵۴ء پر جو ریزولوشن لکھا ہے اس میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

”اردو کے ذریعے سے دہلی کالج میں جو سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی مرصحت نے بہت تعریف کی ہے۔ ہر آزادی تعلیم کی جو اس ذریعے سے دی جاتی ہے اور خاص کر سائنس کی تعلیم کی بہت قدر کرتے ہیں۔“

۱۸۵۸ء کا امتحان ۱۸۵۸ء کا امتحان ۲۴ نومبر سے ۱۴ دسمبر تک یعنی ۲۱ دن تک رہا



ریاستشنائے اقامت تعطیلات) ریاضیات اور تاریخ کے پرچے گورنمنٹ نے مرتب کر کے بھیجے باقی پرچے کالج کے مدرسین نے تیار کئے۔ باقی جماعتوں کا امتحان اردو کے مولوی ملک علی اور انگریزی کا قائم مقام پرنسپل نے کیا۔

مسعودی - تاریخ یحییٰ - قدوری - میر تقی - حسانہ - متنبی کے پرچے گورنمنٹ نے بھیجے اور سنی اور شیعہ طلبہ کی علی جماعتوں کو دیے گئے۔ ان کے تحریری جواب مفتی محمد الدین صاحب نے معائنہ کیے۔ عربی کی باقی جماعتوں کا امتحان بھی مفتی صاحب ہی نے کیا۔ عربی جماعتوں کے پرچے ڈاکٹر سپہ نگر نے بھی دیکھے۔ فارسی جماعتوں کا امتحان بھی مفتی صاحب ہی نے کیا۔ ان کی راستے میں ان جماعتوں کے طلبہ کی قابلیت نہایت عمدہ تھی۔ تاریخ اور سائنس وغیرہ کا امتحان جن کی تعلیم اردو میں ہوتی تھی۔ تحریری جوابات قائم مقام پرنسپل نے باشرام چندر اور ابو دھیا پرشاد دستیں سائنس کی معیت میں دیکھے۔

مضمون نویسی کے لیے عنوان مسٹر گوب نے دیا تھا اور یہ مضمون انگریزی کی دواصل جماعتوں اور مشرقی شعبے کی چار جماعتوں کے طلبہ کو لکھنے کے لیے دیا گیا۔ انگریزی میں مرقی لال کا مضمون بہ لحاظ زبان اور بہ لحاظ طریقہ بیان سب سے بڑھ کر رہا۔ مشرقی شعبے کے مدرسین محمد حسین کا مضمون سب سے بہتر خیال کیا گیا۔ بہت سی معلومات اس مضمون میں ایسی کتابوں سے حاصل کی گئی تھیں جو نصاب تعلیم میں شریک نہ تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طالب علم کا تعلق دہلی گزٹ یا دہلی اردو اخبار سے تھا اور اس لیے اسے اردو اخبارات کے پڑھنے کی عادت تھی اور ان سے اس نے بہت سی مفید معلومات بہم پہنچائی تھیں اس لیے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اردو اخبار ہندوستان میں صحیح اور مفید معلومات کی اشاعت میں بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

۵۰-۱۸۴۹ء اس سال ۸ طلبہ فارغ التحصیل ہوئے جن میں سے پانچ رکنی کالج کی جماعت سوم میں گئے اور ان کے ملازمت حاصل کی سالانہ مضمون نویسی کے لیے مسٹر جے گنبر

نے ذیل کا مضمون مجریز کیا۔

۱۔ اسلامی اور انگریزی حکومتوں کے تحت آڈائی رعایا کے بارے میں کیا فرق تھا ؟  
 اس مضمون کے جوابی پرچوں میں تاریخی اور عام معلومات اچھی خاصی پائی گئیں اور لکھنے والے  
 قوی تصبیات سے بسی تھے۔ مولیٰ لال کا مضمون انگریزی میں اور محمد حسین کا اردو میں سب سے بہتر  
 خیال کیا گیا۔ مولیٰ لال نے اس کے علاوہ مضمون نویسی کے دو تہے بھی حاصل کیے ایک تقرری لٹریچر کی  
 مضمون کا تادم پنج ہند پر۔ یہ سرٹی مشکات کا عطا کردہ تھا۔ دوسرا طلائی لٹریچر اردو مضمون کے لیے  
 سربرسٹ میڈوک نے عطا کیا تھا۔ یہ مضمون دونوں شعبوں کے طلبہ کے لیے تقاریر مضمون کا عنوان  
 یہ تھا :-

۲۔ مختلف آزاد پیشے اور مفید کاروبار جو ہندوستانی دیسی ریاستوں میں پائے جاتے ہیں اور  
 ہر ایک میں کامیابی کے بہترین طریقے خواہ ابتدائی تربیت کے لحاظ سے یا مابعد کسی ماسی کے اعتبار سے  
 مولیٰ لال اس کے بعد لاہور کے بعد ڈاؤن ایڈ منسٹریشن میں ایک سو پچاس روپے ماہانہ پر  
 ملزم ہو گئے۔

کالج کی حالت اب بہت درست ہو گئی تھی اور ہر طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور زیادہ  
 توجہ اب نصاب تعلیم کی اصلاح کی طرف ہو گئی تھی ۱۸۵۳ء میں طلبہ کی تعداد یہ تھی :-

۳۲۰	{	۱۹۹	انگریزی
		۳۹	عربی
		۵۷	فارسی
		۲۵	منکرت

۳۲۰	{	۱۰	عیسائی
		۹۳	مسلمان
		۲۱۷	ہندو

انگریزی شعبہ کے سب کے سب یعنی ۱۹۹ طالب علم اور سنسکرت شعبے کے بھی کل طالب علم  
یعنی پچیس کے پچیس اردو پڑھتے تھے۔ فارسی عربی والوں کو تعلیم بھی پڑھنی ہی پڑتی تھی۔  
فارسی شعبے میں سے ۷ انگریزی اور فارسی عربی کے ۲، ناگسی اور انگریزی شعبے کے ۸ فارسی  
پڑھتے تھے۔

۱۹	صرف انگریزی پڑھنے والے	۱۸۰۳ء کی رپورٹ تعلیمی
۱۹۲	انگریزی اور اردو پڑھنے والے	تعداد طلبہ بحیثیت تعلیم زبان
۱	انگریزی اور فارسی مل کر پڑھنے والے	
x	صرف اردو پڑھنے والے	
۹۵	اردو کے ساتھ فارسی اور عربی پڑھنے والے	
۲۷	اردو کے ساتھ ہندی یا سنسکرت پڑھنے والے	
x	محض ہندی پڑھنے والے	
x	ہندی اور سنسکرت پڑھنے والے	
۹۵	ہندی اور فارسی و عربی پڑھنے والے	
۵۷	محض فارسی پڑھنے والے	
۳۸	محض عربی پڑھنے والے	
۲۷	محض سنسکرت پڑھنے والے	

عربی فارسی کے تمام متعلمین ہندی پڑھتے تھے اس میں معلومت یہ تھی کہ ان زبانوں کے  
طلبہ عموماً اعلیٰ قابلیت کے ہوتے تھے۔ اور جب وہ دیہات میں جاتے تھے تو گاؤں والوں سے  
معاملہ کرنے میں یہ زبان کارآمد ثابت ہوتی تھی۔ سنسکرت پڑھنے والے بلا استثنا اردو پڑھتے تھے۔  
ان کے لیے ہندی کا پڑھنا ضروری نہیں تھا اس لیے کہ سنسکرت اور اردو کمالی لب علم ہندی زبان لازمی  
طرح پر سمجھا ہے۔

عیانی

## تعداد طلبہ لکھنؤ مدرسہ

مسلمان

۱۵  
۱۱۲  
۲۶  
۳۳۳

مفتی عبدالرشید کا تفسیر اردو زبان میں بہترین مضمون لکھنے والے کو دیا گیا وہ خواجہ ضیاء الدین کو ملا۔

غند میں جو کالج بند ہوا تو بندہ کا بند ہی رہا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ حالات ہی کچھ ایسے رونما ہو گئے تھے کہ کوئی توجہ نہ کرتا تو کیا کرتا۔ آخر مئی ۱۸۶۲ء میں

غند کے بعد کالج ۱۸۶۲ء میں

از سر نو جاری ہوتا ہے

اس کی قسمت جاگی اور از سر نو کھلا۔ شروع شروع میں سارا کام پروفیسر ٹیلن (

کی نڈانی میں رہا۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۸۶۲ء کے آخر میں مٹر اڈمنسٹریٹ

بی۔ اے ٹرنٹی کالج کیمبرج نے انگلستان سے آر پرنسپل کی خدمت کا تجاویز دیا اور جب پروفیسر ٹیلن

لفٹنٹ ہائر مڈ کی جگہ انا لہر کل کے اسپیکٹر مقرر ہوئے تو ان کی جگہ مٹر سی۔ ک۔ کوک بی۔ سے

سن جان کالج کیمبرج کا تقرر انگریزی زبان کی پروفیسری پر ہوا۔

اس سال ہندوؤں نے اینگلو سنسکرت اسکول قائم کیا اس میں

## اینگلو سنسکرت اسکول

اردو کے ذریعے تعلیم ہوتی تھی۔ فارسی بھی اتنی پڑھائی جاتی

تھی۔ جتنی اردو کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس کا دہلی کالج سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کا ذکر

ہر صورت اس لیے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو کہ ۱۸۶۸ء تک اردو زبان کس قدر مقبول تھی۔

۱۸۶۸ء میں علاوہ مذکورہ بالا صاحبوں کے مٹر سی۔ گرافٹ۔ نواب حمام الدین لاہور دہلی

کے امرا میں سے تھے اور مولیٰ عبدالرشید مدد امین اعلیٰ بھی مجلس کے ارکان مقرر کیے گئے۔

۱۸۶۸ء میں ان اصحاب کا اضافہ ہوا۔

مٹر جے۔ بی۔ گنر۔ سول سرجن۔ رائے رام سولن واس ڈپٹی کمشنر۔ مٹر ٹیلر جو اب پرنسپل تھے حسب

معمول سکریٹری رہے۔

۱۸۶۸ء میں مٹر ایچ۔ کیپ بھی رکن مجلس بنائے گئے ۱۸۶۵ء میں کمیٹی کے ارکان یہ تھے۔



مشرجے۔ ہٹی ہوڈر میجرٹریٹ و کلکٹر دہلی دسرٹی۔ ٹی مشکاف کا انتقال ۳ نومبر ۱۹۵۳ء کو

ہیگیا ان کی جگہ یہ صدر تجویز ہوئے۔

سر جے تمہوئلس مشکاف اسٹنٹ میجرٹریٹ۔ کیپٹن ایچ بی ڈنگلس۔ مولوی صدر الدین صدر زمین

اعلیٰ نواب حادر علی خاں۔ جے کا۔ گل (پرنسپل) جو نمر ممبر ویکرسو

۱۹۵۴-۵۵ میں ان ناموں کا اور اضافہ ہوا۔

مشرجے نامن فریزر

کمشنر

سول سیشن جج

مشرجے آر۔ بی مودگن

میجرٹریٹ و کلکٹر

مشرجے۔ اے ایجرٹن

مقامی مجلس کے ارکان سب کے سب وہی ہوتے جو دہلی کے رہنے والے تھے یا جن کا

قیام دہلی میں ہوتا۔ زیادہ تر نندادو سرکاری عہدہ داروں کی ہوتی تھی اور تبادیلے پر ان کے جانشین ان

کے قائم مقام ہو جاتے۔ دہلی کا خاص باطنندہ ایک آہو ہی ہوتا۔ لیکن خاص خاص مسائل میں

مجلس کے ارکان دہلی کے معزز اور بااثر اصحاب سے مشورہ کر لیا کرتے۔

جنسٹریٹس میں سب سے بڑا پنجاب گنڈت میں منتقل ہو گیا تو اس مجلس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ابتدا میں کالج غازی الدین کے مدرسہ میں تھا۔ چنانچہ سٹراس ہٹی

بادشاہت میں مدرسہ اپریل ۱۹۵۸ء میں منتقل ہوئے ہیں کہ "غازی الدین خان" کا

## کالج کی عمارت

مدرسہ جہاں دہلی کالج اس وقت پر جسے ایک شاہراہ عمارت سے اور محفل دیہی دور سے کے لیے بنوا

نہیں ہے۔ اگر افسوس کہ یہ عین کالجز دور سے اور انگریزی انسٹی ٹیوشن کے موزوں بنانے کے لیے صحت

کی ضرورت ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مشرقی اور مغربی سب سے زیادہ جاری ہے کہ اس

کتاب خانہ دارالاشکوار میں اٹھ آیا۔ بھی ایک تاریخی عمارت ہے کہ یہی کون سا ہے اس کا "راشکو" و "تب

خانہ تھا اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں علی مدوان خاں محل خانہ پنجاب کا اقامت خانہ رہا۔ ۱۹۵۳ء میں

پروڈیوڈ اختر مولیٰ بارش کی ریڈیو فکس ہوئی۔ اس کے بعد کالج کی کالجز کے جوئے پر شمع کا مدرسہ اس

میں رہا اور اب میونسپل بورڈ اسکول ہے۔ اس کے دروازے کے ستون پر جو تختی لگی ہوئی ہے اس میں کالج کے قیام کی تاریخ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۶ء لکھی ہوئی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

جب غلہ ہوا تو کالج اس عمارت میں تھا۔ جب انگریزوں کی فتح ہوئی تو اس پر فوجی افسروں نے قبضہ کر لیا تھا اور ۱۸۷۸ء تک وہ اسی میں فروکش رہے۔ کالج یکم مئی ۱۸۷۸ء کو لاہور منتقل ہوا اور ۱۸۸۸ء میں اپنی قدیم عمارت میں چلا گیا۔ درمیانی عرصے میں دہلی انسٹیٹیوٹ یا موجودہ ٹاؤن ہال اور میونسپل کمیٹی کے اس حصے میں رہا جو گھنٹہ گھر کے بائیں جانب ہے۔ جہاں بعد میں ایک مدت تک لاہوری رہی۔

### مستر ٹیلر کے خدمات

مستر ٹیلر نے دہلی کالج میں تیس برس تک ہیڈ ماسٹر کی اور دو تین سال تک پرنسپل رہے۔ وہ طلبہ پر پورا شفقت

کرتے تھے۔ راجہ کہتے تھے کہ یہ سب میری اولاد ہیں اور ان سے بہتر اولاد ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ سب صاحبِ یاقوت نیک سیرت اور نیک اطوار ہیں ان کے اخلاق حمیدہ کا طلبہ پر بہت گہرا اثر تھا۔ وہ ان سے بھی محبت کرتے تھے۔ بعض دہندوں طلبہ نے تو ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اپنا مذہب تک تبدیل کر دیا۔

### دہلی کالج کے مایہ ناز اساتذہ

عربی کے صدر مدرس مولوی ملوک علی بڑے جید عالم تھے اور شہر ہی میں نہیں بلکہ دور دور ان کے علم و فضل کی

شہرت تھی۔ مولوی کریم الدین اپنی کتاب طہقات الشعراء ہند میں لکھتے ہیں کہ "مدرس اہل مدرسہ دہلی عالم بے بدل اور متقی بے مثل اور فاضل کامل ہیں۔ عہد میر مولوی بٹا ہرزہ سورج پیر ماہواری مدرسہ میں مقرر ہیں یہ سب کہ اس فاضل کی جیسی قلم چاہتے ویسی نہیں کیونکہ ایسے عمدہ فاضل بے بدل بہت کم ہوتے ہیں اور واقع میں بنائے مدرسہ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے۔ فارسی اور اردو اور عربی تینوں زبانوں میں کمال رکھتے ہیں۔ ہر ایک علم و فن میں جوان زبانوں میں ہیں، مہارت تمام ان کو حاصل ہے اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگیزی سے ترجمہ ہوئی ہے۔ اس کے اصل اصول

سے بہت جلد ان کا ذہن چسپاں ہو جاتا ہے گویا اس فن کہ اوّل ہی سے جانتے تھے۔ اور جس کا پر  
معمول اس میں کبھی کسی طرح کا صحت الوسیع ان سے قصور نہیں ہوا۔ مدرسہ میں ان کی ذات  
بارکات سے اتنا فیض ہوا ہے کہ شاید کبھی کسی زمانے میں کسی استاد سے ایسا ہوا ہو۔ بندہ کے  
زعم میں یہ ہے کہ کبھی ایسا زندہ لوگوں کے کسی ذہن سے نہ اٹھایا ہوگا۔ اگر ان کو کان علم اور مخزن  
اسرار کہوں تو بجا ہے۔ کوئی کتاب کسی فن کی مشکل ان کے پاس لے جاؤ حفظ پڑھا دیں گے گویا اس کو  
حفظ کر رکھی ہے۔ اس لیے رات دن سوائے مدرسہ کے ان کے گھر پر طلباء سے بہتے ہیں ہر وقت  
ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے۔ سب کو پڑھاتے  
ہیں عمران کی مشائخہ میں ساٹھ برس کی ہو گئی۔ بہت خدمہ پیشانی در عقلمند اور ذکی اور ذہین اور عزیز فہم  
اور محقق اور مدقق ہیں۔ تحریر افیدہ میں کا ترجمہ اردو میں چار مقالہ اول اور دو مقالہ آخر کیا رخصت  
بارھویں کا کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم ہندوستانی کی طرح بہا دیا ہے اصل وطن ان کا نا فو تر ہے مدت  
سے فنا بھول آباد ہیں۔ رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے سنن کرندی کا ترجمہ بھی اردو میں کیا ہے۔

مولوی امام بخش صہبائی صدر مدرس فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب تھے۔  
مصنف اور شاعر بھی تھے ان کی کہ ہیں نصاب تعلیم میں درج تھیں۔ ان کی بعض تصانیف اب تک  
پہنچائی جاتی ہیں۔ شہر میں ان کی بڑی عزت تھی علاوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اردو صورت و نحو پر  
بھی ایک اچھی کتاب لکھی۔ جس کے آخر میں بہ ترتیب حروف تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں  
ضرب الامثال بھی درج ہیں۔ حقائق البلاغت و تصنیف شمس الدین کا ترجمہ اردو میں کیا۔ شعرائے اردو  
کا انتخاب بھی تیار کیا تھا جو اسی زمانے میں طبع ہو کر شائع ہوا۔

ان کے لقر کا عجیب واقعہ ہے۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں جب انریبل مسٹر ٹائمس لفٹنٹ گورنر مدر سر  
کے معائنہ کے لیے آئے تو انہوں نے یہ تجویز کی کہ ایک مستعد فارسی متدین کا لقر ہونا چاہیے۔ معنی  
صدر الدین خاں صدر المدر نے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں۔ ایک  
مرزا الوفر۔ دوسرے عظیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی۔ لفٹنٹ گورنر بہاد نے تینوں کو ہوا یا۔



مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے۔ انہوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کر ملے گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا انہوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہانہ کی قبول کر لی۔ بعد میں پچاس ہو گئے۔

(۱) مولوی ذکاۃ اللہ بھی یہیں کے طالب علم تھے اور اسکا ارتھے۔ انہوں نے بھی ابتدا

میں دہلی کالج ہی میں بیس روپے ماہانہ پر مہندس کی خدمت قبول کر لی تھی۔

(۲) مولوی احمد علی دہلی کے رہنے والے تھے مدرسہ دہلی میں مبتدایوں کو فارسی پڑھاتے

تھے۔ قواعد اردو مستی بہ "چشمہ فیض" انہی کی تالیف ہے۔

(۳) مسٹر اشرف علی مدرسہ میں نمشی تھے اور بہت قابل شخص تھے تاریخ کشمیر کا فارسی

سے اردو میں ترجمہ کیا رسالہ اصول حساب کی تالیف میں بابو ہر دیو سنگھ کو مدد دی بریف

سروس آف ہسٹری کے اردو ترجمے کی اصلاح کی۔ مولوی کریم الدین نے ان کے اخلاق

اور لیاقت کی بہت تعریف لکھی ہے۔

(۴) ہنڈٹ نام کن دہلوی بھی اسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ انگریزی اور فارسی میں بہت اچھی تالیف

مندی اور اردو بھی خوب لکھتے تھے۔ ایک رسالہ علم طب میں انگریزی سے ترجمہ کیا۔ اور اصول

قوانین دیوانی و فوجداری، اصول قانون دکنگری، اصول قوانین گورنمنٹ میسر اسلام کے چوتھے باب اور

اور میکانکس کے اصول دھرم شاستر کا ترجمہ کیا۔ قواعد صرفت نحو انگریزی خاکسار اس پر نگر کی مدد سے اردو میں تالیف

کی۔ اور ایک کتاب فن زراعت پر مزید الاموال باصلاح الاحوال کے نام سے لکھی۔

(۵) ماسٹر حسین مدرسہ میں پھول کی تعلیم پر مقرر تھے۔ مروج مغلیہ کا ترجمہ اردو میں کیا۔ تاریخ ہند

(مؤلفہ کبیر) کا اردو ترجمہ بھی انہی کا ہے۔ علاوہ ان کے میکانکس کی شرح شریف۔ قانون محمدی

فوجداری (مؤلفہ میکانکس) قانون ماثت اسلامی (مؤلفہ میکانکس) سکریٹ و تھ کے خلاصہ، قانون

دیوانی، قانون فوجداری کے ترجمے انہی کے قلم کے مضمون ہیں۔

(۶) ہر دیو سنگھ نمشی گری کی خدمت پر مامور تھے۔ بہت محنتی ہوشیار اور خلیق شخص تھے



رسالہ پیمائش دو سہولتیں، اپنی کی تالیف ہے جو بعد اصلاح مولوی قادر علی طبع ہوا ہر دو قلم  
ڈیموگرن کی کتاب اصول حساب کا ترجمہ اردو میں کیا جس کی اصلاح غنشی اشرف علی نے کی اور  
سوسائٹی نے طبع کرایا۔

۷۔ ماسٹر لور محمد تائی جماعتوں کے مدرس تھے۔ انہوں نے تاریخ بنگال اور تاریخ مغلیہ کا  
ترجمہ کیا تاریخ مغلیہ کے ترجمہ میں ماسٹر حسین بھی شریک تھے۔

۸۔ مولوی حسن علی خاں ناری کے مدرس تھے۔ بہت قابل اور ہوشیار شخص تھے۔ قانون مال،  
گلستان سعدی اور الف لینڈ (منتخب) کا ترجمہ اردو میں کیا اور پرنسپ صاحب کی فرمائش سے  
کرہ ارضی کا ترجمہ کیا یہ سب کام ہیں سوسائٹی نے طبع کرائیں۔ (۱۱)

شمس العز مولوی ذکا اللہ بھی اس کالج کے تعلیم یافتہ تھے، انھوں نے  
اپنی تاریخ ہند میں، جو اپنی جامعیت، تفصیل، اور داستان کے اعتبار سے  
اپنی مثال آپ ہے، دلی کالج کی توبہ، اور غنیمت و ریخت کا بیان، اپنے مشاہدات کی بنا پر  
کیا ہے، کیونکہ جب غدر شروع ہوا، وہ دلی میں تھے، اور ان کی چشم ناسا نے وہ سب کچھ دیکھا  
جس کے غیر معمولی اثرات، زندگی کی آخری سال تک ان کے دل و دماغ پر طاری رہے۔  
وہ تحریر کرتے ہیں :-

” اس وقت کالج میں، مسٹر ایف ٹیلر صاحب پرنسپل تھے، اور تنہا کالج کی کوٹھی میں رہتے  
تھے، مسٹر اوٹ بیڈ، مسٹر تھے، وہ بھی مسٹر ٹیلر کی طرح، کالج کے احاطہ ہی میں ایک کوٹھی میں مع ان  
عیال کے رہتے تھے۔ مسٹر سٹورٹ صاحب سکند بیڈ ماسٹر کالج کے قریب منصور خاں کی حویلی میں  
اور مسٹر بیگز صاحب تھرو ماسٹر کیمپری دروازہ کی طرف رہتے تھے۔ یہ چار انگریز تھے اور ایک  
ہندوستانی عیدائی راجندر پروفیٹر ریاضی تھے۔ چاروں انگریز تو میگزین میں گئے۔ پروفیٹر صاحب

(۱۱) مرحوم دلی کالج ڈاکٹر عبدالحق

میدیاں پن پٹی کی سڑک پر فکدے کیچے آتے جب انہوں نے دیکھا آٹھ سات ترک سارنگی کر پیر  
 پر سکتے ہوئے لال ڈنگی کی سڑک پر آتے ہیں تو وہ - تو وہ خدا کو یاد کرتے ہوئے اپنے کپڑے پر جو چاندنی  
 پوک میں تھا چلے گئے۔ بارہ بجے کے بعد سے کالج کے کتب خانہ لٹنے شروع ہو گئے۔ لڑیے - عربی  
 فارسی - اردو کتابوں کے گنڈے باندھ کر کتاب فروشوں اور مولویوں کو اور طالب علموں کے پاس بیچنے کے لیے  
 گئے۔ اس میں سے کسی کتاب کو ضائع نہیں کیا۔ بعض طلبہ کتابوں کے شوقین لوٹ میں خود بھی شامل ہو  
 گئے اور ابھی ابھی کہ ہیں لوٹ کرے گئے۔ لوٹوں نے انڈیزی کتابوں کے فیروزہ توڑ کر ان کے پٹھے اٹار لیے  
 کہ جلد ساروں کے ہاتھ ان کو بیچیں گے۔ ایسے پٹھے خوب صورت کتب ہاتھ آتے ہیں گے۔ باقی کتابوں کے  
 دھڑوں کو پھاڑ کر پراگندہ کر کے کالج کے باغ اور احاطہ میں کئی امچ موٹا فرش مٹی کا بچھا دیا۔  
 آلات طلبہ کو توڑ کر ان کا لوم اور پیتل نکال کرے گئے مکان کو آگ تو نہیں لگائی مگر اس کی جوشیاں  
 کوڑ سب اٹا کرے گئے۔ اور سارا اسباب المایاں بیچ کر سیال اور پرسل اور میٹھا سڑ کے گھر کا  
 اسباب سب لوٹ دیا۔ غرض کالج میں سوائے کاغذ کی دیواریں کے اور دو چھوٹے پنڈہ برس کی  
 لڑکیوں کے نیم برہنہ لاشوں کے کچھ اور نہ تھا۔ جب میگزین اٹا تو مٹرائیف ٹیڈ صاحب اور مسٹر  
 سید صاحب اس سے باہر زندہ نکلے۔ سید صاحب تو فیصل کے دروازے سے جو میگزین کے اٹنے  
 سے پڑی تھی نکل کر جمناسے پار ہو کر میرٹو زندہ پہنچ گئے۔ سید صاحب میگزین سے نکل کر اہل اپنے  
 کالج کے احاطہ میں آئے اور اپنے بوڑھے خالہ ماں کی کوٹھری میں گئے۔ اس نے ان کو مولوی باقر  
 کے گھر پہنچا دیا۔ جہاں کے بڑے قدیمی دوست تھے۔ مولوی صاحب نے اپنے امام ہائے کے تہ خانہ  
 میں ایک رات ان کو رکھا۔ مگر محلہ میں یہ مشہور ہو گیا۔ کہ ٹیلر صاحب کو مولوی صاحب نے بھیجا  
 ہے۔ اس لیے مولوی صاحب ان کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکے ہندوستانی صورت بنا کر ان کو گھر  
 سے باہر کیا۔ وہ بہرام خان کی کھڑکی سے باہر نکلے تھے۔ کہ اہل کی ڈنڈی پر اہل فہرے ان کو پہچان  
 کر لاٹھیل سے کچھ نکال دیا۔ بدو فیر راچند کو ان کے کوٹھے پر سے ان کے بھائی راتے شکر داس  
 صاحب نے لے جا کر ایک محلہ میں اپنے کسی عزیز کے یہاں بھیجا یا مگر ان کے رشتہ دہانے

یہ جان کئے ان کے سبب سے ہم سب پر مصیبت آئے گی۔ ان کا یہاں چھپا رہنا گوارا نہ ہوا۔  
 ان کا ایک قیدی وٹا دار نوکر جاٹ ان کو گنوار بنا کر اپنے گھر میں لے گیا۔ وہیں سے انگریزی  
 شہر سے باہر لگاٹ میں جاسے۔ سووا ہریڈیلر کے اور مسٹر سیڈز کے کوئی عیدانی دھڑیاغیوں کے قتل  
 سے نہ بچا۔ پھر لڑکے غریب انگریزوں کے کالج میں پڑھتے تھے۔ ان کو بھی اجل نے زہمہ فزید  
 نہ پہنچنے دیا، مسٹر الین ٹیلر صاحب اس کالج میں تین سو برس سے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اور دو سو برس  
 سے پرنسپل ہو گئے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں پر ہمدردانہ شفقت کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے  
 تھے یہ سب میری اولاد ہیں۔ اور ان سے بہتر اولاد ہو نہیں سکتی کہ سب صاحبِ پاقت ہیں۔  
 ان کے پانے اور پردرشر کرنے مجھ کو فکر نہیں۔ بیمار ہوں تو تیمارداری نہیں کرنی پڑتی۔ مجھے  
 ان کی غوطی لیاگئی اور نیک خصلتی سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ سچی نیکی کا معیار سب سے بڑا ہے کہ  
 نیک آدمیوں کے پاس رہنے سے اور آدمی نیک خیال نیک دل پاک نفس۔ ہوتا ہے۔ سواس نیک  
 نشست میں ایک خوبی تھی۔ کہ اس کے شاگردوں سے شاید ایک دو بھی بدکردار نہ ہوں گے ان  
 کے شاگردوں کو بھی اسناد سے ایسی محبت تھی جیسی کہ باپ سے بلکہ بعض کو تو باپ سے زیادہ کہ پانا  
 چھوڑ کر ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ (۱۱)

مولانا حالی کے تاثرات | جو لوگ دلی میں رہے اور اس کالج سے دور رہے۔  
 وہ اپنی محرومی پر ماتمست ہوتے تھے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

”اگرچہ اس وقت قدیم دہلی فارغ التحصیلوں پر وہ مگر جس سوختی میں میں نے لکھنا پانی  
 تھی وہاں علم صحت عربی اور فارسی زبان سمجھا جاتا تھا۔ انگریزی تعلیم کا خاص کہ قصیدہ پالی ہت میں نقل  
 نہیں کہی کہیں سننے میں نہیں آتا تھا اس کی نسبت لوگوں کا کچھ خیال تھا تو صحت اس پر تھک کر کہیں  
 لڑکی کا ایک ذریعہ ہے نہ یہ کہ اس سے کوئی عمر حاصل ہوتا ہے بعد بر غلاف اس کے انگریزی مدد مل



کو ہمارے علماء مجھے کہتے تھے۔ دہلی پہنچ کر جس مدرسہ میں مجھ کو فرب و سعادت رہنا پڑا وہاں سب مدرسہ اور طلبہ کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جاہل سمجھتے تھے۔ غرض کہیں بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گذر رہا تھا۔ ڈیرہ برس دہلی میں رہنا ہوا۔ اس عرصے میں کبھی کالج کو جا کر آنکھ سے نہ دیکھا اور نہ ان لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو اس کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ اس کالج سے مستفید نہ ہو سکنے پر، مولانا عالی ہمیشہ ایک خلش سی محسوس کرتے رہے۔

**نذیر احمد کا اعتراف** | اس کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں میں شمس العلماء نذیر احمد بھی تھے۔ جنہیں دینا و جہان قرآن کریم۔ مصنف توبہ الفتوح۔

اور موجد اصطلاحات عجیبہ اور مترجم تعزیرات ہند کی حیثیت سے جانتی رہے۔ کالج میں داخلہ سے پیشتر مولانا نذیر احمد ملائے مسجد تھے، لیکن یہاں پہنچ کر ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ کچھ سے کچھ ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی۔ ٹالیشن (مد گذر) گورنمنٹ کی بھی خیر خواہی اجتہاد علمی بصیرت یہ چیزیں جو تعلیم کے عمدہ نتائج میں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں ان کو میں نے کالج ہی میں سے سیکھا اور حاصل کیا اور اگر میں کالج نہ پڑھتا تو بتاؤں کیا ہوتا۔ مولوی ہونا تنگ خیال۔ متعصب اکھل کھرا اپنے لقص کے احتساب سے فارغ، دوسروں کے عیوب کا محتسب، رنج و غلط سے

ترک دنیا بروم آموزند

خویشن سیم و غلہ اندوزند

مسلمانوں کا ناظان دوست، مقتضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا۔ صم و بکم و علمی قہم لایحی

ما اجد من حسنۃ فی الدین دنی الدین یا فمن الکالج ۱۱

(۱) حیات، نذیر احمد عالم مارہروی



یہ تھا۔ وہ بہترین تہذیبی ادارہ، جسے انگریزوں کی ہٹ دھرمی، تعصب اور ناپاؤ کی  
 نے موت کے گھاٹ اُتار دیا، کالج فنا ہو گیا، لیکن اس کے آثار و نقوش اب تک موجود ہیں۔  
 رُچتے صفحہ۔ مہتی پر ہم اک حرف غلط  
 لیکن اُسے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُسے

---

# عہد بہادر شاہ کے چند ہندو مصنف

بہادر شاہ کے عہد میں، ہندو اور مسلمان بغیر کسی تعصب اور تنگ نظری کے پورے غلبے اور یک نگی کے ساتھ اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے تھے اور اس کی خدمت کرتے تھے۔ دونوں کو یہ دھن سمائی ہوئی تھی کہ اردو، تہذیب یافتہ زبانوں کے دوش بدوش پیچھے چلے۔

اس عہد کے مسلمان اہل قلم، انشا پرداز، مترجم، مصنف، اور مولف، عام طور پر معروف و مشہور ہیں۔ لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس عہد کے ہندو، علمی و ادبی خدمات میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں سے پیچھے نہیں تھے، بلکہ ان سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، اور اس کوشش میں یہی نہیں ہوتا تھا کہ ناکام ہوتے ہوں، بلکہ کامیاب بھی ہوتے۔ تھے، ان کے وسیع کارنامے تاریخ اردو کا روشن چمکے ہیں اور حوادث دہر کے شانے سے بھی نہ ٹٹ سکے، نہ مٹ سکیں گے۔



## ماسٹر رام چندر

ماسٹر رام چندر ۱۸۲۲ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، ان کے باپ سندر لال دلی کے باشندے اور کاشتکار تھے، دہلی میں نائب تحصیلداری اور تحصیلداری کی خدمتوں پر رہے، پانی پت اس وقت مستقر ضلع تھا،

سندر لال دفعتاً بیمار ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں انتقال کر گئے ایک بیوہ اور چھ بیٹے چھوڑے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا، رام چندر کی عمر اس وقت نو سال کی تھی۔ ماں نے پالا پوسا اور ابتدائی تعلیم دلائی۔ شروع میں انھوں نے مکتب میں تعلیم پائی پھر ۱۸۳۳ء میں انگلش اسکول میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ہر طالب علم کو دو روپیہ مہینہ دیا جاتا تھا اور درجہ اول و دوم کے تمام طالب علموں کو پانچ روپے ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ رام چندر بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے۔ اس مدرسہ میں چھ سال رہے اور خوب دل لگا کر پڑھا۔

ابھی ان کی عمر گیارہ ہی برس کی ہوگی کہ رواج کے مطابق شادی ہو گئی۔ شادی ایک خوشحال کاشتکار خاندان میں ہو گئی تھی۔ لیکن بڑی گونگی بھری تھی۔ شاید روپے کے لالچ میں (جیسا کہ ہمارے ہاں اکثر ہوتا ہے) یہ عقد کر دیا گیا۔

فکر معاش کی خاطر تعلیم چھوڑ کر محترری کر لی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ دو تین سال نوکر رہے۔ ۱۸۳۱ء میں جب دلی کا مدرسہ کالج ہو گیا تو پھر اس میں داخل ہو گئے۔ دو تین سال جو تعلیم چھٹ گئی تھی تو انھیں بہت زیادہ محنت کرنی پڑی، انھوں نے سفیر و ظیفہ کے مقابلے کی کوشش کی، یہ وظیفہ تیس روپے ماہانہ کا تھا۔ مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ ان کے بھائیوں کو بھی وظیفہ ملتا تھا اس سے خاندان کی گزر ہوتی چلی جاتی تھی اور انھیں اس طرف سے قدرے بے فکری ہو گئی تھی۔

رام چندر تین سال تک ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے اٹھائیس فروری ۱۸۴۲ء میں کالج کے شعبہ



مشرقی میں پچاس روپے شاہرہ پر یورپین سائنس کے مدرس ہو گئے اس زمانے میں مینیکٹر انسٹیشن سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کے لیے اردو میں الجبرا اور علم مثلث (۱) پر کتابیں لکھیں

یہ کتابیں نصاب تعلیم کے کام آئیں۔ جن سے مشرقی شعبے کے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچا۔

اس زمانے میں ماسٹر رام چند نے ایک ماہانہ رسالہ فوائد الناطرین کے نام سے نکالا جو بعد میں ہینے میں دوبارہ نکلنے لگا۔ اس میں اکثر علمی بحثیں ہوتی تھیں۔ ان نئے خیالات کو پڑھ کر لوگ ان کو بد مذہب اور ملحد کہتے تھے اس رسالے کے علاوہ انھوں نے ایک اور رسالہ ”محبت ہند“ کے نام سے شائع کیا لیکن اپنے شہر اور ملک والوں سے انھیں کچھ مدد نہ ملی۔ البتہ انگریز افسروں نے امداد کی مثلاً سر جان لانس جو اس وقت دہلی میں محسب تھا ڈاکٹر اس (بول سرین) مسٹر گین (راج دہلی) ان رسالوں کے متعدد نسخے خریدتے تھے جس سے طبع کا خرچہ نکل آتا تھا۔ لیکن حالات کچھ ایسے بدل گئے کہ یہ سارے بند کرنے پڑے اور پانچ سال چلانے کے بعد ۱۸۵۳ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ بہت اچھے مدرس تھے اور اپنے شاگردوں پر بہت شفقت کرتے تھے اور بڑی محنت اور توجہ سے پڑھاتے تھے۔ انھوں نے محنت کر کے اس زمانے میں مشرقی زبانوں اور خاص کر عربی میں معقول استعداد پیدا کر لی تھی۔ ماسٹر رام چند کو ریاضی سے خاص لگاؤ تھا اور انھوں نے اپنے مطالعہ سے اس میں بہت کچھ سیکھ کر اپنی تھی۔ شروع میں ریاضیات کی کتابوں کے ترجمے کیے اس سے ان کا ذوق اور بڑھ گیا۔ ان میں ایک ان کا جبر مقابلہ ہے جو اس فن کی انگریزی کتابوں کی مدد سے تالیف کیا اور سوسائٹی نے طبع کرایا۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ اصول علم مثلث بالجبرا اور تراشائے مخروطی میں اور علم ہندسہ بالجبر میں لکھا۔ ۱۸۵۱ء میں جبکہ دو مغربی سائنس کے مدرس تھے اور فوائد الناطرین نکلتے تھے انھوں نے اپنی کتاب کلیات و جزئیات (۱) شائع کی۔

یہ کتاب کلکتہ میں چھپی۔ کلکتہ کے اخباروں اور رسالوں اور خاص کر کلکتہ ریویو نے اس پر مخالفانہ تنقید

کی جس سے ماسٹر صاحب کو بہت مایوسی ہوئی۔

۱۸۵۱ء کی توہمیں میں یہ کلکتہ گئے اور وہاں بعض دوستوں نے کلکتہ ریویو کی تنقید پر جواب لکھنے کا مشورہ

دیا۔ انھوں نے جواب لکھا جو انگلش میں چھپا۔

کلکتہ میں دہلی کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر سپرنگر نے انھیں آنرری بی۔ اے۔ ڈی۔ بلتھون

ممبر سپریم کونسل و پریزیڈنٹ لاکونسل و کونسل آف ایجوکیشن سے ملایا۔ انھوں نے ماسٹر صاحب سے ان کی کتاب کا ایک نسخہ طلب کیا اور دو سو روپیہ پیش کیے۔

ماسٹر صاحب نے یہ کتاب اپنے خرچ سے چھپوائی تھی جس کے لیے انھیں بہت تردد و فکر کرنا پڑا اور قرض لینا

پڑا۔ ماسٹر بلتھون نے ان کی کتاب کے نسخے انگلستان میں متعدد اصحاب کے نام بھیجے جن میں سے ایک پروفیسر

ڈی مارگن (ایف۔ آر۔ ایس۔ ایف۔ بی۔ سی۔ پی۔ ایس۔ ڈی۔ ٹی۔ کالج کیمبرج پروفیسر

ریاضیات لندن یونیورسٹی تھے۔ پروفیسر مارگن نے اس کتاب کی بہت قدر کی اور کورٹ آف ڈائرکٹرز لائٹ انڈیا کمپنی

کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور (۲۴ جولائی ۱۸۵۶ء کو) ان کے چیئرمین کرنل سائیکس کو ایک خط اس بارے

میں لکھا جو لفٹنٹ گورنر مالک مغربی شمالی کو بھیج دیا گیا۔ پروفیسر موصوف نے اس خط میں ماسٹر رام چندر کی اس ایجاد

کی بہت تعریف کی تھی اور یہاں تک لکھا تھا کہ رام چندر کی کتاب کے انتخابات اس ملک (انگلستان) کی ابتدائی تعلیم کے

نصاب میں شریک کیے جائیں غرض ایک مدت کی باہمی مراسلت کے بعد کورٹ آف ڈائرکٹرز کے معزز ممبروں

نے ایک خلعت پنج پارچہ اور دو ہزار روپیہ نقد بھرا انعام ماسٹر رام چندر کے لیے منظور کیا۔ ۱۸۵۹ء میں ماسٹر ولیم

ڈی آر فلٹر ڈائرکٹرز پبلک انٹرکشن نے دہلی میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا اور وہاں کے تمام امراء و مشرقا اور عمدہ دلوں

کو ہمیں شرکت کی دعوت دی۔ اس جلسے کا مقصد یہ تھا کہ ”نفیلت پناہ“ ماسٹر رام چندر کو ان کی علمی و تعلیمی خدمات

حسن پر سربار کی طرف سے خلعت عطا کیا جائے۔ چنانچہ یہ خلعت اور قسم اس جلسے میں ماسٹر صاحب کو عطا کی

گئی ہے۔

اس کے علاوہ ماسٹر صاحب نے ایک اور کتاب شائع کی جس میں تہذیبی احصا

کا ایک نیا طریقہ بیان کیا اس پر پروفیسر کلاڈ (ڈنبرائیونیویڈی) اور پروفیسر

سی اینڈلیوز نے بہت اچھی رائے کا اظہار کیا ان کتابوں کے شائع ہونے سے ماسٹر رام چندر کی شہرت بڑھ

گئی اور ان کے ایجاد کردہ طریقے یورپ اور ہندوستان کے کالجوں میں رائج ہو گئے۔

عہد کے زمانے میں بڑی منسبت ان پر نازل ہوئی۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں وہ غیو ہڈیا سٹرٹامس سول انجینئرنگ کالج کے مقرر ہو گئے۔ ستمبر ۱۸۵۸ء میں دہلی ڈسٹرکٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

لیکن اس کے کچھ عرصہ کے بعد ان کی صحت میں فرق آ گیا اور انھوں نے ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء کو طبی مشن کی درخواست کی۔ غرض ایک طویل مراسلت اور واقعات و قواعد کی چھان بین کے بعد ایک سو پچیس روپیہ ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی۔ اس کے بعد وہ پٹیلہ میں ناظم تعلیمات ہو گئے۔ وہاں سے بھی اسی قدر پنشن ملی۔

عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد ان کا میلان مذہب کی طرف ہو گیا تھا۔ اس جھیلے میں پڑ کر انھوں نے مذہبی بحث مباحثے کی کتابیں لکھنی شروع کر دی تھیں جو ان کے شان کے شایاں نہیں تھیں۔ وفات ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔

## پنڈت موتی لال لسمبل دہلوی

موتی لال دہلوی (کشمیری پنڈت) کالج کے نہایت ممتاز طلبہ میں سے تھے۔ انگریزی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ انگریزی مضمون نویسی میں گنیز رازد سرٹیٹکاف کے میڈل حاصل کیے، (۱۸۴۹ء-۵۰ء) کالج میں سینیئر اسکالرشپ پاتے تھے ان کے وظیفے کی توسیع کے لیے گورنمنٹ میں سفارش کی گئی تو منظوری دیتے وقت خصوصیت کے ساتھ ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے گئے تھے کہ وہ اس رعایت کا خاص طور پر مستحق ہے کیونکہ انگریزی زبان کی تحصیل میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور اپنی فرصت کا وقت ترجمہ کرنے اور اردو رسالوں کو اوڈٹ (مرتب) کرنے میں صرف کرتا ہے۔ ختم تعلیم پر ۱۸۵۰ء میں بورڈ آف ایڈمنسٹریشن لاہور کے فارسی مترجم ہو گئے تھے۔ کئی سال پنجاب گورنمنٹ کے میرمنشی رہے۔ حکام بالادست اور گورنمنٹ کی نظروں میں بہت اعتبار تھا۔ پھر اسٹرا جوڈیشیل اسسٹنٹ اور ڈسٹرکٹ جج ہو گئے تھے۔ اس آخری عہدے سے پینشن پاٹی اور گجرات (پنجاب) میں قیام پذیر ہو گئے۔ لاہور میں باسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اگرچہ یہ ایسے محکمہ میں چلے گئے تھے جہاں تعلیم و تعلم کا چرچا نہ تھا لیکن ان کا علمی شوق ہمیشہ قائم رہا۔ پٹوارک کے تذکرہ سسرود کا ترجمہ اردو میں کیا جو دیکٹر ڈائسلینش سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوا۔ طالب علمی کے زمانے میں ایک تذکرہ شعرا لکھا تھا۔ تعلیم نسواں اور صغیر سنی کی شادی پر انگریزی میں دو رسالے لکھے دو کتابیں مسرزم کے موضوع پر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیں۔ اردو فارسی میں بھی بڑی دستگاہ تھی۔ لسمبل تخلص کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن پر دلی کالج کو فخر ہے۔



## پنڈت من پھول

پنڈت من پھول ذات کے برہمن، دہلی کے رہنے والے، کالج کے قدیم طلبہ میں سے تھے غالباً مولوی ذکاء اللہ کے ہم جماعت اور ماسٹر رام چندر کے شاگرد تھے۔ کالج کی رپورٹوں میں ان کا ذکر تعریف کے ساتھ آیا ہے۔ پنجاب گورنمنٹ کے میئر منشی ہو گئے تھے۔ انہی کی سعی سے مولانا محمد حسین آزاد سررشتہ تعلیم کے ڈائریکٹر کے دفتر میں اول اقل پندرہ روپے کے ملازم ہو گئے تھے۔

## ماسٹر پیارے لال

ماسٹر پیارے لال دہلی کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی اور ماسٹر رام چندر اور مولانا صدیقی کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ بعد تکمیل تعلیم سررشتہ تعلیم میں ملازمت کی۔ گریجویٹوں اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے بعد دہلی فارسی اسکول کی ہیڈ ماسٹری پر مامور ہو گئے۔ پھر ۱۸۶۳ء میں پنجاب گورنمنٹ ہک ڈپلومے کے کیورٹیر ہوئے۔ ہک ڈپلومہ ٹیٹا ماسٹری کے انسپکٹر کے عہدے پر مقرر ہوئے۔

دہلی سوسائٹی جو ایک علمی اور ادبی انجمن تھی ۱۸۶۵ء میں دہلی میں قائم ہوئی۔ یہ انجمن ماسٹر صاحب کی مساعی کی بہت کچھ مضمون ہے جب تک لاہور تشریف نہیں لگے وہی اس سیکرٹری رہے۔ اس انجمن میں لکچر ہوتے اور مضامین پڑھے جاتے تھے۔ اور علم و فنون اور معاشرت و قانون وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے، جب آپ دہلی سے ہک ڈپلومے کی خدمت پر جانے لگے تو سوسائٹی کی جانب سے آپ کی خدمت میں ایک پاس نامہ پیش کیا گیا۔ جس پر دہلی کے سربراہ اور وہ عائد سوسائٹی کے ارکان کے دستخط تھے۔ مرزا غالب نے اپنے دستخط کے ساتھ یہ عبارت رقم فرمائی۔

”فقیر امدا اللہ خاں غالب کہتا ہے کہ جو بابو پیارے لال کی مفارقت کا غم داندہ ہوا ہے وہ میرا جی جانتا ہے۔ اس اب میں نے جانا کہ میرا دہلی میں کوئی نہیں ہے۔“

اردو فارسی، انگریزی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ نہایت خلیق بنسار معاملہ فہم اور سلیم الطبع شخص تھے رواداری اور بے تعصبی ان کا شعار تھا۔

ایک بار کسی کمیٹی کی شرکت کے سلسلے میں ماسٹر صاحب کو دہلی سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ میجر فلر اس زمانے میں محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے ماسٹر صاحب میجر صاحب سے ملنے گئے تو انھوں نے لفظ ایجاب کی تذکیر و تائید کا سوال کیا۔ ماسٹر صاحب نے میجر صاحب سے کہا کہ آپ کے دفتر میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو زبان کا لہو اماہر ہے اور ایسے مسائل پر رائے دینے کا اہل ہے۔ چنانچہ آزاد بلائے گئے اور ان سے وہی سوال

کیا گیا۔ جواب سے میجر صاحب کا اطمینان ہو گیا۔ اور مولانا آزاد کو بہت جلد ترقی مل گئی۔ خواجہ عالی مرحوم بھی لاہور بکٹ پور میں ماسٹر صاحب ہی کی سہی اور توسط سے پہنچے۔ اس کے علاوہ مرزا اشرف بیگ خاں اشرف۔ مولوی امجد جان دلی نقشبندی درگا پشاد قادری۔ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ۔ محرز ارشد گورگانی وغیرہ لاہور میں رہنے کے ماسٹر صاحب ہی باعث ہوئے اور اس جماعت نے اردو کی خدمت بڑی سرگرمی اور تن دہی سے کی اور اس وقت سے پنجاب میں اردو کا چرچا اور ذوق پیدا ہوا۔

ماسٹر صاحب باوجود گونا گوں مصروفیتوں کے علمی اور ادبی خدمت کرتے رہے چنانچہ ذیل کی چند کتابیں ان کی تصنیف و تالیف سے ہیں۔

- ۱۔ قصص ہند حصہ اول
- ۲۔ قصص ہند حصہ دوم
- ۳۔ قصص ہند حصہ سوم
- ۴۔ رسوم ہند کا ابتدائی نصف حصہ
- ۵۔ تاریخ انگلستان (کلاں)
- ۶۔ دربار قیصری ۱۸۵۷ء تالیف مسٹر ویدیا کا ترجمہ
- ۷۔ رسالہ تالیق کے اکثر مضامین
- رسالہ تالیق پنجاب کے بھی ایڈیٹر رہے ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ (۱)

(۱) مجموعہ دلی کالج رٹائرمنٹ (نق)

# عہد بہادر شاہ کی نئی رو

زمانہ بدل رہا ہے۔ حالات پٹا کھا رہے ہیں، ایک عظیم و جلیل قوم جو اس ملک میں فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے نمودار ہوئی تھی، جس کی شمشیر بڑا ہونے دشمنوں کے سر کاٹتے تھے، جس کی تیغ و سناں کے چرکے، اب تک مرلی اور محسوس طعنہ پر، صاف اور واضح نظر آ رہے ہیں، جس کی ہیبت و جلال، شکوہ و عظمت رفعت و منزلت نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سبکدوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا، جس کے دہیادہ وطن نے، گاؤں زمین کا پتی کھتی، اور ہفت افلاک میں سزلزل برپا تھا،

اب وہ قوم مٹ رہی ہے۔ تباہ ہو رہی ہے، اس کا جاہ و جلال افسانہ پارینہ بن رہا ہے، اس کی شوکت و عظمت کی بساط اٹ رہی ہے، اس کا دم خم ختم ہو رہا ہے، پہلے وہ فرماں روا تھی، اب وہ غلامی کی بیڑیوں میں جکڑی ہوئی ہے، پہلے اس کا پرچم اقبال طلل و عرض ہند میں لہراتا تھا، اب اس کی اڑان صرف لال قلعہ تک محدود ہے، پہلے وہ طوفانوں سے لڑتی تھی، پہاڑوں سے ٹکراتی تھی، دیباؤں کی بھیری ہوئی، تندو شوخ موجوں سے ٹکڑی لیتی تھی، اب وہ ہمت ہار چکی ہے، اس کا حوصلہ جواب دے چکا ہے، اس کی آن اور شان دم توڑ چکی ہے، حکومت اختیار کے تصرف میں چلی گئی، شان و شوکت دوسروں کے حصہ میں آئی، جاہ و جلال کے، ملک، دشمن بن بیٹھے، دہیادہ وطن نے محکوموں کے حصہ میں آگیا، لیکن تاریکی میں بھی روشنی کی کرن نظر آ جاتی ہے، اسی حد میں ایک نئی نسل ابھر رہی تھی، ایک نیا گروہ جنم لے رہا تھا، ایک ایسی جماعت پیدا ہو رہی تھی، جو آگے چل کر، اس آشفٹہ رنڈ گار، برگشتہ بخت، اور تباہ حال قوم کی معمار بننے والی تھی، جس قوم کو ملک نے پس ڈالا تھا، دشمن نے پامال کر دیا تھا، زمانہ نے مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا، لوگ نہ تھے، اس کا ساعد حالات میں آگے بڑھے، اور تجدید و تعمیر نو کا کام بہت اور حوصلہ کے ساتھ شروع کر دیا، ان میں سے کسی نے خیالات و عقائد کی اصلاح کی، کسی نے زبان و ادب میں جان ڈالی، کسی نے علم کے فروغ و اشاعت میں



حصہ لیا، کسی نے درگاہیں قائم کیں، کسی نے مدارس اور مکاتب کھولے، کسی نے کتابیں لکھیں کسی نے اخبار، اور  
 رسالے نکالے، کسی نے تقریریں کیں، خطبے دیئے، مقالات عالیہ سیر و قلم کیے، اور اپنی کوششوں کا پھل پڑی  
 حد تک اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیا،

اس داستان کو اگر طول دیں تو شب قراق اور زلف رسا کی طرح ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ اور  
 مختصر کیجئے، تو آرزوئے ناکام اور قلب مضطرب کی طرح سمیٹ لیجئے، میں نے یہی آخری صورت اختیار کی ہے۔ اور  
 حتی الامکان کسی اہم شخصیت کو نظر انداز نہیں کیا ہے

## سر سید احمد خان

”آپ کو کون نہیں جانتا، آپ کی لیاقت اور وجاہت کا کوئی مسلمان ہمارے دیکھتے نہیں ہوا، مسلمانوں کے فرائض تھے، قوم کی بہتری کے لیے، تن من وھن سب وقف کر دیا، صاحب تصانیف بھی تھے، مسجد کے پاس ان کا دولت خانہ ہے، جواب ان کے پوتے سید اس مسعود کے قبضہ میں ہے، آپ کی ولادت ۱۸۱۶ء کی ہے، اور تاریخ وفات

غفرلہ

۱۳۱۵  
۱۸۹۲

ہے، آپ علی گڑھ کالج کی مسجد میں مدفون ہیں،

آپ کے آباد اجداد ملک عرب سے ہرات میں آئے اور بزبان سلطنت اکبر ہندوستان میں آکر موردِ مہم و الطاف خسروانہ ہوئے، عالمگیر ثانی کے زمانہ میں سر سید کے دادا کو جواد لدولہ کا خطاب ہزار پیدل اور پانچ سو سوار ملے، آپ کے والد اجدید محمد مستقی خان بہادر کا بھی یہی منصب شاہ عالم ثانی کے عہد میں برقرار رہا، پھر سر سید پر خطاب اور منصب اترتا،

مغلیہ سلطنت کے اختراع کے بعد ۱۸۵۷ء میں آپ پہلے پہل دہلی کے صدر امین کے سررشتہ دار ہوئے، اور جب بدترجہ ترقی پا کر ۱۸۵۷ء میں بجنور کے سب جج مقرر ہوئے، انہی ایام میں غم ہو گیا، سر سید نے بھدی دغا داری گورنمنٹ کی کی، اور جتنے انگریز اور ممیں بجنور میں تھیں اپنی جان پر کھیل کر ان کی جانیں بچائیں، ایک باغی نواب جس کا نام محمود خان تھا، آٹھ سو آدمیوں کی جمعیت لے کر بجنور پہ چڑھ آیا، یہ غلام قادر وہیلہ کا رشتہ دار تھا، سر سید اس باغی کے پاس نختے جا پہنچے اور اپنی شیریں زبانی سے اسے شیشہ میں اتار لیا اور اجازت دلوادی کہ انگریز میرٹھ چلے جائیں،

باغیوں نے یہ دیکھ کر کہ سر سید انگریزوں کا دم بھرتے ہیں کسی باران پر حملہ کیا، گرزندگی بچ گئے، دہلی

میں ان کا وہاں مکان اور اسباب لوٹ لیا، رشتہ داروں کو قتل کر ڈالا، بڑی جوکھوں سے سید کی جان بچی، آخر غدر کا منہ کالا ہوا، گورنمنٹ نے سرسید کو خلعت کے علاوہ دس سو روپے ماہوار کی پنشن و دلپشت تک دی، اور پھر حکومت سے خطابات ملے، وائسرائے کی کونسل کے آپ ممبر ہوئے، غرض دنیا کا کوئی اعزاز ایسا نہ تھا، جو آپ کو نہ ملا ہو،

سب سے بڑا اور بہتر کام علی گڑھ کا بے نظیر کالج ہے، جس کی نظیر سارے ہندستان میں نہیں جو مسلمانوں کی سلف ہلپ کی دوامی یادگار ہے، سید احمد خاں اب نہیں ہے، لیکن کالج قائم ہے اور ان کا نام زندہ ہے، اور زمانہ دراز تک مسلمان ان کے احسانات کو یاد کرتے رہیں گے، جن کو تاء اندیشوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے نیک کاموں میں روٹاٹکایا اور ان کو کافر ٹھہرایا تھا اب وہی اس کافر کو علیہ الرحمۃ کہتے ہیں اور اس کی موت کو قوم کی موت سمجھتے ہیں — (۱)

**سرسید کے والد اور نانا** | سید احمد خاں ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو بمقام دہلی پیدا ہوئے ان کا خاندان سادات دہلی میں ہمیشہ سے ممتاز تھا ان کے ننہالی بزرگ بسلسلہ تجارت دہلی آئے تھے پھر یہیں سکونت اختیار کر لی ان کے حقیقی نانا خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر دبیر الدولہ امین الملک مسلح جنگ کے خطاب سے ممتاز اور سلطنت انگلشیہ کے معتمد بادشاہ دہلی کے وزیر ہونے لگے۔ علاوہ امور متعلق انتظام سلطنت کے جن کو انھوں نے کمال لیاقت و خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ علم و فضل میں بھی خاص مرتبہ رکھتے تھے اور بالخصوص علوم ریاضی و ہندسہ کے عالم تھے، سرسید کے والد میر متقی بھی قلعہ دہلی کے وظیفہ خوار اور درباریوں میں تھے خود سرسید بھی آخری تاج دار کے دربار میں اکثر اپنے والد کے ہمراہ حاضر ہوتے تھے۔ (۲)

**شاہی دربار سے خطاب** | سید صاحب جب جوان ہوئے تو دربار دہلی (عہد شاہ ظفر) سے ان کو غازی خطاب جو والد الدولہ کے ساتھ عارف جنگ کا کبھی خطاب ملا۔

(۱) واقعات دار الحکومت حصہ دوم (ابو بشیر الدین احمد) ص ۷۸

(۲) حیات سرسید (نہال رحمان) ص ۲۶

جوان کے نام کا جزو تھا اور دولت برطانیہ نے بھی سی، ایس، آئی کے بعد آخر خطاب کے، سی، ایس، آئی کا تمغہ رحمت فرمایا۔ (۱)

**تیراک اور تیر انداز** | جب بڑے ہوئے تو والد سے تیراکی اور تیر اندازی کی مشق کی اور اس زمانے کے جلسوں میں شریک ہونے لگے اسی زمانہ میں وہ دربار میں بھی جانے لگے

ان کے والد نے اپنا خلعت ان کو دلوانا شروع کر دیا اور خود دربار کی حاضری کم کر دی۔ (۲)

**حکیم احسن اللہ اور سرسید** | اسی زمانہ میں وہ ایک مرتبہ دہلی آئے اور حکیم احسن اللہ خان نے بہادر شاہ سے ان کی تقریب اور سفارش کی چنانچہ ان کو خطاب

جواد الدولہ عارف چنگ عنایت ہوا۔ (۳)

**غدر میں سرسید کی خدمات** | ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء (۱۲ رمضان ۱۲۷۳ھ) کو دہلی میں بغاوت ہوئی اور ۱۲ مئی کو یہ خبر بجنور پہنچ گئی وہاں اس وقت بیس یورپین اور

پولیشن عورتوں اور بچوں سمیت تھے مٹرسکسپر کلکٹر و مجسٹریٹ تھے جب بجنور میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو یہ لوگ بہت گھبرائے لیکن سرسید نے جا کر ان کی تشفی کی اور کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں آپ کو گھبرانا نہیں چاہیے جب آپ دیکھیں کہ ہماری لاش کو کھٹی کے سامنے پڑی ہے اس وقت گھبرانے کا مضائقہ نہیں چنانچہ سرسید اور ہندوستانی افسروں کے تمام رات مسلح ہو کر کلکٹر کی کوکھی پر پہرہ دیتے تھے ساری رات کرسیوں پر بیٹھے یا کوکھی کے آگے ٹہلتے یا شہر میں گشت کرتے گزر جاتی تھیں آخر باغیوں کو لشیب و فراز سمجھا کر انگریزوں کے قتل سے باز رکھا اور سب کو رڈ کی روانہ کر دیا، انگریزوں کے جانے کے بعد بجنور میں باغیوں کی عملداری ہو گئی اور وہ لوگ سرسید کے اور ان کے رفقاء میر تراب علی اور ڈپٹی رحمت خاں کے قتل کے درپے ہو گئے

(۱) یادایم (عبدالرزاق) ص ۱۳

(۲) حیات سرسید (نورالرحمان) ص ۲۷

(۳) حیات سرسید (نورالرحمان) ص ۲۳



سرتید نے ایک مہینے تک بجنور کا انتظام بخوبی قائم رکھا لیکن باغی دشمن جو گئے تھے اسلئے سرتید اور دہلی میں  
میرٹھ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے راستے میں مختلف مقامات پر چند بار باغیوں نے ان کے قتل و غارت کا  
ارادہ کیا لیکن ہر موقع پر بعض خیر خواہ زمینداروں نے بچا لیا، انا سے راہ میں چاند پور سے پل کر سرتید نے  
پچھراؤں پیچ کر علالت اور راستے کی کوفت کے سبب سے چند روز مولوی محمود عالم صاحب کے مکان پر  
جوان کے دوست تھے مقام کیا اور اپنی مفصل سرگزشت حکام انگریزی کو لکھ بھیجی اور چند روز بعد خود بھی  
میرٹھ چلے گئے،

سرتید میرٹھ میں کئی مہینے رہے وہاں معلوم ہوا کہ دہلی میں انگریزی فوج کے سپاہیوں نے ان  
کا گھڑا سبب لوٹ لیا ان کی والدہ اور خالہ دہلی میں تھیں سرتید میرٹھ سے دہلی آئے گھڑا ہر چکا تھا، ماں اور  
خالہ کو میرٹھ لے گئے انگریزوں نے رڑکی میں اپنی فوج جمع کر لی، سرتید بھی مع تمام عہدہ بجنور کے ساتھ بحکمہ سرکار  
رڑکی بلا لیے گئے، تمام دو ہلکے سخت باغی تھا بجنور مراد آباد، بریلی کے ضلع سرکشوں کے زیر اثر تھے ان  
اضلاع پر قبضہ کرنے کے لیے رڑکی سے فوج روانہ ہوئی سرتید بھی ساتھ تھے اس موقع پر سرتید نے کمال  
دلیری، دانشمندی سے کام لیا حکام سرکاری میں یہ بحث پیش آئی کہ اب ان اضلاع سرکش میں کون لوگ  
باغی تصور کیے جائیں سرتید نے اس باب میں افسران فوج سے گفتگو کی اور بت بحث مباحثہ کے بعد یہ طے  
کر لیا کہ سرکار نزدیک باغی صرف وہی لوگ قرار پانے چاہئیں جو اب سرکار سے مقابلے میں تھیں آئیں باقی  
جو فسادات رعایا ہندو مسلمان دونوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں کیے ان کے سبب سے کسی کو سرکار  
کے مقابلہ میں باغی قرار نہیں دیا جاسکتا اس وقت اگر سرتید یہ جرات نہ کرتے اور یہ فیصلہ نہ کر دیتے تو ضلع بجنور  
بالکل تباہ ہو جاتا خصوصاً کوئی مسلمان اس ضلع میں باقی نہ رہتا، سرتید کی اس دانشمندی کے سبب سے ضلع  
بجنور و غدر کے تلخ میں سب سے کم مبتلا ہوا اور ضلع مراد آباد میں ضبط شدہ جاگیریں سب سے زیادہ واپس  
دی گئیں۔

گورنمنٹ کی نیر خواہی اور وفاداری جو سرتید سے ظہور میں آئی وہ کی خلعت یا  
انعام کی توقع پر مبنی نہ تھی لیکن گورنمنٹ نے ان کی خدمات کی قدر کی اور

**خدماتِ غدر کا صلہ**

ان کے صلہ میں ایک خلعت قیمتی ایک ہزار روپیہ کا اور دو سو روپیہ ماہوار کی پولیٹیکل نیشن دو سلوں تک مقرر کی، میر صادق علی اند میر ستم علی رئیس چاند پور ضلع بجنور کا تعلق اس جرم میں کہ ان کی عرضی بادشاہ دہلی کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی، سرکار نے ضبط کر لیا تھا اور جس طرح دیگر ہوا خواہان سرکار کو باغیوں کی ضبط شدہ جائدادیں دی گئیں تھیں یہ تعلق چاند پور سرکار نے سرسید کو دینا چاہا لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

**عذر کے بعد** | اپریل ۱۸۵۸ء میں سرسید صدر الصدور ہو کر مراد آباد گئے وہاں چند کتابیں لکھیں ۱۸۶۰ء میں وہاں سخت قحط پڑا قحط کا انتظام سرسید نے ایسی خوبی سے کیا کہ انسانی ہمدردی کا اس بہتر نمونہ ملنا مشکل ہے،

**شاندار اور ناقابل فراموش خدمات** | قحط زدوں کی سرکاری امداد کے علاوہ خود سرسید کے مکان پر ہر روز ایک دیگ سالن کی اودھٹیاں محتاجوں

کو تقسیم ہوتی تھیں مراد آباد کے ایک عالم درمیس مولوی عالم علی کو بغاوت کے الزام میں سزائے موت سے بچایا مولوی صاحب نے چند یورپین عورتوں اور بچوں کو اپنے مکان میں پناہ دی باغیوں نے زبردستی گھر میں گھس کر ان سب کو قتل کر دیا اور مولوی صاحب کے گھر کا آدمی کوئی نہ مارا گیا ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ ان کے اشارے سے یہ قتل عمل میں آیا سرسید نے مولوی صاحب کی بے گناہی ثابت کر کے بری کر دیا چار برس بعد ۱۸۶۲ء میں سرسید کی تبدیلی مراد آباد سے غازی پور کو ہو گئی وہاں بھی عملی و تعلیمی کام کرتے رہے۔ ۱۸۶۴ء میں غازی پور سے علی گڑھ کو تبدیل ہوئے ۱۸۶۶ء میں عہدہ جج خفیہ پر ترقی پا کر علی گڑھ سے بنارس گئے یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے انگلستان روانہ ہوئے، دونوں بیٹے سید حامد اور سید محمود ساتھ تھے سفر کا مقصد سید محمود کی تعلیم کے علاوہ ولایت کے طریقہ تعلیم کا مطالعہ و مشاہدہ تھا لندن میں ان کو "سی ایس آئی" کا خطاب اور تمغہ ملاشاہ میر و محمد ملک سے ملاقات کی، ملک وکٹوریہ اور پرنس آف ویلز کی لیوی (دربار عام) میں شریک ہوئے بعض کتب کے ممبر بنائے گئے وہاں کی یونیورسٹیوں، کتب خانوں عجائب خانوں کارخانوں کو غور سے دیکھا ان سب باتوں کے سوا سرسید کا سب سے ضروری اہم مقصد ولایت کے سفر سے ایک ایسی کتاب کا لکھنا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ شائع کرنا تھا جس سے اسلام کی اصلیت عیسائی توہم پر ظاہر مواد جو غلطیاں اکثر عیسائی مصنفین اور خاص کر سر ولیم میو (نفسٹ گورنر صوبہ شمال مغرب)

نے اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں اسلام کی حقیقت اور بانی اسلام کی سیرت پاک کے متعلق کی ہیں۔ ان کو فتح کیا  
بدائے چنانچہ سرسید نے لندن میں ایک مختصر رسالہ انگریزی میں شائع کیا اور ولایت سے آکر ایک کتاب مفصل اردو میں  
چھپوائی ولایت میں تقریباً ۱۴ سال رہ کر سرسید مع بڑے بیٹے سید حامد کے اکتوبر ۱۸۶۰ء میں ہندوستان آگئے اور  
بنارس میں اپنے عہدے کا چارج لے لیا اور بنارس ہی کے زمانہ قیام میں ۱۸۶۵ء میں ایک ابتدائی مدرسہ علی گڑھ  
میں قائم کیا اور پھر جولائی ۱۸۶۶ء سے پنشن لے کر مستقل طور پر علی گڑھ میں رہنے لگے،

پنشن کے بعد ۲۲ برس ہمہ تن قومی خدمات میں مصروف رہ کر ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو  
سرسید کی وفات

۱۰ بجے رات علی گڑھ میں انتقال فرمایا اور کالج کی مسجد میں دفن ہوئے۔ (۱)

حیات جاوید کے پہلے حصہ میں سرسید کے حالات اور دوسرے میں ان کے  
گورنر سے اختلاف

قومی و ملکی کارنامے ہیں۔ سرسید کی راستبازی اور اخلاقی جرات کے چند نمونے ہیں  
ایک واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سرسید نے کسی دیہاتی مدرسہ کا معائنہ کیا وہاں گائے بندھی ہوئی تھی اور مدرس اور طلباء  
کو غیر حاضر پایا رپورٹ میں یہ واقعہ لکھ دیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ہندوستان کے عام دیہاتی مدرسوں کی یہی حالت ہے  
سرولیم مور لفسٹ گورنر نے سرسید کی رپورٹ پڑھ کر ان کی رائے سے اختلاف کیا سرسید کو یہ بات بہت ناگوار  
ہوئی اور سٹریٹیل سسٹن جج علی گڑھ سے شکایت کی جج صاحب نے لفسٹ گورنر کو لکھ بھیجا انھوں نے جج صاحب کو  
جواب لکھا کہ ان کو سرسید کے معائنہ کی صداقت سے انکار نہیں بلکہ ان کے نتیجہ نکالنے سے اختلاف ہے اس کے  
بعد سرسید اپریل ۱۸۶۹ء میں ولایت چلے گئے اور چونکہ لفسٹ گورنر کی طرف سے دل صاف نہ تھا، اس لیے  
ان سے مل کر نہ گئے جب اکتوبر ۱۸۶۰ء میں لندن سے واپس آئے اس وقت بھی سرولیم سے جا کر نہ ملے  
کچھ عرصے کے بعد ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کا خط سرسید کے پاس آیا کہ

”نواب لفسٹ گورنر آپ کے مع انجیر ہندوستان میں بچنے سے خوش ہوئے اور آپ  
کی خیریت اور سید محمود کی تعلیم کا حال معلوم کرنے کے خواہشمند ہیں اور اب تک انتظار کر رہے ہیں



باقی حال مولانا حالی کی زبانی سنئے :-

سر سید نے اس کے جواب میں نہایت صفائی سے تمام وجہ اپنے خط نہ بھیجنے اور مل کرنے آنے کی اور سید محمود کی تعلیم کی کیفیت مفصل لکھ بھیجی یہ چھٹی، نومبر کی تھی سر ولیم نے ۹ نومبر کو اس کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے :-

مالی ڈیئر سید احمد آپ کی، نومبر کی چھٹی نے مجھ کو اس قدر حیران اور منجمد کیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے خواب میں بھی آپ پر کسی خلاف واقعات کہنے کا التزام لگانے کا خیال نہ کیا ہو گا میں ان نتائج سے جو آپ نے نکالے ہیں اب بھی اختلاف رکھتا ہوں مگر اس سے آپ پر کوئی التزام لگانا ظاہر نہیں ہوتا مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ آپ نے مجھ کو فوراً براہ راست کیوں نہ لکھا آپ کے ایسا نہ کرنے سے مجھ کو اور بھی رنج ہوتا ہے گویا آپ نے اس قدر اعتبار و بھروسہ نہ کیا جس کی میں آپ سے امید کرتا تھا اور شاید امید کرنے کا حق بھی رکھتا تھا۔

سٹر بر عملی نے اردو الفاظ کا مطلب مجھ پر ظاہر کیا تھا اور میں نے ایک نوٹ لکھا تھا جس میں ظاہر کر دیا تھا کہ میں نے ایک لمحہ بھی کسی ایسے مطلب کا خیال نہیں کیا تھا اور میں نے اپنی تحریر کو جس طرح پر ضرورت ہو استعمال کی اجازت دے دی تھی چونکہ اس معاملہ کا اس سے زیادہ کوئی تذکرہ نہیں ہوا میں نے خیال کیا کہ وہ اظہار کافی تھا اور گزٹ سرکاری میں اس کے شائع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کیپٹن ٹنگسٹن آپ کو اس مضمون کے متعلق مندرجہ بالا خط و کتابت کے حوالہ سے آئندہ لکھینگے اس وقت میں صرف اتنا کہوں گا کہ میں آپ کے بیٹے کے ایسے عمدہ حالات سننے سے نہایت خوش ہوا ہوں اور آپ کو اس طرف یا جب کبھی میرا کہیں بنارس میں پہنچے تو وہاں دیکھ کر خوش ہونگا۔

سر سید نے اس چھٹی کا فدا شکر یہ ادا کیا اور لکھا کہ آپ کے عنایت نامہ سے تمام بوجھ دل سے



اٹھ گیا۔ کرنل لاکسم بہ تمام واقعہ اپنی کتاب میں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ سر ولیم نے سر سید احمد خان کو اجازت دے دی تھی میری چٹھی کو جس طرح چاہیں شائع کر دیں اگر کوئی اور ایسی جٹلمین ہوتا تو فوراً ایسا کرتا مگر سید نے اُس کو پڑھ کر ڈال دیا اور مجھ کو بڑی تلاش سے وہ چٹھی ملی۔

**سر سید کی جرأت اخلاقی** | کرنل موصوف کا یہ خیال ہندوستانیوں کے کیرکٹر کی ناقصیت پر مبنی ہے بے شک ایسی طبیعت اور ایسے رتبے کے ہندوستانی جیسے کہ سید صاحب

ہیں کم نکلیں گے کہ ایک موبوم شبہہ پر صوبہ کے گورنر سے ناراضی کا اظہار کر بیٹھے اور گورنر کی طرف سے ایسی مہربانی کے ساتھ ان کی دلجوئی کی گئی مگر ہندوستانی شرفا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو محض اپنی نمود کے لیے حکام کی ایسی تحریروں کا شائع کرنا جیسا کہ سر ولیم کی تحریر سر سید کے نام تھی نہایت سبک اور حقیر بلکہ ایک کمینہ حرکت سمجھتے ہیں۔

**کشنر میرٹھ اور سر سید** | اسی طرح کا ایک معاملہ ولیم صاحب کشنر میرٹھ کے ساتھ گزرا جب سائمنٹ سوسائٹی علی گڑھ کا مکان بن کر تیار ہوا تو صاحب ممدوح کو اس کی افتتاح کی

رسم ادا کرنے کے لیے بلایا گیا ان کے دل میں عنایت اللہ بن مرحوم رئیس بھیکن پور ضلع علی گڑھ کی طرف سے ایام قدر کے متعلق کچھ شبہات تھے اس لیے وہ افتتاح کی رسم میں ان کا شریک ہونا نہیں چاہتے تھے انھوں نے سر سید سے کہا کہ اس جلسہ میں اگر عنایت اللہ آئے تو ہم نہیں آنے کے "سر سید نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے نہایت فیاضی کے ساتھ سوسائٹی کی امداد کی ہو وہ جو اس کا پریسڈنٹ بھی ہے اس کو شریک نہ کیا جائے انھوں نے ہرگز اس بات کو گوارا نہیں کیا عنایت اللہ خان کی عدم موجودگی میں افتتاح کی رسم کی ادا کی جائے آخر سر سید نے جو علی گڑھ میں سشن جج تھے اور سوسائٹی کے بڑے معاون اور سر سید کے دوست تھے بڑی مشکل سے صاحب کشنر کو تیار کیا اور ان کو عنایت اللہ خان کی موجودگی میں یہ رسم ادا کرنا پڑی۔ سر سید کا اس کا بات میں روتیہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک صاحب کشنر کے شبہات محض بے اصل تھے اور وہ خود عنایت اللہ خان کو ہر ایک الزام سے پاک و صاف جانتے تھے۔ (۱)

**سرید کا کردار** | بجنور میں تھوڑے سے انگریز حاکم تھے اور غند کی آگ اس نواح میں اس شدت سے بھڑک رہی تھی کہ ان لوگوں کو اپنی جانیں سلامت لیجانا قطعاً ناممکن تھا لواب محمود خان

اندھدر کے جاٹ دونوں طرف سے ضلع کو گھیرے ہوئے تھے دوسری جانب سے دہلی اور میرٹھ کی فوجیں بڑھ رہی تھیں اس موقع پر محض سرید کی ہمت و دلیری نے ان لوگوں کی جانیں بچائیں اور جب انگریز وہاں سے بھاگ کر رڈ کی چلے گئے تو لواب کی فوجوں نے بجنور پر قبضہ کر لیا خود سرید اور تحصیل دار بجنور بھی وہاں سے بھاگ گئے لیکن لواب نے ان کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ بجنور رہیں اس زمانے میں اور باغیوں کی فوجوں کی داپسی کے بعد جب انگریز حکومت نے دوبارہ ضلع کا انتظام شروع کیا تو سرید اور ڈپٹی رحمت، خاں تنہا تمام علاقہ کے سیاہ و سفید کے مالک تھے، اس قدر ابتری کے بعد دوبارہ نظم و نسق قائم کرنے کے لیے نہایت دشوار گزار مراحل درپیش تھے ایسے نازک موقع پر اپنے اصول کو ہاتھ سے نہ دینا اور اپنے ہم وطنوں کی حفاظت سے غافل نہ ہونا بجائے خود ایک کارنامہ ہے اور ان خدمات کی قدر ایسی حالت میں اور بھی زیادہ ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں دوسرے لوگوں نے جن کو اس قدر منصب و اختیار بھی نہیں تھا ذاتی اغراض کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ (۱)

**سرید کی جرأت و صداقت** | مراد آباد کی تبدیلی :- اپریل ۱۸۵۷ء میں بجنور سے مراد آباد تبدیل ہو کر آئے، جاٹ اور منضبطہ منگامہ غدر کے ممبر مقرر کیے گئے سرید تنہا

ہندوستانی ممبر تھے اور جس تحقیقات میں کیشن مصروف تھا اور اس کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر سرید کی شرکت کی وجہ سے کیشن تحقیقات میں احتیاط برتنے پر مجبور ہوا کہا جاتا ہے کہ اس ضلع میں جب قدر جاٹ اور منضبطہ منگامہ غدر سے محفوظ ہیں وہ زیادہ تر سرید کی جرأت و صداقت کی رہین منت ہیں۔ (۱)

**سرید کا ایثار و استغناء اور بے لوثی** | سرید کہتے ہیں :- ایک عبرت خیز واقعہ جس نے ایک شخص کے دل کو دین

دنیادلوں سے مستثنیٰ کر کے قوم کی محبت و ہمدردی میں محو کر لیا اور درحقیقت وہی واقع اس کالج کے فونڈیشن کا پہلا

(۱) حیات سرید (نورالان) ص ۲۴

(۲) حیات سرید (نورالان) ص ۳۵

پتھر ہے میں اپنے دل سے بھلا نہیں سکتا گو میں اس کو کبھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کبھی نہ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء کا ابھی لوگوں کی یاد سے بھولا نہیں ہے اس زمانے میں میں بجنور میں تھا۔

غدر کے بعد مجھ کو اپنا گھر لٹنے کا رنج نہ تھا نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا جو کچھ رنج تھا اپنی قوم کی بربادی کا اور ہندوستانیوں کے ہاتھ سے جو کچھ انگریزوں پر گذر اس کا رنج تھا جب ہمارے دوست مرحوم ٹرنگپور نے جن کی مصیبتوں میں ہم اور ہماری مصیبتوں میں شریک تھے۔ بعض اس وفاداری کے تعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نہایت نامی خاندان کی ملکیت تھا اور لاکھ روپیہ سے زیادہ کی مالیت کا تھا مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا میں نے اپنے دل میں کہا مجھ سا نالائق دنیا میں کوئی نہ ہوگا قوم پر تو یہ بربادی ہوا اور میں جائداد کے کر تعلقہ دار بنوں میں نے اس کے لینے سے انکار کیا اور میں نے کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے اور حقیقت یہ سچی بات تھی۔ میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم بھر پیچے گی اور کچھ عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا چاندنی میں اسی خیال اور اسی غم میں رہا آپ یقین کیجیے کہ اس غم نے مجھے بڑھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیئے، جب میں مراد آباد تھا جو ایک غم کدہ بربادی ہماری قوم کے رئیسوں کا تھا اس غم کو کسی قدر ترقی ہوئی مگر اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامروی اور بے مردتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشہ عاقبت میں جا بیٹھوں نہیں اس کے ساتھ مصیبت میں رہنا چاہیئے اور جو مصیبت پڑی ہے اس کے دور کرنے میں ہمت نہ مہنی قومی فرض ہے میں نے ارادہ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا میں نے پسند نہیں کیا مگر میں نہیں جانتا کہ کس نے پسند کیا اور کس نے آمادہ کیا،

ہنوز سیاست ہائے ایام غدر جاری تھیں کہ میں نے ایک رسالہ قوم کی بے گناہی کا لکھا جو کہ زائف انڈین رورلٹ (اسباب بغاوت ہند) کے نام سے موسوم ہے میں بیان کرنا نہیں چاہتا کہ وہ کیا وقت تھا اور میرے دوست کیا یقین کرتے تھے کہ اس جوش قومی ہمدردی سے جس کو میں خود دیوانہ بن کہہ سکتا ہوں مجھ پر کیا گذرنے والا تھا یہ میرا پہلا سبق قومی ہمدردی کا تھا میرے غمخوار مجھ کو اس سے مانع آتے تھے اور میرا دل اُن سے یہ کہتا تھا



حریف کاوش مرگاہ خون ریزم نہ ناصح  
بدست آمد رگ جلنے و شتر اتماشاکن (۱)

## رسالہ اسباب بغاوت ہند

یہ رسالہ غالباً انھوں نے مراد آباد میں پہنچتے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اس کے ختم ہونے کے بعد بغیر اس کے کہ اس کا

انگریزی میں ترجمہ کرائیں اردو ہی میں اس کو مطبع مفیٹنگزٹ آگرہ میں چھپنے کو بھیج دیا اور ۱۸۵۹ء میں اس کی پانچ سو جلدیں چھپ کر ان کے پاس پہنچ گئیں جب سرسید نے ان کو پارلیمنٹ اور گورنمنٹ انڈیا میں بھیجنے کا ارادہ کیا تو ان کے دوست مانع آئے اور ماسٹر رام چند کے چھوٹے بھائی رائے شکر داس جو اس وقت مراد آباد میں منصف اور سرسید کے نہایت دوست تھے انھوں نے کہا کہ ان تمام کتابوں کو جلا دے ہرگز اپنی جان کو معرض خطر میں نہ ڈالو سرسید نے کہا،

”میں ان باتوں کو گورنمنٹ پر ظاہر کرنا ملک اور قوم اور خود گورنمنٹ کی خیر خواہی سمجھتا ہوں پس اگر ایک ایسے کام پر جو سلطنت اور علیادوں کے لیے مفید ہو مجھ کو کچھ گزند بھی پہنچ جائے تو گوارا ہے رائے شکر داس نے جب سرسید کی آمادگی بہ درجہ غایت دیکھی اور ان کے سمجھانے کا کچھ اثر نہ ہوا تو وہ آبدیدہ ہو کر خاموش ہو رہے سرسید نے اول دو رعیتیں بطور نفل کے ادا کیں اور دعا مانگی اور اسی وقت کچھ کم پانچ سو جلدوں کا ایک پارسل ولایت کو روانہ کیا اور ایک جلد گورنمنٹ انڈیا بھیج دی اور چند جلدیں اپنے پاس رکھ لیں۔

گورنمنٹ انڈیا میں جب یہ کتاب پہنچی اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر کونسل میں پیش ہوئی تو لارڈ کننگ گورنر جنرل اور سر بارٹر فریر نے جو کونسل میں ممبر تھے اس کے مضمون کو محض خیر خواہی پر محمول کیا مگر ماسٹر بیڈن نے جو اس وقت فارن سیکرٹری تھے اس کے خلاف بہت بڑی اسپیچ دی اور یہ رائے ظاہر کی کہ ”اس شخص نے نہایت باغیانہ مضمون لکھا ہے اس سے حسب ضابطہ باز پرس ہونی چاہیے اور جواب لینا چاہیے اور اگر معقول جواب نہ دے سکے تو سخت سزا دینی چاہیے“ لیکن چونکہ کوئی نمبر ان کا ہمراہ نہ



نہ تھا اس لیے ان کی اسپیش سے کوئی مضر نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ (۱)

**ڈاکٹر منہٹر کو جواب** | ہنٹر کی کتاب پر سر تید کے ردیو نے تمام انگریزی حکام کے دل پر اور نیز انگلستان کے لوگوں پر نہایت عمدہ اثر کیا اس زمانہ میں حافظ احمد حسن

مرحوم وکیل ٹونک لندن میں تھے جب انھوں نے دیکھا کہ ہنٹر کی کتاب سے لندن میں نہایت جوش اور بے خیالات مسلمانوں کی نسبت پیدا ہو گئے ہیں انھوں نے تمام ردیو پالیویر کے پریچوں سے نقل کرا کے جدا بطور پمفلٹ کے چھپوا دیا اور لندن میں جا بجا تقسیم کر دیا سنا ہے کہ جب وہ لندن سے آئے تو انھوں نے بیان کیا کہ اس ردیو کے شائع ہونے سے لندن میں لوگوں کی طبیعتوں کا ایسا حال ہو گیا تھا جیسے جلتی اور بھڑکتی آگ پر کوئی پانی ڈال دے جو شخص اس کو پڑھتا تھا ڈاکٹر منہٹر کی تحریر پر تعجب کرتا تھا اور جو کچھ انھوں نے مسلمانوں یا دہابیوں کی نسبت لکھا تھا اس کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ (۲)

**سر تید اور اردو زبان** | یقیناً تید صاحب اردو جرائد نگاروں میں ایک بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کا قلم بہت زبردست اور ان کا تجرّاعلیٰ تھا، ان کا طرز تحریر زوردار

اور سادہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی عبارت آرائی نہیں ہے کچھ غلطیاں بھی اسی میں نکلیں گی، مگر تید صاحب قواعد صرف و نحو کی قطعی پابندی نہیں کرتے تھے۔ وہ مقررہ قواعد انشا پر دازی سے بالکل بے نیاز تھے۔ مگر یہ چیز ان کی شہرت اور قابلیت کو نقصان پہنچانے کے بجائے فائدہ پہنچاتی تھی، ان کے طرز جدید نے قدیم تصنع نگاری پر جو بیدل اور ظہوری کی تقلید میں اردو میں بھی برتی جاتی تھی، ایک ضرب کاری لگائی اور یہ ثابت کر دیا کہ سادہ اور بے تکلف عبارت میں تصنع سے زیادہ خوبیاں ہیں۔ مضمون کو دیکھو اور عبارت سے غرض نہ رکھو، پر تید صاحب کا عمل تھا اور تقریباً اسی حال ان کی تحریریں کا ہے ان کی عبارت ان کی ادائے مطالب پر کبھی قاصر نہیں ہوتی، ان کو زبان پر عبور حاصل ہے۔ نثر اردو دیکھنے میں وہ ایسے ماہر تھے کہ اس

(۱) حیات جاوید (حالی) ص ۶۲

(۲) حیات جاوید (حالی) ص ۱۲۳

سے پہلے کوئی ان کا ہم نپہ نہ تھا۔ مولانا حالی تو ان کو اردو کا مودب اعلیٰ کہتے ہیں۔ سب سے بڑی خوبی سید صاحب کی یہ تھی کہ مشکل مسئلے کل مضمون اور دقیق و دقیق عنوان خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، نہایت صاف اور بے تکلف زبان میں ادا کر سکتے تھے اور نیز اپنے مضامین کے حسن و قبح کو بھی نہایت زور دار الفاظ میں وضاحت سے بیان کر سکتے تھے، مگر سید صاحب اور غالب کے معاصرانہ تعلقات کو دیکھ کر کہ مرزا کی طرز خاص کا سید صاحب پر ایک خاص اثر پڑا اور جو سادگی اور بے تکلفی ان کی عبارت میں پائی جاتی ہے اس کا نقش اول غالب کے ہاتھوں صورت پذیر ہو چکا ہے۔

دنیاء کے تمام بڑے لوگوں کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ اپنے ساتھ دالوں میں بھی، اپنا ہی ایسا جوش و خروش اور راستبازی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی حال سید صاحب کے حواریوں کا تھا جن کی زبردست جماعت نے ادبی اور سیاسی کارناموں سے ہندوستان میں ایک ہنگامہ پیدا کر دیا تھا، خاص خاص لوگ جو اس جماعت میں شامل ہونے کا فخر رکھتے تھے یہ ہیں نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولانا ذریا احمد اور مولوی زین العابدین۔

حالی قومی شاعر تھے۔ مولانا ذریا احمد اپنے نصیحت سمجوز افسانوں اور ناولوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ شبلی اور ذکاء اللہ اپنے فن نقد اور تاریخ کے امام تھے، مولوی چراغ علی اور نواب محسن الملک کے پیش بہادر اگر نقد مضامین نے ادب اردو کو ہمیشہ کے لیے ممنون احسان کیا۔ ان تمام لوگوں کے سماعی جمیلہ جو مسلمانوں کی اصلاح حال کے لیے وقف تھیں نہایت بار آور کامیاب ثابت ہوئیں، اور ان کی تصانیف سے زبان اردو میں پیش بہا اضافہ ہوا۔ (۱)

(۱) تاریخ اردو ادب (حصہ ششم) رام بابو سکینہ صاحب

## سمیع اللہ خاں

مولوی سمیع اللہ خاں، سرحد کے دست راست تھے، بعد میں اختلافات کے باعث دونوں میں جدائی ہو گئی، سمیع اللہ خاں نے بھی غدر کے بعد، مسلمانوں کی ٹھوس اور تعمیری خدمت شاندار طور پر انجام دی، علی گڑھ کالج کے عروج و فروغ میں ان کی بے لوثی، ایثار، اور حب قومی کا بہت بڑا دخل ہے، الہ آباد یونیورسٹی کا مسلم ہسٹل ان کے تعمیری خدمات کا ایک ناقابل فراموش باب ہے حقیقت یہ ہے کہ سمیع اللہ خاں کے خدمات بھلائے نہیں جاسکتے،

آپ افضل العلماء و محمد حمید اللہ خاں، نواب سر ملند جنگ سہادر، ایم اے بیرسٹریٹ لا، حالات و سوانح | راجی چیف جسٹس حیدر آباد دکن کے والد ہیں مولوی سمیع اللہ خاں کا مکان، پھول کی ٹڈی میں ہے، آپ نے بڑے بڑے علما خصوصاً مولانا ملک علی سے تعلیم پائی، ۱۸۵۶ء میں منصفی کا امتحان دیا، ۱۸۵۹ء میں منصف مقرر ہوئے، ۱۸۶۱ء میں علی گڑھ تبدیل ہوئے ۱۸۶۲ء میں تنفیض میں آکٹو ٹیکٹ کے وکیل مقرر ہوئے، ۱۸۶۳ء میں سب جج ہوئے، ۱۸۸۲ء میں لارڈ نار تھمبروک گورنر جنرل اپنے مشن کے ساتھ مصر لے گئے، اس خدمت کے صلہ میں، سی ایم جی کا خطاب ملا، مصر سے واپسی پر اسے بریلی کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج رہے، نومبر ۱۸۹۲ء میں پنشن لے لی، ۱۸۹۳ء میں بمقام شملہ ایک کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے، ۱۸۶۵ء میں دہلی میں ایک عربی کا مدرسہ کھولا، پھر علی گڑھ میں سر سید احمد خاں، اور مولوی صاحب جو علی گڑھ میں سب جج تھے اسکول جاری کیا، جو موجودہ ایم اے او کالج مدرستہ العلوم مسلمانان ہے، ۱۹۰۱ء میں فریضہ حج ادا کیا اور ۱۳۲۶ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے، آپ کی قبر پر یہ نکتہ ہے

بہ گلشت جنات تشنہ خراماں      سمیع اللہ خاں شاداں و سرور  
بتاریخ دفاتش بگر کردم!      سر دش غیب ناگہ گفت "مغفود"

(۱) داتا دار الحکومت دہلی حصہ دوم (البشیر الدین احمد) ص ۵۸۳



## مولانا ذکاء اللہ

اس نئی پید میں شمس العلماء ذکاء اللہ، اپنی قابلیت، ذہانت، اور تعلیمی و تصنیفی خدمات کے اعتبار سے قابل رشک خصائص کے حامل ہیں،

مولوی ذکاء اللہ، حافظ ثناء اللہ کے صاحبزادے تھے، منشی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی ضیاء الدین خاں، یہ تینوں ہم جماعت تھے، فن تاریخ اور ریاضی میں علی الخصوص مسلمانوں میں آپ کا جواب نہ تھا، آپ کی تصانیف ایک نہیں، دو نہیں، سیکڑوں ہیں، جتنی ضخیم کتابیں آپ نے تصنیف کیں اور ترجمہ کیں، کسی اور نے نہیں کیں،

مزاج میں بالکل سادگی تھی، اور انکسار اس وجہ کا تھا کہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، پرانی وضع کے پابند تھے، شام کو ٹہلنے ضرور نکلتے تھے، بالکل عالمانہ اور فلسفیانہ طرز تھا، تعصب پاس نہ پھیکا تھا، چھوٹے بڑے ہر کس و ناکس سے یکساہہ پیشانی ملتے تھے، منشی صاحب نے، نومبر ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا، گو شمس العلماء تھے، مگر کھلائے ہمیشہ منشی —! (۱)

منشی ذکاء اللہ ۲۰ اپریل ۱۸۳۲ء کو ایک اعلیٰ مکان میں پیدا ہوئے تھے جو جامع خاندان اور ولادت مسجد اور قلعہ معلیٰ کے عین بیچوں بیچ واقع تھا، جس خاندان میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ وہ کئی نسلوں سے تیمور کے شاہی گھرانے کے لیے قابل اعتماد اساتذہ میا کرتا رہا ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکرؓ سے جاملتا تھا، جو آنحضرت کے پہلے خلیفہ تھے۔ (۲)

ذکاء اللہ بچپن میں نہایت ہی حسین تھے اور قلعہ کے اندر مغلیہ دربار کی بیگمات ان سے بہت محبت سے پیش آتی تھیں۔

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم (بشیر الدین احمد)

(۲) ذکاء اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز ص ۸۶)



جب ان کی عمر چھ یا سات برس کی ہو گئی تو ان کے والد جو محل میں شہزادوں اور شہزادیوں کے تالیق تھے۔ تہواروں اور دوسرے مواقع پر انھیں نذر و برق لباس پہنا کر ایش بازی کا تماشا دکھانے لے جاتے اور وہاں وہ بگیاں انھیں تحفے دیتیں۔ جن کی دعوت پر وہ بہ طور خاص بلائے جاتے۔ مابعد کے سالوں میں ان مواقع کی یاد ان کے دماغ میں پوری طرح محفوظ تھی اور وہ محل کی شاندار روشنیوں کا مال بیان کیا کرتے تھے۔ ان کے دادا گاہ بہ گاہ اپنے پوتے کی صورت انگیز ذہنی قابلیت کا اظہار کرتے۔ بگیاں ان کی تعریف کرتیں۔ اور ان کے اسباق کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرتیں۔ چھوٹا بچہ نہایت جوش کے عالم میں اپنی ماں کے پاس گھر جاتا اور جو تحفے تحائف ملتے انھیں دکھاتا (۱)

ذکا اللہ کے بارے میں یہ تو ایک عام بات تھی کہ اپنی جماعت میں وہی **ذہین اور قابل طالب علم** اکیس ہر کسی ایسے سوال کا صحیح حل بتا دیتے تھے۔ جو انھیں دیا جاتا۔

ابھی وہ طالب علم ہی تھے اور شکل سے سترہ برس کے ہوں گے کہ انھوں نے ریاضی پرانڈ میں اپنی پہلی کتاب شائع کر دی۔ دہلی کے لوگ بے حد متعجب تھے اور خوش بھی کہ ایک لڑکے نے ایسا مشکل کام انجام دے دیا، اور پہلا ایڈیشن چار دن میں فروخت ہو گیا، ذکا اللہ کو کل منافع مل گیا جس کی تعداد تیس روپے تھے، جو انھیں اپنی خریدوں کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی اور اس سے انھوں نے اپنی بہن کے لیے سونے کی بالیاں خریدی تھیں۔ (۲)

منشی ذکا اللہ کی ایک نمایاں خصوصیت جس میں ان کی اچھی صحت کو بے حد دخل تھا، یہ تھی کہ وہ ہر وقت خوش و خرم رہتے تھے اور مذاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے سر سید احمد نے ایک کتاب میں دند کے ان مختلف ممبروں کا مزاج آمیز خاکہ کھینچا ہے، جو سر سید کے ساتھ علی گڑھ کالج کے لیے چنہ جمع کرنے کے لیے دورہ پگئے تھے، اس خاکہ میں ذکا اللہ کا نام جعجم رچہ جعجم بتایا گیا ہے، وہ راستہ بھران قومی بھکاریوں کی پارٹی کیٹا خوش گیتیاں کرتے رہے تھے اور اس طریقہ سے چنہ جمع کرنے کے دشوار کام کو آسان بناتے رہتے۔ (۳)

(۱) ذکا اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز) صفحہ ۹۴

(۲) ذکا اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز) صفحہ ۱۰۴

(۳) ذکا اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز) صفحہ ۱۹۰

## غدر کے زمانہ میں مصیبتوں کا دور

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، ذکا اللہ کے خاندان کا ہزار ہا بے گناہ افراد کے ساتھ ان کے بوڑھے والدین اور تمام خاندان کو بے دردی سے باہر نکال دیا گیا۔ انھوں نے ایسے زمانہ میں اپنے آپ کو بے گھر اور بے یار مددگار افلاس اور فاقہ کشی کی حالت میں پایا جب کہ دوسرے افراد کی کثیر تعداد بھی اسی حالت میں تھی، خود شہر کے اندر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں وہ پناہ لے سکتے، اس کے بعد انھیں ایک خوفناک سفر طے کرنا پڑا۔ یعنی بھاگ کر مصافحات میں جانا پڑا۔ تاکہ وہاں کسی غیر معین پناہ گاہ کو ڈھونڈیں۔ تمام خاندان نظام الدین کے مقبرہ کی طرف چلا جو دہلی دروازہ کے باہر شہر سے کوئی تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ راتوں کو کھلے میدان میں سوتے تھے اور دن میں کسی ٹوٹے پھوٹے مقبرہ میں پناہ لینے کے لیے چلے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں کہ انھیں ہر لمحہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ انجام قریب آگیا ہے۔ (۱)

## اولاد سے محبت

ایک دن شام کے وقت جب کہ میں انھیں تقریباً بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر آگیا تھا، مجھے میرے ایک مسلمان شاگرد کے ذریعہ بلایا گیا، جو ان کے مکان کے قریب رہا کرتا تھا اسے میرے پاس یہ اطلاع دینے کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ذکا اللہ سکرات کی حالت میں ہیں میں فوراً انہیں دیکھنے کے لیے گیا اور جب میں اس کمرے میں پہنچا جہاں وہ لیٹے ہوئے تھے میں نے انھیں مختصر سی دعا پڑھائی اور کلے بار بار پڑھتے ہوئے سنا جو موت کے وقت بالعموم مسلمان پڑھا کرتے ہیں، اس کے بعد ان پر کامل بسمل ہوئی اور غفلت طاری ہو گئی اور وہ اس وقت تک رہی جب تک کہ ان کا انتقال نہ ہو گیا، ان کے آخری الفاظ جو ہوش میں ادا کیے گئے تھے۔ دعاؤں پر مشتمل تھے امدان کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کا ایک لفظ ”بیٹا، بیٹا“ تھا۔ (۲)

(۱) ذکا اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز) ص ۱۱۴

(۲) ذکا اللہ دہلوی (سی ایف اینڈریوز) ص ۱۸۳

## مولانا عبدالحق خیرآبادی

مولانا عبدالحق خیرآبادی، اپنے لیگانہ علم و فضل اور منطق و فلسفہ میں بے نظیر قابلیت اور مہارت کے باعث، سارے ہندوستان میں بلند ترین منصب پر فائز تھے، انھوں نے، اپنی زندگی سے یہ بات ثابت کر دی کہ، دولت علم کے مقابلہ میں دولت دنیا بیچ ہے۔

مولانا عبدالحق مولانا فضل الحق کے فرزند اکبر تھے ۱۸۲۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے والد سے تحصیل علوم کی ۱۶ سال کی عمر میں سند فضیلت حاصل کر کے دس و تدریس مشغول ہو گئے کچھ دنوں ٹونک میں رہے پھر نواب کلب علی خان نے رام پور بلا لیا اور اپنے پوتے حامد علی خاں کا اتالیق مقرر کیا ۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۶ء تک یعنی نواب کلب علی خاں کی تمام مدت حکومت رام پور میں رہے، نواب صاحب کے انتقال کے بعد کلکتہ گئے وہاں حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ کے افسر رہے شمس العباد کا خطاب پایا وہاں سے ۱۸۹۶ء میں نواب حامد علی خان نے رامپور بلا لیا اور خود تلمذ اختیار کیا یہاں سے بیمار ہو کر وطن خیرآباد گئے اور ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا،

مولانا عبدالحق خیرآبادی اپنے زمانہ میں امام فلسفہ تھے آپ کے شاگردوں میں متعدد نامور علماء منظر مولانا نے ۴۰ کے قریب کتابیں تصنیف کیں، ان میں سے ایک کتاب زندۃ الحکمتہ اند میں لکھی یہ منطق کی قدیم کتابوں میں ہے اور ایک کامل فن کے قلم سے نکلی ہے اس سے پہلے منطق کی ایک اور کتاب کا پتہ چلتا ہے یعنی ترجمہ شمس مرتبہ سید محمد مطبوعہ دہلی ۱۸۴۴ء لیکن وہ ترجمہ ہے اور اب ناپید ہوئی عبدالحق کی کتاب کے تقریباً ساٹھ ہی ساتھ مولوی نذیر احمد دہلوی نے بھی منطق میں ایک کتاب "مبادی الحکمتہ" کے نام سے لکھی ہے اسی زمانہ میں اور لوگوں نے بھی منطق کے رسالہ لکھے ہیں۔

زندۃ الحکمتہ میں مولوی عبدالحق صاحب نے علمائے سابق کا اختلاف اور اس پر اپنا محکمہ بھی لکھا ہے مختصر نمونہ یہ ہے۔

"جاننا چاہیے کہ علم دو قسم پر ہے ایک قصود دوسرے تصدیق اس واسطے کہ جو چیز جانی جائے۔



بغیر حکم کے یعنی اثبات یا نفی اس کے ساتھ نہ ہو بلکہ صرف معنی اور مفہوم اس چیز کا ذہن میں حاصل ہو، اس کو تصور کہتے ہیں جیسا کہ ادراک زید کا یا قائم کا بغیر اس کے کہ حکم کیا جائے زید پر ساتھ قائم کے اور اگر جانی جائے اس طور پر کہ حکم ہو اس پر اثبات یا نفی کا اس کو تصدیق کہتے ہیں جسے ماننا زید قائم کے معنی کا اور یقین کرنا اس کا، اور تصدیق کی حقیقت میں اختلاف ہے حکماء کے نزدیک تصدیق صرف حکم کا نام ہے اور تصور موضوع محمول کا اور ایسا تصور نسبت حکمیہ کا اس کی تحقیق کی شرط ہے یہ تصورات اس کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں اس تقدیر پر تصدیق ادراک بسیط کا نام ہے۔ (۱)

کاشانہ علم و فضل | مولانا عبدالحق کے لیے، مولانا فضل حق نے جوشا نثار حویلی تیار کرائی تھی اس کے لیے۔

آگرہ وغیرہ سے پتھر منگوائے گئے تھے تقریباً تیس سال ہوئے جب یہ مکان کھدوایا گیا تھا دروازے پر ہاتھی جھوم رہے تھے وہ بھی لیلے حریت پر بچھاؤ ہو گئے، مولانا حکیم احمد علی صاحب خیر آبادی فرماتے ہیں کہ علامہ کا کتب خانہ بھی ضبط کر لیا گیا تھا۔ جب مولانا عبدالحق خیر آبادی کی ولداری کے پیش نظر ۱۶ فروری ۱۸۸۶ء میں لارڈ ڈفرن گورنر جنرل ہند کے دستخط سے سند خطاب شمس العباد بلا کسی طلب و کوشش کے ملی تو علامہ کے ضبط شدہ دیات میں سے کچھ دیات بھی واپس دیئے جانے کا حکم دیا گیا، مولانا فرمایا کرتے تھے باپ کو کالا پانی کیا اور بیٹے کی خطاب سے اشک شوی کی،

مولانا عبدالحق رامپور میں تھے خیر آباد کے ایک باشندے یار علی نے علامہ فضل حق کا بیٹا بن کر وہ دیات قبضے میں لے لیے، اندھیرنگری چوٹ راج کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا مل سکے گی مولانا عبدالحق نے عذر داری وغیرہ کسر شان سمجھ کر خاموشی اختیار فرمائی بعد میں یار علی نے مصلحتاً یہ دیات بیچ ڈالے۔ (۲)

(۱) داستان تاربخ اردو (علامہ حسن قادری) ص ۳۶

(۲) باغی ہندوستان ص ۱۸۱



## ڈپٹی نذیر احمد

”کوچہ نواب مرزا میں جناب خان بہادر شمس العلماء، ڈاکٹر مولوی نذیر احمد کا دولت خانہ ہے، جو دہلی کے مشاہیر میں سے تھے ۲۲ جمادی الاول ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۸۳۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، اسی وطن میں پختہ بچپن سے تحصیل علم کا شوق تھا، پہلے مولوی نصر اللہ خاں جرجوی سے عربی پڑھتے رہے، ۱۸۳۸ء میں دہلی آئے اور پنجابی کٹرے کی مسجد میں مولوی عبدالحق کے پاس پڑھتے رہے۔ پھر دہلی کالج میں داخل ہو کر تکمیل علوم کی، گجرات میں مدرس ہوئے، پھر الہ آباد میں سب انسپکٹر مدرس اور کانپور میں تحصیلدار، پھر مدنتوں ڈپٹی کلکٹر رہے، اور آخر کار ریاست حیدرآباد میں کسٹنڈر اور بورڈ آف ریونیو کے عہدہ جلیلہ سے پنشن لیکر خانہ نشین ہوئے، اور تیس سال برابر پنشن سے مستفید ہوتے رہے اور ۱۵ جمادی الاول مطابق ۲۲ مئی ۱۹۱۲ء بروز جمعہ کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے،

ملازمت کی حالت میں سب سے پہلے مجموعہ تعزیرات ہند کا ایسا بے نظیر ترجمہ کیا جو آج تک مسلم مستند، اور مروج و معمول ہے، اس کے علاوہ میں ایک طلائی گھڑی، اور ڈپٹی کلکٹری علی، سر ولیم میڈرلفسٹ گورنر مالک متحدہ آگرہ اور دہلی کے عہد میں مراہ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، مبادی الحکمت، وغیرہ کتب لکھ کر ہزار ہا روپیہ اور ایک بیش قیمت ٹائم پیس گورنمنٹ سے انعام پایا، خانہ نشین کے بعد بھی کئی کتابیں مثلاً ابن الوقت، محسنات، ایامی، رویائے صادقہ، وغیرہ لکھیں، پھر اس کو چھوڑ کر دینیات کی طرف متوجہ ہوئے، ساہا سال کی محنت شاقہ کے بعد کام مجید کا بے نظیر اردو ترجمہ کیا، حقوق و الفرائض کے تین حصے، اجتہاد، یہ سب مذہبی کتابیں لکھیں،

سرمد کے ساتھ لیکچرز دینا شروع کیے، انجمن حمایت اسلام لاہور، مدرسہ طبیہ دہلی، ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے جلسوں میں جاتے اور اپنے پرنسپل اور جواب بیان سے فیض عام پہنچاتے چنانچہ چوالیس لیکچرور کا ضخیم مجموعہ دو جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ (۱)

دلی کالج میں داخلہ | مولانا مولوی نذیر احمد صاحب ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج میں داخل ہوئے  
۱۸۵۴ء میں آٹھ برس ختم کر کے کالج سے باہر آئے اور اس طرح  
عالم متعلیٰ سے نکل کر عالم کاروبار میں قدم رکھ کر کالج کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔ (۱)

کالج میں داخلہ کی روداد یوں بیان کرتے ہیں :-  
ڈاکٹر نذیر احمد کا دلی کالج میں داخلہ | ایک روز جو کشمیری دروازہ کی طرف گیا تو کیا دیکھتا

ہوں کہ دہلی کالج میں بڑا ہجوم ہے، کالج وہاں تھا  
جہاں اب گورنمنٹ اسکول ہے، میں بھی بیٹریں گھس گیا، معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے منشی صدر الدین  
صاحب آئے ہیں ہم نے کہا چلو ہم بھی دیکھیں، برآمدے میں پہونچا، قد چھوٹا تھا، لوگوں کی ٹانگوں میں سے  
ہوتا ہوا گھس گھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ہی گیا، دیکھا کہ کمرے کے بیچ میں میز بھی ہے اس کے  
سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ہیں، ایک ایک لڑکا آتا ہے، اس سے سوال کرتے ہیں اور سامنے کاغذ  
پر کچھ لکھتے جاتے ہیں میز کے دوسرے پہلو کی کرسی پر ایک انگریز بیٹھا ہے یہ مدرسہ کے پرنسپل صاحب تھے  
ہم تماشا میں محو تھے کہ صاحب کسی کام کے لیے آگئے، چپراسیوں نے راستہ صاف کرنا شروع کیا جو لوگ  
دروازہ روکے کھڑے تھے کسی طرح پیچھے نہٹتے تھے، چپراسی زبردستی دھکیل رہے تھے، غرض اس  
دھکاپیل میں میرا تو قلیہ ہو گیا، دروازے کے سامنے سنگ موڑ کا فرش تھا، اس پر سے میرا پاؤں رپٹا  
اور میں دھم سے گرا اتنی دیر میں پرنسپل صاحب بھی دروازے تک آگئے تھے انھوں نے جو مجھ کو گرتے  
دیکھا تو دوڑ کر میری طرف بڑھے مجھے اٹھالیا پوچھتے رہے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔

ان کی شفقت آمیز باتیں اب تک میرے دل پر نقش فی الجحیر ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں پوچھا  
”میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ہو؟“ میں نے کہا ”معلقات“ ان کو بڑا تعجب ہوا پھر پوچھا میں نے پھر  
وہی جواب دیا، میری عمر پوچھی میں نے کہا ”مجھے کیا معلوم؟“ وہ میرا ہاتھ پکڑے بجائے اپنے کام کو

جلنے کے رہا مجھ کو مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے مفتی صاحب! یہ اڑکھا کتا ہے  
 میں ”معلقات“ پڑھتا ہوں ذرا دیکھیے تو سہی سچ کہتا ہے یا باتیں بناتا ہے مفتی صاحب نے کہا تو کیا  
 پڑھتا ہے میں نے کہا معلقات کہنے لگے کہاں پڑھتا ہے؟ میں نے کہا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد  
 میں، پھر کہا معلقات دوں، پڑھے گا؟ میں نے کہا لائیے انھوں نے میز پر سے کتاب اٹھائی میرے  
 ہاتھ میں دی اور کہا یہاں سے پڑھو جس شعر پر انھوں نے انگلی رکھی تھی وہ یہ شعر تھا

میں نے پڑھا، معنی بیان کیے ترکیب پوچھی وہ بیان کی، مفتی صاحب بہت چکرائے پوچھنے لگے  
 تجھ کو کون پڑھاتا ہے؟ میں نے کہا مسجد کے مولوی صاحب، کما دوسرے میں پڑھے گا؟ میں نے جواب دیا  
 ضرور پڑھوں گا مفتی صاحب نے قلم اٹھایا کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور پرنسپل کو دے کر کہا اس کو  
 پرنسپل کے پاس پیش کر دینا، ہم وہاں سے نکل کر اپنے گھر آئے، مولوی صاحب سے کچھ نہ کہا  
 سات آٹھ روز کے بعد کالج کا چیرا سی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا اس میں لکھا تھا کہ  
 کنذیر احمد کو کالج میں داخل ہونے کی اجازت ہوگئی ہے کل سے آپ اسے کالج میں آنے کی ہدایت کر دیجیے  
 اس کا وظیفہ بھی ہو گیا ہے، چیرا سی تو یہ حکم دے کر صلیا بنا، مولوی صاحب نے مجھے بلا یا خط دکھایا پوچھا کیا معاملہ  
 ہے میں نے کچھ جواب نہ دیا ذرا سختی کی تو تمام واقعہ بیان کیا وہ بہت خوش ہوئے اور دوسرے روز سے عالمیر  
 ہاتھ پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں دے دیا، اس زمانہ میں سید احمد خاں فارسی کی جماعت میں منشی ذکا اللہ جانا  
 کی جماعت میں ادبیارے لال انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے، میں عربی کی جماعت میں شریک ہو گیا۔  
 تو شوق، دوسرے پڑھنے والے ہوشیار، تیسرے ایک مضمون اور وہ بھی ایسا کہ جس کا بچپن سے شوق  
 تھا، تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جماعت والوں کو دبا لیا پرنسپل صاحب کے کمرے کے جوبازو میں جو چھوٹا سا  
 کمرہ ہے اس میں ہماری جماعت تھی دوسرے پہلو میں جو کمرہ ہے اس میں فارسی کی جماعت تھی (۱)

(۱) کنذیر احمد کی کہانی کچھ اپنی کچھ ان کی زبانی (مرزا فرحت اللہ بیگ)



## شادی اور اہلی زندگی

مولانا صاحب جب پنجابی کٹے کی مسجد اورنگ آبادی میں رہتے تھے اور مولویوں کے زنان خانوں میں آتے جاتے تھے جب مولانا عبدالقادر کی لڑکی روتی تو مولانا کے حوالے کر دی جاتی کہ اس لوگلی میں لے جا کر بہلا لاؤ، مولانا اس کے بہلانے کی کوشش کرتے جب یہ مچلے ہی جاتی تو مولانا جھپٹا کر لپیٹا کرتے، نکاح کے بعد اس لڑکی کی مثالہ زاد بھوپھی سے جو اس لڑکی کی ہم عمر تھیں معلوم ہوا کہ جب مولانا کا نکاح ہونے لگا تو بھوپھی نے سہیلی کے رشتہ سے مولانا کی اہلیہ سے چپکے سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کس سے تمہارا نکاح ہو رہا ہے؟ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا مگر بھوپھی نے مولانا کا پتہ دیا تو ان کو مولانا کا ماننا بھی یاد آیا اور اپنی بھوپھی سے کہا کہ "کیا اب بھی مارا کریں گے" انہوں نے کہا نہیں وہ وقت اور بھابھ تو تمہارے پاؤں دھو دھو کر بیٹیں گے۔ (۱)

## شادی کی کیفیت

اتاریخ مقرر ہوئی اور مولوی صاحب کے مکان میں دقت مقررہ پر محفل عقد منعقد ہوئی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مولانا کا نکاح مفتی صدر الدین خان صاحب مرحوم نے پڑھایا کہ وہ عرصہ علم اور حکمت قبول عزت اور دے دلی بھر میں اول درجے کے شخص تھے گیارہ ہزار کا ہر باندھا گیا اور اس طرح عقد نکاح کی رسم پوری ہوئی۔ (۲)

## ذکا اللہ کا ذکر

مرکز کے ساری عمر کی تحصیل میں ایک تمغہ نصیب ہوا وہ بھی کوکرس کی کتاب پر نہیں بلکہ جواب مضمون پر تمغہ غلامی میں لٹ گیا اور اس کا ملنا یاد ہے، مضمون شاید شمس العلماء خان بہادر ذکا اللہ کو یاد ہو گا اول تو ان کا حافظہ ماشا اللہ قوی ہے دوسرے ہم جماعت ہونے سے طالب علموں میں ایک طرح کا محاسدہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ محاسدہ محمود ہے جو شوق کو مشتعل اور مشقت کو ہلکا کرتا ہے تمغہ ملنے ہوئے دیکھ کر انہوں نے مجھ کو ضرور بری طرح گھورا ہو گا اور اب بھی باوجودیکہ ڈپٹی کمشنر بہادر موجود ہیں بری طرح گھور رہے ہیں۔ (۳)

(۱) حیات التذیر ص ۳۸

(۲) حیات التذیر ص ۳۱

(۳) حیات التذیر ص ۲۳



نذیر احمد خطیب کی حیثیت سے | یہ لطائف مطبوعہ لکچرز میں نہیں ملیں گے شمس العلماء  
جو کچھ کہتے تھے وہ برجستہ کہتے تھے اور وہ ہمیشہ چھپا ہوا

لکچر پڑھتے تھے اور برائے نام دیکھتے تھے کیونکہ ان کو لکچر حفظ ہوتا تھا اور لطیف یہ ہے کہ جن موقعوں پر چیز دیئے جاتے تھے، مطبوعہ لکچر میں چیز بھی پہلے سے چھپ جاتے تھے۔ یہ بات دوسرے لکچر کو نصیب نہیں ہوئی  
سٹراہسن پرنسپل مدرسۃ العلوم کا قول تھا کہ نذیر احمد جیسا لکچر آج یورپ میں بھی نہیں ہے۔ (۱)

خوداری | دہلی کا ایک یہ بھی دستور ہے نئے بیابوں کو پہلی عید پر سسرال کے کنبے کے لوگ عیدی دیا کرتے ہیں، مولانا کے لیے اس رسم کے مطابق بیٹیاں یا بائیس روپیہ جمع ہوئے اتفاق سے ان دنوں مولانا کے روزمرہ کے کپڑے فرسودہ سے ہو گئے تھے اور عید کے لیے نئے کپڑے بنوانے کی گنجائش نہ تھی تو مولوی عبدالقادر صاحب نے مولانا کی عیدی کے روپے مولانا کی بی بی کے ہاتھ میں دیکر کہلا بھیجا کہ تم عید کے لیے اس روپے سے کپڑے بنالو۔ مولانا نے کہا ہیں تو میرے نام سے، لیکن درحقیقت یہ ہیں میرے میرے نہیں اس لیے کہ تمہارے تعلق کی وجہ سے مجھے دیئے گئے ہیں تم ان روپوں کو اپنی ضرورت پر خرچ کر دو یا کوئی چھوٹا موٹا زیور بنالو میں ان روپوں کو اپنے کام میں نہیں لاسکتا، بی بی نے یہ روپے اپنے والد کو بھی کہہ کر واپس کر دیئے۔ مولوی عبدالقادر صاحب بڑے غصیلے آدمی تھے ناخوش ہو کر کہا کہ میں عید کے دن بچوں کو اپنے ساتھ عید گاہ لے جاتا ہوں، نذیر احمد سے کہہ دینا کہ نئے کپڑے کے بدوں اس کو میں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا ہمارے مولانا بھی مولوی عبدالقادر صاحب سے مزاج میں کم نہ تھے ذرا ملاحظہ فرمائیے کیا معقولات کہلا بھیجی ہے۔

”میں سرے سے عید کی نماز ہی نہیں پڑھوں گا“ (۲)

دیانت داری | پنجابی کٹرہ جسے حکومت دلی نے ریوے اسٹیشن پر اس طرح قمران کیا کہ آج اس کا نام و نشان تک نہیں میرے آباد اجداد کا مسکن تھا اور پنجابی کٹرہ کی وہ مسجد جس میں

یادایم (عبدالرزاق) ۱۳۷۷

(۱) حیات النذیر، ص ۴۲

میرے ہمدانجد مولوی عبدالخالق صاحب حدیث کا درس دیتے تھے، طلباء کا دارالقیام علامہ موصوف تحصیل علوم کی غرض سے اس مسجد میں داخل ہوئے، اقبال کا ستارہ پیشانی پر چمک رہا تھا مگر افلاس کی مصیبت سرریٹھ رہی تھی تاہم شوق علم پائے ثبات اکھڑنے نہ دیتا تھا،

ان ہی دنوں میری بڑی بھوپھی کے عقد کی تجویز پیش ہوئی اگلے لوگوں کی باتیں ان ہی لوگوں کو سزاوار تھیں، بڑی بڑی درخواستیں موجود تھیں امداد مانگتا تھا کہ مولوی زادی کی پاکی دوازہ براتروالیں مولانا نے مرحوم کی طرف کیا، عزیز واقارب اور کیا دست آڑا کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا امداد بھوپھی نہیں سکتا تھا، امیروں رئیسوں، عالموں، فاضلوں کے ہوتے ساتھی ایک پردیسی طالب علم کو کون پوچھتا، مختصر یہ کہ مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم کے سامنے سب نام پیش کیے گئے، اللہ فنی کس دل گردہ کے لوگ اور کیسے صابر و شاکر بندے تھے، مولوی صاحب مرحوم کیا فرماتے ہیں جس شخص میں یہ تین صفیں ہوں اس سے نکاح کرو، نماز کا پابند، معاملہ کا اچھا، امداد زبان کا سچا امیدواروں میں تو ایک بھی اس کسوٹی پر پورا نہ آتا تلاش کے دائرہ کو وسیع کیا تو نگاہ مولانا نے مغفور پر جا کر ٹھسکی آج مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم امداد مولوی نذیر احمد صاحب دونوں اس دنیا میں نہیں مگر مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم جیسے جید عالم کی پوتی کا بیاہ لینا جس کے عقد کی شرطیں سخت کٹری ہوں، استاد مرحوم ہی کا کام تھا خدا عز و جل رحمت کرے میری بڑی بھوپھی کو اس شادی کا ذکر اس طرح فرماتی تھیں کہ جب مسجد میں نکاح ہو چکا تو دو دلہا کو ہم سب نے بھی دیکھا کرتے پاجامہ سفید تھا ٹوپی بھی غامبی تھی مگر جوتی کے کئے سنکے ہوئے تھے اماں نے ایک عورت کے ہاتھ چپکے سے ایک روپیہ بھیجا کہ جوتی پہن لو تھوڑی دیر بعد وہی عورت پہنے چار آنے والی لائی اور کہا: سوا بارہ آنے کی جوتی آئی ہے۔ (۱)

نذیر احمد کی دہانت | امداد زبان پر نذیر احمد کے بڑے احسانات ہیں، انھوں نے اس زبان کو نئے نئے محاورے دیئے، نئی نئی اصطلاحیں دیں، نئے نئے

نگینہ کی طرح ترشے ترشائے آبدار اور شاندار الفاظ دیئے، نئی نئی خوشنما اور دل آویز ترکیبیں دیں، وہ ترجمہ کے امام تھے، انگریزی کم جانتے تھے، لیکن تعزیرات ہند ترجمہ کر ڈالا، عربی بڑی اچھی جانتے تھے، ان کا ترجمہ قرآن اپنی مثال آپ ہے، خوش بیانی ہاتھ باندھے سانسے کھڑی رہتی تھی، انھوں نے جو اصلاحی ناول لکھے، وہ مقصدیت سے قطع نظر صرف زبان و بیان اور الفاظ و محاورے کی حیثیت سے بھی بے مثال ہیں،

قانون فوجداری کے ترجمہ میں انھوں نے عربی و فارسی الفاظ کو ترکیب دے کر انگریزی اصطلاحات کے مفہوم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور مترجمین کے الفاظ اور اصطلاحوں میں یہ بات نہ بھتی قسارونی اصطلاحوں کا ترجمہ اگر صحیح مفہوم کے ساتھ نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مولیٰ کے چور کو سولی دے دی جائے ذرا سے گھٹاؤ بڑھاؤ میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے مولانا کی اصطلاحوں کو دیکھنا ہو تو تعزیرات ہند کے مضامین کو دیکھئے ترجمہ تعزیرات کے پہلے اردو ترجمہ میں یہ اصطلاحیں کہاں بھتی ان کو رد و شناس کرنے والا پہلا شخص فاضل مترجم مولوی نذیر احمد ہے ازالہ حیثیت عرفی۔ استحصال بالجبر استحصال بے جا آسودگی عامہ خلائق۔ آئین جنگی بھک سے اڑ جانے والا مادہ۔ بے ٹھپا کیے ہوئے ٹکڑے، تحقیر اختیار جائز تحریف مجرمانہ تصرف بیجا بے جرم مانہ۔ ثبوت جرم سابق۔ جبر مجرمانہ۔ جبری خست۔ جرائم خلاف دہزی باسرکار جرائم خلاف وضع فطری۔ جس دوام بہ عبور دیائے شود۔ حفاظت خود اختیاری خطرناک حربے، خلاف قانون ترک افعال۔ خلاف قانون ما بہ الاعتناظ۔ خیانت مجرمانہ درد جسمانی، سپاہیانہ لباس ریڈیشن یعنی فساد انگریزی، سرتہ بالجبر کرنے والا، طبقہ خلائق عافیت ذاتی، عقوبت کرنا، غلط فہمی محض افعال فریب آمیز و مائیں۔ قانون مختص الامم قانون مختص المقام۔ قتل انسان، مستلزم سزا۔ کاغذ سررشتہ کفالت المال۔ گرم کیا ہوا مادہ اکال مجرائے آب مجمع خلاف قانون، مرض ساری مزاحمت بے جا مستثنیات عامہ مشترکہ افعال معاہدہ کا نقص مجرمانہ، نشان حرفہ۔ وجہ ثبوت وغیرہ وغیرہ۔ یہ اصطلاحیں قانونی ادب کا جزو لا ینفک ہو گئی ہیں انھیں اصطلاحوں میں ایک اصلاح بھک سے اڑ جانے والا مادہ ہے یہ ترجمہ ہے کمیٹل میٹر کا اس کے ترجمہ میں جتنے بھی مترجمین تھے سب کے سب عاجز تھے اور



سب کے سب بغلیں جھانکتے تھے ہر چند کوشش کرتے تھے لیکن ترجمے کے لیے کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آتا تھا ہمارے مولانا کے سامنے جب یہ لفظ پیش کیا گیا تو ذرا تامل کر کے مولانا نے فرمایا کہ بھک سے اڑ جانے والا مادہ یہ سن کر مترجمین دنگ ہو کر رہ گئے، اس لفظ کا یہی ترجمہ تعزیرات ہند میں رکھا گیا اس کو ایسی عام مقبولیت نصیب ہوئی کہ اب تمام اخباروں اور کتابوں میں یہ ترجمہ لکھا جاتا ہے اور جب کبھی کمپیل میٹر خیال میں آتا ہے تو فوراً "بھک سے اڑ جانے والا مادہ یاد آ جاتا ہے"۔ (۱)

**طرز تحریر** مولانا کی عبارت بہت صاف اور سادہ ہوتی ہے۔ البتہ کبھی کبھی عربی اور فارسی کے بڑے بڑے غیر مانوس الفاظ آتے ہیں۔ ان کی رنگین عبارت صنائع بدائع سے اور بعض مواقع پر انگریزی الفاظ سے بھی کام لیتے ہیں۔ جن میں ہمارے نزدیک عبارت میں بجائے حسی اور خوبصورتی کے بھونڈاپن اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، آزاد کی سی لطافت اور شرمیلی ان کے یاں نہیں ہے، البتہ خاص چیز جو ان کی نثر کا جوہر اعلیٰ ہے۔ وہ ان کا ظریفانہ رنگ ہے جو ان کے ناول، لیکچر اور مضامین میں بدرجہ اتم موجود ہے، ان کی ظرافت بہت ہلکی اور لطیف ہوتی ہے۔ اور اس میں پھکڑ پن مطلق نہیں ہوتا۔ مولانا اپنے تمام معاصرین پر بلحاظ شہرت بدقت سے گئے ہیں۔ یہ اس لیے کہ قوانین کے تراجم سے وہ پبلک اور گورنمنٹ سے روشناس ہوئے۔ قرآن شریف کے ترجمے سے مسلمانوں میں ان کی شہرت ہوئی، اور ناولوں کی وجہ سے ہر گھر میں ان کا نام پہنچ گیا۔ (۲)

**وفات** ۱۹۱۲ء کو تیسری رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے، غم مغفورا استاد شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کا جنازہ وسط صحن میں رکھا ہوا ہے، غسل و کفن ہو چکا، صبح کا انتظار اور دفن کی دیر ہے کہ یہ نورانی صورت ہمیشہ ہمیشہ کو پیوند زمین ہو

(۱) حیات النذیر ص ۶۲

(۲) تاریخ ادب و ادب رحمتہ (۱) رام پور کینہ ص ۶۱



جائے گی، رات اپنی منزل طے کر رہی ہے آسمان تاروں سے پٹا پڑا ہے اور وہ گھر جس میں ہر دست  
 شیر و عاڑتا تھا انسان پڑا ہوا ہے، ہوا کے ٹھنڈے جھونکے کل مَن علیہا فان کے نعرے لگاتے  
 ہیں اور راشد بد نصیب اس منہ کو تک رہا ہے جس سے پھول جھڑتے تھے اور ان آدمیوں کو دیکھ رہا ہے جن  
 کو ظالم موت ہمیشہ کو بند کر گئی۔ (۱)

---

(۱) یزید رفتگان (علامہ راشد الحمیری) ص ۲

## محمد حسین آزاد

والد کا نام مولوی محمد باقر ہے شیعہ مجتہدین کے خاندان سے تھے غالباً ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے  
آزاد کے والد نے ۱۸۳۴ء میں اردو اخبار ”دہلی سے نکالا“ کھتا جو اردو کا پہلا اخبار تھیں تو دہلی کا پہلا اخبار ضرور  
تھا ان کے والد کے استاد ذوق دہلوی سے بڑے تعلقات تھے اسی سبب سے آزاد ذوق کے شاگرد ہوئے  
ان کے ساتھ دہلی کے مشاعروں میں بھی شرکت کی، آزاد کو اپنے استاد سے جیسی محبت تھی اس کی مثال دنیا میں  
کم ملتی ہے آزاد نے قدیم دہلی کالج میں بھی تعلیم پائی جہاں مولوی نذیر احمد مولوی ذکا اللہ ماسٹروں سے لال  
آشوب ان کے رفقاء تعلیم تھے استاد ذوق کے انتقال (۱۸۵۴ء) کے بعد آزاد نے حکیم آغا جان علیش  
سے کچھ دنوں فیض سخن حاصل کیا۔

۱۸۵۴ء کے ہنگامے میں آزاد کے والد بھی گرفتار کر لیے گئے اور دہلی دروازے کے باہر  
ایک میدان میں باغیوں کے ساتھ محصور و نظر بند کر دیئے گئے یہ حادثہ آزاد کے لیے کیا کم المناک جہاں گزارنا  
تھا آزاد کو غایت محبت کے سبب سے اس حالت میں والد کی زیارت کا شوق ہوا۔ اس وقت دہلی کی ایسی فضا تھی  
کہ باہر چلنا پھرنا بھی خطرناک تھا۔ آخر آزاد کو فوج کے ایک سکھ جنرل کلخیال آیا جو ان کا دوست تھا اسکے پاس اور آندوبان کی  
اس نے ارادہ سے باز رکھنا چاہا انھوں نے اپنے دل کی تڑپ کا اظہار کیا آخر اس نے کہا کہ تم میرے سائیں  
کے حلیہ میں میرے ساتھ چل سکتے ہو اور کوئی تدبیر نہیں، چنانچہ سائیں کے حلیے میں سکھ جنرل کے گھوڑے  
کے ساتھ دوڑتے ہوئے اس میدان محشر میں پہنچے جہاں قیدی زندگی کی آخری ساعتیں گزار رہے تھے۔  
انہی لوگوں میں ایک طرف ایک مرد خدا عبادت میں مصروف تھا، چہرے پر اطمینان و سکون کے آثار تھے  
یہی آزاد کے شفیع بڑھے باپ تھے جن کی عمر اس وقت ۷۰ سال سے زائد تھی بہت دیر کے بعد نظر اٹھائی

(۱) جنوری ۱۹۱۰ء میں آزاد کا انتقال برس کی عمر میں ہوا اس سے سال ولادت نکالا گیا ہے اور کوئی

ذریعہ اطلاع نہ تھا۔

تو تھوڑے فاصلہ پر اپنا پیارا لادوں کا پا لاجر گوشہ سائیس کے لباس میں کھڑا ہوا نظر آیا یکدم چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ادھر یہی حالت بیٹے پر گزری دنیا آنکھوں کے سامنے اندھیر ہو گئی جب نظر نے یاد ہی کی تو دیکھا کہ ہاتھ سے اشارہ کر رہے ہیں کہ بس آخری ملاقات ہو گئی، اب رخصت ہو اور دیر نہ کر اس اشارے کے بعد انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اکٹھا دیئے، آزادانے اس وقت لاکھ ضبط کیا لیکن نہو سکا وہاں سے روتے ہوئے رخصت ہوئے اور اس وقت تک اُس وفادار جرنیل کی حفاظت میں رہے جب تک شاہجہان آباد کی یہ مظلوم روہیں قفسِ عنصری میں قید ہیں جب شہر میں یہ افواہ پھیلی کہ تمام قیدیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا تو آزاد اسی سکھ جرنیل کی مدد سے باہر نکلے بغل میں استاد ذوق کی نظموں کا بستہ تھا جس کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، جب غدر کی دار و گیر سے کچھ امن کی صورت نظر آئی تو آزاد مع اہل و عیال لکھنؤ چلے گئے۔

دفعۃً ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا، کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا، چنانچہ خلیفہ محمد اسماعیل شیخ (ذوق) کے غدر فرزند جہانی بھی رحلت کر گئے، میرا یہ حال ہوا کہ فتیابِ لشکر کے بہادر دفعۃً گھر میں گھس آئے اور بند دقیں اٹھائیں جلد میاں سے نکلو، دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی، بھرا ہوا گھر سامنے تھا اور میں حیران کھڑا تھا، کہ کیا کیا کچھ اٹھا کر بے چلوں؟ ان کی غزبوں کی جنگ پر نظر پڑی یہی خیال آیا کہ محمد حسین اگر خدا نے کرم کیا، اور زندگی باقی ہے تو سب کچھ ہو جائے گا مگر استاد کہاں سے پیدا ہوں گے؟ جو یہ غزبیں بھڑا کر لکھیں گے؟ اب ان کے نام کی زندگی ہے اور ہے تو ان پر منحصر ہے، یہ ہیں تو وہ مر کر بھی زندہ ہیں، یہ گئیں تو نام بھی نہ رہے گا، وہی جنگ اٹھا بغل میں مار، سبے سجائے گھر کو چھوڑ بائیس نیم جانوں کے ساتھ گھر سے بلکہ شہر سے نکلا۔ ساتھ ہی زبان سے نکلا کہ حضرت آدم بہشت سے نکلے تھے، دلی بھی ایک

(۱) یہ کیفیت بلکہ آخری سطور (جو علاماتِ اقتباس سے محدود ہیں) تقریباً بعد از کتابی دنیا شائع کردہ کتاب گھر دہلی کے ایک مضمون سے لی گئی ہیں اس رسالہ میں آزاد کے مکمل سوانح حیات شائع ہوئے ہیں ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے اب تک آزاد کے مفصل حالات کہیں نہ ملتے تھے۔

بہشت ہے، انہی کا پوتا ہوں، دلی سے کیوں نہ نکلوں؟ (۱۱)

## ادبی خدمات

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد، کو جدید رنگ کا بانی اور ادب اردو کا مجدد سمجھنا بالکل بجایا ہے۔ زمانہ حال کے بہت بڑے ادیب، بہت مشہور نثر نامی گرامی نقاد فن تعلیم کے بہت بڑے ماہر، اور ایک مشہور معروف اخبار نویس تھے، ان کمالات کے علاوہ جدید فارسی کے استاد کامل اور فلاوچی کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ان کی خدمات اور احسانات زبان اردو پر بے حد ہیں، اردو شاعری میں اسی رنگ کا بانی اور اس میں ایک نئی روح بھونکنے والا، اگر کوئی فی الحقیقت کہا جاسکتا ہے۔ تو وہ مولانا کی ذات ہے، وہ صحیح معنوں میں ادیب تھے ان کے کچھ مختصر حالات آئندہ نثر میں بھی بیان کیے جائیں گے، جس سے ان کا حقیقی تعلق ہے، یہاں ان کی شعری شاعری کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ (۱۲)

## آزاد کی شاعری

آزاد فطری شاعر تھے۔ اور ازل سے شاعرانہ طبیعت لائے تھے۔ ان کی نثر بھی اس قدر دلچسپ اور شاعرانہ تخیل رکھتی ہے کہ کسی طرح شعر سے کم نہیں ہے۔ ان کے والد چونکہ استاد ذوق کے دوست تھے، اور ان کی صحبت میں بیٹھتے اٹھتے تھے لہذا آزاد بھی اوائل عمر میں اپنے والد کے ساتھ استاد کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، ان ہی کی صحبت میں دلی کے بڑے بڑے شاعروں میں شریک ہوتے۔ جہاں مشہور استاد ابن فن سے شناسائی کے علاوہ ان کے کلام کے حسن و قبح سے بھی بخوبی واقف ہوتے جاتے تھے۔ استاد ذوق سے نوجوان آزاد کو بڑی عقیدت تھی اور ان ہی کے فیض صحبت اور حسن تربیت کا یہ اثر ہوا کہ آزاد کے دل میں جذبہ شاعری پیدا ہو گیا۔ دلی کی آخری عظمت اور شان کی یاد دلانے والی صحبتیں گرم تھیں کہ ۱۸۵۷ء کا غم ہوا اور نلک تفرقہ پر واز نے ان مجہوں کو منتشر کر دیا اب لوگ

(۱۱) آپ حیات (محمد حسین آزاد)

(۱۲) تاریخ ادب اردو (رام بابو سکسین) ص ۴۱۷



ادھر ادھر تلاش معاش میں سرگرداں ہو گئے، چونکہ لاہور دہلی سے قریب تھا اس لیے اکثر وہاں کے تباہ حال لوگ لاہور چلے گئے۔ ان ہی میں آزاد، رائے بہادر پیارے لال، پندت من بھول، میر منشی، مولوی سید احمد مؤلف فرہنگ آصفیہ، مولوی کریم الدین اور حالی تھے، جن کو تقدیر نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا، حسن اتفاق سے پنجاب میں اس وقت کرنل ہالرائیڈ ڈائریکٹر تعلیمات تھے جو علاوہ زبان فارسی اور اردو پر عبور رکھنے کے زبان اردو کی توسیع و ترقی کا دل سے خیال رکھتے تھے، ان ہی کی ایما سے مولانا آزاد نے ایک ادبی انجمن پنجاب کے نام سے لاہور میں قائم کی جسے اسی انجمن کے مکان میں ماہوار ہوا کرتے تھے، اس انجمن کے قیام کی خاص غرض یہ تھی کہ اردو شاعری میں جو مبالغہ کے طوفان ہوا تھا وہ استعارہ کے انبار ہیں وہ سب نکال دیئے جائیں، نیز یہ کہ شاعروں میں جو طریقہ مصرع طرح دینے کا مروج ہے وہ موقوف کیا جائے اور بجائے اس کے شعر خاص خاص مضامین و عنوان پر طبع آزمائی کیا کریں۔ قبل اس کے اس قسم کے شاعر شروع ہوں مولانا نے انجمن کے جلسوں میں اپنے فاضلانہ لیکچر اور دلچسپ نظموں سے لوگوں کو تیار و آمادہ کر دیا اور دکھا دیا کہ یہ جدید رنگ عنقریب مقبول ہو جائے گا، اور حقیقی شاعری کیا چیز ہے، اس کی ضروریات بتائیں اور وہ خرابیاں بھی بیان کیں، جو بالفعل پرانے رنگ کی شاعری میں پائی جاتی ہیں۔ مئی ۱۸۷۲ء میں جو ایدیس انجمن کے افتتاح کے موقع پر انھوں نے پڑھا تھا، اس میں اردو شاعری کے خوب نکمرے مضامین، غلو و مبالغہ، فضول تشبیہات اور استعارات، اس کا تصنع اور خلاف فطرت رنگ، غرضیکہ جو جو عیوب موجودہ شاعری میں پائے جاتے ہیں، وہ سب بوضاحت بیان کر دیئے، اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اردو شاعری کی، بقا منظور ہے تو ہم کو چاہیے کہ عشق و عاشقی کے پرانے ڈھکوسلے ترک کریں، اور عروس شاعری کو تیرہ درجہ جبروں سے نکال کر زمانہ موجودہ کی روشنی میں لائیں۔ شاعروں سے کہا گیا کہ پرانے مضامین ترک کرو، سادگی، اظہار اصلیت، درد و اثر بھاشا سے اور صاف بیانی فائدہ رسائی اور وسعت نظر مغربی شاعری سے سیکھو۔

آزاد نے جو کچھ زبان سے کہا اس پر خود عمل بھی کیا، انھوں نے اسی نئے رنگ میں تصانیف منظوم

چھوٹا چھوٹی ٹھنڈیاں اور نظمیں لکھیں، ادب پر بیان ہو چکا ہے کہ استاد ذوق کی محبت

نے ان کے دل میں شاعری کا شوق اور جذبہ پیدا کر دیا تھا، استاد کی وفات کے بعد وہ حکیم آغا جان عیش سے اصلاح لینے لگے۔ ادب اپنا کلام دلی کے مشاعروں میں سنانے لگے، کہا جاتا ہے کہ ان کا اس زمانے کا سارا کلام غدر میں ضائع ہو گیا، غدر کے بعد ان کو ریاست جند میں ایک جگہ مل گئی تھی، جہاں وہ مشق نظم کرتے اور سلام، رباعیاں، مرثیے، غزلیں اور قصیدے وغیرہ سب کچھ کہتے رہے، اس زمانہ کا کچھ کلام ان کے بیٹے مولوی محمد ابراہیم نے ۱۸۹۹ء میں نظم آزاد کے نام سے شائع کیا تھا۔ لاہور میں ۱۸۶۲ء میں اس مشاعرے کی بنیاد پڑی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اسی میں انھوں نے اپنی وہ دلچسپ نئے رنگ کی نظم پڑھی تھی، جو مثنوی شب قدر کے نام سے مشہور ہے، اور جس میں رات کی آمد اور شام کی کیفیت کا ذکر ہے، پرانے خیال کے لوگوں نے اس جدت کی بڑی مخالفت کی، جس سے نئی امنگوں پر تو کوئی اثر نہ پڑا مگر یہ ضرور ہوا کہ مشاعرہ ایک سال سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ شاعرے کے بند ہو جانے پر بھی مولانا اپنی کوششوں سے باز نہ آئے اور کچھ نہ کچھ اس رنگ میں کہتے رہے، کبھی کبھی وہ اردو نظمیں انگریزی نظموں کے طرز پر کہتے تھے، جن میں سے کسی انگریزی چیز کا ترجمہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ انگریزی خیالات کو اردو سانچے میں ڈھال دیتے تھے مثلاً ان کی نظم ابو العز می کے لیے کوئی سہ راہ نہیں۔ انگریزی شاعر ٹینیسن کی نظم "اکسیر" کے انداز پر ہے۔ مگر اس کا ترجمہ ہرگز نہیں ہے۔ اسی رنگ کی دوسری نظمیں حسب ذیل ہیں، مثنوی شرافت حقیقی، معرفت الہی، سلام علیک، محنت کر۔ یہ سب نظمیں مجموعہ نظم آزاد میں موجود ہیں،

آزاد کا قدیم و جدید رنگ | قبل اس جدید رنگ اختیار کرنے کے آزاد اسی پرانے رنگ میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ چنانچہ مجموعہ نظم آزاد کے آخر میں،

ان کے پرانے رنگ کی غزلیں اور قصائد موجود ہیں جن میں کچھ کچھ اشعار دلچسپ، صوفیانہ اور اچھے بھی نکل آتے ہیں۔ اسی کو ان کے آئندہ رنگ کا سنگ بنیاد تصور کرنا چاہیے۔ جدید طرز کی مثنویاں حسب ذیل ہیں۔

مثنوی شب قدر ان کا شاہکار ہے، اور اس میں مختلف لوگوں کے اشغال، شب کے وقت کے نہایت عمدگی اور رنگ آمیزی سے بیان کیے ہیں، طالب علم، مہاجن، اور چور کی کیفیت علی الخصوص پڑھنے کے قابل ہیں۔ (۱)

وفات سے چند سال پہلے آزاد جنون کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے، اسی حالت میں ایک مرتبہ دلی کی طرف پیدل روانہ ہو گئے، دلی پہنچے مگر عجیب شان سے

## جنون اور وفات

پہنچے، سر سے گہری فائب، پیر میں جوتا ندارد، حال پریشان، آنا نانا میں تمام دلی میں شور مچ گیا، رشتہ دار منت سماجت کرتے کہ برائے خدا گھر چلیے مگر یہاں کون سنتا تھا کبھی قدم شریف کبھی استاد ذوق کی قبر بھی ٹھہر کبھی جنگل جہاں مستوں کا من کتا وہیں جاتے اور دن گزارتے آخر دلی سے خبر آئی تو والد ماجد مرحوم دہلی گئے ڈھونڈا بہت کچھ سمجھا یا مگر ایک نہ مانی، اس عرصے میں وہ جذبہ سکون کی طرف مائل ہو چلا تھا ان کے بچپن کے دوست شمس العلماء ذکا اللہ صاحب مرحوم منابر چاکر اپنے دولت خانہ پرے آئے تقریباً ایک سال تک وہاں رکھا اور وہ تازہ برداریاں کیں کہ اس زمانہ کی دوستی اور محبت ان پر قربان ہے خدا مدد سارے گھر حکم کے پابند تھے اس عرصے میں تبعیت نے بہت کچھ قرار کر لیا اسید دسیان شاہ والی کیفیت ہو گئی کبھی ہانک کبھی بخدوب،

## پیردہ خسار صنم

انمخوانہ جاوید زندگہ شعر میں علامہ آزاد کی اس کیفیت کے ذکر میں لکھا ہے :-  
 رائے بادوراسٹریارے لال صاحب نرہتے ہیں کہ جنون کے شروع میں ایک دن آزاد مجھ سے ملے آئے اور تقریباً دو دن انٹھنے باتیں کرتے۔ بے طرآن الفاظ کے بجز اور کچھ زبان پر نہیں لائے کہ رامیضا صاحب آپ اس شعر لو پڑھا کیجیے اور اس کے معنی جواب چاہیں سمجھ نہیں،

پیردہ در کعبہ سے انقادینا ہے آسان

پیردہ خسار صنم اٹھ نہیں سکتا

آخر کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔



## خواجہ الطاف حسین حالی

اتفاق سے مولانا حالی کے حالات ان کے تنم کے کچھ ہونے موجود ہیں، نواب عماد الملک حسین بلگرامی نے ۱۹۰۱ء میں خواجہ صاحب سے فرمائش کی تھی اس کی تعمیل میں یہ حالات لکھے گئے ہیں، اس تحریر کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں بمقام قصبہ پانی پت جو شاہجہان آباد سے جانب شمال ۵۲ میں کے فاصلے پر واقع ایک قدیم بستی ہے اس میں کم و بیش سات سو برس سے انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے چلی آتی ہے، میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہو گیا تھا اور میرے والد نے سن کمولت میں انتقال کیا جبکہ میں نو برس کا تھا اس لیے میں نے ہوش سنبھال کر اپنا سرپرست بھائی بہنوں کے سوا کسی کو نہ پایا انھوں نے قرآن حفظ کرایا اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق خود بخود میرے دل میں حد سے زیادہ تھا لیکن باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہ ملا ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم جو میرے ممنون دہلوی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے بوجہ تعلق زناشوی کے پانی پت میں مقیم تھے اور فارسی لٹریچر اور تاریخ و طب میں یدِ طولی رکھتے تھے ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی پھر عربی کا شوق ہو گیا انھیں دونوں میں مولوی حاجی ابراہیم حسین نصاریٰ مرحوم لکھنؤ سے امامت کی نذر لیکر آئے تھے ان سے صرف و نحو پڑھی مگر چند روز بعد بھائی احمد بن نے جن کو میں بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا تامل پر مجبور کیا اس وقت میرا عمر سترہ برس کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گزارہ تھا کہ یہ جو ایرے کندھے پر کھٹا گیا اب بظاہر تعلیم کے دروازے چاروں طرف سے مسدود تھے سب کی خواہش



تھی کہ میں نوکری تلاش کروں مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا سیکہ آسودہ حال تھا  
**دلی کا سفر** میں گھروالوں سے روایتیں ہو کر دلی پہنچ گیا۔ قریب پانچ برس کے وہاں رہ کر عرف و نحو  
 اور کچھ ابتدائی کتابیں مشق کی مولوی نیاز شریف علی رحم سے جو وہاں ایک مشہور واعظ اور مدرس  
 تھے پڑھیں اگرچہ قدیم دلی کالج اس وقت خوب رونق پر تھا مگر وہیں سوسائٹی میں نے نشورنا پانی تھی وہاں  
 علم صرف عربی اور فارسی پر منحصر سمجھا جاتا تھا انگریزی تعلیم کا خاص کر پانی پت میں اول تو کہیں نہ کر ہی سکتے  
 میں نہیں آتا تھا اساس کی نسبت لوگوں کا خیال تھا نہ صرف اس قدر کہ یہ بکری نوکری کا ذلیعہ ہے نہ یہ کہ اس  
 سے کوئی مدد حاصل ہوتا ہے بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسوں کو ہمارے علماء غلط سمجھتے تھے دلی پہنچ کر  
 جس مدرسہ میں مجھے شبہ و روز رہنا پڑا وہاں سب مدرس اور غلبہ و کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جوہل سمجھتے  
 تھے غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گزرا تھا۔ اہم دلی میں رہنا پڑا کبھی کالج  
 کو جا کر آنکھ سے دیکھا تک نہیں اور نہ کبھی ان لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو اس وقت کالج میں تعلیم پاتے  
 تھے جسے مولوی ذکا اللہ مولوی محمد حسین آزاد وغیرہ۔

**شوق مطالعہ** میں نے دلی میں شرح سلم بلا حسین اور میندی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب سے بڑا  
 اور بزرگوں کے جبر سے چارونا چار مجھ کو دلی چھوڑنا پڑا پانی پت واپس آکر پڑا یہ ذکر  
 ۱۸۵۵ء کا ہے دلی سے آکر ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا یہاں ہو کر دس  
 پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا

۱۸۵۶ء میں مجھے حصار میں قلیل تنخواہ کی اسمی صاحب کلکٹر کے دفتر میں ملائی گئی۔ ۱۸۵۷ء میں  
 جبکہ سپاہ افغانی فتنہ مندوستان میں برپا ہوا اور حصار میں بھی اکثر واقعات ظہور میں آئے اور سرکار نے علماء کو انگریزی  
 تو میں وہاں سے پانی پت چلا گیا اور قریب چار برس کے پانی پت میں بیکار ہو کر حالت میں گذرے اس عرصہ میں  
 پانی پت کے مشہور فضلا مولوی محمد انیس، مولوی سید الشہداء مولوی قسود علی، مولوی محمد علی، مولوی غلام علی اور

نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ کبھی حدیث کبھی تفسیر پڑھتا رہا اور ان میں سے جو کوئی پانی پیت میں نہ ہوتا تھا تو خود بغیر پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا اور فاضل علم و ادب کی کتابیں شرح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا اور کبھی کبھی عربی نظم اور نثر بھی بغیر کسی اصلاح یا مشورے کے لکھتا تھا مگر اس پر اطمینان نہ ہوتا تھا میری عربی اور فارسی تحصیل کا منتہا صرف اس قدر ہے جس قدر اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

**غالب سے تعلقات** جس زمانے میں میرا دلی جانا ہوا تو مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا اور چند فارسی قصیدے انھوں نے اپنے دیوان میں سے مجھے پڑھائے بھی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے اپنے والوں کو اکثر فکر شعر کرنے سے منع کرتے تھے مگر میں نے ایک آدھ غزل اردو یا فارسی کی لکھ کر ان کو دکھلائی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا لیکن تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر غلام کر دو گے مگر اس زمانہ میں ایک دو غزل سے زیادہ دلی میں شعر کہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

**فکر معاش** غد کے بعد جب کئی برس پانی پت میں بیکاری کی حالت میں گزر گئے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا حسن اتفاق سے ۱۸۶۲ء میں نواب مصطفیٰ خان مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شفیقتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے، شناسائی ہو گئی اور آٹھ برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اردو کے شاعر تھے اس کی نسبت ان کا مذاق شاعری برابر بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا انھوں نے ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خان کو دکھلایا تھا مگر ان کے مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورہ سخن کرنے لگے تھے میرے وہاں جانے سے ان کا پرانا شعر و سخن کا شوق جو مدت سے انسورہ ہو رہا تھا تازہ ہو گیا اور ان کی محبت میں میرا طبعی میلان بھی جواب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا، چمک اٹھا۔ اسی زمانہ میں اردو اور فارسی کی اکثر غزلیں نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا انھیں کے ساتھ میں بھی اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا مگر درحقیقت مرزا کے

مشودہ وصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق وواقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادھی سچی باتوں کو خفص حسن بیان سے دلفریب بنانا اسی کو مانتا تھا کہ ان شاعری سمجھتے تھے۔ چھپو سے اور مازاری الفاظ و محاورات اور عامیہ خیالات سے شیعہ اور غالب دونوں متنفر تھے، نواب شیعہ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک غذا انیس کا ذکر ہو رہا تھا انھوں نے انیس کے مرثیہ کی یہ مصرع پڑھا،

”آج شبیر پہ کیا عالم تنہا بی ہے“

اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا ہی مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا ان کے خیالات کا اثر کچھ پہنچ بھی پڑنے لگا، نواب شیعہ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بکڈپ ”میں ایسا سامانی مجھ دہل گئی جس پر ایسے یہ کام کرنا ہوتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے ان کی عبارت درست کرنے پر مجھے ملتی تھی۔ تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں رہ کر کیا اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ ناہت پسند ہو گئی اور نامعلوم طوطہ پتا ہست آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔

لاہور ہی میں کرنل ہارلڈ ڈائرکٹراف پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایمداد سے تیلوئی ٹیچرین آزاد نے اپنے پرانے ارادہ کو پورا کیا یعنی ۱۸۸۷ء میں ایک مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جس میں بجائے مصرع عروج کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جس طرح چاہیں نظم کریں، میں نے اسی زمانہ میں چار مثنویاں ایک بیات پر، دوسری امید پر، تیسری رحم و انصاف پر، اور چوتھی حب وطن پر لکھیں۔

**تصنیف و تالیف** | نظم کے سوانح میں چند کتابیں لکھی ہیں سب سے پہلے غالب ۱۸۶۷ء میں ایک کتاب تریاق مسموم فیو کر سچن کی کتاب کے جواب میں جو میرا ہم وطن تھا اور مسلمان سے عیسائی ہوا تھا، لکھی تھی جس کو اسی زمانہ میں لوگوں نے مذہبی میگزینوں میں شائع کر دیا تھا اس کے بعد لاہور میں ایک عربی کتاب کا جو بیرونی میں تھی اور فریج سے عربی میں کسی عربی فاضل نے سببہ کی تھی اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا چنانچہ ڈاکٹر



لاٹنر کے زمانہ میں یونیورسٹی نے چھاپ کر شائع کر دیا مگر اول تو وہ اصل کتاب پچاس ساٹھ برس کی لکھی ہوئی  
 تھی جبکہ جیالوجی کا علم ابتدائی حالت میں تھا دوسرے مجھ کو اس فن سے محض اجنبیت تھی اس لیے اصل  
 اور ترجمہ دونوں غلطیوں سے خالی نہ تھے، لاہور ہی میں ایک کتاب عورتوں کی تعلیم کے لیے قصبہ کے پرائے  
 میں مرحوم بہ مجالس النساء لکھی تھی جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار میں بمقام دہلی نئی لائبریری  
 کے ہاتھ سے چار سو روپے کا انعام دلوا دیا اور جو احمد اور پنجاب کے مدارس نسوان میں مدت تک جاری رہی اور  
 شاید اب بھی کہیں کہیں جاری ہو، پھر دلی میں سعدی شیرازی کی لائف اور ان کی نظم و نثر پر دیو لکھ کر شائع کیا  
 جس کا نام بیات سعدی ہے جس کے دس بارہ ایڈیشن اب سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، پھر شاعری پر ایک  
 مبسوط "ایسے" (مضمون) بطور مقدمہ کے دیوان کے ساتھ شائع ہوا اس کے بعد مرزا غالب مرحوم کی لائف  
 جس میں ان کی فارسی اور اردو نظم و نثر کا انتخاب بھی شامل ہے اور تیزان کی شاعری پر دیو لکھی گیا ہے  
 ادب سرمد احمد مرحوم کی لائف مرحوم بہ حیات جاوید تقریباً ہزار صفحہ کی کتاب ہے امید ہے کہ مارچ یا  
 اپریل تک شائع ہو جائے گی اس کے علاوہ اور بھی بعض کتابیں فارسی گرامر وغیرہ میں لکھی ہیں جو چنناں قابل  
 ذکر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ تیس بقیں مضمون بھی مختلف عنوانوں پر مختلف اوقات میں لکھے جو تہذیب  
 اخلاق علی گڑھ گزٹ اور دیگر اخبارات یا رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ نیز اردو کے علاوہ فارسی میں کسی قدر  
 زیادہ اور عربی میں کم، میری نظم و نثر میں موجود ہیں جو ہنوز شائع نہیں ہوئے جب سے ان دونوں زبانوں کا  
 رواج ہندوستان میں ہونے لگا ہے۔ اس وقت سے ان کی طرف توجہ نہیں رہی میری سب سے اخیر فارسی  
 نظم وہ ترکیب بند ہے جو سرمد کی وفات پر میں نے ۱۸۹۸ء میں لکھا تھا اور اردو میں سب سے اخیر وہ  
 نظم ہے جو حال میں ایسپرس دکنور سے کی وفات پر لکھی ہے اور علی گڑھ گزٹ میں شائع ہوئی۔

۳۰۵ ہجری میں جبکہ میں اینگلو عربک اسکول دہلی میں مدرس تھا نواب  
 حیدر آباد سے امداد

سر اسمان جاہ بہادر مرحوم دارالمہام سرکار عالی نظام اثنائے سفر شملہ  
 میں علی گڑھ محض کنالچ کے ملاحظہ کے لیے سرمد احمد خان مرحوم کی کوٹھی واقع علی گڑھ میں فروکش ہوئے  
 تھے اور میں بھی اس وقت علی گڑھ گیا ہوا تھا نواب صاحب ممدوح نے بصیغہ امداد مستحقین ایک وظیفہ



۷۵ روپیہ یا ہوا میرے لیے مقرر فرما دیا اور ۱۳۰۹ھ میں جبکہ سر سید مرحوم کے ہمراہ لہنؤل دیگر ممبران  
ڈیپوٹیشن برٹشمان محمدن کالج علی گڑھ حیدر آباد گیا تھا اس وظیفہ میں ۲۵ روپیہ یا ہوا کا اضافہ کر کے ۱۰۰ روپیہ  
تک مالی کا وظیفہ میرے لیے مقرر کر دیا جواب تک ماہ بماء سرکار عالی سے ملتا ہے۔ اور اسی وقت سے  
میں نے اینگلو عربک سکول کا تعلق قطع کر دیا ہے۔ (۱)

**مولانا حالی کی ظرافت** | ماسٹر شہاب الدین مرحوم کے مزاج میں جس قدر ظرافت تھی مولانا حالی  
منفرد کے مزاج میں اسی قدر سنجیدگی، شادمانوں جماعت کا ذکی ہے مولانا  
حالی کا گھنٹہ تھا اور غالباً شاہنامہ کا سبق ہر طالب علم ایک ایک سطر پڑھ رہا تھا اب چارہ دہک کارہنے والا  
تھا، سیدھا سادہ غریب طالب علم جس کو سننے کی تمیز نہ رونے کی جماعت میں شریک تھا اس کے تشہیریں  
جو سطر آ رہی تھی، اس کا ایک فقرہ یہ تھا، سر پیچ بھنی داشت

سرکارں چھوٹا تھا، اور نیچے کی سطر پر کوئی لفظ لیا تھا جس سے لفظ سر کے نیچے تھے اور  
اس پر پ کا شبہ تھا، قاری سرفراز حسن اس مشکل طالب علم کے برابر بیٹھے تھے اس سے وہ فقرہ  
نہ چلا اور چپکے سے ان سے پوچھا کہ کیا ہے۔ مرحوم قاری عجیب صفت کے آدمی تھے، ان کا  
پیر پیچ بھنی اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ بھنی کی سی "نہیں بولتی پیر پیچ بھنی"

وہ غریب اسی طرح پڑھ گیا، مولانا نے اس کی صورت دیکھی اور نہایت ہنس مائی، اور مٹلی ہو جانے  
نے چہرہ پڑھا، پیر پیچ بھنی، مکر اہٹ تو مولانا کو بھی نہ مگر ضبط فرمایا، اور سب عادت کہے گئے  
"ہا کم بخت، پھٹے سے مٹا، لعنت خدا کی"

"یہ لمحوں رہے کہ بھنی کبوتر کی ایک قسم ہے"

معا مولانا کا ذہن قاری مرحوم کی طرف جو برابر تشریف فرما تھے منتقل ہوا اور فرماتے گئے  
یہ جناب کی عنایت ہے، یہ بد بخت کیا جانے کہ بھنی کسے کہتے ہیں کھڑے ہو جائیے۔

## مولوی سید احمد دہلوی

### مؤلف فرنگِ اصفیہ

۸ جنوری ۱۸۶۶ء (مطابق ۱۲۶۲ھ) کو دہلی میں پیدا ہوئے والد کا نام حافظ سید عبدالرحمن ہے رسمی تعلیم مختلف مشہور سائنز سے اہل پھر نارمل اسکول دہلی میں حاصل کی ابتداء سے تصنیف و تالیف کا شوق ہے طالب علمی کے زمانہ میں ایک طویل فارسی نظم "طفلی نامہ" لکھی تھی پھر خط و کتابت کی تعلیم کے لیے انشائے تقویۃ الصبیان لکھی جس میں اردو و ملازمرہ و فصح قائم رکھا گیا تھا یہ رسالہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا اسی زمانے میں ان کو ایسی عظیم الشان لغت فرنگِ اصفیہ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا اس کی تیاری شروع کی ۱۸۶۹ء میں انھوں نے منظرہ تقدیر و تدبیر "کنز الفوائد" کے نام سے شائع کی، اس پر سرکار نے ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا،

اس زمانے میں سٹرفیلن (الیکٹرک مدرس صوبہ بہار) اپنی مشہور اردو لغت مرتب کر رہے تھے انھوں نے اس تالیف کی اعانت کے لیے مولوی سید احمد کو بلا یا، یہ سات برس دانا چل رہے ان کی کتاب کو مکمل کیا اس کے ساتھ ہی اپنا کام بھی کرتے رہے یعنی وہاں سے انشائے ہادی النساء شائع کی، اور فرنگِ اصفیہ کا کام بھی جاری رکھا، ۱۸۸۰ء میں فیلن صاحب کا کام تکمیل کو پہنچا تو اسی وقت مہاراجہ الوری نے اپنا سفرنامہ مرتب کرنے کے لیے طے کر لیا، چھ مہینے میں وہ کام پورا کیا اور معقول تنخواہ اور انعام لے کر واپس آئے، اس کے بعد گورنمنٹ بس ڈپو میں نائب ترجم ہو کر چلے گئے،

مولوی سید احمد نے دہلی، شملہ کے سکولوں میں سرکاری ملازمت کی اور پنشن پائی، گورنمنٹ نے خان صاحب کا خطاب دیا، پنجاب یونیورسٹی کے خیواد منتخ بھی رہے، ۱۹۰۵ء میں جب پرنس آف ویلز دہلی تشریف لائے تو مولوی صاحب نے

ایک نظم خیر مقدم اور اپنی ایک تالیف ”رہومِ دہلی“ پیش کی ۱۹۱۱ء کے دوبارہ تاجپوشی کے زمانہ میں مولوی صاحب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو انھوں نے اس کا نام دوبار احمد رکھا ایک بار ان کے مکان میں آگ لگی اور تمام کتب خانہ اور فرنگ آصفیہ کی جلدیں نذرِ آتش ہو گئیں، دولتِ آصفیہ نے اس موقع پر یہ دستِ فیض بڑھایا اور اسی شاہانہ امدادِ کتاب دوبارہ شائع ہوئی مولوی صاحب نے ۱۹۱۹ء میں انتقال کیا۔

**فرنگ آصفیہ** | اس کا نام سب سے آخر میں لیا گیا ہے لیکن اہتمام و عزت میں سب پر مقدم ہے مولوی صاحب اپنے نام سے زیادہ اس کتاب کے نام سے ”مولف“ فرنگ آصفیہ“ مشہور ہیں، ۱۸۹۸ء سے اس کی ترتیب شروع کی اور ۱۸۷۸ء میں ایمانِ دہلی کے نام سے بطور نمونہ شائع کی لیکن تکمیل جاری رہی، ۲۴ سال کی محنت کے بعد ۱۸۹۲ء میں تکمیل کو پہنچی مولوی صاحب کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ اس قدر ضخیم کتاب کو شائع کر سکیں، اتفاق سے ۱۸۸۸ء میں جب وہ شملہ کے سکول میں مدرس تھے، سرآسمان جاہ وزیرِ اعظم حمید آباد شملہ آئے مولوی صاحب نے حاضریہ ہو کر اپنی تالیف کا مسودہ پیش کیا وہ اس کو ساتھ لے گئے مولوی سید علی بلگرامی کو دکھلایا انھوں نے بہت پسند کیا اور منظوری کی سفارش کی چنانچہ دوبارہ دکن سے انعام کا وعدہ کیا گیا ۱۸۹۲ء میں بعد تکمیل فرنگ آصفیہ نام رکھا گیا دولتِ آصفیہ سے پانچ ہزار روپیہ انعام ملا اور پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا، گورنمنٹ پنجاب نے پانچ سو روپیہ انعام دیا اور ایک ہزار روپیہ کی کتابیں خریدیں۔

**فرنگ آصفیہ کی قدر و قیمت** | لغاتِ اردو کی آغاز تالیف سے تقریباً دو سو برس بعد سے زیادہ ضخیم مکمل اور مستند فرنگِ اردو میں موجود نہ تھی، مولوی سید احمد صاحب نے چار جلدوں میں ۵۵ ہزار الفاظ و محاورات تحقیق و تشریح سند و حوالہ کے ساتھ درج کیے ہیں۔ اب اگر اس میں کچھ خامیاں اور غلطیاں بھی واقع ہو گئیں تو ایسی فروگزاشتوں سے کوئی اور لغت بھی خالی نہیں ہے، نور اللغات فرنگ سے ۲۵ سال بعد شائع ہوئی اس میں بھی صرف دسائی تحقیقی و استنادی غلطیاں بہت ہیں بہر حال تقدیم تکمیل کی فضیلت مولوی سید احمد صاحب کو حاصل ہے افسوس کہ یہ کتاب اب نایاب ہے صرف پہلی اور



دوسری جلد ملتی ہے،

**نور اللغات اور فرنگ آصفیہ** | مولوی سید احمد صاحب نے فرنگ آصفیہ کے  
دیباچہ میں لکھا ہے، "مولف نور اللغات نے بھی

فرنگ کے سدا شاعت سے پورے تین قرن بعد فرنگ آصفیہ میں لفظ (بات) اور اس کے مشتقات  
کی ہو ہو نقل بطور نمونہ شائع فرمائی ہے۔"

یہ بڑا سخت اعتراض ہے حضرت امیر مینائی اور مولوی نور الحسن نیر کا کوردی ایسے آدمی نہ تھے  
کہ کسی کی کتاب ہو ہو نقل کر کے اپنے نام سے چھپوا دیں ہمارے سامنے فرنگ آصفیہ۔ امیر اللغات۔  
نور اللغات تینوں موجود ہیں اور ہم نے لفظ (آنکھ) اور (بات) کو پڑھا ہے بات یہ ہے کہ الفاظ محاورات  
کسی خاص مصنف کی ملکیت نہیں ہوتے ہر شخص ان کو تلاش کر سکتا ہے البتہ پہلی مرتبہ جمع کر کے مرتب  
کر دینا مولف کا کارنامہ ہوتا ہے لیکن لغات کی تشریح اور سند کے اشعار بلاشبہ جامع و مولف کی ملکیت  
ہوتے ہیں ان کی ہو ہو نقل بے شک مرقہ اور قابل الزام ہے،

مولوی سید احمد کی اس فضیلت میں شک نہیں کہ انھوں نے اردو کی سب سے بڑی اور مکمل لغت  
سب سے پہلے مرتب کی اور ۱۸۷۸ء میں ارغوان دہلی شائع کی منشی امیر احمد مینائی کو "امیر اللغات کا خیال  
بعد کو آیا اور انھوں نے ۱۸۸۴ء میں لفظ (آنکھ) کا نمونہ مرتب کیا۔ امیر مینائی کے سامنے فرنگ کا نمونہ  
موجود تھا یقیناً اس سے استفادہ کیا لیکن اس کی ہو ہو نقل نہیں کی بلکہ سید صاحب کی لغات کو خود جانچا،  
غیر ضروری اندراجات کو ترک کیا ضروری محاورے جو وہ گئے گئے اکلاضافہ کیا سند کے اشعار الگ کر کے  
لکھے،

**سید احمد کا طرز تحریر** | مولوی صاحب نے دو درجن کتابیں مختلف عنوانوں اور موضوعوں پر لکھی  
ہیں۔ ان میں دو چیزیں نہایت نمایاں ہیں۔ ایک عورتوں کی تعلیم تربیت

دوسرے زبان اعداد اور محاورہ دہلی کی اشاعت اہل دہلی کو ایک تو اپنی زبان سے فطری گرویدگی تھی دوسرے  
ہر تصنیف میں اس کی اشاعت کا شوق قیسرے اس کے تحفظ و حمایت کی ضرورت لکھنا اور پنجاب



کی طرف سے دہلی کی مرکزیت پر حملے ہو رہے تھے اور دہلی والے لکھنؤ کی بولی کو بھی کمال باہر سمجھتے تھے اس لیے دہلی کے ادبی مصنفین نے اپنی کتابوں اور مقالوں میں مقامی بول چال اور محاورے کثرت سے استعمال کیے جن لوگوں نے علوم فنون کی کتابیں لکھیں۔ انھوں نے موضوع و مضمون کے مطابق زبان اختیار کی،

ڈپٹی نذیر احمد کی زبان و اسلوب کا ذکر آچکا ہے ان کے ہم عصروں میں میرنا صر علی خاں نے کم اور مولوی سید احمد اور میرنا صر نذیر فراق نے زیادہ دہلی کا روزمرہ لکھا۔ پھر آغا شاعر اور راشد الخیری نے اسی پر اپنی تحریر کی بنیاد رکھی، راشد الخیری نے ایک اسلوب خاص ایجاد کر کے اپنا انفرادی رنگ پیدا کر لیا۔

ان کی تحریریں کے دو ایک نمونے پیش کیے جاتے ہیں فرنگ آصفیہ کے مندرجہ لغات کے متعلق دیا ہے ہیں لکھتے ہیں:-

”تذکیر تانیث کی تمیز اہل دہلی و لکھنؤ کے موافق اس میں موجود ہے زبانوں کا فرق اور ان کی اصلیت کا پتہ اس سے لگتا ہے عام محاورے اس میں درج ہیں۔ خاص خاص محاورے اس میں داخل ہیں نقیروں کی صدائیں اس میں سن لو، سودے والوں کی آوازیں اس میں دیکھ لو، دل لگی اس میں ہے، ظرافت اس میں ہے، بعض بعض توقعوں پر جوار یوں ٹھکوں دلاؤں، چابک سواروں، بد معاشوں مختلف پیشہ وروں کے وہ ملتے جلتے روزمرہ جس کے نہ جاننے سے اکثر انسان دھوکا کھا جاتا ہے بہ ترتیب حروف اس کتاب میں شامل ہیں۔ جو لفظ جس درجہ کے آدمی میں مریں جیسے وہ انھیں کے نام سے کھا گیا ہے۔ عورتوں کی بولی اس میں نہیں چھیڑن جاہلوں کی باتوں سے اس میں پرہیز نہیں کیا ہاں اگر چھیڑا ہے تو مغلطات اور محش چھیڑا ہے۔

قیسہ مختصر ہم نے نہ عیب چینیوں کا خوف کیا نہ خردہ بینوں کی پردہ جیسی بری یا بھلی اپنی پیاری مادری زبان کی خدمت بن چڑی یہ کردی آئندہ جو اس کا مہکے اہل اور سچے ہوں خواہ ہوں گے وہ ترقی دے دیں گے۔

اے اہل خیر کچھ تو ادھر بھی کر بیٹھے ہیں

جو کچھ سنا کسی سے وہی چھوڑا بھروسہ دیا

کب سے دعائے خیر کے امیدوار ہم

اپنی لغات چھوڑ چلے یادگار ہم (۱)

مولوی سید احمد ہلوی اپنی مشہور و معروف لغت فرہنگ آصفیہ کے مصنف

**سید احمد پر تبصرہ**

ہونے کی حیثیت میں اردو داں طبقے میں کافی شہرت رکھتے ہیں، دلی میں

۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے، باپ کا نام حافظ عبدالرحمان تھا جو مستند سادات تھے اور ایک بڑے

خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم دواج کے مطابق دیسی مکتبوں میں

ہوئی، جب کچھ حرف شناس ہو گئے تو سرکاری اسکول اور مارل اسکول میں تحصیل علم کی، اس کے بعد

اپنی فطری طباعی اور شاہیر اہل علم کی محبت سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا بچپن ہی سے تصنیف و تالیف

کا شوق تھا، چنانچہ طالب علمی ہی کے زمانے میں ایک چھوٹی سی نظم طفلی نامہ کے نام سے اور

ایک انشا کی کتاب تقویۃ الصبیان لکھ ڈالی، ۱۸۶۹ء میں ان کی کتاب کنز الفوائد نکلی جس پر

سرکار سے دوسروں پر انعام ملا، ۱۸۶۸ء سے انھوں نے اپنی جلیل القدر تصنیف فرہنگ آصفیہ شروع کی،

۱۸۷۰ء میں ان کی دوسری کتاب وقائع دروینہ شائع ہوئی جس پر ان کو ڈیڑھ ہزار روپیہ انعام ملا۔ اس رقم

سے ان کی فرہنگ آصفیہ کی تیاری میں کچھ آسانیاں ہو گئیں، اسی زمانہ میں ڈاکٹر فیلین صاحب نے جو صوبہ بہار

میں انسپکٹر مدارس تھے، ان کو بلا بھیجا اور ان کو اپنی انگریزی کی لغت کی تیاری میں ان سے مدد لینا چاہی، مولوی

صاحب راضی ہو گئے اور فیلین کی ڈکشنری برمن میں ختم ہوئی، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنا کام بھی کرتے رہے

۱۸۸۰ء میں انھوں نے ہمارا جہ الود کا ایک سفر نامہ مرتب کیا، اس کے بعد وہ پنجاب گورنمنٹ کے سرکاری

بکاپور میں نائب مترجم کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ فیلین صاحب کی ڈکشنری کی تیاری کے زمانے میں، اپنی

کتاب ہادی السادات شائع کی، جو بہت مقبول ہوئی، اس کے بعد ان کی حسب ذیل تصنیفات شائع ہوتی رہیں،

جو اپنے طرز میں سب نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔ تکمیل الکلام پیشہ وروں کی اصطلاحات میں، تحقیق الکلام  
 اردو زبان کے نکات کے متعلق، اسکھان جس میں کچھ ہندی دوسے، پہیلیاں اور گیت ہیں، ریت بکھیاں  
 کچھ ہنود کے مذہب کے متعلق، نارسی کھتا ہندو عورتوں کی بولی، قواعد اردو، تعلیم نسواں اور عورتوں کے متعلق  
 ان کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں، لغات النساء، تحریر النساء، بچوں کی پرورش اور تربیت کے متعلق، علم النساء  
 زبان اردو اس کی ترقی کے متعلق، رسوم دہلی جس میں دہلی کے مرد و رسوم کا ذکر ہے۔ غیر مطبوعہ کتابوں میں سیر شملہ،  
 جس میں شملہ کی سیر بھی داخل ہے، اندھڑب الشال، روضہ دہلی، رسوم اعلیٰ ہندوان دہلی، ان میں سے  
 بعض اب شائع ہو رہی ہیں۔ (۱)



## خواجہ امان دہلوی مصنف بوستان خیال

بدالدین خاں امان دہلی کے رہنے والے مرزا غالب کے عزیز تھے یعنی بقول غالب "میرے ایک رشتہ دار کے بھتیجے" انھوں نے داستان بوستان خیال "کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا "بوستان خیال" کا مصنف میر تقی خیال گجرات کا رہنے والا محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں دہلی آیا، اس زمانے میں داستان امیر حمزہ "بہت مقبول تھی، میر تقی خیال نے اس کے جواب میں "بوستان خیال" لکھی چونکہ پہلی داستان میں تاریخ اسلام کے ایک بزرگ امیر حمزہ کے کارنامے تھے اس لیے خیال نے بھی ایک تاریخی ہستی تلاش کی اور شاہزادہ معزز الدین ابومہیم کو مہیر و بنایا جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں تھے میر تقی خیال نے ہمارے شیون سنگھ والی ریاست الود کی فرمائش سے پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا باقی کے لیے عمر فانی نے وفانہ کی،

ترجمہ خواجہ امان کی پہلی جلد کا نام حدائق الانظار اور دوسری کا ریاض الابصار ہے، پہلی جلد کے لیے غالب نے دیباچہ لکھا تھا اس کتاب کا ذکر غالب نے کئی دوستوں کو لکھا ہے اور خریداری کی فرمائش کی ہے خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھتے ہیں،

"میرے ایک رشتہ دار کے بھتیجے نے بوستان خیال کا اردو میں ترجمہ کیا ہے میں نے اس کا دیباچہ لکھا ہے... آپ کے پسند آئے یا اور اشخاص خرید کرنا چاہیں تو چھ روپیہ قیمت اور محصول بذمہ خریدار ہے، خواجہ امان نے تمہید مقفی عبارت میں لکھی ہے اور عربی و فارسی سے کام لیا ہے لیکن اصل داستان بہت سادہ سلیس لکھی ہے ریاض الابصار کی تمہید کے چند فقرے یہ ہیں،

"امید کہ یہ ناظرہ تالیف جدید بھی مثل جلد گذرانیدہ محصول نقد سرخروئی پذیرائی اور خلعت سرسبزی احسن حبیب و دامان مراد کو پر کرے اور چاکر مودوثی اسی وسیلہ جزئیہ کے سبب گاہ گاہ مذکورہ بارگاہ فلک کا گاہ و سرمایہ اعزاز و تفاخر ہوئے، خدا کا شکر کہ ادائے شکر خداوند نعمت کے پردے میں ادائے شکر نعمت خدا ہوا یعنی شکر نعمت خداوند کیا،



شکر خدا ادا ہوا،

داستان کا نمونہ یہ ہے اس قدر صاف با محاذہ زبان لکھی ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتی۔  
اب عاقب حُرانی کا حال سنو، اول بیان ہوا ہے کہ عاقب حُرانی حکومت کے علاوہ فن عیاری میں  
بھی نہایت مستعد و چالاک ہے اس نے ایک شب قصد کیا کہ خبر و اخبار کے واسطے حریف کے لشکر میں چلیے  
اور دیکھئے کہ وہ حکیم صنادک کس کس کام میں مشغول ہے آخر حُرانی ایک نقب کی راہ سے جس کا دہن بیرون شہر  
باغ میں تھا باہر نکلا اور بہت ہوشیاری سے جم تدر کے لشکر میں پہنچا قضا را اس وقت ایک خدمت گار خاص صنادک  
منکوس کا کسی کام کے واسطے خیمے سے نکلا تھا عاقب نے اس خدمت گار کی گردن میں اس طرح کند بند کی کہ  
علق سے آواز تک نہ نکلی بعد ازاں اس کا پشتارہ باندھ کر ایک خرابے میں رکھ آیا اور اپنی صورت اس خدمت گار  
کی شکل سے تبدیل کی بلکہ اسی کا لباس پہنا اور خدمت گار کے صف میں وارد ہو گیا۔ (۱)

## نسیم دہلوی

مرزا اصغر علی خاں تخلص نسیم نواب آقا علی خاں کے بیٹے تھے، دلی میں ۱۲۱۴ھ کو پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پایا، ضروریاتِ زمانہ کے مطابق تعلیم حاصل کی، باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں سے ناموافقت ہو گئی اور وہ اپنے بڑے بھائی مرزا اکبر علی خاں کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے، اور یہیں بڑے بعد میں بھائیوں نے عفو تقصیہ کر کے ملنا چاہا مگر انھیں نے ایک نہ مانی۔ پھر دلی نہیں گئے۔ تمام عمر لکھنؤ میں فقر و فاقہ کی حالت میں رہے مگر کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں دہرایا، بڑے پابندِ مذہب اور احکامِ قرآنی کے عامل تھے، غدر کے بعد منشی نول کشور کے مطبع میں الف لیلہ کے منظوم ترجمہ کی خدمت پر مقرر ہوئے، ایک جلد تکمیل ہوئی تھی کہ مطبع کی طرف سے کتاب کی جلدی ہوئی جو ان کو ناگوار خاطر ہوئی، اور وہ الگ ہو گئے ان کے بعد منشی طوطا رام شایاں نے وہ کتاب مکمل کی، تعجب ہے کہ جس وقت لکھنؤ کا طرزِ زوروں پر تھا، اسی وقت نسیم دہلوی کو اپنے طرز میں لکھنؤ میں بڑی کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی، یہ بڑے زود گو تھے اور اسی کے ساتھ مزاج میں وارستگی اس قدر تھی کہ جو کچھ لکھتے اس کی نقل اپنے پاس نہ رکھتے تھے، جس کی وجہ سے بہت کچھ کلام تلف ہو گیا، ان کا دیوان ان کے شاگرد حافظ عبدالواحد خاں مطبع مصطفائی نے چھپوایا تھا مگر اس کو وہ اپنے لیے ننگ سمجھتے تھے، ان کی غزلوں کو مرزا غالب بھی پسند کرتے تھے۔ باوجود دہلوی ہونے اور اپنے شہر کی زبان پر فخر کرتے اور اس کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے اکثر اہل لکھنؤ نسیم کے شاگرد ہوئے، جن میں عبداللہ خاں مہر، منشی اشرف علی اشرف، منشی امیر اللہ تسلیم مشہور ہیں۔

نسیم میں مومن کا رنگ بہت پایا جاتا ہے۔ ان کا نہایت ہی لطیف طرزِ بیان اور نازک  
**طرزِ کلام** خیالی کے ساتھ ملا ہوا ہے، جو مومن کا فیض تھا، نسیم کو نازِ گلی کلام اور صحتِ محاورات

کا بہت خیال تھا، لکھنؤ کی صناعی اور لفظی کو وہ نہ پسند کرتے تھے، ان کے کام میں خیال کی دلفریبی کے ساتھ زبان کی صفائی اور پاکیزگی بہت نمایاں ہے، اپنے استاد کی طرح وہ بھی فارسی ترکیبیں بہت استعمال کرتے تھے، اور نزاکت خیال اور طرز بندش اور روانی کلام میں بھی انھیں کی پیروی میں نسیم کا مرتبہ شعرے درجہ دوم میں بہت برتر ہے۔ (۱)

---

(۱) تاریخ ادب اردو (رام بابو سکینہ) ص ۳۱۲

## نواب مرزا داغ

داغ دہلی میں ۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ ۲۵ مئی ۱۸۳۱ء میں چار شنبہ کے دن پیدا ہوئے اور ۹ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ ۱۴ فروری ۱۹۰۵ء کو بمقام حیدر آباد دکن وفات پائی، یہ بھی عجیب بات ہے کہ آپ کا نام مع تخلص "نواب مرزا داغ" تاریخ وفات ہے،

آپ کے والد کا نام نواب شمس الدین خاں تھا، ۱۸۳۷ء میں مرزا صاحب کے والد نے انتقال کیا، جب آپ بہت کم سن تھے، آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر دہلی میں چلی گئیں، اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ صاحب عالم مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر ولی عہد شاہ دہلی کے سائے عاطفت میں گزارنا، اور نواب شوکت محل بیگم خطاب پایا، فارسی کی ابتدائی کتابیں آپ نے مولوی فیاض الدین صاحب غیاث اللغات سے پڑھیں، سید امیر صاحب پنجہ کش اور مرزا عباد اللہ بیگ سے آپ نے فن خوش نویسی حاصل کیا، اس زمانہ میں چونکہ فن سپہ گری کی نہایت قدر تھی اس لیے آپ نے بانگ اور علی کی پسنیکی اور شہسواری سب ہنر حاصل کیے، قدر اندازی، چوڑنگ، اور سینا کے فن صاحب عالم مرزا رفیع الملک بہادر سے حاصل کیے آپ کی ہونہار طبیعت کا رجحان شروع ہی سے شاعری کی طرف تھا، بادشاہ اور ولی عہد دونوں ذوق کے شاگرد تھے، مرزا ولی عہد بہادر نے داغ کو بھی ذوق کا شاگرد کر دیا،

مرزا صاحب نے سب سے پہلے نواب مصطفیٰ خاں شفیقہ کے مشاعرہ میں یہ مطلع پڑھا، جو ایک بارہ برس کے لڑکے کے لیے ایک فال نیک تھا،

شر و برق نہیں، شعلہ و سیلاب نہیں

کس لیے پھر یہ ٹھہرا دل مٹیاب نہیں

قدر سے کچھ دنوں پہلے آپ کے مربی سرپرست صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر نے بعارضہ ہفیزہ انتقال کیا، پھر غند کی آنت آئی، جس نے لوگوں کو غامناں برباد کر دیا، داغ رام پور چلے



گئے، وہاں نواب یوسف علی خاں ناظم، والی رام پور اپنی حیات تک ہمیشہ بطور مہمان نوازی کے سلوک کرتے رہے نواب مرحوم کے بعد نواب کلب علی خاں بہادر نے جو قدر دانی فرمائی وہ محتاج بیان نہیں، آپ ریاست رام پور میں باقاعدہ ملازم ہو کر رئیس کی مصاحبت میں رہنے لگے، اصطبل، گارڈی خانہ، فراش خانہ، کنول خانہ، شتر خانہ، آپ کے سپرد ہوا، نواب صاحب آپ کی قدر فرماتے تھے، امیر صاحب ۲۵ برس رام پور میں رہے، نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد دل برداشت ہو گئے اور ۱۸۸۷ء میں رام پور سے رخصت ہو کر دلی آئے، ۱۳۰۵ھ میں حیدرآباد پہنچے، برابر ساٹھ تین برس تک امیدداری کی سختیوں کو برداشت کیا، آخر ۲۶ جمادی الثانی، ۱۳۰۸ھ کو ۹ بجے شب کے فرمانِ رحمت نشان مع غزل سر بہ ہر لغافہ میں صادر ہوا جس کو چند چوہدار لے کر حاضر ہوئے تھے علاوہ فرمان کے زبانی پیغام بھی تھا کہ آٹھ بجے صبح کے دربار میں حاضر رہیں، آپ نے اس وقت غزل کو دیکھ کر بعد کا اصلاح دے دی اور حسب الطلب دوسرے دن حاضر ہو کر نذر گزرائی، اسی تاریخ سے سلسلہ استادی گردی کا قائم ہوا، اس کے بعد، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو ایک مراسلہ محکمہ پولیسکل فنانس سے صادر ہوا کہ سرکار نے آپ کے نام چار سو پچاس روپے کا وظیفہ ابتدائے مدد سے منظور فرمایا ہے، یہ وظیفہ تین سال تک ملتا رہا، ۶ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کو آپ کا وظیفہ ہزار روپیہ ماہوار ہوا، پھر تو سرفراز ی پرفراز ی ہونے لگی، ایک گاؤں مع ایک باغ کے سرفراز ہوا، ایک دفعہ گھڑی، پھر زنجیر طلائی، اور ایک مرتبہ دو تلواریں ملیں،

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ کو، پیش گاہ اعلیٰ حضرت سے بلبل ہندوستان، جہاں استاد، دبیر الدولہ، فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر کا خطاب، باوجود اس قدر اذیت و احترام کے غرور، تکبر، یا نخوت آپ کو جھونک نہیں گئی تھی، آپ کی اہلیہ نے ۱۳۱۵ھ میں، حیدرآباد میں وفات پائی، اولاد میں صرف ایک صاحبزادی ہی جو سائل صاحب کی اہلیہ ہیں انہیں کو حیدرآباد سے چار سو ماہانہ منصب ہے، ایک نواسہ بھی ہے وہ بھی منصب دار ہے،

داغ صاحب کو وجع معاصر اور دوران سر کی شکایت تھی، آخر کار فوج میں وہ دنیا

سے رخصت ہوئے، (۱)

**دلغ کا حلیہ** | نواب مرزا خاں داغ کی کوئی سولہ سترہ برس کی عمر ہوگی رنگت تو بہت کالی ہے مگر چہرہ پر غضب کی نرما ہٹ ہے بڑی بڑی غلافی آنکھیں، ستواں ناک کشادہ پیشانی

سر پر سیاہ نخل کی لیس لگی ہوئی چو گوشہ ٹوپی جسم میں ساسلیٹ کا انگرکھا، سبز گلبدن کا پانچا ہاتھ میں ریشمی رد مال ہے، یہیں تو ابھی نو عمر مگر شعور ایسا کہتے ہیں کہ سبحان اللہ شہر بھر میں ان کی عزلیں گائی جاتی ہیں۔ (۲)

**دلغ کا انداز حیات** | داغ ایک شاعر تھے، ایک رند مزاج شخص تھے، ان کی زندگی شاعر دل اور رندوں کی زندگی تھی، وہ عشق کرتے تھے اور داد

عیش دیتے تھے، ایک نقاد سخن کہتا ہے:-

”داغ کی شاہد پرستی کے سلسلہ میں سب سے پہلے مثنوی فریاد داغ کا ذکر کرنا چاہیے، اس میں کلکتہ کی ایک طوائف حجاب بانی سے داغ نے اپنے معاشقے کا حال نظم کیا ہے۔ مثنوی رام پور میں لکھی گئی اور ۱۳۰۰ھ میں مکمل ہوئی، اس وقت دلغ کی عمر ۵۴ سال کی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں جب طبیعت کا یہ رنگ تھا تو جوانی میں کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ حجاب بانی کا ذکر مثنوی میں جا بجا کرتے ہیں،

کس قیامت نے پائمال کیا	سمبر بنگال نے حلال کیا
شوخیوں میں حجاب میں کیسی	لن ترانی جواب میں کیسی
یا الہی نجات غم سے ملے	وہ سراپا حجاب ہم سے ملے

(۱) واقعات دار الحکومت بمبئی حصہ دوم (بشیر الدین احمد) ص ۲۵۴

(۲) دلی کی آخری شمع ص ۵۲

(۳) فریاد داغ، مطبع مفتی محمد علی مالک اخبار نیر اعظم مراد آباد ۱۸۵۸ء پہلا ادیشن

(۴) فریاد داغ صفحہ ۵۲۔

اُن رے عہد شباب کی مستی      بے پئے ہے شراب کی مستی  
رقص طاؤس باغ سے اچھا      شعر کا لطف داغ سے اچھا  
سراپا کی تفصیل کے بعد ابتدائی ملاقات کا حال ہے، قدرتی طو پر یہ منزل زیادہ دشوار  
نہیں تھی۔ داغ بہت جلد کامیاب کامران نظر آتے ہیں۔

ایک اک دم میں سو مداراتیں      لطف کے دن وہ عیش کی راتیں  
رات کتنی مہسی خوشی کیا کیا      ہوتی رہتی کھلی ڈھکی کیا کیا  
عیش یہ آسماں نہ دیکھ سکا      چار دن شادماں نہ دیکھ سکا

اور اس کے بعد

آگئی ہجر کی گھڑی سر پر      یہ بلا جھیلنی پڑی سر پر  
قصہ ٹھہرا وطن کے جانے کا      رنگ بدلا نیا زمانے کا

چلتے وقت راز و نیاز کی باتیں اور عہد و پیمان ہوتا ہے۔ یہاں داغ کی بوس پرستی اور  
رندی کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے۔ داغ نے ۱۳۰۵ھ میں دربار رامپور سے قطع  
تعلق کیا اور اسی سال حیدر آباد گئے، اس وقت ان کو عمر ساٹھ برس سے صرف ایک سال بندہ چنہ  
ہینے کم تھی، اس عمر میں جوانی کی چڑھی اندھی اتر چکی ہوتی ہے اور بقول غالب قویٰ مضحل ہونے  
لگتے ہیں۔ عناصر میں اعتدال باقی نہیں رہتا، ان حالات میں یہ نتیجہ نکالنا زیادہ صحیح نہ ہوگا کہ شاہد  
پرستی کے جو مضامین اس دور میں داغ کے کلام میں ملتے ہیں۔ وہ ان کے اس وقت کے ذاتی واردات،  
اور واقعات کا بیان ہے، ان کی شوخی اور تیزی جو بلاشبہ بھرپور جوانی کے ساہی ہو سکتی ہے، یہ اشعار  
زیادہ سے زیادہ ان کی شوخی طبع کا نتیجہ ہیں، یا پھر جوانی کی یاد ہے۔ جو دل میں گدگدی پیدا کرتی رہتی ہے  
ہمارے اکثر شعرا کی عمر کا آخری حصہ بڑی تنگ دستی عسرت اور معاشی بد حالی میں بسر ہوا ہے۔ میر



مصطفیٰ، انشا، جرات سے بے کراں تک سب کا انجام کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے اس لیے ان لوگوں کے اخیر عمر کے کلام میں حزن و ملال زیادہ ہے، داغ کا یہ زمانہ نہایت فارغ البالی اور اطمینان سے بسر ہوا اور طبیعت کی وہ شوخی و پلبلہ پن اور رنگینی جو قلعہ معلیٰ میں پیدا ہوئی، دوبارہ امپور میں پر دان چڑھی، حیدر آباد میں بھی قائم اور باقی نظر آتی ہے۔

جواب اس طرف سے بھی فی الفور ہوگا  
دبے آب سے وہ کوئی اود ہوگا  
اک نہ اک ہم لگائے رہتے ہیں  
تم نہ ملتے تو دوسرا ملتا (۱)

ایک یادگار مشاعرہ | مولانا راشد الخیری کے ایک چشم دید مشاعرہ کا حال بیان کرتے ہیں جس سے داغ کی شوخی اور سرسرت کا بڑا پُر لطف اندازہ ہوتا ہے:-

”میں اس مشاعرہ میں موجود تھا، جہاں مرنے والا داغ، مولانا حالی پر چھارہا تھا اور اس نے اپنے اس شعر سے مولانا کو روک رکھا کر دیا تھا،

تم بھی اسے ناصح کسی پر جان دو

ہاتھ لا استاد۔ کیوں، کیسی کہی،

میں اسی رات کے آخری حصہ میں وہ سماں بھی دیکھ لیا کہ دلی پرست داغ جو مولانا سے

چچ بچا رہا تھا، اس شعر پر ڈاڑھیں مارتا ہوا ان کے قدموں پر آ پڑا

سے کے داغ آئے گا سینہ پہ بہت لے سیاح

دیکھا اس شہر کے کھنڈوں میں نہ جانا ہرگز (۲)

داغ کی شاعری | داغ اپنے زمانے کے بہت مشہور شاعر تھے، ان کی زبان میں فصاحت اور سادگی، اور بیان میں ایک خاص قسم کی شوخی اور بانگین ہے، جس کی

(۱) غزل اور متغزلین ص ۱۲۵

(۲) دلی کی آخری بہار (علامہ راشد الخیری) ص ۱۱۱



وجہ سے وہ اپنے معاصرین امیر، جلال، تسلیم وغیرہ سے زیادہ مہر و ہونے، ان کا طرز عام پسند و قیمت دلچسپ ہے، اسی وجہ سے ان کے متبعین کثرت سے ہیں، مشہور ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد پندرہ سو سے متجاوز ہے یہی شہرت و عزت اور شاگردوں کی کثرت ان کے جوہر ذاتی اور شاعرانہ قابلیت پر دال ہے، داغ نے ایک باضابطہ دفتر کھول دیا تھا، جس کے کارکن بعض ان کے شاگرد اور اکثر ان کے تنخواہ دار منشی بھی تھے، اس دفتر میں اصلاح کلام کا کام جاری تھا، (۱)

## فصح الملک نواب مرزا داغ کی صحبت میں تین گھنٹے

میں نے اپنی زندگی کے ہر دو تین چکریں

سال کے اندر ہندوستان کے مشاہیر شعرا کو دیکھا اور ان کی زبان سے ان کا کلام بھی سنا ہے، میرے والد منشی الہی بخش مضطر (منجم ہند) چونکہ خود شاعر تھے اور انھوں نے عالم شباب تک آگرہ اور لکھنؤ میں باکمال شعرا کو دیکھا تھا اور مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھتے تھے، اس لیے مجھے ہدایت تھی کہ ادبی مجالس سے استفادہ کروں، عجیب اتفاق ہے کہ تعلیم کے زمانے میں بھی ادب سے ہمیشہ دلچسپی رہی لیکن کبھی شاعری کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور تمام عمر سماعت میں گزری البتہ بھوپال میں چند فارسی نظمیں لکھیں جو مرثیوں انداز پر تھیں واقعات تک محدود تھیں،

ہندوستان میں شاعروں کے صرف دو اسکول تھے ایک دہلی دوسرا لکھنؤ، دہلی کے باکمال شعراء لکھنؤ میں آگئے تھے لہذا ادبی حیثیت سے شعرائے لکھنؤ بھی دہلی کی فصیح زبان میں شاعری کرتے تھے۔ البتہ جو محاورات و الفاظ لکھنؤ میں کمالات ہو چکے تھے وہ بحال خود قائم رہے جس میں تذکیر تائیت کی بحث بھی شامل ہے، لکھنؤ نے زبان اردو کی سب سے زیادہ خدمت کی اور حکومت اودھ نے بھی شعراء کے ساتھ بڑی بڑی فیاضیاں کیں چنانچہ یہی سبب ہے کہ ہر دو میں باکمال شاعر لکھنؤ میں پیدا ہوئے، متاخرین شعرائے دہلی میں مرزا داغ خوب چکے اور دربار رام لہو نے اپنی علمی قدردانی سے امیر احمد

مینائی اور داغ وغیرہ کو تمام ہند میں روشناس کرایا،

اب یہ سنیے کہ داغ کی ملاقات کیونکر ہوئی؟

دلی میں حضور نظام کی کوٹھی شہر سے الگ تھی اور کئی ہزار گز افتادہ رقبہ کوٹھی کے متعلق تھا، جس میں

امراٹے دولت کے سیکڑوں خیمے اور بارگاہیں تھیں،

صد بھانگ پر مٹری سپاہیوں کا پہرہ تھا اور ایک کمرے میں پولیس افسر جمع تھے، ملاقات کا انتظام

جس افسر کے سپرد تھا وہ ایک عرب تھا، جب میں نے مرزا داغ سے ملاقات کی تحریک کی تو اس نے

( ملاقات کا کارڈ ) طلب کیا چنانچہ چند کارڈ پیش کیے گئے اور جواب کے انتظار میں کھڑے رہے، ایک

گھنٹے کے بعد مرزا صاحب کا چوہدار آیا اور ان کی ذاتی ذمہ داری پر کیمپ میں جانے کی اجازت ہوئی،

راستے میں صد ہا خیمے نظر آئے جو ایک سے ایک بڑھ کر شاندار تھے، ہر خیمے کے دروازے پر شوخ زرد

دنگ کی تختی پر سیاہ گہرے حروف میں صاحب خیمہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ ۲۵ منٹ کے بعد نواب فصیح الملک

مرزا داغ کا نام نظر آیا۔ (۱)

### نمونہ کلام

نازد وے نیاز کیا جانیں  
لطف سوز و گداز کیا جانیں  
شیخ صاحب نیاز کیا جانیں  
وہ نشیب و فساد کیا جانیں  
یہ مزا پاک باز کیا جانیں  
وہ میرے دل کا راز کیا جانیں  
لطف عمر و راز کیا جانیں

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں  
شمع رو آپ گو ہوئے لیکن  
کب کسی در کی جہ سائی کی  
جو رہ عشق میں قدم رکھیں  
پوچھئے کسوں سے لطف شراب  
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک  
حضرت خضر جب شہید نہ ہوں

## عذر کے اسباب و محرکات

کوئی حادثہ بھی خود بخود واقع نہیں ہو جاتا، اس کے واقع ہونے سے پہلے کچھ اسباب ہوتے ہیں جو اس کے وقوع کو تاگزیر بنا دیتے ہیں کچھ محرکات ہوتے ہیں جو اسے پروہ عدم سے عالم وجود میں لے آتے ہیں کچھ عوامل ہوتے ہیں جن کی کار فرمائی اسے ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ مثلاً ۱۰ کا غدر بھی ایک بیک نمودار نہیں ہو گیا تھا، ایک عرصہ سے اس کے محرکات اور عوامل اپنا کام کر رہے تھے اور جب ان کے تدبیری مرحلے ختم ہو گئے تو وہ قیامت و نما ہونے جیسے لوگ "عذر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

عذر کے اسباب و محرکات اور عوامل، اگر گنے جائیں تو بہت زیادہ ہیں ہم صرف چند موٹے موٹے اسباب و محرکات کا ذکر کریں گے جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ یہ چند سر پھرے لوگوں کی شرارت نہیں تھی بلکہ موثرات و محرکات اور اسباب و عوامل کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جس کی طور پر ہوتا ہے۔ پروان چڑھتا اور جڑ پکڑتا گیا، بیان تک کہ ایک دن ایسا آگیا جب وہ آتش فشاں پھاڑ کے لاونے کی طرح ہٹا اور جو اس کی لپیٹ میں آیا وہ جل گیا، بھسم ہو گیا، خاکستر بن گیا۔

داستان کو طول دینا مقصود نہیں رہے پھر بھی ایجا ذواختہ سار کے تمام واقعات کو سامنے رکھ کر چند واقعات بہر حال بیان کرنا ہیں ان واقعات سے اندازہ ہو جائے گا کہ عذر ایک اٹل حادثہ تھا، سیرت مگر کی جاسکتی ہے تو اس پر کہ یہ دنیا میں کیوں واقع ہوا، ذکر اس پر کہ یہ دنیا میں کیوں ہوا؟



## دبئی سپاہیوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ | دبئی سپاہیوں کے ساتھ انگریزوں کا برتاؤ

شروع سے سفاکانہ، ظالمانہ، بے رحمانہ

اور امانت آمیز رہا ہے ذرا سی غلطی پر حمیب سزا، معمولی سی بات پر عبرت انگیز انتقام،

شکوہ کے نام سے بے عمر خفا ہوتا ہے

یہ بھی مت کہہ کر جو کیئے تو گلہ ہوتا ہے

اصول، ضابطہ، آئین، قانون ہر چیز بیکار ایک ترہ سپاہ نے اضافہ تنخواہ چاہا، ایک پلٹن نے اپنے انگریز افسروں کو قید کر لیا اور مفرد ہو گئی، منسرو صاحب مع سپاہ اور توپوں کے ٹھیک وقت پر آ پہنچے۔ مسفر دین کے افسروں کو حکم دیا کہ سرغنوں کو جو اس شرارت کے بانی ہوں منتخب کریں جب پچاس سرغنہ وہ چھانٹ کر لائے تو کورٹ مارشل میں چوبیس پر حرم ثابت ہوا اور توپوں سے ان کو اڑانے کا حکم صادر ہوا، ساری سپاہ گوروں اور ہندوستانیوں کی پرڈ پر جمع ہوئی، توپیں لگائیں گئیں، منسرو صاحب نے حکم دیا کہ چار سپاہی توپوں سے اڑانے کے لیے آگے آئیں۔ چار گرائڈیوں نے کہا ہمیشہ ہم سب لڑائیوں میں معزز رہے اس لیے ہم جاہتے ہیں کہ اس وقت بھی عزت حاصل کریں اور سب سے پہلے اڑائے جائیں، ان کی درخواست منظور ہوئی وہ توپ سے اڑا دیئے گئے، یہ دیکھ کر ہندوستانی سپاہ کے تیور بدے تو ان کے افسروں نے منسرو صاحب کے کہا کہ سپاہی کہتے ہیں کہ ہم کسی اور سپاہی کو اس طرح اڑانے کی اجازت نہیں دیں گے اس پر مسجرح صاحب نے توپوں کے منہ ہندوستانی سپاہ کی طرف کر دیئے اور سارے گوروں کی بندوقیں ان کی طرف موڑ کر حکم دیا کہ ہتھیار زمین پر ڈال دو، اگر عدول حکمی کرو گے یا بھاگو گے تو سب کے سب اڑا دیئے جاؤ گے، ناچار سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر سولہ سپاہی توپوں سے اڑائے گئے اور چار سپاہی چھاؤنیوں میں اڑانے کے لیے بھیجے گئے۔

دبئی سپاہیوں کی بددلی کی وجہ | - فوجیوں کی بددلی کا سبب یہ تھا کہ ہندی سپاہی جس قدر

عبد: تاریخ عبدالکاشیہ (ذکاراثر) ص ۱۰۰



زیادہ دور لڑائی میں بھیجے جاتے اسی قدر تنخواہ اور موابجہ میں اضافے مانگتے تھے ہندوؤں کو بیرونی ممالک خصوصاً سندھ بلکہ سندھ ندی کے پار جانے میں مذہبی عزرات تھے کہ اپنی سرکار بھیتے سے بھی ان کا منہ میٹھا کرنا چاہتی تھی اس لیے وہ اور کرواتے تھے چنانچہ ہم کابل کے بعد سے دوسری جنگ برائے (۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۱ء) صرف دس برس کے عرصہ میں چار دفعہ اضافے کے معاہدے جھگڑا بڑھا اور کسی ویسی ملیٹوں نے نہ صرف نوکری چھوڑی بلکہ علانیہ فتنہ و فساد اٹھانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔

گورے سپاہیوں پر توپانی کی طرح روپہ

**سپاہیوں کے مجتہد ملنا واجب تخفیف** | صرف کیا با آ تھا لیکن ویسی سپاہیوں کے

جائز مطالبات بھی پورے نہیں کئے جاتے تھے۔

”لارڈ ولیمز کے زمانہ سے پہلے ملک سندھ کا انگریزی عملدرمی میں الحاق ہوا اس گیتانی ملک میں سپاہیوں کو اجنبی آدمیوں میں اپنے وطن سے بہت دور رہنا بڑا شاق تھا یہ ملک اس قلمرو کی سرحد سے پرے تھا جس میں انھوں نے کام کرنے کا عہد و پیمان کیا تھا بھڑے پڑو یہ کہتے موقوف کیا گیا کہ ملک فتح ہو کر سرکار کہیں کے قبضہ میں گیا، اب وہاں سپاہ کا رہنا ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ ملک کی اور چھاؤنیوں میں اس سخت منطق نے سپاہیوں کے دل میں کینہ پیدا کیا اور وہ اس تخفیف کے برخلاف سرکاری پر آمادہ ہو گئے وہ سوچنے لگے کہ ہم نے سرکار کی مدد کیا میں ایک ہی رعایا کو زیادہ کر دیا یہ ملک کا فتح کا شمار سے ہی حق مضمر ہوا۔ اور جن خدمات کا صلہ یہ ملا کہ تنخواہ کا ایک حصہ کم ہو گیا بیٹے مانہ میں جب سرکار کہیں کے لیے سپاہی ملک فتح کرتا تھا تو اس کو طرح طرح کے انعام دیئے جاتے تھے اب اس پر الٹی مصیبت ڈالی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا ہمارا ہی کرنا ایک جرم تھا۔ نتیجہ اس بھتے کی موقوفی کا یہ ہوا کہ قریب ۱۸۴۴ء میں ۲۲ پلیٹن بنگال نے جس کو سندھ جانے کا حکم ہوا تھا، انکار کیا، کہ جب تک بھتہ ان کو نہ دیا جائے گا وہ وہاں نہیں جائیں گے یہ تجویز ہوئی کہ

نافرمان سپاہ میرٹھ اور اندھیاڑ کی چھاؤنیوں میں جہاں گوروں کی سپاہ بہت سی ہے بھیج دی جانے  
 اہل ان کے تھپالے لیے جائیں

دلیسی اور گورے سپاہیوں کیساتھ الگ الگ ٹاؤ | دلیسی سپاہیوں اور گورے سپاہیوں  
 میں عملی طور پر کیا فرق تھا؟ یہ

بھی دیکھ لیجئے !

”دلیسی سپاہی برطانوی حکومت کے لیے کس قدر مفید تھے اس سوال کا جواب ایوان عام کے اس  
 اجلاس سے واضح ہوتا ہے جو سلسلہ میں منعقد ہوا، دلیسی سپاہیوں میں بنگالی سپاہیوں کی حالت ناقابل بیان  
 تھی، یہی وجہ ہے کہ بنگالی سپاہیوں کو برطانوی حکومت کے خلاف بہت سی شکایات تھیں، بنگالی سپاہیوں  
 کو اپنی رہائش کیلئے ایک کھیتیا تیار کرنا پڑتی تھی، لیکن اس کے برعکس یورپی سپاہی نہایت آسائش سے  
 بارکوں میں رہتے تھے۔“

”جنگ برائیں چونکہ مزید سپاہیوں کی ضرورت  
 تھی اس لیے بارک پور کے دلیسی سپاہیوں کو

بندوق کی گولی یا پھانسی کا تختہ

برما کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا، جب سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ انھیں بھگت سے رنگون تک بحری  
 سفر کرنا ہے تو انھوں نے اس حکم ماننے میں تامل کیا، وہ صرف ہندوستان ہی میں رہنے کے لیے بھرتی  
 ہوئے تھے اور برما کا حدود ہندوستان سے باہر ہونا ظاہر ہے، جب انھیں کوچ کا حکم ملا تو وہ اپنے  
 تھیلوں کے بغیر پیش ہوئے، اس سوال پر کہ ایسا کیوں کیا گیا، انھوں نے جواب دیا کہ تھیلے ناقابل  
 استعمال ہو چکے ہیں لہذا انھیں تھیلے دیئے جائیں۔ نیز رنگون جانے کے لیے الائنس منا چاہئے  
 کیونکہ بنگال کی نسبت برما میں اشیاء کا نرخ گراں ہے کہ پنی کے فوجی افسروں نے ان شکایات پر

ط : تاریخ عروج و غروب انگلیش ص ۲۲۶

ط : کمپنی کی حکومت ص ۲۵۷

خود کرنا اپنی تدبیر سمجھا، اسی اثنا میں کلکتہ سے انگریزی فوج باریک پور پہنچ گئی، انگریز سپاہیوں نے ویسی سپاہیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا، اس آتش باری سے جو زندہ رہے انھیں تختہ رواد پر ہٹا دیا۔

غدر کے اسباب و محرکات میں ایک بہت بڑا سبب اور بہت بڑا محرک انگریزوں کا

## عیسائیت کی تبلیغ سپاہیوں میں

کا مذہبی تعصب اور عام لوگوں میں نیز سپاہیوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا جذبہ بھی ہے اس سلسلہ میں انھوں نے ایسے بھونڈے وسائل اور ذرائع استعمال کئے جو ان کے شایان شان تھے نہ اصول حکمرانی کے مطابق تھے۔

ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کا جذبہ انگریزوں کے دل میں اُس وقت سے تھا جب وہ صرف تاجر اور سیاح کی حیثیت سے اس سرزمین پر قدم رکھتے تھے۔

”مسلمان بادشاہوں اور ان کی مسلمان رعایا سے تو کئی طرح بھی تہذیب مذہب کی آسب نہیں چمکے ممالک ایشیا کے وہ مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں شری لوگ مقیم ہیں اس لیے میں اپنے تجربہ کی روش سے کہہ سکتا ہوں کہ خیرات اور تقنین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی یہ مسلمان عیسائی ہو جائے یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ کرتے ہیں، لیکن ان سے یہ امید کرنا عجیب ہے کہ وہ اپنا وہ دین جس میں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہئے کہ مشرک لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں کیونکہ مشرک لوگوں پر اس کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔“

ہندوستان کا ایک مشہور مؤرخ، جو انگریزوں کا دل سے مایہ اور اداس شناس ہے، ایک انگریز

## سپاہیوں کا مذہب بدلنے کی کوشش

ط : کہنہ کی حکومت ۱۹۱۵ء

ط : وقائع سیر و سیاحت، ڈاکٹر بریج جلد دوم ص ۲۲۱



سپردار کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

وہ ایک اہل حق اور پاک (سپاہ کے حکمران کی کتاب) اور دوسرے اہل حق میں ایسا ہی ملے جاتے اس طرح سے انھوں نے اپنی گورنمنٹ کی بڑی خدمت کی جس کے وہ لازم تھے انگریزی افسروں میں مشنریوں کی سرگرمی کتنی پھیلی تھی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا آسان نہیں لیکن اب اس میں شبہ نہیں کہ بعض افسر سپاہیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے تھے اور وہ اپنے اس کام پر فخر کرتے تھے لفظ ٹ کر نل ویر نے جو ایک رجمنٹ کا کمانڈر تھا ۱۸۵۷ء میں بڑے فخر سے یہ بات کہی کہ بیس برس سے کچھ زیادہ دنوں سے میری یہ عادت ہے کہ رب قسم کے آدمیوں کو بغیر کسی تیز کے عیسائی مذہب کا وعظ سنا تا ہوں مسیح کا سپاہی بن کر خدا کے احکام اور سرکار کی پیروی کا سپاہی بن کر اس کے حکام سنا تا ہوں غرض افسران فوج اور حکام اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں بدست کرتے تھے اور بعض حکام اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے تھے کہ اتوار کو ہمارے کوٹھی پر آؤ کہ پادری صاحب کا یا عسار اعلیٰ سنو !

بہ عرصہ انگریزی تاریخوں میں اس عہد کے بعض فوجی فسادات کا تذکرہ خاصی تفصیل سے ملتا ہے جن میں انگریز سپاہی اور سردار مارے گئے ان کے فرد کرنے میں کچھ بہت دیر یا وقت نہیں ہوئی البتہ یہ لوگوں کی ذہنییت اور انگریزوں سے عام مذہبی بدگمانی کی جھلک دکھاتے ہیں۔ اس کی پہلی مثال دیور کا فساد ہے۔ جہاں ویسی فوج کی بڑی چھاؤنی تھی اور قلعہ میں سلطان مسعود (شہید) کی اولاد، گورہ فوج نے وردی میں ایک نئی وضع کی پکڑی جاری کی داڑھی والوں کو حکم دیا کہ دارھی اس طرح ترشوائیں کہ یکسانی کی خوشنمائی پیدا ہو جائے، مگر اس کے منہ مانتے پر لپی چوڑی لکیریں بناتے ہیں، مگر فرنگی کیدان کی ممانعت تھی کہ سرکاری ملازم یہ لکیریں نہ بنائیں۔ ہندو

۱۸۵۷ء تاریخ عروج عہد انگلشیہ ص ۲۰۱



پا پی سخت مشعل ہوئے۔ عام رائے یہی ٹھہری کہ فرنگی نہیں کر سٹان، بنانے کی تدبیر کرتے ہیں وہ بیکار  
 قلعے میں جا گھسے اور تنہا سے زیادہ گورے سپاہی اور فوجی افسروں کو انھیں ہتھیاروں سے مارا جن کا  
 چلانا انگریزوں سے سیکھا تھا مگر اتنی دیر میں ارکاٹ سے انگریزی فوج آگئی، ہوش و خردش سرد ہو چکا تھا  
 مرکشی کرنے والے بلا مزاحمت، پکڑے گئے اور صد گولیوں کا نشانہ بنے، سلطان میسور کے نظربند  
 بیٹوں کو یہاں سے جٹا کر کلکتہ بھیج دیا، اگرچہ اس جنگامی بناوت اور خون ریزی سے ان کا کوئی تعلق نہیں  
 تھا۔

دوسرے سال ایک — اورنگامہ ریاست — ٹرانڈکور میں برپا ہوا اس کی وجہ دیوان اور  
 انگریز رینجمنٹ کی ناچاقی بتائی گئی۔ جسے ہزاروں نارڈوڈ پڑے، رینجمنٹ تو بچ کر نکل گیا  
 اس کی مختصر فوجی جمعیت مفت میں ماری گئی، فساد جلد رفع دفع ہو گیا، اہل فرما دکیفر کر دیا کو پیچھے  
 تاہم زیادہ تر انھیں جنگاموں کے اندیشہ سے برطانوی پارلیمنٹ نے کمپنی کو حکم دیا کہ دین مسیحی کی تبلیغ  
 کا کام صرف اجازت یافتہ پادریوں تک محدود کر دیا جائے، انھیں کمپنی کی طرف سے تنخواہ ملتی  
 تھی۔

گورنر جنرل کے مذہبی حیدے | لارڈ ڈولزلی گورنر جنرل نے دہلی کام کیا تھا جو اور  
 گورنر جنرلوں نے کیا تھا انھوں نے اس بائبل سوسائٹی  
 کو چپ رہ دیا تھا جو کتب مقدسہ کا ترجمہ مشرقی زبانوں میں کرتی تھی اور یہاں کے آدمیوں میں ان  
 نئے ترجموں کی اشاعت کرتی تھی یہ ترجمہ فورٹ ولیم میں نصف صدی سے ہو رہے  
 تھے جن کے مرتبی لارڈ ڈولزلی اور لن کے جانشین تھے جن کے عہد حکومت میں مملکت بائبل سوسائٹی

ط : تاریخ پاکستان، بھارت، ہندو، سید ہاشمی ص ۱۷

قائم ہوئی تھی اور اس کی فہرست چند میں سرے سے بڑی رقم لارڈ ولزلی نے لکھی تھی اس سوسائٹی کے فنڈ کی معاونت لارڈ ہسٹنگز لارڈ ولیم بنتنک و سر چارلس کلف نے کی تھی، لیکن لارڈ کینگ نے سری رام پور کے سیمپسٹ کالج میں بھی چند دیا تھا یہ کالج ۱۸۱۸ء میں لارڈ ہسٹنگز کے زمانہ میں قائم ہوا تھا، وہی اس کے اول پٹرین ہوتے تھے بعد ازاں گورنر جنرل نے اس کی امداد کی

”فرنگیوں کے خلاف طرح طرح کی افواہیں

### مذہب بدلنے کی سرکاری کوششیں

ذرا سی دیر میں ملک بھر میں پھیل جاتی تھیں ان سب میں سب سے بڑھ کر یہ گالی گلوں کو شتمل کرتی رہتی تھی کہ انگریز ہندوستانیوں کا دین بگاڑنا اور انہیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ محض ہوائی اور بے بنیاد افواہ نہ تھی، زیر نظر عہد میں عیسائی پادری ٹیب قریب ہریٹے شہر اور ضلع میچیل گئے تھے جگہ جگہ جا، وعظ خانے مدرسے خانقاہیں تعمیر ہوئیں طرح طرح کی تدبیروں سے دین مسیحی کی تبلیغ ہوتے لگی۔

کپنی کی حکومت اہل ہند کے مذہبی عقائد و اعمال میں مداخلت کرنے سے تحاشی دیتی تھی۔ مگر عیسائیت کی علانیہ حامی تھی پادریوں کی تنخواہیں مقرر تھیں تبلیغی اداروں کی اعانت کی جاتی تھی انیسویں صدی کے اکثر تعلیم یافتہ فرنگی دین سے برگشتہ تھے مسیحیت کے بنیادی مطالبات کو عقل و تحقیق کی عدالت میں غلط ثابت کرتے تھے ان کا پادریوں کی سرپرستی کرنا سیاسی مصلحت یا قومی عصبیت پر مبنی ہو گا مگر ان میں ایسے روشن خیال بھی پائے جاتے ہیں جو چاہتے تھے کہ پادری عیسائی مذہب کی صداقت ثابت کر سکیں یا نہ کر سکیں اہل ہند کے اوامام کا ضرر ابطال کریں، اور انہیں اپنے دین و مہم سے بیگانہ یا مشکوک بنادیں۔

ذیل کا واقعہ اپنے اندر عبرت و وعظت

لاوارش چتے مشروں کو دیدئے گئے

کے کیسے کیسے پہلور کھتا ہے :-

ط : تاریخ عروج و زوال کشمیر از کار اللہ ص ۶۹

ط : تاریخ پاکستان و بھارت جلد دوم (سید ہاشمی) ص ۳۲

سرسید صاحب کو جب اسٹریچی صاحب نے قحط کا انتظام سپرد کیا تھا تو سرسید نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس شرط پر انتظام کرتا ہوں کہ جتنے لاوارث بچے آئیں گے ان میں جتنے مسلمان ہوں گے مسلمانوں کو اور جتنے ہندو ہوں گے ہندوؤں کے سپرد کئے جائیں گے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جتنے لاوارث بچے آئے وہ ہندو مسلمانوں کے سوا کسی مشینری کو نہیں دیئے گئے، مگر حسب ہدایت اسٹریچی صاحب کے جو بچے جس کے سپرد کرتے تھے ان سے ایک اقرار نامہ لکھوا لیتے تھے کہ ہم اس کو نوٹڈی یا غلام نہیں بنائیں گے یہ تیار ہو جائے کے بعد جہاں جی چاہے رہے جہاں جی چاہے چلا جائے۔

لیکن ہنوز قحط کا انتظام ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ جان اسٹریچی مراد آباد سے بدل گئے اور سٹراورٹن کی جگہ آئے مشینریوں نے اسٹریچی صاحب کے سامنے قدم نہ مارا۔ مگر ان کے جاتے ہی سٹراورٹن سے سرسید کی شکایت کی اور یہ چاہا کہ تمام لاوارث بچے جو ہندو مسلمانوں کو دیئے گئے ہیں وہ واپس بھیجے جائیں اس زمانہ میں سٹراورٹن ڈسٹریکٹ پیسیر جو سرسید کے نہایت دوست تھے مراد آباد میں حج تھے انھوں نے سرسید کو خبر دیا سمجھا یا کہ جتنے لڑکے اور لڑکیاں خاص تھیں اسے سپرد کی گئی ہیں وہ تم سے نہیں لی جائیں گی۔ مگر اد لوگوں پر اعتماد نہیں ہو سکتا کہ وہ ان کو نوٹڈی غلام نہ بنائیں گے مگر سرسید نے ہرگز نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ میں نے اس شرط پر قحط کا انتظام اپنے ذمہ لیا تھا کہ لاوارث بچے مشینریوں کو نہیں دیئے جائیں گے اور اسٹریچی صاحب کو نمٹ میں رپورٹ کر چکے ہیں کہ لاوارث بچوں کا اس طرح بندوبست کیا گیا ہے پس اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے مجھے جس طرح یہ گوارا نہیں کہ ایک سرسید کا بچہ مشینریوں کو دیا جائے اسی طرح یہ بھی گوارا نہیں کہ ایک چھار کا بچہ ان کو دیا جائے۔

سٹراورٹن کو جب سرسید کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی چونکہ اس زمانہ میں ہندوستانی تہ سے زیادہ ڈرے ہوئے اور سستے ہوئے تھے اور انگریزوں کے خلاف کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

سرسید اور ایک دو اور ممبران کے سوا تمام کمیٹیوں کا اتفاق ہو گیا کہ جتنے بچے ہندو مسلمانوں کے سپرد کئے گئے ہیں وہ واپس لیے جائیں کیونکہ ان پر ہرگز اعتماد نہیں کہ وہ ان کو نوٹڈی غلام نہ بنائیں گے، خواہ



کیٹی کی یہ رپورٹ منظر ہو گئی، اور تمام لاوارث بچے ہندو مسلمانوں سے واپس لے کر مشینوں کو لوہا دیئے گئے، سرسید کے ہاں بھی چار یا پانچ لڑکے اور لڑکیاں رہتی تھیں اور ان کی بیوی ان کو کمال شفقت سے رکھتی تھیں، سرسید نے پہلے اس سے کہ کوئی ان سے مانگے آئے فوراً کلکٹر کے پاس بھیج دیا، جاتے ہوئے وہ بچے زار و قطار روتے تھے اور ہرگز جانا نہیں چاہتے تھے مگر مجبوراً ان کو بھیجا پڑا!

مسٹر روبٹ ٹوڈر وٹکر صاحب جج تھے جو سچے عیسائی اور جج بھی اور عیسائی مبلغ بھی | نیک مسیحی تھے انھوں نے فتح پور کے دروازے پر چار پتھر

کے میار کھڑے کئے تھے اور ان میں سے دو پر احکام عشرہ اور دو پر عقاید مسیحیہ کندہ کرائے تھے تاکہ ہندو مسلمانوں کو مذہب عیسائی کے عقاید سے اطلاع ہو جائے، انھوں نے لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی اور کسی نے ان کو ستایا نہیں!

غدر کا ایک سبب ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کی ناانصافی اور بدسلوکی | اور بدسلوکی بھی تھی۔

(۱) دسمبر ۱۸۵۷ء میں الگنڈر کو قتل کی سزا میں ایک سال قید اور بیس روپیہ جرمانہ کیا گیا  
(۲) ایک انگریز فوجی کو اسی جرم قتل کی سزا فقط ایک ہفتہ اور ایک روپیہ جرمانہ کافی سمجھی گئی۔  
(۳) لفٹنٹ رائٹ نے ایک فوجی افسر کو مار ڈالا تھا، عدالت عالیہ سے سو روپیہ اور ایک ماہ کی قید سزا ہوئی۔

انگریز حاکمان عدالت کے یہ چند فیصلے منوفی کے طور پر یہاں اس لیے دہرائے گئے کہ ان دنوں کمپنی کے عہدے دار بار بار زور دیتے تھے کہ ہندوستانی حاکم بالکل قابل اعتبار نہیں، تعزیری مقدمات

ط : حیات جاوید (حالی) ص ۶

ط : تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ذکار اللہ) ص ۵۳۴ -

ط : انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ (شائع کردہ ہندوستانی (اکیڈمی الہ آباد) ص ۶

ط : آکسفورڈ دہرٹری



میں صاحبان انگریزی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں

انہوں نے حکم صادر کیا کہ گوروں کی ہر ایک میں شکمے لگائے جائیں  
**”صبا“ اور ”قلی“** | اور ان کے چھلنے کے لیے قلی نوکر رکھے جائیں اور انکا سارا خرچ

سرکاری خزانے سے اٹھایا جائے گا

اب انگریزوں کی جرأت بیان تک بڑھی کہ انہوں

نے کار توں میں چربی استعمال کرنا شروع

**کار توں میں چربی کا استعمال**

کر دی۔

”انفیلڈ رائفل کے لیے کار توں میں چکنائی چربی سے دی جانے لگی جس میں یہ تیز نہ تھی کہ

وہ چربی کس جانور کی ہے گائے، بھیڑ، سوڑ اور بکری کی ہے۔ اگرچہ اس میں سوڑ کی چربی نہ تھی مگر

گائے کی چربی ضرور تھی۔“

جس چیز نے ہندوستان کے لوگوں کو انگریزوں سے متنفر کیا اور

بہادت پر اکسایا وہ الحاق کی پالیسی بھی تھی نہ جانے کتنی

**الحاق کی پالیسی**

ریاستیں وہ ہضم کر چکے تھے لیکن ان کی جمع البتہ کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی، جب سرقہ ملتا تھا کہی

نئی ریاست پر ماتہ صاف کر دیتے تھے۔

”آریخی واقعہ کے طور پر یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ الحاق اودھ نے بدلی میں اضافہ کر دیا تھا اور

اس کی وجہ سے بہادت جلد ہی رونما ہو گئی۔ الحاق کا اثر ہندو مسلمانوں دونوں پر پڑا اس لیے کہ اودھ میں

ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے اور مثالیں لیجئے سیکھولی کے برالہ کی بہادت لکھنؤ

۱ : تاریخ پاکستان بہادت جہدیم اسید لاشی : ص ۲۶۱

۲ : تاریخ ہندوستان عہد عروج انگلشیہ (ذکار اللہ)

۳ : تاریخ عروج عہد انگلشیہ (ذکار اللہ) ص ۲۱۳

## انگریز غاصب تھے

انگریزوں کا ایک روزنامہ نویس بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ میں اپنی رودادِ غدر کی اہمیت اس بیان

سے کرنا چاہتا ہوں کہ خواہ انگریز اپنے متعلق کچھ ہی کیوں نہ خیال کریں، ہندوستانی انھیں غاصب سمجھتے تھے اور اس احساس میں صوبہ اودھ کے الحاق نے اور زیادہ شدت پیدا کر دی تھی۔

## بادشاہ سے بدسلوکی

بہادر شاہ کے ساتھ انگریزوں کا جو رویہ تھا، اس نے بھی غدر کو برپا کرنے میں مدد دی کیونکہ ہندو مسلمان دونوں اس حرکت

بے حد لال تھے۔

”دہلی کے باشندے اس بات کے عادی تھے کہ جب کبھی ان کے عظیم الشان شہر پر قبضہ کیا جائے تو اسے لوٹ لیا جائے اور اس کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا جائے ۱۷۹۷ء میں اگرچہ تیمور نے دہلی کو لوٹا اور پانچ دن تک قتل عام جاری رکھا تاہم اپنی روانگی کی یادگار قائم کرنے کے لیے اس نے انسانی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنوایا اور ناصر الدین کو تخت پر بٹھا کر نصرت ہو گیا اسی طرح جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے شہر پر قبضہ کیا تو اس نے ہندوستانی مورخین کے قول کے مطابق ایک لاکھ باشندوں کا قتل عام کیا اور بادشاہ اس کے اُس نے محمد شاہ کی جان نہیں لی بلکہ تخت پر بٹھا کر اپنے ملک کو چلا گیا، ہر دولت کے بعد شہنشاہ تخت پر قائم رہا اور رفتہ رفتہ اپنی شہرت کو دوبارہ حاصل کر لیا اس لیے جہاں ہندوستانی باشندے دولت مند وہ بادشاہ کو اپنا شہنشاہ قبول کر لیتے تھے وہاں اس امر کا ہمیشہ امکان رہتا تھا کہ وہ اپنی طاقت کو دوبارہ حاصل کرے گا جو انتظار کرنے پر تامل و صابر تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ انگریز جانشینی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں اور خاندانِ منطیہ کو منتر شکر دینا چاہتے ہیں تو اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے جذبات کو ٹھیس لگی جب ۱۷۵۲ء میں بہادر شاہ، اکبر شاہ کے بعد جانشین ہوئے تو اس وقت گورنر جنرل کو ہدایات کے مطابق اس امر کی کوشش کی گئی تھی کہ ایرٹ انڈیا

ط : خدنگِ غدر ۴۳

کمپنی کے حق میں تمام رعاد ی سے درست برواری حاصل کر لی جانے لگی۔ مگر بادشاہ نے جو اس وقت من ریدہ تھے یہ درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دوسری تجویز یعنی بادشاہ کو قطب صاحب بھیج دینے کی تجویز بھی نہایت غصہ کے ساتھ مسترد کر دی گئی۔

حقیقت شناس انگریز بھی تسلیم کرتے ہیں کہ غدر برپا کرانے میں خود ان کا انگریز بھی مانتے ہیں | حصہ کسی سے کم نہیں۔ غدر اگرچہ بادی النظر میں بنگالی دستہ کی ایک فوجی بغاوت تھی جو چربلی واسے ہارتوسوں کے استعمال سے بھڑکی لیکن آخر کار یہ صرف فوج تک محدود نہیں رہی سواں رعایا میں بہت حد تک چینی اور بے طینانی کے جذبات موجود تھے چنانچہ بدستگ متعاقبات پر فوجی سپاہیوں کی بغاوت سے پہلے وہاں کی سول آبادی نے بغاوت شروع کر دی۔

بنگالی مورخ بابور میش چندر لکھتے ہیں کہ :  
 ” اس میں کوئی شک نہیں کہ بہتہ ایس شمالی اور وسطی ہندوستان کی فوج میں بغاوت ہوئی لیکن بعض سیاسی اسباب کی وجہ سے اس نے وہاں کی بڑی بڑی جماعتوں میں پھیل کر ایک عام سیاسی بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ہندوستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبضت میں شامل کئے جانے کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے کہ کمپنی کا منشا و اصل تمام ہندوستان کو فتح کر لینا ہے اس لیے اس مقصد کے زیر اثر کمپنی نے تمام معاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے لوگوں میں عام بے چینی تو تھی مگر جس سبب سے بغاوت کے رہنماؤں نے فائدہ اٹھا کر اشتہارات اور اعلانات کے ذریعہ لوگوں کو غیر طلبیوں یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوس ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی۔“

ص ۳۲ غدر کی سحر تمام (مطکات صاحب کا مقدمہ) ص ۳۲

- (2) P. 722 BY ALOCORTHILL, LOST DOMINION.  
 (3) INDIAN IN THE VICTORIAN AGE. 223.

مٹر ڈنڈلی (DISRARLI) وزیر اعظم انگلستان نے ۱۰ جولائی ۱۹۵۷ء

کو اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا :-

”مجھے یہ کہنے میں ذرا ہمتاں نہیں کہ بنگالی دستہ کے باغیوں نے محض فوجی تکلیفات کی بنا پر بغاوت نہیں کی بلکہ درپردہ وہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھے تھے۔ دوسری قوموں کے جذبات کا احترام کرنا ہماری حکومت کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے جس کو گورنمنٹ ہند نے گزشتہ چند سالوں سے بالکل خیرباد کہہ دیا ہے چنانچہ اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ملک کی تقریباً تمام مقتدر جماعتیں اپنے آپ کو خطرہ میں محسوس کر رہی ہیں۔“

لارڈ رابرٹس (ROBERTS) سٹرائفین (ANSON) کی ایک چھٹی کا اقتباس پیش کرتے ہیں جو اس نے غدر کے ایام میں بحیثیت سپر سالار لارڈ کیننگ (CANNING) ویرائے ہند کو لکھی تھی۔

”کار تو سوں کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے سپاہیوں کے اعتراضات پر مطلقاً حیرت نہیں ہوئی، مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ کار تو سوں میں ایسی عکین چیز کا استعمال کیا جائے۔ جو بالکل چربی ہے، گوئی کے وہانے کے بعد ہندوؤں کے منہ کی جالی اسی چربی سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔“

گورنمنٹ کی مفید پالیسی پر حیرت گیری کرنا اور اسے غدر کے پھٹنے کی بنا قرار دینا درست نہیں بلکہ درحقیقت اس آگ کا محرک وہ بیدارانہ سزا کا حکم ہے جو نہایت

- (1) THE LIFE OF BENYOMIN. DISS-  
ROLLI BY G. R. BUEKEL VOL. IV  
P ۴۸.
- (2) FORTY ONE YEARS IN INDIA  
P ۹۴.
- (3) EARL CANNING SIR H. CUNNIG-  
HAM.



ہی ذلیل طریق سے میرٹھ کی چھاؤنی میں ماسور کیا گیا۔

کاتوس کی چربی پر احتجاج کرنے والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا جس نے بالآخر غصہ کی آگ بھڑکادی اور سارہندوستان اس کی لپیٹ میں آگیا۔

تاریخ جنگ سپاہ کا مصنف لکھتا ہے :-

ہندو قوں اور سنگینوں کے پرے میں پچاسی جوانوں کو فوجی لباس میں سپاہیوں کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا مہرا کو بلند آواز سے سنایا گیا جس کا مقصد سپاہیوں کو بدکار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا۔ ان سے فوجی نشانات چھین لیے گئے، پشت کی طرف سے ان کی وردیاں بھاڑ دی گئیں، لوہار زنجیریں اور آلات بے کر آگے بڑھے، اناٹا پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس وسیع مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشیں اور ظاہری علامات یعنی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں نظر آئے یہ نہایت ہی دردناک اور ذلت آفرین نظارہ تھا۔ سپاہی بے حد متاثر ہوئے، جب انھوں نے اپنے بد قسمت ساتھیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت اور ایو سائے انداز کو دیکھا، ان میں سے بعض اپنی ٹیٹن میں ہر دو عزیز تھے ان میں کئی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بھلائی حکومت کی ترقی کے لیے اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔

وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بے عزتی کو غموشی سے برواثر کرنے پر انھیں شرمندہ کیا اور غیرت دلائی۔ اس وقت ایک بھی سپاہی اس میدان میں ایسا نہ تھا جس نے اپنے سینہ میں ہر واقعہ سے نفرت رنج کے جذبات

ط : انقلاب ۱۹۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۶۱

پیدا ہوتے ہوئے محسوس نہ کئے ہوئے ہوں، لیکن بھڑکی سیدانی توپوں، بندوقوں اور  
سواروں کے چمکتے ہوئے ضجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا،  
چنانچہ قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں میں سے گئے پرہ دینے کے لیے انھیں کے ساتھیوں  
کو مقرر کیا گیا۔

---

ما : تاریخ جنگِ سپاہ — کمپنی کی حکومت ۲۶۷

# تم نے لولی کشت و ہماں تم نے چھینے تخت و تاج

## مداخلت • الحاق • بدعہدی • پیش قدمی

ہندوستان پر انگریزوں کا عہد حکومت، شکست و ریخت، تخریب و انہدام، بدعہدی اور خلافِ دہدی، مکر و دھوکہ، دروغ و فریب اور حرص و جوس کی پکسل تاریخ بنے جس میں کہیں غلامی نظر نہیں آتا۔ انھوں نے معاہدے کیے، اس لیے کہ توڑیں، انھوں نے عہد نامے لکھے، لیکن جب چاہا، لوگ خنجر سے پھاڑ دیا، انھوں نے دوست کا جہ و پ بھرا، اور دشمن کا کردار ادا کیا، انھوں نے قور و قور کیا۔ لیکن پابندی کی رحمت بھی نہیں گوارا کی، ان کے منہ سے جو بول نکلے وہ سچے تھے، لیکن عمل کی میزان میں پہنچ کر وہ جھوٹ بن گئے۔ انھوں نے اپنے مطلب اور مناد کی خاطر دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو دشمن بنایا، جسے طاقتور دیکھی، اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے، جسے کمزور پایا، اس کے پیٹے جلا دیے گئے، جس کے دشمن بنے اس سے یاری کر لی، جس کے دوست ہوئے اسے کہیں کا نہ رکھا، کھا کھا کر ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

مہجور کا لباس پہن کر گئے تاج شہزادی سر پر رکھ لیا اور جو پشت ماب پشت سے ادا لگ شہی پتھان چلے آئے تھے انہیں فقیہ بے نوا بنا دیا

تم نے لولی کشت و ہماں تم نے چھینے تخت و تاج

انگریزوں کا دور تجارت، سیاست اور حکومت کا مجموعہ تھا وہ کہیں تاجر تھے کہیں سیاست دان اور مذہب کہیں کارفرما اور فریب روا، لیکن ان کی ہر چیز پر تجارت غالب رہی یہ وہ خصوصیت ہے

جو ان کی فطرت بن چکی ہے، دنیا میں بڑے بڑے انقلابات آئے، خود انگریز قوم بھی طوفان بدوش اور ارجحیات سے دوچار ہوئی، لیکن اس جبلت اور فطرت میں کوئی فرق نہیں آیا :  
 غرض کہ تحریکات و عوامالِ سمجھ میں نہیں آسکتے — جب تک ان کے اقدام و ہجوم، پیش قدمی اور مداخلت کی پالیسی کا ایک خاکہ ہجڑی نظر کے سامنے نہ ہو اس آئینہ میں ان کی فطرت کے خدو خال بہت واضح اور نمایاں نظر آتے ہیں ہندوستان کے ولسیان ریاست اور آزاد و مستقل مملکتوں کے ساتھ محکم اور متحکم معاہدوں کے باوجود جو ظالمانہ سفاکانہ اور ملزسہ غیر منصفانہ برتاؤ ملحوظ رکھا، وہ تاریخ نشقوات کا ایک اندوہ انگ باب ہے اور انگریزوں کی تاریخ بھی خواہ آبِ نر سے لکھی جائے، لیکن اس کی سیاسی اپنی رو سیاسی چھپانہ سکے گی :  
 قبل اس کے کہ قلم کار ہوا حقائق اور واقعات کے میدان میں آگے بڑھے مشہور ہنگامی تاریخ پر پیش چندہ کا یہ نتیجہ فکر پیش نظر ہے تو اچھا ہے وہ فراتے ہیں :-

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں شمالی اور وسطی ہندوستان کی فوج میں بناوت شروع ہوئی لیکن بعض سیاسی اسباب کی وجہ سے اس نے دال کی بڑی بڑی جماعتوں میں پھیل کر ایک عام سیاسی بناوت کی شکل اختیار کر لی لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ہندوستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایٹم یا کپنی کے مقبوضات میں شامل کیے جانے کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے کہ کپنی کا فساد و اصل تمام ہندوستان کی تسخیر ہے اس لیے اس مقصد کے زیر اثر کپنی نے تمام معاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے لوگوں میں عام بے چینی تو موجود ہی تھی جس سے بناوت کے دنداؤں نے فائدہ اٹھا کر اشتادات اور اعلانات کے ذریعہ لوگوں کو غیر لکھپوں یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوس ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی :

(۱) کپنی کی حکومت :



## پیشوا کا حشر

مرہٹوں اور انگریزوں کے مابین دوسری جنگ ۱۸۱۸ء میں ہوئی۔ پیشوا باجی راؤ، ترمٹ ہار گیا اس نے شکست قبول کر کے انگریزوں کو بہت بڑے دوسرے نجات دی، خود پیش پرتو عمت کرنے پر آمادہ ہو گیا اور انگریزوں کو شناسی کرنے کا موقع دے دیا۔ دوسرا لکم کی سرکاری سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے خوش آئند مستقبل، بول پیریتاؤں، حوصلوں، انگڑوں سب سے دستبردار ہو گیا، حالانکہ اس کی پوزیشن مضبوط تھی وہ رٹلی جاری رکھ سکتا تھا اور شاید کامیاب بھی ہو سکتا تھا۔

پیشوا باجی راؤ کو سرالکم نے اپنی تدبیر اور دانش مندی سے اسیر کر دیا۔ نہیں جانے دیا جہاں کامیابی کے روشن امکانات تھے اپنے الفاظ کے طاسم میں اسیر کر لیا، جہاں پیشین کے سوا کچھ نتیجہ نہ تھا، جب ایسٹ انڈیا کے کورٹ آف ڈائریکٹرز میں پیشوا کا سنا پیش ہوا تو اس کا کام حریف پر رحم کرنے یا مزید سختی کرنے کے سوال

### پیشین کا فیصلہ

پر اختلاف رائے پیدا ہوا، اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، اس کی قسمت اب کمپنی ہمارے ہاتھ میں تھی مخالفت اور موافق اظہار رائے کے بعد سر ڈیوڈ اوکٹر لونی، سر طامس منزو، الفنسٹن، صاحب، جیکنس صاحب کی رائے یہ تھی کہ اگر پیشوا اسیر کر لے جائے کہ وہ سپاہ کو لے کر چلا جائے تو رٹائی کو بڑا طول ہوتا کیونکہ اس قطعہ کے حاکم کو زندہ جانے قطع حکم بھیجا تھا کہ وہ پیشوا کی دل و جان سے امداد کرے اس لیے اس کو ایسی شرطوں پر راضی کر لینا کہ اس کے حق میں سخت نہ تھیں اور سرکار کے مفید مقصد تھیں نہایت دانش مندی کا کام سرالکم کا تھا اگر کوئی شخص اس طم پر مقرر ہوتا، کسی شرط پر پیشوا کو راضی نہ کر سکتا، برسرِ مابن ہی وہ افسوس پڑھ کر پھونکنا تھا کہ وہ اس قدر پیشین پر راضی ہو گیا۔

اب پیشوا کو بھٹہ میں گنگا کے کنارے سے برکاپور سے سوڑ میل بھیج دیا، ایسے ہی باجی راؤ کے بھائی امرت راؤ کی پیشین راؤ دلائی نے سات لاکھ روپیہ سال

### پیشوا کی جلاوطنی

مقرر کی اور بنارس میں کے رہنے کے لیے تجویز ہوا، اس نے بھی اکیس برس پیشین پانی، ان دنوں بھائیوں نے

چلا کر ڈروپہ خزانہ سرکار سے پیش میں لیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں فائدے عمد کے لیے اتنا پیسہ اس طرح خرچ کرنا سرکار کیسے ہی کا حصہ تھا کسی اور فراموش سے ہونا مشکل تھا۔

لیکن یہ پیشوا، جب اپنی وفاداری پر ثابت قدم رہ کر اس دنیا سے رخت بھرا ہندوستان دھکا، اور اور اپنے متنبی کو اپنا وارث اور جانشین مقرر کرنا چاہتا تو اس کی زندگی میں کبھی نہ آنکھیں بدل لیں اور اس کے مرنے کے بعد پھیریں، بہتر سوگایہ داستان ہم تاریخ کی زبان سے سنیں :-

۱۷۰۷ء میں مرہٹوں کی دوسری لڑائی کے بعد پیشوا باجی راؤ نے اپنے تین سربراہ مالک کے حوالے کر دیے۔  
 تھا اس نے، ہزیمت پائی اب سو اس کے چارہ ہتھاکہ بھٹوروں کی طرح بھاگتا پھرے یا اپنے تین برٹش گورنمنٹ کے فضل و کرم و رحم کے سایہ میں لائے اس نے اپنے تین انگلش جرنل کے حوالے کیا وہ جانا تھا کہ یہ انگلش جرنل میری اس درماندگی اور بے چارگی کی حالت میں دست گیری اور فیاضانہ سلوک کریگا۔  
 مالک صاحب نے گورنمنٹ سے اس کی آٹھ لاکھ روپیہ کی پیشین گوئی کہ اس میں وہ اپنا وفادار پیشوا اور اپنے فائدان کا گزارہ کرے معزول پیشوا بڑا وفادار اور خیر خواہ تھا اس کے آدمی

وفادار پیشوا

نیک ملین تھے، نیک چلنی اور پیشوا کی خیر خواہی غالی خولی نہ تھی بلکہ جب سرکار ہندی کا خزانہ جنگ افغانستان میں غالی ہو گیا تھا، تو پانچ لاکھ روپیہ اس نے قرض دیا اور جب پنجاب کی طرف سے حملہ ہوا، لیشہ ہوا اور تمام ملک میں مشہور ہو گیا کہ سکھوں اور مرہٹوں میں اس میں اتحاد ہو گیا ہے، تو پیشوا نے اپنی خیر خواہی کا ثبوت اس طرح دیا کہ اس نے سرکار سے درخواست کی، میں اپنے خرچ سے ایک ہزار سوار اور ایک ہزار پیدل جمع کر کے برٹش گورنمنٹ کی خدمت کرنے کے لیے حاضر ہوں جیسی اس کی طبیعت میں برٹش گورنمنٹ کی خیر خواہی تھی ایسے ہی اس کے پاس خیر خواہی دکھانے کے اسباب بھی موجود تھے اس کی پیشین گوئی ایسی بڑی تھی کہ شاہانہ خرچ کے بعد ہی بہت روپیہ پس انداز ہوتا تھا، سوال یہ تھا کہ اس دولت کا مالک اور وارث کون ہوگا سو اس نے اپنے ہی کنبہ میں سے اپنے مرنے سے چند سال پہلے ایک لڑکے کو متنبی کیا :-

پیشوا کا وصیت نامہ | اس نے وصیت نامہ میں لکھا کہ دوند نہیت ناما میرا بڑا لڑکا ہے اور گنگا دھر راؤ میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے اور سدا شیو بھٹ دوسرا

بیٹا ہے جس کا بیانیہ واک راؤ میرا پوتا ہے جس پر میرے تین بیٹے اور ایک پوتا ہے اور میرے بعد دوند نہیت ناما میرا بڑا بیٹا تھا پیشوا کی گدی کا وارث ہے اس نے برٹش گورنمنٹ سے درخواست کی ہے کہ وہ ناما کو میرا جانشین اور دولت و خزانوں کا مالک مانے اور اس کو خطاب و ریش پیشوا کی عنایت کرے یہ درخواست منظور ہوئی، مگر سرکار نے اس سے انکار بھی نہیں کیا، وعدہ کیا کہ باجی راؤ کے منہ کے بعد اس کے خزانہ کے لیے کوئی مناسب تدبیر کی جائے گی غرض یہ معاملہ آئندہ کیلئے اٹھا رکھا گیا۔

پیشوا منہوج اور اندھا ہو گیا تھا بظاہر معلوم ہوتا تھا محاصل ہند کی گردن پر اب زیادہ دنوں تک اس کی پیشین کا بوجھ نہیں ہے گا۔

۲۸ جنوری ۱۸۲۹ء کو پیشوا نے شتر بری کی عمر میں اس دنیا کے دیکھنے سے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کیں، ۱۸۲۹ء کو لکھا ہوا اس کا وصیت نامہ موجود تھا جس میں لکھا تھا کہ میرے بعد دوند نہیت ناما میرا جانشین ہے پیشوا کی گدی کا محکمہ دولت کا اثبات البتہ کا خزانہ کا غرض ہر طرح کیسے ال: اسباب کا لک ہو گا۔

کشنر کی سفارش مشرو | جب باجی راؤ مراٹھا ناما کی عمر ستائیس برس کی تھی وہ ایک نوجوان شخص تھا بیہودہ عادت نہیں رکھتا تھا، فواحش میں مبتلا نہ تھا اور

اپنے سائے کام صاحب کشنر کی صلاح کے موافق کرنے کو تیار رہتا تھا تیس لاکھ روپیہ کا وارث ہونے کو تھا جس میں سے زیادہ تر پریشوری نوٹ تھے مگر اس کا کذبہ بڑا تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ سرکار معزول پیشوا کی پیشین کا ایک حصہ اس کے کنبے کو بھٹیور میں عطا کرے گی، انتہا تمام سعادت کا سوبہ دار راجنہ نہیت کے ہاتھ میں تھا جو بچاؤ نادار ہو خواہ پیشوا باجی راؤ کا تھا وہی برٹش گورنمنٹ کے محکمہ ناما صاحب کے سعادت کی دولت اور پیروی کرتا تھا، اس نے گورنمنٹ سے عرض کیا کہ آپ ہی ناما صاحب کے اس باپ اور مالک و اتا ہیں بھٹو کے کشنر نے پیشوا کے کنبے کے لیے سفارش



کی مگر اعلیٰ گورنمنٹ نے اسے منظور نہیں کیا ممالک مغربی و شمالی میں جہوت طاسن صاحب لفٹنٹ گورنر تھے وہ بڑے نیک و اتق تھے مگر وہ ہندوستانی رئیسوں اور امیروں شہزادوں کی طرف اطمینان نہیں رکھتے تھے انھوں نے کمشنر سے کہا کہ تم پیشوا کے کہنے کے بل میں ایسی امید کو بالکل نہ پیدا ہونے دو کہ سرکار چینی اس کی پیشین سے ممد و مساعدن ہوگی اور حتمی الوسع تم پیشوا کے ملازمین کو یہ سمجھاؤ کہ بھوکہ میں جمع نہ رہیں اور پھر دکن اپنے وطن چھو جائیں +

**ڈیپوٹری کا فیصلہ** | لارڈ ڈیپوٹری گورنر جنرل تھے بھلا وہ اپنے لفٹنٹ کی ایسی رائے سے جو ان کے خیالات کے موافق تھی کیوں اختلاف کرتے۔ انھوں نے

اپنی رائے کو ظاہر کیا کہ کمشنر نے جو سفارش کی ہے وہ نامعقول ہے ہم اس کی نامنتوری میں لفٹنٹ گورنر کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں کہ کسی حالت میں پیشوا کا کتبہ گورنمنٹ پر کوئی استحقاق نہیں رکھتا کہ جس کے سبب سے وہ بھی اس امر کو قبول کریں کہ کوئی حصہ پبلک آمدنی کا اس خاندان کو عطا کیا جائے گورنر جنرل یہ درخواست کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ فوراً خاندان پیشوا کو سنا دیا جائے مگر اس حکم کی سختی میں یہ نرمی برتی گئی کہ بھوکہ کی جاگیر کو بدستور نا صاحب کے قبضہ میں رکھا گیا مگر حکومت کے اختیارات جو پیشوا کو دیئے گئے تھے وہ اس جاگیر وار کو نہیں دیئے گئے

## (۲) بکائی پر پسی کے انعام دار

انگریز اپنے عہد حکومت کے ابتدائی فدر میں سب کچھ برداشت کر سکتے تھے مگر کسی قیمت پر

۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیش (۱۸۵۷ء کا واقعہ) صفحہ ۱۳۴



یہ گولوا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے قبضہ اور تسلط سے پیشتر لوگوں کو، جو مالی اور اقتصادی رعایتیں حاصل تھیں یا قبضہ اور تسلط اختیار کرتے وقت خود انھوں نے جن رعایتوں کی توثیق اور تصدیق کر دی تھی وہ قائم رہیں انھیں چھیننے ضبط کرنے اور واپس لینے کے لیے انھوں نے بدعہدی اور خلاف وادی کے جرائم کا ارتکاب کرنے میں ذرا تاثر نہیں کیا بلکہ

قصور ڈھونڈ کے پیدا کیے جفا کے نیے

انھوں نے سٹے سٹے طریقے وضع کر کے اور نئی نئی صورتیں پیدا کر کے ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیا، جو ان کی نہیں تھیں اور جن کو وہ لے لینا چاہتے تھے، تاریخ کا ایک صنف پھر ایلٹے ۔۔

**محکمین کا تقرر** بریسیڈنسی مینیجنگ کا بڑا حصہ شائع میں پیشوا سے سرکار چھینی کے قبضہ میں آیا تھا، یہاں مرہٹوں کی حکومت میں ہر قسم کے عہدہ داروں اور زمینداروں کو لاخراجی زمینیں دی گئیں تھیں، ان کا نام یہاں انعام تھا، گورنمنٹ کو انعام داروں کے انفصال حقوق میں متکلف پیش آئیں تو یہاں کے یہ ایک انعام محکمین مقرر کیا گیا، جس نے ان انعاموں کو اس طرح ضبط کیا جس سے رعایا میں ایک عام ناراضماندی پیدا ہوئی، مرہٹوں کے ملکوں میں جاگیرداروں نے کبھی یہ تکلیف گوارا نہیں کی کہ وہ اپنی زمینوں کے لیے اسناد رکھتے کہ تحریری شہادت اپنے ثبوت دعویٰ میں انعام کمیشن کے دہرہ پیش کر سکتے وہ فقط اپنی زمین پر قابض ہونے کا ثبوت رکھتے تھے کہ مرہٹوں کے زمانہ میں زمینیں ہم کو ملی ہیں اور ان کے قبضہ پر سالہا سال گزر گئے ہیں اسی قبضہ کو وہ اپنی مہری اسناد جانتے تھے،

جب انعام کمیشن قائم ہوا تو مرہٹوں کے جنوبی ملک تک اس کی شہادت پہنچی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں یہ خبر پھیلی تو لوگوں کے ہر فوج ہو جاتے کہ محکمین اسناد طلب کرنا ہے جو کسی طرح ہم نہیں پہنچ سکتیں ہر روز ان معافی داروں کی قریبانیوں مضطربوں کی ایک فہرست تیار ہوتی جو خوش نصیب اس آفت سے بچ جاتے، اس گروہ کے رنج کو اور بڑھاتے جو بھیڑوں کی طرح اپنی کھالوں پر سے اون کھڑا کر انعام کمیشن کے پاس واپس آتے وہ کسی پیشہ اور کام کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے بھیک مانگنے سے شرم آتی تھی، شگستگی ہٹی خوار کرتی تھی انعام کمیشن نے پتیس ہزار جاگیرداروں کی اسناد

طلب کیوں اور پانچ برس میں اس نے بہت بڑا حصہ ان کا ضبط کر لیا ۱

(۲)

## بھرت پور

دہلی کے قریب بھرت پور جاٹوں کی ایک قدیم اور مشہور ریاست تھی مغلوں کے دور حکومت میں یہ خوب پھل پھولی احمد شاہ ابدالی نے جب پانی پت کے میدان میں مرہٹوں پر کاری ضرب لگائی اور مرہٹے ایمپائر کے منصوبے خاک میں ملائے تو بھرت پور کا راجہ جے ل اپنے گوشہ عافیت میں آرام سے بیٹھا رہا پھر جب انگریز دہلی پر چھا گئے تو بھرت پور معاہدات کے باوجود ان کی زد سے نہ بچ سکا۔ بھرت پور کے داخلی معاملات میں کمپنی کو دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا لیکن ۱۸۲۵ء میں جب بھرت پور کے راجہ نے وفات پائی تو وراثت کے دو دعوے داروں سے متوقع کشمکش ہوئی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی نے بھرت پور کی تسخیر کا عزم کر لیا ۱۸۰۱ء رجب ہی ۱۸۲۶ء کو پچیس ہزار سپاہیوں سے کومبریٹر نے بھرت پور کا ناقابل تسخیر قلعہ فتح کر لیا ۲

بھرت پور پر قبضہ کی داستان بھی بڑی دلچسپ ہے ۱ انگریز دعویداروں **قبضہ کس طرح ہوا** میں سے ایک یعنی خود سال امیدوار کی حمایت میں گئے تھے قابض راجہ نے جس وقت بینا ہزار سپاہ انگریزی اور دہلی توپیں دیکھیں تو آنکھیں کھل گئیں اس سے ہندوستان میں یہ مشہور تھا کہ فقط بھرت پور ہی کا قلعہ ایسا لولا لٹھ تھا کہ جس پر انگریزوں نے بہت کچھ زور مارا اس کو خبر بھی نہ

(۱) تاریخ عروج و زوال گلشنیہ (ذکار اللہ) صفحہ ۱۹۴

(۲) کمپنی کی حکومت صفحہ ۲۹۹

ہوئی سب کی آنکھیں اس طرف روز و شب لگی ہوئی تھیں وہ سب دل سے دعا اپنے خدا سے مانگ رہے تھے کہ جیسی انگریزوں کو پہلے تانکا می ہوئی ہے ایسی اب بھی نصیب ہو۔ لارڈ کیمبرلینڈ جو کانگریس تھے ان کا ہیڈ کوارٹر ۱۰ دسمبر کو بھرت پور کے سامنے قائم ہوا۔ چوراسی توپیں رات دن گولے اس قلعہ کی فصیل پر مارتی رہیں مگر کچھ اثر نہ ہوا آخر کو ایک بڑی سربنگ کھودی گئی اور دن ہزار پونڈ ۷۰ سمین بارود اس میں بھری گئی ۱۰۰ ہجری سال ۱۲۸۷ء کو یہ سربنگ اڑائی گئی اور اس کے اڑتے ہی زلزلہ آگیا آسمان کے نیچے ایک ایسا آسمان اس کے دھوین سے بن گیا مٹی کے ڈھیلے اور لٹری کے کندھے اور ان کے ساتھ آدمیوں کے سر و ہڈیاں گئیں ہوج ہوا پر پندوں کی طرح اڑتے تھے ہزاروں کا مرغ روح اجل کا سید ہوتا تھا غرض اس محاصرہ میں چھ ہزار سپاہی راجہ کے ماتے گئے اور ایک ہزار انگریز قتل ہوئے۔ راجہ درہن سال نے بھاگنے کا ارادہ کیا مگر فرار نہ ہو سکا اگر فدا ہوا پھر ہمارے میں شہر بند ہوا ۵ سو روپیہ کی پنشن مرتے دم یعنی ۲ سال تک ہی چھوٹے سے راجہ کو پھر لارڈ کیمبرلینڈ اور سر چارلس نے منہ پر بٹایا مگر ایک معصوم بچہ کو یا ست کی گدی پر بٹانے گئے تھے۔ غائب پر غالب اگر خدا صاحب کے بھی بادا بن گئے راج کے خزانہ میں پھوٹی کوڑی نہ چھوڑی جو اس خزانہ میں پوتہ بھی رہنے نہ دی مرہم لاکھ روپیہ کے قریب لوٹ کر سیاہ نے اس میں تقسیم کیا اور لارڈ کیمبرلینڈ نے بھی چھ لاکھ روپیہ اپنے حشر کے لیے اور اس کی دیں سو فیصدی بیگم بھی کئی کر دجین سال بخل راج کا انک تھا اور سب خلوت اس کو بھرت پور کا مہاراجہ مانتی تھی اور بلونت سنگھ کے راج کو نہ کوئی غاہر میں اتا تھا نہ دل میں ۛ

## نیپال

نیپال ایک الگ تھلک ریاست تھی وہ نہ انگریزوں کی حلیف تھی نہ حریف  
”گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے“

لیکن انگریز اس اصول کے قائل تھے جو ہمارا انہیں وہ ہمارا دشمن ہے انہوں نے نیپال پر چڑھائی کی  
گورکھے مرنے مارنے میں طاق اور شہرہ آفاق وہ سرکٹانے اور سرکاٹنے کے لیے میدان جنگ میں کود  
پڑے انگریز ایک ہی وقت میں تھوار اور تدبیر کی لڑائی لڑنے کا ہمیشہ سے عادی ہے  
”جب فوج کی بہادری اور نئے اسلحہ سے کام نہ چلا تو سازش کے تیر چلے“ خدادادوں کو کما کما  
کی گئی کماوان کے ہمارے زمیندار گورکھا حکام سے توڑ پیسے گئے، المورے کے قلعہ دار نے  
اطاعت قبول کر لی اور اس وسطی مرکز کے نکل جانے سے دشمن کا دفاعی خط دو ٹکڑے ہو گیا، اپنے معزبی  
اضلاع کی گورکھے حفاظت نہ کر سکے کالی نہی کے جنوب کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا انہیں  
اس سے بھی زیادہ صلح کی یہ شرط ناگوار تھی کہ ایک انگریز قائم مقام کھٹ منڈو میں متعین رہے گا اور  
سنگولی مارچ ۱۸۱۶ء م ۱۲۳۰ھ انگریزوں نے وعدہ کیا کہ نیپال کے اندرونی معاملات میں  
داخل نہ دیں گے اور اس کی خود مختاری کا احترام کریں گے۔



## ستاره

انگریزوں نے ستارہ (پونہ) کے مرہٹہ راجہ کو مدتی رفاقت سرپرستی اور معاہدے کے شکنجہ میں کسا، اس پر پابندی عائد کر دی کہ وہ دوسرے مرہٹہ سرداروں سے رابطہ ضبط نہ رکھے، ان کو اپنے پرچم سیارت کے نیچے لانے کی کوشش نہ کرے، لیکن وہ سیوا جی کی یاد گار تھانہ خود اس پر نامزد ہو سکتا تھا کہ جو حق قدرت نے دیا ہے اس سے دستبردار ہو جائے نہ مرہٹہ سردار اس پر نامزد ہو سکتے تھے کہ اسے اپنا سردار نہ مانیں یہ کشمکش بڑھی تو انگریزوں نے ایک مہرہ بٹایا، دوسرا بٹھا دیا ایک کو معزول کر دیا دوسرے کو سربراہ بنا دیا، پھر حرب دونوں لادہ مرنے تو جنگل کی منطق درخیر کا دیل سے فائدہ اٹھا کر ستارہ پر قبضہ کر لیا ۛ

قبضہ کو رگشت ورنہ در دسربیا ر بود

دیکھیں تاریخ اس ٹریجڈی کو کن الفاظ میں بیان کرتی ہے :-

کپنی پر آپ سنگھ کو ستارہ کا حکمران تسلیم کرنا پڑا تھا۔ اس کے سن طوغت تک کپتان گرانٹ ڈن ریاست کا ناظم مقرر ہوا، شہزادہ جوان ہوا بدوغت کے ساتھ ذمات بھی اُئی کپتان منہی تاج سرداروں کی ذمات کو پنی کے بیسے آنت خیال کرتا تھا پرتاپ سنگھ کو جلاوطن کر کے بنادیں بھیج دیا گیا۔ ستارہ کا جدید حکمران اس کا بھائی مقرر ہوا۔ دونوں بھائی شہزادے میں لادہ مر گئے، ان کے منہ بوسے بیٹوں کو وراثت کا جائزہ سند تسلیم نہ کرتے ہوتے ڈھوڑی ستارہ پر قابض ہو گیا۔ ۱۸ فروری ۱۸۱۸ء کو جرنیل اسمتھ نے ستارہ پر قبضہ کر لیا۔ ہر شہر راجہ ستارہ کا جرم

شیواجی کے خاندان کی راجہ جانی تھا اس کی نصیبوں پر پراپان نشان

شیواجی کا کھڑا تھا، تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پیشوا کے ساتھ خواہ کچھ ہی عہد و پیمان کیسے جائیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرے مرتبہ سرداروں سے طاعت کا طالب نہ ہو اور وہ بھی اس کو پیشوا نہ جانیں۔  
 بسین کے عہد نامہ ۱۸۳۷ء میں یہ شرط تھی کہ راجہ بغیر اطلاع اور مشورہ سرکار ٹھہرنے کے کسی اور رئیس کے ساتھ عہد و پیمان نہ کرے گا مگر اس نے اپنی سرداری سے ہوا اور ٹیسوں پر تھی ہاتھ نہ اٹھایا اور ایک دفعہ سب کو سرکار کی مخالفت پر متفق کر لیا۔

**قبضہ کے بعد کیا ہوا؟** | سرکار نے آٹھ ہزار روپیہ مہوار مہارانی ستارہ کی تنخواہ مقرر کر دی اور چھ ہزار روپیہ مہوار مہارانی کے لواحقین کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

**انگریزی دلیل** | اس قبضہ کی کچھ دلیل بھی ہونی چاہئے تھی۔ انگریز جب کوئی نا انصافی کا کام کرتا ہے تو دوسروں کو سب سے وقت بناتے اور اپنے نفس کو فریب دینے سے نہیں چوکتا، دلیل بگینہ کی طرح ترشی ترشائی پہلے سے موجود تھی۔

۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈرہوزی نے لکھا کہ ستارہ کا راجہ لاوہ مر گیا اس کا ملک ضبط ہو کر انگریزی عہداری میں ملا گیا۔ برٹش گورنمنٹ کو یہ حق ہے کہ جب کسی والی ملک کے ضلعی سپرنٹنڈنٹ اس کے ملک کو ضبط کر کے اپنی عہداری میں داخل کرے ستارہ کا راجہ شیواجی کی اولاد میں سے تھا اور شیواجی مرٹھوں کی سلطنت کا بانی اول تھا، گو اس کی سلطنت کی شان و شکوہ باقی نہیں رہی تھی لیکن پھر بھی اس کی بزرگی اور عظمت کی حکایت زبان و خالق تھی اور مرٹھ ستارہ کے راجہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اپریل ۱۸۴۹ء کے آخر میں ستارہ کا راجہ آپا صاحب مر گیا وہ اپنے بھائی کا بالاشین ہوا تھا جو ۱۸۳۹ء میں اس سبب سے معزول کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف سیفمانہ سازشیں کرتا ہے۔

۱۱) تاریخ ہند (عہد سلطنت انگلشیہ) از ذکاوت صفحہ ۴۱۷

۱۲) سرطاس مشکاف کی ڈائری صفحہ ۱۰۱

۱۳) تاریخ عروج عہد انگلشیہ (از ذکاوت صفحہ ۴۱۷)

لیکن جن انگریزوں نے اس دلیل کو نہ مانا۔ انھیں جاہ و منصب سے ہاتھ دھونا پڑا :-  
 ”معلوم ہوا ہے کہ سٹریٹسکریٹری اور ولیم صاحب نے گورنمنٹ مجسٹریٹ سے درخواست کی تھی کہ ستارہ  
 بیکٹری قبضہ کر لیا جائے مگر گورنمنٹ مجسٹریٹ نے اس تجویز سے احتیاجت کیا تھا اور جواب دیا تھا، ستارہ پر قبضہ  
 کرنے کا تین کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ حق مہاراجہ ستارہ کے وارثوں کا ہے :-  
 جب یہ خبر انگلستان میں پہنچی تو وہاں سے گورنر مجسٹریٹ کے خلاف ناراضگی کا حکم آیا اس لیے گورنر  
 مجسٹریٹ نے گورنمنٹ چھوڑ دی اور ولایت چلے گئے :-

۱۶۱

## ریاست کچھ

جہاں تو اراکام نہیں دیتی، وہاں تدبیر کام دیتی ہے، سندھ کا علاقہ انگریزوں کی نظر میں تھا، یہاں  
 اپنا جھنڈا لگا کر مہم چاہتے تھے لیکن کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ آخر انھوں نے شطرنج کی بساط بچھائی اور  
 مہرے چلنا شروع کیے پیدل بڑھایا، گھوڑے سے تھوڑی فاصلہ پر کھڑا ہوا، بادشاہ کے قلعہ میں مات آگئی  
 سات سو سال پہلے ایک وقت قبضہ مشکل تھا، تین صدیوں کی اتفاقی، غدارمی اور خود غرضی  
 کا علم تھا، یہ علم کلید مراد بن گیا، پہلے ریاست کچھ کی بارانی آئی :-

برطانوی حکومت نے ریاست کچھ کو تسلیم کیا، اس کے بعد ریاست کچھ کا راجا ”انگریزی  
 معاہدات کے مطابق“ کے وسیع جنگیں میں حصہ لے کر تڑپا، پھر کاتھمنڈو نے درتنگ پکڑا، راجا کے

ارکان دولت پہلے ہی اپنے ولی نعمت کے خلاف تھے۔ چینی بہادر کے فوجی دستہ نے آسانی سے قابو پایا۔ حسب معمول راولپنڈی ہوا اسکا شیرخوار تاجہ انگریز قائم مقام کی اتالیقی میں وارث قرار دیا گیا ہے۔ ۱۸۱۹ء میں ریاست کو ایک تہی آب نائے سندھ سے جدا کرتی ہے لیکن ہم سائیکس کے علاوہ ان میں قدیم روابط کا قومی رشتہ تھا۔ امیران سندھ راولپنڈی کے یہ لڑنے پر تیار ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے فریب کی اشتیاق سے ملا دوستی کے نامہ و پیام شروع کیے۔ کئی سال کی کشمکش کا دیش سے خود سندھ میں تجارت کے حقوق نہ پاؤں ٹکانے کی جگہ سے ہی (۱۸۲۶ء) یہ تالیف دین شاخوں میں بٹ گئے تھے۔ خیرپور، میرپور، حیدرآباد میں الگ الگ دربار لگاتے تھے۔ فرنگی سے بدگمانی میں تینوں متفق تھے۔ یہ ان کی سب سے فراست کا ثبوت ہے مگر جلی طاقت کا خانہ غلی تھا بادل ناخواستہ کہنی سے تجارتی مہاجر کو نئے پڑے البتہ یہ شرط کھوائی کہ فریقین ایک دوسرے کے علاقہ پر کبھی ہلچ کی نظر نہ ڈالیں گیں۔

## لنکا، سنگاپور، ملایا

انگریزوں کی طاقت بہت محدود تھی لیکن عزائم اتنے ہی بلند تھے وہ، شواہیوں پر غالب آتے تھے امداد میں مملکت کے پردگراں کو عملی جامہ پہناتے رہتے تھے وہ ہندوستان پر ابھی پورے طور پر قابض نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ہندوستان کی سر ریاست پر نظر رکھتے تھے۔ اطراف ہند کے وہ علاقے بھی جو ان کے استعماری مقاصد کے لیے مفید ہو سکتے تھے ان کی نگاہ و دس سے پوشیدہ نہیں تھے۔



وہ ہر اس مقام پر قبضہ کر لینا چاہتے تھے جو ہندوستان کو قابو میں رکھنے کے لیے مفید اور معین ثابت ہو سکے چنانچہ ان کی نگاہ انتخاب لنکا، سنگاپور اور ملایا پر پڑی اور ایک پروگرام کے ماتحت فوجی طور پر ان سب کو انھوں نے زیر نگین کر لیا۔

**رفتہ رفتہ** انیسویں صدی عیسوی برطانیہ کے حروج اور اقتدار کا عہد شباب ثابت ہوئی جس میں کربلاؤں کے وسیع و درخشاں ترین قطعات اس نیمہ تارک یک جزیرے کے توانی بن گئے، ان میں ہندوستان اور آسٹریلیا بجائے خود بڑا عظم کی شان رکھتے تھے جزیرہ سرانڈیپ (لنکا) کے سوا حل سے پہلے ہی انگریزوں نے ہندوؤں کو کان پکڑ کر نکال دیا تھا ۱۸۰۵ء کو کئی سال ہم چھپنی کے در اسی عمال ہیں کے بندوں کی دیکھ بھال کرتے رہے پھر اسے علیحدہ نام ہی مقبوضہ قرار دیا گیا (۱۸۰۹ء) اور وہاں کے راجہ کو جس کا نام ان دو ہزار سال سے حکمرانی کرتا چلا آتا ہے اس طرح جڑ پیڑ سے اکھاڑاؤ وطن میں بسیرانی کی اجازت نہ دی۔ اسی کے قریبی سین میں سنگاپور کو پہلے اس کے مالکوں سے خرید لیا (۱۸۱۹ء) کہ رفتہ رفتہ برطانوی بیڑے کا بڑا مستقر بن گیا لیکن ال دار ملایا کی اسلامی ریاستوں کی آزادی کوئی پچیس برس بعد پامانی میں آئی ۱۸۲۴ء

(۸۱)

## برما - ملک زنگار

اب برما کی باری آتی ہے۔

۱۱۔ یہ ۱۸۵۰ء کا واقعہ ہے، ڈاکٹر انکو پیڈیا آف برٹانیکا ج ۵۴ صفحہ ۵۴۴

۱۲۔ تاریخ پاکستان بھارت جلد دوم (تیسرا نمبر) ۲۳۵

برما کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انگریزوں کی تجارت نمیشٹ اور معاشرت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور برما کا راجہ برما کے عوام، برما کے خواص، اقدام کی اس پالیسی کو ناپسند کرتے تھے وہ اسے گوارا نہیں کرتے تھے کہ بن کے دیس میں اجنبی لوگ آئیں اور اس کے وسائل و ذرائع پر قبضہ کریں انگریز اسے گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ وسائل و ذرائع ہوں اور انکی دسترس سے دور میں ایسی کشمکش نے جنگ برما کی صورت اختیار کی اور انگریزوں نے اس کے بھی آقا اور مالک بن گئے۔

برما پر قبضہ کی عمدہ بہ عمدہ لیکن مختصر اور مجمل کہانی یہ ہے :-

سلطنت برما کے لوگ بدھ مت کے پیرو مشیر چینی نسل سے

**دھاندلی اور سینہ زوری** | مخلوط ہیں قدیم سے بن کے سنہری منہ (پگھڑا) برما کی زرداری

کے معین رہے کہ پالی اٹلاطینی کتابوں میں اسی کا نام ہی "سونا پرانت" یعنی ملک زنگار لکھا جاتا تھا شمال مشرقی اور جنوبی ساحل تک مل واری پھیلنے کے علاوہ ان دنوں صوبہ آسام برما میں بندھا ہوا تھا ہر می پڑی کبھی کبھی جنگوں کی حدیں چیر کر مشرقی بنگال پر بھی ہاتھ مار جاتے تھے راجہ کے مددگار میں انگریز تاجروں کی کوئی وقعت نہ تھی اکثر انگریزی تارخیوں میں ان کی بے توقیری کے قبضے ملتے ہیں جو ب سرمدی شکایات اور باضابطہ مراسلت پر توجہ نہ ہوئی تو کمپنی نے برما پر بری اور بحری فوج کشی کی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۵ء) اور جگہ جگہ اتنے گولے برساتے کہ بدھی سپاہیوں کے ہوش اڑا دیئے، دو سال کی کشمکش اور صلح میں ہجر مگر کے بعد راجا نے ارکان آسام جنوبی ساحل (آسام) اور ایک کروڑ پیر تاوان جنگ دینا قبول کیا بعد نامہ یزدوستہ ۱۸۲۶ء تا ۱۸۲۷ء) مگر حشرات کے بجائے ولی نفرت کی آگ سلگتی رہی انگریز سفیر و سوداگر بالاتفاق بیان کرتے تھے کہ اہل برما کے ذلت آمیز سلوک میں کچھ فرق نہیں آیا یہاں تک کہ دوسری جنگ کی ذبت آگئی (۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۳ء) راجا اتنی مزاحمت بھی نہ کر سکا جتنی پچاس برس پیش اس کے پیش مدد کر چکے تھے جنوبی برما پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اس پر بھی کہتے ہیں کہ یہ مغربہ حاکم بدستی کرنے یعنی فرنگیوں کے آگے سر جھکانے پر تیار نہ ہوئے پونہ میں بعد برطانوی ولایت کا قیام اسباب آیا اور برما کی رہی سہی آزادی کو ہارنے لگا (۱۸۸۶ء) راجا نے ہتھیار ڈال دیئے منہج کر لی مگر اسے جلاوطن کر دیا گیا

جنگ برما کے تین دور ہیں پہلی رٹائی ۱۸۲۴ء میں ہوئی، برمی بڑی بہادری سے لڑے،  
 لیکن توپ کے گرے نہ مار سکے نہ سہہ سکے، بارگئے، پھر بھی حالت یہ تھی کہ اس  
 جنگ پر ایک لاکھ روپیہ، دو صرف ہو رہا تھا، اس کے باوجود انگریز  
 کاملاً کی رائے یہ تھی کہ انگریزی فوج پرومیا سے آگے نہ بڑھے، البتہ  
 یہاں جوڑے اس سے رٹائی کرے (۱)

گویا ہر طرح کے ساز و سامان جنگ کے باوجود بہادری انگریزوں کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ ایک  
 لاکھ بوز خراج کرنا منظور تھا، مگر آگے بڑھنا منظور نہ تھا؛

صرف بہادری کب تک کام دیتی؟ آخر برمی آتشین گولوں کا مقابلہ  
 نہ کر سکے، ہتھیار ڈال دیئے، آسام اراکان اور تاسرم کا علاقہ انگریزوں  
 کو دے دیا، ایک کرڈناوان جنگ

۱۰ چار قسطوں میں لدا کرنے کا وعدہ کیا اور انگریز ریزٹینٹ کو آوا میں رہنے

کی اجازت دی (۲)

اس طرح انگریزوں کو برما میں سرکاری طور پر رہنے اور وہاں کے معاملات میں براہ راست  
 مداخلت کرنے کا موقع ملا،

اس کے بعد رٹائی کا دوسرا دور (۱۸۵۱ء) شروع ہوا ہے :-

انگریز تاجروں کی شکایت | ستمبر ۱۸۵۱ء میں زنگون کے تاجروں نے ایک غرضداشت  
 لارڈ ڈلہوزی کے پاس بھیجی جس میں انھوں نے لکھا یہاں ہماری  
 جان و مال آبرو محفوظ نہیں ہے بے شمار قزاقیاں و چور پان ہوتی ہیں، چھوٹے چھوٹے بہتان اور الزام

(۱) تاریخ ہند (عہد سلطنت انگلشیہ) ذکا و اندیشہ ۳۴۷

(۲) تاریخ ہند (عہد سلطنت انگلشیہ) ذکا و اندیشہ ۳۵۱



لگائے جاتے ہیں بے قاعدہ محصولات زبردستی وصول کئے جاتے ہیں اور بعض اوقات ان کے واسطے شکنجہ فرسائی بھی ہوتی ہے قصہ مختصر اب ہم ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ اگر گورنمنٹ ہماری محافظت کی خاطر نہیں ہوگی تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر اور اپنے ال و اسباب کا نقصان اٹھا کر یاں سے چلے جائیں گے۔ اس مافریاد پر گورنر جنرل نے برہما کی گورنمنٹ کو لکھا کہ انگریزوں کا جو نقصان اس کی عمل داری میں ہوا ہے اس کے معاوضہ میں وہ دس ہزار روپیہ جرمانہ دے اور رنگون کے حاکم کو جس نے یہ قصور کیا ہے موقوف کرے اور انگلش پریذینٹ کو رنگون یا آوا میں رہنے دے ان درخواستوں کی منظوری کے لیے زور لگانے کے واسطے یہ بہتر معلوم ہوا کہ موڈولبرٹ اپنے بیڑے کو ساتھ لے کر بندرگاہ رنگون میں سیر کرے اگر پانچ ہفتہ کے عرصہ میں دوبارہ اسے اس کے پاس جواب نہ آئے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے نزدیک جو بہتر اور مناسب سمجھے وہ کام کرے؛ جو برمی جنگ کے پہلے دور میں شکست کھا چکے تھے وہ بھلا اب اس انگریزی بیڑے کو دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کب بجا رکھ سکتے تھے؛ چارو ناچار سرطاعت خم کرنا پڑا اور ہر بات ماننی پڑی جسے مانتے پر آمادہ نہیں تھے

**راجہ برما کی عرض والہجاء** اس موقع پر فاتح اور مفتوح غالب اور مغلوب کے مابین نانہ دینا اور مجرور غرور کی جو نمائش ہوئی اسے تاریخ کے آئینہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ راجہ نے معالحت کرنے کے واسطے ارکین سلطنت سفیر بنا کر بھیجے۔ ۲۴ اپریل کو یہ سفر نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے اور تین تین زریں چھتیاں لگائے ہوئے انگریزی کشتیوں سر جان پیپ رکو موڈولبرٹ اور کپتان فائر کے پاس آئے ان کو سلامی توپوں کی آوازی گئی اور ایک کمرہ میں ملاقات ہوئی۔ دوسری دفعہ ملاقات ۵ تاریخ کو ہوئی انھوں نے عاجزانہ یہ درخواست کی کہ پیادے ان سے نہ لیا جائے؛ ہیکو میں بین یا کوئی اور بندہ گا، ان کے پاس رہنے دیا جائے؛ گورنر جنرل کی منظوری کے آنے تک اس مجلس کا اجلاس ملتوی کیا گیا اور تیس دن کے لیے اشتہار

(۱) تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار اللہ) ۱۳۳۰



دیگیا کہ رٹائی نہ ہو۔ مہرٹی کو یہ ایچی گورنر جنرل کے حکم سننے کے لیے بلائے گئے۔ اور ان کو حکم سنایا گیا کہ گورنر جزا امیاد دینے کو راضی ہے مگر باقی پیگو پر قبضہ رکھنے پر اصرار کرتا ہے۔ ایچیوں نے اپنے راجہ کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر پیگو برمیوں کے حوالے کر دیا جائے تو اس کے عوض میں وہ بہت مدد پیسہ نقد دینے کو موجود ہیں یہ درخواست اس کی نامعلوم ہوئی۔ پھر ایچیوں نے عرض کیا کہ راجہ اپنی مملکت کا کوئی حصہ نہیں دے سکتا۔

اگر پیگو اس کو واپس دیا جائے تو وہ مدد پیسہ خاطر خواہ

دے کر صلح کرنے کو موجود ہے انگریز لیڈن یا مرتباں

## چوٹیں گھنٹے کے اندر باہر نکل جاؤ

میں آواز بند گا، رکھ سکتے ہیں مگر برما کا راجہ اپنا کل صوبہ انگریزوں کو نہیں دے سکتا۔ انگریزوں کی کمشنر باتوں کو سنتے سنتے تھک گئے۔ ارٹھی کو انھوں نے برما کے ایچیوں کو اطلاع دی کہ وہ پدم سے چوٹیں گھنٹے کے اندر باہر نکل جائیں

برما کی رٹائی کیوں ہوئی؟ انگریزوں نے کن وجوہ سے اس پر قبضہ کیا، انگریز تاجروں کو کیا شکایات

تھیں اور انگریزوں کا برتاؤ وہاں کے راجہ اور سفر کے ساتھ کیا تھا؟ یہ ساری تفصیلات نظر سے گزر چکی ہیں۔

لیکن انگریزوں نے ہندوستان کے اسکولوں میں پڑھانے سے لیے اسی

## انگریز کیا کہتے ہیں

زمانہ میں جو تاریخ مرتب کی وہ کچھ دہری کہتا ہے۔

”لارڈ ایمرسٹ صاحب ۱۸۲۲ء میں گورنر جنرل ہندوستان کے مقرر ہوئے۔ ان

## داخلت برما

کے وقت میں برما کی رٹائی ہوئی، وجہ اس کی یہ تھی کہ باشندگان ماکان بسبب

ظلم اور تعدی راجہ برما کے اپنا دیس چھوڑ کر سرکار کمپنی بہادر کی عملداری میں آئے تھے اس لیے راجہ برما اور

حاکم اراکان انگریزوں سے ناراض ہو گئے اور جزیرہ شام پوری پر جو کہ قبضہ اقتدار کمپنی بہادر میں تھا برما کی

فوج نے حملہ کیا، انگریزوں نے جن کا مقابلہ کیا کیا یہ رٹائی ۱۸۲۴ء میں واقع ہوئی سرکار کمپنی کی

فوج تگون کو فتح کر کے آواٹک جا پہنچی اس لیے والئی برمانے آسمان اراکان اور تناسرہ کے صوبے

سرکار کمپنی بہادر کے حوالے کیے اور ایک کروڑ روپیہ نقد دیا، تب صلح سرکار سے ہوئی۔

(۱) تاریخ عہد انگلیشہ رتوکا، شہد، ص ۱۲۰۔

(۲) واقعات ہند ص ۱۲۳۔



کہتے ہیں پھر بعض دوسرے گوشوں پر نظر ڈالیں گے :

”احمد شاہ درانی ملتِ اسلامیہ کا گوہر تاج، تھا کہ انحطاط کی گہرائیوں سے اُبھر کر  
پستیوں کے اندھیرے میں چمکا، وہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں اس لئے ممتاز ہے کہ ایک

## پس منظر

نئی قوم کا بانی ہوا، افغانستان کی آزاد مملکت کا وجود اسی کی ہمت و شجاعت کا رہن منت ہے احمد شاہ  
نے کئی بیرونی ملک فتح کیے اور ایک بڑی سلطنت فراہم کی جو اس کے فرزند تیمور شاہ (۱۷۲۳ء تا  
۱۷۴۷ء = ۱۲۰۶ھ) کے زمانے تک قائم رہی پنجاب، کشمیر، سندھ اور شمال میں بلخ و بدخشاں  
بلکہ مشرقی ایران کے اضلاع تک کابل کے زیرِ نگین ہو گئے تھے لیکن شخصی سلطنتوں کی عمر بہت کوتاہ ہوتی  
ہے۔ تیمور شاہ نے مرتے وقت ایک بادشاہی کے لیے تیس بادشاہ زادے دارت چھوڑے : یہی  
کثرتِ حکومت کی وحدت کے حق میں آفت ثابت ہوئی، بھائیوں نے ٹرنا شروع کیا، چند سال کے بعد  
زمان شاہ غالب آگیا اور دادا کا حق لینے کی غرض سے ہندوستان پر بھی حملہ کرنے کا داعیہ بکھاتا  
(۱۷۴۷ء) مگر دو سال بعد ایک معرود ہوا گزیر کی حیثیت سے پنجاب آیا اور اسی انگریز کمپنی کے  
عنایت سے جسے حملہ کی دھمکی دی تھی، مدھیانہ میں اقامت اختیار کی، سنہ ۱۸۰۰ء چند سال میں ہی  
بُورے دن اس کے بھائی شاہ شجاع کو دیکھنے نصیب ہوئے (۱۸۰۹ء) حتیٰ کہ کابل کی حکومت  
درانیوں کے ہاتھ سے نکل کر بارک زئی قبیلے کے فیرو پانندہ خاں اور اس کے اولاد کے قبضہ میں منتقل  
ہوئی، یہی غامدان ابھی تک تخت کابل کا وراثت چلا آتا ہے :

مگر میں پچیس برس کی غارت جنگی اور سیاسی انتشار نے درانی سلطنت کو ناقصے دکھایا اور خود افغانستان  
کو پارہ پارہ کر دیا تھا، پہلا بارک زئی جس نے درانیوں کو دھمکایا اور علانیہ سند شاعری پر قدم رکھا پایندہ غنا  
ذیر کا فرزند دوست محمد خاں تھا (۱۸۲۶ء تا ۱۸۴۱ء) پھر بھی شمال میں ہرات درانی شہزادوں کے  
ہاتھ میں دبارا اور جنوب میں شاہ شجاع سکھوں کی مدد سے حدود کابل پر لاقین پہلے تار مار سے کاریابی  
نہیں ہوئی البتہ اسی تقریب سے ہجرت سنگھ کی فوجیں سندھ پار خیر تک چڑھ آئیں، پشاور میں  
اپنا عمل دخل کر لیا، دوست محمد نے انگریزوں کو دوست بنانے کی کوشش کی، کئی سال تک ہمارے پیام



کے کنکڑے لڑتے رہے اتنے میں ایک بڑا بیچ یہ پڑا کہ جب روس کو پولین کی ترک تاز سے نجات مل گئی تو خود ایشیا میں جولانی دکھانے لگا۔ ایران کی وساطت سے دوست محمد کے ساتھ دستانہ وابلط قائم کیے (۱۸۳۰ء) برصغیر ہندوستان کا علاقہ "شہری مقبوضہ" نہ تھا اور کابل و ہند کے درمیان ان دنوں زندہ اور پنجاب حائل تھے، مگر روس کے بھاری قدموں کی دھمک برطانوی وزارتِ خارجہ کو لندن میں سنائی دی اسی کی ہدایت کے مطابق گورنر جنرل (اک لیسٹڈ) نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ دوست محمد کو کابل سے جبراً نکالا جائے، شاہ شجاع ہی اپنے باپ دادا کی گدی پر بٹھایا جائے کہ وہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ انگریزوں کا تسلط جسنے کا راستہ نکل آئے۔

حقیقت میں اب کمپنی بہادر کو علانیہ منسل عظیم کی جانشینی کے دعوے تھے (اور کابل محمد شاہ کے زمانے تک سلطنتِ مغلیہ کا صوبہ تھا) منصوبے میں ریجیت سنگھ کو براہ راست نام شریک کیا گیا تھا مگر اس نے پنجاب کے راستہ فوج گزارنے کی اجازت نہیں دی نہ اس سے مالی یا فوجی مدد کی گئی دوسرے انہی دنوں خود اس چیمبر ویاں کا پرانا دشمن فالج اگر اور آخر جان سے کر ٹلا۔ کابل کی جنگ تنہا کمپنی بہادر نے لڑی۔

اعلانِ جنگ (اکتوبر ۱۸۳۹ء م سنہ ۱۲۵۴ ہجری) کے ساتھ جنوبی پنجاب اور بلوچستان کے مرکزوں سے دو زبردست

## جنگِ تباہی پیاپی

فوجیں چڑھائی گئیں بلوچستان کے قشتون قاہرہ نے راہ میں معاہدے کے احترام میں سندھ کی آزادی کو روند ڈالا۔ اپریل ۱۸۳۹ء میں دونوں لشکروں کے سیلاب قندھار پر آئے راستے کی دشواری اور جھڑپوں کے حلاؤں کے سوا سفر میں کوئی غنیمت نہ ملا، قلعہ غزنی کی مزاحمت کابل و رواز سے کے سرنگ سے اڑتے ہی ہوا ہو گئی، دوست محمد خاں نے یہ دل شکن خبر اور اس لاؤ لشکر کی آمد سن کر کابل خالی کر دیا اگست ۱۸۳۹ء (۱۲۵۵ھ) میں شاہ شجاع انگریزی فوج کے ساتھ اپنے بھائی پائے تخت میں دوبارہ داخل ہو گیا، ایسی سہل فتح سے حکومتِ پسند انگریزوں کے دل کھل گئے جو صدمے بڑھ گئے ایران کی رقابت روس کی شرارت کے بہانے بناتے رہے مکی معاملات میں داخل ہوجاتے، پہلے فوج کی واپسی ملوئی کر دی اول اول قبائل کو دوستی کا معاوضہ دینا قبول کیا تھا، اب مقتضی ہو کر ادائیگی روک دی ان کا ناگوار طرز عمل بے جا



داخلت شجاع کا شاہ شطرنج رہا، انا دیکھ کر افغانی مسلمانوں کو فتنہ رفتہ احساس ہوا کہ یہ کافر فرنگی حمایت کے بجائے حکومت کی گھات لگا رہے ہیں بلکہ چاندنیاں ہمارے سے میں غالباً شاہ شجاع کے حریف غیرت غضب کی ان چنگاریوں کو ہوا دیتے تھے، یہی بڑھتے بڑھتے آتش قتال بن گئیں، مسلم افغانہ کی شہدش نے ایک ایسی قومی جنگ کی صورت اور وسعت اخست یار زلی جس سے ممالک ایشیا میں برطانوی بزو آزا پہلے کبھی دوچار نہ ہوئے تھے، یہ خالص اسلامی قوم تھی کہ اپنے انحطاط انتشار و جہالت پس ماندگی کے باوجود حمیت کے ہتھیاروں سے لڑی اور یورپ کے توپ و تفلک مکروال فرنگ کا منہ پھیر دیا، ایک ہی سال (۱۲۵۷ھ - ۱۲۵۸ھ) میں صاحب کے اتنی ٹھوکریں اریں کہ مالکان کمپنی سر اسیمہ ہو گئے۔ تجارتی حصہ و خرچ کی زیادتی سے الگ گہرا گئے تھے، آگ لینڈ کو کھٹا کہ ہمیں صاف صاف اپنی ماکامی تسلیم کر کے افغانستان کو چھوڑ دینا چاہیے، مگر یہی زمانہ تھا جب دوست محمد خاں نے اوجڑا و سرحدیں کئے کے بعد اپنے آپ کو انگریزوں کو الہ کر دیا (نومبر ۱۲۵۷ھ) اور صرف دو لاکھ سالانہ وظیفہ برکلتے میں (نظر بند) رہنا گوارا کر لیا۔

**حرص کشور کشانی** | آگ لینڈ کی حرص کشور کشانی نے نظائے کمپنی کی رائے! نئے سے انکار کر دیا اصل میں ہندوستان کے انگریزدارباب بہت یقین رکھتے تھے کہ افغانی شاہ و شہزاد کے قابو میں آنے سے ہاں کی قوم کو اسی طرح دبوچ دیں گے جیسے کہ ہندوستان کے پر خط میں کامیاب ہوئے تھے، کابل کے مسلمان عوام اپنے امیروں و وزیروں سے زیادہ آزادی پسند اور با غیرت نکلے ہم عصر موبخ مارش مین کو اہی دیتا ہے انگریز فوجوں نے جس قدر سفارشی سنے انھیں انا

(۱) آکسفورڈ ہسٹری صفحہ ۶۷، مارش مین صفحہ ۱۰۷، جنگ کابل کے متعلق انگریزی میں بہت سی کتابیں مختلف عنوانوں سے تصنیف ہوئیں اور کافی تفصیل سے داستان کشانی میں مگر افغان مجاہدین کی جان بازی کے کامائے صرف ضمناً آگئے ہیں، خورداں کے کسی مورخ کی مستند و مفصل کتاب تک ہماری سانی نہ ہوئی، ہمارے بیانات کے بڑے انگریزی ماخذ خاندان ٹن (سین متلہ) مارش مین (صفحہ ۴۴ تا ۴۷) اور آکسفورڈ ہسٹری (صفحہ ۶۷ تا ۶۸) ہیں۔

چنانچہ ان میں اسی قدر زیادہ سرفروشی کا جذبہ لہذا ہوا۔ اور سچے سچے انگریزوں کا دشمن بننا چلا گیا (صفحہ ۱۷) غزنی  
 حیدرآباد سقندھار مضبوط قلعوں میں جو دستے متعین تھے ان کی مدد بلکہ آمد و رفت تک بند ہو گئی، خود کابل کی  
 زبردست چھاؤنی پر غیر منظم لشکروں نے چھا پے مارنے شروع کئے، ایک بڑے معرکہ میں انگریز سپاہ  
 کو سخت شکست دی۔ دربار کابل میں انگریزوں کے بمبائش ایجنٹ (سر الگزنڈر ہرنس) کو مار کر ٹکڑے  
 ٹکڑے کر ڈالا (نومبر ۱۸۴۱ء م سنہ ۱۲۵۷ ہجری)

انگریزوں نے عہد نامے پر کان دبا کے دستخط کر دیئے، چھ توپوں کے علاوہ پودا توپ خزانہ گولہ  
 باندو کا تمام ذخیرہ کئی فرنگی بریگاد، کثیر مال غنیمت اکبر خان کے حوالے کیا، ڈیرہ و ڈنڈا اکھاڑ کر کابل کی  
 چھاؤنی سے پشاور کی طرف روانہ ہوئے، باقاعدہ فوج کے سپاہی قریب پانچ سو اور گیارہ بارہ ہزار لشکر  
 ہمارے تھے سال نو ۱۸۴۲ء کے پیدے دن کو چ شروع ہوا، ناکامی کے رنج نے میلاد مسیح اور عید نوروز  
 کی خوشیوں پیدے ہی خاک میں ملا دی تھیں لیکن مصیبت کے پہاڑ سفر میں ٹوٹے کو خورد کابل کے تنگ درے  
 میں غلزی قبائل نے گھیر لیا اور چیلوں کی طرح بوٹیاں نوح نوح کر خاتمہ کر دیا، مشہور ہے کہ پورے لشکر  
 میں صرف ایک فرنگی ڈاکٹر برائے دن بیمار و نیم جان، بھلا آباد پہنچ سکا اور وہاں اس ہولناک تباہی کی  
 کیفیت بیان کرنے کو صرف وہ عورتیں بچے پرغمال اندھ خلی انگریز جو اکبر خاں کی تحویل میں دیئے تھے محفوظ رہ گئے

۱۱) ہرنس جیسے زمانے کے جون لانس کی طرح ابن اسلامی ملکوں میں سالہا سال تک سیاحت و جانوسسی کر چکا

نفا کابل کی بدستی نے اسے دواشنوں کا جی مریخ بنا دیا تھا (دیکھو مارش من صفحہ ۱۷) اور کس منہ ۱۷

۱۲) مارش من (صفحہ ۱۷) کا بیان ہے "افغانیوں کے ساتھ انگریزوں نے بڑا سلوک کیا تھا جس کا انھوں نے بڑی

بے رحمی سے انتقام لیا اور انگریزوں کو چن چن کر قتل کیا، یوں ہی سارا ملک دشمن ہو گیا تھا، اکبر خاں اور اس کے بارک

رفیق حتی الامکان انگریزوں کو بچاتے رہے، لیکن مجاہدین افغانہ پر ان کی انگریز دوستی کا مطلق اثر

نہ ہوا

۱۳) تاریخ پاکستان و جارت (سید ناشی)

تسخیرِ کابل سے (میک نائن کے) حادثہ قتل تک کے واقعات کو باسو، ان  
 : باسو کا تجزیہ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

• اہل افغانستان نے بیات پر حملہ ہوتے دیکھا، ان کے ملک کو لوٹ لیا، ہر  
 اُس چیز کو تباہ و برباد کر دیا گیا جو ان کے نزدیک مقدس اور تبرک تھی، ان میں غر  
 نے ان کی رگوں میں خونِ انتقام دوڑا دیا، افغانستان کے باشندے ان بدعنوانوں  
 کو برداشت نہیں کر سکے، ان کے نزدیک انگریز کا وجود انسانیتِ شرافت اور  
 اخلاق سے عاری ہو چکا تھا، افغانوں نے انگریزوں کی ہمدنیوں کے پیش  
 نظر اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے وطن کو ان کے دھوکے سے پاک کر دیں گے  
 ان کے طرزِ تفکر میں شاہِ شجاع نامِ مصائب کا ترشہ تھا، شاہِ شجاع کو وہ  
 اپنے وطن سے نکالنا چاہتے تھے، برطانوی جنگیوں کی مدد سے حاصل شدہ  
 تختِ افغانستان شاہِ شجاع کے لیے کانٹوں کا بچھڑا تھا، شاہِ شجاع کو اس  
 تخت کے لیے جان سے ہاتھ دھونے پڑے، جب شاہِ شجاع اپنے وطن  
 کو خیر باد کہتے ہوئے کابل سے روانہ ہوا تو راستہ میں گولیاں کا نشانہ بنا دیا گیا۔  
 برز کے خلاف افغانستان میں نفرت و عقارت کے جذبات پیدا ہو  
 چکے تھے، ان کے نزدیک برتہ ایک ذلیل اور ناشکر گزرا انسان تھا، وہ  
 ایک فدا تھا، جن نے افغانوں کے لیے مصائب کے دروازے کھول  
 رکھے تھے، وہ غلامی کی موت کا تہ تھا، ایسا ہی ہوا۔ ان کی دشمنی میں وہ  
 کابل میں قتل کیا گیا، میک نائن افغانستان میں کامیاب کامیابی نہیں کھیل سکتا تھا  
 چونکہ انگریزوں کی سلامتی افغانستان کو خیر باد کہنے میں تھی، ان لیے انھوں نے  
 دوست محمد کو تخت نشین کرنے کا وعدہ کیا، اس وعدہ میں دوست محمد  
 کے فرزند اکبر خاں سے ایک معاہدہ کیا گیا، لیکن اس معاہدہ کی خلاف ورزی



میں انگریزوں سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، میک نائٹن اپنے دشمن اور غیر  
انسانی طرز عمل سے بہت تادم ہو چکا تھا، میک نائٹن کا عدوانہ طرز عمل اس  
کی موت کا سبب بنا، جب میک نائٹن اور اکبر خاں معاہدہ سے متعلقہ گفت و  
شنید کر رہے تھے تو میک نائٹن قتل کر دیا گیا :-

اب میک نائٹن کے قتل کا منظر بھی دیکھ لیجئے :-

میک نائٹن کا مذاق مسلح ہاتھ میں بیٹھے افغان سرداروں سے گفت و شنید کے لئے آگے  
بڑھا، کابل اور برطانوی معرکہ کے درمیانی مقام پر فریقین شہر اللہ پر حملے کے لیے جمع ہوئے  
یہ متفقہ طور پر طے پایا کہ تین دن کے اندر برطانوی فوجیں کابل خالی کر دیں گی، مقررہ وقت گزر گیا  
برطانوی سپاہی اپنے معرکہ میں قیام پذیر تھے، معاہدہ کی یہ خلاف بندی افغانوں کو ناگوار خاطر ہو رہی  
تھی، میک نائٹن کو از سر نو گفت و شنید کی دعوت دی گئی :-

میک نائٹن اپنے تین ساتھیوں سمیت روڈ کابل کے کنارے اکبر خاں  
سے ملنے کے لیے روانہ ہوا، مقررہ مقام پر یہ وفد رک گیا۔

اکبر خاں بھی پہنچ گیا، دہلی گفت و شنید کے بعد اکبر خاں "بگیر بگیر" پکارا، مقررہ قتل مکان میں میک نائٹن کی طرف  
بڑھ رہی تھیں، میک نائٹن کی زبان سے "انبرائے خدا" کے الفاظ نکلے :-

سید فدا حسین اپنی کتاب "نیرنگ  
اور میک نائٹن صاحب تھے کون بزرگ؟" افغانستان میں لکھتا ہے :-

• میک نائٹن نے اکبر خاں کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے ایک خط لکھا، اس خط  
میں میک نائٹن نے اکبر خاں کو بعض افغان غداروں سے خبردار رہنے کا مشورہ دیا

(۱) پندوستان میں فرنگی اقتدار کا عروج ————— کپٹن کی حکومت ص ۲۲۳

(۲) کپٹن کی حکومت ص ۳۲۲



تھا لیکن ساتھ ہی میک ٹائن نے ان سرداروں کو اکبر خان کے خلاف خط لکھے تھے  
 اکبر خان نے اپنے سرداروں کو ایک جبرگزمیں بلا کر انھیں میک ٹائن کا خط دکھایا اس  
 پر سرداروں نے بھی وہ خط ظاہر کر دیئے جو میک ٹائن نے انھیں لکھے تھے  
 میک ٹائن جب اکبر خان سے ملے گیا تو اس نے انگریز سپاہیوں کو اس پاس کے  
 مقامات پر چھپا دیا۔ اور اشارہ کا منتظر رہنے کا حکم دیا۔ اکبر خان نے میک ٹائن  
 سے ان خطوط کا مقصد دریافت کیا میک ٹائن جواب کے لیے اپنے ہونٹوں  
 کو جنبش دینا مارتا تھا کہ ایک افغان سپاہی نے اکبر خان کو برطانوی سپاہیوں  
 کی نقل و حرکت سے آگاہ کر دیا، اکبر خان اور میک ٹائن دوبارہ تیسے میک ٹائن  
 نے اپنا پستول اکبر خان پر چھپا دیا لیکن خود مارا گیا ۱

میک ٹائن اور اکبر خان کے حالات و کوائف اور انگریزی سپاہیوں اور افغانوں  
 کی بزدلی پر ایک انگریز دوست مورخ نے جو بعد از دست بیکشیں لکھے ہیں وہ  
 مستند مجتہد رچسپ اور سبق آموز بھی :-

”جب افغان سرداروں نے انگریزوں کی یہ حالت زار و زبون دیکھی تو منہ چھیلایا اور معذرتانہ اور استاخانہ  
 پر کما کر کل سپاہ اپنے ہتھیار اور گود بارود وید سے تو اس وقت ہم صلح کی گفتگو میں تھے ایک ہفتہ بعد اکبر خان کا  
 آگیا اور ساری قوموں نے اس کو اپنا سردار بنایا وہ دوست محمد خان صاحب الدن بنایا تھا۔ بھٹوں کے زور میں  
 بھرا ہوا تھا۔ دیر اور جو سرد سپاہی تھا مگر مزاج اس کا خشنماک اور بدست مال تھا۔ اس سے آگے ہی یہ موبیا  
 کہ سپاہ نگینہ کی رسد کی۔ ان کو سد و کوٹا چاہئے۔ اس لیے حکم دے دیا کہ جو نگینہ کی شہر میں سب بے زور  
 سے جائے گا گروان سے اراکھا سے کباب شہر میک ٹائن نے کہا کہ سب بے زور رہیں۔ بڑا شہر و اس کی جائے  
 اس کے جواب میں علی المزاج نوجوان جہیل نے کہا کہ صرف علاج بچاؤ کا ہے کہ اس ملک سے نکل

جانے کی کوئی راہ نکالی جائے ۔

اب سپاہ بھوکے مرنے لگی ، فاقہ زدہ ہونا اس کے چہرے سے نظر آنے لگا ، اوردسمبر کو فقط ایک دن کی خداک سپاہیوں میں باقی تھی ، سفیر مجبور تھا کہ افغان سے ان شرائط پر صلح کرے جو پیش کریں ۔ خدا سنگ دیوں سے غرض نہ ڈالے ، صلح ہوئی تو ان شرائط پر کہ خیال آباد ، قندھار ، کابل ، غزنی سے سپاہ انگریزی پشتاور کو چلی جائے گی ، جو کچھ مال و اسباب سرکاری افسروں کا ہے افغانستان میں رہ جائے گا اور امانت رہے گا اور ہندوستان بھیج دیا جائے گا ۔

انگریزی تاریخ میں کوئی صلح نامہ ایسا نہیں ہے جس سے برٹش گورنمنٹ کی ایسی امانت و ذلت ظاہر ہوتی ہو ، گورنمنٹ کو ان شرائط کی اطلاع کے ساتھ میکنٹن صاحب نے یہ بھی لکھا کہ ہم چالیس دن تک برابر دشمنوں سے لڑتے رہے ہمارے جانوں کا بہت نقصان ہوا اور قلتِ غلہ سے ہمارے یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ بھوک کے مارے مارے لشکر کا ایک روز میں کام تمام ہو جاتا ، پندرہ ہزار سپاہ کا خاتمہ ہونا ہمارے ملک کے لیے فائدہ مند نہ ہوتا ، جن شرائط پر ہم نے صلح کی ہے ان سے زیادہ عمدہ شرائط ہونا ممکن نہ تھی سارا الزام اس صلح کے منظور کرنے کا جنرل اسٹین اور بریگیڈیئر شیلیڈن کے ذمہ ہے جنرل صاحب کے غفلت و جسم دونوں بیمار تھے بریگیڈیئر صاحب خشمناک غصے کے تھے سب سے زیادہ خطا ان ہی کی تھی ۔

اب سرداران افغان کا یہ حال تھا کہ میگزینوں

**افغانوں کی دہ از دستگی انگریزوں کی بے بسی** | میں جاتے اور جو اسباب پاہتے اٹھا لاتے

انگریزی سپاہ اور افسر اس کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ کیا آنا نا میں سماں بدلا ہے زمین اور ہو گئی آسمان اور ہو گیا ، اکبر خان کے جو وعدہ کے موافق رسد بہم پہنچائی وہ اس قدر قلیل تھی کہ سپاہ کا پیٹ بھی مشکل سے بھرتا تھا ، اکبر خان نے سامان رسد بار برداری کے بہم پہنچانے میں کوتاہی کی اور اپنی درخواستوں میں فضولی اختیار کی اور کہا کہ تمام غمازن سپاہ اور گولہ بارود اور ہر قسم کا اسباب حرب ہم کو ہوائے کرود اور تمام میوں اور بالی بچوں کو ہمیں دے دو ، جب میکنٹن صاحب نے یہ گنگ دیکھا تو انھوں نے

بھی اپنا دنگ بدلا، پنڈت موہن لال کو ہدایت کی کہ وہ اور قوموں، قبیلوں سے عہد و پیمان ٹھہرائے اور  
 ان سے کہے کہ وہ انگریزوں کو نہ مانے دیں، پھر وہ اکبرخان سے عہد و پیمان کو شکست کر دے گا  
 اس معاملہ میں دغا بازی کا الزام میک ٹائن صاحب کے ذمہ عائد نہیں ہوتا تھا، اس لیے کہ وہ موجودہ سالانہ  
 اور اسباب پرورداری کے نیچے پر تیار تھے، جب یہ نہ ہوتا تو عہد و پیمان میں خود ہی شکستگی آگئی، مگر الزام یہ  
 ہے کہ جس وقت اکبرخان نے شرائط معاہدہ ایضاً نہیں کیا تھا تو میک ٹائن صاحب کو اعلان کرنا اس کا واجب  
 تھا کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہیں رہا، یہ کہ اس کا اظہار نہ کیا اور محض اور قوموں  
 و قبیلوں سے معاہدہ کرنا شروع کیا، اس نازک وقت میں سر ولیم کے پاس اکبرخان کا ایک خط آیا جس  
 کی توقع ان کو ہرگز نہ تھی اس کا مضمون یہ تھا کہ موسم بہار تک انگریزی سپاہیں میں رہیں اور شاہ شجاع  
 اور ہم سلطنت پر رونق افروز رہے بشرطیکہ وہ اس کا وزیر مقرر ہو جائے اور برٹش گورنمنٹ اس کو بیس  
 لاکھ روپیہ دے اور چار لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دے سر ولیم میک ٹائن کے جوہر سے دن آٹھ تو وہ  
 اکبرخان کے اس فریب میں آگئے، انھوں نے اس کو گمان کر لیا کہ آپ کی سب شرائط منظور ہیں، علی  
 ملاقات ہو جائے اس میں تمام معاہدات طے ہو جائیں گے۔

دوپہر ۱۲ دسمبر کو تین افسروں کپتان ٹریوینکین، زی باج لارنس اور سرد سواروں کو اردلی میں لے کر

اکبرخان سے جو انگریزی لشکر گاہ سے چھ گز پر تھا، ملنے گئے سچ ہے ع

بچوں قضا آید طبیب آبد شود

یہاں اکبرخان برف پر گھوڑوں کے زین پوش بچھائے ایک سپاہی کے ڈھلان پر بیٹھا ہوا تھا، وہاں آدمی  
 اشادوں پر لگے ہوئے تھے، افغانوں نے قینوں افسروں کو کپڑے بیاہر اسبنے گھوڑوں پر ان کو پیچھے  
 بٹھا کر شہر کی طرف ہوا ہوئے، راہ میں کپتان ٹریوینکین سے گھر کہ پونہ زمین ہوئے، میک ٹائن صاحب کو  
 اکبرخان نے پکڑنا چاہا تھا مگر وہ اس کے بس کے نہ تھے، ان شہرت مشرت میں سر ولیم نے فارسی زبان  
 میں کہا تھا کہ اذ برائے خدا اس زوجہ نے غصہ میں اگر دہری پستول سے ان پر فائر کیا جو انھوں نے کل اس  
 کو بدلتے دیا تھا پھر ان کے جسم پر افغان ایسے گزے جیسے مڑے پر گزے تھے بوٹیاں کر دالا۔



## قتل کے محرکات و اسباب

اکبر خان کا یہ ارادہ نہ تھا کہ میں سرودیم کو مار ڈالوں بلکہ وہ  
ان کو اپنے باپ کے عوض قید کرنا چاہتا تھا جب قید

نہ کر کے کاتب پٹھان کی رگ چڑھی اور اسے مار ڈالا مشہور بنے پٹھان گھڑی میں بھوت گھڑی میں دلی

## میکناٹن کی نقش بے گور و کفن

یوں سفیر میکناٹن مار گیا مگر سپاہ انگریزی نے اس کے  
انتقام کا ارادہ کیا، نقش بازاروں میں گھسیٹ گھسیٹ پڑی

مگر کسی گور و کفن نہ ہوا کہ وہ اس کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھینے میجر پوٹنجر جن کی شہرت ہمہ ہرات  
میں دور دور ہوئی تھی، زخمی ہو کر کابل کی چھاؤنی میں لپسے تھے کوئی کام انہوں نے یہاں نہیں کیا تھا کہ  
جس سے شہرت ہوئی، مگر اب سب کی نگاہ ان کی طرف تھی کہ وہی اس ڈوبتے ہوئے بڑے گئے  
نہ خدا نہیں گئے تو پار ہو گا، سینئر کا قائم مقام ان کو مقرر کیا، انہوں نے کونسل دار (کونسل جج) راج گئی  
اور ان شرائط جلدی کو جن کے موافق سردار بن افغان نے انگریزی سپاہ کو بحیریت تمام پشاور میں پہنچا  
وینا قبول کیا تھا پیش کیا تھا، اس کونسل نے وہی عہد و پیمان سب منظم کر دیا، ایک نقطہ بھی نہ بدلا اور  
چار شرائط کا اس پر اضافہ ہوا جن کا خلاصہ یہ تھا کہ بندو قین جو زاید ہیں اور توپیں سوائے چھ کے سپرد کی جائیں  
اور تمام افسرین کی بیویاں ہیں اور وہ تمام سیم صاحب اور ان کے یا ایہ لوگ اس ملک میں چھوڑ دیئے جائیں و  
بلند رہان کے افغانوں پاس ہیں جب تک امیر دوست محمد خان کابل میں آئے

”غرض ہر جہتی شہ عکودہ ساعت کیا منحوس تھی جس میں  
سپاہ نے جس کے اندر ۲۵۰۰ نہایت تو منہ تھی اور گیارہ

## سولہ ہزار کا لشکر کیسے تباہ ہوا

ہزار آدمی بحیرہ بگاہ تھے، کابل سے مراجعت کے لئے قدم اٹھایا اگر یہ لشکر وہاں سے پہلے دریائے کابل  
کو عبور کر جاتا تو بچ جاتا افغانوں نے اول تو چھاؤنی کو جا کر پھونکا اور رات بھر اپنے دل ٹھنڈا کیئے، صبح  
کو یہاں لشکر انگریزی پر یہ آفت آئی کہ وہ قواعد سپاہ کی پابند نہ رہی اور ایسی پر اگندہ اور پریشان ہوئی کہ  
معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی سپاہ جاتی ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا کہ ایک بھیر خستہ حال پریشان خاطر متحیر و مضطرب حیران  
جلی جاتی ہے اور سردی ایسی آفت کی تھی کہ ساری سرگرمیوں کو ٹھنڈا کرتی تھی، راہوں میں اتنا برف چڑھا ہوا تھا



کہ ٹخنہ تک پیر اُس میں غرق ہو جاتے تھے اگر اُس پر تیز روی سے سپاہِ رواں چلتی تو دوسرے سے نکل جاتی مگر یہاں ہر کام میں سرگرمی کا انداز تھا، سچ ہے خدا بری گھڑی نہ دکھائے اس میں کہی انسان کے اوسانِ باقی نہیں رہتے کم بختی سر پر کھس رہی تھی، اُسے کیا مصیبت تھی کہ زمین پر سوار اُسے برف کے اور کوئی فرش نہ تھا، گھوڑوں کا تھکان تھا تو برف پر تھا، اونٹوں کا مکان تھا تو تیغ پر، کھانے کو خاک بھی نہ ملتی تھی، جلاتے کو سوار اُسے دل کے کچھ نہ تھا، درختیں کابل کا غضب کا بہت ناک تھا، پانچ میس حوں میں گمر غرض میں تھک کہ آفتاب کی کرنوں کو بھی مشکل سے اس میں جگہ ملتی تھی، دونوں طرف اس کے پچاس پچاس گز اُونچے پہاڑ پھران میں کہیں زیادہ سے زیادہ، من پچاس گز سے زیادہ کا نہ تھا، پھر اس میں ایک ندی نہایت زور شور سے چلتی تھی۔ اس آواز کے پار اس کو اٹھائیں دفعہ اُترنا پڑا تھا، ابھلا اس راہ سے سلامت نہ گنا، جیسے حال میں دیوانگی کا خیال تھا، کہ غلغلی پہاڑوں کی بلندیوں پر تنہا چھپائے بیٹھے ہوں جو کبھی خطا کرنا جانتے ہی نہ تھے، آٹھ سو گز کے فاصلہ تک کسی کو زندہ ہی نہیں چھوڑتے تھے، غرض ان کی آگ سے اور برف کی سردی سے تین ہزار آدمی جل کر خاک اور سرد ہو کر آب ہوئے، اس ہزگار رستخیز میں یہ قیامت تھی کہ انگریزی خواتین نازک و گھلام بچے بچوں کی سی پتیاں گودوں میں لیے ابھر آدھر پڑی پھرتی تھیں۔

زمین کا بیخ ان کے پیروں کو شل کرتا تھا، دشمنوں کی آتش بازی ان کے سروں سے شعلوں کو

اٹھاتی تھی ۔

**اکبر خان کا رعب و دہشت**  
 اکبر خان پھر صبح کو تشریف لائے اور ساہان و سدھ بھی ساتھ لائے اور جرنیل صاحب کو صلاح دینی ایک روز اور قیام کیجئے۔ سپاہ نے جرنیل کے سامنے وہالی مچائی کہ اس صلاح بداند کو مانیں اور اندکے واسطے قیام نہ فرمائیے، مگر جرنیل صاحب تو عقلمندوں کی دور بلا تھی وہ کہیں نہ اس صلاح بے انگیز کو مانستے ایک روز قیام کا حکم دے یا، بے چاری سپاہ مصیبت کی مادی سارے دن سچ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ پھر اکبر خان نے کہا کہ اب غور توں اور بچوں کو حواسے کر دیجئے، میں ان کو خیر و عافیت کے ساتھ پشاور پہنچا دوں گا، وہ جب کہیں سے پہنچے تھے کچھ کھایا پیا نہ تھا، ان کے پاس لپٹے ایسے نہ تھے کہ برف

سے عجم کو محفوظ رکھتے۔ اس سبب سے میجر پوٹینجر نے جو اکبر خان کا امیر تھا، یہ سوچا کہ ان عہدوں اور بچوں کا بچنا ایسی بے سروہنگی کے ساتھ محال ہے، اس نے لیڈی میکٹائسن اور سیڈی سیل اور نو اور لیڈیوں کو اور پندرہ بچوں اور کچھ افسروں کو اکبر خان کے خیمہ گاہ پر بھیج کر ان کی جانوں کو بچالیا؛

۱۰ تاریخ کی صبح کو باقی سپاہ کا کوچ پھر شروع ہوا، شام کو بہت سے سپاہی غائب ہو چکے تھے غرض یہ سپاہ خستہ حال و بے سخت سردی کے مارے اکثری جلتی تھی اس کو بھیڑوں کی طرح غلڑوں نے فریاد کر کے کباب بنایا۔ پنجتالیس گورے اور بہت سے افسر باقی تھے مگر دشمن پناہوں پر بیٹھے ہوئے بند تین چھتیا رہے تھے ان کی صفوں میں صفدی کر رہے تھے اکبر خان بھی پیچھے پیچھے اس لشکر کے چلا آیا تھا جب سپاہ وڑہ جگہ لک کے پاس پہنچی تو اس کے ساتھ افسران انگریزی نے مشورہ کیا، اس نے رسد فلد وغیرہ شینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ جنرل الفنسٹن اور بریگیڈیر شیلٹن اور ایک اور افسر اس کفالت میں سپرد کئے جائیں کہ قلعہ جلال آباد کو خالی کر دیا جائے گا، یہ افسر اس کے حوالے گئے گئے مگر اس سے بھی کام نہ چلا، غلڑی اب بھی اپنی سرکات سے باز نہ آئے اس وقت جوش انتقام میں ان کا خون ایسا جوش میں آیا کہ خونریزی میں انکو مزہ ملتا تھا، روپیہ کی محبت انہوں نے دل سے اٹھا دی تھی، ہر چند زہیم ان کو دیا جاتا مگر اس سے خون کی پیاس نہ بجھتی، اکبر خان نے صرف عہدوں، بچوں اور افسروں کو اپنے سایہ حمایت میں لے کر باقی سپاہ کو غلڑیوں کے آگے بھڑکیا کہ جس طرح وہ چاہیں اپنا کینہ اور بغض ان سے نکالیں، وڑہ جگہ لک میں جو افراد افسروں میں سے بارہ کا اور خون ہوا، اس میں اس وڑہ پر سپاہ کا بل کا فائدہ ہوا۔ جب افغانوں کے سرداروں سے کہا جاتا کہ یہ تمہاری قومیں کیا کہہ رہی ہیں تو وہ اس کا معمولی جواب یہ دیتے کہ ان کے روکنے کی دستگاہ ہم کو نہیں رہے ہیں افسر اور چالیس گورے وڑہ گندک تک پہنچے مگر وہ بھی دشمنوں سے زندہ بچ کر نہ نکل سکے صرف ایک افسر ڈاکٹر بریڈن جان لے کہ جلال آباد میں ایک ٹوڑ پڑ سوار زخمی مارے تھکے پہنچے، پندرہ ہزار آدمیوں میں سے صرف ان ڈاکٹر صاحب ہی کام سلامت بچا، ایک سو تیس آدمی جو دشمنوں کے پاس قید تھے وہ قید حیات میں رہ گئے۔

(۱) تاریخ ہند (۲) حیدر سلطنت انگلشیہ جلد دوم (۳) انڈیا اسٹڈی

پنڈہ ہزار کے انگریز لشکر کی مکمل تباہی رسوا ڈاکٹر برائڈن کے  
**صرف ایک انگریز بچا** بڑی رنہ: خیز ہے لیکن یہ جرم ہلکا ہو جاتا ہے، جب انگریزوں  
 کی سیہ کاریاں، میکناٹن کی قریب کاریاں، انگریز سپاہیوں اور افسروں کی سفائیاں انگریز قوم کی  
 بد عہدیاں سامنے آتی ہیں :

افغانوں کا یہ کیریکٹر بھی قابلِ داد ہے کہ انھوں نے عورتوں اور بچوں کی جان نہیں لی حالانکہ  
 اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب غدر ہوا تو انگریزوں نے یہ احتیاط بھی ملحوظ نہ رکھی اور غدر کا  
 کیا ذکر جب انگریزوں نے افغانستان سے انتقام لیا تو کون سی کسر اٹھائی تھی، ظلم اور سفاکی  
 اور شقاوت کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا :

اسی اثنا میں آک لینڈ کی جگہ ایلن برا (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء)  
**ایلن برا کا انتقام** گورنر جنرل مقرر ہو چکا تھا، ایلن برا نے جنرل پالک کو گزشتہ  
 ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے کابل روانہ کیا، اپریل ۱۸۴۲ء میں پالک، علی مسجد کے قلعہ پر  
 قابض ہو گیا، انہی ایام میں شاہ شجاع بھی قتل ہو چکا تھا، جنرل پالک جنرل سیلی اور جنرل ناٹ  
 تینوں کابل روانہ ہوئے، کابل کے بازار کو آگ لگا کر انگریزی فوجوں نے افغانستان خالی کر دیا

(۱۱)

## گوالیار

انگریز ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت اپنا شعار بنا چکے تھے، ایک

(۱۱) کمپنی کی حکومت صفحہ ۳۲۷



تینہ گوالیار کے ایک محترم سرکاری ملازم سے ریڈیٹ صاحب بخا ہو گئے، دو ٹکڑے اندور چلے گئے  
 ہمارائی نے خوشامد کر کے بلایا، آٹے مگر گوالیار کو تقسیم کر کے چند انگریزوں کی لکھی ہوئی تاریخ اس وقت  
 کو ان الفاظ میں پیش کرتی ہے :-

”ہمارائی نے ریڈیٹ صاحب کو جو بمقام دہول پور خا ہو کر چلے گئے تھے کئی بار لکھا کہ یہاں  
 آؤ، انھوں نے صرف یہ جواب دیا کہ جب تک دادا خا صلی والد انگریزوں کے سپرنٹ کیا جائے گا  
 یا جرنال د سے کہ شہر سے بد نہ ہوگا، میں ہرگز شہر میں قدم نہ رکھوں گا، اسی اثنا میں گورنر جنرل صاحب  
 بہادر نے ارادہ کیا کہ گوالیار کی طرف کوچ کیجئے اور وہ فساد جو مدت سے درمیان سلطنت انگریزی اور  
 ہمارائی صاحبہ کے رہتا ہے، دفع کیجئے، سندھیا کی فوج نے دادا خا صلی والد کو قید کر کے انگریزوں  
 کے سپرد کر دیا اور ماہ دسمبر میں گورنر جنرل صاحب بہادر بھی ملک سندھیا میں جا پہنچے ایک لڑائی  
 مقام ہماراج پور میں درمیان انگریزوں اور مرہٹوں کے واقع ہوئی، اگرچہ اس لڑائی میں مرہٹے بہت  
 بہادری اور دلادری سے جم کر لڑے اور انگریزوں کے آدمی بہت خالق ہوئے مگر آخر کو حکمت  
 مرہٹوں نے کھائی۔ سوائے اس کے دو اور لڑائیاں ایک مقام چاندا پر اور دوسری موضع  
 پنیر میں ہوئیں، ان میں بھی مرہٹوں نے شکست کھائی ان لڑائیوں کے بعد ہمارائی صاحبہ نے صلح  
 کی درخواست کی اور حسب مرضی انگریزوں کے شرائط عداوت کی مقرر ہوئیں اس وقت سے فائدہ ان سندھیا  
 کی طاقت اور جہت باطل جاتی رہی اگرچہ راجہ گوالیار کو جو بالفعل گدی پر ہیں اور فائدہ ان سندھیا سے ہیں  
 اور انھیں کے نام سے کاروبار سلطنت کے فیصلہ پاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان ہماراج کو کچھ اختیار  
 نہیں اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خلاف مرضی انگریزوں کے ہو نوکر رکھ سکتے ہیں غرض کہ اب سلطنت  
 گوالیار کی برائے نام رہ گئی ہے“



## سندھ پر انگریزوں کا قبضہ

سندھ سے انگریزوں کے بڑے گھرے دوستانہ اور تجارتی تعلقات تھے، دونوں ہمس کے پابند تھے کہ ایک دوسرے کے حدود میں جارحانہ اقدام نہیں کریں گے، لیکن جب افغانستان پر انگریزوں نے یورش کی تو دوستی بالاسے طاق رہ گئی، معاہدے سے روٹی کا کاغذ بن گئے۔ اور انگریزی فوجیں سندھ کی سرزمین کو پامال کرتی ہوئیں قندھار کی طرف بڑھ گئیں۔ سندھ کی داستان ارم مختصر طور پر یہ ہے :-

۱۸۴۰ء میں امیران سندھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان

**سندھ سے معاہدہ**

ایک معاہدہ ہوا جس کی دو سے :-

(۱) سندھ اور برطانی حکومت میں ابدی رفاقت قائم رہے گی ؛

(۲) دونوں ملکوں کے درمیان کبھی بھی جذبہ عناد نہیں پیدا ہوگا ؛

(۳) دونوں حکومتوں کی سفارت بدستور جاری رہے گی ؛

(۴) حکومت سندھ فرانسیسیوں کو سندھ میں داخل نہیں ہوئے دے گی

ستمبر ۱۸۴۲ء میں سر رابرٹس نیپئر کو تسخیر سندھ کے لیے بھیجا گیا

**تسخیر سندھ کا فیصلہ**

یہ ایک ہندی اور جنگ جوائے تھا اس نے امیران سندھ کو

مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ قبول کریں جس کی دو سے :-

(۱) برطانوی فوج کے اخراجات امدادی کسے لئے اپنی مملکت کا ایک حصہ بھرنے کے حوالے

کریں ؛

(۲) برطانوی جہازوں کے لیے ایندھن فراہم کریں ؛

(۱۳) امیران سندھ اپنے نام کا سکہ بند کریں ۔

**امیران سندھ کا اشتعال** | آخری شرط نے امیران سندھ کو مشتعل کر دیا چارلس نیپئر  
اعلان جنگ کے بعد امام گڑھ کی جابرہ روانہ ہوا ۔

امام گڑھ کے صحرائی قلعہ کو اس نے سطح زمین کے برابر کر دیا، برطانوی ریزیدنٹ آؤٹ ریم نے  
امیران سندھ کو جدید معاہدہ قبول کرنے کی ہدایت کی، امیران سندھ نے قبول کرتے ہوئے آؤٹ ریم  
سے حیدر آباد خالی کرنے کو کہا۔ کیونکہ وہ مشتعل رعایا کے افعال کے ذمہ دار ہونا نہیں چاہتے تھے۔  
چنانچہ تین دن کے بعد مشتعل ہجوم نے ریزیدنسی پر حملہ کر دیا، آؤٹ ریم بڑی شکل سے جان  
سچا کر ایک برطانوی جہاز تک پہنچا، جنگ کا اعلان ہو چکا تھا، ۱۷ فروری ۱۸۴۱ء کو نیپئر  
نے مہاتی کے مقام پر سندھی فوجوں کو شکست دی، حیدر آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، ایک  
ماہ بعد امیر خیرپہ کو بھی شکست کھانی پڑی ۔

حیدر آباد کے شاہی محلات کو جس بے جگری سے لوٹا گیا، اس کی مثال چنگیزی کارناموں  
کو تازہ کرتی ہے، شاہی بلیات کے جواہرات کا لوٹا جانا تو ایک لازمی امر تھا لیکن محض کپڑوں  
کے لیے ان بلیات کو جنہیں رات کے ستاروں نے بھی بے نقاب نہیں دیکھا تھا، برہنہ کر دینا  
انسانی ذلت کی اتنا ہے، حیدر آباد کی طرف سے نیپئر کو نو لاکھ روپے ملے، سرچارلس نیپئر  
نے امیران سندھ پر محض اس لیے حملہ کیا کہ وہ کمزور تھے، اگر ت ۱۸۴۳ء میں پورے سندھ پر قبضہ  
کر لیا گیا، امیران سندھ جلا وطن ہو گئے ۔

سرچارلس نیپئر تسخیر سندھ پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے :-  
”ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم سندھ پر قابض ہوں لیکن اس کے باوجود ہم ایسا ہی  
کریں گے“ ۔

## تاریخی تفصیل

اک لینڈ (سنہ ۱۸۳۶ تا سنہ ۱۸۴۲) نے افغانستان پر پہلی بار فوج کشی کی اکتوبر ۱۸۳۸ء کو سب سے پہلا لشکار سندھ کو بنایا نہ صرف یہ کہ بھٹی کا انگریزی لشکر سندھ سے جبراً گزرا بلکہ لشکار پور بھکر وغیرہ کے شہروں پر زبردستی قبضہ ہو گیا اور میران سندھ کی فریاد کا جواب یہ ملا کہ پہلا عہد نامہ منسوخ کر کے ایک اور معاہدے کا مشورہ بھیجا گیا جس میں ان آزاد ریاستوں کو صریحاً انگریزوں کا باج گزار بنایا گیا تھا، انگریز افسروں کے ماتحت امدادی فوج رکھنے اور تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کی شرط ہی ان کی آزادی کی کامل بربادی کا اعلان کرتی تھی، معاہدے پر دہان توپ کی نذر سے میران سندھ کے دستخط لیے گئے (فروری ۱۸۳۹ء تا ۱۲۵۴ء ہجری)

کابل پر انگریزوں کی آراستہ اور شان دار عہدات دہان مزاحمت کے پہاڑوں سے شکار کر چور ہو گئیں، نذرانہ، عضو ضعیف پر گرا، اک لینڈ کا جانشین امین بر (سنہ ۱۸۴۲ تا ۱۸۴۴ء) ۱۸۴۰ء) آشتی کا قاعد بن کر آیا تھا، سندھ کے حق میں موت کا ہر کارہ ثابت ہوا، اسی روز جنرل نے ایک تمغائے امن صلاح ضرب کر آیا تھا جو یہاں کاری کا داغ بن کر آج تک اس کی سیرت کی پیشانی پر چلتا ہے کتنے ہیں جسے خط ہو گیا تھا کہ دیا سٹے سندھ کو جاذبی آب راہ بنایا جائے کابل میں ہزیمت کی جھانج برطانیہ کے دفتر دہانک میں سنائی دیتی تھی غالباً یہ ایک ادھر محرم بن گئی، غرض مقامی عمال ہاں ہاں کرتے رہ گئے امین برا نے کسی کی نہ سنی، نیپتیر کو اپنا نائب اور جنگی امور کا مختار کار بنا کر سندھ بھیجا کہ یہاں کے امیروں کی رہی سہی آزادی کو توپوں کی چوٹ تک مار کر اڑا دے، نیپتیر برطانیہ کا شعلہ خوار سردار اور مشہور سپاہی گزرا ہے

(۱) دیکھو مارشن میں ص ۳۱۰، سندھ لکھا ہے کہ امین برا کو دہان سے سندھ کو تیار کرنے کی دھم لگی تھی (ص ۶۸۴)۔  
 ہم عصرتہ اردن ٹن لکھا ہے کہ ایسے کمزور بانوں سے کبھی (عیف) ریاست کے حقوق پر حملہ نہ ہوا تھا (حالات ۱۸۴۲ء)

کوتلہ چلاتے چلاتے افلاق اور انسانیت کی وحدت تک کند ہو گئی تھی سندھ آتے ہی یہاں کے امیر  
 فزیر کو اتنا دق کیا کہ وہ رٹنے پر آمادہ ہو گئے، نیپیر کی مراد برائی، میانہ کے میدان میں گھیر کر وعدہ مار تو یوں  
 سے خوب شکار کیا (فروری ۱۸۴۲ء تا مئی ۱۸۴۲ء) سندھی جان ماروں کے پاس بندوقیں تک ڈھنگ  
 کی بھین لہذا یہ فخر کہ تین ہزار نے بائیس ہزار کو شکست دی نیپیر کے بجائے یورپ کے اسلحہ سازوں  
 کے نام لکھنا پڑیے۔

### خیر پور بچ گیا

شکست کی باقی ساقی فوج کو اچھے مینے ایک اور شکست دی گئی (مسرک دیو۔  
 مارچ ۱۸۴۲ء) مغرب میروں نے اطاعت قبول کر لی تھی، پھر بھی رئیس خیر پور  
 کے سوارب ملک سے نکال دیئے گئے، خیر پور کی شاخ بھائی بندوں سے کٹ کر فرنگیوں کی معاون رہی  
 تھی وہ بچ تو گئی لیکن علاقے چھانٹ دیئے گئے، باقی سارا سندھ کمپنی کے انبار خانے میں داخل ہوا  
 نیپیر نے مقبوضے کا پہلا حاکم بنایا گیا تھا مگر بد خوئی سے سبھی اور ہندوستان کے عمال سے لا کر مستغنی ہو  
 گیا پھر بھی قاش سندھ کی لوٹ سے ستر ہزار اشرفی اپنی جیب میں ڈال لیں کراچی میں ایک بڑی سڑک  
 بازار اور بعض سرکاری عمارتیں آج بھی سندھ کے اسی سبحد و شکاری کے نام سے موسوم ہیں۔

(۱۳)

### بہاولپور

ریاست بہاول پور نے نیاز مندی کے حدود سے کبھی قدم آگے نہیں بڑھا۔

۱ ہم عصر انگریزی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس جنگ میں انگریز جرنیل تک سپاہیوں کے ساتھ مل کر گویاں چلاتے  
 اور سندھ کے بلوچ سپاہیوں کی پوستہ مگر دیں کو نشانہ بناتے رہے۔

۲ تاریخ پاکستان و عبادت جلد دوم (سید انجمی ص ۲۶)۔



مجھے تو خوسہ کہ جو کچھ کہو بجا کیئے

لیکن اس سے بھی جو کچھ ہو سکا، فرنگی سامراج نے اینٹھ لیا (۲۴ دسمبر ۱۹۴۵ء)  
 "علاقہ ہسار پور کے تین سو دیہات صاحب کلاں بہادر مرہی کے انتظام میں سے دیئے گئے۔"

(۱۴)

## راجہ روپڑ

یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی، لیکن فرنگی مصالح اس کا وجود بھی نہ برداشت کر سکے چنانچہ وہ

بھی داخل دفتر ہو گئی۔ (۹ اپریل ۱۹۴۷ء)

"راجہ روپڑ اپنے افعال کی پاداش میں ریاست سے علیحدہ کر دیا گیا، آج کل سہارن پور میں

جے سرکار انگریزی نے اس کے گزراوقات کے لیے ۲۷ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا ہے۔"

(۱۵)

## دارجلینگ اور ریاست سکم کی بپتا

نیپال اندھوٹان کے درمیان ایک چھوٹی سی ریاست سکم ہے، انگریزی ڈاکٹر کمیل اپنی

ط بہادر شاہ کا بعد نامیہ ص ۲۵

ط بہادر شاہ کا بعد نامیہ ص ۲۳

تحقیقات علم نباتات کی پیروی اور دھن میں دارجلینگ کے گرد بہت دود انگریزی قلمرو سے چلے گئے  
 چینی پہرہ چوکی والوں نے ان کو روکا تو وہ اُسٹے واپس ہوئے کہ راجہ کے سپاہیوں نے لپک کر ان  
 کو زمین پر گرادیا اور رسیوں میں خوب جکڑ کر باندھ لیا، کئی ہفتیں تک ان کو قید خانہ میں رکھا اور بہت  
 تکلیف دی، راجہ کی عملداری کے بسا یہ میں ایک پاٹھی مقام دارجلینگ تھا جس پر انگریزوں نے قبضہ  
 کر لیا تھا اور اپنی خوشی سے چھ ہزار روپیہ سالانہ راجہ کو اس کے مواضع میں دیتے تھے، اس سبب  
 سے راجہ انگریزوں کا دشمن ہو گیا تھا، جب اس سے اول اول کہا گیا۔ انگریزوں کو قید سے رہا  
 کرے تو اس نے انکار کر دیا، تو جنگاں کے قریب کی چھاؤنی سے فوج بھیجی گئی، لیکن جاڑے کا موسم  
 تھا، سخت برف پڑی تھی اس لیے سپاہ سگم تک نہ پہنچ سکی۔ ۷ دسمبر کو راجہ کو تو غریب دے  
 دلا کر قیدیوں کو چھڑا دیا۔

اب یہ ضرور تھا کہ راجہ کو اس جرم کی سزا دی جائے، جنوری کے آخر میں تھوڑی سی سپاہ بھیجی  
 گئی جس میں سو بیر اور چند توپیں تھیں وہ رنجیت دیا کی طرف روانہ ہوئی، اس فوج کشی میں  
 کسی کی تکسیر بھی نہیں بھوٹی، راجہ کسی دور کے قلعہ میں بھاگ گیا اور اس کی سپاہ کا بھی پتہ نہ لگا کہ  
 کہاں گئی ؟

راجہ کے باپ دادا کو برٹش گورنمنٹ نے نیپالیوں کے ہاتھ سے بچا لیا تھا، اس پر  
 یہ احسان کیا تھا، جب اس احسان فراموشی نے یہ جرم کیا تو اس کو یہ سزا دی گئی کہ اس سے وہ  
 زمینیں لے لی گئیں جو کہ اس کو جنگ فیال ختم ہونے پر دی گئیں تھیں اور پھر دارجلینگ کا گرایہ  
 چھ ہزار روپیہ سالانہ بھی نہیں دیا گیا۔ (۱۸۴۹ء) (۱)

ط تاریخ فوج عہد انگلشیہ (ذکا و اللہ) ص ۴۴

## تھانیسیر کا الحاق

۱۸۳۴ء میں جیند کا کچھ حصہ اور ۱۸۳۵ء میں کتھیل کا کل علاقہ وٹاں کے جاگیرداروں کے  
لاولہ فوت ہونے پر سرکار نے ضبط کر لیا، دوسرے سال سفیدوں اور اسانڈھ کے کچھ حصے بھی جیند  
کے تباہے میں علاقہ انگریزی میں آگئے اور ۱۸۴۵ء میں ریاست لاڈوا جو اس علاقے کی سرحد پر واقع  
تھی سرکار انگریزی کے ماتحتوں میں آگئی کیونکہ انہیں لاڈو نے سیکھوں کی رٹائی میں سرکار سے  
بغاوت کی تھی اور اسی سال دوسارے تھانیسیر کنچپورہ اور شام گڈھ کے شاہی اختیارات چھین گئے  
اور انھیں معمولی جاگیردار بنا دیا گیا ۱۸۵۰ء میں فتح سنگھ آخری حکمران تھانیسیر کی بیوہ کی وفات پر کل  
علاقہ تھانیسیر بھی سرکار کے قبضے میں آگیا۔

## ریاست سنہیل پور

سنہیل پور کی ریاست بنگال کے جنوب مغرب میں واقع ہے، ۱۸۴۹ء تک حقوق  
فرمانروائی قائم رہے ترائن سنگھ بیاں کا راجہ تھا جس کا نہ کوئی وارث تھا نہ کوئی مستثنیٰ کیا گیا تھا۔  
پس جب راجہ مر گیا یہ ریاست الحاق کی گئی۔

ط : تذکرہ دولائے پنجاب جلد اول ص ۱۷

ط : تاریخ مروج عدالت کشیدہ (ذکاء اللہ) ص ۱۳۱

## بھوٹان انگریزی قبضہ میں

مکرم کا پہاڑی راج لارڈ ڈلہوزی کی لائنیں ہوس کا شکار ہو چکا تھا (۱۸۵۰ء) اس کے مشرق میں بھوٹان کی کلاں ریاست تبت کے زیر سیادت مانی جاتی تھی، اس پر ۱۸۶۵ء میں چڑھائی کی ایک جھڑپیں لیا، نسبتاً ویران پہاڑیاں راجہ کے پاس چھوڑ دیں اور اپنی اطاعت کا اقرار کر لیا۔

## حیدرآباد کے تین ضلع ضبط

ریاست حیدرآباد نے ہمیشہ برہمنوں میں انگریزوں کا ساتھ دیا، لیکن انگریزوں نے کبھی اس کا ساتھ نہیں دیا، وہ ہمیشہ اسے لٹتے اور نوچتے کھسوتے رہے خود ہی اس پر چڑھ کر ڈالا خود کفالت میں اس کے تین ضلع چھین لیے،

۱۸۱۹ء میں لارڈ ہسٹنگز نے ناگپور کی ریاست سے برہمنوں کے بڑے گورنمنٹ کے دست نظام کو مٹا دیا، ۱۸۴۲ء میں نظام کو اطلاع دی گئی کہ اگر آئندہ وہ سرکار کمپنی کے قرض کو جو روز بروز کنٹیننٹ کے زاد کرنے کے سبب سے بڑھتا جاتا ہے، نہ ادا کرے گا تو اس کے عوض میں اس کے ملک کا ایک حصہ بطور کفالت کے لیے یا جائے گا، مگر نظام پر اس فمائش کا کچھ اثر نہ



بروز ۱۸۴۱ء میں لارڈ ڈالہوزی نے جنرل فریزر ریزنڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ نظام کو متبہ کرے کہ سرکار کمپنی کا قرض چکا کرے، نظام ناصر اللہ ہمیشہ قرض کے ادا کرنے کا وعدہ کرتا رہا، مگر کمپنی اس کا ایقانہ کیا اپریل ۱۸۵۱ء کو اس قرض کو ادا کرنے کو چھ مہینہ کی مہلت دی گئی، پچاس لاکھ روپیہ کا قرض تھا اس میں سے نصف سے کچھ کم ادا کیا گیا، باقی قرض کے ادا کرنے کے واسطے چار ماہ کی مہلت اور دی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ اگر اس عرصہ میں قرض نہ ادا کیا جائے گا تو حیدرآباد کے بیرونی اضلاع اس قرض کی کفالت میں رکھ لیے جائیں گے میعاد گزر گئی، قرض نہ ادا ہوا۔

نومبر ۱۸۵۲ء میں جنرل فریزر کی جگہ کرنل لوم صاحب ریزنڈنٹ مقرر ہوئے۔ اس وقت نظام کو سرکار کمپنی کا پچاس لاکھ روپیہ قرض دینا تھا، سرکار نظام چوبیس روپیہ سینکڑہ پر ریاست کے ساہوکاروں سے روپیہ قرض لیتی تھی نظام کی رائے یہ تھی کہ اپنے سپاہیوں سے ایک آدمی کو بھی موقوف نہ کرے اس لیے خرچ سپاہیوں تخفیف نہ ہو سکتی تھی، وہ کنٹنٹ کی تخفیف کو اپنے ملک کی محافظت کے لیے خطرناک جانتا تھا۔ اب گورنر جنرل نے ارادہ ہضم کیا کہ نظام کے ایک عہد کو نہ سننے انھوں نے چار برس تک نظام کو طرح طرح سے سمجھایا کہ وہ اپنے انتظام ریاست کی طرف متوجہ ہو، ہمیشہ اپنے وزیروں کو نہ بدلا کر سب کوئی مستقل وزیر اور منتظم ریاست مقرر کرے مگر جب اس نے یہ سنا تو گورنر جنرل نے آخر کو فیصلہ کیا کہ نظام کو یہ اصرار ہو کہ وہ کنٹنٹ کو برقرار رکھے خواہ اس کا کچھ ہی خرچ ہو تو وہ ایسی کفالت دے کہ آئندہ وقت پر اس سپاہ کا خرچ ادا قرض جو اس پر سرکار کا واجب الادا ہے ادا ہوا کرے نہ

نظام کی ملاقات | غرض لوم صاحب اور نظام کی بہت ملاقاتیں ہوئیں اور بڑی مشکل سے کہ اہمیت کے ساتھ نظام نے اس عہد نامہ پر دستخط کئے کہ جس کے موافق تین ضلعی سرکار کے حوالے کیے، جن کی آمدنی قرض کے سود ادا کرنے کے واسطے اور سات ہزار سوار اور پیدل کنٹنٹ اور چوبیس توپوں کے اور ان کے انگریزی افسروں کی تنخواہوں کے خرچوں

کے لیے کافی ہو، اس عہد نامہ ۱۸۵۲ء پر دستخط ہونے کے بعد اصلاح برادر، رائے پور اور محلدارک جس میں کوئی حصہ اصلی نظامت میں سے نہیں تھا، نظام نے سرکار کمپنی کے حوالہ کیا جس میں نظام کے حقوق شاہی قائم نہیں اور یہ بھی قرار پایا کہ آمدنی میں خرچ کے بعد جو فاضل رہے وہ نظام کو دیا جائے اور یہ اصلاح جو لیے گئے ہیں ان میں نظام کے دوبار کے برٹش ریڈیٹ کی فرمانروائی رہے اور سالانہ آمد و خرچ کا حساب نظام کے مدبر پیش ہوا کرتے ۔

(۲۰)

## ریاست ڈونگر پور

ایک چھوٹی سی ریاست ڈونگر پور تھی جس کا راجہ نابالغ تھا، ریاست میں انتظام انگریزی ۱۸۵۲ء میں ہو گیا ۔

(۲۱)

## جھانسی

۱۸۴۲ء میں کمپنی نے گنگا و حراؤ سے ایک نیا معاہدہ کیا اس معاہدہ نے راجہ کے

ط : تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکاوالہ صف ۱۵)

ط : تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکاوالہ صف ۱۵)

اختیارات اور فوج کو کم کر دیا، راجہ کی وفات پر رانی لکشمی بائی نے کمپنی سے درخواست کی کہ وہ اس کے متبنے کو جھانسی کا راجہ تسلیم کرنے لارڈ ڈلہوزی نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا، جھانسی کو کمپنی کی مملکت میں شامل کر لیا گیا۔

جھانسی کے آخری راجہ نے ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کو وفات پائی۔ ڈلہوزی نے مرحوم راجہ کے متبنی کو وارث تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، رانی کو پیشن سے کر جھانسی کا امحاق کر لیا گیا جھانسی کے امحاق نے ۱۸۵۷ء میں رانی کو انگریزوں کے خلاف صف آرا ہونے پر مجبور کر دیا کیا تھا۔

(۲۲)

## کرناٹک اور تنجو

۱۸۵۳ء میں کرناٹک کا نواب مرگیا جو برائے نام نواب تھا اس خاندان کا بانی تھ جس کا سو برس ہوئے کہ منور الدولہ بانی ہوا تھا، پچاس برس تک کرناٹک کے نوابوں کا خالی لقب قائم رہا اور اچھی پیش پاتے رہے جو ۱۸۰۱ء میں اعظم الدولہ کو لارڈ ولزلی نے عطا کی تھی، یہاں کے رئیس کو نواب کا خطاب تھا، اس کی سلامی کی توپیں اتنی تھیں کہ وہ سرکار کمپنی کے قانون کی پابندی سے آزاد تھا، ایک نواب ۱۸۱۹ء میں مرا اور دوسرا ۱۸۲۵ء میں، دونوں کے بیٹے تھے، بن کو سرکار نے باپ کے سارے حقوق دے دیئے، آخری نواب بے اولاد مرا۔

۱۔ کمپنی کی حکومت ۱۸۵۳ء

۲۔ کمپنی کی حکومت ۱۸۵۵ء

تھا۔ اس کے چچا اعظم شاد نے نوابی کا دعویٰ کیا۔ اس پر لارڈ ہیرس گورنر مداس نے ایک مراسلہ گورنر جنرل کو لکھا کہ گورنرٹھ پر سرے سے یہی فرض نہیں ہے کہ نواب ارکاٹ کی خاص اولاد کو اس کا جانشین اور وارث بنائے، چچا بایکد یک جدی وارثوں کو نوابی کا وارث بنائے لارڈ ویل ہوز می نے ان کے ساتھ اتفاق رائے کیا، کورٹ ڈائریکٹرز نے حکم دیا کہ خطاب اور منصب نوابی کا مع ان تمام حقوق کے جو شاد کے عہد نامہ میں تحریر ہیں موقوف کیے جائیں :

ایسے ہی تنجد کاراجہ بھی بے اولاد مر گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی کرناٹک کا سلسلہ کیا گیا کہ بن کے خطاب جاہ و منصب و پیش موقوف کر دیئے گئے۔ مگر ان دونوں خاندانوں کے وارثوں نے اپنے حقوق کے لیے بڑی فریاد و دادیلا کی، مگر کہیں ان کی شنوائی نہیں ہوئی۔ دکن میں بہت سے انگریز تھے جو ان بزرگ خاندانوں کا ادب کرتے تھے۔ اور ان کو انسوس تھا، کہ وہ اس طرح بالکل مٹ مٹا گئے، سرکار کے بن کاموں کا برا اثر ملک میں ہوا :

(۲۳)

## کورگ پرفرنگی کا تسلط

ولیم بینٹنک کے عہد حکومت میں کورگ کا وسیع علاقہ چینی کی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ مداس کی گورنری کے زمانہ میں اس کی آنکھ کورگ پر تھی وہ کورگ کو ایک انگلش نوآبادی بنانا چاہتا تھا۔ اس نے کھار کو بھی چینی کی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس نے مسیور کے اہلحق کے بعد انتوائی

م : آئیٹم عبداللہ شہید ص ۱۵۱ :



کوشش کی لیکن یہ کام نظام دکن کو خوش کیے بغیر نہیں ہو سکتا تھا، راجہ کو تمام اختیارات سے محروم کر کے میسور کو برطانوی افسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔  
ولیم ہنٹنگ مارچ ۱۸۳۵ء کو انگلستان روانہ ہوئے۔

۱۸۵۳ء میں جاڑا بڑی شدت سے پڑ رہا تھا، بڑے دن سے چند روز پہلے فوٹ ولیم کے توپ خانہ نے مرنے کی توپوں کے چھوٹنے سے مطلع کیا کہ رانگھو جی بھونسلہ راجہ ناگ پھر مر گیا۔ اس کو سنستائیس برس کی عمر میں موت کا پیغام آیا، اگرچہ وہ بڑا بڑی اور رنڈی سے بہت مشغول رکھتا تھا مگر رعایا پر ہمت تھا اس کے خوش کرنے کا بہت خیال رکھتا تھا اور ان پر مہربانیاں دینا اذیتیں کرتا تھا۔  
لاڈل ڈیل ہوزی گورنر جنرل نے حکم دیا کہ ریاست ناگیور ضبط کر لی جائے، انھوں نے لکھا کہ راجہ نے کوئی متبہتی نہیں کیا اور اگر وہ متبہتی کر بھی لیتا تو گورنمنٹ کا یہ فرض تھا کہ اس کے ماننے سے انکار کرتی تھی۔

۱۲۴۱

## ناگیور کی ضبطی

گچھڑ مرہٹوں کی ریاست تھی، بھونسلہ خاندان بیاں کا حکمران تھا، ڈلہوزی نے اس ریاست کا بھی خاتمہ کر دیا اور بہ شدت غارت کیا۔ بلکہ راجہ کے خاندان اور خواتین کی بے عزتی کی گئی۔

۱ : کمپنی کی حکومت ص ۲۵

۲ : تاریخ عہد انگلیشیہ (ڈاکٹر اللہ) ص ۳۲

ریاست ضبط ہوئی تو ہوئی، لیکن انگریزوں کی نڈ پرستی نے اور گل بھی کھلائے اور یہ حرکتیں ایسی تھیں جنہیں انگریزوں کی ذہنیت بے نقاب کر دی۔ اور دنیا نے جان لیا کہ روپیہ پر یہ اسطرح گرتے ہیں جیسے شہد پر کھتی ۔

بیوہ رانیوں اور راجہ کے رشتہ داروں کی معقول پنشنیں مقرر ہو گئیں۔ راجہ کا کل مال صامت و ناطق نیلام ہو گیا۔ گھوڑا، بیل، آتھی، اونٹ کوڑیوں کے مول بک گئے، صرف بکھا بائی یا بکابائی نے غل مچایا کہ اگر میرے گھر کا اسباب نیلام ہو گا تو گھر میں آگ لگا دوں گی، مگر اسباب نیلام ہوا، ادا بھوسلا کے جواہر کلکتہ کے بازار میں بکنے لگے، کچھ چھوڑ بھی دیئے گئے، ریاست کے ضبط ہونے سے زیادہ بڑا اثر اس اسباب کے نیلام ہونے سے ہوا۔

برٹش گورنمنٹ کی بدنامی | اس نیلام سے برٹش گورنمنٹ کی بدنامی ہوئی، روپیہ کا اتنا فائدہ نہ ہوا، جتنا عزت کا نقصان۔ رانیوں نے بہت کوشش کی کہ

ریاست بحال ہو۔ لندن میں اپنے آدمی بھیجے یہاں بہت روپیہ و کیلیوں اور قانون دونوں کو دیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ بڑی رانی نے جانوجی بھوسلا کو اس لیے متبنا کیا کہ اس کے مال و اسباب کا مرنے کے بعد مالک ہو اور خاندان کا نام باقی رہے بھوسلا کا ملک انگریزی میں شامل ہو گیا، اس میں افیون کا گودام پٹنے کی طرح مقرر ہوا اور توپوں کی فیکٹری، کاشی پود کی طرح مقرر ہوئی، پنجاب اور بنگو کے اہل حق نے تو سرحدوں کے سردوں پر کمپنی کی عمل داری کو بڑھایا تھا اور ستارہ و ناگپور کے دو نامور سردیوں کی ریاستوں کے اہل حق نے اندر دنی عملداری کو مستحکم کیا اور ہندوستان کے نقشے میں سرخ رنگ کو بڑھایا، اور کل ہندوستان میں گورنمنٹ کے اس استحقاق کا اعلان کیا کہ بوجہ لاولد مرے گا اس کا ملک راج پاٹ ضبط کرنے کا حق گورنمنٹ کو حاصل ہے۔

ہنگ پد کا راج لینے کیلئے ایک شخص آپا صاحب اٹھا وہ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ دہری شخص ہے تین

ہزار روپیے تھے، اور ناگپور کی حکومت کا خواستہ کار تھا۔ گویا انگریز حکومت نے یہ اصول بنایا تھا کہ ہندوستان کی جو ریاست کسی مذہ کے ماتحت چھینی جاسکتی ہے چھین لی جائے گی۔

## اودھ کا جبری اسحاق

اودھ کا اسحاق سیاسی اور اخلاقی طور پر ایک بہت بڑا گناہ تھا۔ اودھوں نے اس اسحاق کو ۱۸۵۷ء کے حادثہ کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے۔ اودھ کا آزادانہ وجود مغلیہ سلطنت کے دورِ انحطاط سے شروع ہوتا ہے۔ شاہانِ اودھ اگرچہ آزاد تھے لیکن انھیں مغلیہ شاہ کا وزیر خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ نواب وزیرِ مغلیہ دربار کے اثرات سے آزاد ہوتے گئے۔ کمپنی نے انھیں اپنی کے حلقہ اثر سے آزاد کرنے میں مدد دی۔

لارڈ کٹس آف ہٹسنگز نے اودھ کے نواب وزیر کو شاہ کا خطاب دیا۔ وزارت سے شایستگی زیادہ، غلامانہ ثابت ہوئی۔ شاہانِ اودھ کمپنی کے وزیر اثر آگئے، کمپنی نے حسبِ مشاہدہ شاہانِ اودھ کی طاقت کم کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ شاہ کے معاہدہ نے کمپنی کو مملکت اودھ کا محافظ بنا دیا۔

اودھ کی تمام مصیبتوں کا سرچشمہ یہی معاہدہ ہے، کمپنی کی پینچہ سالہ سرپرستی حالات اودھ کو بہتر نہ بنا سکی۔ لارڈ ڈلہوزی بداعلمت پہنچتا تھا، ڈلہوزی کی بداعلمت کا مقصد اودھ کا خاتمہ کرنا

تھا، ملوں سے انگریز اودھ پر آنکھ لگائے ہوئے تھے۔

اودھ کی برطانی آبادی بھی ڈلہوزی کو اسحاق کا مشورہ دے رہی تھی، دربار ناصر الدین کے ایک برطانوی مستود نے شالابن اودھ کو بدنام کرنے کے لیے مشرقی بادشاہ کی خانگی زندگی لکھی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کلکتہ ریویو کے ایک مقالہ میں اسحاق اودھ کا مشورہ بڑا کیا اسحاق اودھ کے بعد ڈلہوزی ۱۸۵۶ء میں انگلستان چلا گیا

(۲۶)

## بوشہر پر قبضہ

افغانستان، برما، پنجاب اور بہت سی ہندوستانی ریاستوں پر غلبہ قبضہ اور تسلط حاصل کرنے کے بعد انگریزوں نے ایران پر قبضہ کرنا چاہا، یہ ایک اسلامی مملکت بھی کیوں انگریزوں کے یمن قدم سے محروم رہے چنانچہ اس پر بھی یورش شروع ہو گئی :-

”خلیج فارس میں بوشہر پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہوئیں، ۱۳ نومبر ۱۸۵۶ء کو بھٹی سے جہاز مسقط سے آگے چلے نیتا لیس جہاز ایک لشکر جہاز ۵۰۰ سپاہیوں کا لشکر جس میں تہائی گورے تھے لے کر یہ جہاز چلے سرزمین ہیک اس بیڑے کے کاٹھ تھے ادبہری سپاہ کے سپہ سالار :-

اس سپاہ نے ۲۴ دسمبر کو جزیرہ کرک پر قبضہ کر لیا، ۸ دسمبر کو الٹا کر سارا لشکر خشکی میں بوشہر سے بارہ میل پر اترا، اوپرانی شہر میں ہڈیوں

**جزیرہ کرک پر قبضہ**

ض : کمپنی کی حکومت ۲۵۴



کا ایک پرانا قلعہ تھا چلے گئے، اس قلعہ سے انگریزی سپاہ نے ایرانیوں کو حملہ کر کے نکال دیا ایرانیوں کی طرف سے عرب کے سوار جو قواعد دان نہ تھے، خوب لڑائے، انگریزی دوائسہ مارے گئے کپتان فلیکس ایک چھوٹی سی دشمنی کشتی میں علم صبح لے کر بوشہر کی طرف گئے اور معمولی درخواست کی کہ شہر حواسے کیا جائے اہل شہر اور تاجروں کو سب طرح سے پناہ دی جائے گی بجائے حوالے کرنے کے ایرانیوں نے جہاز پر گولے چلائے، انگریزوں نے حملہ کر کے بوشہر فتح کر لیا اور بیسٹھ توپیں اور بہت سے اسباب حرب ضرب ان کے ہاتھ آیا، کئی ہفتوں تک پھر لڑائی نہیں ہوئی۔

۱۲۷

## پنجاب کا اسحاق

پنجاب بھی آخر انگریزوں کی دستبرد سے نہ بچ سکا

”نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا نہ مانہ میں“

”رنجیت سنگھ سے اور سکھوں سے انگریزوں نے کافی دوست، نہ تعلقات معاہدہ کر لئے پید کر لیے تھے لیکن جب ضرورت داعمی ہوئی تو تعلقات کا رشتہ، لکڑی کے جائے سے زیادہ کمزور ثابت ہوا۔ اور پنجاب کا اسحاق کر لیا گیا۔“

رنجیت سنگھ کو حکومت جمانے کا بہت اچھا موقع ملا اس کے پشت کو ایک مذہبی گروہ ہندو سہارا دیتی تھی لیکن جس طرح سکھ قومیت، مختلف عناصر سے سمون رکھتی تھی، ایسے ہی سکھ سرداروں کے

ط : تاریخ عروج و زوال شاہیہ (ذکار اللہ ص ۱۲۷)

انکار و اعمال سے بے ریلی اور پشیمانی برستی تھی۔ رنجیت سنگھ (وفات ۱۸۳۹ء) کا جانشین بیٹا کھڑک سنگھ  
 منجھوٹا الحواس بنایا گیا ہے وہ اور اس کا فرزند نونہال سنگھ شیر سنگھ (اپنے بیٹے سمیت) ایک خونی  
 سردار کا شکایتیوا، رنجیت سنگھ کا تیسرا نابالغ وٹا کا ولیپ سنگھ گدی کا وارث اور اس کی ماں رانی  
 "جنداں" راجا کی اتالیق بنی وہ ایک باندی عورت تھی اور انگریزوں کی روایت ہے کہ اسے اور  
 اس کے مشیروں کو اپنے اقتدار کی سلامتی اس میں نظر آئی کہ سر پھرے سنگھ سرداروں کو کپنی سے  
 ٹکر دیا جائے، مشہور کہ دیا کہ انگریز پنجاب پر حملہ کرنے والے ہیں۔ دوسری افواہ یہ بار بار اڑائی  
 گئی کہ سنگھ سپاہی دلی پر ناگہانی حملہ کر کے اسے لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر واقعی وہ انگریزوں  
 کو اس درجہ غافل و بے خبر سمجھتے تھے۔ تو تلخ اترتے ہی اپنی حماقت نظر آگئی ہوگی کہ کوئی بیس سیل  
 پر انگریزی فوج آمادہ جنگ ملی اور سکھوں کا حملہ رک یا معرکہ ٹکی، دسمبر ۱۸۴۵ء پھر دو تین  
 آویزشوں کے بعد خود انگریز فوج نے حملہ کیا اور تلخ کے کتار سے سب راند گانو (ضلع فیروز پور) پر  
 سخت شکست دی (فروری ۱۸۴۶ء) دریا کابل جس کے ذریعہ بھاگنے والے پار پورہ سے نکلے انگریزی  
 توپوں کی زد میں تھا اور عین اس وقت گولہ باری سے اڑا دیا گیا جب کہ سکھ توپ خانہ پیادوں اور سواروں

۱۔ سب حالات کے اخذ انگریزی میں اور ان میں مریا تعصب اور تنگ نظری سے کام لیا گیا ہے  
 سکھوں سے پہلی جنگ لارڈ ہاٹنگ (۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء) کے زمانے میں ہوئی اس کی سوانح خود  
 اس کے بیٹے لے ٹھی ہے اور فرماں دہا یاں ہند "ڈولز آف انڈیا" کے سلا کے کتب میں چھپی ہے ۱۹ء وچپ  
 ہونے میں شبہ نہیں کہ بیٹے کی شہادت ہی کیا، پیل گرلین اور کنگسہم دونوں ہم عصر مورخ انگریز کی جنگ اور  
 سیاست کے باب میں سخت نامستبر ہیں پہلے کی تالیف "رنجیت سنگھ" میں نمش نگاری تک کام لیا ہے کنگسہم  
 کی "ہسٹری آف سکھس" کی طبع اول ۱۸۴۹ء کے نسخے خود مولت نے خالص کئے ۱۸۵۳ء میں دوبارہ بہت  
 کچھ بدل کر شائع کی۔

۲۔ (آکسفورڈ ہسٹری ص ۶۱۳) حوالہ کتاب ہم۔ دانش میں وغیرہ :-

سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا پل گرنے سے ہزاروں ماٹے گئے اور ہزاروں ڈوب کر دنیا کے پار لگے  
انگریز گورنر جنرل کے بیٹے نے یہ تماشا اپنی آنکھ سے دیکھا اور باپ کی سوانح عمری میں مزے  
سے لے کر اس کا نقشہ دکھایا ہے :

سبٹ نوکے پل کی شکست نے لاہور کا راستہ چوٹ کھول دیا پھر انگریزوں  
کی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود غرض پاشی نہیں  
لاہور قبضہ دلانے پر شریک تھے پہل گری فن اپنی کتاب "نجات سنگھ" میں لکھتا ہے کہ نجات سنگھ  
نے جیسے بیج بوئے تھے ویسی ہی فصل اٹھی۔

جو حکومت دغا بازی اور ظلم و ستم پر قائم ہوئی تھی۔ اپنے بانی کے بعد چند روز بھی سلامت نہ رہی۔۔۔  
نتیجہ یہ اس دغا بازی کے جواز کے دیس دی گئی جسے جس کا انگریزی فتوحات میں حصہ تھا۔ پہلے مدہ سے  
میں لاہور کا قبضہ ختم سال تک حاصل کیا گیا۔ (مارچ ۱۸۴۶ء) پھر مہاراجہ کے جوع یعنی آٹھ سال  
تک بڑھا گیا جالندھر اور سیلچ بنیاس کا دواہ لکھنی کے مقبوضات میں شامل ہوئے پندرہ لاکھ شرنی تاون لگایا  
اور مہاراجہ دیرپ سنگھ کی تالیقی انگریز قائم مقام (ہنری لارنس) کے تغلیض ہوئی آگے چل کر اس کی  
ماں جنڈاں تک کو پنجاب سے نکال دیا جموں نے مام گوب سنگھ سے بن ہارویوں پر بہت مدد  
دی۔ وہ قوم کا ڈگرہ۔ وہ ادنیٰ درجے سے نجات سنگھ کا ساختہ پرداختہ آدمی تھا اب اپنے دوست  
کی ملک خراب کرنے میں حصہ دار ہو گیا لاہور کے خزانے میں تاون کی رقم بیچ لاکھ شرنی سے زیادہ  
نہ علی دس لاکھ شرنیاں گلاب سنگھ نے بھرنے کا اقرار کیا۔ اور مدد دینے میں گلستان شہیر کی بدست  
مامل کی کہ سما آج بھی اس کی اولاد کی میراث ہے۔

نجات سنگھ کی تقریباً نوے ہزار فوج توڑ کر ایک تہائی کر دی  
انگریزوں کا عمل دخل گئی تھی اور حکومت لاہور نے انگریزوں کا عمل دخل کا صرف ایک

وا : دائی کشمیر وال کے سلطان حاکم وقت سے چین کے گلاب سنگھ کو دوانے کے لیے ایک انگریزی فوج  
بھیجی گئی تھی اس پر شہر ہزار لکھ بھی بھرتی ہو گئے تھے : (کشمیر کی ہنری ص ۹۶) :



بڑا شہر ملتان، پجارا اور سکھوں کی خاصی بڑی چھاؤنی بن گیا، بعید شمال میں ضلع ہزارہ بھی پوری طرح گرفت میں نہیں آیا تھا لیکن یہاں کے کچھ سب سے سرے سردار تھے جن کے متفق ہونے اور کمپنی پر حملہ کرنے کا خطرہ نہ تھا، چنانچہ مارڈنگ نے رخصت ہوتے وقت اپنے جانشین ڈیوڑھی کو یقین دلایا کہ آئندہ سات برس تک ہندوستان میں توپ چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، مگر یہ نیا گورنر جنرل (۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء) مارڈنگ سے زیادہ سخت دل اور برطانوی ملکیت کا بدترین نمونہ نکلا، اکثر انگریز مورخ اسے سلطنت کے مہاروں میں گنتے اور صفت دشنا کے گیت گاتے ہیں، اہل ہند کے دلوں میں اس کے طریق عمل نے دشمنی کی جواگ لگائی (۱۸۵۵ء کے ہنگامہ میں ولایت والوں تک کو اس کی بوجھل مکتی ہوئی نظر آئی۔ اور برطانوی قوم ایسٹ انڈیا کمپنی سے ناراض ہوئی، اقتدار کی باگ اسی ہٹلر مزاج انگریز کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے بڑے پیمانے پر سکھوں کا قلع قمع کرنے کی تیاریاں کیں)۔

ختم سال (۱۸۵۷ء) سے قبل بیس ہزار سے زیادہ باقاعدہ فوج اور بھالی توپ خانے سے ہزارہ میں فوج کشی کر لی۔ سپہ سالار اعلیٰ مارڈنگ خود قیادت کر رہا تھا، ملتان کا حاکم محصور کر لیا گیا تھا، مہدانی مقابلہ ہزارہ کے مقامی سرداروں سے کرنا تھا جو انگریزوں کی دست درازی سے لڑنے پر مجبور ہوئے، پہلی بڑی لڑائی جہلم کے کنارے لاہور سے کوئی سو میل شمال مغرب میں لڑی گئی اور انگریزی حملہ بڑی طرح ناکام ہوا، زیادہ بدنامی کی بات یہ تھی کہ کمی توپیں اور گورافوج کے جھنڈے غنیمت نے چھین لئے گوروں کو بھاگ کر پیچھے ہٹا پڑا (سعرکہ نلیان والا۔ جنوری ۱۸۴۹ء تا ۱۸۵۰ء ہجری)۔

لیکن یہ اتفاقی کامیابی تھی، سکھ ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے

## اتفاقی کامیابی

ان میں اتحاد اور کسی مذہبی یا قومی غیرت کا پتہ نہیں چلتا، ہزاروں سکھ انگریزوں کی طرف سے ہم قوتوں سے لڑنے آئے تھے بہت سے حلقہ بہ کوشش بن

۱۔ ڈیوڑھی نے اس لڑائی کو بھی اپنی فتح قرار دیا تھا جس پر مارش میں (۱۸۵۵ء) اکین (۲ ص ۲۰۰) اور ڈنٹ اسمتھ (ص ۱۹۹) ایک تعریف کرتے ہیں،



چکے تھے۔ اسی جہزی میں ملتان فتح ہو گیا، وہاں کی فوج اور تازہ دم ملک نے گف کے نقصانات کی تلافی کی بلکہ قوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی، ہم سایہ افغانوں سے سکھوں کو مدد کی امید نہ تھی۔ مقامی مسلمانوں کو خود انھوں نے اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ تعاون کرتے آئندہ محروکوں کے بیان میں انگریز اہل قلم نے مفت میں فسانہ آرائی سے کام لیا ہے۔ غرض چند ہی تھپیڑوں میں دراز مر خالصہ کا سر راتا رو بود بکھر گیا۔ غرور سرنگوں ہو گیا۔ ڈلہوڑی نے اپنی مجلس شورائی یا کپنی کے نظما کی بھی رائے نہ لی۔ پور سے پنجاب کے الحق کا اعلان کر دیا (۱۸۴۹ء) راجہ کی ذاتی جاگیر مکانات زر و زیور تک کچنی کے خزانہ میں داخل کیے انھیں زیورات میں دنیا کا چمکتا میرا کوہ نور بھی تھا۔ جو نادر شاہ کی لوٹ میں ایران اور درآمدیوں کی غارت گری میں نابل گیا اور شاہ شجاع مدانی سے رنجیت سنگھ نے چھپٹ لیا تھا۔ اب تلخ برطانیہ کی زینت ہے، شاید سب سے ناوار قہمی یہ تھی کہ نابالغ ولیپ سنگھ کے دین و حرم پر چھا پامارا، ولایت لے جا کر عیسیٰ بنیامیدان جنگ کے بجائے فقط گیند بنے کے میدان میں دوڑ لگانے کا فن سکھایا۔

کوہ نور اور ولیپ سنگھ | کس طرح کوہ نور کی زبردستی میسائی بنا یہ داستان  
دعوتِ سہی لکین دھپ ہے ۔۔

”لاہور میں آخر وہ بار کیا آمد فتح مند انگریزوں کے احکام کم عمر راجہ اور ان سرداروں کے نوبر و جنوں نے کھلی بندت نہیں اختیار کی تھی۔ پکار کر پٹھے کٹے۔ اور چہر ان شرائط کا ناپیشیا

ط : سرد کے افغان سرداروں میں اتفاق اور قوت عامل کا فقدان تھا، عام مسلمان سکھوں کے دشمنانہ برتاؤ  
حضرت سید احمد بریلوی کی تبلیغ سے سکھانہابی کے دشمن ہو گئے، سید صاحب کی شہادت (۱۸۴۷ء)  
(۱۸۴۹ء جہری) نے انھیں حیات جاودانی بخشی۔ ادا ان کی تحریک بھی دلوں تک

مذہب  
ط : تاریخ پاک و بھارت (سید انشی) ص ۲۵



اس قدر عجیب و ناور ہیں کہ بڑے بڑے انگریز لوگ اور عامۃً انکس جوق و جوق ان کے دیکھنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، تین توپیں تو ان میں سے اس قدر بھاری تھیں کہ ایک ایک توپ کو تین تین ہاتھیں نے ہر مشکل قدم کھینچ کر منزل مقصود تک پہنچایا۔

”لٹان میں مول راج معتمد ختم ہوا اور انگریزوں نے بھی قابض ہو گئے تو انہوں نے فوراً کس قسم کا کاروبار شروع کر دیا، یہ بھی

انگریزی تاریخ جنگ اور تاریخ اخلاق کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔

”لٹان کی خبر ہے کہ لٹان کے رہنے والوں نے لوٹ مار موقوف رکھے جانے کے معاوضے میں بیس لاکھ روپے داخل کئے، شہر میں افواہ ہے کہ رقیابا کا جو سامان مول راج نے اور خود باہم راجہ نے ولایت اور وہ انگریزی تاج کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کو واپس لینے کے لیے شروع شدہ برسرِ روپے دینا چاہتے ہیں مگر سرکار تیس لاکھ روپیہ مانگ رہی ہے۔ وہ سامان نیدم کر دیا جائے گا۔

پنجاب کی جنگ میں راجہ کلاب سنگھ، بگتوں کے ساختہ پیدائشہ و افغان کشمیر نے اپنے آقا کے ساتھ کس طرح بے رقی اور بے مروتی برتی اور کس طرح اپنے لیے انگریز آقاؤں کی خوشنودی حاصل کی اسے بھی پیش نظر رکھیے۔

”یہ خبر بھی آئی ہے کہ خلع جہانگیر کا معتمد راجہ سنگھ جاکر ریاست بٹوں پہنچا تھا۔ وہاں اس کو مہاراجہ کلاب سنگھ کی فوج نے پکڑ کر انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

”مہاراجہ کلاب سنگھ کا نمایندہ فتح پنجاب کی بابر باد دینے لگا۔

کولہدرہ پہنچا اور یہ پینٹ پنجاب سے مل کر واپس چلا گیا۔

۱۔ بہادر شاہ کا روزِ پنج ۱۵۵

۲۔ سرطاسی شہر کی ڈاکری ۱۵۵

۳۔ سرطاسی شہر کی ڈاکری ۱۵۵

۴۔ سرطاسی شہر کی ڈاکری ۱۵۵



**سکھ اور انگریز** جن ریاستوں کے ساتھ ایک تہائی صدی تک انگریز زیادتیوں کرتے رہے، جی پر ظلم کرتے رہے، جن کا الحاق کرتے رہے، جنہیں ان کے حقوق سے محروم کرتے رہے،

جن سکھوں سے انہوں نے پنجاب چھینا، چند سال بعد انتہائی جان نثاری اور وفاداری کے ساتھ انہوں نے انگریزوں کی خدمت کی، جن ہندو اور مسلمان والیان ریاست سے انگریزوں نے غاصبانہ اور جفا کارانہ برتاؤ کیا، انہوں نے ان کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ یہ زمانہ کا کتنا عجیب، لیکن سبق آموز پہلو ہے۔

”اب وہ لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی ہندوستانی ریاستوں کے الحاق کی اور متبہی کرنے کی نہ جاننت دینے کی نہیں رہی تھی، کہ جس سے سارے رئیسوں کے دل شکستہ اور اوس ہوتے تھے لارڈ ڈلہوزی کی اس پالیسی کی کہ ہندوستانی ریاستیں الحاق کی جائیں، حکومت بڑی موید تھی، مگر جب غدر ہوا اور ان ہندوستانی ریاستوں نے مدد کر کے گورنمنٹ انگریزی کی ڈوبتی ہوئی سلطنت انگلشیہ کو بچا یا تو لارڈ ڈلہوزی کی رائے کہ ہندوستانی ریاستوں سے برٹش گورنمنٹ کی کبھی تقویت نہیں ہوتی غلط ثابت ہوئی چنانچہ لارڈ کیننگ نے دہلی میں ہندوستانی رئیسوں کا شکریہ ادا کرتے وقت فرمایا کہ ہندوستانی ریاستیں اس طوفان کا پانی روکنے کے لیے بند ثابت ہوئیں۔ اگر والیان ریاست نہ ہوتے تو ہم پانی کے ایک ہی ریٹے میں بہہ جاتے، ان ویسی روساء کے برقرار رہنے سے جو ہمارے دوست ہیں ہماری سلطنت کی محفلت ہوگی اور اس میں اس دعا فیت کی ترقی ہوگی اور اگر ہندوستان پر باہر سے کوئی حملہ ہوا یا انگلینڈ کو مشرقی سلطنت میں کوئی خطرہ عظیم پیش آئے گا تو بھی ہندوستانی ریاستیں برٹش گورنمنٹ کی بڑی پشت پناہی کریں گے۔ لارڈ نے پنجاب میں ایام قدر میں ہندوستانی ریاستوں کی خیر خواہی اور معاونت اپنی آنکھوں سے دیکھی تو انہوں نے اپنی پہلی رائے کو بدل دیا اور لارڈ کیننگ کی طرح ہندوستانی ریاستوں کے قدر شناس ہو گئے کہ اگر ہندوستانی ریاستیں ان کے ساتھ شریک نہ ہوتیں تو دہلی کبھی فتح نہ ہوتا۔ لارڈ کیننگ نے ویسی روساء کی ریاست کے دوامی قیام کے لیے یہ شرط لگائی تھی کہ وہ برٹش گورنمنٹ کی جان نثاری اور وفاداری خیر خواہیں۔“

اے کون کہہ سکتا ہے کہ ویسی ریاستوں نے انگریزوں کے جاتے وقت تک جان نثاری، وفاداری اور خیر خواہی کا مظاہرہ نہیں کیا، وہ انگریز ہی تھے جو انہیں داغ مفارقت دے گئے۔ ورنہ ان کا جذبہ وفاتو اب تک قائم ہے۔

چاہیں تو تم کو چاہیں، دیکھیں تو تم کو دیکھیں خواہش دلوں کی تم ہو، آنکھوں کی آنسو تم



# مسلم اوقاف کا حشر

## فرنگی دھاندلی، بددیانتی اور خیانت کا مرقع

انگریزوں نے اپنے عہد اقتدار میں، امانت و دیانت کے سلسلہ میں بھی کوئی اچھی اور قابلِ تعریف مثال نہیں قائم کی۔ دلی اور لکھنؤ کے خاندان شاہی کے افراد نے، ملک کے امرار و رؤسائے، نیز باحوصلہ اور مخیر مسلمانوں نے بڑی رقمیں اور جامد ادیں وقف کر کے انگریزوں کی تحویل میں دیں کہ اصل محفوظ رہے، اور نفع کے طور پر جو آمدنی ہو، وہ کا خیر۔ صدقہ جاریہ، بہبود عوام، تقریبات مذہبی، ترویج تعلیم، اعانت ہوگان، تدریس دینی اور مستحق لوگوں پر صرف کی جائے یہ رقومات تو انگریزوں نے لے لیں، اور جامد ادوں پر بھی قبضہ کر لیا، لیکن واقف کے منشا اور مقصد کے خلاف ان کا استعمال کیا، جسے چاہا دیا، جسے نہ چاہا نہ دیا، جو چاہا کیا، نہ کوئی اعتراض سنا، نہ کسی دلیل کی طرف توجہ کی، نہ حق اور استحقاق کا لحاظ کیا، دبدبہ اور جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ اس دھاندلی، بددیانتی اور خیانت کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بھی بلند نہ ہو سکی، اور اگر کوئی مدحہم سی آواز فضا میں بلند ہوتی، تو یا وہ دبا دی گئی، یا خود بخود تحلیل ہو گئی۔

اس سلسلہ میں، اگر ہم کسی مسلمان کی شکایت یا بیان پیش کریں تو گو وہ کتنا ہی مدلل اور مبہن ہو، لیکن اس کی وہ اہمیت نہیں ہو سکتی، جو کسی واقعہ حال انگریز کے مشاہدات کی ہو سکتی ہے، ولیم ہٹلر انگریزوں کے اس طبقہ سے تعلق رکھتا تھا، ”جو انڈین سول سروس“ کے افراد والا معتمد پر مشتمل تھا، ہندوستان کی حکومت و حقیقت تقسیم ہند تک اسی طبقہ کے ہاتھ میں رہی، ہنٹر کا یہ بیان واقعات و

حقائق کی منہ بولتی تصویر ہے، اسی سے، انگریزوں کی دوسری خیانتوں کا بھی اندازہ لگا جاسکتا ہے۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں اذیں مجمل

حضرت صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں :-

”۱۸۰۶ء میں بنگلی کا ایک دولت مند مسلمان فوت ہو گیا اس نے اپنی جائداد کا بہت بڑا حصہ مصروف خیر کے لیے چھوڑا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اس کے ٹرسٹیوں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ اور یہ جھگڑا ۱۸۱۱ء میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ ایک دوسرے کے خلاف بددیانتی کے مقدمات دائر ہو گئے، اس پر ضلع کے انگریز کلکٹر نے عدالت کے فیصلہ تک اس جائداد کو اپنے قبضہ میں لے لیا یہ مقدمات ۱۸۱۶ء تک چلتے رہے آخر کار گورنمنٹ نے ان دونوں ٹرسٹیوں کو بے دخل کر دیا اور جائداد کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ایک ایک ٹرسٹی تو خود گورنمنٹ بن بیٹھی اور دوسرا ٹرسٹی وہ جسے حکومت اپنی مرضی سے نامزد کرے اگلے ہی سال اس ساری جائداد کا دوا می پٹہ لکھا گیا۔ اور ہر دوا می پٹہ دار سے ایک معقول رقم حاصل کر لی گئی، ان ادا شدہ رقوم کی میزان سے اس آمدنی کے جو دوران مقدمہ میں جمع ہوتی رہی ایک لاکھ ستاون ہزار پونڈ ہے۔ تقریباً داکیس لاکھ روپیہ مزید برآں دو ہزار پونڈ تقریباً ڈوہڑھ لاکھ روپیہ کچھ اور پر کی رقم وہ ہے جو اس وقت تک جائداد مذکورہ کی سالانہ آمدنی سے بچائی گئی۔“



”جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں، یہ وقف مصروف خیر کے لیے کیا گیا تھا۔ اور اس کے مصارف وصیت نامہ میں درج بھی تھے، مثلاً بعض مذہبی فرائض اور رسوم کی ادائیگی امام بارگاہ، بنگلی کی عظیم الشان مسجد کی مرمت ایک قبرستان اور بعض وظائف اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی ادارے وغیرہ ایک تعلیمی ادارہ بھی اس وصیت کے مقاصد کے تحت میں آتا تھا، مگر وہ تعلیمی ادارہ ایسا ہونا چاہتے تھا جو مسلمانوں کے خیال کے مطابق ہو، جیسا کہ وصیت کرنے والے

نے خود منظور کیا تھا اسلامی ممالک میں غریب و نادار لوگوں کے لیے کالج قائم کرنا ہمیشہ ایک نیک کام سمجھا جاتا ہے مگر اس سرمایہ سے ایک غیر مسلم کالج بنانے کی سرکوشش و پیرت کفہ کی منشاء کے مطابق ایک الحادی کام تھا۔ اور اس سے ٹرسٹوں کی محنت بددیانتی کے سوا کچھ متصور نہیں ہوتا۔

کیا ہم اس غم و غصہ کا اندازہ کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کے اندر اس بات سے پیدا ہوا کہ انگریزی حکومت ایک انگریزی کالج کی تعمیر سے اس سرمایہ کا غلط استعمال کرنے والی ہے۔ بہر حال اس نے ایسا ہی کیا۔ اور اس جائیداد کا سرمایہ جو اسلامی نقطہ نگاہ سے صرف خیر پر خرچ کرنے کے لیے وقف کی گئی تھی۔ ایسے ادارے پر عہد کر دیا جو اپنی ساخت ہی میں اسلامی اصولوں کے خلاف تھا۔ اور جس سے مسلمان عمل مکمل طور پر خارج کر دیئے گئے تھے۔ اس وقت اس کالج کا پرنسپل ایک معزز انگریز ہے جو عربی اور فارسی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا وہ ایک خاص اسلامی وقت کو ایسی تعلیم میں صرف کر رہا ہے۔ جس کو ہر مسلمان نفرت سے دیکھتا ہے اس کی تنخواہ پندرہ سو پونڈ سالانہ ہے۔ مگر یہ اس کی نسلی نہیں مگر یہ غلط ہے۔ اس کاوت کی جس نے اس کو اس عہدے پر مقرر کیا ہے اور جو دس سال سے متواتر اس عہدے پر تعلیم و تہذیب کا جان بوجھ کر غلط استعمال کر رہی ہے۔ انگریزی کالج کے ساتھ ایک سو پندرہ سال کا قرضہ کر دینا اس انتہائی بددیانتی کو چھپانے کی ایک فضلی سرکوشش ہے۔ کالج کی عمارت پر خرچ شدہ سرمایہ کے غلط استعمال کے علاوہ اس میں سے ہر سال پانچ ہزار پونڈ ہائی پر خرچ کر دی جاتی ہے۔ کیا پانچ ہزار ڈالر سو سو پونڈ کی سادہ آمدنی میں سے صرف تین سو پچاس پونڈ اس اسلامیہ سکول پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ ص ۱

ص ۱ "ہمارے ہندوستانی مسلمان"

# غدر سے پہلے بغاوت کے آثار

## بے اطمینانی، بد امنی، جدوجہد

غدر سے پہلے ہی بغاوت، اور شورش کے آثار پیدا ہو چکے تھے بے اطمینانی عام تھی، بد امنی، مذاہن و  
متمی۔ فرنگی استبداد سے گلو خلاصی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ فرنگیوں کا آفتاب اقبال ابھی نصف النہار  
پر تھا، اس لیے ہر قسم کی جدوجہد ناکام ہوئی، بد امنی و بادی گئی، اور بے اطمینانی کھل دی گئی،  
ذیل میں ہم، ایک انگریز آئی سی ایس کے تاثرات و مشاہدات، اور بیان کردہ واقعات،  
اقبال و استبداد کی صورت میں پیش کرتے ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ، غدر سے پہلے ہی حالات  
نے کیا صورت اختیار کر لی تھی؟

## استہانہ کمیپ

استہانہ کمیپ سے مراد، مجاہدین کی وہ منظم اور پرجوش جماعت ہے، جو  
یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ، ہر قیمت پر مسلمانوں کو، غیر مسلم استبداد سے نجات دلانے کے  
ان لوگوں کی صداقت اور استبدادی سے متاثر ہو کر، انگریزی فوج، اور پولیس کے آدمی بھی ان کا ساتھ  
دینے لگے تھے۔

۱۸۵۲ء کو انہوں نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت  
آگیا ہے، روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے استہانہ کمیپ کو متاثر جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت  
پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ ہماری نمبر، ویسی سپاہ فوج کے ساتھ سائیکس کی تھی جو اس وقت  
راولپنڈی میں مقیم تھی۔ اور معتصب نوآبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبہ پر چڑھتا



کرتے تو یہی رجسٹری جوبس سے پہلے ان کے مقابلے کے لیے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات  
بائے ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لیے ایک باقاعدہ  
نظام موجود ہے۔

پھر کہتا ہے:-

۱۸۵۲ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے جرم میں

سزا یاب ہوئے۔

استہانہ کیمپ کے "باغیوں" یعنی "مجاہدوں" نے موقع پاتے ہی، دوسروں کی  
**مجاہدوں کا زور** اداوار دستگیری سے بے نیاز ہو کر، ہجوم و اقدام پر عمل شروع کر دیا۔

"غدر سے ذرا پہلے ۱۸۵۲ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنا ڈالی اور یہاں تک  
گستاخانہ دہری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تحریف جبرانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے  
لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار پر وہ اس قدر ہنگامہ مچ گئے، کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لفٹنٹ  
ہولن LIEUT HORN کے کیمپ پر شیخوں مارا جو اس علاقہ کا اسٹنٹ کمشنر تھا، اور

اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی، اس کا بدلہ لینے کے لیے زیادہ دیر نہیں کی جا سکتی تھی، چنانچہ  
سرسڈنی کاٹن SIR SIDNEY CATTIN پانچ ہزار فوج توپ خانہ سوار پیدل سمیت

۱۸۷۷ء باقاعدہ فوج، کی سمیت میں پہاڑی علاقہ میں داخل ہو گیا، چونکہ یہ جنگ ان جنگوں میں  
سب سے پہلی تھی، جو اس جنوبی کیمپ کی وجہ سے ہمیں لڑانی پڑی، اس لیے اس کو یہیں مختصر بیان  
کیے دیتا ہوں۔ اور دوسری لڑائی کو جو ۱۸۷۳ء میں ہوئی، صرف بطور مثال پیش کروں گا۔ کسی قدر وقت کے

بعد جنرل سرسڈنی کاٹن کی فوج نے باغی اتحادیوں کے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کے دو نہایت اہم  
قلعوں کو مسمار اور استہانہ کی باغی فوج آبادی کو بالکل تہ و بالا کر دیا۔ لیکن مجاہدین نے صرف یہ کیا کہ وہاں

۳۸۰ ہمارے ہندوستانی مسلمان

پہڑیوں کی دشوار گزار دلدلیاں میں پیچھے ہٹ گئے، اور ان کی قوت کو ذرا بھر بھی ضعیف نہ پہنچنے پایا۔  
اور فوراً ہی ہمسایہ قبیلہ نے ملکا کے مقام پر انہیں ایک نوآبادی قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

غلام سے پہلے مسلمانوں پر زیادتیاں | اشتعل نہ ہوتے اگر ان کا رویہ ان کے ساتھ ذرا بھی ہلکا نہ  
اور منصفانہ ہوتا، لیکن انہوں نے تو یہ طے کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ کر کے دیں گے۔

وجود گٹ ذنب لا یقاس بہ ذنب

اور اس حقیقت کا اعتراف خود فراموشوار انگریز بھی کرنے لگے تھے۔

۱۸۹۳ء میں لارڈ کارنوالس نے پھر اس معاملہ کو بڑی شد و مد سے اٹھایا کہ جس معافی کے علاقہ  
نے متعلق حکومت سے منظوری نہ لی گئی ہو، اس پر حکومت کا قبضہ ہونا چاہئے مگر اس وقت کی طاقتور حکومت  
ہی اس اصول پر کاربند ہونے کا حوصلہ نہ کر سکی پھر یہ معاملہ ۵ سال تک کھڑا رہا۔ ۱۸۹۵ء  
میں حکومت نے ایک بار پھر اسی اپنے حق پر اصرار کیا۔ لیکن اس کے باوجود عمل کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔  
آخر کار ۱۸۹۷ء میں مجلس قانون ساز اور محکمہ منظم نے مل کر ایک بہت بڑی کوشش کا آغاز کیا، جس  
کے ماتحت خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ اور آئندہ اٹھارہ سال تک تمام صوبے میں مجر جھوٹے جھوٹے گواہ  
اور خاموش مگر مستقل مزاج افسران و نگہداری گشت کرتے رہے۔ واکزاری کے مقدمات پر ۸ لاکھ نوپ  
کی سوا پانچ فی صد سالانہ کے حساب سے اس رقم کا بہت بڑا حصہ ان زمینوں سے حاصل ہوتا ہے۔  
جو مسلمان اوقاف کے پاس معافی کی حیثیت سے ہیں۔ اس سے جو ابتری نفرت و حقارت کے جذبات  
پیدا ہوئے وہ ہمیشہ کے لیے دیہاتی دستاویزات میں ثبت ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں پیرانے خاندان  
تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار انہی معافیوں پر تھا، بالکل تہ و بالا ہو گیا مسلمانوں  
کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی اس مسلسل ٹوٹ کھسٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔ لہذا جو شخص غیر جانب داری

لے ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۰۱

سے اس کی تھیوٹریس لگا۔ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ سب داگڈاری کے قوانین کا مقصد محض ایسے حق کے ناند کرنے کا تھا جس کو ہم نے بار بار پر زور طریقہ پر اپنے لیے محفوظ رکھا تو پھر داگڈاری کے مقدمات میں انتہائی سخت کیوں بنی گئی۔ دراصل لکھوہ ہندوستانیوں کی عام رائے کے بالکل خلاف تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے صاف احکام صریح قوانین کی موجودگی میں مروجہ رسم و رواج کا حق ایک غلط سی بات ہے، لیکن پھر مال کا قبضہ اس امر کا پر زور حق پیدا کر دیتا ہے کہ حکومت نرمی کا برتاؤ کرے ہمارے داگڈاری کے اثر جنھوں نے قانون نافذ کیا تھا، رسم کرنا جانتے ہی نہیں تھے ان دلوں کا خوف و ہراس اب تک بہت سے لوگوں کو رہا ہے۔ اس سے ہمارے خلاف نفرت و صہارت کی ایک شدید وجہ پیدا ہو گئی۔ اس وقت سے کسی شخص کا عالم دین ہونا جو ہندوستانی لوگوں کی نظر میں بڑا قابل عزت اور معصیت بخش پیشہ قرار ہنگال میں ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ سب سے زیادہ نقصان اسلامی اوقات کو پہنچا کیونکہ ہندوستان کے سابق فائز و فائز نے اپنے قبائل سے ایسی ہی بے پروائی کی تھی۔ جیسا کہ وہ سرے معاہدات میں لیکن جس کا چارہ لود عاقبت ہندوؤں کے ہاں کوئی امکان نہیں تھا ہم نے ان کی معاہدوں کے بوجھت طلب کیے ان کو پیش ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی طبیعت غیر یقینی تھا۔ ان کی تسلیم شدہ ذاتی جائیدادوں کے معاملے میں بالکل ناگاہک و پچھتر سال تک ہم نے اس انتہائی بے یقینی کو جس کے خلاف ہم محتاج تھے، سب سے جلدی نہ بننے دیا لیکن اس کی مجموعی سزا ایک ہی نسل کو جنگ پڑی اور عدالت میں جگہ کی دیکھ ان کے منہ اور قبائل کا ستیا ناس کرتی رہی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ داگڈاری میں ہمیں اس سے بہت کم ملتا تھا ہم سے بھلا یا گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کے تبلیغی زہم کی تاباں داگڈاری سے ہی شروع ہوئی ہے۔ مذہبی مقدمات کے ختمے و افسر کی رائے میں یہ مسئلہ نوں کی تاباں کا وہ سبب تھا۔



## عذر

۱۸۵۷ء کا عذر، ایک قیامت سے کم نہ تھا، !

اس عذر نے، مسلمانوں کی اس حکومت کا خاتمہ کر دیا، جو کم و بیش ایک ہزار سال سے ہندوستان پر چلی آتی تھی، اور جس نے، اپنے آثار و نقوش اتنے زیادہ پھیلے ہیں کہ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی بہترین کوششوں کے باوجود اب تک نہیں مٹ سکے۔

”پر تھے صفحہ بستی پر ہم اک حرف غلط  
لیکن اُسے بھی تو اک نقش پھٹا کے اٹھئے“

اس عذر کی تاریخ بڑی دردناک، اور لرزہ خیز ہے، مسلمان مٹ گئے، ان کی حکومت چھن گئی، ان کی لائی ہوئی، اور پھیلانی ہوئی تہذیب و تمدن، اور ثقافت و حضارت کے نقوش کھرچ دیے گئے، انفرادی، اور اجتماعی طور پر انہیں تباہ و برباد، اور نیست و نابود کرنے کی منظم اور مسلسل کوششیں کی گئیں، انہوں نے مردانہ دامن ہلاکت آفریں، سماجی کا مقابلہ کیا، مٹے لیکن جیتے بچے رہے، وہ ایک نیا، اور شاید غیر فانی نقش قائم کر گئے۔

میں نے عذر کی شورش، اور ہنگامہ آرائی، مقابلہ اور شکست کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

- ۱۔ عذر کا پہلا دور : ہنگامہ
- ۲۔ عذر کا دوسرا دور : مقابلہ
- ۳۔ عذر کا تیسرا دور : شکست
- ۴۔ عذر کا چوتھا دور : انتقام



غدر کی ساری روایتوں کو اپنی عنوان نامہ کے ماتحت رکھا جاسکتا ہے، ان کے مطالعہ سے  
صورت حالات ابھی طرح واضح ہو جائے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ غدر کے ادوار پر گفتگو کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ، غدر کی اہم  
تاریخوں کا ایک چارٹ پیش کر دیا جائے، تاکہ غدر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس کا  
ایک نقشہ پیش نظر رہے، اس کی روشنی میں اجال کی تفصیل سمجھنے میں، قارئین کتاب کو کافی مدد ملے گی۔

## غدر کے اہم واقعات

- (۱) برصغور و بنگالہ ۱۸۵۷ء - ۱۰ مئی - میرٹھ میں غدر
- باغیوں کا دلی پر تسلط ۸ جون
- ایک تھوڑی سی فوج سے انگریزوں کا پہاڑی کوئٹہ
- ۱۳ ستمبر انگریزوں کا دلی پر قبضہ ہوا
- (۲) لکھنؤ
- ۱۵ جولائی رینڈر نیسی کی حفاظت کا آغاز
- ۲۵ ستمبر ہیولاک اور اوٹرم کا امداد کو پونپنا
- ۲۲ نومبر سرکھائی کیل اور اوٹرم کی آخری امداد گھریزین کی ہتھی
- ۲۱ مارچ ۱۸۵۷ء لکھنؤ کی فتح
- (۳) کانپور
- ۶ جون ۱۸۵۷ء مورچوں کی حفاظت کا آغاز
- ۲۴ جون ۱۸۵۷ء مورچوں کی حفاظت کا اختتام
- ۲۷ جون ۱۸۵۷ء حالکی اور قتل
- ۱۰ جولائی لشکر اشقامی کا واقعہ
- ۲۷ نومبر گوالیار کنفیڈریٹ سے وندہ مہم کی حکمت
- ۶ دسمبر کانپور کی لڑائی اور سرکار لکھنؤ کی فتح
- (۴) وسط ہند و بندیل کھنڈ جون ۱۸۵۷ء
- جھانسی کی رانی کی وفات

اپریل ۱۸۵۹ء نینا ٹوپی کا قتل

(۵۱) روہیلکھنڈ جون ۱۸۵۸ء بریلی کو انگریزوں کا پھرے لینا

یکم نومبر ۱۸۵۸ء اعلان شاہی بمقام الہ آباد مشترکہ لکھنؤ کننگ

اول فالسے و گورنر جنرل - ۱۱

(۱۱) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول (بشیر الدین احمد ص ۶۹)

## غدر کا پہلا دور: ہنگامہ

غدر کا پہلا دور زیادہ تر ہنگامہ آرائی، قتل و غارت، لوٹ مار، اور نوٹ پھوڑ پر مشتمل تھا، یہ وہ دور تھا، جس میں، غصہ اور انتقام سے بھرے ہوئے لوگ، مجرم اور معصوم، خطاکار اور بے گناہ کی تفریق سے آزاد تھے، وہ جیسے اپنا دشمن سمجھتے تھے اس کی جان لے لینا فرض سمجھتے تھے۔ انگریزوں کے ہندوستانیوں کو، ہندوؤں کو، مسلمانوں کو، سکھوں کو، اور خاص طور پر فوج کے سپاہیوں کو سنگسار اور سخت و شدید اختلافات تھے ان کو یقین تھا کہ انگریز انہی کے بل پر حکومت کر رہے ہیں اور انہی کے سبائے زمینگی کی کامرانیاں حاصل کر رہے ہیں۔ پھر بھی انہیں خاطر میں نہیں لاتے، ان کی توہین کرتے ہیں، انہیں ذلیل کرتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں اور ان کی دولت بھین بیٹے ہیں، ان کی ریاست و مارت، جاہ و منزلات اور دولت و ثروت کو لوٹ بیٹے یا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، امر رب کچھ لے چکنے کے بعد اب دین و مذہب کی باتیں ہی ہے اب وہ نہیں بے دین بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

انگریز اگر ذرا بھی، معاملہ فہمی، اور وسعت قلب سے کام لیتے تو شاید یہ غدر واقع نہ ہوتا لیکن وہ ہمیشہ سے حقائق اور واقعات کو اپنے ”پریسیج“ (دھار) پر قربان کر دینے کے عادی رہے ہیں، اس موقع پر بھی انتہائی زہانت اندیش سے کام لیتے ہوئے۔ انہوں نے بھی کیا، اس کے تلخ نتائج بھی برداشت کیے۔

اب ہم مختصر طور پر، غدر کی ہنگامہ آرائی، اور قتل و غارت کی تاریخ بیان کرتے ہیں جو غیرت انگیز بھی ہے، اور سبق آموز بھی۔

**چپاتیوں کی کارٹوس** | عند کے آغاز میں، چپاتیوں کی پراسرار تقسیم کا پڑاؤ محض ہے، یہ ایک ایسی چیز تھی، جس نے سامے ہندوستان میں، غدر سے پہلے

ی ایک دہشت گردانہ یوگ پیدا کر دی تھی، لہذا یہ کام اس تنظیم اور ہمد گیری کے ساتھ ہو رہا تھا کہ ملک کا کوئی گوشہ ان چپاتیوں سے محروم نہیں رہا، دلی کا واقعہ یہ ہے :-

”میں نے گج کے تھانہ جالور کے پاس جو شہر سے باہر واقع تھا، ایک چپاتی ایک چپاسی لایا، یہ چپاتی برو کی پستلی کے برابر تھی اس کا وزن دو تولہ تھا، تھانہ دار کو تعجب ہوا، اس نے محسوس کیا کہ چپاتی بیک کر رہی ہے لہذا اس رولی میں کوئی نہ کوئی اہمیت منور ہو گئی اس لیے اس کا دھج سے تمام ہندوستانی باشندوں میں ایک گونہ بیخود و ہراس چھا گیا تھا، یہاں تک کہ ایک دن یہ اقوال اڑی کہ بیرام پور میں ۵۹ دھج پٹن نے ۱۰ ہتھکڑوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا ہے جس سے خبر پھیلی تو اندیشہ ہوا کہ کوئی مصیبت آ رہی ہے، انا لہ سے لے کر ان دنوں ایک ہندوستانی اخبار شائع ہوتا تھا اس نے مختلف پٹنوں کی کہانیاں کو لور بھی شہرت دے دی یہ سمجھ کر کہ ان تمام باتوں کی تریں کچھ گلا ضرور ہے، تھانہ دار نے ان کے چند آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ تمام علاقہ کا معائنہ کریں لہذا یہ معلوم کرنے کے بعد کہ آٹا اور دیہات میں بھی چپاتیاں تقسیم کی گئی ہیں بلاشبہ ان کی وسیع تقسیم کو روک دیں - (۱۰)

**چربی والے کارٹوس** | ایک طرف تو پراسرار چپاتیوں کے قریب، عند کے لیے، لوگوں کو ابھارا لہذا کیا جا رہا تھا، دوسری طرف انگریز اس پر بھند پڑے کہ ان

کارٹوسوں کو ضرور استعمال کرا دیں گے، جن سے ہندوستانی متنفذ اور ہتیار ہو چکے ہیں، اس کا نتیجہ جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوا :-

”میرٹھ کے فوجی افراد نے چربی والے کارٹوسوں کا تجربہ کرنا چاہا چپاتیوں نے دمی



۱۸۵۷ء کو حکم دیا۔ کہ دیسی سپاہی چرٹی والے کارٹوں میں استعمال کریں۔ ۸۵۰ سپاہیوں نے کارٹوں سے چھوٹنے سے انکار کر دیا۔ (۱۱)

ہندوستان کے قابض ہونے لارڈ کیننگ سے عرض و التجا  
**لارڈ کیننگ کا ترمذ اور نخت** کے اجلاس میں منعقد کیا گیا، کہ یہ کارٹوں سے استعمال کرائیں

لیکن ان کا پندار حکومت اس تجویز کے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا، چنانچہ انہوں نے فرمایا:  
 "مجھے یہ خوف ہے کہ کارٹوں کا معاملہ مشرقی برٹش سے یہ معلوم ہو گا کہ سپاہیوں کی ضرورتاً  
 منتظر کی گئیں، پس یہ فیصلہ لیا گیا کہ تاملدی کے ساتھ بعد ہد کا انتظام کیا جائے، اور عسکری سکولوں  
 میں سپاہ کے دستوں کو حکم دیا جائے کہ وہ قواعد جدیدہ اپنی تعلیم کی مدت معینہ تک عمل کریں۔ (۱۲)  
 چنانچہ جن سپاہیوں نے یہ کارٹوں سے استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا، ان  
**تافرمائی کی سزا** کے لیے قیدی قانون حرکت میں آ گیا:

"۱۸۵۷ء کی صبح کو کورٹ مارشل کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ پریڈ پر سپاہ ہندوستان کی دوپہر  
 جمع ہوئی تیسرے سالہ کو حکم ہوا کہ وہ چارٹر آف پچاس مجرم سوار حوالات سے بدلتے  
 گئے وہ اپنی دردی پہنے ہوئے۔ اب بھی سپاہی معذم ہوتے تھے۔ اول سزا حکم چار کر پڑھا گیا۔  
 پھر تمام ان کی مردیاں پیچھے پر سے اتار لی گئیں۔ پھر لہار اپنے اوزار اور بیڑیاں لے کر آئے بعد پچاس  
 سواروں کے پیروں میں بیڑیاں ان کے ہمراہیوں کے پیروں میں دیں جس سے ان کی سبے عزتی کی کوئی حد  
 باقی نہیں رہی، اس وقت یہ حالات دیکھ کر بہت آدمی افسوس کرتے تھے۔ کہ وہ سپاہی جنہوں نے  
 برٹش گورنمنٹ کی خدمات بڑے کڑے وقت میں کی تھی، اس طرح ذلیل ہوئے۔ قیدی اپنے ہاتھوں  
 کو اٹھا کر اراہہ آوازوں کو نکال کر جرنیل کے آگے کڑا کڑا تے تھے۔ کہ ان پر رحم کرے اس طرح ذلیل و خوار

(۱۱) کمپنی کی حکومت، ۲۶۵

(۱۲) تاریخ عروج و زوال انگلیش (ڈاکٹر اسٹر) ص ۳۳۸

نہ کم سے کوئی سپاہی ایسا نہ تھا جس کی خفہ کے مارے گردن کی رگیں نہ پھولی ہوں۔ جب قیدیوں کو بالکل مایوسی ہوئی۔ تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ملامت کرتی شروع کی، اس وقت گورہ سپاہ کے ہتھیار چمک رہے تھے۔ ان کے خوف کے مارے ہندوستانی سپاہی کچھ نہیں بولے۔ قیدی ہندوستانی سپاہیوں کے پہرے میں جیل خانہ پہنچا دیے گئے۔ پریڈ کے سپاہی۔ غمزہ غصہ میں بھرتے ہوئے اپنی لینیوں میں چلے گئے۔ لارڈ کینیٹ نے اس کارروائی پر فرمایا: کہ پریڈ پر سواروں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنی جس کے اندر کئی گھنٹہ لگے ہوں گے۔ ان سپاہیوں کے روبرو جو بالفضل۔ ناما ض۔ تھے۔ اور ان میں بہت سے ایسے ہیں۔ جو کارفوس کی کہانی کو یقین کرتے ہیں۔ بریگیڈ کے تیز ڈھمک لگانا تھا۔ اس برتاؤ کے بعد ۸۵ قیدیوں کو ہندوستانی پہرہ میں بھیجا ایسی بے وقوفی ہے۔ جو خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ کمانڈر انچیف نے کورٹ مارشل کے فیصلہ کو قائم رکھا۔ مگر یہ کہا پریڈ پر سپاہیوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا خلاف دستور ہے۔ جیل خانہ میں جو چھاؤنی سے دو میل پر تھا۔ قیدیوں کے پاس تیس سالہ کے کپتان گئے۔ یہ ان کا فرض تھا یا رحم تھا۔ کہ وہ سپاہیوں کی تنخواہ اور قرض کو چکا دیں اور ان کے پوچھ لیں کہ وہ اپنے کنبہ کو جس سے وہ جدا ہو گئے ہیں۔ کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔ جیل خانہ میں یہ کام ہو رہا تھا۔ بازاہوں میں یہ وحشت ناک خبریں اڑ رہی تھیں کہ لینیوں میں بڑا خوف ہے کہ یوہین میگزین پر قبضہ کرنے کو ہیں۔ اور دو ہزار بیڑیاں جن کی شہرت پہلے سے ہو رہی تھی۔ تیار ہو گئی ہیں۔ جن کے تجربہ کا آغاز صبح کو چمکا تھا۔ انگریز شام کو آپس میں خوشی غمی سے ایسے ہی ملے جیسے ملا کرتے تھے۔ ایک ڈنر کی میز پر یہ ذکر ہوا کہ مسالوں نے دیواروں پر اشتہار لگا دیئے ہیں۔ کہ انگریزوں سے لڑنے کے لیے لوگ تیار ہوں۔ اس پر انگریزوں کو غصہ تو آیا مگر یقین نہیں آیا۔ کھانا کھانے کے بعد انگریز ہنسی خوشی اپنے گھروں میں چلے گئے۔ (۱)



آخری تشدد رنگ لایا، اور وہ مواد جو ایک عرصہ سے پک رہا تھا، ابھرا، اور ایک خوف ناک

حادثہ کی صورت میں رونما ہوا۔ !

”اتوار کے دن صبح کو مسی کا آفتاب تاباں نمودار ہوا انگریزوں نے گرجا میں اپنی نماز پڑھنے کی تیاریاں کیں بظاہر ایک خاموشی کا عالم نظر آتا تھا۔ مگر ایسی علامتیں بھی نمودار تھیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ بارکوں سے ہندوستانی نوکر بھاگے جاتے تھے۔ افسروں کے بنگلوں پر بھی نوکر غیر حاضر ہوتے جاتے تھے۔ اگلیرواں بانوں کو اتفاقات پر عمل کرتے تھے اور کوئی بڑی بات نہ جانتے تھے صبح کی نماز انہوں نے باطنیان خاطر پڑھی دھیر کے بعد ہندوستانی پابھیوں کی لہجہ میں اور صد بازار میں اور گرد کے دہات میں شور و شر کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں بچے بھی جانتے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ بہت قسم کے آدمی مسلح ہو رہے تھے بد معاش، لچے، شہدے، لیٹھے، فتنہ انگیزی پر آمادہ بیٹھے تھے۔ سینوں اور بازاروں کے ملے جلے آدمیوں میں مختلف قسم کے آدمی تھے۔ کوئی انگریزوں سے نفرت و عداوت رکھتا تھا۔ کوئی انتقام لینا چاہتا تھا۔ کوئی مذہبی جوش میں بھرا ہوا تھا۔ کوئی لوٹ کا بھوکا تھا۔ جن لوگوں سے زیادہ یہ بات سچی تھی کہ جتنا دن چڑھتا جاتا تھا۔ اتنا یہ خوف بڑھتا جاتا تھا۔ کہ گوئے سرے پیر تنگ مسلح ہو کر ہندوستانی پابھیوں پر حملہ کریں گے۔ اور رات ہونے سے پہلے ان کے قتل میں ہتھکریں ڈال دیں گے۔ اور سب آدمیوں کا قتل عام کریں گے۔ اور بازاروں کو لوٹ لیں گے۔ آفتاب غروب ہونے کو ہوا کہ طوفان اٹھا میرٹھ کے سپین مسٹر وٹن بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے شام کی نماز پڑھانے کے لیے سوار ہونے کو تھا۔ کہ ہندوستانی آبلے میم سے منت کر کے کہا کہ آپ گھر کے اندر رہیں باہر نہ جائیں جب اس سے پوچھا کہ تو کیوں منع ہے۔ تو اس نے کہا پابھیوں کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ اس کی بات پر اعتبار نہیں کیا۔ لیکن ہم سمجھا کہ آبلے نے بے وجہ کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ پہلے اس سے کہ ہم گرجا میں پہنچیں

ہندو قتل کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور ہندوستانی گھروں میں سے دھڑلے کے ہاتھ لگنے لگے تھے۔  
 رہے تھے۔ ہم نے بی بی بچوں کو ایک پناہ کی جگہ میں چھپا دیا۔ اور خود گرجا کے اندر داخل ہو گئے۔  
 کہ ساتھیوں رائلز رجمنٹ کا بجلی بجاکر خوف سے جمع ہو جاؤ۔ برٹش گورنمنٹ کے سپاہی اپنی بائبلوں میں  
 دوڑے گئے کہ اپنے ہتھیار اور گولی میں نماز کی جماعت آدمی نماز چھوڑ کر جلدی سے پرائیڈ ہو  
 گئی بعض انگریز اپنے گھروں کو گئے بعض قریب کے گارڈ کو چلے گئے۔ (۱)

اور انگریز وہ اندیشہ جسے انگریز نظر انداز کر رہے تھے، ایک  
**غدر شروع ہو گیا** واقعہ یہ تھا:

”جب یہ واقعات گذر رہے تھے۔ دو ہندوستانی رجمنٹیں خٹناک، اپنی اپنی پریڈوں پر جمع  
 ہوئیں اور اپنی بندو قیں چھوڑنی شروع کیں۔ جب انگریزی افسروں نے یہ فساد دیکھا۔ تو پابھیوں کی لینوں  
 میں انتظام کے لیے دوڑے گئے حتیٰ المقدور انتظام کے لیے کوشش کی۔ مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں  
 ہوا۔ سپاہی اپنے جامہ سے باہر ہو گئے۔ دھمکیوں اور فتنوں کے نشے میں وہ بہرے ہو گئے تھے۔  
 انہوں نے یہ رحم اپنے افسروں پر کیا کہ حملہ نہیں کیا۔ مگر ان کو متنبہ کر دیا کہ کپتی کا راج ختم ہوا، انہوں  
 نے یہ رحم جو اپنے افسروں پر کیا وہ غیر رجمنٹ کے افسروں پر نہیں کیا۔ کرنیل فن ٹس صاحب جو پابلیس  
 سے ہندوستانی پابھیوں کی افسری کرتے تھے۔ اور ان کو بالکل پابھیوں کی وفاداری پر یقین تھا  
 وہی اول قتل ہوئے۔ وہ اپنی گیارہویں رجمنٹ کو فہمائش کر رہے تھے کہ وہ اپنی نمک حلائی پر  
 متوجہ ہوں کہ بیویں رجمنٹ کے پابھیوں نے ان پر گولیاں چلا کر مار ڈالا۔

اب قتل دلوٹ مار کا یا نارگرم ہوا جس میں بانازوں کے اور ہمسایہ کے دیہات کے  
 آدمی بڑی خوشی سے شریک ہوئے۔ ہر طرف سے ہزاروں آدمی ٹوٹ پڑے اور خداسی دیر میں  
 ہندوستانی رجمنٹوں نے افسروں کے بنگلوں پر جمع ہو کر انہیں آگ لگا دی علاوہ کرنیل فن ٹس کے





خارے گئے۔

مٹر ٹوڈ صاحب مہتمم تار برقی اور مارچنٹ پل کو بائیں بل لڑے۔

اول سوار داخل ہوئے جن سے فریزر صاحب رنج اور کپتان ڈگلس صاحب قلعہ وادیا کا مشاہدہ کیا۔  
باغیوں نے جیل خانہ جا کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور دیا گنج میں جہاں ایک بڑی جماعت  
عیسائیوں اور صاحبان میگزین بیک بیوہ بچوں کی رہتی تھی۔ قتل کرنی شروع کی۔ کشمیری مردانے کے  
یورپی مدرس اور مٹر بر سفورڈ صاحب مہتمم بنک مع تمام کنبہ کے مارے گئے۔ پادری لے چرچ  
اور مٹر سائڈ لیس اور مٹر لوک کاک صاحب ڈاکٹر چیم لال صاحب سب اسٹنٹ ہرجن دیلی بھی قتل  
ہوئے۔ ۴۵ دیں پلٹن جو چھاؤنی سے رفع فہرہ اور انتظام کے واسطے شہر کو آئی۔ وہ بھی کشمیری  
میں اتنے ہی باغیوں سے مل گئی۔ لہ کپتان اسمتھ، کپتان بروکس، لفٹنٹ ایڈورڈ، لفٹنٹ وارڈ فیئر  
ڈاکٹر ڈو پنگ جو پلٹن کے ساتھ تھے باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور کپتان زہلی صاحب کو  
کے سترہ زخم لگے تھے مردہ تصور کر کے پھوڑ کے چلے گئے۔ جن کو اسٹورٹ صاحب گاڑی میں ڈال  
کر چھاؤنی لے آئے۔ بریگیڈیر صاحب نے یہ سن کر چھاؤنی کا انتظام کیا۔ اور سب انگریز مع زن و بچہ  
نہان برج میں جمع ہوئے۔ یہ ایک چار دیواری کا گول گھر مابین شہر اور چھاؤنی کے ہے۔ جس پر  
کالین رہتا تھا۔ اگرچہ یہ مقام محکم نہ تھا لیکن امید تھی کہ انگریزی فوج جو میرٹھ سے  
اگر مدد دے گی۔ اس لیے سب نے مع بال بچوں کے یہاں پر قیام کیا۔ اور بریگیڈیر صاحب نے فوج  
کی خاص موقعوں پر تہیں لگا دیں۔ حکام ملکی وغیرہ ملٹا لباس صاحب رنج اور ڈاکٹر یا لفر صاحب  
اور مارشل صاحب سوداگر بھی شہر سے بھاگ کر اس برج میں جمع ہو گئے۔

انگریزوں کی مصیبتوں کا حال بیان سے یاہر ہے۔ تمام ملک ان کا یکا یک دشمن ہو گیا  
گنواہل نے ان کے ساتھ بڑی زیادتیاں کیں۔ لہ بعض راستے ہی میں ہزار ہا مصیبتیں اٹھا کر مارے  
گئے۔ بے چاری تاز پروردہ مہروں اور میموں کو جنہوں نے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھا  
منزلوں بھوکی پیاسی اور برہنہ پا جلتی ہوئی دھوپ میں افتال و خیزاں چلنا پڑا۔



لکھنؤ اور دہلی کا گویا ذکر ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہ رہی کہ جہاں  
 سے پناہ کے لئے جہاں کہیں وہ تھکے بارے پناہ کے خواستگار ہوتے تھے  
 ان سے لوگ باغیوں کے خوف سے ان کو نکال دیتے تھے۔ (۱۱)

نئی سپاہی دلی پہنچ گئے | بالآخر باغی سپاہی نعرے لگاتے اور جوش انتقام سے  
 مدد خواہش دلی پہنچ گئے :

”اس رات کو میرٹھ کا انگلش بریگیڈیر باغی سوار چامنی رات میں گھوڑوں پر سوار دلی کی طرف  
 روانہ تھے کہیں انہوں نے گھوڑوں کی باگ نہیں کھینی۔ پیدل پنشنیں بھی ان کے پیچھے پیچھے خوف کے مارے  
 ان کشاں لبے قدم اٹھاتی ہوئی دوال دوال تھیں۔ چاندنی رات میں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے۔  
 دیکھتے جاتے تھے کہ کہیں بھائی موت کا فرشتہ تو نہیں آتا۔ لیکن گھنٹے پر گھنٹے گزرتے  
 تھے ان کو اپنے تعاقب میں کسی گوسے کے پاؤں کی آہٹ بھی سننے میں نہیں آتی۔ صبح ہوتے  
 ان کو بھناہی کے درشن ہوتے۔ بھناہی کے بے کا آوازہ لگایا۔ اور اب وہ شہر ان کی آنکھوں کے  
 سامنے تھا جس کو اپنا بھلاؤ ماوا بنانا چاہتے تھے۔ اول سلیم پور میں پر مٹ کی چوکی کو آگ لگاتی اور  
 ان کے کلکٹر کو قتل کیا۔ آٹھ بجے سے پہلے بھنا کو عبور کیا۔ مٹر ٹوڈ پر ہاتھ صاف کیا اور کلکتہ دروازہ پر  
 پہنچے جس کو بند دیکھا تو قلعہ کے نیچے بھر دیکر کو آئے۔

میرٹھ سے رات کو ہندوستانیوں کی معرفت دہلی میں بغاوت سپاہ کی خبر بھیجنے میں  
 بہت تاخیر خرچ کیا گیا۔ اسی خبر بہت سوریے اندھیرے میں مٹر سائن فریئر صاحب کشن اور بھنس  
 کشن دہلی کے پاس پہنچ گئی۔ اسی خبر ہی کے سبب سے باغیوں کے آنے سے پہلے صاحب  
 کلکتہ نے شہر کے دروازوں کے بند کرنے کا اور بھنا کے کشتیوں کے پل کا بندوبست کیا۔ انہوں نے  
 مٹر سائن فریئر صاحب کشن دہلی کی گلی میں سوار اور پیچھے اردلی میں جہجہ کے سوار پہلے جاتے  
 تھے صاحب نے اپنی گلی کو میگزین کے پاس تھایا وہاں تلگوں کی کہنی وردی پہنے کھڑی تھی۔ اس

کے صوبہ دار کو کمشنر صاحب نے بلا کر کچھ باتیں کہیں جو میں نے نہیں سنی تھیں۔ مگر لوگوں کے سامنے پوچھا کہ کیا باتیں کہیں تو اُس نے کہا کہ صاحب کمشنر نے کہا کہ ہمارے ساتھ جھوٹا ہم نے کہا کہ ہم اپنے دہرم کے ساتھ ہیں، کہنی نے کمشنر صاحب کی سلامی دستور کے موافق نہیں اتاری کمشنر صاحب نے اپنی سواری اُگے بڑھائی۔ (۱)

قبل اس کے کہ آپ ان پانچ بیویوں کے مزید واقعات پڑھیں، ایک مرتبہ یہ کون سی بات تھی؟ پھر یہ معلوم کر لیں، یہ تھے کون؟ کس پیمز نے انہیں باغی بنایا تھا؟

”میرٹھ پھاؤنی کی فوج نے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو فساد شروع کیا۔ فساد کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ فساد سے ایک دن پہلے کرنل نے انہی سواروں کو کار قوس کا سٹنے کا حکم دیا۔ سواروں نے انکار کیا۔ حکم عدول کے حرم میں چودہ چودہ برس کی قید ان سواروں کو دی گئی دوسرے لوگوں کا خیال ہوا کہ آج ان کو جیل بھیجا گیا ہے کل کو یہی دن ہمارے لیے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے تنگوں کی پلٹن کو ملا لیا۔ اور غدر کر دیا اور جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور کوٹھیوں اور جنگلوں میں آگ لگانی شروع کر دی۔ میرٹھ کی اس کارروائی کے بعد یہ لوگ اسی رات دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ارمی کی صبح کو ایک اہلقت ناگہانی کی طرح قلعہ کے چھوڑ کوں کے نیچے راج گھاٹ دروازے سے شہر میں داخل ہو گئے۔ (۲)

راج گڈھ سے سواروں نے داخل ہو کر جو یورپین ان کو ملا اس کو ہٹلر لوٹنگ علیہ کا آغاز قتل کیا۔ سارے شہر میں ہڑتال مچی۔ ایک ستائے کا عالم تھا۔ سارا شہر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک حیران و سراسیمہ تھا۔ باغی پابھی شہر کے مالک ہو گئے تھے وہ جانتے تھے کہ چھاؤنی میں جتنی پلٹنیں ہیں۔ ان میں سے ایک پابھی بھی ایسا نہیں ہے۔ کہ انگریزوں کی حمایت کے لیے اپنی بندوق کا گھوڑا چڑھائے یا تلوار چلائے یا توپ کو قلیہ لگائے۔

(۱) تاریخ خروج عبد اللہ ذکاء الش ص ۲۰۹

(۲) نصرت نامہ گورنمنٹ، ص ۹



شہر کے ایک سرنے سے جاتی داخل ہو چکے تھے۔ دو سرنے سرنے پر کشتہ فریروز اور انگریز گارڈز کے چاہیوں کو خیر خواہی کے لیے بلا رہے تھے۔ فریروز صاحب نے کپتان ڈگلز کو اپنے پاس بلکے دروازہ پر بلایا تو وہ کپتان دلدار علی کی بگھی میں سوار ہو کر فریروز صاحب کے پاس چلے گئے۔ کو تو والی میں جا کر دروازہ کے بند ہونے کا بندوبست کر لیا تھا۔ اس مجمع پر باغیوں نے حملہ کیا۔ بچن صاحب کے بازو کو زخمی کیا۔

اب ان انگلیش جنرل مینوں نے بھاگ شروع کیا۔ دونوں پولیس اسٹیشن پر اترے جہاں اور انگریز بھی ملے فریروز صاحب نے اپنے گارڈس سے بندوق لیکر ایک سوار کے بندوق ماری وہ مر گیا یہ دیکھ کر اور سوار جھپٹے لیکن شہر کے آدمیوں نے انگریزوں پر ریل پیل ایسی کی کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ اب فریروز میں سلامتی ہے۔ فریروز صاحب اپنے بگھی میں بیٹھے اور قلعہ کے دروازہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ڈگلز صاحب قلعہ کی خندق میں کودے جس سے ان کے پاؤں میں سخت چوٹ لگی وہ آگ سے بچے کھائی میں گرے اس ضرب سے ایسے کمزور ہو گئے کہ چپراسیوں نے اٹھایا۔ ان میں سے ایک نے اپنے کندھے پر بٹیا اور قلعہ کے اندر لے گیا۔ اور فریروز صاحب اور بچن صاحب بن کا بازو اول بھی بد میں زخمی ہوا تھا۔ قلعہ میں پہنچے۔

فریروز صاحب لوگوں کی براہ کشتی و غصہ کے فرو کرنے کے لیے زمین کی میٹھی پر کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ غل کرنے والی جماعت کو سمجھا رہے تھے۔ کہ مغل بیگ اردلی نے ان کے گال پر اچک کر ایسی تلوار لگائی کہ وہ ہڈی تک پہنچی۔ غرض فریروز صاحب کمشنر اب مردہ پڑے تھے اور مرے پر سو درے ہوئے تھے۔

اپر کے کمروں میں ڈگلز صاحب اور بچن صاحب زخمی زار و زار پلنگوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اور پادری صاحب اور اُن کی بیٹی تیمارداری کرتے تھے۔ کہ وہ گروہ جس نے کمشنر صاحب کو مارا تھا انگریزوں کی خونریزی کے لیے زمین سے چڑھ آیا۔ اور اس نے ڈگلز صاحب اور بچن و صاحب مردوں انگریز لیڈیوں کو جنہوں نے نیچے کا غل و شور سن کر اپنی نماز شروع کی

نہتی۔ بڑی بے رحمی سے مار ڈالا۔ ۱۱۱

تنگوں یعنی دیہی پناہیوں نے سب سے پہلے بادشاہ کی پناہ مانگی۔  
**بہادر شاہ کی تقریر** | قبضہ کیا، بہادر شاہ کا دل بھی انگریزوں سے دکھا ہوا تھا، انہوں نے

ان کی سرپرستی منظور کر لی، اور اپنی حکومت قائم کرنے کے واسطے پر غور کرنے لگے،  
لیکن بہادر شاہ، مجبوری، اور بے بسی کے باوجود تنگوں کے آواز پر ہنسنے کے لیے تیار  
نہ تھے،

جب صبح ہوئی تو تنگوں کے کہنے سے بادشاہ کی سواری مع خا ہزاروں کے چاندنی محل  
میں بیگم کے درخانے پر پہنچی بادشاہ نے فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں جان و مال سے  
تمہارے ساتھ ہوں لیکن میرے پاس نہ خزانہ ہے نہ فوج نہ ملک۔ البتہ جب میرا ملک جو کہ  
جاٹے گا تو میں تم کو بھی رعایت خسروانہ سے سرفراز کروں گا۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ نہ ہم ملک کے  
خواہاں ہیں نہ فوج چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہنگام عالی ہماری سرپرستی فرمائیں۔  
لوگ اپنا سر حضور کے قدموں پر نثار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ تمام ہندوستان  
میں حضور کی سلطنت قائم کر کے ابدی ملک نامی حاصل کریں۔ بادشاہ نے یہ سنا فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہتے  
ہو میری بھی دلی آرزو یہی ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے تمہارے واسطے بھی موجود ہے۔ اس کے  
کھاؤ پیو اور ہمت کر کے مخالفوں کو نکال دو اور میرا سکہ جاری کرو۔ قریب شام بادشاہ کی  
حالی قلعہ میں ہوئی۔ قلعہ میں پہنچ کر بادشاہ نے اسکا بن دولت سے مشورہ کیا ہر شخص نے اپنے  
اور عقل کے مناسب معائنے وقت رائے دی۔ آخر اسی صلاح مشورے میں صبح ہو گئی۔

۱۱۱ مئی کی صبح کو میں بحرِ ثریث اور کلکتہ مشرِ پنجپنس کی فرجدار کی طرف  
**غلامی کہانی ایک مجتہد کی زبان** | میں کسی مقدمہ کے سلسلہ میں پیرو کاسی میں مصروف تھا اس

۱۱ تاریخ عروج تہذیب انگلیشہ د ذکاۃ النسا ص ۱۱۲

۱۱۱ نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۱۱۱





نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ میری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ

پاس ہے وہ آپ کا سہ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں اُس کے بعد وہ اترے کپڑے مانگے میں انہیں تقاضا میں لے گیا اور کپڑوں کا بکس سامنے رکھ دیا انہوں نے ویسی پوشاک کا ایک جوڑا نکالا اور ایک خاص قسم کی تلوار بھی پست کی جو عام طور پر جبری گھات کے نام سے مشہور ہے انہوں نے پھر اپنا گھوڑا نکلوایا اور اس ارادہ سے کہ اپنے گھر لوٹ جائیں مگر میں نے بذات انہیں جانے سے روکا انہوں نے کہا کہ میں اپنے سونے کے کمرہ میں ایک بکس چھوڑ آیا ہوں جس میں نوٹوں کی شکل میں تیرا ہزار روپیہ ہے اور مجھ سے خواہش کی کہ قابل اعماد آدمیوں کو بھیج کر بکس منگوا لو میں نے فی الفور کیا ان سنگھ مور اور امرات مرزا کو بکس لا کے لیے بھیج دیا۔

اتنے میں دوپا ہی آتے اور اطلاع دی کہ سر تھیوفلس کے مکان کا راستہ باغیوں نے روک رکھا ہے اور یہ کہ وہ قابو سے باہر ہو گئے ہیں اور قتل و غارتگری پر آمادہ ہیں ان کے چہرے سے اندرونی خوف و ہراس نمایاں تھا لیکن سر تھیوفلس اس بیان سے بالکل متاثر نہیں ہوئے بلکہ یہ کہا کہ میں واپس چھاؤنی میں جانا چاہتا ہوں۔ (۱)

ایک مؤرخ نے غدر کی کیفیت یوں بیان کی ہے:

### غدر کی کیفیت

اوس میں ۱۸۵۷ء کا وہ منحوس دن تھا جب میرٹھ کی متعینہ فوج کے سپاہی بگڑے وہاں اپنے افسروں کو نہایت سفاکی سے تہ تیغ کیا جنگوں کو جلا کر خاک و سیاہ کر دیا۔ اس بلا تے بے درمان نے دلی کا رخ کیا اور قضاے مہرم کی طرح یہاں آن دھمکے پہلے سے کیا آگ ملک ربی لیتی اُس کے بہت اسباب بیان کیے جاتے ہیں لیکن فوراً اشتعال کی یہ ہوئی کہ پچاسی سپاہیوں کو مختلف معیاد کی سزائیں اس قصور سے دی گئی تھیں کہ جو کار تو سس وہ برس

۱۱ غدر کی صبح شام۔ ص ۷۵



کے پلاٹیل و جت چلاتے رہے تھے دفعہ انہوں نے عین پریڈ کے وقت اُن کے کاسٹے سے  
سرکاری لہر ترقی کی جو فوجی قواعد کی رو سے سخت ترین جرم ہے۔ اُس پر طرہ یہ ہوا کہ لوگوں کو سزا  
ہوئی بلکہ علی رؤس الاشباد اُن کے بیڑیاں بھی ٹھوکی گئیں جس سے سمندر ناز پر ایک اور مازیانہ ہوا۔  
کلم لکھلا غدر ہو گیا۔

چاہتے یہ تھا کہ دلی کی طرف جو لوگ بڑے تھے پورپن فوج اُن کا تعاقب کر کے  
سداہ ہو میں لیکن جنرل نے نہ مانا چنانچہ اسی الزام میں آگے چل کر کمان سے اُتار دیئے گئے۔ لیکن  
اسی جنرل کی ناعاقبت اہلیٹی کی بدولت نہ صرف دلی کے انگریزوں کی جان پر مبنی بلکہ آٹا فٹا سا  
ہندوستان میں انگریزوں کے ہیرا کھڑ گئے۔ دلی کے گرد و نواح میں ایک اودھم مچ گئی شہر پر بانیو  
نے قبضہ کر لیا۔ امی کی صبح تک دلی میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لہذا نہ کسی قسم کا خطرہ تھا کہ  
دفعہ یہ خبر گوش زد ہوئی کہ باغی میرٹھ سے اُن پہنچے۔ فریزر صاحب کمشنر۔ مٹر پچس لکھنؤ  
تینا فٹس مشکاف مجسٹریٹ سب اکٹھے ہو کر بلوائیوں سے اتمامِ نجات کرنے کے لئے گئے  
اُن کے ساتھ قلعے کے کپتان ڈگلس صاحب بھی تھے۔ باغی پہلے ہی راج گھاٹ دروازہ سے  
جو قلعہ کے نیچے ہے شہر میں داخل ہو گئے تھے اُن سب نے بہت زمی لہذا استیصال سے  
باغیوں کو بھایا بھایا لیکن اُن کے سر پر شیطان سوار تھا وہ کب سننے والے تھے اس مختصر پادلی  
پر ٹوٹ پڑے یہ لوگ پاپا ہو کر لاہوری دروازہ کی طرف کوہٹے مشکاف صاحب تو خدا جانے  
کس طرح پیر کر نکل گئے باقی رہ گئے تین انگریز۔ فریزر۔ پچس۔ اور کپتان ڈگلس بے طور زخمی  
ہوئے انہیں قلعہ میں لائے یہاں باغیوں نے لہذا ملازمت شاہی نے ان کا کام تمام کر دیا۔

ادھر یہ سانحہ گذرا اب ادھر کی سینیئر کہ بنگال لیٹ انفری کشمیری دروازہ پہنچی جہاں کے  
انگریزوں بنگال لیٹ انفری کا گارڈ پہلے ہی سے کھڑا تھا کرنل ڈپٹی آگے آگے تھے اور  
دوسرے عہدہ دار اُن کے ساتھ ساتھ تھے یہ لوگ کشمیری دروازے کے احاطہ میں سے گذرے  
تھے میرٹھ کے بلوائیوں میں کچھ لوگ ان پر اپنا ٹک ٹوٹ پڑے اور کرنل کو مع چار دوسرے

عہد داروں کے کاٹ کر دھردیا جو عہدہ دلہنہ پنکڑ سے  
نکلے غرض یہ کہ فرج نے اپنے افسروں کی فدا بھی مدد نہ کی۔

میگزین کے افسر انچارج لفٹنٹ جارج ولوبی تھے اُن کے پاس توپ خانے کے  
کنڈکٹر اور نان کیپٹنڈ افسر تھے ولوبی صاحب نے یہ جان لیا تھا کہ اگر میرٹھ سے کچھ مدد آگئی تو  
کی توقع تھی تو خیر ورنہ یہ سارا گولہ بارود اور توپ خانہ باغیوں کے ہاتھ لگے گا اس لیے انہوں  
نے ہلکی ہلکی توپوں کو موقع پر لگا دیا کہ بدلتی حملہ کر بیٹھے تو کچھ تو اُن کو جواب دیا جائے اور  
آخری تدبیر یہ کر لی تھی کہ بارود قطار میں پھیلا دی کہ اگر معاملہ دلہنہ گولہ ہو جائے تو سارا سامان  
دشمنوں کے ہاتھ میں دینے سے بہتر ہے کہ اُسے اڑا دیا جائے کہ نہ رہے پاس نہ  
بچے بالہ ہی بہت دستی گارڈ اور خلا صیدوں کو بھی ہتھیار بانٹ دیتے مگر وہ کب ٹکٹے والے  
تھے موقع ملتے ہی شک گئے، بالآخر فرج کے آنے سے اُس ٹوٹ گئی تب نکل دیا گیا اور پلو  
کو فتنہ دیا گیا۔ پھر کیا تھا میگزین دن سے آسمان کی طرف اڑا اور اپنے ساتھ بہت سے بلوائیوں  
کو بھی لے اڑا اور ایسا دھماکا ہوا کہ شہر لرز گیا لہ لوگوں کے کلیجے دہل گئے بلوائیوں نے پھاؤلی کا رخ  
کیا کشمیری دروازے کی طرف انگریز زیادہ رہتے تھے یہیں صاحبان انگریز اور محکم صاحبوں نے  
پناہ لی تھی اُن سب پر گولیاں برسے لگیں ان سب کا ستم اڑا ہوا جاا اگر خزانے کی کچہری پاس  
ہوتی کیونکہ سپاہیوں کا غل کا غل خزانہ لہٹنے کو اور ٹوٹ پڑا اور اُن لوگوں کو جو دن  
موت کے منہ میں تھے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا یہ سب مل کر فلیگ اسٹاف کے تنگ سر  
میں جمع ہوئے اور نہایت اضطراب سے میرٹھ سے فرج آنے کا انتظار کرنے لگے  
سارے شہر پر تلنے لگے اور اُن کے ساتھ شہر کے بد معاشں پھاتے ہوئے چوڑے  
لوٹ رہے تھے اور جہاں پر جو انگریز یا کرانی ملا فوراً ٹھکے اٹا دیے۔ آسمان پر دھماکے کے آواز  
پھاتے ہوئے تھے سارے بنگلوں کو پھونک دیا۔ (۱۱)

۱۱ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول - ص ۱۱۰



مرزا غالب نے بھی غدر کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے  
دیکھا تھا، وہ فرماتے ہیں :-

سے مرزا غالب غدر

۱۲ رمضان ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کو علی الصبح یکایک دہلی کی شہر پناہ اور قلعہ کی دیوار  
پس زلزلہ پیدا ہوا یعنی میرٹھ چھاؤنی سے کچھ باغی سپاہی بھاگ کر دہلی آئے۔ رب کے رب  
الانوت پر کمر بستہ اور انگریزوں کے خون کے پیاسے تھے۔ شہر پناہ کے محافظوں نے جو باغیوں  
کے ساتھ ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے قتلنا ہمدردی رکھتے تھے۔ اور جو ممکن ہے پہلے سے ان  
کے ساتھ عہد و پیمان بھی کر چکے ہوں۔ دروازے کھول دیئے۔ ان سبک عثمان سواروں اور تیز رفتار  
بیادوں نے جب شہر کے دروازوں کو کھڑا اور دیواروں کو جہان نواز پایا تو دیوانہ وار ہر طرف دوڑ  
پڑے۔ لہجہ جہاں جہاں انگریز افسروں کو پایا قتل کر ڈالا۔ بندہ گھر میں بیٹھا تھا کہ شور و غوغا بلند ہوا  
اس کے کہ سبب دریافت ہو۔ چشم زدوں میں صاحب ایجنٹ کی قلعہ میں مارے جانے کی  
خبر آئی۔ ساتھ ہی معلوم ہوا کہ سوار و پیادہ ہر گلی کو پھر میں گشت لگا رہے ہیں۔ پھر تو کوئی جگہ ایسی  
تھی جو مغل حاکموں کے خون سے رنگین نہ ہو۔ لہذا باغ میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ویرانی میں مانند  
ستان نہ ہو۔ کیسے کیسے انگریز افسر منصف مزاج، دانشور، نیک خو، نام آور تلوار کے گھاٹ  
پڑے۔ کیسی کیسی پری چہرہ نازک اندام خاتونان فرنگ خون میں نہا دیں۔ افسوس ان کے ننھے ننھے  
بچوں کی گھٹتہ روئی لالہ و گل پر ہستی تھی لہذا جن کی خوش خرامی بکب و پکور کو شرماتی تھی۔ کس طرح  
بچے درمخ کے نذر ہوئے۔ اگر موت ان مقتولوں کے سر ہانے ماتم میں سیاہ پوش  
مرد و زانی کرے تو روا ہے اگر آسمان خاک ہو کر برے اور زمین غبار ہو کر اڑے تو بجائے ہے

اے تو بہار پھول تن بسمل بخزل بخلط  
اے روزگار پھول شب بے ماہ تار شو  
اے آفتاب روئے بسمل کبود کن  
اے ماہتاب داغ دل روزگار شو

مرزا غالب کی ہمدردی غدر و سبوتاژ پر

## تلنگوں کی حرص و طمع

تلنگے شہر میں سونا خریدتے پھرتے تھے۔ ان کی حرص و طمع کی سبب سے سونے کا بھاؤ سولہ سترہ روپیہ سے تالیس ۲۸ روپیہ تک ہو گیا۔ دلال بازاروں اور گلی کوچوں میں ان کو لیے پھرتے تھے۔ اور ان کو ہندوستانیوں کے گھروں سے سونے کے زیور مولے دیتے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی اپنی ضرورتوں کے سبب سے لہو ہندوؤں نے اپنے طمع کی سبب سے سونے کے زیور ان کے ہاتھ بہت بیچ ڈالے۔ نادوں کی دوکانوں پر تلنگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ دلال اگر کسی محلہ میں ان سے دفا کرتے تو پھر مارے محلہ کی کمیٹی آجاتی ایسے مالدار تلنگے تو تھوڑے سے تھے۔ مگر مفلس بہت تھے اس لیے وہ بادشاہ پر تنخواہ کا تقاضا کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ گستاخیاں۔ (۱)

## لوٹ مار کے اسباب

ظاہر ہے، ویسی پابھیوں، یعنی تلنگوں کی یہ حرکتیں غیر پسندیدہ تھیں، لیکن ان حرکتوں کے اسباب کیا تھے؟ اس پر ایک مؤرخ نے یوں روشنی ڈالی ہے :-

”ایک سبب لوگوں کے قتل کرنے اور ان کے گھر لوٹنے کا یہ تھا کہ تلنگوں کو شجر کے آدمی یہ بتا دیتے تھے کہ اس گھر میں انگریز عورت یا مرد چھپا ہوا ہے۔

۱۲ مئی کو تو اب حامد علی خان بھی اس جلا میں گرفتار ہوا۔ کہ تلنگوں کو لوگوں نے یہ شبہ ڈلوایا

کہ انگریز اس کے گھر میں چھپا ہوا ہے وہ اس کو کٹاں کٹاں قلعہ میں لائے۔ محبوب علی خان

دیر بادشاہ نے رہائی کے لیے سفارش کی۔ تلنگوں نے اس شرط پر چھوڑا کہ گھر کی خانہ تلاشی کی

جائے۔ اگر انگریز نکلا تو ہم اس کا برا حال کریں گے۔ نہیں تو چھوڑ دیں گے۔ مرزا ابو بکر نے نو اس

کے گھر کی تلاشی کی وہاں کوئی انگریز نہیں نکلا۔ چنانچہ وہ چھوڑ دیا گیا۔

۱۳ مئی کو نائن داس نہروالے پر تلنگوں کو یہ شبہ ہوا کہ اس میں کوئی انگریز چھپا ہوا ہے



انہوں نے اس کو جاکر گھیرا اور دو فرنگیوں کو نکالا اور ان کو مار ڈالا۔ اور لالہ کا مکان لوٹ لیا۔ اسی طرح شہر میں اور دو چار غریب آدمیوں کے گھر کی کبھتی آئی۔ ایک درزی کے گھر میں سے تین فرنگی نکالے۔ ایک لہو سبب لوگوں کو قتل کرنے اور لوٹنے کا یہ ہوا۔ کہ شبہ ہوا کہ وہ انگریز کے ساتھ سازش رکھتے ہیں۔ ان کو چوٹیاں و خبریں بھیجتے ہیں۔ یا رسد کا سامان ان کے لیے بہم پہنچاتے ہیں۔ تلنگوں کو اکثر صحیح پتہ لگ جاتا تھا کہ شہر میں کون کون لوگ انگریز سے سازش رکھتے ہیں۔ اور کون کون آدمی خبریں بھیجتے ہیں۔ انہوں نے سنگم اور تراب علی کو۔ مجری کی عدت میں گرفتار کیا۔ حقیقت میں یہ دونوں مجرمتھے ان کو جڈ بند کر کے وہ قلعہ میں لے گئے۔ مگر وہاں جا کر شہزادوں کی سفارش سے وہ پھوڑے گئے۔

تلنگوں نے ایک چھٹی پکڑی اس کے کہنے کا شبہ محبوب علی خان پر اور حکیم احسن اللہ خاں پر ہوا، دونوں کو گرفتار کیا۔ مگر بادشاہ کی سفارش سے احمد ان کے حلف اٹھانے سے چھوڑ دیا۔ راجہ اجیت سنگھ مہاراجہ پٹیل کا چچا دہلی میں رہتا تھا۔ اس کو دو دفعہ تلنگے اس شہر میں پکڑ کے لے گئے کہ وہ پٹیل اور انگریزوں کے پاس خبریں بھیجتا تھا۔ اس کا نتیجہ مہاراجہ پٹیل اور انگریزوں کا طرف دار ہے۔

بادشاہ نے اس کو یہ کہہ کر کہ وہ برسوں سے دہلی میں مہاراجہ پٹیل سے ناراض ہو کر رہتا ہے۔ یہ کام نہیں کرتا ہوگا۔ رہائی دلائی۔

ایک سبب لوٹنے مارنے کا یہ بھی تھا کہ لوگوں پر یہ شبہ کرتے تھے کہ وہ پہاڑی پر انگریز لشکر گاہ میں رسد پہنچاتے ہیں۔ کشمیری و موری دروازہ کے نان بائیوں کو اس ہرم میں مار ڈالا کہ وہ ڈیل روٹیاں پکا کر پہاڑی پر بھیجتے ہیں۔ ان سببوں کے سوا اور اسباب بھی گھر لوٹنے کے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ سلیم گڈھ کی توپوں میں کنگر بھرتے ہوئے نکلے۔ دوسری دفعہ ان میں میخیں ٹھکی ہوئی نکلیں دونوں باتوں کا جسے محبوب علی خاں اور حکیم احسن اللہ خاں پر ہوا۔ تلنگوں نے دونوں پر تلواریں سوتیں دونوں نے حلف اٹھایا کہ ہم نے یہ کام نہیں کیا۔ بادشاہ

نے ان کے غصہ کو دھیمایا۔ اور دونوں کی جان بچائی۔

غرض جیسی لوٹ مار کی شہر میں شہرت ہوئی تھی۔ اس کا سواں حصہ بھی جمع نہیں ہوا۔

حصہ ہا حصہ تھے۔ بن میں ایک کوڑی کا مال بھی نہیں لٹا۔ (۱۱)

اپنی زرپرست اور طامع پابھیوں میں ایسے بھی تھے، جو ایماندار تھے

امانت دار سپاہی اور بچے دل سے اس لڑائی کو لڑنا چاہتے تھے :-

”جیل خانہ پر جیلیوں کا پہرہ رہتا ہے۔ وہ دو پہر تک غل غپاڑہ صبر سے سنتے رہے

جیل خانہ کو لوٹنے نہیں دیا۔ مگر پھر انہوں نے ملک حرامی کی اور بغاوت اختیار کی ترک سوار بھی

پہنچے انہوں نے جیل خانہ کو توڑا۔ قیدی خوشی خوشی بیڑیاں اٹارنے لگے ایک دو جہم قیدی رہائی

کی خوشی میں شادی مرگ ہوئے۔ قید خزانہ لہر قیدیات دونوں سے آزاد ہو گئے۔ خزانہ لٹ نہیں

امانت کی امانت تنگوں نے بادشاہ کے حوالہ کر دیا۔ (۱۲)

یہ لڑائی بے سرو سامانی کے عالم میں شروع کی گئی تھی۔ نہ بہادر

مصارف جنگ کا مطالبہ شاہ کے پاس ایک کوڑی تھی، نہ باغی سپاہی گھر کے رئیس اور

دیندار تھے، جنگ بہر حال لڑنی تھی، چنانچہ صلاح و مشورہ کے بعد، بادشاہ نے چند اہل ثروت

اصحاب سے مصارف جنگ کے سلسلہ میں مالی امداد طلب کی جو حسب ذیل تھی :-

رئیس چھتاری سات توپیں اور روپیہ ۵۰۰۰۰

۱۰۰۰۰

۵۰۰۰

۵۰۰۰

رئیس بعلی

فہرست مطالبہ زر

رئیس دھرم پور

رئیس دا پور

(۱) تاریخ عروج عہد انگلیز ص ۶۶

(۲) تاریخ عروج عہد انگلیز ص ۶۲



۵۰۰۰	رئیس پھارو
۵۰۰۰	رئیس سعد آباد
۲۰۰۰	رئیس دتاولی
۱۰۰۰۰	رئیس بصیم پور
۱۰۰۰۰	رئیس بداون
۵۰۰۰	راجہ جے پور
۵۰۰۰۰	مہاراجا مسترا
۱۰۰۰۰۰	راجہ بدب گڈھ
۲۰۰۰۰	رئیس غلام علی آرولی
۵۰۰۰۰۰	راجہ بھرت پور

۱۲۴۵۰۰۰

میزان

پنچم داس زیندار مسترا کی بھی عرضی آئی تھی۔ کہ اس کو سند مسترا اور میرٹھ کے دریا

انتظام کرنے کی سند۔ مگر کچھ حکم نہ صادر ہوا۔ (۱)

کتنی معنی رقم تھی، — لیکن، یہ امرائے نامدار اس، بھی بندوبست نہ کر سکے، اس کا انتظام قدرت کی طرف سے انگریزوں نے ان کی اولاد سے لیا۔ جس نے اپنی اور دوسری جنگ عظیم کے مصارف کا بڑا حصہ، کروڑوں لاکھ لالوں، روپیہ کی صورت میں انگریزوں کو نذر کیا، یہ ملکی جنگ کے لڑنے کے لیے، پھوٹی کا رقم نہ دے سکے استعماری جنگ لڑنے کے لیے ان کی اولاد نے غزوات کے دروازے کھول دیئے۔

۱۱ تاریخ غوج عہد انگلیشہ د کا (اللہ) ص ۶۹

انگریزوں کی پیتا . . .  
 اگرچہ قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ لیکن انسانیت زندہ  
 تھی :-

## ہندوستانیوں کی شرافت

”پہاڑی پر چھاؤنی میں انگریز بالکل مایوس تھے۔

پاہی ان سے برگشتہ ہو گئے۔ توپیں ان کے قبضہ سے نکل گئیں۔ اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ چاند  
 پہاڑی تک حلال تھے۔ لہ افسروں کے گھر بھی قریب تھے۔ جہاں سے انہوں نے اپنی سواریاں اور گھوڑے  
 گاڑیاں منگوا لیں۔ لہ ضروری اسباب ساتھ لیا۔ لہ روپے بھی ساتھ لے لیے۔ یہاں شہر کے کامیوں  
 کا امیر بادشاہی ملازموں کا اثر بھی پامیوں پر نہ ہوا تھا۔ کہ وہ ان کو بے رحمی سے قتل کرتے۔ جب  
 وہ چلے ہیں تو پامیوں نے بھی ان کے ساتھ تھوڑی دھرمیت کی۔ لہ افسروں سے ہمت کہا کہ آپ  
 جلدی چلے جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ شہر سے سرکشوں کی بھیڑیاں آجائے۔ بعض افسروں نے جانے  
 میں اس لیے دیر لگائی۔ کہ وہ اپنے رجمنٹوں کے علم اپنے ساتھ لے جانے چاہتے تھے۔

شہر پر چھاؤنی سے انگریز بھاگ گئے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ کہیں جنگلوں میں اور غیر  
 آباد کھنڈوں میں چھپے۔ کہیں انہوں نے اپنے لباس اتارے کہ نہ پہچانے جائیں۔ کہیں چوٹوں نے  
 ان کو لوٹا کہیں گنواروں نے دوست بن کر وفادی کہی وہ اپنے شہر کی بیچوں سمیت دریا کے پانی اور دلدل  
 کوٹے کر کے پار اترے۔ کہیں وہ خوب پیٹے۔ کہیں وہ دھوپ کی گرمی کی شدت سے دھوپ میں ننگے  
 لہ بھوکے پھرے۔ راتوں کو ایسی حالت میں کہ ہر لمحہ جان جانے کا خطرہ تھا۔ نہ سوتے۔ بعض دفعہ نادک  
 عورتیں اپنے تہ و بندوں سے اور بچے اپنے مال باپ سے جدا ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ بات یہ  
 بھی ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے اپنی جان پر کھیل کر انگریزوں کی جانیں بچائیں اور اپنی قوم  
 کی شگلی اور بدکاری کے داغ کو مٹایا۔ دیہات میں بہت سے ہندوستانیوں نے مفرور انگریزوں کی  
 بٹی خاطر داری کی اور ان کو سلامتی کی جگہ پہنچا دیا۔ ان بچانے والوں میں بڑے بڑے زمینداروں سے  
 لے کر خاک روبر تک تھے۔ جنہوں نے عیسائیوں کی جانیں بچانے میں اپنی جان کو جو کھوں میں ڈال دیا۔“

”تاریخ غریب عبد انگلیشہ دذکا: الش حصہ ۲۲“



بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے کہ اس شورش اور ہنگامہ  
دیسی سپاہیوں کی وفاداری آسانی کے زمانہ میں بھی انہوں نے اپنی وفاداری انگریزوں کے  
 ساتھ قائم رکھی۔

”غرض وادی پشاور میں دو ہزار پانچ سو یورپین۔ اور دس ہزار ہندوستانی سپاہ لکھی جن میں  
 سے دسویں حصہ بر انگریز اعتبار کر سکتے تھے۔“

اندرونی خوف سپاہ کی بغاوت کا تھا۔ مگر بیرونی خوف سرحد کی آفات نانی قوموں افریدی اور  
 یوسف زئی و ہند وغیرہ کا تھا۔ اگر یہ قویں انگریزوں کے ساتھ برسرِ فوج ہو تیں۔ تو اندرونی بیرونی  
 دشمنوں کے ملنے سے انگریزوں پر دوہری مصیبت واقع ہوتی پھر انگریزی جوانمردی ان کی برداشت  
 نہ کر سکتی پھر ان سرحدی قوموں کے سوا کابل کا خوف تھا۔ دوست محمد خان کی دوستی روپیہ دے کر  
 خریدی گئی تھی۔ دوست محمد خان پشاور کے پھر ہاتھ میں آنے کا دیوانہ تھا۔ اس کو یہ موقع خوب ہاتھ  
 لگا تھا۔ اگر سرحدی قویں اور افغانان اس وقت انگریزوں سے بگڑ بیٹھتے تو مشکل سے کہ جاتے  
 کہ ہندوستان میں انگریزوں کا حال کیا ہوتا۔ ۶۱

لیکن اس کے باوجود وہ ناقابل اعتبار سمجھے گئے۔

پھر بھی ہتھیار رکھ لئے گئے ”بچے سب کو پشاور پر یہ ہوئی اس میں بڑی دانشمندی

سے کام کیا گیا ایسی خوش آمدنی سے یورپین سپاہ کھڑی کی گئی کہ ان سے مقابلہ کرنا سپاہیوں کو بے  
 فائدہ معلوم ہوا۔ اور چاروں ہندوستانی رجمنٹوں کو حکم ہوا کہ ہتھیار رکھ دیں ۲۱ ویں ہندوستانی  
 پیڈل رجمنٹ اس بے عزتی سے اس سببے باز رہی گئی کہ اس نے کوئی بغاوت کی علامات نہیں  
 دکھائی تھی۔ اس کے افسر بڑے اچھے تھے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ ہندوستانی پیڈل سپاہ کے بغیر ملری  
 خدمات کی بجا آوری نہایت دشوار تھی۔ (۲)

۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ ذکاء اللہ ص ۵۶

۱۲ تاریخ عروج عہد انگلیشہ ذکاء اللہ ص ۵۶

پنجاب کے شہریوں کے لیے گئے۔  
 اندر کے نازک زمانہ میں، سب سے زیادہ تعاون  
 اور ہمدردی کا اظہار پنجاب کی طرف سے ہوا تھا، پھر

بھی انگریز، ہر طرح کی امداد پنجاب سے لینے کے باوجود اس پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے، شہریوں  
 تک سے وہ غافل تھے :-

”لہذا ان کے باشندوں سے ہتھیار لیے گئے۔ ریکٹس صاحب نے لوگ کی رجمنٹ کے ذریعے  
 اہل شہر سے ہتھیار لیے۔ سب جگہ اسی طرح رعایا سے ہتھیار لیے۔ گو بہت سے لوگوں نے  
 چھپا رکھے تھے۔ پنجاب کمیشن کا یہ بڑا کام تھا۔ مگر بارہن نے عروس ریاستوں کے رئیسوں کو بھی ہدایت کی  
 کہ وہ اپنے رعایا سے ہتھیار لے لیں۔ بظاہر انہوں نے حکم کی تعمیل کی مگر بڑی تاخیر سے۔ ان کو اس حکم  
 سے انگریزوں کی نیتوں پر شبہ ہوا تھا۔ یہ وقت ہی رہا تھا کہ کوئی ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتا تھا  
 اور بالفضل تحقیق ہو گیا۔ کہ لوگ فقط ہتھیاروں کو چھپاتے ہی نہیں بلکہ باروت بنانے کے لیے شورہ گندھ  
 اور اجزاء بھی بہت سے خرید لیتے ہیں کہ بروقت ضرورت کام آئیں۔ گورنمنٹ نے اشتہار دے دیا  
 تھا کہ ہتھیاروں اور ان کے چلانے اور بنانے کا اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جائے اور ان کی  
 خرید و فروخت نہ ہو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا۔ وہ سہ کارہی مجرم ہو گا۔ (۱۱)

مالی امداد کے بجائے جنگی آمادگی  
 اس طرح ہندوستان کی مسلسل توجہ کرنے والے انگریزوں کے  
 خلاف سچے مالی امداد طلب کی گئی تھی، انہوں نے جس طرح اس

کا جواب دیا، یہ بھی ملاحظہ ہو :-

”بغادت نے ایک اور بڑی صورت اس وقت اختیار کی جو کہ باغی رسالدار محمد شیر خان ایک  
 رسالہ لے کر پٹوادی میں آیا اور شاہ دہلی کے نام پر تین لاکھ روپیہ بھائی سلطنت مغلیہ کے اخراجات  
 کیلئے بطور چنہ کے طلب کیا مگر یہ روپیہ کہاں سے دیا جاتا اس لیے محمد شیر خان نے تہ تیغ کرنے کے لیے  
 ملک منگوا لیا۔

۱۱ تاریخ عروج عبدالملک ص ۵۶۵

امیر نواب صاحب کو شکست دے کر نارنول کی طرف بھاگ دیا اور پٹوادی میں خوب لوٹ مار کی۔ (۱۱)  
**منشی ذکا واللہ کے مشاہدات** منشی ذکا واللہ اپنا منشا ہر غدر کی ہنگامہ آرائیوں کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں :-

جب دریا گنج میں باغی گھس آئے تو انگریزوں کو قتل کرنا اور بنگلوں کو آگ لگانا شروع کیا۔ کشتی گڈوں کی کوٹھی مہرہ میں چھو انگریز اور ان کے دو ہوشیار لڑکے اور بیس پچیس عورتیں درپے جمع ہو گئے۔ یہ کوٹھی مضبوط تھی اور اس میں درخانہ تھا۔ جو اس گرمی کے موسم میں بڑے ہوائی اس کوٹھی کو انگریزوں نے مورچہ بنالیا۔ بندوقیں اور گولی باروت ہ ذخیرہ ان کے پاس تھا۔ گرچہ بد ذات فوراً نے پانی کے برتنوں میں سے پانی بہا دیا اور اپنے آقوں کو پیاں مارنا چاہا۔ لیکن ایسا سقڑنے پر خانے کے موٹے سے پانی پہنچا یا اس کوٹھی پر دو روز تک باغی اور مہر کشتی حملہ کرتے رہے۔ آخر بار انگریزوں سے تمکوں نے بقتیر قول و قرار کیا کہ تم اپنے تئیں سارے حوالے کر دو ہم جان نہیں لیں گے۔ بادشاہ کی حراست میں تمہیں پہنچا دیں گے۔ وہ اب زیادہ لڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے پاس کوئی باروت تھا نہ کہ نے پینے کو تھا۔ وہ ان عورتوں بچوں اور انگریزوں کو جو تیس آگے قریب دور سے قلعہ میں لے گئے۔ تینے شہر کے اندر آنے کے بعد کئی کئی لوچوں لوچوں انگریزوں کو ذبح کرتے پھرتے تھے۔ اور شہر کے آدمی ان سے ہاتھ جوڑتے رہتے پھرتے تھے۔ کہ یہاں انگریز ہیں۔ وہاں میم ہے۔ اس طرح بھی ان کو ہندوہ بننا پڑا بچے عورتیں ہاتھ لگ گئیں جن کو انہوں نے قید خانہ میں میں پہنچا دیا۔ میں نے چاندنی چوہ میں خود دیکھا کہ ایک بھوانیم صاحبہ اپنے ساتھ جیس باتیں پہنچے ہوئے ایک تولیہ میں اپنے بچے کو پیٹتے دونوں ہاتھوں سے چپاتی سے رہتے تھیں چار تینوں ساتھ حوریت میں جاتی تھیں اور ان کے ساتھ ایک پابن چھ سال کا لڑکا ان کے پیچھے ان کے منہ کو پدھسے ہوئے اور دھبے ہاتھ میں تھیں ان کے تمام لوٹ بیٹے ہوئے جاتا تھا۔ رستہ میں خانہ کئی تواریے ہوئے

ان کو دکھا کر تنگوں سے کہتے تھے۔ کہ یہیں قتل کر دو تو وہ غصہ سے اپنے چہرہ کو آتشاک بنا کر ان کو دیکھتی تھی۔ اور کچھ نہیں بولتی تھی۔ غرض یہ عورت اپنی مردانہ ہمت سے اس طرح جاتی تھی جیسے کہ وہ ہوا کھانے جاتی ہو۔ جس مکان میں یہ قیدی مقید ہوتے تھے چالینس گز طول میں اور بارہ گز عرض میں تھا اس طرح ۹ ۲/۵ مربع گز رقبہ ہر قیدی کے لیے تھا مگر گرمی کا موسم تھا۔ انگریزوں کے لیے وہ قفس جان گزتا تھا۔ جائے تنگ مردانہ بیاں اول دوروز اچھا کھانا بادشاہ کے خاصہ سے آیا جس کو تنگوں نے پھر بند کر دیا پھر خراب کھانا جیسا کہ قیدیوں کو ملا کرتا ہے ان قیدیوں کو ملنے لگا۔ قید میں بھی حرامزادہ سپاہی، قیدیوں کو جاکر دھمکاتے اور گالیاں دیتے۔ (۱۱)

غدر کے دوران میں تخت نشین ہونے کے بعد، بہادر شاہ نے حکم دے دیا **انگریزوں کو نہ ستاؤ** تھا کہ انگریزوں کو نہ ستاؤ، ایک فرنگی خاتون اقرار کرتی ہے کہ اس حکم کی تعمیل اس حد تک ضرور ہوئی کہ انگریز عورتوں کو نہیں ستایا گیا۔

”مردوں کے ساتھ تو بدسلوکیاں آئیں نہ رہیں۔ لیکن عورتوں سے تعرض کرنا قطعاً چھوڑ دیا تھا۔ کسی قسم کی کوئی اذیت نہ دی جاتی تھی۔ اسی تاریخ کو داروغہ کی طرف سے ایک اعلان تمام شہر کی دیواروں پر پسپاں کر دیا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

چونکہ حضرت نعل الشہسبانی علیہ صمدانی سلطان العظم خاتمان الکرم بادشاہ عالی جاہ غلبہ بارگاہ نے انگریزوں کا قلعہ و قمع کرنے کے بعد تخت طاووس پر ہر معصوٹی جلوہ گاہ سلطانین گورگانیہ کی ہے۔ جلوس فرمایا۔ لہذا حکم شاہی صادر ہوا۔ کہ اب انگریزوں کے اموال و نفوس کا قتل و غارت موقوف رکھا جائے۔ اب اس کام امن و امان جاسی ہوں گے اور عدل و انصاف سے کام لیا جائے گا۔ (۱۲)

(۱۱) تاریخ عروج عہد انگلیز (ذکاء اللہ) ص ۲۳

(۱۲) ناظم انگلیسی در بلوایت ہندوستان -



**کلکتہ کے بزدل انگریزوں کا نشانہ اور ان کا مرنے کا**

غذ کی دہشت کلکتہ تک پہنچی ہوئی تھی وہاں کے انگریز  
بہتے ہوئے تھے، ایک ہندوستانی مورخ ان کی اس

بزدلی میں بھی جمال شہر یاری دیکھتا ہے :-

”کلکتہ کے جن انگریزوں نے سوا امن و عافیت کے کچھ اور نہ دیکھا تھا۔ جب ممالک مغربی کے غدار  
کا حال سنا تو وہ بڑے سراپمہ ہوتے۔ اور ان کو خوف پیدا ہوا کہ یہ آفت بنگال پر آئے گی۔ وہ ہتھیار  
پھلاتا جانتے ہی نہ تھے۔ اس سبب سے اور بھی زیادہ گھبراتے تھے وہ ان خیالی خوفوں اور دہشتوں  
کے باعث چاہتے تھے کہ گورنمنٹ ان کی محافظت کرے۔ وہ پہلے امن و عافیت اور اپنی سلامتی  
پر بھروسہ کیے ہوئے ہندوستانیوں کو کمال ذلیل سمجھ جانے ہوئے بیٹھے تھے۔ اب اس کے برضات  
ہندوستانیوں سے خوف و دہشت ان کو سبب لغز کے ساتھ پیدا ہوئی ان کے ڈر پوک پنہل حکایات  
بہت سی کہی جاتی ہیں۔ کہ وہ دریا میں بہا زوں میں، فورٹ ولیم کے امداد اپنے ابرو خیال کو لے گئے۔  
اپنی نامردی کو تاریکیوں میں چھپانے لگے۔ یہ چین اور نامردی زیادہ تر یورپین و پرتگیزیوں یا افغان  
درجہ کے یورپین دکانداروں میں تھی۔ ان میں سے بعض نے حوالی شہر میں رہن چھوڑ دیا۔ بعض نے انگلینڈ  
کی راہ لی بہت سوں نے ہندو قہیں اور قہچے خرید لیے جب وہ باہر جاتے تو بھی میں قہچے رکھ لیتے۔  
اور اپنے ملازموں کو ان کا بھرتا اور چھوڑنا سکھا دیا تھا۔ دریا میں شب خون کی خوف سے بہا ز اور  
کشتیاں کنبوں سے بھری ہوئی ہوتیں۔ ہر جگہ ان کو غیر محفوظ معلوم ہوتی۔ یہ طبع بشری کا معنی تھا۔“

**صاحب ریڈ ہٹ کے قتل کا یاد شاہ کو صدمہ**

بہادر شاہ کے ایک منسوب دار کا بیان ہے کہ :-

”میں گھوڑے سے اتر کر اور ڈیوڑھی سے گزار کر  
دیوان خانہ خاص کے صحن میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا دیوان خاص کے در میں ایک ستون کے در سے  
لگے ہوئے محبوب علی خان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور سامنے ان کے دو سرے در سے لگے ہوئے حسین

۱۱۱ تاریخ عروج عبدالمعین (۱۱۱۱ھ)

احسن اللہ خان بیٹھے ہیں۔ لہر سب درباری دورویر صفیں باندھے بیٹھے ہیں۔ میں نے جا کر سلم علیک کی۔ اور ایک صفت میں بیٹھ گیا۔ ان دونوں صاحبان کے بیچ میں ایک مسلمان بزاز جس کی دوکان قلعہ کے سرے پر تھی لہر سب شہزادوں اور بیگمات کے ہاں وہی کپڑا دیا کرتا تھا۔ بیٹھا ہے۔ اور اس کے آگے میں سکھ لٹے کے تھان اور خاقے سیاہ بانٹ کے دھڑے ہیں لہر سکھ خیاط بیٹھا ہے۔ حکیم احسن اللہ خان بتاتے جاتے ہیں۔ لہر وہ کفن بیونا جاتا ہے۔ میری عقل حیران ہوتی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کس کا کفن تیار ہو رہا ہے۔ میری برابر میر فتح علی اور ایک جانب مرزا احمد بیگ داروغہ آبدار خان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے پچھ پچھ کر دیکھتے رہے۔ وہ کچھ عقیدہ سا حال بیان کرنے پاتے تھے کہ حکیم احسن اللہ خان کے کان میں کچھ بھنک پہنچی۔ انہوں نے باواز بلند کہا کہ کیوں نہیں کہتے۔ کہ صاحب ریڈیٹنٹ بہادر مارے گئے ہیں۔ لہر بادشاہ کا حکم ہے کہ میرے سب ملازم جائیں۔ اور صاحب کی تجہیز و تکفین کریں۔ اور قلعہ دار صاحب کی باجی میں ان کو دفن کریں۔ اور حضور کو ان کے مارے جاتے کا بتایت فلق سے۔ سات آدمی مارے گئے ہیں۔ دروازہ قلعہ پر لافیں پڑی ہیں۔ یہ کلمات سن کر میرے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ پانچ چھ منٹ تک تو کاٹو تو لہو نہ تھا۔ -

انگریزوں کا قتل اور بہادر شاہ کی ذمہ داری

انگریزوں کے قتل کی ذمہ داری بہادر شاہ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے اس کا جواب ایک انگریز دوست

موتخ یوں دیا ہے :-

”حکیم احسن اللہ صاحب کی یہ رائے کہ اگر بادشاہ عورتوں اور بچوں کو اپنے محل میں لے جاتا اور جب پاہی ان کے قتل کے لیے ان سے مانگتے تو وہ سپاہیوں سے کہتا کہ میں ان عیانیوں کے قتل پر جب ماضی ہوں گا کہ تم پہلے میری بیوی بچوں کو قتل کر ڈالو تو ظن غالب یہ تھا کہ بادشاہی محل میں سپاہیوں کو داخل ہونے کی جرات نہ ہوتی۔ کہ وہ عورتوں اور بچوں کو زبردستی پکڑ کر مار ڈالتے یہ رائے ایک

(۱) داتن غدر (راقم الدولہ ظہیر ہلوی)

فرضی صورت کا فرضی نتیجہ ہے۔ جو غلط اس سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ کے اختیار ہی میں یہ نہیں تھا کہ وہ قیدیوں کو پابندیوں کے پنجرے سے چھٹا کر محل میں لے جائے۔ (۱۱)

انگریزوں کا قتل اور حکیم حسن اللہ خاں جن حکیم حسن اللہ خاں بہادر شاہ کے طبیب خاص تھے وزیر اعظم نے انگریزی عدالت میں بہادر شاہ کو انگریزوں

کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا، اس سلسلہ میں خود ان کا کردار کیا تھا، اسے گھر کے بھیڑی کی زبان سے سنئے :-

”ایک دن صبح کا وقت ہے۔ کوئی گھڑی بمردن پھر رہا ہوگا۔ میں گھر سے نکل کر قلعہ کی طرف روانہ ہوا اور نقار خانے میں داخل ہو کر دیوان عام کے نزدیک پہنچا۔ وہاں مجھ کو حیاں آیا کہ خانہ سامانی میں چل کر حکیم جی سے ملتے چلو۔ شاید حضور میں سے کچھ حکم احکام صادر ہوتے ہوں۔ اس لیے جلی کا راستہ چھوڑ کر خانہ سامانی کی طرف سے اندر داخل ہوا۔ جب مہتاب دروازے کے آگے پہنچا کہ رہتیے قیدیوں کو لیکر باہر جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم ان کو کہاں بند جاتے ہو؟ وہ بولے ہم ان کو قلعہ کے باہر لے جا کر رکھیں گے۔ پھر میں نے کہا کہ یہ تو ہماری تحویل میں ہیں تم ان کو زلے جاؤ۔ مگر وہ کب سنتے تھے مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ کچھ حرکت کر بیٹھیں۔ قدم بڑھا کر جلدی سے احسن اللہ خاں کے پاس پہنچا۔ وہ خانہ سامانی کے کونٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے مبارک ان سے کہا کہ خان صاحب آپ کو کچھ اور بھی خبر ہے۔ وہ بولے کیا میں نے کہا کہ وہ بد معاش ان قیدیوں کو لیے جاتے ہیں۔ مبادا وہ ان کو لے جا کر قتل کر ڈالیں۔ تو مجھے جواب دیا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں پھر میں نے کہا کہ خان صاحب وقت ملک حلالی کا یہ ہے کہ اگر بادشاہ کو بچانا چاہتے ہو تو بھی کچھ کرنا قیدیوں کو بچا لو۔ احسن اللہ خاں نے جواب دیا کہ میاں تم بچے ہو۔ انسان زحمت بالفعل پر زحمت بالنعقہ کو ترجیح دیتا ہے۔ ابھی جو ہم ان سے کہتے ہیں۔ تو یہ ان سے پہلے ہم کو قتل کر دیں گے۔ اور پچھے

”کاروبار سلطنت انگریزوں کا کاروبار ہے“



ان پر ہاتھ ڈالیں گے۔ پھر میں نے جواب دیا اچھا ہے۔ اگر ہم ۵۵ چار آدمی مارے جائیں گے، مگر بادشاہ کی سرکار تو بچ جائے گی۔ وہ کہہ کر میں وہاں سے معاف ہوا اور ڈیوڑھی پر آیا۔ خواجہ سرا سے عرض کرائی کہ وہ پورے بیٹے انگلیہوں کو نکال کر لے گئے ہیں کو حضور نے بڑے غاصے میں رکھا تھا۔ بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ حکیم ہی کو لاؤ۔ وہ اس کا بندوبست کر دیں۔ خواجہ سرا نے ہمد سے آکر ہرکارے کو دہرایا کہ جلدی حکیم ہی کو لے کر آؤ۔ عرض ایک ہرکارہ تھوڑی دیر کے بعد وہ سر ہرکارہ گیا پھر عیسرا ہرکارہ معاف ہوا۔ اس عرصہ میں گھڑی ڈیڑھ گھڑی کا زمانہ گزر گیا حکیم ہی کسی طرح وہاں سے نہ بٹے بعد قریب بیٹھے حکیم ہی تیسرا خانہ پہنچے۔ اور اندر محل میں حضور کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تم افسروں کو بلا کر بھیج دو۔ امدان کوٹوں کو بچا لو۔ غرض کہ بہت اچھا کہہ کر باہر آئے۔ اور دیوان خاص میں بیٹھ کے در میں کھبرے سے لگ کر بیٹھ گئے۔ ۱۱

اب ہم غنہ کے دور اول کے چند اہم واقعات پر ترتیب تاریخ بیان  
غلہ کار روزنامہ کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں:-

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء

## بہادر شاہ نے لوٹ مار کا بندوبست کیا

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء روز شنبہ کو بادشاہ دیوان عام میں آئے۔ اور بجائی بجالائے۔ ۵۴  
 فہر کے صوبے والوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ چند اہل کار رسد رسائی کے واسطے مقرر کیے جائیں  
 نام لائے مل اور دیوالی مل مقرر کیے گئے۔ کہ وہ پانچ سو روپیہ کی رسد خوراک پلٹن کو پہنچا یائیں  
 محمد براہیم بن علی عہد کے گھر میں چار انگریز پوشیدہ تھے۔ سواروں نے سن  
 کر سوداگر مذکور کے گھر کو لوٹ لیا۔ اور فرنگیوں کو مار ڈالا۔ اور شہر میں چند دوکانیں لوٹ لیں۔ بادشاہ



نے پرسن کر مرزا میرالدین کو جو پہلے پہاڑ گنج کا متعیندار تھا منظم شہر مقرر کیا اور لوٹ مار کو روکنے کے لیے ایک فوج مع تلگوں کے اس کے ہمراہ کی جسے مرزا مذکور نے اطلاع کی سپاہی چوڑی دالوں کا بازار لوٹ رہے تھے یہ سن کر بادشاہ نے سب پٹنوں کے صوبے داروں کو طلب کیا۔ اور ان سے اس امر میں اپنی ناراضگی ظاہر کی اور مرزا منسل کو حکم دیا کہ ایک کہنی پا ہیوں کو ہمراہ لے کر لوٹ کا انتظام کرے۔ چنانچہ مرزا باہمی پر سوار ہو کر تھانہ بہ تھانہ گئے۔ آمد اعلان عام کیا کہ جو کوئی لوٹے گا اس کی کان لہناک کاٹ دی جائے گی۔ لہذا اردو کا نڈار دوکانیں نہ کھولیں گے۔ اور پاہیوں کے ہاتھ سودا بیچنے سے انکار کر دیں گے۔ تو سزا پائیں گے اور مقتد ہوں گے۔

۱۲ مئی ۱۸۵۶ء

## غلہ کا بھاؤ مقرر کرنے کی ہدایت

نواب احمد علی خاں نواب ولی داد بن دانی والا گڑھ حسب الطلب حاضر ہوتے الہ کو حکم ہوا اور ہار میں سوز حاضر ہوا کریں۔ شاہ نے غلہ کے چودھریوں کو حکم دیا کہ غلہ کا ایک جہاز مقرر کریں اور اپنی اپنی دوکانیں کھول دیں۔

۱۳ مئی ۱۸۵۶ء

## انگریز جاسوس کی گرفتاری

چٹک دال کے نوچر ہر شب سنبری منشی محل کاٹھ لہ۔ راج پور وغیرہ کی وہ دہلیں لوٹ لیتے ہیں۔ مرزا منسل کو حکم ہوا کہ اس قبیح کامدارک کریں۔ چنانچہ مرزا ابو بکر نے مع اپنے ساتھ جاسوس اول تھانہ کو لوٹا۔ اور ایک گورہ سپاہی جو بطور جاسوس آیا تھا گرفتار ہوا۔

۱۸ مئی ۱۸۵۷ء

## مصارف جنگ کا مطالبہ

نواب محبوب علی خاں نے ایک فہرست سوداگروں اور ساہوکاروں کی روانہ کی۔ امداد ان کو فہمائش ہوئی کہ ۲۵ سو روپیہ روزہ فوج کا خرچ ہے۔ تم سب کو چاہیے کہ پانچ لاکھ روپے کی سبیل کر دو۔ سب ساہوکار اور سوداگر جمع ہوتے۔ اور محبوب علی خاں کے پاس گئے۔ کہا کہ ہم سب لٹ گئے روپیہ کہاں سے لائیں۔ اور ام بھی داکس نے کہا اور سب ساہوکار دیں گے تو میں بھی مل گا۔ مرزا ابوبکر سالار کو لے کر چند راولی اور دزیر آباد کے گوجروں کی تادیب کے واسطے گئے۔ لیکن گومر فرار ہو گئے۔

۲۰ مئی ۱۸۵۷ء

## دشمن کے قتل کے بارے میں بہادر شاہ کا استغنا

۲۱ مئی ۱۸۵۷ء بادشاہ محل سے دیوان عام میں برآمد ہوئے۔ محمد سید ڈاکٹر آداب بجالایا بادشاہ نے کہا تم نے انگریزوں کے خلاف جامع مسجد میں عہد بھنڈا کھڑا کیا۔ لیکن اب لوئی انگریز بلی نہیں رہا۔ اب بھنڈے کی کیا ضرورت ہے اس نے عرض کی کہ بھنڈا ہنود نے خلاف کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ میرے نزدیک ہندو مسلم ایک ہیں۔ فوج نے آ کر عرض کی پانچ میہیں جو قید ہیں وہ فوج سے حوالے کی جائیں۔ بادشاہ نے محبوب علی ڈاکٹر سے اس کے بارے میں فتویٰ طلب کیا۔ اس نے کہا کہ انہوں نے شرع محمدی عہدوں کا قتل جائز نہیں۔ بعد ازاں بادشاہ محل میں شریعت سے گئے۔ اور بیگم صاحبہ نے منہ لال سے گفتگو کرتے رہے۔

۱۱ براغ دہلی دمرزا میرت دہلوی صفت

## مقابلہ — غدار کا دوسرا دور

غدار کا پہلا دور تو صرف ہنگامہ آینی اور قتل و غارت پر مشتمل تھا، اس میں زیادہ تر باغی سپاہیوں کا جذبہ انتقام، اور تلنگوں کی طمع و لالچ کا فرما تھی۔

لیکن دوسرا دور، مقابلہ کا دور تھا، باغیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ کامیابی عارضی ہے، جب تک انگریزوں کو شکست دے کر ہندوستان سے نکال نہ دیا جائے، اس وقت تک کامیاب کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اور انگریز، یہ سوچ رہے تھے کہ اگر دلی کو جوہر جلد فتح نہ کیا گیا تو باقی ماندہ ہندوستان بھی بہت جلد ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لیے وہ قیوف انین دولت مند ملک سے، استحصا سال کا ہونے کا ہونے والا سلسلہ قائم ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

اس کے دوسرے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزوں کا یہ قیوف قیوف سب تلنگے اور سپاہی جنگ جیتنے سے زیادہ جنگ زرگری میں مبتلا ہیں، لیکن اب طرف واکا م بند ہے ایسے یہ بھی آتے جا رہے ہیں جو واقعی فیصلہ کن طور پر لڑائی لڑ رہے ہیں اور انگریز بھی اپنے نام میں بری طرح بھانگے تھے، اب منجھلتے جا رہے ہیں اور لڑائی جیتنے کا فیصلہ کر رہے ہیں

اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ باغیوں کا حوصلہ بند ہے، انگریزوں سے جوڑا میں باغی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انگریزوں کی کامیابی سے یہ ہیں یہ خصوصیت اس جنگ کے ختم ہونے تک برقرار رہی

انگریزوں نے اپنا میگزین آزاد دیا | دلی کے انگریز فوجیوں نے برب یہ دلہوا کر وہ باغیوں پر قابض نہیں آ سکتے اور وہ غنیمت

میگزین پر بھی قبضہ کر لیں گے تو اسے اڑا دیا،

میگزین کے انگریزوں کو یہ امید نہ تھی کہ ہم میں سے ایک کی بھی جان بچے گی لیکن انگریزوں میں چار انگریز زندہ بچ کر باہر نکل آئے اگرچہ میگزین میں چند بہادروں کی جانیں گئیں مگر انھوں نے میگزین بڑا کر عدا اپنے دشمنوں کی جانیں لیں۔ میگزین کے گرد عدا مردے پڑے ہوئے تھے۔ منصور خان کی حویلی میں بعض لوگ مکانوں کے گرنے سے مر گئے تھے، سیکڑوں اہل شہر اپنے مردوں کو روتے ہوئے رات کو اٹھا کر لے گئے جن مردوں کے وارث شہر میں نہیں تھے وہ دن کو گرمی میں پڑے سوکھا کیے، میں نے ان لاوارث لاشوں کو دوسرے روز جاکر دیکھا کہ کسی کا سر چٹا ہوا تھا کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، کسی کے کوئی ضرب نہیں آئی تھی۔ مرا پڑا تھا، اس میگزین کے اڑنے سے شہر میں زلزلہ آگیا تھا، مگر ان بہادروں کا نام تاریخ میں یادگار روزگار رہے گا، ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے تک ان کی تعریف ہوئی، جس وقت انگلینڈ میں یہ خبر پہنچی کہ ایک نوجوان افسر ولوبائی نے دہلی میگزین کو اڑا دیا تو ساری قوم نے بڑی خوشدلی سے اس کی تعریف کی، یہ اول کام بہادری و شجاعت کا تھا جس پر انگریزوں کو بڑا فخر و ناز تھا ان بہادروں کی یادگاہ میں میگزین کے مدارزہ پر کتبہ لگایا۔ (۱)

بادشاہ کی طرف سے شہر کا انتظام | بہادر شاہ نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ان تخریبی کارروائیوں کے باوجود حالات کو قابو میں رکھنے

کی پوری کوشش کی :-

” اسی روز بادشاہ سلامت کی طرف سے شہر کا انتظام ہوا اور کو تو ال مقرر کیا گیا، مجھے حکم ہوا کہ سقوں کو بے جاؤ اور میگزین میں آگ لگ رہی ہے اس کو بجھاؤ اور اگر بارود میں آگ لگ گئی تو تمام شہر اڑ جائے گا، غرضیکہ کو تو ال کی معرفت دو تین سو فٹے سیرے پاس پہنچے اور جن مکانوں میں آگ لگ رہی تھی وہ بجھائی، دریا کی طرف کا شہر کا ڈنڈا اگر ہوا پڑا تھا، لوگوں کے پیار لگے ہوئے تھے، دو سو توپ کے قریب



بھتیس مینی تو پھڑوں پر تیار تھیں، اسی قدر توپ کی نالیں زمین پر پڑی تھیں، بندہ توں کا کچھ شمار حساب نہ تھا، پتہ لا انتہا تھے، غرضیکہ سارا میگزین آلاتِ حرب سے معمور تھا میں تو اس کو اسی طرح چھوڑ کر آیا تھا، دو تین روز کے بعد ناکہ بد معاش اس سامان کو لوٹ کر لے گئے، (۱)

دہلی میں، جو سپاہی (۱) حوالہ دہلی سے جمع ہوئے تھے ان کی تفصیل

باغی سپاہی

نام مقام

نام و نمبر رجمنٹ

دہلی

قیسری کینی ساتویں پلٹن آرٹلری مع نمبر ۵۵۵ آرٹلری بطری

۱۸۵۲ ویں ۵۴ ویں ۵۵ ویں رجمنٹ پیدل

۳۔ رجمنٹ سواروں کی ۱۱ ویں ۲۰ ویں رجمنٹ پیدل

نومیں رجمنٹ پیدل

مہربانہ پیدل پلٹن ۵۰ جو تھے غیر نمبر سالہ کی رجمنٹ کا بڑا حصہ،

پیسری مالی نر کی دو کینیاں

۴۴ ویں و چھٹی رجمنٹوں کی کچھ کینیاں

۴۵ ویں رجمنٹ پیدل ۱۸۵۵ پانچویں رجمنٹ پیدل کھجور ہوئے سپاہی

آٹھواں غیر نمبر سالہ اٹھارہویں و دسٹھویں پیدل رجمنٹیں اور ایک بطری لڑائی

پندرہویں قیسویں پیدل رجمنٹیں اور ایک بطری آرٹلری

بستریوں پیدل رجمنٹ ساتویں رجمنٹ گوالیار کیمینٹ

دو پیدل کی رجمنٹیں ۱۸۵۱ سواروں کی رجمنٹ کے کچھ سپاہی (۲)

میرٹھ

علی گڑھ و بلند شہر

ہانسی حصار سرسہ

سیرٹھ مدد کی

مسترا

فیروز پورہ دانہالہ

بریلی

نصیر آباد

نیمچ

جالندھر

(۱) داستانِ خدو در اقامتِ الدولہ فیروز

(۲) تاریخِ خروجِ محمد انگلیش (دکا اللہ) ص ۶۷

## ولسن کا عذر لنگ

میرٹھ انگریز فوجی افسروں پر ایک سنگین الزام یہ تھا کہ انھوں نے اپنی سپاہیوں کو میرٹھ سے باہر نکلنے ہی کیوں دیا؟ اگر انھیں وہیں روک

لیا جاتا، تو شاید عذر پر پاہی نہ ہو پاتا، ولسن صاحب نے اس کا جو دلچسپ جواب دیا وہ یہ ہے:

”جب کئی مہینہ کے بعد اعلیٰ درجہ کی ملٹری حکام نے ولسن صاحب سے جواب طلب کیا کہ ۱۰ مئی کی رات کو کیوں نہیں حرکت دی گئی؟ تو برگیدیر ولسن نے یہ جواب دیا کہ قوانین جنگال فصل مقدم سے ظاہر ہوتا ہے کہ برگیدیر کو بہت کم اختیار سپاہ پر اس چھاؤنی میں دیے جاتے ہیں جس میں ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر ہوتا ہے میں یہاں کوئی اپنا جدا حکم کام میں نہیں لے سکتا تھا، جہاں میجر جنرل موجود تھا میں برگیدیر تھا۔ میجر جنرل کے احکام کی سپاہ میں تعمیل کرنے والا تھا۔ اور چونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ سپاہ مفرد کس جانب کو گئی ہے۔ میں اپنی رائے کے صواب ہونے کا یقین کرتا ہوں۔ اگر مفردین کو تلاش کرنے کے لیے برگیدیر ہارو بند چلا جاتا اور باقی حصہ چھاؤنی کا تباہ و غارت ہو جاتا۔ جس میں ہمارے بیمار مرد و عورتیں ادھ نچے اور قیمتی ذخیرے تھے۔ تو میرٹھ کے کمانڈروں کے برخلاف اب سے بہت زیادہ غل شور مچتا (۱)“

انگریزوں کو مدد ملنے لگی

جنرل اینن نے ایک لمحہ کی تاخیر روانہ رکھی اور فوراً شملہ کے پاس داغ شاہی اور سپاٹو اور کسولی سے تین یورپین جمنٹوں کو

مدد لگی کا حکم دیا اسی کے ساتھ ایک عمدہ دار پھلور میں فوج تیار کرنے کو بھیجا گیا اور سر مور کے گورکھ کو بھی جو اپنے عمدہ کا گزاریوں کے بدولت بڑی ناموری حاصل کر چکے تھے اور دہرہ دون میں تھے میرٹھ بھجوا دیا جنرل اینن بھی خود اسی دن یعنی چودھویں تاریخ کو امدادی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لینے کی غرض سے اترے ہمارا جہ صاحب پٹیا لہ نے تھانیر پر قبضہ کرنے کے لیے فوج بھیج دی اور دوسرے رات سادنے اپنی اپنی فوجیں رستوں کی حفاظت پر متعین کر دیں،

کیونکہ اب سپاہیوں کے لشکر کا کچھ بھروسہ باقی نہ رہا تھا چند دن حمل و نقل سامان۔ گولی بارود کی فراہمی سامان رسد و سامان خورد و نوش دانے چارے کے جمع کرنے میں لگے کیونکہ پہلے سے تو کوئی طیارہ نہیں کی گئی تھی جب سامان ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو فوج کو چھوٹے چھوٹے دستے کر کے کرناٹک کی طرف بڑھایا گیا یہاں ایک بڑا سانحہ گزرا کہ جنرل النین نے جو لشکر کے روح رواں تھے، پیٹھے سے ہٹی کر انتقال کیا۔ (۱)

**انگریزوں نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں** | بہر حال شروع کی غفلت اور سہل انگاری کے باوجود

انگریزوں نے اپنے آپ کو آخر کار لڑنے کے لیے آمادہ کرنا شروع کر دیا،  
 ”سپاہ بمبئی واپس آرہی تھی، جہاں سے ایک حکم میں فوراً اتنی سپاہ آسکتی تھی، جتنی دیر میں سٹیر (دھانی جہاز) آسکتا ہے چین کی نہم سے بھی سپاہ اپنا کام بخوبی انجام دے کے انگلینڈ کو واپس جاتی تھی۔ اس کو لارڈ کننگ نے اپنے دوست لارڈ ایلمین مارلہام نہم کو لکھ کر ہندوستان بلایا مگر پھر بھی چین و ایران کی فوج کے آنے میں ایک عرصہ چاہیے تھا یہ بھی ایک خوش نصیبی تھی کہ رنگون اڈا تالیسویں رجنٹ کلکتہ کے پاس مارچ میں بلائی گئی تھی اور گورنر کی پینتیسویں رجنٹ کے لیے اسٹیر بھیجا گیا کہ فدا اس کو رنگون اڈہ مولین سے سوار کر کے کلکتہ میں لے آؤ، مداس کے گورنر کو تیار بھیجا گیا کہ تینتالیس رجنٹ پیدل اور مداس رجنٹ کو تیار رکھیں کہ وہ فوراً جہاز پر سوار ہو جائیں اور ایک معتمد افسر جہاز میں سیون بھیجا گیا کہ وہاں کا گورنر جس قدر یورپین سپاہ بھیج سکتا ہے بھیج دے۔

گورنر جنرل نے یہ ساری تدبیریں یورپین سپاہ کے جمع کرنے کے لیے کیں اس کے سوا انھوں نے تمام دھانی جہازوں کو جمع کر کے اضلاع بالا میں سپاہ بھیجنے کی ترائس کی گورنر جنرل



کو سب سے زیادہ بھروسہ پنجاب کی یورپین پر تھا اور یہ بھی ان کو یقین تھا کہ سکھ بھی امداد کریں گے کہ مغلوں کے مشہور دارالسلطنت کو خوب لوٹیں۔ کٹھن زندہ کو تار بھیجا گیا کہ وہ انگلش رجمنٹ پنجاب میں بھیج دے۔ ایک اور تار مسٹر کالون کو بھیجا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو جلد سر جان لارنس کو لکھ بھیجے کہ وہ پنجاب کی رجمنٹیں اور یورپین جس قدر بھیج سکیں مدد نہ کر دیں ہر طرح سے یہ کوشش کی جائے کہ دہلی پھر ہاتھ آجائے جنرل ہیوٹ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس بات کا اندر کمانڈر انچیف پر دے کہ سپاہ جلد از جلد روانہ ہو اور اگر ضرورت ہو تو گورنر جنرل کے نام سے راجہ پٹیلہ اور راجہ جند سے مدد طلب کی جائے۔

کولون صاحب نے حتی الامکان جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ کیا۔ ۱۵ مئی کو انھوں نے لارڈ کیننگ کو لکھا کہ میں خود یہاں کا کمانڈر انچیف بن گیا ہوں، تیمور کے خاندان سے سندھیاء بھرت پور لڑنے کو تیار ہیں میں نے راجپوتانہ کی ریاستوں کو آمادہ کر لیا ہے کہ جو باغی مغرب کی طرف مفرود ہوں ان سب کو گرفتار کر لیں، تیسرے رسالہ کے مسلمان سواروں نے بٹاخو فناک قتل کیا ہے ایسی بے رحمیوں کا خوفناک عوض ہونا چاہیے۔ (۱)

انگریز مورچہ بناتے ہیں لیکن ڈر ڈر کر پہلے زمانہ میں بند دراؤ مہارانی بیجا بائی کا بھائی یہاں رہتا تھا۔ جنوب مغرب میں ایک لمبی پہاڑی ہے اور وہ ددیل میں پھیل آئی ہے اور بند دراؤ کی کوکھی کے نیچے ختم ہوتی ہے یہ پہاڑی جو دہلی سے ساٹھ فٹ اونچی ہے۔ حملہ کرنے کے لیے گوشہ عاقبت تھی اور محافظت کے لیے ایک فصیل اس کے نیچے پرانی چھاؤنی اور اس کے گرد انگریزی لشکر خمیہ زن ہوا اس پہاڑی پر قبضہ رکھنے کے لیے برٹش نے انتظام کیا۔ اس کے دائیں سرے پر جہاں ابد فتح گڑھ بنایا گیا ہے۔ بجاری تو ہیں لگائیں اس کا نام رائٹ بیٹری رکھا۔ (بیٹری کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) تاریخ بھید انگلش (ذکا اللہ) ص ۷۷



دیوار چھاتی تک اونچی یعنی سینہ پناہ ایسی بنائی جائے کہ اس پر توپیں لگائی جائیں اور وہ توپوں اور سپاہیوں کی پناہ گاہ ہو جو شہر کی تفصیل سے بارہ سو گز کے فاصلہ پر تھا۔

شمال میں تھوڑے فاصلہ پر ایک بھاری موڑ کا توپ خانہ ڈھلان کے غاروں پر جمایا اس پر سے بند دروازے کی کوٹھی تھی۔ یہاں پر پکٹ بٹھایا پکٹ کے معنی یہ ہیں کہ تھوڑے سے سپاہی لشکر گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر پہرہ چوکی کے لیے بٹھائے جائیں کہ وہ دشمن کو دیکھتے رہیں اور موڑ اس چھوٹی سی توپ کو کہتے ہیں کہ جس کا منہ بہت بڑا ہوا اور اس سے بم کے گولے چھوڑے جائیں ایسے گولے جو اندر سے خالی ہوں اور ان میں مصالحہ پھٹنے والا بھرا ہوا ہو۔ شمال میں تین سو گز آگے جہاں نما تھا۔ جو ایک قدیمی مستحکم عمارت تھی وہاں بھاری توپوں کی بیٹری لگائی اور جہاں نما سے پرے پٹھانوں کی ایک قدیمی مسجد تھی جس کی مضبوط دیواریں پکٹ کی بڑی محافظ تھیں اس کے آگے شمال میں فلیگ ٹاف ٹود تھا۔ وہاں پیادوں کو پکٹ لگایا۔ انگریزوں کا لشکر گاہ سب طرف سے بڑا استوار تھا، مگر ایک طرف سے بڑا ضعیف تھا۔ وہ طرف بسری منڈی کے قریب تھی جس میں مکانات اور فصیل اور باغات کا ایک مجمع تھا۔ جس کے سبب سے باغی بائیں طرف حملہ کر سکتے تھے اور انبالہ یعنی پنجاب کی سڑک کو بند کر سکتے تھے۔ (۱۱)

پہاڑی پر انگریزوں کا قبضہ | آخر، کافی تک و دو کے بعد، ایک با موقع پہاڑی پر قابض ہو جاتے ہیں؛

”اُسی دن سر شام خدا خدا کر کے میرٹھ سے لشکر روانہ ہوا اور غازی الدین نگر پہنچا جو اب غازی آباد کہلاتا ہے، غازی آباد میں ۳۰ مئی کو اور اُس کے اگلے دو دن باغیوں سے معرکہ رہا ان کو اچھا سبق ملا کہ بڑے نقصان سے سپاہ موئے، مگر چون کو انگریزی فوج نے انبالے کے

لشکر سے مل جانے کی غرض سے علی پور کی طرف کوچ کیا جو دلی سے تیرہ میل جہنا کے کنارے واقع ہے، اب کمان سرہنری برنارڈ کے ہاتھ میں تھی۔ چھٹی تاریخ پھلوڑ سے اور ساتویں کو میرٹھ سے لشکر آن پہنچا صرف ان کے آنے کی دیر تھی کہ سب نے دلی کی طرف کوچ کیا، مگر جن کو یہ مختصر سا لشکر جو سات سو سوار۔ ڈھائی ہزار پیدل اور بائیس توپوں پر مشتمل تھا آگے بڑھا ابھی پونہیں پھٹی تھی کہ بھادلی سرسے پر دشمن کی گولہ بارود کی زد میں آن ڈٹا، ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور انگریزوں کی طرف سے ایک زور شور کا حملہ ہوا اور دشمنوں کو سنگینوں کی نوکوں پر دھک تو ہیں چھین لیں پیچھے سے سوار گھیرا ڈال کر پیچھے اور دشمن کو پوری طرح منتشر کر دیا۔ اور بڑھتے بڑھتے دشمن کو پسپا کر کے پہاڑی سے ہی لی۔ (۱)

**باغی ہو شیار رہتے تھے** | انگریزی حملہ کی کامیابی اس پر موقوف تھی کہ انگریزی سپاہ دفعہ بیکایک باغیوں پر ایسی آن کر ٹوٹ پڑتی کہ وہ دیکھتے دیکھتے

رہ جاتے مگر باغی ایسے ہو شیار تھے کہ وہ سب باتوں کی خبر رکھتے ان کے پٹرول پھرتے تھے یعنی رات کو گشت کرتے تھے اور اپنے کپٹ بٹھائے رہتے تھے۔ (۲)

**باغی حتی داری سے لڑتے تھے** | کو بڑی قلعہ شکن توپوں اور مارٹروں سے گولہ باری شروع کی گئی پہلی ہی سیلہ کے بعد ہی سپاہی

نفیل کے کنگوروں پر چڑھ گئے اور بڑے جوش و خروش سے چیز پر چیز دینے لگے چونکہ بھاری بھاری توپوں سے بالکل پاس گولہ باری کی جارہی تھی، نفیل جا بجا سے ٹوٹنے لگی تب بھی دشمن کو کچھ ہراس نہ ہوا اور بڑی ہمت اور استقلال سے دوسری جگہ تو ہیں اسادہ کر لیں اور ان کے رسالہ نے

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی جلد اول ص ۱۸۷

(۲) تاریخ عروج و زوال کشمیر (ذکا اللہ) ص ۳۹۵

(۳) واقعات دارالحکومت دہلی جلد اول ص ۱۹۲

یہ غضب کیا کہ لشکر کے عقب پر حملہ کر دیا لیکن خوب منہ کی کھائی۔

**باغی بہادری سے ٹکڑے لیتے تھے** | تھے اسی جون کو نقصان بہت تھوڑا ہوا تو مہس

کے نیچے دو گھوڑے مارے گئے۔ آج تک لڑائی میں اس بہادر جوانمرد کی ران کے تلے پانچ گھوڑے مارے گئے تھے۔ اس کالم میں دو سپاہی مقتول اور دو سپاہی د سات گھوڑے مجروح ہوئے۔ میجر ریڈ کے زیر فرمان جو کالم گیا تھا۔ وہ بھی فتحیاب ہوا۔ دو مختلف سرالوں کے دوازدوں کو توپوں سے توڑ کے گنج میں داخل ہوا جس میں باغی بھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے دیوانہ وار حملہ کیا۔ ان کو ہماری سپاہ نے گولیاں چلا کر مار ڈالا۔ ایک بیٹری کے قریب اکتیس باغیوں کو مردہ پڑا ہوا دیکھا اور گنج کے ایک وسط کی عمارت میں نو مردے پڑے ہوئے تھے، دشمنوں کے پنچاس ساٹھ آدمیوں کے درمیان مرے ہوں گے اور بہت سے آدمی ان کے زخمی ہوئے ہوں گے۔ میں نے ان کے مودچے کو جو ابھی بن کر بالکل تیار نہیں ہوا تھا غارت کر دیا۔ گھاؤں میں آگ لگا دی۔ جس سے سورج وہ بناتے تھے۔ جلادیا میگزین اور سرائے کے تین دروازے اڑا دیئے۔ (۱)

**باغی بزدل اور کم حوصلہ نہیں تھے** | ۲۳ جولائی کے بعد چند روز تک کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ طرفین سے گولے ایک دوسرے

پر چلتے رہے اور جب باغی انگریزی مودچے کی دیواروں کے قریب آتے تو کچھ جھڑپیں ہو جاتیں، لیکن ۳۱ جولائی کو کئی ہزار سپاہیوں کا لشکر تین موڑ اور دس توپوں کے کرشر کے باہر نکلا اور تھک کی شرک پر اس ارادہ سے چلا کہ ایک عارضی پل نجف گڑھ کی جھیل کے نلے پر بنائے اس پل بنانے کے لیے وہ لکڑیاں بھی ساتھ لے گئے تھے انگریزی سپاہ کے عقب پر حملہ کرنے کا



انگریزی گولوں کی آواز اچھی طرح سنائی دیتی تھی اور نہ گولہ آتا ہوا دکھائی دیتا تھا مگر رات کو انگریزی توپوں کی رنجک تک اچھی خاصی نظر آتی تھی اور گولے بھی لال انگارے کی طرح جلتے ہوئے سو جھ پڑتے تھے۔ (۱)

بخت خاں نے پالسہ پلٹ دیا | بخت خاں کے آنے کے بعد حالات بدل گئے، اب تنظیم، استقلال اور عزیمت کا

فقد شروع ہوا:

"۲۶ جون ۱۸۵۷ء جولائی کے درمیان لکھنؤ کے آنے پر چھ ہزار چھ سو سپاہی ہر قسم کے انگریزی لشکر گاہ میں ہو گئے تھے۔ باغیوں کے پاس اس وقت بڑی کمک آگئی تھی، پہلی اور دوسری جولائی کو رد ہلکھنڈ کے باغی سپاہی دہلی میں آ گئے تھے۔ ان سب کا سپہ سالار بخت خاں ایک پُرانا صوبیدار توپخانہ کا تھا۔ انگریزی لشکر گاہ میں اس کو بہت سے انگریز افسر جانتے تھے۔ وہ الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی تھا۔ اور اس کو انگلش سوسائٹی کا بڑا شوق تھا اور انگریز اس کو بڑا ہوشیار اور دانشمند سمجھتے تھے دلی کے بوڑھے بادشاہ نے بھی اس کی بڑی قدر شناسی کی کہ اس کو کل سپاہ کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا۔ اب باغیوں کی سپاہ تیس ہزار کے قریب ہو گئی۔ ان کے پاس توپیں بہت تھیں اور ان کا میگزین اس قدر تھا کہ وہ کبھی خالی ہونا جانتا نہ تھا۔ (۲)

باغی بہادر بھی تھے اور ماہر جنگ بھی | انگریزوں نے باغیوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھی اور سمجھے کہ

نہ یہ فنون حرب سے واقف ہیں اور نہ ان میں ہمارے مقابلہ کا دم ہے لیکن اب جب روزانہ بڑھ بڑھانے لگی تو انکھیں کھلیں اور عملی طور پر ثابت ہو گیا کہ ان کی اصلی حالت کے اندازہ میں بڑی

(۱) حیات النذیر، ص ۴۱

(۲) تاریخ عروج و زوال انگلیش۔ (ذکا اللہ) ص ۵۹۴



غلطی کی گئی تھی وہ فی الواقع جان پر سے اٹھ کر لڑنے والے اور بڑے جیوٹ تھے فوج کے علاوہ دوسرے انگریزوں کی مٹی پیدا تھی۔ (۱)

سڑک پر مردہ آدمی اور گھوڑے جا بجا پڑے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا

## باغیوں کی بہادری کا اعتراف

تھا کہ کیس سینہ زندی کے ساتھ لڑائی ہے۔ ایک جگہ چالیس آدمی پڑے ہوئے تھے جن کی بندیوں کو توپوں کے گولوں نے چھیدا تھا۔ بعض کے چہرے بگڑے ہوئے تھے اور بعض آرام سے سوتے تھے۔ باغیوں کو رات بھر فرصت اپنے مردوں کے لے جانے کی ملی تھی مگر پھر بھی اس قدر مردے پڑے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھاری نقصان ہوا تھا ابھی انگریزی لشکر نے کیمپ مراجعت کی تھی کہ دشمنوں نے اپنی توپوں پر جا کر گولہ زنی شروع کی انگریزوں کے لشکر نے پھر ان کران کو بہت جلد پراگندہ کر دیا تاکہ دشمن عقب پر آسانی سے مدد نہ کر سکیں جن کے باعث پنجاب سے آمدورفت مسدود ہو جائے۔ (۲)

جب پہاڑی پر پہلے ہی دن انگریزی لشکر خیمہ زن ہوا تو دو دپہر کے بعد باغیوں نے شہر سے باہر

## انگریز لشکر کو ملک مل گئی

نکل کر ایک بڑا تیز و تند حملہ ہندوراؤ کی کوٹھی پر کیا۔ انگریزی لشکر کی خوش نصیبی تھی کہ آج ان کی بڑی کمک آگئی تھی۔ اس سپاہ نے گرمیوں کے موسم میں مردان سے جو یوسف زئی کی سرحد پر ہے، ۵۸۰ میل کا سفر بائیس دن میں کیا تھا۔ اپنے آنے کے چند گھنٹے بعد انہوں نے باغیوں سے دست بدست لڑائی لڑی اور ان کو بھگایا اور بہت نقصان پہنچایا اور شہر کی فصیل تک ان کا شکار کیا۔ انفنٹ کوئین ٹن بیٹ صاحب جو گائیڈس کے سواروں کے انسر تھے۔ سخت

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی جلد اول ص ۱۰۷

(۲) تاریخ خروج عہد انگلیشیہ (ذوالقائد) ص ۵۹

ارادہ ان کا تھا اگر باغی اس پہل کو بنا لیتے تو پھر انگریزی لشکر کو بہت ستاتے۔

میں نے موسلا دھار برس رہا تھا اس کے اندر یہ سپاہ صبح کو کیمپ میں گئی اور میجر کاک کا کالم تیار رہا کہ جس وقت حکم آئے روانہ ہو جائے۔

دوپہر کے بعد باغیوں نے پہل تیار کر لیا تھا کہ پانی کی ایسی طغیانی ہوئی کہ پہل بہ گیا۔ اس کی لکڑیاں کیمپ کے پاس بہتی ہوئی نظر آئیں پھر باغیوں کا لشکر دہلی کی طرف چلا گیا اس وقت شہر سے ایک بڑا انبوہ پیادوں کا نکل ان سے بلا جب یہ دونوں لشکر ملے تو وہ کشن گنج کے حویلی میں داخل ہوئے۔ اور پیادوں پر انگریزوں کے مورچوں کے داہنی طرف حملہ آور ہوئے اس وقت آفتاب غروب ہونے کو تھا، رات بھر بند قہیں اور توپیں متواتر چلتی رہیں باغی مورچہ کی دیوار پاس جاتے تو انگریزی پیدلوں کی بند وقوں کے گراپ کی بار سے سپاہ ہوتے بلکے موڑ بھی ہمارے پیچھے کے کیمپ کے آدمیوں کی بھیڑ پر گورے مار کر خوب کام کرتے دوسری گشت کی صبح دس بجے باغیوں کی لڑائی موقوف ہوئی اور انھوں نے چار بجے تک شہر میں مراجعت کی اگرچہ ان پر شہر اور کشن گنج سے گورے اور گولیوں کی بھرمار متواتر رہی مگر انگریزوں کا نقصان بہت کم ہوا۔ ایک افسر اور نو سپاہی مارے گئے۔ اور چھبیس زخمی ہوئے باغیوں کا نقصان بہت ہوا سجن ہوس کے گرد ایک سو ستائیس لاشیں ان کی شہد کی گئیں۔ ان کی بہت سی لاشیں اور جگہ پڑی ہوئی تھیں اور معلوم نہیں کہ اندھیرے میں وہ کتنی لاشیں اٹھا کر لے گئے ہوں گے۔ (۱)

مختلف مقامات سے دہلی

## دلی سپاہیوں میں اختلاف رائے تھا

میں جو سپاہ جمع ہوئی اس میں

آپس میں اتفاق نہیں تھا۔ جب نجف گڑھ کی لڑائی کے لیے نیسج اور بریلی کے برگیدہ جاملے گئے ہیں۔ تو اول جھگڑا اس بات پر ہوا۔ کہ کون پہلے جائے؟ اس کو وہ اپنی تذلیل سمجھتے تھے

جب اوّل نیچ کا برگیدہ گیا تو بریلی برگیدہ اتنے فاصلہ پر رہا کہ توپ کی آواز سنتا تھا۔ اس نے کچھ خبر نہ لی کہ نیچ کی فوج پر کیا پڑی بنی وہ کچھلے پاؤں دہلی کو واپس چلا آیا۔ اس سے اتنا کہی نہ ہوا کہ ایک وار کرتا۔ (۱)

- انگریز بہرہ پیا
- بادلوں کی انگریز عورتیں
- پر تھوڑی رات کی جے

چار بجے میگزین اڑا تھا۔ چھاؤنی میں برائیڈ ریگریوس اور ان کے ماتحت افسران سپاہیوں کو جمع کیے ہوئے تھے۔ جو شہر کو نہیں بھیجے گئے تھے۔ ہر وقت ان کو یہ امید تھی کہ میرٹھ سے سپاہ ان کی امداد کے لیے آتی ہوگی۔ اس کے نہ آنے پر برا تعجب تھا۔ اس کی یہ تجویز مونی کہ جنرل ہیوٹ کے پاس میرٹھ کوئی شخص بھیجا جائے کہ وہ سپاہی دہلی میں بھیجیں۔ اس خدمت کو چوتھریں پٹن کے سرجن ڈاکٹر بیٹن صاحب نے قبول کیا۔ ایک چٹھی اس بہادر ڈاکٹر کو دی گئی وہ اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہوئے جن سے پھر ملنے کی امید نہ تھی انھوں نے اس جان جوکھوں کے سفر کیے۔ بھیس فقیرانہ بنایا۔ وہ ہندوستانی زبان ہندوستانیوں کے مثل جانتے تھے مگر ان کی آنکھوں کے رنگ نے بتا دیا کہ وہ انگریز ہیں، سپاہیوں نے ان پر ٹولیاں چلائیں۔ گنواروں نے ان کے کپڑے اتارے، وہ آوارہ سرگرداں حیران پریشان جنگلوں میں بھٹو کے ننگے پڑے پھرے، ہزار خرابی خدا خدا کر کے انبالہ میں زندہ پہنچے۔ سپاہی بغاوت پر آمادہ تھے۔ مگر افسروں پر دست درازی نہیں کرتے تھے۔ عورتیں اور بچے باؤں پر جمع ہوئے۔ وہ توپیں باؤں کے آگے لگی ہوئیں تھیں۔ مگر ان کے توپچیوں پر اعتبار نہ تھا بادلوں دہلی کی تاریخ میں ایک بہت بُرا مشہور مقام ہو گیا ہے وہ ایک گول گھبستہ جس کا نظریہ فہم ہے اس پر تپاؤنی کا جھنڈا



نگار ہوتا تھا، اس میں بہت سی لیڈیاں اور بچے ننھے اور ان کے ساتھ عورتیں مرد ملازم بھی گھسے ہوئے تھے۔ گرمی کی شدت کی وجہ ضعیف دماغ لیڈیوں کو غش آئے جاتے تھے ان میں بیوہ عورتیں تھیں۔ جو اپنے غناوند کا ماتم کر رہیں تھیں۔ اپنے بہن بھائی کے مارے جانے کی خبر سن کر رو رہی تھیں بعض ایسی تھیں جن کے غناوند اپنی خدمت پر باغیوں میں گئے ہوئے تھے۔ چھاؤنی میں علاوہ سپاہ کے انیس اور یورپین یا کر سچن تھے، میگزین اڑنے کے بعد ہندوستانی سپاہ نے چھاؤنی میں کھلی بغاوت اختیار کی باروت خانے پر جو اٹھیسویں رجمنٹ کی دو کمپنیاں تھیں انھوں نے پرتھوی راج کی جے پکاری۔ (۱)

”جنگ میں سب کچھ جائز ہے!“ — اس مقولہ کو انگریزوں نے اندر میں بھی بہت اچھی طرح اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا۔

”انگریزوں نے ایک رسالہ پر اشتباہ کر کے اسی رات ان سے ہتھیار رکھوا لیے اور ان کی جگہ خیر خواہان بلا اشتباہ کا ایک نیا رسالہ مرتب کیا اور ان کے سواروں کو سکھا دیا کہ تم لوگ بے دھڑک دین دین کہتے ہوئے باغیوں کے سنٹر میں گھسے چلے جاؤ باغی لوگ اس دھوکے میں آگئے اور انھوں نے اس مہم نوعی رسالہ کو اپنے سنٹر میں آنے دیا جب وہ لوگ سنٹر میں داخل ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھ کی ساری توپوں پر بتی رکھ دی یہاں توپوں پر بتی کا دیکنا تھا کہ ادھر کے کئی ہزار آدمی جو توپوں کی زد میں تھے ہلاک ہوئے اور پھر بھاگنا مچی اگر انگریز تعاقب کرتے ہوئے چلے آئیں تو اسی روز دہلی فتح ہو جاتی بیچ کے مورچے والوں نے ملی پور والوں کو بھگتا دیکھ کر کچھ مقابلہ نہیں کیا لیکن انگریزوں نے از خود بایں خیال کہ شہر میں باغی بھرے ہوئے ہیں چھاؤنی میں ڈیرے ڈال دیئے درندہ بلا مزاحمت قلعہ پر قبضہ کر سکتے تھے یہاں ان کو کوئی روکنے والا نہ تھا اب طرفین سے گولہ باری شروع ہوئی، دن کے وقت نہ تو

(۱) تاریخ عروج و زوال شاہیہ (ذکاء اللہ) ص ۲۲۵



زخمی ہوئے۔ وہ بڑے تیز و تند شمشیر باز سپاہی اور شہسوار تھے لیکن وہ پہلے ہی لڑائی میں۔  
 زخم سے افتادہ ہوئے حالت نزع میں انھوں نے اپنی موٹی زبان سے یہ رومیوں کی ضرب المثل  
 کہی کہ وہ اچھی شیریں اور مناسب موت ہے جو اپنے ملک کی حمایت کے لیے جان دینے میں  
 آئے۔ (۱)

• باغی مرتے تھے لیکن لڑنے سے جی نہیں چراتے تھے

• بسنری منڈی پر انگریزوں کا قبضہ

۲۳ جون۔ جاسوس خبر لائے کہ ایک دوسرا حملہ انگریزی کیمپ کے عقب میں ہو گا حملہ کی  
 تاریخ ۲۳ جون مقرر کی گئی تھی۔ جنگ پلاسی پر ایک عرصے اسی تاریخ پر ختم ہوئی تھی۔ تمام  
 ہندوستان میں یہ پیش گوئی پھیل رہی تھی کہ انگریزی راج سو برس بعد ختم ہو جائے گا۔ جوشیوں  
 نے کہا کہ باغیوں کو ضرور فتح ہوگی۔ شہر کی فاصل پر سے بڑی دہشت ناک توپ زنی شروع  
 ہوئی اور اس وقت باغیوں نے انگریزی لشکر کے دائیں طرف بڑھنا شروع کیا اور ہندوراؤ کی کوکھی  
 کی پہاڑی پر سخت توپ زنی شروع کی۔ انگریزوں کے پاس تھوڑی توپیں تھیں وہ باغیوں کی  
 توپوں کو بند نہیں کر سکتے تھے۔ دلاور میجر ویڈ نے باغیوں کی تعریف میں لکھا ہے کہ ان سے  
 زیادہ بہتر سپاہی نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے بار بار حملہ کیا اور ایک وقت مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے  
 شکست ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک آگئی اور بسنری منڈی سے باغیوں کے بھگنے کے لیے  
 کوشش کی گئی۔ جس کی تنگ گلیوں اور کچی دیواروں اور عمارتوں اور کھیتوں کی چھوٹی چھتوں نے  
 پیادوں کو خوب پناہ دی اور انگریزی سپاہ نے جو پیش قدمی کی اس پر دیواروں اور چھتوں سے باغیوں  
 نے گولیوں کا مینہ برسایا۔ دشمنوں کی گولیوں اور سورج کی کرنوں کی تیزی سے سپاہ جلدی جلدی  
 افسانہ و خیراں اور زخمی ہوئی تھی۔ انگریزی سپاہ بسنری منڈی میں ان کے پیچھے تین دفعہ گئی۔

باغی گھروں میں دروازے بند کر کے گھس گئے اور جب انگریز سپاہی پہنچے تو باہر نکل آئے اور گولیاں برساتی شروع کیں۔ اور سکھ جو تیس میل سفر کر کے آج صبح آئے تھے وہ دشمنوں کے حملہ روکنے کے لیے بلائے گئے۔ ان گرمی کے دنوں میں سارے دن لڑائی رہی۔ شام کو وہ ختم ہوئی باغی شہر کے اندر چلے گئے ایک ہزار آدمی مارے گئے ہوں گے۔ ایک احاطہ میں ڈیڑھ سو مردے ان کے پڑے ہوئے تھے۔ اب بسری منڈی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا (۱۱)

الحاق پنجاب اور انگریزوں سے شکست کھانے  
**سکھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا**  
 کے بعد سکھوں کا رد عمل یہ ہوا کہ وہ

دل جان سے، انگریزوں کے معتقد اور جاں نثار بن گئے، حتیٰ کہ ہمارا جہ رنجیت سنگھ کی مہارانی تک کے مقابلہ میں وہ انگریزوں کا ساتھ دینے لگے۔

”بڑا خوف یہ تھا کہ سکھ جو خزانہ کے محافظ ہیں جہاں ان کی جلا وطن مہارانی کے جواہر و زیورات رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کچہری کی عمارت میں آگ نہ لگا دیں اور عیسائیوں پر جہاں وہ ملیں ان پر حملہ کرنے لگیں،

لیکن ایک سکھ سردار سورت سنگھ نے اس مصیبت کے وقت میں انگریزوں کی بڑی خدمت گزاری کی سکھوں کی دوسری لڑائی کے بعد اس سردار کو حکم ہوا تھا کہ وہ بنارس میں رہا کرے۔ جس کے سبب وہ سرکار کا بڑا شکر گزار تھا۔ اس کو گبنس صاحب پر بڑا بھروسہ اور اعتماد تھا وہ صاحب کے ساتھ کچہری میں دونالی بندوق کندھے پر دھرے ہوئے کچہری میں جاتا تھا سکھ سپاہیوں کو جو غصہ آ رہا تھا انکو وہ اپنے سمجھانے سے دہیما کرتا تھا اور ان کے دلوں میں جو اپنے بھائی بندوں کے انتقام کا جوش اٹھتا تھا۔ اسے دباتا تھا، غرض اس کے سمجھانے سے سکھوں نے سرکاری خزانہ اور لاہور کے جواہر یورین کے حوالہ کیے کہ وہ اپنے محافظت کے مقام پر لیے جائیں۔

معزز مشہور برہمن پنڈت گوکل چند نے اپنے تمام اثر و رعب داب کا وزن انگریزوں کی خیر خواہی کی، ترازو کے لیے پلٹرے میں چڑھا دیا۔ وہ حج کی عدالت کا ناظر تھا، گنہگار صاحب کے پاس بہت آتا جاتا تھا۔ اگر وہ عیسائی بھی ہوتا تو رات دن برابر انگریزوں کی اعانت ایسی متواتر نہیں کرتا۔ جیسی اس نے پنڈت ہونے کی حالت میں کی۔

ایک اور خیر خواہ بڑے دولت مند صاحب حکومت دیوان نرائن سنگھ تھے وہ برٹش گورنمنٹ کے بڑے خیر خواہ و فرمان برادر بڑے عاقل روشن ضمیر فیاض صاحب مروت و فتوت تھے۔ انھوں نے اہل شہر کو انگریزوں سے برگشتہ نہیں ہونے دیا۔ ان کی خدمات کا خواہ کسی الفاظ میں بیان کیا جائے مبالغہ نہیں ہوگا۔ (۱)

**نواب دو جانہ کیسے بچے؟** | اس فیصلہ کن دور میں، وہ لوگ جو بہت کچھ کر سکتے تھے اپنی غیر جانبداری پر ناز کرتے رہے :

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے وقت نواب محمد حسین علی خاں صاحب ریاست دو جانہ کے حکمران تھے ان کے پوتے یعنی موجودہ نواب صاحب کا بیان ہے کہ اس نازک وقت میں نواب محمد حسن علی خاں صاحب کا سرکار کی امداد و اعانت سب سے پر والی برتنا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ گورنمنٹ انگلشیہ کے کچھ بدخواہ تھے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے بے حد بحیم و شجیم ہونے کے سبب معذور تھے چنانچہ گوانھوں نے انگریزی سرکار کی امداد دینے میں خود کچھ کوشش نہیں کی اور نہ کسی طرح کی کمک دی لیکن اسی کے ساتھ وہ سرکار کے برخلاف بھی کسی کو کوئی امداد وغیرہ دینے کے مرتکب نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے ان کی ریاست کا وہ حال نہ ہوا جو جمہور اور بے گڑھ کا ہوا ہے۔ نواب محمد حسن علیخان صاحب کے جانشین نواب محمد سعادت علیخان صاحب ہوئے اور ۱۲ سال تک یہاں رہے۔ (۲)

(۱) تاریخ عروج و مدانگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۴۹

(۲) تذکرہ رؤسائے پنجاب، جلد دوم، ص ۹۹



## دلی کے من چلے تماشا خان | اگرچہ انگریزوں کی پورش ملک صورت اختیار کر چکی تھی لیکن دلی کے من چلے، ہمت کے ساتھ بدترین

حالات کا مقابلہ کرتے تھے، دہلی بھی ہر اسال اور دہشت زدہ نہ تھے:

شہر پر جب اہل اہل پہاڑی پرے گولے آنے شروع ہوئے، تو شہر کے پورے آدمیوں کو دست آنے شروع ہو گئے۔ مگر چند روز میں گولوں کے ایسے عادی ہو گئے کہ پہاڑی جب گولے چھوٹنے کی روشنی معلوم ہوتی تو اس کو ٹھٹھکی باندھ کر دیکھ کے یہ کہتے کہ یہ آیا وہ آیا اور ایسے خوش ہوتے کہ جیسے بچے شہر کے پٹانے کے چھوٹنے سے شہر پر گولے کا اثر اس سبب سے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ کہ اس میں رد باغ بڑے بڑے تھے اور چوڑی چوڑی سڑکیں بہت تھیں چند مکانات کے صحن وسیع تھے اکثر گولے غالی جگہ پر آن کر پڑتے تھے جہاں نہ آدمی ہوتا تھا نہ مکان۔ سیکڑوں گولوں نے شاید دس بیس سو توں بچوں کو مارا ہو یا زخمی کیا ہو۔ اور دو چار مکانوں کی دیواروں اور پھتوں کو کچھ صدمہ پہنچایا ہو۔ شہر کی فصیل پر اگر گولوں کے اثر کو دیکھیے، تو وہ بہت خفیف معلوم ہوتا ہے۔

موری دروازہ کا گڑ گنج گر کے آدھا ڈھیر ہوا۔ کٹھیری دروازہ کی فصیل میں دو ٹکاف پڑے جن میں سے انگریزی لشکر داخل ہوا۔ فصیل کہیں کہیں سے لکھنؤ کی ہوئی ہیں۔ دہلی کا تو یہ اعتقاد ہی اٹھ گیا کہ کوئی شہر یا قلع گولوں سے مسمار ہوتا ہے۔ (۱)

## باغیوں نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے | بے خبری کے عالم میں بھی اگر انگریز حملہ آور

ہوتے تھے، تو باغی نقصان اٹھانے کے باوجود اس وقت تک دم نہیں لیتے تھے جب تک حریف کو بھی مزاحہ چکھا دیں:

(۱) تاریخِ مروجہ ہندوستان (ذکاء اللہ) ص ۷۰



ساتویں تاریخ غنیم کے کار تو سوں کا کارخانہ ڈاگیا جس سے بہت سی جانیں تلف ہوئیں اور شہر میں ہل چل مچ گئی اسی دن بریگیڈیر جان نکلس جو پنجاب کی فوج کے کمانڈر تھے اپنی فوج کے آنے سے پیشتر ہی ڈاک کی شکر م سے آن پہنچے، آتے ہی انھوں نے چوہدری پھر کر موقع حالت کو بغور دیکھ داکھ گیارہویں کو اپنی فوج میں پلٹ گئے غنیم کو چین نہ تھا کچھ نہ کچھ سلسلہ پیا ہی جاتا تھا۔ آٹھویں کو مشکاف، موس کے بکٹ پر گولہ باری شروع کر دی اور روزانہ یہ سلاہاری رہا جو ناقابل برداشت تھا اب جنرل صاحب نے جب یہ حالت دیکھی تو بلا انتظار کے مزید کلر دانی شروع کر دی بارہویں تاریخ کو پوکھیتی سی لڈیو کیل کے پاس جو دشمن پڑے بے خبر سو رہے تھے ان کو دڑ بڑالیا اور بہتوں کو تہ تیغ کر کے چار توپیں چھین لیں لیکن خالی فو لی نہیں ادھر سے کبھی سو ادنی کام آئے، اب ایس ہمہ دشمن کی تہمت ذرا بھی پست نہ ہوئی شام ہوتے ہی بالوں کی بوچھاڑ شروع کی اور ساری رات گولیاں مارتے اور مشکاف موس کے پکٹ کو پریشان کرتے رہے غرض یہ حالت ایک ہفتہ تک رہی تب کہیں تیرھویں کی صبح کو جا کر ان کا ہاتھ رکا ایک ہفتہ بعد دشمن نے دریا پار بھاری بھاری توپوں کا توپ خانہ جابجا جو ادھر کی توپوں کی زد سے بالکل محفوظ تھا۔ (۱)

**موت بھی مجاہدوں کو نہ ڈرا سکی** | اب انگریزوں کے حملوں میں کافی شدت آگئی تھی، انھیں ہر طرف سے کمک مل رہی تھی، اور باغیوں کے رسائل و ذرائع دم توڑ رہے تھے پھر بھی:

”پانچ روز بعد ۱۳ جولائی ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ صبح کو باغیوں نے فصیل پر سے توپیں خوب چلائیں امدان کا ایک بڑا انبوہ شہر سے باہر نکلا اور سویرے ہی سے ہندو راؤ اور سبزی منڈی کے مورچوں پر پوریش کی اور گھنٹوں تک ان پر گولیوں کا متواتر مینہ برسایا پہاڑی پر جو آتش باری ان پر

ہوئی تو اس سے وہ پرے نہیں ہٹے۔ تین بجے برگئیڈیر شورس صاحب سبزی منڈی میں مورچوں سے باہر ایک کالم لے کر باغیوں کے بھگانے کے لیے آئے۔ ان کے کالم میں چھ گھڑ چڑھی تو ہیں میجر ٹرنر اور کپتان منی کے ماتحت اور میجر جیکب کے ماتحت اور پہلی پنجاب پیدل پلٹن میجر کوک کے ماتحت اور گائیڈ کے سوار اور ہوڈسن کے سوار کو ہاٹ کار مالہ یہ سب تھے۔ برگئیڈیر چیمبرلین اس کالم کے ہمراہ تھے۔ ایک دیوار کے پاس آئے جس پر باغیوں کی صف کھڑی ہوئی تھی

ہوڈسن صاحب معہ گائیڈس اور گورکھوں کی سپاہ کے بڑی سڑک پر آئے جو سیدھی دہلی کے دروازے پر جاتی ہے۔ ہوڈسن صاحب نے باغیوں کو تفصیل تک بھگایا۔ چھ سو گز تفصیل رہ گئی تھی اور پھر سپاہ کو واپس چلے آنے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام جلدی سے تو پچانوٹوں نے کیا کچھ اس میں بے ترتیبی ہوئی سپاہ نے واپس جانے میں بہت جلدی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کے پیادوں اور سواروں نے پیچھے سے حملہ کیا۔ ہوڈسن صاحب اپنے سواروں سمیت سامنے کھڑے رہے اور گائیڈ کے پیدلوں کو لے کر حملہ کیا۔ گریوٹل صاحب اور میجر جیکب ان کی کمک کے لیے پراگندہ سپاہیوں کو جمع کر کے لائے۔ باغیوں کے سواروں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ ہوڈسن کے حکم سے ان کی تھوڑی سی سپاہ نے فیر کیے یا انکے پاؤں نہ جھے پراگندہ ہو کر بھاگے اور اپنی آدمی چھوڑ گئے ہوڈسن صاحب نے ان توپوں کے لینے میں کوشش کی وہ توپوں سے تیس قدم کے فاصلہ پر تھے۔ پچیس مستقل سپاہی توپیں لینے کے لیے کافی تھے۔ مگر سپاہ کثیر کے سامنے جانے کی جرات نہ ہوتی ساری سپاہ الٹی چلی گئی تھی ان کی کمک کے لیے بھی کوئی نہ تھا۔ ہوڈسن صاحب آٹھ سواروں کے ساتھ اپنی جگہ پر جمع رہے کچھ افسروں نے ان کی مدد کرنے کی کوشش کی کہ دفعۃً دو باغی روشن فلیتے ہاتھوں میں لیے اپنی توپوں کے پاس آئے جن میں گراپ بھرے ہوئے تھے اور انکو ہوڈسن صاحب کی سپاہ کے چہروں طرف چھوڑا جب دھواں صاف ہو گیا تو ہوڈسن صاحب نے دیکھا کہ باغی اپنی توپوں کو لے گئے۔

انگریزوں کا نقصان یہ ہوا کہ پندرہ سپاہی اور دو گھوڑے مارے گئے اور سولہ افسراد

ایک سو ستتریاہی اور گھوڑے زخمی ہوئے اور دو سپاہی گم۔

زخمیوں میں چیمبرلین صاحب کے شانہ میں گولی لگی تھی اور دو برٹش صاحب کے (جو پیچھے لارڈ روبرٹس ہوئے تھے) ہلکا زخم لگا باغیوں کے نقصان کا ہزار آدمیوں کا تخمینہ کیا گیا ہے گھنٹوں تک چکڑوں میں باغیوں کی لاشیں شہر کو جاتی ہوئی انگریزوں نے دیکھیں، ایک پُرانا مندر تھا جس کا نام انگریزوں نے سسی ہاؤس رکھا تھا وہ پہاڑی کی ڈھلان پر شہر کی طرف ۹۰۰ گز کے فاصلہ پر مورمی دروازہ سے تھا اور وہ کچھ وقت تک انگریزوں کے قبضہ میں رہا تھا۔ وہاں سخت لڑائی ہوئی وہاں گائیڈس کے پیادے تھے جنہوں نے باغیوں کی کسی کوشش کو مندر کے لینے میں چلنے نہیں دیا۔ صبح کو باغیوں کے اتنی مردے وہاں پڑے ہوئے گئے گئے۔ (۱)

عشق ازیں بسیار کرد دست و کند | جنگ کی ہولناکیاں بھی، زندگی کی رعنائیوں پر اثر انداز نہیں ہوئیں جنگ کبھی جاری تھی، خوں

ریزیاں کبھی ہو رہی تھیں، اور کیو پڈ اپنے تیر بھی بھینک رہا تھا،

”خود جہ سے سولہ میل پر ایک گاؤں میں ایک میم بیٹا پور سے ایک سوار کے ساتھ چلی آئی تھی اور اس سے نکل چڑھالیا تھا لفٹنٹ روبرٹس صاحب کو خبر نے اس کی خبر دی وہ اس کے پاس دوڑ گئے میم سے ملے جس کی عمر سولہ برس کی ہوگی اُس نے کہا میں اپنے حال میں خوش ہوں اس لیے صاحب اس کو چھوڑ کر کیپ میں واپس آ گئے۔ (۲)

بہادر شاہ انگریزوں کا قتل نہیں چاہتے تھے | خوں ریزیوں کے اس دور میں بھی بہادر شاہ یہ نہیں

چاہتے تھے کہ انگریز بے تحاشہ قتل ہوں:

(۱) تاریخ عروج و زوال شاہیہ (ذکا اللہ) ص ۶۰۷

(۲) تاریخ ہندوستان سوم بغاوت ہند (ذکا اللہ) ص ۷۲



شام کے قریب باغی لوگ ساٹھ کے قریب انگریز عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لائے اور قیدیوں کی طرح بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا سخت گناہ ہے۔ ان کو قلعہ کے جیل خانے میں نہایت آرام سے رکھا جائے اور ان کے کھانے پینے کی پوری طرح خبرداری کی جائے۔ یہ لوگ ایک شبانہ روز قید میں رہے۔ تیسرے روز ملنگوں نے ان کو قتل کرنے کے واسطے طلب کیا۔ بادشاہ نے ہر چند ان کے قتل سے روکا، لیکن ان ملنگ دلوں نے ایک نہ سنی اور ان سب کو نکال کر قلعہ کے نقار خانے کے نیچے کھڑا کر کے گولیوں اور تلواروں سے قتل کر دیا اور ذرا بھی خوفِ خدا نہ کیا۔ لوگ ان کی شقاوت قلبی سے سخت متنفر ہو گئے اور گالیاں دیتے تھے۔ (۱)

## جامع مسجد کی حفاظت کے لیے دلیرانہ جنگ

مالیوں کن حالات میں بھی، مجاہدین جنگ

آزادی مذہب کے جذبہ سے سرشار تھے:

”بادزدیکہ باغی لوگ جا بجا سے زخمی تھے۔ کوچہ میں داخل ہو کر دلیرانہ حملہ کر رہے تھے۔ پھپھنے سے معلوم ہوا کہ اس جنگ کا باعث یہ ہے کہ جامع مسجد پر گوروں کا رسالہ بندوقیں لیے بیٹھا تھا۔ جو باغی سپاہی اس طرف سے گزرتا تھا۔ اسے گواہ ماری جاتی تھی۔ ان لوگوں کو اس عملدرآمد پر بڑا غصہ آیا اور سب نے ہل کر دلیرانہ حملہ کیا۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ گوروں کو جامع مسجد سے ہٹا کر خود قابض ہو جائیں۔ (۲)

کنانڈرا انچیف بار بار بدے گئے

انگریزوں نے مقابلہ بڑی مالیوسی اور بدولی کے ساتھ شروع کیا تھا، عام انگریز سپاہیوں، اور افسروں سے

(۱) نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۱۱۱

(۲) خانم انگلیس دربار اے ہندوستان



قطع نظر، خود کمانڈر انچیف صاحب کی یہ حالت تھی کہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے، اور سایہ سے بھڑکتے تھے، کاکتہ سے بار بار تاکید ہوتی تھی کہ جنگ شروع کرو اور کمانڈ انچیف صاحب اپنی دوراندیشی کے باعث، ترک التوا کو ترجیح دیتے تھے،

اس مختصر سی مدت میں یعنی مئی سے، ستمبر تک، کئی کمانڈ انچیف بدے گئے، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، کوئی بھی، مرد میدان بن کر عرصہ حیات میں آنے کی جرأت نہ کر سکا، یہ ایک دلچسپ ریکارڈ ہے، جسے ہم ضروری واقعات بیان کر چکنے کے بعد، الگ سے درج کرتے ہیں:

”جنرل این سن۔ کے دل میں یہ بات آئی کہ ان کے پاس جو سامان جنگ موجود ہے۔ اس سے دہلی پر لشکر کشی کرنی حرم و دانائی سے بعید ہے۔ انھوں نے، ارمی کو سر جان لارنس کو لکھا کہ آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ یہاں فوج تھوڑی ہے۔ میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قلیل فوج کو دہلی پر لشکر کشی کر کے جان جو کھوں میں ڈالوں۔

میری رائے میں اس مہم کے لیے یہ فوج کی تعداد کافی نہیں البتہ اس میں شک نہیں کہ نیم شہر کی دیواروں کو بھاری توپوں کی مار سے مسمار کر دیں گے اور شہر میں داخل ہونے کے لیے ہمارا مقابلہ کم کیا جائے گا۔ مگر میری رائے میں ایسی قلیل سپاہ ایسے بڑے شہر میں جا کر جس کے ہر کوچہ و ہر بازار میں ہم بڑی طرح پھنس جائیں گے۔ جس کے ہر کوچہ و ہر زن کے موڑوں پر اور گوشوں میں لوگ ہتھیار لگائے ہوئے ہوں گے۔

اگر وہاں جا کر چھ سات سو سپاہی مجروح اور مقتول ہو جائیں گے تو پھر کیا باقی رہ جائے گی؟

جب سارا شہر بار بار خائف ہوگا تو کیا ہم اس پر اپنا قبضہ رکھ سکیں گے؟ کیا شہر کے اندر یا باہر کچھ رکھ سکیں گے؟ ان باتوں پر نظر رکھ کر اب میری رائے یہ ہے کہ ہم اپنی تمام سپاہ اور سامان کو گنجیا جیں کریں اور اس میں سے تمام بڑے سپاہیوں اور سامان کو جو

قابل اعتماد نہ ہوں نکال ڈالیں اور بجائے ان کے قابل اعتماد سپاہ اور سامان داخل کریں، اگرچہ اس کام کو سرانجام دینے میں دیر لگے گی مگر پھر کوئی احتمال ناکامی کا نہ رہے گا۔ (۱)

کمانڈر انچیف کی موت یا خودکشی؟ | یہ ناکام کمانڈر انچیف بہر حال، نامراد دنیا سے رخصت ہو گیا۔

”۲۲ مئی کو این سن صاحب انبالہ سے چلے۔ اور دوسرے دن صبح کو کرنال میں پہنچ گئے۔ ۲۶ مئی کو ان کو ہضہ ہوا۔ ۲۷ مئی کو سر برنارڈ ڈیڑھ بجے رات کے اپنے دوست سے آخری الوداع ہونے کے لیے آئے گو این سن صاحب حالت نزع میں تھے مگر انھوں نے اپنے دوست کو پہچان کر نہایت لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا کہ برنارڈ میں کمانڈ تم کو دیتا ہوں۔ خدام کو برکت دے، گڈ بائی، ڈو بیج کر پنڈرہ منٹ پر ان کا دم نکل گیا۔ ان کو یوں انسانوں کی مدح و ذم سے فرصت ملی۔ فوراً ان کے مرنے کی خبر دہلی میں، باغیوں کے پاس بھی آگئی، انھوں نے یہ خبر اٹائی کہ وہ زہر کھا کر مر گیا، وہ بڑے بہادر اور سچے اشراف تھے۔ ان کو ناحق یہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ انھوں نے تساہل کیا اور تذبذب کی حالت میں رہے۔ (۲)

اب نئے کمانڈر انچیف کی کارگزاریاں ملاحظہ کیا کمانڈر انچیف بھی بزدل نکلا | کیجیے

”جنرل برنارڈ نے ۱۳ جون کو لاڈکننگ کو لکھا کہ دہلی بڑا مستحکم مقام ہے میرے پاس سامان اور اسباب کے نہ ہونے کے سبب سے اس پر حملہ کرنا یا بتدبیر اس کے نزدیک جانا دونوں برابر ہی مشکل ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ناممکن ہیں دفعۃً حملہ کرنے میں جو میرا عین مطلب ہے، جان پر کھیل کر کوئی بات نہیں اٹھا رکھوں گا، اگر میں کامیاب ہوا تو سب طرح بھلائی ہے لیکن اگر اس کے برخلاف ہوا تو ہلاکت ہے، میرے پاس سپاہ کا وہ گروہ جو لڑنے والے لشکر

(۱) تاریخ ہند انگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۲۵۹

(۲) تاریخ ہند انگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۲۶۰

کے پیچھے چھوڑا جائے کہ ضرورت کے وقت مدد کر سکتے ہیں۔ جسے میں مراجعت کر سکوں ،  
یقیناً آپ سب صاحب دہلی کی مشکلات کا تخمینہ کم کرتے ہیں۔ باغیوں کے پاس ۲۴ مینی توپیں  
ہر روزانہ اور گڑگچوں کے بازوؤں پر لگی ہوئی ہیں وہ ان کو بہت اچھی طرح چھوڑتے ہیں ان میں  
سے ایک تو ہماری توپوں کو مارتی ہیں۔ ہمارے پاس صرف چھ بھاری توپیں لگی ہوئی ہیں جو ان کی  
توپوں کو بند نہیں کر سکتیں۔ (۱)

فتح شکست سے زیادہ مہلک ہوتی! یہ کمانڈر انچیف صاحب توپ و  
تفنگ سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے

تھے جتنی منطق اور دلائل کے اسلحے سے ، ملاحظہ ہو!

### مراسلہ نمبر ۳

جسے جنرل سر ہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۸ جون  
۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔ ۱۸ جون ۱۸۵۷ء

مالی ڈسٹر بارنس

میں نے ابھی آپ کی چٹھی پڑھی اور اس سے مجھے قدرے اطمینان ہوا  
اس لیے کہ آپ نے اس تجویز کو پسند کیا کہ میں اپنی مختصر سی فوج کو دہلی  
میں داخل ہونے کا خطرناک تجربہ نہ کروں اسی طرح سے کہ میرا کیمپ ہسپتال  
ذخائر خزانہ ، الغرض میری فوج کا سارا سامان بالکل غیر محفوظ حالت میں پڑا رہ  
جائے۔ مجھے اقرار ہے کہ جو پولیٹیکل مشیر میرے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کی  
ترغیب دہی سے متاثر ہو کر میں اچانک اور زبردست حملہ کی تجویز پر رضا مند ہو  
گیا تھا جس میں مذکورہ بالا تمام امور کا خطرہ دامنگیر تھا۔ صرف حسن اتفاق سے

یہ تجویز عمل میں آنے سے رک گئی۔ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم ہو اس لیے کہ جو کچھ میں نے سنا ہے اور جن اشخاص سے مشورہ کرنا میرے فرض منصبی میں داخل تھا۔ ان کی آراء کا خیال کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ فتح اتنی ہی مہلک ثابت ہوتی جتنی کہ شکست۔

اگر میرٹھ کی فوج فی الفور دہلی میں گھس جاتی تو سب کچھ بچا جاسکتا تھا لیکن جب انبالہ والی فوج مقام مقصود پر پہنچی ہے تو موقع بالکل ہاتھ سے نکل چکا تھا،

سب سے بڑا میگزین اور سامان جنگ کا ڈپو اس سے پیشتر سے میرے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا، میرے سپاہی اچھی طرح ہیں اور زخمی خاطر خواہ طریقہ سے رو بہ صحت ہو رہے ہیں لیکن سب کے سب اس کام سے تھک گئے ہیں۔ (۱)

یہ کمانڈر انچیف بھی رخصت ہوئے

برنارڈ صاحب سے بھی یہ بوجھ نہ بٹھل سکا، آخر وہ بار حیات تک سے

سکدوش ہو گئے!

» دوسرے دن صبح کو سرمنبری برنارڈ کو ہیفہ نے آسانی سے اپنی قربانی بنایا ان کا دل اور جسم دونوں رات دن کی محنت سے فرسودہ ہو گئے تھے۔ وہ اس ملک میں اجنبی تھے۔ مشرقی جنگ آرائی سے لاعلم تھے۔ وہ جنرل این سن کی ذہانت کے بعد اس کام پر تقرر ہوئے کہ ایک اپنے ضعیف لشکر کو ایسے دشمن سے لڑائے جس کی تعداد دہشت ناک تھی اور سامان حرب بہت کچھ اس کے پاس تھا۔

(۱) محاصرہ دہلی کے فٹو اسٹاک



انھوں نے دہلی کے سامنے ایک بڑے استوار اور مستحکم مقام میں انگریزی لشکر گاہ کو مستحکم کیا۔ ہفتوں تک یہاں بار بار قومی دشمنوں کے حملہ کرنے میں وہ دلیری اور دلاوری دکھائی کہ دشمنوں کے دلوں میں انگریزی ہدیت جو ضعیف ہو گئی تھی۔ وہ پھر ایسی پیدا ہو گئی کہ وہ اس سے تھرنے لگے۔ ہندوستان کی اور ہندوستانی جنگ آزمائی کی لاعلمی نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی اوپر اعتماد کم رکھیں، اور دوسروں کے علاج و مشورہ پر اعتماد کریں جس سے وہ بڑے دل فگار ہوئے تھے اور اپنی تراسیر کے موافق فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ چاروں طرف سے متواتر تقاضا ہوتا تھا کہ دہلی جلد ختم کر دو اور ان کو تسخیر کرنے کے منصوبے جن کا عمل میں آنا ممکن نہ تھا۔ بتائے جاتے تھے جن سے وہ بت دق ہوتے تھے۔ اور ان کے جسم یا روح کو آرام نہیں ملتا تھا۔ ان کی آواز لرز کھڑانے لگی اور پھر ان کا دم نکل گیا۔

جنرل برنارڈ کی وفات کے بعد ان کی جگہ جنرل ریڈ مقرر ہوئے۔ انھوں نے اول ہی سہ سالار ہو کر دانشمندانہ کام یہ کیا کہ نہر کے سب پل جو چند میل تک متوازی بڑی سڑک کے تھے سوائے بین ماری پل کے اڑا دیئے۔ اس تدبیر سے شہر میں نہر کا پانی آنا بند ہو گیا۔ مگر اس کا اثر کچھ شہر پر نہ تھا اور بیابان تھا اور صد ہا کنویں تھے (۱)

**تیسرا کمانڈر انچیف بھی کیا** | ابھی جنرل ریڈ کا تقرر ہوا، لیکن ان سے بھی کچھ نہ ہو سکا، یہ اس عفا دے کر، شملہ کی بر فانی ہواؤں سے لطف اٹھانے چلے گئے۔

”۱۷ جولائی کو جنرل ریڈ نے دہلی کے میدان جنگ کی سہ سالاری سے استعفا دے دیا وہ کچھ پہلے ہی سے بیمار دہلی میں آئے تھے۔ یہاں کی تھوڑے دنوں کی جوابدہیوں کے روزانہ ترددات نے ان کی صحت کو بالکل بگاڑ دیا۔ سو انھوں نے اپنے عہدہ کے کام پر بریگیڈیئر

(۱) تاریخِ غزوہ عبدالغنی (ذکا اللہ) ص ۶۱

آرچ ڈیل ولسن کو سپرد کر دیا اور خود شملہ کو اپنی حفظ و صحت کے لیے چلے گئے۔ (۱)

**چوتھا کمانڈر انچیف** | اب قرعہ فال ولسن صاحب کے نام پڑا، دلی کی فتح نہی

کے نام پر مقدر ہو چکی تھی۔

”یہ امر یقینی ہے کہ صاحب ممدوح نے جس وقت دہلی کے میدان جنگ کی پہلاں کا عمدہ لیا ہے، اس میں جن حالتوں کا مقابلہ کرنا ان کو پڑا وہ بڑی ہمت ہر ادیتے والی اور دل شکن تھیں۔ پہلے دو سو سالاروں کو موت آچکی تھی اور تیسرا قریب المرگ ہو کر چلا گیا تھا۔ ٹاف کے چیف ایڈ جیوٹنٹ جنرل اور کوارٹر ماسٹر جنرل اپنے خیموں میں زخمی پڑے تھے۔ پانچ ہفتہ سے سپاہ دہلی کے آگے، اپنی محافظت دشمنوں سے کر رہے تھے، وقتاً فوقتاً شہر کو حملہ کر کے لینے کے منصوبے باندھے جاتے اور ملتوی کیے جاتے تھے اور آخر کو یہ بہادرانہ ارادہ ترک کر دیا گیا ان پانچ ہفتوں میں دشمنوں نے بیس دفعہ حملہ کیا اور مدت سے یہ بات مان لی گئی تھی کہ انگلش محاصرہ نہیں ہیں بلکہ خود محصور ہیں یہ ناممکن تھا کہ یہ تمام باتیں سپاہ کے ڈسپین پر اثر نہ کرتیں۔ باغیوں کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی گو ان کا نقصان انگریزوں کی نسبت زیادہ ہوتا تھا۔ (۲)

پہلے کمانڈر انچیف سے دائرے

**لارڈ کیننگ کی طرف سے مذمت** | لارڈ کیننگ اتنے خفا تھے کہ

انہیں کہنا پڑا، !

”لارڈ کیننگ نے لکھا ہے کہ میں جنرل ابن سن کی چھٹیوں سے اخذ کرتا ہوں کہ زیادہ

(۱) تاریخ عروج انگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۶۰۷

(۲) تاریخ عروج عہد انگلشیہ (ذکا اللہ) ص ۶۰۸

تاخیر ہونے کے اسباب یہ تھے کہ محاصرہ کا تو پچانہ نہ تھا اور یورپین سپاہیوں کے لیے گھاڑیاں اور سواریاں نہ تھیں میں یقین کرتا ہوں کہ محاصرہ کے تو پچانہ کے نہ ہونے کے سبب سے التوا کرنا نادانی تھی وہ دہلی کی سرکوبی آسانی سے کر سکتے تھے لیکن میں یہ نہیں یقین کرتا کہ اگر محاصرہ کا تو پچانہ نہ ہوتا تو ہم کو شکست ہو جاتی بس اس طرح وقت کے ضائع ہونے سے بے شک ہم کو بہت اعتقان اٹھانا پڑا۔ (۱)

# غدر کا تیسرا دور شکست

غدر کا تیسرا دور، شکست پر ختم ہوتا ہے

شکست و فتح نصیبوں سے ہے دلے لے کر

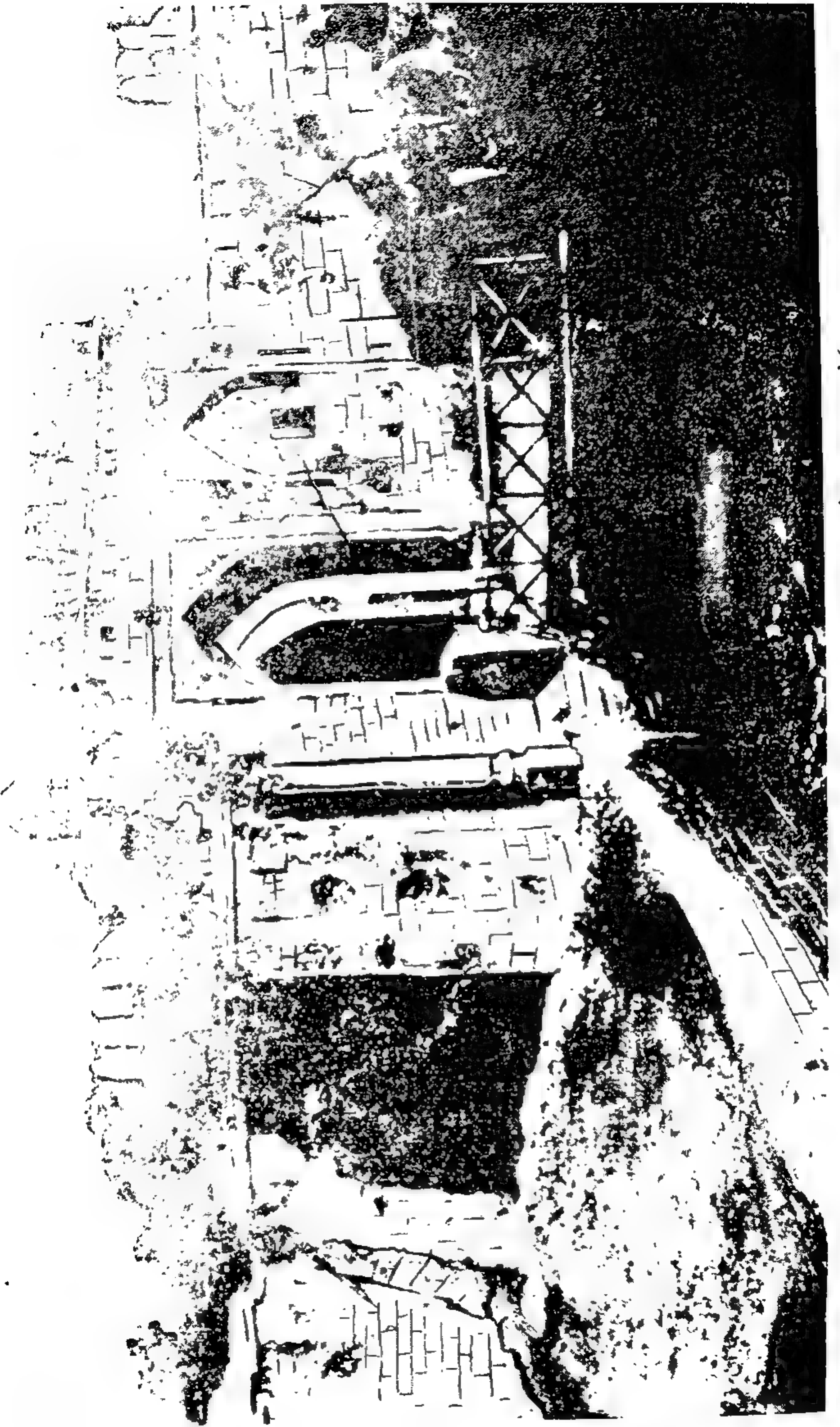
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

کوئی وجہ نہیں تھی کہ باغی ناکام ہوتے، لیکن وہ ناکام ہوئے، اس لیے کہ ان کے ساتھ کوئی نہ تھا، کسی نے ان کی رفاقت نہ کی، کسی نے ان سے تعاون نہ کیا، ان باغیوں میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو موقع پرست تھے، لیکن ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں پر بھی مشتمل تھی جو دل سے یہ جنگ لڑ رہے تھے جو منحصر تھے جو وطن کو اغیار کے تسلط سے آزاد کرنا چاہتے تھے جو فرنگی استعمار کا ماتہ کر دینا چاہتے تھے، جو کسی قیمت پر بھی غلامی کی زندگی پر قانع نہیں تھے، جو سمنانوں کو سر بلند اور سرفراز دیکھنا چاہتے تھے، جو اپنی ملت کی عظمت و انتہا کا دیدار پھر سے کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ان کا جذبہ اخلاص ان کا جوش جہاد، ان کی نیت صالح، ان کی ہمت و فوج ان کا عزم بلند باوجود کام نہ آیا، یہ ناکام ہوئے، انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

کیوں؟ اس لیے کہ ان کی قوم نے ان کا ساتھ نہیں دیا، انکے مانگنے ان سے تعاون نہیں کیا، ان کے دلیان ریاست انگریزوں سے ساز باز کرتے رہے ان کے امراء اور روساء فرنگیوں پر جان و مال قربان کرتے رہے ان کے شریف و نجیب انگریزوں کی جان نثاری اور مدد گاری پر فخر کرتے رہے انکے رہنما اور قائد اپنے حلو سے ماٹا انکی فکر کرتے رہے انھیں پکارا گیا لیکن انھوں نے سنسنی مانی کر دی انھیں بھینٹا دیا لیکن انے خوابِ خرد کو شش





دہلی کا کشمیری دروازہ — انگریزوں اور جنگ آزادی کے سپاہیوں میں بیانیوں پرز اور فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔



مقاومت گوارانہ کی، انھیں دین و مذہب اور قوم و ملت اور ملک و وطن کا واسطہ دیا، لیکن انھوں نے کوئی پروا نہیں کی، انھیں غلامی کی نعمتوں اور آزادی کی نعمتوں سے خبردار اور متنبہ کیا گیا، لیکن انھوں نے آزادی کی نعمت ٹھکرادی اور غلامی کی زندگی قبول کر لی، انھوں نے اپنی جان بچالی اور آنے والی نسلوں کی مدح فروخت کر دی ہے

ازال فروختند و چہ از ال فروختند

اب عنوان کے تحت اب ہم ضروری اور اہم واقعات ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔  
**ہندوستان کس طرح بچا؟**  
 قبل اس کے کہ شکست و ہزیمیت کی داستان شروع کی جائے ضروری ہے کہ یہ بتا دیا جائے ہندوستان کس طرح اسیر دام ہوا۔

باغیوں نے پوری سرعت کے ساتھ اتنی بے پناہ یورش کی تھی کہ انگریزوں کے حواس غائب ہو گئے تھے انھیں خود اپنی شکست اور ناکامی کا یقین ہو گیا تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر، دلی کے غد کے بدقت اطلاع پنجاب کے فوجی افسروں اور کمانڈر انچیف کو نہ پہنچ جاتی تو پھر غدر کی آگ پنجاب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور انگریزوں کو اس صوبہ سے کسی طرح کی مدد نہ مل سکتی، لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہو سکا۔

کلکتہ دروازے سے نصف میل کے فاصلہ پر جو دلی کا قدیم ڈاک بندھ تھا، اس میں صدآد گھر تھا جس کے سامنے ایک ستون ان محلہ سے دارانِ محکمہ کی یادگار میں کھڑا کیا گیا ہے جو غدر میں کام آئے اور جس سے ان کی اور نیز میں حکم عمر سنگساروں کی یاد تازہ کرنا مقصد ہے جو اس معرکہ عظیم میں جبکہ موت کے سامنے کھڑے تھے ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے، اور انبالہ کو وہ مشہور پیغام مار برفی دوڑایا جس کی بدولت ملک پنجاب بال بال بچ گیا، تختی کے سامنے جو عبارت درج ہے اس کا ترجمہ ذیل ہے۔  
 لاہری شہداء کے ہولناک دن دونوں جوان سنگسار و لیم برٹس اور جے ڈبلیو پکنگٹن جب تک ان کو چلے جانے کا حکم نہیں دیا گیا، اس وقت تک اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہے دہلی میں جو



کچھ گزرا تھا، ان واقعات کی اطلاع بذریعہ تار ایٹال کو دینے سے انھوں نے پنجاب گورنمنٹ  
کی انمول خدمت گزاری کی۔ سر رابرٹ ٹنگری کے الفاظ میں  
”اس تار بستی نے ہندوستان کو بچا لیا“

## تار کی نقل

Date 11th May 1857.

We must leave office, all the bungalows are  
being burnt down by the sepoys of Meerut. They  
came in this morning. We are off don't roll to day.  
Mr. C. Todd is dead. We think he went out this  
morning and has not returned yet. We heard that  
nine Europeans were killed.

Good bye.

## ترجمہ

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہمیں دفتر چھوڑنا پڑا ہے، میرٹھ کے سپاہی سائے بنگلے جلا  
ہے ہیں۔ یہ لوگ آج صبح بیاں پہنچے، ہم جا رہے ہیں، آج گھنٹی نہ بجانا ہمارا خیال  
ہے کہ مسٹر سی ٹاڈ مر گئے، کیونکہ آج صبح باہر گئے تھے اور اب تک واپس نہیں آئے  
ہم نے سنا ہے کہ نو یورپین قتل کر دیئے گئے  
اچھا رخصت !



یہ تارہ دہائی سے ابنا لہ گیا، اسی دن دوپہر کے بعد اس کی ایک نقل میجر جنرل سراپچ بزارڈ  
سی بی کمانڈنگ آفیسر خلع سرحد کو بھیجی گئی، انھوں نے ڈاک سے اس کی نقل سرسہری لائسنس صیف  
کمشنر کو جو اتفاق سے چند دنوں کے لیے راولپنڈی آئیے ہوئے تھے، اور ایک نقل جنرل  
کمانڈنگ انچف شملہ کو بھیجی، یہ تمام فوجی اسٹیشنوں کو بھیجا گیا اور جو نقل سر جان لائسنس کو پہنچی تھی وہ اب  
تک سکریٹ کے دفتر میں محفوظ ہے۔

ڈبلیو برنڈش یکم ستمبر ۱۸۹۶ء میں پیش لے کر سبکدوش ہوئے، جسے ڈبلیو پلنگٹن کو باغیوں  
نے قید کر لیا، لیکن نکل جانے کے بعد ۲۴ مارچ ۱۸۹۷ء کو دہلی پالی۔

اس بر وقت اطلاع سے قائد اٹھاکر انگریزوں سے جنگ و پیکار کی تیاریاں  
شروع کر دیں پنجاب کو چونکہ انھوں نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا، اس لیے  
یہاں سے انھیں بہت کافی مدد ملی اور اس بر وقت مدد سے قائد اٹھاکر انھوں نے ایک لشکر گران برقی فتح  
کرنے کے لیے تیار کر لیا جس کی تفصیل یہ ہے :-

حملہ کرنے والے سپاہیوں کی سپاہ کے پانچ کالم تھے، اول کالم بریگیڈ بریکسن کے ماتحت تھا  
جس کی تفصیل یہ ہے :-

۲۰۰ سپاہی	مکہ معظمہ کی ۵۰ نمبر رجمنٹ
۲۵۰ سپاہی	اول بنگال پورین فیوزیلر
۴۵۰ سپاہی	دوسری پنجاب پیدل
۱۰۰۰	

اس کالم کا کام یہ تھا کہ کشمیری دروازہ کے ٹرگنج پر اور شگاف پر حملہ کرے۔  
دوسرا کالم بریگیڈ بریکسن کے ماتحت تھا جس میں سپاہیوں کی تفصیل یہ تھی :-

۱۵۰ سپاہی	نمبر ۵۰ مکہ معظمہ کی رجمنٹ
۲۵۰ سپاہی	دوسری بنگال پورین فیوزیلر

حکومت دارالحکومت دہلی (بشیر الدین احمد) منسلک :-

۲۵۰ سپاہی

نمبر ۲۵۰ رجمنٹ پیدل

۸۵۰ سپاہی

دریا کی طرف گڑ گج کی ڈراٹ پر حملہ کرنے کا کام اس کے سپرد تھا  
قیصر اکام کرنیل کمپ کے ماتحت تھا جس میں سپاہی تفصیل ذیل تھی :-

۲۰۰ سپاہی

نمبر ۲۵۰ رجمنٹ لائٹ انفنٹری

۲۵۰ سپاہی

کادیوں کی پٹن گورکھوں کی

۵۰۰ سپاہی

پہلی پنجاب رجمنٹ پیدل

اس کا کام یہ تھا کہ جب کشمیری دروازہ اڑا دیا جائے تو وہ حملہ کرے۔ چونکہ اکام ماتحت  
ریڈ صاحب کے تھا، کل سپاہی ۸۶۰ اور ۱۲۰۰ کشمیری کنٹونمنٹ کے سپاہی تھے اس کا کام یہ تھا کہ  
کشن گنج اور پہاڑ گنج کے حوالی پر حملہ کرے اور کابی دروازہ میں داخل ہونے کے بعد حملہ عظیم کرے

پانچواں اکام بریگیڈیئر لونگ ٹیلر کے ماتحت تھا

۲۵۰ سپاہی

ملکہ معظہ منسوبہ رجمنٹ

۲۵۰ سپاہی

چوتھی پنجاب پیدل

۳۰۰ سپاہی

بلوچ پٹن

۱۰۰۰

چند کنٹونمنٹ کے ۳۰۰ سپاہی اس کے ساتھ ان کے سوار اور ملکہ معظہ کی رجمنٹ نمبر ۶ کے  
۱۰ سو سپاہی نکسن کے اکام کی پیش قدمی کے حامی ہیں اور حملہ ہونے کے بعد وہ نذر دھڑ سے مل جائیں  
ان پانچ اکاموں میں پانچ ہزار سپاہی تھے!

اگرچہ انگریزوں کی تیاریاں کافی حد تک اطمینان بخش تھیں پھر بھی وہ

بار بار صلاح و مشورہ کرتے تھے، اور نوبت یہ پہنچ گئی تھی کہ وہ

انگریز پھر ڈر گئے

ارادے باز دھتے تھے بازہ کر پھر توڑ دیتے تھے

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

چنانچہ جنرل نے سب باتوں پر خیال کر کے یہ رائے دی کہ کافی سپاہ کا انتظار کیا جائے۔  
 اس کونسل میں ممبران کونسل کی رائے دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر پر دفعۃً حملہ کرنے کا ارادہ موقوف  
 کیا گیا اور ۱۰ مارچ کو سر جان لارنس کو برتاؤ صاحب نے ایک چھٹی لکھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے  
 پوئی ٹکلی مشیروں کی صلاح اور مشورہ سے شہر پر حملہ کرنے کو میں نے منظور کیا تھا، مگر مشیت ایزدی  
 سے ایسے اتفاقات وقوع میں آئے کہ حملہ نہیں کیا گیا۔

ایک طرف تو یہ کیفیت تھی کہ قدم قدم پر

ہندوستانیوں کی امداد اور تعاون کی ضرورت

## وفادار سپاہیوں سے شرمناک سلوک

محسوس ہو رہی تھی، دوسری طرف یہ حال تھا کہ سرکش اور باغی سپاہیوں کو چھوڑ آئیے، مطیع اور وفادار سپاہیوں  
 تک سے حدود شرمناک اور ذلیل برتاؤ کرتے تھے، اور ذرا نہیں شرماتے تھے۔

جب سحر کی تاریکی دور ہوئی اور دن کی روشنی چمکی برگیڈ پر پڑا زمین پر جمع ہوا کوئی نئی بات سوائے  
 اس کے پر پڑی نہ تھی کہ مونٹ گومری صاحب اور روبرٹس صاحب گھوڑوں پر سوار موجود تھے، سپاہیوں  
 کو جو حکم دیا گیا، اس کی انہوں نے اطاعت کی، رجمنٹیں ہر ستر صف بستہ گھڑی کی گئیں تو پ خانہ  
 اور ۱۰ ویں گورنمنٹ کے سپاہی بٹھائی سو سے زیادہ نہ تھے وہ سواروں کے رسالہ کے جو  
 بائیں طرف تھا، دائیں طرف تھے اور ہندوستانی رجمنٹیں قلب میں تھیں گورے کالوں میں ایسے معلوم  
 ہوتے جیسے سیاہ خطوں کے درمیان سفید نقطے، کہیں کہیں لگا دیئے جائیں، ہر سپاہ کے سرسے پر  
 باوا بلند گورنمنٹ کا حکم بادک پور کی پٹن سے ہتھیار لینے کا پڑھا گیا، اس کے بعد اہل کام شروع ہوا  
 ہندوستانی اور گوروں کی رجمنٹوں کو ایسا حکم دیا گیا کہ وہ دونوں آگے سامنے آگئیں، ان کے پیچھے

گورے توپوں کو بھرا ہے تھے، جو ہندوستانی رجمنٹوں کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

۱۶ رجمنٹ کے ایڈجیوٹنٹ جو ہندوستانی زبان خوب بول سکتے ہیں، سپاہیوں کی طرف یوں مخاطب ہوئے کہ بغاوت کا عزم اور رجمنٹوں میں ظاہر ہوا ہے جس کے سبب سے بہت سے عمدہ سپاہی تباہ اور برباد ہوئے ہیں۔ یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز رجمنٹیں جنھوں نے سرکاری کمپنی کی بڑی عمدہ خدمتیں کی ہیں وہ بغاوت کی ترغیب سے اپنے تئیں اس طرح دود رکھیں کہ وہ سب آلات گزند رسانی ہم کو حوالہ کر دیں جس تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ہتھیار رکھ دو، جس وقت کہ ہندوستانی سپاہ کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے دیکھا کہ گوروں کا تو پیمانہ ان کے سامنے کھڑا ہے اور دشمن غلطے تو بچپوں کے ہاتھوں میں ہیں اور اس وقت کرنل رہینی نے ان دیں رجمنٹ کے گوروں کو حکم دیا کہ بندوقیں بھرو، بندوقوں کے گزروں کی جھنکار سنئے ہی سپاہیوں نے جانا کہ اب ہتھیاروں کے دے دینے میں تامل کرنا جان کا کھونا ہے، اس لیے انھوں نے حکم کے موافق ہتھیار رکھ دیئے اور سواروں نے بھی کرپیں کمر سے کھول کر رکھ دیں، سپاہی حیران و پریشان اپنی لینوں میں گئے اور ان کے ہتھیار کرپوں میں لاوے گئے، یہ ایک بڑا کارعظیم بغیر کسی قیامت کے نہایت سلیقہ مندی سے انجام ہوا۔

ہندوستان کے اس طرف غازی آباد میں گوروں کی فوج آگئی ہے، اب چاروں طرف سے بگل کا شور بردھا ہے، میگزین کی کرپیاں لہری ہوئی ہیں، پلٹنیں الگ جھی ہوئی کھڑی ہیں رجمنٹیں ایک جانب ہیں فوج مسلح اور مکمل ہو کر شاہد سے کی شرک پر روانہ ہوئی، دن کے دس بج چکے ہیں راتالی شروع ہو گئی، اب مستقل توپ کے فائر ہونے لگے لگاتار توپ کی آواز چلی آتی تھی، پھر کیبارگی باٹھ کی آواز آنے لگی، اب توپ بھی چل رہی ہے اور بندوقوں کے باڑیں بھی چل رہی ہیں دو گھنٹہ کامل یہ صدا آتی رہی، پھر توپ اور بندوق بند ہوئی اور غار کی آواز متفرق آنے لگی، اب مقام حرب قلعہ سے بار و تیرہ میل کے فاصلے پر ہو گا اور دن کے تین بج گئے ہیں، ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چند گھنٹے کے



عرصہ میں وطن کوچ کر کے پہنچ گئے اور لڑائی شروع ہوئی، تین گھنٹے میں فیصلہ ہو گیا، ابھی فتح شکست کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کون جیتا کون ہارا۔ پانچ بجے کے قریب میں قلعہ سے سوار ہو کر جاتا ہوں جب لاہوری دروازے کے چھتے پر پہنچا تو مجھے فوج واپس آتی ہوئی ملی، آگے آگے توپ خانہ تھا، میں نے دیکھا کہ ایک جوان میگزین کی کراچی پر صندوق سے لگا بیٹھا ہے مگر بے ہوش آنکھیں بند ہیں میں سمجھا زخمی ہے گھوڑے پر جو بیشتر سوار تھے میں نے ان سے پوچھا اس کے کہاں زخم آیا ہے انھوں نے کہا زخم نہیں آیا ہے اس کے ٹھنڈا گولہ لگا ہے اس کے سدمے سے بے ہوش ہو گیا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سوار ہسٹے کودتے باجا بجاتے چلے آتے ہیں قلعہ کے دروازے میں سے میں نے نکل کر ایک سوار سے پوچھا کہ تم لوگ اتنی جلدی کیسے واپس آ گئے اس نے بیان کیا کہ ہمارا ہی فتح ہو گئی، گولے سے مقابلہ پر سے بھاگ گئے، ہم واپس چلے آئے، پھر میں نے پوچھا کہ لڑائی کی کیا شکل ہوئی اس نے بیان کیا کہ بند ہی ندی کے اس پار ہم تھے اور اس پار وہ تھے، بائیں سے تو ہیں چلتی ہیں ہمارے توپ خانے نے بڑا کام دیا آدمی آدمی کے پیچھے گولہ لگا دیا، دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ گولے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب کی آسب نہ لاسکے، ہم دُور سے دیکھتے تھے کہ وہ ندی کے پانی میں کھڑے تھے اور ان کے گھٹنوں تک پانی تھا، جب سواروں نے دھاوا کیا تو وہ کھل کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اپنی توپیں وغیرہ سب سامان سے گئے۔

اگرچہ انگریزوں کا پلہ بھاری ہو، لڑھا اور وہ ہمایاں

کی منزل سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے،

باغی کس بہادری سے لڑے

باغی حالات کی مساعدت اور یقینان راہ کی گریز پانی کے باعث دل رفته اور شکست خوردہ ہوتے جا رہے تھے پھر جی مل میں جب وہ آتے تھے تو مار کے مرتے تھے۔

”اگر تمبر کی صبح کو اٹھ بجے قلعہ شکن توپوں نے اپنی آگ ہسانی شروع کی اور توپچیوں نے خوشی کے

مل : داستانِ غدر (اتم الدولہ ظہیر دہلوی) ص ۵۷

نعرے مارنے شروع کئے، کشمیری دروازہ کے گڑگج نے ہنس کا جواب دیا، گروہ بہت جلد خاموش کر دیا گیا، گڑگج اور فصیل میں سب طرف سے رخنے پڑنے شروع ہوئے۔

۱۴ ستمبر کو پچاس توپیں اور مورٹ چاروں طرف سے گولے گولیاں شہر پر برسانا شروع کیا، یہ ہلاکی آنکس زنی رات دن جاری رہی لیکن شہر کی سپاہ نے متواتر توپنی کو جاری رکھا، جب گڑگجیوں پر وہ ایک توپ بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے تو وہ توپوں کو انگریزی بیٹری کے سامنے بکھلے میدان میں لے گئے، فصیل میں ایک سوراخ کر کے توپ توپ کے مقابلہ میں لگائی، انھوں نے بان مارنے شروع کئے اور سب آگے بڑھے ہوئے مورچے نے اور فیصلوں پر سے گولیاں مارنی شروع کیں، غرض انگریزی بیٹری کوئی بات نہ رہی جس کی خبر باغیوں نے اپنی گولیوں سے نہ لی ہو۔

ان کے گولے اور گولیوں نے بہت سے انگریزی سپاہیوں کو ہلاک کیا، بیٹریوں کے کھلنے کے بعد چھ دن کے اندر تین سو انتالیس آدمیوں کا نقصان ہوا۔

ہر طرح کے مساعد حالات کے باوجود کدہ بکدہ لڑنے والے انگریز کم ہمت بھی تھے | جنگ کی جب ذہبت آتی تھی تو انگریز

شجاعت سے زیادہ کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے تھے، آئندہ کے لیے ایسے متفرق حملوں کا ارادہ ترک کر دیا گیا، اور یہ بات ٹھیری کہ شہر کے محاصرے کی تیاری کرنی چاہئے، تیسویں کو دشمن اپنی توپیں کشمیری دروازہ کے باہر نکال لایا اور پہاڑی کے بائیں حصہ کی طرف گولہ باری کرنے لگا گو ادھر سے ہلکی توپوں سے جواب دیا جانے لگا مگر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ ادھر سے ایک لشکر کدہ بکدہ جواب دینے کو بھیجا گیا اور قریب تھا کہ وہ دشمنوں کی توپیں چھین لیتے، لیکن ایک قسم کی غلط فہمی اور کچھ کم ہمتی کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی، اس کے بعد چند دنوں تک مینہ کی جھڑی لگی رہی جس کی وجہ سے طرفین ساکت رہے چھبیسویں سے کچھ باغی اعلان ملے، لیکن انھوں نے کچھ دن آرام کیا اور ۲۱ کو ان کا ایک لشکر کمپ کے ٹھیک عقب میں آن پہنچا اور ان کے ساتھ کل ساٹھ مرست اور مدد سستی کا بھی تھا جو شکست شدہ پولوں کی درنگی کے واسطے لائے تھے، کدہ بکدہ ٹھاک کر کے کمپ کے پاس آ

ح: تاریخ عروج عہد انگلشیہ (ذکاوانہ) ص ۶۴۱

جاہل گئے اگرچہ بارش موسلا دھار تھی مگر وہ اس حالت میں بھی کام بڑی مستعدی سے کئے جا رہے تھے پہلی اگست کو بقر عید تھی جو مسلمانوں کا بڑا بھاری تہوار ہے، دشمنوں نے پُل پورا کر لیا تھا، اور بعض اُس پر سے جھنڈ بھی کسائے تھے کہ یکا یک بجت گڈھ کا نالہ دو دن کی متواتر بارش سے ایسا چڑھ آیا تھا کہ سارے پُل کے شہتیروں کو ہالے گیا اور باغیوں کو شہر کی طرف لٹ جانا پڑا۔

دسویں اور گیارھویں جون کو باغی

**باغیوں نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے**

لکے نہیں ۱۲ جون کو انہوں نے انگریز لشکر کے بائیں طرف حملہ کرنے کا ارادہ مستحکم کیا بادلوں پر تھوڑے فاصلہ پر دو ٹکی توپیں اور دو ویں پٹن کی کچھ کہنیاں دریا کے کنارے پر مقرر تھیں جس کی کوٹھی میں مقیم تھیں باغیوں نے بڑے حوصلہ سے اپنے تئیں درختوں کے اندر چھپا یا اور زمین کے لہریا دار ہونے کے سبب وہ پاروں پر چڑھ گئے اور انگریزی سپاہ کو خبر تک نہیں ہوئی اور دفعۃً بادلوں کے پکٹ پر حملہ کیا، کپتان نوکس دو ویں رجمنٹ کے کمان پر مع اور سپاہیوں اور توپچیوں کے مقتول ہوئے اور قریب تھا کہ باغی توپیں لے لیتے کہ دو ویں پٹن نے باغیوں پر تیلہ کر دیا۔

باغیوں کی گولیاں کمپ میں آن کر پڑیں اور بعض باغیوں کے سپاہی پیادہ کی نیچے کمپ میں گھس گئے اور تین باغی سپاہی لائن کے خمیوں کے قریب آئے گئے، پکٹ کی حمایت کے نیچے سپاہ جلد پہنچ گئی، باغی بھاگ گئے اور کچھ دیر تک ان کا تعاقب لیا گیا اس لیے کہ لشکر گاہ کے قریب باغی دوبارہ نہ آجائیں۔

اور یہ حالت تو اسب تھی جب انگریزوں نے دلی کا محاصرہ کیا تو خود محصور بن گئے اور راولپور

**انگریز محاصرہ چھوڑ رہے تھے**

مل : واقعات دار الحکومت دہلی حصہ اول مشا :

مل : تاریخ عروج محمد انکوشیہ اذکار اللہ مل :



تلاش کرنے لگے ایک انگریز دوست مؤرخ لکھتا ہے :-

پیرڈ سمتھ صاحب چیف انجینئر تھے کما کہ محاصرہ کا اٹھا دینا ہمارے قوی اغراض کے حق میں نہ ہوگا پھر اُس نے جنرل سے کہا کہ آپ خود کیجئے کہ محاصرہ کے چھوڑ دینے کا نتیجہ کیا ہوگا، سارے ہندوستان کو یقین ہوگا کہ ہم جو دہلی سے واپس آئے تو اس کا سبب یہ تھا کہ ہم کو شکست ہوئی ایسی صورت میں ہندوستانیوں کے دلوں پر وہی نقش ہوگا، جو ہمارے شکست فاش سے ہوتا، محاصرہ اٹھا دینے کی صورت میں ہمارے پنجاب سے آمدورفت بند ہو جائے گی، اور پھر جو اس ملک سے ملکوں کی امیدیں ہیں وہ جاتی رہیں گی اور پھر ہم کو دہلی پر ان دشمنوں سے جن کی قوت افزائی تعداد سے بڑھ جائے گی رٹا پڑے گا، اب تو تمام باغی سپاہی دہلی میں جمع ہوتے ہیں اور ہم ان سے لڑتے ہیں، لہذا وہ سارے ملک میں نہیں پھیلتے ۔

ان دلائل نے جنرل ولسن کے دل کو یقین دلایا کہ محاصرہ کا اٹھانا بالکل نامناسب ہے اس لیے چیف انجینئر کا شکریہ ادا کیا :

جنگ کے دوران میں ہندوستانی ملازموں کے سلوک کی

جنگ کے دوران میں بھی انگریزوں کی تحوت اور ہندوستانیوں کے ساتھ ذلیل برادری میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ پہاڑی پروردہ دروازے کی توپیں انگریزی لشکر کو بڑا ہلاک و حیران اور پریشان کرتی تھیں، باغیوں کے توپچی غرافت و وحشت اور سرت کے ساتھ انگریزی لشکر کے سارے کاموں کو دیکھتے تھے اگر کپٹ پرگوروں کے کھانے کے لیے باورچیوں کے لڑکوں کی قطاریں سردوں پر کھانا رکھ کے جاتی تو ان پر گولے چلا کر حیران و پریشان کرتے، لشکر کے آدمیوں کی ان گولوں کو اپنے اوپر آنے کی دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی، وہ ان سے بچنے کے لیے زمین پر لیٹ جاتے ۔ لڑکے جھاک کر گھٹنوں چلتے اور اپنے سر کے بوجھ کو رکھ دیتے، گولے ان کے سردوں پر سے گزر جاتے

ص : تاریخ عروج و مدانگلشیہ (ذکار اللہ) ص ۱۱۱



تو وہ پھر کھانے کو لے کر چلتے باوجودیکہ یہ لڑکے بڑی وفاداری اور جان نثاری سے کام کرتے تھے  
 دفعۃً مرجانے کا خوف نہیں کرتے تھے، چاہئے تھا کہ گھوڑے ان پر مہربانی کرتے مگر وہ نہیں کرتے  
 تھے بعض انگلش ہن کیپ میں ایسے بھی تھے کہ ان غیر مسلح بے گناہ بد نصیب زایل ملازموں پر  
 سختی کرتے تھے۔

باغیوں نے مقابلہ میں کہیں بھی

کسی طرح کی کسر نہیں اٹھا رکھی

## مکانات کی چھتوں اور سیڑھیوں پر باغیوں کا مقابلہ

اس وقت اچھ جوالائی، شہر کی فصیل پر سے اور بہت سی میدانی توپوں سے گولوں کی بوچھاڑ لگی  
 رہی اور جلد اور تیزی سے گولے پھینکے جاتے تھے بغیر کسی دشواری کے باغیوں کو باغوں سے  
 انگریزی سپاہ نے نکال دیا، لیکن سراؤں اور مکانوں میں باغیوں سے سخت لڑائی ہوئی، مکانوں کی  
 چھتوں پر ان کی ہر سیڑھی پر چڑھتے ہوئے باغیوں کو انگریزی سپاہ کی سنگینوں نے ہلاک کیا۔  
 شام کو غروب آفتاب کے وقت کے بعد اس سے باغی بھگا دیئے گئے وہ شہر میں بہت نقصان  
 اٹھا کر داخل ہوئے، انگریزوں کا نقصان یہ ہوا کہ ایک افسر اور پولیس سپاہی مقتول ہوئے اور آٹھ  
 افسر اور ایک سوساٹھ سپاہی مجروح ہوئے۔ اور گیارہ سپاہی گم ہوئے، باغیوں کے پانچ سو  
 سپاہی مارے گئے، جن میں بہت سے اپنے مقام پر مارے گئے تھے باغی داروں کو یہ بھروسہ تھا  
 کہ کمیپ میں ان کے ہندوستانی سوار اور پیادے امداد کریں گے مگر اس ہندوستانی سپاہ نے اپنا  
 چال چلن درست رکھا۔

۲۳ جولائی کی صبح کو باغی کشمیر دروازہ سے انہود در انہود

بہر آئے اور انہوں نے لڑکھائی اور اس کے آس پاس قبضہ کیا

## باغیوں کا دلیرانہ حملہ

ط : تاریخ عروج عہد انگلشیہ : ذکا : اند : ۵۹۰

ط : تاریخ عروج عہد انگلشیہ : ذکا : اند : ۵۹۰

اور مشکات کے پکٹ اور پہاڑی پر خاص کر مسجد کے پکٹ پر میدانی توپوں سے آتش زنی شروع کی۔  
 اگرچہ انگریزوں کو ہر طرف سے اندھیر طرح کی مدد مل رہی تھی  
 لیکن ان کی زبان پر ہل من مزید پرنعرہ جلدی تھا۔

سکھ سپاہیوں کی طلبی

## مراسلہ نمبر ۵

جسے بریگیڈیئر جنرل نیول چیمپرلین ایجوٹمنٹ جنرل نے جارج کارنک بالیس کے نام  
 ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء وقت ایک بجے دوپہر  
 مانی ڈیئر بارنس

اب جبکہ کرنال ہمارے متحفظ سامان حرب اور ذخائر کا ڈپون گیا، ہمیں وہاں  
 پیدل فوج کا ایک دستہ رکھنا چاہئے اور چونکہ اس کیمپ سے ہم ایک آدمی بھی نہیں  
 لے سکتے، حسب معمول سپاہیوں کی بہمرسانی کے لیے پنجاب سے توقع رکھنی  
 چاہئے۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کے متعلق لاہور سے نامہ و پیام کیجئے اور اگر اور سپاہی  
 نہ دست یاب ہو سکیں تو کم از کم سکھ سپاہیوں کی چار پٹنوں کو حاصل کرنے کی سعی  
 کیجئے، ہمارا عقب بھلا اور خاموش رہنا چاہئے اور یہ ہمدردی فاش غلطی ہوگی، اگر ہم  
 اپنے ذخائر کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ جائیں گے یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے مزید  
 افواج کا مطالبہ کیا ہے اور میں اب بھی ایسا نہ کرتا، لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہم  
 ایک آدمی کو بھی علیحدہ نہیں کر سکتے، ۹ جون کو ایک سخت معرکہ میں ہمارے ۲۷۰  
 سپاہی ضائع ہوئے جن میں مقتول مجروح اور بیمار رشتہ دار شامل ہیں۔

۱ : تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکا، اللہ) ص ۱۱۱

۲ : محاصرہ دہلی کے خطوط ص ۱۵

۹ ستمبر کو جس قدر ملکوں کی امید ہو سکتی تھی وہ سب دہلی کمیٹی میں آگئیں، ان میں محاصرہ

## انگریزوں کو ملک پر ملک مل رہی تھی

کاتوپ خانہ بھی تھا، جس میں بیس توپیں تھیں اور ان کے ساتھ بہت سا گولہ بارود تھا۔ اب یہ وقت آگیا تھا کہ دس صاحب کے لیے ضرور تھا کہ وہ یہ قطعی فیصلہ کریں کہ آیا دہلی حملہ کر کے لے لی جائے یا اس کے لیے کوشش کرنی چھوڑ دی جائے؟ ہر روز سپاہ کو دھوپ میں جلنا اور مینہ میں بھینٹا ہوا آہستہ بیماری کی افزائش کی تو حد باقی نہ تھی، ۳۱ اگست کو ۲۳۶۰ سپاہی بیمار تھے چھ دن کے اندر ان کی تعداد ۲۹۷۷ ہو گئی۔ انگریزوں کی سب قسم کی سپاہ ۸۷۴۸ تھی جس میں برٹش سپاہ ۳۲۱۷ تھی جو اس طرح مرکب ہوئی تھی کہ ۵۸۰ آرٹلری اور ۲۴۳ سوار اور ۲۲۹۴ پیدل، پیدلوں کی سپاہ میں صرف پورے دستوں باقی تھا ان میں سب سے زیادہ توانا ترمند ۴۰۰ سپاہی تھے جن میں سے ۵۲ دیں رجمنٹ آئی تھی جس میں ۶۰۰ توانا سپاہی تھے۔ اب ان میں ۲۴۲ سپاہی کام کرنے کے قابل تھے۔

اس اوپر کی تعداد میں کشمیر کی کنٹیننٹ داخل نہ تھی اس میں ۲۲۰۰ سپاہی اور چار توپیں تھیں۔ جو اس وقت دہلی میں آگئی تھیں اور کمی سو سپاہی جیند کے لشکر کے ساتھ جنھوں نے پہلے کرناٹ کی ٹرک رکھنے سے بہت فائدہ پہنچایا تھا، راجہ جیند خود آیا تھا اور اس کی درخواست پر اس کی سپاہ کو دہلی فتح کرنے کا اعزاز دیا گیا۔

پنجاب میں یہ بڑا اہتمام ہو رہا تھا کہ سب قسم کی رسد اور اسباب دہلی

## پنجاب سے سامان اور سپاہی پہنچ گئے

میں بڑا ڈک سپاہ کے لیے بھیجا جائے، سڑک پر رسد سامان کا آئندہ ہارٹو تھا۔ اس کے جاننے کے لیے بارہ داری کے جانوروں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ غرض، پنجاب ہی سامان اور سپاہی بھیج رہا تھا

م: : تاریخ عروج و زوال انگلستان (ذکار اللہ) ص ۶۲۵



کہ دہلی فتح ہو اور سرکشی فرو ہو۔ جنرل این سن کی وفات کے بعد بے جنرل ریڈ پنجاہ کے  
کمانڈر انچیف ہو گئے، دہلی میں باؤلی کی سڑے کی لڑائی میں ایڈجیوٹنٹ سپاہ کا مارا گیا تھا، اس  
کی جگہ پر نیول چیمبرلین مقرر ہوئے اور ان کی جگہ پنجاہ کی گشتی سپاہ کے بریگیڈیئر نکلسن  
مقرر ہوئے۔

پنجاہ کے الیان ریاست کی پیش بہاداد | برناس صاحب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ سب سے اول مقصد

یہ تھا کہ گرینڈ ٹرنک روڈ (شاہراہ اعظم دہلی پنجاہ کے درمیان) محفوظ و امن کی جائے تھاغیر  
اور لادھیانہ میں فوجیں ایسی تھیں کہ جن پر کچھ اعتماد نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے میں نے ہدایت کی راجہ  
جیند جس قدر سپاہ فراہم کر سکیں اس کو کرناں روانہ کریں، مہاراجہ پٹیل نے میری درخواست پر اپنے  
بھائی کو افسر بنا کے سپاہ اور تین توپیں تھاغیر بھیج دیں جو کرناں اور انبالہ کے درمیان رہے راجہ  
ناجھ اور نواب مالیر کو ملے سے درخواست کی گئی کہ وہ سپاہ سمیت لادھیانہ روانہ ہوں اور راجہ  
فرید کوٹ سے درخواست کی گئی، کہ فیروز پور کے ڈپٹی کمشنر کے تحت کام کریں بس اس طرح  
شاہراہ اعظم کے بڑے بڑے مقامات محفوظ ہو گئے اور راجہ جیسند کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ  
ارد اور میدان جنگ کی سپاہ کے لیے چھکڑے گاڑیاں جمع کریں جس سے کرناں وغیرہ مقامات  
کی محافظت ہو سر جان لارنس نے بھی ۱۳ مئی کو انبالہ سے راجہ پٹیل کو تار بھیجا کہ وہ ایک جہنٹ  
تھاغیر میں اور دوسری جہنٹ لادھیانہ میں بھیج دیں، اس زمانہ میں یہ بڑی بات تھی کہ انبالہ اور  
کرناں کے درمیان سڑک کھلی رہے، کرناں پر قبضہ رکھنے میں یہ بھی فائدہ تھا کہ میرٹھ سے آمد و  
رفت جاری رہ سکتی تھی۔ اور ان دونوں مقامات کی فوجیں آپس میں آسانی سے سفر کر کے مل  
سکتی تھیں راجہ جیسند، مگرزیوں کا دلی خیر خواہ تھا وہ نے اس صاحب کے (دہلی کے مشن جج تھے



جو دہلی سے بھاگ کر کرناٹ گئے تھے، پاس گیا اور کنا صاحب رات بھر سویا نہیں ہوں سوچ  
بچار کرتا رہا ہوں، آخر کوئی نے یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ اپنی قسمت کو آپ کے ہاتھ میں سپرد کر دوں  
میرنی تو امریکی تھیلی میرے ملازمین یہ سب آپ کے حوالے، غرض انگریزوں کو ان رٹھیوں  
سے بڑی مدد پہنچی، جب راجہ جیند نے اپنی سپاہ کرناٹ میں بھیجی، تو پھر اس طرف رعایا  
کی سرکشی کا خوف جاتا رہا۔ پانی پت میں مہاراجہ جیند کی سپاہ موجود تھی ان رٹھیوں کے لشکروں  
کے سب سے گوروں کی سپاہ بے کھٹکے سفر کرتی تھی، اگرچہ گوروں کو گرمی مضمحل کرتی تھی مگر رٹھیوں کے  
ایسے دو بڑے سرگرم تھے۔

انگریزوں کی فتحیابی شروع ہو گئی | باغیوں کے رسائل جیسے جیسے کم اور کمزور ہو  
رہے تھے، انگریزوں کے رسائل ویسے ویسے

زیادہ اور مستحکم ہو رہے تھے، اس عدم توازن کا لازمی نتیجہ ہی ہو سکتا تھا کہ ان کی فتح، اور  
باغیوں کی شکست کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

کپتان فریزر کے ماتحت ملکہ معطرہ کی ۷۰ ویں رجمنٹ اور پہلی بنگال رجمنٹ کے  
۳۶۰ توپا سپاہی جبکہ اور میجر لوک کی رائل کے ۲۵۰ سپاہی اور ملکہ معطرہ کی  
آٹھویں رجمنٹ کے سو سپاہی کپتان روبرٹس کے ماتحت اور دوسری رجمنٹ کے سو  
سپاہی کپتان بیرس کے ماتحت اور کناٹون کی پٹن کے سو سپاہی کپتان طمس کے ماتحت  
اور چوتھی سکھ پیدل پٹن کے سو سپاہی، کپتان چمبرس کے ماتحت ان کو صاف حکمتاً  
لڈلوکیل میں جا کر توپوں کے موافق کالم کے دونوں طرف پیدل تھے اور توپ خانہ  
ٹرک پر تھا، چپ چاپ دشمن کے مقام کی طرف پیش قدمی ہوئی، باغیوں کے سنتری  
نے کہا، کون آتا ہے، اس کا جواب گولی نے اس کے پیٹ میں جا کر دیا، بندہ قتل  
کی باڑ سے باغیوں نے متحیر ہو کر مراجعت کرنے کی کوشش کی، صرف انھوں نے دو  
چھوڑی تھیں کہ انگریزی سپاہی توپوں کے قریب جا پیچھے تیسری توپ کو ایک سپاہی

ریگن نے لپک کر چھوڑنے نہیں دیا۔ اس میں تو پچی فیتہ لگانے کو تھا کہ ریگن نے اس کے شکنیں ماری مگر خود بھی شدید زخمی ہوا۔

تو پچی اپنی توپوں پر کھڑے ہوئے اور ریگنوں کی طرف بیٹھ کر کے جیب تک کہ مار سے نہ گئے حملہ کرتے رہے، انگریزوں نے چار توپیں سے لیں، باغیوں نے پاس گھروں میں پناہ لی تھی۔ ان کو انگریزی سپاہیوں نے مار ڈالا، اور انگریزی لشکر بڑی شان سے خوشیاں مناتا ہوا کیمپ میں آیا، توپیں جو انھوں نے چھین لیں تھیں، ان کے گھوڑوں پر گور سے سوار تھے اور خوشی خوشی ان کو اپنے کیمپ میں لے جا رہے تھے۔

انگریزوں کا نقصان یہ ہوا کہ ایک افسر مارا گیا آٹھ افسر زخمی ہوئے اور ایک سونو سپاہی لڑنے کے قابل نہ رہے، زخمی افسروں میں بریگیڈیئر شودر س اور میجر کوک تھے، میجر اپنے ہاتھ سے توپ لینے میں زخمی ہوئے تھے، شودر صاحب کے مرنے سے انگریزوں کا بڑا نقصان ہوا۔ وہ بڑی جری اور عاقل افسر تھے۔

## سنہالا

بیمارِ محبت نے لیا تیرے سنہالا

لیکن وہ سنہالے سے سنبھل جائے تو اچھا

۱۴ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے کام کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ انگریزی سپاہ کا بڑا بھاری نقصان ہوا۔ لیکن بہت سی مزاحمتیں دور ہو گئیں اور ایک مستحکم مقام ایسا حاصل ہو گیا کہ جہاں سے آگے کام جاری ہو کر کال ہو سکتا ہے۔ چھ گھنٹے کی لڑائی میں چھیا سٹھ افسر اور گیارہ سو چار آدمی مجروح و مقتول ہوئے حملہ آور پانچ کالموں میں سے چار کالم شہر کے اندر داخل ہوئے، جس مقام پر وہ قابض ہوئے بڑی وسعت رکھتا تھا، اور جو تھے کالم کی ناکامیابی کے سبب سے واسطے بازو پر اب بھی دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی ان کے پاس توپیں بہت تھیں۔ اگرچہ شہر انجینئروں میں دس انجینئر

ط: تاریخ عربیہ (ذکاء اللہ) ص ۶۱۴

کام کے تھے انھوں نے رات ہی کوچی مورچہ بندی اور ان میں پکٹ ٹھائے گئے اور گشتی پہرہ  
جمائے گئے۔

پانچ حملہ آور کالوں میں پانچ ہزار ایک سو ساٹھ سپاہی تھے جن میں سے گیارہ سو سپاہ  
سپاہی اور چھیاٹھ افسر محرم اور مقتول ہوئے یعنی نو آدمیوں میں دو، کئی بڑے بڑے بہادر انگریز  
اسے گئے۔ باز خمی ہو کر مرے۔

ان حوصلہ افزا حالات کے باوجود جب باغیوں  
**جنرل ولسن کے پاؤں ڈگ گانے لگے** | نے ڈٹ کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور کئی بڑے  
انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو جنرل ولسن کے پاؤں پھر ڈگ گانے لگے وہ سوچنے لگے کہ جنگ  
ملتی کر کے سپاہ کو واپس بلا لینا چاہیے۔

نیکلسن صاحب مرنے کی حالت میں بھی اس بات کو چاہتے تھے کہ شہر پر قبضہ ہے جب ان سے  
بین کیا گیا کہ جنرل ولسن شہر سے مراجعت کا اعلان کرتا ہے تو وہ ایسے غصے اور طیش میں آئے کہ انھوں  
نے کہا کہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اب تک مجھ میں ایسی قوت ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں  
ولسن کو گولی مار دوں گا۔

علی گڑھ کی باغی جمہٹ لدا فیروز پور  
**ماہر جنگ انگریز انارڈی باغیوں سے ڈرتے تھے** | کی باغی مفرد جمہٹ کے بہت

سے سپاہی اور متھرا کی ہندوستانی پیدوں کی کینیاں اور حصار سرسہ کی غیر ملکی سپاہ نے دہلی کی فصل  
سے باہر باغیوں کی تعداد کو بہت بڑھا دیا تھا بادشاہ کی خود سپاہ اگرچہ بارہ سو تعداد میں تھی اور  
دہلی اور اگرٹی اور چیمبر پلٹنوں میں منقسم تھی اور کچھ توپیں اور سوار بھی تھے مگر ان میں تھوڑی سی اپنی  
توڑ دار بندو میں بھرتا اور نشانہ پر گولی لگانا جانتی تھی اور ان کے اس پاس جو انگریز سپاہی  
مخصوص پرائے تھے یا پنشن پاتے تھے وہ جی ان کر دہلی میں جمع ہو گئے تھے تو بیچ بہت سے  
تھے۔ اور اپنے کام میں استاد تھے اور انگریز سپاہیوں کی تعداد بہ تفصیل ذیل تھی کہ

ملا تیار عروج عہد انگلشیہ (ذکا، اٹھ) ص ۶۴۴



۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے کشمیر کا دروازہ  
پر حملہ کیا یہ دہلی سے تھے جس کے ذریعہ

## باغی آخر وقت تک لڑے

وہ شہر میں داخل ہوئے اور بالآخر اس پر قابض ہو گئے۔ انگریزی فوجیں حملہ کرتے وقت  
کوٹوالی اور جامع مسجد تک پہنچ گئی تھیں۔ کوٹوالی کے قریب ایک توپ نصب تھی جسے  
چند سوار اور بد معاش جلا رہے تھے ان گولوں سے انگریزی ہراول دستہ کے تقریباً پچانو آدمی  
مہر و قتل ہوئے۔ باغیوں نے جامع مسجد میں دھڑا دھڑا کر دانت کی اور انگریزوں کی پیش قدمی کو روک  
دیا۔ انگریز پھر کشمیری دروازے کی طرف پیا ہو گئے باغیوں نے مزید مقابلہ کلمتہ دروازے پر  
کیا۔ شہر میں پانچ دن تک جنگ چل رہی رہا۔

اب ہم روزنامہ کی صورت میں دوران جنگ کے خاص خاص  
واقعات پر قید تاریخ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

## روزنامہ جنگ

۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو باغیوں نے کشن گنج کے موالی کو  
جہاں سے چوتھے کالم کو پر سے ہٹا دیا۔

## کشن گنج باغیوں نے خالی کر دیا

جہاں میں نے اس پر قبضہ کیا اور جہاں پانچ توپیں تھیں انہیں آئین جن کو باغی چھوڑ گئے تھے اس میگزین  
میں اب بھی آٹو گنیں اور ہوٹ نہ اور ہر قسم کا اسلحہ جنگ بکثرت موجود تھا۔ دپہر کے بعد  
باغیوں نے اس میگزین اور ورکشاپ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ورکشاپ پر قبضہ کر لیا  
مگر پھر ہٹا دیئے گئے۔

اس وقت لفٹ ری صاحب نے بڑی بہادری کی وہ میگزین کی چھت پر چڑھ گئے اور

م : تاریخ عروج عہد انگلیشہ : نو کا اللہ : م : ۵

م : غدر کی سحر شام : م : ۵



نیل گولوں کو جن کے شاہجے ملگ رہے تھے اپنے ہاتھ میں لے کر دشمن پر ایسے مارے کہ وہ نوک دم بھاگا۔

۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی سپاہ  
نے بنک پر اور میجر ایبٹ کی کوٹھی پر

### شہر اور قلعہ پر گولوں کا مینہ برسنے لگا

اور حامد علی خان کی کوٹھی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت توپ خانے چپ نہیں رہے تھے شہر پر اور قلعہ پر گولوں کا مینہ برسا دیا تھا اب باغیوں میں بھی لڑنے کا دم نہ رہا تھا۔ اب نہ ان کو فتح کی امید اور نہ جان کی بایوسی۔ انگریزوں سے لڑا سکتی تھی ان قین روز میں انگریزوں کا بہت ہی کم نقصان ہوا۔

۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کو لاہوری دروازے پر گیٹ ریڈ صاحب  
نے حملہ کیا مگر وہاں ایک دروازہ کے اندر چھپا کر باغیوں

### جنرل وین کی سرایمگی

نے توپ رکھی تھی۔ اس سے گراپ مارنے اور مرکان پر گولیاں پلانا شروع کیں جس کے سبب صاحب مدوح واپس چلے گئے صبح کو لاہوری دروازہ پر حملہ کرنے سے گوروں نے انکار کر دیا تھا کہ ان کو گلی کوچوں میں لڑنا پسند نہیں تھا کہ جہاں ان کو دشمن نظر نہیں آتا تھا مگر وہ ان کی گولیوں سے جو وہ چھتوں پر چڑھ کر مارتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو مرتے دیکھتے تھے اس وقت شہر کے اندر تین ہزار ایک سو پانچ ہی تھے۔ اور ان کو نہیں سے کہہ آئے فی امید نہ تھی۔ اور ہنوز شہر کا بہت بڑا حصہ فتح کرنا باقی تھا جس سے جنرل وین سرایمہ ہوئے جاتے تھے۔ وہ اپنے سپاہ کے بچانے کے لیے پائلوں پر جانا پاہتے تھے۔

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء پکتان برصاحب  
ہر وہ گڑ گچ کو جو باقی

### قدم بہ قدم شہر فتح ہو رہا تھا۔ گوروں کی بدستی

دروازہ کے درمیان تھا۔ سنے لیا اور بریگیڈیئر بنوئس اپنی سپاہ کوٹے کر آگے بڑھا۔ مگر ان کے سپاہ بھگ گئے۔ ان کا بہت ہی برا انداز تھا لاس گئی تھی۔ اس کو پی کر وہ ایسے مرت ہوئے کہ انہوں

کے بس میں نہ رہے، غرض اس طرح بتدریج شہر کے جتنے فتح ہوئے گئے، کہ ایک قبضہ لیا اور اس کے پاس کے صحت پر گولے اور گولیاں ایسی ماریں کہ اس کو فتح کر لیا۔  
اسی طرح قدم بہ قدم شہر فتح ہوتا گیا اور جنرل دلسن کو ڈھارس بندھ گئی کہ شہر فتح ہو رہا جائے گا۔

۲۰ ستمبر کی صبح  
جامع مسجد پر قبضہ، عید گاہ کا محاصرہ، باغی بے ترقی سے بھاگے | کو بریگیڈیئر جونسن

کے کالم نے لاہوری دروازہ اور اجمیری دروازہ پر قبضہ کر لیا اور وہ گڑ گج سے لیا جو لاہوری دروازہ اور اجمیری دروازہ کے درمیان تھا۔ پھر بریگیڈیئر کے پاس حکم آیا کہ وہ اپنی سپاہ کو تقسیم کر کے ایک سہہ کو چاندنی چوک میں بھیجے کہ وہ جامع مسجد پر قبضہ کرے اور باقی سپاہ سے کہ وہ اجمیری دروازہ پر جائے۔ بریڈ صاحب نے سپاہ ساتھ لے کر بہ آسانی جامع مسجد پر قبضہ کر لیا اور انھوں نے جنرل سے درخواست کی کہ وہ قلعہ پر حملہ کرے اس مرحلہ میں جونسن صاحب اجمیری دروازہ میں داخل ہوئے رسالہ سواروں کا عید گاہ کے گرد گیا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ دہلی دروازہ کے باہر باغیوں کا کیمپ خانی پڑا ہے۔ لفٹنٹ ہوڈسن نے لپک کر اس پر قبضہ کیا اور ان کے زخمی اور بیمار سپاہیوں کو مارا۔ باغی بہت بدحواس ہو کر بھاگے تھے۔ ان کی گیلی دھتیاں الگینوں پر ٹپک رہی تھیں!

صبح کو حملہ کرنے کی ٹھن گئی پو بھی بیٹھنے پالی تھی کہ کالم فالین ہونے لگا  
انگریزوں کی فتح | ہر کالم میں بڑے بڑے آدمی تھے۔ فیلوں کی شرکافوں کی درستی غنیمت  
نے کر لی تھی، از سر نو ان پر گولہ باری کرنا پڑی لیکن پھر بھی کامیابی ہوئی، اگرچہ غنیمت کی گولہ باری کی وجہ  
سے شتاب رکھنے میں وقت بقی ایک سے زیادہ پارٹیاں ہلاک ہوئیں مگر کشمیری دروازے کو آخر اڑا

ہی دیا، اور کشمیری دروازے اور پانی برج کی فصیلوں کو مے لیا لیکن غنیم کو شہر بد نہ کر سکے، وہ بدستور اپنے مقام پر اڑا رہا، گورنٹ کوچ۔ نواب احمد علی خاں کا محل سکتر صاحب کا مکان، ان قیوں معاہدہ پر نوکر قبضہ ہو گیا تھا، لیکن باغیوں کا حبس محمد اب بھی میگزین پر تھا اور انہوں نے ہر ہر گلی کی طرف توپوں کا رخ کر رکھا تھا۔ بدھ سے کہ انگیزی فوج کے گھسنے کا اندیشہ تھا، تیسرا کالم جامع مسجد کے قریب جا پہنچا تھا لیکن چاندنی چوک کی طرف سے باغیوں کے ایک جم غفیر نے ان کو مار مار کر ہٹا دیا۔ اور بہت قریب تھا کہ سب کو کاٹ ڈالتے، پہلا اور دوسرا کالم کا بی دروازے کے آگے نہ بڑھ سکا اور یہیں ایک تنگ گلی میں نکلن صاحب بڑی طرح مجروح ہوئے جو تھا کالم بالکل ناکام رہا، کیونکہ اصل فوج کے آگے بڑھ جانے کے اشتعال میں ٹھہرنا پڑا اس تاخیر کے سبب غنیم جو کشن گنج میں تیار تھا، حماسے اداؤں سے طلوع ہو گیا اور سب بہ لوگ پیچھے تو ان کی گرجوئی سے خبر نہ گئی اور سب سے بڑھ کر یہ وجہ ہوئی کہ ان گوروں کو خانی دکانوں میں شراب کے ڈھیر مل گئے، کسی کے رونے نہ کر کے لٹی دن کے پیاسے تھے نوب سیراب ہوئے،

اس ایک دن کے طل نقصان کی تعداد افسر اور سپاہی مجروحین و مقتولین کی کیرہ سو شترقی، اگر محاصرے کے آغاز سے ایک نقصان اسی نسبت سے ہوتا ہے کہ اس دن ہوا تو مجبوراً محاصرہ اٹھا دینا پڑتا، اور پھر پنجاب خبر میں بغاوت کا زہر پلا اور پھیل جاتا، اور انگیزیوں کے قدم اکھڑ جاتے، اس کے بعد پانچ دن لڑائی مسلسل جاری رہی ہر قدم پر مجاہدہ ہوا۔ انگیزی عبادی تو ہیں ہی شہر میں گھیرٹ لائے اور گولہ باری شروع کر دی، ۱۶ کی علی الصباح میگزین پر قبضہ ہو گیا اور اسی صبح کو غنیم نے کشن گنج سے نہایت مستحکم سے محصور کیا تھا، خالی کر دیا، ۱۷ تاریخ کو دلی بانک پہ گولہ باری ہوئی فوجی اگوں کو دسپانی مکانات ڈھا ڈھا کر گئے بڑھاتے گئے تانہ آدھے شہر پر قبضہ کر لیا، باغیوں سے سیرالکھ گئے، بھاگن شروع کیا اور شہر میں بھی بھاگ پڑ گئی، جسے دیکھو شہر چھوڑ کر بھاگنے لگا، ۱۹ کی



شاموں شام ہرن بیسپین (لاہوری دروازے کے پاس) فتح ہو گیا، کئی جگہ ناکامیابی کے بعد  
 اگلے دن سارا شہر مع قلعہ کے فتح ہو گیا۔ دیوان خاص میں ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا، میجر جنرل ولسن  
 نے سرحد کے گورکھوں کا گارڈ چڑھا دیا، ۲۱ کی صبح کو فتح کے اعلان کے لیے شاہی سلاخی  
 سر کی گئی را :

فتح کے بعد بھی دہشت قائم رہی | ستمبر کی پود تاریخ کو صبح ہونے سے پہلے  
 گوروں کی پٹنیں اور کورگھا پٹن اور چند

سواروں کے رسالے جس طرف سے فیصل نوٹ لگتی تھی، سیرھیاں لگا کر فیصل پر چڑھ گئے  
 اگرچہ ان میں سے بہت سے مارے گئے۔ لیکن انگیزیوں کے اقبال کا ستارہ اوج پر تھا  
 باغی بھری ہوئی توپیں اور میگزین وغیرہ جہاں تھا وہیں چھوڑ کر بھاگے، پھر سب کشمیری دروازہ  
 کابلی دروازہ اور اجمیری دروازہ اور میگزین وغیرہ سب پر انگیزیوں کا قبضہ ہو گیا، تو انھوں  
 نے پن چکی پر اور نواب حامد علی خاں کی کوٹھی کے پاس توپیں لگا دین جس سے باغیوں کے  
 نکلنے کے سب راستے بند ہو گئے، چند گورے جو بے وقوفی سے شہر چلے گئے تھے مارے گئے  
 جب بادشاہ کنگریزوں سے شہر میں داخل ہونے کی خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ آج میں خود مقابلہ  
 کروں گا۔ سب کو خبردار کر دو کہ ہماری سواری کے وقت حاضر ہوں اور مدد کریں چنانچہ بادشاہ خود  
 سوار ہو کر لال ڈوگی پر آئے۔ شہزادوں نے جو فوج کے افسر تھے فوج سے ہر چند کہا کہ حمیت کرو  
 اور بہادر بنو، مگر ٹکڑا م تلگوں نے بھوک اور دسد کے نہ ملنے کا بہانہ کر دیا اور جو کچھ دکانیں  
 باقی رہ گئیں تھیں ان کو لوٹ کر بھاگنا شروع کر دیا، پھر کیا تھا ان کی دیکھا دیکھی بھاگ پڑ گئی، اور جتنی  
 باقی فوج تھی سب بھاگ گئی،

۹ ستمبر ہفتہ کے بعد بادشاہ نے بالو س ہو کر رات کے وقت تمام مرشدزادوں



اور بیگمات کو قلعہ سے باہر بھیج دیا، اور خود بھی سوار ہو کر درگاہ نظام الدین اولسیا میں پہنچے اور پھر ہمایوں کے مقبرے میں مقیم ہوئے قلعہ اور شہر کے تمام لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں قلعہ سے باہر نکلے اور جس کا جہر منہ اٹھا چل دیا۔

جب انگریزوں کو یہ معلوم ہوا کہ شہر اور قلعہ بادشاہ اور رعایا سے خالی ہو گیا ہے تو افسر مع گوروں کی پلٹنوں اور گورکھوں اور ہندوستانی سپاہ کے قلعہ میں داخل ہوئے اور شہر کو گھیر لیا۔ سب سے پہلے انگریزوں نے شہر کے سب

### انگریزوں کا دہلی میں داخلہ

دروازوں کا بند بست کیا، پھر بغاوت کے جرم میں رعایا اور غریبوں کو سزا دے کر دہلی کو شہر بدر کر دیا اور جس شخص نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور تمام اہل اسباب مکان ضبط کر لیا گیا اور بلا امتیاز ہندو مسلمان تمام مکانات کھود ڈالنے کا حکم ہوا۔ امیروں اور غریبوں کی عورتیں روتی پٹتی تباہ حال قصبوں اور گاؤں اور درگاہوں کی طرف جو شہر سے متصل تھیں نکل گئیں۔ اور جہاں جس کو بھی ذرا ٹھکانہ پاؤں ٹکانے کا علاوہ ٹھیکرین انجستہ حالوں کو گوجروں اور خاکیوں نے بھی پین سے نہ بچھنے دیا یہاں تک کہ لوگ نان شبہ تک کو محتاج ہو گئے سینکڑوں فاقوں سے ہلاک ہو گئے، سینکڑوں بیماریوں کی جھینٹ چڑھ گئے، عام لوگوں کے علاوہ تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی اس مصیبت میں مبتلا تھے اور ان کی حالت سب سے زیادہ دردناک تھی۔

جس لال قلعہ میں اب تک بڑے سے بڑا انگریز

### لال قلعہ میں انگریزوں کا داخلہ

بھی آداب نشاہی بجالانے پر مجبور تھا۔ آج وہاں

فاتح کی جھنیت سے نشہ پندار میں مست انگریز داخل ہو رہے تھے۔ ہندوؤں کا پرچم اقبال سرنگوں

م : نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۴۳

ط : نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۴۳

ہو گیا اور انگریزوں کا بھڑا ہر آنے لگا۔ قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے ہنزل دھن نے ایک کالم بھیجا اور قلعہ جو بڑا نامور تھا، باہر کی اولاد نے جس میں رو کر فرماں روانی کی تھی وہاں بالکل سناٹا تھا، نہ اس سے کوئی توپ چلتی تھی نہ کھٹی بندوق، خاندان تیمور اس میں سے بے سرو پا بھاگ رہا تھا، بہت جلدی سے اس کے دروازے کے پاس باہر کے پھیلے رکھ دیئے گئے جو م صاحب نے آکر اس میں شتاب لگایا، دروازہ اڑا، انگریزی سپاہ شور مچاتی ہوئی داخل ہوئی اور اس نے دروازہ پر اپنا علم قائم کیا، قلعے کے چھتے میں جو تنگوں کا ہسپتال تھا اس میں دوزخ می پڑے تھے جو اپنی پلٹنوں کے ساتھ جانیں بکے تھے، انگریزی سپاہ نے اپنی گولیوں سے ان کے زخموں تکلیف کا علاج کیا۔ شہزادے جو اپنے مکانوں کی حفاظت کے لیے بڑے بڑے اور گھر سے زائد آدمیوں کو بیٹھا گئے تھے وہ بھی مارے گئے۔ غرض اب دہلی بالکل انگریزوں کے قبضہ میں تھی۔ جامع مسجد اور قلعہ و سلیم گڑھ میں انگریزی سپاہ مقیم تھی۔

• مقتولین و مجروحین و گم شدگان کے اعداد و شمار :

• دیوان خاص سے لکھا کا کام لیا گیا :

نقشہ مقتولین و مجروحین اور گم شدگان جو استدار جنگ سے دہلی کے سامنے ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء سے دہلی کی تسخیر کی تاریخ ۲۰ ستمبر تک ہوئے۔

تفصیل	پہلی آغ	دوسری آغ	تیسری آغ	چوتھی آغ	پنجمی آغ	میزان	کھم	پہلی آغ	دوسری آغ	میزان
مقتول	۲۶	۱۴	۲۰	۷	۸۶۵	۱۰۰۱۲	۱۳۹	۵۷۲	۲۴۰	۱۰۱۲
مجرع	۱۴۰	۲۹	۲۰۷	۱۰	۲۳۸۹	۲۷۹۵	۱۸۶	۱۵۶۶	۱۲۲۹	۲۷۹۵
گم شدہ	۰	۰	۱	۰	۲۹	۳۰	۵۳	۱۳	۱۷	۳۰
میزان	۱۸۶	۶۳	۲۸۸	۱۷	۲۲۸۳	۲۸۳۷	۲۷۸	۲۱۵۱	۱۶۸۶	۳۸۳۷

ح: تاریخ عروج و زوال، ص ۶۶

دہلی کی لڑائی میں کریمیا کی جنگ سے زیادہ نقصان ہوا۔ کریمیا کی لڑائی میں کل سپاہ ۹۷۱۲۴ تھی جس میں ۱۳۲۵۹ سپاہی مجروح و مقتول ہوئے تھے، یعنی ۳۴۳۳۶ فی صدی اور دہلی میں ۳۷۶۹ فی صدی جرب سائے شہر پر قبضہ ہو گیا اور بادشاہ بھی گرفتار ہو گیا تو دہلی کی فتح کی خوشی میں توپیں چھوٹیں اور دیوان خاص میں ۲۷ ستمبر کو قواد کے دن فتح کی شکر گزاردی کی نماز پڑھی گئی، فتح سے ذرا پہلے لیکن غلبہ کی حالت میں بھی انگریزوں کے دل سے ہوتے تھے۔

**ڈر اب بھی نہیں جاتا**

### مراسلہ نمبر ۱۱

جے ہنری گریٹ بریڈ مشیر سیاسی متعین افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا،

مائی ڈیر بارنس

دہلی ۱۶ ستمبر

میرے بھائی دبی توپ خانہ سے ہر شگوف تک جاتے زخمی ہو گئے، گو لی ان کے دائیں ہنسی سے گزرتے کہ سینہ کے پار اتر گئی، دوسرے بھائی حملہ کے تمام خطرات برداشت کرنے کے بعد بچ گئے اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اب بالکل تندرست و تازہ ہیں، کشمیری دروازہ کی فصیل کے سوراخ تک ٹھہری لگا پہنچے اور دروازہ کو اندر کے ذریعہ اڑوینے اندر اندر داخل ہو جانے کی کاروائی بہت کامیاب طریقہ سے مکمل میں آئی یہ سب کچھ وہی دھڑ سے ہوا۔ نکس کا دستہ فصیل کے گرد گرد تاخت کرتا ہوا۔ لاہوری دروازہ کے برج تک پہنچ گیا، وہ زخمی ہو گئے، سا ان جنگ میں کمی ہو گئی اور انھوں (باغیوں) نے



پلٹ کر پھر کاہی دروازے پر حملہ کر دیا، کرنل کیمیل کا دستہ جو بانہاڑ اور بہادر شکاف کی زیرِ کان تھا، نہایت شاندار طریقہ سے جامع مسجد پہنچ گیا۔ ان کا انجینئر افسر گولی کھا کر مارا گیا اور دیت کے تھیلے پھیلے رہ گئے۔

ادامی ٹینڈی اور براؤن (انجینئر) کے ماتحت بھیجے گئے، اول الذکر مقتول اور موثر اللہ کر زخمی ہوئے۔ لاہوری دروازے والے حصہ سے کوئی امداد نہیں آئی اور اس لیے کیمیل کو پسپا ہونا پڑا، سپہ بیگم کے باغ کی جانب جسے وہ ایک گھنٹہ تک اپنے قدموں میں رکھ سکے ازاں بعد گرجا کے اطراف میں یہ ایک نازک موقع تھا ہمارے سپاہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ بہت سے افسر ناکالہ ہو گئے تھے، اور گھبراہٹ بہت زیادہ پھیل گئی تھی اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ریڈ کا دستہ کشن گنج پر قبضہ کرنے میں بالکل ناکام رہا، تو یہیں لائی گئیں اور اس طرح آخری موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

انسوس ہے کہ جموں کی فوجیں جب سے اپنے پہاڑی مقامات سے نکلی ہیں نہ صرف بالکل ناکام رہیں بلکہ کشن گنج میں پانڈیوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ سے چار فوجیں بھی جاتی رہیں اور اس کی وجہ سے انھوں نے ریڈ کے بازوؤں کو خطرے میں ڈال دیا اگر یہ خبر صحیح ہے تو دیوان صاحب ہی نے فرار ہونے میں سمجھت کی تھی، جیند کی پیدل فوج کی کارگزاری بہت ابھی رہی آج ہماری پوزیشن (حالت) میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ میگزین پر قبضہ کر لیا گیا اور اب ہمارے انصاف کا یہی دروازہ سے لے کر نہر کے برابر اس فوج کی چوکیوں تک وسیع ہو گیا ہے، جو میگزین پر قابض بنے شہر کے اس سارے حصہ کو باشندوں نے خالی کر دیا ہے اور اس لیے وہاں سے جو روپیہ پیسہ مل سکے گا اپنے قبضہ میں لے لیا جائے گا۔

پانڈیوں کی ایک معقول تعداد مقتول ہوئی اور میرا خیال ہے کہ بہت ہی کم لوگ بچنے پاسے ہیں۔



کیمپ کی حفاظت کٹن گنچ کی اکامی سے ایک مد تک خطرہ میں پڑ گئی تھی اس پر حملہ کا اندیشہ تھا اگر غیر انہیں سلیم گڑھ اور تھامی محل پر گوسے برساتے جا رہے ہیں میرا خیال ہے کہ کابل کا میاں بی یحییٰ ہے ہمارے فوج میں مقتول و مجروح دونوں کا شمار ۸۰۰ سے کم نہ ہو گا۔ نکلن کی جان کا سخت اندیشہ ہے ان کے نقصان کی تلافی ناممکن ہے کرنل کیمیل ۵۲۱ ویں بھی ناقابل ہو گئے ہیں :

لوگ بھاگنے لگے

دہلی انگریزوں کے قبضہ میں پھر آچکی تھی اور لوگ بھاگ رہے تھے اب ان کا کیا حشر ہونے والا ہے چنانچہ فوج کے ساتھ ہی دلی کے لوگوں نے شہر چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا ایک دروازے سے انگریز شہر میں داخل ہو رہے تھے اور دوسرے دروازے سے شہر وائے راہ فرار اختیار کر رہے تھے۔ سب سوار اور پیدل، مستورات اور بچے دلی دروازے کے باہر ہوئے، اس وقت دلی دروازے کا میدان صحرائے قیامت معلوم ہوتا تھا، ہزار ہا پردہ نشین عورتیں بچے بوڑھے اور جوان مرد، ہوش بختہ شہر سے نکلے چلے آتے تھے کسی کو ہوش پردے کا نہ تھا۔ بہت سی نیک بختیں بے مقصد و چادر جو کپڑا سر پر تھا اوڑھے برہنہ پا چلی آتی تھیں۔

غرضیکہ ہزار مصیبت و مشقت انسان و خیراں ہمارا دہلی سواروں کا قافلہ برف خانے میں پہنچا، شب کو بے آب و دانہ سب نے بسر کی، صبح کو خیال ہوا کہ آب و دانہ کا فکر کیجئے میں نے اپنی بی بی سے پوچھا کچھ زیورات وغیرہ ساتھ لے کر نکلی ہوں انہوں نے کہا سوائے نہ لے کے نام کے کچھ پاس نہیں ہے۔ جب یہ بات میں نے سنی تو مجھے نہایت اس اور فکر ہوا اب کیا کرے۔ ایک بات خیال میں آئی میں نے اپنے گھروالوں سے کہا تم جلدی کرو، میں ابھی بندوبست کر کے آتا ہوں۔ یہ لکھ میں برف خانے سے نکل کر روانہ ہوا اور جھپٹا ہوا اجیری دروازے سے نکل کر شہر میں داخل ہو کر اپنے مکان پر پہنچا اور پھر کھٹ جھکڑا ہوا تھا، میں نے اس کے پتر نوچنے شروع کئے

من کل الوجوه ڈیڑھ دوسیر چاندی نوچکر چادر میں باندھی، پھر کھٹری میں داخل ہوا تو ایک گھٹری جس میں  
 پانچ چار دوشائے اور دو شالی رومال اور انگرکھے بانات کے کنا سے دار تھے۔ نظر پڑی وہ گھٹری بیل میں  
 ماری اور چاندی کمرے باندھی اور گھر سے نکلا۔ جب محلہ کے تراہے میں پہنچا تو اس وقت ایک تو گھٹری کا  
 بوجھ معلوم ہوا۔ اور دوسرے یہ خیال آیا کہ یہ گھٹری تجھ کو لے کر برف خانے تک کون پہنچنے دے گا  
 راستے میں یہ بھی لٹ جائے گی اور اس کے ساتھ چاندی بھی کیونکہ ان دنوں گوجروں اور لیٹروں اور گنوار  
 میواتیوں کا یہ زور و شور تھا کہ شہر کے باہر تمام رکھا اور لیٹروں نے مار لیا اور گنڈاسوں کے گرا دیا اور  
 جو کچھ پاس ہوا وہ چھین لیا حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک وہ مار بھٹانہ چھوڑتے تھے جی میں آئی کہ ایسے  
 واپس گھر میں پھینکتا چلوں کہ سامنے سے ایک جوہری کتوں دکھائی دیئے، میں نے ان سے کہا کہ بھائی  
 تم اپنے گھر لے جاؤ اگر لوٹ مار سے بچ گئے تو میں سب کچھ لے لوں گا ورنہ جوتی کے صدقے سے  
 انہوں نے بہت غصہ کیا کہ میں نہیں لیتا، مگر میں ان کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے اجیری دروازے  
 تک پہنچا اس وقت تک خلعت شہر کی نکل رہی تھی اور تمام پہاڑ گنج اور جے سنگھ پورہ وغیرہ میں دلی  
 ہوا اسے تک جنگل آدمیوں سے چٹا پڑا تھا۔ غرضیکہ میں بخوبی برف خانے میں پہنچا اور وہ چاندی اپنے  
 گھرانے میں جا کر دی اور یہ تین تولہ چاندی لے کر پہاڑ گنج کے ایک بننے کی دوکان پر پہنچا اور اس سے  
 کہا کہ اس کا مجھے سااں تول لے۔ اس نے کہا کہ میں بارہ آنے دوں گا، غرض کہ بارہ آنے کو دسے کہ  
 چار آنے کے پیسے نفع لایا اور باقی کھٹری لا کر کپنے کو دی اور مٹی کے برتن لایا اور پانی میرا بھائی  
 کنویں پر سے بھر لایا۔ کھٹری پکی اور سب نے کھا لی پڑ

## غدر کا چوتھا دور: انتقام

ہندوستان پر اب تک مسلمانوں کی حکومت تھی، آج سے تاریخ بدلتی ہے۔ اور اب ایک غیر ملک کے عیسائی تخت حکومت پر متمکن ہوتے ہیں،

مسلمانوں کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ وہ جنگجو ہیں، جہاد ان کا مذہبی فریضہ ہے، قتل و خون ریزی سے وہ شیفٹی رکھتے ہیں،

عیسائیوں کا مذہب یہ کہتا ہے کہ جو تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تم اس کے اٹے اپنا دوسرا گال بھی پیٹ کر دو،

لیکن ایسی عجیب بات ہے، تاریخ کے آئینہ میں واقعات بالکل برعکس نظر آتے ہیں، اللہ کے مشرکوں اور کافروں نے، داعی، سلام کو کیسی کیسی اذیتیں پہنچائی تھیں، لیکن رحمت العالمین کا کوکبہ ہلال جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوا، تو اللہ کے کافر اور مشرک ہمے ہوتے تھے کہ اب گن گن کر بدلہ لیا جائے گا لیکن دنیا کے سب بڑے فاتح نے فرمایا لا تریب علیہم یوم۔ اذ عبوا انتم الرطفا۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جاؤ تم آزاد ہو، اللہ ہی اللہ مسلمان سپاہیوں کو حکم دے دیا گیا کہ رٹنے والے سے جنگ نہ کریں،

پھر کئی سو برس بعد، یروشلم میں، ہلال و صلیب کی جنگ ہوئی، رچرڈ شیردل نے غنہ پر قبضہ کر لیا، اور وہاں کے مسلمانوں کو، عام مسلمانوں ہی کو نہیں، سورتوں اور بچوں تک کو لرزہ خیز لہر تنگ ان نیت مظالم کا بدت بنایا، صلاح الدین کو، جب ان واقعات کی اطلاع ملی، تو اس نے قسم کھائی کہ، میں اس حرکت کا انتقام عیسائیوں سے لوں گا، حالات چلتے۔ اور صلاح الدین



کی فوجیں فاتحانہ شان سے عکس میں داخل ہوئیں، وہاں کے عیسائی دہلی اٹھے کر اب انتقام لیا جلتے گا۔

ہاں صلاح الدین نے انتقام لیا، لیکن کس طرح؟ اس نے ان تمام لوگوں کو جو لڑائی کے میدان میں جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہوتے تھے رہا کر دیا، جو لوگ غدیر نہ دے سکے، ان کا فائدہ اپنے پاس سے ادا کیا،

رچرڈ شیردل کی قوم، جب دلی میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئی، تو اس کا مزاج بدلا ہوا تھا، وہ مسیح کی تعلیمات فراموش کر چکی تھی، رچرڈ کا کردار اس کے سامنے تھا، اس نے مسیح کو چھوڑ دیا اور رچرڈ کو لے لیا، اس نے وہی کیا، جو رچرڈ نے عکس میں کیا تھا، کوئی ایسا ظلم نہ تھا، جو اس نے اٹھا رکھا ہو، اس کے دستِ جفا سے کوئی نہیں بچا، نہ باغی نہ مطیع، نہ وفادار، نہ خطا کار۔

دلی والے کس طرح بھاگے | دلی والے، انگریزوں کے مزاج شناس ہو چکے تھے، وہ جانتے تھے، اب ان کی ٹھیکر انتقام بے نیام ہو گی، اہ

گیہوں کے ساتھ گھن بھی پے گا، چنانچہ انہوں نے عافیت کی تلاش میں بھاگنا شروع کیا، ان لوگوں نے بھی جنہوں نے غدر میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، جنہوں نے غدر میں انگریزوں کی جا میں بچائی تھیں!

غرض بڑی بدحواسی سے مولوی مع بال بچوں اور عورتوں کے گونہوں کو بٹھوں دکن کی طرف بھاگے ان میں ہمارے مولانا بھی شریک تھے اس وقت کی پریشانی بیان نہیں کی جا سکتی جتنے منہ امنی بامیں بعض کی تو یہ رائے تھی کہ کہیں مت جاؤ یہیں گھروں میں بیٹھے رہو اور بعض کی یہ صلاح تھی کہ جرنیلی حکم آیا ہے تو نکل جانا چاہتے غرض یہی راستے غالب رہی اور عورتوں نے اپنا اپنا ذیور نکال کر محض میں پھینک دیا اور ملل تن زیب کے دو پٹوں کی جگہ فرش کی چاندنیاں پھاڑ پھاڑ کر اوڑھیں صبح ہوتے ہوتے مولوی لوگ باغ میں پہنچے اب انگریزی زو میں امدان میں ایک سڑک حائل تھی چاہتے تو باغ میں ٹھہرتے مگر ڈر کے مارے سوتی والوں کے محل میں



پہنچے وہاں ان لوگوں کی کچھ رشتہ داری تھی مکان دیکھا خالی ہے چو لٹے کے پاس گھن میں آٹا گندھا ہوا رکھا ہے تو اچڑھا ہے آگ ٹھنڈی پڑی ہے معلوم ہوتا ہے جو دنی پکانے کی نوبت نہیں آئی کوئی خطرہ حامل بیٹن آیا کہ بھاگ کھڑے ہوئے خیر مولویوں کا خاندان فقہا اگے چل بھی کیسے کھڑے تھے عورتیں ساتھ تھیں پر دے سواری کا کوئی انتظام نہیں عورتیں چارپوں کو پیلا چننے کی عادت نہیں ایک ایک گا پاؤں چھلنی ہو گیا۔ (۱)

پھر تیسری میر خوار کوئی پوچھتا نہیں | دہلی میں انگریزوں کے داخلہ کے بعد کا ایک منظر

اس وقت ہماری بھگت کا حال قیامت سے کم نہ تھا میری بیوی ہر چند کہ شرم کے مارے منہ سے کچھ نہ بولی۔ لہجہ بھی آنکھیں کیسے ہوتے رو رہی تھی آخر جب اسٹھنے لگا تو چپکے سے یہ الفاظ کہے کہ باپ اور چچا تو مارے گئے نقطہ تہرے دم کا سہارا تھا۔ مجھے کس پر چھوٹے جلتے ہو، میں نے کہا خدا کے حوالے کیے جاتا ہوں۔ اگر زنت رہا تو آموں گا اگر مارا گیا اور تم سن تو دہر بجڑ دینا۔

غصہ ہزار خرابی خواجہ صاحب میں پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک ہجوم کثیر مرد و زن کا فراہم ہے۔ شب کو میں نے کچھ چاندی ایک صراف کے ہاتھ فروخت کی۔ لودھ نے کا بندوبست کر کے ہم زمین پر پڑ رہے۔ صبح کو ایک پندرہ بیس ہزار آدمی کا قافلہ جس میں نواب امین الدین احمد خاں لودھ خاں امین الدین احمد خاں، اور احمد قلی خاں بادشاہ کے خزانہ بہت سے بڑے بڑے آدمی شامل تھے۔ وہ گوجروں کو دو ہزار روپیہ دے کر لودھ ہوا لیکر خواجہ صاحب سے روانہ ہوئے۔ ہم بھی اس قافلے کے ہمراہ ہوئے۔ راستہ میں ہزار عورت پردہ لہین لودھ کے ہمراہ تھیں۔ منزل دراز تھی دہر کی دھواں پہنچنے کی تہی ہوتی ریت۔ جھٹتی و دق سننے کا نام نہیں۔ لودھ میں آئے۔ زبانوں میں بے آبی سے لاشیں پڑے ہوئے دھوئے چلے جاتے تھے۔ اب آغاز اور انجام اس سفر کا کچھ معلوم نہیں کہ یہ راستہ کہاں کو جاتا ہے کون کون سے شہر راستے میں پڑیں گے، کس ریاست میں پہنچیں

گے۔ پس ہمراہ قافلے کے ہیں جدھر قافلہ جاتا ہے تو ہر جگہ جاتے ہیں۔ گھر سے کبھی نکلے نہیں اس مصیبت کا کبھی سفر کیا نہیں۔ راستوں سے نابلد منزلوں سے ناواقف شہروں اور ریاستوں کا حال سوائے انگریزی عملداری کے جانتے نہیں۔ ایک دو بار پہلے سفر کا اتفاق ہوا ہے تو آگے میرٹھ کی طرف ہوا ہے۔ تو یہ کمال آسائش بڑی دل لگی کا سفر ہوا ہے۔ نہ اس مصیبت کا کہ زمین تک قدم رکھنے کی روادار نہیں جہاں جھاڑ جھاڑ، کانٹا کانٹا دشمن ہے۔ قصہ مختصر شب کو پڑے لے۔ صبح ہوتے ہی پھر قافلے کے ہمراہ ہوتے۔ دو پہر کو جا کر فرخ نگر میں داخل ہوتے۔ کچھ چاندی بیچ کر کھانے کی جوینز ہوتی۔ اب وہاں باہم کچھڑی پکینی شروع ہوتی۔ اور صلاح و مشورے ہونے لگے کسی نے کہا ہم بدھ جاتی ہیں۔ کسی نے کہا ہم اُدھر جاتیں گے۔

ہم حیران ہیں کہ یا الٹی ہم کدھر جاتیں۔ آخر ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا یہاں سے بھگوت ہے۔ یہ نام سنتے ہی جان میں جان آئی۔ وہاں تو ہمارے ماموں حکیم مرزا قاسم علی خان صاحب مختار ریاست ہیں۔ ان کے پاس چلیے اور ان کی صلاح کے کار بند رہتے۔ غرض کہ دوسرے روز بھگوت کا ماستہ پوچھ کر ادھر کو روانہ ہوتے اور اسی دن بھر پہنچے۔ اور مکان پوچھ کر ان کے ہاں پہنچے۔ ماموں صاحب نے جب شکل دیکھی تو چہنچہن کر رہ گئے۔

آغا سلطان تو باہر ہی ٹھہرے۔ مجھے اور میرے بھائی کو گھر میں لے گئے۔ ممانی سے کہا دیکھو تو بھانجوں کا کیا حال ہے۔ میری بہن بادشاہ بیگم نے ان کو کس مصیبت سے پرورش کیا تھا۔ آج یہ اس مصیبت میں مبتلا ہیں وہ بھی آبدیدہ ہوتیں۔

ادھی رات کے وقت ان کو نواب صاحب نے بلوایا۔ وہ وہاں گئے ایک گھنٹہ کے بعد واپس آئے۔ اور آبدیدہ آئے۔ میں نے پوچھا ماموں خیر ہے۔ فرمایا بھائی کیا پوچھتے ہو انگریز کا فوج یہاں بھی آ پہنچی۔

اب تم ایک کام کرو۔ یہاں سے یدسہ پانی پت کو روانہ ہو جاؤ۔ غرض کہ اسی وقت پہلی تیار ہوئی اور ہم تیار ہو کر پانی پت میں آئے۔ اور ایسے وقت کہ رات کے گیارہ بج گئے

تھے۔ اور میرے والد گریہ و زاری کر کے صحن میں کھڑے ہمارے لیے سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔ میں دروازے پر پہنچا۔ اور میں نے آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ میری بڑی خالہ میری آواز پہچان کر دروازے پر غصہ دروازہ کھلا اور میں نے جا کر والد کے قدم لیے۔ انہوں نے سجدہ فخر ادا کیا۔ ہم نے وہاں ایک چھوٹی سی تجارت کا ڈسٹک ڈال کر قوت بسری کی سبیل کی لہ ایک دوکان کرایہ کو لی۔ تھوڑے عرصہ میں میں چار سو لاکھ سامان دوکان میں فراہم ہو گیا تھا۔ اور دو روپیہ روز کا میرے گھر کا خرچ تھا۔ پانچ ماہ تک ذرا امن و امان کی صورت رہی۔ مگر تنگ کچ رفتار اور زمانہ ناہنجار کب دیکھ سکتا تھا کہ یکایک آسمان سے سنگسار حوادث برسنے لگے۔ اور زمین نے قتلہ نمازہ برائیت کئے۔ اور حشرات کی طرح زمین سے ایک بچھو پیدا ہوا۔

یعنی دہلی سے وہی موڈی اور اوباش مجزوں کا سرغنہ گامی بد معاش بلاتے ناگہانی کی طرح پانی پست میں نازل ہوا۔ اور وارو گیر کا بازار گرم ہوا اور دلی والے گرفتار ہونے شروع ہو گئے۔ اور درست (پانی پست) میں نواب حامد علی خاں صاحب لہ ان کے تمام کہنے کو گرفتار کر لے لے لوہر پانی پست میں قیامت برپا ہو گئی۔ اور پانی پست کا محاصرہ ہو گیا۔ مگر آفرین مردان پانی پست پر وہ مافرنوازی فرمائی کہ باپ بیٹے کے ساتھ یہ سدک نہ کرے گا۔ آتی والوں کے ساتھ جانیں لڑ دیں لہ اپنے گھر کے زنانوں کے ساتھ چھپا کر رکھا۔ اور جان سے آبرو سے ساتھ دینے کو موجود تھے۔ اور جس دن سے دلی کے لوگ پہنچے تھے۔ اپنے گھروں میں بٹھایا تھا اور روپے سے، دلی سے، کپڑے سے، پیسے سے۔ سب طرح سدک کرتے تھے۔ قصہ مختصر جب پانی پست کے گرد گھیر پڑا۔ لہ نا کہ بنی ہو گئی۔ لہ دلی والے گرفتار ہونے لگے۔ میں ایک دن اپنی پودھی کے مکان پر گیا وہاں پہنچ کر میری طبیعت گھبراہٹ اور میں چلنے لگا۔ میری بہن نے مجھے لوکا بھی مگر میں اٹھ کر دیوڑی کے باہر چلا آیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے آدمی اس گلی میں چلے آتے ہیں۔ لہ آگے قافلہ داسے۔ میں نے یہ سوچا کہ اب جو تو اٹا پھر کر جاتا ہے تو یہ گھر میں جا کر گرفتار کر لیں گے۔ بریدھا یہ کہتا ہوا ان کے سامنے سے چلا گیا۔ یعنی ان دلی والوں کے سبب ہم بھی مصیبت میں آ



گئے۔ اور انہوں نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آدمی اسی مکان میں گھسے جس میں سے میں برآمد ہوا تھا۔ اس  
تقاریر نے گھر میں داخل ہو کر میرے پھوپھا اور میرے بہنوئی کو گرفتار کیا۔ اور میرے اگے سے  
لے گیا۔ جب وہ چلا تو میں وہاں سے نکل کر گریزاں ہوا۔ تو ایسا بے اوسان تھا کہ کئی جگہ گرا۔ غرض کہ  
افاں و خیزاں اپنی خوش حامن صاحبہ کے گھر پہنچا۔ اور یہ حقیقت بیان کی لہر کہا کہ اب میرا یہاں  
سے نکل جانا صلاح ہے، ورنہ گرفتار ہو جاؤں گا، !

مرزا غالب بھی انگریزوں کے بڑے قدر شناسوں  
غالب کی آنکھوں نے کیا دیکھا؟ لہر شناسوں میں تھے، لیکن فرماتے ہیں:

”۱۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی سپاہ نے اس شہر کے ساتھ کشمیری دروازے پر گولہ باری کی کہ کالوں کی  
سپاہ میں بھاگ پڑ گئی۔ اگرچہ امی سے ۴۴ ستمبر تک چار ماہ اور چار روز کا وقفہ تھا لیکن چونکہ شہر  
دو شنبہ ہی کے روز ہاتھ سے نکلا اور دو شنبہ ہی کے روز پھر ہاتھ میں آ گیا۔ اس لیے کہہ سکتے  
ہیں کہ ایک ہی دن کے اندر شہر ہاتھ سے نکلا اور ہاتھ میں آ گیا۔“

غرض فتح مند فوج اس شہر کے راستے مقلی شہر میں داخل ہوئی جو شخص راہ میں  
ملاقات کر دیا گیا۔ معززین شہر اپنی ابرو کو بچانے گھر میں پڑے رہے۔ باغی شہر سے بھاگ نکلے۔ کچھ  
ایسے نئے جنہوں نے مقابلہ کیا۔ اور سینہ سپر ہو کر لڑے۔ اپنے نزدیک دوسروں کو کاٹا۔ مگر میرے  
نزدیک اہل دہلی کی جڑیں کاٹ گئے۔ دو عین روز تک شہر میں کشمیری دروازے سے لے کر چاروں  
طوت کو چھو بازار میدان کا دروازہ بنے رہے۔ رفتہ رفتہ صرف عین دروازے یعنی ابھیری دروازہ ترکان  
دروازہ لہر دہلی دروازہ کالوں کے قبضے میں رہ گئے۔ گوروں نے شہر میں داخل ہوتے ہی بے گن ہوں  
اور بے نواؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لہر جا بجا مکانات میں آگ لگا دی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب

(۱) داستانِ غدر (راحم الدود تلخیص دہلوی)



کوئی مقام سخت خوزیزی کے بعد حملہ آور کے قبضے میں آتا ہے تو اس مقام کے رہنے والوں پر اسی قسم کی سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

جب اہل شہر نے فتح مندوں کی یہ کینہ دہی اور غیظ و غضب دیکھا تو ان کی امیدزایی سے بدل گئی۔ اور بے شمار غریب و مشرور اپنی مستورات کو لے کر ان تینوں دروازوں میں سے شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ اور شہر کے باہر پھوٹی پھوٹی بستیوں اور قبرستانوں میں جا کر دم لیا۔ جب وہاں بھی چین نہ ملا۔ تو ان میں سے بہت سے سفر کے مصائب اٹھاتے ہوئے دور دراز مقامات میں چلے گئے۔

۴ اکتوبر کے بعد پانچ روز تک شہر کے اندر گھروں اور گوروں میں جا بجا لڑائی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ کالے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے گئے۔ اور گورے شہر پر قابض ہونے لگے۔ بالآخر ۱۸ اکتوبر کو جمعہ کے روز شہر کا لوں سے خالی ہو گیا۔ اس کے بعد پکڑ دھکڑ قتل و غارت گری کا بازار اور لہو و گرم ہوا۔ (۱)

**محمد حسین آزاد کی پیتا** دفعہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا۔ کسی کسی کو ہوش نہ رہا۔ چنانچہ افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسماعیل ان کے فرزند عثمانی کے ساتھ ان کے فرزند روحانی بھی دنیسے رحلت کر گئے۔ میرا یہ حال ہوا کہ فتح یاب لشکر کے بہادر دفعہ گھر میں گھس گئے۔ لہ بندھتیں دکھائی دیں۔ کہ جلد یہاں سے نکلے۔ دنیا انکس میں اندھیری تھی۔ بھرا ہوا گھر سامنے تھا۔ لہ میں حیران کھڑا تھا کہ کیا کیا کچھ اٹھا کر لے چلیں۔ ان کی غزروں کی چنب پر نظر پڑی یہی خیال آیا کہ محمد حسین! اگر خدا نے کرم کیا۔ اور زندگی باقی ہے تو سب کچھ ہو جائے گا۔ مگر استاد کہاں سے پیدا ہوں گے۔ جو یہ غزائیں پھر آکر کیوں گے۔ اب ان کے نام کی زندگی ہے اور ہے تو ان پر مضرب ہے۔ یہ ہیں تو وہ مرکز بلبی زندہ ہیں۔ یہ گئیں تو نام بھی نہیں رہے گا۔ وہی چنگ اٹھا بغل میں

”دشمنوں“ غالب کی قاری تاریخ غدر ص ۱۷

دنا بچے بچائے گھر کو چھوڑ ۲۲ نیم جانوں کے ساتھ گھر سے بلکہ شہر سے نکلا کہ حضرت آدم بہشت سے نکلے تھے۔ دلی بھی ایک بہشت ہے۔ اپنی کا پوتا ہوں۔ دہلی سے کیوں نہ نکلوں۔

**سرسید کے خاندان کا ماجرا** | سرسید نے غدر کے زمانہ میں انگریزوں کے گراں بہا خدمات انجام دیتے تھے، لیکن ان کا خاندان بھی ہدفِ تسم

بننے سے نہ بچ سکا :

کچھ اوپر پاہنچ مہینے سرسید کو میرٹھ ٹھہرنا پڑا میرٹھ میں ان کو معلوم ہوا کہ دلی میں سرکاری فوج کے سپاہیوں نے ان کا گھروٹ لیا ہے ان کے ماموں وصید الدین اور ان کے ماموں زاد بھائی ہاشم علی خاں سپاہیوں کے ہاتھ سے مارے گئے ان کی والدہ اور خالہ جب گھر لٹ گیا تو جوہلی چھوڑ کر جنو خانہ کی ایک کوٹھری میں جہاں ایک لاوارث بڑھیا رہتی تھی چلی آئیں اور اٹھ دن نہایت تکلیف سے اُس کوٹھری میں بسر کیے اس عرصے میں سرسید بھی وہاں پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ تین دن سے ان کے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا کسی قدر گھوڑے کا دان مل گیا تھا اُسی کو کھاتی رہیں دو دن سے پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور پیاس کی نہایت تکلیف تھی سرسید کہتے تھے

”جب میں نے کوٹھری کا دروازہ کھٹکنا یا لہ آواز دی تو انہوں نے گواڑ کھولے اور پہلا لفظ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ میں! تم یہاں کیوں چلے آئے؟ یہاں تو لوگوں کو مار ڈالتے ہیں تم چلے جاؤ ہم پر جو گذرے گی گذر جائے گی میں نے کہا آپ خاطر جمع رکھیے میرے پاس ساکوں کی پھٹیاں ہیں اور میں ابھی قلعہ کے انگریزوں سے لہ دلی کے گورنر سے ملکر آیا ہوں تب ان کی خاطر جمع ہوئی چاندل طرٹ سنائے کا عالم طاری تھا میں سیدھا پھر قلعہ میں گیا لہ وہاں سے ایک صراحی پانی کی لے کر چلا جب اپنے گھر کے پاس پہنچا دیکھا کہ گھر کی بڑھیا سڑک پر بیٹھی ہے لہ اُس کے ہاتھ میں مٹی کی صراحی لہ آجروہ ہے لہ کسی قدر بدحواس ہے وہ پانی کی تلاش میں نکلی تھی تھوڑی

ھر چل کر بیٹھ گئی پھر اٹھ نہ گیا میں نے اُس کو آبِ خورہ میں پانی دیا اور کہا کہ پانی پی لے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے آبِ خورہ کا پانی صراحی میں ڈالا اور گھر کی طریت اشارہ کیا میں دوڑا ہوا گھر کی طرف گیا اور والدہ اور خالہ کو تھوڑا پانی پینے کو دیا انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا میں گھر سے نکلا کہ سارا کام بندوبست کروں اور والدہ اور خالہ کو میرے لے جاؤں باہر آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ بڑھیا مری پڑی ہے پھر سارے شہر میں باوجودیکہ حکام نے احکام جاری کئے تھے کہیں سواری نہ ملی آخر قلعہ کے حکام نے اجازت دی کہ حکم جو سرکاری ڈاک میرٹھ کو لے جاتی ہے وہ مل جائے میں وہ حکم لے کر گھر پر آیا اور والدہ اور خالہ کو اس میں بٹھا کر میرٹھ لے گیا۔ (۱۱)

سنگینیں چھبھوئیں، گائے کا گوشت کھلایا | موقع پا کر ان انگریزوں نے کیا نہیں کیا

”انبار سے لشکرِ دہلی کی طرف پورا کوچ کر رہا تھا۔ گوروں پر مٹی کی گرمی بڑا ستم کر رہی تھی۔ دن کو تو گرمی کی شدت کے سبب سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ رات کو سفر کر سکتے تھے۔ دن کو خیموں میں بارے لٹکے ایسے سوتے تھے کہ مردے سے بدتر معلوم ہوتے تھے۔ مگر شام کے ہوتے ہی پھر زہرہ ہو جاتے تھے وہ اس گرمی میں پانی کے پیاسے ایسے نہیں تھے۔ جیسے کے باخیموں کے خون کے پیاسے جن دیابتیوں نے ان انگریزوں کو جو دہلی سے مفرد ہو کر گئے تھے۔ ستایا تھا یا مارا تھا۔ جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو ان کی گرفتاری اور رنجش اور سزا بی بی کے تھوڑے سے وقت میں بھی بعض گھوڑے سوار بڑی افیت ان کو دیتے وہ ان کے بال کھینچتے اور اپنی سنگینیں ان کے بدن میں چھبھوتے۔ اور زبردستی گائے کا گوشت ان کو کھلاتے۔ مگر گوروں کی ان سب حرکتوں کو ان کے افسر دیکھ کر مکرراتے۔ (۱۲)

(۱۱) سیاستِ جاویدِ دہلی، ص ۵۲

(۱۲) تاریخِ عروجِ عہدِ انگریز، ذکارِ اللہ، ص ۴۷



رکھ دلی لوٹنے کی فکر میں تھے | غدر کے سلسلہ میں سکھوں نے انگریزوں کی غیر مشروط مدد کی، انہیں مسلمانوں سے فرسنی اور واقعی جرائم کا بدلہ لینے

کا نادر موقع مل گیا تھا، ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ دلی کو لوٹ لیں :

اگرچہ انگریزی عملداری کے اور حصوں میں اختلاف مذہبی تھا، مگر بہت دنوں تک آپس میں رہنے سے ہندو مسلمانوں میں چولی دامن کا ساتھ تھا۔ لیکن پنجاب میں مسلمان ہمدوتا نیوں سے جدا تھے۔ سکھوں کو دہلی کے بادشاہ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی۔ سکھوں میں یہ پہلے سے پیشین گوئی چلی آتی تھی۔ کہ وہ کسی نہ کسی دن دہلی کو لوٹیں گے۔ اب موقع ملا کہ فرنگیوں کے ساتھ ہو کر اپنی پٹین گوئی کو پورا کریں۔ ”

سکھوں کی وفاداری انگریزوں سے | اگرچہ سکھ تازہ غلام تھے، اور ان کی سکھ حکومت کا انگریزوں نے خاتمہ کر دیا تھا، لیکن وہ انکھیں بند

کر کے ان کا ساتھ دے رہے تھے :

”معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں کی رجسٹرڈ وفاداری ہے۔ وہ ہندوستانی سپاہ سے لڑنے کو آمادہ ہے۔ بنارس ہی میں نہیں بلکہ سب جگہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سکھ انگریزوں کے خیر خواہ رہیں گے۔“

اس وقت تمام سکھ سردار جو بنارس میں قیدی تھے، وہ بڑے خیر خواہ انگریزوں کے ہو گئے۔ تھے۔ وہ کمشنر کے بوڑھے لارڈ اور اس کے گہر کے پہرہ دار بن گئے تھے۔<sup>۱۲۱</sup>

انگریز سکھوں کو رشوت دیتے تھے | اور انگریز، سکھوں کے اس جذبہ کی پوری پوری سودا افزائی کر رہے تھے، وہ اپنا کام نکالنے کیلئے

۱۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار الشہ) ص ۵۲۹

۱۲۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار الشہ) ص ۵۲۹ (۳) تاریخ عہد انگلیشہ (ذکار الشہ) ص ۵۲۹



ان کی خوشنودی مزاج کے ممتنی تھے، ملم کش کے سلسلہ میں ان کی ہر خواہش پر لبیک کہتے تھے۔  
 ”مکہ قلعہ الہ آباد سے باہر آتے جاتے تھے۔ لوٹنے پر خوب کرتے تھے۔ سکھ حاکم اور  
 پھر بہت سے سوداگروں کی دکانوں کی لوٹ کر قلعہ میں آئے تھے۔ اور پانی کی طرح خور پیٹتے تھے  
 اور پورا پین کے ہاتھ بیچتے تھے۔ بد قسمتی کی فرماں روائی ہو رہی تھی۔ غرض شراب بھی ایک دشن  
 تھی جس کو نیل صاحب نے گولی باروت سے نہیں بلکہ اپنی عالی دماغی سے یوں اپنے بس میں کیا کہ  
 مکڑیت کے کے ٹکڑے کو ہدایت کی کہ وہ سکھوں سے مادی شراب خرید لیں۔ اور منہ بولی قیمت ان کو  
 دے دیں۔ اور گورنمنٹ کے گودام میں رکھ دیں، انہوں نے صلاح مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سکھ لوٹ  
 کے بڑے بھوکے ہیں۔ ان کو باغی زمینداروں کے لوٹنے کی ترغیب دی جائے۔ تو وہ بہت خوش ہوں  
 گے۔“

سکھوں نے مسلمان باغیوں کو کس طرح ہلاک کیا؟ یہ ایک بڑی دردناک کہانی ہے

کلیم تھام لوگے جب سنو گے

بڑی پر درد ہے اپنی کہانی

کہانی شروع ہوتی ہے :

”سکھ دیہاتیوں کی ایک بڑی جماعت دریائے راوی کے کنارے جمع تھی جس کے چارے  
 اس لیے خوشی سے چمکتے تھے کہ وہ باغیوں کو آسانی سے پسا کرنے میں کامیاب رہے تھے چنانچہ  
 سکھ آدمی گولیوں سے ہلاک ہو گئے اور ایک کثیر تعداد کو دوبارہ دریا عبور کرنے پر مجبور کیا گیا جو  
 میں سے بیش تر مسلمان دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا لیکن باغیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دریائے  
 گھاگڑا طرف بھاگ گئی جہاں وہ کڑیوں کے تختوں کے ذریعہ تیرنے میں کامیاب ہوئی اور بعض ایک

میل کے قافلہ پر ایک جزیرہ میں اترتے ہیں لہذا اب ہو گئے جہاں پر وہ دور سے جنگی مرغوں کی طرح بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ اس جماعت کو محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا جائے جس کے بعد ایسی شدید سزا دی جائے جو دہمروں کے لیے عبرت ہو۔

اب مسٹر کوپر COOPER کے راستے میں ایک عجیب و غریب مشکل حائل تھی لیکن انہوں نے ایک عملی آدمی کی حیثیت سے حالات پر پورا قابو حاصل کر کے حسب منشاء کارروائی کی جس کا ذکر وہ اپنے الفاظ میں کرتے ہیں۔

”باغیوں کی قوت کو بدسننے کے لیے قدرت اللہ اتفاقات حسنہ نے بہارا  
 ساتھ دیا کیونکہ اگر انہوں نے بھاگنے کے لیے کوئی حرکت کی ہوتی تو یقیناً  
 ایک ہولناک لڑائی شروع ہو جاتی لیکن حکم ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کیا  
 بلکہ قدرت نے ان کے دماغ میں خاموشی رہنے کا خیال ایسا ڈال دیا جو  
 بالکل ہمارے حق میں تھا سورج کی سنہری کرنیں پوری مدھنی کے ساتھ چمک رہی  
 تھیں جب ہم نے دو کشتیوں پر سپاہ کو بھیجا جس کی سنگینوں اور پستولوں کی چمک  
 سے خائف ہو کر تمام باغی ہٹ کر دونوں ہاتھ سینوں پر بانٹے ہوئے رمل  
 کی طرف الٹی خاموشی اور عاجزی کے ساتھ بڑھے اگرچہ ان میں سے بعض نے  
 چلائی گئیں ماریں لیکن فی لغور سنگینوں نے ان کا رخ پھیر دیا وہ بھی ایک بیگانہ  
 نظارہ تھا جبکہ ان کے لیے بے عکس پانی پر سورج کی کرنوں سے پڑتے دکھائی  
 دیتے تھے لیکن سواروں کو چونکہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی آدمی کو گولی سے نہ مارا  
 جائے اس لیے الحق باغیوں نے یہ سمجھا کہ مسٹر کوپر کا منشا ان کو جان سے مارنے  
 کا نہیں بلکہ ان کے خلاف مقدمے چلائے جائیں گے اس غلط امید کے بحروے  
 پر چھٹیں تنومند جوانوں نے اپنے آپ کو ایک ہی شخص کے ہاتھ سے بندھوانے  
 کے لیے خاموشی سے پیش کر دیا لہذا اس ذلت کو پسند کیا کہ انہیں کشتی کے

ایک گوشہ میں ایک ریوڑ کی طرح ایک دوسرے کے اوپر پھینک دیا جاتے۔

اُدھی رات تک ۲۸۲ دوسو بیاسی آدمیوں کو قید کر کے کوئلی کے ایک برج میں بند کر دیا گیا ان کے علاوہ باغیوں کی کافی تعداد کو دیہاتیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا جن کے انجام کے متعلق تاریخ کے صفحات اُج تک خاموش ہیں کہ دیہاتیوں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا چونکہ اُسی رات بارش ہو گئی تھی اس لیے پھانسیوں کو دوسرے دن پر اٹھا دیا گیا لیکن مسٹر کوپر جیسا مذہبی جذبات کا دلدلہ انسان ایسے موسم کی افرودہ خوبصورتی کے اظہار تک سے پہلو تہی نہیں کرتا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

”فرست و تازگی بخشنے والا چاند اپنی خوب صورت اور مختلف النوع روشنی سے بادلوں کو پھیر کر نکلا اور تمام فصنا کو جگمگ جگمگ کر دیا گویا کہ وہ قیدیوں کے نوشتے کو جلا دے رہا تھا۔“

دوسرے دن علی الصبح لکھنؤ کا ایک دستہ رستے لیکر پہنچ گیا جو درختوں کی لمبی کی وجہ سے استعمال نہ کئے گئے بہر حال مسلمان باغیوں کو نیست و نابود کرنے میں سکھوں نے مسٹر کوپر جی کا ہتھ اچھی طرح بٹیا اگرچہ اسے اندیشہ تھا کہ شاید سکھ باوجود وفادار ہونے کے اس حد تک مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کامیاب نہ ہوں جس طرح مسٹر کوپر چاہتا تھا وہ لکھتا ہے کہ

”پہلی آگست کو بقر عید کے تیوہار کا دن تھا جسے مسلمان ہر سال جانوروں کی قربانی کر کے نہایت دھوم سے منایا کرتے ہیں اس لیے مسلمان سواروں کو وہاں سے علیحدہ کرنے کے لیے ایک سینڈھڑ تھا چنانچہ ان کو اس تیوہار منانے کے لیے امرت سر بھیج دیا گیا اور صرف ایک عیسائی افسر و فادار تحصیل کی امداد سے ایک مختصر قسم کی قربانی کرنے کے لیے وہاں پر آگیا جو مطلقاً نہ کھیرایا جتھ پوسے ہوئے اور جرات سے اس کام کو بخوبی سمجھا تھا دیا اب مشکل یہ پیش آئی کہ لاشوں کو کس طرح دبایا جائے تاکہ وہاں رہنے والوں کی تعظیم و بدلو سے محنت و غراب نہ ہو لیکن قارت نے پھر ہمارے انداز کی یعنی اتفاق سے قریب ہی ایک ویران کنواں مل گیا جس سے اس مشکل کا حل بھی نکلا آیا۔

قیدیوں کو باڈن سے چیمپے کی طرف باندھ کر دس دس کی ٹولیوں میں میدان میں گولی



سے اڑا دینے کے لیے باہر گھسیٹا گیا اپنی قسمت کا انجام سن کر اُن کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ جس کا نقشہ وہ اس طرح سے کھینچتا ہے۔

”جب تقریباً ڈیڑھ سو باغیوں کو اس طرح گولی سے اڑا دیا گیا تو قتل کرنے والوں میں سے ایک شخص گر پڑا جو ہلاک کرنے والوں میں سے ایک اور چاہا پائی تھا اسے آرام کرنے کے لیے تھوڑا وقفہ دیا گیا اس کے بعد قتل کی کارروائی کو دوبارہ شروع کیا گیا اور جب تعداد ۲۲ تک پہنچ گئی تو ایک افسر نے اطلاع دی کہ باقی باغی برج سے باہر آنے سے انکار کرتے ہیں جہاں وہ چند گھنٹے پہلے سے بند کر دیئے گئے تھے اس پر برج کے دروازے کھولے گئے تو مٹا ایک نہایت ہی مردانہ نظارہ دیکھنے میں آیا جس سے ہالول کے بلیک ہول Holwell's Black Hole

کی تلخ یاد دوبارہ تازہ ہو گئی یعنی ۴۵ سالوں کی مردہ لاشیں باہر لائی گئیں جو خوف، گرمی، سفر کی مصیبت اور دم کے گھٹنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر..... ہلاک ہو گئے تھے۔ ان مردہ اور نیم جان لاشوں کو اپنے مقتول ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ گاڑوں کے بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے دیوان کنوئیں میں پھینکا دیا گیا کوپر ہمہ Comp اس روح فرسا مادہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے لکھتا ہے کہ ”متذکرہ مدد مادہ کے حالات جو خود میری قلم سے نکلے گئے ہیں میرے ہموطنوں کو یقیناً سمجرت و استعجاب میں ڈال دیں گے کہ کس طرح ایک انگریز نے محض تین چار ایٹانی ہائیوں کی مدد سے اتنی خطرناک ذمہ داری کو اٹھا کر اس قسم کی یادگار زمانہ قتل و غارت کو نہایت سہولت سے ہوتے ہوئے دیکھا جبکہ ذریعہ مخالفت کی طرف سے نہ تو کھلی جنگ کی گئی جس سے طبیعت ہوش میں آکر قتل و غارت کرنے کے لیے ابھرتی ہے اور نہ کسی ایک فرد واحد کو کوئی دھم پہنچایا گیا جس کی بنا پر اس قسم کی شدید مہم نہ کارروائی کی ضرورت لاحق ہوتی لیکن ایسے اصحاب کو مانع ہونا چاہئے کہ پنجاب کے

گورنران انگریزی کیریئر اور خصلت کے مالک ہیں۔ اس لیے لارڈ نلسن : LORD NELSON

کی طرح وہ اپنے اثاثات سے متوقع ہیں کہ خطرے کے وقت ہر ایک شخص انگلستان کے لیے اپنا فرس انجام دے گا۔ کتاب کے مقدمہ میں بھی کوپر نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے چنانچہ اس کتاب کے



کہتے کا مقصد جہاں یہ بتاتا تھا کہ کس طرح انگریز پنجاب میں حکومت کرتے ہیں۔ وہاں یہ بھی ظاہر کرتا تھا کہ :-

”عیسائیت کے فروغ کے لیے خداوند یسوع مسیح کی روشن و تپا ہر امداد اور برکت کے مقابلے میں الائی شجاعت اور دانائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔“  
کتاب کے خاتمہ پر وہ لکھتا ہے کہ :-

اُن انسانوں کے لیے جو ظاہری نشانات سے مستقبل کے متعلق غاں لینے کے عادی ہیں ہم دہلی کے عیسائی گرجے کی صلیب کے نشان پر توجہ دلاتے ہیں کہ اگر پہ وڈ کوئی جس پر صلیب کا نشان کھڑا کیا تھا، باغیوں کی چاند ماری سے چھلنی ہو چکی ہے لیکن صلیب کے نشان کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا وہ اُسی طرح سالم کا سلم اپنی پہلی حالت پر موجود نظر آتا ہے مثلاً یہ معنی ہیں کہ عیسائیت نے تمام دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔  
**مسلمان شاعر اور سکھ راجہ**  
ان کے فی بنی خانہ ان سے، ان کے آخری فرماں روا سے بدردی رکھتے تھے :-

اپنے فارغین کی فرمائش پر فواید اناظرین نے سکھوں کی لڑائی کا مفصل حال درج کیا ہے۔  
نقشے اور چارٹ دیتے ہیں، جس سے فہم کی ترتیب اور زنجیروں اور مرنے والوں کی تعداد معلوم ہو سکتی،  
جب بہاراجہ دایپ سنگھ نے لاہور کو خیر باد کہا ہے تو مفتی غلام سرور نے ذیل کا قطعہ تاریخ لکھا۔ جو رام پھنسی نے نقل کیا ہے۔

قطرہ

جوں شہد پنجاب از پنجاب رنست  
چتر سال از چشم دم کاب رنست

عالی در چشم مردم شد سیاہ  
 چوں ز چشم اُن غیرت مہتاب رفت  
 جملہ گل در بجراد خوردند ۔۔۔ گل  
 بلکہ از زگس خمار خواب رفت  
 گفت سرور از سرور وین سخن  
 تو گئے از گلشن پنجاب رفت ۔۔۔

سکھوں کی وفاداری بھی کام نہ آئی | لیکن یہ وفاداری بھی کام نہ آئی، انگریز نے جب  
 اور جہاں پایا، سکھوں کے حلقہ و گھوہر بھی انتقام کا ججز

بے تکلفی سے چلایا :

”سکھ صاحب نے ۵۵ پلٹن کے قیدیوں کی نسبت اڈورڈس صاحب کو لکھا کہ اس جمنٹ  
 کے تمام افسر یہ کہتے ہیں کہ سکھ آخر تک ہمارے ساتھ رہے۔ اس لیے میں انصاف میں رحم کو  
 ملاتا ہوں اور سکھوں کو لہ تمام نوجوان ری کروٹوں کو رہائی دیتا ہوں اور باقی سب کو توپ کے  
 منہ پر اڑاتا ہوں۔ ان لڑکوں کو جو ہنوز اپنے ایتھم طفلی سے نہیں نکلے اور اصلی خیر خواہ کو جو باغیوں  
 میں شریک نہیں ہوئے رہائی دیتا ہوں جمنٹ نمبر ۵ کی بابت اڈورڈس صاحب نے یکم جون کو  
 لارنس صاحب کو اپنی چھٹی میں لکھا کہ میری تجویز ہے کہ کل لشکر کے روبرو ایک سو بیس آدمیوں کو  
 بوقید ہوئے ہیں۔ توپ کے منہ سے اڑا دوں جسے دیکھ کر لوگ بہت خائف ہو جائیں گے۔ اُس  
 کا جواب بہ واپسی ڈاک چھپت کمشنر نے یہ لکھا کہ دد دیں جمنٹ کے پاسی اس وقت گرفتار کیے  
 گئے ہیں جس وقت دہ تم سے لڑتے تھے۔ بس وہ ذرا سے بھی رحم کے مستحق نہیں ہیں۔

ہوتی مردان کے ایک سو بیس مغرورین کے لیے توپوں سے اڑاتے کا حکم ہوا۔ لیکن چھپت

”اخبار فرائد ناظرین -

کٹرنے اس سزا میں یہ تخفیف کی کہ ان میں سے صرف تیس چالیس پامی توپوں سے اڑائے جائیں وہ پریڈر کل سپاہ کے سامنے منگیں بانٹے ہوئے آئے اور توپوں سے اڑائے گئے۔ ہزاروں تھائی جمع تھے۔ کسی آدمی نے ان کے حمایت کے لیے ہاتھ نہ اٹھایا۔ ابتدا میں جو سزا دی گئی اس کی سختی وہ سختی کو دیکھنے سے بہت سے آدمیوں کی جانیں بچ گئیں۔ اس طرح سپاہیوں سے انگریزوں نے سہما رھوائے۔ تو اس سے سرحد کی قوموں کو یقین ہوا کہ ان میں بڑی قوت و ہمت ہے دشمنان سے بس وہ قومیں انگریزوں کے ساتھ گرویدہ ہو گئیں۔ لہذا ہر ایک آدمی جس کے پاس توڑے دار بندوق یا گولہ یا گھوڑا تھا وہ پشاور میں انگریزی افروں کے پاس سپاہ میں بھرتی ہونے کے لیے آن موجود ہوا۔ جب بھون کا میدان ختم ہونے کو ہوا اور دہلی فتح نہ ہوئی۔ تو انگریزوں کو یہ خوف پیدا ہوا۔ کہ سرحد پر کہیں جہاد کے لیے قومیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ جن سے پشاور کا بچانا محال ہو جائے۔ مگر مسلمانوں پسو پیہ کی محبت ایسی غالب ہوئی کہ انہوں نے جہاد کو سلام کیا = (۱۱)

انگریزوں کے ظلم کی کوئی انتہا نہ تھی ۷

ناوک نے تیرے میدان چھوڑا زمانہ میں

یہ ظلم گناہ گار لہذا بے گناہ کی تفریق سے بھی ناواقف تھا :

اس قافلہ کا میر تقی میر کا قافلہ مولوی محمد شفیع خان تھا پوروں عاریس خاندانی نواب۔ سزا دہ دوزخ ہندکا رشتہ دار یہ اپنے علم و لیاقت کی بدولت سرکار انگریزی میں ایجنٹ گورنر ہزارا بھوٹا ناہا میر غنی ہو گیا قاسم صاحب غدر ہزارا اس کے پھوٹے بھائی مولوی محمد تقی نے کہا کہ بھائی صاحب اب شہر میں عورت جان کا خطرہ ہے چلتے کہیں نہیں چلیں یہ اس زمانے کے شریف انگریزوں کی آنکھیں دیکھا ہوا تھا رافضی نہ ہوا اور کہا کہ انگریز کبھی کسی کو بے قصور نہیں مالتے میں باغی ہوں نہ مجرم پھر مجھے یا ڈر چھوٹا بھائی اپنے لائقین کو لے کر چلا گیا لہذا یہیں رہے دوران غدر میں دروازے پر سے ایک آدمی کی نظر

آئی کچھ دھماکے سنائی دیا یہ گھبرا کر باہر نکلے دیکھا تو نوجوان اکلوتا بیٹا خاک و خون میں لوٹ رہا ہے کلیجہ  
دھک سے ہو گیا دینا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی -

اب آنکھیں کھلیں بیجا اعتبار کا نتیجہ پایا بڑھاپے نے سہارے کو پر خاک کر حرم محترم  
کو ساتھ لے پانی پست کی طرف روانہ ہوا اب یہ حضرت قلندر صاحب کے آستانہ پر صبح اہل و عیال  
پناہ گزیں ہیں -

اس کا پھوٹا بھائی مولوی محمد نعیمی حضرت نظام الدین لولیا، محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ  
پر بال بچوں کو لیے سر چھپا کے پڑا ہے ایک کو دوسرے کی خبر نہیں زندہ ہیں یا لا پتہ مردے کو  
تین دن روتے ہیں اور پھر صبر کر کے بلیٹ جاتے ہیں روتا تو اٹکھانے جو جیتے جی پھٹ گئے سب تک  
سانس ہے اس وقت تک آس ہے - (۱۱)

”گورنر جنرل“ مع کونسل نے جو کاغذات پارلیمنٹ  
بچوں اور عورتوں کو بھی گولی کا نشانہ بنایا گیا | میں جیسے ہیں ان میں لکھا ہے - کہ بوڑھے اور بچے

بھی باغیوں کی طرح مارے گئے ہیں - اگرچہ وہ پھانسی نہیں دیئے گئے ہیں - مگر جب بھی دیات ملنے  
گئے - یا ان پر گولیاں ماری گئیں - تو ان میں عورتوں اور بچوں کے پچانے کا کوئی لحاظ و پاس نہیں رکھا  
گیا - یہ بات بڑے غمزے سرکاری کاغذ میں بیان کی جاتی ہے - کہ عین جینہ تک روزانہ آٹھ گاڑیاں ان  
مردوں سے بھری ہوئی صبح سے شام تک بھیجی جاتی تھیں جو سڑکوں اور بازاروں میں پھانسی دئے جاتے  
تھے - پچھ ہزار آدمی عدم آباد میں بسائے گئے - (۱۲)

کتوں اور گیدڑوں کی طرح انسانوں کا شکار | ملٹی انفرم سب قسم کے مجرموں کو - - - - - شکار  
کرتے پھرتے تھے - کتوں، گیدڑوں یا کیتروں کی طرح

۱۱، علی کا سنہالا (خواجہ محمد طیف دہلوی) ص ۳۱

۱۲، تاریخ عروج عہد انگلیشہ در فکاہ اللہ ص ۲۵



ان کو ہارتے تھے۔ اور کچھ افسوس نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانہ کا (ایک انگریز مشاہد) لکھتا ہے کہ پریڈ پر  
 ہتھیار لینے کے بعد اس نے ٹڈال سے بیچ کو یہ دیکھا کہ پھانسیوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ چند روز  
 کے بعد ملٹری کورٹ یا کمیشن ہر روز اجلاس کرتا اور بے غیرتی کے ساتھ آدمیوں کو پھانسیاں دینے کا  
 حکم دیا۔ کھیل کے طور پر کچھ کم عمر لڑکوں نے باغیوں کے علموں کو بلند کر کے تاشے بھلے تھے وہ سب  
 پٹرے گئے۔ اور ان کو پھانسی گھٹنے کا حکم ہوا۔ اس کمیشن میں ایک جوان افسر بھی تھا۔ وہ روتا ہوا ایک  
 کنا ٹڈنگ افسر کے پاس گیا کہ وہ اس حکم کو منسوخ کر دے لیکن کچھ رحم نہ کیا گیا۔ ایک گروہ پھانسی دینے  
 والا ضلع میں گیا ایک جنٹل مین اس پر بہت فخر کرتے تھے۔ کہ میں پھانسی بڑی حکمت سے دیتا ہوں کہ  
 مجرم کو باغی پر چڑھاں ہوں اور مجرم کے گھٹے میں رسی ڈال کر آم کے درخت سے باندھتا ہوں اور پھر  
 باغی کو بھگا دیتا ہوں اس طرح سے وحشیانہ انصاف کی قربانی آٹھ کے بندے کی طرح کچھ دیر کے لیے  
 لٹی رہتی ہے۔ ملٹری افسروں نے مجرموں کے پھانسی دینے میں جو کام کیا تھا۔ اس سے کچھ لمبے عرصے میں  
 بھی نہیں کیا تھا۔ بنارس ہاسپتال خانہ ٹوٹا ہوا تھا سننے مجرموں کی کثرت تھی۔ جیں خانہ میں مسافرات ان  
 کے سامنے کے لیے نہ تھے۔ اس لیے بڑے مجرموں کو پھانسی دے دی جاتی تھی۔ (۱)

**فتح پور کے مسلمانوں کو قتل کر دو** فتح پور کے مسلمانوں نے، غدر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، ان کے بارے  
 میں حکم ہوا، کہ انہیں بلا تین روزہ دوزخ قتل کر دو۔

”جوان کی اُٹنی تاریخ میں۔ میجر سے ٹانڈہ سے فیصلہ کرنے چار سو یورپین اور تین سو سولہ اور غیر ملکی  
 رسالہ کے سوار لے کر الہ آباد سے روانہ ہوئے۔ نیل صاحب نے ان کو یہ باتیں سکھ کر دیں کہ باغی رجمنٹوں  
 کے تمام پانی جو اپنے تئیں بری نہ کر سکیں پھانسی دیتے جائیں۔ فتح پور سے قصبہ نے بغاوت کی ہے۔  
 دھڑاؤں کو جائے لہ وہاں پٹھانوں کا محاذ منہم کیا جائے اور اس کے تمام باغیوں سے قتل لیے جائیں اور  
 تمام باغیوں کے سر لٹائے جائیں۔ اگر وہاں ہر دو گناں ڈپٹی ملکر پکڑا جائے تو اسے پھانسی دی جائے۔“

اور اس کا سر قصبہ کے ملتانوں کے اپنے مکان پر لٹکایا جاتے - (۱۱)

پوچن آدمی اسی وقت مار گئے۔ ”بہرِ دفعہ ہونے لگینہ کے جناب صاحب بھٹریٹ بہادر اور جناب احمد میر صاحب بہادر برگٹ میجر مع سپاہیوں پائن خاکی

کے شہر نگینہ میں تشریف لے گئے اور سید تراب علی تحصیلدار کو واسطے انتظام شہر کے اپنے ساتھ لیا اور شہر کی ناکہ بندی کر کے جیسا کہ چاہتے انتظام شہر کا فرمایا اور میں سو آدمی شہر کے گرفتار کئے گئے اُن میں سے چوٹن آدمی اسی وقت مارے گئے - (۱۲)

نجیب آباد نذر آتش ہو گیا۔ ”نجیب آباد کے نواب محمود خاں نے انگریزوں کا مقابلہ ڈٹ کر کیا تھا انگریزوں نے اس سے، اور اس کے وطن سے، اس کے گھر سے،

اس کے خاندان سے انتقام لینے میں کوئی کسر نہیں رکھا رکھی :

”نہایت افسوس ہے کہ ہمارے حکام کو اس طرح شہر کا جلانا منظور نہ تھا شاید اتفاقاً آگ لگی اور بہ سبب اس کے کہ شہر خالی پڑا تھا اور پانی بھی وہاں بہت کم تھا اس کے بجائے کچھ علاج نہ ہوا مگر عموماً یہ بات مشہور ہوئی کہ ہندوؤں نے جن کے گھر نواب نے جلا دیئے تھے اس فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھ کر قصداً تمام شہر میں آگ لگوا دی اور جو رنج کہ ان کے دلوں میں تھا اس کا بدلہ بخوبی لیا اور کچھ شک نہیں کہ ایسا ہی ہوا - (۱۳)

نجیب آباد لوٹ لیا گیا۔ ”اشارہ تاریخ کو اسی قاعدہ سے لشکر کا کوچ ہوا کہ والد سے نجیب آباد ہوا جب لشکر قریب مالن ندی کے پہنچا غنیم کی طرف سے تین

آواز توپ کی آئی کچھ شک نہیں ہے کہ سردار باغیوں کے بالکل بھاگ گئے تھے اور تمام شہر خالی پڑا

۱۱۔ تاریخ عروج عہد انگلیش د ذکاوالش ص ۵۱

(۱۲) سرکشی بجنور د سرسید احمد خاں

(۱۳) سرکشی بجنور د سرسید احمد خاں

تھا مگر کچھ باہمی پتھر گڑھ کے قلعہ میں تھے جب انہوں نے جاگ چاہا تو توہیں چھوڑ دیں تاکہ اُن کو جاننے کی فرصت ملے جنرل جون صاحب بہادر نے اسی وقت پتھر گڑھ کو کون صاحب کو حکم دیا کہ آگے جاویں چنانچہ صاحب ممدوح آگے بڑھے شہر بالکل خالی پڑا تھا جب قلعہ پتھر گڑھ کی طرف بڑھے تو کچھ باہمی قلعہ میں سے بجائے دکھائی دیئے ان کے تعاقب میں سواروں نے گھوڑے ڈالے اور تین آدمی ان میں سے مارے شہر اور قلعہ بالکل فتح ہو گیا اور سرکارِ دولتِ ملکہ کے قبضہ میں آئے قلعہ میں سے پتھر گڑھ کوپ اور گولہ اور سامانِ حرب اور شہر میں سے دو توہیں ایک احمد اللہ خان کے دروازہ پر سے ایک اُس کا رخاں میں سے جہاں توہیں بنتی تھیں اور ایک شہر اور قلعہ کے بیچ میں جو میدان ہے وہاں سے سرکارِ دولتِ ملکہ کے ہاتھ آئے شہر نجیب آباد کا لٹ گیا اور تمام شہر میں بکثرت آگ لگ گئی۔

یہ محمود خاں کا ممکن تھا :

**پتھر گڑھ کا قلعہ** مناسب ہے کہ قلعہ پتھر گڑھ کا بھی تھوڑا حال لکھوں نجیب خان نے ۱۷۵۵ء میں یہ قلعہ بنایا ۱۷۵۵ء میں نجیب خان سے اس قلعہ پر لڑائی ہوئی جسکو راؤ سیدھیہ اور ملہا راؤ مرچے نے چندی کے متصل گولیوں سے اتر کر نجیب آباد کو اور اس قلعہ کو لوٹا تھا پھر شاہ عام کے وقت میں صاحبِ خان پر نواب نجف خان اور سیدھیہ اور شادی مرچے نے چڑھائی کی اور پتھر گڑھ پر توہیں ماریں اور لوٹ لیا پھر ۱۷۵۵ء میں شجاع الدولہ نے اس قلعہ پر تسلط کیا پھر ۱۷۵۵ء میں سرکارِ دولتِ ملکہ انگریزی کے اس ملک پر تسلط ہوا پھر ۱۸۰۵ء میں امیر خان نے اس نواح میں غلبہ مچایا اب ۱۸۵۵ء میں ان ملک حراموں نے اس خاندان کا نام و نشان مٹا دیا۔ ۱۸۵۵ء میں علی کہ جلال الدین خان بجائی محمود خاں کا احمد اللہ خان جو پہلے منصف اور بعد میں قاضی تھا کو قلعہ میں اسی وقت جناب صاحب کاٹر بہادر اور میجر اسٹینہاؤس بہادر کو کچھ سوار ساتھ لے کر

۱۱ سرکشی بخنور دہر سید احمد خاں



ان کی گرفتاری کو گئے مگر پہنچنے سے پہلے ان دونوں نے اپنے تئیں ملتان کے سواروں کے سپرد کر دیا تھا چنانچہ وہ دونوں گرفتار آئے اور گوردوں کے قید میں گرفتار ہوئے اور ۲۰ تاریخ سے ان کا کوٹ مارشل شروع ہوا بعد ثبوت جرم کے جنرل جون صاحب بہادر کے حکم سے فورپور کے مقام ۲۳ تاریخ کو گولی سے مارے گئے ۔ ۱۱

انگریزوں کا انتقام محمود خاں کے مکانات سے | ۲۰ اپریل ۱۸۵۵ء کو یہ تجویز ہوئی کہ مکانات محمود خاں اور جلال الدین خان جو ان کی سرکاری اور حکومت

کے نشان ہیں دھا دیئے جائیں تاکہ سرکار کی کمال ناراضی ان پیش دار نمک حراموں سے ظہور ہو اور لوگوں کو بخوبی عبرت ہو چنانچہ اسی تاریخ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور دیوان خانہ جو بہت بڑا مکان اور حکومت کی جگہ تھی اڑا دیا گیا اسی تاریخ یہ تجویز ہوئی کہ ایک کمپنی سکھ اور توپچانہ تحت حکومت میر اسماعیل صاحب بہادر اور اول پنجاب رسالہ تحت حکومت کپتان ہوس صاحب بہادر پتھر گرہ میں رہے اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ انتظام نصف شمالی ضلع کا اپنے ذمہ میں لیں، چنانچہ صاحب ممدوح ہمراہ اس فوج کے بمقام نجیب آباد مقیم رہے اور جناب صاحب ملکٹر بہادر نے بمقدور اس کو حکم دیا کہ تم بھی صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی اطاعت میں کام کرو چنانچہ میں نے اس حکم کی تعمیل کی اور صاحب ممدوح کی تابع داری میں حاضر رہا ۔ ۱۲

وہ مجاہد تھا یا حرام زادہ ؟ | انگریزوں کی دوستی کے سبب سرسید نے محمود خاں کے اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں کافی تکلیفیں اٹھائیں ، وہ تلوار سے انتقام نہ لے سکے ، لیکن قلم سے تلوار کا کام لینے میں کوئی کسر بھی نہیں اٹھا رکھی ،

”اے اس وقت سرکاری فوج متصل پکے باغ کے جو پائین باغ کے نام سے مشہور ہے پہنچی راکر“

۱۱، سرکشی بمجنور د سرسید احمد خاں،

۱۲، سرکشی بمجنور د سرسید احمد خاں



میں کچھ لوگ منہ شہر سے باہر گراں پھپھے تھے سو کچھ نئی بھی جانتے وقت گھس گئے تھے منہ ان کے  
 عنایت رسول بونامی باغی اور مشہور رام زادہ صاحبہ بان محمد اپنے ملازم کے اس باغ میں گھس گیا تھا،  
 جب سرکاری فوج کے چند سوار اس باغ کے قریب پہنچے تو اس نے با اس کے نوکرتے ان سواروں  
 پر بدوق فیر کی اس وقت یقین ہوا کہ اس باغ میں باغی پھپھے ہوئے ہیں سرکاری فوج نے اس باغ میں  
 ہزار قریب ہچا کر سٹو آدمی کے قتل کیا اور ساٹھ ستر آدمیوں کو زندہ پکڑ کر گویہر سے ماروا عنایت  
 رسول مع اپنے نوکرتے مارا گیا اور اکثر آدمی جو معی محلہ کے جو اس باغ میں پھپھے ہوئے تھے وہ بھی  
 مارے گئے ۔ (۱۷)

داستان انتقام — اعتراف گناہ ذیل کے واقعہ کسی اور کے نہیں بخود گناہ گاران ان  
 کے کلمے سے صفحہ قرطاس پر ثبت ہوئے ہیں :

فورا پھانسی دو کوپر Coopers نے ہمیں بتایا ہے کہ :

قیدیوں کی دائمی خجاست کا راستہ نہایت آسان تھا یعنی باغیہ کو دیکھ  
 کرنی السند لبرٹان نعرہ "A' LALANTINE" یعنی پھانسی پر سے چوبند کیا جاتا تھا ۔ (۱۸)

گر جا کا فرش صاف کرو پھر قتل ہو جاؤ ایک پادری کی بیوہ جس کا خاوند سندھ میں قتل کر دیا  
 گیا تھا نہایت فاحش انداز میں سمجھی ہے کہ :

"جب بہت سے باغی گرفتار کر کے لائے گئے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ گرجے کے فرش

"سرکشی بجنور د سر سید احمد خاں"

۱. The Crusade in the Punjab P. ۱۷۶.

آئے فرانس کی مشہور بناوت کے زمانہ میں جب فرانسیسی جمہوریت کے مخالفین گرفتار کیے جاتے تھے تو عام طور پر چوبند  
 طوطے سے شہ و خوف بلند کیا جاتا تھا کہ ان کو "نین" یا لیمپ کے پاس لے چو جس سے نیچے دیوار پر پھانسی کی سیال کھڑی  
 تھیں بندہ تنہا باغیوں کو دیکھ کر لکیرا فران اور پابی بھی ہی نعرہ بلند کرتے تھے بغیر کسی حقیقت کے کہ انہیں  
 پھانسی پر لٹکا دیا جائے ۔

کوصات کریں مگر یا وجود دیکر یہ لوگ اسی قسم کا کام اپنے مذہبی معتقدات کے خلاف سمجھتے تھے پھر بھی  
 ٹئیں کی ذک سے انہیں اس حقیر کام کے کرنے پر مجبور کیا گیا ان میں سے بعض آدمیوں نے نہایت  
 پھرتی سے اس کام کو انجام دیا محض اس خیال سے کہ شاید پھانسی کی سزا سے بچ جائیں گے لیکن بے  
 سود کیونکہ وہ سب کے سب پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

بہادری سے شہید ہوئے | مجنشی لکھا ہے کہ: ”وہ رات ہم نے جامع مسجد پر پہرہ  
 دیتے ہوئے بسری لور ہمارا زیادہ عرصہ وقت ان قیدیوں

کو گولی سے اڑا دینے یا پھانسی پر لٹکانے میں گذرتا تھا جہاں کو ہم نے صبح کے وقت گرفتار کیا تھا  
 ان میں سے بہت سے بے چارے تو اسی جگہ ختم ہو گئے لیکن آخر وقت تک ان کے چہرے  
 سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے جو کسی بڑے مقصد کے خایان شان علامات تھیں  
 دینی پر قبضہ کرنے سے پیشتر ایک افسر نے لکھا ہے کہ:۔

موت کی سزا یقینی ہے | ”بانٹی ہمتیار رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے کہ وہ اچھی

طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر موت کی سزا ملنی یقینی ہے لہذا اس کے سوا انہیں  
 کوئی اور امید رکھنی چاہئے تھی۔

جبریل نیل کی انسانی سوزہ ہدایات | میجر ورنڈ RENAUD کو جب وہ ہرول فوج کا  
 ایک دستہ لے کر کانپور کے محصورین کی امداد کے

لیے روانہ ہو رہا تھا ذیل کی ہدایات جبریل نیل Neel کی طرف سے موصول ہوئیں۔  
 ”بعض دیہاتوں کو ان کی محمدانہ حرکات کی بنا پر حاکم تباہی کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے جہاں

۱ A daily escape from Gwalior P. 243

۲ P. 205

۳ Times 24<sup>th</sup> October 1857 Montgomery Martin

کی تمام مرد آبادی کو قتل کر دینا ہوگا باغی رجمنٹوں کے تمام ایسے سپاہی فی الفور پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں جو اپنے چل چل کے مطلق اطمینان بخش ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں قصبہ فتح پور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لے کر ترمیم کر دیا جائے کیونکہ اس قصبہ نے بغاوت میں حصہ لیا ہے باغیوں کے تمام سرغنوں اور بالخصوص فتح پور کے تمام سرغنوں کو فی الفور پھانسی دے دی جائے اور ان کے سر کاٹ کر وہاں کی سب سے اونچی عمارت پر لٹکائے جائیں گے

بیم اودھ نے ۱۸۵۸ء میں نہایت ہی مایوسانہ و قہر کے ساتھ اپنے ایک اعلان میں لکھا

کہ

”کسی شخص نے خواب میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ انگریزوں نے بھی کسی کو معاف کیا ہوئے

عہد کے بعد بھی صاحب بہادر ڈور جاتے تھے | بندوستان فتح ہو گیا، علی لٹ گئی، مسلمان

مٹ گئے، انگریزوں کے ہاتھ میں حکومت آئی، لیکن مسلمانوں کی دہشت اب تک قائم تھی، ۲۵ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو، ملکہ وکٹوریہ کا جشن سال گرہ منعقد ہوا، اس کی روداد کا حسب ذیل تذکرہ درج ہے :

”ہال میں بعض انگریز اس خوف سے نہیں آئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مجمع میں بڑے بڑے انگریزوں کو بیجا جمع دیکھ کر بندوستانی یہ نہ سمجھیں ان کو حملہ کرنے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا عید کے دن جو مسلمانوں نے رات کو آتش بازی چھوڑی تو اس بدب سے انگریز چونک پڑے اور سمجھے کہ علی پور کا جیل خانہ ٹوٹ گیا۔ بہت سے جہنمینوں نے اپنی بکلیاں تیار کر کے قلعہ میں اپنی بیویوں

۱. Kay Book V Chapter No. ii

۲. Montgomery Martin, *History of the Progress of the Indian Mutiny* Chapter XXVI

۳. انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا سہارا رخ مسٹ

کے لے جانے کا قصد کیا ہے

باتاریوں اور باغی سہریا ہوں کا حشر | تاتاراؤ اور بالاراؤ وسیاء دل عظیم اللہ ۱۸۰۹ء  
نیپال کی لڑائی میں مر گئے یعنی مادھو پہوان سنگھ

گورنوں کے ساتھ لڑائی میں قتل ہوا خان بہادر خان کو مارچ ۱۸۶۱ء میں اس مقام پر پچاسی ملی جہاں  
اس نے وحشیانہ کام کیے تھے محمود خان نواب نجیب آباد دائم الحبس ہو کر جلا وطن کیا گیا بوالا پرشا  
کو ۲۲ مئی ۱۸۶۱ء کو اس گھاٹ پر پچاسی ملی جہاں تاتاری طرف سے اس نے کشتیوں میں انگریزوں کے  
قتل کا اہتمام کیا تھا امیر سنگھ برادر کنور سنگھ گورکھ پور میں انگریزوں کے ہاتھ لگا اودھ کی بیگم  
کشمند (نیپال) میں پہنچی تھیں حسین خان نواب فرخ آباد عمر بھر کے لیے مکہ کو جلا وطن ہوا بہت سے  
پھوٹے چھوٹے سرغنہ بغاوت کے جو میدان جنگ سے بھاگ کر جنگوں میں چلے گئے تھے پڑے  
گئے اُن کے جرائم کی تحقیقات ہوئی سزا ملی یا بری کیے گئے سو پابھی اور مجرم جزیرہ انڈمان  
دکالے پانی میں بھیجے گئے اور چند ہزار مجرموں نے تھوڑی تھوڑی مہل کے لیے قید سخت کی  
سزا پائی اور ویسی جیل خانوں میں رہے شاید ان سے دو چاند سے زیادہ بری کر دیے گئے۔ بڑی  
زبردست سپاہ بنگال اور مقامی کنجٹوں میں چند ہی رہنمائی تھیں جو بغاوت سے الگ تھانگ  
رہیں۔ ان بدخواہوں میں سے دو سال کے اندر ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ زخموں کی سختی  
یا حاکموں کی پچاسی دینے سے مرے ہوں گے اور اس عرصے میں جو باغی لڑائی میں مارے  
گئے اُن کو شامل کر دو تو تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے غلطی سے جو بے گناہ مارے گئے  
ان کا کچھ حساب نہیں ہے۔

۱۱ تاریخ عہد انگلیشہ ۱۲۲۵

۱۲ تاریخ ہندوستان و بغاوت ہند۔ ۱۹۲۲



یہ تجمل حسین خاں کون تھے  
منکوحہ فہرست میں، نواب تجمل حسین خاں کی جلا وطنی کا ذکر بھی ہے  
یہ وہی ہیں جن کے لیے غالب نے کبھی کس جوش و خروش کے

ماٹھ کہا تھا:

دیا ہے خلق کو بھی تائے نظر نہ لگے  
بنائے عیش تجمل حسین خاں کے لیے  
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا  
کہ میرے نطق نے جو سے مری زباں کے لیے  
نصیر دولت دیر اور مین ملت و ملک  
بنائے چرخ بریں جس کے آستان کے لیے  
زمانہ عہد میں اس کے ہے محو آرائش  
بنیں گے اور تارے اب آسمان کے لیے  
صدق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے  
سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لیے

آہ، پھر وہ زمانہ آیا کہ غالب ان کی شان میں قصیدہ کہنا تو درکار ان کا نام لیتے ہوئے  
بھی ڈرتے ہوں گے،

دہلی پر انگریزوں کے دوبارہ قابض ہونے کے بعد  
دہلی پر انگریزی قبضہ: ایک تاثر

چند اردو اشعار میں بھی لکھنا تھا۔ لیکن یہ اشعار ان کے اردو دیوان میں شمل نہ ہو سکے۔ البتہ  
نظم حمید میں اردوئے معلّے سے لے کر شمل کر دیتے تھے ہیں۔ چونکہ یہ اشعار غالب نے  
دھرم کے خلاف عام اشاعت نہ پاسکے اس لیے میں ان کو یہاں درج کرتا ہوں  
بلکہ نفاں مایہ دید ہے آج برسمشور انگلستان

گھر سے بازار میں نکلتے ہوتے      زہرہ ہوتا ہے آبِ اقبال کا  
چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے      گھر غور نہ بنا ہے زنداں کا  
شہرِ دلی کا ذرہ ذرہ خاک      تشہِ خون ہے ہر مسلمان کا  
کوئی دامن سے تر آنکھیاں تک      آدمی دامن نہ جاسکے یاں کا  
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا      وہی رونا تن و دل جاں کا  
گاہ چل کر کیا کیئے شکوے      سوزشِ داغباںے پنہاں کا  
گاہ رو کر کہا کیے باہم      ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا  
اس طرح کے وصال سے غالب      کیا مٹے دل سے داغِ ہجران کا ۱۱

دلی کا نام لارنس آباد  
ان انسانیت سوز حرکتوں کے باوجود، انگریز ایک مسلمان موزخ کی نظر  
میں اتنے اچھے تھے کہ وہ تجویز پیش کرتا ہے — :

”جان لارنس اس امر کے متقی ہیں کہ ہم دلی کا دوسرا نام لارنس آباد رکھیں۔ جن کی بدولت  
وہ آباد رہا۔ اسی کی آج وہ رونق ہے کہ شاہجہاں کے زمانہ میں بھی نہ تھی۔ ان کے ہم قوم ان کو  
سیور آف انڈیا کہیں یعنی ہندوستان کو بچانے والا جانیں۔ اہل شہر کو چاہئے کہ ان کو سیور آف  
دلی کہیں۔ لہذا اس کی جامع مسجد میں۔ ان کی قوم کے لیے دعا مانگا کریں کہ اگر جان لارنس اس کو بچاتے  
تو یہ مسجد مٹی کا ایک ڈھیر ہوتی۔ جس میں جانوروں کے بل اور گھونسلے ہوتے۔“ (۲)

اس کے جواب میں آنے والی نسلیں فردوسی کے الفاظ میں: خنیتِ تغیر کے ساتھ یہی کہہ سکتی ہیں:  
کہ تخت و جہاں را کند آرزو  
تغیر تو اتنے چرخ گرداں تغیر!

۱۱ غالبہ د غلام رسول ص ۲۰۳

۱۲ تاریخ عروج عہدِ انگریز د فکاوالہ ص ۴۹

اس بغاوت کی بڑی عجیب بات | اور یہی مورخ ہے، جو ہمیں نہایت صفائی، اور  
پتائی کے ساتھ بتاتا ہے :-

» اس بغاوت میں بڑی عجیب بات تو یہی تھی کہ ہندوستانی ہی باغی تھے اور انگریزوں کی طرف  
سے ہندوستانی ہی اس بغاوت کے مٹانے والے تھے۔ انگریزوں کے ہندوستانی بدخواہوں اور نیک  
خواہوں میں خوب لڑائی ہوتی تھی۔ انگریز اپنا ایک کام بھی بغیر ہندوستانیوں کی مدد کے نہیں کر  
سکتے تھے اگر اس وقت سارے ہندوستانی انگریزوں سے بے وفائی اور بغاوت کرتے تو انگریز  
ہندوستان میں ایک دن نہیں رہ سکتے تھے کیپ میں ہر ایک انگریز کے لیے، دس ہندوستانی  
موجود تھے۔ توپ خانہ میں گوروں کے چو گنے گالے تھے۔ سواروں کے رسالہ میں ہر گھوڑے کے  
مسلے دو ہندوستانی تھے۔ ان کے بغیر انگریز اپنے گھوڑوں کو نہ دانہ کھلا سکتے تھے۔ نہ توپوں کو  
چلا سکتے تھے۔ اس محاصرہ میں تمام ہندوستانی ملازم سرکاری اور غیر سرکاری باسٹش چند آدمیوں  
کے وفادار اور خیر خواہ رہے۔ ماہ بہ ماہ اپنی تنخواہ پاتے رہے۔ اور نوکری کے سارے کام اس طرح  
بجالاتے رہے۔ جیسے ان ایام میں غدر نہ ہوا ہو۔ لیکن ان کی قدر شناسی ان خدمات کی جیسی ہونی  
چاہئے تھی نہیں ہوتی، باورچیوں کے لڑکے پکٹوں پر گوروں کا کھانا توپوں اور ہندوؤں کے گوروں  
اور گویوں کی بوچھاڑ میں اپنی جان پر کھیل کر لے جاتے تھے۔ مگر ان کے اس خوفناک کام کا بہت  
کم خیال کیا جاتا تھا۔

کیپ میں بہت سے انگریز ایسے تھے کہ ہندوستانیوں کی خدمات کے عوض میں کامیاں  
دیتے تھے۔ اور ڈک لگاتے اور ان پر طعنہ آشغ پہلے زمانہ کے زیادہ کرتے۔ مگر ہندوستانی اس کو  
ممبر کے ساتھ برداشت کرتے۔ ۱۱۔

# مجاہدین: شمع اسلام کے پروانے

یہ غازی یہ تیرے ہمدرد بندے  
 جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی  
 دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا  
 سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رالی  
 دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو  
 عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن  
 نہ مالِ غنیمت نہ کشتِ کشتائی

اب میں مجاہدین کا کچھ ذکر کروں گا !

عقد کے سلسلہ میں، بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں، اور یہ بات تو بڑے بزمِ دولوں سے  
 کہی جاتی ہے کہ تلگوں اور دہلی پاہیوں کی بغاوت اور یرشش، اور شورش ایک ہڑ پونگ  
 سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی، یہ لوگ نہ بہادر شاہ کے وفادار تھے، نہ ملک کے، نہ قوم کے، نہ  
 اپنے نفس کے وفادار تھے، ان کا مقصد جہاد کرنا، وطن کی لڑائی لڑنا، اور استقلال و حریت کی قربان  
 گاہ پر قربان ہر جانا نہیں تھا، لوٹ مار تھا، یہ اپنی جیبیں بھرتے رہے، اپنے ہم وطنوں کو لوٹے



رہے ، ملک میں تباہی پھیلاتے رہے ، یہ جم کرنے لڑ سکے ، یہ بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ یہ تہور اور شجاعت کے ساتھ مشکلات و شدائد کا مقابلہ نہ کر سکے ، جب ملک انگریز اپنی تیاریوں میں مصروف رہے ، یہ لوٹ مار کرتے رہے ، جب انگریزوں نے دواوا بولا ، اور دلی پرورش کی ، ان کی سنگینیں اور تلواریں حرکت میں آئیں ، ان کی بندوقیں اور توپیں چلیں تو یہ بھاگ کھڑے ہوئے ، ہندوستانی ترخیں ، اور مسلم ترخیں تک نے ، بڑی بے دردی طنز ، اور تحقیر کے ساتھ ، بلکہ نفرت اور کراہت کے ساتھ ، ویسی سپاہیوں کی ذہنیت اور کردار پر ، اپنے قلم سے ، وار کیے ہیں ، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ویسی سپاہیوں کے کردار میں بہت سی کوتاہیاں نظر آتی ہیں ، اور ان کوتاہیوں کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ بُری طرح ہارے ، اور بُری طرح بھاگے ۔

لیکن اس سلسلہ میں جو چیز قطعیت کے ساتھ نظر انداز کی گئی ہے وہ ہے ، مجاہدین کا ذکر ، مولوی ذکاء اللہ تک نے ، اپنی تاریخ میں انہیں ”لچا اور شہدا“ قرار دیا ہے ، ڈپٹی نذیر احمد نے مر سید نے ، اور دوسرے بزرگانِ ملت نے بھی جو کچھ لکھا ہے ، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات یا تو ان مجاہدین کے وجود سے ناواقف تھے ۔ یا اگر واقف تھے ، تو نہ صرف یہ کہ انہیں اہمیت نہیں دیتے تھے ، بلکہ ان کے جذبہ اور کردار ، اور عمل کا استحکام کرتے رہتے تھے ، ان کے انداز میں اتنی بے دردی ، غیریت ، اور پر عناد و اجنبیت ہے کہ اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے ، لیکن خود ان لوگوں نے ، اور ان کے آقا یاں دلی نعمت ، یعنی انگریزوں نے ، دستاویزی ثبوت کو سامنے رکھ کر جو حالات لکھے ہیں ، جو واقعات قلمبند کیے ہیں ، جن کیفیات کا جائزہ لیا ، اور تجویز کیا ہے ۔ انہیں ہمیشہ نظر رکھئے ، تو ان کے مخالفانہ اور معاندانہ ، غیر مہذب ، اور ناشائستہ الفاظ و لب و لہجہ کے باوجود بین السطور سے ان مجاہدین کا روشن ، بلند ، اور سراسر قابلِ رشک کردار ، صاف بھلکتا نظر آتا ہے ، جیسے تیر و تار رات میں بجلی چمک جلتی ہے ، جیسے گھنے بادلوں کی اوٹ سے سورج جھانکتا ہے ، جیسے مایوسی کے اندھیرے میں ، امید کی کرن چھوٹی ہے ۔ میں نے جو واقعات لیے ہیں ، وہ انہی کی تحریروں سے

لیے ہیں، آپ خود اندازہ کر لیں، کہ میرا خیال صحیح ہے یا ان کا بیان؟  
اس باب میں، میں نے، دو قسم کا مواد پیش کیا ہے۔

ایک حصہ تو وہ ہے، جو مجاہدین کے کردار اور ہمت کا استقلال و عزمیت کا ایتار و قدوسیت کا، اور ہمت و شجاعت کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کرتا ہے۔ جس سے ان کے جذبہ اور نیت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے، جو اس جماعت مجاہدین کی بعض اہم اور سربراہان و شخصیتوں کے احوال و سوانح پر مشتمل ہے، یہ زیادہ تر حضرت صاحب کی شہرہ آفاق کتاب *OUR Indian Muslim* سے ماخوذ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے غدر میں شرکت کی، لیکن غدر کے ناکام انجام سے ذرا بھی دل برداشتہ نہیں ہوئے، اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، اپنی تحریک ملک بھر میں پھیلانی، اور فرنگی راج ختم کرنے کے منصوبے بناتے رہے، ”وہابی تحریک“ درحقیقت یہیں سے شروع ہوتی ہے، یہ تحریک دراصل غدر کی ناکامی کا ردِ عمل تھا، یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں بالآخر پچاسی کی سزا ہوئی، لیکن اس سزا پر محض اس لیے — بقول مولانا جعفر تھانوی، جو اس تحریک کے لیڈر تھے۔ اور جنہیں خود بھی پچاسی کی سزا ملی تھی — عمل نہ کیا گیا کہ اگر عمل کیا جاتا، تو ان مجرموں کا شوق شہادت پیدا ہو جاتا، اور چونکہ مقصود یہ تھا کہ ان کی کوئی تمنا نہ پوری ہو، لہذا پچاسی کی سزا، جس کو عام بعبور دیا تھے شور میں تبدیل کر دی گئی۔

ان صفحات میں یہ بحث چھیڑنا غیر ضروری ہے کہ یہ تحریک بروقت مٹی یا ناوقت؟ کامیاب مٹی یا ناکام؟ بحث صرف یہ ہے کہ، جو لوگ اس تحریک کو لے کر اٹھے تھے وہ اپنے جذبہ اعد اپنی عزت میں مخلص تھے یا نہیں؟ انگریزوں سے، اور انگریزوں میں بھی آئی سی ایس طبقہ کے انگریزوں سے براہ کرا ان وہابیوں یا مجاہدوں کا دشمن کون ہوگا جنہیں براہ راست ان کی پھیلانی ہوئی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا؟ وہ انہیں گالیاں دیتے ہیں، ان کے مذہب — اسلام — کو برا بھلا کہتے ہیں۔ جلد پر شمیر زباں تیز کرتے ہیں، لیکن ان کے استقلال، ان کی دلیری، ان کے خلوص، اور پیکاری کی تعریف

پر مجبور ہو جاتے ہیں، ہنسنے جی بھر کر، پانی پی پی کر انہیں کو سا ہے، لیکن ان کی سچائی اور عزیمت کے آگے سرعقیدت بھی خم کیا ہے۔

اب ہم، اس سلسلہ میں ضروری مواد پیش کرتے ہیں:۔

(۱)

## مجاہدین کا کردار

ان مجاہدین کا کیا عالم تھا؟ ان کے کردار و سیرت کی کیا کیفیت تھی؟ یہ داستان ان کے مخالف مورخ کی زبان سے سنئے:۔

”سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے۔ کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے۔ وہ بڑے عالم فاضل تھے۔ عیسائی مذہب کے روہن صاحب تصنیف تھے وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے اس دانشمند مولوی کے نزدیک دہلی میں جہاد کی کوئی صہبت نہ تھی۔ بلکہ ایک جنگا مہ فساد برپا تھا۔ وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن کو چلا گیا۔“

پھر سوڈو سو کے قریب دہلی جہادی بن گئے، نواب ٹونک نے ان کو خرچ کے لیے پھوٹی کوشی نہ دی۔ اور نہ کچھ امداد کی۔ دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسر اعلا بخت خان دغوث محمد خان و مولوی امام خان رسالدار جمع ہوئے اور ان کے ساتھ مولوی عبدالغفار و مولوی سرفراز علی خان آئے۔ تو پھر دہلیوں کا اجتماع دہلی میں شروع ہوا اور مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سر لشکر اور بخت خان اس کا معاون بن گیا تھا۔ جے پور ہائسی حصار پور بعد پال سے بھی جہادی آئے تین چار سو مجاہدین کا جمع ہو گیا۔ ان دہلیوں نے ایک اشتہار چھاپ کر شائع کیا کہ سب



مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاد کریں۔ اکثر جہادی بھوکے مرتے تھے۔ ان کے بدن پر کپڑے بھی ثابت نہ تھے۔ مگر بغل میں تلوار یا کمر میں خنجر یا کندھے پر توڑے دار بندوق ضرور تھی۔ بادشاہ سے یہ جہادی فریاد کرتے کہ بھوکے مرتے ہیں۔ تو وہ کہہ دیتا کہ خزانہ میں روپیہ نہیں ہے مگر اس نے ان کے لیے یہ انتظام کرا دیا کہ اہل شہر خیرات کی روٹیاں کھلایا کریں اور ثواب کمایا کریں۔ نواب علی الدین خان عرن بڈ سے صاحب نے ان کو دو ہزار روپیہ دیے، شہر کے چند ہی مسلمان اس جہاد میں شریک ہوئے۔ محمد شریف، میر معتمد دہلی اپنے سارے گھر کا اہباب و مکان سوا دیوئی کے دیور کے خیرات کر کے جہادیوں میں شریک ہوا۔ اور پھر زندہ سلامت نہیں آیا۔ نصیر آباد سے عرمی آئی کہ ہم چھ ہزار جہادی دہلی آتے ہیں تو بادشاہ نے کہلا بھجوا دیا۔ کہ یہاں ساٹھ ہزار سپاہ تو انگریزوں پر فتح نہیں پاسکتی تم چھ ہزار یہاں آن کر کیا کر گے؟ ۹۰

(۲)

## مجاہد کی شان

یہ واقعہ بہت مختصر ہے، لیکن اس اجمال میں ایثار و فدویت کی کیسی تا بناک تصویر ابھرا ہے

— ہے :

”چند سال بعد جو شہر کے کنوئیں صاف ہوئے تو بہت سے کتوؤں میں عورتوں کی لاشیں نکلیں۔ ایک جاہل مسلمان نے اپنے بہو بیٹی بیوی کو اس خوف سے کہ دشمن معلوم نہیں ان کا

۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ دہلاوالہ ص ۶۴۵



ہل کیا کریں۔ اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اور خود بہاد کرنے گیا۔ ۱۱

(۳)

## مجاہد اور باغی کا فرق

بغاوت یا جنگ کی صورت میں۔ سب کچھ جائز ہے، پہننے بھی جائز تھا، آج بھی جائز ہے اور دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے ہمیشہ جائز رہے گا، لیکن اسلام نے ہر چیز کے حدود مقرر کر دیے ہیں، جنگ، قتال، اور جہاد کے حدود بھی اسی نے مقرر کر دیے ہیں، اور پہلی حد یہ ہے کہ کسی حالت میں دشمن کے ہتھوں، لحد عورتوں کو نہ قتل کیا جائے نہ اذیت دی جائے، یہ مجاہد انگریزوں سے برسر جنگ تھے، لیکن : —

بین ۱۸۵۷ء کے عظیم فتنہ کے وقت بھارتی بغاوت اور فساد کے وہ دوروں نے انگریزوں کی میم لحد پھولوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں پھپکا رکھا تھا، ۱۲

(۱) تاریخ عروج و زوال، عبدالغفور، ص ۲۰۰

(۲) تاریخ عجیب ص ۲۰

## بھاک و خون غلطیدن

یہ مجاہد یہ خدا کے پراسرار بندے، کس طرح پچانسی پر چڑھتے، اور جان، جان آفریں کو  
پرہیز کرتے تھے، دیکھئے : —

مرہٹوں کو خالص دارالسلطنت لکھنؤ میں بقاوت کے شعلے بھڑکنے شروع ہوئے۔ حضرت محل  
کی پشت پناہی کے لیے علماء اور مجاہدین اسلام کی منظم جماعت اودھ میں پہلے سے موجود تھی۔ سب  
سے پہلے ایک سردار آغا مرزا عرف کبیل پوش نے صرف دو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر محمدی بھنڈا  
بلند کیا۔ لیکن رینڈنٹ کے حکم سے ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ قیصر التواریخ میں مرقوم ہے کہ : —  
”ان لوگوں نے جس مرد آدمی کو دیکھا اس کو جہاد کی ترغیب دینے لگے۔ کوئوال سادات گنج  
نے ان سب کو گرفتار کرایا۔ جلو خانہ کا دروازہ ان کی شہادت گماہ بنا۔ یہاں پر آغا مرزا کے ساتھ  
۳۱ مجاہدین کو پچانسی کی سزا دی گئی۔“

## تاریخ کا کام

ان مجاہدین کے حوصلے یا سحر مال کے عالم میں بھی بلند رہتے تھے، تاریخ بتاتی ہے۔

ایک روز علی محمد خان نے علم اٹھایا۔ اور قرآن شریف کو مثل جنگِ صفین اس میں بالادھا۔  
اور کھاتے یا سن کھیتے رہے۔

ایک فقیر منشی بزرگ جن کو عوام عقیدت سے شاہِ جی کہتے تھے۔ ان کے جوش و خروش کی  
یہ کیفیت تھی کہ یہ دتبا تگڑا ہاتھ میں لے کر زینِ چادر پر اٹھا کر ذیل پڑھتے ہوئے حمد اور ہونے پہ  
”درمیاں ایں دآن گردو بے جنگِ عظیم قوم عیسٰی را کشت بے گماں پیدا شد“  
دوا کی فکست کی خبر نے تازیانہ کا کام کیا۔ اور جنوں کا زور بہت بڑھ گیا۔

(۶)

## مسلمان ہون آف آرک

یہ واقعہ مورخوں نے نظر انداز کر دیا ہے، لیکن انگریز اس کے بیان کرنے پر مجبور تھے۔

مراسلہ نمبر ۶

جسے لفٹنٹ ڈپٹی کمشنر ایس۔ آر۔ پٹن نے ڈاکس فارسیہ ڈپٹی کمشنر انبار کے نام ۹ جولائی

۱۹۵۷ء کو ارسال کیا۔

دہلی کیسپ ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء

مالی ڈیر فارسیہ

بریلوڑھی خاتون بر نفس نفیس اس مراسلہ کے ہمراہ آر بی ہے۔ وہ عام دہلی کی کٹل دیمم راسٹ

۱۷ قیبر اتوا۔ مخ ۲۸۷

ہے۔

وہ ہمارے خلاف شہر میں جہاد کا وعظ کہتی تھی۔ اور اپنے مواعظ و نصائح سے اس نے تعجب خیز طریقہ پر مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا تھا۔ بالآخر ان کی عدم کامیابی سے متاثر ہو کر وہ خود میدان جنگ میں اتر آئی اور سبز لباس پہن گھوڑے پر سوار اور تلوار و بندوق سے مسلح ہو کر اس نے سواروں کے ایک دستہ کی کمان لی اور ۵۰ ویں پیدل فوج پر حملہ آور ہوئی۔ پاہیوں کا بیان ہے کہ اس ایک کا مقابلہ کرنا ۵ پاہیوں کے مقابلہ سے زیادہ مشکل تھا۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے ان کے رفقاء میں سے بہت سوں کو نشانہ بنایا دیا۔ آخر کار وہ زخمی ہو کر گرفتار ہو گئی۔ جہز نے اول اول سے آزادانہ طور پر چلے جانے کی اجازت دینی چاہی مگر میں نے ان سے ہمت و رخواست کی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس لیے کہ وہ پھر شہر میں فاحشہ طریقہ سے داخل ہو گئی۔ اور ہمارے قبضہ سے نکل جانے پر تعصب کا طوفان بے تمیزی مچا دے گی۔ اور بلاشبہ یہ ظاہر کرے گی کہ وہ اپنی کرامت کی وجہ سے پنج گئی ہے۔ اور اس طرح سے جون آف آرک کا راتہ رات حاصل کرے گی۔

مجھے اس کو آپ کے پاس بھیجنے کی اجازت مل گئی ہے۔ تاکہ وہ جیل خانے میں حفاظت تمام رکھی جائے۔ یا جہاں کہیں آپ مناسب خیال کریں، تاوقتیکہ یہاں کا کام ختم نہ ہو جائے۔ کیا آپ براہ مہربانی اس امر کی نگہداشت رکھیں گے کہ اس کا طرز عمل قابل اطمینان ہے۔ یہ کہتے ہوئے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس بڑھیا کھوسٹ نے معقول اثر پیدا کر لیا تھا۔

آپ کا زیادہ مجلس

ٹولیبو۔ ایس۔ آر۔ ہڈسن (۱)

(۱) محامدہ دہلی کے خطوط



(۷)

## خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مجاہدین کا طبقہ زیادہ تر مولویوں اور علموں پر مشتمل تھا، یہ لوگ، کس بہادری سے جان

دیتے تھے، یہ منظر بھی دیکھ لیجئے : —

مولانا پیر علی پٹنہ کے مشاہیر علمائے تھے۔ ان کا کاروبار کتاب فروشی تھا۔ گدوں میں انگریزوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ ہنگامہ کی خبر نے ان میں بھی حرکت پیدا کر دی۔ کاروبار چھوڑ میدانِ بارت میں نکل آئے۔ عوام کو ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بہادری پر آمادہ کرنے لگے۔ علم سبز لہرایا گیا۔ مددِ نقارہ جہاد بجا دیا، یوگ بوق بوق بلا امتیاز مذہب ان کے بھندے سے اکمچ ہوئے۔ پہلا دھوا دامن کی قوت پر چرچی پر کیا۔ ڈاکٹر لال جو اسدیم اور ہندو مذہب پر طعن زنی کیا کرتا تھا۔ اسے آیا۔ وہ جان سے ہار گیا۔ انچون شہر پر غلبہ رہا۔ مہاراجوں کی رجسٹریشن ختم ہو گئی۔ ان سے نہتے کیا رہ سکتے۔ بہت سے وطن پرست ہوتے۔ اس مجاہدِ ثرثار ہوتے۔ پیر علی جن پرٹے گئے طیف علی۔ میس پٹنہ بھی مولانا کے ساتھ تھا اور مالی مدد و منت کر رہا تھا وہ بھی دھریا گیا مگر اس کے روپیہ پیسے نے اس کو بچا لیا۔ مولانا اور اس کا بیٹا کو مشر تیل سب دہار پر لٹا دیا۔ سنہ ۱۹۰۷ء اور یہ خدا کے مہر و بخشش مہر رخ رو ہو کر اپنے باب سے جاسے۔

بہ کردند خوشتر مئے بخاک و خون غمطین

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۰ تاریخ بغاوت ہند ۱۹۰۷ء —

انہی کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں فرماتے ہیں : —  
 دوسرا قابل ذکر واقعہ پیر علی خاں کا ہے، جو لکھنؤ کے باشندے تھے لیکن مجاہدانہ سرگرمیوں  
 کے سلسلہ میں پٹنہ چلے گئے تھے اور وہاں کتابوں کی دوکان کھول لی تھی، تجارت مقصود نہ تھی، اُن کی  
 اصل غرض یہ تھی کہ اہل وطن کو انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے تیار کریں، غالباً وہ کسی خفیہ  
 جماعت کے بہت بڑے رکن تھے، جس کے حالات اب تک نہ معلوم ہو سکے، اور جماعت ہی  
 نے انہیں کار خاص کے لیے پٹنہ بھیج دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف ہنگامہ برپا ہوا  
 تو پیر علی خاں نے پٹنہ میں منظم طریق پر کام شروع کر دیا، اور وہ خاصی دیر تک لڑتے رہے، لیکن  
 زخمی ہو کر پکڑے گئے گرفتاری کے بعد انگریز حاکم نے پوچھا کہ اپنے ساتھیوں کے نام بتا دو، تو انہیں  
 کوئی گزند نہ پہونچایا جلتے گا، لیکن بہادر پیر علی خاں نے جواب دیا : —

”زندگی میں ایسے موقعے بھی آتے ہیں جن میں جان بچا لینا کار ثواب ہوتا ہے، ایسے  
 موقعے بھی آتے ہیں جن میں جان دے دینا ہی سب سے بڑی نیکی گنی جاتی ہے، تم مجھے پچاسی  
 دے سکتے ہو لیکن اس سرزمین سے ہزاروں تمہارے خلاف اٹھتے رہیں گے اور اطمینان سے  
 حکومت کرنے کا جو مقصد تمہارے سامنے ہے، وہ کبھی پورا نہ ہو گا“ اس گفتگو کے بعد انگریز  
 حاکم نے پیر علی خاں کے لیے سزائے موت تجویز کر دی، بہادر پیر علی خاں نے صرف چند ہاتھی پوچھیں  
 ۱۔ میرے مکان کے متعلق تمہارا فیصلہ کیا ہے؟ انگریز حاکم نے جواب دیا، کہ اُس کی اینٹ  
 سے اینٹ بجا دی جائے گی،

۲۔ میری جائداد کے بارے میں کیا حکم صادر کر رہے ہو؟ انگریز حاکم نے کہا، وہ ضبط  
 کر لی جائے گی،

۳۔ میرے بال بچوں کے بارے میں تم نے کیا تجویز کیا ہے؟ انگریز حاکم نے جواب دیا، کہ  
 اُن کے متعلق فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا، نہ وعدہ کیا جاسکتا ہے،

پیر علی خاں نے یہ جواب سنے اور کسی پریشانی یا جزع فزع بغیر پچاسی پائے کے لیے

روانہ ہو گیا ، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ - (۱)

(۸)

## تحریک جہاد کے چند اکابر

اب ہم تحریک جہاد کے چند اکابر کا ذکر کرتے ہیں ، یہ حالات اس تحریک کے بدترین انگریز مخالف ، سنٹرل کتاب *Our Indian Muslims* سے ماخوذ ہیں ، یہ وہ ہے کہ طعن نظر انداز نہ کیجئے اسلام پر جو نادر و احمق ، غیر مہذب اور ناشائستہ الفاظ میں کیے گئے ہیں ان پر بھی صبر سے کام لیجئے ، جہاد سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ، انہیں بھی دیکھ کر ہر مذہب کے لیکن یہ دیکھتے کہ ، یہ انگریز آتے ، اپنے یاغی غلاموں کی سیرت اور کردار کا یہ زور یہ لطیف

(۱)

## مولانا جعفر تھانوی

جعفر کی سوانح عمری جو تھانوی کی منڈی میں عرضی نویس تھا ، بہت دیر پہلے سے بہت

” چٹان “ کا سالنامہ ، جنوری ۱۹۵۶ء

ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ لیکن اپنی قابلیت کے سہارے بڑھتے بڑھتے قبضے کا نگر دار ہو گیا۔ ایک دن وہ اتفاقاً ایک سفری دہالی مبلغ کا وعظ سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس خوشحال شہری انسان کے مذہبی جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ اس نے مسلمانوں کے بدعینی اعمال پر غور کرنا شروع کر دیا۔ لہ جون بنس (John Bunyan) کی طرح روحانی تاریکی سے گندہ کراپنے آپ کو علانیہ دہالی کہنے لگا اور بہتر مذہبی اصلاح میں مشغول ہو گیا۔

اس نئے دہالی نے اپنا بہت سا وقت اپنے نفس کا جائزہ لینے میں صرف کیا۔ اور اپنے نفس کی کیفیات کا بڑے غور کے ساتھ مطالعہ کرتا رہا۔ اس نے اپنے مذہبی تجربات کو جمع کر کے نصاب کے زیر عنوان لکھنا شروع کر دیا۔ اور وہ ان دستاویزات میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ دستہ دین ہے۔ جو کسی سیاسی مقدمہ میں پیش کی گئی ہے۔ مثلاً وہ لکھتا ہے۔ میں نے یہ کتاب منگل کے روز ۱۸ ذوالحجہ ۱۲۳۵ھ میں لکھنی شروع کی ہے۔ اس کا اختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس میں کسی خاص طریقہ کی پیروی نہیں کی۔ میں نے صرف وہ واقعات لکھ دیئے ہیں۔ جن کا تعلق دین و دنیا سے ہے۔ اللہ جن میں، میں نے وقتاً وقتاً حتمہ لیا۔ مزید برآں میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ دنیا فانی ہے، انسان جن فرشتے۔ حیوانات۔ نباتات جو کوئی بھی اس دنیا میں پیدا ہوا۔ اپنے وقت مقررہ پر فنا ہو جائے گا۔ سوائے خدا کی ذات کے اللہ کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں جو کوئی اس دنیا میں پیدا ہوا۔ ہزار ہا سال تک کیوں نہ زندہ رہا آخر افسوس اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ لے گیا۔ میری اپنی حالت یہ ہے کہ میں نے دس برس کی عمر تک کوئی تعلیم حاصل نہ کی اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد جب میری عمر دس بارہ سال کی تھی۔ اور میرا چھوٹا بھائی چھ مہینے کا تھا۔ ہم اپنی والدہ کی سرپرستی میں تعلیم پانے لگے میری والدہ بالکل ناخواندہ تھی اسے کوئی مذہبی تعلیم بھی نہ دی تھی تھی لڑکیں میں نے تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور آوارہ پھرتا رہا۔ جب مجھے تقویٰ کی عقل آگئی تو میں تعلیم کی طرف متوجہ ہوا۔

۱۸۵۶ء میں عرضی نویسیوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تمام وکیل اور عرضی نویس



مجھ سے تو اعدو و ضوابط اور کونسل کے ایکٹ کے متعلق مشورے کرنے لگے۔ اور میں سب سے بازی لے گیا یہ عرفی نو لیس ایک قسم کے غیر رجسٹر شدہ معمولی دکن ہوتے تھے۔ جو مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ بازوں کی عرضیاں لکھ دیا کرتے تھے۔ جعفر کی بہت اچھی پریکٹس تھی۔ مگر کافروں کی عدالت سے جو روپیہ وہ اس طرح حاصل کرتا وہ اس کے لیے کسی کام کا نہ تھا وہ کہتا ہے۔ اس کے برعکس اس پیشے میں میں نے اپنے مذہب کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایسا پیشہ اختیار کرنا اچھا نہیں۔ اگر میں اس کو اختیار نہ کرتا۔ تو میری مذہبی حالت بہت اچھی ہوتی جب مجھے عدالتوں سے فرصت ملتی تو وہ دو دن ہی کے لیے تو میری حالت بہت اچھی ہو جاتی کافروں کے مسلمان ملازمین کے ساتھ بعض تعلق ہی ہوتا میرے پیٹے کا بڑا نقص تھا۔ اور میرے نفس کے لیے ایک نہایت قابل کا حکم رکھتا تھا۔ اگرچہ جعفر اس پیشے کو پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کو کالون دانی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور ارد گرد کے طاقتور زمیندار خاندانوں نے اس کو اپنا خاندانی دست ندی مقرر کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی شخص آدمی تھا۔ وہ اپنی دنیا و دنیا دار موبائی کو پہنے ذرائع کی بجائوری میں کبھی حالت نہیں ہونے دیتا تھا اس کے پاس جو کوئی آتا یہ اثر سے بغیر نہ رہتا۔ آنحضرت کی طرح اس نے اصلاح کام اپنے ہی گھر سے شروع کیا۔ چنانچہ اس کے ایک منشی اپنے آقا کے سخت امتحان کے وقت بھی وہ دور رہا۔ اور ان کے شب و شب میں مجرموں کے کٹہرے کے اندر اپنے آقا کے پہلو پہ پہلو مذہب کی حمایت میں کوا کی دیتا رہا۔ ۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا۔ تو جعفر اپنے اس معتبر مریدوں کے ساتھ بابرین کے قیمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جنگ کے غیر جانوس کام میں بھرا ان ذرائع کی حمایت نے اس کو نمایاں کر دیا اور اب وہ ان لوگوں میں تھا۔ جو نے لکھنؤ کے پاس باغیانہ راز محفوظ رکھ رکھے ہیں۔ دہلی میں جب باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ تو جعفر عرفی نو لیس کے کام پر پھر تھکا نہیں واپس گیا۔ اور غدر کی ان بو بھی مصیحتوں پر غور کرنے لگا۔ جس نے آقا کو فتح دی کھلم کھلا جنگ میں اس کو فوجت ہو چکی تھی۔ اب خفیہ سازشوں میں داخل ہو گیا۔ اس کے خفیہ ذرائع نے اس کے نفرت آمیز پیشہ

کو مقدس بنا دیا۔ کیونکہ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے۔ میں نے اس کام کو ایک خاص آدمی کے حکم کے مطابق اور ایک خفیہ مقصد کے لیے اختیار کر رکھا ہے یہ خاص شخص پٹنہ کا مولوی یحییٰ علی ہندوستان میں واپسیوں کا پیشوا تھا۔ اور خفیہ مقصد یہ تھا۔ کہ یہاں کی دہلی نو آبادی کو رنگروٹ اور اسلحہ بہم پہنچائیں جائیں جو اس وقت علائقہ انگریزی حکومت سے برسرِ پیکار تھی۔

پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کا حال بیان کر چکا ہوں۔ اس وقت یہ شخص اس کا رہنما تھا۔ ۱۸۶۲ء میں مقدمہ سے بہت پہلے تمام ہندوستان میں یہ ادارہ اصلاحی جماعت خانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی عمارت محلہ صادق پور کے بائیں جانب واقع تھی۔ اس کا حجرہ کافی بڑا تھا۔ اور گلی میں قیچھے کی جانب بھی کافی دور تک چلا گیا تھا۔ اپنی ظاہری صورت میں اس کا منظر ویں ہی حسرت ناک اور ویراں تھا۔ جو ہندوستان کی ہر اینٹ چونے کی عمارت کا برسات کے مہینے کے بعد ہو جاتا ہے۔ یہ مشرق کے متعلق ہمارے عظیم الشان تصور کا کیا حقیر جواب ہے۔

اس تمام عمارت میں سب سے زیادہ اہم ایک معمولی مسجد تھی جس میں ہر وقت نماز باجماعت اٹاکی جاتی اور جمعہ کے دن خطبہ بھی ہوتا۔ جمعہ کے یہ وعظ بڑے ولولہ انگیز تھے۔ ان میں سب سے زیادہ کفار کے خلاف جہاد کے فرض پر زور دیا جاتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلایا جاتا، کہ عقیدہ کے بغیر ہر فعل عبث ہے۔ سامعین کو بہت بڑے روحانی خطرے سے آگاہ کیا جاتا۔ اور ان کو روحانی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی۔ یہ لوگ پیغمبر اسلام کی سادہ عبادت کا مقابلہ ان تکلیف وہ مراسم اور لاتعداد اذیتوں اور مساجد کے رکوع و سجود سے کرتے۔ اور ان لوگوں کو بہت بُرا کہتے جو واپسیوں کے جہاد یا ہجرت کے اصولوں کی مخالفت کرتے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کا روحانی معیار عام لوگوں کی تابیت سے بہت بلند تھا۔ ان کے سامعین اگرچہ وقتی طور پر بہت گہرا اثر قبول کرتے تھے۔ لیکن اپنے دلوں میں بالعموم یہ خیال لے جاتے تھے۔ کہ ان کے لیے بڑی دشواریاں پیدا کر دی گئیں۔ شہر کی دوسری مساجد کے واعظ گو محلہ صادق پور کے واعظوں کے علم اور فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتے تھے۔ لیکن اس بنا پر ان کی مخالفت کرتے کہ وہ ستر کی

روایات کے منکر اور سخت موقوف ہوئے ہیں علیٰ مبلتین کا افسر اعلیٰ اور خلیفہ ممتا۔ اس نے  
پٹنہ کے مرکزی دارالاشاعت کے نظام کو بڑی مصبوطی لیکن نرمی کے ساتھ چلا یا ان رندوں کا جنہیں  
سفری مبلغ جندی بنگال کے مختلف اضلاع سے بوق در بوق بھیجتے تھے۔ جماعت خانہ میں بڑے جوش سے  
غیر مقدم کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کو قیام مجاہدین کے کیپ میں بھیج دینا مقصود ہوتا۔ ان کو ان کے  
دنیاوی بھائی کے سپرد کر دیا جاتا اور وہ ان کو جماعت کے اصولوں سے زیادہ واقفیت پیدا کرنے  
کی تکلیف دیتے بغیر ان کے جوش و خروش کو مستقل کر دیتا یہ دنیاوی بھائی دارالاشاعت کا وظیفہ  
خوار اور بہت ہی کارآمد شخص تھا۔ اس نے جماعت خانہ کے تمام دنیاوی کاروبار سنبھالے ہوئے  
تھے۔ اور رندوں کے سامنے ہر روز جہاد کے فرائض پر وعظ کیا۔ وقتاً فوقتاً جب رئیس المصنفین کو  
اور کام میں مشغول ہوتا تھا۔ تو دنیاویات کے طالب علم کو جو اصل میں اس کے ماتحت نہ تھے۔ البتہ  
پر بھی درس دیتا۔ وہ جو کچھ بھی کرتا پورے اخلاص کے ساتھ کرتا۔ اور انجام کار بڑی دیر کے ساتھ اپنے  
آقا کے ہمراہ انبالی عدالت میں مجرموں کے کثرت میں کھڑا ہو گیا۔ یہی علی رئیس المصنفین کے بہت سے  
فرائض تھے۔ وہ بندوستان میں تمام سفری مصنفین کا روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ  
خط و کتابت کرتا۔ پھر تصدیق ویزات کو خفیہ زبان میں ترتیب دیتا۔ اور حکومت جس کے ذریعہ سے بڑی  
بڑی رقوم بلا خوف و خطر سلطنت کے دارالخلافہ سے سرحد کے پار کے مجاہدین تک پہنچ جاتیں۔  
وہ مسجد میں نماز جماعت کی امامت کرتا۔ اور ان بندہ قوں کی جانچی پڑتال بھی کرتا۔ جو مجاہدین کو روزانہ  
کی جاتیں۔ وہ طالب علموں کو البیات پر درس دیتا تھا۔ اس کا اپنا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا۔ علی مصنفین  
سے بھی اس نے کافی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن سائر شعبوں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ ناک کام  
پٹنہ کا دارالاشاعت تھا جس کو وہ اپنی خفیہ زبان میں چٹا مال گوام کہتے تھے۔ مجاہدین کے سرحد کی کیپ  
تک جس کو وہ بڑا مال گوام کہتے تھے۔ رندوں کا پہنچانا تھا۔ یہ بنگالی تاجریں تھیں ہزاروں  
تکلیف دہ سوالات پر چبھ جاتے تھے۔ عثمانیوں کا۔ شمال مغربی سوئے اور پنجاب کے وسیع علاقے میں  
اس کو تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کرنی پڑتی۔ اس کی اجنبیت ہر گاؤں میں اپنے تہ اور زبان



کی وجہ سے بہت جلد ظاہر ہو جاتی۔ لیکن اس خطرناک کام میں یحییٰ علی کی قابلیت پوری طرح برصے  
 کار آتی اس نے تمام راستے پر جماعت غافلوں کا سلسلہ قائم کر دیا۔ اور ان کا انتظام معتبر مریدوں کے  
 کے ہاتھوں میں رکھا۔ اس نے جو نیلی شرک کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس طرح سرحدی  
 کیپ کو جانے والا باغی مختلف صوبوں میں بے خطر چلا جاتا۔ اس کو یقین تھا۔ کہ ہر پڑاؤ پر اس  
 کو ایسے دوست مل جائیں گے۔ جو اس کے لیے چشم براہ ہیں۔ جماعت خانے جو راہ میں پڑتے ان کے  
 منظم مختلف طبقات کے لوگ تھے۔ مگر تمام کے تمام انگریزی حکومت کا تختہ لٹنے میں ہمراہی نہ  
 تھے۔ ماد ایک مقامی سادھی ان کا صدر ہوتا تھا۔ یحییٰ علی نے ایسے اشخاص کے انتخاب میں اپنی مردم  
 شناسی کا بہترین ثبوت دیا کیونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی گرفتار ہونے کے خوف یا لالچ کی غیب  
 سے اپنے تباہ شدہ اہم کے خلاف گواہی دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔

(۱۲)

## مولانا یحییٰ علیؒ

سب سے زیادہ یہ کہ یحییٰ علی ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ پٹنہ میں انگریزی  
 حاکموں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس کے خاندان میں سے ایک ہماری حکومت  
 کے اعزازی عہدے پر مامور اور دوسرا ہماری سرحد پر مجاہدین کی چھاپے مارنے والی جماعت کی  
 رہنمائی کر رہا تھا۔ شاید ہی کسی عدالت نے ایسے پُر اثر الفاظ کہے ہوں گے جیسے کہ سر ہربرٹ ایڈورڈ  
 نے اس کے نیچے سزائے موت تجویز کرتے ہوئے کہے۔ سر ہربرٹ نے کہا۔ یہ امر پائیدار ثبوت تک  
 پہنچ گیا ہے۔ کہ یحییٰ علی ہی اس سادش کا کرتا دھرتا ہے جس کا انکشاف اس مقدمہ میں ہوا۔ وہ  
 ایک مذہبی انسان تھا۔ اور اس مذہبی رعایت کے ماتحت پٹنہ کی مسجد میں اسلام کے قابل نفرت



اصول کی اشاعت کرتا رہا۔ اس نے اپنے ماتحت ایجنٹ رکھے ہوئے تھے جو روپیہ جمع کرتے اور جہاد کی تعلیم دیتے تھے۔ اس نے اپنی سازشوں سے ہندوستانی حکومت کو ایسی سرحدی جنگوں میں دھکیل دیا جس میں سینکڑوں جانیں ضائع ہو گئیں۔ وہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہے۔ اور اپنی لاعلمی کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس نے کیا سوچ سمجھ کر عمداً اور سخت باغیانہ طریقہ پر کیا۔ وہ موروثی باغی ہے۔ اور ایک متعصب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی خواہش ایک مذہبی مصلح کے درجہ تک پہنچنے کی ہے۔ لیکن بنگال کے برہمن سماجی ہم وطنوں کی طرح دلیل اور فطرت صالح سے اپیل کے بجائے وہ اپنا مقصد سیاسی انقلاب سے پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور دیوانوں کی طرح اس حکومت کے خلاف سازش کرتا ہے جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو تباہی سے بچایا اور لقمینی طور پر مذہبی آزادی عطا کی۔

### (۳) محمد شفیع

جعفر عرضی نويس اور مجنبي علی زميس المبلغين نے ۱۸۶۲ء کے قیدیوں میں سازش کے مذہبی رہنما ہونے کی حیثیت سے نمایاں جگہ حاصل کی۔ میکس ان کی باغیانہ قابلیت کا عملی پتہ دہلی کے متحرک فروشر قصاب اور پنجاب میں انگریزی فوجوں کو گوشت مہیا کرنے والے ٹھیکیدار محمد شفیع کی قابلیت سے بہت کم تھا۔ محمد شفیع شمالی ہندوستان کے ایک بہت بڑے تاجر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ گورنمنٹ کے ساتھ اس کے خاندان کے تعلقات کی بنا ہمیں وارن ہسٹنگز اور لارڈ کارنوالس کی جنگوں کی طرف لے جاتی ہے۔ محمد شفیع کے دادا پڑدادا معمولی چرواہے تھے۔ جنہوں نے کچھ تو اپنی ہوشیاری اور کچھ کفایت شعاری سے دنیا میں نام پیدا کر لیا تھا۔ یہ زمانہ دولت کمائی کا تھا۔ نہ کہ اس کو جمع کرنے کا جنگ کے زمانہ کی قیمتیں رائج تھیں۔ فوجوں کی آمد و رفت متواتر جاری تھی اس لیے کیمبرجٹ والوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ شمالی ہندوستان کے گڑبڑوں کے ساتھ تعلقات پیدا کیے جائیں۔ ممکن ہے اس غدار

خاندان کی برتری کا سبب ۱۷۶۹ء کا قحط ہوا جو جس نے انگلستان کے باشندوں کو ہندوستان میں اپنی فتر دہی عیس کرنے کے لیے بیدار کیا تھا۔ اس کا داما اس صدی کے آخری دس سالوں میں بہت بڑی فتر دہی حثیت پر پہنچ گیا۔ وہ کسریٹ کے افسر انچارج کی پوری قسری کے ساتھ بڑے بڑے ٹھیکے پورے کرتا رہا۔ محمد شفیع کے والد نے اس تجارت کو زیادہ بڑھا دیا تھا اس روپے کے علاوہ جو معمولی معمولی چیز ہوں کو وہ پیشگی دے دیا کرتا تھا اس کے پاس اور سرمایہ بھی تھا۔ اس سرمائے کو اس نے قابل اعتماد ضمانتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سود پر لگا دیا۔ اس کا لڑکا بہت بڑی جائیداد کا مالک تھا۔ لیکن والد ہی کا پیشہ اختیار کرنے والی ہندوستانی ذہنیت کی تقلید میں اپنی خاندانی تجارت میں پوری قوت کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ وہ ایک سا ہوکا اور محکوم فروش قصاب کی حثیت سے ایسے ناجائز افعال کرتا رہا۔ جن کی پاداش میں اس کو انبالہ کے جیل خانہ میں قید ہونا پڑا۔

کوئی شبہ نہیں حضرت صاحب۔ اس ذکر میں جوش غضب سے بے قابو ہوئے جارہے ہیں، نہ ان کی زبان قابو میں ہے، نہ قلم، وہ ایک مہذب قوم کے مہذب فرد ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، اور ایک باوقار قوم کے بااختیار نمائندے ہیں لیکن اس کے باوجود، جوش تعصب، اور جوش غضب سے اتنے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں کہ

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پاسے رکاب میں،

وہ اپنی قوم کو بھی تڑپاتے ہیں، اس کی کمزوریوں پر بھی اسے متوجہ کرتے ہیں، اس کی خامیاں بھی دکھاتے ہیں، لیکن اپنی مستعز کے ایک باغی کا ذکر جب کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے، تہذیب، شائستگی، سنجیدگی اور متانت سے وہ خود بھی باغی ہو چکے ہیں، کسی اخلاق اور اصول کے قائل نہیں ہیں، بہر حال، بہت کچھ آپ سن چکے، اب دیکھئے اس سلسلہ میں ان کی گل افشانی، گفتار کی کیا رنگ دکھاتی ہے،

ارشاد ہوتا ہے:-

”چونکہ رئیس المبتغین سب کا سردار تھا۔ اس لیے یہ شخص اس سازش کا دست راست تھا۔ ہندوستان

کے تمام شہروں میں اس کی ایجنسیاں تھیں۔ اور جرنیلی سرٹک کے ساتھ بڑی بڑی انگریزی چھاؤنیوں میں اس نے گوشت کا ٹھیکہ لے رکھا تھا، پنجاب کے بڑے بڑے تاجروں کے ساتھ اس کے خاندانی یا تجارتی تعلقات تھے۔ وہ اپنے بڑھتے ہوئے ملازمین کے دائرے کا مرکز تھا۔ جو شمالی ہند کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے تجارتی کاروبار نے سرحد پار کی، گڈریا اقوام کے ساتھ بھی اس کے تعلقات پیدا کر دیئے تھے۔ وہ ہر سال انگریزی حکومت سے لاکھوں پونڈ وصول کرتا۔ وہ اپنے کام میں وقت کا بڑا پابند تھا۔ وہ افسروں کا حکم خاموشی کی طرح بجا دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے کسریٹ کے افسر کو فریب دے کر فوجوں کو گوشت مہیا کرنے کے ٹھیکہ کی تجدید کرائی۔ وہ ملکہ کے خلاف بغاوت کرنے کے الزام میں موقوف تھا۔ اس طرح ہمارا ملازم ہونے کی حیثیت سے جو عالمگیر اقتدار اسے حاصل ہو گیا تھا۔ وہ اس کو ہماری تباہی اور بربادی کے لیے استعمال کرنے لگا۔ وہ اس سازشی جماعت کا ساہمہ کار تھا۔ اور مجاہدین کو روپیہ پہنچانے کے لیے اس نے ان مراعات کو جو فوجی ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے حاصل تھیں۔ ہدایت چالاکی سے استعمال کیا۔ اس میں بذات خود کوئی نہ مہی جوش نہ تھا۔ اس نے کسی بے ہودہ تعصب کو اپنی عقل پر غالب نہ آنے دیا۔ وہ کسی مجاہدانہ قربانی کا ملزم نہ تھا۔ وہ اس عرصہ میں بہت ہی ہوشیار دور بین اور کنبہ تجاویز سوچنے والا ثابت ہوا۔ اس نے بہت زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے عمداً اس خطرناک کام میں ہاتھ ڈالا اور اپنی قابلیت اور اسے حیثیت پر اعتماد کیا جن کے متعلق خیال تھا کہ اسے راستہ کے تمام خطرات سے محفوظ رکھیں گی۔

داستان ابھی ختم نہیں ہوئی، آقا، جب اپنے غلام کی سرتابی اور سرکشی، اور بغاوت کا ذکر کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت اس کے ہاتھ میں ہے، اس حضرت کو باغی غلام کے جسم پر مار لیتا ہے۔ تب دوسطریں میں لکھتا ہے، کبھی اس کی بھویں تنٹی ہیں۔ کبھی اس کے ہاتھ پر شکنیں نمودار ہوتی ہیں۔ کبھی اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے، کبھی وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے قلم سے الفاظ کے بجائے انکھارے، اور شرارے نکلنے لگیں، وہ جو کچھ لکھتا ہے۔ احتساب کے خوف سے بے پرواہ ہو کر لکھتا ہے۔ اور، روانی قلم کے جوہر دکھاتا ہے۔

حضرت صاحب، اس داستان کا ایک ٹکڑا، اپنی متین امد مہذب زبان میں اور پیش کرتے



ہیں۔

جعفر علی اور یحییٰ علی کے خلوص کا اعتراف | جعفر عرضی نو لیس اور یحییٰ علی رئیس المبتغین نے اپنی وفاداری

کا کبھی جھوٹا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہم سے کوئی مراعات طلب کیں۔ وہ بڑے مخلص اور باہول انسان تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس زہر آلود ہتھیار سے مجروح کیا۔ جس کو ایک جھوٹے مذہب نے ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ لہذا اب جب کہ انہوں نے اپنی غرداری کی سزا بھگت لی ہے، ان کے اس انجام پر رحم کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس شفیع نے ہمارے ہاتھوں کو کاٹنے کے لیے چاٹا اور ان لوگوں سے جو اس کے ساتھ سازش میں شریک تھے ناجائز سود وصول کرتا رہا۔ اس نے باغیانہ خطرے کے درمیان دلائی کا کام بہت زیادہ منافع پر کیا۔ اور چھوٹے موٹے غداروں کے درمیان جن کو ۱۸۶۳ء کے مقدمہ نے انبالہ جیل میں جمع کر دیا بالکل ہی الگ حیثیت رکھتا تھا۔ اس کو ان خطرناک بد معاشوں کی یادگار سمجھئے جو روحانی جمہوریت کے زوال سے پیدا ہو گئے تھے۔ اور جن کا حال سسرو (CECERO) کی آتش بیانی نے ہم تک پہنچایا۔ اس میں اوپینیس (OPPIANCEI) کی بے رحمی اور لینیس (Lanulus) کی احتیاط پائی جاتی ہے۔ ایک قدم جو اس نے اٹھایا، یہ تھا کہ جنگی جہاز کے نمودار ہونے پر بھی اس نے بحری ڈاکوؤں کا ساتھ نہ چھوڑا۔

بغاوت کے نمایاں پہلو | اس بغاوت کے تین نمایاں پہلو جو مقدمہ کے دوران میں ظاہر ہوئے یہ ہیں۔ پہلی وہ حیرت انگیز قابلیت جس سے دور دراز تک پھیلی ہوئی۔ بغاوت کو منظم کیا۔ دوسرے وفاداری کا وہ رویہ جو اس کے ممبروں نے ایک





پر جم گئے۔ کہ میں جمعہ چھوڑ کر دربار میں نہ جاؤں گا۔ جب یہ خبر نواب یوسف علی خاں والی رامپور اور سکندر بیگم والیہ بھوپالی کو ہوئی تو یہ دونوں آئے اور آکر سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں۔ اور مسافر پر جمعہ فرض بھی نہیں۔ پھر آپ پر الزام بھی قائم ہے۔ اس لیے مناسب نہیں ہے کہ آپ دربار میں نہ شریک ہوں انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔

”مذہب یہ ہرگز نہ کروں گا۔ کہ اپنے نفس کے لیے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں۔ القصہ انہوں نے کسی طرح ترک جمعہ منظر نہیں کیا۔ اور چھٹی لکھ دی۔ کہ آج جمعہ ہے۔ اور مجھے نماز جمعہ میں شریک ہونا ہے۔ اس لیے میں حاضری دربار سے معذور ہوں۔ اس چھٹی کا جواب آیا کہ اگر میں پہلے سے خیال ہوتا۔ تو ہم جمعہ کو دربار نہ کھولتے۔ مگر اب اعلان ہو چکا ہے۔ اس لیے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا۔ آپ نماز جمعہ پڑھیں آپ کے لیے دربار خاص منعقد کیا جاوے گا۔ یہ مضمون بیان فرما کر خاں صاحب نے فرمایا کہ تم جانتے ہو۔ وزیر الدولہ کی یہ حالت کیوں تھی۔ اس کا سبب محض یہ تھا۔ کہ اوس نے خاندان شاہ عبدالعزیز صاحب کی خاک چاٹی تھی۔ (۱۱)

(۱۰)

## جان بچی لاکھوں پاتے

ذیل کا واقعہ دلچسپ بھی ہے، اور سبق آموز بھی، اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے لیے، یہ بات کتنے عظیم خطرات کا پیش خیمہ تھی کہ وہ دہائیوں کا بھروسہ ہے :-

۱۱، امیرالروایات ص ۳۷

نتیجہ کی اطلاع نواب کو اس چھٹی سے دی گئی جو گورنمنٹ نے کمشنر کے نام بھیجی تھی اور جس کا مضمون

ذیل فقرہ قابل اندراج ہے : —

”نواب گورنمنٹ گورنر بہادر خواہشمند ہیں کہ آپ نواب گنج پورہ کو اطلاع دے دیں کہ محضروں نے ان کو مستوب کرانے کی غرض سے جو الزامات لگاتے تھے ان کی تحقیقات سے گورنمنٹ عالیہ کی رائے میں ثابت ہو گیا ہے کہ اگرچہ مخالفین نے وہابیوں کا ایک قاصد ان کے پاس بیکہ مانگنے کے بہانے سے بیج کر پھیلانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اپنے مدعا کے حصول میں بالکل ناکام رہے ہیں اور سرکار دولتمدار کی نظروں میں نواب صاحب نہ صرف الزامات سے پاک ثابت ہوئے ہیں بلکہ ان کی عزت و تکریم پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔“ (۱)

## شاندار ”کردار“

غدر کے دوران میں مسلمانوں کی سیرت و کردار کے ناقابل فراموش نمونے

مسلان انگریزی حکومت سے نفرت کرتے تھے، انگریزوں کے ظلم و استبداد نے انہیں بغاوت برکشی، شورشیں اور مقابلہ پر آمادہ کر دیا تھا، غدر جب شروع ہوا تو انہوں نے انتقام لیا، اور انگریزوں کو ہت جو دستہ بنایا، لیکن اس ابتلا عام میں متحد و ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انگریزوں سے، اور ان کے نظم حکومت سے بے انتہا متنفر ہونے کے باوجود، انہوں نے ان کی جان بچائی، ان کے ساتھ احسان کیا، انہیں مصیبت اور ذلت کے بہمنور سے نکالا،

منی ذکار اللہ کہتے ہیں :

**یا وفا ملازم**

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں پر کوئی راست ایسی دہشت تاکہ نہیں گذری جیسی کہ دسویں گیارہویں کے درمیانی شب گذری چاروں طرف انگریزوں کے جنگلے جل رہے تھے۔ باغیوں کا غل شور اور بندوقوں کی آوازیں دلوں کو ہلا رہی تھیں۔ بعض ہندوستانی ملازم ان بے وفاؤں میں ایسے وفادار تھے۔ جنہوں نے اپنے گھرے رنگ کے آقاؤں کی جانوں کو بچایا۔ اور محسن کشی نہیں کی یہ میر خاں ایک مسلمان پشدار نے کشتہ اور میم صاحب کی جان بچائی بعض میمیں جن کے شوہر لہین میں اپنے فرض منصبی ادا کرنے گئے تھے۔ اپنے جلد ہوتے گھروں میں بڑی بے رحمی سے قہر قہر ہوئیں چھوٹے چھوٹے مسوم بچے اپنی ماؤں کے سامنے قتل کئے گئے۔“

”تاریخ خوج عہد انگلیشہ (ذکار اللہ) ص ۵۰۳“



## ایک شاعر کی آپ بیتی

بہادر شاہ کے مقرب خاص، راقم الدولہ ظہیر دہلوی، تحریر فرماتے ہیں :  
مجھے اس وقت تشنگی کا انتہائی غلبہ تھا۔ پیاس کے مارے صحن میں  
کانٹے پڑ گئے تھے۔ روزہ دار تھا اس پر یہ تکالیف شاق ہیں وہیں تسبیح خانے کے ساتھان کے نیچے بیٹھ  
گیا۔ نقوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک اور ہنگامہ برپا ہوا۔ کیا دیکھا کہ تسبیح خانے کی سیڑھیوں پر ایک جوان  
ولایتی چدا آتا ہے۔ اور پوری اس کو لیے ہوئے ہیں۔ اور ولایتی کے سیدھے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی  
پیش کی لپٹا اور مددگرمی کی۔ مگر ٹوٹ کر ادھی روٹی ہے۔ اور وہ نہایت تھوڑا قبضہ تک خون میں  
بھری ہوئی ہے۔ اور بائیں ہاتھ میں ایک فوجان حسین مرد جبین تازی نہیں مگر کاٹا ہوا ہے۔ اس لڑکے کی  
وجہ کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی معلوم ہوتی ہے۔ دراز قد، کتلی چہرہ، ایک کمر سفید براق، یہ اس کے  
گھٹے میں ہے۔ مگر اس پر کچھ کچھ خون کی بوندوں کے نشان معلوم ہوتے تھے۔ اور لڑکے کا منہ فوق رنگ  
سینہ۔ چہرے پر ہوا یاں اثر ہی ہیں۔ اوسان ٹھنڈے نہیں۔ پیٹ پیٹے ہوئے ہیں۔

راقم یہ کیفیت دیکھتے ہی فوراً بے تاب ہوا اس کے پاس پہنچا۔ اور دل میں خیال کیا کہ اس کے پاس ہاتھ  
میں ٹیسٹر بہتہ موجود ہے۔ اور ہر پر خون سوار ہے مبادا مجھ پر ہی وار کر بیٹھے۔ اس ناز میں پر ہاتھ چپاڑے  
گا تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ پہلے اس کے ہاتھ سے تلوار پھینکی جاوے پھر اس لڑکے کا ہاتھ چھریا  
چاہیے۔ یہ سوچ کر میں نے جتنے ہی پہلے دائیں ہاتھ سے اس کی کلائی جذب طوق سے پکڑ لی اور  
بایں ہاتھ تلوار کی کنڈلی پر ڈالا۔ اور زبانی یہ الفاظ کہے کر پھر بے ادب تو نہیں ہونا کہ یہ بادشاہ کی قیود میں  
ہے۔ یہاں ہتھیار باندھنے کی ممانعت ہے۔ اس میں اور اتنی بھی اٹو رچپٹ سنئے۔ اور اس ناز میں رملی تر  
رہیدہ۔ نے جو اس طرح کا ترجمہ اور حلی و مدعا لگا کر پایا تو وہ بھری اوت میں ہوئی۔ ورنہ میں نے پناہ مانگوں  
دی۔ جب اس کا جسم میرے جسم سے مل گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مارے خوف سے وہ نہایت بیدار مرزا  
ترسا ہے۔ کچھ کس کا دھڑک رہا ہے غرض کہ میں نے تلوار تو اس سے ہاتھ سے نکال لی۔ اور پوچھا کہ تیرا  
کیا مطلب ہے منہ سے بیان کیجوان ولایتی تو ہے۔ بھائی نہ ذاتی تم سے ہم نے لپٹ نہیں لیا۔ دنیا لا اعلیٰ شہر  
کا مال اوت کرے لئی۔ ہم نے کسی کو ہاتھ نہیں رکھا۔ ہم نے فقط یہ مال لیا ہے۔ ہم کو یہ مال مل جائے

اور ہم کو کچھ نہیں درکار۔

راقم نے وہ شیشہ شکستہ اس کے حوالے کی اور کہا۔ ابھی تم کو یہ مال نہیں مل سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ  
مختورے روز تم صبر کرو۔ جب مہنگا مہ فرو ہو جائے گا۔ اور غدر مرٹ جائے گا۔ اس وقت یہ امانت تمہاری  
تم کو مل جائے گی۔ ابھی تمہارے بادشاہ کے پاس رہے گی۔ اس میں خواجہ سرادفیر جو سب ڈیوڑھی پر موجود  
تھے راقم کے ہم زبان ہوئے۔ اور سمجھا سمجھ کر وہاں سے روانہ کیا اور اس فوجیان نازنین کے ذرا جان میں جان  
آئی۔ اور مجھ سے الگ ہو کر کھڑی ہوئی۔ اب میں نے اس سے اس کا حال دریافت کیا کہ یہ کیوں تم کو لایا؟  
فوجیان میں نے منہ کو ہاتھ لگا کر پانی کا اشارہ کیا۔ میں نے اُبارہ خانے میں سے پانی منگو کر اس  
کو پلویا۔ جب ذرا ہوش درست ہوئے۔

فوجیان میں۔ اس آدمی نے صاحب کو مار ڈالا۔ اور ہمارا ہاتھ پکڑ کرے چلا دلتے میں سپاہی لوگ ہم کو  
پھینٹے لگے۔ اس نے نہ دیا۔ مرنے مارنے پر تیار ہوا۔ لڑتا بھڑتا یہاں تک آیا۔ مال و اسباب ہمارا دینا نے  
لوٹ لیا۔ کیا اب ہم کو پھر اس آدمی کو دے دو گے۔؟

راقم:۔ نہیں۔ نہیں برگزایا نہیں ہو سکتا۔ اب بادشاہ کی پناہ میں آگئی ہو۔ جیسا بادشاہ کا حکم ہو گا دیں  
کیا جائے گا۔ ابھی تم کو حفاظت میں با آسائش رکھا جائے گا کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جس وقت غدر مرٹ  
جائے گا تم کو اختیار ہے جہاں چاہو رہو۔ تم مختار ہو۔ تمہاری زندگی تھی کہ تم زندہ سلامت یہاں آ گئیں۔ اب  
تم کو کوئی نہیں مار سکتا۔

مختورے مالس بھر کر دیکھنا چاہیے۔

راقم نے خواجہ سرادے کہا کہ ان کو محل میں بھرا دو۔ اور خواجہ سرادے ڈیوڑھی کا پردہ اٹھایا اور باری  
دار کو آواز دی: بی بی داریم صاحب آتی ہیں۔ انہیں صحنہ میں پہنچا دو۔ ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا۔ اور وہ فوجیان  
نازنین خاتون امیر داخل ہوئی۔ (۱)

ذکار اللہ نے کیا کیا؟ پادری سی ایفٹ اینڈریوز فرماتے ہیں:

پروفیسر رام چندر نے نئے عیسائی ہوئے تھے۔ انتہائی خطرہ میں پڑ گئے تھے ڈاکٹر مین لال کو جو ان کے ہم مذہب اور نہایت خداترس انسان تھے۔ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ پابندیوں نے ذرا ہی قتل کر دیا۔ اس کے بعد پروفیسر رام چندر کی تلاش شروع ہوئی۔ لگے ہزارے لال صاحب دہلی سے جو ان چند اشخاص میں سے تھے۔ جو غدر میں بچ گئے تھے۔ مجھ سے بیان کیا۔ کہ کسی طرح سے اس صبح کو جب کہ میری ٹی سے آنے والے باغیوں نے دہلی پر قبضہ کیا۔ دس بجے کے قریب ان کی ملاقات ذکار اللہ سے ہوئی۔ جو اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر دہلی کا لچ جا رہے تھے۔ تاکہ وہ کسی نہ کسی ترکیب سے پروفیسر رام چندر کو بچائیں۔ لچ پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ ان کے کسی دوسرے طالب علم نے انہیں پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ ذکار اللہ اس نازک موقع پر مزید امداد کرنے کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ پروفیسر رام چندر چند دن تک وسط شہر میں چھپے رہے۔ اور بالآخر اپنے شاگردوں کی مدد سے بھیس بدل کر اندول ملک میں چلے گئے اور اس طرح خطرہ سے باہر نکل گئے۔ اس اثنا میں انہیں انتہائی اندھ ناک پریشانیوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ (۱)

غدر میں بہت عمدہ مخالفت تھی۔ اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے وقاداری کا صلہ ٹھکرا دیا انہیں میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے۔ اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرو ہوا۔ تو انگریزوں کی طرف سے ان کو گیارہ گاؤں سلم انعام میں دیے گئے تھے۔ اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لے کر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہونچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپ کی وقاداری کے صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں عطا کیے ہیں۔ اور پروانہ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سنکر نہایت برہم ہوئے۔ اور پروانہ لے کر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا۔ اور فرمایا۔ کہ میں نے کیا تمہارے لیے کیا تھا میرے نزدیک مگر

ذکار اللہ دہلی سی ایفٹ اینڈریوز مستند

یس ہی تھا۔ اس لیے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔ ۱۱

**مختبر کی شہادت** | غلام میں انتہائی افتخار کے باوجود ذمہ دار ملاکوں نے انگریز عورتوں اور بچوں کی جان بچانے کی پورے اعلاص کے ساتھ جدوجہد کی :

جنی لال مختبر نے یہ بھی بیان کیا کہ مرزا مجھنے نے یہ کہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کا مارنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ تو تانگے مرزا کو مارنے چلے یہ مشکل بھاگ کر انہوں نے اپنی جان بچائی۔ ۱۲

مرفقا - (۲)

**میم کی جان کس طرح بچی** | ایک انگریز عورت کی جان دلی کے ایک مولوی خاندان نے، اپنی خواہش کی سلامتی خطرہ میں ڈال کر کس طرح بچائی ؛ یہ واقعہ بہت اہم ہے :

مولویوں نے یہ کیا تھا کہ شاہی رتھ خٹنے سے ایک رتھ ہانگ کر لائے جو ان کو آسانی سے مل گئی اور یہاں منسوب سے پہلے میم کو بٹھایا اور اس میں مولوی عبدالقادر صاحب کی بیٹی مولانا کی سالی اور مولوی نذیر حسین صاحب کی بیٹی کو کہ وہ بھی مولانا کی سالی ہوئیں اور مولوی عبدالقادر صاحب کے خالہ ۳ یا ۴ بچے سب رتھ میں بھر گئے سب کے بیچ میں میم صاحب بیٹھ گئیں رتھ کے ساتھ شعیب تھا جب لاہور دروازے پر یہ لوگ پہنچے تو پہرے والوں نے پردہ اٹھا کر تلاشی لینی چاہی ان سے یہ عذر کیا گیا کہ مولوی کی بہو بیٹیاں ہیں قدم شریعت مست ہمارے جاتی ہیں اور ابھی چھ گھنٹی رات کی توپ سے پہلے لوٹ کر آئیں گی مولویوں کا نام سن کر باغیوں نے کادش نہیں کی اور رتھ کو نکل جانے دیا۔ ۱۳

**ایک عبرت انگیز واقعہ** | اور جس میم کا ذکر ہوا ہے وہ ایک انگریز خاتون، مسز لیسین تھی، اسے بچانے والے دلی کے بہت بڑے عالم، مولانا عبد القادر

(۱) امیرالہایات ص ۱۳۸

(۲) تاریخ عبدالمکیشہ (ذکر اللہ) ص ۲۳۳

(۳) حیات اندیز - ص ۲۳



تھے، دوپٹی نذیر احمد نے خیر مولانا عبدالقادر برے پائے کے بزرگ تھے۔ لال قلعہ میں بھی ان کا بہت احترام ہوتا تھا، وہ انگریزوں کے دشمن نہیں، تو دوست بھی نہیں تھے، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے پناہ دینا سمجھتے تھے کہ کسی کا خون ناحق نہ ہونے دیر، اب اس واقعہ کی تفصیل خاندان کے ایک فرد کی زبان سے۔ بیٹے:

مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم جوانی کی حدود سے تجاوز کر رہے تھے۔ بڑھاپا ان کے شباب کو فنا کر چکا تھا۔ مگر جوانی جیسے بیش بہا جوہر گندہ کے آثار ابھی چہرے پر موجود تھے۔ لاہوری دروازے کے پاس انہوں نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ یہ ایک مظلوم انسان کی صدا تھی۔ جو اس شخص کے کان میں آئی جس کی موت کا اس جرم میں فیصلہ قطعی ہو چکا تھا۔ کہ دو انگریزوں کی دشمنی میں باغیوں کا ساتھ دیتا ہے۔ زخمی کے زخموں نے مولانا کو اپنی طرف کھینچا۔ اور انسانیت کی رہبری قریب لے گئی۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک انگریز عورت خون میں شرابور زخمیوں میں چلنا چوروم توڑ رہی ہے۔ گو تکلیف کی شدت نے دست دپا بیکار کر دیئے ہیں۔ مگر موت کی پیاس پانی کا تقاضا کر رہی ہے۔ ایک بد نصیب زخمی، انگریز عورت کے سر نے ایک مسلمان مرد کا جس کے قتل کا فتویٰ بغداد کے جرم میں صادر ہو چکا ہے۔ کھڑا ہونا انسان کا مذہب کا کہہ رہا تھا۔ کہ ظلم گراؤنی سی خبر سن پائیں گے تو بوٹیاں جس کو توں کو کھلا دیں گے۔ انسانیت اور ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ جان صداقت پر قربان ہو۔ ایک بے گناہ عورت کی حمایت میں ہر معیشت راحت اور ہر اذیت مسرت ہوئی۔

رات کے ابتدائی حصہ میں جب دینائے اسلام کا رخ بدلے عتہ جس کے حضور میں جمع ہوا تھا تو مولوی عبدالقادر صاحب ایک انگریز عورت کو کندھے پر لیے گھر میں داخل ہوئے۔ زخمی خاتون سر سے رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور نیم کے اثر حصول سے خون نکل رہا تھا۔ کھائی عورت میں اپنے بد نصیب بھائی کی تیر واری میں مصروف ہو گئیں۔ زخموں کو دھویا۔ بدن صاف کیا۔ پانی اور شربت ملوئے۔ یہ

مولوی نذیر حسین محدث، ہوی جو بھڑکتے۔

رہے تھے۔ وہ بچے دروازے پر دین دین کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ اس شخص کا گھر ہے۔ جس کی موت کا مسئلہ صبح ہی سے طے ہو چکا تھا۔ اور یہ وہ عورتیں ہیں۔ جو دن بھر شوہر اور باپ کی موت کو رو چکی ہیں۔ اور یہ اس شخص کے قتل کی کوشش ہے، جو جہاں آباد کو انیت کے معنی بتا رہا ہے غریب عورتوں کی جان نکل گئی۔ بھولے اور سینے بچوں کے ہوش جلتے رہے۔ لیکن مولوی صاحب مرحوم نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ باغیوں نے دروازے پر آفت مچا دی۔ اور دین دین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھایا تھا۔ سوچتے سوچتے مولوی صاحب کی سمجھ میں ایک تدبیر آئی۔ اور وہ یہ کہ جہاں کو اوپلوں کی کوٹھڑی میں لٹا کر اوپر سے اُپے چُن دروازہ کھل دیا۔

سات کے تین بچے رہے ہیں۔ اور چودھویں کا چاند آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے کہ پندرہ ہیں آدمی مولوی صاحب کے گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔ تلواریں اور بلم صاحب خانہ کے سر پر چمک رہے ہیں۔ اور دشمن عورتوں کے سامنے ناشائستہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ مولا تا خاموش ہیں۔ عورتیں اللہ اللہ کہہ رہی ہیں۔ بچے رو رہے ہیں۔ اور لڑکے حسرت سے باغیوں کا منہ ٹک رہے ہیں۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ اوپلوں کی کوٹھڑی کھلی۔ اور وہ جفا کار اس میں داخل ہوئے۔ آج کے مسلمان اس اتفاق محض سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یہ وقت سے میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حاکم حقیقی ہر نیک کام میں اپنے بندوں پر رحمت کے پھول برسا کر دینا کو دیکھا دیکھتا ہے کہ کس طرح اس کا کرم شامل حال ہوتا ہے۔ خلا کا فضل ایک نہیں پندرہ ہیں آنکھیں پر پردہ بن کر پڑا اور چاروں طرف دیکھ بھل کر باغی پھینکتے پیٹتے والے ہوئے۔

بہتے بھر سے زیادہ ہو چکا زخمی کی دوا نیم کی پیارا اور غدا مکوں کا پانی ہے۔ مگر قدرت کے تمام شے دیکھنے کے قابل ہیں۔ حالت روز بروز بہتر ہو رہی ہے۔ زخم بھر رہا ہے۔ اور وہ غلام، لہو، لہو بھی ہوتا جاتا ہے۔ باغیوں کا زور بھی قہر رہا ہے۔ دین دین کی آوازیں بھی کم ہو رہی ہیں۔ اور شہر کے بڑے حصہ پر انڈینز کا قبضہ ہو چکا ہے۔ سڑکوں پر لڑائی کا بیج کے وقت جہاں نے میزبانوں سے رخصت ہو کر کہا عورت بچہ کو انگریزی کیمپ تک پہنچا دے تب تک یہ خوابش کچھ کم

خطرناک نہ تھی، مذہب نسبتاً شہر میں اسی جگہ تھی قتل و غارت کے واقعات پوری طرح بند نہ ہوئے تھے  
لیکن وہ بے چین نہ تھی۔

رات کے آخری حصے میں عورتوں نے اپنے مہمان کو وداع کیا۔ اور مولوی عبدالقادر صاحب نے  
اس انگریزی خاتون کو انگریزی کیمپ تک پہنچا دیا۔ ۱۱

اس واقعہ کی مزید تصدیق، مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نذیر احمد کے صاحبزادے  
**تصدیق مزید** نے بھی اپنی تاریخ میں فرمائی ہے:

منزلین سے میں خود ملا ہوں وہ اپنا واقعہ کہتی تھیں تو ان کی ٹھکانی بند جاتی تھی وہ ایک ٹوپ  
خانہ کے ملازم کی بیوی تھیں وہ دہلیاں ان کے ساتھ تھیں ایک کوئی آٹھ دس برس کی تھی دوسری  
گود میں کوئی سو ڈیڑھ مہینوں نے اور بچوں نے کشمیری دروازہ کی طرف ایک تہہ خانہ میں پناہ لی تھی ۳ دن  
بے آب و دانہ رہے بچوں کو دوتے کا حکم نہ تھا کہ کہیں ان کی آواز سن کر باغی نہ لگیں آئیں۔ آخر کب تک  
باغی آئے اور سب کو تلواروں اور طنپوں سے مار ڈالا۔ ماؤں کی گودوں سے پھول ایسے پھٹے جو سب اور ڈسے  
ہوئے ماؤں کی کلیجوں سے چھٹے ہوئے تھے گھٹ گھٹ کر سنگینوں کی ٹوکوں پر ان کو دھریا۔ پس  
صاحب کی میم کی بھی دونوں بچیاں اس بے رحمی سے ماں کی آنکھوں کے سامنے ماسی گئیں میم صاحب  
کو بھی گولی لگی اور کئی زخم آئے۔ جس کے دوتے اُس کے سامنے نہ رکھ کر دیے جائیں اُس کی ماں یوں بھی  
بے جان تھی میم صاحب نہ تھی ہو کر مرہوں کی انبار میں دبائیں شہر میں خمر مشور ہوئی کہ باغیوں نے آج  
پر تم ڈھایا کہ کسی کی موت اور کسی کا تماشہ لوگ جوق در جوق دیکھنے گئے سنا کہ ان میں جو جوان بلب  
ہمسک رہے تھے ان کو ان لوگوں نے ختم کیا۔ میرے نانا مولوی عبدالقادر صاحب متوسلان سٹا ہی  
میرے تھے وہ بھی گئے ان کے ساتھ ۲ پنجابی پٹھان تھے کشواہ کے پشتوں میں انہوں کے ۱۰ بیٹے ایک عورت  
میں ابھی دم باقی ہے جس نے ہاتھ سے پانی کا اشارہ کیا ان میں سے ایک افغان نے ہارنے کو پھراٹھایا

۱۱۔ دہلی کی آخری بہار، علامہ رشید انجیری، ص ۱۲۷



میرے تانا نے پکڑ لیا کہ تاحق تارو اتم کیوں مارتے ہو اور چلے آئے دن پھپھو وہ اچیتے گئے اور عیم صاحب کی گھڑی باندھ کر اپنی بیٹھیر لا کر اپنے گھر لائے۔ وہ طبیب بھی تھے عیم صاحب کی مرہم پتی بھی لگا اور علاج معالجہ کیا خدا نے اُن کو اچھا کر دیا اسی اثنا میں کسی نے سرسری پھوڑ دی کہ مولوی صاحب نے کسی عیم کو چھپا رکھا ہے ہمارے گھر پر باغیوں کی دوڑا کئی عیم کو اوپلوں کی گھڑی میں چھپا کر اوپر سے اُپلے ڈال دیتے باغی ڈھونڈ ڈھاندھ کر چلے گئے اب مشکل یہ پڑی کہ اُن کو برٹش کلب میں کیونکر پہنچائیں اُن کو ایک پہلی میں بٹھا کر اور انہی کے ساتھ ہمارے گھڑی دو چار عورتیں بیٹھ گئیں اور پردہ ڈال لیا بیچ میں عیم صاحب کو لے لیا کئی جگہ راستہ میں روک روک ہوئی مولوی صاحب ساتھ تھے تو انوں نے سمجھا کہ مولوی صاحب کا زنا نہ ہے بہ ہزار مثل عیم صاحب کو کیپ تک پہنچا یا بعد کا قصہ طویل طویل اور غیر متعلق ہے۔ عیم صاحب اور اُن کے شوہر ۱۸۵۷ء تک زندہ رہے اب بھی اُن کی ۲ بیٹیاں زندہ ہیں۔ رہا

**منزلین پر اس احسان کا اثر** منزل اور منزلین اس کے بعد مولوی صاحب کے اس ہمدرد و دیدہ ہوئے۔ کہ پیش کے بعد بھی ولایت نہ گئے۔ اور دہلی میں رہے ہر سال منزلین کے اس واقعہ کی سالگرہ منائی جاتی تھی۔ اور مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا تھا۔

منزلین کی کوٹھی کٹھیری دروازے کے باہر تھی۔ اور ہر جمعہ کو دو پہر کا کھانا مولوی صاحب اس کے پوتوں کے ساتھ کھاتے۔ میں اکثر ساتھ ہوتا تھا۔ اور دیکھتا تھا کہ منزلین کس طرح مولوی صاحب کے احسان کا فائدہ ادا کر رہی ہیں۔ (۲)

**نواب باندہ اور اس کے پاسی** اگر نواب باندہ اور رانی سب سے گدھوان مفورین کی خاطر تو واضح

اچھی نہ کہتے۔ تو ان مفورین میں سے ایک بھی زندہ سلامت نہ بچتا۔ ان ہی کی عنایت سے یہ مفوریہ انگریزی حملہ اس میں پہنچ گئے۔ باندہ میں نمبر ۵ رجمنٹ کے کچہ

۱۱۱ واقعات دار الحکومت۔ دہلی صدر اور ڈائریٹر الدین احمد، ص ۱۱۱

۱۱۲ دہلی کی آغوش بہار دہلی دارالافتاء، ص ۱۱۲



ہندوستانی سپاہی رہتے تھے۔ انہوں نے ۱۲ جون کو بغاوت کی مگر نواب باندہ کے افسروں نے جان بچا دی۔ اس نواب نے سب انگریزوں کی جو بھپرو پور اور فتح پور سے بھاگ کر آئے تھے۔ جان بچائی۔ مگر نواب باندہ کا بھی حال جہاں جہاں تھا اور راجپوتانہ کے راجہ بھی اس کا ساتھ تھا کہ اپنی سپاہ اس کے کہنے میں نہ تھی۔ وہ باغیوں کے ساتھ بغاوت میں شریک ہو گئی تھی۔ نواب باندہ مددگار کا دلی خیر خواہ تھا۔ مگر اپنی سپاہ کے برگشتہ ہو جانے سے وہ سرکار کی کوئی خدمت نہ کر سکتا تھا۔ ۱۱

سر سید احمد خاں نے اس قسم کے حالات اور واقعات سے گزر کر، اور

## سر سید کا اعتراف

ان کا ماننا بد کر کے، ذرا ہمت کی ان الفاظ میں، حقائق کا اعتراف یوں کیا

تھا :

یہ جو مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی مارے جس کو گندا کرتی ہے یہ خاص ایسے ہی برے وقت کے لیے کہی گئی ہے۔ اس کم بخت وقت کا یہ خاتمہ ہے اگر ایک آدمی میں بُرا کام کرے مگر قوم کی قوم اس کا بدنام ہو جاتی ہے مگر اسی قوم میں عداوت آدمیوں نے اچھے کام کیے ہیں مگر ان خوبیوں پر کسی کو خیال نہیں ہوتا۔

یہ بد بختی کا وہ زمانہ ہے جو مشنہ و مشنہ میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گزرا کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہنا تھا ہو کہ مسلمانوں نے ہی گو۔ وہ رام دین مرہٹا مانا دین کی ہو۔۔۔ ان دنوں میں میری ٹیم سے انگریزی اخبارات کثرت سے گزرے اور جو کتا ہیں اس ہنگامے کی بابت تصنیف ہوئیں وہ بھی میں نے دیکھیں تو ہر ایک میں یہی دیکھا کہ ہندوستان میں مفصلہ بد ذات کوئی نہیں مگر مسلمان! مسلمان! کوئی کائنات والا درخت اس زمانے میں نہیں اٹھا جس کی نسبت یہ نہ کہنا گیا ہو کہ اس کا بیج مسلمانوں نے بویا تھا اور کوئی قومیں بگڑ نہیں اٹھا جو یہ نہ کہنا گیا ہو کہ مسلمانوں نے اٹھایا تھا مگر میں اس کے برخلاف سمجھتا ہوں میں نہیں دیکھتا کہ مسلمانوں کے سوا ایب اور

کوئی ہو جس نے خالص مہرگار کی خیر خواہی میں اپنی جان۔ مال عزت ابر و کھلی ہو زبانی بات چیت  
 کی خیر خواہیاں ملا دینے اور بھرتے پتے ایک دو پرچے لکھ بیٹھنے بہت آسان ہیں مگر مسلمانوں کے سوا  
 وہ کون شخص ہے جس نے صرف مہرگار کی خیر خواہی میں اپنی اور کہنے کی جان دی ہو اور ہر وقت ہاتھ  
 پاؤں اور دل و جان سے جانتا رہی کہ حاضر رہا ہو؟ ۱۱

---

## غدر کے پیر

۱۸۵۷ء کا عالم آشوبِ غدر اس اعتبار سے بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ اس نے متعدد ایسے لوگوں کو منصفہ شہر پر جلوہ گر کیا کہ اگر غدر نہ ہوتا تو ان کی وہ صلاحیتیں جو غدر کے دوران میں نمایاں ہوئیں سرگز نہ ابھرتیں لکشمی بائی، رانا جھانسی اپنے محسوس سوگ اور تیاگ کی زندگی بسر کرتے کرتے ایک روز اس دنیا سے رخصت ہو جاتیں اسحمت محل کے بڑے میں اس سے زیادہ کوئی کچھ نہ جانتا کہ وہ واجد علی شاہ کی بیگم تھیں۔ تانیا ٹوپی، ایک بڑے علاقہ کا خوش بخت نوجوان ہوتا، جو صرف عیش و عشرت سے رابطہ رکھتا، تانا صاحب انگریزوں کی بے وفائی اور غارتگری کا مرثیہ پڑھنے کے سوا کچھ نہ کر سکتا، مولوی احمد اللہ خاں اور مولوی لیاقت علی سندھو، افغانوں سے ایک قدم باہر نہ نکالتے، ڈاکٹر وزیر خاں کی زندگی، کلب میں یا عیسائی مناظروں سے کد بہ کد جنگ کرنے میں بسر ہو جاتی، بہادر خاں کا بزم و مجلس میں ذکر بھی نہ ہوتا، خاندان نجیب الدولہ کا گورنر شب چراغ محمود خاں اپنی ایامِ عشرت میں زندگی کے اہ و سال گزار دیتا، بخت خاں انگریزوں سے اپنی وفاداری پر فخر کرتا اور ایک اوسط درجہ کے فوجی افسر سے زیادہ ترقی نہ کر سکتا، مولانا فضل حق خیر آبادی منطلق و فلسفہ کی تدریس و تعلیم میں عمر عزیز بسر کر دیتے، لیکن غدر نے ان حضرات کی ایسی صلاحیتوں کو جن سے یہ خود بھی ناواقف تھے، اٹھارہ اور انیسویں صدیوں سے کہیں پہنچا دیا لکشمی بائی نے میدانِ جنگ میں وہ کارنامے انجام دیئے اور شہادتِ قدسی کا یہ نام نہ پیش کیا کہ وہ امر موہی حضرت محل نے جس خودداری و بہادری اور شان و شکست سے فرنگی قہرمانیت کا ثبوت کیا وہ نہ صرف تاریخِ زمانیت کا بلکہ تاریخِ عالم کا ایک نادر واقعہ ہے، تانیا ٹوپی اپنی بزمِ عشرت سے

نکلا اور اس نے فرنگی اسبند اوکا اس استقلال و عزیمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ دشمن بھی اس کے  
 اخلاص اور حب وطن کے آگے تسلیم غم کرنے پر مجبور ہو گئے، نانا صاحب نے اگرچہ جوش انتقام  
 میں انسانیت کش حرکتیں کیں، لیکن اس نے بھی زندگی جاوید حاصل کر لی وہ — (کاپنور) اور پونہ  
 میں بھی اس کا کوئی یاد کرنے والا نہ ہوتا، اس کے بارے میں فرانسیسی مصنف گارون تاسی لکھتا ہے  
 ” یہ خون خوار انسان انگریزی تفسیر میں یہ طوبیٰ کہتا ہے اس نے شیشیپیر کے مشہور  
 ڈھانچے کا ترجمہ کیا تھا۔ مولوی احمد اللہ خاں اور مولوی لیاقت علی نے مولوی ہونے کے باوجود  
 ایک طرف انگریزوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے، دوسری طرف حکمرانی اور نظم ملک میں مہارت کا غیر  
 معمولی غمت سے کہ دنیا کو بتا دیا کہ مولوی بھی اگر سندس واقعات سے اٹھ کر تخت حکومت پر  
 جلوہ گر ہوں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں اور تیسری طرف اپنے تئیں اور ناقابل شکست حوصلہ مندی کا  
 دوا اپنے بدترین دشمنوں — انگریزوں سے بھی منوایا ڈاکٹر وزیر خاں نے ایک ایسا  
 مقام مل کر لیا جسے نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے نہ فراموش کیا جاسکتا ہے۔ بہادر خاں کے کارناموں نے  
 بھی تاریخ میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ محمود خاں نے انگریزی تہذیبیت کا چیلنج قبول کیا اور نہایت پامردی  
 کے ساتھ ان کے جبر و جور کے مقابلہ میں ڈٹا رہا، سرسید اس سے اتنے خفا تھے کہ جہاں اس کا  
 ذکر کرتے ہیں ”محمود خان“ کہہ کر (تاریخ بجنور) کہہ کر جیسے دل کے پھپھوے پھوٹتے ہیں لیکن  
 محمود خاں نے ثابت کر دیا کہ وہ ان باتوں سے کہیں بالا تھا۔

طبع فاتحہ از خلق ندامت نیاز  
 عشق من از پس من فاتحہ خوانم بالکیت

نخت خاں نے جب دلی کی سرزمین پر قدم نہیں رکھا تھا یہ غدر ایک ہڑ بونگ سے زیادہ  
 حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن جب اس نے کمان ہاتھ میں لی تو انگریزوں کو دن میں تارے نظر آتے  
 گئے، انگریزی لشکر کے کانڈر انجینئر بارباہیلے گئے اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے کوئی اس غم میں مر  
 گیا، کوئی مستعفی ہو گیا، کوئی واپس ہلایا گیا۔ جنگ جب شروع ہوئی تو بھی ہر ہر قدم پر وسائل و ذرائع



کی بہتات کے باوجود غیر معمولی دشواریاں اور مصیبتوں کا صاحب بنادہ لوسا مانا کرتا پڑا، بخت خان نہ ہونا تو یہ بڑا بگ چند روز میں فتح ہو جاتی، وہ بخت خان ہی تھا، جس نے کئی بار تک اسی طرح حالات کے باوجود اس لڑائی کو نہایت کامیابی اور شان و وقار کے ساتھ جاری رکھا اور ایسے غیر فانی کارنامے انجام دیئے کہ غلہ کی تاریخ میں خواہ وہ دشمنوں ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہو ناقابل فراموش اور قابل صد احترام مقام حاصل کر لیا، مولانا فضل حق خیر آبادی، نوابی اور ابن سینا کے چکرتے نگر کو میدان جہاد میں گامزن ہوئے، انھوں نے ایسے تدبیر و معاملہ فہمی، اصلاحیت، راستے، حسن انتظام اور درہمینی کا ثبوت دیا جس نے غلہ کی تحریک کو ایک نئی تحریک بنادیا اور اس راہ میں رزق خیر، شہداء، بر داشت کئے گئے، زبانِ حق شکایت سے آستانہ ہوئی، مولانا اسماعیل شہید اور مولانا فضل حق برصغیر تھے دونوں میں تعلقات — قائم تھے لیکن علمی نوک جھونک بھی ہوتی رہتی تھی، دونوں کی فکر و نظر میں اختلاف تھا لیکن پیش نظر دونوں کے صرف یہ تھا کہ، میان سر بلند ہوں اور ان کا اعطاء بدرجہ ہو، عروج و زرق سے ہمکنار ہوں، اس اپنی غلط رفتہ پہر حاصل کر لیں۔

من تو گزشتہ شہید چہ پاک

غرض اسلامیان سلامت دوست

اور کوئی شبہ نہیں دونوں کی زندگی اس مقصد میں پرنتار ہوئی، مولانا اسماعیل نے بالاکوٹ کے عرصہ کارزار میں بام شہادت نوکش کیا اور فضل حق نے انڈمان (کالانی) کے مجس میں صبا، جان آفرین کو سپرد کیا۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مذکورہ طور میں ہم نے غلہ کے جن ہیروؤں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے صرف بخت خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی، دو ایسے شخصیتیں ہیں جنھوں نے دلی کے محابات غلہ میں مرکز نشین ہو کر جتن دیا ہے، باقی حضرات یو۔ پی کے رہنے والے تھے اور ان کی سرگرمیوں کے مراکز بھی یو۔ پی کے مختلف اضلاع لکھنؤ، آگرہ، اتر پردیش، جھانسی، بریلی وغیرہ رہے، ہذا ہم اس کتاب میں بخت خان اور مولانا

فضل حق خیر آبادی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں باقی لوگوں کا ذکر اپنی دوسری کتاب ”واجب علی ثناء“ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں جو تسوید کے مراحل سے گزر منقریب بتقیض کے مرض میں داخل ہونے

والی ہے۔

نخت قاف اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث کا ناموں اور سرگرمیوں کی تفصیل معلوم کرنا آسان نہ تھا، کہ ان کا ذکر عام دہشت اور سرسبکی کے باعث ان کے مداح و ثنا خواں بھی ڈر ڈر کر اور چپا چپا کر کرتے ہیں، آج ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ غدار کے بعد غدار کا ذکر بھی کتنا روح فرسا تھا اور ان شخصیتوں کا تذکرہ جنہوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا۔ انگلیزوں کی نازک دماغی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور وہ ذرا ذرا سی بات پر اور معمولی سے شبہ پر جو دستور کی بادش شروع کر دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کا اکابر کا اول تو مرتب اور منضبط صورت میں کیوں ذکر نہیں ملتا اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں ان مشکلات کے باوجود زیادہ سے زیادہ معتبر اور مستند مواد حاصل کرنے کی اپنے مقدر جبرہم نے کوشش کی ہے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ اس سبب نظر کی بچا، ہیں یہ کوشش ”سچی مشکہ“ کہلائے گی۔

## (۱) نخت خان

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

نخت خان جیسے اولوالعزم، دیر، شجاع اور عہد آفرین لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ اگر کسی زندہ اور بیدار قوم کا فرد ہوتا تو اپنی قسمت بھی بنالینا اور قوم کو اوج و تریامک پہنچا دیتا، لیکن وہ ایک نال پذیر، انحطاط آشتا اور آئندہ مرگ قوم کا فرد تھا اور یہی اس کی سب سے بڑی قسمتی تھی وہ آگے بڑھتا تھا، ساتھی پیچھے ہٹاتے تھے۔ وہ قوم کی سر بلندی کی تدبیریں کرتا تھا لیکن قوم اس کی طرف توجہ نہ کرتی تھی وہ خاندانِ مختلیہ کو ایک مرتبہ بھر ہندوستان کا فرزند دہا بنا دیتا پھرتا تھا، لیکن اس خاندان کے شاہزادے اس سے جلتے تھے، اس کے کام میں دھڑکتے تھے اس کے فداوت سازشیں کرتے تھے اس کے نبوت پابیوں کو بھڑکانے تھے اس نے علامت پر دھینگڈا کرتے تھے اس کی کامیابیوں کو دہائی سے بدلتے کو خوشحال کرتے تھے اسے دیر اور رسوا کرنے کی انکیمیں بناتے تھے مگر سب سے زیادہ اس کا نام دکھاتے کہ وہ ٹکڑیوں کا جاسوس اور دہم، خریہ غلام ہے جس طرح غریبوں نے محمود بن نام کا محمود بنالینا تھا اسی طرح شمس الدین، غشی ذکا، مند، نخت خان کو کم نخت خان کے نام نامی واسطہ گرامی سے یاد کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ شمس الدین کے الفاظ میں: گلاب کے چھوٹے پتوں سے یہ بھی یاد رہے وہ گلاب کا پھول ہے گا۔

نخت خان یہ سب کچھ دیکھتا تھا، سنتا تھا، معلوم کرتا تھا لیکن اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ انگریز اس کے نام سے دہلتے تھے اور یابین بنام اسے گالیاں دیتے اور اس کی بدگوئی کرتے تھے۔

اور وہ ان سب سے بے نیاز، خلوص اور دل جمعی کے ساتھ اپنی دشمن میں اور اپنے حال میں مست تھا۔  
 نہ ستائش کی تائید نہ صبر کی پروا۔

وہ اپنے سینہ کی دھکتی ہوئی آگ دوسروں کے سینوں میں بھی منتقل کر دینا چاہتا تھا، لیکن برف خانہ میں جا کر وہ بھی برف کا ٹکڑا بن جاتی تھی۔ ————— وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، لیکن اس کی ناکامیابی مدہنِ ارفع و ظفر سے زیادہ قابلِ فخر اور مایہ نازِ رشک تھی۔

آئندہ صفحات میں الفاظ کے ذریعہ ہم نجات خاں کا مرتق کھینچنے کی کوشش کریں گے۔  
 بہت سے لوگوں نے شمس الملوٰی ذکا، اللہ کے جن کا قلم جزل صاحب  
**حسب و نسب** کی تحیر و تخریب کے لیے تیار رہتا ہے یہ ثابت کرنے کی ناکام  
 کوشش کی ہے کہ ان کا تعلق کسی گنام اور لپیت خاندان سے تھا۔

لیکن نجات خاں نے ۱۸۵۷ء میں جو کارنامے نمایاں کئے اور تحریک کو جس قابلیت کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیلایا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا تعلق ضرور کسی اعلیٰ خاندان سے ہو گا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور اہم شہادت نواب دوند سے خاں کی پر پوتی چندا بیگم کی ہے جو خدا کے فضل سے ابھی بقیہ حیات ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ غلام قادر روہیلہ سہہ سے ان کی قرابت قریبہ تھی، والی روپلاکھنڈ حافظ الماکس عطاء رحمت خاں کا خاندان جب انگریزوں اور شجاع الدولہ کے مظالم کا شکار ہو کر برباد ہوا، تو غلام قادر خاں کا خاندان بھی اس سے محفوظ نہ رہا، اس انتشار میں جس کا بدھرنہ اٹھا چلا گیا، چنانچہ نجات خاں کے والد معہ اہل خاندان اودھ کے موضع سلطان پور میں بس گئے۔

نواب عبداللہ خاں روہیلہ جو خوبصورتی اور بہادری میں منفرد زمانہ تھے، شجاع الدولہ کے خاندان کی ایک شہزادی کی زوجہ کا مرکز بن گئے اور اس معتب روہیلہ سردار کی نوابان اودھ سے قرابتِ وادی ہو گئی۔

ط : حیاتِ علامہ فضل حق خیر آبادی، مصنف مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی :



خود بخت خاں نے بھی ایک مرتبہ شہنشاہ بہادر شاہ ظفر سے کہا تھا :-

”میں موضع سلطان پور کا رہنے والا ہوں اور اودھ کے شاہی خاندان سے ہوں اگر

آپ کو میرے بیان پر شک ہو تو آپ تصدیق فرما سکتے ہیں۔“

بادشاہ نے فرمایا ”تصدیق کی ضرورت نہیں مجھے آپ کی شرافت اور نجاست پر یقین ہے۔“

یہ امر کچھ عجیبہ از قیاس نہیں کہ جو قوم فقط الملک نجیب الدولہ اور غلام قادر جیسے سرفروزش اور

اندوادی خان جیسے مدبر پیدا کر سکتی ہے کیا وہ ہندوستان کو آخری جنگ آزادی میں بخت خاں جیسے

جانبادوں کو جہنم نہیں دے سکتی۔

زمانہ قدیم کے نوابی خاندان کے لوگ کافی پڑھے لکھے ہونے

کے علاوہ فوج و حرب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے

## تعلیم و تربیت اور ملازمت

بخت خاں بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، سلطان پور کی جاگیر نواب اودھ کی جانب سے علی قلی اور تو خاندان

کی ضروریات کے لیے ناکافی تھی دوسرے ان کی اولوالعزم اور بڑے چہین طبیعت اس پر سکون زندگی

کی متحمل نہ ہوئی، بنا برآں انگریزی فوج میں ملازمت اختیار کی اور بہت جلد ترقی کر کے ممتاز عوارضے

پر فائز ہو گئے، مسٹرسل کے تحت جنگ افغانستان میں ایسے بہادرانہ کارنامے دیکھو کہ تو خاندان

بیٹری کے سب سے بڑے افسر ہو گئے، ان کے ماتحت تمام ہندوستانی توپچی رہتے تھے یہ بیٹری اپنی

کارگزاریوں کے لیے بہت مشہور تھی، اعزاز کے طور پر ان کی توپوں پر پھولوں کا محراب مانا جاتا تھا۔

بخت خاں جلال آباد میں بھی اس بیٹری کے ساتھ کام کر چکے تھے۔

افغانستان سے واپس آنے کے بعد بھیج لی چھوٹی پڑھیں گئے اور صوبہ داری کا عہدہ

عطا کیا گیا، اس طرح بخت خاں تو پچانہ کے بڑے افسر تھے اور انگریزی شاہکاروں میں بہت سے

ص : خد کی بی بی، شام حسن نظامی،

ص : یادداشت نوشتہ جی ایم ایچ پکٹس سی پی

لوگ ان کو جانتے تھے وہ ایک فریہ اندام شخص تھے اور انگریزوں کو بڑا ہوشیار اور دانش مند جانتے تھے۔

### روہیل کھنڈ میں نوابی دور

شورش کی آگ بجڑکتے ہی بخت خاں نے جو بعد کو جنرل کے لقب سے مشہور ہوئے، اپنے اجداد کے وطن بریلی کا رخ کیا، بریلی جا کر نمان بہادر خوں کو جو حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پوتے اور خاندان میں بہت با اثر اور بہادر تھے تخت امارت پر بٹھایا، روہیل کھنڈ میں روہیلہ قوم اپنے غیر معمولی شجاعانہ کارناموں کی وجہ سے ابھی تک تفوق خاص کی مالک تھی، دولت اور حکومت تو ختم ہو چکی تھی لیکن ترک آبادی میں شجاعت و بسالت کا عطر اندونہمہ باقی رہ گیا تھا جو اس وقت برصغیر کا آیا چنانچہ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:-

”مہجن صنموں میں بے ادب ہوئی وہ روہیل کھنڈ کی بغاوت کے آگے خفیف تھی“  
بریلی جو عرصہ تک حافظ رحمت خاں کا دار السلطنت رہا تھا جنرل بخت خاں کی وجہ کامرکز قرار بنا۔

جب تک جنرل صاحب کا بریلی میں قیام رہا، نواب خان بہادر بخت خاں بریلی میں خاں کے دربارت راست رہنے پنا پختہ جو امن و اماں اس نواب گروہی میں عوام کو حاصل تھا، اس میں بخت خاں کا بھی حصہ رہے ہیں نے اپنے خاندان کی ایک بزرگ خاتون سے سنا، جن کی والدہ نے اپنے چشم دید حالات ان کو بتائے تھے کہ اس دوران میں کثرت سے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات ہوئیں اور ان میں کسی طرح کی بے اطمینانی اور انتشار نہ پایا جاتا تھا، ہر چیز کی ازانی اور بہتات۔۔۔ عقی گرائی کا کیس ذکر نہ تھا۔

ط: عروج عہد انگلشیہ ————— غر شہادہ کے پامرو۔

ط: عروج عہد انگلشیہ

دہلی کھنڈ کے علاوہ تمام ملکوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف سخت سوجان برپا تھا۔  
ایک ماہ تک اسی طرح لڑائیاں ہوتی رہیں کرتے  
میں سختی سخت خاں و محمد شفیع تلنگوں کی چار پٹنیں

## سخت خاں کی دہلی میں آمد

اور ایک ہزار پانچ سو جہاد کرنے والے قریب قریب بارہ ہزار کی جمعیت سے کرمچ توپ خانہ  
اور سنگین وغیرہ بولائی کے جینے میں دہلی پہنچے، دہلی دروازے کے باہر قیام کیا اور بادشاہ کے دربار  
میں حاضر ہوئے، بادشاہ کی طرف سے ان کو خلعت عطا ہوا اور عمدہ جرنیلی پر فرساز کیے گئے  
اس عرصہ میں بے شمار فوجیں چھاؤنی نیچ نیچ آہ آہ حصار لکھنؤ اور کسولی سے آکر دہلی میں جمع ہوئی  
بادشاہ کو ان کے آنے سے مسرت ہوئی اور رعایا بھی مطمئن ہو گئی۔

سخت خاں دہلی چھوڑ کر دہلی روانہ ہوئے، نانا راؤ کا بھائی ہمراہ  
سخت خاں کی سادگی

سے گزرے راجہ اور جاگیرداروں کو معافیت پر آمادہ کرتے گئے، ظمیر دہلی رقمطراز ہیں :-  
”جنرل سخت خاں چودہ ہزار کا کپو، چند توپ اور تین چھٹی سواروں کی سے کر اور کئی لاکھ  
دو پیہ سمیت ۱۲ بولائی کو دہلی میں داخل ہوا۔ سر پر اگوجھا ایٹا ہوا، کمرچ گلے میں پٹی ہوئی، پیچھے حال  
گھلا، بریلی والا جنرل یہی تھا، بظاہر تو اس کا لباس گھس گھس کا سا تھا، میں تو سمجھا جیسے اور  
پور بیٹھے سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہو گا۔“

علاوہ کثیر التعداد فوج کے ایک سو کے قریب علماء بھی ان کے ہمراہ تھے جنہیں اس  
زمانہ میں مجاہدین کہا جاتا تھا۔

۱ : غدر شہ کے بہرہ

۲ : نصرت امہ غدر شہ

۳ : داستان غدر (راقم الدلہ ظمیر دہلی)

بخت خان کے دم خم | ایک الشاپرواہ مورخ نے بخت خاں کے جمال و کمال کی تصویر بنی العاظمیٰ کینچی سے ڈیڑھ دو مہینے کی سخت

بد نظمی اور افرا تفری کے بعد بریلی کی فوج انگریز کو ہندوستان سے اور منسل سلطنت کو ذات کی قبر سے نکالنے کے لیے دہلی پہنچی۔ اس کی تعداد پچھوہ ہزار تھینہ کی گئی ہے اس میں صرف کچھنی کے باغی سپاہی نہ تھے بلکہ بہت سے مجاہدین تازہ بھرتی کئے گئے تھے خود پہ سالہ بخت خاں و درہیلہ خاصا دیندار اور سنجیدہ قسم کا آدمی نظر آتا ہے جو پہلے انگریزی فوج میں سالاری کر چکا تھا، نئی تنظیم اور قواعد جنگ سے آشنا تھا، پھر کھاجاتا ہے کہ اپنے پیر کے حکم سے کافر فرنگی کی نوکری چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا تھا اس کے وطنی جذبہ کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ انگریزوں کے جاتی دشمن دھوند و پنت (انا صاحب) کے بھائی کو عیب سے ہلاک اپنا شریک کار بنالیا تھا، انگریزوں کی محاصرہ شدہ قوتوں میں اعتراض کیا گیا ہے کہ اس نے دہلی آکر امن و انتظام پر توجہ کی اور ایک شہری مجلس ٹھکانی کو بد نظمی کو سر اٹھانے نہ دے عید الاضحیٰ کے موقع پر شاہی فرمان جاری کرایا کہ ہندو ہم وطنوں کی خاطر گائے بیل کی عام قربانی نہ کی جائے۔ انہی کارگذاریوں کی بنا پر بہادر شاہ نے ملکی اور عسکری اختیار بخت خاں کے سپرد کئے اور گویا اپنا نائب السلطنہ بنا دیا تھا، حقیقت میں کم سے کم دہلی کے دہڑے میں یہی شخص توجہ کا محور ہو کر ذاتی لیاقت و کاروائی سے آگے بڑھا۔ ادویسری اور حوصلہ مندی کے ساتھ انتظام کی قابلیت فراست سے اوصاف رکھتا تھا ۱۲۱

بخت خان کا تدبیر | بخت خاں خود بھی مسلمان تھا اور مسلمان کی جبلت سے بھی اچھی طرح واقف تھا وہ جانتا تھا یہ جنگ اس وقت تک سر نہیں

ط : ڈائی لائٹ ..... بہ حوالہ ساندرسن پیرز - وغیرہ مارش بن اور کٹر (جلد دوم) کی تاریخوں اور مقدر بہادر شاہ کی روداد میں یہ واقعات بستہ بستہ منقول ہیں محاصرہ عظیم دہلی کی داستان غلہ بھی ذاتی اعتماد شہادت پیش کرتی ہے۔

ط : تاریخ پاکستان و مجاہدات جلد دوم (سید ہاشم رضا ص ۲۲)



ہو سکتی، جب تک مذہبی طور پر سلطان اس کے قائل نہ ہو جائیں کہ فرنگی استیلا کے خلاف جہاد کرنا ایک کارِ ثواب ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے علمائے کرام سے فتوائے جہاد حاصل کیا۔

جب تک دہلی میں نجات خان نہیں آیا، جہاد کے فتویٰ کا چرچا بہت کم تھا، مساجد میں ممبروں پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا، دہلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندان تہمید کو ایسا حوالہ خط دیتے تھے کہ وہ ناکمل سمجھتے تھے، کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو گئی اس کے ساتھ جاہل مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایسا پھوٹا نکلا ہے جس سے وہ جانبر نہیں ہوگی۔

یہ کام چوتھے شہدے مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے مگر جب نجات خان جس کا نام اہل شہر نے کم نجات خان رکھا تھا۔ دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتوے لکھایا کہ مسلمان پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کی فتح ہوگی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط فرمائیں ان کی کراہیں اور مفتی صدر الدین نے بھی جبر سے اپنی جعلی ہر کردی لیکن مولوی محبوب علی و خواجہ ضیاء الدین نے فتوے پر ہرگز نہیں کیے۔ اور بے باکانہ کہہ دیا کہ شرط جہاد موافق مذہب اسلام موجود نہیں، اس فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں میں جوش مذہب زیادہ ہو گیا جن مولویوں نے فتوے پر ہرگز نہیں کیے تھے وہ کبھی بہاؤی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے، مولوی نذیر حسین جو دہلیسیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی تھی اس فتویٰ پر کچھ ہرگز نہیں کی کچھ جعلی تھیں۔

مولوی ذکا، اللہ کی ہدایت اگر صحیح ان کی جائے تو بھی مورد الزام ہے عمل علماء ٹھہرتے ہیں نہ کہ نجات خان وہ تو آخر وقت تک جہاد کرتا رہا، مولوی نذیر حسین کے گھر میں میم کا پناہ گزین ہوا، تو یہ ایک انسانی اور اسلامی فعل تھا، اسے نہ غداری قرار دیا جاسکتا ہے نہ سازش۔

فوتے جہاد پر جبری دستخط کی روایت بھی قابل قبول نہیں، سوال یہ ہے کہ حبیب مولوی مجرب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے اخلاقی جرات سے کام لے کر نہ صرف فوتے پر دستخط نہیں کیے بلکہ علانیہ اس جنگ کو "جہاد" ہی تسلیم نہیں کیا۔ اور بخت خاں نے ان حضرات پر نہ کسی طرح کا تشدد کیا نہ بغیر پھانسی قید اور ضبطی الاک و جامداد کی سزا دی، تو پھر آخر مفتی صدر الدین دستخط کرنے پر باہل و خواستہ کیوں مجبور ہو گئے۔

### حلف نامہ

فوتے جہاد کے بعد بخت خاں نے دوسرا کام یہ کیا کہ سپاہیوں سے حلف رکھا داری بھی لیا۔ اس فوتے جہاد کے علاوہ بخت خاں نے ایک حلف نامہ بھی تقسیم کرایا اور اس پر ہر سپاہی سے جن کی تعداد سات آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی، حمد یا، مرزا منگل نے یہ حلف نامہ فوجوں کو پڑھ کر سنایا، جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ ہم آخری دم تک لڑیں گے، جہنم بخت خاں خلوت میں جلوت میں جب چاہتے بادشاہ کی خدمت میں بدایاں ہوتے، کوئی پابندی عائد نہ تھی، بادشاہ نے ایک مرتبہ عید قربان کے روز حسب ذیل شعر لکھ کر ان کو بھیجا:

شکر اعدا الہی آج سارا قتل ہو  
گورکھا، گوجر سے لے کر انصاری قتل ہو

### نظم و ضبط

بخت خاں کو اس کی بڑی فکرت تھی کہ کوئی بات نظم و ضبط کے آئین کے خلاف نہ ہو۔ بخت خاں نے شہر کے کووال کے پاس حکم بھیجا کہ شہر میں آئندہ لوٹ مار ہوگی تو کووال کو پھانسی دی جائے گی اور اس نے ڈھنڈوڑا پٹا دیا کہ سارے دکاندار اپنے پاس ہتھیار رکھیں اور گھر میں کوئی مرد بغیر ہتھیاروں کے نہ رہے اور جس کسی کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو وہ ہم سے ہتھیاروں کی درخواست کرے ہم اس کو ہتھیار مفت دیں گے اور جو سپاہی لوٹا ہو اگر قتال ہوگا اس کے ہتھیار لے لیے جائیں گے۔

ط : رسالہ بنادت ہند، بابۃ ۱۸۵۹ء (۱۱ دسمبر)

ط : تاریخ عروج محمد انگشیر (ذکار اللہ) ص ۶۹۶

## نخت خاں کی مساعی جمیلہ

جنگ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ تخت خاں  
دوسرے بااثر لوگوں کو ہنوا بنانے کی کوشش

بھی کرتا رہتا تھا، لہذا اس میں کامیاب بھی ہوتا تھا۔ پیدل فوج کی دو پلیٹیں اور رسالہ کے پانچ سید سپاہی  
چھ توپوں اور سامان اسلحہ کے ساتھ تخت خاں کے حکم سے باخپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پہل  
تعمیر کرنے سے روکیں اس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامان حرب کے علی پور روانہ ہوئی سپہر  
کو یہ افواہ اڑی کہ باغیوں کو بڑی فتح ہوئی، اس کی وجہ سے حوام میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا، دہلی سے  
اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لگ گئی، جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ  
بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ جو شخص میدان جنگ میں کاروائیے نمایاں انجام دے  
گا اسے پانچ لکھ زمین دی جائے گی اور یہ کہ اعزازی عہدہ بھی دیا جائے گا۔

جلی کونسل کے سامنے تخت خاں نے بیان کیا کہ وہ کشمیری دروازے کے اقبال مورچہ بنا رہے ہیں  
ہندوستان میں جہاں کہیں بغاوت ہوئی اس کی سرپرستی اور رہنمائی بادشاہ کی طرف سے ان کے پسر دھنی دہلگ  
ہن سے براہ راست ہر بات منگواتے اور اس کے مطابق عملدرآمد ہوتا تھا، جنرل صاحب کے ایک خط  
سے جو انھوں نے جنرل سدھاری سنگھ اور غوث محمد خاں کو روانہ کیا ہے ان کے اس مقصد عظیم کا  
اذاذہ ہو سکتا ہے جس کو لے کر وہ اٹھے تھے وہ لکھتے ہیں :-

”محمد تخت خاں گورنر بہادر اور دہلی کے دارالخلافہ میں جو فوج ہے اس کے سپاہی اور افسران  
آداب بجالاتے ہیں اور تم کو مبارک باد دیتے ہیں جو بہادرانہ کارنامے تمہارے متعلق ہیں ہم سب کو ان  
پر فخر ہے ہم میں سے ہر شخص اور تمہارے بادشاہ شہ و روز عیسائیوں کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے  
ہیں خدا نے چاہا تو بہت تھوڑے عرصہ میں دہلی کا ملک ان سے پاک ہو جائے گا۔“

جواب سدھاری سنگھ :-

”خدا کے فضل سے دہلی کی جو سلطنت وجود میں آئی ہے عالم طفولیت میں ہے خدا نے آپ کو  
اس تجویز کی پرورش کے لیے بھیجا ہے آپ کے تحت پانچ دستے ہیں اور آپ کا خطاب جنرل بہادر



ہے اور آپ کے ہاتھ ہر قسم کی قوت ہے۔

نخت خاں اور اس کے سپاہی کس

جیادری اور جہاد مندی سے

نخت خاں اور اس کے سپاہیوں کی بہادری

لڑے، یہ داستان جمیل قدم قدم پر ایک دل آویز مرقع کی صورت میں نظر آتی ہے۔

توپچیوں نے جنرل کی سرکردگی میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کی صفوں میں پھل

ڈال دی تھی، ظہیر مہدی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:-

در چاندنی رات ہے اور میں ایک دوست کے کوٹھے پر بیٹھا ہوا ہوں کہ تیاری کا بگل

ہوا اور فوج کی کمر بند ہی ہو گئی اور میگزین سے بڑی بڑی چھتیس پٹیاں دس دس بارہ بارہ جوڑی ہل

سے چلے اور میگزین کی کرچیاں جدا گانہ تھیں کوئی پانچ گھڑی رات گئے یہ سب فوج باہر ہو گئی بڑی

بڑی توپیں پہاڑوں پر چڑھا کر مورچے باندھ لیے، دریا درمیان ہر دو لشکر کے بیچ ایک میل کا فاصلہ

ہو گا بڑی توپوں نے بڑا کام کیا اور فوج انگریزی کا بڑا نقصان ہوا، زرد کوٹھی کے متصل پورہ میں

نے ایک مورچہ قائم کر رکھا تھا اور بڑی بڑی توپیں لگا رکھی تھیں، ان توپوں سے انگریزی فوج

کو بہت نقصان پہنچا تھا، اس مورچہ کی حفاظت کے لیے ہر وقت دو پلٹین اور گولہ انداز موجود رہا کرتے

تھے۔

انگریزی فوج نے ایک رات شب خون مارا، رات بھر نہ گامہ بگیر و بکش گرم رہا، دونوں

طرف سے توپ چلتی رہی، لڑائی کیا قیامت کے آثار نمودار تھے، خدا جانے طرفین سے تین سو

توپیں چل رہی تھیں یا چار سو، اس کا علم خدا کو ہے۔

گھوڑ چڑھی کے توپ خانے نے یہ کام کیا کہ محاذ ارقاں برابر تر پولیہ ہے اس میں توپیں

م : محاصرہ کے دوران میں جنرل نخت خاں کا خط سداہری سنگھ کے نام غدر کا ریکارڈ (انگریزی شکر)

م : داستان غدر



لگا دیں اور ڈومپٹنیں باغیچہ میں ٹھپ کر کھڑی ہو گئیں۔ ترپولہ کے تینوں دروں پر توپیں لگی ہوئی تھیں اور دونوں طرف سے باغیوں نے راستہ روک رکھا تھا لیکن انگریزی توپ خانے نے ایسے گولے برسائے کہ تینوں توپیں بیکار ہو کر شہر روانہ ہو گئیں، فوج انگریزی اس سے بے خبر تھی کہ پلٹنیں گھات میں بیٹھی ہیں، وہ یہ سلسلہ میں بندھی تعصب میں چلی آئیں۔ باغیوں نے جب دیکھا کہ وہ بیچ میں آگئیں، کیا رگڑ باغات کی دیوار کے پیچھے سے کھڑے ہو کر دونوں طرف سے بارٹھ جو تک دی، اس وقت فوج کا یہ حال ہوا، جیسے کبوتروں میں چھڑا مار دیا ہو بہت سے آدمی ضائع ہوئے اور مورچہ چھوڑ کر اٹھنے چھاؤنی کی طرف بھاگے۔

جنرل صاحب کی قیادت میں عوام نے سردھڑ کی بازی لگا کر بے حسگری سے اپنے خون کی ہوئی کھلی اور ان کو معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کسی معمولی دشمن سے نہیں ہے، فوج باغی نے بڑی سختی اور مضبوطی سے فوج انگریزی پر حملہ جاری رکھا اور کوئی تدبیر یا دقیقہ ان کے دھاں سے نکال دینے اور غارت کرنے میں باقی نہ چھوڑا، دشمنوں نے اپنی مورچہ بندی ایک اچھے موقع پر باغات اور مکانات کی آڑ میں کی تھی، توپیں بہت عقلمندی کے ساتھ سرکس اور اس سرعت سے آگ برساتی کہ ایک لمحہ کیسے بھی توقف نہ تھا۔

۹ جولائی کو نخت خاں نے فوج کی جمعیت کے ساتھ  
انگریزوں سے جنگ | انگریزی فوج پر حملہ کیا اور سب ہزاری میدان ان سے

چھین لیا اور بہت سا سامان میدان جنگ سے ہاتھ آیا، مولوی زکاء اللہ لکھتے ہیں :-

۱۰ جولائی کے دربار میں جنرل نخت خاں بادشاہ کا قاتل ہوا، بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر غیم بادشاہ بنادیا، جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اتاری، آج میڈین دیکھا ہے

ط : داستان غدر

ط : رسالہ تاریخ بغاوت ہند بابت اگست ۱۸۶۱ء

اس میں ترتیب سامان رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں کی تصحیح کی  
پرید کی تاک اور شکر پر جو محصول معاوضہ معاف کر دیا تاکہ غربا کو تکلیف نہ رہے، نیز یہ بھی کہا کہ جو شہزادہ شہر کو  
لوٹے گا میں اس کی ناک کٹوا دوں گا۔

بخت خاں کی جدت جنگ، دلیری  
شجاعت اور حکمت عملی سے انگریز اچھی

## خراج تحسین انگریزوں کی طرف سے

طرح واقف تھے، چنانچہ غصہ اترنے کے بعد انھوں نے اعتراضات میں بھیجے کام نہیں لیا۔  
ولیم فوربس رقم طراز ہیں :-

”محاصرے کے زمانے میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ انہوں کی دیانت کا چھٹا  
ثبوت ہے اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہم کسی معمولی آدمی سے مقابلہ نہ کر رہے  
تھے ان حملوں کی تعداد چھتیس تھی ان میں سے ہر ایک نہایت ہی متکرم حملہ تھا۔  
ان کے علاوہ بے شمار حملے در افتادہ چوکیوں اور ہرا دل پر ہوتے، یہ ہمارے  
آدمیوں کے بہت کم قریب میں آتے تھے اور یہ بھی اس وقت جب ان پر  
اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا مگر ہمدانہ جنگ آزمادہ ہوتے تھے ان کی اس مستقل مزاجی  
اور ہمت سے کوئی چیز بازی نہیں لے جاسکتی تھی۔“

چارلس بال صاحب رقم طراز ہیں :-

”شہر کے جس جتنے پرہم نے سب سے پہلے حملہ کیا اس پر شراب کا کافی مقدار  
میں موجود ہونا باغیوں کی انتہائی چالاک کی ثابت ہے۔“

ط : عروج ہندو انگلشیہ (ذکا، اللہ)

ط : غنہ کا نظم سیم تذکرہ (ولیم فوربس)

ط : تاریخ غنہ مند (چارلس بال)

بخت خاں کو ناکامی سے  
کیوں دوچار ہونا پڑا اس کا

## بخت خاں کی ناکامی کے اسباب

مختصر جواب تو یہ ہے کہ :-

ہر کہ آموخت علم تیر از من  
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اور تاریخی جواب یہ ہے کہ رفقاء منہ زل کے حب جاہ و منصب نے قدم قدم پر مشکلات پیدا کیں اور اسے دوسری چیزوں میں الجھانے کی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا۔  
ذیل میں ہم مولوی ذکا، اللہ کا ایک مخالفانہ بلکہ معاندانہ بیان ضروری قطع و برید کے بعد درج کرنے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ بخت خاں کیسے حوصلہ شکن حالات سے دوچار تھا :

جولائی کے شروع میں بخت خاں بڑی سلیقہ مندی اور

## بخت خاں کا استقبال

ہوشیاری سے ملے آیا، جب شہر کے قریب

شاہدہ میں پہنچا تو بادشاہ نے نواب احمد قلی خاں اپنے خسر کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا اور جب وہ بادشاہ سے ملاقات کرنے آیا تو اس نے مصافحہ کیا، اس کی دعوت کے لیے اپنے خاصہ سے ستر تھپے بھیجے :

جب بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم بڑے بہادر ہو تو اس نے کہا

## بخت خاں کا انکسار

آپ جب مجھے بہادر فرمائیے گا کہ میں پہاڑی پر انگریزوں کا بالکل

قطع قلع کروں۔ بادشاہ پر کچھ اس نے ایسا سحر کیا کہ وہ اس کے کہنے میں آگیا، اس کو اپنے فرزند کا خطاب یا اور ساری سپاہ اور شہر پر اس کو نیم بادشاہ بنا دیا۔ بادشاہ نے حکم جاری کر دیا کہ سپاہ شہزادوں سے بالکل تعلق نہ رکھے :

ایک دن جنرل بادشاہ کے پاس دو یوہن سار جنٹوں کو ساتھ لے گیا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ دونوں بریلی سے ہمارے ساتھ آئے ہیں وہ تو پٹنی کے فن سے خوب ماہر ہیں بادشاہ نے



ان کو حکم دیا کہ وہ سلیم گڑھ اور کشمیری دروازہ لاہوری دروازہ کے گڑگجوں کے توپ خانوں کو دیکھ کر  
 رپورٹ کریں جنرل نے لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں سپاہیوں کی پریڈی اور ان کو  
 اپنے اپنے مقام پر واپس کیا۔

## غزبا کی تکالیف کا خیال

بادشاہ کو اس نے عرضی دی کہ چار لاکھ روپیہ نواب جتھر سے  
 طلب کیا جائے اس کی درخواست منظور ہوئی بخت خاں

نے نمک اور شکر پر جو محصول مقرر ہوا تھا وہ اس طریقے سے موقوف کیا کہ غزبا کو تکلیف نہ ہو،  
 مرزا متل ایک عرضی اس کی شکایت میں، ۱۰ جولائی کو یہ لکھی کہ جہاں پناہ  
 سلامت، مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت عالی خوب آگاہ

## سازش اور شکایت

ہیں کہ بخت خاں کے آنے سے پہلے ہر روز بلاناغہ ہنگامہ جنگ گرم ہوتا تھا، حضور اس امر سے بھی  
 آگاہ ہیں کہ جب سے جنرل آیا ہے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں آج کا یہ واقعہ ہے کہ فدوی نے آج حملہ  
 کرنے کے لیے شہر سے باہر سپاہ کو کھڑا رکھا۔ مگر جنرل نے کچھ کام نہ کھینچ دیا بلکہ ان سے دریافت کیا کہ تم کس  
 کے حکم سے شہر سے باہر رٹنے گئے ہو تم کو بغیر مری اجازت کے جانا نہیں چاہیے، اب واپس  
 آؤ، یہ کام تو کوئی کھلا دشمن بھی نہیں کرے گا۔ کہ سپاہ حملہ کرنے جائے اور اس میں مداخلت کر کے واپس  
 بلائے اس لیے فدوی التماس کرتا ہے کہ اگر حضور نے سپاہ کا کل انتظام جنرل کے سپرد کر دیا ہے تو پھر  
 فدوی کے پاس تحسیری حکم ارسال فرمائے کہ وہ سپاہ کے کسی کام میں مداخلت نہ کرے پھر کسی  
 کام میں مداخلت نہیں کروں گا اور سپاہ کی کل افسران کو اطلاع دے دوں گا کہ آئندہ تم جنرل کے ماتحت  
 ہو، اس کی فرماں برداری کرو، اگر اس کے حکم کے خلاف کوئی اعلیٰ ادنیٰ افسر کام کرے گا، تو سزا پائے گا  
 اور اگر حضور سپاہ کے کام کو فدوی کے سپرد کرتے ہیں تو جنرل کو حکم فرمائے کہ وہ سپاہ کے کسی معاملہ  
 میں دخل نہ دے۔ اس کو اپنی رجمنٹ پر کلی اختیار ہے اس کی رجمنٹ سے جو خدمات کی درخواست  
 کی جائے ان کو وہ ہمیشہ منظور کرے اس عرضی پر بادشاہ نے کوئی حکم نہ دیا،

بخت خاں پر ایک الزام ۱۰ جولائی کو دربار ہوا، جس میں بخت خاں بادشاہ





شہزادہ مغل بہادر شاہ کے بیٹے اور باغی افواج کے سپہ سالار افغانی



کا قائم مقام ہو کر آیا، اس میں سپہرائی نر کے صوبہ دار فادر بخش نے جبرل بخت خان پر الزام لگایا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے سے غفلت دکا رہی کرتا ہے۔

سپاہ بھی بخت خان کی شکایت بادشاہ

سے کی کہ وہ صرف اپنے سپاہیوں کے

## بخت خان کے خلاف شکایت

یہ سلاطین رسد کیا کرتا ہے اور باقی سپاہ کے لیے سامان رسد نہیں ملتا کہ تا بادشاہ نے کہا کہ یہ شکایت تم خود بخت خان سے کرو۔

بخت خان نے برسر دربار کوئی بات بادشاہ کے کان میں کہی تھی اس پر شخصزادوں نے اس کو دھتکار بھائی تو بخت خان نے بڑی چالوسی اور خوشامد سے اپنا قصور معاف کرایا، سپاہ سے بادشاہ اس سبب ناراض تھا، کہ وہ کبھی مرزا ابو بکر کو اپنا بادشاہ بنا نا چاہتے تھے کبھی مرزا منگل کو جب بخت خان آیا تو اس نے صلاح دی کہ سپاہ کے اختیارات شاہزادوں کے ہاتھ میں زیادہ نہ جائیں، تمام احکامات میر سے پاس بھیجے جائیں اور جو بادشاہ کرنا چاہے وہ مجھ سے کہے بادشاہ شخصزادوں سے ناراض تھا، اس صلاح سے وہ بخت خان پر بہت عداوت ہو گیا اور اس کو سب سے اعلیٰ اور برتر بنا دیا، اور اس کو گورنر مقرر کر دیا، جب مرزا منگل نے بخت خان کی شکایت میں عرضی دی تو اس میں اور بخت خان میں ناچاقی ہو گئی، مگر پھر دونوں کا آپس میں ملاپ ہو گیا۔

۲۲ جولائی کو بخت خان نے بادشاہ سے عرض کیا کہ بعض

شریر نفس یہ مشہور کرتے ہیں کہ میں انگریزوں سے ملا ہوا ہوں

## بہادر شاہ اور بخت خان

اور جب سپاہ انگریزوں سے لڑنے جاتی ہے تو خود پہنچتی کرتا ہوں اور سپاہ بے ترتیب لڑتی ہے۔ بادشاہ نے کہا ”تمھاری خبر خواہی میں مجھے کچھ شبہ نہیں مجھے افسوس ہے کہ بدشاہ آدمی اس غلط بات کو مشہور کر کے تمھاری دل آزادی کرتے ہیں۔

سپاہ نے عرضی دی کہ بخت خان تو سپ خانہ کا افسر تھا وہ

اس کام کو جانتا تھا، میدان جنگ میں سپاہ کے لڑنے

## مرزا منگل کی سازش

میں بے بہرہ ہے وہ گورنر کے عہدہ کے قابل نہیں نہ وہ بادشاہ کا ادب کرتا ہے نہ خزانہ بادشاہ کی نذر کے لیے لایا ہے، مرزا منگل کو جو سپاہ کے تمام کاموں میں کل اختیارات دے گئے تھے وہی اس کا سرادار تھا بلکہ وہ گورنر جنرل ہونے کے لائق ہے ساری سپاہ یہی چاہتی ہے۔

۲۸ اگست کو نجات خاں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ اب سازش کا میاب رہی

سپاہی میرے حکم کو نہیں مانتے، تو بادشاہ نے کہا کہ جو سپاہی حکم نہیں مانتے ان سے کہو کہ وہ شہر خالی کریں جو بھتی اگست کو حکیم حسن اللہ خاں کا گھر کو لٹا تو بادشاہ نے سپاہ کے تمام افسروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے مرزا منگل اور نجات خاں کو تمہارا اگناڈر اچیف مقرر کیا تھا، ان میں سے جن کو چاہو انتخاب کر کے اپنا جنرل مقرر کرو، میں تمہارے انتخاب کو پسند کروں مگر یہ پسند نہیں کرنے کا کہ شہر کے باشندے حیران سرگردان ہوں۔ انگریز عادت نہ ہوں مگر ہندو مسلمان تباہ ہوں، سپاہی اپنی شیشی بگھار آ کریں کہ ہم شہر سے باہر انگریزوں کو غارت کرنے جاتے ہیں لیکن وہ پھر شہر کے اندر آ جاتے ہیں شہر کی فصیل ان کی پشت پناہ ہے جو انکو سلامت رکھتی ہے مجھے یہ صاف نظر آتا ہے کہ آخر کو شہر انگریز فتح کر لیں گے اور مجھے مار ڈالیں گے، بادشاہ کے اس کہنے سے یہ افسر متاثر ہوئے ان کو کچھ غیرت آئی، انھوں نے کہا کہ حضور بہا سے سروں پر ہاتھ رکھیں ہم قسینی فتح یاب ہوں گے بادشاہ نے افسروں کے سروں پر ہاتھ رکھا اور دعا دی اور کہا کہ جلد جاؤ اور پہاڑی کو فتح کر دو

۲۹ اگست کو نجات خاں کی ایک عرضی بادشاہ کے حالت یہاں تک پہنچ گئی

پاس لئی کہ بادشاہ کو لوگ جو لڑائی کی صلاح دیتے تھے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پس اس سندہ میں سوا اپنی بریلی سپاہ کے کسی سپاہ سے تعلق نہیں رکھوں گا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں تم سے راضی ہوں تم ہی سپاہ کے سپہ سالار ہو۔

ما : تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ذکار اللہ) ص ۶۸۶



سپرانی (سفرینا) نے یہ شکایت کی کہ ہم نے اپنی جانوں پر کھیل کر ایک بیٹری بنائی تھی کہ لڑائی کے وقت وہ جھنڈ کی سپاہ کی محافظ ہو مگر سپاہی رات کو ان کو چھوڑ کر چلے آئے، انگریزوں نے اسے غارت کر دیا، بادشاہ نے نجات خاں کو حکم دیا کہ وہ اس شکایت پر توجہ کرے غلام معین الدین رسال دار نے بادشاہ کو عرضی دی کہ فدوی ٹونک سے تقریباً پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آیا، ان کو سپاہ کی صورت میں مرتب کیا اور پندرہ سو اور جہادی غازی یا شہید بننے کے لئے جمع ہوئے ہیں کل میں اور میرے ہمراہی حملہ میں شریک ہوئے اور ہم نے اٹھارہ کافروں کو فی النار کیا اور پانچ جہادی شہید اور پانچ زخمی ہوئے جب ہم کافروں سے لڑے تو سپاہ نے ہماری کچھ مدد نہ کی، اگر وہ ہماری امداد کرتے تو خدا کی مدد سے بالکل فتح ہوتی مگر خدا کی مرضی میں چارہ نہیں مجھے امید ہے کہ کچھ ہتھیار لڑنے کے لیے اور کچھ مدد پس خرچ کے واسطے مرحمت ہوگا، جس کے سبب ہماری مرادیں پوری ہوں گی۔

اس عرضی پر ۱۲ اگست کو غالباً مرزا معین نے حکم صادر کیا کہ بالفعل ہتھیار موجود نہیں اگر کہیں سے آجائیں تو اسے بیٹے جائیں گئے، دوسرے کا بھی انتظام ہو کر حوٹا کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا قریبانوں کا جو افسوسناک انجام ہوا، اس کا ایک

بڑا سبب اس میگزین کی تباہی تھا جس کی بربادی نے کامیابی کو

**اسباب ناکامی**

ناکامیابی سے امداد کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا، ظہیر طوی لکھتے ہیں :-

و اُس زمانے میں یہ ستم ہوا کہ شہر کی بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا، اور جس میں سات سو من ابد تھا، ایک حاکم کی تعازی میں اپنے دمنزلہ پر چڑھا، دیکھتا گیا ہوں کہ گند و غبار اور دھواں آسمان سے باتیں کر رہے۔ معلوم ہوا کہ میگزین اڑ گیا، ابد کی عدم موجودگی کی وجہ سے تمام آلات، حرب و بیکار تھے دشمن دواڑ سے پر کھڑا تھا باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی، بادشاہ پہلے ہی سوختہ

ط : تاریخ عروج و مدح انگلشیہ (ذکار اللہ ص ۶۵۶)

جگہ اور سوختہ سالان ہو رہے تھے، مرزا الہی بخش نے کچھ ایسا افسوں کیا کہ قلعہ چھوڑ کر مہالیوں کے مقبرہ میں گوشہ گیر ہونے میں عافیت تصور کی :  
میلن لکھتا ہے کہ : -

” باغی فوج کے سپہ سالار بخت خان نے اسی شب شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہ ان لڑنے والوں کو بھی لے گیا جن پر اس کو اعتماد تھا۔ بخت خان نے ممکن الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں، انہیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ملک کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہیں کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اس کے نام پر جنگ جلدی رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں :“

جزل حملہ بخت خان تھوڑی سی فوج لے کر بادشاہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے بہت

درخواست کی کہ تھوڑے سا تھکے ہوئے بھاگ چلیں، انہوں نے منتشر افواج کو جمع کرنے اور شہر کے باہر انگریزی افواج کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنی خدمات پیش کیں مگر بورٹھ بادشاہ نے ان کی امداد مسترد کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد بخت خان باقی ماندہ فوجیں لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے۔

بخت خان مار کر بھی جیت گیا، بخت خان اس

جواب سے بالکس ہو گیا اور ہونٹ چھتا ہوا مقبرہ

کے شرقی دروازہ سے دریا کی طرف اتر گیا اور فوج کو ساتھ لے کر ایسی جگہ غائب ہوا جہاں آج تک کوئی نہ پہنچ سکا :

ط، تاریخ غدہ (از میلن) :

ط، خدنگ غدہ :

وہ ایسا عاقل آدمی تھا اور اس کی فوج اس کی ایسی اطاعت گزار تھی کہ جب سے اس نے فوج سمیت بنادت کی تھی اور دہلی میں آیا تھا، اس وقت سے دہلی کی شکست تک کبھی اس کا یا اس کی فوج کا کچھ نقصان نہیں ہوا، دہلی نے چند عینے تک جو مقابلہ کیا وہ اس کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھا اور باقی فوجیں ایسی استری کی حالت میں تھیں کہ دو دن بھی مقابلہ نہ کر سکتیں :

بہادر شاہ سے نصحت ہونے کے بعد بھی اس کی عقل نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ایسا روپوش ہوا کہ انگریزوں کے انتقام سے خود بھی بچار ہوا اور اس کی فوج کا ہر ایک آدمی بھی محفوظ رہا، حالانکہ بنادت کا وہی رستے بڑا سرغنہ اور پیشوا تھا، قسمت نے بخت غاں کو ناکام رکھا، ورنہ عجیب نہیں تھا کہ ہندوستان کا آجدار بن جاتا اور انگریزوں کو ملک سے خارج کرنے کے بعد تمیدیوں کی کمزور مہتی کو بھی درمیان سے دور کر دیتا اور دوسرا شیر شاہ تاجپور میں لکھا جاتا :

## مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق خیر آبادی ایک یگانہ روزگار عالم تھے، عربی زبان کے انے ہوئے ادیب اور شاعر تھے، علوم عقلی کے امام اور مجتہد تھے اور ان سب خصائص سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاستدان، منظر اور مکتبہ بھی تھے، مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم و فنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوان حکومت میں پہنچ کر وہ زور رس فیصلے کرتے تھے وہ بہادر اور شجاع بھی تھے غدر کے بعد نہ جانے کتنے سودا اور رزم آرا ایسے تھے جو گوشہ عافیت کی تلاش میں ماے ماے پھر رہے تھے لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کٹے پر نادم اور پشیمان نہیں تھے انھوں نے سوچ سمجھ کیمیدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام و عمل کے نتائج بھگتنے کے لیے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے، سراسمگی، درشت اور خوف یہ وہ چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار اور علم و فضل پر ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب لکھی جاتی لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے، فراموش کر دیئے گئے اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ تھے۔

مولانا کے حالات و مسائل کی کمی کے باوجود جو کچھ بھی مستند طور پر دستیاب ہو سکے وہ مختصر طور پر درج کیے جاتے ہیں :-

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں

غدر میں علماء کا حصہ

علماء نے نمایاں حصہ لیا بقول ایک اہل قلم اور محقق کے :-

مولانا فضل امام خیر آبادی صد الصدوق علی مفتی صدر الدین خان آرزو، مفتی عنایت احمد کاندوی



منصف صدر امین کول دہری، مولانا فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر مہموان مفتی انعام اللہ گوباموئی تاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد، مولانا مفتی لطیف اللہ علیگڑھی سررشتہ دار امین دہری علامہ فضل حق خیر آبادی سررشتہ دار پڑوسی دہلی و صدر الصدور لکھنؤ مہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گوباموئی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی و تحصیلدار گڈ گاؤں مولوی تاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہ یہ سب ایسے وقت کے بے نظیر و عظیم الشان اکابر علماء تھے حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی مسلمانوں کی سلطنت کی بربادی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی موقعہ کا انتظار تھا ۱۸۵۷ء کا وقت آیا تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے والیان ریاست اور اراکین دولت میں افسوس حریت بھونکنے والے یہی تھے عوام کو ابھارنا اور فتویٰ جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔

سر سید احمد مولانا فضل حق کے بارے میں لکھتے

سر سید احمد کا خراج عقیدت

ہیں :-

جناب مولانا مولوی فضل حق : یہ حضرت خلف الرشیدیہیں جناب مولانا فضل امام کے زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر و غرور کا مذاق لکھا ہے اور فکر دقیق سے جب متر کا کو دریافت کیا فخر جہاں پایا، جمیع علوم و فنون میں کیا آئے روز گزار ہیں اور منقطع و عداوت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے، علمائے عصر میں فضلانے وہ لکھا تھاقت ہے جس سے سرگرم وہ اہل کمال کے حضور میں بساط منظرہ آراستہ کر لیں، جیسا کہ وہ اپنے آپ کو یگانہ و فریاد سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف نہا، وہ اپنی کمال کو فراموش کر کے بہت شاکر دی گویا فخر سیجھے

ط : تذکرہ اہل دہلی (سر سید احمد)

تحصیل علوم، تصانیف اور پایہ علم | علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۳۹۷ھ میں اپنے  
آباؤی وطن خیر آباد خیر آباد میں پیدا ہوئے

آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماء عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے درجہ پسر فراز تھے  
دارالسلطنت دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ جلیلہ پر فائز اور دیوبند نعمتوں سے مالا مال تھے  
نسباً آپ شیخ فاروقی تھے، علوم عقلی کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور حدیث کو شاہ عبدالقادر  
سے سنا، قرآن مجید کو چار مہینے میں حفظ کیا، تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت پائی  
دو دور سے لوگ آپ کے درس میں آتے تھے چنانچہ آپ دہلی وغیرہ میں مناصب جلیلہ  
پر مقرر رہے عربی و فارسی میں لفظ وائق وشر فائق لکھتے ہیں چار ہزار اشعار آپ کے شمار کئے گئے  
ہیں اور اکثر قصائد آپ کے مدح آنحضرت اور بھوکھار میں ہیں آپ کے اور اساذی مفتی محمد صدر الدین  
خال صدر الصدور دہلوی کے درمیان بڑی دوستی تھی آپ کی تصنیفات سے (۱) رسالہ یحییٰ لسانی  
فی شرح جوہر الحالی (۲) حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک (۳) حاشیہ افق المبین (۴) حاشیہ تھبث الشفا  
اور (۵) ہدیہ سعیدہ ملک طبعہ (۶) رسالہ تحقیق العلوم والمعلوم (۷) رسالہ روض المسجودی تحقیق حقیقۃ الوجود  
(۸) رسالہ تحقیق الاجسام (۹) رسالہ تحقیق الکلی الطبعی (۱۰) التشکیک (۱۱) رسالہ الہیات تاریخ فتنہ  
ہندوستان وغیرہ ہیں

وفات آپ کی جزیرہ رنگون میں بحالت قید سرکار انگریزی ۱۳۷۷ھ ۱۳ ماہ صفر ۱۳۷۷ھ بحری میں واقع ہوئی

مولوی فضل حق خیر آبادی کی تصنیف مرقات علم منطق  
مولانا فضل حق کے ادوار حیات | آج تک شامل دریات ہے بہت سی کتابیں تصنیف

ط : دیباجہ و دیہ سعیدہ

ط : باغی ہندوستان ص ۱

ط : حدائق الحنفیہ ص ۱

کی ہیں: ریاست پٹیاہ میں لاہور کی پھر دہلی میں صدر الصدور رہے ۱۸۴۲ء مطابق ۱۲۱۲ھ ہجری میں وفات پائی، ان کے فرزند مولانا فضل حق خیر آبادی تھے جو ۱۸۹۷ء مطابق ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے مرزا غالب کے بالکل ہم عصر تھے اور بڑے فاضل اور بے تکلف دوست، دہلی میں سرشتہ دار رہے پھر جھجور اور اندھ ٹوک کی ریاستوں میں ممتاز عہدوں پر رہے لکھنؤ میں بھی صدر الصدور رہے ریاست رامپور میں نواب یوسف علی خاں نے بلایا اور تہذیب اختیار کیا، نواب کلب علی خاں نے بھی کچھ پڑھا، بڑے عالم متحر تھے لہ عربی کے اعلیٰ پایہ کے شاعر۔

سرتیاد احمد خان نے آثار الفوائد میں اور منشی امیر احمد مینائی نے انتخاب یادگار میں مولانا فضل الحق کے عربی قصائد کا انتخاب درج کیا ہے

مولانا غوث علی شاہ قلند واقعہ بیان کرتے تھے کہ علامہ نے ایک ایک علمی لطیفہ | قصیدہ عربی میں امر القیس کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کو سنانے کے لیے گئے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا، اس کے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیئے، مولانا فضل ام بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرط نے لگے کہ بس حد ادب علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر تو ہے نہیں فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ بخیر دار تم سچ کہتے ہو مجھ کو سہو ہوا علامہ عربی کے سوا فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے، فرقی تخی تخلص تھا یہ شعر نقل ہے

فرقی تخی دیکھ رہی بار بار

منہ اسلمانی تا مسلمانان ہنوز

مومن خاں سے تعلقات: مولانا فضل حق کے تعلقات حکیم مومن خاں سے بھی خاصے

ط: داستان تاریخ اہودا حاجن قادری، ص ۲۲۵

ط: تذکرہ غوثیہ (از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی)



گھرے تھے اختلاف فکر و نظر کے باعث کبھی کبھی نوک جھونک بھی ہو جاتی تھی، ذیل کا واقعہ یقیناً دلچسپی پڑھا جائے گا۔

مولوی اسماعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیتے، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق نے مولوی محمد اسماعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی، اتفاق سے بن کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس آگیا، مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے، اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا، اور کہا، تلال وقت دوں گا، چونکہ یہ بات مولوی اسماعیل کے طرز کے خلاف تھی اس لیے مولوی فضل حق صاحب نے یہ کہا کہ میں اسے لیا جواب یہ بات مومن خاں کو یہ بات ناگوار ہوئی، چونکہ گفتگو میں مزاج کد ہو گیا تھا، اس لیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیئے۔

قابل  
تقدیر  
شطرنج

سے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں باہمی سے ہم

آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے، جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ ان کو منانے کے لیے گئے، کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی اس وقت مومن خاں نے یہ شعر

پڑھا

اٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم

پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

اختلاف مسلک کے باوجود مولانا فضل حق

مولانا فضل حق اور مولانا اسماعیل شہید

اس لیے کہ دونوں میں عمر کا کافی تفاوت تھا، مولانا اسماعیل مولانا فضل حق سے تقریباً بیس سال بڑے تھے اور کچھ اس لیے کہ اس خاندان و فضل و کمال سے وہ بھی فیض کر چکے تھے۔ اور زیادہ تر اس لیے کہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی وہ مولانا اسماعیل کے خلوص کے قائل تھے۔

ط : امیر الدایات ص ۱۶ :



مولوی فضل عبدالرشید صاحب غازی پوری رامپور میں مولانا فضل حق صاحب سے پڑھتے تھے یہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے، ان دوست ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا اسماعیل صاحب کے) مستعد ہو جاؤ تمہیں تمہارے استاد سے ان پر برے سنوائیں گے انہوں نے کہا چلو جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسماعیل پر برے سناواں گا، مولوی فضل حق صاحب نے کہا ”اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔“

**سلسلہ ملازمت** | اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا، دہلی میں ریڈیٹنٹ رہا کرتا تھا، اس کے محکمہ کے سررشتہ دار ہو گئے، ابو ظفر دہلی عہد سے دوستانہ مراسم تھے قلعہ میں آتے جاتے دہلی وہ دہلی تھے کہ ایک طرف حدیث و فقہ کا درودورہ تھا، دوسری طرف منطق و فلسفہ کی گرم بازاری، شعر و سخن کے گلی کوچہ میں چرچے بڑے بڑے کہنے مشق شاعر موجود، ان کے ہم سبق مفتی صدر الدین خان آزدہ دوستوں میں موبوی امر بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علومی، حکیم مومن خاں مومن، نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب فیاض الدین خاں شیر شاہ، نصیر الدین نسیم، شیخ محمد ابراہیم، ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمن احسان، میر حسن تنگیں سے اکمال لوگ تھے، شاعر کو مولانا کے یہاں نشست دیا کرتی تھی۔

**تجارت اور کاروبار** | مولانا کو تجارت اور کاروبار سے بھی دلچسپی تھی، اللہ کے دیئے ہوئے لکھنی اونٹ اور عمدہ قسم کے گھوڑے اور امر و لواہی میں اعلیٰ دست خداوندی سے نڈر دیکھتے تھے، آپ ان میں سے تھے کہ تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذریعہ خارج

مل : امیرالہدایات ص ۱۶۱

مٹ : گل رحمت ص ۳۱۲

نہ ہو سکتی تھی ہر مہفتہ ختم قرآن ایک فرماتے، تہجد کی نماز اپنی سدی سے ادا کرتے جو نوافل پر اس وجہ سے  
 کرتا تھا اس کے فرائض کا حال خود سمجھ میں آتا ہے طلبہ پر تفتیق اور ذہین تلامذہ کے پڑھانے پر عرصے تھے ہمارے  
 اور سہل الفاظ میں سمجھاتے کسی کے سمجھانے سے بات نہ سمجھتے بلکہ خود تہ تک ایچھے تعلیم و تدریس میں اپنے جگہ  
 گوشہ اور عام طالب علم میں فوہ برابر فرق نہ کرتے

مولانا فضل جوت نے بوجہ سرکار انگریزی کی ملازمت ترک کر دی۔  
**بہادر شاہ کی عقیدت** | عرصہ کے بعد بید پٹنسی کمشنری میں اپنے آپ کو تبدیل کر لیا مگر  
 یہاں بھی رنگ بے رنگ تھا یہ نازک مزاج واقع ہوئے تھے، احکام تھے، تنہا مزاج، حفظ مراتب  
 کہاں ارباب علم اور بے علم سب ایک آنکھ سے دیکھے جاتے، علامہ نے استعفیٰ دیا، نواب فیض محمد خاں  
 رئیس جھجر نے پانچ صد روپیہ راجہ مصارت کے لیے پیش کیا اور قدروانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا  
 رواجی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم ابو ظفر بہادر نے اپنا بلوس و شالہ علامہ کو اٹھا دیا اور  
 بوقت رخصت ابدیدہ ہو گئے کہا کیونکہ آپ جانے کے لیے تیار ہیں میرے لینے بجز اس کے اور  
 کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کروں مگر خدا علیم ہے لفظ و دایع زبان پر لانا دشوار ہے۔  
 ایک عرصہ تک جھجر رہے پھر ہراجہ اور نے بلوایا، کچھ دنوں — سہارن پور قیام رہا پھر نواب  
 یوسف علی خاں نے رام پور بلا لیا، خود تلمذ اخست یا کیا اور محکمہ نظامت اور مراقبہ عدالتوں میں منسلک  
 کر دیئے گئے، نواب کلب علی خاں نے بھی کچھ آپ سے پڑھا، آٹھ دس برس رہنے کے بعد لکھنؤ چلے گئے  
 وہاں صدر الصد ہو گئے۔

لکھنؤ کا قیام : اب مولانا نے لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی، اور یہاں ایک ذمہ دارانہ

ط : خطبہ بریہ سعیدیہ

ط : باغی ہندوستان ص ۱۳۶ :

ط : انتخاب یادگار میرٹھانی ص ۲۹۱

منصب پر فائز ہو کر اپنے فرائض انجام دینے لگے۔

۲۹ صفر ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ۱۳ فروری ۱۸۷۵ء کو داجہ علی شاہ اختر اپنے والد امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد سرپرارائے سلطنت اودھ ہوئے، ابتداء عمر ہی سے عیش و عشرت کے خوگر تھے، حکمران ہونے پر بھی عدالت نے ساتھ نہ چھوڑا، انجام سلطنت میں ابتری پسید ہوئی

لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل نے دوسرے ہی سال ۱۸۷۸ء میں لکھنؤ پہنچ کر فہمائش کی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک کچہری حنفیہ تحصیل کے نام سے مقرر ہوئی اس کے متم علامہ فضل حق خیر آبادی ہی قرار پاسے۔ مستغنان سپاہ فوج سرکار کہیں سکند ملک اودھ کی زمین سدا رہی کا مقدمہ محکمہ جات شامی میں فیصلہ ہوا کرتا تھا، محو غفلت یا طمع عمال سے یا سرکشی تعلقہ دار سے وہ لوگ اپنے حق کو نہ پہنچ کر ہمیشہ داجہ کو بیدار کرتے رہتے تھے ان کی دادرسی کے لئے حضور تحصیل مقرر ہوئی تھی۔

لیکن اس گراں بار منصب کے باوجود مسند درس سے مولانا نے اپنا تعلق نہیں منقطع کیا

**مسند درس**

مولوی رحمت علی خاں تذکرہ علمائے ہند میں اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں :-

میں نے ۱۲۹۲ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ سحۃ اوشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے۔ اور ایک طالب علم کو افق الجبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔

مولانا فضل حق کی اولاد زینہ میں مولانا عبدالحق تھے جو سراجیہ سے ان کے صحیح باشندہ تھے

**اولاد**

علامہ کی صاحبزادی بی بی سعید النساء (والدہ حضرت مفتی خیر آبادی ابھی بڑی تھیں)

ط : انتخاب ادکار منشی امیر امی میانی

ط : تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۷۲، نجم الغنی خاں رامپوری

ط : اثنی ہندوستان ص ۲۹

ط : غدد کے چند علماء ص ۳۵



حران تخلص فرمائی تھیں یہ مشہور زبان ذو مشعر موصوفہ ہی کا ہے

خانہ یار کا کیا تم کو پست بتلاؤں

دل جیسا مشتاق ہو نہ دیک بھی ہے وہ بھی ہے

غدر کا اعجاز

داجد علی شاہ کی معزولی کے کچھ عرصہ بعد ہندوستان گیر غدر شروع ہوا۔ مولانا فضل حق کو اپنا وطن عزیز تھا وہ اس کی غلامی پر کڑا جتنے تھے وہ اس سے واقف تھے کہ مسلمانوں نے جاہ و جلال کے ساتھ اس ناک پر کم و بیش ایک ہزار سال تک حکومت کی اور یہ حکومت اب اٹل بر زوال و انحطاط ہے اور اس زوال و انحطاط کا سبب انگریز ہیں وہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو ناکالنے کے لیے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے۔ پہنچ غدر جب شروع ہوا تو مولانا بے تامل شریک ہو گئے وہ بہادر شاہ کے معتمد مقرب اور مشیر تھے ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے سامعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں۔ مولانا نے غدی میں دلیری اور جرات کے ساتھ علانیہ حصہ لیا انھوں نے متعدد والیان ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی جس جس والی ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان خود اس کے پاس پہنچے اور اسے آزادی وطن کا واسطہ سے کہ اس جدوجہد میں شریک کرنے کی کوشش کی حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا کی شرکت سے بڑی قوت پہنچی

مولانا فضل حق، جذباتی آدمی نہیں تھے وہ واقعات اور حقائق کو تسلیم کرتے تھے پھر اس سے عہدہ برآ

ہندو مسلم اتحاد اور مولانا فضل حق

ہونے کی کوشش کرتے تھے وہ اپنے مسلک اور عقیدے میں ثابت اور حوصلہ کے ساتھ قائم رہتے تھے خواہ اس پر ایسے میں انھیں کفر کے فتروں سے سابقہ پڑے، یا یا طنز و تشنیع اور ملامت سے۔

مادر: بانگی ہندوستان ص ۴۴



لکھنؤ اور دہلی میں واقعات ایسے پیش آئے جتنوں نے مولانا کی ہر دلعزیزی اور وقار و سنجیدگی پر بہت بُرا اثر ڈالا وہ بدنام کیے گئے، ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر کیے گئے، انھیں بددھن و بدعنوان بنا دیا گیا ان کی نیت اور ذات پر پست اور کیک حصے کیے گئے لیکن وہ اپنی روش پر قائم رہے۔

مولانا کا مستقل عقیدہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہے تو انھیں ہندوؤں سے ہر حال اچھے تعلقات رکھنا چاہیں گے انھیں ہر ایسی حرکت سے اجتناب کرنا پڑے گا جو ہندوؤں کو ان کا دشمن بنائے اور انگریزوں کو مداخلت کا موقع دے وہ اس حقیقت کو محسوس کرتے تھے کہ اگر ہندو اور مسلمان باہم متحد ہوں تو انگریز اس دلیں سے سخت سفر باز بننے پر مجبور ہیں لیکن اگر ہندوؤں بڑی اور غلبہ پر قومیں باہم برسرِ پیکار ہوں تو ان دونوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑے گی اور انگریزوں کی بادشاہت کو ثبات و تنہا حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ مولانا کے زمانہ قیام لکھنؤ میں جو احیاء

مولانا فضل حق مجتہد اور مدبر کی حیثیت سے

کی مسجد کو واقعہ پیش آیا جس کی

باز یافت کے لیے مولانا سید امیر علی شہیدؒ اپنے چند جان نثار ساتھیوں کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے

مولانا فضل حق نے اس جہاد کے خلاف آواز بلند کی، یقیناً ان مجاہدین کی نیت نیک اور ناصحہ حق تھی لیکن کون

غصہ نہیں مولانا فضل حق کی رائے دور اندیشی اور حکمت و تدبیر پر مبنی تھی ان کی رائے اگر ان کی بات اور یہ

معاملہ دوستانہ فضا میں طے کرنے کی کوشش کی جاتی تو انگریزوں کو مداخلت کا موقع نہ ملتا لیکن ان کی رائے

نہیں مانی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے قدم جم گئے مسلمانوں کی حکومت اودھ سے پچھتی ہوئی ہو گئی

گئی اور معاملہ جوں کا توں رہا۔

اسی طرح غدر شروع ہونے کے بعد مولانا نے فتوے دیے کہ گواہی دہی جائے اس فتویٰ کی

توثیق بہادر شاہ کے فرمان تاجی نے کر دی تھی ذکا و دانش سے یہ۔

عد مصلح گوڑگانوں کے زمینداروں کی طرف سے درخواست آئی کہ رائے مصلح ہیں۔

بظلمی جوہر ہی ہے کوئی حاکم انتظام کے لیے بادشاہ کی طرف سے بھیجا جائے۔ بادشاہ نے یہ کام مولوی فضل حق کے سپرد کیا، مولوی صاحب عالم تاجر مشہور تھے وہ الود سے توک ملازمت کر کے دہلی آئے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کے لیے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا، جس کی دفعہ اول یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کیس بادشاہی محلہ اسی میں ذبح نہ ہو، جس پر مولویوں نے ان کا خوب مضحکہ اڑایا، ان کو اس بغاوت کے سبب سے سزا جلادطنی کی ملی بھٹی

مولانا فضل حق اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ اگر ہندوؤں کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ "مسلم" حکومت کیوں گوارا کریں گے وقت کے متعدد علماء تھے ان کا مضحکہ اڑایا لیکن وہ اپنی رائے پر اڑے رہے اور اپنی رائے نافذ کر کے رہے انھوں نے اس کی ذرا پروا نہ کی کہ لوگ ان کے بارے میں کیا مشہور کرتے ہیں

مولانا کی یہ بدشگونی تذبذب اور فراست پر مبنی تھی، ورنہ جہاں تک خوب اسلام و مسلمین کا تعلق ہے انھوں نے اپنی دولت، املاک، جائداد و ثروت حتیٰ کہ جان تک اسی راہ میں قربان کر دی۔ بہادر شاہ کی نظر میں مولانا فضل حق کی کیا حیثیت تھی اور حمات **فضل حق اور بہادر شاہ** اور میں وہ کس طرح جھگڑے لیتے تھے اس کا ملکا سا اندازہ اس

روز نامچے سے ہوتا ہے۔

میرٹھ سے دہلی پر باغی فوج نے ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا بادشاہ دہلی سرگرمیوں کا مرکز بنے، علامہ بھی شریک مشہور رہے غشی جیون لال اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء: مولوی فضل حق شریک عدا ہوتے انھوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورت حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

ط: تاریخ عروج و غروب انگلشیہ (ذکاوالذہن ص ۶۸۷)

۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء : بادشاہ — دربار عام میں تشریف فرما ہوئے مرزا الہی بخش مولوی فضل حق میر سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق آداب بجالائے۔

۶ ستمبر ۱۸۵۷ء : مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ مہتر کی فوج اگر واپس گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔

۷ ستمبر ۱۸۵۷ء : بادشاہ دربار میں آئے حکیم عبدالحق میر سعید علی خاں، مولوی فضل حق، بدر الدین خاں اور دیگر تمام امراء اور درویش شریک بار ہوئے۔

علامہ نے رسالہ توحۃ الہف ربیہ میں لکھا ہے

**غدر کے بعد مولانا کے مصائب**

کہ انگریزوں کے قبضے کے بعد پانچ یوم

تک بھوکے پیاسے مکان کے اندر بند رہے پانچویں روز اہل و عیال اور خدائی زبان سے کہ شرب

میں چھپ کر نکلے دریا عبور کیے میدان قطع کئے نواب صدیق جنگ بہادر کا بیان ہے کہ علامہ

مع متعلقین بھیکیں پود ضلع علی گڑھ آگے اٹھا، روز رہے صحنہ سے مولانا عبدالحق بھی ساتھ تھے۔ نواب

صدیق جنگ بہادر نے مجھے وہ کمرہ بھی بتایا جس میں علامہ فرودکش ہوئے تھے بھیک پود کی گڑھی میں

صبح پر جانب شرق واقع ہے اب مسٹر عبد الصبور خان شیرانی بی تلسے (علیگ) کے تصرف میں

ہے، نواب صدیق جنگ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے، علامہ کے درود اور منگاری ۱۸۵۷ء کے نوسال

بعد بچپن میں والد ماجد اور عم محترم سے یہ واقعات سننے اور فطرت خدا داد کی بنا پر انہیں یاد رکھ

موصوف نے یہ بھی بیان کیا کہ والد ماجد (محمد تقی خاں) اور مولانا عبدالحق میں کافی تعلقات بھی ہو گئے

جو بعد میں خط و کتابت کی شکل میں جاری ہوئے۔

**گرفتاری اور سزایابی :** اگرچہ ملک و کٹوریہ کا اعلان شائع ہو چکا تھا درغہ عمومی کا اعلان کیا گیا

ط ۱ : غدر کی صبح دشمن ہندو ماجیہ ششی جیون لال مسعود ۲۱ء تا ۲۴ء

ط ۲ : باغی ہندوستان ۱۵ء



چکا تھا، پھر بھی مولانا گرفتار کر لیے گئے۔ اور انہیں جس دھام بھوسہ دیا سائے شہر کی سڑا دی گئی۔

**ضبطی الاک جانداد** | معائب کا خاتمہ علامہ کی ذات پر ہی نہیں ہو جاتا۔ اولاد و احفاد کو بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا سب سے بڑی مصیبت

ضبطی جانداد الاک کی تھی علامہ بڑے امیر کبیر تھے دولت دنیا و دین دونوں سے بیرون و در صاحب عزت و وقار تھے احکام وقت شاہزادگان عالی تبار امر اور رسا اور علماء و صلحا بھی عزت کرتے تھے شالانہ زندگی گزار ہی مانتی گھوڑے پالکی نفیس اور دوسری شان و شوکت کی سواریاں ہر وقت دروازے پر موجود رہتیں جب مولانا عبدالحق پیدا ہوئے تو دہلی کے خواص و عوام اور برادرانِ وطن نے بھی بطور اظہارِ خوشی نذرانے اور تحفے لاکھوں روپے کے پیش کئے۔

جرم بنیاد ثابت ہو جانے پر خیر آباد کا سنگین و عالی شان دیوان خانہ اور محل راضیہ کے محلہ خیر خواہی سردار محمد ہاشم سیتا پوری زمرہ اعلیٰ آغا فتح شاہ مشہور پٹنہ سیتا پور اکوڑے ڈیپٹے گئے انہوں نے رئیس کمال پور ضلع سیتا پور جواہر سنگھ کے ہاتھ پانچ سات ہزار میں کوڑیوں کے مول فروخت کر ڈالے عرصہ دراز تک راجہ جواہر سنگھ اور ان کے بعد ان کے بیٹے راجہ سوبھ سنگھ نے اپنی جگہ پر قائم رکھے مولوی حکیم ظفر الحق بن مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ خود راجہ مذکور نے مجھ سے کہا کہ صرف علامہ کی بادشاہی میں نے اسے محفوظ رکھا ہے جب بادشاہ کی کثرت اور غیر آباد حالت میں پڑے رہنے سے شکست و ریخت آنا ہوا ہونے لگے۔ تو ایک انجینئر کو مدستی کے لیے بھیجا تحفہ درتی میں بیس ہزار روپیہ بتایا گیا تو راجہ نے مجھ کو پتہ چل گیا کہ کمال پور منگوا لیے اور کچھ سامان حکیم سید ابوالحسن خیر آبادی مشہور طبیب مسالچ خاص تہنقہ داران اودھ کو دے دیا، دروازہ بطور یاد گار باقی رہنے دیا جو آج بھی صاحبِ مکان کی عظمت و جلالت کا مریضہ زبانِ حال سے پڑھ رہا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے عبرت و موعظت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔

ط : حسرة العلماء بوفاتہ شمس العلماء مولفہ حکیم برکات احمد ڈہلی

ط : باغی حسنہ ستان ص ۱۰



**انڈان کی زندگی** | علامہ اور ان کے ساتھیوں کو کیا کیا تکالیف اٹھانا پڑیں اور انڈان میں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا، رسالہ و قصاید میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے۔ پرنٹمنٹ ایک شریف انگریز تھا، مغربی علوم سے واقفیت رکھتا تھا اور فنِ ہیئت کا بڑا ماہر تھا، اس کی پیشی میں ایک سزایافتہ مولوی بھی تھے انہیں ایک فارسی کی کتاب ہیئت — دی کہ اس کی عبارت صحیح و درست کر دیں، مولوی صاحب نے تو نام چلائیں، علامہ نے نئے دیکھے تھے، ایکسری سال گزرا تھا، ان کی خدمت میں وہ کتاب پیش کر کے تصحیح کی گزارش کی علامہ نے نہ صرف عبارت درست کی بلکہ مباحث میں بہت کچھ اضافہ کر کے حاشیہ پر بہت سی کتب کے حوالے لکھ دیئے، جب یہ کتاب وہ مولوی صاحب پرنٹمنٹ کے پاس لے گئے تو وہ دیکھے کہ حیران و ششدر رہ گیا، کہنے لگا مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے مگر جن کتابوں کے حوالہ میں اور ان کی جو عبارتیں نقل ہیں یہاں کہاں ہیں؟

مولوی صاحب سکڑ گئے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لیکر بارک میں آیا، علامہ موجود نہ تھے، کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرانگل میں رہائے چلے آئے ہیں وہ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھیں میں آنسو بھر لایا، مغفرت کے بعد کلمہ کی میں سے لیا، گورنمنٹ میں

مغفرت بھی کی۔

**فضل حق اور غالب** | خدر کے الم نامہ کو ایک خوبچاں باب اکلار علم و جہاد کی مسیتیں ہیں غالب کے ریکائیٹ میں اس موضوع پر بھی کافی مواد موجود

ہے مولانا فضل حق خیر آبادی و در آخر میں معقول کے اہم تھے۔

دہلی سے روانگی کا وقت آیا تو بہادر شاہ نے جو اس وقت دہلی میں تھے مولانا کو بلا کہ، مثال

لبوس خاص ان کے کندھوں پر بکھ دیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا۔

”تم نے گوئید کے من رخصت سے شوم مراجعہ ایکلہ

چیریم گزیر غیبت اما ایزد وانا داند لے لفظ دواع

از دل بہ زباں نمی رسد لایہ ہزار جبریل

غدر کے بعد مولانا بھی باغیوں کی اعانت سے متم ہوئے اور جس دوا میں دوا کی سزا دے  
کر انڈیا بھیج دیا گیا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

وہ مولانا کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہو اچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مرافعہ میں  
حکم دوا میں جس کمال ہوا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد وریائے مشورہ کی طرف روانہ کرو۔  
چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا، ان کا بیٹا ولایت میں اسپل کیا جا رہا ہے، کیا

ہوتا ہے جو ہونا تھا سو ہوا اناللہ وانا الیہ راجعون

میاں داد خاں سیاح سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے، تو غالب انہیں ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۶ء  
لکھتے ہیں :-

وہ ہاں خاں صاحب، آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو  
مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھے لکھو کہ اس نے رہائی  
کیوں نہ پائی؟ وہاں جزیروہ میں اس کا کیا حال ہے؟ کہ اگر وہ کس طرح ہوتا ہے۔

مولانا فضل حق نے انڈیا میں ۱۲ صفر ۱۳۲۵ ہجری کو وفات پائی، نامہ غالب میں ایک  
موقعہ پر مولانا کے ایک رسالہ سے اقتباس دیتے ہوئے لکھا ہے "فخر الفضل" ختم العلماء امیر الدین  
میلوی فضل حق رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کا حکم رہائی صادر ہوا، لیکن کب؟ جب وہ  
عید ہوئی ذوق و لے شام کو

اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے :-

۱۳۵۹ء میں مولانا فضل حق پر جرم بغاوت عائد کیا گیا اور جس دوا میں دوا کی سزا دے مشورہ کا  
حکم صادر ہوا، لیکن مولانا کے فرزند اور منشی غلام غوث، بیخبر تھے مقدمہ کی پیروی جاری رکھی اور

ط : غالب (غلام رسول ص ۲۷۶)

آخر پانی کا حکم حاصل کر لیا، لیکن تارتیاق از عراق والا مضمون صادق آیا جس وقت پروانہ از ادوی اپنچا اس وقت مولانا کا جنازہ نکل رہا تھا۔ ۱۲۷۷ھ ہجری مطابق ۱۸۶۱ء میں وفات پائی اور انڈیمان میں سپرد خاک ہوئے۔

مولانا ابوالکلام فراتے ہیں والد صاحب نے معقولات کی تکمیل مولوی فضل حق سے کی تھی، اتنا دس میں کبھی ان کا ذکر آجاتا تھا تو فرماتے

**ابوالکلام کی روایت**

تھے میں نے ایسا خوش تقریر انسان عمر بھر نہیں دیکھا مجلس کی تقریر اور درس کی تقریر دونوں میں سب سے اچھے تھے ان کی ایک تقریر وحدت الوجود پر اس قدر شور مچائی کہ دوسرے اہل علم اس کے سنتے کے لیے آتے تھے۔

مشہور شاعر منیر شکوہ آبادی، مولانا کے ساتھ انڈیمان میں جلا وطنی

**رفیق محبس کی یاد** کی زندگی بسر کر رہے تھے کس حسرت سے کہتے ہیں۔

مولوی بے نظیر فضل حق اسم شریف : دہلی سے آکھنوش شہر و موتمن

قیہیں میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ : عین ہند میں تھے غرقہ بحر محن

نصف قسیدہ کیا منے اُنکے رقم : ختم ہوا جب تھے وہ ہمد گود و کفن

**غالب کی تاریخ وفات** : مرزا غالب نے حسبِ یل تاریخ وفات لکھی۔

اے درینا قدوہ ارباب فضل : کرد سوئے جنت المادی خرام

چون ارادت از پے کسب ثروت : جنت سال فوت آن عسالی مقام

چہرہ ہستی خراشیدہ منخت : تابنائے تحسین گروہ تمام

گنہگار اندر سایہ لطف نبی

بازار مشہد فضل امام

ط : داستان تاریخ اردو (حامد حسن قادری) ص ۲۹۶

ط : غالب : غلام رسول جہر

ط : غمد کے چند علماء

ط : سببین (غالب)

ط : باغی ہندوستان ص ۵۵

# مشاہدات غدا

مولانا فضل حق خیر آبادی، نہ صرف منطق و فلسفہ کے امام تھے بلکہ وہ عربی کے بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی تھے۔ وہ عربی زبان پر اہل زبان کی سی قدرت رکھتے تھے۔ ہدیہ سعید یہ محض ایک فنی کتاب ہے لیکن اس کی ایک ایک سطر، مولانا کے ذوق ادب کی تصویر ہے۔ فقرے ساچے میں ڈھلے ہوئے نکلتے ہیں۔ الفاظ موتی کی طرح اپنی چمک و نمک دکھاتے ہیں، انداز بیان کی فصاحت و بلاغت یہ محسوس بھی نہیں ہوتے۔ وہی کہ ہم فلسفہ کے خاں خاں میں باویر پھیلائی کر رہے ہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چمنستان ادب اور حدیقہ معنی کے گامشت میں مصروف ہیں۔

جس دوام بعید و دیارے شور کے عہد پر سخن ہیں، جب نہ عافیت میر تھی، نہ سکون خاطر، نہ قلم پاس تھا، نہ صفحہ قرطاس، مصائب کے هجوم، تکالیف کی یورش، اور آلام هجوم کے غلبہ نے دل و دماغ کی کائنات درہم برہم کر رکھی تھی، عیش و نشاط کی بساط الٹ چکی تھی۔ فارغ الیالی اور امارت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ تنہا، تنہا اور کامرائی کا عہد، دور ماضی بن چکا تھا، یہ عالم ہے بدل اور باطل، کنج قفس میں بیٹھا کوئلہ کو قلم بنا کر پھٹے پرانے کاغذات کا سہارا لے کر اپنے مشاہدات اور روایات قلم بند کر رہا تھا۔

نثر میں بھی اور نظم میں بھی،  
 "الشورۃ الہندیہ"، یعنی بناوٹ ہند کی داستان، وہ داستان، جس کا وہ ایکڑ بھی تھا۔  
 اور تماشائی بھی، اپنے تئیں حقیقت رقم سے صفحہ قرطاس پر ثبت کر رہا تھا۔ اس داستان کا یہ ترجمہ صاف ہے۔ واضح ہے، دل نشین ہے، با محاورہ ہے، لیکن اس میں وہ غنیمت وہ لطافت، وہ فصاحت و بلاغت وہ رعنائ، اور جوش، وہ مٹھاس اور کیفیت کہاں، جو اصل عربی میں ہے، جو فضل حق کی ملک



گوہر ملک سے ملنے والی اور حیات جاوید پا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحہ تاریخ پر ثبت ہو گئی، بہر حال اب  
 وہ مسکن پڑھیں، پیرا گرافنگ میں نے کی، فہمی سخیار بھی میں نے قائم کی ہیں۔

---



افراد پر نظر کرتے ہوئے اپنی رہائی سے مایوس ہے مگر اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہے وہ ایک سیدھا  
سادہ نرم خور مریض و کمزور ہوتے ہوئے بشریہ و بد فطرت کی قید میں ہے اور ظالم و جاہل بد خلق وہہ کردار کے  
منظالم سے حیران و پریشان ہے وہ آفت رسیدہ ایسے مصائب میں مبتلا ہے جو کہ کی سختیوں تک  
قیاس کرنے والے کا قیاس نہیں پہنچ سکتا اور ایسا مفسد و محتاج ہے جو سخت عذاب و اعتبار میں گرفتار ہے  
چکا ہے۔ وہ سنجیدہ و سیوا دل متکون مزاج ترش رو کجی آنکھ گندم گون بال والوں کی قید میں آچکا ہے جس کو  
اپنا عمدہ لباس اٹاکر موٹا اور سخت بادہ پہنا دیا گیا ہے جو اس وقت مجبور و عاجز ہے اور اپنے رب سے  
لو لگتے ہوئے ہے اپنے تمام اعزہ و اقربا سے دور اور مہبت دور ہے مدعی اور متذبح کے بغیر اس پر فیہ  
و مادہ کر دیا گیا ہے وہ اپنے ہم نشینوں اور قادموں کے سامنے شرمندہ ہے اس کے بازوؤں کو سخت تصادم  
سے کمزور کر دیا گیا ہے وہ غمزدہ تنہا اور دور افتادہ ہے اسے اپنی زمین و شہر سے جلا وطن اور اپنے  
اپل و عیال سے دور کر دیا ہے یہ سارا ظلم و ستم ظالم بدکیش نے رعا رکھا اسے اور اس کے بل و عیال  
کو مصیبت کی بجاری میں چھوڑ دیا ہے اسے قید کر کے ہر ممکن مصیبت پہنچائی گئی ہے اس کا قصد صرف ایمان اور  
علوم پر مضبوطی سے قائم رہنا اور علما و اہل اسلام میں شمار ہونا ہے اس سے ان ظالموں کا مقصد نشان  
ورس و تدریس کو مٹانا اور علم کے تختہ سے کوٹھے گرا کر اسے بد صفات و قریا سے بھی ہم نشین مٹانا  
چاہتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس حادثہ فاجعہ (الغلاب شہد) کی وجہ سے ہوا ہے جس نے آبادیوں  
حادثہ فاجعہ کو ویران اور مصیبتیں کی شہر زہن کو شاداب بنا دیا ہے جس سے غموں کے باؤں  
سے کڑکتی ہوئی بھنیاں مصیبت زدگان وطن پر گریں اور ان پر بادشاہوں کو غلام و قیدی اور ادا و محتاج  
و فقیر بنانے والی محتاجی جو نادار کی مسئلہ کو حل گئی یہ داستان الم اس طرح ہے کہ وہ برطانیہ کی نصیبی جن  
کے دل ممالک ہند کے دیہات و بلاد پر قبضہ اور اس کے اطراف و انکسار و سرحدات پر تسلط کے بعد  
عداوت و کینہ سے بھر گئے تھے اور تمام دی عزت ایمان کو ذلیل و خوار کر کے ان میں سے ایک کو بھی اس  
قابل نہ چھوڑا تھا کہ سرنا فرما لی کہ جنہیں دے سکے انہیں نے تمام باغی و جنگجو ہند کو کیا امیر کی غریب

چھوٹے بڑے مقیم و مسافر شہری و دیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی ان کا خیال تھا کہ ان کو نہ تو کوئی مددگار و معاملن نصیب ہو سکے گا اور نہ القیاد و اطاعت کے سوا سرکاری کی جوازت ہو سکے گی۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ سب لوگ انہی کی طرح طح و بے دین ہو کر ایک ہی دین پر جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے انہوں نے ابھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانی سے باشندوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا اس بیٹے پوری ہالفتشالی اور تن دہی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لیا شروع کیا انہوں نے بچوں اور نادانوں کی تعلیم اس اپنی زمان و دین کی تلقین کے لیے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار کا شکاروں سے لیکر نقد دام ادا کیے جائیں۔ اور ان غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے اس طرح بھاؤ کو گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اس پنہاں اور نہ پنہاں کی خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور و معذور ہو کر ان کے قدموں پر پڑے اور خوراک نہ ملنے پر ان نصاریٰ اور ان کے اعمال و نصار کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے ان ترکیبوں کے علاوہ ان کے دل میں اور بھی بہت سے مقاصد چھپے ہوئے تھے۔

**انگریزوں کی زیادتیاں اور شرارتیں** | مثلاً مسلمانوں کو حقنہ کرانے سے روکنا شریف و ہمدون لشیخ خواہین کا پردہ ختم کرنا میر و دوسرے

احکام دین بن کر مٹانا وغیرہ ذالک۔ ایسے ملکی ابتدا اس طرح کی کہ سب سے پہلے اپنے ہمدون مسلم لشکریوں کو ان کے رسوم و اصول سے ہٹائے اور مذہب و عقاید سے گمراہ کرنے کے وسیعے ہوئے ان کا گمان تھا کہ جب بھادور لشکر کی اپنے دین کو بدلتے اور احکام نصرانیہ بجا لائے پرانا وہ ہو جائیں گے تو پھر دوسرے باشندوں کو سزا و عتاب کے ذریعے سے خود ہی مجال انکار نہ ہو سکے گی انہوں نے ہندو لشکر پہلی کو بھی



میں بہت زیادہ تھے لگاتے کی چربی مسلمان سپاہیوں کو جو تھوڑی تعداد میں تھے سو کی چربی چکھانے پر  
 زور ڈالا یہ شرمناک روش دیکھ کر دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے مذہب اور اعتقاد  
 کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت و انقیاد سے منہ موڑ لیا ان کے اس اضطراب نے غرض امن پر چنگاری  
 کا کام کیا گروہ انصاری کا قتل ڈاکہ زنی ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں پر عمل شروع کر دیا بعض لشکری  
 حد سے مجاؤ کر گئے۔

انہوں نے قنات قلبی اور شوریدہ سری کی  
 قنات قلبی اور شوریدہ سری کیا بچوں اور عورتوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا چھوٹے

چھوٹے بچوں اور بہ گناہ عورتوں کی قتل و غارتگری سے رسوائی و ذلت کے متحق بن بیٹھے پھر تمام باغی  
 گروہ لشکریان اپنی چھاؤنیوں سے اپنے افسروں سے بچنے کے بعد جیل کھڑے ہوئے عاتلوں اور حاکموں  
 کے نظام درہم برہم ہو گئے راستوں کے امن میں خلل و فتنہ مخلوق خدا میں غلغلہ و فساد اور دیہات و  
 بلاد میں شور و غضب پھیل گیا طوفان حوادث جوڑ میں آ گیا۔ بہت سے لشکر شہر مشہور بلوچ معمر مکن  
 آل عمید دارالسلطنت دہلی جا پہنچے وہاں پہنچ کر ان سب نے ایسے شخص کو سردار و پیشوا بنالیا جو اس سے  
 پہلے بھی ان کا امیر و حاکم تھا جس کے پاس اس کے ارکان دولت اور وزیر بھی تھے لیکن وہ خود متعین  
 غمزدہ اور نا تجربہ کار تھا عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سپہ  
 بوسہ بھی تو امیر و حاکم ہونے کے بجائے اپنی شریک حیات اور وزیر کا مامور و محکوم تھا اس کا یہ وزیر  
 جو حقیقت میں نصاریٰ کا کار پرواز امدان کی محبت میں خالی تھا صیح معنوں میں حاکم و مالی اور نصاریٰ  
 کے دشمنوں کا شدید ترین مخالف تھا بھی اس امیر و حاکم کے اہل خانہ ان کا حال تھا ان میں سے بعض قریب

۱۔ سراج الدین بہادر شاہ ظفر۔

۲۔ ملکہ زینت محل

۳۔ حکیم احسن اللہ خاں

۴۔ بعض مغل شہزادے

یادگار اور رازدار بھی تھے یہ سب کچھ سب جو جی جانتا تھا کرتے تھے اپنی آزاد پر عمل پیرا ہوتے تھے  
لیکن اس کی امانت کا اراٹے بھرتے تھے اور وہ ایسا بیعت دم تا تجرہ کار تھا کہ کچھ بھائی ہی نہ تھا۔  
اس سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔ کوئی حکام اپنی رستے سے نہ کر سکتا تھا نہ اچھا بُرا سمجھنے کی  
ملاہٹ رکھتا تھا نہ کسی کو خفیہ یا علی الاعلان کوئی حکم دے سکتا تھا نہ کسی کو نفع و ہنر پہنچانے کی طاقت تھی۔

یہ تو سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمان  
**فتوائے جہاد۔ جہال و قتال** کی ایک جماعت علماء و جہاد امداد تھے ایچھا و بے جہاد کا فوجی

کے جہال و قتال کے پیچھے اٹھ کھڑی ہوئی۔ امداد اس نا تجربہ گلاہ سردار نے اپنے بعض اہل قبت اندیش مسند  
عائن اور بزدل اولاد کو اچھو لٹکھنا دیا یہ لوگ جیانتدار عقلمندوں سے متفرق تھے۔ انہیں نہ تو جہال کا راز ہی  
سے کچھ واسطہ پڑا تھا اور نہ کبھی شمشیر زنی اور نیزہ بازی کا بھی موقع ہوا تھا انہوں نے بلالہا سی لوگوں کو  
ہم نشین و چلیں بنالیا اس طرح یہ تا آموزہ کار آمد ملحق اسرات بیاد و غش و غور میں مبتلا ہو گئے۔ دود تگہ ست  
ہو چکے تھے پھر مالدار ہو گئے سبب مالدار ہو گئے تو پیش پرستیوں میں پڑ گئے لوگوں سے کافی مقدار میں مال جمع  
کرتے تھے لہذا ان میں سے ایک جتہ بھی کسی لشکر پر خرچ نہ کرتے تھے جو کچھ وصول کرتے تھے جو دکانے

تھے یہاں تک بھی غنیمت تھا لیکن ان کو تو زمان کا شش و تباہ کارانہوں کی قیادت اور کینوں کی شب  
باشی نے لشکر کے ساتھ رات کو پہنچنے سے روک دیا اور آلات عیش و طرب ملنے آرام طلبی میں قتل و قتل  
سے بھی پیچھے کر دیا ان کے دلوں میں تلعدی اور ذلیل اندیشہ بیٹھ گیا اسی سبب لشکر میں ثابت قدمی  
سے روکا نہ می قسمت نے میہینہ سے اور شمار و کنگری نے میہرہ سے باز رکھا ان کے خوشامدی اور نازاری  
ہم صحبتوں نے رات کو پچھلا دستہ سے بھی پیچھے رکھا ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب کسی اہل کو کوئی بڑا کام پرو  
کیا جاتا ہے اور کمزور پر بھاری بوجھ لگا دیا جاتا ہے وہ رات سو گیا اور دن بدست ہو کر گزارتے جب بیدار

۱۔ مولوی ابوسعید متقی وغیرہم

۲۔ مرزا مغل و خضر بلخان وغیرہما

وہیشار ہوتے تو غافل و حیران پھرتے تو بت بایجا سیدہ انصاری کا لشکر ان پر آکر ٹوٹ پڑا ایک بلند پہاڑی پر چڑھ کر اسے شہر کا رخ کیا شہر کا محاصرہ کر کے خندقیں کھود ڈالیں پہاڑی پر تو ہیں اور منہ نہیں نصب کر کے شہر پناہ اور مکانات پر گولہ باری شروع کر دی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بجلیاں اور تار سے ٹوٹ ٹوٹ کر عمارتوں پر گر رہے ہیں۔ ہندوستان کا برصغیر اور باغی لشکر مختلف ٹولیلوں میں تقسیم تھا بعض گروہ کا کوئی جنرل ہی نہ تھا بعض کو جاسے پناہ بھی ملتی رہتی تھی بعض کی ہلاکت فقر و فاقہ نے سب کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا دیا گیا کچھ تھوڑا سا مال غنیمت ہاتھ لگنے سے بے نیاز ہو گئے تھے کچھ ترسان و لرزل قلب کے ساتھ بھاگ بھوٹے تھے بعض طفیلیانوں اور سرکشی سے بدکار عورتوں پر قبضہ جما بیٹھے بعض نے میدان جہاد کے تنگ و سخت فوجی کپڑے پہن کر صفوں جنگ میں داخل ہونے کو برا جا مارت ایک گروہ انصاری کا جواب دیتے ہوئے بہادری سے لڑتا رہا۔

**انصاری کا دھواں اور پوریش** انصاری جب دھوٹے دھتے تھک گئے اور پست ہو گئے غولی ہندوؤں سے مدد و معاونت کے طالب ہوئے ہندوؤں نے

بھڑکے اور ساز و سامان حرب سے تھوڑی سی مدت میں اپنے دھپے مدد کی تب تو انصاری نے سخت لڑائی ٹھان دی انھوں نے پہاڑی پر بہت سا لشکر اور مددگار و معاون جمع کر لیے ان کے لشکریوں میں گورے منہ کے گروہ بھی تھے اور ذلیل ترین ہندو اجیر بھی اور بد بخت و بد کیش بھی جو ایمان کے بعد انصاری کی محبت میں مرتد ہو کر اپنے دین کو چند سکون کے بالعوض بیچ چکے تھے ہزاروں شہری بھی انصاری کی محبت کا دم بھرنے لگے لکھ تمام ہندو ان کے ساتھی ہو گئے مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے ایک گروہ تو ان (غیر پاکیزہ) کا جانی دشمن تھا بعد گروہ ان کی محبت میں اس درجہ غلبہ رکھتا تھا کہ اس نے ہندوستانی لشکر کی بربادی مجاہدین کی شوکت و وقار کی خواہی اور ان کے قلع و قمع کرنے میں مکرو حیلت سے کئی کئی اٹھار کھی تھیں ان کے اندر افتراق و انشقاق بھیلانا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا پھر تو انصاری شہر اور اس کے چھانکوں و باغوں

سے پہاڑی دھیرج



اور محافظوں پر حملہ کرنے لگے اور جماعت مجاہدین اور لشکریوں کے ایک بہادر گروہ نے ان کے حملوں کو روکا اور ان کے مقاصد میں مائل ہوتا اپنے لیے اہم ترین فرض قرار دیا دن رات پیدل اور سوار داد و شجاعت دینے لگے چار مہینے تک متواتر جنگ ہوتی رہی۔

دشمن اس مدت میں کثیر لاولشکر اور ساز و سامان کے باوجود **دشمن سے زوردار مقابلہ** شہر میں داخل نہ ہو سکا جب بھی حملہ کرتے تھے روکے

جاتے تھے جس وقت اقدام کرتے تھے لوٹانے جاتے تھے بہادر اور نگہبان غازی بڑے زور شور سے لیٹار کو روک رہے تھے ملافت و مبارزت میں خوب خوب جوہر دکھاتے تھے مقابلے میں ثابت قدم تھے اور ہر پیش قدمی کرنے والے پر آگے بڑھ کر حملہ آور تھے ان میں سے بہت سے جاہل شہادت پیکر سعادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ نیکو کاروں کے لیے بہشت عوریں اور اس سے بڑھ چڑھ

کر بھی نصیب ہیں اب مجاہدین کی ایک مختصر جماعت باقی رہ گئی جو بھوک پیاس برداشت کر کے رات گزارتی اور صبح ہوتے ہی دشمن کے مقابلہ پر ڈٹ کر نبرد آزما ہوتی لشکریوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر ہی شہر و پناہ کی حفاظت اور شہری سرحدات کی نگہداشت کرتی بد قسمتی سے ایک شب کو پہاڑی کے عاڈی کین گام پر ایک عیش پرست ہزدل اور کسلہ جماعت مقرر کر دی گئی وہ اپنے ہتھیار امار کر آرام کی نیند سو گئی دشمن نے موقع غنیمت جان کر شعلن مارا اور ہتھیاروں پر قبضہ کر کے اسے قیامت تک کے لیے سلا دیا جب نصاریٰ نے اس کین گام پر قبضہ کر لیا تو بہت سی توپیں اور مخفیاتی نزدیک ترین شہر پناہ اور قریب ترین برج پر ان کے گرانے اور عاڈی چھانک کھولنے کے لیے لگا دیں دن رات گر پھول اور بندو قوں سے گولیوں کا سینہ برسا مار شروع کر دیا جس سے شہر پناہ کی دیوار اور برجوں میں شگاف پڑ گئے چھانک گر پڑا اور امیدوں کے رشتے ہاتھ سے چھوٹ گئے مائل پر وہ درمیان

اے ہزل نبت خان رو ہیلہ اور شاہزادہ فیروز شاہ وغیرہ۔

۲۷ مئی ۱۸۵۷ء تا ستمبر ۱۸۵۷ء



سے اٹھ گیا کوئی لشکر اٹھنے بیٹھنے کی وہاں قدرت نہ رکھتا تھا نہ دیوار پر چڑھ کر بھانک سکتا تھا جو بھانک سکتا تھا گوئی کا نشانہ بن کر خندق میں جا پڑتا تھا۔

**لشکر نصاریٰ کی حیل** اب نصاریٰ نے یہ چال چلی کہ ایک لشکر دوسرے دروازے کی طرف

بھاڑ کیا تاکہ دوسری طرف سے حملہ محسوس کیا جائے یہ دیکھ کر مجاہدین اور لشکریوں کا گروہ ادھر متوجہ ہو گیا اور دشمن کا مکر نہ سمجھتے ہوئے وہاں مدافعت میں مشغول ہو گیا۔ یہ موقع پا کر نصاریٰ اور ان کا لشکر اسی گروے ہوئے بھانک ٹوٹی ہوئی دیوار اور منہدم برج سے داخل شہر ہو گئے وہاں انہیں کوئی مزاحم اور مدافع نہیں ملا پس وہ تلاش کر کے ان لوگوں کے گروں میں پہنچ گئے جو پہلے ہی سے ان کے معاون اور مددگار بن چکے تھے انہوں نے فداً ان کی حفاظت کا گھروں میں انتظام کیا اور جلد جلد پہلے سے تیار شدہ ضیافت سے نوازا انہیں خوب پیٹ بھر کر رشتہ اور دودھ کھلایا پلا یا اور تمام ضرورت کی چیزیں مہیا کیں۔ مکانوں کے دروازے بند کر کے دیواروں میں روزن کر دیئے

تاکہ جو باغی ادھر آئے اس پر گولی چلا کر مار ڈالتے اور مقابل کا ان پر کوئی ہلکا نہ چلا تھا۔ وہ فرصت کے منتظر رہتے تھے کہ موقع پا کر اپنے دوستوں کے گھروں کی طرح دوسرے گھروں میں بھی پہنچ کر انہیں شب و روز کی آرام گاہ بنائیں۔ لیکن وہ لغز جب بھی نکلتے پکڑ کر قتل کر دیتے جاتے اس لیے جہاں انہیں مقابلہ کا اندیشہ نہ تھا وہاں بہت کم نکلتے اس کے باوجود انہیں پہاڑی سے مسلسل مدد پہنچ رہی تھی اور ہر عیسائی دوست ہندو ان کی مدد میں پیش پیش تھا بڑی مصیبت یہ آپڑی تھی کہ شہر میں کوئی جائے پناہ نہ تھی اور نہ حاکم ہی رہا تھا۔ کیونکہ حاکم راجہ شاہم اپنی اہل و عیال کو لیکر شہر سے عین میل دور مقبرہ میں جا چکا تھا وہ دراصل اپنی بیگم اور خاتن و وزیر کا مطیع تھا جس نے کذب و بہتان سے کام لے کر دھوکے میں ڈال رکھا تھا اس نے یہ کہہ کر بادشاہ کو بھلا دیا تھا کہ نصاریٰ تابعین ہونے کے بعد اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اسی کو بزرگی اور مہرمانی بخش دیں گے۔

سہ مقبرہ ہمالیہ

## فریب غلام بادشاہ

وہ فریب خوردہ ان شیطانی و مصلحتی اور ابلیسی آرزوئوں پر خوش تھا بادشاہ کے ساتھ اس کے تمام امراء و متعلقین بھی اپنے اہل و عیال کو لیکر گھروں میں مالی و معاشی چھوڑ کر چلے گئے تھے ان سب کے شہر چھوڑ کے جانے سے شہر خالی پر سلاسی و رعوبی ملائی ہو جانا قدرتی امر تھا سرحد و مارت لوگ بھی مکان چھوڑ بھاگے جب شہر کے مکان لکینوں سے خالی ہو گئے تو نصاریٰ اور ان کا لشکر ان میں داخل ہو گیا انہوں نے مال و متاع لوٹنا باقی ماندہ ضعیفوں کی اور عورتوں کو قتل کرنا شروع کیا بہا دھان شہر میں سے ایک بھی ایسا نہ بچا تھا جو ان کا کسی اعتبار سے مقابلہ کر سکتا۔ باغی لشکر ان میں سے بعض تو نصاریٰ کے قبضہ سے پہلے ہی بھاگ گئے بعض قبضہ کے بعد ثابت قدم نہ رہ سکے بعض کئی بار شہر میں مصروف کارزار رہ کر بے دم ہو چکے تھے اب بیسویں اور دوسرے ہندوؤں جو نصاریٰ کے دوست تھے اور بادشاہ کے ان کا پر واز قتل نے جو مجاہد گروہ کے دشمن تھے ایسی تدبیر سوچی جس سے شہر خالی اور لشکریوں کو ہلاک کر سکیں انہوں نے وہ سب غلام جو بیسویں کے پاس تھا چھپا دیا اور دیہات اور قصبات سے جو ان کے پاس آنا رہتا تھا وہ رکھ کر یہ تدبیر کارگر ہوئی لشکری اور شہری بھوک پیاس سوزش اور بے چینی سے دن رات گزارنے لگے بالآخر مجبور و پریشان ہو کر بھاگ چھوڑے پھر تو نصاریٰ نے شہر کے پھانک شہر بنچاہ مکہ بازار اور مکانوں پر کل قبضہ جما لیا اس وقت دہلی میں میرے اکثر اہل و عیال موجود تھے اور مجھے بلایا بھی گیا تھا ساتھ ہی فلاح و کامیابی کٹکٹ شادمانی کی امید بھی تھی جو کچھ ہونے والا تھا میں نے دہلی کا رخ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر اہل و عیال سے ملا اپنی عقل اور فہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رستے اور مشورہ سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی۔ جب نصاریٰ کا شہر پر اچھی طرح قبضہ ہو گیا اور کوئی لشکری و شہری باقی نہ رہا غلہ اور پانی و شمنوں کے

۱۔ مرزا الہی بخش وغیرہ

۲۔ مولوی شمس الحق اور ان کی والدہ وغیرہ

ظلم و استبداد کی وجہ سے ناپید ہو گیا تو پانچ شانہ روزا سی حالت میں گزارا اپنی عزیز ترین نایاب خاتون  
 مال واسباب چھوڑ کر دربار داری کا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے، خدا پر مہر و سر کے اہل و عیال کو با  
 لے کر نکل کھڑا ہوا۔ شہر اور اس کے مال و دولت پر سفید و لشکریوں کے ذریعہ قابض ہو کر تمام  
 تر تو جہر بادشاہ اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کے پکڑنے کی طرف مہل ہوئی۔ ان سب نے اب تک  
 اپنا مستقر (مقبرہ) نہ چھوڑا تھا تقدیر الہی نے وہیں برقرار رکھا تھا انہیں اپنے چھوٹے اور مکار وزیر کی  
 کذب بیانی پر اعتماد تھا وہ اس مقبرہ میں بڑے خوش اور ملنے تھے مخدوم بنے ہوئے دن گزار رہے تھے  
 اس فریب خوردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسرت کشیدہ دل پیسہ بیٹوں اور  
**قریب خود بادشاہ** پوتوں کے ساتھ پانچ بھیر شہر کی طرف لے جایا راستہ میں بیٹوں اور  
 پوتوں کو کسی سردار نے ہندوق کا نشانہ بنا دیا دھڑوہیں پھینک کر سروں کو خزان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے  
 تحفہ پیش کیا پھر ان سروں کو بھی کھل کر پھینک دیا بادشاہ کو گورے منہ سیاہ دل گندمی ہل اور کھنٹی، گند  
 و لعل کی حراست میں سوئی کے سوراخ سے بھی تنگ کو ٹھری میں مقید کر دیا پھر اس وسیع ملک سے  
 نکال کر دور دراز جزیرہ میں پہنچا دیا بادشاہ کے ساتھ اس بیگم کو بھی روانہ کیا جو نصاریٰ کی اس وقت  
 بھی مطیع و دوست تھی جبکہ وہ حقیقت میں ملکہ تھی وہ اپنی ارزوں (بیٹے) کو جانشین بنانے میں ناکام رہی  
 اس کا جمع کردہ مال بھی چھین لیا گیا وہ زینت بننے کے بعد ہر صورت اور حفاظت کے بعد ہر جہت سے  
 بادشاہ کی قوم میں سے جو بھی ملتا اس کی گردن مار دی جاتی یا پھانسی دی جاتی جیسا کہ وہ سے لوگوں  
 کے ساتھ بھی عمل کیا گیا ان کمزوروں میں سے وہی پنج سکا جرات میں بھپ رہا دل میں نظریں بچا کر تیزی  
 سے بھاگ گیا اور ایسے خوش نصیب بہت کہ تھے پھر نصاریٰ نے شہر کے مرد و نواح سے مسکوں اور  
 مرداروں کو قتل کرنا ان کی جائیداد غنائم مویشی مال و متاع ہر تھی گھوڑے، گشت اور بھاریوں وغیرہ کو لوٹنا  
 شروع کیا اس پر کشتیاں کھدان کے اہل و عیال کو بھی قتل کر دیا حالانکہ یہ سب رعایا بن چکے تھے اور یا

سلطنت مشرقیہ میں نے مرزا مغیر اور مختصر سلطان وغیرہ معانہ کوئی کا نشانہ بنا دیا تھا۔  
 شہر گندمان



سے فرمانبردار بن ہی جاتے انہوں نے تمام راستوں پر چوکیاں بٹھا دیں تاکہ بھاگنے والوں کو پکڑ کر لایا جلتے ہزاروں بھاگنے والوں میں تھوڑے سے ہی پنج پڑے باقی سب پکڑے گئے۔ ان لوگوں کے پاس جو کچھ چاندی سونا نکلتا پہلے تو وہ چھین لیتے پھر چادر تہ بند قمیص پا جامہ جو کچھ ہاتھ لگتا نہ چھوڑتے اس کے بعد افرول کے پاس پہنچا دیتے وہ ان کے لیے قتل باپچالسی کی سزا کا فیصلہ کرتے جو ان بوڑھا ٹریفٹ اور ذیل سب کے ساتھ بھی سلوک ہوتا اس طرح پچالسی پانے والوں اور قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ظالموں کے ظلم کا شکار اکثر و بیشتر مسلمان تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ رعایت و مروت | ہندوؤں میں سے صرف وہ مارے گئے جن کے متعلق دشمن و معاند ہونے کا حشر تھا اور

مسلمانوں میں سے فقط وہ بچ سکے جو کسی نہ کسی طرح وہاں سے ہجرت کر گئے تھے یا وہ جو نصاریٰ کے ناصر اور اپنے دین و مذہب میں تادم تھے یا وہ جو ان کے جاسوس اور اللہ کی رحمت سے مایوس تھے انہیں میں سے بادشاہ کا وہ عاثر بھی تھا جس نے نصاریٰ کو مسئلہ کر کے حاکم بنایا تھا لیکن اسے امیدوں کی عرومی اور ناکامی کی حسرت کا غم اٹھانا پڑا اس کا حال متغیر ہو گیا زمانہ میں ذلیل و خوار ہو کر بیا دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان میں رہا اور یہی کھلا ہوا نقصان ہے اُدھر نصاریٰ نے ماتحت ہندوؤں کے پاس پیغام بھیا کہ جو شخص بھی تمہارے علاقہ میں سے گندے اُسے پکڑ لیا جائے ان ہذا طوروں سے کافی تعداد میں مافول اور مہاجروں کو پکڑ کر نصاریٰ سرداروں کے پاس پہنچا دیا ان ظالموں نے سب کو مار ڈالا نہ کوئی عالی خاندان کا فرد بچ سکا اور نہ کسی ادنیٰ انسان کو چھٹکارا نصیب ہوا پھر اطراف و اکناف ملک میں لشکر بھیجے جنہوں نے قتل و غارتگری کی انتہا کر دی اس ابتدہ عظیم میں پردہ نشین خواہن پیدل نکل کھڑی ہوئیں ان میں بوڑھی اور عمر رسیدہ بھی تھیں جو تھک کر عاجز ہو گئیں بہت سی خوف کی وجہ سے جان دے بیٹھیں۔

مشرقی شہروں اور دیہاتوں پر انگریزی دھاوا | اس کے بعد نصاریٰ کی توجہ مشرقی شہروں اور دیہات کی طرف مبذول

اے حکیم امن اللہ خان۔



ہوتی وہاں بھی بڑا فساد مچا یا قتل غارتگری اور بچا لسی کا بازار گرم کر دیا بے شمار مرد اور پردہ لہنیں مستورات  
 موت کے گھاٹ اتر گئے اور سینکڑوں ہزاروں رعایا کے آدمی مار ڈالے گئے میرا کیا پوچھنا میں اپنے  
 وطن مالوت دخیل آبادی کی طرف چلا جا رہا تھا راستہ خوشنک اور گھنڈا اندوہناک تھا میرے اور وطن کے  
 درمیان کتنی خوف و خطر سے بھری ہوئی منزلیں تھیں نعمانی اور ان پر لکھنؤ رات تلاش و تجسس میں  
 سرگرداں رہتا جاؤں کو مسافروں کے ہار ڈالنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی تھی انہوں نے مارے نہ کہے نہ  
 کر سکے تھے کسی گھاٹ پر کوئی کشتی یا ناؤ تک نہ چھوٹی تھی کشتیوں کو پھاڑ ڈالتے بلکہ خراب کر کے غرق  
 کر دیتے یا جلا ڈالتے ملا حمل کو روک دیا تھا کہ کوئی سیاح یا مسافر کسی وقت بھی اور سفر سے نہ گذرے نہ  
 مالک ملک نے مجھے اور میرے متعلقین کو ہر مصیبت و ہلاکت سے محفوظ رکھ کر رکھل اور کشتی کی مدد سے  
 بغیر دیواروں اور نہروں کو عبور کر کے نہات دی اور ہم سب کو امانت سافات مہالک ملک عواض آباد  
 اور معائنہ گندگاہ سے معنوں و مامون رکھا اور اپنی پودنی حفاظت کا ل حمایت سکھ نعمت اور بے شمار تحرت  
 کے ساتھ ہمیں اپنے جوار و دیار اور احباب و رشتہ دار تک پہنچا یا ہم خدا کی اس بے پناہ عنایت اور تہم  
 امانت سے حفاظت پر اس کا شکر بجالائے۔

**دائستان لکھنؤ** نصاریٰ نے باغی گروہ اور ہمارے فوج کے متعدد لوگوں نے اپنے سابقہ دہلی کی ایک  
 بیگم اور اس کے ایک تابعہ کا اور نام بھدری کے کو انیر و حام بنا ڈالا نصاریٰ  
 نے اس دہلی سے اس کا ملک بچھین لیا تھا وہ ٹھانڈی و لاہی تھا عیش طرب میں منہمک انتظام مکنی سے  
 غافل عقل و خرد سے بیگانہ اند فطرت غبد و مینان میں یگانہ تھا نصاریٰ کی عسکری و ستم جو نے پردہ کد مکر  
 گئی اس کا لڑکا چھٹا نا تجربہ کار تازہ پردہ ہمساز کے ساتھ کھینچنے والا اور لا پرواہ تھا رند میرا مومن

سے واجد علی اختر - بادشاہ اودھ

سے حضرت محل - ملکہ واجد علی شاہ

سے برجلیں قدر - واجد علی شاہ مالو غریبا -

اجرا احکام اور قیادت فوج کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اس کے اعیان سلطنت اور ارکان دولت سب کے سب نا اہل سست بزدل احمق خائن اور غیر دیانتدار تھے اکثر ذلیل اور بعض بدگمان زرتھے ان میں سفید عیثیٰ پرست نادان بلند آواز سست منافق چرب زبان ذلیل غلام نادہ حیران دہریشان ظالم و جابر حیل ساز و متکبر خائن و مکار بندہ ززعیب جو کبھی قسم کے لوگ تھے بعض ایسے بھاگنے والے مدبر تھے کہ ان کی تدبیر تباہی و بربادی و ادیار کی طرف لے جاتی تھی اور صاحب نظر افراد کو عبرت کے عجیب عجیب مناظر دکھاتی تھی ان میں سے اکثر نصاریٰ کے معاون و مددگار اور محب منا شمار تھے اور یہ سب کے سب دشمن کی ہلاکت خیز تدبیروں سے ناواقف اور ان کی مصلحت اندیشی سے بے خبر تھے نصاریٰ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ شہر نہیں محصور مگر مخالف گروہ کی ناقص تدبیروں کی وجہ سے اپنے مکانوں میں محفوظ تھے۔

**نصاری کی جنگی تدبیریں** نصاریٰ نے خندقیں کھود کر اور حصار بنا کر ان مکانوں کو قلعہ کی شکل دے لی تھی مقابل لشکران پر حملہ آور ہو کر پسا ہو جاتا تھا جو کچھ کہتا وہ نہ پاتا تھا۔ اسی حالت میں محصورین کی امداد کے لیے سفید رو گروہ آگیا شہر میں داخل ہونے لگا۔ تو بہادر غازیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا بہت سے گورے مارے گئے باقی ماندہ دل شکستہ اور حسرت زدہ ہو کر محصورین تک پہنچ گئے پھر تازہ دم ہو کر یہ مکانوں سے نکلے تو بزدلی اور کوتاہی کی وجہ سے کوئی مقابلہ نہ آیا نصاریٰ نے شہر سے دو میل دور باغ پر قبضہ جما لیا اور قوت و بہادری سے اسی کو اپنا گڑھ بنا لیا دہاں ند پر ند اور سامان پر سامان جمع کر لیا وہ لشکر جو پہلے ہی سے شہر میں موجود تھے اور وہ جو دہلی سے بھاگ کر بیگم کی پناہ میں آ گئے تھے جن کو مالک نے نذر و منزلت کے ساتھ جو جو بخشش سے

۱۔ مومنان وغیرہ

۲۔ لکھنؤ۔

۳۔ ہلی گار۔ انگریزوں کا سب سے محفوظ اور مضبوط قلعہ

۴۔ جنرل نجات خان و شہزادہ فیروز شاہ وغیرہ۔

نوادا تھا اور تنخواہ طر سیاہیوں کا وہ جم غفیر جو حرب و ضرب سے نا بلدا سلمہ بندی سے ناواقف اور  
مصلحت و معرکہ سے نا آشنا تھا یہ سب اس باغ پر خد تیں کھو کر اور کین گاہ بنا کر جا ڈٹے دونوں  
فریقوں میں ایک مدت تک معاہدہ اور مقابلہ اور نیزہ بازی اور تیر اندازی ہوئی رہی۔

**انگریزوں نے نیپال سے مدد مانگی** | تنگ آ کر نصاریٰ نے پہاڑوں کے والی سے مدد مانگی  
اس نے اس کی آواز کے مطابق ۳۰ ہزار سے زیادہ

پہاڑی لشکر بھیج کر مدد کی اب تو نصاریٰ ان کی گوری فوجوں کو اپنی سپاہیوں اور لالچی معاہدوں سے ایک  
ساتھ عمدہ کر دیا یہ حملے بڑے سخت متواتر اور مسلسل تھے جنہوں نے مقامات کین گاہ کی جگہ سے ہلا دیا اور ان

کے پائل اکھڑ سیے اور کین گاہوں سے ایسی بڑی طرح بھاگے کہ شہر کی سرحدوں پر بھی نہ ٹھہر سکے بلکہ اور

اس کے لڑکے کو تنہا محل میں چھوڑ بھاگے ان دونوں سے وقت پر بہت سے ارکان دولت اور اعیان سلطنت

لے دغا کی۔ اور وہ دیہاتی جوان کے علاقہ سے ان کی مدد کی اعانت عزت و آبرو مال و دولت کیسے لے گئے تھے

عہد شکنی کر کے اور کفر کو ایمان سے بدل کر منافق بن گئے نصاریٰ کی موافقت و مفاقت کرنے گئے نصاریٰ

مع محامدین شہر میں داخل ہو گئے شہر کے رہنے والے گھروں کو خانہ کر کے نکل گئے نصاریٰ اور ان کی گوری

فوج اور مددگاروں نے اس محل شاہی کا جس میں مائتھی عمارت کر لیا بیگم اپنے دلی عہد اور دو سہیلیوں کو نیکر

حصہ محل کی پشت سے نکل کر دوسرے محلہ میں تیزی سے پیدل پہنچ گئی بین دان شہر میں رہ رہا گئے

ہوئے لشکر کو واپس کرنے اور اس سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی وہ لشکر ایسا دہشت زدہ ہو چکا

تھا کہ کس عورت سے اس نازک موقع پر دشگیری کو تیار نہ ہوا نہ ان میں سے کوئی متنفس لوٹا اور نہ

شہر بھر میں کہیں جاتے پناہ ہی رہی۔

**چٹیل میدان بے آب و گیاہ جنگل** | آخر کار بیگم اپنے اعیان و انصار سے بالورس ہیکرو میعبہ  
اور چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر چٹیل میدان دور بے

سے ہما ماجہ نیپال۔ قوم کا دشمن۔ انگریزوں کا خیر خواہ



اب دگیا جنگل کی طرف چل کھڑی ہوئی اب اس کے گرد کمزور سواہلوں کی کچھ جماعتیں پھیل مرووں کا انبوه کثیر  
شہریوں اور عزت دار عورتوں کی کافی تعداد اکٹری ہو گئی وہ شہری ننگے بدن اور ننگے پاؤں تھے حالانکہ سردیوں  
میں سے تھے اور عورتیں ننگے پاؤں اور بے پردہ تھیں حالانکہ گرامی قدر پردہ نشیں اور محل سراہوں کی رسبہ  
حلی تھیں وہ مہربز و شاداب خطوں سے پھیل میدلوں کی طرف پھینک دی گئیں وہ پیوندوں کے پیرے  
ہیں کرت پر پشی کرتی تھیں اور برقعے نہ ہونے سے اسی پر اکتفا کرتے تھے ایک میدان سے دوسرے میدان میں  
پہنچیں۔ سبہرودگی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتی تھیں پھر دور دراز  
جنگل اور پرخطر میدان میں ڈال دی گئیں۔ ان لوگوں کو محلات پرانے کا ہیں اور ریاستیں چھوٹے ناٹھیں حالانکہ وہ  
ان سے خدا بھی بڑا نہ چاہتی تھیں۔

یہاں تک کہ حال متغیر و بال نازل اور ہلاکت عام ہو گئی یہ ایسی  
عام ہلاکت اور بربادی

غلام مالداروں کو فقیر و مسکین اور شریفوں کو غار و ذلیل بنا دیا جو اپنے اہل و عیال میں آرام و آسائش کی  
کی زندگی بسر کر رہے تھے خوش حال اور فارغ البال تھے کہ مجبور ہو کر نکلنا پڑا فقیری و تنگدستی نے ہنسیوں  
کی مجالت اور اضطراب و اضطراب نے برابر والوں کی رفاقت سے دور کر دیا رونے والے آہ و رازی نہیا  
فریاد و شیون کرتے آندہ منہ پلاتے اور حسرت کشیدہ انا للہ پڑھتے بچے اپنی ماؤں کے سینوں سے قبل  
از وقت جدا کر دیتے گئے تھے بڑے اور بھان صاحبوں کے پورا کرنے سے ناامید تھے نہ انکا کوئی ٹھکانہ تھا  
نہ بیماری کی دوا تھی ان کے دل خالی تھے ان میں نہ کوئی خواہش تھی نہ انہیں کوئی بات بھاتی تھی زندگی اور  
موت ان کے لیے دونوں برابر تھے وہ مسرت شادمانی تخت شاہی و دیباچ و حریر میوسے خوش طبعی عیش و  
عشرت لطافت و زراعت و نصرت نعمہ و سرور مال و دولت شیرگانی و مروت میں پلے سکتے آج ان  
کی راہ میں کانٹے ہیں سانمان و زاد راہ کا پتہ نہیں کپڑے بوسیدہ ہیں عیش و راحت میں کوئی حصہ نہیں  
اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں معاف کرے اور ظالموں کو سخت گرفت میں لے۔

ملکہ حضرت محل کی سرگزشت | پھر والیدہ یعنی حضرت عالیہ اس لشکر کو بوجھاگ کر اس کی پناہ



میں آگیا تھا اور دوسرے ساتھیوں کو یکراٹے دریاؤں اور نہروں سے گزری جس سے بغیر کشتی کے عبور مشکل  
 دشوار تھا وہ شمالی ملک میں دریا کے کنارے ایک گاؤں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اقامت گزری ہوئی  
 اور دریاؤں کے گھاٹوں پر سواریاں دے بٹھا دیے کہ تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیں اور دشمنوں کو دریا عبور  
 کرنے دیں اس نے انتظام رکھایا اور حصول خراج کے لیے شہروں اور قصبوں اور دیہات میں عامل  
 بھیج دیئے لشکروں کو آراستہ کر کے اپنے اس دارالسلطنت کے قریبی مورچوں پر جس پر اب نصاریٰ  
 کا قبضہ ہو چکا تھا بھیج دیا تاکہ اگر دشمن اوھر کا قصد کرے تو اس سے ڈٹ کر مقابلہ وقت ترمزاحت  
 و مجاہدہ کیا جائے لیکن یہ تمام امور جہر اور ان کا اسہنام و انصرام ایسے ذلیل غافل اور متحیرہ عامل کو سونپ  
 گیا تھا جو کسی طرح اس کا اہل نہ تھا وہ صبح مشورہ سے ریزاں اور جہل سے ہمکنار تھا آسان بات کہ سخت  
 اور دشوار کہ آسان سمجھتا وہ ذلیل احمق اور بزدل تھا اس نے مکالت اور مشاورت مجالست اور مذاہرت  
 کے لیے احمق جاہل اور ذلیل طبقہ کو چن رکھا تھا وہ نخوت و غرور کی بنیاد پر شریف سرداروں اور عقلمند  
 رہنماؤں سے بچتا اور اپنے ہی اہل خاندان اور اعزہ میں سے جاہلوں اور احمقوں کو مصاحب و حاکم بنایا چنانچہ  
 اس نا تجربہ ہمارے لشکروں پر کہیں ذلیل بزدل اور ذلیل لوگوں کو سردار بنایا وہ جیسے ہی لاپچی ستھے  
 ہو کچھ لشکریوں کو غوراک وغیرہ دی جاتی کھا جاتے۔

**بددیانت کینہ پرور خائن** | وہ بددیانت تھے اپنی کینہ پروری کی وجہ سے ان کے غلہ اور  
 جنس میں خیانت کرتے اور گلاں فروشوں کے مرتکب ہوتے

ہر آواز کو دشمن کی آواز سمجھتے ہمیشہ اضطراب کے ساتھ خوف کی وجہ سے رزتے رہتے کسی وقت بھان  
 کو راحت و سکون پیش نہ تھا بزدلی سے ہر آواز کو موت کا پیش خیمہ اور ہر صدا کو موت کی پکار سمجھتے تھے  
 ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کینے دشمنوں کے سامنے محبت و حاجت کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔  
 نصاریٰ دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد وہیں ڈٹے رہے اطراف و جوانب کی طرف نہ نکلے انہوں

سے نواب احمد علی خان عرف محمد خان ر

نے گرد و لوح کے کاغذوں دیہاتوں اور کاشتکاروں کی تالیف تکسب شروع کر دی ان کی خطاؤں کو درگزر ان کے خراج میں تخفیف اور تاوان میں کمی کی اس مہربانی پر وہ مطیع و فرمانبردار اور معاملہ مندو گار بن گئے ادھر سے مطمئن ہو کر اطراف ملک میں شہر و دیہات و قبضہ کرنے کے لیے نصاریٰ بجلی کھڑے ہوئے۔

جب نصاریٰ اس مرشد کی طرف متوجہ ہوئے ہو دار السلطنت سے بارہ بجلی پر نصاریٰ کا ہجوم | جانب شمال آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور جس میں سولہ پائے

اور وہ رفیل و ذلیل نامہ عظیم بھی تھا تو وہ کہیں قائدان کے آمد کی خبر سن کر ہی اپنے ذلیل سرداروں کے ساتھ بھاگ گیا بہادر بہمدوئل کی تھوڑی سی تعداد اپنے گاؤں کے بہادر ملکیا کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گئی یہ تنہا سے زیادہ نہ تھے دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر خود بھی کٹ گئے وہ فرار کی عار برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ بھگڑے قائد کی طرف سے کافی لشکر اور ساز و سامان کے ہوتے ہوئے بھی انہیں کئی مدد نہیں پہنچ سکی تھی نصاریٰ نے جب اس گاؤں کو جس میں وہ تامل و خائن عامل نگہداشت کے لیے موجود تھا خالی اور ویران پایا تو اس پر قبضہ جما کر اپنا مضبوط و محفوظ قلعہ بنایا وہیں فوج جمع کر لی اور مدت تک وہیں مقیم رہے وہ ایک میل بھی نکل کر نہ گئے وہ سرداران لشکر کی امیدوں کی تکمیل اور ان خائنوں کے ایثار و عہد کے منتظر تھے اس لیے اپنے ایقان و عہدہ میں بھی تاخیر کر رہے تھے اور سر سے قاسخ ہو کر انھوں نے اس مغربی گوشے کا رخ کیا جہاں کے عام باشندے ان کے مطیع ہو چکے تھے اور دشمنوں پر ان کے معدن تھے وہاں بھی ملکر کی طرف سے ناعاقبت اندیش غیر مدبر نا تجربہ کار اور ذلیل عناصر تھے وہ بھی پیٹ پھیر کر مقابلہ کیے بغیر بڑی طرح بھاگا سرنگ میں ہو کر راستہ بنایا اس کے پاس سولہ اور پیادے بھی کم تھے اس پر ستم یہ ہوا کہ کفار اور دیہادوں نے معاہدہ و قسم کے باوجود وقت بہرہ و نما کی غدرو مکی انتہا کر دی تازہ نعمت اور پر عیش و مسرت زندگی کا کفران کیا۔

معاہدوں سے انکار کر کے کفر میں افادہ اور ارباب میں زیادتی کر لی اس مولانا احمد اللہ مجاہد کا ذکر | موقع پر مسئلہ نصاریٰ سے قتال کے لیے دوسری طرف کا ایک

سے نواب گنج منگ بارہ بجلی۔ اودہ کا مشہور شہر۔

عامل اٹھ کھڑا ہوا اس نے خیرات و مبرات سعادت و حسنت کہ کافی ہنیز اپنے اندر جمع کر لیا تھا وہ بڑا ہی پاک طبیعت نہایت باطن متقی پر ہینرگار بہادر اور رسول ملاحم اور بنی مراحم علی اللہ علیہ وسلم کا ہمام تھا۔ اس لیے نصاریٰ کے لشکر پر حملہ کر کے پہلے ہی حملہ میں ملکیت دے دی اپنی ساری کوششیں ختم کر کے وہ بھگتے اور قہر کے ایک ہندو کے مضبوط اور محفوظ مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اور ساتھ کے پاس شہر میں پیغام بھیج کر وہاں کی غلوں نے ایک لشکر اور منافقین و دلا تین کا جم غفیر جنہوں نے عہد شکنی کی تھی ان منصورین کی مدد کو بھیج دیے اور اس نیک سرشت بہادر عامل سے ایک دیوہ کی فرزند لڑنے پر دو لکھ لاکھ اس نے قسمیں کھ کر ملیناں دلایا کہ جب دونوں جماعتیں مقابلہ پر آجائیں گی تو چار ہزار بہادروں کا گروہ سے کہہ دو کو پنجوں کا حسب مقابلہ کی فوج تھی تو اس زمیندار کی قسموں پر بھروسہ کر کے اس نے انداز میں اپنے تھوڑے سے بہادروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ سامنے سے تو ہندو فوج اور توپوں سے چھوٹ کر سینوں پر نصاریٰ نے گولیاں برساتیں اور پیچھے سے اس غلام مار زمیندار کی جماعت نے پشت و سر پہ کو پھوٹنا شروع کیا وہ دراصل انصاری کے نصراء و اعداں اور شیاطین کے اتباع و افغان تھے وہ خدیوہ سند عامل معرکہ میں اگر کہ شہید ہوا اور اس کی ساری جماعت نے بھی اس کے نقش قدم پر چل کر جو شہادت و شہداء ان سب اہل دنیا کی شہادت کے بعد بزدل لوگ ایسے بھاگے کہ نامردی اور فطرت سے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

**نصاری کا تعاقب اور قتل و غارت** | نصاریٰ نے تعاقب کر کے ان سب کو پیر مرتزار ڈالا تھوڑے سے وہ بچ رہے جنہوں نے

بھاگنے میں تیزی اور سہولت سے کام لیا اس نواح کے سارے باشندے دیہاتی باشندے اور متغیر و غیر متغیر سب مطیع و فرمانبردار بن گئے اہل ہندو بہادر غیر متغیر اور غارتگر جو نہ دول نے خوب جم کر قابو کیا اپنی

سے تمام احمدیہ مہاسی جن کی بہادری کا اندازہ بھی اعراف کرتے ہیں۔

۲۔ ہندوستان کے پادشاہ شاہجہانپور۔



بے پناہ شجاعت و بہالت سے تکت اسباب و جماعت کے باوجود دشمن کے ہزاروں سوار پیادے ٹھکانے لگا دیتے اسفرکار مجبور ہو کر اپنی بہادری سے جان بچا کر نکل گئے اور دشمن ان کا تعاقب نہ کر سکا اب وہ نواح بھی صاف ہو گیا ان وہ نول سرداروں کی شکست کے بعد مخالفوں کے دل میں دشمن کا رعب قائم ہو گیا یہ واقعہ رنجیدہ واقعات میں سے سب سے اہم اور آخری واقعہ اور اس جنگ کا قاتمہ تھا نصاریٰ یہاں غالب ہونے کے بعد دوسرے اطراف میں پھیلنا شروع ہوئے اور جب کسی طرف کا قصد کرتے تو وہاں کے رہنے والے غم و فکر میں مبتلا ہو جاتے اور لڑے بھڑے بغیر شکست مان لیتے ان تمام تختہ عمل کے بعد بھی سکندر نصاریٰ (دو کٹوریہ) مکر سے باز نہ رہی اس مکر کی وجہ سے انہیں بڑی قوت و طاقت حاصل ہو گئی۔

اس نے تمام دیہات شہروں اور قصبوں میں مطبوعہ حکمنامے جاری کیے جن میں عام معافی کا اعلان کیا کہ تمام "باغی" لشکر اور سرکش و نافرمان لے یا کو ان لوگوں کو چھوڑ کر معاف کیا جاتا ہے جنہوں نے عورتوں بچوں اور ان نصاریٰ کو جنہوں نے مجبور ہو کر تپاہ لی تھی ظلم و عداوت سے تامل کر طیارا یا وہ جنہوں نے سلطنت و ریاست قائم کی یا وہ جنہوں نے سرکشی و عداوت پر لوگوں کو ابھارا دھردہ "باغی" لشکر اور دوسرے بیگم کے سامنے مدد کے نہ ہونے اور تنخواہ و ضروریات زندگی میسر نہ آنے سے پریشان ہو چکے تھے نصاریٰ کے مسلط ہو جانے کی وجہ سے بیگم کے پاس خراج اور خاں کا آنا بند ہو گیا زمین کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی وہ بڑی سخت مصیبت و تنگی میں پڑ گئے تھے وہ سب تنگدست اور عیش و راحت دور تھے ان کے دل اہل و عیال کی جدائی سے پارہ پارہ تھے ایسے حالات میں مجبور و مضطر ہو کر بہت سے لشکری وغیرہ نصاریٰ کے اطاعت گزار بن گئے ان کے پاس ہتھیار گھوڑے جو کچھ تھا چھین لیا گیا اور پروانہ امان دے دیا گیا اب وہ اہل وطن کی طرف غائب و غائر ہو کر لوٹے پھر نصاریٰ سانسے ملک پر بلا مزاحمت قابض ہو گئے میاں کا رزار اور لڑا بول سے نجات پا گئے بیگم اس تباہی و بربادی کے بعد بچے کچھ تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کی بونٹیوں پر چلی گئی۔

لے سرحد نیپال



عہد شکن اور قریب کار حکومت | میں مسافرت و غربت و اضطراب و مصیبت کی زندگی گزار رہے  
تھا اور میرا اشتیاق و رغبت اپنے گویاں و خیال پڑوسی

اور احباب تک پہنچنے کے لیے بڑھ رہا تھا کہ اس دامن کاوی پر دراز جے قسموں سے مرکب کیا گیا تھا نہ پڑا  
اس پر بھروسہ کر کے اپنے اہل وطن میں پہنچ گیا مجھے اس کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمنی کے عہد و پیمان  
پر بھروسہ اور بے دین کی قسم و پیمان پر اعتماد کی حالت میں درست نہیں خصوصاً جبکہ وہ بے دین جز و  
سزا آخرت کا تامل بھی نہ ہو تھوڑے دن کے بعد ایک حاکم نصرانی نے مجھے مکان سے برآمد کر دیا اور  
رنج و غم میں مقید کر کے دارالسلطنت (کھنڈ) بھر دیا اس آس کا غنا ہلاکت بن گیا بھیج دیا میرا مرنے سے  
ظالم حاکم کے پرہیز کر دیا جو مظلوم پر گم کرنا ہی نہیں جانتا تھا نہ میری چغلی ایسے دو مرتبہ جھڑالو  
تذخروں نے کی لی جو مجھ سے قرآن کی حکم آیت میں مجھ کو لڑتے تھے جس کا حکم یہ تھا کہ ان کی کا  
دوست بھی نصرانی ہے وہ دونوں نصاریٰ کی مودت و محبت پر مصر تھے انہوں نے مکر و تدبیر سے مجھ کو یہاں  
سے ہٹا دیا تھا۔

جلاد وطنی اور عمر قید کا فیصلہ | اس تمام حاکم نے یہی جلا وطنی اور عمر قید کا فیصلہ کر دیا اور  
کافی اور جلاوطنوں کو یہاں سے ہٹا دیا اور ان کے رہنے والوں کو غریب

ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اس شرمناک عدویہ مآبیاں ہی شکار نہ بنا تھا بلکہ بہت سی حقوق سے اس سے  
بڑھ چڑھ کر ناوا سلوک روا رکھا گیا انہوں نے عہد پیمان تو کر ہزاروں تھے خدا کی قسم کسی جلاوطن  
کو قید و حبس میں بلا آئینہ مبتلا کر دیا وعدہ خلافی کرتے بیٹھ کر انہیں دیکھتا تھا کہ ان کے ہاتھوں کو تباہ کر  
ڈالا اس طرح غلام نامی شمار سے ان کے بڑھ گیا چند روزوں کے بعد ان کے ہاتھوں سے انہیں ہوسپی  
حرج شریعت و غیر شریعت قیدیوں کی کھانڈ سے منجاء فرمایا اور ان کے ہاتھوں کو تباہ کر دیا  
دیجے نکلتے جہاں شریعت و عقیم نامدافوں کے شہریت شہر کا نام اور قیدیوں کے قیدیوں کے قیدیوں کے قیدیوں کے  
نظر ہمارے ہمارے پاس آئے رہنے کے جو اسلام و ایمان کا دشمن تھے تو ان کے ہاتھوں میں تلخی نہ تھی  
اور وہاں پہنچا۔ یہاں پہنچنے پر اپنے وعدہ سے پھر کر غصا کی خوشنودی سے ناظر ہونے کے

ان سب کو گرفتار کر لیا بد عہدی سارے مذاہب میں مذموم و ممنوع ہے اس کا بھی لحاظ نہ کیا یہ بد بخت  
نصاری کی رضا جوئی میں خدائے عزیز و منتقم کے غصہ سے بھی نہ ڈلا۔

نصاری تھے ان سب کو ہتھکڑی اور بیڑی پہنا کر محبوس کر دیا اکثر شہ نادر کو  
**قتل، قید، جلا وطنی** قتل اور باقی کو قید جلا وطنی اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اس طرح

وہ بد نصیب رئیس بھی نصاریٰ کے ساتھ اللہ کی مخلوق کو سخت عذاب میں مبتلا کرنے کی وجہ سے ابوہر  
العام کا مشرق بن گیا یہ الم ناک کہانی یوں ختم ہوئی اب میرا بازو سینے کے تلبیس سے نصاریٰ نے مجھے قید کر لیا  
تو ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے ایک سخت زمین سے دوسری سخت زمین میں منتقل کرنا شروع  
کر دیا مصیبت پر مصیبت غم پر غم پہنچایا میرا عذاب اور لباس تک اتار کر موٹے اور سخت کپڑے پہنائے  
نرم اور بہتر بستر چھین کر خواب سخت اور تکلیف دہ بچھونا حوالہ کر دیا گویا کانٹے بچھا دیے گئے تھے  
یا دیکھتی ہوئی چنگاریاں ڈال دی گئی تھیں۔ میرے پاس لوٹا پیالہ اور کوئی برتن نہ چھوٹا بجل سے ماش  
کی حال کھلاتی اور گرم پانی پلایا مہبان غلص کی آب محبت کے بجائے گرم پانی اور نالوائی و کبر سنی کے  
باوجود ذلت و رسوائی سے ہر وقت سامنا رہا پھر ترش و دشمن کے ظلم نے مجھے دریائے شور کے  
کنارے ایک بلند و مضبوط ناموافق آب و ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر ہی رہتا  
تھا اس میں دشوار گزار گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شور کی لہریں ڈھانپ لیتی تھیں اس کی  
لیم صبح بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کی لعنت زہر بلا ہل سے زیادہ مضر تھی اس کی غذا  
خظف سے زیادہ کڑوی اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں تھا اس کا آسمان غول کی بارش  
کرنے والا اس کی زمین آبلہ دار اس کے سنگریزے بدن کی پھینسا اوداس کی ہوا ذلت خواری کی وجہ سے  
ٹیڑھی چلنے والی تھی ہر کوٹھری پر پتھر تھا جس میں رنج و مرض بھرا ہوا تھا۔

میری آنکھوں کی طرح ان کی چھینٹیں ٹپکتی رہتی تھیں ہوا بدبودار اور مرض  
**دریائے شور کا حال** کا خزن تھی مرض سست اور دو گراں بیماریاں بے شمار غارش و قباد  
زردہ مرض جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور چھٹنے لگتی ہے، عام تھی بیمار کے علاج تندرست کے لئے

اور زخم کے اندر کی کوئی صورت نہ تھی مگر مرض میں اضافہ کرنے والا علاج ہلاک ہوتے والا طبیب تکلیف  
درج بڑھانے والا تھا۔ رنجیدہ کی نہ کی غم خواہی ہی کی جاتی تھی اس پر رنج و افسوس کا ہی اظہار ہوتا دینا  
کی کوئی مصیبت یہاں کی معروف بیماری بھی خطرناک ہے بخار موت کا پیغمبر مرض سرسام اور برسم  
(دماغ کے پردوں کا دم) بلاکت کی علت ہم سے بہت مرض ایسے ہیں جس کا کتب طب میں نام و  
نشان نہیں۔ نصرانی ہر طبیب مریموں کی آنتوں کو تنور کی طرح جلا تا اور مریموں کی حفاظت نہ کرتے ہوتے  
گ کہ قبہ اس کے اوپر بناتا ہے مرض نہ پہچانتے ہوتے دوا پلا کر موت کے منہ کے قریب پہنچا دیتا  
ہے جب کوئی ان میں سے مر جاتا ہے تو نجس دنیا پاک خاکروب ہو در وقت شیطان خدا اس یاد دہوتا  
ہے اس کی ٹانگ پکڑ کر صیغتا با غسل و کفن کے بغیر اس کے کپڑے تار کر دیتے تو دوسے میں دیتا  
ہے اس کی قبر کھودی جاتی ہے نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے یہ کیسی عبرت ناک اور ناگہانی ہے۔  
یہ واقعہ ہے کہ گرمیت کے ہر تھوڑے بڑے ہوتا

## موت کی آرزو، خودکشی کی حسرت

فارس جزیرہ میں مر جاتا سب سے بڑی آرزو ہوتی  
اور چنانچہ موت سب سے زیادہ تلی بخش تھی اور اگر خدا کی خودکشی ہر سبب میں منظور اور قیامت  
کے دن عذاب و عطا کی باعث نہ ہوتی تو کوئی بھی یہاں مقیم نہ رہتا نہ تکلیف و لایطائی نہ دیا  
جاسکتا اور مصیبت سے نجات پالیتا بڑا آسان ہوتا یہ ناممکن بود شمس حالت تھکے کہ میں شہد و غمت  
مروض میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے میر میر مغلوب میر سید شمس میر چاند و چاند و سیدی عاتق  
ذلت سے بدل گئی میں نہیں جانتا کہ اس دشوار و سخت رنج و غم سے کیونکر بچتا رہا ہو سکے گا۔ غارش و  
قربار میں ابتلا اس پر مستزاد ہے مگر نام اس طرح ہر ہوتی ہے کہ تمام بدن زخموں سے چھٹی ہو چہ  
بے روح کو جھیل کر دینے والے درد و تکلیف سے ستمو زخموں میں خدا ہوتا رہتا ہے۔

ہر حالت میں خدا کا شکر  
وہ وقت دور نہیں جب یہ پٹیاں مجھے بلاکت سے قریب  
پہنچا دیں ایک ناز وہ بھی تھا جو عیش و سرور و راحت و

عافیت میں زندگی بسر ہوتی تھی اب مجھ میں قریب بلاکت پہنچا دیں وہ بھی تھا جو عیش و سرور و راحت و



عنی اللہ صبح و ساء تھا اب اپنا حج اور زحمتی ہوں بڑی سخت مصیبت میں اور بیسیور معوبتیں بھیلنا پڑ رہی ہیں  
 ٹوٹی ہوئی ہڈی کی طرح لکڑی اور پیٹی کا بوجھ اٹھاتا ہے اس طرح ہم بھی ناقابل برداشت مصیبتیں اٹھاتا ہے  
 ہیں۔ ان تمام مناصب کے مابود اللہ کے فضل و کرم سے شکرت گزار ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دوسرے  
 قیدیوں کو بیمار ہوتے بھی بیڑیاں پہنے ہوئے زنجیروں میں کھینچے جاتے ہیں دیکھتا ہوں انہیں لوہے  
 کی بیڑیوں اور زنجیروں میں ایک سخت تیز اور غلیظ انسان کھینچتا ہے محنت و نہنت کینہ و عداوت  
 کا پورا مظاہرہ کرتا ہے تکلیفوں پر تکلیفیں پہنچاتا اور بھوکے اور پیاسے پر بھی رحم نہیں کرتا ہے خدا کا  
 شکر ہے کہ اس نے ان آفات و تکالیف سے محفوظ رکھا۔ میرے دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں اور  
 میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں میرے دوست میرے مرض کے ادا دے لاچار ہیں دشمنوں کے  
 دل میں میری طرف سے بغض و کینہ مذہبی عقاید کی طرح راسخ ہو گیا ہے ان کے پلید سینے کینہ و عداوت  
 کے دینے بن گئے ہیں۔

ان ظاہر اسباب پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی بنات  
امیدوں کا انعکاس نجات سے مایوسی

اپنے رب عزیز و رحیم رؤف و کریم کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں وہی تو جابر فرعونوں سے عاجز و ضعیف  
 کو نجات دلاتا ہے اور وہی تو زحمتی مظلوموں کے دشمنوں کو اپنے رحم و کرم کے مرہم سے بھرتا ہے وہ  
 ہر سرکش کے لیے جبار و قہار ہے ہر ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنیوالا ہر نقصان رسیدہ فقیہ کا کامیاب  
 بنانیوالا اور ہر دشوار کو آسان کرنے والا ہے اسی نے نوح علیہ السلام کو غرق اور ابراہیم علیہ السلام کو طیش  
 و حرق ایوب علیہ السلام کو مرض و مصائب یونس علیہ السلام کو شکم مابی اور بنی اسرائیل کو بربادی و تباہی سے  
 نجات دی اسی نے موسیٰ و ہارون علیہ السلام کو طمان و فرعون و قارون اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو مکرکاریں  
 اور اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبل و فریب کفار پر غالب کیا پھر اگر مجھے مشقتوں بہبتوں  
 اور حوادث و معامی لے گئے ہیں تو اس کی رحمت و فضل سے کیوں مایوس ہوں وہی میرا رب ثانی  
 و کافی اور خطا پوش و آمر و گار ہے۔ بہت بیمار و موت کے کنارے پر پہنچ کر بھی اسے یاد کرتے ہیں۔



شفا پاتے ہیں بہت سزا کا موجب استغفار کرتے ہیں مقبول بالگاہ ہوئے ہیں بہت دروند  
جب اسے پکارتے ہیں مصیبت سے نجات پاتے ہیں بہت مسافر جب اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں مراد  
کو پہنچنے میں بہت قیدی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں خلاق مطلق انہیں بیڑیوں اور بندوں  
سے بلا قدر یہ احسان چٹکارا دلاتا ہے۔

**مظلوم و دل شکستہ کی پکار** میں بھی مظلوم و دل شکستہ و مضطر اور نکس و ذلیل و محتاج بکار اسی خدائے  
برتر کو پکارتا ہوں اس کے جیب کو دسید بنا کر اور امیر و اررحمت ہونے

اس کی بارگاہ میں بعد تضرع التجا کرتا ہوں وہ وعدہ خلاف نہیں اس نے مظلوم و مضطر کے یاد کرنے پر اجابت  
دعوت اور کشف مصیبت کا وعدہ کیا ہے وہی مجھے تکلیف سے نجات دے گا وہی توفیق و اضطراب سے  
آزاد کرے گا وہی امراض سے شفا بخشے گا وہی پکڑنے والے سے چھڑائے گا وہی میرے زریہ و بکا پر رحم کرے  
گا وہی میری بد بختی و شامت کو مٹائے گا وہ دعا کا سننے والا ہے بہت دینے والا اور بدوں کا دفع  
کرنے والا ہے اسی سے جلا وطنی کے غم کو دور اور بہت من نعمتوں کے عطا کرنے کی امیدیں وابستہ ہیں

میرے رب مصیبتوں سے مجھے نجات دے لے امیدواروں کے امید گاہ اور اے تجھ کر نیوالوں  
کے پناہ گاہ۔ اپنے حبیب میں اس کی آل طہرین و مبارکین اور اس کے صحابہ و منافقین دین سے صدقے  
میں ہمدی بن لے: اے ارحم الراحمین اور اکمل عالمین! تو ہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والا  
ہے بیشک ساری تعزاتیں اسے جہان کے پالنے والے کے لیے ہیں یہ پڑ و دوئم گئی: یہی نعمت ہوئی

**قصائد عذریہ کا ذکر** میں نے اپنی مصیبت و پریشانی و لچھروں دو قسمیوں میں بھی میں  
ہے ایک قصیدہ ہمزہ ہے جس میں شیطانی وساوس کا ذکر ہے اور

دوسرا فالیدہ ہے جس میں اس غمگین و معذور کی تہلیل و رُج ہا تذکرہ ہے۔ دونوں قصیدوں کو مہرور  
کائنات علیہ السلام و الصداۃ کی مدح پر ختم کیا ہے ان دونوں سے پہلے "نون کے قوامی ہیں بھی قصیدہ لکھی  
تھا جو درجہ تیم کی طرح فریادیکانہ ہے اس کا ہر شعر ضبط و مرتفع قصیدہ کی طرح ہے اس کے اتمام کی نوبت نہیں  
آئی مصائب الالم کے ہجوم نے تکمیل کا موقع نہیں دیا اس کا مطلع یہ ہے۔

مانع اورق فی اوراق اشجان

اللہ ہیچ اشجانی و اشجانی

اگر اللہ نے مجھ پر رہائی سے احسان فرمایا تو اس ذات کی مدد اس میں فعال کر کے ختم کروں گا۔  
 جیسے مکرم اخلاق سے پورا پورا حقد ملا ہے اس پر امداد اس کی آل پر قیامت تک صلوة وسلام  
 واللہ سبحانہ ولی التوفیق والاکرام ۵۔

---

# غدر کے دن غدر کی راتیں

غدر میں ہندوتنہوں کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے۔ وہ ایک المیہ بھی ہے۔ لیکن انگریز قوم کے گناہوں کی سزا، انگریز افراد کو بھی بھگتی پڑی۔ اور یہ بھی کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ انگریزوں کے جرائم سب سے بڑا اور بدترین ہے، لیکن انگریزوں پر جو ظلم توڑے گئے ان کے لیے، کوئی وجہ جواز نہ ملتی۔ لیکن سب سے بڑا وجہ اس کے مندرجہ میں بہت ہے۔ تو وہ موش میں نہیں رہتا۔ ششہ کے نوٹیں سارے میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے لٹاؤں کی اور مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی ٹرائیں مانتے میں شامل نہیں کیا۔

اگلے مصنفات میں آپ ایک انگریز عورت کی داستان درج پڑھیں گے۔ یہ داستان اس نے خون جگر سے لکھی ہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اس نے اپنے ہم قوموں کو اپنے دن وار شوہر کو اپنے محبوب کو، اپنی نوجوان لڑکی کو اپنے بچیتے خود رساں بچہ کو قتل ہوتے دیکھا اور خود شاید اس لیے زندہ بچ گئی کہ مرنے سے پہلے یہ خونی داستان قلمبند کر جاتے۔

اس داستان کو پڑھیں۔ اس میں جگہ جگہ نکتے کھڑے کرنے والے واقعات ہیں۔ لیکن سب سے بڑا واقعہ بھی یہیں ہے۔ جو انسانیت کے لیے باعث شرف ہیں۔ کاش اس طرح کے دو پارہ واقعات انگریزوں کی تاریخ میں بھی مل جاتے تو شکوہ بچ ہندوؤں اور مسلمانوں کی کچھ اٹک شذر تو درجائی

میری سنجو گوش حقیقت نبوش ہے | ناظرین میرا مول انگشتان نہیں ہے۔ میں  
ایک فرانسیسی خانوں ہوں۔ میں میدا

شوہر چھوٹا انگریز ہے۔ اور اس سے میرے دو بچے ہیں لہذا میں اپنے آپ کو انگلش لیڈی مانتی ہوں۔

کاش تمام انگریزی جھڈے ہندوستان سرنگوں ہوتے کاش دنیا کی تمام انگریزی فوجیں فنا ہو جاتیں۔ اس سلطنت کی تمام غرور و قوت صنفِ ذلت سے بدل جاتی مگر میرے شوہر اور اولاد کی جان سلامت رہتی۔ لوہ میں بد بخت اس روز بد کامنہ نہ دیکھتی یہ میری مہنہ ناز بڑ نہیں یہ ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے یہ زخمی جگر کی آہ ہے۔ یہ ایک فلک کی ستائی آفت کی ماری، سوختہ دل، سوختہ جگر کی آہ اور نالے ہیں۔ جو قیامت تک سننے والوں کے دل ہلا دیں گے۔ دنیا کی عورتیں جب میری اس دردناک سرگذشت کو سن کر میری پرحسرت و اندوہ زندگی کا تصور کریں گی تو یقیناً دنیا اور لذات دنیا سے ان کا دل کھٹا ہو جائے گا، پیاری بہنو! مہربان دوستو! یہاں کا عیش۔ یہاں کی لذت۔ یہاں کی عزت، یہاں کی حکومت محض ایک دھوکا ہے۔ نقطہ ایک شعبہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں جس کے لیے کسی قسم کا ثبات و قرار نہیں +

ہمارا مکان، شہر سے کچھ فاصلے پر تھا، ولیم کا قاعدہ تھا کہ ہر روز رات کو دہلی آغازِ داستان سے ہمارے گھر آتا اور اس فتنہ و فساد کی بابت ہر طرح سے اطمینان کر جاتا۔ جب اس کے سامنے کوئی ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کا قصہ چھیڑتا تو وہ ہندوستانیوں کی بزدلی کا خوب مذاق اڑاتا وہ کہتا تھا ان کی بہادری سے خوب واقف ہوں۔ خدا کی قسم ہمارے چار گورے ان کے چار سالوں کے واسطے کافی ہیں جیسے بڈیوں کے ایک بڑے گھٹے کے لیے ایک چوڑا ہا۔ ولیم کی ان باتوں سے ہمارے دل کی مٹی ٹوٹا ہوا ہو جاتی تھی۔

نچیک اسی روز جبکہ دلال ہماری کاشت کا معاملہ کرنے آیا تھا، میں اور میرا شوہر ہندوستانی کتا ابلیس ولیم اور ویل دیرابین سال کا لڑکا شام کے وقت دریائے جمن کے کنارے اپنے کھونڈ کے قریب ٹہل رہے تھے، لہذا یہ ذکر کرتے بارہمے تھے کہ انگلینڈ کا ایک بڑا پادری

سے مستغفر کا داماد

۲۰ مستغفر کی اہلی





گرا گرد تلواریں اور خنجر کھینچ کر کھڑے ہو گئے جب وہ بے چارہ شعلوں سے بھج کر بھاگنا چاہتا تھا  
خنجر کی لوند اور تلواروں کی دھاروں سے چرکے دے دے کر پیچھے کو لوٹا دیتے تھے۔ وہ بھی ایسا  
غیرت مند لوہان تھا کہ دو تین بار سر توڑ رہائی کی کوشش کی۔ پھر خاموش ہو رہا اور دشمنوں سے کسی  
قسم کی التجا نہ کی۔ البتہ ہاتھ اٹھا کر اس جانکشی کے عالم میں کچھ خدا سے دعا مانگی اور مجلس کر رہ گیا۔  
میں نے اس وقت اپنے منہ میں دو مال بھر لیا کہ مبادا اس جانکاہ منظر کا مشاہدہ شدت و

دہشت سے فریاد بلند کر دے اور وہ بے رحم ہم پر ٹوٹ پڑیں اور اس طرح آگ کا ایندھن بنا دیں۔

ان میں ایک چار سالہ لڑکا تھا جس کا جسم زخمیوں سے محفوظ تھا۔ جہاں ہی اس  
نے ہم کو آتے دیکھا۔ بھاگ کر کشتیوں کے درمیان چھپ گیا۔ ایلن نے اس  
کو انگریزی زبان میں تسلی بخشی دی تو ہم کو ہم وطن سمجھ کر کشتیوں کے درمیان سے نکلا اور ایلن کی گردن  
میں ہاتھ ڈال کر اس کو پیار سے چومنے لگا۔ عجزانہ حرکتیں کرنے لگا۔

مقصود یکجہ

مکان کے صحن سے ہاتھ کے جھنگاڑنے کی آواز ہمارے کان میں آئی ہم نے  
سمجھ لیا کہ ہمارا فیل بان آ پہنچا۔ چونکہ اس انقلاب و شورش میں ہم انگریز

وقادار فیل بان

ان ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے بہت ذلیل و خوار ہوئے تھے۔ اس لیے یہ امید نہ تھی کہ ہمارا فیل بان  
وفا داری سے پیش آئے گا۔ ہاتھ کی آواز سنتے ہی ہم فوراً باہر نکل آئے۔ فیل بان سے مل کر نہایت  
سرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ اس مرد با وفا نے بھی اپنی خوشی کا بیوث دیا اس شخص کا نام محمد تھا۔  
یہ ایک عرصہ سے ہمارے یہاں ملازم تھا۔ حق پوٹھی ہو گی اگر ہم اس بات کا اقرار نہ کریں  
کہ اس خاص موقع پر اس نے بڑی جوانمردی اور انسانیت سے کام لیا۔

میں۔ محمد۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم کو یہیں رہنا چاہئے کہ دوسرا مقام تلاش کریں۔  
محمد۔ میری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ اس وقت غلٹ شب کو غنیمت سمجھ کر یہاں سے

نکل چلو۔

میں۔ تمہارا خیال درست ہے لیکن جاتیں کہاں۔ اگر ہم اپنے ہم وطنوں کے گھر جاتے ہیں

تو خود اپنے کو بلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور اگر یہیں رہتے ہیں تو مسیح ہونے والی ہے۔ یہ گھر مسلمانوں کی مسجد کے بالکل قریب ہے۔ یہاں کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں ہمارا کوئی ایسا خیر خواہ نہیں کہ دو چار روز اپنے گھر میں پتا دے۔

محمد۔ آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں میں اپنے ہم مذہب ایک نیک اندیش مسلمان کے یہاں  
لے چلا ہوں اور تو کوئی ڈر نہیں۔ صرت اتنی بات ہے کہ چونکہ وہ ایک استغاثہ دہشت گرد مسلمان  
ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دوسرے مسلمانوں کی عقیدہ میں پناہ دینے سے انکار کرے۔ اس کی بہتر صورت  
میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ تم لوگ اس طریقہ سے اس کے مکان میں داخل ہو جاؤ کہ اسے اطلاع  
نہ ہو۔ پس پھر تمہارے لیے وہ ایک محکم قلعہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا قاعدہ ہے  
کہ جو شخص ان کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے آجاتا ہے، خواہ طلب خواہ بے طلب۔ وہ اپنے راز  
کے حکم کے مطابق اس کی دلجوئی اور عیش و عشرت ایاں سے جانتے ہیں، خاص کر ان مہمانوں کو جو  
پناہ کے طالب ہوں۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں۔ وہ ان کو اپنی کنگڑوں میں جکڑ دیتے۔  
اور مظلوم کی دستگیری فرض دینی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کی حمایت میں جان بھی کام آئے۔ یہ تو بیخ  
نہیں کرتے ۔

میں۔ محمد۔ اگر یہ بات ہے تو کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچاؤ نہ کیا وہ اس وقت گھر ہوا۔  
 محمد۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت یقیناً تمام مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کے قتل کرنے پر  
 مشغول ہو گا۔ اگر اس وقت وہاں پہنچ گئے تو اس کی غیبت میں سب ہمارے شہید ہو جائیں گے۔  
 ورنہ نہ معلوم وہ اجازت دے یا نہ دے۔

ہائے میرا بچہ !

یسی شہنشاہی دے دے کہ اس نے مزید اطمینان کے لیے۔ رانا میں ہم سے پہلے

کہ اگر شہر دہلی تمام دنیا کے برابر وسیع ہو جائے گا تب بھی ویل اور دایہ کو ڈھونڈنا اور کھا دینا ہم نے دل میں

اس کو سینڈ ویل دعائیں دیں اور زبان سے بھی یہ شہر ادا کیا : د



آخر چلتے چلتے : —

## پتہ گاہ

محمد ایک بڑے مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور زور سے دروازہ کھڑکھڑایا  
ایک منٹ سے زیادہ نہ گزرا تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ فیل بن اور صاحب خانہ سے کئی منٹ تک گفتگو  
ہوتی رہی ۔

ہم کو اس گفتگو کے سننے کا جس قدر اشتیاق ہوتا وہ کم تھا۔ کیونکہ ہماری موت و حیات  
اس گھر سے وابستہ تھی۔ یہ گفتگو پانچ منٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چونکہ ہم امید و بہم کی حالت  
میں تھے۔ اس لیے ہم کو یہ پانچ منٹ پانچ سال کے برابر طولانی معلوم ہوئے۔ خدا خدا کر کے بات  
چیت تمام ہوئی۔ فیل ہاں کے اپنی آواز پر ہاتھی کو بلایا اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔  
سب اس مکان کے قریب پہنچے دروازہ کھلا ہوا پایا۔ فیل ہاں نے ہم کو اندر داخل کر کے دروازہ بند کر لیا۔  
ایک بڑے کٹاؤں باغ سے گزرتے ہوئے۔ ہم ایک عالی شان عمارت میں پہنچ گئے۔ جو چیزیں ہاتھی  
پر تھیں۔ محمد نے ان سب کو اتار کر ایک کمرہ میں رکھا۔ اور ہم سے کہا اب المیہاں سے رہو اب کوئی  
بندہ نہیں۔

اس کمرہ کے درمیان ایک لمبے موٹے تختہ اور بہت سی چار چائیاں بڑھادی  
دیں کی یادداشت ہوئی تھیں۔ ہم نے چار پاتیلوں پر چاہا کہ تھوڑی دیر لیٹ کر سوئیں تاکہ کچھ دیر توریج  
وغیرہ سے بچاؤ ملے۔ مگر مجھے گمان ہے کہ ہم میں سے شاید کسی کی بھی پلک نہ جھپکی۔ ہاں وہ چھٹا ہوا  
ہو ہمارے سامنے تھا۔ ضرور نچست سو رہا تھا۔ ہم میں سے ہر ایک آئندہ مصیبتوں کے تصور اور گزشتہ  
واقعات کے افسوس میں مبتلا تھا۔ ایسی حالت میں نلیند کہاں ؟

کروٹوں پر کروٹیں بہ لیں۔ مگر مقصد برآسی نہ ہوئی۔ اور مل کے تفکرات کی تو مجھے کیا خبر۔ البتہ  
اپنی نسبت کہہ سکتی ہوں۔ کہ نہ تو مجھ کو اس وقت باغیوں کی شورش کا خیال تھا نہ گھر کے جل جلنے کا غم نہ  
فقر وفاقہ کا اندیشہ۔ نہ دربدی کا افسوس میں تمام گزشتہ واقعات و آئندہ مصائب کو بھولے ہوئے  
اپنے بچے میں کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نہ معلوم میرے بچے پر کیا گزری ہوگی۔ خدا جانے مار ٹالا



یاد ایہ کے پاس صحیح دسالم ہے۔ میں اسی لوہیڑ بن میں تھی، کہ صبح کی روشنی اچھی طرح نمودار ہو گئی۔  
 اس کمرہ میں صوف چھ آدمی بیٹھے۔ ان کے مین حصہ ہو گئے۔ ۵۰ دوسو روپے جو  
ایلیں کا حال زارا ہمارے ساتھ تھیں۔ ایک جگہ بیٹھی تھیں۔ میری لڑکی لہو وہ لڑکا ایک مقام پر  
 تھے میں اور شوہر ایک گوشہ میں :

ایلیں کی حالت دیکھ دیکھ کر میرے اور بھی چھکے پھوٹے جاتے تھے۔ ہر چند میں نے اس بارہ میں  
 کوشش کی کہ وہ تھوڑی دیر روئے رہا کہ اس کے دل کا بخار کم ہو۔ اور بھری ہوئی طبیعت، کچھ ہلکی ہو جائے  
 لیکن وہ خدا کی بندی خاموش بُست بنی بیٹھی رہی۔ کھانا بھی مطلق نہ کھایا۔ ہم نے البتہ ٹھنڈے سے چاول  
 اور کچھ بھل جان پھلنے کے لیے زہر مار کر لیے تھے۔ !

اسی درمیان میں دہلی کے بادشاہ کا ایک  
باغیوں کی جرات محصورین کی ہمت عہدہ دار انگریزی سردار مل کے پاس بادشاہ

کا پیغام لے کر پہنچا کہ اگر تم لوگ بارود خانے سے دست بردار ہو جاؤ۔ تو ہر طرح سے امن و سہ  
 دی جائے، انگریزی افسروں نے پیغامبر کو ڈانٹ کر لوٹا دیا۔ اور سب نے ملکہ وکٹوریہ کی سہنت  
 قائم رہنے کی دعا کی :

جب بادشاہ دہلی کو واپس ہوئی تو اس نے بارود خانے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر ایسے ہی  
 اس ہمد کثرت سے لوگ اس پر ٹپے لگائے کہ اگرچہ کئی توپیں متواتر داغی جا رہی تھیں مگر ان کا جھوم سی  
 طح کم نہ ہوتا تھا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ بارود خانہ ہاتھ سے نہ ملے۔ لیکن کچھ پیش نہ آئی۔  
 لہذا آگ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ وہ وقت بھی اس بد نصیب گروہ کے لیے عجیب ہولناک تھا،  
 موت آنکلوں کے سامنے تھی۔ اور ہزاروں ارمان فل میں۔ ایک نے دوسرے کو کہا کہ حریت و یاس دیکھ  
 اور آنکھوں آنکھوں ہیں اب داغ کبہ دی۔ اس سردار انہم نے قیید روش کو جو ہاتھ میں پڑا تھا۔ فوراً بارود سے  
 خطر پر لگا دیا۔ جس سے ایک چشم زدن میں تمام بارود خانہ بھڑک اٹھا۔

بجز چند آدمیوں کے جن کی جان بچا جانا ایک قسم کا معجزہ ہے۔ اور سب وہیں جل بھی گئے۔

بھوک، بھوک، بھوک | جو دھویں تاریخ ظہر کے وقت فیل بان ہمارے پاس آیا، توہ

سبب شدت گرنگی ہم اپنی خودداری کو بھول کر اس کی طرف  
اس خیال سے دوڑے کہ شاید کوئی چیز کھانے کی ہمارے لئے لایا ہو۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ ہاتھ  
خالی ہیں۔ تو ایک ایک کے چہرہ پر مرونی چھا گئی۔ نبضیں ساقط ہو گئیں۔ کلیجہ بیٹھ گیا۔

نئی مصیبت | وہ سیدھا کمرہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اور تمام تو شکوں اور گدوں کو اٹھا کر چار  
پائیوں پر پھیلائے لٹا، میں نے کہا محمد یہ کیا کرنا ہے۔

فیل بان۔ تم لوگ جلدی ان چار پائیوں کے نیچے گھس جاؤ۔ اور چاروں طرف سے تو شکوں سے

ڈھک لو۔

ہم لوگ یہ سُنتے ہی پلنگوں کے نیچے ہو رہے۔ مگر میری لڑکی برابر نالہ و فریاد کیے جاتی تھی۔  
لہذا بار کمرہ ہی تھی اگر بارود خانہ جل گیا۔ ہتھیار خانہ جھپک گیا۔ تو میرا شوہر کیا ہوا اللہ بتاؤ کوئی  
میرا شوہر کیا ہوا؟ =

مسلمان کی وفاداری | ہم نے زبردستی اس کا منہ بند کیا۔ اور اپنے ساتھ لے کر پلنگوں کے نیچے  
چھپ گئے۔ یہ پلنگ زمین سے زیادہ اونچے نہ تھے اس لیے مجبوراً

پرٹ کے بھل زمین پر لیٹ پڑا۔ فیل بان نے تمام تو فکیں ہمارے اوپر ڈال دیں۔ اور تمام سامان جس  
سے دشمن کو کوئی شبہ ہوتا۔ دم بھر میں غائب کر دیا۔ تو مٹی دیر نہ گزری تھی کہ علی الم ہندوستانی دھم دھم  
کرتے کمرے میں آگھسے ہم اگرچہ ان کو دیکھتے نہ تھے۔ لیکن ہتھیاروں کے ہا ہم ٹکرائے کی آواز، پاؤں  
کی آہٹ اور بات چیت کی صدا برابر سن رہے تھے۔

ایک۔ ینا۔ کہاں ہیں۔ وہ کافر نیچے؟

دوسرا۔ ایک کو زندہ نہ چھوڑتا؟

تیسرا۔ بھاگ گئے؟

چوتھا = بھاگ کر کہاں جا رہے گے، اس کمرے میں ڈھونڈو۔

پاچھواں۔ اس کمرے میں ہوتے تو کیا سوئی تھے۔ جو نہ ملتے؟

اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ دیوانے لکڑی کی طاح اور عرسے اور اُدھر سارے کمرہ میں بھاگے بھاگے پھرتے تھے، آخر ہمارے فیل بان کی بن آئی۔ آواز دے کر تھوڑے کھینے لگا۔ فیل بان کہہ رہا تھا۔ ہم نے کیا کہا تھا۔ دھوکا کھا کر فضل اپنے آپ کو نہ سمجھتا۔ پریشانی میں تھا۔ ہماری ایک دوستی۔ میں برابر کہہ جاتا تھا کہ وہاں ایک بھی فرنگی نہیں۔ گر ہوتے تو ہیں تم سے چپا کھتا۔ مگر بادبوسلان ہونے کے تم نے میری قسم کا یقین نہیں کیا تھا یہ تو سوچا جاتا تھا۔ میں اور دشمن کو پناہ دیتا۔ ہمارے ساتھ قتل کرنے کے لیے لوگیا۔ ادا لٹا، نہیں چھپاتا؟

حق بات ہے کہ ہمدردی کے ملان تمام دنیا کی باتیں سے کم بھوٹ بولتے ہیں اور حسب کسی بات پر قسم کھالی جاتی ہے۔ تو

## مسلم کبیر بکیر کا اعتراف

پھر بھی بھوٹ بولتے ہی نہیں۔ اگرچہ ہمارے فیل بان نے باغیوں کے سامنے قسم کھالی تھی کہ اس کمرہ میں کوئی فرنگی نہیں ہے۔ تو وہ ایک حد تک اپنے قول و قسم میں سچا تھا۔ کیونکہ ہم نوک بظاہر کمرہ میں تھے۔ بلکہ تو شکل کے نیچے پھیسے ہوئے تھے فیل بان نے اگرچہ بہت کہہ دیا تھا۔ مگر باغیوں کو اطمینان نہ ہوا اور اُن چور تکیوں کے جو ریلوے اسٹیشنوں پر بندوقوں میں مینیں مار رہے دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر کیا حال ہے۔ انہوں نے بھی اپنی تلواریں نوٹشوں اور چار پانیوں میں گھسا کر شروع کر دیا۔ بھانپنے ایک تلوار کی نوک میرے بازو میں لگی اور خون جاری ہو گیا۔ میں نے خوف و دہشت سے دم نہ مارا۔ فیل بان پریشان تھا کہ مبادا ہم میں سے کوئی پریشان ہو کر چلائے اسٹیشنوں پر جیسے مہل جاتے۔ بھوک سے حالت ابتر ہو رہی تھی، آخر ضبط نہ ہو سکا۔ باغیوں سے جاتے

## دستِ طلب

کے بعد محمد سے کہا۔

جس طرح ممکن ہو۔ تھوڑے سے چوال ہمارے لیے بہم پہنچاؤ۔

فیل بان۔ تاؤ قیقہ مار لی شب پردہ نہ ڈالے یہ ناممکن ہے کہ میں آپ لوگوں کے

لیے کوئی غذا فراہم کر سکوں۔



ہیں۔ کیوں؟

## کٹے ہوئے سر کا اٹھام

فیل بان۔ میم صاحب۔ آپ کو کیا خبر ہے۔ آج داروغہ نے مجھے بلا کر بہت ڈانٹا اور کہا۔ اگر تو نے پچ بچ نہ بایا۔ کہ تیرے صاحب لوگ کہاں پھپھے ہیں اور مجھے معلوم ہو گیا تو یاد رکھنا گردن مار دوں گا۔

میں۔ پھر تم نے کیا کیا؟

فیل بان۔ کہتا کیا۔ یہی کہا کہ میں بقتیم کہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ صرف دلی دروازہ تک معلوم ہے۔ اس کے بعد چونکہ میں اُن سے جدا ہو گیا۔ لہذا خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس حال میں ہیں۔ مرگتے یا جیتے ہیں۔ شہر میں ہیں یا نکل گئے۔

میں۔ محمد۔ تو نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی کی۔

فیل بان۔ خیر تو ہو گیا۔ اب سنیے۔ اسی داروغہ نے آج خاص طور پر یہ حکم دیا ہے۔ کہ خوب اچھی طرح دلی میں انگریزوں کی تلاش کرو۔ گوشہ گوشہ ڈھونڈو اور جو انگریز جس جگہ ملے۔ مرد ہو یا عورت۔ ہوان ہو یا لٹھ مار لڑکا ہو یا لڑکی سب کو تیرے پاس کر دو۔

بوشخص سرکاٹ کر داروغہ کے پاس لے جاتے گا۔ اس کو مرد کے سر کا یمن سو روپیہ عورت کے سر کا دو سو پچاس روپیہ اور لڑکے کے سر کا دو سو اٹھاس روپیہ ملے گا۔

ہم لوگ اس خبر کو سنتے ہی کانپ گئے۔ اور کچھ ایسے پریشان ہوئے کہ بھوک پیاس سب جالی رہی۔ فیل بان یہ حالت مشاہدہ کر کے بے حد پشیمان ہوا اور تسلی دے کر چلا گیا۔

اتنے میں بلکے بلکے قدموں کی آہٹ جوتی اور ایک نے وقادار محمد

سیر شہر نہ کیا۔ بے کھٹکے دروازہ کھل دو۔ اگر یہ لوگ دشمن ہوتے اور ہماری اذیت کے خیال سے آتے تو اتنے بلکے بلکے قدم نہ رکھتے اور نہ ایسے آہستہ سے دستک دیتے۔ مجھے بھی یہ دلتے پسند آئی، اُمحی اور دل کترا کر کے دروازہ کھل دیا۔ دیکھا کہ دو ہندوستانی عورتیں سفید چادر میں



سروں پر ڈالے اس طرح کھڑی ہیں جیسے کوئی مردہ قبر سے نکلا ہوا ہے۔ دروازہ کھلتے ہی وہ بغیر کچھ کیے سے اندر پہلی آئیں اور زمین پر بیٹھ گئیں۔ ان میں سے ایک نے صندوقچہ اپنے لبل میں سے نکالا اور چند چادریں سفید اور ہندوستانی عورتیں مسلمان و ہندو گھر سے باہر نکلتے وقت اُدھتی ہیں ہر وہ کی غرض سے نکال کر ہم سے کہا: تم لوگ ان چادروں کو اوڑھ لو اور ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ میرا شوہر ہم کو کہاں تک تمہارے پیچھے چلنا پڑے گا۔

ایک عورت: جہاں محمد فیل بان تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

محمد فیل بان کا نام سن کر جان میں جان آئی۔ بدظنی و دہشت ایک قلم زائل ہو گئی۔ خوشی خوشی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور چادروں کو جسم پر خوب لپیٹ کر ان دونوں عورتوں کے پیچھے چل گئے۔

کچھ راہ طے کرنے کے بعد ایک ایسے کوپر میں داخل ہوئے جس کے ایک **نئی میٹھا گاہ** طرف کو کڑیوں کا بہت بڑا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ عورت اسی طرف کو چلی اور ایک مقام پر جھک کر گڑیوں کا پتارہ جو ایک کنارہ پر جمع تھا۔ ہٹا دیا اور ہم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا، دیکھا کہ ایک دالان کی دہلیز ہے جس کے اندر بہت سی تنگ راستہ داخل ہونے کا ہے اس نے ہاتھ سے داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ ہم سب بہ مشکل تمام اس سوراخ کے ذریعہ سے ایک ہی ہوئی کو ٹھری میں جو مثل ایک خار کے اندھیری گھپ تھی پہنچ گئے۔ ہوا یا روشنی کے آنے جانے کے لیے کوئی کھڑکی یا درشن دان اس میں نظر نہ آتا تھا۔ صرف دو تین چراغ دھیمی دھیمی ٹوسے ٹمٹما رہے تھے جن کی روشنی اس قدر گہنی نہ تھی کہ اس مکان کی ہر ایک چیز اچھی طرح نظر آ سکے۔

کھانے پینے کا سامان ہم لوگوں کے لیے یہ تھا۔ کہ وہی **بھوک میں انگریزوں کی بیانی** نیک دل شخص جس کا یہ مکان تھا۔ دن اور رات میں دو دو

دگیں پلاؤ کی اور دو مشکیں پانی کی بھیج دیا تھا۔ میں نے یہاں وہ نفرت خیز طریقہ پایا جس کے بیان سے خرم آتی ہے۔ جس وقت اس کے زور کے کھانے کے مکان میں آتے ہیں تو ہمارے بھوکے

ساتھی بیکار ان پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور درست خود وہاں خود کی ٹھہر جاتی تھی جہاں سے بے تامل  
دیگیں ہاتھ ڈال دیتا اور گرم گرم کھانا نکال کر نکل جاتا چونکہ چھونک کر کھانے میں تاخیر کا خیال  
تھا کہ اس لیے ہاتھ بھی جلتا اور منہ حلیہء کھینکتا ہے !

گرمی کی زیادتی سے پسینہ بہ کثرت آتا تھا۔ اس لیے سارا لباس جسم پر گل کر ٹکڑے ٹکڑے  
ہو گیا۔ اگرچہ بیمار سے پاس روپیہ پیسہ بھر کر کئی بار دل میں آیا کہ صاحب خانہ سے درخواست کریں  
کہ ہم سے روپیہ لے کر ہماری پوشاک تیار کرادو مگر پھر اس خوف سے خاموش ہو گئے کہ مبادا اس  
کو نذر مال کا اندر دھو جس دا بیچر ہو اور ہمارے قتل پر آمادہ ہو جائے گا۔

ہم تہہ خانہ میں پہنچے دیکھا کہ وہ میرے کلبے کا ٹکڑا ایک گوشے میں پڑا  
**پچھڑوں کا ملاپ** سورہا تھا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میں آغوش شوق پھیلائے ہوئے

دوڑی دایرے سے سے میسر ہی گود میں آہستہ سے دیدیا اور کان میں کہا۔ ابھی سو یا ہے  
کچی نیند ہے۔ جگا دیتے نہیں۔ میں اسے گود میں لیکر خدا و مدد کریم کا فکرو پاس کرتی رہی رکھی اس کے  
نخنے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے دہالی تھی، کبھی پیٹانی سے بوسہ لیتی تھی۔ دل پاہتا  
تھا کہ پروانہ دار اس پر نثار ہوں !

ہمدے چلے آنے کے بعد فوراً تک ہاتھی کی چنگاڑ کی آواز آتی رہی جس سے  
**ہاتھی کی چنگاڑ** معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو ہمارا جھالی کہا ہے انتہا قلع ہے !

راستہ میں کچھ لوگوں نے دھوکا دیا۔ میں نے شوہر پر لعن طعن کی۔ اس نے کہا۔  
**پچھڑی صلیبت** کیا ہم یہاں اپنی مرضی سے آتے ہیں جو افسوس کریں۔ دعا باز ملا تھوں نے کشتی

کو شکستہ کر کے اس طرف لا ڈالا۔ تاکہ ہمیں قتل کر کے سارا مال اسباب اس بڑی رٹک سے لے کر چل دیں۔  
میں۔ ولیم تو کیا بڑی رٹک بالکل محفوظ ہے۔

ولیم۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ہم دوسراں کی کوئی راہ آج کل بالکل محفوظ ہو !  
میں اور اہلین باسی ویل کو گود میں لیتے تھے۔ پچھڑو گرمی اور دھوپ کی تیزی سے پیاسا

ہوا دریا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے غم غم کی صدا بلند کرنا تھا۔ اس کی اس بے چینی نے مجھے بے قرار تو بہت کیا۔ مگر تپ مہنک عارض ہونے کی سخت سے میرے دل کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جھانکے بہتے پانی سے اسے سیراب کروں۔ اس کے ہلکنے سے چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ گھیسے کی طرح جرات نہ ہوتی تھی۔

محبوبی کی محبوبی ہے افسوس اس بات کا ہے کہ بکثرت نار ہیں درخت میں لگے ہیں۔ مگر ہم سے کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا ہی نہیں۔ اگر کسی موت سے ایک پل بھی ہاتھ آجاتا تو میں اس کے عرق سے دل کی پیڑ میں بجادیتی سمجھے یہ اندیشہ اور بھی اچھا ہوتا تھا کہ اگر اس طرح ہم کو تمام دن جلد ہڑت اور قیام کے لیے کہیں مناسب جگہ ملی تو میرا پلا پلا ہوتا توپ کر ہی مر جاتے گا۔

دینا اندھیر ہو گئی۔ میرا شوہر میرا داماد جو چار ستم کیشوں سے دل کے پھوپھو لے بھڑنے کے لیے اس کھیت کی طرف ایک بار ہی کٹی بند نہیں بلا نٹانے کے چھوڑیں۔ ہاتے ان بندو قوں کے پستے ہی دو ٹھنک آہ کا نعرہ بار کر خاک پر گر پڑے۔ ایک میرے آگے داماد۔ دوسرا میرے پیچھے شوہر۔ ان کا گوئی کھا کر رہا تھا کہ تمام دنیا میری نگاہوں میں تیروتا ہو گئی۔ دل کو گودی سے پھینک کر ردی ہنٹی شوہر کے پاس گئی اور جلدی سے اس کا ہاتھ لگا کر آغوش میں رکھ لیا۔ ہاتے۔ ایسے سخت وقت میں بھی اس کے دل سے میرا خیال کم نہ ہوا۔ مجھے رونا دیکھ کر کہنے لگا۔

شوہر۔ زیادہ بے قرار نہ ہو۔ صبر سے کام لو۔ میرا تو کام تمام ہو ہی گیا ہے۔ رابا نہ جوتہا۔ نالہ و شہون کو سن کر وہ ستم پیشہ یہاں آجائیں اور میرے معصوم دل کو ہلاک کر ڈالیں۔  
شوہر۔ دل اور دین کو میرے پاس لاؤ۔ میں اس آخری وقت میں اُن کو اپنے سینے سے لپیٹا ہوں۔

میں جلدی سے دل کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے پاس لے گئی۔ ہاتے بہن باپ تے لں حہ ت



سے اس پھر پر نگاہ ڈالی۔ آنکھوں میں آنسو بھرتے۔ سینہ سے لہٹا لیا اور اس کرب بے چینی کے عالم میں رخسار پر ہوسہ دیا۔

ہستے میں اس مرد پر جتنا سریشی بجا تھا۔ جس تندرٹک آنکھوں سے بھٹی رہا۔  
وہ میرا شوہر پیارا دعا تھا۔ کیونکہ یہ وہ شخص تھا جس سے میرا لطف زندگی وابستہ تھا۔ اس

دم کے سہاسے سے مجھے دنیا کی نعمتیں ماحصل تھیں۔ اس وجود سے میرے لیے بہت کچھ تھا۔ یہ میرا مالک تھا۔ میرا ہمدرد تھا۔ یہ دکھ کا شریک اور غم کا ساتھی۔ یہ خوشی کا دینے والا اور الم کا دور کرتے والا تھا۔ کیا ہو گیا۔ اب اس مرے ملنے کو کہاں سے لاول کی آفت مدد مل کس کونساؤں کی؟!

میرا مفضل صیغہ ویل چونکہ کو ماہ نامت تھا۔ اس لیے گنوں میں  
بھائی کی بہن سے محبت چلے ہلنے کے بعد اس کا وجود دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ ہر منٹ

کے بعد مجھ سے جدا ہو کر اپنی بہن کے پاس جاتا تھا اور اس کو پار کے لوٹ آتا تھا۔  
 ویل اور ایلن بڑی محنت کے ساتھ قبر کو دوسرے تھے۔ کہ نگاہ پشت

مرد اور خور جانور کی جانب سے جہاں ولیم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ایک آواز ہمارے کان

میں آئی۔ ہم دونوں نے حیران ہو کر اس طرف دیکھا اور معاً دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ولیم زندہ ہو کر تو نہیں اٹھ بیٹھا۔ نگہ افسوس کہ یہ خیال بالکل لغو اور بے بنیاد تھا۔ ولیم ایسی نیند نہ سویا تھا

کہ اس سے بیدار ہو جاتا۔ آہ دیکھا تو یہ دیکھا کہ مردہ خور جانور اس کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے

چنگل سے اس کے رخسار کو پکڑ پکڑ کر زمین سے اٹھا رہے تھے۔ ہم دونوں دوڑے وہ ہمیں آتا

دیکھ کر اس بے چارے کو زمین پر ڈال کر بھاگ گئے۔  
 ایلن نے رو کر کہا۔ اماں جس طرح سننے ان کے دفن کرنے میں جلدی کروایا نہ ہو کہ کوئی

جانور هجوم کر کے لاشوں کو لے بھاگیں یا ہمارے سامنے ہی تکا بولی کر دیں۔ تین گھنٹے متواتر ہم نے

حرارت آفتاب میں وہ گڑھا کھودا۔ جب بقدر ضرورت گہرا ہو گیا۔ تو ہم نے چاہا کہ مطلق لاشوں کو زیر خاک سوئپ دیں۔ لیکن فکر یہ تھی کہ کیونکر ان کو اٹھا کر یہاں تک لائیں اور کونسی لاش نیچے



رکھیں اور کون سی اوپر؟

**قبر کا کوہِ تنہا** میں اور ایلن دونوں مل کر ان لاشوں کو یہاں تک لائیں یا ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کی لاش کو اٹھا کر لائے۔ اور قبر میں رکھیں۔ محبتِ مادری نے مجھے اس پر مجبور کیا کہ چند منٹ اپنی دختر کو اور مہلتِ دوں کہ وہ اپنے شوہر کو وقتِ آخر اور میر ہو کر دیکھ لے۔ اس بیٹے میں نے اپنے شوہر کے دفن کو مقدم سمجھا۔ اس کی لاش کے پاس گئی۔ اور سر کو زمین سے اٹھا کر شاہ پر رکھا اور جسم کو آغوش پر رکھ کر کہتی ہوئی قبر کے کنارے پر لے آئی۔ میرا بچہ اس خیال سے کہ اس کو اس کام میں مجھے مدد دے۔ اپنے باپ کا دامن — ہاتھ میں پکڑے پھلا جاتا تھا۔ سب ہم قبر کے پاس پہنچ گئے۔ تو یہ خیال میرے دل میں آیا۔ کہ کیا اس طرح اپنے شوہر سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں اور کوئی نشانی اس سے نہ لوں؟

**آخری پونجی** ہوں ترقو د ہاتھ بڑھا کر وہ اسٹریٹیوں کی ٹیبل جو اس کی کمر میں تھی۔ کھینچ کر اپنی کمر میں باندھ لی۔ یہ مختصر سر مایہ تھا۔ جو ہماری کثیر دولت سے باقی رہ گیا تھا۔ یہ وہ املاک تھی جو میرے قیمتی بچے نے اپنے باپ کی املاک سے پائی۔ یہ وہ بصاعت تھی جو ایک بیوہ عورت کو بے کسی کی زندگی گزارنے کے لیے شوہر سے ملی۔ لیکن یہ معتد مال یہ اسٹریٹیوں کی ٹیبل کیونکر ہمیشہ کے لیے میرے واسطے شوہر کی یاد نگاہ بن سکتی ہیں۔

**محبتِ بڑی بلا ہے** بہر حال کمار حیرت و اندس سے منہ نے پھر ایک نظر اس کے چہرہ پر نگاہ ڈالی سر بے حرکت ہتھ آٹکیں بند تھیں۔ چہرے کا رنگ

اڑا ہوا۔ سر کے بال خاک میں بھرے ہوئے اور ایک دوسرے سے چپکے ہوئے دیر تک کبہر ہوئی صورت دیکھ کر روتی۔ ایک بار جوشِ محبت میں پیٹنی پر بوسہ دیا۔ بالوں سے خاک صاف کر کے اُن چٹا اور چند بال لے کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیے اور یہ عہد کیا کہ جب تک زندہ رہوں گی۔ اس لاشِ محبت کو اپنے سے جدا نہ کروں گی۔ بلکہ اپنے ساتھ گھر میں لے کر جاؤں گی اور اس کے بدلے میں وہ انگریزی جو شادی کے روز اس نے مجھے پہنائی تھی۔ اپنی انکلی سے اتار کر اس کی انکلی میں پہنائی۔ جس

سے بہشت تھا۔ کہ جب تک زندہ رہوں گی دوسرا شوہر نہ کروں گی اور بیوگی حالت میں زندگی گزاروں گی۔ اس کے بعد ایلن کو آواز دی اور اس کی مدد سے لاش کو گڑھے میں اتارا۔ پھر داماد کی لاش کو بھی وہیں رکھا اور ایک مختصر سی دعا پڑھنے کے بعد وہ تمام اسلحہ جو ان کے ساتھ تھے۔ سوائے ایک خنجر کے جس کو میری لڑکی نے شوہر کے مال سے لے لیا تھا اس گڑھے میں ڈال دیے اور اس پر مٹی ڈالنی شروع کی۔ مٹی ڈالتے وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ زیادہ مٹی پڑنے سے ان کو تکلیف ہوگی۔

اسے محبت بڑی بلا ہے!

شوہر اور داماد کو دفن کرنے کے بعد دشمنوں کا غل نظر آیا۔ اور —  
**دشمنوں کے ترغہ میں** | ایک مرتبہ ہی ان دیو سیرت ان لوگوں کے ہم پر حملہ کیا۔ ان کے اس حملہ سے میں ایلن سے جدا ہو گئی۔

ہر چند اس مجمع میں اس طرف سے اس طرف نظر دوڑائی۔ لیکن کہیں اس ایلن کی مصیبت کی صورت دکھائی نہ دی۔ ایک گھنٹے کے بعد دوسرے دیکھا کہ ان دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو کر جنگل کی طرف بھاگی جا رہی ہے اور دو بد سر فشت برابر اس کے پیچھے دوڑتے چلتے ہیں کہ اس کو پکڑ کر کام تمام کر دیں۔ اتفاقاً ایک مقام پر چند ہندوستانی عورتیں ایک خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایلن بیچاری اس خیمہ میں جا چھپی۔ حسن اتفاق سے جو عورتیں اس خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا شمار ہندوستان کے مڑٹا میں تھا ان کے درمیان میں ایک عورت زیادہ سو رسیدہ اور ذکی اثر تھی۔

ایلن نے عاجزی سے اپنے آپ کو اس کے سامنے ڈال دیا۔ یہ مقتضائے الزامیت اس نے ایلن کے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ یعنی اس کو اپنی پیادہ میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر وہ دو ہندوستانی سوار جو اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے سب سے پہلے گئے۔ میں بھی جلدی سے دیکھ کر وہیں اٹھا اور اس خیمہ میں ہو رہی تمام ہندوستانی خیمہ کے مجمع ہو گئے اور شور مچانا شروع کیا۔ کہ بیگم صاحب ان ہندوستانیوں کو آپ لے قبول اپنی پیادہ میں لیا۔ ان کو باہر نکال دیجئے۔ تاکہ ہم ان کو موت کا مزہ چکھائیں۔ یہ انگریز

ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کی جائے۔

**وہی فقیر، وہی درویش** | میں موقع پا کر اپنے لٹکے اور لٹکی کی طرف دوڑی اور ٹمپوں نے ایک دوسرے کو اس سچر مضبوط پکڑ لیا کہ باغیوں نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ ہم کو ایک دوسرے سے جدا کریں۔ نیزوں کی نوکیں بھی چبھوئیں۔ خنجر بھی دکھاتے لیکن ہم کہاں علیحدہ ہونے والے تھے انہوں نے غصہ ہو کر ہم کو اس صورت سے کھینچنا شروع کیا بعد آگ کے ایک ڈھیر پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ آگ دیکھتے ہی ہمارے اجسام میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ بعد امید حیات ہائی رہی۔ اس عالم مالیوسی میں میں نے ہر طرف نگاہ ڈالی۔ لیکن کسی کو حامی و مددگار نہ پایا۔ اتفاق سے میری نگاہ اس صوبہ دار پر پڑ گئی۔ اس وقت اندر میں مجھے اس بات کا تھا کہ ابتدا میں اس کی ٹوپی بائیں بھول جاتی۔ بعد اظہارِ نلال نہ کرتی۔ تیرے مصیبت نازل نہ ہوتی۔ ہر چند میں نے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ بعد معاذرت چاہی۔ اپنے حال پر رحم دلایا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ راجہ سامنے ہالاحانہ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا ہمارے قتل ہونے کا متاثر۔ بعد یہ صوبہ دار نہایت ادب سے سینہ پر ہاتھ رکھے سامنے کھڑا تھا شاید اس خیال سے کہ ہمدا انگریز ہونا سب پر ظاہر ہو چکا تھا۔ اُس نے کسی قسم کی سفارش مناسب نہ سمجھی یا اس کیلئے سے کہ ہم نے اس کی بیجا خواہش کو پھانہ کیا تھا۔ غرض ہماری امید ہر طرف سے قطع اور موت — ہو گئی — ایلن اپنا سر میرے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا۔ کسی شخص نے میرے لٹکے کو میرے ہاتھ سے بچر کھینچا۔ میں نے اس امید پر کہ شاید کوئی ہمارا نجات دہندہ ہے اس کو چھیڑ دیا۔ لیکن گاڑھا گاڑھا ادھواں اس قدم آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ کہ میں یہ نہ دیکھ سکی کہ کون لے گیا۔

پھر ایک ہاتھ میرے شانے پر پہنچا اور کسی نے مجھے اور ایلن کو اس آگ کے انبار سے جدا کر لیا۔ وہاں سے ہمارا بٹھا ایسا تھا۔ جب اعرے کا قبر سے زندہ ہو کر نکلتا یا کسی کا نیست ہے ہست ہوتا۔ اس دست غیبی نے ہم کو آگ سے بٹھا کر ایک بلندی پر بیٹھا دیا، اور وہ شخص خود مثل نجات دہندہ کے بیسم دیوتا بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بعد ان خیلوں سے ہندوستانی



زبان میں کچھ بات چیت کرنے لگا۔ میں نے ان لوگوں کو اس قدر اس کا مطیع پایا کہ جس طرح ایک بادشاہ کی رعایا ایک آتا کے فرمانبردار ملازم جوتے ہیں، جو بات اس کے منہ سے نکلتی تھی، وہ جماعت اس پر اظہار اطاعت کر کے زمین خدمت کو بوسہ دیتی تھی۔ میں نے جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی درویش ہے جس کو جہان کے کنارے شہر دہلی کے قریب میرے (طے کے) نے ایک روپیہ بطور صدقہ دیا تھا۔ اب اس نے اس تیلیہ صدقے کے بدلے میں اس قدر بڑا احسان ہمارے ساتھ کیا۔

انگریزوں سے نفرت کے اسباب | اس فقیر کو دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتی تھی کہ وہی گدا نے بے سرو پا اور درویش بے برگ و

واسے جو سرے پاؤں تک مٹی میں بھرا ہوا جہان کے کنارہ پڑا تھا؟ یہ وہی ہے کہ جس کے بال اس قدر پریشان تھے کہ عمر بھراں میں کٹکھی ہوئے کا احتمال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ جس کی فاضلی میں جب سے جوان ہوا اصلاح کی نسبت ہی نہ آئی۔ ایسا معمولی آدمی اور اس قدر صاحب اعزاز کہ ہوں ہی اس نے اپنے ہاتھ سے ان خونخواروں کو اٹار دیا۔ فردا سب ہم سے علیحدہ ہو گئے اور بہت دور حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے "اے سیدو آقا ہمارے برائے خدا ان فرنگیوں کی رعایت نہ کیجئے۔ سالہا سال سے ہم ان کے ہاتھوں میں گھسیٹا رہے ہیں۔ سو برس سے زیادہ ہوتے کہ ہم ان کے دستِ قہر میں اسیر و ذلیل ہیں۔ یہ ہمارے دین کی رعایت کرتے ہیں۔ نہ مذہب کی نہ ہمارے فوائد کے خواہاں ہیں نہ اپنے وعدے کو وفا کرتے ہیں۔ ہمارے معاہدے کی حرمت ہمارے خدا کی عزت خدا ان کی نگاہ میں نہیں۔"

اپنے پادریوں سے تحریک کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے آباد و آباد کے دین سے برکت کر کے دین نصاریٰ میں داخل کریں۔ انہوں نے ہمارے عزیزوں کو ذلیل کیا ہے اور شاہی خاندان کے ہمیل مخالفت پیدا کر کے سب کو منتشر اور پراگندہ کر دیا ہے۔ اور ان کی سلطنت ضبط کر لی ہے۔ ہمارے دین کی عزت اور وطن کی آبرو کو برباد کر دیا ہے۔ طرح طرح کے بلبے ایجاد کر کے ہماری دولت کو لوٹ



یہ ہے۔ ہم کہہ لوگ وحشی اور غیر مہذب کہتے ہیں اور اپنے کو باوجود انتہائی بے مروتی کے انسان کامل سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے حامی نہ ہو جائیے۔ اور ہمیں دیے دیجئے تاکہ ہم تینوں کو آگ میں جلا دیں اپنے جلے دل کے پھپھدے پھوڑیں۔

درویش نے یہ تقریر سن کر کوئی صاف جواب ان کو نہ دیا۔ صرت اسی قدر اشارہ ان پر ظاہر کیا کہ یہ لوگ میری حمایت اور حفاظت میں ہیں اور ایک خاص وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ ان کو صدمہ پہنچے!

**تنی زندگی** خلاصہ یہ کہ اس احسان و نیکی کی وجہ سے جو فقیر نے ہمارے ساتھ کی۔ ہم نے اس کے کثیف لباس اور بدبودار جسم سے ذرا کراہت نہ کی بلکہ اس کے جسم کی ہدبوہم کو مشک سے زیادہ خوشبودار معلوم ہوتی تھی۔ اس کی کردہ منظرانی اور بدقوائی ہمارے لیے محاسن و محامد کا مجموعہ تھی۔ یہ کمال شفقت و مہربانی کا رفاں ہمارے کے اندر جہاں ایک سحر بھی تھا ہمارا محل امارت قرار پایا۔

یہ خلوت گاہ اس طریقہ سے واقع ہوئی تھی کہ ہمارے آٹے والا پندرہ یا اسی اور والا اس سے گند کر یہاں تک پہنچتا تھا، اگر اس کا مستحکم دروازہ بند کر دیا جائے۔ تو چوہ کسی کے داخل ہونا غیر ممکن تھا۔ بلکہ کسی کا وہاں رہنے کا تصور و احتمال ہی نہ ہو سکتا تھا، کچھ معمولی سی بدائیتیں کرنے کے بعد درویش باہر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد گھاس کا ایک بڑا ٹھکڑا بند سے بوندے واپس آیا۔ ہم سے کہا: "لو اسے بجائے فرش کے بچھا لو اور کہیں اس مکان سے ماہر نہ جانا۔ کم از کم پندرہ روز کا کھانا تمہارے لیے موعود ہے کیا امید ہے کہ اس مدت میں خداوند عالم تمہارے لیے کٹیش پیدا کرے اور دشمن دوست ہو جائیں یا دوستوں کا گروہ ادھر سے گذرے اور تم کو قید غم سے رہائی دے۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ اور دم کی دم میں ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ ہم پہلی بار اس گوشہ امن و امان میں نہایت اطمینان سے سوئے!

راہیوں سے رعایت | جب میرے سپاہیوں کے وجود منحوس سے خالی ہو گئی تو  
مجھ سے ایک ہارک الدنیا عورت نے کہا۔

راہبہ۔ کہئے آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اگر ہمارے ساتھ چلنے کا قصد ہے تو  
بسم اللہ اب کیا دیر ہے۔ اگر کوئی دوسرا ارادہ ہے۔ تو آپ جانتے ہ  
مین۔ میں ابھی اس شمش و پنچ میں ہوں کہ میں کیا کرؤں۔ یہی خیال ہے۔ کہیں ایسا  
ہو۔ پھر ستم گر حمل کریں۔

راہبہ۔ میرے خیال سے اگر آپ تمہارے ساتھ سفر کیا تو شاید آپ زیادہ محفوظ  
رہیں کیونکہ ہندوستانی لوگ ہمارے ساتھ خاص طور سے رعایت کرتے ہیں۔

”چوتھے روز ہم نے اس قافلے سے علیحدگی اختیار کی۔ وہ سب  
عورتیں الہ آباد کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اور ہم کانپور کی طرف۔ لیکن

کانپور کے قریب پہنچنے تک ہم کو اس کا مطلق پتہ نہ چلا کہ نانا راؤ ایک شخص فرقہ باغی کا سردار  
کانپور اور اس کے معنائات کا مالک بن گیا ہے۔ اور جنرل و بلر جس کی ذات سے ہماری تمام امیدیں  
مائلہ تھیں۔ سرکاری شفاعت میں چند انگریزوں کے ساتھ مصدع ہے اس واقعہ کی اطلاع ہم کو اس وقت  
ہوتی۔ جب کہ ہم شہر کانپور کے قریب گنگا کے کنارے پہنچ گئے!

یہ ہماری خوش نصیبی اور نیک بختی تھی۔ کہ نانا راؤ  
ہندوؤں اور مسلمانوں کا سلوک | کے سواروں کی نظر ہم پر نہ پڑی۔ حالانکہ یہ لوگ کئی

روز سے برابر دریائے گنگا کے کناروں پر گھومتے پھرتے تھے تاکہ ہر فرنگی الہ آباد۔ کلکتہ یا بتا اس  
جانے کے خیال سے کشمیل میں بیٹھ کر دریا کو عبور کریں۔ ان سب کو گرفتار کر لیں بعض دہقانوں کو جو  
ہندو و مسلمان دونوں فرقوں سے تھے۔ ہماری حالت پر بہت رحم آیا اور ازاں شفقت انہوں  
نے ہم سے کہا کہ تم لوگ کانپور ہرگز نہ جاؤ۔ ورنہ یقیناً مار ڈالے جاؤ گے۔ چند روز۔ یہیں  
گنگا کے کنارے پر جو وسیع جہلی ہے۔ اپنے کو پوشیدہ رکھو۔ ممکن ہے کہ شہر میں امن و امان

کاتم ہو جائے۔ اور تمہاری خلاصی کی صورت نکل آئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی حیثیت کے  
سائق کچھ کھانا اور کچھ لباس بھی دیا۔

**قسمت کا چکر** غالباً بد بختی کے موقع پر انسان کے جوش و حواس بہ نسبت ایام سعادت  
زیادہ درست ہوتے ہیں۔ ہم نے اس وقت یہ خیال کیا کہ پہلا دستہ باغیوں  
کاپے اور دوسرا انگریزی سواروں کا۔ کیونکہ یہ لوگ انگریزی زبان میں کلام کر رہے تھے ہم سب  
نہایت خوشی خوشی اطمینان قلب کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ اور زبان انگریزی میں گفتگو شروع  
کی۔ وہ ہماری گفتگو سنتے ہی یکایک رُک گئے۔ میں نے مختصر طور سے اپنی سرگذشت بیان کی اور اپنا  
عہد اپنے شوہر اور اپنے داماد وغیرہ کا نام ان سے بیان کیا اور انکی امر اپنے متعلق پوشیدہ نہ رکھا۔  
جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ذی قوت اور آبرو دار ہیں۔ خاص کر سبب یہ جانا کہ میرا داماد  
انگریزی فوج کا سردار تھا تو وہ سب اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم کو جیل دہرائے پاس  
پہنچادیں۔ چنانچہ انہوں نے ہم کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور دہلی سے چل دئے تھوڑی دیر بعد ہم  
جیل دہلی کے مکں میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۴ جون کا تھا۔ تیس روز ہوئے تھے کہ مانا رافٹے  
اس انگریزی سردار کو اپنے محاصرہ میں کر لیا تھا۔ جیل مذکور بہت زخمی ہوا تھا۔ جب ان لوگوں پر  
دیادہ لکھو ہوا اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ تو مجموعاً اپنے کو مانا رافٹ کے سپرد کر دیا۔ مگر  
اس شرط پر کہ جیل مذکور میں اپنے ساتھیوں کے شہر کے باہر پہلا جلسہ۔ اور سپاہ بغاوت پیش  
ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرے۔ مانا رافٹ نے اس کو منظور کیا اور چند کشتیوں کا انتظام ہم لوگوں  
کے عبور کرنے کے لیے دریا گنگ پر کرا دیا۔ میں جیل دہلی کے واقعات تفصیل سے لکھا نہیں  
چاہتی۔ اس کو مزید غین پر چھوڑتی ہوں۔ میں صرف انہیں واقعات کو لکھتی ہوں۔ جس کا تعلق میری  
سرگذشت سے ہے۔

**کشتیوں پر اسٹش باسی** المختصر ایک روز ہم شفا خانہ سے باہر نکلے۔ میں اور میرا چھ ایک لاد  
میں اور دوسرے لوگ اور گاٹھی میں بیٹھے ہوئے دریا کے کنارہ کے طرف



جہاں بہت سی کشتیاں موجود تھیں چلے جاتے تھے۔ چونکہ نانا راؤ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ہم کو نہایت عورت  
 آہو کے ساتھ اپنی حفاظت میں دریا سے لٹگا سے پار اتار دے۔ اس لیے ہماری حفاظت کو دونوں  
 طرف مسلح سپاہی شفا خانہ سے گنگا کے کنارے تک کھڑے ہوتے تھے۔ اور ان کے پیچھے ایک کثیر  
 جماعت شہر کے تماشا بینوں کی کھڑی ہوئی ہم لوگوں کے جانے کا متاثر دیکھ رہی تھی غرض کہ ہم لوگ  
 صحیح و سلامت کنارے پر پہنچ کر کشتیوں میں سوار ہو گئے۔ کشتیاں نہایت تیزی کے ساتھ پانی کو چیرتی  
 مہتی چلی جاتی تھیں تاہم ہم درمیان دریا میں پہنچ گئے۔ میں فکر خدا بجالائی کہ اس نے مہلکہ عظیم سے ہم  
 کو نجات دی۔ اور موت کے منہ سے بچا یا مگر آہ اس کی خبر نہ تھی۔ کہ تازہ مصیبتیں ابھی اند نازل ہونے والی  
 ہیں۔ ابھی آسمان ہمارے سامنے سے باز نہیں آیا۔ ابھی ہماری تکلیف کی انتہا نہیں ہوئی ۔  
 امید نجات کی دو ایک موبوں سے زیادہ دل میں نہ اٹھی ہوں گی کہ یکا یک عین دریا سے  
 آتش بار توپوں کے دھننے کی آواز آئی شروع ہوئی۔ میں دیکھ رہی تھی۔ کہ بہت سے ہمارے ساتھی کشتیاں  
 میں گولے کھا کر تڑپ رہے تھے۔ کشتیاں گولوں کی رو سے ٹکستے ہو گئیں اور پانی اند آنا شروع ہوا۔  
 قریب تھا۔ کہ سب ایک بار ڈوب جائیں، حسن اتفاق سے ہوا تیز چلی اور میری کشتی سب سے پہلے  
 ساحل پر جا لگی۔ میں جلدی سے کشتی سے کودی اور ایلن اور ویل کو گود میں لے کر اتارا۔ اس واقعہ کی  
 تفصیل بھی وقائع نگاروں پر چھوٹی ہوئی کشتی سے اتر کر میں اپنے بچے سمیت دریا کے کنارے  
 پر مثل مردوں کے پڑ رہی اور اس بات کا انتظار کیا کہ خونخوار باغی جلدی سے یہاں آکر ہم لوگوں کا کام  
 تمام کر دیں۔ تاکہ ان روحانی تکالیف سے نجات مل جائے۔ اس وقت کے خوف کی حالت کا لکھنا میری  
 طاقت سے باہر ہے۔ وہ مصیبت ناک منظر تھا۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا تھا۔ پھر خوف سے دھڑ  
 دھڑ مہرہ ہل رہا تھا !

نانا راؤ سر وادوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں وارد ہوا۔ اس کے  
 نانا راؤ اچھا آدمی تھا اشارہ سے تمام تدابیر نیام میں چلی گئیں۔ اور نانا راؤ ہم کو اپنے گے  
 کر کے مثل قیدیوں کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ہم لوگ نن و مرد سب کھانڈ میں ایک سو ساٹھ سے



زیادہ بول گئے۔ اس کے حکم سے ہم لوگوں کو ایک انگریز سردار کے مکان میں جگہ دی گئی جہاں ہماری آسائش کا کافی سامان مہیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم تھا کہ اس مکان سے باہر نکل کر کہیں نہ جائیں۔ میں نے ناماراؤ کو اس سے قبل کہیں نہیں دیکھا تھا۔ لوگ جو کچھ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ جانیر مگر میں کہتی ہوں کہ اس قتل و غارت کا باعث وہ نہیں تھا۔ یہ شہر زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر کا ہو گا۔ چہرہ نہایت کشادہ صورت نہایت شگفتہ۔ طبیعت اچھی۔ عادات پسندیدہ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر فرقہ باغی اس کی اطاعت کر لیا تو یقیناً یہ قتل و غارت ہرگز نہ ہوتا۔ یہ امر جو اس سے خلاف عہد ظہور پذیر ہوا۔ یعنی دریا مل ہنسے اور پرگوں سے برساتے گئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جنرل ہالوک جنرل دہلوی کی رہائی کی غرض سے کانپور کے نزدیک آیا ہوا تھا جس وقت کہ ہم کشتی میں بیٹھ کر عازم الہ آباد ہوئے وہ بارود کا ڈیسر جو خفا خانہ میں تھا۔ ممانظہ کی غفلت سے جل اٹھا۔ ہندوستانیوں کے خیال کیا انگریز لوگ پھر جنگ پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اور ابھی کانپور سے باہر نہیں گئے۔ جنرل ہالوک کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وجہ تھی کہ ہم سب لوگوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن جب ہم لوگوں کی بے گناہی معلوم ہوئی۔ تو ناماراؤ نے ان لوگوں کو جو قتل ہونے سے رہ گئے تھے۔ نجات دی۔

بادبود اس کے کہ ناماراؤ نے اس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت  
**انگریزوں کا قتل عام** کر دی تھی۔ چند انگریز عورتیں کچھ بھی امداد سے باہر چلی گئیں۔ اور  
 بہر کے لوگوں سے نامہ پیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں بادبود کو باہر پھینکے جاتے تھے۔ اور جاکر  
 ان کو رے مطلب تک پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح بہر کے خطوط اندر آتے تھے۔ بعض خطوط سے  
 معلوم ہوا کہ انگریزی فوج نے ناماراؤ کو شکست دی اور عنقریب باغی شہر کو چھوڑ کر چلے گئے۔  
 ہیں۔ دوسرے روز صبح کو شہر سے بہت زیادہ شور و غل کی آواز کان میں آ رہی تھی۔ پتہ چلا تھا  
 کہ شہر میں بڑا فتنہ فساد ہو رہا تھا۔ اسی درمیان میں چند لوگ ناماراؤ کے ہمسائے مکان میں آئے  
 اور ان چار عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ جنہوں نے لوگوں سے خطوط کا بست کی۔ اور باہر نکلتے ہی

چاروں کو کتل کر ڈالا۔ اس کے بعد پھر بہت سے شہر والے ہمارے جیس میں گھس آئے۔ رات کو حملہ پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ آہ اُس وقت ہم لوگوں کی بے کسی و بے لیبی قابل دید تھی۔ چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے گندکئی اپنا ہمدرد نظر نہ آتا تھا:

دشمن تھے کہ چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ اور مار مار لو کی صدا بلند کر رہے تھے۔ تلواریں برابر چل رہی تھیں اور خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ چننے بے کس بستیاں یکے بعد دیگرے ان ستم پیشوں کی تیغِ ظلم کا شکار ہو رہی تھیں۔

ایک پر دمن دمن آدمی ٹوٹے ہوئے تھے، میں اس گڑ بڑ میں  
اسلم اور ویل کا قتل اپنے بچوں سے جدا ہو گئی۔ آہ اس پریشانی کے عالم میں بھاگی ہوئی

جو ایک طرف گزری تو دیکھا کہ میرے دونوں نورِ نظر لخت جگر گردنیں کٹتے خون میں نہاتے خاک میں پڑے ہیں۔ یہ دیکھنا تھا کہ بے ہوش ہو کر نہ میں پر گر پڑی اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ اور میں کتنی دیر غش میں پڑی رہی۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ چند ہم وطن میرے گرد جمع ہیں۔ اور مجھے ہوش میں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں۔

یہ تھی وہ میری سرگزشت جس کو یاد کر کے عمر بھر خون کے آنسو آنکھوں سے بہاؤں گی۔ آہ شوہر چھوٹا۔ داماد چھوٹا۔ اولاد چھوٹی۔ اور میں بد بخت ابھی تک باوجود ان مصائب برداشت کرنے کے زندہ ہوں۔

کاش مجھے پہلے ہی موت آگئی ہوتی تاکہ ان جانکاہ مناظر اور روح فرسا سواوٹ کو نہ دیکھتی۔ آہ معتد کا لکھا کہی سے نہیں ملتا۔ خیر جب جنرل ہارلوک کا قبضہ شہر پر ہو گیا تو چند روز بعد مجھے کانپور سے الہ آباد اور وہاں سے یامس اور کلکتہ بھیجا۔ کلکتہ سے کشتی میں سوار ہو کر کوئٹہ اور وہاں سے انگلینڈ پہنچی۔

# غدر کے بعد باغیوں کے حوصلے

گرچہ تھے معفو بہتی پر ہم اک حرمت غلط  
لیکن اٹھ بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

فتح و شکست کا حقیقی فیصلہ میدان جنگ میں نہیں ہوتا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ، فتح ان لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، جو جنگ کے میدان میں ہار جاتے ہیں لیکن، تاریخ ان کی فتح و ظفر کو اپنے لہاق میں غیر فانی بنا دیتی ہے، اسی کے میدان جنگ میں، انگریزوں نے فتح حاصل کر لی تھی، اپنے دشمنوں کو کچل دیا تھا، ہندو آزادی پسندوں کو ترسیع بے دریغ کر دیا تھا، جس پر فوراً بھی شہرہ آفاق یہ میدان جنگ میں جانتا ہے اسے بغیر کسی جرم و خط کے قضا کے گناٹے اٹا کر دیا تھا، لیکن، انگریزوں کی سنگینیں اور بندہ دہلی، اس عزیت کو زچہ کچل گئیں، جو آزادی، حریت کے ان پرستوں کو قدرت نے عطا کی تھی، انگریزوں اور ہندوؤں نے، بڑی بڑی عمارتیں ڈھا دیں، شاندار حرکیات زمین کے برابر کر دیں، قلعوں کو مسمار کر دیا، مستحکم اور مضبوط مکانوں کو تباہ کر دیا، لیکن وہ اس عزم و ہمت کو نہ ڈھکاسے، جو حریت پرستوں کا تھا، ہندو گنا، انگریزوں کی بندوقوں، اور ساز و بان جنگ نے، ایک پوری قوم کو، جو کرہڑا کر وڑا افراد پر مشتمل تھی اپنا غلام بنا لیا، لیکن وہ ان مسمیٰ بھرا آدمیوں کو اپنا مطیع و منقاد نہ بنا سکے، جو کفن مر سے باندھ کر میدان میں آ رہے تھے، جو موت کو کہیں بچھتے تھے، اور زندگی میں کے نزدیک، صرف ایک رہ کر زندگی آخری منزل کی۔

غدر کے بعد لوہے انگریزوں کے قسط کے بعد بھی، جب ہر طرف، دہشت چھائی ہوئی تھی، ایک



مرگ آسانا طاری تھا ہر ذی حیات پر۔ جب لوگ ڈرے ہوئے تھے، جبے ہوئے تھے، وہاں اُسے  
 رہے تھے، زمینگی کی دروازہ گری کر رہے تھے، زندہ رہنے کے لیے، مجبوری کر رہے تھے، اپنے  
 دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کو پھالیدوں پر چڑھا رہے تھے، کچھ ایسے من چپے بھی تھے،  
 جو موت کی جستجو کر رہے تھے، جو تلاش مرگ میں، سرگرواں تھے، بہنیں زندہ رہتے ہوئے عار  
 آتا تھا، جن کا گھر مٹ چکا تھا، اہل و عیال بچپڑ چکے تھے، مازو سامان جنگ ختم ہو چکا تھا، سہارا ٹوٹ  
 چکا تھا، لیکن وہ ان سب کے بے نیاز، اپنے ٹوٹے اور شکستہ ہتھیاروں سے لپٹے اور چھپے، لڑنے پر تیار تھے  
 جہاں اور جب موقع ملتا تھا، ان شکستہ ہتھیاروں سے بھی دشمن کی ایسی سرکوبی کرتے تھے کہ وہ تھلا کر رہ  
 جاتا تھا۔

پچاسی کے میدانوں میں، جیل کے احاطوں میں، شہر کی وسیع و عریض دنیا میں، گولیوں، اور  
 کاشانوں میں، لاکھوں کی تعداد میں جو محقوق موجود تھے، نہ صرف یہ کہ انگریز اس سے غارت نہیں تھے، بلکہ  
 اس کی بے بسی کا مذاق اڑاتے تھے، اسے تعزیر و عقوبت کے شکنجہ میں برابر کتے چلے جا رہے تھے،  
 لیکن یہ چند سر پہرے، جو اپنی بے سرو سامانی کے باوجود اب تک لڑنے پر تیار، اور جنگ پر مستعد  
 تھے۔ وہ تھے جن سے ایوان فرنگ میں زلزلہ برپا تھا، جن کا چرچا سن کر بڑے بڑے بیالے، الگہ و  
 دہل جاتے تھے، لڑا اٹھتے تھے۔

اُسیے ایک نظارہ، ان۔۔۔ بے مایہ، لیکن، سرفروش، جان ہار، اور خدا کار لوگوں کا بھی کریم

شہرِ پناہ کے اندر لڑائیاں | ایک حقیقت نگار شاہد افغانہ کے الفاظ میں کہتا ہے: —  
 انگریزوں نے دو طرف سے شہر پر حملہ کیا، قہوڑی دیر تو ہیں چلیں  
 اس تسلسل کے ساتھ کہ جیسے کبھی زور کی مبادٹ میں بجلی ہے کہ برابر کونڈ رہی ہے، اور گج ہے کہ  
 ایک لمحے کو نہیں قہمتی، پھر بندو قہیں چلی شروع ہو میں، ابن الوقت کو دور سے بس ایسا سن پڑتا تھا  
 کہ بھاڑیں گویا چھوڑ کے گھان بھن رہے ہیں۔



ہم سب بھتے تھے کہ شہر ایک دن میں فتح ہو جائے گا، مگر ابھی تک باغی موجود ہیں  
نہیں معلوم کتنی رڈائیاں شہر پناہ کے اندر ہوں گی۔

کمانڈر انچیف کی دہشت | سرہنری برنارڈ کمانڈر انچیف تھے، لیکن باغیوں کے حملوں  
نے انہیں پریشان اور حواس باختہ کر رکھا تھا :

### مراسلہ نمبر ۱

جسے جنرل سرہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنک بارنس۔ جو دریائے  
سینج کی مغربی ریاستوں کے کمانڈر تھے، کے نام ۱۴ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

انکیمپ بالائے دہلی مورخہ ۱۴ جون ۱۸۵۷ء

ہائی ویر بارنس

میں یہاں سے ابھی دہلی کی جانب دیکھ رہا ہوں۔ اور ہر گھڑی مجھے یہ امید ہوتی ہے  
کہ ہماری فوجیں دہلی کی توپوں کو خاموش کر سکی ہیں اور مجھے اس کا یقین ہے کہ کامیابی  
کی معقول امید ہے۔ بہت قریب پہنچ کر اس مقام پر قبضہ کر لوں۔ لیکن ان باغیوں کی توپوں کی زیادتی  
میری ہمت پرست کیے دی ہے۔ پس اب جب کہ واقعہ ہے۔ میرے سامنے اور مجھے کسی چیز کا  
خوف نہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی تدبیر نہیں۔ کہیں ایسا اچانک اور زبردست حملہ نہ کر دوں  
ان روشن راتوں میں یہ کام آسان نہیں۔ معلوم ہوتا۔

میں صرف چھ توپوں کا انتظام کر رہا ہوں۔ اور ان کے چلانے والے بھی باطل نامہ  
کار ہیں۔ یہ باغی حیوان تقریباً ہر روز باہر نکلتے ہیں۔ اور وہ دفعہ تو میں نے انہیں خاموش کر کے  
واپس بھیجا۔ لیکن میرے پاس بھی نہ نفع جاتے ہیں۔ اور مجھے ان کی بہت کچھ جو حملہ افزائی کرنی  
پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ آٹھویں مارچ سے لیکر اب تک اوپر تلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہی

وہ آٹھویں مارچ کے بعد بے اپنے نقصانات کا اندازہ دو ہزار سے زیادہ کرتے ہیں۔

لیکن مجھے شک ہے کہ اس میں وہ تعداد شامل نہیں کی گئی جس کا پتہ نہیں لگتا۔

جب آپ حضرت امیر طریقت سے دہلی کی فصیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ تو میں نہیں

بجھ سکتا کہ اس سے آپ لوگوں کا مقصد کیا تھا۔ ۲۴ پونڈ وزنی گولہ پھینکنے والی توپیں باغیوں

کے برہوں میں ہر جگہ نصب ہیں۔ اور ان کے پیچھے تقریباً ۷ ہزار سپاہی بھی موجود ہیں۔ ایسی حالت

میں داخلہ آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور میرے انجنیئر کہتے ہیں۔ کہ ہم باقاعدہ خندقیں بنا کر قلعہ

تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور میرے توپ خانہ والے بھی یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم ان توپوں کو جو میرے

پاس ہیں نہیں چلا سکتے۔ پس اب میرے پاس ایک تیر بیرہ گئی ہے۔ اور اسے بھی پوری طرح

آزمائنا چاہئے۔ اگر اس میں ٹانگا مانی ہوئی تو میرے پاس کوئی محافظ فوج باقی نہ رہے گی۔

اگر یہ گویا بالکل تباہی کے آثار ہوں گے۔ ہندوستان کے لیے کون سی بات کم مضرت رہاں ہے۔ یہ

کہ امدادی فوج دکن کے انتظار میں تعینع اوقات کی جاتے۔ یا ٹانگا مانی کے خطرہ کو برداشت کیا جائے

فہ باغی اپنی ہمراہی آمد (حملہ) کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور اس لیے مجھے اپنے مراسلہ کو

جلد ختم کر دینا چاہئے۔ مندرجہ بالا سے میرا سلام کہہ دیجئے۔

آپ کا صادق۔ اپج۔ امج برنارڈ

غالب انگریزوں کے بہت زیادہ مدد اور عقیدت مند تھے۔

انہوں نے انگریزوں کی فتح و کامرانی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ

کتاب اول آویزاں ساتھ ہی ساتھ ملحق بر حقیقت بھی ہے۔

اللہ وہ مارچ بروز جمعہ شنبہ تمام کے وقت گردوں کے توپوں کی آواز نے خبر دی کہ لکھنؤ

میں کامل طور پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔ اپریل کے مہینے میں حکیم محمود خاں صاحب کے ساتھ تھیں۔

۱۱۔ محاصرہ دہلی کے خطوط، مستند

اس وقت تک حوالات میں تھے رہائی پائی۔ اور حکیم صاحب اپنے عزیز اقربا کے ساتھ پٹیار رواز ہوئے۔ مئی کے شروع میں خبر آئی کہ انگریزی سپاہ نے مراد آباد باغیوں سے خالی کرالیا اور فتح کئے بعد مراد آباد کو اب یوسف علی خاں صاحب والی رام پور کی فوج میں شامل کیا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے بریلی کو فتنہ پروار باغیوں سے خالی کرایا۔ چنانچہ اب قوی امید ہے کہ انگریزی سپاہ ہر جگہ باغیوں کا قمع قمع کر دے گی۔ اور پھر تمام ہندوستان از سر نو سرکار انگریزی کے سایہ عدل انصاف میں آجائے گا۔

۳ جون یک شبند کے روز شام کے وقت بہادر جنگ خاں والی بہادر گڑھ کو بلا کر حکم جان بخشی سنایا گیا۔ لہذا سوتھی ایک ہزار روپے ماہوار کے وظیفہ کا مشورہ سنایا گیا۔

۲۲ جون کو ۲۱ توپوں کی سلامی نے خبر دی کہ انگریزی سپاہ کی جاننا زانہ کوششوں سے گواہ لہر قلعہ گواہ ر فتح ہو گیا۔ جس کی مختصر روداد یہ ہے کہ باغیان سرکش دیگر مقامات کی طرح گواہ ر پر بھی قبضہ ہو گئے تھے۔ راجہ گواہ ر جہاد جہاد جی راؤ شہر اور شہر یاری چھوڑ کر آکرہ بھاگ گیا اور انگریزوں سے مدد مانگی۔ انگریزوں نے ایک جرّار فوج سے اس کی مدد کی چنانچہ راجہ نے انگریزی فوج کی مدد سے باغیوں کو شکست فاش دی۔

پھر باغیوں کی حالت بتائی ہے، الفاظ میرے ہیں لیکن کیا یہ ان کے بلند حوصلوں کو داکٹنگ نہیں کرتے؟

باغیوں کا جو کچھ حشر ہوا وہ ان کے کردار کی کافی سزا تھی۔ یہ گمراہ سرکش ہر طرف سے ہزیمت پا کر گواہ ر پہنچے لیکن جب وہاں بھی شکست فاش کھائی تو مدت تک رواں دواں پھرتے رہے اور رہزنی لود ڈاکہ زنی کرتے پھرے۔ آخر کار ہر جگہ ہزیمت فلت و خواری کے ساتھ ایک ایک کر کے مٹے گئے۔

۱۱ غائب کی جہاز کی تاریخ (دستبنو)

ملک دشمنوں کی سرکوبی | انگریزوں کی فتح یابی کے بعد بہت سے باغی گروہ منتشر ہو گئے، اور انہوں نے ان لوگوں کی سرکوبی اپنا مقصد حیات بنایا، جو انگریزوں کے دوست اور ملک کے دشمن ثابت ہوئے تھے، انہیں خاک و لٹیڑا کھا گیا، لیکن یہ اپنا کام کرتے رہے۔

۱۸۔ نواب بھوجپور کے خیر عبدالصمد خاں ڈھائی سو سوار لے کر بادشاہ کی مدد کو آئے تھے اور برابر بادشاہی فوجوں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے لڑتے رہے۔ جب تنگے بھاگے تو یہ بھی ان کے ساتھ بھاگے۔ ان کے ساتھ ایک بہت بڑا گروہ ہے۔ اور اب ڈکیتی کرتے پھرتے ہیں۔ ان مسلمان حریت پرستوں کی آگ ان کے ساتھیوں تک بھی پہنچی خواہ وہ ہندو ہندو بھی ہوں یا مسلمان، پناہ مرزا غالب بتاتے ہیں :

اگرچہ دہلی میں فتنہ فرو ہو گیا۔ مگر ابھی بدکردار باغیوں نے ایک طرف بریلی، فرخ آباد اور لکھنؤ میں شورش برپا کی ہے۔ اور دوسری طرف سوہنے اور میوات کے علاقے میں فتنے کی آگ بھڑکار رکھی ہے۔ تلام نامی ایک شخص نے کچھ دنوں ریواڑی میں شورش برپا کی پھر دہلی یا میوات کے ساتھ مل کر میوات کے پہاڑ اور جنگلات میں انگریزوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوا۔ (۱۷)

(۱۷) نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۱۱۱

(۱۸) غالب کی فارسی تاریخ غدر و شبنو



# عذر کے بعد سفاکی اور زندگی کے مظاہر

اس نجس باز کی کیا بات ہے غالب  
بہم بھی گئے واں اور ترمی تقدیر کو روکے

انگریز جب فاتح اور کشور کش کی حیثیت سے اپنا پرچم اقبال لہراتے ہوئے دلی میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ کئی چیزیں تھیں، تیغ و تلنگ، شکر جہاز، ساز و سامان، سیم فونڈ کے انبار، تیر و شمشیر، توپ اور بندوق لیکن ایک چیز ان کے لیے عسکری حیثیت رکھتی تھی۔ اس سے وہ یکسر محروم تھے اور وہ تھی "انسانیت"۔ انگریز دلی میں آگئے لیکن انسانیت چھوڑ آئے۔  
تواریں سے زیادہ ان کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا وہ شیر اور چیتے سے زیادہ خونخوار بن کر داخل شہر ہوئے اور ان کی خون آشامی کا ہر دم بننے سے کوئی بچ سکا۔ نہ فقیر، شہر، نہ مذمے آشام نہ امیر کبیر نہ غریب فقیر، ان کی توار جلی کی طرح چمکتی تھی اور بندوق بن کر لوگوں کے سر من جہات پر گرتی تھی اور سر ہاندا رشتے کو خاکستر کر کے رکھ دیتی تھی۔

فرنگی سامراج کے دامن پر بہت سے سیاہ دھبے ہیں لیکن عذر کے بعد جس ویدہ دیرینی شقاوت سفاکی اور بہیمیت کے ساتھ انھوں نے گناہ گاروں سے زیادہ بے گناہوں کا قتل عام کیا جس طرح عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں تک کو ترسایا اور ان کی بے بسی و بے کسی کا تماشا دیکھ دیکھ کر مارا اور قتل کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اسٹارٹ اور مقبہ ہے کہ اب کوڑے سے بھی دھویا اور صاف نہیں

کیا جاسکتا۔

اب ہم جتہ جتہ اور چپہ چپہ واقعات اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں :-

## شہر کس طرح خالی کر دیا گیا :-

مسلمان عورتوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے کنوئیں

کلیجہ تمام لوگے جب سونگے  
بڑی پردہ سے اپنی کہانی

دلی کی فسطح کے بعد غیرت مند اور عصمت مآب عورتوں کی بیتا کستی رزہ خیز تھی۔ بعض غیرت مند عورتوں نے اپنے بے عصمت ہونے کے خوف سے اور گھر سے باہر نکل کر بے پردہ در بدر خاک لبر پھر کر جینے سے مرنے کو اچھا جانا۔ وہ کنوئیں میں مرنے کے لیے کود پڑیں کنوئیں میں عورتیں اتنی گریں کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی پھر جو ان پر اور عورتیں گریں وہ زندہ رہیں جب مال کی تلاش میں گورے ان کنوئیں کے پاس گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان میں عورتیں زندہ ہیں انھوں نے ان پر رحم کھا کر خود کنوئیں میں اتر کر ان کو زندہ نکالا، ایسی عورتیں مذتوں تک مردوں سے بدتر زندہ ہیں۔

دلی پر تسلط حاصل کرنے کے بعد، انگریزوں نے ظلم و جور میں اپنے دل کی کوئی حسرت اٹھانہ رکھی۔

## قتل، پھانسی کا لاپانی

فتح کے بعد دلی میں مارشل لا جرنیلی قانون جاری ہوا۔ اور ایک فوجی گورنر مقرر ہوا اور سارے

ط : تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ڈاکٹر، لکھنؤ) ص ۵۵

شہر میں گھر گھر تلاشی ہونے لگی کہ کہیں باغی بھیس بدلے نہ بیٹھے ہوں چنانچہ ہر ایک لوگ گرفتار ہوئے اور پچانسی پر چڑھائے گئے۔ اور جب آتش انتقام ٹھنڈی ہوئی تو پچھریلوں جنرل اڈیوان یعنی کالے پانی بھیجے گئے۔ لیکن جو پچانسیاں چاندنی چوک میں گاڑی گئیں ان پر ہتھیار آدمی لٹکائے گئے۔ قیامت کا نمونہ اور نفسی نفسی کا معاملہ تھا۔

جس دوست کو پوچھنا یہ سنا قتل ہوا وہ | فرنگی غلبہ اور تسلط کے بعد قتل عام شروع ہوا۔ اس خون ریزی کے بعد وہ

میں قتل عام شروع ہوا جس کی بابت انگلستان کا ایک مؤرخ اسپنسر والپول لکھتا ہے کہ :۔۔۔  
 وہ وحشی نادار شاہ نے بھی وہ لوٹ مار نہیں مچائی تھی جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے دہلی جائز رکھی۔ شائع عام پر پچانسی گھر بنائے گئے تھے اور پانچ پانچ چھ آدمیوں کو روزانہ سرے موت دی جاتی تھی۔ والپول کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پچانسی دی گئی تھیں میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔  
 ستائیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا۔ غریب بادشاہ زینت محل کی حویلی میں قید تھا، خود اک کے لیے پانچ روپیہ دیے ملتے تھے اور اس ظلم و ستم کی خبریں روز سنارتے تھے۔

مشاق تھے جس کے خبر آئی کہ ہوا وہ  
 جس دوست کو پوچھنا یہ سنا قتل ہوا وہ

فاتح فوج کو تین دن تک مار  
 لوٹ مار کی ایذا رت دیدی گئی

فوج کو تین دن تک لوٹنے کی اجازت

ط : واقعات دار الحکومت دہلی حصہ اول البشیر الدین احمد ط

ط : ملاحظہ ہو قیصر التواریخ

اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس جذب فوج کے متمدن سپاہیوں نے کیا کیا، ملاحظہ فرمائیے  
انگریزی سپاہ میں زیادہ تر سکھ پنجابی و سرحدی قومیں تھیں جو غارت گری کے پیشہ میں بڑا کمال  
رکھتی تھیں وہ اپنے اس پیشہ آبائی کو کبھی بد سلیقگی سے نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ان سے جس قدر ہنرمندی  
اور سلیقہ شعاری کے ساتھ لوٹا گیا لوٹا، وہ شکاری کتوں کی طرح بھولی پہنے گلی کوچوں میں پھرتی  
وہ دیواروں پر تھکیاں مار کر کے پہچان لیتی تھیں کہ اس کے اندر دھوپ تو نہیں ہے، وہ زمینوں پر پانی ڈال  
کر اس کے جذب ہونے سے پہچان لیتی تھیں کہ اس میں مال تو نہیں دبا ہوا ہے۔ وہ یقین کر چکی تھیں  
کہ درہلی میں تاروں کا خزانہ بھرا ہوا ہے وہ سیم وزر و جواہر و گوہر کی کان ہے۔ وہ اس لالچ و طمع  
میں در و درازہ فاصلہ سے لڑنے آئیں، اور لڑائی کی نہایت سخت مصیبتیں اٹھائیں اور افیتیں بھیلیں  
اس سپاہ کا یہ حق تھا کہ سرکار اس کو تین دن کی اجازت دیتی کہ وہ شہر کو جس طرح چاہیں لوٹیں، اس تین  
دن کی لوٹ کے بعد سپاہ نے خود درخواست کر کے پراسنر ایجنسی کا ایک محکمہ مقرر کرایا جس کا یہ  
کام تھا کہ تین دن کے لوٹنے کے بعد شہر کا کل مال و متاع، سب قسم کا جو لوٹ سے بچے کیا جمع  
کرے اور اس کو نیلام کر کے فروخت کر دے اور زرقمیت جو ہاتھ لگے وہ اس کو سپاہ میں تقسیم کر دے  
یہ محکمہ لشکریوں کی لوٹ کو روک نہ سکا، جب ان کا لوٹ کا مال شہر کے دروازے سے باہر لے جانا  
بند ہو گیا تو انہوں نے اس کو لے جانے کی یہ ترکیب نکالی کہ آپس میں مل کر دو گروہ بنیں، ایک شہر  
کے اندر ان کو مال کو تفصیل کے باہر آتا، دوسرا اس کو اکٹھا کر لے جاتا۔

اب پراسنر ایجنسی کے محکمہ کے کارپردازوں نے اس کے کاموں کو آپس میں تقسیم کر لیا، کسی  
نے شہر کے تینوں کو توڑ کر اور زمین کو کھود کر مال نکالنے کا کام شروع کیا، اس کارپرداز کا نام کھنپکا  
صاحب ہندوستانیوں نے رکھا تھا۔ کسی کارپرداز نے کتابوں کے جمع کرنے کا کام لیا کسی نے برتنوں  
چار پائیوں و چکیوں کے جمع کرنے کا، جب تک شہر میں گھسے تھے تو اہل شہر نے سیم وزر و  
زیور و جواہر کو زمین کے اندر دفن کیا تھا اور ہر قسم کے اسباب لباس و برتنوں وغیرہ کو گھڑیوں  
میں اور کو لکیوں میں بند کر کے دوپے سے مقبضہ نامعلوم لگا دیا تھا، اگرچہ یہ کام انہوں نے اپنے معتبر



مزدوروں سے کرایا تھا، مگر جب ان تینہ کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ کھدنی کے ایک صاحب ایسے مقرر ہوئے ہیں کہ جو ان کو تینہ کے اندر کا اور زمین کے نیچے کا مال اسباب بتاتا ہے، تو اس کو وہ فیصدی مال کی قیمت پر روپیہ دیتے تھے۔ تو وہ راج مزدور مہجر بن گئے اور کھدنی کے صاحب کے پاس جا کر جو تینے انھوں نے لگائے تھے، بتلا دیئے۔

صاحب وہ تینے توڑتے اور زمین کھدواتے اور مال و اسباب برآمد کرتے اور اس کو لدا کر گوداموں میں بچھراتے، منصور خاں کی حویلی میں شہر کے اندر تانبے پیل کے برتن بھرے جاتے یہ وہی سرامچند کی کوٹھی میں سے ایک دینہ برآمد ہوا۔ جس میں ساٹھ ہزار روپیہ ڈیک کے سکے کے تھے جس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ اس پر اسٹریٹیکسی کے سوا ایک اور طریقہ بھی امیروں کے نوٹنے کا تھا کہ بعض ذمی اختیار انگریز محرموں کو سب طرح سے بری ہونے کی اسناد دے دیتے اور ان سے خاطر خواہ روپیہ لیتے تھے، مشہور ہے کہ حامد علی خاں اور مفتی صدر الدین خاں اور کندال مصر نے اسی طرح زر کثیر دے کر اپنی جانیں بچائیں تھیں ایک صاحب جو ان بخت بادشاہ کے بیٹے کو ہاتھی کی عماری میں بیٹھا کر زینت محل کے مکان میں لال کنویں سے گئے اور جو ان بخت سے دھمکا کر سارا حال زینت محل کے مال کا پوچھ لیا اور اس کو نکال کر معلوم نہیں خود لیا یا پر اسٹریٹیکسی کے حوالے کر دیا۔

مسلمان جہاں زیادہ تر جا کر رہتے تھے، جیسے قدم شریف

وغیرہ ہیں وہاں سرحدیوں کی ملکیت جا کر حلقہ ڈالتے یعنی

مسلمان ہونا مجرم تھا

خاص حدود کو محدود کر کے پولیس سے گھیر لیتے اور جو مسلمان جو ان تنوید یا وجہ ہوتے تو پچاس پکڑ کے کوتوالی بھیج دیتے، ان کو مختلف طرح کی سزائیں دیتے۔

ط : تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ذکا، اللہ) ص ۱۲۰

ط : تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ذکا، اللہ) ص ۱۲۰

صد ماجزر چھوٹے ہوئے تھے اور جابجا سے دلی کے آدمی گرفتار ہو کر دلی میں لائے جاتے تھے اور دلی میں تین پھانسیاں کھڑی تھیں ہر روز سینکڑوں پھانسی پر کھینچتے تھے اور مڑکان صاحب شکار کھیلتے پھرتے تھے جس کو جوان دیکھتے طہنجے سے شکار کرتے اور کچھ پرکشش قصوری و بے قصوری کی نہ تھی۔ چنانچہ بہت سے بے قصور اشتیاع اور شرعاً دلی کے جن میں اکثر امیرزادے بھی تھے۔ مثل نواب محمد حسین خاں اور نواب مظفر الدولہ اور میر محمد حسین وغیرہ سکناٹے محلہ بی ماراں اور سے گرفتار ہو کر دلی کو لائے تھے جب مقام گڑگانوں پہنچے تو حاکم قلعہ نے حکم دیا ان کو دلی لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ان کا یہیں فیصلہ ہونا چاہئے اور ان غریبوں کو وہیں باٹھیں مار دی گئیں اور ان کا کام تمام کر دیا گیا دلی میں ہزاروں بے گناہ پھانسی پر لگے گئے۔

دلی ————— یا لاشوں کا شہر | ہندوستانی سپاہیوں نے اپنے انگریز آقاؤں کا حکم پا کر ہندوستانی دارالسلطنت کی کیا گت بنائی

اسے دیکھنے کے لیے پھتر کا ذیل چاہئے :-

بارٹس حسب اپنی تاریخ چہل و یکسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-  
ہم صبح کو لاہوری دروازہ سے چاندنی چوک گئے۔ تو ہم کو شہر مردوں کا شہر نظر آیا ہے۔  
کوئی آواز نہ سوائے ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نہ سنائی دیتی تھی۔ کوئی زندہ آدمی نظر آیا۔ سب طرف مردوں کا بچھونا بچھا ہوا تھا۔ ہم بہت ہولے سے بولتے تھے خوف تھا کہ آواز سے مڑے چونک نہ پڑیں اس بات کے دیکھنے سے کہ ایک طرف مردوں کی لاشوں کے اعضا کتے بھنبوڑ کے کھا رہے ہیں، دوسری طرف لاشوں کے گرد گڑھوں کے جھنڈان کے گوشت سے مڑے لے رہے ہیں وہ ہماری آواز سن کر کھانے کو چھوڑ کر تھوڑے فاصلہ پر جا بیٹھے تھے تو ہم کو بڑی عبرت ہوئی تھی اور دلی رنجور

ص : داستانِ غدر (واقم الدولہ ظہیر بلوی) ص ۱۴۱

ہوتا تھا، بہت سے مرد سے زندہ معدوم ہوتے تھے، بعض مردے اپنے ماتھے اٹھا۔ئے  
 ہوئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی طرف اشارہ کر رہے ہیں، غرض ان مردوں  
 کی کیفیت نہیں بیان ہو سکتی، ہم کو ان کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا، ہمارے گھوڑے ان  
 کو دیکھ کر ڈر کے مارے بدکتے اور منہ مانتے تھے، مردوں کی لاشیں پڑی سڑتی تھیں ان  
 کے تعفن سے ہوا میں بدبو بہا کر کے دلی اٹھتی تھی، ایک دو انگریز حملہ لکھتے ہیں کہ  
 دلی کے باشندے اگرچہ بالکل نہیں مگر آدھے بے قصور شہر کے گرد نواح کے دیہات  
 مقامات میں پڑے ہوئے ہلاک ہو رہے ہیں۔

ان سب کیفیتوں کی تسبیح بہت سے ایک ایسا سماں بندھا ہوا تھا کہ جس کو  
 دیکھ کر تھپتھپی گھٹل جاتے تھے

کبھی بچہ دیکھ کر آنکھوں سے آنسو تھم نہیں سکتا  
 کبھی کچھ سوچ کر دل زیرِ پس ہو تھم نہیں سکتا  
 کسی زبان کے اس شعر کا ترجمہ جان لائرس کی لالیف میں لکھا ہے :

مسلمانوں کا قتل عام کس طرح ہوا  
 یہ دستاویز کتنی ہرگز لگداز ہو

مگر یہ قابلِ مبالغہ ہے۔

شہر کے لمٹے ہوئے گورنر کرنل برن صاحب مقر ہوئے، انھوں نے چاندنی چوک میں قطب الدین  
 سوداگر کی کوٹھی میں اقامت کی۔ ایک سپاہ گشتی مقر کی، کہ وہ دن بھر اسے شہر میں چکر لگائے  
 جہاں آدمیوں کی آبادی پائے ان کے پاس پکڑ لائے، چنانچہ بہت دنوں تک یہ سپاہ دن بھر شہر  
 میں پھرتی اور آباد گھروں میں رہے عورتوں بچوں مردوں کو پکڑتی، یہ گرفتاری بھی بڑی درد انگیز تھی

طہ : تاریخ عروج و غروبِ شاہیہ (ذکاء اللہ) صفحہ ۱۰



عورتیں بچوں کو گود میں لیتیں مرد اور ڈھتے، بچھونے کا پشت تارہ سر پر رکھتے، امداد کچھ پس آتے ان کے پاس جو اسباب شیش قیمت نکلتا وہ چھین لیا جاتا، اور جو اسباب ایسا ہوتا کہ وہ کسی قیمت پر یک نہیں نکلتا ہے اسے لیا جاتا، کوئی برتن بھانڈا نہیں لے جا سکتے تھے، پھر وہ پہرہ کی حوالات میں لاہوری دروازہ سے باہر چھوڑ دیئے جاتے کہ جہاں ان کے مینگ سمائیں، وہاں چلے جائیں بہت ہی کم خوش نصیب لوگ ایسے تھے جو روپیہ پیسہ اور اور ڈھنا بچھونا لے کر شہر سے باہر نکلتے ہوں۔ اس طرح سارا شہر خالی ہو گیا تھا مگر اس میں ایک محلہ نیل کا کٹرہ لالہ مسیری داس کسٹریٹ کے گماشتہ کی خیر خواہی کے سبب آباد تھا۔ یہ قدر اس محلہ کے لیے مبارک ہوا، دس پانچ گھر آباد تھے، اگرچہ سرکار کی طرف سے شہر میں خیر خواہوں کو اپنے گھروں میں آباد رہنے کے سرٹیفکیٹ مل گئے مگر یہ سرٹیفکیٹ ان کو لوٹ مار سے بچا نہ سکتے تھے، گو شہر میں وہ آباد رہ سکتے تھے مگر خوف کے سبب سے اپنا سارا مال داس باب چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

ایک غامبی عورت نے اپنا گھر اس طرح خوب بچایا کہ اس کی کسی زمانہ میں کسی انگریز کرنل سے آشنائی تھی اور اس سے اولاد بھی۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی، جن کو باپ کے مرنے کے بعد ان کے وصیت نامہ کے موافق بہت دولت ملتا تھا الٹی تھی۔ ان ماں بیٹیوں نے انگریزی لباس پہن کر اپنے تئیں اپنے کو انگریز بنایا اور اسناد وراثت دیکھائی اور کالوں کے ماتھے سے جو مصیبت اٹھائی تھی، کچھ سچی کچھ جھوٹی بتائیں وہ بھی آباد رہیں، شہر میں تو ایک محلہ اور چند گھر آباد تھے مگر قلعہ میں تو صفا چٹ تھا اس میں ایک گھر بھی نہ تھا مگر شہر کے اشراف زادوں اور امیر زادوں کو جو بے پردگی کی دولت اور پیادہ روٹی کی تکلیف اٹھانی پڑی وہ کسی دشمن کو بھی پیش نہ آئیں۔

غرض وہ عورتیں جنہوں نے کبھی اپنے دروازے سے باہر قدم نہ رکھا وہ پیادہ پاؤں چار قدم مشکل سے چل کر گرہیں پڑتیں تھیں۔ مگر پھر ان کو اٹھ کر چلنا پڑتا تھا۔ پاؤں میں چھالے پڑے ہونے تھے۔ وہ عورتیں جو کہ نامحرموں کی نگاہ کے سامنے آنے کو موت سے بدتر جانتی تھیں وہ بے پردہ صحرائوں کی کہتی تھیں۔ غرض اس وقت طفل عورت، اور سر و جوان پر مصیبت



پڑی وہ کبھی جبکہ دہلی آباد ہوئی تھی، کاہیلکو پڑی تھی، ان کو کسی پہلو سے کل نہیں آتی تھیں، مگر ان میں سے ہزار ہا کو اہل نے کل سے بٹھایا۔ ہریضہ نے بھی رحم کیا کہ دنیا کی ذلت و مصیبت سے چھٹا دیا جب سپاہ نے شہر میں قدم رکھا تو اس کے سامنے جو مرد آیا، اس کو دو گولی مارنے، اس وقت درست دشمن و مجرم میں تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ مگر جب سارے شہر میں قبضہ ہو گیا تو انگریز سپاہ کو چہ و بازار میں پھیل گئی سپاہ میں گورکھے اور گورے ٹھٹھے سے تھے وہ گلی کوچہ میں سوائے بڑے بازاروں کے پھرتے بھی نہ تھے، مگر سکھ اور پنجابی اور سرحدی سپاہی بہت تھے وہ کرنی گلی کوچہ ایسا نہ تھا کہ جس میں نہ بٹاتے ہوں سکھوں کے گرد تیغ بہادر کو جبکہ دہلی کے بادشاہ نے قتل کیا تھا وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، دو جس گلی کوچہ پر کسی مسلمان کو وجہ و تنویر جو ان دیکھتے اس کو شکار بہ کے دل ٹھٹھا کرتے، ان کے ہاتھ بہت سے معزز خاندانی مسلمان جو اپنی بدقسمتی سے شہر میں رہ گئے تھے ہاتھ گئے۔ وہ بوڑھے باپوں کے سامنے ان کے جوان بیٹوں کو مار ڈالتے اور باپ کو کمہ دیتے کہ چلا جا۔ غرض حسین اور عجیب مسلمانوں کو اتنا انھوں نے مارا کہ دلی میں نموش صورت مسلمانوں کا وجود ہی کم ہو گیا، اگر دلی کے مسلمانوں کی پہلے ادرا ب کی صورتیں ملا کہ دیکھی جائیں تو معدوم ہو گا کہ غدر نے ان کی حسرت و حیا بت و صورت کو بہت بدل دیا ہے۔

غدر کے بعد دلی کے مسلمانوں

پر جو بے پناہ مظالم ٹوٹے

## سرکاری دستاویزات سے مظالم کی تائید

ان کی تصدیق ڈائری خود انگریزی دستاویزوں سے بھی ہوتی ہے۔ پادری اینڈ روز کی طویل تحقیقات کا مختصر خلاصہ کہہ کے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :-

مبائنڈ آمیزی کے تمام خطروں سے بچنے کے لیے یہ سب سے بہتر ہو گا کہ فتح کے بعد تباہ کن ایام کے واقعات کو اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ ان مراسلات اور خطوط کے الفاظ میں بیان کر دیا

ط : تاریخ عروج ہند انگلیش (ڈکواؤنڈ) صفحہ ۵۱ :

جائے جنھیں میں نے حکومت حسد کے خفیہ محکمہ کی جانب سے شائع کروا دو جلدوں سے نقل کیا ہے  
میں حتیٰ الامکان مختصر اس سے کام لوں گا۔

سب سے پہلے سی۔ بی۔ سائڈس کمشنر مرہٹی کی یادداشت ہے جو اس نے ولیم میو (بعد کو  
سرولیم میو) کے نام اگر سے بھیجی تھی۔ وہ لکھتا ہے :-

تمام فوج سراسر اور کئی طور پر گمراہ ہو گئی تھی اور حملہ کے تین چار گھنٹوں کے اندر ہی —  
نظم و نسق کا خاتمہ ہو گیا، کئی دن تک سہارا دی گئی اور فوج نشے کے ہریان میں مبتلا رہی۔ اسی افسر ولیم  
میو کے نام ایک دوسرے مراسلہ میں ذیل کے الفاظ تحریر کئے تھے :-

جنرل رین نے حکم دیا تھا کہ حفاظتی ٹکٹ اس وقت تک کارآمد نہ ہونگے، سبب تک کہ ان پر  
خود ان کے تصدیقی ثبوت نہ ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم اشخاص کو پناہ مل سکی سرکاری مال غنیمت  
جمع کرنے والے ایجنٹ اور فوج کے سپاہی عام طور پر یہ چاہتے تھے کہ یہ اصول بنایا جائے کہ وہی کا  
سارا شرف فوج کی ملکیت ہے جسے حملہ کر کے فتح کیا گیا ہے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ذاتی منقولہ اور غیر منقولہ  
جاڑا کو بھی ٹھکانے لگائیں۔ بسا اوقات یہ بیان کیا جاتا ہے کہ گوروں میں جو جنوبی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس  
کی وجہ زیادہ تر وہ کہانیاں تھیں جو انگریز خواتین کی عصمت دری کے بارے میں مشہور ہو گئی تھیں جنھیں  
دورانِ غدر میں قتل کر دیا گیا، چونکہ باغیوں کے خلاف یہ الزام بار بار دہرایا گیا ہے اور سنسنی پیدا کرنے والے  
ناولوں کا موضوع رہا ہے جنھیں خصوصیت کے ساتھ ایسے مصنفین نے لکھا ہے جنھوں نے غدر کو کہانی کی  
شکل میں پیش کیا ہے اس لیے اس مقام پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام براہِ راست شہادت پیش  
کر دی جائے جو غدر کے بعد موقع پر لی گئیں تھیں سرولیم میو جو متاثرہ اضلاع میں محکمہ سراغ رسانی کے سب سے  
بڑے افسر تھے ۲۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو ذیل کے الفاظ لکھتے ہیں :-

”حکومت کے صدر مقام اگر وہ میں سراغ رسانی کے محکمہ کے ساتھ جو میرا تعلق رہا ہے اس  
کی دیگر گزشتہ چھ مہینوں کے اندر ملک کے تمام حصوں کے قاصدوں اور جاسوسوں سے  
سننے کا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ میں حسرت کے اپنی تصدیق کا اعتراف کرتا ہوں کہ میرے

علم میں کوئی ایسی چیز نہیں آئی۔ جو نہایت معمولی طرفت سے بھی عصمت دہی کی ان داستانوں کی تائید کرتی ہو۔ جو ہماری کتابوں یا اخبارات میں درج ہیں جہاں کہیں براہ راست شہادت دستیاب ہو سکی ہے وہ مستحکم طور پر گنبد یب کرتی ہے۔ ایک خصوصی تحقیقاتی کمیشن بھی مٹھایا گیا تھا کہ وہ فوراً تحقیقات کرے یہ کمیشن شہر و بڑی کی تسخیر کے بعد ہی اگر وہ میں بیٹھا تھا اور ۵۵ء کے اختتام کے پشتر اس نے اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی۔ وہ بھی اس نتیجہ پہ پہنچا تھا جس پر سٹرڈ بلیو میور پہنچے تھے کہ اس قسم کی بے حرمتی کے واقعات ظہور میں آئے۔

**داوری یوں بھی ہوتی ہے** | مرزا غالب فرماتے ہیں کہ ایک عظیمہ پرسوں خوب بڑا، حافظ محمود بے گناہ ثابت ہو چکے رہا لی یا اپنے حاکم کے سامنے حاضر ہو کر املاک مانگتے ہیں۔ قبضہ و تصرف تو ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حکم کی دیر پرسوں، حاضر ہیں، مثل پیش ہوئی، حاکم نے پوچھا کہ حافظ محمد بخش کون ہے؟ عرض کیا کہ میرا بھو بھیا کہ حافظ محمود کون ہے؟ عرض کیا کہ اصل نام میرا محمد بخش ہے، محمود مشہور ہوں، میرا ایک بھائی ہے، حافظ محمد بخش بھی تھا، اور حافظ محمود بھی نہ، سارا جہاں جی تم جو دنیا میں ہے وہ بھی تم، ہم مکان آ کر دیں مثل داخل دفتر ہوئی، میاں نموا اپنے گھر چلے آئے بڑے

**کیوتروں کی کہیں کہیں فنا ہو گئیں** | انگریزوں کی سفاکی اور دہشت کا ایک نیا مریہ بھی ہوا کہ اہل شہر جو اپنی بدحواسی کے باعث کیوتروں کو کالکوں میں اور ناخاندان دلائیہ یوں اور طوطوں، میناؤں کو اپنے چہرے میں بندھوڑ گئے تھے ان کی جانوں سے تو آب و دان کے نہ ملنے سے نقص ہی سے پیدائش کی بعد جو لوگ ان کالکوں اور چہروں کو

ط : ذکا، اللہ دہوی اسی ایف رینڈریز، ص ۱۰۹

ط : غالب کا روزنامہ سپہ ص ۱۰۹



کھول کر ان پرندوں کو آزاد کر گئے تھے۔ ان میں سے کبوتر تو چھریوں کے شکار ہوئے یا بھوکے پیاسے مر گئے۔ ان کا ایسا ستیاناس ہوا کہ ان کی بعض نسلیں جو مخصوص دہلی سے تھیں ایسی فنا ہو گئیں کہ پھر دہلی میں نہیں پیدا ہوئیں۔

پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے اس کا اندازہ مقرر کرنا حاکم کی رائے پر ہے روپیہ کر ٹکٹ سے گھر پر باہر ہو جائے، آپ شہر میں آباد ہو جائے آج تک یہ صورت نہ دیکھئے شہر میں بسنے کی کون جودت ہے جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں الملک اللہ والحکم اللہ!

منشی ذکا اللہ کا شمار ان لوگوں میں ہے جو انگریزوں کے معرّف مسلمان کس طرح رہے؟ ہندو کس طرح بنے؟

تھے، وہ ان کے ہر بڑے کام کی تاویل کرنا سعادت سمجھتے تھے، لیکن وہ بھی حقائق بیان کرنے پر مجبور ہیں، ان حقائق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک کا بگڑنا دوسرے کے بننے کا پیش خمیہ ہوتا ہے، یہ بتلانا تو مشکل ہے کہ مسلمانوں کے پاس لٹنے سے پہلے کتنے روپے کا مال تھا اور بعد لٹنے کے کتنا باقی رہا۔ مگر اس بات کا بتلانا کچھ مشکل نہیں کہ وہ کس کس طرح لوٹے گئے اور ان کی دولت کس کس کے پاس گئی؟ یہاں شاہ کو لاکھ روپیہ ماہوار اور چند نوابوں اور رئیسوں کو ہزاروں روپیہ کی پنشن ملتی تھی، وہ سب سرکار کے قبضہ میں۔ ضبط ہو کر تھیں۔

گو مسلمان سود لینے کو حرام سمجھتے تھے۔ مگر پرمیسری نوٹوں کے سود لینے کو بعض سنی مسلمان اور کل شیعہ علی العموم حلال سمجھتے تھے۔ ان کے پاس پانچ سات لاکھ روپیہ کے نوٹ تھے۔ ان مسلمانوں کو یقین تھا کہ انگریزی عملداری یقینی ہوگی خریدتے تھے۔ اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ نقد روپیہ جو ان کے گھر



میں ہے، وہ وبال جان ہے۔ اس کو باغی ٹوٹ لیں گے یا بادشاہ ڈنڈ یا قرض میں۔ یہاں اس کی جگہ ٹوٹوں  
کا لینا بہتر ہوگا۔ غرض کئی لاکھ روپے کے ٹوٹ مسلمانوں نے ۵۴ روپیہ سینکڑہ کے بجائے بیچ ڈالا ان  
کے اس نقصان سے ہندوؤں کو فائدہ پہنچا۔

مسلمانوں کا سارا اسباب جو پرائمری بجٹسی نے یکجا جمع کیا تھا وہ زیادہ تر ہندوؤں نے نیلام میں  
بہت ارزاں خریداجس کے سبب سے بہت سے ہندوؤں نے اس شہر میں اس مال و اسباب کی  
دکانیں کھول کر خوب فائدے کمائے۔ باغی مسلمانوں کے جو مکانات ضبط ہو کر نیاں ہوئے وہ سب  
ہندوؤں نے بہت ہی سستے خریدے۔ اب ان کی قیمت دس بیس گنی ہو گئی ہے۔ بڑے بڑے  
مکانات جو مسلمانوں کے تھے، جیسے کلاں محل، مرزا خجستہ بخت کی حویلی، جھجروں کی کوئی تیش  
محل۔ نواب منصور خاں کی حویلیاں جو ایک محلہ کے برابر تھیں، سب ہندوؤں کی خریداری میں آ گئیں،  
جن محلوں میں غدر سے پہلے ہندوؤں کی ملکیت تھی ایک مکان نہ تھا۔ غدر کے بعد ان میں  
سے بہت مکانات ان کی ملکیت ہو گئے تھے،

مسلمانوں نے اپنی ضرورتوں کے سبب سے اپنا زیور جو گڑا دیا بیچ گیا تھا بہت سستا  
ہندوؤں کے ہاتھ بیچا بارہ آنہ تولہ چاندی، چودہ پندرہ روپیہ تولہ سونا، غرض انگریزی سپرہ و  
تین دن کی ٹوٹ میں اور پرائمری بجٹسی کی ٹوٹ میں تو ہندو مسلمان میں کچھ تمیز نہ تھی، بالکل برابر تھے  
مگر اس سبب سے کہ شہر میں، ہندو مسلمانوں کے پہلے بے ہاد ہوئے اور ان کو مسلمانوں کے مال و  
اسباب و مکانات کے خریدنے مقدور تھا انہوں نے فائدہ کمایا۔ ہندوؤں کے ضرورت سے بہت  
بے ہاد نہ ہوئے تھے جتنے خوش حال ہوئے۔ بہت سے ہندوؤں کے گھر میں ساری آباہی آگئی،  
وہ پہلے کی نسبت زیادہ دوست مند ہو گئے، جب ہندو آباد ہوئے ہیں تو الال دوا پر ان کی دکانوں کی  
تقدیر اور ٹوٹ کے اسباب کی لگتی تھیں جو انہوں نے سیامیوں سے ٹوٹ کرایا مری کا بہت  
ارزاں خریدا تھا (۱)

(۱) یہ خبریں صدر لکشیہ (زکا اللہ) نے دی ہیں

تقویر تو اسے چرخ گرداں نفو | دلی کی خوبصورت اور خاندانی لڑکیاں غدر کے بعد کتنی  
پینچ اور سستی ہو گئی تھیں؛

(۱)

یہ شریف زادیاں | تین علاوہ ان شہزادیوں کے اندھ ہا عورتوں نے بدکاری کا پیشہ اختیار  
کیا، راتوں کو برقع اوڑھ کر مسافروں کی سراؤں کے گرد قطاروں کی قطاریں  
مسافروں کے بلانے کے انتظار میں بیٹھی یا کھڑی رہتیں۔ اس طرح دو چار پیسے صبح کو کمالات بہت سی  
عورتوں نے اپنا سرمند واڈالا۔ اگر کوئی شخص کبھی کبھی ایک خمیری روٹی یا ایک مٹھی چنے یا کچھ کوڑیاں  
تقسیم کرتا تو صد ہا مسلمان عورتیں جمع ہو جاتیں، جن میں سے بعض صورتوں سے نجیب زادیاں معلوم  
ہوتیں۔ جو خود کبھی صد ہا روپے کی خیرات کرتی تھیں، اب کوڑیاں مانگتی ہیں جن کے آگے دو دو چار چار  
ماما میں کام کرتیں تھیں اب خود ماما گیری کے قابل نہ رہیں، بعض بڑی حین عورتیں جن کی حسانیت  
پر فرنگیوں کو بھی رشک آتا تھا، اپنی خوش نصیبی سے بعض انگریزوں کے گھر میں بیٹھ گئیں، دلی میں  
پہلے بہت ہی کم خانگیوں کے گھر تھے، اشراف کبھی اپنے محلوں میں آباد نہیں ہونے دیتے یا پھر  
جب شہر آباد ہوا ہے تو ہر محلہ میں ایسے تین چار گھر ضرور ہوتے۔ (۱)

(۲)

یہ بد قسمت عورتیں | جب ہزار ہا مسلمان مارے گئے تو ان کی بوڑھی و جوان عورتیں بیاباں و  
کنواری لڑکیاں لاوارث ہوئیں، انگریزی سپاہ میں ایسے مسلمانوں کی  
کمی کافی نہ تھی، جو غنیمت سمجھتے تھے کہ کوئی خوبصورت عورت دلی کی ہاتھ لگ جائے۔ ایسی عورتیں  
تلاش کر کے نکاح پر حوالے اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان عورتوں نے یہ اپنی خوش نصیبی جانی کہ  
ان کو خاندان لیا ہاتھ لگ گیا جس کے پاس لوٹ بکا زیور اور زیدی گوٹے کا لباس پہنانے کو تھا۔

مگر بلیاں اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں، ان کی خوش قسمتی سے بعض محلّوں میں گوروں کے پکٹ بٹھائے جلتے تھے۔ وہ ان کے پاس جمع ہو جاتیں تھیں جو ان کو کچھ کھانے کو دے دیتے تھے مگر ان کو اچھال اچھال کر یہ تماشا بھی دیکھتے تھے کہ وہ خواہ کتنی بلندی سے انھیں پھینکیں وہ ہمیشہ اپنے چاروں پاؤں کے بل گرتی تھیں کبھی کبھی یہ کھیل بلیوں کی موت کا باعث ہو جاتا تھا۔ (۲)

جب سر جان لانس دہلی میں آئے تو انھوں نے مارچ ۱۸۵۸ء میں دہلی میں مسلمانوں کے آباد ہونے کا حکم دیا، نہری مسجد میں منشی دیوانہ نندن جو چوکیدار کا نجاشی تھا آنکر کر بیٹھا۔ اسکے پاس چوکیدارہ کا رجسٹر تھا اس کے موافق سرٹیفکیٹ مسلمانوں کو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے کے لیے تقسیم کیے۔ اس آباد ہونے کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ڈیڑھ روپیہ دے کر دو چار پائیاں اور ایک چکی وہ مول لیں، اس کے سوا چار پائیاں اور چکیاں جو سارے شہر کی جمع ہوئی تھیں آسانی سے فرشتہ ہو گئیں جب مسلمان اپنے گھروں میں آباد ہوئے تو ان کے مکانوں میں نہ کوئی اسباب تھا نہ ان کے دروازوں کے کواڑ ان کے ویران گھروں کے کواڑوں کو ان لوگوں نے جو شہر میں آباد تھے بڑی بیداری سے ایندھن کی طرح جدایا۔

۱۱ تاریخ و تمدن انگلیش رد کالابوستان

42 (11) 6 " (2)



مسلمانوں کی تباہی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ مئی ۱۸۵۸ء میں ان کی آبادی کا جو تخمینہ کیا گیا تو موجودہ باشندے آبادی سابق کی ایک چوتھائی بھی نہ تھی، ۱۸۵۹ء تک مسلمانوں کے مکانات سرکاری ضبط سے چھوٹے نہیں تھے اور نہ ان کے اخراج کا حکم منسوخ ہوا۔ وہ شہر کے اندر بغیر کسی افسر کے پاس کیے نہیں آسکتے تھے۔ (۱)

**غالب نے بھی مسلمانوں کیلئے سرکاری پاس کا ذکر کیا ہے** | یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے

لکھنؤ کے علاوہ دوسرے شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی، اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں، میں نے بھی دیکھے فارسی عبارت یہ ہے

”ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ“ مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر مقرر ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے کل اتوار یوم التعطیل ہے، پرسوں دو شنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔ (۲)

**عجیب انکشاف** | ذکا اللہ جو کچھ خود اپنے قلم سے نہ لکھ سکے وہ ان کے دوست پادری سی ایف انڈریوز نے لکھ دیا ہے:

دہلی کی تسخیر کے بعد کئی دن تک کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ قتل کے واقعات عام طور پر ہو رہے تھے، تشدد تقریباً ہمہ گیر تھا، ذکا اللہ اپنی نازک حساس فطرت کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ان کے متعلق سب کچھ سن رہے تھے اکثر اوقات انھیں مجبوراً یعنی شاید بننا پڑا، اور یہ مناظر ان کے دماغ سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ جس پر وفیسر سے انھیں بے حد محبت تھی اور جس کا دنیا میں وہ سب سے زیادہ احترام کرتے تھے یعنی مولوی امام بخش صہبائی جو ولی صفت انسان تھے، ان کا

(۱) تاریخ عروج و زوال انگلشیہ (ذکر اللہ) ص ۱۶

(۲) غالب کا روزنامہ ص ۳۹



قتل غالباً ذکا اللہ کی تمام المیہ داستان میں سب سے درد انگیز واقعہ تھا۔ یاغیوں کے خلاف جو نفرت انھیں پہلے ہو گئی تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے سرٹیمیر اور دوسرے انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے سب ہی شامل تھے۔ قتل کر دیا تھا۔ وہی نفرت اب انھیں اس خارج فوج کے خلاف ہو گئی جس نے فتح کی حالت میں بے انتہا قابل بیان مظالم کیے تھے، (۱)

## کرے کوئی بھرے کوئی

انگریزی انصاف و عدالت کا شاہکار | زبان زد خلق ہے کہ قدیم نوکروں سے باز پر میں نہیں ہوتی مشابہ  
اس کے خلاف ہے۔ اے کوئی دن ہوئے کہ حمید خان گرناسوہو کر آیا ہے، پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہے دیکھئے کہ حکم آخر کیا ہو، نہ کوئی قانون ہے نہ قاعدہ ہے۔ نہ نظیر کام آئے نہ تقریر پیش جائے۔ ارتضے خاں ابن مرتضے خاں کی پوری دوسو روپے کی پنشن کی منظوری کی رپورٹ گئی اور ان کی دو بہنیں تئو روپیہ مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تم سے بھائی مجرم تھے تمھاری پنشن ضبط۔ بطریق ترحم دس دس روپیہ مہینہ تم کو ملے گا۔ ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قمر ہو گا۔ (۲)

انارکلی کا مقبرہ گر جا گمر بن گیا | دلی تو دلی، دلی کے باہر بھی، انگریزوں کی انتقام پسند طبیعت اپنا کوم کرتی رہی :

مقبرہ انارکلی جہاں اب بعملداری سرکار انگریزی گر جا گھر مقرر کیا گیا ہے اب وہاں ایک ساعت کلاں انگریزی جس کا آواز تمام چھاؤنی انارکلی میں جاتا تھا اور خود بخود بجتی ہے نصب کی گئی ہے۔ (۳)

(۱) ذکا اللہ دہلوی (سی الف ایڈریوز) ص ۱۱۲

(۲) غالب کار و زنا مجہ ۲

(۳) تاریخ حشری

عیسائیوں کو نصاریٰ کہنے پر پھانسی | غدر کے بعد، فتحمندی نے، انگریزوں کو  
کٹناژک اچ بنا دیا تھا، اس کا اندازہ ذیل

کے واقعہ سے ہوگا:

سر سید مراد آبادی میں تھے کہ ان کو معلوم ہوا کہ بعض اضلاع میں مسلمانوں کی بعض  
تحریریں ایام غدر کی ایسی پیش ہوئیں جن میں انگریزوں کو لفظ نصاریٰ سے تعبیر کیا تھا حکام نے  
اس لفظ کو بھی بغاوت سمجھا وہ ان کے لکھنے والوں کو وہ سزائیں دی گئیں جو ان کی قسمت میں لکھی  
تھیں اس وقت جیسا کہ سر سید نے لکھا ہے مسلمانوں کی ہر ایک بات بُرے پہلو پر ڈھالی  
جاتی تھی انگریزوں نے جو بعض مسلمانوں کی تحریروں میں اپنی نسبت نصاریٰ کا لفظ دیکھا تو انہوں  
نے یہ خیال کیا کہ جس طرح یہودی حضرت عیسیٰ کو حقارت سے ناصری (یعنی قریہ ناصرہ کا رہنے والا)  
کہتے تھے اسی طرح مسلمانوں نے انگریزوں کو نصاریٰ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

سر سید نے اس غلطی کے رفع کرنے کو فوراً ایک رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ میں رکھا،  
اور اس کو اردو اور انگریزی میں چھپوا کر حکام اور گورنمنٹ کو اس کے مضمون سے مطلع کیا ہم کو اس  
کتاب کے لکھتے وقت وہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا مگر جو کچھ سر سید نے زبانی بیان کیا اس کا  
خلاصہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا لفظ ناصرہ سے مشتق نہیں بلکہ نصر سے مشتق ہے اور مسلمان اس وجہ  
سے کہ قرآن سے ایسا ثابت ہوتا ہے اس کو نصر سے مشتق سمجھتے ہیں کہ ناصرہ سے کیونکہ قرآن  
میں صاف آیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے کہا: من انصاری الی اللہ تو حواریوں

(۱) غدر کے چند سال بعد دلی میں بھی ایک اسی قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا دلی کالج کے ایک مسلمان  
پروفیسر نے ایک ایڈریس کے مسودہ میں عیالی کی جگہ ترسا کا لفظ لکھ دیا تھا جو فارسی میں راب  
یعنی منک کو کہتے ہیں کالج کے ایک یورپین افسر نے اس کو حقارت کا لفظ سمجھا اور نہایت  
ناراضی ظاہر کی اور اس لفظ کو مسودہ میں سے کٹوا دیا۔

نے کہا نحن انصار اللہ اور اسی لیے حواریوں کی پیروی کرنے والوں اور عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کو اسی صفات کے ساتھ جس کی حواریوں نے حامی بھری تھی موصوف کیا گیا ہے اور ان پر نصاریٰ کا اطلاق کیا گیا ہے قرآن میں کہیں قریہ ناعمرہ کا ذکر نہیں آیا اور نہ کہیں حضرت عیسیٰ کو ناصری کہا گیا ہے اس کے ہوا قرآن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی آنحضرت کے زمانہ میں خود اپنے تین نصاریٰ کہتے تھے جیسا کہ سورہ مائدہ کی اس آیت میں بیان ہوا۔

ترجمہ

(یعنی اے محمدؐ تو پائے گا اہل کتاب میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا دوست ان کو جن کا قول ہے کہ ہم نصاریٰ ہیں) جہاں تک معلوم ہوا اس رسالہ کی اشاعت کے بعد پھر کسی سے اس لفظ پر مواخذہ نہیں ہوا ہم نے سنا ہے کہ جب یہ رسالہ شائع ہوا تو کسی انگریزی اخبار میں یہ لکھا تھا کہ سید احمد خان کا بیان غلط ہے کیونکہ کسی شخص کو نصاریٰ کا لفظ لکھنے پر سزا نہیں ہوئی اس پر ایک معزز یورپین فہر نے اس کا جواب دیا اور لکھا کہ خود ہمارے سامنے ایک شخص کو اسی جرم میں پھانسی دی گئی۔ (۱)

دلی پہلے، صوبہ جات متحدہ کے ماتحت تھی  
دلی کو پنجاب میں بھی شامل کیا گیا؟ پھر اسے پنجاب میں شامل کر لیا گیا، لیکن کیوں؟

۱۱ جنوری ۱۸۵۸ء کو مارشل لا اٹھ گیا اور دلی سول عہدہ داروں کے تفویض کی گئی اور جولائی کے مہینہ میں عدالت ہائے دیوانی کھل گئیں۔ غدر کے اودھم میں دفاتر کی بڑی بربادی ہوئی بہت حصہ دفتر کا ضائع ہو گیا، ۶ فروری ۱۸۵۸ء میں دلی کو مالک مغربی شمالی (یوپی) سے نکال کر پنجاب میں داخل کیا گیا اس استحقاق سے کہ فتح کا سہرہ پنجاب ہی کے سر تھا، حصار اور دلی کے ۲ ضلع قائم ہوئے۔

یکم نومبر کو کمپنی برخواست اور ملکہ معظمہ کو ٹن وکٹوریہ نے حکومت اپنے دست قدرت



میں لی۔ (۱)

مسلمان امرا کی داستان درد | غدر کے بعد، تباہی صرف دلی ہی میں نہیں  
آئی، ہر جگہ مسلمان مٹے، اور برباد ہوئے،

ایک ممتاز انگریز آئی سی ایس لکھتا ہے:

اگر کسی خاص مثال کی ضرورت ہو تو میں ناگر کے نوابوں کی مثال پیش کر سکتا ہوں،  
پہلے پہل جب انگریزوں کو ان سے واسطہ پڑا تو ان کی سالانہ آمدنی دو صدیوں کی غلطیوں اور فضول  
خرچیوں کے باوجود پچاس ہزار پونڈ تھی۔ ان کی مسجدیں اور لاتعداد بارہ دریاں ایک مصنوعی  
جھیل کے کنارے چاروں طرف چل گئیں تھیں، نواب کی خانگی سیڑھیوں سے ہر روز ایک سہری  
بحیرہ استانہ دار اس جزیرہ کا رخ کرتا تھا جو اس جھیل کے عین وسط میں واقع ہے اور رنگارنگ  
کے چھوٹوں سے پٹا پڑا تھا۔ محل کے دروازہ پر سپاہی پہرہ بدلتے رہتے تھے اور جب آفتاب  
غروب ہونے کے قریب ہوتا تھا تو شہزادیوں کے باغات سے بچوں کے کھل کھلانے اور خواتین  
کی شیریں آوازیں سننے میں آتی تھیں مگر اب سوائے فلک مناد بڑھی کے اس محل کا کوئی نشان باقی  
نہیں۔ مسجد کے بے بام درد دیواروں سے استرکاری کی تمام زیبائش مٹ چکی ہیں۔ وسیع و عریض  
باغ اور ان کی صاف ستھری نہریں دیرانہ ہیں۔ اب ان میں چاولوں کی کاشت ہوتی ہے، اور  
ان کے رنگارنگ مچھلیوں والے تالاب گندے اور مٹے ہوئے گڑھوں کی شکل اختیار کر چکے  
ہیں۔ بارہ دیویوں کی جگہ اب صرف اینٹوں کا ملبہ ہے، کہیں کہیں اگر کسی دیوار کا کوئی حصہ نظر آتا  
ہے تو عربی و سنہ کی کسی کھڑکی سے اس نظارے پر اد بھی حسرت برسے لگ جاتی ہے۔

مگر ان میں سب سے زیادہ حسرت ناک منظر شاہی جھیل کا ہے جس کے کنارے محل  
اب بھی ستادہ ہے جو پرانے زمانہ کا خوبصورت اور ستونوں والا محل نہیں بلکہ ایک ویران کھنڈ

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی (حصہ اول) بشیر الدین احمد ص ۵۹



ہے۔ اس کی خراب و خستہ دیواروں کو سطح آب پر جمی ہوئی کائی سے بڑی ہی مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ وہ بد نصیب خواتین جو کبھی شہزادیاں کہلاتی تھیں اب کبھی بھی شام کی سیر کو پردہ دار بھیدوں میں نہیں نکلتیں۔ ان کے زنان خانوں پر چھت تک باقی نہیں اور ان کے مکین اب ان معمولی مکانوں میں چلے گئے ہیں،

میں نے بنگال کے مسلمان نوابوں اور کاشتکاروں کے حالات ذرا وضاحت سے بیان کیے ہیں، تاکہ انگریزوں کے سامنے ان لوگوں کا نقشہ کھینچ دوں جن کی شکایات کا بیان اس باب میں بیان کیا جائے گا۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ میرے بیانات کا تعلق جنوبی بنگال سے ہے، کیونکہ یہ وہ صوبہ ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے ماتحت سب سے زیادہ ہیں نقصان اٹھایا ہے پھر اگر میں دوسروں کو یقین دلاؤں اور خود میرا بھی خیال ہوا کہ یہ بیانات تمام مسلمان ہند پر صادق آئے ہیں، تو مجھے اس پر معاف فرمایا جائے۔ (۱)

غدر کے بعد مسلمانوں کا متناسب سرکاری ملازمتوں میں

اب ہندوؤں نے  
ملازمتوں میں داخل  
ہونا شروع کیا اور رفتہ رفتہ سرکاری زندگی کے تمام شعبوں پر چھا گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈسٹرکٹ کلکٹری میں بھی جہاں اب بھی پرانے طریقہ کے مطابق دوستی کی بنا پر ملازمت مل جانے کا امکان ہے، بہت کم مسلمان افسر ہیں جو مسلمان ابھی اس محکمہ میں باقی ہیں، وہ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کا کوئی جانشین مسلمان نہیں ابھی دس سال ہوئے ناظر یا مالگڈاری کے افسر کی اسامیاں مسلمانوں کے مسلمانوں ہی کو ملا کرتی تھیں، مگر اب جیل کی ایک دو غیر معتمد اسامیوں کے سوائے ہندوستان کے یہ سابق فاتح اور کسی ملازمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔ مختلف دفاتر میں کلرکوں کا عملہ عدالت کی

ذمہ دارا سامیاں اور تو اور پولیس کی اعلیٰ ملازمتیں بھی سرکاری اسکول کے چالاک ہندو لڑکوں سے پڑے کی جاتی ہیں۔

لیکن اس تسلیم شدہ حقیقت کی اور مثالیں پیش کرنا جو سول لسٹ کے ہر صفحہ سے عیاں ہیں غیر ضروری ہے، میں نے ان گزٹڈ ملازموں کی ایک فہرست تیار کی ہے جن پر ہندو مسلمان اور انگریز سب فائز ہو سکتے ہیں۔

بنگال میں سرکاری ملازمتوں کی تقسیم اپریل ۱۸۷۱ء میں،

کل تعداد	مسلم	ہندو	یورپین	
۲۶۰	۰	۰	۲۶۰	اکونٹنٹ سول سروس جن کا تقرر انگلستان میں بادشاہ کی طرف ہوتا ہے
۴۷	۰	۰	۴۷	عدالت ہائے دیوانی کے افسر غیر منظور شدہ اضلاع میں
۲۳	۰	۷	۲۲	اکسٹرا اسٹنٹ کسٹمر
۱۹۶	۳۰	۱۱۳	۵۳	ڈپٹی مجسٹریٹ ڈپٹی کلکٹر
۶۰	۲	۴۳	۱۱	انکم ٹیکس اسیس
۶۰	۲	۲۵	۳۳	رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ
۴۷	۸	۲۵	۱۴	عدالت خفیہ کے جج اور سب جج
۲۱۶	۳۷	۱۷۸	۲	منصف
۱۰۹	۰	۳	۱۰۶	محکمہ پولیس تمام گریڈ کے افسر
۱۷۳	۰	۱۹	۱۵۴	پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ انجینئر
۲۰۱	۴	۱۲۵	۷۲	پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کا ماتحتی عملہ
۷۶	۰	۵۴	۲۲	پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ اکونٹنٹ
۱۵۸	۴	۶۵	۸۹	میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میڈیکل کالج جیل خیراتی ڈسپنسری خفطان
۵۲	۱	۴۴	۳۸	چیپک کاٹیکہ اور اضلاع کے میڈیکل افسر
۴۲۲	۰	۱۰	۴۱۲	محکمہ تعلیم دیگر محکمہ جات چونگی، بحری افسر، افیون سروس
۲۱۱۱	۹۲	۶۸۱	۱۳۳۸	کل میزان ۲۱۱۱

**ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب** | ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا، ہندو محض شکر یہ کہ

ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کر لیتے جو ان کے سابق فاتح اپنے دبتر خان سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی مسلمانوں اور ہندوؤں کا اور یورپیوں کا تناسب ایک دو کا، مسلمانوں اور یورپیوں کا تناسب ایک اور چودہ کا تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت اجارہ داری تھی کم ہوتے ہوتے ایک تیس رہ گیا۔ اور وہ بھی ان گریڈ ملازمتوں میں ہے جہاں خاص طور پر تناسب کا خیال رکھا جاتا ہے، پریذیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے۔ ابھی کھیلے ہی دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے اور انیل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر اد کوئی امید بھی نہیں رکھ سکتے، قلی اند چپڑا اسی دو اتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں۔ (۱)

**مال غنیمت میں سپاہیوں کا حصہ** | تین دن کی عام لوٹ کے بعد بھی کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب اور نقد چھینا گیا لیکن

سرکار نے وعدہ خلافی کی، اور سپاہیوں کو اس نعمت سے محفوظ رکھا، لوگ کہتے تھے کہ انگریزوں کی پکڑ بڑی زبردست ہے لوگوں کو برسوں خمیازہ بھگتنا پڑا، مطلب یہ تھا کہ جس طرح تیمور اور ناد شاہ نے قتل عام کر کے ایک دم پاپ کاٹ دیا تھا یہاں برسوں تک داؤد گیر کا سلسلہ جاری رہا، لوٹ کے مال و اسباب کی بھی چھان بین بڑی سختی سے کی گئی، میجر جنرل ولسن نے مال غنیمت سپاہیوں کو دلانے کا وعدہ کیا تھا لیکن لارڈ کیننگ نے



کہا کہ یہ اقرار و قرار میں کچھ نہیں جانتا لوٹ کا مال حق سرکار ہے نہ کسی اور کا ان جان جو کھوں کی جنگی خدمات کا معاوضہ سو لچروں (سپاہیوں) کو چھ چھ مہینے کا بھتہ دیا گیا جس کی ایک بہت جزی رقم اڑتیس روپیہ کی ہوئی بہت سے لوگ لنگڑے لوگ اور لٹے ہو گئے اور ایک زخمی سو لچر نے دیوار پر چاک سے گھسیٹ دیا تھا کہ

(۱)

ایسٹ انڈیا کمپنی ڈائرکٹروں نے جب سنا تو لارڈ کیننگ کے حکم میں اتنی ترمیم کر دی کہ رقم کو ڈبلی کر دیا، یہ تھا وہ صلہ جو غدر کے جان لڑانے والے بہادروں کو ملا۔ (۲)

اور غدر میں جن لوگوں نے اپنی جان پر کھیل کر، اور سر سبھیل پر رکھ کر، سرکار

**صلہ و فدا**

انگریزی کی گراں بہا خدمت انجام دی تھی، انہیں ملا بھی تو کیا؟

واضح ہو کہ بغرض اس خیر خواہی کے جو اس ہنگامہ میں رات دن ملازمان سرکار دولتمدار سے ظہور میں آئی سرکار دولتمدار نے بموجب رپورٹ جناب مسٹر انگلڈر شیکسپیر صاحب بہادر و اقبال، مورخہ ۵ جون ۱۸۵۸ء سید احمد خان صدائین بجنور کو عمدہ صدر صدوری مراد آباد پر مقرر فرمایا اور

علاوہ اس کے دوسور روپیہ ماہوار پینشن معین حیات ان کے بڑے بیٹے کے مقرر فرمائے اور محمد رحمت خان ڈپٹی کلکٹر بجنور کو دیہات زمینداری متصل خوجہ ضلع بلند شہر میں جس کی جمع مالگزاری پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہو مرحمت فرمائی اور میر تراب علی تحصیلدار کو اوپر عمدہ فاخرہ ڈپٹی کلکٹری ڈپٹی مجسٹریٹ کے ممتاز فرمایا اور دیہات زمینداری ضلع آگرہ میں جس کی جمع مالگزاری ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہو مرحمت ہونے تجویز فرمائے۔ (۳)

(۱) دلی فتح ہو گئی، ہندوستان بچا لیا گیا (کتنے میں صرف) فی (۱) دلی

(۲) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول (نیشہ الدین احمد) ص ۴۳

(۳) تاریخ سرکشی بجنور (سر سید احمد خاں)



غالب کی آہ سررِ بار | غدر کے بعد مسلمانوں کی دلی میں کیا حالت تھی، اسے غالب کی زبان سے سُنیے:

بکہ مغل ما بر بہ ہے آج	ہر مسلح شورا انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے	زہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے	گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرا خاک	تشنہ خون ہے ہر مسلمان کا
کوئی وہاں سے نہ آ سکے بیان تک	آدمی وہاں نہ جاسکے یاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ	سوزشِ داغ نمائے منہاں کا
گاہ رو کر کیا کیے باہم	ماجرادیدہ ہلے گریاں کا

اس طرح کے دصال سے غالب  
کیا مٹے دل سے داغ، حبراں کا

# بہادر شاہ کا مقدمہ

کیس کس کی ٹھہرے سر محضر لگی ہوئی

یہ لال قلعہ ہے !

تمبوری جاہ و جلال اور شان و شکوہ کا مرکز !!

یہاں پہلے پہل شاہجہان اعظم کا پرچم لہرایا تھا جس کے دببہ اور طنطنہ کا یہ عالم تھا کہ وقت کے بڑے بڑے لوگ و سلاطین اس کے نام سے لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے یہیں عالمگیر اور ننگ نیرب حکمت چمکن ہو تھا جس کی ہیبت اور سطوت کی یہ کیفیت تھی کہ دیار غیر کے عالی مرتبت سفراء و ترساں اس کے حضور میں حاضر ہوتے تھے یہی وہ مقام ہے جہاں بابر اور ہمالیوں، اکبر اور جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کی اولاد نے انخطاطا شنا ہوتے کے باوجود کم از کم اس چار دیواری کے اندر

فلکہ خسروی اور داب شاہی کی زندگی بسر کی اور آج اسی لال قلعہ میں غاغان تمبوری کا آخری تاجور اور عظیم مغل سلطنت کا آخری فرمانروا، فرنگی عدالت کے کمرہ میں ایک بے یار و مددگار ملزم کی حیثیت سے حاضر ہے آج نہ اس کے گرد فوج و سپاہ ہے نہ مصاحبوں اور نمک خواروں کا جہم غفیر

میلے کپڑے، بال پریشان، نہ کوئی ہمدم نہ دساز نہ رفیق نہ یاور، نہ غمگسار نہ چارہ ساز، وہ ہے اور اس کی تنائے ناکام، وہ ہے اور نوشتہ تقدیر آج اس کی قسمت کا فیصلہ دہ کر رہے ہیں جو اس کے محکوم اور تابع دار تھے جو اس کے نمک خوار اور ملازم تھے جو اس کے حضور میں اس طرح حاضر ہوتے تھے جس طرح شاہ کج کلاہ کے دربار میں ایک چاکر حاضر ہوتا ہے آج وہ ملزم ہے، باغی ہے، خدا ہے جو اس کی درازی عمر و ترقی اقبال کے دعا گو تھے آج وہ اس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔

نہ یار غمیر ہو گئے اللہ

دل انقلابات ہیں زمانہ کے

یہ بڑی دل دوز، روادار ہے، لیکن اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہرگز کی ایسی کڑی ہے

جس کے بغیر عدد کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ آئیے اچشم پریم، یہ داستان بھی ٹیچہ لیں۔

بہادر شاہ کے مقدمہ کی پوری تفصیل اگر درج کی جائے تو بجائے خود ایک کتاب کی ضخامت پائیے

کوئی شبہ نہیں اس داستان میں عبرت و بصیرت اور عظمت کے بہت سے پہلو ہیں لیکن نہ داستان

میں اتنی تا سب تکم ہے کہ ساری کہانی کو سناٹے نہ سننے والوں میں، تاہم یہ ہے کہ یہ قصہ ہم سننے

میں اور پہلو نہ بدلیں، بہتر یہی ہے کہ طول کلام پر اختصار کو ترجیح دی جائے کہ بہر حال یہ داستان ایک

نگرا ہے پوری داستان نہیں۔

## قیدی بادشاہ

قبل اس کے مقدمہ کی روادار بیان ہو، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عدالت کا منظر دیکھ لیا جائے

جہاں بادشاہ آخری منزل تا سب دار، ایک بے بس قیدی کی حیثیت سے پیش کئے گئے تھے موت و

زیست کا فیصلہ ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو کبھی اس کے قیدی خاص ہونے پر نازاں تھے جو اس پر

فخر کرتے تھے کہ بادشاہ جم جہا کے محافظ ہیں، وکیل ہیں جان نثار ہیں۔

سر جان لارنس صاحب کے حکم سے بادشاہ کی تحقیقات جرائم کے لیے ایک کمیشن ۱۵ جنوری

۱۸۵۸ء کو مقرر ہوا جس میں غلام عباس بادشاہ کا وکیل اور میجر ایف جی کورنٹ ڈائری تھا اس کمیشن

کا اجلاس دیوان خاص میں ہوتا تھا جس میں بہادر شاہ قیدیوں کی طرح آٹا اور بانگور کی کمی بھیٹا اور بی بیٹا

جہاں اس نے چار مہینہ تک ٹھانہ جلوس کیا تھا وہاں اس کے جرموں کی شہادت دینے سے اسے

بعض چیز اسی اور جو بدلاتے اور اس کی اس قیدی کا خطاب کرتے تھے۔

ملا: تاریخ عروج و زوال (نگار شاہ) سن ۱۸۵۸ء

## فوجی کمیشن

انگریزی فوجی کمیشن کی کارروائی جو تاریخ ۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء کو مقام نہری بنگلہ سحر جرنل پینی سے بی کاشنگل افسر اور حسب ہدایت سربراہ لانس چیف کشر پنجاب اس غرض سے منعقد ہوئی کہ اس قسم کے جو قیدی حاضر ہوں ان کے اظہار لیں۔

### پریزیڈنٹ

لفیڈنٹ کرنل ڈاکس۔ توپ خانہ ۶

### ممبران

میجر پامر شاہی توپ خانہ نمبر ۶۰۔ میجر ریڈ منڈ شاہی نمبر ۶۱۔ رجمنٹ، میجر سائڈ شاہی نمبر ۶۲۔ قرابین برادر۔ کپتان دو تھن نمبر ۴۲، سکھ پیل ترحمان۔ مسٹر جس مرنی ۶

### وکیل سرکار

ممبر ایف۔ جے بیرٹ۔ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء دن کے گیارہ بجے قلعہ نہری کے دربار خانہ پہلے دن کی کارروائی میں اجلاس منعقد ہوا۔ پریزیڈنٹ ممبران و ترحمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے۔ عدالت قائم کرنے اور منعقد کرنے اور لفیڈنٹ کرنل واولس توپ خانہ کے پریزیڈنٹ مقرر کرنے کے بعد احکام پیش کئے اور منائے گئے۔

ان افسران کے نام جو عدالت میں کام کرنے کے لیے مقرر ہوئے تھے، قیدی کو سناے گئے۔



## طلبِ دعا

سوال : عدالت : خطاب بہ قیدی بادشاہ / پریزٹنٹ یا کسی اور افسر کے جو فوجی کمیشن میں جلاں کرے گا اپنے متذکرہ میں سماعت کرنے پر تمہیں کچھ عذر ہے ؟

جواب : نہیں :

پریزٹنٹ ڈمبران و ترجمان ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل نے عطف اٹھایا کل گواہوں کو باہر کر دیا الزامات پڑھے گئے اور حسبِ ذیل وجہ منسل ہوئے :

## الزامات

۱۔ وجود سلطنت برطانیہ ہند کا پیشنِ خوار ہونے کے ۱۰ ارمی ویکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر اس نے محمد نجف خان توپ خانہ کی رجمنٹ کے صوبے دار و مختلف اشخاص ویسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ہندوستانی کمیشن افسروں اور نامعلوم سپاہیوں کو سلطنت کے خلاف غدو و بھوہ کرنے میں جرات و انداد دی اور اعانت کی :

۱۰ ارمی ویکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر تمام دہلی اپنے بیٹے مرزا منگل رحمت و حکومت برطانیہ مذکور دیگر نامعلوم اشخاص باشندگان دہلی و صوبہ ناکس مغربی شمالی ہند کو جو نیز حکومت برطانیہ مذکور کی رعایا تھے، سلطنت کے خلاف بھڑکانے اور لڑنے میں جرات و انداد دی و اعانت کی :

در صورت رعایا حکومت برطانیہ ہند ہونے کے حق اطاعت کا خیال نہ کیا اور تمام دہلی اور ممبئی ۱۹۴۷ء یا اس کے قریب کی کسی تاریخ میں سلطنت سے منکھڑی کر کے اپنے تئیں بادشاہ شہنشاہ ہند مشہور و ظاہر کیا اور غابازی سے دہلی پر بے ضابطہ قبضہ کر لیا اور علاوہ ازیں ۱۰ ارمی ویکم اکتوبر

ط : چیراغ دہلی (سررا جیست دہوی) سن ۱۹۴۷ء :

کے درمیانی عرصہ میں مختلف اوقات پر ناک حراہوں کے مرزا مغل و محمد نجات خاں رجنٹ  
 صدر بے دار توپ خانہ اور دیگر مفسدہ پردازوں کے ساتھ سلطنت کے برخلاف سرکشی  
 کرتے اور لڑائی لڑنے میں مفسدانہ سازش و مشورہ اور اتفاق کیا اور نیز سلطنت برطانیہ ہند کے انہدام  
 اور غارت کرنے اور اپنے مفسدانہ منصوبے پورے کرنے کے لیے مسلح فوج کو جمع کیا اور سلطنت  
 برطانیہ مذکور کے خلاف لڑنے کے لیے روانہ کیا۔

یہ کہ ۶ اڑبی ۱۸۵۷ء یا کسی قریب کی تاریخ پر بمقام دہلی قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹  
 آدمیوں کو قتل کر دیا اور قتل کرنے میں مدد دی جن میں خاص کر انگریزی عورتیں، بچے اور دو غلے انگریز شامل  
 تھے اور مرید برآں۔ اڑبی ویکم اکتوبر کے درمیانی عرصہ میں مختلف سپاہیوں اور دیگر شخصوں کو انگریزی انڈل  
 اور دیگر انگریزی رعایا کو بن میں عورتیں اور بچے شامل تھے قتل کرنے کی جرات دی اور اغانت دی اور  
 اس کام کے لیے قانون کو ملازمت ترقی و خطابات دیئے اور وعدہ کیا، نیز یہ کہ ہندوستان کے خود مختار  
 ویسی حکمرانوں کو احکامات بھی دیئے کہ انگریزوں کو جب کبھی بھی اپنی حدود میں دیکھیں قتل کر ڈالیں یہ فعل کل یا  
 اس کا کوئی جزو ہندوستان کی قانونی کونسل کے ایکٹ ۱۶ مصدر ۱۸۵۷ء کے مطابق جرم عظیم ہے۔

دستخط ایف۔ جے میرٹ میجر

ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل وکیل سرکار

سوال: محمد بادر شاہ جو الزامات تحاسنہ خلاف قائل کیے ہیں تم ان کے مجرم ہو یا نہیں؟

جواب: مجرم نہیں ہوں۔

تمام گواہ ابھر کر دیئے گئے۔

دربار خاص میں اس دن پھر عدالت منعقد ہوئی، میر جلیس و ممبر  
 ترجمان اور ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے قیدی عدالت

۲۹ ستمبر ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

میں لایا گیا اور غلام عباس بطور معاون کے لایا گیا۔ ترجمان نے اہل کاغذات فارسی میں ملاحظہ کئے اور جس کا ترجمہ جج ایڈوکیٹ نے دوسرے دن پڑھا تھا۔ یعنی نمبر ۱۰۰۰ غلام عباس اب بطور گواہ قرار دیا گیا۔ جج ایڈوکیٹ نے اظہارِ رائے کیا۔

سوال : ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کی صبح کو تم کہاں تھے جبکہ مفد رسالہ میرٹھ سے آئے۔

جواب : میں اسی دربارِ خاص کے دروازے پر تھا۔

سوال : جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا بیان کرو :

جواب : قریب آٹھ بجے صبح کے میں نے سنا کہ کمپنی کے رسالہ کے پانچ یا چھ سوار آئے اور بادشاہ کے خلوت خانے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بے تحاشا غل مچایا جس پر بادشاہ نے اپنے خواص میں سے کسی کو حتم دیا کہ دیکھو یہ غل کیا ہے؟ ان میں سے ایک شخص جھڑکے میں گیا یہ سواروں سے کچھ باتیں کر کے بادشاہ کے پاس واپس آ گیا۔ میں بادشاہ کے ساتھ ان کے خلوت خانے میں گیا اور پھر حسب الحکم میں کپتان ڈگلز کو لے آیا۔ بادشاہ نے کپتان ڈگلز سے استفسار کیا کہ ان کو کچھ اس معاملے کی خبر ہے یا نہیں، نیز یہ کہ یہ فوج کیوں آئی ہے اور کہا کہ فوراً مناسب بندوبست ہونا چاہئے، کپتان ڈگلز نے درخواست کی کہ وہ نیچے کے دروازے سے باہر بغیوں سے بات کریں گے۔ لیکن بادشاہ نے یہ نہ ہونے دیا کہ مبادہ باغی ان کو مار ڈالیں اور بادشاہ نے کہا کہ اگر تم ان سے باتیں کرنا چاہتے ہو تو جھڑکے میں سے کرو اس کے بعد کپتان ڈگلز دربارِ خاص کے کمرے اور شاہی کمرے کے درمیان برآمدے میں آئے اور ادھر سے اس مقام کو دیکھا جہاں سے باغی نکلے تھے۔ میں کپتان ساء کے ساتھ کمرے تک آیا، کپتان ڈگلز نے سوا اور سے کہا کہ اس طرف مت آؤ۔ بادشاہ کی محکمہ اسے اور اس طرف تھا۔ آنا ان کی بے عزتی ہے اس پر سب نے کپتان ڈگلز نے کہا کہ قلعہ اور شہر کے دروازے۔ فوراً بند ہو جائیں۔ مبادہ یہ لوگ شہر میں ہیں۔ میں اس کے بعد کپتان ڈگلز انتظام کرنے چلے گئے اور میں حکیم احسن اللہ خاں دربارِ خاص کے اس کمرہ میں بیٹھا ابھی ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ ڈگلز صاحب کا لازم دورا ہوا آیا اور ایک فقہ حکیم صاحب کو لے کر آیا



صاحب یاد فرماتے ہیں حکیم صاحب کے کہنے پر میں ان کے ہمراہ گیا جو آدمی ہم کو لینے آیا تھا اس نے کہا کپتان صاحب مسلح خانے میں ہیں۔ مگر جب ہم وہاں پہنچے تو وہ واپس جا چکے تھے اس وقت ہم نے دیکھا کہ وہ یا گنج کی جانب بڑا دھواں اڑ رہا ہے اور کچھ راگبیروں سے معلوم ہوا کہ باغی شہر میں گھس آئے ہیں اور انہوں نے منگلوں میں آگ لگا دی ہے۔ ہم قلعہ کے لاہوری دوازے کے اوپر جہاں ڈگھس صاحب کی فرودگاہ تھی گئے اس جگہ ہم کو معلوم ہوا کہ کپتان صاحب غیرے کمرے میں ہیں اور وہ بیانی کمرے میں مسٹر فرسٹ صاحب تھے حکیم صاحب کپتان صاحب کے ملنے چلے گئے اور میں فرسٹ صاحب کے کہنے پر ان کے ساتھ واپس آ گیا اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں بادشاہ سلامت سے مل کر کہوں کہ کپتان ڈگھس صاحب کے مکان کی حفاظت کے لیے دو توپیں اور کچھ سپاہ پیادہ بھیج دیں اور فرسٹ صاحب اور ان کے ہمراہ جو انگریز تھے ندینہ سے آتے ہیں فرسٹ صاحب کے ہاتھ میں غلامت دار تواریختی۔ اور دوسرے صاحب کے ایک ہاتھ میں سپتول اور دوسرے میں بندوق تھی میں جلدی سے فرسٹ صاحب کے پیسے بادشاہ کے پاس پہنچا اور ان کو کپتان فرسٹ کا پیغام دیا انہوں نے فوراً دو توپیں اور پیادہ سپاہ کا ایک دستہ کپتان ڈگھس کی فرودگاہ پر بھیجا۔

اسی وقت حکیم صاحب پہنچے اور انہوں نے کہا کہ دو پاکیاں بھیج کر ان میوں کو بلا لیجئے جو ان کے ہاں پناہ گیر ہیں تاکہ ان کو محاصرہ میں چھپایا جاسکے اور بادشاہ نے حکیم صاحب سے انتظام کرنے کے لیے کہہ کر فائدہ کے آدمیوں کو دو پاکیاں باغ کی طرف سے کر کے دناں روانہ کیں تاکہ باغی ان کو نہ دیکھ سکیں بادشاہ یہ دیکھنے لکھنے ہوئے کہ آیا ان کے حکم کی تعمیل بھی ہو رہی ہے۔ یا نہیں حکیم صاحب بھی وہیں لکھڑے تھے کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک آدمی واپس آیا جو پاکیاں سے کر گیا تھا اس نے کہا کہ فرسٹ صاحب تو قتل کر دیئے گئے یہ دس بے سے کچھ پہلے کا وقت تھا حکیم صاحب نے فوراً اور آدمیوں کو کپتان ڈگھس کی خیریت معلوم کرنے بھیجا اور ان لوگوں نے اگر بتایا کہ نہ صرف فرسٹ صاحب بلکہ کپتان ڈگھس اور دوسرے وہ لوگ جو ان کے ہمراہ رہتے تھے سب قتل کر دیئے گئے اور



وہ ہمیں بھی یہ سن کر بادشاہ اندر چلے گئے اور میں اور حکیم صاحب پریشانی میں پھر دیوان خاص میں آئے، تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کپیناں جو باہر محافظت پر تھیں مفسد سالہ کے ساتھ دیوان خاص کے سامنے سائے میدان میں جمع ہو کر غل مچانے اور خالی کاروں سے چلانے لگیں۔ بادشاہ یہ غل سن کر باہر کھڑے اور قلعہ کے آویسوں سے کہا کہ ان کو فاسقوں سے روکنے کے لیے کہیں پھر نہ دوستانہ افسر آگے بڑھے اور انہوں نے دریافت کر لیا، اس پر مفسد لوگوں نے بتایا کہ ان کو کاروں میں سے لکھنے کے لیے بتایا گیا تھا اس سے مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلمان اپنے مذہب کے گمراہ ہو جائیں کیونکہ ان میں سب اور گناہ کی چیزیں ملی ہوئی تھیں۔ اس پر ان لوگوں نے مشتعل ہو کر پہلے میرٹھ کے انگریزوں کو قتل کیا پھر بادشاہ کی محافظت کے لیے جہاں چلے گئے۔ بادشاہ نے جواب دیا میں نے نہیں بلایا اور کچھ تم نے کیا بہت برا کیا یہ سن کر وہ مفسد لوگ میرٹھ سے آئے تھے اور پھر کمرے میں آ گئے اور کہا کہ جب تک بادشاہ جہاں سے ساتھ نہ ہو گا ہم بے سزا رہیں گے اور نہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اس پر بادشاہ نے کیا کہا؟ | اس پر بادشاہ کہی پہلے گئے اور سپاہی اور افسر فریادیں

آ کر کہتے تھے کہ جہاں سے سر پہ ہاتھ رکھیے اور بادشاہ ایسا ہی کرتے۔ جب ہجوم زیادہ ہو گیا تو میں چلا آیا لوگ ندرندہ سے باتیں کر رہے تھے، تھوڑی دیر بعد شاہ اپنے کمرے میں چلے گئے، سواروں نے گھوڑے صحن میں بند کر دیئے اور اپنی اپنی جگہ منتخب کر لی اور قلعے کے پاروں طرف پر سے دارمقرر کر کے ہیں حکیم جن اللہ خان کے کمرے میں جا کر ٹیٹ گیا، قریب چار بجے شام کے بڑی نہنگ اڑنے کی خبر آئی۔ اور میگزین کی طرف بڑی ناک اڑتی نظر آئی جو لوگ وہاں تھے انہوں نے بتایا کہ مفسدوں نے حملہ کر دیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کے مقیم انگریزوں ہی نے یہ کاروائی کی تھی، شام کو معلوم ہوا کہ مفسدوں نے آٹھ انگریز عوتیں بچے پکڑے اور ان کے قتل کی درخواست کی، مگر بادشاہ نے کہا کہ قیدیوں کو میرے حوالے کر دو اور ان کو میں اپنی حفاظت میں رکھوں گا، چنانچہ اس شرط پر قیدی دیئے گئے۔ کہ ان پر محافظت کی جائے گی اس سے لکھے جائیں اور بادشاہ نے ان کو ایک کمرے میں

مغیر کے بن کے کھانے کا انتظام اپنے قوشہ خانہ سے کیا، شام کو میں نے اپنے گھر جانا چاہا، تو سامنے دروازے پر رسالہ کے اور سواروں اور شہر میں جھنڈوں کے سپاہی تھے، پھر میں گھوڑے پر سوار ہو کر گھر آیا۔ دوسری صبح کو معدوم ہو کر رات کو میں گیا، دیکھے جو توہیں شروع ہوئیں تھیں وہ ویسی توپ خانے نے بادشاہ کی سلامی میں سر کی تھیں یا کسی وجہ سے، پھر میں دیوین فاضل میں حکیم حسن صاحب سے ملا اور دریافت کیا کہ بادشاہ نے اس بے چینی کو رفع کرنے کا کوئی بندوبست کیا؟ انھوں نے بتایا کہ شاہ نے ایک اونٹنی سوار کو خط لے کر لٹینٹ گورنر کے پاس آکر بھیجا ہے اور قریباً پندرہ روز بعد میں نے پھر پوچھا کہ اس خط کا جواب آیا یا نہیں تو انھوں نے بتایا کہ وہ سوار بغیر سید یا جواب کے واپس آ گیا، لیکن خط ان کو مل گیا اور جواب دینے کا انھوں نے وعدہ کیا ہے، اول دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ کی باتا وعدہ حاضری ترک کر دی، صرف تیسرے یا چوتھے دن آتا تھا اور محض بادشاہ کو سلام کر کے واپس چلا جاتا تھا چنانچہ اور واقعات کے بعد گفتگو کرنے کی نوبت نہ آئی۔

## ”اظہار حسن عسکری“

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب ہوئے اور ان کو علف دیا گیا  
سوال : کیا بلوہ کے زمانے میں تم دہلی میں تھے اگر تھے تو کیا مشغل تھا ؟  
جواب : میں دہلی ہی میں تھا اور پیری مریدی کیا کرتا تھا، ایک دفعہ جب بادشاہ بیمار ہوئے تو میں ان کے علاج کے لیے بلایا گیا تھا جب میرے دم کرنے سے بادشاہ کو نادمہ ہوا تو وہ مجھے اکثر بلانے لگے، مگر مجھے اس سے بے آرامی ہوتی تھی، ایک دن بادشاہ سے التجا کی کہ حضور بادشاہ نہ فرمایا کریں جس پر بادشاہ اٹھا کہ آئندہ جب تک میں سخت بیمار نہ ہوں گا تم کو نہ بلاؤں گا۔  
سوال : کیا تم شہید یا قنبر شاہی ملازم سے واقف ہو ؟

جواب : میں بادشاہی ملازموں میں چند جہتوں سے واقف تھا جن میں سے صرف دو یا تین

مل : چراغ دہلی (مذاہرت، طوی مشاعر)

کے نام مجھے یاد ہیں، شیدی قبرستان میں کوئی نہ تھا۔

سوال : اس عدالت میں یہ اظہار ہوا ہے کہ تم نے شیدی قبر شہری ملازم کو شاہ کی طرف سے خطوط دے کر ایران بھیجا تھا، اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے ؟

جواب : مجھے اس معاملے کی قطعاً خبر نہیں ۔

سوال : عدالت میں یہ بھی اظہار ہوا ہے کہ تم کو قوت پیش گوئی حاصل ہے تم خوابوں کی تعبیر بتا دیتے ہو اور تم نے خدا سے ہر کلام ہونے کا جیلہ اور صاحب معجزہ ہونے کا دعویٰ

کیا تھا جس کی صداقت قیدی نے خود بھی کی ہے اس کا جواب تمہارے پاس کیا ہے۔

جواب : خدا کو گواہ کر کے کتابوں کہ میں نے اس قسم کی باتوں کا کبھی جیلہ نہیں کیا ۔

سوال : کس وجہ سے تم بادشاہ پر دم کیا کرتے تھے، تمہارا خیال تھا کہ تمہارے سانس میں اثر صحت ہے ؟

جواب : ہماری کتابوں میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے نیچے دُعا کر کے اس پر دم کرے تو اس سے فائدہ ہوگا ۔

سوال : کیا تم نے اپنا یہ خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ ایک طوفان مغرب یا کسی در سمت سے ہندوستان پر آیا ہے اور طغیانی کے سبب زمین برباد ہو گئی، اس سے بادشاہ کو فرغ ہوا اور انگریز تباہ ہو گئے ؟

جواب : خدا جانتا ہے کہ میں نے نہ تو کبھی ایسا خواب دیکھا اور نہ کبھی ایسا خواب بیان کیا البتہ قلعہ والوں نے اکثر مجھ سے ایسے خواب بیان کئے جس کی تعبیر میں نے توہمات میں مجھ کو خواب پر اعتقاد نہیں ۔

سوال : دہلی سے تم کب گئے اور جب تک پولیس نے تمہارا کھوج میں نکال دیا تم کیوں چھپے رہے۔

جواب : جب یہ شہرت ہوئی کہ شہر پر حملہ ہونے والا ہے تو شہر والوں نے جوت جوت باہر



جا ان شروع کر دیا، میں بھی انھیں کے ہمراہ شہر سے باہر چلا گیا، اول میں نظام الدین میں تھا اس کے بعد قطب صاحب، پھر وہاں سے گڑھی پر سر دیا جہاں بیمار ہو گیا اس کے بعد اور مقامات میں ہوتا ہوا موضع لکھنوی میں پہنچا، وہاں مجھے یہ خبر ملی کہ گنگوہ میں میری تلاش ہو رہی ہے میں نے خود وہاں جانے کا اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا، چنانچہ میں وہاں گیا اور میرے وہاں پہنچنے کی خبر اٹھی اور میں گنگوہ کے قریب ہی تھا کہ سپاہیوں نے مجھے امام صاحب کے مقبرے میں بحالت نماز گرفتار کر لیا، قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا،

## جرح جج ایڈوکیٹ

سوال : جن وجوہ سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ انگریزی کی رحمت اور پنشن خوار بنا اس کے متعلق تم عدالت کو کچھ اطلاع دے سکتے ہو ؟

جواب : غلام قادر نے جب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی آنکھیں نکالیں اور اس کی سخت بے عزتی کی تو ۱۸۵۷ء میں مرہٹوں نے اپنا قبو پایا، ۱۸۵۷ء میں جب لارڈ لیک نے علی گڑھ فتح کر کے دہلی پر حملہ کیا، اس وقت بادشاہ دہلی کے اختیار دہلی کے اندر ہی اندر تھے، وہ مثل قیدی کے تھا، اور لارڈ لیک نے حملہ کر کے شہر اور قلعہ کو مرہٹوں سے چھین لیا، اس وقت شاہ عالم نے انگریزوں کی پناہ میں آنے کی درخواست کی اور ۴ اکتوبر کو جو ۱۸۵۷ء کے واقعہ میں اور زیادہ قابل یادگار تاریخ بن گئی ہے، انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اس وقت سے بادشاہان دہلی انگریزوں کے پنشن خوار بنے اور ۱۸۵۷ء کے بعد بادشاہ کے اختیارات صرف قلعہ تک رہ گئے اور وہ محض اپنے ملازموں کو خطابات اور خلعت عطا کر سکتا تھا، دوسروں کے لیے اسے ممانعت کر دی گئی تھی۔

ط : چرچ دہلی (مذاہیرت دہلی) ص ۱۶۷



**سوال :** کیا قیدی کے لئے مسلح آدمیوں کی تعداد محدود رکھی گئی تھی ؟  
**جواب :** قیدی نے لارڈ آکلینڈ سے درخواست کی تھی کہ جس قدر وہ مناسب سمجھے اس قدر مسلح آدمیوں کی تعداد سکھے اور نوآباد گورنر جنرل نے یہ حکم دیا تھا کہ جس قدر آدمیوں کی تعداد تم اپنی پیشین میں سے دے سکتے ہو رکھو ۔

**سوال :** بلوہ کے وقت قیدی کو کتنی پنشن ملتی تھی ؟  
**جواب :** اس کے لیے ایک لاکھ روپیہ یا اس کی پنشن منظور ہوئی تھی جس میں سے نیا نو سے ہزار تو اسے دہلی میں سے دیئے جاتے تھے اور ایک ہزار اس کے خاندان والوں کو لکھنؤ میں ملتے تھے اس کے علاوہ ڈیرھ لاکھ سالانہ اسے زمینوں اور مکانوں سے بھی وصول ہوتا تھا ۔

قیدی نے جوج سے انکار کیا اور گواہ واپس کیا گیا ۔  
 کند لال بادشاہ دہلی کا سکتر عدالت میں طلب ہوا اور اس کو علف دیا گیا ۔

## جمع جج ایڈوکیٹ

**سوال :** کیا تمہیں ہندوستانی فوج کی بغاوت کی کچھ اصلیت معلوم ہے ؟  
**جواب :** کوئی دو سال پیشتر سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ کی جانب سے بدل ہو گیا تھا ۔ اور گورنمنٹ کی وقت اس کے دل سے جاتی رہی تھی جس کی تفصیل یوں ہے کہ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید پسران مرزا خان غیش پسر مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے آئے تو انھوں نے حسن عسکری سے مل کر آمادہ کیا کہ ایک نامہ شاہ فارس کو بھیجا جائے اور نامہ میں یہ لکھا جائے کہ انگریزوں نے شاہ کو قید کر لیا ہے اور اس کی وہ عزت نہیں رہی جو تھی ۔

ط : چراغ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص ۱۵۱

اور دلی عہد کی تخت نشینی کی کوئی تبدیلی نہیں رہی۔ اور نہ یہ اُمید ہے کہ علاوہ دلی عہد کے کوئی اور شہزادہ دلی عہد کیا جائے۔ اس خط سے منشا یہ تھا کہ باہمی ملاقات خط و کتابت قائم ہو جائے، شیدی قبیلہ اس کام کے لئے مقرر ہو، اور نواب محبوب علی خاں کی معرفت اس کو متور و سپہ سالار واد دے کر مع خط ایران روانہ کیا اور یہ خط بادشاہ کے خاص سکتر میں لکھا گیا تھا اس کے بعد مرزا حمید اور ان کے بھائی واپس چلے گئے اور بادشاہ کے دور کے عزیز مرزا نجف اور مرزا ابلاقی، پسر مرزا امیر شہ الدین اور مرزا آغا جان کے ہاتھ اس قسم کی تحریر بادشاہ کے ہاتھ بھیجی، تین سال کا عرصہ ہوا کہ دہلی کے انگریزی سپاہی مرزا علی اور حمید خاں کے ذریعہ سے بادشاہ سے مل گئے تھے، مرزا علی کا یہ کام تھا کہ جس قدر خواستیں آئیں وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوں اور بادشاہ ہر ایک کو اس وقت ایک تحریر دیتے تھے جس میں پہلے آنے والوں کے بالترتیب نام ہوتے تھے اور ایک ردال بطور نشانی دیا جاتا تھا، ایجنٹ لفٹیننٹ گورنر کو اس معاملہ کی اطلاع ہو گئی، انھوں نے بعد تحقیقات بادشاہ کو منع کر دیا کہ انگریزی سپاہیوں کو اپنا سر پر نہ بنائیں بادشاہ اور فوج میں تعلقات پیدا ہونے کی یہی تاریخ ہے بغاوت سے بیس روز پیشتر خبر آئی تھی کہ میرٹھ میں فوج غدر کرنے والی ہے، مگر یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ غدر کس کے وہ دہلی ہی میں آئیں گے، رسالہ واسے سر سے پہلے قلعہ کے چھروکوں کے نیچے آکر کھڑے ہوئے اور انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم نے جس قدر انگریز میرٹھ میں تھے ان کو قتل کر دیا اور جس قدر بیاں ہیں ان کو بھی قتل کر دیں گے اور اب آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور جس قدر انگریز ہندوستان میں تھے، سب ہتھ تیغ کر دیئے گئے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ تمام فوج آئندہ سے تابع فرمان رہے بادشاہ نے یہ اس کا جواب دیا تھا کہ تمہارا یہی ارادہ تھا تو تم کو ہر ایک بات کے لیے تیار ہونا چاہئے اور اگر تم تیار نہ ہو تو اس معاملہ کا کل انتظام اپنے ہاتھ میں لو۔ یہ باتیں جو بڑی رہی تھیں کہ مفسد شہر میں گھس آئے، بادشاہ کے خاص ملازم ان سے جا ملے اور قادر داد خان ایک کابلی نے سٹریٹس میں قتل کر دیا اور پیدل سپاہیوں نے شاہی ملازموں کے اثاثے سے افسر کاہ و قلعہ کے مکان پر چڑھ کر اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اس کے بعد جو انگریز

شہر میں ان کے ہاتھ لگا قتل ہوا۔ ایک دن یہ ڈھنڈورا پٹا کہ نہا شہنشاہ عالم ہے اور بادشاہ  
اس ملک کے بادشاہ۔ اور ان کا حکم بالاتر ہے۔

دوسرے دن ۱۲ ارمی کو جب میرٹھ کے سوار اور دہلی گئے۔ سالے سے بادشاہ نے  
تحت پر بیٹھ کر وزیر محبوب علی خاں کو کل فوج کی دعوت کرنے کا حکم دیا۔  
پنچ فوج میں شیرنی تقسیم ہوئی اور افسروں کو پوسے بھی دیئے گئے ۱۸۴۲ء سے  
پیشتر بادشاہ خاص خاص موقعوں پر چاندی کے تحت پر بیٹھ کر جودہ بار خاص میں رہتا تھا انعام دیئے  
تھے مگر اس کے بعد ایجنٹ جنرل نے اس رسم کو بند کر دیا اور تحت کو اٹھوا کر بادشاہ کے تخت خانے کے  
نیچے والے راستہ میں رکھوا دیا۔ ۱۲ ارمی کو بادشاہ نے اسے منگوا کر اس پر بیٹھ کر دربار کیا۔

سوال : کیا ۱۲ ارمی سے پیشتر فوج نے کچھ تجاویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھیں ؟  
جواب : مجھے ان تجاویز کے کھلے کھلا پیش ہونے کی تو سہ نہیں البتہ غلامی دربانوں میں تذکرہ  
ہوا تھا کہ فوج عنقریب بغاوت کر کے قلعہ میں داخل ہوگی اور بادشاہ کی حکومت بھر قائم ہو  
جائے گی اور قدیم ملازموں کے رتبے اور تنخواہوں میں اضافہ ہوں گے۔

قد ڈالیں برا کے عند انتظام میں جس وقت سے بادشاہ کو  
شہادت حکیم حسن اللہ خان

نزدیک بیٹا نہ ہوا۔ بادشاہ ہر وقت اس کے ہاتھ آتا اور تا تو  
اس نے اس معاملہ کے ایسے ولایت میں تحریک کی اور بعد میں ہمیشہ اس حکم سے شکی ہے  
اس کے سبب اپنی بددی ظاہر کرتے رہے بعد میں گورنمنٹ نے جب ان کی یہ خواہش کہ ان کو پھڑا  
بیا جوں بخت بادشاہ کی بیٹے پاسکا تھا کہ یہ سب سے بڑا لڑکا مرزا فتح الملک ان کے بعد  
گدی نشین ہوگا۔ ولی عہد بنا دیا جائے، یہی نہ کی تو ان کو اور بھی زیادہ رنج ہوا۔ کچھ عرصہ بعد  
مرزا حیدر مرزا خاں بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ مع اپنے بھائی مرزا امرا کے کھنوسے بڑی آئے



وہ پیشتر بادشاہ سے ملاقات کیا کرتے تھے، سب سے پہلے انہوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ میں نے ان شہزادوں کو گورنمنٹ کے دفتر میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے، ایجنٹ لفٹیننٹ گورنر نے اس انتظام کو اس وجہ سے منظور نہ کیا کہ اس فرض کے لینے کبھی شہزادے مقرر نہ ہوئے تھے یہ شہزادے بادشاہ کی مرثیت کر کے چند کاغذات اپنے ہمراہ لے گئے، وہ بلا روک ٹوک محلات شاہی میں بھی آیا کرتے تھے۔

حکیم حسن اللہ خاں کی گواہی | بادشاہ نے باغیوں کی آمد کے لیے پہلے سے کچھ تیاری نہیں کی تھی۔ ادھر جس کا ثبوت اس بات سے ہو سکتا ہے کہ میں نے ادھ غلام عباس وکیل نے بادشاہ سے کہا کہ قلعہ کے کمانڈنگ گارڈ اور ایجنٹ لفٹیننٹ گورنر نے دو توپیں مع دو توپچیوں کے اور دو بالکیاں میوں کے واسطے منگائی ہیں تو بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

جواب دعویٰ | جج ایڈوکیٹ نے قیدی کا سب ذیل جواب دعویٰ پڑھا۔ میں سب ذیل واقعات پیش کرتا ہوں :-

• بلوے سے پیشتر بلوہ کے متعلق مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ صبح کے قریب آٹھ بجے مجھے خبر ہوئی کہ باغی سواد شہر میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے جمع ہو کر دریچوں کے نیچے کھڑے ہو کر نخل مچانا شروع کیا، میں نے دروازے بند کر دینے کا حکم دیا، باغیوں نے بتایا کہ کار تو سوں پر سوار ادھ گائے کی چربی ہوتی تھی اس لیے ہم نے ان کو چلانے سے انکار کر دیا اور میرٹھ کے انگریزوں کو قتل کرانے ہیں، پھر میں نے قلعہ کے افسر گارڈ کو بلایا اس نے خود باغیوں سے بات کرنے کی خواہش کی مگر میں نے دروازے نہ کھولے تو اس نے کھڑے میں کھڑے ہو کر باغیوں سے کچھ

ص: ۱ چراغ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص: ۲۲۲

ص: ۲ : چراغ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص: ۲۳۲



باتیں کہیں اور پھر انتظام کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد گاڈ اور فریڈ صاحب نے دو پاکیاں منگائی آکر وہ  
 یس میں جو گاڈ کے یاں تھیں ان کو مجلس میں چھپا دیا جائے، پاکیاں بھیج کر میں نے توہیں روانہ کرنے کا حکم  
 دیا اور ابھی پاکیاں روانہ ہی ہوئیں تھیں کہ ان سب کے قتل کی اطلاع ملی ۔

ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ باغی مدد باغی خاص میں گھس آئے اور ہر طرف اپنے سنتری مقرر کر دیئے۔  
 میں نے بن سے التجا کی کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تم غاموشش تماشا دیکھتے جاؤ اس  
 وقت ہم اپنی جانوں پر کھیل رہے ہیں جو کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں گے میں اپنی جان کے خوف سے نہ ناخاند  
 میں چلا گیا۔ قریب شام کے بعد کچھ میوں اور بچوں کو کھڑا لائے۔ لیکن میں نے خوشامد کر کے ان کو باز رکھا اور  
 وہ اس وقت اس شرط پر مل گئے کہ ان کو اپنے پر سے میں رکھیں گے اور پھر اس کے بعد بھی انھوں  
 نے وہ مرتبہ ان کو قتل کرنے کی کوشش، مگر میں نے مشکل ان کو مدد کا اور پھر ایک مرتبہ آخر انھوں نے ان  
 کو قتل کر ڈالا۔ اس قتل کے لیے میں نے کوئی حکم نہیں دیا۔ ممکن ہے مرزا اخیر سلطان یا مرزا منگل نے  
 جو میرے خواص میں ہیں میرا نام لے دیا ہو۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ یہ بھی کہ بغیر میرے حکم کے میرے مسلح  
 سپاہی اس قتل میں شریک ہوئے، ممکن ہے مرزا منگل نے ایسا کیا ہو۔ لیکن وجود اس کے ان لوگوں  
 کے قتل میں میرے ملازم شریک تھے، مگر میں نے ان کو کوئی حکم اس قسم کا نہیں دیا تھا قتل کے بعد کے  
 متعلق کچھ علم نہیں، اگر ملازموں نے ایسا کیا تو اپنی مرغی سے کیا ہوگا میں مافیہ کتا ہوں کہ میں نے کبھی  
 فریڈ صاحب اور دوسرے لوگوں کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا۔ گو انھوں کے بیانات غلط ہیں مرزا منگل  
 مرزا اخیر سلطان وغیرہ باغیوں سے ملے ہوئے تھے ممکن ہے انھوں نے کبھی کوئی ایسا حکم دیا ہو، پھر  
 اس کے بعد باغی مرزا منگل مرزا اخیر سلطان اور مرزا ابوالباقر کو میرے پاس لائے کہ ہم ان کو اپنا  
 افسر بنانا چاہتے ہیں انہیں نے ان کی درخواست منظور کر دی تو مرزا منگل بگڑ کر اپنی ماں کے پاس چلے گئے  
 اور میں خاموش ہو گیا۔ اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا منگل سپہ سالار مقرر ہوئے ۔

میری ہر اور دستخط کے واسطے میں صاف بات یہ ہے کہ جہد و بغاوت ہوئی اس دن انھوں  
 نے مجھے بھی اپنا قیدی بنایا، جس طرح اس وقت تمھارے بس میں ہوں اسی طرح اس وقت ان کے قابو

میں تھا اور انہوں نے اپنے احکام پر جبر مجھ سے فرگوائی وہ مسودے لاتے اور میرے سکتر سے صاف کرتے کبھی وہ صاف احکام لاتے اور مسودے دفتر میں چھوڑ کر مجھ سے دستخط کرتے تھے یہی سبب مختلف مسودے اس میں شامل ہیں اکثر انہوں نے مجھ سے سادہ لفافوں پر سرکاری اور مجھے معلوم نہیں ان میں کیسے کیسے خطوط کس کس کے نام بھیجے اس میں کہیں یہ فرست بھی شامل ہے۔ کبھی نے کندال کے نام بھیجی تھی اس میں یہ بات صاف لکھی کہ کتنے کتنے احکام کس نے کہاں کہاں دیئے تھے چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ جس نے جہاں چاہا احکام دیئے اور مجھ سے دستخط کرائے اور مجھے احکام کے معنون تک نہ بتائے لیکن میں اور میرا سکتر جانوں کہ خوف سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے جب کبھی سپاہی یا مرزا مغل اور مرزا خیر سلطان کوئی درخواست میرے پاس لائے تو اپنی مرضی کے احکام بھی اپنے ساتھ اکٹھے لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس پر بھی دستخط کرو اور دھمکی بھی دیتے تھے کہ جو شخص بیماری مرضی پر نہ چلے گا پھینٹائے گا اور جان کے خوف سے میں کچھ کہہ بھی نہ سکتا تھا ساتھ ہی اس کے وہ میرے خاص مشیروں حکیم احسن اللہ خان، محبوب علی خان اور زینت محل بیگم کو انگریزوں کے سازش رکھنے کا الزام دیتے اور کہتے تھے کہ ہم ان کو اس حرکت پر مار ڈالیں گے چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے حکیم صاحب کا مکان لوٹ لیا اور ان کو قتل کئے ارادے سے پکڑ لیا مگر ان کی منزلت سماجت پر ان کو قید میں رکھا وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مرزا مغل کو تخت نشین کرنے کے لیے وہ مجھے تخت سے اتار دیں گے یہ امر غور طلب ہے کہ میں کس قدر مطمئن ہو سکتا تھا اور میرے اختیار سے کتنے تھے ؟

افسران فوج اس قدر گستاخ ہو گئے تھے کہ انہوں نے کہا کہ زینت محل کے تعلقات انگریزوں سے دوستانہ ہیں ان کو ہمیں دے دیجئے تاکہ ہم ان کو قید میں رکھیں اگر اس وقت میرا اختیار ہوتا تو ممکن تھا اس وقت حکیم احسن اللہ خان اور محبوب علی خان قید ہو جاتے اور حکیم صاحب کی جائیداد لٹ جاتی ؟

انگریزوں نے ایک اجلاس قائم کیا ہوا تھا جس میں ہر چیز پر بحث ہوتی تھی اور جو قرارداد مندرجہ

ہوتی، اس پٹیل در آمد ہوتا تھا، مگر میں کبھی ان کے جلسوں میں نہ شریک ہوا اس پر انھوں نے نہ مہرت بہت سے آدمیوں کو لوٹا بلکہ بعض بازار کے بازار بوطحے لیے اور جس کو قتل کیا اور جس کو بچا یا قید کر لیا اور شہر کے جس شخص کا مال اچھا پایا ضبط کر لیا ۔

جو کچھ بھی تھا باغی فوج کے ہاتھ میں تھا میں کیا کر سکتا تھا مجھے بے خبری میں اگر گرفتار کرنا اور مجھ پر کچھ خوف طاری ہو گیا تھا اور جان کے خوف سے جو وہ کہتے کرتا تھا میرے ملازموں تک کو جان بری کی اُستیدار نہ تھی اور میں تو شاہی پرگدالی کو ترجیح دینے لگا تھا اور چاہتا تھا کہ گیسو سے کپڑے پہن کر پیدل قطب صاحب کو جاؤں اور وہاں سے اجمیر شریف ہو کر کتبہ اللہ چید جاؤں مگر فوج نے نہ جانے دیا ۔

باغیوں نے سیکرین کو لوٹا اور خزانہ کو بھی لوٹا گا۔ لوٹ میں سے ایک پیسیہ بھی نہ میں نے ان سے لیا اور نہ انھوں نے مجھے دیا ۔ ایک دن وہ نہایت محلِ بگیم کا مکان لوٹنے بھی گئے ، مگر کامیاب نہ ہوئے ۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر میرے اعتدالات ہوتے تو وہ مجھ سے میری بیوی کو قید کرنے کے لئے کیوں مانگتے جبکہ کوئی شخص ایک غریب آدمی کی بیوی کو بھی نہیں مانگ سکتا ۔

قنبر جیش نے مکہ جانے کی خصت حاصل کی تھی، میں نے اس کو ایران نہیں بھیجا میں نے کوئی خط شاہ ایران کو نہیں بھیجا ہے محمد درویش والی درخواست میری تحریر نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جائے اگر میرے یا حسن عسکری کے کسی دشمن نے یہ درخواست بھیجی ہو تو وہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ۔

باغی فوج نے کبھی میرا ادب نہ کیا اور وہ جوتیاں پہنے ہوئے وہاں خاص اور دارالریاضت میں پھرا کرتے تھے جس حالت میں کہ انھوں نے اپنے آقاؤں کو قتل کیا میں ان پر کچھ نہ کہہ سکتا تھا جس طرح انھوں نے اپنے آقاؤں کو قتل کیا اسی طرح مجھے قید کیا اور مجھ پر تلوار لٹائی اور میرا نام کرنے کے لیے جو کچھ چاہا کیا، انھوں نے افسرین کو قتل کر دیا اور بارود وغیرہ لوٹ لیا تو میں کس طرح بغیر فوج اور گوارہ بارود کے لڑ کر انسداد کر سکتا تھا پہلے سوار سامان سے نہیں لڑ



تھے جب وہ بھردکوں کے پاس آئے تھے، میں نے ان کو فوراً بند کر دیا تھا اور قلعہ کے کمانڈنگ  
گار کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی تھی؛

اس کے بعد جو کچھ میں نے کیا، وہ جان کے خوف سے کیا، چند ملازم بھی اپنی جان کے خوف  
سے رکھے، مندرجہ بالا میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے اور نہ کوئی بات سچائی کے خلاف ہے، اس  
بات کو خدا جانتا ہے۔ اور دہری میرا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے  
زیادہ مجھے معلوم نہیں ہے، میں استدائیں حلف اٹھا چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا  
اور یہی میں نے کہا ہے۔

دستخط بہادر شاہ ط

## بحث حج ایڈوکیٹ

صاحبان! میں الزام کے متعلق آپ کے مشاہدات کو ختم کرتا ہوں، اب آپ کا یہ کام رہ گیا  
ہے کہ یا تو آپ فیصلہ آخری سے قیدی کو عزالت اور تنہائی میں ان اعزاز کا جو ایک تخت سے  
اُترے ہوئے بادشاہ کے لیے نہ لیا ہیں، مستحق قرار دیں یا اس کو صفحہ تاریخ کے بڑے لمحوں میں جگہ دیں۔  
یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ کام ہے کہ خاندانِ محمدیہ کے اس آخری بادشاہ کو جو عمرو بد قسمتی کے سبب خجیدہ نشین  
مگر شاہ اپنی تکالیف اور قوم کے مصائب کے سبب مستقیم قمارت ہے آج اپنا آبائی قلعہ اور محل چھوڑنا ہوگا  
یہ نشان دار دربار عام کی عمارت یہ انصاف کے اعلیٰ مدارج کا معبد اسی فیصلہ سے اس مدح کو حاصل کر چکا  
ہے جس میں موجودہ کل زمانوں کی بابت یہ تحریر کیا جانے لگا کہ بادشاہ جرم کی وجہ سے قید کئے جاتے ہیں  
اور ایک نائن کی برس باہر اس کی شان و شوکت، ایک دن میں صفحہ روزگار سے ناپید کر دیا جاتا ہے۔

ط : چراغِ دہلی (مزداحیرت و طوی) ص ۲۶۵؛



غدر پر برہمن اور مسلمانوں میں بے غرضانہ اتفاق تھا۔ فوج میں ہمیشہ لباس کے سبب وہ بھائی بھائی تھے وہ ایک دوسرے کے تہواروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے اور اس اتفاق پر گورنمنٹ کی چشم پوشی کا ہی نتیجہ ہونا تھا۔ میں وہ کل باتیں جن کے سبب یہ سمیت پیش آئی اس جگہ بیان کرنا نہیں چاہتا شاید بے محل ہونے کے سبب نامنتظر کو جائیں مگر میرا خیال ہے کہ کاتوس کے سناٹے میں بات سنے طول نہیں کھڑا۔ سپاہیوں میں پیشتر ہی سے اس معاملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور تمام ملک اور نس کرسمانوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک جو معاملات ظاہر ہوئے انھیں مسلمانوں کی سازش سے موسوم کرنا چاہئے اس سے خاص فائدہ یہ تھا کہ انگریزوں کی طرف سے بددی چیلادیں اور جھوٹی خبریں اڑا کر گورنمنٹ کی مہربانی پر انگریز پر داری کر کے انقلاب اور بلوہ کے لیے لوگوں کو مادہ دین تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کی استقامت قیدی اور اس کے معتمدوں سے ہوئی جو اس کے خلیفہ اور راز کے جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے مثلاً حسن عسکری وغیرہ۔ میرے خیال میں کوئی آدمی اس بات میں شبہ نہیں کر سکتا کہ شیدی قبیلہ کو خطوط دے کر فارس اور قسطنطنیہ اس ملک کے بادشاہ کے پاس بطور ایچی بھیجا اور اس سے مدد اور تخت نشینی کی التجا کرتا۔ قیدی کی خاص سازش حتیٰ جو سنہ ۱۸۵۷ء کے خوفناک ہوسے اور اس کے ہولناک نتیجوں میں ثابت ہوئی۔

سنی ۱۲۵۷ھ سے ٹھیک دو سال بیشتر شیدی قبیلہ کا روانہ ہونا اور جن دنوں میں بلوہ ہوا ہے اس کا واپس آنے کا وعدہ کرنا قابلِ لحاظ بات ہے اگرچہ اس بات کو مسلمانوں کی پیش گوئی سے متعجب کریں کہ جنگ پلاسی واقعہ ۱۸۵۷ء سے ایک صدی بعد انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے ماتی ہے لیکن تو ہمیں دوبارہ ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کے متعلق ان کے تعصب کا یقین ہو سکتا ہے۔

ہم اپنے آپ میں نہیں رہتے | جب ہم ان مسلمانوں کی نہ صرف حرکات کو بلکہ ان کی نفرت کو جو ان کی درخواستوں سے ترشح ہے جو اسی دنیا پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی ہمارے لیے دائمی تکالیف ثابت ہوتی ہے تو ان کے بغض کو خیال کرتے ہوئے ہم اپنے آپ میں نہیں رہتے۔

سامع یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا انگریزوں کے خلاف ایسے خیالات رکھنے والے لوگ ہزاروں اور لاکھوں ہیں؟ میں ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتا جو یہ بات سنکر فداائے قائم کریں اور انہیں میری رائے کی ضرورت نہ ہو مگر ہمیں مس الہول سے معلوم ہوا کہ محرم میں انہوں نے مسلمان عورتوں کو مسلمانوں کی کامیابی اور انگریزوں کے غارت ہونے کی دعا مانگتے ہوئے دیکھا تھا، لیکن عورتوں اور بچوں کی ظالمانہ موت اور تکلیف سے جی ان کے کہنے کی آگ نہ دہی اور ان کے دلوں میں رحم ذرا بھی پیدا نہ ہوا۔ کیونکہ ہمیں مقامی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ جس وقت قتل ہونے کو تھا کوئی دو سو مسلمان حوض سے لگے ہوئے کھڑے تھے اور قیدیوں کو نہایت بیچ گالیاں دے رہے تھے۔ اگر ایسی بات کی اچھی طرح تصدیق نہ ہوتی تو اس سخت کہنے کا یقین نہ ہوتا۔

اس میں میرے ان واقعات کو پیش نظر رکھا ہے جن سے یہ معلوم ہوا ہے  
**مسلمانوں کا ذکر** کہ خاص کر مسلمان کی وجہ سے فساد اور سازش کی اور ۵۵ سالہ عورت کی دہشتناک آفات واقع ہوئی اس نے حتی الوسع اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قیدی ہندوستان میں اسلامی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اس سازش کے ترتیب میں خواہ بطور پیشوا یا بطور رفیق نہ سب کس قدر تعلق رکھتا تھا۔ ہندوؤں کو باہموم بلوہ کرنے اور فوج کو بالخصوص بغاوت پر آمادہ کرنے میں ہندوستانی مطالب اور مسلمانوں نے جو کچھ حصہ لیا ہے اس کا بھی میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان واقعات کی مزید تصدیق سے یہ بات نہایت ظاہر ہو جائے گی کہ مسلمانوں ہی کی نمبر ۲ لائٹ کوری نے مسیدان پر پڑا۔ کارٹوس لینے سے انکار کیا تھا اور یہ ہے سچا سچ یعنی بیشتر مسلمان تھے ان لوگوں کا کچھ نہ سب نہ تھا اور ان لوگوں کے نزدیک سود کی چرپی کا لا ہونا یا نہ ہونا سب برابر تھا۔ کپستان ماہنامہ ہم سے بیان کرتا ہے کہ ابوالہ ڈپو میں جہاں تک کارٹوسوں کے واقعہ کا تعلق تھا مسلمان سپاہی اس کا مضحکہ اڑاتے تھے اور اس طرح ہم کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے بغیر کسی عذر کے کھلم کھلا بغاوت پر مکرر ہندوستان کی بناوٹی شکایاتوں میں کچھ کمی نہ آئی۔ اور انہوں نے ہمارے خلاف بلوہ کرنے میں اتفاق کر لیا اور ہندوؤں کو بددستی نہ سب ترک کرانے کے خیال پر ظاہر داری سے جوش دے کر اپنے ساتھ مل جانے کی ترغیب دی اور

اس بہانہ میں ہمارے پاس شہادت ہے اور اس صلہ میں ہندوؤں کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہ تھی اور نہ ہندوؤں نے اس کے دریافت کرنے کی کوشش کی کیونکہ جو شہادت ہم نے بار بار نقل کی ہے اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے ہینڈن کی لڑائی کے بعد ہی معاملات کے پلو بدل لینے پر انھوں نے بہت افسوس ظاہر کیا، مسلمانوں کو دھوکہ دینے پر لعنت علامت کی اور اس بات پر شکوک معدوم ہوتے تھے کہ واقعی انگریزی گورنمنٹ کا یہی نشانہ تھا کہ ہمارے مذہب میں مداخلت کرنے بہت سے ہندو سپاہیوں نے اس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو جائے تو بخوشی ہم سرکاری ملازمت کرنے واپس چلے جائیں گے۔ مگر مسلمان برخلاف اس کے اسی بات پر جھجھکے تھے کہ انگریزی کی نوکری سے شہری ملازمت بہتر ہے اور یہ کہ اگر نواب اور راجہ بادشاہ کو فوجیں دیں تو وہ ایک دم فتح منک کر لیں گے۔

مسلمان ہی سب کچھ تھے | اگر ہم مختلف حالات پر جو ہمیں دوران تحقیقات میں معلوم ہوئے ہیں تو ہمارے سامنے کے متعلق نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کاروائی میں مسلمان ہی سب کچھ تھے اور مسلمانوں کا صاحب ملک شہر و نواح سب معجزہ اور داعط مسلمان بادشاہ اور اس کے احمق رفیق مسلمانوں کی نتیجہ خیز خفیہ سازشے بیان درباری کی مسلمانوں کی قوتوں کے پاس ہمارے زوال کے متعلق مسلمانوں کی پیش گوئیاں مسلمان سائنس کا ہمارے بعد ہندو مسلمان تہاتروں کے ساتھ سے بنے رجمی قتل ۱۸۰۰ ہائی عروج کے سینہ زنی زانی بدو دینے والے اسلامی خطبے اور بناوستانے کے سامنے پانچویں صدی میں مسلمانوں کو ہندو مذہب سے بد مذکورہ الزام دیا گیا اور نہ اس کی تائید کی گئی۔ اگر انھوں نے کہیں سر اٹھایا بھی ہوتا تو محض اپنے مقصد ہمایوں کی حکم برداری کی وجہ سے ہو گا۔

## بہادر شاہ مجرم ہے

آخر ایک عرصہ کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا وہ فیصلہ جو عدالت کے منافی تھا۔

ط : چرخ و بی امیرا میرت لونی احت

جسے آئین انسانیت و شرافت سے کوئی سرکار نہ تھا، چند طاقتور غاصب عدالت کی کرسی پر بیٹھ گئے  
تھے، تلوار ان کے ماتھے میں تھی۔ فوج ان کے قبضہ میں تھی۔ سیم وند کے انبار ان کے قبضہ میں تھے  
لہذا ان کی ہر نا انصافی عین انصاف تھی، بہادر شاہ نے یہ فیصلہ سنا اور ذہن حال سے کہا:

آپ جو چاہیں کریں آپ کی آپ کی بنائی ہے

مرقومہ دہلی ۹ مارچ ۱۸۵۷ء

دستخط این جے بیرٹ میجر  
{ ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل ویل سرکار  
عدالت اپنی تجویز پر غور کرنے کے لیے بند ہوئی

تجویز

جو شہادت عدالت کے درمیان ہے اس کی رائے یہ ہے کہ قیدی محمد بہادر شاہ معزول شدہ بادشاہ  
ان کل اور جزو الزامات کا جو اس پر لگائے گئے مجرم ہے۔

{ دستخط ایم ڈاس لفٹیننٹ جنرل  
پریسیڈنٹ

{ دستخط ایف جے بیرٹ میجر  
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

نہیں تجویز کو مستحکم کرتا ہوں

{ دستخط این جے بیرٹ میجر جنرل  
کانڈنگ قسٹ میرٹھ

موز ۱۲ اپریل ۱۸۵۷ء کمپ سہارون

ط: چرائغ دہلی امرضا حیرت دہلوی ۱ ص ۲۱۹



## بہادر شاہ کے مقدمہ پر تبصرہ

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ انگریزوں کے بڑے ہوا خواہ اور معتقد تھے انھیں بہادر شاہ سے کوئی عہدہ ہی نہیں تھی نہ اسلامی سلطنت کا احیاء ان کے لیے کوئی کشش رکھتا تھا۔ انھوں نے اپنی مشہور دستند تاریخ کے ہر صفحہ پر انگریزوں کے گن گائے ہیں اور بہادر شاہ کے اقدام عمل پر پیردہی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے لیکن اس مقدمہ پر ایک مورخ کی حیثیت سے انھوں نے جو لکھا وہ قابل دید ہے آخر کہاں تک وہ حقائق سے نبرد آزما ہوتے :

ہم فقط حکیم حسن اندھاں کی شہادت کا خلاصہ اس باب میں تحریر کرتے ہیں۔ حکیم حسن اندھاں نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ لارڈ الین برائے جو بادشاہ کی تدریس بندگیں تو اس سے بادشاہ ہر وقت اُس سے ملتا تھا۔ اول اس معاملہ کے باب میں انگلیس کو لکھا پھر ہمیشہ وہ اس حکم کا شاکی رہا، بعد ازاں جوان بخت کے دلی عہد نہ ہونے سے اور مرزا فتح الملک کے دلی عہد ہونے سے اور زیادہ غم و اُم مرزا اس عرصہ میں مرزا حبیبہ خکو: مع اپنے بھائی مرزا امیرید کے دہلی میں آیا۔ یہ شہزادے بادشاہ سے ملنے پہنچے تھے وہ بادشاہ کے پاس مھوں میں بے روک ٹوک آتے جاتے تھے، اول انھوں نے چاہا کہ بادشاہ کی بخت کو لکھے کہ ان شہزادوں کو گورنمنٹ کے دفتر میں بادشاہ کا ایجنٹ مقرر کرے لیکن یہ درخواست نامنظور ہوئی :

بادشاہ پولیشکل معاملات میں بڑا غیر محتاط تھا، خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں اس کے سناٹے کام تھے۔ یہیں سے کبھی وہ خط نہیں پڑھا جو بادشاہ دہلی سے شاہ ایران کو بھیجا مگر میں خیال کرتا ہوں کہ اس نے شاہ ایران سے روپیہ اور سپاہ کی امداد انگلی ہوگی، بادشاہ نے پست تھا جس کی یہ وجہ شاہ ہے کہ روپیہ کی لالچ کے موجب اس نے بڑھاپے میں مذہب بدل ڈالا، میں نے کبھی شہس سے یہ نہیں سنا کہ بادشاہ نے جو خط شاہ ایران کو بھیجا تھا۔ اس میں کوئی اشارہ اس امر کا ہوا کہ انگریزوں کی سپاہ کو برٹش گورنمنٹ سے انوار کے باغی بنانے اس تجویز کا ترقعہ میں تو کبھی بھی ذکر نہیں ہوا۔

بھی خواجہ سراؤن کے زبانی یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ شیدی قبر کو جو اس نے اپنے دستخطی کاغذات  
 دیئے تھے۔ اس کو یہ ہدایت کی تھی۔ کہ مرزا نجف کو یہ کاغذات دے کر ان کی اور پہلی تحریرات  
 کا جوابات کے لیے تقاضا کرنا جس وقت بوشہر پہ لڑائی ہو رہی تھی۔ بادشاہ کی باتوں سے یہ معلوم  
 ہوتا تھا۔ کہ ایران سے روپیہ اور سپاہ کی امداد آنے کی اس کو بہت کچھ توقع ہے۔ جب نے نجف  
 ایران پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی بوشہر میں لڑائی ہوئی تو یہ بات کھلی کہ بادشاہ کو دماغ سے امداد  
 آنے کی امید رہے مگر مرزا نجف نے ایران سے کوئی خبر بادشاہ کے پاس نہ بھیجی، اگر بھی ہوگی تو  
 اپنے بھائی کو لکھی ہوگی :

حکیم صاحب نے اپنی شہادت میں اپنے علم کے سوا اپنے قیاسات کو بھی دخل دیا ہے جن کا  
 واقعات نفس الامری ہونا ضروری نہیں مثلاً حکیم صاحب کا یہ کہنا کہ اگر بادشاہ ذریعہ دست نہ ہوتا  
 تو بڑھاپے میں اپنا مذہب سنی سے شیعہ کیوں بدلتا اس کے ساتھ ان کو یہ کہنا بھی پابائے عقا کہ  
 بادشاہ نے فارسی زبان میں نظم میں ایک کتاب دفع الباطل تصنیف کی اور اس کو چھپوا کر شائع کیا جس  
 میں اپنے شیعہ ہونے کو باطل ثابت کیا اور پھر مولویوں سے اس نے استغفا طلب کر کے اپنا  
 سنی ہونا ثابت کیا ۔

دلی میں دہائی مردہوں کا گروہ بہادر شاہ کو بڑا بدعظمیٰ جانتا تھا اور ان مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز  
 نہیں سمجھتا تھا کہ جن میں بادشاہ کی طرف سے امام مقرر ہوتا تھا اور ان کا اہتمام ہوتا بادشاہ کا میلان  
 شیعہ مذہب کی طرف دیکھ کر وہ زیادہ اس سے متنفر ہوئے، دلی میں خاندان تیمور کی سبک و زائل  
 حرکتوں کے سبب سے خواہش کی نگاہ میں کچھ عزت باقی نہ رہی تھی۔ مگر عوام الناس اس کو اپنا بادشاہ  
 جانتے تھے اور کیوں نہ جانتے۔ جب وہ ہر روز ٹانگہ کی چوٹ و صندوقوں میں یہ سنتے تھے کہ خلعت خدا کی اور  
 ملک بادشاہ کا حکم سرکار کہنی کا تو وہ بادشاہ سے مراد بہادر شاہ ہی جانتے تھے۔ ان کا مزہ کب۔ اس پر پہنچتا تھا  
 کہ انگلینڈ میں ہندوستان کا بادشاہ رہتا تھا سالے بندوتن کے شہروں اس کے نام کا خطبہ عیدیں  
 اور جمعہ کی نمازوں میں پڑھا جاتا تھا۔ جب مہریت ضلع پیشہوروں پر زیادتی کرتا تھا تو وہ گروہ جہروں کے

ملنے رہتی ہیں بادشاہ کے آگے فریادی ہو کر جاتا، دھرمیوں و بھنگیوں و قصائیوں نے یہی کیا تھا کہ اپنے کاموں کو سر بنے  
 بند کر کے بادشاہ سے فریاد کر کے اپنی داد چاہی، دلی میں بہت آدمیوں کو قلعہ سے ایسا تعلق تھا کہ وہ جب  
 شاہ دلی کی شان کے خلاف گورنمنٹ انگریزی کی کوئی حرکت دیکھتے تھے تو بہت ناخوش ہوتے، عظمیٰ  
 مملکت صاحب کو بادشاہ فرزند ارجمند سفقوں میں القاب لکھا کرتا تھا جب ان کے انتقال کے بعد  
 نوٹارہ سے صاحب اعیان ہو کر دلی میں آئے تو انہوں نے بادشاہ کو کھلا دیا کہ ہم کو آپ کا فرزند بننا  
 منظور نہیں۔ پہلے بادشاہ کی سواری کے جلوس کا یہ ادب کیا جاتا تھا کہ کوئی انگریز جلوس کی قطار کاٹ کر  
 اپنی سواری نہیں لے جاتا مگر انگریز اب اس قاعدہ کے پابند نہ تھے، ایسی باتوں کو دیکھ کر دلی کے مسلمان  
 ناخوش ہوتے تھے کہ ان کے بادشاہ کی کچھ عزت باقی نہیں رہی۔

# شاہی خاندان کی بیہوشی

میں زمانہ میں بھی جو عہد مظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ دستور تھا کہ شہرت خوردہ بادشاہ اس کے خاندان اور اہل و عیال کے ساتھ نیا قلعہ، اور روادارانہ برتاؤ کیا جاتا تھا، دور کیوں جاسیے، ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلم ملوک و سلاطین نے، باغی ہندو تاجداروں کے ساتھ ہر و مروت، شرافت اور عالی ظرفی، رواداری، اور سیرچشمی کا برتاؤ کیا، تاریخ ہند میں علاؤ الدین خلجی، سپتہ قشاہ، درشت مزاجی، اور سفاکی بنا پر خاص طور پر بدنام ہے، لیکن تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے کہ اس نے ان ہندو راجوں کے ساتھ لطف و محبت کا برتاؤ کیا، جنہوں نے بغاوت اور سرکشی کا مظاہرہ کیا تھا، محمود غزنوی سے بڑھ کر معتوب کون فرماں روا مسلمانوں میں گزرا ہے، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ لہور دلاہوں کے ہندو لاجہ نے بار بار بغاوت کی، بار بار ذرا کیا، اور ہر مرتبہ اس کے دربار سے اپنا تاج خسروی واپس لایا؟

لیکن روادار، اولوالعزم، انصاف پسند، اور با احوال انگریزوں نے، ملوک کے آخری بادشاہ، اس کے خاندان اور اہل و عیال کے ساتھ ایسا ننگ انسانیت سلوک کیا کہ خود انگریز اب اس کے ذکر سے شرماتے ہیں بلکہ ان حادثات کے بعد ہی سے شرماتے گئے تھے، خواجہ سلطان حسین خاں نے اپنے مدرس میں، خاندان شاہی کی درگت کی جو تصویر کینچی ہے، وہ اتنی پچی اور ساتھ ہی ساتھ کتنی الم انگیز ہے،

بہت آگ چلوں میں سلاگنے والے      بہت گلاس کی گھڑیاں لالنے والے  
بہت در بدر مانگ کر کھانے والے      بہت ناؤ کر کر کے مری جانے والے

جو پوچھ کہ کس کان کے ہیں یہ جو ہر

تو نکلیں گے نسل ملوک ان میں اکثر !!!



انہیں کے بزرگ ایک دن حکمران تھے انہیں کے پرستار پیر ہوا۔ تھے

یہی مائی و جزو نہ تو ان تھے یہی مجمع و عجم و اسفغان تھے

یہی کرتے تھے ملک کی گلہ بانی

انہی کے گھروں میں تھی صحت جگرانی

یہی لے قوم اسلام ہجرت کی جا ہے کہ شاہوں کی نولاد و درور گدا ہے

یہی جسے سنئے افدس میں بگلا ہے جسے دیکھتے مفلس و بے نوا ہے

نہیں کوئی ان میں کمانے کے قاب

اگر ہیں تو ہیں مانگ کھانے کے قاب

کٹے ہوئے سروں کا تھکنا یہاں اور شاہ کی رزق داری کے بعد شہزادوں کا مہراں ان کے ساتھ جو سوک  
ہوا۔ اسے ملاحظہ فرمائیے :

جب بادشاہ کو شہر میں لے گئے ہیں۔ اور رعیت سے ہتھیار طلب کر لیتے ہیں۔ اس کے دوسرے

روز سائرس صاحب جمعیت سواران ہمارے لیکر نظم الدین میں پہنچے۔ اور مرزا الہی بخش شاہزادے کی زبان

دہلی سے تیس شاہزادگان دہلی کو کہ ان میں بادشاہ کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے اور داماد تھے رزق داری کے

لائے۔ اند بیرون دروازہ دہلی ان کو قتل کر کے سراندا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیے۔ (۱)

قتل کی اس زمرہ خیر و اعدا پر مشہور مورخ فاضل اللہ نے در تفسیر سے روشنی ڈالی ہے

جن ایجنٹوں نے بادشاہ کو پکڑ دیا تھا۔ انہوں نے ہی سائرس صاحب کو مطلع کیا کہ بادشاہ ہیں

دو بیٹے اور ایک پوتا۔ انہوں نے مہمئی کے قتل میں براہ راست یا تھا باغی سپاہیوں کے ساتھ نہیں گئے

مقبورہ میں یا اس کے پاس چھپے ہوئے ہیں۔ اس اطلاع سے سائرس صاحب کا خون جوش ہو گیا

اور کہا ان آدمیوں پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ان بدکاروں کو قتل کر کے زمین کو ان کی نجاست سے پاک کروں گا دوسرے دن صبح کو جہاز سے اجازت حاصل کر کے۔ اور میک ڈونلڈ کو ہمراہ لے کر ان شہزادوں کے قتل کے لیے وہ روانہ ہوا۔ تتو سوار لورڈو جاسوس نفی رجب علی اور مرزا الہی بخش ساتھ تھے تینوں شہزادے مرزا افضل اور مرزا خضر سلطان و مرزا ابوبکر۔ مقبرہ میں تھے۔ اور ان کے ساتھ بہت سے بدعاش تھے۔ جن میں بعض دل چپے ہڈن صاحب سے لڑنے کی صلاح دیتے تھے مگر شہزادوں نے دو گھنٹے تک جان بخشی کے اقرار کے لیے گفتگو کی مگر ہڈن صاحب نے اس کو نامنظور کیا ناچار انہوں نے اپنے تئیں ہڈن صاحب کے حوالہ کیا۔ صاحب ان کو رتھوں میں سوار کر کے دہلی سے ایک میل کے فاصلہ پر لائے پھر ان کو رتھوں سے اترنے کا اور کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ اور ایک سوار سے قابض لے کر تینوں کو خود مار ڈالا اور لاشوں کو لاہوری دروازہ سے لاکر کوٹوالی میں چوبیس گھنٹہ تک لٹکائے رکھا۔ اب اس بات پر مختلف رائیں ہیں کہ ہڈن کا یہ کام محود تھا یا مذموم۔ لارڈ روبرٹس صاحب لکھتے ہیں: کہ ہڈن صاحب نے اپنی نیکی۔ نامی میں۔ اس کام کے کرنے سے ہٹاؤ دیا۔ اور بے ضرورت شہزادوں کو مارا۔

دہلی میں یہ واقعہ یوں غلط طور پر بیان کیا گیا ہے کہ شہزادے بادشاہ کے ساتھ آئے تھے۔ ان کو جیل خانہ کے قریب ہڈن صاحب نے خود مار ڈالا۔ بعد ازاں کاخون پیا اور کہا کہ میرا خون اس وقت ایسا خوش میں آیا تھا کہ اگر ان شہزادوں کو نہ مار ڈالتا تو میرے دماغ میں خلل آجاتا۔ «

ہڈن کو اس فعل پر اس کے ایک ہم پیشہ نے یوں مبارکباد دی:

**مبارک باد کا خط** کوپہ نے اس کا مایاب ہم کے تھوڑے عرصہ بعد ہڈن کو ایک ایسے فعل پر مبارکباد کا خط لکھا جس کی درمندی اور سفاکی کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا بلکہ ان اندر افسران بھی اس واقعہ کی کوئی حمایت نہ کی جنہوں نے غدر کی یادداشتیں مرتب کیں۔

”میرے پیارے بڈسن۔ بادشاہ کو گرفتار کرنے اور اس کے بچوں کے قتل کرنے پر تم  
 لہو تمہاری پلٹن برطرح کی مبارکباد کے مستحق ہے“ مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسے مواہات  
 میں ہمیشہ کامیاب رہو گے۔“

کیا بلوے کا اندیشہ تھا؟ | مولوی بشیر الدین کی تاریخ ذکاء اللہ کی تاریخ کے کچھ عرصہ بعد  
 لکھی گئی ہے، اس مختصر مدت کے بعد، اب لوگوں کی زبانوں پر واقعہ  
 وحشیانہ آئے گئے تھے، چنانچہ انہوں نے جرات سے کام لے کر، صاف گوئی کا مظاہرہ کیا ہے۔  
 لہذا اس قتل کی توجیہ میں وہ بات لکھی ہے، جسے ذکاء اللہ لکھنے کی جرات نہ کر سکے تھے:

”انہی دن قیامت کا دن تھا بڈسن صاحب پھر مقبرے گئے اور تین شہزادوں مرزا مغل۔ مرزا  
 خضر سلطان مرزا ابو بکر کو گرفتار کر کے سواروں کے زرخے میں آگے بھجوا دیا اور خود ہمراہیان شاہی کے ہتھیار  
 لینے کو ٹھہر گئے۔ جب بادشاہ اور شاہزادگان والا تبار کو یہی پکڑ لیا تھا تو ان لوگوں کا ہتھیار ڈال دینا  
 کون سی بڑی بات تھی غرض اپنا کم ہور کر بڈسن صاحب گھوڑا سربٹ ڈال کر سے جستہ دیتے یا  
 ہیں کہ سکا رٹ کو خفقت سنے لکیر رکھی۔ یہ اور موقع ہے: صاحب ان پڑے جسے ممکن ہے کہ یہ لوگ  
 شہزادوں کو پھڑائیں۔ علیہ شرعی یہ نصیحت کہ ان کی جان کی ہر وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ بڈسن صاحب نے  
 اپنے ہاتھ سے طنچہ جھڑک دیا اور تینوں شہزادوں کو والا تبار کو دم کے دم میں رہ کر کو پھنچا دیا۔ جہز  
 سر ہمو گات جی کی بی۔ دی (۱)۔ جو دہلی کے محاصرہ میں کمانڈرنگ آفیسر تھے اپنی تاب نووز حموریز ہیں۔ ہتھے  
 ہیں کہ ہاؤسن صاحب پر اس بات کا الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے شہزادوں کو اس طرح کیوں مارا  
 میں تو اس صانع کے وقت ان کے ساتھ تھے نہیں اس واقعہ کا چشم دید گواہ صرف ایسے ہی شخص ہوتے  
 کی مکمل تھا جو بعد میں شمس آباد میں ماریا جس نے مجھ سے اسی وقت بارہ رات روز کیفیت وبرا

Lord Lawrence P. 114.

۱

تصویر کا دو مزار

اگر رالدار مان سگو اور دو مہرے نیٹو افران سے بھی میں نے سب کا متفقاً یہی بیان قہی کہ جبکہ بدسن صاحب اپنے تئہ سواروں کی جمیعت کے ساتھ دلی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ہندوستانوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا اور اُن کے تیوروں سے معلیم دیا تھا کہ اُن کا ارادہ د شہزادوں کی پھر ایلینے کا ہے اب سوائے اُن کی موت کے اور چارہ کار باقی نہ تھا میکندول صاحب کہتے تھے کہ میں ہماری جانیں دھکی شمار و قطار میں نہ لیں مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا طلال ہی رہا کہ بدسن نے اپنے ہاتھ کیوں خون میں آلودہ کیے اور جلاؤ کا کام کیا جو ایسے جملی آدمی کی شان کے بالکل خلاف تھا۔ کم عزت شاہزادے۔ مزدول اور بد معاش وہ اسی سزا کے مستحق تھے۔

دلی والوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ شہزادوں کے سرکاٹ کو ایک خزان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بھیجے گئے تھے اُرایا ہوا تو بادشاہ کا کیا حال ہوا ہو گا جس کے ۳ بیٹے وقت واحد میں تہ تیغ کیے گئے ؟ ۱۱

شہزادوں پر ننگ انسانیت مظالم معاہدہ صرف ان تین شاہزادوں پر ختم نہیں ہو گیا، بلکہ ہر اس شخص کی تلاش تھی، جو شاہی خاندان سے کچھ بھی تعلق رکھتا تھا تاکہ اسے پھانسی دے کر، یا بہت مظالم بنا کر دل ٹھنڈا کیا جائے، ذکاوت والا گریزوں کے کٹر حامی ہیں، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ :

بہت سے شاہزادے اور دور خوف کے مارے بھاگ گئے۔ مگر پھر بھی دلی کے ارد گرد ان کی کمی نہ تھی۔ کیا خدا کی قدرت سب سے کہ مئی کا مہینہ تو یہ بیدار ساتھ لایا کہ شہر میں گھر گھر یہ تلاشی ہو رہی تھی کہ فرنگی تو اس میں چھپا ہوا نہیں ہے جو ملتا مارا جاتا اب ہتھ پنے ساتھ یہ ستم لایا کہ مارنے کے لیے شہزادوں کی تلاش ہونے لگی ان کے پکڑنے کے لیے دلی میں مجڑوں کی کمی نہ تھی۔ خود ایک شہزادہ مرزا کالے بابر کا بیٹا شہزادوں کے پکڑنے کا مجر تھا۔ یہ مجر شہزادوں پکڑواتے اور ان کو سکھا دیتے

۱۱ واقعات دار الحکومت دہلی صفحہ اول د بشیر الدین احمد مدظلہ



کہ حاکم کے سامنے تم یہ کہنا کہ ہم بادشاہ کے قریب کے رشتہ دار ہیں۔ تو وہ تم کو بادشاہ کے پاس بھیج دیں گے۔ وہاں تمہاری پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ غرض اس سکھانے سے ان کی یہ فتنی کہ کام سے نزدیک ان کا سوخ پیدا ہو۔ غرض دلی کے آس پاس جتنے شہزادے۔ مرنے جن کی ۲۹ تعداد بیان کی جاتی ہے۔ پکڑے گئے۔ اور ان میں بوڑھے بچے بیمار سب کے سب پھانسی پر لٹکا گئے۔ سب سے بڑھا شہزادہ مرزا قیصر اکبر شاہ کا بھائی تھا۔ لہ مرزا محمود شاہ اکبر شاہ کا پوتا و صحیح مفاصل میں مبتلا تھا۔ اس کی لاش پھانسی میں گولا لالھی بنی ہوئی فتنی تھی۔ ان شہزادوں کے لیے جان لارنس نے سفارش کی کہ شہزادوں کی تحقیقات عاجزی کی جائے۔ ان میں جو کوئی فرنگی مرد یا عورت یا بچہ کا قاتل یا قاتل کا معاون ہو۔ تو شہزادوں کے ساتھ۔ اس سفارش نے کچھ کام نہ کیا۔

شہزادے بے رحمی کے ساتھ پھانسی پلتے تھے۔ یا جبر خانے میں جہز قیدی بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ جہاں وہ چلی پینے یا چلی نہ ہیں۔ سکھنے پر مار کھاتے بہت جلد مر جاتے تھے۔ اگر شہزادے جیل خانہ میں جا کر چند ہی روز جیتے تھے۔

**مرزا غالب کی تصدیق** | مرزا غالب بھی ان عبرت انگیز واقعات کی تائید و تصدیق پر اپنے نہیں مجبور پاتے ہیں:

شہزادگان قندار تیموری میں سے کچھ بڑائی میں مارے گئے۔ کچھ گرفتار ہو کر قید خانوں میں پڑے ہوئے اپنے دن پورے کرتے ہیں محدودے چند ایسے تھے۔ جو جان بچا کر بگڑ گئے۔ ضعیف العمر بادشاہ کی گرفتاری کا حکم نہ درج ہے کہ باز پرس کی جائے۔ وہاں بھڑکے لڑکے اور فرخ نگر کو علیحدہ محنت موت میں پھانسی دے دی گئی۔

**شہزادی غریب خانہ میں** | بہادر شاہ کی ایک بھینجی نور فتنی تو کا دالہ تھی۔ اپنی مستحق مہمان دہی و غدر کے بعد یہاں تھا، پادری کی ایف اینڈریوز

۱۱ تاریخ ۱۶۰۶ ج عبدالکلیہ دہلوی الشہادت

۱۲ غالب کی تاریخی غدر دستخط

نکستے ہیں:

شہزادہ کے بھائی مرزا بابر کی صاحبزادی کو بیکہ منگیہ گھرانہ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اپنے گھر  
 لے آئے تھے۔ اس وقت وہ خود عالم ضعیفی میں تھیں۔ جب وہ بغرض حفاظت ان کے گھر میں بعد  
 احترام لائی گئیں اور وہ مکان کے اس حصہ میں ٹھہرائی گئیں۔ جہاں خود ان کی والدہ رہا کرتی تھیں۔ لہذا  
 وہ ان سے ہمیشہ شاہی جہان کی طرح برہمہ کرتے تھے۔ وہ جب کبھی سفر پر جاتے۔ یا جب کوئی نیا کام  
 ہاتھ میں لیتے۔ تو سب سے پہلے بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتے۔ اور ان سے دعا  
 کے خواستگار ہوتے۔ وہ دعائیں دیتیں۔ لہذا انہیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھیں۔ وہ مرتے دم تک منشی  
 ذکاء اللہ کے مکان میں رہیں۔ جہاں ان کے ہاتھ نہایت ادب و احترام کا برہمہ روا رکھا جاتا تھا۔  
 لیکن خاندان شاہی کی برہمہ کی اتنی خوش قسمت نہیں تھی کہ وہ شرفا کے گھروں  
 میں جہان بن کر رہتی، چنانچہ بہادر شاہ کی ایک صاحبزادی احمدی بیگم کی

**بہادر شاہ کی لڑکی**

حکستان جیسے:

احمدی بیگم کے شوہر مرزا منجھو غدر میں لاپرواہ آئے۔ بڑے دبدبے کے آدمی تھے۔ ان کی سرکار  
 بنی ہوئی تھی۔ بیسویں آدمی ان کے دسترخوان پر بیٹھتے تھے۔ دروازہ پر نالکی پالکی موجود تھی۔ جب مرزا  
 مارے گئے۔ اور شہر کی حالت بگڑی تو بڑی بیگم یعنی احمدی بیگم نے اپنا اہل و عیال و بیٹوں کا تمام زیور خانم کے  
 بازار والی سو پٹی میں لگاڑتے لگاڑتے کیا۔ دو پتیلیاں زیور سے بھری تھیں ہزاروں کا مال تھا۔ شہر کی کیفیت  
 طویل و دوری ہو رہی تھی۔ عین شب بدلتے روتیر سب شہزادیاں نکل کھڑی ہوئیں۔  
 احمدی بیگم کی ضعیفی میرا بچپن تھا۔ انہوں نے سورس کے قریب عمر پائی۔ آخری دنوں میں  
 وہ بابر نکلتے کے قابل نہ رہیں۔ لہذا بہت سخت تکلیفیں اٹھا کر یہ شہزادی دنیا سے اس طرح رخصت ہوئی  
 کہ کفن بھی وقت سے ملتے نہ ہوا۔

۱۱ ذکاء اللہ دہلوی دی الیت اینڈریوز ص ۴۹

قاری نے بالکل بیکار کر دیا تھا۔ چل پھر نہ ملتی تھیں اور کئی دموں کا گزارہ اس ایک دم کی محنت پر تھا۔ میری عمر بارہ تیرہ برس کی ہو گئی کہ میری والدہ مرحومہ نے احمدی بیگم کا پتر دے کر مجھے ایک روپیہ دیا۔ کوڑے آؤ میں گیا اور مرزا شیشہ دہلے کے گھر پر جا کر جو بندریا دہلے مشہور تھے اس لیے کہ ان کے ہاں بندریا پائی ہوتی تھی۔ ان کا گھر پوچھا۔ اس وقت تو خیال بھی نہ ہوا۔ مگر آج جب دھیان آتا ہے۔ تو اس گھر اور گھر والوں کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہے۔ شہزادی کے گھر میں کھانے کے واسطے مٹی کے ٹوٹے برتن تھے۔ اور سردی کے موسم میں بادشاہ کی یہ اولاد دہلی اور سکڑ

بھی تھی۔

احمدی بیگم، اس روپیہ کو دیکھ کر حیرت و خوشی ہوئیں۔ اور جو دعائیں ان کے دل سے نکلیں ان کا اظہار شکل ہے۔ اس وقت بنتا ہوا گیا۔ اور بنتا ہوا آیا۔ مگر آج جب احمدی بیگم کی اس بھینٹکار چارپائی کا خیال آتا ہے۔ تو تڑپ جاتا ہوں۔

احمدی بیگم پر جو کچھ گزری، وہ دونوں دانتان ضرور تھی، لیکن بہر حال اس شہزادیاں کسی بن گئیں

میں عزت کا شائبہ نہ تھا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ وہ شہزادیاں جو جہ دہلی کی زندگی بسر کرتی تھیں، طوائف اور کسی بن گئیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں :

”کہتے ہیں مٹی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ مگر اب یہ مٹی نہیں ہے۔ ایک کیمپ ہے۔ ملتان اہل عرف یا شاگرد پیشہ، باقی سب سر ہندو و معزوں شہرہ بدشاہ کے ذکور جو بقیہ آئین ہیں۔ پانچ پانچ روپیہ ہینڈ پاتے ہیں۔ اثاثہ میرے جو پیرزاد ہیں وہ کیشیاں اور جو ان کی سب دے۔

شہزادی کا نکاح باورچی سے

جب یہ سننے لگی کہ جو دو بیویوں پر پرندہ پرندہ رسا تھا۔

”مٹی کی آغوش بیمار دہلی راہداری تھی۔“

(۱) غالب کا روزنامہ پھر نکلا۔

کی رہنے بسنے والی خواتین کی قیمت چند روٹیاں یا سیر دو سیر آٹا تھا دل بہیں چاہتا کہ کہیں اور قلم کی دہانہ پر وہ الفاظ آنے دوں جو قلب کے ٹکڑے اڑادیں مگر کہتا ہوں اور رو کر کہتا ہوں کتنا نازک وقت ہے کہ متواتر فائقے یہ رنگ دکھاتے ہیں کہ ربیعہ بیگم بہادر شاہ کی لڑکی کا نکاح حسینی باورچی سے ہوتا

۴۰ !!!

تغویر تو اسے چرخ گرداں تلو

غشی ذکار اللہ اس شادی کا ذکر، طنز و تعریف کے ساتھ یوں کرتے ہیں:

بہادر شاہ کی بیٹی ربیعہ بیگم نے اپنا نکاح حسینی باورچی سے اس لیے پڑھایا کہ روز تو دیگی کھانے میں آئے گی۔ قاطب سلطان نے جس کے باپ کے سر پر تاج شاہی رکھا جاتا مشنریوں کے زمانہ اسکول میں وظیفہ دار بن کر مصلی کا پیشہ کیا۔ اور مسئلہ بن کر اچھی طرح کچھ مدت تک زندگی بسر کی۔ ۳۱

شہزادیاں استانی بن گئیں | کچھ پڑھی لکھی شہزادیاں ایسی بھی تھیں جنہوں نے مصلی کا پیشہ اختیار کر لیا۔

غبتہ اختر۔ مملکتی بیگم۔ قاطب سلطان خاصہ تسلیم یافتہ بیویاں تھیں قاطب سلطان تو خدر کے بعد بھی ملکہ زمانہ مشن میں بڑی استانی رہیں اور تلاش کیا جائے تو شہر میں اب بھی اس کی دو چار شاگردین زندہ ہوں گی۔ ۳۱

دراچشم تھوڑا کچھ، اور یہ منظر دیکھتے،

گویا شہزادہ | ایک جوگی بروٹی بیوت ملے گیر فاکرے پہننے گویا دربار میں کھڑا ہے تاجران کے ساتھ ہے حکم ہوتا ہے کچھ پھیر و دربار کا سار نواز دست بستہ عرض کرتا ہے کہ اگر اجازت ہو

۱۱ نوبت پنج روزہ در شاہ الخیری ص ۱۵۹

۱۲ تاریخ عروج سجدانگلشہ ذکار اللہ ص ۴۲

۱۳ نوبت پنج روزہ در شاہ الخیری ص ۱۱۶



تو پہلے خازن زاد پیش کرے اشارہ ہوتا ہے اچھا تو شروع کر صاحب کمال دکھاتا وہ وہ تان پٹے  
 لیتا ہے ایسے ایسے سوت مینڈھ لکھتا ہے کہ بایں و شاید محفل پر جادو سا کر دیتا ہے کچھ ایسا رنگ بھاتا  
 ہے کہ سننے والے رنگ رو جلتے ہیں صاحب نظر جان جلتے ہیں کہ اب کالے خاں کا رنگ جبت  
 دکھائی نہیں دیتا جب وہ ختم کرتا ہے تو کالے خاں کو حکم ہوتا ہے جو چیز اس نے شروع کی تھی وہی  
 یہ بھی چھیڑتا ہے صاحب فہم دیوانہ بھگتے ہیں جانتے ہیں کہ بھلا کہ اس میں کیا عجمو برا ہو سکتا ہے لیکن  
 ان کی آن میں محفل کو متحرک لیتا ہے جو انگ اس میراثی نے دکھانے سے وہ سب پیش کرتا ہے اور  
 پھر اپنا راستہ انگ نکالتا ہے سوت زالی مینڈھ ہیں۔ انوکھا رنگ زلا رنگ زمانہ کی آنکھیں دیکھا  
 ہوا میراثی اس نام تہاد کالے خاں کی آنکھوں کی طرف نظر ڈالتا ہے مغلیہ آنکھ شاہانہ سج دھج نظر آتی ہے  
 تہ جاتا ہے دست بستہ عرض کرتا ہے سرکار آپ کالے خاں نہیں مرزا کالے ہیں اپنا اصلی نام سن  
 کہ رنگ رو متغیر ہو جاتا ہے پرانا ٹھٹھ آنکھوں کے آگے پھر جاتا ہے طبیعت کو مشکل سنہا لیتا ہے  
 کہ باب محفل وطن دریافت کرنے ہیں بے راختہ کہہ اٹھتا ہے

مناگر ہوں تو کوئی چمن بتاؤں

غربت ندہ کیا وطن بتاؤں

ہم فقیروں کا کیا گھر کیا دروغ درویش ہر کج کرشب آمد مرائے اورست۔ اس بے سرو سامانی  
 کو دیکھ کر لوگ استغفار حال کرتے ہیں آنکھ اٹھا کر ان کی جانب دیکھتا ہے اور کہتا ہے

مناچہ پرسی از مرد سہان من عمریت چوں لاکھل

سیہ بخت پریشاں روزگارم خاتہ بر جو شتم

جہاں میراثیوں میں نہیں مصاحبوں میں جگہ دیتے ہیں اور مرزا کالے کے ہم سے یاد فرماتے  
 ہیں دست بستہ عرض کرتا ہے کہ مرزا کالے صاحب عالم دینی خدو میں ماسے گئے اب تو یہ روسیہ  
 گئے خاں زندہ ہے سرکار اگر آئندہ کالے صاحب فرمائیں تو کرم ہو گا باقی زندگی اس گناہی کے عالم  
 میں گزار کر اسی ملک عدم ہوتا ہے۔

۱۱۱

آخر بہادر شاہ کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا :

## بہادر شاہ رخصت ہوتے ہیں

تاریخوں کا پرگنہ جس کی سالانہ آمدنی ۲ لاکھ تھی پٹیلہ کو دے دیا گیا پرگنہ کو ٹڈا کو بند یہ نیکلام فروخت کر دیا گیا۔ اور بہادر شاہ پٹیلہ کو وقاداری کے صلہ میں اسے خرید لینے کی اجازت دے دی گئی۔ پرگنہ گولی راجہ ناہر کے حوالہ کیا گیا داد ناہر کے رئیس کی بے وفائی کی وجہ سے ریاست ضبط ہوئی اور جیند میں طعن کر دی گئی۔ دو جاتہ۔ پاٹو دی اور لہارولی ریاستوں کے خلاف برطانوی گورنمنٹ نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ بادشاہ احمد ان کی بیگم کو جواں بخت اور ان کی بیگم کی معیت میں رنگون جلا وطن کیا گیا اور پور پین گاڑ کی حفاظت میں انہیں منزل مقصد کی طرف بھیج دیا گیا ان کے گزارہ کے لیے ایک مناسب رقم انگریزی گورنمنٹ نے منظور کی اور بادشاہ کو اجازت دی گئی وہ اپنی قدیمی جلوداروں میں سے چار آدمیوں کو ملازمین کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھیں ۔

ایک بمبصر مؤرخ لکھتا ہے :

## بہادر شاہ کے دوائی اشعار

قصہ مختصر بہادر شاہ جرم بغاوت میں گرفتار ہو کر مع اپنے بیٹے جواں بخت اور اپنی چاہیتی بیوی زینت محل کے قید ہو کر رنگون بھیج دیے گئے۔ یہ اشعار شہر بدر ہوتے وقت بادشاہ نے اپنی زبان سے کہے تھے۔ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ یہ اشعار جس قدر درد انگیز اور عبرت خیز ہیں اسی قدر ان سے بڑے بادشاہ کی طبیعت کا افسوسناک نقشہ اچھی طرح کھینچتا ہے۔

اشعار

کر دم غریبی پہ میری گردش ایتام  
بد عہدئی دوران ذکر اتنا مجھے بدنام  
برگشتگی و بخت نہ رکھ اتنا مجھے بد کام  
ای شومی طالع نہ کراتنا مجھے بد نام

۱۱۱ خزانہ عہد منور

بے مہرؔ جانناں تو میرے ساتھ دفا کر

ای نالہؔ شبگیر میرے حق میں دعا کر

اے رنج تو ہی دل کی مسرت کا سبب ہو

جہاں تو ہی اب واقع اقامتِ تعب ہو

اے شورشِ دل واسطہؔ دوریؔ تپ ہو

اے روزِ سیاہ جلد کہیں فضل کی شب ہو

اے رُودہؔ یار تو آنکھوں کو مٹا دے

اب ہاں میری کشتی کو کنارے سے لٹکا دے

اے دستِ جنوں میرے رُیاں سو خردا

اے غارِ مغیند میرے داموں سے خبر دا

مجھ عاشقِ جاں باز کو کیوں تو نے ستایا

یتلا دے کسی بات میں باہر مجھے پایا

نہمہ کو تو لروہ کیا مردے کو جلا دیا

ای عیسیٰؔ دوراں تجھے کچھ رحم نہ آیا

کیوں چرخِ ستم گر میرا یہ حال تیرا ہے

شہباز کو کنجشک کے تیغے میں رکھا ہو

غزل دیگر

کہاں خلقتِ عزیز و زہرِ چرخِ پیر چرتی ہو

یہ نائنوسِ خیالی میں ہر ایک تصویر پھرتی ہو

نہ چرخِ آہا ہوں نے جندہ یوں تو بدلا ہوا

مجھے تو کیوں مئے اے گردشِ تقدیر پھرتی ہے

ہوئی ہے جوش گل سے جوش و شہت اسقدر پیدا  
 کہ ہر موج ہوا پہنے ہوئے زنجیر بھرتی ہے  
 تمہیں اُنہیے زیر چرخ خواب اے خافلو کیونکر  
 کہ شب کو لکناں کیلئے ہوئے شمشیر بھرتی ہے  
 اُترتے ہیں گلے میں گھونٹ آبِ زندگانی کے  
 پھری جب حلق پر قاتل! دم تکبیر بھرتی ہے  
 ظفر کو منزل مقصود پر تقدیر لے پہونچی  
 کہ ہر بھکی ہوئی یہ عقل بے تدبیر بھرتی ہے ۱۱

۱۱۔ مذکورہ تاریخِ عالم (شائع کردہ بلاتی پر شاد) ص ۲۴۲



رنگوں میں جاوڑا قید کے آگے آگے ہیں

نارک کا بانہ پہر گیا ہے۔ کوئی سوس و پھم مرنے والے تفتاہ کے پاس

نہیں ہے۔ سکرات و جانفنی طاری ہے۔ چند مند کے بعد

خاتمہ ہو جائیگا۔ یہ اصلی تصویر ہے جو

مرنے کے وقت کی گئی تھی۔



اے ہرستان میں دنیا۔ جانا ہوں

اور اب بیکر خدائے سیر و کرت ہوں۔ جس نے

آج تیریں سلطنت کے جبرہ ہر موت کا پردہ

دیکھا دیا

بہادر شاہ کا دم واپس



زینت محل — ایک بورھی عورت، جو کہی ملک ہندوئی

# عمارات شاہی کا حشر

بہادر شاہ، ان کے اہل و عیال، اور شاہان شاہی کے ساتھ انگریزوں نے جو سلوک کیا، وہ تو نہ کیا، لیکن انہوں نے بہادر شاہ کی اور ان کے اصناف کی، اور ان کے عہد کی بنائی ہوئی عمارتوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جو چٹائی اور ہڈیوں پر ترپہ دشمنوں کے، تو کیا کہتے تھے۔

ذیل میں ہم مختصر سا خاکہ ان عمارتوں کا پیش کرتے ہیں جنہیں انگریزوں نے اس سرزمین کے برابر کیا کہ وہ بہادر شاہ کی بنوائی ہوئی تھیں، یا بہادر شاہ کے عہد میں تعمیر ہوئی تھیں، ان عمارتوں میں سے اکثر مہر و مہل کے قبضہ میں چل گئے، زیادہ تر انعام میں آئے ہیں اور ملتے جلتے پرستے و مہل پر۔

سب سے پہلے ان پر بادشاہی رتوں کے ذریعے سے،  
بہادر شاہ اور عہد بہادر شاہ کی عمارتیں

ظفر محل یا محل  
تعمیر شاہجہان کے باغ حیات بخش میں برحق تر ہے اس کے نیچوں پہاڑ میں ہوتا تھا  
سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ عالم نے اسے جلدوں میں مطابق اس کے رزمونوں

۱۶۴۲ء عیسوی ایک مکان بنایا ہے نہ شاہ سراج کا ہے اور ظفر محل اس کے بننے کی تاریخ ہے  
اس کے نیچے میں ایک درجہ ہے بیٹو بکریہ کے اور چاروں طرف غلام برداروں کے اور  
چاروں ضلعوں میں شہر نشین ہیں جانب مشرق مکان کے ایک پل بنایا ہے، اگرچہ یہ مکان بھی بہت پرچہ بنا  
ہے الا جو غریبی وہ کیفیت نہیں ہے۔

تعمیر شاہجہان میں مونی محل کے آگے نہر بہشت کے کنارہ پر ۱۶۵۸ء مطابق ۱۶۴۱ء کے ابو ظفر  
تعمیر محل  
سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ عالم نے ایک بارہ درجہ کے مکان میں مہر کی بنائی ہے

لور ہیر محل اس کا نام رکھا ہے اس محل کے آگے جو قدیمی خبر مار چکا ہے اس میں ۲۴ قوتارے چاندی کے تختے وہ تو اب نہیں لے سکتے مگر خبر یہ گئی ہے یہ خبر بھی اس زمانہ کے لائق بہت اچھی ہے۔ ۵۱

مولانا بشیر الدین احمد نے اس محل کا ذکر زیادہ شاندار الفاظ میں کیا ہے:

حمام کے شمال میں یہ محل ہے، اس میں اور حمام میں صحن چھوٹا ہوا ہے اس صحن کے بیچ میں نہر کے کنارے ایک بڑی بارہ دری سنگ مرمر کی بہادر شاہ ثانی، خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کی بنوائی ہوئی ہے جو دروازہ دلی عید کی بارہ دری مشہور ہے، حرم کے پیچھے ایک کنواں بہادر شاہ کا بنوایا ہوا ہے اس پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

ظفر تعمیر شد این پادشہ شریف

کہ آبش شربت قند و نبات است

ازیں خوش تر نہ باشد سال و تاریخ

ہویدا چشمہ آب حیات ۱۲۵۵ھ

اس کے دیکھنے سے شاہجہان کے زمانہ میں اور آخری دور مغلیہ میں جو فرق بین طرز عمارت میں ہو گیا ہے ظاہر ہوتا ہے، اس کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹی چھوٹی چوکنڈیاں بنائی ہیں جن کی برجیاں سنہری ہیں، ۵۲

قطب صاحب کے قواح میں یہ ایک سیرگاہ اور مکان دلکش ہے صاحب والا مقارب کوٹھی و لکشا

عانی مناصب و زندار مجتہد بجاں پیوند سلطان مغظم الرواہ این ایک اختصاص یارخان سرنامہ جس میں شکاف صاحب بہادر بارونٹ بہادر فیروز جنگ صاحب کلان بہادر شاہجہان آباد کا صاحب ممدوح نے اس کوٹھی کو ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۲۲ عیسوی کے بنانا شروع کیا، یہ کوٹھی نہایت نفیس

۵۱ آثار اصفادید و سرسید احمد خان طبع اول

۵۲، درقات دارالحکومت دہلی حصہ دوم دبیر الدین احمد ص ۶۹



لطیف ہے اور شہر اسی پر صادق آتا ہے۔

اگر فردوس برودے کے زیریں راست

بہیں راست ہمیں راست بہیں راست

**ہاولی درگاہ حضرت قطب صاحب** قطب صاحب کی درگاہ کے پاس مجھ کے آگے ندیم احمد

فیض الملک و قتیہ محمد دادو ناں بہادر مستقیم جنگ سے

۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۴ عیسوی کے ہاولی بنانی شروع کی اور ۳-۱۲ ہجری مطابق ۱۸۴۶ عیسوی کے ہ

ہاولی بن چکی ہاولی بھی بہت خوب صورت بنی ہے نہ چوٹے اور شاخ خاٹے بنی ہوئی ہے۔

قیمت ۱۴۰۰۰ روپیہ کے سوائے قیمت بھتر کے اس ہاولی کے بننے میں خرچ ہے ہیں

غازی آباد کے پاس ہندن ایک ہندو ہے اس پر سرور انڈیوں نے ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۲۶۲ھ

کے آہنی پل باندھا ہے یہ پل نہایت عجیب ہے جس کی کمانوں پر خوب خوب صورت

سے لٹھے لٹکانے ہیں اور اس پر راستہ بنایا ہے ایسی ترکیب بن کمانوں کی رکھی ہے کہ جب کوئی وزنی

چیز آتی ہے تو بوجھ بھانسنے کو کمانی بھٹک جاتی ہے ہر چیز کے چلنے سے یہ پل چمکنا ہے نہ کہ نیار

بوجھ بناتی ہیں اس نواح میں اس قسم کا پل عجائب روزگار سے ہے۔

**لال دہلی** شہر شامیوں آباد ہیں قلعہ سے نیچے قلعہ باندھ کے بننے بہت خوب صورت ہے

کے ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں حوض تیار ہوا ہے اس حوض کو سر سے چاروں طرف

مرغ کا بنا یا ہے اور چاروں کونوں پر چار برج کثرت دار بہت خوشنما کیسے بنائے ہیں دونوں طرف

غرض میں میٹھی بنی ہوئی ہیں نہر کے پانی سے یہ حوض ہمیشہ بھرا رہتا ہے طوں اس کا ۵۰۰ گز

اور عرض ۵۰۰ گز ہے اس حوض کے بننے سے اگر کنوئیں میں سے پانی گئے ہیں اس سے بہت

کو بہت آب نش ہے۔

۱۱ آثار الفناوید دہلی سید احمد خاں، طبع اول

نگیو کے گھاٹ کلکتہ دروازہ کے سامنے اور سلیم گڑھ کے برابر ۱۲۶۸ ہجری مطابق  
**پل جدید نگیو** ۱۸۵۲ء کے سرکار انگریزی نے دلایا پر یہ پل بنایا ہے اگرچہ یہ پل چرنے اور

ایزٹ کا ہے لیکن ایسی خوشنالی اور مضبوطی سے بنایا اور خوش قطع اور بڑے درلا سے ہیں کہ دیکھ کر آدمی  
 ششدر رہ جاتا ہے اس کے بننے سے دریا کو اور بھی لدنی ہو گئی ہے اور نگیو کے گھاٹ اس پل  
 سے بہت خوش نما معلوم ہوتے ہیں برسات کے دنوں میں صد ہا آدمی سیر و تماشا دیکھنے کو جلتے

ہیں اور ہر روز میلہ رہتا ہے۔ ۱۱

بہادر شاہ کی جیب اگرچہ خالی تھی، لیکن حوصلہ دہی تھا، جو شاہجہان، اور جہانگیر کا تھا  
**زینت محل** زینت محل کے بیسے نہایت شاندار محل تعمیر کیا :

یہ محل باہر سے تو کچھ معلوم نہیں دیتا، مگر اندر کئی محل مرا ہیں بہت عالی شان، کثرت

اور وسیع ہیں، لب شرک صرف ایک دو منزلہ کمرہ ہے جو زینت محل کے نام سے مشہور ہے اس کا بڑا عالی  
 شان پھاٹک لب شرک ہے۔ یہ محل سارا کا سارا مع کمرہ کے پیالا اسٹیٹ کے قبضہ میں ہے، خدا کے بعد  
 خیر خواہی سرکار میں ملا ہے، اس کے دروازے پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر، یہ کتبہ بہادر شاہ، بدشاہ آخری  
 کا طبع زاد لگا ہوا ہے،

کردائے ظفر زینت محل تعمیر قصر بے بدل

شہر محل سال بنا، این عتاز زینت محل (۱۲)

۱۲۶۲ھ

اس محل کی مزید تفصیل یہ ہے :

اس سے آگے بائیں جانب کمرہ زینت محل ہے نہایت عالی شان شاہی عمارت ہے اس کے  
 اندر بہت بڑے والان در والان بینیں کھائے کمرے کو ٹھریاں ہیں۔ صحن میں حوض ہر مختصر ماباغچہ و غرض

۱۱ آثار افنادید در سید احمد خان، ص ۱۵۱

۱۲ واقعات دار حکومت دہلی حصہ اول، ص ۲۱۵

بنایت فرحت بخش لور دلفی کا مکان ہے (۱۱)

**مولیٰ محل** | بہر محل کے شاہ میں، لور حیات بخش، باغ کیے مثنوی آثار کے سامنے مولیٰ محل تھا جو غدر کے بعد توڑ ڈالا گیا، اور وہاں توپ خنہ کی بارک بنا دی گئی،

وہ محل سنگ سرخ کا تھا۔ جسے سنگ مرمر سے سفید کر کے رنگ آمیزی اور ظلال کاری کے گل بوئے بنائے تھے۔ اندر کی عمارت میں لہجائے تنگ سنگ مرمر دکھائی دیتا، باقی سنگ مرمر کا تھا، (۱۲)

**حسن عقیدت** | بہادر شاہ کو بزرگوار سے لور ان کے مرادات سے بہت عقیدت تھی، بے لطفی کے باوجود کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے؛ چنانچہ انہوں نے، قطب صاحب کی درگاہ

پر ایک دروازہ تعمیر کر دیا۔

۱۰۔ بہتر شکتی میر عمارت نے درگاہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے

خوب صورتی لور زیبائش کے ساتھ دروازہ تعمیر کیا کہ حضور انور بہت سرور و غرور ہوئے خلعت و شاد و نیاز کھواب اور سر رقم جواہر سے موز و متال فرمایا اور محراب تعمیر کو اپنی خدمت سر پار چھ لور دو رقم جواہر عطا فرمادے۔  
ایہ محل لور دروازہ جہر دلفی میں درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاویج — کے غریب دروازے کے متصل موجود ہے محل شکستہ ہو گیا ہے دروازہ سلامت ہے

**نام ہے مگر نشان نہیں** | بہادر شاہ کے تعمیر کیے ہوئے ایک محل کا ذکر، ایک مثنویوں پر مبنی ہے:

یہ محل بدینہ غایت آراستہ و پیرستہ تھا، جس کے سامنے دریا کی طرف ایک

سائبان نکلا ہوا تھا، جس میں ایک پرند کی نہایت خوب صورت شکل بنی ہوئی تھی، جس میں نام و نشان

نک نہیں رہا، میں نے غلط کیا، نام تو اب بھی باقی ہے مگر نشان البتہ نہیں رہا،

۱۱۔ یادگار دلی ص ۱۴۱

۱۲۔ آثار احمد دید مرید احمد غاں ص ۱۵۵

۱۳۔ بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۱۵۵

۱۴۔ واقعات دار الحکومت دلی حصہ دوم در بشیر الدین احمد ص ۱۵۵

خواجہ حسن نظامی فرماتے ہیں :

## ملکہ تاج محل کی حویلی

نواب تاج محل بیگم زینت محل بیگم سے دوسرے درجہ پر مندرجہ نظر تھیں اور رنگین

بادشاہ کے ہمراہ نہ بھی گئی تھیں ان کی خوب صورت حویلی مایہ نازہ میں ایک ہندو کے قبضہ میں ہے۔

مزید معلومات یہ ہیں :

تاج محل کا خوب صورت مکان - کمرہ خوش حال خانے میں تھا۔ کہ جو ہندوؤں کے مشہور محلہ مالی

واڑہ کے قریب واقع ہے۔ یہ مکان بس بھی موجود ہے۔ اور اس مکان میں دہلی کے مشہور ساہوکار لالہ رام

کشن واس رہتے ہیں۔ جن کے ہاں سوتے چاندی کا بیویا ہوتا ہے۔ لالہ صاحب نے اس کی خدمات کی خوب

صحتی کو بھی برقرار رکھا ہے۔ اور جو یہ خوش نما اٹھانے بھی کیے ہیں۔ مگر زینت محل کے کمرے میں ریاست

پیارے کوئی ترقی نہیں کی۔ بلکہ سابق کے آثار میں بھی بوسیدگی واقع ہو رہی ہے۔ اور یہ تاریخی مکان

چند دن کا بھائی ہے۔ (۳۱)

حویلی مرزا خجستہ بخت بہادر جو اکبر شاہ بادشاہ کے بھائی تھے۔ تہا بیت

## خجستہ بخت کی حویلی

عالی شان حویلی ہے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے (مکان خجستہ بنیاد)

سے اس کی تاریخ نکلتی ہے اس وقت یہ حویلی بھولانا تھا، شمشیر تاتھ ساکن گئی پہاڑوانی کے پاس ہے۔

ابو ظفر سراج الدین نے یہ محل سر سے پائیک سنگ مرمر کا بنایا ہے

## محل سومنگ باتھ بن گیا

کا ایک درجہ ہے، اور چاروں طرف غلام گردش کے طور پر مکان

اور کونوں پر بحرے اور چاروں ضلعوں میں نشین ہیں، اور ایک طرف اس مکان میں آنے جانے کا پل بنایا

۱۱، بہادر شاہ کا روز تاج محل

۱۲، غائب کا روز تاج محل

۱۳، بعد میں اس کی مرمت خواجہ حسن نظامی کی روایت کے مطابق ہندو صاحب خان نے کرا دی

۱۴، یہ دھاروی صحت



تھا۔ اس میں کاتلاب نشانات بھی نہ رہا، دالان کی بچت بھی گر گئی ہے، یہ مقام عرصہ دراز تک فوج کا  
”سومنگ“ ہاتھ۔ یعنی تیرنے کا مرکز رہا۔“

یہ عمارت بمیں قلعہ کی دوسری عمارات کی طرح نہایت خوشنما تھی، لیکن مرزا بہانگیر  
”تورجہاں“ بہادر نے اس میں تعمیرات جدید کیے تھے۔ اب یہ عمارت موجود نہیں ہے، دریائی  
حرف حملات میں سب سے آخری میں تھا۔ اس میں پھول باغ، اور انوار، اقامت کے فوارہ درخت تھے، خوشنما  
روشن گھنٹے سایہ دار درخت، مندوے، فوارے، آبشار، سردخانے، بارہ دریاں، مصفا چھوڑے، بہرہ زار  
فرش زمردیں کے کھنڈے چمکے ہوئے، خلی کی گرمی اور لو میں آفتاب کی تھار سے آگئی میرے پائیک پیٹین  
میں مٹا اور ہو جا ہے یہاں آکر دم میں دم آجا آتا۔ مٹا چاروں اڑی ہرن لکھتے ہیں آکر وہ پرانا زمانہ پھر  
کسی مح ابائے، تو دواؤں کے نصیب بھانک جائیں اور وہ پیر پانی کی جہنم لگے۔ (۲)

میں نے روڈ پر یہ مسجد، قلاب حامد علی خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ یہ مسجد ۱۸۸۸ء میں بنائی گئی  
میں چھوڑے پر سترہ یہ عمارت چھوڑ کر ہٹا ہوتا ہے، محلوں میں بجانب مشرق ایک  
دالان ہے مسجد کے جنوب مشرق کے کونے میں ایک عمارت قیق کا شیعہ لوگوں کا ہے۔

یہ مسجد قلاب عثمانہ لدولہ حامد علی خاں صاحب وزیر اعظم بہادر شاہ ثانی کی بنائی ہوئی ہے  
پیش طاق پر غائب، یہ قطعہ کمرہ ہے۔

اعلیٰ دلدولہ زماستراط جود

بست در پیش کنش ترمذ خدیو

ماخت واد دبی ہمایوں مسجد سے

تا شود طاعت گزیر و پیر

۱۱۔ واقعات در حکومت دہلی حصہ دوم در بشیر الدین احمد ص ۱۱

۱۲۔ دلی کے سات شہر

غائب اُن طوبی نشینِ غدیب

زد باندازِ سخنِ سخیِ صفیر

شد نظیرِ کعبہ در عالمِ پدید

ماں تعمیرِ شش بود و کعبہِ منقشہ (۱)

اس عمارت کے بڑے بڑے نہایت اونچے اونچے کھنڈے در ہیں، اس

کے دروازے کے ستون پر ایک تختی پر یہ کتبہ بخطِ انگریزی لکھا ہوا

**کتب خانہ دارالشکوہ**

۶۱۶۳۷

کتب خانہ دارالشکوہ خلعت شاہ جہاں

۶۱۶۳۹

مکانِ مکتوبہ علی مردان خان وائسرائے پنجاب

۶۱۸۰۳

سرڈیوڈ اکرلوی کی رینڈیڈنسی

۶۱۸۰۳ - ۱۸۷۷

گورنمنٹ کالج

۶۱۸۷۷ - ۱۸۸۶

مدرسہ ضلع

۶۱۸۸۶ - ۱۹۰۳ (۲)

میونسپل بورڈ اسکول

اس سدری خانہ سے باسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ، انگریزوں نے، قلعہ اور قسطنط

حاصل کرنے کے بعد، عمارتوں تک سے انتقام لینے میں تاثر نہیں کیا

تفو بر تو اسے چرخ گرداں تفو

ایک مؤرخ کا بیان ہے:

شہر کے بے زبان درو دیوار سے یہ انتقام یا گیا کہ قلعہ کے قریب کے عایشان گنجان محلے اور کئی

۱. واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم دبشیر الدین احمد ص ۲۷۵

۲. واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم دبشیر الدین احمد ص ۲۸۹

بازار مسمار کر دیتے ان پر گوراسپاہی فوجی قاعدہ کرتے اور زمین کے برابر کر دینے پر بھی شاید قدموں سے روند کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے اور شہر داروں کو جلاتے تھے۔ لال قلعے اور شاہی عمارتوں کو تڑوا دینے کی تجویز تھی مگر کہا جاتا ہے کہ اس میں بہت روپیہ خرچ ہوتا اس لیے منسوخ کر دی۔

» تاریخ پاکستان و بھارت جلد دوم (سید انجمی) ص ۳۲۱

# جہان مع مسجد کا حشر

تیرا جمال و جلال میرے خدا کی دلیل  
 وہ بھی جمیل و جلیل تو بھی جمیل و جلیل  
 تیری بنا پائیدار، تیرے ستون بے شمار  
 ظام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل  
 تیرے درو بام پر وادی امین کا نور  
 تیرا منار بلند جیلوہ گہ جبریل  
 مٹ نہیں سکا مرد مسلمان کہ ہے  
 اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل  
 مرد سپاہی ہے وہ اس کی تدہ لالہ  
 سایہ شمشیر میں اس کی پتہ لالہ

ہندوستان میں مسلم عہد کی تعمیرات پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا، انہوں نے قلعوں  
 مقبروں اور مسجدوں کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا، ان تعمیرات پر انہوں نے اپنی بہزمنی سنانی  
 اور دولت و ثروت ختم کر دی، انہوں نے، فلک فرسا، عمارت اور قلعے بنائے، عظیم الشان اور عظیم المرتبت  
 مقبرے تعمیر کیے۔ اور سین و جیل مسجدوں کی بنا ڈالی،



غذائے جوش انتقام میں انگریزوں نے شاہی محلات و قصور منہدم کر ڈالے، قبریں سونے والے بے گنہ، لوگوں کو بھی مصائب نہیں کیا، اور بے تعبسی دروا داروں کا دعویٰ کرنے کے باوجود مسجدوں کی شکست و ریخت میں تاقل نہیں کیا۔ انہوں نے نہ جانے کتنی مسجدیں دھا دیں، نہ جانے کتنی مسجدوں کو دیوان کیا، بے شمار مسجدوں کو ضبط کر لیا بے شمار مسجدوں کو گونا گونا اور سرکاری دفاتر میں تبدیل کر دیا، مسلمان شکست خوردہ تھے، بے ہوش تھے، ناچار، اور مجبور تھے، وہ کچھ نہ کر سکے سوا اس کے کہ باپشتم پر خم، یہ شکاریاں، اور ثقافتیں دیکھتے رہتے تھے

آشیاں لٹ رہی، ہم ناتواں دیکھا کیے

دلی کی جامع مسجد اپنے حسن و جمال، رعنائی و زیبائی، دیدہ نمیزی اور خوشنمائی، نیز منصبی اور استحکام کے لحاظ سے اپنی نیتراپ ہے، اس مسجد کے بارے میں بھی، یہ فیصلہ تقریباً ہو چکا تھا کہ یا تو اسے دھاویا جائے، ورنہ گر جائے یا جائے، لیکن ایک شریف انگریز کی مداخلت کے باعث یہ اسکیم عمل جامہ نہ پہن سکی،

اب ہم ذیل میں جامع مسجد اور دلی کی دوسری مسجدوں کی درگت کا ایک عبرت انگیز لیکن محمل خاکہ پیش کرتے ہیں :-

دلی اور جامع مسجد کا تذکرہ کرتے ہوئے شکاوت صاحب فرماتے ہیں :-

### جامع مسجد کے خصوصیات

دہلی دریائے جمن کے مغربی کنارے پر آباد ہے موجودہ شہر تقریباً ۱۰ میل کے گچھریں پھیلا ہوا ہے اور اس کے ۳ طرف ادینی فہیل ہے جو اینٹوں اور پتھروں سے بنائی گئی ہے اس کے سات دروازے ہیں :- نمبر ۱ لاہوری دروازہ نمبر ۲ دلی دروازہ نمبر ۳ جمہیری دروازہ نمبر ۴ ترکان دروازہ نمبر ۵ موری دروازہ نمبر ۶ کابلی دروازہ اور نمبر ۷ کشمیری دروازہ یہ سب پتھ کے ہیں اور اس میں خوب صورت محرابیں بنی ہوئی ہیں ان میں شہر کے گارڈ کے لیے رہنے کی جگہیں بھی ہیں غندے چند سال قبل کرنل ایڈورڈ اسمتھ (انجینئر) نے کشمیری دروازہ کی از سر نو تعمیر کی تھی موجودہ شہر مسلمانوں کا تعمیر کردہ ہے اس کی داغ بیل اور تعمیر کا جہان نے ۱۸۵۷ء میں کرائی گئی تھی

شہر دریا سے دور فسیلوں کے باہر واقع ہے جس زمانہ میں رچرڈ صلاح الدین اور عربوں کے خلاف  
 میسپی ریانیوں لڑ رہا تھا اس وقت دہلی میں ایک ہندو راجہ پر نقوی راج کرتا تھا۔ ہندوؤں کے زمانہ  
 میں شہر کا نام اند پرست (یعنی دیوتا اند کے رہنے کی جگہ) تھا موجودہ مہرولی اب جس جگہ آباد  
 یہاں مشہور و معروف کنویں واقع ہیں اور جو شاہ عالم اور اکبر شاہ کا مدفن ہے۔ مقبرے اور کھنڈرات  
 جو موجودہ شہر کے چاروں طرف بیس میل کے گھیرے میں پھیلے ہوئے ہیں اس امر کی شہادت پیش  
 کرتے ہیں کہ تاریخ کے مختلف زمانوں میں اس کے مختلف مقامات آباد رہے ہیں کیونکہ ہندوؤں  
 کے عقیدے میں اپنے بزرگوں کی تعمیرات کی مرمت کرنا ناجائز ہے بلکہ نئی جگہ پر از سر نو تعمیر کرنی  
 چاہیے گردو پیش کے علاقہ کی زمین بہت کٹی ہوئی ہے اور اس میں بے شمار گڑھے ہیں۔ شہر کے  
 شمالی اور مغربی حصہ میں وسیع باغات اور شرفا کے مکانات واقع ہیں تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر  
 ہے لگا کا تعمیر کردہ رصد خانہ ہے جو ۱۶۹۲ء میں تعمیر ہوا تھا اور جسے دہلی کے لوگ جنتر منتر کہتے  
 ہیں اس مشہور ہیئت دان نے چندالواح بھی تیار کی تھیں جن کا ہندوستانی آج تک جنتریاں تیار  
 کرتے وقت استعمال کرتے ہیں جنتر منتر کی عمارت بہت بڑی و صوب گھڑی جس میں پیتل کا پتر لگا  
 ہوا ہے اور درجہ و ارسنگ مرمر کی عمارتوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ ایک اور بھی و صوب گھڑی ہے  
 جو درجہ و ارسنگ دار نصف دائرہ کی شکل کی ہے یہ ان اجسام فلکی کی بلندیاں مشاہدہ کرنے کے لیے ہے جو  
 سمت الراس کے جنوب یا شمال کی طرف خط نصف النہار میں سے ہو کر گزرتے ہیں دو اور عمارتیں  
 بھی قریب ہی واقع ہیں اور ایک مقصد اور غرض سے بنائی گئی ہیں تاکہ بیک وقت دو آدمی مشاہدہ  
 کر سکیں علاوہ ان میں ایک مقصد نصف دائرہ بھی ہے جس میں نظام شمسی کے بعض معمولی اجسام کی  
 وضاحت کی گئی ہے یہ عمارتیں ان پیتل کے آلات کی نقل ہیں جو سمرقند کے رصد خانہ میں استعمال کیے  
 گئے تھے شہر کے شمالی حصہ میں شالامار باغ ہے جہاں سے دہلی کے مصافحات کا خوب منظر نظر  
 آ سکتا ہے یہاں بہت سی مساجد مقابر اور باغاتی مکانات کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں جہاں شہر  
 میں بہت سے خوب صورت محل ہیں جو سب عظیم الشان اور پتھر کے بنے ہوئے ہیں جہاں سفر

سنگ مرمر کے محام ہیں اور موسم گرما میں استعمال کیے جاتے ہیں ان تہہ خانوں میں بہت سے کونے ایسے ہیں کہ اگر صاحب مکان چاہے تو پناہ گزین کو پناہ دے سکتا ہے۔

وسط شہر میں خوب صورت جامع مسجد واقع ہے جو جولا پیاڑ پر تعمیر کی گئی ہے اس میں چڑھنے کے لیے میڑھیاں ہیں اور سرخ

### جامع مسجد کے خصوصیات

پتھر کے دروازوں میں سے اندر جانے کا راستہ ہے مسجد کا صحن کشادہ ہے اور ۱۲۰ فٹ سب سے پہلے بھی سرخ پتھر کا ہے اس کے دو چوڑے دروازے ہیں جن سے پیشتر وضو کرتے ہیں۔ پھوڑہ پر سرخ پتھر کے ڈالیاں چلے گئے ہیں جن کے اوپر بیٹھنے کی غرض سے پشت پھوڑہ برج بنے ہوئے ہیں مسجد مستطیل شکل کی ہے اور ۲۶۱ فٹ لمبی ہے اس کے ۳ خوبصورت سفید سنگ مرمر کے گنبد جن پر سنگ موسیٰ کی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں اور جن کے ہر دو طرف ۱۲۰ فٹ کے ۲ بلند مینار واقع ہیں ان میناروں کی تعمیر میں سنگ سرخ اور سنگ موسیٰ کام میں لایا گیا ہے۔

برمینار میں سفید سفید سنگ مرمر کے ۳ کھنڈ بنے ہوئے ہیں ان کی برجیاں اس پتھر کی پشت پہلو کی شکل کی بنی ہوئی ہیں اس عمارت کے سامنے کا تمام حصہ خوب صورت سنگ مرمر کی صلابت سے بنایا گیا ہے اور ستونوں کے بالائی حصہ کے بزرگ کتبہ ہیں جن سے ہر ایک چار فٹ لمبا ۲ فٹ چوڑا ہے جس میں بخط نسخ تمام قرآن نہیں تو اس کا بیشتر حصہ بالضرور درج ہے۔ ایک ایسی عام غلطی ہے جس کا ارتکاب ہر اس شخص سے ممکن ہے جس نے کتبہ کو پرستش کی تعبیر نہیں اٹھائی۔ مترجم) مسجد کا بیرونی حصہ سفید سنگ مرمر کی بڑی بڑی ملاح سے بنایا گیا ہے اور اس کے سنگ موسیٰ سے بنائے گئے ہیں اور یہ تمام کام نہایت نازک اور خوبصورت ہے۔ یہ سب ۳ فٹ لمبی اور ۱۲ فٹ چوڑی ہیں دیواریں اور چھت بھی سفید سنگ مرمر کی ہیں اور قبیلہ کے قریب ایک خوبصورت محراب ہے جس کا رخ مکہ کے جانب ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی پتھر کی کاری کے نام سے مشہور ہے اس کے قریب ہی سنگ مرمر کا منبر ہے جس میں چار لمبرے دار سیدھے ہیں۔ بلند دروازے پر چڑھنے کے لیے پورے دار میں سے گزانا پڑتا ہے جس میں ۱۲۰ میڑھیاں ہیں اور اس کے شہر اور محل کا



خوب صورت نظارہ کیا جا سکتا ہے گنبد تاجے کے کلس سے مرصع ہیں جن پر سونے کا پترہ چڑا ہوا ہے اور جو دور سے بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجد کی ابتدا شہنشاہ شاہجہان نے اپنے سن جلوس کے چوتھے سال میں کی تھی اور اس کی تکمیل سن جلوس کے دسویں سال میں ہوئی کل لاگت ۱۰ لاکھ آئی تھی باہر کے استقامات سے مسجد اس قدر فاصلہ پر واقع ہے کہ انگریزوں نے باؤٹھ سے جو گولے پھینکے تھے اُن سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا صرف ایک گولہ مسجد کے صحن میں آکر چٹا ہوا تھا شہر میں اس وقت ہندوؤں کے منادر کے علاوہ ۴۰ اور بڑی بڑی مسجدیں تھیں جن میں کلاں مسجد دگالی مسجد جو جدید شہر دہلی کی تعمیر سے ۲۵۰ سال قبل بنی تھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ (۱۱)

جامع مسجد برتیر کی نگاہ میں | برتیر جہد عالمگیر کے مشہور بیارح نے، جو ملکی تعصب کا پتلا ہے اس مسجد کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا ہے،

بڑی مسجد جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونے کے سبب بہت دور سے نظر آتی ہے اور اس کی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کی سطح کو خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکھڑا میدان کھول دیا گیا جہاں مسجد کے چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آکر ملتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دونوں بغلی دروازوں کے عاویٰ اور اندر جانے کے لیے تینوں ضلعوں میں کوئی ۲۵-۲۵ یا ۳۰-۳۰ یقیناً خوب صورت میڑھیاں بنی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی سے ہر گھر گھر اور صاف صاف گر کے لگاتے گتے ہیں۔ جن میں سے پہاڑی کی تاہماری پھپھ کر عمارت خوب صورت ہو گئی ہے اس کے مینوں دھانے سنگ مرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالی شان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تاجے یا پیل کی پتیاں بڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جس پر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برعیاں بنی ہوئی

۱۱۔ خدکی صبح و شام، دستکات صاحب کا مقدمہ، ص ۲۷



ہیں اور بہت خوشنامعلوم ہوتی ہیں اور زیادہ نشان دار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جن کے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی بہ نسبت بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف وہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لے کر صدر دروازے تک بالکل کھلا ہوا ہے اور جو گرمی کی وجہ سے کھلا رہنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سنگ مرمر کا دھبہ پر سنگ موسے کی تحریر سے مصمت بنے ہوئے ہیں، اور بیرونی میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے۔

برنیر کا تعصب

میں قبول کرتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب ان اصول کے جن کو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اس میں کچھ عجیب بھی نہیں پاتا اس

کے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اس کے نقشہ پر بنایا جائے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آئے تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو سنگ مرمر کے ہیں باقی عمارت سنگ مرمر سے بنی ہے جو سنگ مرمر کی بہ نسبت ذرا نرم ہے اور زمانہ پا کر اس میں سے حدیق بھڑنے لگ جاتے ہیں! ہندوستان کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ جس کان سے یہ پتھر نکلتا ہے کچھ مدت بعد اس میں پھر پیا ہو جاتا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو نہایت عجیب ہے اور غلط یا صحیح اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں کان میں پانی بھر جاتا ہے مگر میں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے جس راستہ سے اس کو گذرنا ہوتا ہے اس پر پہلے سے گرمی اور گردوغبار کے فرو ہو جانے کے لیے چھڑکاؤ کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازے سے لے کر مسجد تک ۳ یا ۴ سو پہاڑی دو روہ صفت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جن کے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوب صورت بند تھیں ہوتی ہیں جن پر سرخ بانائے کا غلاف ہوتا ہے۔

پانچ یا چھ عمدہ سوار تلوار کے جھازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سوار  
 کے وقت راستہ گھٹا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے قاصد سے آگے آگے چلتے ہیں کہ ان کی گدو  
 سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہ ساری تیاری ہو جاتی ہے تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو  
 باغی پر جو خوب سجایا ہوا عمدہ جس پر سنہری اور منقش کام کی عمارت کی لکھی ہوتی ہوتی ہے سوار ہو کر  
 نکلتا ہے اور کبھی سنہری اور لاجوردی کام کے تخت پر جو کچھ اب یا ارغوانی رنگ کی نخل وغیرہ سے  
 منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جس کو آٹھ چیدہ اور بہاری وردیوں والے  
 کبار کاغذ پر اٹھاتے ہیں اور پیچھے پیچھے بہت سے امرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور  
 بعض پالکیوں پر سوار ہوتے ہیں اور انہیں ملے جلے بہت سے منصبدار اور چاندی کی چھڑوں  
 والے چوہدار وغیرہ ہوتے ہیں۔ میں اس سواری کو سلطان روم کی با شان و شوکت سواری سے  
 تشبیہ نہیں دے سکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اس کا تجمل اور عظم و  
 شان اور ہی طرح کا بے مد کچھ کم شان مانہ نہیں ہے۔ (۱)

**سر سید کی تحقیق** | سر سید احمد خاں نے جامع مجدد کے حالات بڑی تحقیق و جستجو اور کدو کاوش  
 کے بعد مرتب کیے ہیں، ان کا بیان بھی پیش نظر رہنا چاہیے: —

اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شول ۱۶۵۰ء مطابق ۱۶۵۰ء میں رکھی گئی تھی اور ہر روز ۵ ہزار راج مزدور  
 بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں ۱۰ لاکھ روپیہ خرچ  
 ہو کر تیار ہوئی اس کے میں گنبد ہیں نوٹے گز طول اور تیس گز کے عرض میں اور اندر کوسات عرابیں  
 ہیں اور باہر صحن کی طرف ۱۱ دروازے جن میں سے ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ اور ادر  
 والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازے پر کلمہ یا پادی طعزاد اور باقی دروازوں پر شاہجہان کے نام  
 کا لقبہ اور تاریخ تعمیر اور مصارف جس کو نور اللہ خوجندیس نے خط نسخے سے لکھا تھا سنگ موسیٰ

کی چچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جن میں اوپر جانے کے لیے زینے اور سردیوں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دلکش بنی ہوئی ہیں۔ شمالی مینارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ مرخ کا ہے جا بجا سے بگڑ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے سال ۱۸۲۸ء بمطابق ۱۲۴۸ھ میں اس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا اس مسجد میں چونکہ کبر بنا ہوا نہ تھا اور اس وجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اس واسطے شہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے سال ۱۸۲۹ء بمطابق ۱۲۴۹ھ میں بڑے دروازے کے بیچ میں کبر سنگ موسیٰ کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اس میں سنگ موسیٰ کی چچی کاری سے مصمتے بنا دیے ہیں ممبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے۔ جانب شمال کے دالان میں کچھ تبرکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہیں۔ اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے مسجد کا صحن ۱۳۶ گز کے عرض و طول سے اور اس کے بیچ میں ۱۵ اور ۱۲ گز کا ۷۷ سنگ مرمر کا صحن ہے جس میں فوارہ لگا ہوا ہے صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے بنے ہوئے ہیں اور چاروں کوفوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں جنوبی اور مشرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں جنوبی دروازے میں رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے ہیں اور ۲۳ میڑھیاں ہیں جن پر تیسرے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے اور بطنی اور نالودہ والے اور لبالی اور اصل مرخ نیچے والے اور شہ تین جوان انڈے رٹانے والے آن کر جمع ہوتے ہیں شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف ۲۹ میڑھیاں ہیں اگرچہ اس طرف بھی کنبلی بیٹھتے اور سودے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف ملازیوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے قصہ خوان موندھتا بچا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر تمیزہ با قصہ صائم طالی کہیں داستان بونسان خیال نہاتا ہے جس کے سننے کو سینکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف



ملائی تماشا کرتا رہے اور بھان متی کا کھیل ہوتا رہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا رہے  
 شرقی دروازے میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس کے آگے ۳۵ میٹر چھیاں ہیں جن پر ہر  
 روز گزری گنتی ہے جو گویا ہر روز کا میڈ ہے بڑا بڑا طرح طرح کے کپڑے ایگنوں پر ڈالتے ہیں  
 اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور بھجروں میں لیے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں  
 اور ایک طرف کبوتر مالے کبوتر بیچتے ہیں اور ایک جانب گھوڑے مالے گھوڑے لیے کھڑے  
 ہیں۔ (۱)

انگریز جتنے مسلمانوں سے خفا تھے، اس سے کہیں زیادہ  
جامع مسجد انتقام لینے کی اسکیمیں جامع مسجد سے خفا تھے، خشکی کے کئی درجہ تھے، مثلاً

یہ کہ وہ مسجد کیوں ہے گر جا کیوں نہیں ہے؟ اس لیے، بھی خفا تھے کہ مسجد ہو کر، فنی اور عمارتی نقطہ  
 نظر سے، درست قدرت کا شاہکار کیوں معلوم ہوتی ہے؟ اس کا یہ جرم بھی ہرگز معمولی نہیں  
 تھا کہ، وہ اسلام اور مسلمانوں کے دور عروج کی یادگار تھی، اور ان کا حال یہ تھا کہ نہ اسلام کا نام سنتا  
 چاہتے تھے، اور نہ مسلمانوں کی صورت دیکھنا چاہتے تھے، دونوں کے استعمال کا قطعی فیصلہ کر چکے  
 تھے۔

غدد کے زمانہ میں جب انگریزوں نے دہلی پر چڑھائی کی، تو کوشش کی  
پہلی ناکام کوشش کہ دوران جنگ میں مسجد کو زمین کے برابر کر دیں، لیکن، اتفاق کہیے، یا

قدرت کی مشیت یہ بات کچھ سچی نہیں، کھیل صاحب آئے اسی ارادہ سے تھے، لیکن ان کا مددگار مسلمان  
 وقت پر نہیں پہنچا، اس لیے پلٹ آئے پر مجبور ہو گئے۔

کھیل کالم جن کے راہ نما۔ سر قیود قلم مسکات صاحب تھے۔ وہ شہر کے حال سے اس بد  
 سے خوب واقف تھے۔ کہ شہر کے لکڑا اور مجھڑٹ تھے وہ اس کالم کو ایسے راستے سے لے گئے

(۱) آثار العنادید، (سر سید احمد)



جس میں دشمنوں کی آتش باری بہت کم تھی وہ اس کالم کو لے کر جامع مسجد کے پاس پہنچے اور یہاں نصف گھنٹے تک انتظار کیا کہ کالم اُن کی مدد کو آئے۔ مگر اوپر بیان ہوا کہ ان کو اور جگہ ایسے کام کرنے تھے۔ جن کے لیے وہ کافی نہ تھے۔ بس کبیل صاحب جو زخمی ہو گئے تھے۔ ملک کے آنے سے مایوس ہو گئے تھے۔ تو وہیں اور باروت کے قحیلے ان کے پاس نہیں تھے جس سے کہ وہ جب مع مسجد کے دروازہ اڑا دیتے وہ ترتیب و انتظام کے ساتھ سپاہ کو گرجا میں واپس لے آئے اور نند کالم میں مل گئے۔ (۱)

بہت سے انگریز کہتے تھے کہ دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ جن کا غصہ کچھ اُتر گیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جامع مسجد کو گرجا بنا دو اس کے میناروں میں صلیب لگا دو اس کی سنگ مرمر کی سلوں پر جو بہت سی ہیں۔ اس عیسائی کا نام کندہ کر دو جو غدر میں شہید ہوا ہے۔ جب پنجاب کے ذی اقتدار انگریز افسروں اور ان کے حلی دوستوں نے اور بعض نے اصالتاً حاضر ہو کر یہ دلیل بیان کی کہ جامع مسجد برباد کر دینے سے مسلمانوں کے مذہب پر ایک ضرب پڑے گی تو جان لائرس نے بہت نرمی و ملامت سے دلائل کو بیان کیا۔ جب دیکھا کہ اس کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوتا تو وہ کھڑے ہوئے اور کہا بابا یہ رائے نہ دوں گا۔ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کے لیے تم مصر ہو سکتے ہو۔ کہ میں ان کو کروں مگر کبھی اس باب میں مجھ سے اصرار نہ کرنا۔ ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو لارڈ کننگ کو اپنی چھٹی میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ مجھے معلوم نہیں لارڈ شپ نے دہلی کے باب میں کیا تجویز کیا ہے۔ اگر جناب اس کو شہر کی حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ تو میرے نزدیک پرائز ایجنسی کی کاروائیوں کو روکنا چاہئے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ شہر میں سے مارشل لا موقوف کیا جائے۔ (۲)

۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ ذکاۃ اللہ ص ۶۴

۱۲ تاریخ عروج عہد انگلیشہ ذکاۃ اللہ ص ۷۲

جامع مسجد میں سو رپے کاے گئے | فتنی ذکا و اللہ، اپنی انگریز دوستی کے باوجود، یہ لکھے بغیر  
نہ رہ سکے : —

مساجد کا حال یہ ہوا۔ کہ جامع مسجد جو شہر کی کل مسجدوں کی ناک تھی انگریزوں نے اس کو توڑ  
ٹکٹا بنایا کہ سکھ سپاہ کی بارگاہ اس کو بنایا۔ اس میں پادشاہ پشاپ کرنے سے کچھ پرہیز نہ کیا سکھوں  
نے مسجد کو برباد کر کے پکڑے کتے جو انگریزوں کے ساتھ تھے۔ وہ درگاہ شریف میں پٹ پھرتے تھے  
ایک اور مسجد رفیع الشان زینت المساجد تھی۔ جو گوروں کی مسجد گھر بنی۔ (۱۱)

اب جب خدا خدا کر کے، دنیا کی لعنت علامت کے ڈر سے، مسجد  
 جامع، سکھ سپاہیوں سے خالی ہوئی، تو اس پر تالا چڑھا دیا گیا، نہ  
 نماز پڑھنے کی اجازت، نہ اندر گھسنے کی،

یہ واقعہ بھی، ایک انگریز دوست، اہل قلم سے معلوم ہوتا ہے :-

شاہجہان کے بعد بادشاہ کے زمانہ میں مجددِ عمدہ حالت میں رہی، غدر میں مسجد ضبط، غارت  
بند، اور سرکاری پہاڑی کی قائم ہو گیا، کئی برس یہی حال رہا، خدا خدا کر کے ۲۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو  
مسلمانوں کی استدعا پر گورنمنٹ نے مسجد کو وائزمنٹ کر دیا، (۲)

غرض جامع مسجد کئی سال تک ”ضبط“ رہی کبھی اس میں سکھ سپاہیوں نے مسجد کی واکزاری ڈیرا ڈالا، اعدان کی بارک کی حیثیت سے وہ استعمال ہوتی، اور اس طرح مسلسل اس کی بھجرتی ہوتی رہی، کبھی اس پر تالا لٹا دیا گی، مسلماؤں کے لیے فرمان صادر کر دیا گیا کہ فحشہ داخل ہو سکتے ہیں نہ نماز پڑھ سکتے ہیں،

آخرہ سال کے بعد، مجدد مسلمانوں کو واپس ملی، لیکن چند شرائط کے ساتھ، وہ شرائط ملاحظہ ہو۔

۱۱، تاریخ عروج عبدالحکیم (فکارت الشد) ص ۴۱۶

(۲۱) واقعات دارالحکومت دہلی صفحہ دوم (بمبشیر الدین احمد) صفحہ ۹۰

نقل اقرار نامہ مہتممان مسجد جامع  
ہم اشخاص مفصلہ ذیل جو بالاتفاق ہمدگر مہتمم جامع مسجد قراقر  
پائے ساتھ کمال شکر لکھتے ہیں سرکار ابد پائدار بخوشی اور عافیت  
راغبیت اقرار کرتے ہیں :-

- ۱ - یہ کہ ہم لوگ ذمہ دار ہیں کہ جو کچھ دنگا و فساد مسجد میں نہ ہونے پائے گا۔
- ۲ - اگر کوئی مقدمہ متعلقہ مسجد کی بابت واقع ہو تو ہم بطور خود اس کا فیصلہ کریں گے۔
- ۳ - کوئی امر شورش کا مسجد کے موجب تحقیر و اذیت یا بدخواہی سرکار نہ ہونے پائے گا۔ اگر اتفاقاً کوئی بات وقوع میں آئی اور ہمارے تدارک و اختیار سے باہر ہو اس کی اطلاع حضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کریں گے۔
- ۴ - مرمت و نیکوئی کی کرتے رہیں گے اور حساب کتاب راہ دکانات و نہ بازاری وغیرہ مال وقف کا بخوبی درست رکھیں گے۔
- ۵ - مسجد مہتممان کے جو کوئی کم ہو جائے کسی سبب سے تو اس کی جگہ دوسرا یہ تجویز خود ہا مقرر کر لیں گے۔
- ۶ - اقرار کرتے ہیں کہ اگر خلاف مرضی سرکار کوئی امر ظہور میں آئے تو سرکار کو اختیار ہے کہ دروازہ مسجد بند کر دے۔

المرقوم ۲۴ نومبر ۱۸۶۲ء

العبد	العبد	العبد	العبد	العبد
مرزا الہی بخش	محمد صدر الدین	محمد ابراہیم	محمد ابراہیم	محمد حسین
العبد	العبد	العبد	العبد	العبد
نصیر الدین	تراب علی	حافظ داؤد	محمد افضل حسین	عجبوب بخش

بقلم تراب علی

ماوند میر محمد امام

## ہدایات

- ۱۔ بعد نماز پڑھنے سب آدمی مسجد سے باہر چلے جائیں۔
- ۲۔ کوئی شخص رات کو مسجد میں نہ رہے سوائے موزن اور امام مسجد کے۔
- ۳۔ قوم ہندو اندر مسجد کے جاویں کچھ مزاحمت نہیں۔ مگر ادب سے جاویں۔
- ۴۔ افسران صاحب سول و ملٹری و دیگر صاحبان انگریز کو اجازت اندر جانے کی ہے۔ کچھ ہوتا اٹارنے کی احتیاج نہیں ہے۔ الا امید ہے کہ کتا ساتھ نہ ہوگا۔ اور پھرت وغیرہ نہ ہئیں گے۔

- ۵۔ گورہ لوگ فوج کے۔ اندر نہ جانے پاویں گے۔ بلا پاس افسرکان یا صاحب قلع کے۔
- ۶۔ دو سنتری دو دروازہ پر متعین رہیں گے۔ بطرف جنوب و شمال امدان کی تنخواہ ذمہ مہتمان مسجد کے ہوگی۔ (۱)

ان شرائط سے اندازہ ہوتا ہے، کہ مسجد ازراہ رحم و کرم، مسلمانوں کو واپس نہیں کی گئی تھی، نہ اس میں، بیارت اور معطلت کی کار فرمائی تھی، اس کی دائرہ کاری صرف اس لیے عمل میں آئی تھی کہ مسلمانوں کو امدان کے اکابر کو ذلیل کیا جائے۔

ان شرائط میں گوروں کو ہوتا اتار سے بغیر مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔ ہندوؤں کو مسجد کی سیر کرنے کی اجازت ہے، دروازوں پر سنتری رکھنے کا حکم ہے، لیکن ان کی تنخواہ مسجد سے لگی، دھولہ کندگان کے بڑے بڑے نام دیکھئے، اور یہ رسوا کن شرط دیکھئے،

اب وہی خزانے کی ایک پائی بھی، مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی

غدار کے بعد مسجد کی آمد و خرچ

تھی، عیسائی حکومت، کیوں مسجد کے مال زار پر توجہ کرتی؟

خدا کا شکر ہے، مسلمانوں نے اس طرف کچھ توجہ کی، اور حالات ذرا سنبھل گئے۔

کل آمدنی جائداد مسجد کی تقریباً دو ڈھائی ہزار ہے اور اسی کے قریب خرچ ہے۔ متفق آمدنی



مردوں وغیرہ سے ہوتی ہے۔ مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ نواب کلب علی  
خان صاحب بہادر مغفور عالی ریاست رامپور نے ایک لاکھ پچیس روپیہ ۱۸۸۶ء میں مرحمت فرمایا جس  
سے تمام مسجد کی مرمت اور پالش وغیرہ ۱۸۸۷ء سے شروع ہوئی۔ سعیدزماں شاہ صاحب نڈاں سے  
۱۸۹۱ء میں ختم ہوئی۔ بہاولپور کے روپے سے مینار درست ہوتے علیٰ ہذا القیاس  
مسجد کا کل سرمایہ ایک معبر کوٹھی میں جمع رہتا ہے اور تمام دفتر اور کاغذات مسجد کے جنوبی  
دروازے کے متصل حجرہ میں رہتے ہیں۔ (۱)

**دوسری مسجدوں کی درگت** جامع مسجد تو خیر اس لیے پنج گئی، کہ وہ دنیا کی نگاہ میں بھٹی۔  
انگریز اگر اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے، تو ان کے لیے ہوجا  
دہی مشکل ہو جاتی، لیکن دوسری مسجدوں کو شہید کرنے، ڈھانے، ضبط کرنے، اور ان کی ہیڈت بگاڑنے  
میں انہوں نے کوئی تاقل نہیں کیا۔

ذیل میں، اس طرح کی مسجدوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے، مع ان کے تاریخی پس منظر  
کے، تاکہ تاریخین یہ اندازہ کر لیں کہ، جرم کتنا بڑا اور کتنا سنگین ہے، مسلمانوں پر یہ الزام لگانے والے  
لوگ کہ انہوں نے کلیساؤں اور مندروں کو مسجد بنالیا، یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی، ان گنت مسجدوں  
کو کلیساؤں، اور مندروں میں تبدیل کر چکے ہیں۔ — حالانکہ پہلا الزام جھوٹ ہے، دوسرا حقیقت؛

عہد دریا گنج لب دریائے جمن مسجد زینت المساجد ہے  
**توپ خانہ زینت المساجد میں** شہر شاہجہاں آباد کی مسجدوں میں جامع مسجد کے بعد اسی

مسجد کا شمار ہوتا ہے، اس مسجد کو موقع اور محل ایسا ملا ہے کہ باید اور شاید یہ مسجد جمن کے جنوبی  
کنارے پر مرتفع مقام پر بنائی گئی ہے اس کے لال لال منارے دور دور سے دکھائی دیتے ہیں اور  
یہ مسجد کوسوں سے نظر آتی ہے لال تو کرسی بہت بلند پھر دریا کی طرف اس کے آگے اور کوئی عمارت

نہیں اس مسجد نے خدا داد حسن پایا ہے، اولہ مسجد کی فضا، اور عینت کاری، اور پرچہیں راوی کی بہار، اور  
ہر ہنرہ زار، اور فضیل شہر سے دریا کا ٹکڑا تے ہوئے بہتا اور موجوں کا بل کھانا عجب عالم دکھاتا ہے۔  
سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے عینوں برج نگ مرمر کے ہیں اور ان میں سنگ موسیٰ  
کی دھاریاں بنائی گئی ہیں، تاکہ چشم بد سے محفوظ رہے، اور برجوں پر نہایت خوشنما سنہرے کلس ہیں  
کہان کی دھک آفتاب کی چمک کو مات کرتی ہے، یٹار اس کے آسمان سے بانیں کرتے ہیں اس مسجد  
کے سات در ہیں - ۱۱

محض مسجد ایک سو پچانوے فٹ لمبا اور ایک سو پندرہ فٹ چوڑا ہے جس میں سنگ سرخ  
کے پوکے بچھے ہوئے ہیں، محض مسجد کے وسط میں ایک مستطیل جو ۴۳ فٹ لمبا اور ۳۳ فٹ چوڑا  
اور ۴ فٹ عمیق ہے، پھوڑے پر سنگ مرمر کا حاشیہ لگا ہوا ہے، مسجد کے محض کے چاروں طرف  
سنگ سرخ کا دو فٹ اونچا کٹھڑا ہے، مسجد کے شمال اور جنوب میں پختہ سنگ بست سر دریاں بنی ہوئی  
ہیں، یہ مکان غالباً امام، مؤذن، جادوب کٹ، یا دیگر خدام مسجد کے لیے، بنائے گئے تھے۔

لیکن غدر کے بعد۔ اس مسجد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، اور اس عظیم و جلیل اور مقدس عمارت  
کو کس طرح، مذہب اور مکروہ مقاصد کے لیے، استعمال کیا گیا اس کی داستان بھی سن لیجئے : —  
محض میں ایک پختہ سنتری روم فوج کے قیام کی نشانی اب تک باقی ہے، چونکہ یہ مسجد غدر کے  
بعد، عرصہ تک سکونت کے کام میں لائی گئی، اس کے اندر جا بجا دیواریں اٹھا کر جدا جدا کمرے بنائے  
تھے۔

امتیض صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "مسجد کے عقب میں چار سنگ مرمر کے کٹادہ برج تھے۔  
افسوس اب ان کا کہیں پتہ نہیں" اس مسجد میں من مانی توڑ پھوڑ کی گئی ہے، حتیٰ کہ زینت النساء بیگم کا  
مقبرہ بھی بہ اغراض فوجی ڈھا دیا گیا ! اس مسجد میں عرصہ تک توپ خانہ رہا، پھر برسوں تک اس

میں گودوں کا روٹی گودام بھی رہا، جس سے ربی سہی رونق بھی جاتی رہی۔  
 زینت النساء بیگم نے اپنی قبر احاطہ مسجد میں اپنے حیات بنوائی تھی جس میں وہ  
 ۱۱۲۲ھ میں مدفون ہوئیں، ایک قبر اب بھی صحن مسجد کے شمال میں ہے جو صرف پچھونے گئی کی ہے  
 لہٰذا یہی بانی مسجد کی قبر ہے۔

کتبہ: ”مونس مادر لحد فضل خدا تنہا بس است  
 سایہ از ابر رحمت قبر لوش مالس است“

امیدوار حسن خاتمہ، ناطقہ زینت النساء بیگم بنت بادشاہ محی الدین محمد عالمگیر غازی،

۱۱۲۲ھ ” (۱)

**سرسید کا بیان** گرمی لحد رسات میں اب بھی دلی کے اکثر باشندے سر پہر کو جمنہ پر جا کر  
 پانی کی سیرو دیکھتے ہیں اور تیرنے والے تیرتے ہیں مگر پچاس برس پہلے  
 وہاں اشرف تیرنے والوں کے بہت دلچسپ جیسے ہوتے تھے سرسید کہتے ہیں  
 میں نے اور بڑے بھائی نے اپنے والد سے تیرنا سیکھا تھا ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ایک حرف  
 دلی کے مشہور تیراک مولوی عظیم اللہ کاغول ہوتا تھا جس میں مرزا مغل اور مرزا طفیل بہت سر پر آدھہ اور  
 نامی تھے اور دوسری طرف بمالے والد کے ساتھ سو سو شاگردوں کا گروہ ہوتا تھا یہ سب ایک  
 ساتھ دریا میں کودتے تھے اور جمنوں کے ٹیلے سے شیخ محمد کی بائیں ٹہک یہ مارا گروہ تیرتا جاتا تھا  
 پھر جب ہم دونوں بھائی تیرنا سیکھتے تھے اس زمانہ میں بھی ۳۰-۴۰ آدمی والد کے ساتھ ہوتے  
 تھے انہیں دونوں میں نواب اکبر خان اور چند اور رئیس زادے بھی تیرنا سیکھتے تھے زینت الساجد کے  
 پاس نواب احمد بخش کے باغ کے نیچے جمنہ بہتی تھی وہاں سے تیرنا شروع ہوتا تھا مغرب کے وقت

” واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم (بشیر الدین احمد) ص ۱۲۷



سب تیراک زینت الما جد میں جمع ہوتے تھے اور مغرب کی نماز جماعت سے پڑھ کر اپنے گھر چلے آتے تھے میں ان جلسوں میں اکثر شریک ہوتا تھا - (۱۱)

**سنہری مسجد کی بے حرمتی** | کوٹوالی کے چبوترے سے ملی ہوئی سنہری مسجد ہے، اس کے پچھلے حصہ میں ایک مشہور عالم مولانا غزال الدین کا مکان مسکونہ تھا جو قطب صاحب کی درگاہ میں مدفون ہیں، ایام غدر میں یہ بڑا معرکہ الارام مقام رہا ہے، کوٹوالی کے چبوترے کے سامنے ہی ان ہمیں شہزادوں کی نعشیں لٹکائی گئی تھیں جن کو غدر ۱۸۵۷ء میں ہڈن نے گولی کا نشانہ بنایا تھا، اہم یہیں برابر پھانیاں گاڑی گئی تھیں، جن پر باغیوں کو سر جان تقیافلس مشکاف صاحب کے سامنے لٹکایا جاتا، سر تقیافلس کا عالی شان محل مع بیش بہا مال و اسباب کے غدر میں لوٹ لیا گیا تھا، اس سبب سے صاحب موصوف بہت برا فروختہ تھے - (۲۱)

**مسجد فتحپوری کی دکانیں ضبط**

۱۰	۶	۵
۱۶	۵	۵

غدر کیا آیا تھا، گویا دلی پر قہر خدا تھا، یہ خانہ خدا بھی اس کی زد میں آگیا۔ اہم نہ صرف دکانیں ضبط کر لی گئیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ ۲۹ ہزار کوٹھیلاں بھی ہو گئیں، بھلا مسلمانوں

میں اتنا دم کہاں تھا کہ لیتے بہ لالہ چٹا مل صاحب نے کہ جن کا شمار دہلی کے بڑے رئیسوں میں تھا انہوں نے جھٹ خرید لیں، مسلمان منہ دیکھتے دیکھتے رہ گئے، تازہ تازہ غدر ہوا تھا، انگریزوں کے دل میں غصہ بھرا ہوا تھا، کسی نے داد فریاد نہ سنی،

۱۸۹۳ء میں انجنیئر ماسٹر کی طرف سے جائداد وقفی لہذا تلخی نیلام کی درخواست دی گئی، گورنمنٹ نے لالہ کو، پانچ آئے میٹر سود کے حساب سے ایک لاکھ و سٹس ہزار روپیہ دے کر دکانیں خریدنا چاہیں اہم اس کے معاوضہ میں ایک موضع تحصیل پھول میں دینا چاہا، مگر لالہ صاحب نے انکار کیا۔

(۱) حالات جاوید دہلی، ص ۲۶

(۲) طقعات دارا حکومت دہلی، ص ۲۲۵



۱۸۹۲ء میں اس جائداد کا کرایہ بذریعہ تحصیل، وصول ہو کر سرکاری میں جمع ہونے لگا، ۱۸۹۵ء  
کرایہ قیمتہ اقداس موضع کی آمدنی سے جو ۲۵ ہزار میں نیلیم ہوا، ایک لاکھ دس ہزار روپیہ اصل و سود  
لالہ صاحب کو حصے کر باقی پندرہ سو روپے اور مسجد کی کل جائداد گزاراشت کر کے مسلمانوں کو دے  
دیا، (۱)

**مسجد پنجابی کٹرہ ریل پر قربان ہو گئی** | پنجابی کٹرہ ایک محلہ تھا، جس میں پنجابی مسلمان تجارت  
رہتے تھے اس کٹرے میں ایک مسجد بھی مصفا اور  
طل ربانگہ مسجد کی نہایت خوش وضع اور خوب صورت مرقی جس میں مولوی عبدالخالق صاحب اور مولوی  
نذیر حسین صاحب محدث دہلوی درس و تدریس فرماتے تھے، اور دن رات قرآن الکریم و قال رسول کا ذکر  
رہتا تھا، اس مسجد میں مکانات اور ایک بہت پاکیزہ عرصہ تھا، اس مسجد کا صحن بہت وسیع تھا،  
قلی کی بہترین مساجد میں اس کا شمار ہوتا تھا یہ مسجد نواب اورنگ آبادی بنیم صاحب نے ہو اورنگ زیب  
بادشاہ کی محل نقیص، بنوائی تھی یہ مسجد ریل میں آگئی، اور اس کا نشان تک باقی نہ رہا، یہ مسجد اس  
جگہ تھی جہاں قلی کا بڑا ریلوے اسٹیشن ہے، میرے نانا صاحب کو جو اس مسجد کے نام تھے ان کی  
حیات تک گورنمنٹ سے پندرہ روپیہ ماہوار پیش امامی کے فتنے رہے مگر عمارت مسجد کا کچھ عرصہ  
نہ ملا، کہ وہ شاہی عمارت تھی - (۲)

شیعہ کی مسجد جو سب سے بڑی تھی مسجد نواب حامد علی  
خان کی تھی اس میں گدھے بندھے تھے کچے نیچے  
میدان کرنے میں ایک بڑی عالی شان مسجد اکبر آبادی  
بالکل منہدم ہوئی۔ اور بہت سی اور چھوٹی چھوٹی

• ایک مسجد میں گدھے بندھے  
• مہاراجہ جیند کو مسجد عطا کی گئی  
• مہاراجہ نے مسجد مسمار و منہدم کرادی

(۱) وقایع دارالحکومت دہلی حصہ دوم، ص ۲۳۹

(۲) وقایع دارالحکومت دہلی حصہ دوم، دیشور الدین احمد، ص ۲۴۴

مبجد میں مسار ہوئیں۔ ان کے معاوضہ ملنے کی درخواست مسلمانوں کی طرف سے خواجہ علی احمد خان نے کی سرکار نے کچھ التفات اس درخواست پر نہ کیا۔ ان کا مالک خدا تھا جس کو وہ معاوضہ نہیں دے سکتے تھے۔

کوٹوالی کے قریب مکھوں کے گروہ دار سے چپاں ایک مبجد تھی اس کے لینے کی درخواست جبار جینے نے سرکار سے کی وہ اس کو سرکار نے دے دی جبار نے اس کو مسار کرا کر منسہ میں ملا لیا۔ (۱)

**بہادر شاہ کی مسجد میں پلائی کا گودام** | ایک مبجد چھتہ چوک کے شمال میں ہے، اور اب پلائی اور ٹرانپورٹ کے احاطے میں آگئی ہے۔ بہادر شاہ کی بنائی ہوئی ہے، اس مبجد کا صحن نہیں، مسجد کی چھت مسطح اور دالان ہیں، اور پانچ در ہیں، اب اس مبجد میں پلائی اور ٹرانپورٹ کا گودام ہے۔ (۲)

**برسہا برس کے بعد مسجد واپس ملی** | دائیں طرف گلی حکیم بقا آگے بائیں جانب منڈی ملک پھر بائیں جانب لال مسجد یہ مبجد ۱۲۳۸ھ میں مسماۃ

مبارک بیگم نے بنوائی تھی جو ایکسٹنگریز کے گھر میں بیوی کی حیثیت سے رہتی تھی اور اس کی تمام جائیداد اور ملکیت پر قابض تھی۔ اسی مال میں سے اس نے یہ مبجد اور اس کے پاس کا مکان جس میں خانہ نمبر واقع ہے تعمیر کروایا۔ غدر کے بعد مسجد سرکاری قبضہ میں آئی اور ویران پڑی رہی۔ پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انجمن موید الاسلام کی درخواست پر سرکار نے مالذات کی ادائیگی اس کی درستی کرائی دوکانیں ازبہر بنوائیں۔ نماز کے بعد ازبہر میں اختلاف ہوا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتوے منگایا۔ نماز جماعت شروع ہوئی۔ ایک آدمی انجمن کی طرف سے تنخواہ دار مقرر ہے

(۱) تاریخ عروج عہد انگلیشہ دہلاوالہ ص ۱۱۷

(۲) حقائق دارالحکومت دہلی صفحہ دوم (بشیر الدین احمد ص ۸۱)

مسجد سے متعلق چھ دوکانیں اوسپرچ میں مختصر سامکان ہے۔ کرایہ کی آمدنی تقسیماً علیہ ہوتی ہے  
جوانجن میں پہنچ جاتی ہے۔ (۱)

اس سلسلہ میں مالک رام کا بیان بھی پیش منظر ہے تو اچھا ہے :-

مالک رام صاحب ایم اے نے ذکر غالب میں لکھا ہے۔ کہ مرزا اکبر علی خاں نواب احمد بخش  
خان کے ایک بھائی مرزا بنی بخش خاں کے پوتے تھے انہوں نے ڈیوڈا آڑوئی کی رٹکی سے نکاح کر  
لیا تھا۔ جو ایک ملان عورت مبارک بیگم کے بطن سے تھی۔ اس کا نام مالک رام صاحب کے قول کے  
مطابق خورشید بیگم اور غالب کے قول کے مطابق صن جہاں بیگم تھا۔ مبارک بیگم کی بنائی ہوئی ایک  
مسجد حوض قاضی کے بانڈا سرکی طالوں میں ہے۔ (۲)

بلی ماراں <sup>۱۲۶۱</sup> یہ مسجد دو منزلہ ہے، اوپر گنبد، مسجد کے  
**مسجد حکیم شریف خاں** اپنے پانچ دوکانیں، محن کے شمالی سرے پر چودہ سیر جیوں کا زمین  
ہے، یہ جناب حکیم حافظ محمد اجمل خاں کے دادا کی بنائی ہوئی ہے حکیم شریف خاں دہلی کے مشہور طبیب  
تھے۔ جن کو سلاطین مغلیہ کی جانب سے، علاوہ جاگیر کے انٹرفٹ، لکھنا کا خطاب بھی تھا، اس مسجد کے  
پیش طاق پر یہ کتبہ ہے۔

شکر خداے یعنی محمد شریف خاں  
شد طرح مسجد سے کہ بود کعبہ صفت  
برخاست چوں ندائے مؤذن خلیف عشق  
گفتا بجوئے سال وے از خدا خدا

۱۲۶۱ھ

یہ مسجد بھی خطرہ میں پڑ گئی تھی لیکن بچ گئی۔

(۱) یادگار دہلی، ص ۱۰۱

(۲) غالب غلام لعل تبر، ص ۶۹

(۳) واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم ذیل شیرالدین احمد ص ۱۰۱

مسجد بارود سے اڑا دی گئی | قلعہ کے دہلی دروازے کے برابر پریڈ گراؤنڈ کے پاس سنہری مسجد کے سامنے ایک لمبی سڑک فیض بازار سے دہلی دروازے

تک چلی گئی ہے، اس سڑک کے مشرق جانب میں غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے ایک بنگلہ تھا، اور اس ڈاک بنگلہ کے مغرب میں بڑی بھاری اکبر آبادی مسجد شاہجہان بادشاہ کی بیگم صاحبہ کی تھی یہ مسجد تو قلعہ کے اطراف گولہ اندازی کے لیے میدان صاف کرنے کی نذر ہوئی۔ (۱۱)

مسجد سدھو گھوسن | چوہنے والوں، ۱۲۵۳ھ یہ مسجد دو منزلہ زمین گبنڈ لور میں دروں کی ہے، اوپر مسجد۔ نیچے چار دوکانیں ہیں، پیش طاق پر یہ کتبہ ہے۔

مسجد مدرسہ و چاہ و مکان و مسکن

ہم ہا وقت شہ از عاجزہ سدھو گھوسن

وارث ہر سہ مکان کس نہ شود غیر خدا

گر شود روز جزا دست من از دے دامن

من اہمۃ البنویہ ۱۲۵۳ھ (۱۲)

لیکن اب کہاں ؟

(۱۱) واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم دبیر الدین احمد، ص ۲۷



# لال قلعہ کی بربادی

ایک تہذیب • ایک تمدن • ایک عہد کا قتل

ہے گر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام  
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام  
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ  
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام  
تند و سبک سیر ہے اگرچہ زمانہ کی رو  
عشقِ خواہاکِ میل ہے۔ میں کو بیتا ہے تمام

یہی دلی تھی، جسے زمانہ کی تند و تیز گردشوں نے، غارت کر کے رکھ دیا تھا، یہاں بہت سی  
تہذیبیں نمودار ہوئیں، بہت سے تمدنوں نے جنم لیا، بہت سی قومیں آئیں، اور اپنا جادو جلال دکھا کر  
رفعت ہو گئیں، لیکن اب دلی کے کھنڈرات پر پھر ایک نئی دلی، شاہجہان آباد کے نام سے تعمیر ہو  
رہی تھی، شاہجہان اعظم کا حسین و جمیل خواب: — دلی اب پھر ایک بہت بڑی، شاندار اور باوقار  
قوم کا مرکز بن چکی تھی، اس دیوانہ میں پھر نئی زندگی کی کروٹیں لے رہی تھی، نئی تازگی، نئی رعنائی، نیا  
بانچن ابھر رہا تھا، یہ خطہ پھر ایک نئی تہذیب، ایک نئے تمدن، ایک نئی تاریخ کا نشیمن بن رہا تھا، دلی  
اب منزلِ امپائر کی راہ پر مانی تھی: —

”بنیں گے ابدتارے اب آسماں کے لیے“

اور واقعی شاہجہاں نے یہی کر دکھایا، دیکھتے دیکھتے دلی، دنیا کا بہت بڑا، بارونق اور پر شکوہ شہر بن گیا، یہاں محلات تعمیر ہوئے، کوٹلوں کی بنیاد پڑی، باغات بنے، چمن بندی ہوئی، پارک بنائے گئے، بڑی بڑی حویلیاں عالم وجود میں آئیں، فلک فرسا ابد شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں، مسجدوں، خانقاہوں، ابد دانش کدوں کی بنا پڑی، ابد لال قلعہ بھی عالم وجود میں آ گیا، شاہجہاںی دور عظمت و جلال کا حسین و جمیل مرتقح!

لیکن غدر میں یہ بے قصور قلعہ بھی، مجرم سمجھ کر تعزیر و عقوبت کے شکنجہ میں کسا گیا، اس کی عمارتیں ڈھادی گئیں، اس کے محلات مٹی میں ملا دیئے گئے، اس کے ایوان کھنڈر بنا دیئے گئے، اس کے باغات اجاڑ دیئے گئے، اس کی نہریں بند کر دی گئیں، اس کے فوارے ابد لبشار، خشک کر دیئے گئے، اس کی رونق کھرچ لی گئی، لیکن یہ اتنا سخت جان تھا کہ پھر بھی قائم رہا، فرنگی دور استبداد کا ایک ایک ظلم اس نے سہا، لیکن اپنے زخمی وجود پر موت نہیں طاری ہونے دی،

یہ قلعہ، انقلاب و تغیر کی آماجگاہ رہا ہے، اس نے شاہجہاں کا جلال و جمال دکھایا، اس نے عالمگیر کا دبدبہ اور طنطنہ دکھایا، اس نے عالمگیر کے جانشینوں کی خانہ جنگیاں دکھیں، اس نے نادر شاہ درانی کو اپنا نمان بنایا، اس نے احمد شاہ ابدالی کے لیے، اپنے دواڑے کھول دیئے، اسے مرہٹوں کے لشکر نے پامال کیا، مرہٹہ سرداروں نے زیر زبر کیا، یہیں غلام قادر روہیلہ نے، اپنے کمزور اور بے کس آقا شاہ عالم کی استکھیں نکالیں، اور فاندان تیموری کو ذلیل کیا، یہیں بادشاہ سندھیا، بادشاہ کاکیل ابد، سرپرست بن کر پہنچا، اور بادشاہ کا ندیم و مقرب، محافظ اور وکیل بن کر سلطنت مغلیہ کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا، یہیں لارڈ لیک کے لشکر نے بسیرا کیا، مرہٹوں کا عمل دخل ختم ہوا، اور فرنگی اقتدار کا پرچم اس کے پھاٹک پر لہراتے لگا، یہیں آخری مغل تاج دار، بہادر شاہ تخت نشین ہوئے اور یہیں، باغی تلنگوں، اسلام کے مجاہدوں، خاندان شاہی کے، نمک حراموں، اور جاسوہوں، بخت خاں جیسے سوراڑوں، اور الہی بخش جیسے غداروں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، اور بالآخر انگریزوں کا ساتھ

وے کراس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، یہیں، بہادر شاہ، ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹرہ میں حاضر کیے گئے، اور یہیں سے اپنی قیمت کا فیصلہ سن کر جلا وطن کر کے رنگون بھیجے گئے، اس قلعہ میں وہ شاہزادے کی حیثیت سے پیدا ہوئے تھے، دلی عہد کی حیثیت سے نمایاں ہوئے تھے، بادشاہ جمجاہ کی حیثیت سے اورنگ نشین ہوئے تھے، اور پھر، یہیں، ایک معمولی شخص، لیکن ایک غدار، خطاکار، اور دشمن سرکار کی حیثیت سے فرنگیوں کے ایوان عدالت سے سزا یاب ہوئے،

زمیں چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

بہادر شاہ کی داستان کے ساتھ، ممکن نہیں کہ لال قلعہ کی داستان نہ چھیڑی جائے، اس کی شکست و ریخت کا افسانہ، تو اپنے موقع پر کسی دوسرے باب میں آپ ملاحظہ کریں گے، اس صحبت میں صرف قلعہ کا دور سے ایک نظارہ کیجیے پھر قلعہ کے اندر داخل ہو کر، ذرا اس کی چہل پل، رونق، گہما گہمی، اور زندگی پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجیے :-

**قلعہ کیوں بنا؟** شاہجہان کی تخت نشینی کا جلوس بھی بڑی دھوم دھام سے اس کے جد امجد کے محل آگرہ میں ہوا، گیارہ برس کے بعد جب جاہ و جہم کے عروج کے لیے آگرہ اور لاہور کے قلعہ میں گنجائش نہ رہی تو شاہجہان نے یہ جگہ جہاں کہ اب لال قلعہ ہے، قلعہ کی تعمیر کے لیے منتخب کی، اور پھر قلعہ کے اطراف شاہجہان آباد کی بنا ڈالی، جس کو دہلی کہا جاتا ہے اور ایسا قلعہ بنوانا شروع کیا، جو آگرہ کے قلعہ سے دو چنڈ اور لاہور کے قلعہ سے چنڈ و چنڈ زیادہ ہو، حکومت خاں نے ۹ سال کی لگاتار محنت سے سترہ جلوس شاہجہانی میں تعمیر کا کام حسن اختتام کو پہنچایا، کل قلعہ کا نقشہ دیکھو تو کاغذ پر ایک ہشت پہلو پھول نظر آتا ہے،

**برنیر کے معلومات** برنیر سیاح نے جو اورنگ زیب کے زمانہ میں اس ملک میں آیا تھا اس قلعہ کے متعلق ۱۶۶۳ء میں لکھا ہے :-

قلعہ کی عمارت مدور، بلکہ نصف دائرے کی شکل کی ہیں قلعہ پر سے دریا کا منظر



محبوب ہے، قلعہ اور سیل کے بیچ میں ایک بڑا ریتلا میدان شامل ہے، اس میدان میں ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنا ہے، امیروں، جاگیرداروں، راجاؤں، اور عیسویوں کی قلعہ بغرض ملاحظہ خداوندی ہمیں صفا دانا ہوتی ہیں اور بادشاہ سلامت فتمین میں برآمد ہو کر قلعہ کا شرف بخشے ہیں!“

”قلعہ کی فصیل بلند سی اور استو کام میں شہر کی فصیل سے کہیں زیادہ ہے، قلعہ کی طرف چھوڑ کر سب طرف سنگین خندق ہے جس میں پانی بھرا ہوتا ہے اور مچھلیاں خوش فعلیں کرتی رہتی ہیں، خندق سے ملے ہوئے بڑے بڑے باغات ہیں جن میں انواع و اقسام کے ہرے بھرے درخت ہیں اور رنگ برنگ کے پھول ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جن کی بہار و باغ کی تازگی اور دل کے سرور کے علاوہ ایک ایسا خوشنما اور دلچسپ نظارہ ہے کہ جس نے یہ سماں دیکھا ہو وہی اس کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے“

قلعہ کے شمال رخ فصیل کی جانب کا سارا میدان عمارتوں سے پٹا پڑا تھا، جن میں کارخانے (ورک شاپ) تھے، جن کی نسبت برنیر نے اپنے ایک دوست مائٹروڈی لاموینی لی ویر کو لکھا تھا:

قلعہ میں اکثر جگہ جو بڑی بڑی عمارتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب کارخانہ جات ہیں، جو کاریگروں، اور اہل حرفہ کی دکانیں ہیں ایک مال میں نہ دوں اور کارچوب ہر وقت اپنے کام میں گتھے رہتے ہیں، ان پر ایک دروغہ مسلط ہے، ایک دوسری جگہ سناہیں جو زلیوہ گھڑا کرتے ہیں، تیسرے قطعہ میں نقاش، چوتھے میں رنگ ساز، پانچویں میں لوہار، بڑھٹی، خرا دی، درزی، موچی وغیرہ وغیرہ، چھٹے میں زلفیت، کھواب، ریشمیں پارچہ جات، اور ایک محل بننے والے، ہر اقسام کے پارچہ جات، جو گڑیاں، سیلے، ٹیکے، دوپٹے، اور ہر طرح کے پھول دار زنانے لباس کے لائق کپڑے بناتے ہیں، جن میں سے بعض بعض ایسے باریک اور نفیس اور نازک ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ کے پہننے ہی میں ملک



جاتے ہیں، کام دالے لوگ اپنے اپنے کارخانوں میں صبح گھروم اپنے کام سے اُن لگتے  
ہیں اور سارے دن کام پر لگے رہتے ہیں، اور شام کے قریب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے  
ہیں!

**محلات شاہی اور امراء کی دیورھیاں** | دیوان عام کے جنوب میں، محلات شاہی، اور امراء  
کے محلات کا سلسلہ تھا، جو قلعہ کی جنوبی فصیل پر  
جا کر مہتی ہوتا تھا، بنیر لکھتا ہے :-

”ان دو شوارع کے سوا قلعہ میں دائیں بائیں اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رستے ہیں جو امراء و کباب  
کے مکانوں کو جاتے ہیں ان امراء کی باری ہفتہ وار آتی ہے ان امراء کے مکانات بجا خود شاندار محلات  
ہیں اور ہر امیر اسی ادھیر بن میں لگا رہتا ہے کہ اس کے مکان کی شان و شوکت اور آرائشی  
اپنے ہم پلہ امراء سے کسی طرح گری ہوئی نہ ہے، یہ مکانات عموماً وسیع اور مرتفع ہیں  
جن میں کشادہ اور بڑے بڑے کمرے، دالان، اور خانہ باغ ہیں، باغوں میں حوض ہیں اور  
چوٹ پانی کی نالیاں دوڑ رہی ہیں، حوض میں فوارے چھوڑ رہے ہیں، شاہی محلات میں  
علیحدہ علیحدہ نہایت خوبصورت سبے سجائے کمرے ہیں، جو بہت وسیع اور شاندار،  
ہر ایک سلیم کے مرتبہ و اعزاز و تمولی کے نمایاں ہیں، ہر کمرے کے سامنے حوض اور آب  
نواں ہے، اور ہر طرف خانہ باغ، دلکش چمن، اور روشیں، سایہ دار درختوں کے جھنڈے  
جھنڈے، پانی کی نالیاں، فوارے، حجرے، تہ خانے جن میں تمازت آفتاب سے پناہ  
ملتی ہے، اونچے اونچے کمرے اور برآمدے، جن میں رات کو ٹھنڈک اور آرام ملتا ہے  
ان دلکش محلات کی چار دیواری کے اندر گرمی کی تکلیف بالکل نہیں محسوس ہوتی۔“

**قلعہ پر کیا لاکت آئی؟** | شاہجہان نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ھ  
۱۶۳۸ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا اور بارہویں ذی الحجہ  
کو قلعہ بننا شروع ہوا استاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں کیتا تھے اس کی تعمیر کے لیے مقرر ہوئے!

پہلے عزت خان کو اس کا اہتمام ملا اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور مصالحہ جمع ہوا اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی ہوئی۔ پھر الہ وردی خاں کو یہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینہ گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار ۱۲-۱۳ گز اونچی ہو گئی! پھر مکرمت خاں کے ذمہ ہوا اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہو گیا اور چوبیس ربیع الاول ۱۰۸۵ھ ہجری مطابق ۱۶۶۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اس میں پہلا جلوس کیا، یہ بہشت پہل بنا ہے اور اس کا طول ایک ہزار اور عرض چھ سو گز کا ہے جس کی کل زمین چھ لاکھ گز ہوئی اور اس حساب سے یہ اکبر آباد کے قلعہ سے دو گنا ہے اس کی فصیل ۳۵ گز اونچی ہے اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے! دیوار کا آثار بنیاد سے ۵ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے اس کی خندق ۲۴ گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے جس کا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے، اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا اور کتاب مرات آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس لاکھ اس کے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا (۱)۔

**بادشاہ کی شان** | قلعہ جس میں شاہی مجلس اور بادشاہی مکانات ہیں اور جن کا ذکر میں آئندہ کرونگا قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے اور سامنے دریا جتا بہتا ہے اور قلعہ کی دیوار

اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جس میں ہاتھیوں کی لڑائی دکھائی جاتی ہے اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کی جاتی ہیں جن کو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے۔ (۲)۔

**قلعہ کی آن بان** | قلعہ کی دیوار اپنی پانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پنہا کے مشابہ ہے لیکن چونکہ یہ کچھ اینٹ کی اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے

(۱) آثار الصنادید (سرید احمد خاں)

(۲) وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر ۱۹۲۰ء، مطبوعہ ۱۸۸۶ء ص ۲۵۴

مشابہ ہے اس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلاں میں بھی زیادہ ہے شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توہیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریائے کے جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عسقی خندق بنی ہوئی ہے جس کی روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں اور پانی سے بھری رہتی ہے جس میں کثرت سے پھلیاں ہیں! اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ بھرا رہتا ہے اور قلعہ کی عظیم الشان اور سرخ رنگ کی فصیل ایک ایک بادشاہی چوک ہے جس کے ایک طرف تو قلعہ کا اندازہ ہے اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آں کر ختم ہوئے ہیں جو ملازم راجہ حب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں ان کے خیمے اس چوک و میدان میں لگائے جلتے ہیں کیونکہ یہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اس لیے قلعہ کے اندر پرہ امر اور منصب داروں کا ہوتا ہے (۱) عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل خانہ کہتے ہیں یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے اور یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت اور وسیع اور دغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے شہ نشین کی طرح چار یا پانچ فرانسسی

(۱) دقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیرج د ۲۷۲

(۲) بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ شہزاد اکبر کے زمانہ میں قلعہ آگرہ میں مجلس اور دیوان خانہ کے مابین ایک مکان تھا جس میں بادشاہ غسل کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور وزیر اور بخشی بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے شاہجہان کے زمانے میں جوئی عمر میں بنائی گئیں تو اگرچہ بادشاہ نے اس مکان کا نام جہان سلطنت کے نہایت مخفی اور اہم معاملات امر اور وزراء کے مشورہ سے طے کیے جاتے تھے دولت خانہ خاص رکھا لیکن لوگ اس کو بھی غسل خانہ ہی کہتے رہے اور اس لیے اگر بادشاہ سفر میں کبھی ہوتا تو حمام شاہی میں سے ایک خیمہ غلخانہ کے نام سے نامزد رہتا تھا اس میں دربار خاص ہوتا تھا اور وہ غسل کے کام سے کچھ علاوہ نہ کرتا،



فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کر غذا سے جو ادھر ادھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں  
اُترا اور صوبہ داروں کی عزائض منتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے اور جس طرح صبح کو  
عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونے کے باعث اُمر اپر جرمانہ کیا جاتا ہے یہاں شام کو حاضر نہ  
ہونے پر سزا ملتی ہے۔ (۱)

**شاہی مجلس** | اب میں نہایت خوشی سے آپ کو بادشاہی محل سزا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ  
قلعہ کی اور عمارات کی کرائی لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی  
ناممکن ہے کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونے کے وقت اگرچہ مجھے کسی دفعہ وہاں جانے کا  
موقع ملا اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بگیم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض  
کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازے تک نہیں لائی جاسکتی بہت دور تک اندر جانے کا  
اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اسی طور سے اڑھادی گئی تھی کہ ایک لمبے سکارف  
(اڑھنی) کی طرح پاؤں تک ٹنکتی تھی اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اسی طرح لے گیا تھا  
جیسے کسی اندھے کو لے جایا جاتا ہے! اس لیے آپ کو صرف اسی پر قناعت کرنی چاہیے جو بعض خواجہ  
سراؤں سے سن کر میں نے لکھا ہے ان کا بیان ہے کہ مجلس میں بگیمات کے مدارج اور حیثیت  
اور ان کی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے  
ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار آرام گاہیں  
اور نہراں و فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عیسق تہ مانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیے  
اونچے اونچے چوڑے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ  
گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ  
تعریف کرتے ہیں جس میں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑھے ہوئے ہیں اور



لاجوردی کام کیا ہوا ہے اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے

ہیں۔ (۱) (۲)

**داد گستر بادشاہ** | دائیں بائیں شہزادے ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا مور پھل ہلاتے یا بڑے بڑے  
چنگھے بھلتے یا ادائے خدمت کے لیے دست بستہ گردنیں جھکائے ہوئے بڑے

ادب سے کھڑے رہتے ہیں، تخت کے نیچے چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جس میں تمام امرا اور راجہ اور  
غیر ملکیوں کے سفیر آسمیں بیٹھی کیے ہوئے اور ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہتے ہیں اور تخت سے کسی قدر  
فاصلہ پر اسی طرح منصب دار یعنی چھوٹے چھوٹے امرا حسب مراتب ایستادہ رہتے ہیں اور ان سے جو  
جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگ اعلیٰ اور ادنیٰ سے بہرا رہتا ہے، کیونکہ یہی مقام  
ہے جہاں رعایا کا ہر شخص اپنے عرس حال کے لیے باریاب ہو سکتا ہے اور کسی شخص کے آنے کی  
مانعت نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کو عام و عام کہتے ہیں، کامل ڈیڑھ دو گھنٹہ تک لوگوں کا مجروح  
سلام ہوتا رہتا ہے۔ اس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ میں  
آتی ہیں اور بادشاہ بذات خاص مستغیثوں سے دریافت حال کرتا ہے اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کو فوراً داد  
دیتا ہے اور ہفتہ میں ایک دن غلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غریب کی عرضیاں سنتا ہے جو مستغیثوں  
میں سے پہلے جلتے ہیں، اور جن کے پیش کرنے کا کام ایک نیک دولت مند اور بوڑھے شخص کے سپرد ہے

۱۱۔ آثار الصادقہ میں اس بروہ کا نام برج طلا یا ثمن برج لکھا ہے اور سر سے پاؤں تک سنگ مرمر

کا بتایا ہے جس میں سونے کا کام اور پیرچین سازی اور منبت کاری کی جوئی ہے جو کھن سمیت باہر سے بھی  
سری ہے اور پشت پہلو ہونے کے باعث ثمن برج کہلاتا ہے تین ضلع اس کی خوابگاہ کی شارت کی طرف  
ہیں اور پانچ دریائی جانب اور پانچویں میں سنگ مرمر کی جالیوں کی جوئی ہیں اور ایک لکھن بطور برآمدے کے  
دیا کے رخ بنا ہوا ہے۔

(۲) وقائع سیہ و سیاحت ڈاکٹر برنہ جلد ۲ ص ۱۲۵

اور ایک دن عدل و انصاف کے کمرے میں جس کو عدالت خانہ کہتے ہیں، دو بڑے وزیروں کے ساتھ بیٹھ کر داد و سی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ (۱)

بادشاہ قطب صاحب میں | ابو نصر معین الدین اکبرؒ ثانی جب بیٹے کی منت پوری کرنے بھول

برکھارت، ساون کا مہینہ بادشاہی خیمہ محلی بانا آتی اطلسی بسز سرخ زرد لیشمی کلابتونی سوتی طنبون سے جکڑے کھڑے تھے ان کی سنہری کلس اور شمسی سورج میں چمک رہے تھے اور نیلا آسمان نیچے زمین پر بسزہ کا فرش اور خیموں کا سلسلہ اور جابجا پانی میں ان کا عکس طلسمات کا عالم پیدا کر رہا تھا بادشاہی خیمہ سے لیکر حضرت قطب صاحب بندہ نواز کی درگاہ تک جہاں مستورات جاسکتی ہیں دو دروہ قنات کھڑی تھی، کیونکہ ملکہ ددران مرزا جہانگیر کو لیکر منت ادا کرنے کے لیے دربار میں حاضر ہوئی تیارمی تو صبح سے ہو رہی تھی مگر دن کے تین بجے حضرت ظل سبحانی نے کہا پنکھا چڑھانے کا وقت آگیا پس ملکہ ددران نے پچاس خوان اندر سے گولیوں اور پھینیوں کے آراستہ کیے ایک چاندی کی کشتی میں سونے کا پنکھا جس میں پتا، پکھراج، نلیم، یا قوت اور سچے موتی جڑے تھے جس کی بالشت بھرنی چھال کو بگیم نے جوہی کی کلیوں سے خود گوندھا تھا مرزا جہانگیر کو دو ٹھا بنا کر سہرا پھولیوں کا بدھی طرہ عطریں بسا کر اس کے سر پر بندھوا کر وہ کشتی صاحب عالم کے سر پر بسیم اللہ کہہ کر بگیم نے رکھی اور بادشاہ زادے کی بلا میں لے کر کہا، جان من منت کی کشتی منجھال کر اور سراوب و نیاز سے جھکا کر درگاہ کو چلو آؤ۔ غلاف شریف کی سینی بادشاہ نے اپنے سر پر اور مندل اور عطر دان ملکہ نے اپنے سر پر اور مٹھائی کے خوان شہزادوں نے اپنے سروں پر رکھ کر سب نے بل جل کر آستانہ پاک کی راہ لی، بگیمیں، شہزادیاں تلوان جڑے پہنے تھیں گو کھرو کے جال سلمہ ستارہ کلابتوں کے تناسی زری بونٹی، زربفت کنخواب زری، چھ اطلس دلدائی بابر نیٹ بنارس گجرات سوت احمد آباد شریف لاہور کے شاہی

(۱) چراغ دہلی، (مرزا حیرت دہلوی) ص ۳۲۸

(۲) بابر شاہ کے والد

کارخانوں کی ریشمی اور زرین کپڑوں کے لباس پہن کر راستہ ہو رہی تھیں لاکھوں روپیہ کا جڑاؤ گناہات میں تھا پور پور ناول کی ہندی رچی ہوئی تھی ڈھیلے پانچوں کو دو ٹونڈیاں اٹھائے چلتیں دو دو باندیاں پیچھے دوپٹے کو سنبھالے چلتی تھیں آگے آگے روشن چوکی اور لغیری بجانے والی سب عورتیں تھیں بگیوں کے جھانچن چوڑیوں اور بازیب کے جھنکار سے دل کانپتے تھے، قنات و قنات یہ سب لوگ درگاہ شریف پہنچے بجے گئے سب آستانہ کے باہر تھما دیئے ملک جہاں اور سب عورتیں فرخ سیر والی جالیوں تک جا کر رک گئیں اگرچہ سارا درگاہ کا زمانہ ہو رہا تھا، عورتوں کے لیے ہمیشہ سے یہی عداوب ہے بادشاہ اور مرزا صاحب اور سب مرد مرزا شریف پر تشریف لے گئے پہلے غلاف و صندل چڑھایا اور اوپر سے عطر لگایا پنج آیت پڑھی شیرینی تقسیم ہوئی نقد نذرانہ عجربی میں بھر دیا گیا بادشاہ زادہ کو قدم بوس کرایا اور سب عاجی دعا کر کے قنات کے اندر پٹ کر سراپردہ شاہی میں داخل ہو لیے رات کے کھانے کے بعد محل سرا میں ناچ گانا ہونے لگا محن میں عم کرے تھے نو عمر بادشاہ زادیاں جھولے میں میٹھیں اور گائیں انھیں جھلانے اور غزل گانے لگیں،

**تورہ بندی** | پھول والوں کی سیر سے فارغ ہو کر بادشاہ شاہجہان آباد میں تشریف لائے اور جشن کا حکم دیا اور فرمایا جشن سے پندرہ دن پہلے تورہ بندی کی جائے یہ رسم دلی سے رٹانی

اور نئی تانتی نے تورہ کا نام بھی کم سنا ہے اس لیے فقیر فراق تورہ کے معنی میں کرنا ہے تورہ ترکی زبان میں آئیں یا قانون کو کہتے ہیں اس واسطے دہلی میں محارہ بنا شروع تورہ یعنی شریعت اور قانون دونوں ایک بات مگر عورتیں اپنی بولی چال میں طنز کے طور پر تورہ غرور اور غصے کے معنی میں استعمال کرتی ہیں اس شد اللہ سے عورت تیرا تورہ بوا یہ اپنا تورہ کسی اور کو دکھانا "تورہ بی" دوسرے ترکی زبان میں تورہ کے معنی کھانے کے خواں ہیں اور توران میں اس کھانے کے خواں کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ سے کچھ دن پہلے بطور تحفے بھجے کے بھالی بندوں عزیز اور دوستوں کے گھر بھجوائے جاتے ہیں مغل بادشاہ ہندوستان میں فرمانبرد ہوئے تران کے ساتھ تورہ چنگیزی بھی آیا بیاہ شادی سے دو ہفتہ پہلے تورہ بنائے نام بنام ناک عین تقریب میں بلڑنے ہوا اور عزیزوں کو شکایت کا موقع نہ ملے کہ ہم بھوکے رہے یا دسترخوان پر نہ بٹھایا یا ہم دسترخوان پر بیٹھے تو تھے مگر فلاں کھانا فلاں شے ہمارے آگے نہ تھی ہماری توہین کی گئی



اس بے تورہ کے کھانوں کی ذہنت لکھ کر کتبہ خاندان میں بھیج دی جاتی تھی اس کے مطابق لینے والے تورہ  
 لے لیں ایک گھر کے دس تورہ ہیں تورہ دسوں تورہ ایک دن میں لے سکتے ہیں اور دل چاہے تو دس دن میں  
 لیں پھر تورہ کی قیمت بھی تشخیص کر دی جاتی تھی چاہے لینے والے نقد لے لیں ایک منشی معہ دوات قلم اور  
 پانچ خادموں کے تورہ کے ساتھ ہولیتا ایک تھیلی روپیہ کی ان کے ہمراہ ہوتی اس کے ذمے پچاس  
 تورہ ایک دن میں تقسیم کے لیے ہوتے رسیدے کر تورہ دے دیتا تھا جو نقد لینا چاہے اسے نقد دے  
 دیتا تھا ہر تورہ ایک کمار کی ہگی میں ہوتا تھا تورہ جو ادنیٰ قسم کا ہوتا اس کی قیمت پانچ روپیہ ہوتی تھی تورہ کا  
 کھانا مٹی کے لاکھی برتنوں میں عموماً ہوتا تھا تورہ کے کھانوں کی تفصیل یہ ہے۔ ایک لکڑی کے رنگین خوان  
 میں سب سے نیچے:-

- ۱۔ باقر خانیان دو عدد ڈھائی سیر بختہ کی
- ۲۔ دو پیالے تورہ ہر پیالے میں کم سے کم آدھ سیر قوہ
- ۳۔ کباب شامی ۵ عدد
- ۴۔ بریانی دو طباق
- ۵۔ مقلنجن دو طباق
- ۶۔ فرنی دو پیالہ ہر پیالہ میں آدھ سیر
- ۷۔ مربہ آم وغیرہ ایک پیالی
- ۸۔ اچار کئی قسم کا ایک پیالی
- ۹۔ دہی ایک پیالہ آدھ سیر
- ۱۰۔ گھاؤ زبان دو عدد
- ۱۱۔ گھاؤ دیدہ دو عدد
- ۱۲۔ نان تنویر یعنی ابلی بدلی دو سیر کی چار عدد

یہ سب کھانے ماندوں سے ڈھکے ہوتے تھے ماندہ اس باریک اور روغنی چپاتی کا نام ہے جو



شب برات میں کہتی ہے ایک مثل بھی مانڈہ کے متعلق مشہور ہے "مردہ دوزخ میں جائے چاہے جنت میں انھیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔"

یہ معمولی تورہ ہے ورنہ بادشاہوں کے تورے ہزاروں نعمتوں کے سونے چاندی اور چینی کے برتنوں میں بھی ہوتے تھے،

اس رسم کو بادشاہوں سے دلی والوں نے بھی سیکھ لیا تھا اور شہر میں بھی تورہ بندی ہوتی تھی مگر غفر ۱۸۵۷ء کے کچھ دن بعد سے موقوف ہے آپ تو ٹی پارٹی کی گرام گرمی ہے (۱)۔

**شاہی حمام** | جن صاحبوں نے دہلی کا قلعہ نہیں دیکھا ہے وہ شاید نہ سمجھ سکیں کہ یہ حمام کیا ہے؟ ایک عالیشان عمارت ہے اور اس کے دو درجہ ہیں ایک گرم دوسرا سرد، عمارت کا جو حصہ موتی مسجد کی جانب ہے وہ گرم ہے، اور جو جہنا کے رخ پر ہے وہ سرد ہے، برتی کے رخ پر وہ ڈال کر خس خانہ بنالیا جاتا ہے، اندر نہر بہتی ہے بیچ میں کئی بڑے بڑے حوض ہیں ان میں فرائے چلتے ہیں۔ حمام کیلے؟ ایک بہشت کا ٹکڑا ہے۔ (۲)۔

**قلعہ کا باغ، زمانہ محفل، میلہ کی دہوم** | اب قلعہ کی اندرونی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں، لکھنے والا بابر شاہ کا درباری، لال قلعہ کا مستقل لیکن، قلعہ معلیٰ کی اردوئے معنی کا لہجہ ہے، اس بیان میں جہاں قلعہ کی زندگی جھلکتی ہے وہاں قلعہ کی خاص زبان کے خاص الفاظ اور خاص محاورات کا لطف بھی ایک عجیب کیف کا عالم طاری کر دیتا ہے۔

بادشاہ کے موتی محل کے آگے ایک بہت بڑا باغ حیات بخش اس کا نام ہے بیچوں بیچ میں ساٹھ گز سے باٹھ گز جو کور حوض ہے حوض میں جل جل ہے شمال اور جنوب کو آٹھ سائے سادوں بھادوں سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کے ہیں ان کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے حوض ہیں حوض میں پانی کی چادیں گرتی

(۱) لال قلعہ کی ایک جھلک (آمنہ نیر فراق) ص ۱۱۷

(۲) دلی کی آخری شمع ص ۲۲

ہیں، چاروں طرف لال پتھر کی بڑی بڑی چارنہریں ہیں ان میں پانی جاری ہے نہروں کے گود لال پتھر کی گلیوں کی کیریاں کیرلیوں میں گیندا، محل ہندی، گل نونگ، شہر بنو، گل طرہ، سورج مکھی وغیرہ کھل رہا ہے موتیا چنبیلی، جوئی، رائے بیل، گلاب سیوتی، بد مالتی مولسری کے بھولوں سے سارا باغ ہلک پہاڑ ہے بیل چمک رہی ہے سبزہ لہک رہا ہے دیکھو آم، شہد کوزہ بتاشہ، بادشاہ پند محمد شاہی لڈو وغیرہ اور امار، امرود، جامن، رنگترہ نارنگی، چکوتڑہ، کھٹا، نیبو، انجیر، شہتوت، بدانہ، فالسہ کھرتی، آرڈو، شفتالو، آلوچہ، سیب، انگور، ناشپاتی، کمرک بیری، کٹھل، بڑھل، پاکھل، ککروندہ وغیرہ کے درخت پھل پھولوں میں لہے ہوئے جھوم رہے ہیں سینہ کا تھمکا لگ رہا ہے، موٹھنکار رہے ہیں میہا، پیہو پیہو کہہ رہا ہے کوئل کوک رہی ہے، اسے لودہ باغ کا زمانہ ہوا اور حکم ہوئے پاؤں تک سب لال جوڑے پہن کر آئیں، دیکھو سب نے لال جوڑے رنگوائے مارا مار کر کے ان پر مصلح ٹکوائے باغ میں خیمے کھڑے ہوئے حوض کے گرد لکڑیوں کی پاڑیں بندھی اوپر فرش ہوا ایک طرف بادشاہ کی جہاں نما کھڑی ہوئی حوض میں نوار سے چھوٹے دوکانیں لگیں، مالٹیں پیوڑ میں اور ترکاری میوے گوڑہ کناری کپڑے والیاں وہی بڑے اور پوڑیاں پھلکیاں تل رہی ہیں کباب بنیں کباب لگا رہی ہیں، وہی بڑے والیاں وہی بڑے پیچتی پھرتی ہیں بساطی اور سادہ کاروں کے لڑکے طرح طرح کا اسباب اور انگوٹھیاں پھلے لیے بیٹھے ہیں حلوائیوں کے چھوکرے پودیاں کچوریاں، مٹھائیاں بیچ رہے ہیں، اہا ہا! ذرا بچیرا پلیٹوں کو دیکھو کیا چھوٹے چھوٹے لڑکے تلنگوں کی سی وردیاں پہنے صندوق تو سدان لگائے قطار باندھے برابر قدم سے قدم ملائے چلتے آتے ہیں ایلودہ ٹسکناسی تو ہیں نئے نئے گولنداز نیلی وردیاں پہنے تو ہیں کھینچے لیے چلتے آتے ہیں جابجا بچیرا پلیٹوں کے پرے لگ گئے تو ہیں الگ الگ جانے کھڑی ہو گئیں لوبانغ کی تیاری ہو چکی اب بگیا میں اور شہزادیاں آنی شروع ہوئیں لال لال لال جو چہاتے جوڑے جھم جھماتے پہنے ہوئے سونے میں پیلی موتیوں میں سفید گھم گھم کرتی چلی آتی ہیں ساتھ ساتھ اتنا مغلانیاں دوا،

(۱) چھوٹی کشتیاں، ڈونگے



چھوچھو، میا نوکریں، چاکریں لونڈیاں باندیاں، ہاتھوں چھاؤں اللہ لبیم اللہ کرتی صدقے گئی داری  
گئی بیچ بیچ میں چلو، سفید پلوراٹھ لو اس جھتے میں چوٹی والا رہتا ہے اور اسی کا بھی ڈبے دور پار  
شیطان کے کان ہیرے کسی کا کہیں سایہ نہ ہو جائے تو یہ توڑتھا چوڑا کورے استرے سے منڈ جلتے جو  
کسی نے بناؤ کوٹو کا تو قہرا گیا۔ انا مانی۔ دوا بیچے جھاڑ کے اس کے پیچھے چمٹ گئیں حف تمہاری نظر  
تمہارے دیدن میں رائی نوں دیکھو تمہاری اڑی میں گولگا ہوا ہے اچھی دیکھو اس کلبھی نے ایسا ہونسا  
مجھے تو آج اپنی بچی کا پنڈا کچھ پھیکا پھیکا دکھائی دیتا ہے نہ اس کھیری کے پاؤں تلے کی مٹی چھلے  
میں جلائیو دیکھو اب باغ میں چاروں طرف گانا بجانا ہو رہا ہے اور آپس میں بھولیاں مل کر ادر  
ٹڈ دلوں میں جھوم رہی ہیں۔ ایک ایک پر بولیاں ٹھٹھولیاں مار رہی ہیں آج تو اس لال جوڑے پر  
چوٹ پر چوٹ بوا تم نے تو سنہری جوڑے کو کالی گٹ لگا کر کلبھی پھیرا کر دیا۔ اہ اچھی یہ برا معلوم ہوتا  
ہے خاک تمہاری ارواح اچھی تمہیں کیا نہیں سوچھا دشمنوں کے دیدے پٹم ہو گئے ایلو ماٹ کی انگلیا  
مونچ کا بخیہ دو گور تمہاری صورت یہ برا صدف کلا پیٹ اس پر یہ بھاری مصالحو،

ابا ہا! کوڑے کی چونچ میں انار کی کلی اس کلموئی شکل پر یہ لال جوڑا کیا کھلتا ہے بی تمہاری وہی  
کماوت ہے کہ آٹو اڑیں لڑے ہماری بلا بلا لے جائے، ذرا سی بات تم سے پوچھی تھی تم تو جھاڑ کا کاٹا  
ہو گئیں دیکھنا سر ڈولی پاؤں کسار میں بیوی نو بہار، اچھی میں کہتی ہوں تمہارا کیوں بڑا گیا ہے آدمی کدھر  
اڑ گئے جو اکیلی پائے پھڑکاتی پھرتی ہوا ہو ہو اچھی تمہیں ہماری جان کی قسم ہمارا علوا کھائے ہمیں کوہے  
بے کر کے بیٹھے جو اس بڑھیل کی دہج کو نہ دیکھے سر گلانا بولا سینگ کٹا بچڑوں میں ملیں، منہ میں دانت  
نہ پیٹ میں آنت۔ لال جوڑا ٹسکائے کیا کھتے سے بیٹھی ہیں ایلو! یہ اور قہر توڑا کہ پوپے منہ میں  
مستی کی دہری اور سوکھے ہاتھوں میں مندی بھی لگی ہوئی ہے اچھی یہ لال کپڑے تو خیر بادشاہ کا  
عکم ہے مگر کمبخت یہ مندی اور مستی کی دہری جبار کیا ان کی سرتی نہ کھتی، دیکھو لونڈیوں پر غصہ ہو رہا  
ہے اری گل بہار، نو بہار، چنپا، چنبیلی، گل چین، زگس، مان کنور، اند کنور، چنبیل کنور، مبارک قدم  
نیک قدم کدھر رکیں ایلو! وہ باغ میں کدڑے لگاتی پھرتی ہیں سنگڈے مارتی پھرتی ہیں، بھلا ری

علامہ دہر، قطامہ، چریل، مالزادی قحبہ پچی، سرمنڈی، ناک کاٹی ایسی شرابے ہزار گھنٹیں الیاد سے  
 کاڈر کل گیا سب کو زار میں ڈال کر بہن لیا، کام کاج پر دیدہ ہی تیں لگتا ایک جا پاؤں ہی نہیں  
 لگتا، جلتے پاؤں بتی کی طرح بجلی ہی نہیں ٹپکتیں، سارے باغ کے جالے لیتی پھرتی ہیں میں لمو  
 کے گھونٹ بیٹھی گھونٹ رہی ہوں کیسے تنگلے کے سے بل نکالتی ہوں، بوا تم بھی کیا نین تنی  
 ہوندا اسی بات پر لٹوے بہاتی ہو ایسی کیا انوکھی اچرج جان آدم نعت کی ماں کا کلیجہ چیل کاموت  
 غصا چیز تھی جو تم ایسی بلک گئیں، چھوٹی بہن تھی اگر اس نے لے لیا تو کیا ہوا اڈ میں تمہیں شکا دوں  
 ابھی دیکھتی ہو اس فتنی کو کیا شیطان چڑھا ہے کیسے دہیے مجا رکھے ہیں اپنا لمو پانی ایک کیے ڈالتی  
 ہے کسی عنوان نہیں سہتی ارے کا کا! ارے فلاں جائیو بوی کے لیے یہ چیز لائیو، بیگم صاحبہ میں  
 ابھی دیکھ کر آیا ہوں کسی دوکان پر نہیں ہے ایسا کیا بازار میں اوڑا پڑ گیا یہ حرامی لگا، مادر بختا، کام چور لوالہ  
 حاضر ہیں سے بیٹھا بھگی بتی بتا رہا ہے ٹالم ٹسے کرتا ہے ارسی یا قوت ارسی مرد تو جا کر جہاں سے  
 لے ابھی ڈھونڈ کے لے کر آ،

ایلو یہ مو غارتی کہیں سے یہ موٹے موٹے چھنگڑ موٹے لچکوند رے اپنے ننگلے اور ٹھوسے  
 کو اٹھا لایا، یہ تم ہی بیٹھ کر تھورو، کھانے کو لسم اللہ کام کو نعوذ باللہ یہ ہمارے نک کا اثر ہے ان کی کیا  
 خطا ہے؟ چلو اب تو نہ رد ٹھو اڈ من جاڈ غصے کو تھوک دو بہت چو چلے نہ بگھارو، آپس میں پیرا کھیری  
 کٹم کٹا نہیں کرتے ایک توے کی ردی کیا چھوٹی کیا موٹی، مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں تم کیا جنت میں  
 لے جاڈ گے وہ کیا مجھے دوزخ دکھائے گی چلو نین تنی نہ بنو۔ جوتی کی نوک سے تم رد ٹھے ہم چھوٹے  
 ایلو وہ چھوٹی بہن کیا کہہ رہی ہے ہم بھی جلے کو جلائیں گے نون مرچیں لگائیں گے،

قواب دو گھڑی دن باقی رہا حضور کی آمد آمد کی خبر موٹی وہ جو لہنی نے آواز دی خبردار ہو سواری  
 آئی دیکھو بادشاہ کی بھی لال پوشاک ہے لال ہی رنگے ہوئے ہما کے پردوں کے مور چیل ہیں کچیرہ  
 پٹمنوں نے سلامی آمار دی چھوٹی چھوٹی توپیں دغنے لگیں سب حوض پر آ بیٹھیں، بادشاہ اپنی جہاں نماں  
 ہیں سرود کھڑے ہو گئے سب نے آداب مجرا کیا دیکھو حوض کے گرد گویا گل لالہ کھل گیا، ایلو وہ باغ



لوٹنے کا حکم ہوا۔

الہاما! دیکھنا کیسی بے تحاشہ کرتی پڑتی تو مجھ پر میں تجھ پر دوڑیں کوئی چھٹ میں آکر گر پڑی دیکھو! اتنا  
دعا کیسی پھیڑا بلاتی بلاتی دوڑیں جھٹ جھاڑ پونچھ کے اٹھالیا ایک ٹوٹا پانی کا اُس جیسے چھڑک دیا لاکھوں  
فضیحتے کھڑی کر رہی ہیں، ایسی خبرست ہو گئیں، آنکھوں پر چربی چھا گئی ہے یہ کیا الٹا زمانہ آگیا، میرے چوٹ  
دوٹ کہیں نہیں لگی تم ناحق اتنے پھیڑا لائے مچاتی ہو کھیل میں شاہ دگدا برابر ہے دیکھو! درختوں کو بلا کی  
صرع جا کر لپٹ گئیں پھل پھول پتوں تک نوچ کھسٹ ڈالے، بیویاں جھولی پھیلائے نیچے کھڑی ہیں  
لوٹدیاں باندیاں اوپر سے توڑ توڑ کر ان کی گودی میں ڈالتی جاتی ہیں کوئی کہتی ہے اچھی میری دردانہ دل  
تھا مجھے وہ رنگترہ توڑ دے کوئی کہتی ہے اچھی میری اچھل تو مجھے وہ بڑا سا کھٹا توڑ دے میں تجھے اکر پوس  
دوں گی اے لوائیک جو امیں انھیں کچھ نہ ملا تو وہ کسی کی گودی کسی کے ہاتھ میں سے اُچک لے گئیں یہ منہ تکتی  
کی تکتی رہ گئیں بولی چوروں پر مور پڑے اپنے کچھ ہاتھ نہ آیا تو بخت امارنے کو اوروں کو لوٹ لیا اب یہ سر  
خود چوڑا ایساں جو نڈا سب میں میٹھ کر شینیاں گھاریں گی ہم بھی لوٹ لائے میں بھی کوس کوس کے ڈھیر کرونگی،  
واب شام ہوئے دنوں وقت ملتے ہیں جھٹ پٹا ہو گیا بس چلو صاحبو چاند نے کھیت کیا چاندنی  
چھٹکی چاند کی بہار ہوئے۔ دیکھو اب توفان اندھنہ کی پٹریوں پر بیٹھی چاندنی منارہی ہیں نواہ دن میں مٹی جی حوض  
میں تیر رہی ہیں سفید سفید پھولوں کے کنٹھے گلے میں کانوں میں پھولوں کی بالیاں لال لال کپڑوں  
پر عجیب بہار دکھا رہی ہیں کہیں ڈھولکی بج رہی ہے گانا ہو رہا ہے، کہیں پچھلی، قصبے کمانیاں پہلیاں  
کہہ کر نیاں ہو رہی ہیں، دس بیس مل کر کھڑی ہو گئیں، ادبھی آنکھ مجھولی کھیلیں قطار باندھ کے ایک نے  
سامنے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا اڑنگ بڑنگ ٹوٹی زیر تنگ، مالی جی کا تھان کھیلے چوغان جس کے  
نام پر دس آتا گیا اس کو نکالتی گئیں آخر میں جس کے نام پر دس آیا وہ چور بنی ایک بڑی بوڑھی کو بیچ میں  
دانی بنا کر بٹھا دیا۔ دائی نے چور کی آنکھیں بھینچیں اور سب نے کہا تمھاری گود میں کیا چور نے کہا مڑ  
آنکھوں نے کہا تمھاری آنکھیں چڑ پڑ ہوئیں، تم آنکھیں کھولو یہ کہہ کر کونوں کمٹروں میں جا چھپیں،  
ایک نے آواز دی چور چھوٹے دالی کی بلا ٹوٹے دائی نے چور کی آنکھیں کھول دیں، چور ہٹا بٹکا دھڑا دھڑا

دیکھتی پھرتی ہے ڈھونڈ کے ایک کو پکڑا دے جھپ سے بیٹھ گئی چور سے کہنے لگی مٹو بھی گلاڑی بھر  
 رستہ دو اور نکل نکل کے بھاگئیں چور ان کے پیچھے دوڑی کسی نے دوڑ کر دائی کو چھو لیا اور کہا دائی دائی  
 تیرے ساتوں بھائی دوڑنے میں کوئی ہاتھ لگ گئی یا ذرا سا چور کا ہاتھ بھی کسی کو لگ گیا یا سات دفعہ سے  
 کوئی زیادہ میٹھی تو اب یہ چور بنی اہم سات دفعہ چور بنی اس کا ایک ہاتھ ٹخنے سے ملا کر آدھے دپٹے سے  
 باندھا آدھا دپٹہ ہاتھ میں پکڑے سارے میں لیے کہتی پھرتی ہیں ہاں ساتوں بہاریں جب اس نے  
 تھک کر ناچار اقرار کیا، ہاں بھی ہاں ہی جب اس کی ٹانگ کھولی۔

سات دن تک اسی طرح روزے سچ دیج انوکھے کھیل نرالی باتیں ہوتی رہیں، آٹھویں دن  
 جمعرات کو پنکھے کی تیاری ہوئی وہ بھاری بھاری تلوان نئی نئی ٹکمن کے لال لال جوڑے سونے کی  
 سچے جڑائی اور موتیوں کے گننے پہنے بنا و سنگار کیے سارے شہر کی عورتیں اُمنڈائیں باغ گوناگوں ہو گیا  
 دیکھنے والے عیش عیش کرتے ہیں طویاں ہاتھ لپساتی ہیں،

لو اب چسار گھڑی دن باقی رہا، چاندنی چوک کے باغ سے پنکھا اٹھا دیکھو ہاتھی پر سونے کا  
 پنکھا نیچے سچے موتیوں کی جھالرائیں میں سچے آدیزے اور پر سونے کا مور اس کے پیٹ میں گلاب کپڑا  
 بھرا ہوا پنچوں میں سے نکل نکل کر سب کو معطر کرتا جاتا ہے آگے آگے پھولوں کی چھڑیاں۔ نفیری بجتی  
 ہوئی ہزارے چھوٹے ہوئے سپاہیوں کے مانند باجا بجاتے ہوئے پیچھے سلاطین اور امیر امراء  
 ہاتھیوں پر سوار دو طرفہ آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ اس دہوم دہام سے باغ کے دروازے پر پنکھا ہنچا  
 سب لوگ ٹھہر گئے سلاطین پنکھا لے کر اندر آئے بادشاہ سوار ہوئے، چھوٹی چھوٹی توپیں نئے نئے  
 گولنداز و ناؤں چھوڑنے لگے۔ پچھیرہ پلٹن سلامی اتار آگے ہوئیں، ان کے پیچھے تاشے بابے روشن چوکی  
 والیاں تاشہ ڈھول جھانچ طلبہ نفیری بجاتی چلیں ان کے پیچھے سلاطین پنکھا لے ہوئے پنکھے کے پیچھے  
 بادشاہ ہوادار میں سوار خوبے مور چھل کرتے جیشیاں۔ ترکشیاں قلما قنیاں ارد بیگنیاں، مٹو بچو کرتے جیشیاں  
 خبردار پکارتی شاہزادے تخت کا پایہ پکڑے شاہزادیاں۔ سلاطینوں کی بیگیاں تیں، نوکریں، چاکریں، لونڈیاں  
 باندیاں شہر کی عورتیں پیچھے ساتھ ساتھ چلیں اس وقت کی بہار دیکھو کبھی میٹھی میٹھی پھوار پڑتی ہے کبھی



مینہ برسنے لگتا ہے، آسمان پر کالی گھٹا گھنگور گھنٹہ ہی ہے زمین پر دیکھو تو لال گھٹا کس طور اُمنڈ رہی ہے  
ادھر بادل کی گرج بجلی کی چمک ادھر گوٹے کی جھمک جواہر کی دیک سے آنکھوں میں چکا چندی آتی ہے  
نفیر سی کی آواز تہر دھاتی ہے محل میں گھیلوں میں عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ چلتے آتے ہیں کوٹھوں پر پھٹ  
لگے ہوئے ہیں کہیں تل دھرنے کی جاتیں۔

مخال پھینکو تو سر پر گرے جدھر نظر اٹھا کر دیکھو ایک چھت بیرہٹیاں سی دکھائی دیتی ہیں اس  
تھل و کر و فر سے درگاہ میں نکھا پڑھا کر پھر سب باغ میں آئے روشنی کی تیاری ہوئی حوض کے گرد نہر کی  
پیشرویوں اور دور سے کی تیاری ہوئی حوض میں لال لال کنول ان میں دغدنغے روشن ہوئے چاروں طرف  
سے آگ سی لگ گئی لڑاؤ میں روشنی جیسی پھلاوے حوض میں پھر رہے ہیں درختوں میں قمقمے جگنو کی  
طرح چمک رہے ہیں کہیں ناچ رنگ ہو رہا ہے،

رات اسی سیر و تماشا میں ختم ہوئی صبح کو سب اپنے اپنے گھر گئے لومیلہ ہو چکا۔ (۱)

**برسات کی بہار** | ابرسات کے موسم میں جب بیرہوٹیاں نکل پڑتیں تو بادشاہ زاد یوں کو ان کا  
لال مخملی پن پسند آتا ہے ایک ایک بیرہوٹی ایک ایک اشرفی کو مول لی  
جاتی اور بچوں میں باٹی جاتی، ایک بادشاہزادی جس کی عمر پانچ برس کی ہوتی بیرہوٹی کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیتی  
وہ ہاتھ کے پٹنے جلنے سے اپنے پنجے سمیٹ لیتی ادھ گول مول ہو کر مردہ بن جاتی تو شاہزادی کستی بیرہوٹی  
پنجہ کھول تیرا موم آیا آخر ہتھیلی کی حرکت تھم جاتی تو پھر بیرہوٹی اپنی انگلیاں کھولتی اور پٹنے لگتی اس پر  
وہ خوشی مناتی کہ اللہ اللہ شام کے وقت سونے کی ڈبیہ میں بیرہوٹی بند کی جاتی اور دارونہ کے سپرد ہوتی  
اگر کہیں رات کو بیرہوٹی مر جاتی تو صبح اٹھ کر پھوٹی بگم روتے روتے اپنی آنکھیں سوجھا لیتی بڑی بگم  
اپنی بچی کو چمکاتیں اور فرماتیں، قربان کی تھی اپنی لادو پر سے موٹی دو کوڑی کی بیرہوٹی، اسی سازگار دانہ  
ذرا ڈیوڑھی جانا دس اشرفیاں روئے کو دے آنا ادھ سمجھانا کہ بیوی بتو کے لیے موٹی موٹی نرم بیرہوٹیاں

لاوے روتہ اشرفیاں لیکر جاتا اور گھنٹہ دو گھنٹہ میں پلٹ کر آتا اور دیوڑھی میں کھڑا ہوتا اور صبح کرکے کھانا کھاتا  
بیرہ بڑیاں آگئیں ہیں، مگر آج منڈی میں بیرہ بڑیوں کا بھاڑ دگنا تھا دس اشرفیاں قرض لے کر آیا ہوں،  
بڑی بیگم فرما تیں لے اور دو تاکہ بیرہ بڑی والے کا قرض چکا آئے اور انعام کے گیارہ روپیہ اسے الگ  
دیئے جائیں۔ (۱۱)

**قلعہ کا محرم** | محرم کا چاند دکھائی دیا ماتم کے باجے بجنے لگے بیلیں رکھی گئیں بادشاہ حضرت  
حسن حسین کے فقیر بنے سبز کپڑے پہنے گلے میں سبز کفن ڈالی جھولی میں الاچی دانے  
سولف خشکاش بھری، درگاہ میں جا کر سلام کیا، نیاز دی دس دن تک صبح کا کھانا شام کو شربت فقیروں کو  
بٹے گا چھٹی تاریخ ہوئی آج بادشاہ لنگر میں کھنچیں گے۔

دیکھو! چاندی کے دو پنچے بنے ہوئے دو لکڑیوں پر لگے ہوئے لال سبز کپڑے ان پر بندھے  
ہوئے ان کو شدے کہتے ہیں بادشاہ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں ایک چاندی کی زنجیر کمر میں پڑی  
ہوئی ہے دو سیدوں نے ان کر زنجیر کپڑے دو چار قدم بادشاہ کو کھینچا ایلودہ زنجیر بادشاہ کے گلے میں  
ڈال دی دو نو شدے سیدے گئے ساتویں تاریخ ہوئی، دیکھو! ابرک کے کنول ان میں شمعیں روشن  
بالس کی کھچپوں کی ٹٹیاں لال کاغذ سے منڈھی ہوئی ان پر لال لال کنول بیچ میں دندھے روشن ہیں مہدی  
اور مالیدے کے خوان بڑی بڑی طوغیں جلتی ہوئی ساتھ ساتھ ہیں آگے آگے تاشے باجے روشن چوکی  
دایاں پیچھے پیچھے بادشاہ اور بیگیا تیں جٹنیاں تر کنیاں خوبے وغیرہ سب چلے جاتے ہیں لوہدی امام  
بارے میں نہیچی آرائش سب لٹ گئی مہدی مالیدہ طوغیں درگاہ میں چڑھادیں، آٹھویں تاریخ ہوئی ایلودہ آج  
بادشاہ حضرت عباسؑ کے سقے بنے لال کھاروے کی ایک لنگی بندھی ہوئی شربت کی بھری ہوئی ایک  
مشک کندھے پر رکھے ہوئے معصوموں کو شربت پلا رہے ہیں لو شربت پلا چکے مالیدے پر نیاز دی  
سب کو بٹوا دیا۔



آج دس تاریخ ہے عشرے کا دن ہے مٹی کے آنچورے لمبے گلے کے بیج میں سے  
پتلے کوڑے کوڑے آئے ان کو کوزیاں کہتے ہیں، دودھ اور شربت ان میں بھرا گیا لال لال کلاوے  
ان کے گلوں میں باندھے تازے تازے ترملوے کے کوڑے بھر کر رکھے گئے نیاز ہوئی دیکھو!  
چھوٹے چھوٹے بچے دوڑے چلے آتے ہیں ایک ایک دودھ ایک ایک شربت کا کوزہ پی حلوہ چٹ کر  
پیسے کوڑیوں کی جھولیاں بھر کیسے اُچھلتے کودتے کلاںچیں مارتے چلے جاتے ہیں ظہر کا وقت ہوا بادشاہ  
برآمد ہوئے موتی مسجد میں عاشورے کی نماز پڑھی دلیوان خاص میں حاضری کی تیاری ہوئی ایک بڑا سا  
دستر خوان بچھا اُس پر شیرمالیں چینی گیس شیرمالوں پر کباب پنیر پودینہ اور ک مولیاں کتر کے رکھیں بادشاہ  
نے کھڑے ہو کر نیاز دی ذرا شیرمال کباب پنیر مولی کا کڑا پہلے آپ چکھا پھر ایک ایک شیرمال اور کباب  
وغیرہ پہلے دلی عہد پھر شہزادوں اور معزز امیروں کو اپنے ہاتھ سے دیا، باقی سب کو بٹ گئیں، ایوودہ  
جامع مسجد سے تبرکات نالکی میں رکھے ہوئے آگے آگے پامیوں کے متن ہاجہ تجا ہوا  
آئے، بادشاہ تعلیم کو کھڑے ہو گئے، تبرکات نالکی میں سے نکال کر چوکی پر رکھے گئے۔ حضرت محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اور نعلین سلکھوں سے لگائیں حضرت علیؑ کے ہاتھ کا قرآن شریف سر پر رکھا  
بوسہ دیا۔ حضرت امام حسن حسینؑ کی خاک شہداء کو آنکھوں سے لگایا، پھر حضرت صلعم کے مومے مبارک  
کو گلاب اور خوشبو میں غسل دیا، لواب زمانہ ہوا، بیگیا میں آئیں تبرکات کی زیارت کی، بادشاہ اور بیگیا میں  
محل میں داخل ہوئیں۔ تبرکات اُسی طرح نالکی میں باجے گا جسے جامع مسجد لئے شام کو اُسی طرح  
محل کی درگاہ کے تبرکات کی زیارت کی، دیکھو گوتا بٹ رہا ہے۔ بٹن ڈلیاں، الاچیاں، جوئیں، چھالیاں  
کتر کے بھونے ہوئے غربوزوں کے بیج اور دھنیا کترا ہوا کھوپرا اس میں ملا کے گوتا بنایا، شیشے  
اور کاغذ کی پلیٹوں اور کار پھوٹی بیٹوں اور چھوٹی چھوٹی طشہزلیوں میں رکھ ان میں مہین مہین رنگین  
کھوپرے کے پھول بنا آپس میں بٹ رہا ہے اکثر سلاطین قلعہ میں تعزیر داری کرتے تھے، فقیر  
پیک بنتے تھے، کوئی لٹا بچی کوئی نقیب بنتا تھا۔ کوئی تاشہ کوئی ڈھول کوئی جھانجہ تعزلیوں کے  
آگے بجاتا تھا۔ مرثیہ خوانوں کی درگاہ میں سے چار چار طشہزلیاں بٹن چکنی ڈلیاں۔ بھٹنے ہوئے

خربوزے کے بیج اور دھنیے کی ملا کر تکی تھیں، بڑی دھوم دھام سے علم اکٹھا تے تھے۔ (۱)

مولانا شبلی اکثر کھانے پر تیار نہ تھے، واقعات اور سلاطین منعلیہ وغیرہ کے حالات دریافت کرتے تھے، ایک مرتبہ مولانا نے داغ کا

## سلاطین کی اصطلاح

ایک شعر پڑھا، جس میں سلاطین کی جمع الجمع سلاطینوں آئی تھی، اس پر میرے دوست نے داغ کا

مضحکہ اڑایا، سرسید بنفس کر چپ ہو رہے، جب دوبارہ یہ بحث شروع ہوئی تو فرمایا کہ سلطان کی جمع

عربی میں سلاطین آتی ہے لیکن اس شعر میں سلاطین سے قلعہ معلیٰ کی اصطلاح کے مطابق، قلعہ

معنی مراد ہیں، تب مولانا نے عرض کیا کہ تفصیل سے ارشاد فرمائیے، میری سمجھ میں نہیں آیا۔

صاحب نے فرمایا کہ ”ولی عہد کے علاوہ جس قدر تیموری شاہزادے قلعہ معلیٰ میں تھے ان میں سے

ہر ایک کا لقب سلاطین تھا اور یہ صیغہ جمع بہ معنی مفرد اور دو میں مستعمل ہوتا تھا اس سبب سے سلاطین

کی جمع سلاطینوں صحیح ہے، داغ نے قلعہ معلیٰ میں عہد طفلی سے جوانی تک تعلیم و تربیت پائی تھی

لہذا اس کا کلام مستند ہے، (۲)

(۱) بزم آخر ص ۱۵

(۲) یادایام (عبدالرزاق) ص ۱۴

## لال قلعہ کی اصطلاحیں

۱

- اردو بگیناں :- اسم مونث شاہی محلوں میں حکم احکام پہنچانے والی مہتیار بند عورت
- آتش :- اسم مذکر۔ پس خودہ، جھوٹا کھانا
- اوتچہ :- پٹنگ کی نہین چادر جو پٹنگ پوش کے نیچے نالٹش کے لیے بچائی جاتی ہے
- آپ حیات :- وہ بلانی جس کے پینے سے آدمی نہیں مرتا یا بادشاہوں کے پینے کے پانی کو آپ حیات کہتے ہیں،
- آفتابی :- اسم مونث وہ دائرہ جو بادشاہوں کے جلوس میں ماہی مراتب کے ساتھ چلتا ہے
- آفی دار :- اور اس کا سایہ بادشاہوں کے سر پر پڑتا ہے۔
- آداب گاہ :- اسم مونث، نوکدار جوئی۔
- الغن :- وہ مقام گاہ جہاں کھڑے ہو کر بادشاہوں کو سلام کیا جاتا ہے۔
- اچیرج :- اسم مونث، پٹنگ کی ایک قسم۔
- انوٹ :- اسم مذکر، اچنیا، تعجب۔
- انوت :- چھب، انداز۔ پاؤں کے انگوٹھے میں پہنے کا زلیور اُڈا پڑنا، کال پڑنا، غارت ہونا،

(ب)

بینی پاک :-	ناک پوچھنے کا رومال -
بھٹہ :-	حقہ
بخشی :-	فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے والا منشی -
بیلے کا ہاتھی :-	وہ ہاتھی جس پر میچہ کر خیرات تقسیم کی جائے -
بھج بند :-	بازو بند (زلیور)
بیوی زن :-	پاک دامن عورت
بیرا بھیری :-	عداوت دشمنی -
بھبھنی :-	بھلک نشان

(پ)

پاؤں پاک :-	پاؤں پوچھنے کا رومال -
پوزی :-	گھوڑے کا پیش بند
پرادتوں :-	بے اولاد سے -
پر پرلوں :-	نانی پر تانی -
پرلیوں دار :-	پتنگ کی ایک قسم
پھپھڑا جلاتی :-	خیر خواہی کرتی -

(ت)

ترکنیاں :-	قلاقمیناں، وہ عورت جو بادشاہوں کے محل میں بیروے -
تاش :-	ایک قسم کا زردی کا کپڑا -
تیک :-	روٹی دار گول گھٹنا،
تیک :-	اسم نمونٹ، توپ کی تصغیر -



توس دان :- کار توس رکھنے کا ڈبہ جو پامیوں کی پیٹی میں لگا ہوتا ہے  
 تہ پوشی :- زمانہ پامامہ، پیٹی کوٹ ساڑھی کے نیچے پہننے کا۔  
 تھی تھی :- ناچنے گانے کی آواز۔

## ٹ

ٹاٹ کی انگلیا مونجھ کا بخیمہ :- مثل، جیسی چیز ویسا ہی اس کا لازمہ پیوند میں پیوند۔

## ج

جسولینی :- اسم مونث، صحیح لیولینی، چوہداری وہ عورتیں جو شاہی محل میں خبر پہنچاتی ہیں۔  
 جیکڑ :- اسم مونث، پانی کے بھرے ہوئے ٹکے  
 جانی جوئی :- ایک قسم کا پھول اور آتش بازی  
 جہاں نما :- شاہی خیمہ و خراگاہ۔

## چ

چھلب دار :- وہ گوتے جو جہانجن دار دائروں پر گماتے ہیں۔  
 چھیتی چھکا :- جھاڑ پھونک  
 چھیتی چھپتا :- چاہتی، پیاری۔  
 چارقب :- ایک قسم کی دلائی پوشاک۔  
 چراغی :- مزار پر چراغ جلانے کا نذرانہ۔  
 چھائیں پھوٹیں :- لوح خدانہ کرے۔  
 چوغان :- چوگان بازی۔

## ح

حالت آنا :- ناگ سُن کر وجد میں آنا۔  
 حوریں :- کنیریں، بیویاں۔

## خ

خمریاں :- خمروں کی عورتیں جو میلوں ٹھیلوں میں گاکر مانگتی ہیں۔  
 خمرے :- فقیر۔

## د

دُلما :- وہ سالن جو قیمہ اور پنیر وغیرہ منڈوں کرلیوں بینگنوں میں بھر کر پکاتے ہیں۔  
 دُجھی :- گھوڑے کی دُم کا قسمہ  
 دغدغے :- قمقمے، قندیلیں، کنول۔  
 ددغ :- دودھ کی چھاچھ۔  
 دوا :- بچوں کی پالنے والی۔  
 دلیہ :- برسی سالانہ فاتحہ

## ط

ٹھکیٹ :- ڈھال تلوار والا سپاہی، سپرہند۔

## ر

روزہ اُچھلنا :- روزہ کی حالت میں غصہ ہونا۔  
 رستی :- سانپ۔  
 راڈیاں :- چوگوشے خیمے، چھوٹے قبنو۔

## ز

زمینبور :- چھوٹی تپ جو اونٹ پر لدی ہوئی بادشاہ کی سواری کے ساتھ ساتھ چھوٹی ہے،  
 زیرپائی :- زانی جوتی۔  
 زانچی :- قلعہ کی بیگمات کا خطاب، مثلاً سیلی، پھیلی، دل جان، جان من،

## س

سُکرن :- چند دانوں والی تبیع -  
 سراسری :- ماتھے کا زلیور -  
 سگوٹیاں :- بیلوں کے سینگوں پر چڑھانے کا پتیل کا خول -  
 سرگالامنہ بالا :- بڑھاپے میں جوانی کی باتیں کرنا -  
 سگڈے مارنا :- جگہ بہ جگہ دوڑتے اور اچھلتے پھرنا -  
 سُرتی :- چالاک، چوکس، ہوشیار عورت  
 سرخو چوند ایمان بھونڈا :- ظاہر میں ایماندار لیکن باطن میں بے ایمان

ش

شولہ :- گوشت میں پکی ہوئی مکھڑی -  
 شدے :- شدا کی جج جو تعزیروں کے ساتھ نکلا کرتے ہیں -

ص

صحنک :- حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نیاز و فاتحہ کا کھانا -

ط

طوغیں :- علم کی قسم کا ایک نشان جس میں موم بتی روشن ہوتی ہے -

ع

غملہ فعلہ یوزک رکاب حاضر (۱) ملازمان دفتر (۲) صوبیدار  
 عرض بیگی :- بادشاہ کی خدمت میں عرضیاں پیش کرنے والا -

غ

غیبانی :- ایک گالی -

ف

فقیر پیک :- او محرم میں امام حسین کا فقیر بننا -

## ق

قلار :- لال انگرکھے اور کالی پگڑی واسے وہ سپاہی جو شاہی سواری کے ساتھ چلتے ہیں اور جو کوئی خلاف ادب حرکت کرتا ہے، اس کو مارتے ہیں،

قورخانہ :- سلخ خانہ -

## ک

کرامات :-

کڑکیت :-

کلکڑ واسے :-

کھچم :-

کرکری تاش :-

کنیا :-

کمچباری :-

کلیجی پھپھڑا کرنا :- بے میل کرنا -

کماے :- داؤں بیچ

کلبوت :- قالب -

## گ

گماؤ زبان :-

گاؤدبہ :-

گجباک :-

گل تکیہ :-

ایک قسم کی روٹی جو دیکھنے میں مثل گائے کے زبان کے ہو۔

میدہ کی خمیری لمبوتری روٹی جو بیل کی آنکھ جیسی ہو۔

آنکس جس سے ہاتھی کوٹا کتے ہیں۔

گاؤں کے نیچے رکھنے کا تکیہ۔

## ل



لہکا :- زرتیں جھنڈا۔

م

مردھے :- بادشاہی پیادے جو جریب لے کر چلتے ہیں۔

مجرأ :- ملاقات، سلام، کورنش

ممن و سلوئی :- (۱) خوان نعت و (۲) ایک قسم کا نفیس کھانا جو مرغ کے گوشت سے پکایا ہے۔

منصدی :- منشی، نقل نویس۔

میر عدل :- چیف جج۔

ماہی مراتب :- وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے ہاتھیوں پر چلتے ہیں۔

ماہی پشت :- ایک قسم کا کارچوب جو پشت ماہی سے ملتا جلتا ہے۔

ن

نور محل پلاؤ :- ایجاد نور جہان۔

نخمش :- دودھ کے جھاگ جو دولت کی چاٹ کے نام سے مشہور ہے۔ درجہ دیوں میں صبح کے وقت کہتی ہے۔

ننگہ مبرز :- بادشاہ کے بیٹھنے کے لیے دو برجیوں والی عمارتی جو ہتھی پر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

نہن متنی :- ہر بات پر رونے لہو رنے والی۔

نواڑے :- پانی کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں، ڈونٹے۔

ہ

ہوادار :- تمام جہام۔ بادشاہ کی سواری کا وہ تخت جو کھارائیاں کر چلتے ہیں۔

یا قوتی :- ایک قسم کا نشاستہ (۲) معجون - (۱)

۱۸۶۸ء میں مسٹر کوپر ڈیٹی کمشنر نے اس کی بنا ڈالی تھی، ۱۹۰۱ء میں ایک ماہر علوم طبعی کے سیلج نے

## عجائب خانہ آثارِ قدیمہ

لارڈ کرزن کو عجائب گھر کی غیر منظم اور گرہ طبرہ حالت کی طرف توجہ دلائی، لاٹ صاحب نے اس معاملہ کو محکمہ آثارِ قدیمہ کے سپرد کیا، بالآخر ڈاکٹر روگل کی رپورٹ سے یہ قرار پایا کہ قلعہ کے نوبت خانہ (نقارخانہ) میں ایک تاریخی عجائب خانہ قائم کیا جائے، جس میں قلعہ معلیٰ کے متعلق زمانہ قدیم کے تاریخی نوادر جمع کیے جائیں، ۱۹۰۲ء میں سر جان مارشل محکمہ آثارِ قدیمہ کے ڈائریکٹر ہوئے، خدا خدا کر کے ۱۹۰۷ء میں پانے عجائب گھر کو بند کیا گیا، جنوری ۱۹۰۹ء سے آثارِ قدیمہ کا عجائب خانہ نوبت خانہ میں کھولا گیا، اور بہت سی نوادر اشیا جمع کی گئیں، اس عجائب گھر کی اکثر نوادرات دربار تاج پوشی میں مستعار دی گئی تھیں، جن کا ذکر سب پی ٹامس آئی سی ایس نے اپنے خاص کیلاگ میں کیا ہے، ممتاز محل جس میں اب عجائب خانہ ہے، یہ محل شاہی تھا، لیکن ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا تو فوجی اغراض کے لیے لیا گیا، چند روزہ پیشتر تک یہ سارے عینوں کا کامیس تھا، اس کی دیواروں پر کئی کئی تھیں چوہنے کی چڑھی ہوئی تھیں ان کو جب گھر چوایا گیا تو اندر سے ان تمام نقاشیوں کے نشانات نمودار ہوئے، جو سفیدی سے ڈھک دیئے گئے تھے چنانچہ اب بھی درمیانی ہال اور مشرقی جانب کے کمرے میں نقش و نگار نظر آتے ہیں قلعہ دہلی کا پرانا نقشہ جو دریائے رخ سے بنایا گیا ہے اور جو عجائب خانے میں محفوظ ہے اس کے دیکھنے سے ممتاز محل کی سابقہ اور اصلی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس کی چاروں کونوں پر پھتیریاں تھیں جن پر سنہرے گلے چڑھے ہوئے تھے۔ (۲)

(۱) بزمِ آخر ص ۱۲۶

(۲) دیباچہ کیلاگ، مرتبہ مسٹر گارڈن سنڈرم سن پرنٹسٹ محمدن دیرش انومنٹ قلعہ آگرہ، عجائب خانہ کے آثارِ قدیمہ دہلی

بارغ حیات بخش کی بربادی | بارغ حیات بخش موتی مسجد کے شمال میں تھا، درغدر  
میں اسے بھی تباہ و برباد کر دیا گیا، ۱۹۰۲ء میں

یہ بارغ بالکل طے کے انباروں میں دبا ہوا تھا اور باقی حصہ سڑکوں میں آگیا تھا، اس کی تہریں،  
روشیں، آبشار، نالیاں، سب ٹوٹ بھوٹ کر تباہ ہو گئیں تھیں، (۱)

قلعہ کا آخری منظر، بہادر شاہ کی آخری کیفیت | قلعہ کا بیان اب ختم ہوتا ہے  
لیکن قبل اس کے کہ یہ فصل

برخواست ہو، قلعہ کا آخری نظارہ کر لیجئے اور یہ دیکھ لیجئے کہ اس قلعہ کا آخری مین  
شاہ — اس قلعہ سے کیونکر اور کس حالت میں اوداع ہوا:۔

”جان لانس کی لائف میں قلعہ کی حالت لکھی ہے جس میں سے چند فقرے نیچے نقل کیے  
جاتے ہیں جو بڑے درد انگیز ہیں۔ قلعہ میں ایک بڑے سلسلہ خاندان شاہی کے آخری بادشاہ کی عالی شان  
غلام گردشیں اور شاہانہ خلوت سرا عوام الناس کی نگاہ کے درپردہ کھلی ہوئی تھیں اور سلی آدمی جو اس کے  
سرپرست نہ تھے۔ آستان مبارک پر مجتمع تھے، ایک دوسرے سے پیوستہ صد ہا کمرے دور تک چلے  
گئے تھے جو اصل میں ان اشعار کے مصداق تھے۔

خلوت میں وہ سبھی سجائی ہوئی  
شب کو دوہا دولہن کے رہنے کی  
بگیں رشک نہ ہر وہ نامہید  
جس سے بستر ہے داروں کی امید  
سونے چاندی کا ہر طرف اسباب  
وٹ کا مان بے شمار و حساب

(۱) واقعات دار حکومت دہلی حصہ مردم (البشر الہد) ص ۷۲

یہاں بیچارہ بوڑھا بادشاہ جو مجبوری باغیوں کے ہاتھ کٹ پٹی بنا تھا، اپنے محل سے نکلا ہوا، ایک علیحدہ کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پھانسی دینے کے بارے میں عنقریب تجویز ہونے والی تھی اور جو افسروں اور سپاہیوں کی گالیاں، گھڑکیاں سُن رہا تھا اور اس کے گرد شہنشاہ سلیم اپنے تئیں چپاتی تھی کہ سب کو کسی نامحرم یا ظالم کا سامنا ہو جائے۔ اس بد نصیب جماعت میں سب سے زیادہ خوش یا کہیے کہ سب سے کم ناخوش خود بادشاہ تھا جس کو ظاہراً اپنی مصیبت یا ہتک عزت کا کچھ خیال نہیں ہوتا تھا، بقول شاعر

جو فرط پیری سے ہوش گم تھے تو پیچنے کا سا طور کچھ تھا

نہ سامعہ تھانہ باصرہ تھانہ ذائقہ تھانہ اور کچھ تھا! (۱)

قلعہ کی بربادی

سیکڑوں مزدور قلعہ اور شہر کے مکان کھودنے کے لیے مقرر کیے گئے مزدور رات اور دن مکمل کھود کر روپیہ اور پیسہ نکال کر سرکاری خزانہ میں جمع کر رہے تھے، جاگیرداروں اور راجاؤں کے نام پروانے لکھے گئے کہ مفسدوں اور مجبوروں کو گرفتار کریں اور پروانوں کے ساتھ چند تجربہ بھی بھیجے گئے، سائڈس صاحب کمشنر مقرر ہوئے اور لباس صاحب سٹیشن جج اور ایمرٹن صاحب دہلی کے کلکٹر مقرر ہوئے۔ اور جان ٹسکاف صاحب مفسدوں کی گرفتاری کے لیے مقرر ہوئے، (۲)

(۱) تاریخ غریب و غریب (ذکاوالش) ص ۴۳

(۲) ندرت نامہ گورنمنٹ ص ۴۴



# دلی کا قتل

لوٹ مار قتل و غارت، شکست و ریخت، انہدام

کہ دیا سفاک نے سریدان صامت

دلی فتح کرنے کے بعد انگریز، کس شان سے داخل ہوئے اور انھوں نے اپنے جلال کبریائی کا کس طرح مظاہر کیا، یہ بڑی دلخراش داستان ہے مسلمانوں کے لیے، اشتعال فکیر اور انگریزوں کے لیے باعث شرم، لیکن تاریخ نہ کسی کی شہدائے خیر سے ڈلتی ہے نہ کسی کی ذلت پر رحم کرتی ہے وہ طاقت میں اپنی داستان مٹاتی رہتی ہے۔

کس کبشت بزدلانہ شہر میں باز رہے دیکن

تھوڑا سا وقت اس داستان پر صرف کیجئے۔

پانچ سو تیس، مرزا اور دوست نہ کھڑے

دیہات سید و بھائی قتل کرنے کی ہمت

انگریز عورتوں کی جان بچانے کی سزا قتل

اور شہر پر غلبہ ہو گیا، باوجود انگریز عورتوں کی جان بچانی کی قیادت میں انگریزوں کو سب سے پہلے چھوڑا، چھوڑا  
چھوڑے لٹنے سے لڑنے سے تو روکنے سے نہ بچ سکا۔

پہا انگریزوں کی تعمیر شدہ دہلی کے واسطے لوگوں کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دہلی جو بحال رہا ہے

دھڑ دھڑ بولتا ہے کہ یہ دہلی جو پہلے دہلی کا نام تھا، اس دہلی کا کمال صبح کے

وقت میں تھا، لیکن اب یہ دہلی جو شام کا ہے، اس دہلی میں نہ کوئی شہر ہے نہ کوئی گھر ہے

ہے، اس کے دلی زبان سے کہتا ہے کہ یہ دہلی جو پہلے دہلی کا نام تھا، اس دہلی میں

میں پہنچا ہوں اور مستورات نے مجھے دیکھا ہے ایک کھرام مچ گیا۔ دوسو عورتیں برابر سر پیٹ رہی ہیں اور شور و مال و فریاد آسمان تک جاتا ہے، وہ غل و شور جب فرو ہوا تو میں نے دیکھا کہ یہ کیا معاملہ ہے بڑی ہچکچاہٹ سے جان کیا کہ جس دن تم ہم سے جدا ہوئے ہو، تھوڑی دیر بعد پانچ چار گورے گھر میں گھس آئے اور کہا کہ ہم کو رو پیے دو، عورتیں تو کوٹھڑیوں میں گھس گئیں اور مردوں نے کچھ دے کر ڈال دیا، تھوڑی دیر کے بعد اور آئے ان کو بھی کچھ دیا، غرضیکہ اب تانا بندھ گیا، ایک آٹا ہے ایک جاتا ہے میاں ناصر الدین نے کہا کہ میں جاتا ہوں، جرنیل صاحب کے پاس اور بندوبست کراتا ہوں وہ دو خدمتہ گاروں کو لے کر جامع مسجد میں پہنچے، وہاں جانے کیا گفتگو ہوئی کہ ایک خدمتہ گار آیا اور ان عورات عیسائیہ کو جن کو انھوں نے شگام غدر اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا لے گیا اور وہ عورتیں کہہ گئیں کہ ہم ابھی آتے ہیں درمیان ناصر الدین کو اپنے ساتھ لاتے ہیں اور سارٹھیٹ لاتے ہیں غرضیکہ وہ عورتیں بھی جامع مسجد میں پہنچ گئیں اور خدمتہ گار باہر مسجد کے دروازے پر کھڑے رہے مگر پھر نہ وہ عورتیں اور نہ میاں ناصر الدین کو لے کر اپنے خدمتہ گاروں نے شگام کو واپس آکر حال بیان کیا۔ رات بھر سب کو تشویش رہی اور اس عرصہ میں تمام محلہ کی عورات مرد عمار سے مکان میں آکر جمع ہو گئے، باہر باغ میں مرد اندر دونوں عورتوں میں عورتیں دوسو آدمی زن و مرد یکجا تھے منشی آغا جان اور ان کی تین اور عورتیں سب یہیں تھیں صبح کے وقت منشی آغا جان اور ان کا بیٹا، اور یہ سب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میاں امیر مرزا نے سب سے بڑھ کر اپنے شغل اشغال میں حسب معمول مشغول تھے اور لکھتے تھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ضربیں لگا رہے تھے کہ ناگہاں دو گورے باغ میں آئے اور کہا زمین دبیچے دو۔ میاں امیر مرزا نے کہا یہاں سے پاس روپیہ کہاں ہے ان میں سے ایک نے بندوق مادی کہ منشی آغا جان کے سینے پر لگی کہ اس نے باپ کو پکارا میاں امیر مرزا نے کہا کہ بیٹا خدا کا نام لے اس وقت باپ کو یاد نہیں کرتے انھوں نے لکھتے تھے لا الہ الا اللہ کہا تھا کہ دوسرے نے گولی مادی کہ وہ ان کے سینے پر لگی انھوں نے محمد رسول اللہ کہا اور چپ ہو گئے۔ اور تیسرا کا ہاتھ ان کے سینے پر دیا۔ اور ان جفا کاروں نے پھر بندوقیں بھریں اور دو خدمتہ گار

کو مار کر اپنا رستہ لیا، مٹی محل میں ایک قیامت برپا ہو گئی، اس غل و شور کی آواز جامع مسجد میں پہنچی وہاں سے دو انگریز و ایلاس کر آئے، پوچھنے لگے کہ یہ کیا غل و شور ہے عورتوں نے کہا کہ دیکھو تو تمہاری فوج نے یہ ظلم برپا کر رکھا ہے، ہمارے وارڈن کو بے خطاہ قصور مار ڈالا، دیکھو دیکھو یہ لاشیں پڑی ہوئی ہیں، بولے ہم کو رو پیسے درہم تم کو شہر سے باہر کر دیں گے، سب نے کہا بہت اچھا، ہم وہیں گے مگر اتنا صبر کرو کہ ہم ان لاشوں کو زمین میں دفن کر دیں۔ چنانچہ سب جلد ہی بلدی مل کر گئے تھے کھودے اور شہیدوں کو اسی پہنے ہوئے لباس میں سپرد خاک کیا اور انگریزوں کے ساتھ جوئے وہ ہم کو یہ ترکمان دروازے آئے اور جس کے پاس جو تھا ان کے تو اسے کیا اور انہوں نے دروازہ کھلا کر ہم کو باہر کیا۔ غرضیکہ یہ حقیقت سن کر میں بدست غاسٹ میں آیا۔ مگر نہ خوش، اب اگر ان کا ذکر کرتا ہوں، تو یہاں کلام مچتا ہے اب میرے گھر میں ایسا ہی کہ تم نہ خوش کیوں ہو، آخر میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، میری بی بی جان گئی کہ کچھ واردات ہوئی ہے۔ مجھے قسم دلا کر پوچھا، میں نے اتنا کہا کہ جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا۔ وہ سمجھ گئی کہ میرا باپ شہید ہوا، پھر تمام عورتوں میں رونا دھونا مچ گیا، تھوڑی دیر بعد میں نے تمام کیفیت بیان کر دی۔

مرزا غالب نے فرماتے ہیں کہ غائب فرمایا، اہل بادشاہ اس سے ملو:

کہ خراب اور نامور خانہ بنے ایک بڑے قدیم رفیع مشہور اس

## غالب کی گواہی

کے انوسدام ہنم کس کو نہ ہو گا۔ قلعہ کے آگے جہاں لال ڈاکی بنے ایسے یہاں نکالا جاسے گا۔ محبوب کی دوکانیں بھیلیوں کے گھر نسل خانہ بلاتی بیچیم کے کوپہ کتاب سولے لال ڈاکی درو چور کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہے گی آج بہانہ شاخاں کے چھتے کے مکان ڈبے شروع ہو گئے ہیں کیوں میں دلی کے ویرانے سے خوش ہوں تب ریل شاخ میں نہ رہے۔ شہر کو کیا چھوئے ہیں بالوں

ط : داستان غدر : راقم الدواہ ظہیر ظہوی ۱۲۵۵ھ

ط : غالب کا روزِ ناچہ ص ۱۹



غالب کے اس بیان پر خراج حسن نظامی مرحوم کا حسب ذیل حاشیہ خاص طور سے غور طلب ہے،  
 ”پر پٹ کے میدان کو دربار ۱۹۱۱ء کے ایام میں جب ہموار کیا جا رہا تھا تو سینکڑوں  
 مکانات کے آثار دبے ہوئے نکلے تھے۔ یہاں تک کہ چارپائیوں کے پائے آٹا  
 گوندھنے کے کونڈے اور گھروں کے برتنے کی چیزیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب  
 یہاں کے بازار اور محلے مسمار کئے گئے تو رہنے والوں کا سامان بھی اس میں دب گیا  
 خیال یہ تھا کہ گنجان محلوں اور بازاروں کا توڑنا ہوا صاف کرنے کے لیے تھا۔ مگر  
 ۱۹۱۱ء میں یہ نشانیاں دیکھ کر اندازہ کر لیا جاتا تھا کہ مسماری جو شش انتقام  
 سے بھی تعلق رکھتی تھی۔ جب ہی تو اس بے دردی سے خانہ داری کے اسباب  
 کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ غالب جب اس تباہی کا ذکر لکھتے ہیں  
 تو ان کا قلم آنسو بہاتا جاتا ہے“

”اگے چل کر مرزا غالب پھر فرماتے ہیں :-

”وکائیں، سوبلیاں ڈھائی جاٹیں گی، دارالیتا فنا ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا  
 خان چند کا کوچہ، شاہ لولا کے بڑھ تک ڈھیرے گا۔ دونوں طرف پھاوڑہ چل رہا ہے۔  
 شہر ڈھ رہا ہے بڑے بڑے نامی بازار، ارد بازار، خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود  
 ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے، مہاجران الکنہ و کائیں نہیں بنا سکتے کہ ہمارا مکان  
 کہاں تھا اور دکان کہاں تھی!“

ایک حساس انشا پرداز کے آنسو دھریں نے ولی کا وہ درد نہیں دیکھا  
 مگر وہ ملکین کہاں | جب چنے چنے اور کونے کونے میں گھر بیکتا چمک رہے تھے، ماں  
 چوک کے دور پہ درخت جو جھٹھ بیا کھ کی گرمی کے تھکے ماندے مسافروں کو پناہ دیتے تھے میری آنکھ کے سامنے

ح : غالب کا مرزا چچا ص ۱۱۰



ہیں، سعادت خاں اور مرہٹوں کی نمری میرے سامنے بھی ہیں۔ بن چکی کو برابر ہوتے ہیں سنے دیکھا ہے نیت محل کے کمرے کی پچھلی تصویر اب بھی میری آنکھوں میں پھیر رہی ہے۔ بیسے کے سرسبز استہوار خطرناک اور ہارنگ کی عالیشان عمارتیں میرے سامنے ڈھنڈا ہوتی ہیں۔ آج دہائی عبارت ہے۔ دلیر سگل راج سے کورٹا ٹاؤس سے رائے سینا کی پختہ سڑکوں اور خوشنما باغیچوں سے اور جب سنا ہوں کہ قطب تک عمارتیں ہی عمارتیں بن گئیں ہیں جنگل میں منگل ہو رہا ہے تو بے ساختہ کہتا ہوں کہ "مکان بن گیا گروہ مکین کہاں"۔

مونا، ابو نظام آزاد فرماتے ہیں وہ لال قلعہ اور جامع مسجد

**دلی کس طرح غارت ہوئی** | کے درمیان اب جو میدان ہے یہاں دہائی کے سرے

گنہان محلے آباد تھے قلعہ کے لاہوری دروازے سے نکل کر جامع مسجد کی طرف جاتے تھے تو ایک بڑے پردوں باز میں سے گزنا پڑتا تھا یہ اردو بازار کہلاتا تھا یعنی فوج کا بازار، تمام کا بازار بھی اسی طرف تھا، قلعہ کی خندق سے لے کر شہر تک اب قلعہ میدان ہے۔ اس میدان میں بھی محلے آباد ہو گئے تھے۔ زیادہ تر امراء کی بڑی بڑی حویلیاں تھیں قلعہ میں ان کو موت بر موت، غنہا شش رہنا پڑتا تھا ان سے ہیں مکانات تعمیر کر دیے گئے تھے۔ قلعہ محلوں اور عمارتوں کے اطراف سے چھپ گیا تھا جب تک خندق پر نہیں پہنچتے تھے قلعہ کی دیواریں دکھائی نہ دیتی تھیں۔

مسٹر اینڈریوز نے منشی ذکا اللہ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں ان کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ "میرا خاندانی مکان قلعہ اور مسجد کے درمیان میں تھا۔ فتح دہائی سے بعد فوج کے دفتر اور میاں ہی پہنچے اور بچے کچھ مکانوں کو حکم دے کر خالی کر دیا کہ یہ محلہ سارا منہدم کر دیا جائے گا ایک گھنٹہ کے اندر صدوں کے بسے ہوئے گھر چھوڑنے پر لوگ مجبور ہو گئے اور تمام محلہ بارود سے اڑا دیا گیا۔ میدان کا یہ حصہ شہر سے کئی فٹ بلند واقع ہوا ہے یہ ہندی اسی لیے ہوئی ہے کہ مکانوں کا طبع پھیلا کر بچھا دیا گیا۔ قلعہ کی بس شہر پر کشمیری

۱ : دلی کی آخری ہیرا (علامہ اشرف الہیری ص ۲۲)

دروائشے کی طرف بڑھیں تو ریل کا پل آتا ہے اور بائیں طرف ریل سے اسٹیشن جانے کی  
 ٹرک ملتی ہے یہاں پنجابی کسٹرو آباد تھا جس کے وسط میں اورنگ آبادی کی بڑی عمد مسجد  
 تھی مولوی صاحب القادری کا خاندان یہیں رہتا تھا مولوی نذیر حسین مرحوم نے اسی مسجد میں دس  
 حدیث دینا شروع کیا تھا، غدر کے بعد یہ تمام محلہ بھی اڑا دیا گیا اب قدیم صورت حال کا تصور  
 بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس محار کے انہدام کے بعد مولانا نذیر حسین حبش خاں کے پچھاٹک میں جنے آئے اور آخر  
 تک وہیں مقیم رہے

قلعہ سے کچھ آگے بڑھیں تو دائرہ منی جانب ایک پرانی عمارت نئی عمارتوں کے اضافوں کے  
 ساتھ ملے گی، یہ داراشکوہ کا کتب خانہ تھا، اسی کے قریب اس کی ایک حویلی بھی تھی۔  
 جس کا ذکر فرخ سیر اور احمد شاہ کے زمانے کے واقعات میں ضرور ملتا ہے۔  
 ایک جہاں کدورت باز این غرابہ جائست طے۔

قلعہ کے نیچے اس سب سے مکان مسمار کئے گئے کہ اس کے آگے ایک وسیع میدان کرنا  
 ضروری تھا، ان مکانوں کو ہاتھیوں نے ڈھایا تھا، اول ان کا کاٹ کھاڑ نیلام ہوا اس طرح  
 ایک میدان مسئلہ کے آگے ہو گیا، پھر اس میدان میں کلڑی کے مضبوط درخت جیسے اہلی  
 وغیرہ تھے نیلام ہوئے اور اب ان کی بنیادوں کے پتھر بیچے گئے بعض مکانات  
 ثابت کے ثابت اینٹ پتھر سے بھر کے برابر کر دیئے

اس سب سے بلاتی سگم کا کوچہ، خانم کا بازار، خاں دوریل خاں کی حویلی، کلیوں کا بازار اور  
 دریا گنج کی گھاٹی، انگوری باغ و گوا بارڈی، بعض اسکل اور بعض کے کچھ حصے  
 منہدم ہو گئے۔ ان مکانات مسمار شدہ کے مالکوں کو جو باغی تھے معاوضہ نہیں دیا گیا باقی لوہ

سب کو مکانات کا معاوضہ اس طرح دیا گیا کہ جو دیہہ ان مکانات منضبط کے زیرِ مام کی  
قیمت کا سرکار کے لئے آیا اسے الگ مکانات کو معاوضہ میں سے دیا

## چوک سدا اللہ خاں

غدر کے بعد دلی کس طرح بڑائی گئی، اس کا اندازہ ذیل کی دو لفظی تصویر میں چشِ نظر رکھ کر  
اسٹن سے ہو سکے گا۔

(۱)

یہ چوک قلعہ شاہی کے دروازے سے شروع ہوتا ہے یہ وہی کابستہ ہے جو بہت بڑا بازار  
ہے یہاں صبح و شام اس قدر جمع ہوتا ہے اور اس قدر بڑا کہ گھنٹے کے بعد سے اندر آتے ہیں پہلے دفعہ  
دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور ایک غریبی شخص کے دیکھنے سے یہ بازار بکارتا نہ نہیں ہوتا ہے۔  
کیونکہ یہاں حیرت اور الجھبھی اور تعجب کی بہت سی چیزیں ہیں۔ نیا شخص کس کس کو دیکھے، ایک  
طرف پیشہ ور و فطوں کے بہت سے نمبر نظر آئیں گئے یا انہی کو بھی کڑی کانٹہ سیان ملیں گی۔  
جن پر شیریں مقام و عطر جھٹھے نظر آئیں گے۔ یہ وہی موقع اور وقت کی مناسبت سے یہاں واقعہ ہوا  
دل لہانے والا ہوتا ہے۔ مضائق کے مجھے میں مضائق کے فضائل اور دوست کے فراموش ہیں۔ حج  
کے حینہ میں حج کے نمائندگوش گوارا کرے جیسے محرم الحرام کے حینہ میں دارُ شہد دستِ شہید و انبوب  
روئے۔

یہ و اعظ پیشہ ور ہیں کیونکہ اپنے و عطر کے خاتمہ پر یہ پیشہ اصول کے تحت ہی ان کا ادا جیہ  
معاشر ہے۔ یہ لوگ بڑے جادو کفار اور ستون اور عوام کی نسبت پاک سے واقف ہوتے ہیں  
بڑی فصاحت و بلاغت سے تقریر کرتے ہیں اور ایک ایک لفظ میں خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں

۱ : تاریخ عروج عہد انگلشیہ (دکا اللہ) صفحہ ۲۰

کہ عوام کی سمجھ میں پوری تقریر آجاتی رہے ان لوگوں کی تقریروں میں جاہلوں اور عالموں سب ہی کا مجمع ہوتا ہے ان لوگوں کو مسلسل کئی کئی رات تک ایک ہی موضوع پر بیان کرنے کی قدرت حاصل ہے، گویا مذہبی داستان گوئیں!

(۲۱)

لیکن اس بار رونق، آباد اور رشک نگار خانہ چین کوچہ کا ستر انگریزوں کے ہاتھوں کیا ہوا، اس کی کیا گت بنی؟ اور یہ کس طرح بدبران ہوا۔ خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:-

”سعد اللہ خاں کا چوک اب خوابِ خیال ہو گیا، خدشہ میں وہ چوک اور اس کے قریب کے سب محلے مسما کر دیئے گئے۔ اب وہاں ہو کا عالم نظر آتا ہے۔“

جامع مسجد کے شرقی دروازے کے سامنے اس نام کا بازار تھا، نہایت وسیع اور خاص بازار۔ دکنشاہ اس بازار میں سب طرح کے سودے والوں کی دکانیں تھیں، عذر کے بعد سب کا سب میدان صاف کر دیا گیا، جامع مسجد کے دروازے سے لے کر قلعہ کے وادی دروازے کی طرف جو سڑک جاتی ہے اور سڑک خاص کہلاتی ہے یہ اس اجڑے بازار کی نشانی ہے۔

خاص بازار میں سے خانم کے بازار اور خانہ اوران خاں کی جوہلی کو راستہ جاتا تھا، خانم کا بازار ایک بلند بڑا اور پر رونق بازار تھا، جو قلعہ کی فصیح کے برابر برابر سراوکیوں کے مندر تک چلا گیا تھا جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے یہ سارا میدان ہی صاف ہو گیا۔ اس میں اب ایڈورڈ پارک بنا ہے اور پریڈ گراؤڈ بنے۔

۱۔ دوسرے پہلے کی دہلی (نواب درگاہ قلی خاں بہادر جہا علی۔ نواب سار جنگ بہادر

مجموعہ ۱ صفحہ ۲۴)

۲۔ واقعات واداعلموت دہلی حصہ دوم (بشیر الدین احمد) صفحہ ۱۲۳۔



# جہاں آرا بیگم کی سرائے

۱۰۶۰ ہجری ۱۶۵۰ عیسوی

اس سرائے کے ٹھہرے دروازے تھے جنہوں نے رخ ماوراء بازار چاندنی چوک کے سامنے تھا دوسرا شمال میں سرائے کے صحن میں دو بڑے کنویں اور ایک مسجد بھی صحن کے چاروں طرف دو منزلہ بڑے بڑے کمرے تھے جن میں مسافر کثرت سے آکر رکتے تھے اور پھر یہ دسے صوبہ اگر بھی دکھائیں لگا کر سلطان ندرت کیا کرتے تھے ۔

بمبئی نے اس سرائے کا حال یاد رکھا ہے ۔

” یہ کاروان سرائے ایک بڑی چوکان عمارت سچا جن کے چاروں طرف دو منزلہ کمرے ہیں جن کے پیش میں برآمدے ہیں ۔ سرائے ممالک غیرہ ایک وغیرہ کے تجارت کی فراہم ہے یہ لوگ سرائے کے کمروں میں آرام و نشستیں بھی جانتا ہے ۔ رہتے ہیں اور چونکہ سرائے کا دروازہ راستہ کو بند ہوتا ہے ۔ ہذا کسی قسم کا کھٹکا باقی نہیں رہتا ۔“

حکیم

انگریزوں کی ہوس انتقام اور مخصوص عمارت کا وجود جو یہ رہائش نہ کر سکی ۔ خدشہ ہے کہ بعد اسے گورنمنٹ نے دیوار سردار میدان عمارت کرادیا ۔ اب اس رہائش کی بارگاہ سلطنت کی عمارت بنی ہے

۱۰۶۰ واقعات دارالحکومت دہلی ص ۲۳۶

جس وقت شاہ عبدالعزیز کی دختر نیک اختر یعنی مولانا  
شاہ اسحق کی والدہ کا انتقال ہوا۔ حضرت کو خیال ہوا

مدرسہ مولانا شاہ محمد اسحق

بٹیوں کے سامنے نو اسٹارٹ نہ ہوں گئے اس لیے مدرسہ مولانا شاہ اسحق اور مولانا یعقوب کے لیے قطعہ زمین  
یہیں خرید کر اس میں عمارت مکانات بنا دیئے، اللہ انہی کے نام کو داہیئے، چنانچہ مولانا صاحب چند  
سال ان مکانات میں رہے اس کے بعد ہجرت فرما گئے، یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ کے نام سے مشہور ہے  
جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے،  
مدرسہ کے بعد :-

مسلمانوں کی عمارتیں کوڑیوں کے مول بھام کی گئیں اور ہندوؤں نے خرید لیں چنانچہ :-  
اب چونکہ یہ کل جاڈ اور اسے بہادر لالہ شیو پرست اور صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر  
”مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کش داس“

کا نقشہ دیا گیا ہے۔ اور اب ۱۹۴۶ء کے خون ریز انقلاب کے بعد تاریخ نے اپنے  
آپ کو بچے سے زیادہ عبرت انگیز طور پر دہرایا ہے

ناعتی و ادلی الالبصار

”کمرہ نگلش نہایت بے نظیر کمرہ ہے رفعت میں آسمان  
سے باتیں کرتا ہے استواری میں کوہ پر طعنہ مارتا ہے۔“

ہائے یہ مکان آف وہ مکین

نواب فیض ان خان نگلش نے ہزاروں روپے کے صرف سے بنایا ہے اس وقت لالہ بشیر سہائے  
گماشتہ کمٹریٹ ساکن اجیری دروازہ کے قبضہ میں ہے

م : واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم (البشر الدین احمد) ص ۱۶۶

م : یادگار دہلی (سید احمد دہلی) ص ۹

ضبط شدہ عمارتیں عیسائیوں کے متعلق گھر | احمد پانی کی سرانے کے پاس تراہہ ملتا ہے بائیں ہاتھ کے رخ پر نہر سعادہ خیلان

کے اس طرف کیمبرج مشن کی بڑی عالی شان عمارت سرمنی رنگ کی وسیع کوٹھی ہے مشن نے یہ کوٹھی نیلام میں کوٹھڑیوں کے مولیٰ بارہ ہزار روپیہ میں خرید لی۔ یہ کوٹھی نواب بہادر جنگ کی تھی جو مندر ہر گئی تھی۔

کلاں محل لالہ جی کے متعلق | شاہجہانی عمارت ہے قلعہ معلیٰ کے بننے سے پہلے شاہجہان، بادشاہ اس میں مقیم تھے کہیں زمانہ میں بدست

بڑا محل تھا، مسجد محل اس سے کم ہے غلہ کے بعد لالہ چچا مال نے کوٹھڑیوں کے مولیٰ سے یہ سڑا۔ کتاب گنج کے مندر کے مغربی گوشہ میں ایک مسجد تھی جو غلہ کے بعد منہدم کر دی گئی اور وہ

جگہ مندر میں شامل کر لی گئی۔

ایک پرانی گھر عالی شان عمارت اعلیٰ محل کی ہے حال میں سلطان سنیٹ | رئیس دہلی نے خرید لیا ہے اور اپنے طرز پر نوادہ ہے میں

انگریزوں نے الیل مستعد کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہوئے بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کر دیا۔

خاندان مغلیہ کو غیبت و نابود کر دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں امتزاق کی علیج پیدا کر دی لیکن اس غش کو نہ دھٹا سکے جو اس با عظمت خاندان نے قائم کر دیا تھا۔

- ۱ : واقعات دار الحکومت دہلی (البشر الدین احمد) حصہ دوم ص ۲۵۱  
۲ : واقعات دار الحکومت دہلی (البشر الدین احمد) حصہ دوم ص ۱۴۲  
۳ : واقعات دار الحکومت دہلی (البشر الدین احمد) حصہ دوم ص ۲۱۵  
۴ : واقعات دار الحکومت دہلی (البشر الدین احمد) ص ۱۴۲

۴ ایک تاریخی واقعہ یاد آگیا ہے وہ بھی لکھا ہوں ” جب قلعہ معلیٰ دہلی پر انگریزوں کا مستعینہ ہو گیا تو کچھ زمانے کے بعد ہمارا راجہ جے پور بطریق سیر داخل قلعہ ہوئے ، جب تخت کے سامنے پہنچے تو بہنہ پاٹھ جوڑ کر تخت کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا ۔  
 ” مہابلی پھر کوٹ لے “

تمام راجہ اکبر اعظم کو مہابلی ” زبردست قوت والا “ کہہ کر خطاب کرتے تھے ۔  
 ہمارا راجہ نے بھی دولتِ مغلیہ کی گود میں پرورش پائی تھی لہذا عالم بے تودی میں پہنچ گئے کہ  
 ” اکبر اعظم ایک مرتبہ پھر آکر تختِ مغلیہ پر جلوں فرما “

بادشاہ پرستی کا یہ حقیقی جذبہ تھا اور یہی وہ احساس تھا جس نے واجد علی کو بھی آدابِ بہا  
 لانے پر مجبور کیا تھا ۔ آج دنیا میں شاہ اور وزیر دونوں نہیں ہیں لیکن یہ سچے جذبات اس قابل ہیں  
 کہ موجودہ اور آئندہ نسلیں اس واقعہ کو یاد رکھیں اور ہمیشہ قومی حکومت کا احترام کریں ۔  
 واجد علی شاہ کے ہاتھ میں ایک مرصع عصا تھا وہ ندریں پیش کیا جس کو شاہ ظفر نے  
 غنوں سے قبول کیا اور ظفر شاہ کے ہاتھ میں جو زمرہ کی بسیج تھی وہ واجد علی شاہ کو عنایت فرمائی  
 اس عطیہ پر شاہ نے پھر سلام کیا اور دست بوسی پر یہ ملاقات ختم ہوئی ۔



# کالا پانی

کالا پانی ————— کتنا بھیانک، کتنا لرزہ خیز، اور کتنا ہولناک لفظ ہے! لیکن یہی کالا پانی، جب مجاہدوں اور سرفروشاں کامرگز بن جاتا ہے، تو یہ ابک مقدس مقام بن جاتا ہے، اب تک یہاں، وہ لوگ پکڑ پکڑ کر بھیجے جاتے تھے، جو انسانیت کے دشمن تھے، اقدار انسانی کے مخالف تھے، اب وہ لوگ پابجواں لائے گئے ہیں، جن کی ذات پر، مسند علم و فضل کو فخر ہے، جن کے ارشادات کو کرو بیان جو شش عقیدت سے بے خود ہو کر سنتے ہیں۔

جہاں ہم خشت خم رکھیں بنائے کعبہ پڑتی ہے  
جہاں ساغر ٹپک رہیں چشمہ زمزم اُبلتا ہے  
کالے پانی کی کہانی، اپنے اندر نوادرات و عجائبات کی ایک دنیا پنہاں رکھتی ہے، لیکن ”نظرے نوش گزرے“ کے طور پر اس کے جستہ جستہ، اور چیدہ چیدہ واقعات، ذیل میں مختلف ماخذوں سے اخذ و التقاط کے بعد درج کرتے ہیں:

کالا پانی کیسے بنا؟

تقریباً ۱۸۵۷ء سے اوّل لائنٹ بلیر ایک جہاز سی سرور نے یہاں آکر نگر ڈالا تھا۔ اسی سبب سے پوٹ بلیر اس جزیرہ کا نام ہوا۔ اسی ایام میں جس کو تو برس ہوئے سرکار نے پہلے بھی یہاں قیدیوں حبس العجور دریائے شور کا کھنا تجویز کیا تھا مگر ناموافق آج اب وہاں کے سبب سے ۱۸۵۷ء میں یہ جزیرہ آباد ہو کر پھر اُجڑ گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد سرکار کو پھر اس کی ضرورت ہوئی، اور

مارچ ۱۸۵۷ء سے گویا دوبارہ اس کی آبادی شروع ہوئی۔ اور پہلے پہل بغاوت کے قیدی یہاں لا کر رکھے گئے۔ (۱)

**کالے پانی کے درہائے مکنوں** | کالے پانی میں کیسے کیسے علماء حق اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے؟ چند کے نام سن لیجئے:

انٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء کو جہاز سے معدوم دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ بلیئر انڈمان ہوئے۔ صعوبات و تکالیف جہاز طے کر کے گیارہویں جنوری ۱۸۶۶ء یہ قافلہ جزیرہ انڈمان روانہ ہوا۔ یہاں منشی سید اکبر زمان اکبر آبادی ہنگامہ ۵۷ء کے باغی علمائے سے تھے۔ انھوں نے اپنے مکان میں بے جا کر رکھا۔ مولانا احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی ایک جگہ رہے۔ میاں عبدالغفار بھی ان کے پاس رہے۔ منشی صاحب موصوف نے ہر قسم کی معاونیت ان صاحبوں کی مولانا یحییٰ علی صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۶۷ء کو انتقال فرمایا۔ (۲)

**درس قرآن و حدیث** | کالے پانی کے یہ مجرم، نہ ڈاکو تھے، نہ چور، نہ قزاق، نہ رہزن، نہ قاتل، نہ ٹھگ، یہ اسلام کے مجاہد اور مبلغ تھے، میدان جہاد ان کے یمن قدم سے مقدس بن گیا، کالے پانی کا سیاہ خانہ ان کی عبادت اور مجاہد سے منور ہو گیا، لازم کے میدان میں یہ احکام الہی سے غافل نہ ہوئے جس کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بھی یہ اپنا فرض ادا کرتے رہے:

”صادق پور پٹنہ کے مکانات جن میں جماعت کے لوگ ٹھرتے تھے۔ معہ مکانات سکونہ کھدوا کر پھینکوا دیئے گئے۔ ۱۸۶۲ء کے آخر تک بہار اور بنگال میں گرفتاریوں کا سلسلہ

جاری رہا۔ پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ پٹنہ میں مولوی نصیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک مقرب و ضعیف شخص ابراہیم منڈل گرفتار کر لیے گئے اور پرانے گواہوں سے گواہی دلو کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا۔ امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کا کل خرچ پورا کیا۔ (۱)

مولانا جعفر نے ایک نو مسلمہ سے شادی کر لی وہاں ان کے اولاد ہوئی۔ مولانا جعفر اور مولوی سبکی علی نے وہاں بھی درس قرآن و حدیث جاری رکھا۔ گھر گھر جا کر یہ لوگ نماز روزہ کی تلقین کرتے۔

مولانا جعفر اٹھارہ سال انڈمان رہے۔ ۱۸۸۳ء میں معارفہاء کے رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے۔

**بوستانِ ہفت کشور** | یہ علماء حق، جن کے سینے علم کی روشنی سے منور، جن کے دماغ علم الہی کے مخزن، اور جن کے دل، جب رسول سے سرشار تھے، دریائے شور کی تکلیفوں اور اذیتوں سے بے پروا، اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، وہی ذوق یقین، وہی شوق جستجو، وہی جذبہ تبلیغ، جیسے انھیں طرح کی آسودگی اور آسائش حاصل ہے۔

علامہ فضل حق جزیرہ انڈمان پہنچے مفتی غایت احمد کا کوردی صد امین بریلی و کول مفتی مظہر کرم دیا آبادی اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہلے پہنچ چکے تھے ان علماء کی برکت سے یہ بڑا نام جزیرہ دارالعلوم بن گیا ان حضرت نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا خرابی آب و ہوا تکالیف شاقہ اور دردِ جدائی امسا، اذاعزہ کے باوجود علمی مشاغل جاری رہے، مفتی صاحب نے علم الصیغہ جیسی صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ سرکاری



ڈاکٹر حکیم امیر خان کی فرمائش سے تواریخ حبیب اللہ بھی تالیف کی (یہ تاریخی نام بھی ہے)  
ان دونوں کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے سینے علم کے  
سفینے بن گئے تھے تاریخی یادداشت ترتیب واقعات قواعد فنون ضوابط علوم، سبھی حیرت انگیز  
کرشمے دکھا رہے ہیں ایک انگریز کی فرمائش پر تقویم البلدان کا ترجمہ کیا جو دو برس میں ختم ہوا اور  
وہی رہائی کا سبب بنا۔

والپی ہندوستان پر شاگرد رشید مفتی لطف اللہ علی گڑھی تاریخ لکھ کر پیش کی۔  
چو بفضل خالق ارض و سما استاد شذوذ قید غم رہا  
بہر تاریخ خلاص آنجناب برنوشتم این استیاذی بخا (۱)  
منشی منظر کریم نے میجر جان ہارن بہادر کمشنر جزائر دریائے شور کی فرمائش پر  
مرصد الاطلاع کا ترجمہ کیا، سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے پانچ اشعار میں تاریخ لکھی آخری  
شعر یہ ہے ۷

منیر اس کی کہی تاریخ یوں سال مسیحی میں  
یہی سیر جدید بوپستان ہفت کشور ہے (۲)

اب تک کالا پانی، قاتلوں، ڈاکوؤں اور بد معاشوں کا مرکز  
**شہیدانِ حریت!** اکتھا، اب یہاں کی زمین آسمان بن گئی، یہاں وہ لوگ  
آجسے، جو موت سے بے پروا ہو کر، میدانِ جہاد میں کودے تھے، جو بظاہر نا کام رہے،  
لیکن جن کی کامرانی پر فرشتے رشک کرتے تھے۔

”میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس غدر ۱۸۵۷ء کی بدولت بیسیوں راجے اور نواب  
اور زمیندار و مولوی، مفتی، قاضی، وڈپٹی کلکٹر و منصف و صدر امین و صدر الصدور رسالہ دار

(۱) استاد العلماء

(۲) کلیات منیر شکوہ آبادی،



وصوبہ حارہ و جمہدار وغیرہ وہاں بند ہیں۔ (۱۱)

یہ بے کیف، پُر سوز، اور اذیت رساں زندگی بھی،  
**علمی مباحث، ادبی مشغلے**  
 علمی دلوں، اور ادبی سرگرمیوں پر اثر انداز نہیں ہو  
 سکتی تھی، اس حالت میں بھی، بحثیں ہوتی تھیں، نقد و جرح کا طلاق قائم رہتا تھا، شعرو شاعری  
 کے مشاغل جاری رہتے تھے،

منیر اپنے ایک خط میں انڈمان سے محمد وزیر خان مقیم شہر باندہ کو (۲۳ مارچ ۱۸۶۲ء)  
 لکھتے ہیں۔

”بیشتر غزلیات و بعض قصائد لباس نظم پوشیدہ ازاں جملہ یک قصیدہ در طرز بد چاچی و  
 خاقانی کہ بہ مبالغہ و اصرار عالم معقول و ادب علامہ بسبب المشتہ فی الہذ جناب مولوی فضل الحق  
 خیربادی بہ نظم آوردہ بالجملہ قصیدہ الیت کہ از قدرت ایزدی خبر میدہد (۲)  
 علامہ کے اصرار پر (۱۰۱) اشعار کا حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بڑی  
 قابلیت سے ایک قصیدہ لکھا، قصیدہ کا پہلا مطلع یہ ہے

اشک زلیخا ہوئے بحر صفت جوش زن  
 غرق ہوا نیل میں یوسف گل پیسہ ہن  
 آخری اشعار کے ذریعہ ساری روئداد منیر ہی کی زبان سے سنئے۔  
 مخزن فضل و کمال عالم عالی مقام  
 ناقد تازی زبان نبض شناس سخن  
 مولوی بے نظیر فضل حق اسم شریف  
 دہلی سے تالکھنؤ مشہور مومتن  
 قید میں ہیں اور وہ رہتے تھے انکی جگہ  
 عین سمند میں تھے غرقہ بحر سخن

(۱) تاریخ عجیبہ (مولانا جعفر تافیزی) ص ۹۱

(۲) کلیات منیر

کننے لگے ایک دن کچھ سبب اس کا بتا  
مصطلحات مجھ اور کنایات فرس  
یا مستعمل نہیں احبہ اردو زبان  
گو غزل میں نہو پر ہے قصیدے میں فرس  
حضرت سودا بغیر کس نے قصیدے کہے  
شاعروں میں جز غزل پھر نہ کسی نے کہا

شاعر اردو زبان اسمیں ہوں لیا کہن  
کس لیے کرتے نہیں زینت نظم سخن  
یا کوئی لائق نہیں تم میں بے ریت وطن  
دقت مضمون سے ہے سخن بوجہ حسن  
وہ بھی پر اس راہ میں ہونے کے قطر وزن  
زعم میں گوا اپنے ہو طوطی شکر شکن

میں نے کہا راست ہے آپ جو فرماتے ہیں  
مصطلحات غریب جو کہ نہ معروف ہوں  
جو متعارف ہوا شاعروں میں پہلے سے

آپ نہیں تو کہے کچھ یہ اسیر سخن  
نظم کرے کس طرح شاعر ہندی سخن  
اس کو بھی سن سن کے آج ہو تپیں لعل سخن

کننے لگے یہ کلام اہل دے مغرب ہے  
گرم ہوئے بڑھ گیا سلسلہ قمر و شمس  
کہتے تھے وہ بار بار ہندیوں سے ہے حال

میں شعرا بے سواد جہل ہے ان کا وطن  
بسکہ تھے نازک مزاج ماتھے پہ الی شکن  
دمن و کنایات میں دقت و لطف سخن

ہو کے ادب سے نموش پھر یہ قصیدہ کہا  
قید میں قحط کتاب مافظہ از لبس ضعیف  
بعض تراکیب خاص طبع کی ایجاد ہیں  
نصف قصیدہ کیا سامنے ان کے رقم  
میری خطائیں کریں صاحب انصاف غفور  
غیب کے تاریخ تو ہاتھ لگی اسے منیر

کو پڑھ لو میں پیدا قاصد مشق کہن  
پر مدد غیب سے غامہ ہوا حرف زن  
نظم ہوئیں جو تھیں یاد مصطلحات کہن  
ختم ہوا جب وہ تھے ہم دم گور و کفن  
قید میں خود میں ہوں پوچھ پوچھ ہے میر سخن  
جز دہل و جان ہوئی شرح حدیث حسن

## مولانا جعفر تھانیسری کی سرگزشت

کالے پانی کے بارے میں ہمارے معلومات بہت نامکمل اور آتشہ ہیں،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مدد مولانا جعفر تھانیسری سے مل سکتی تھی، وہی ایک ایسے شخص ہیں، جس نے وہاں کے مشاہدات پر پوری ایک کتاب لکھی ہے، لیکن اپنے حالات لکھنے میں انھوں نے جتنی دریا دلی دکھائی ہے، دوسرے رنقائے محبس کے حالات لکھنے میں اتنا ہی بخل کیا ہے مولانا نے وہاں کے حالات پر مشتمل ایک کتاب "تاریخ عجیب" تحریر فرمائی تھی، اس تاریخ کے مختلف مقامات کے ٹکڑے، ہم ایک داستان کی صورت میں مرتب کر کے اپنی طرف سے کوئی لفظ بڑبڑائے بغیر درج کرتے ہیں، اس داستان سے، دوسروں کے حالات کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

(۱)

## گرفتاری

پارس صاحب دوسرے دن میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر تھانیسری

آیا اور مجھ کو وہاں نہ پا کر شبہ میں آفت بچا دی۔ سینکڑوں گھروں کی تلاشی ہوئی۔ پچاسوں مرد عورت پکڑے گئے۔ میری بوڑھی والدہ اور میرے چھوٹے بھائی محمد سعید کو جو اس وقت صرف بارہ تیرہ برس کا تھا اس کی بیوی کو پکڑ کر ان پر سخت عذاب اور مار پیٹ شروع کی اور ایسا ظلم اور زیادتی پردہ نشین عورات پر ہوئی کہ جس کو سن کر دل کانپ جاتا ہے۔ میری بیوی کو بھی پکڑنے کے لیے ایک ڈوڑھیانی پت کو گئی۔ مگر مولوی رضی الاسلام صاحب کی جو ان مرد والدہ کی دلیری سے میری عورت بچ گئی۔ خیر ان مار کھانے والوں میں ایک میرا بھائی محمد سعید نہایت کم سن اور لذت ایمانی اور فضائل ثابت قدمی سے سراسر بے بہرہ تھا۔ اس سخت مار پیٹ کو نہ اٹھا سکا، اور ڈر گیا اور اپنی جان بچانے کے واسطے بول اٹھا کہ میرا بھائی دہلی کو گیا ہے۔ یہ میری خود غلطی تھی کہ ایک ایسے اہم راز میں ایک نابالغ بچے کو آگاہ کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ میری گرفتاری ہوئی۔ اس وقت پارس صاحب میرے بھائی کو لیکر سواری دہلی پہنچے۔ ادھر پنجاب میں میری جا بجا تلاشی ہوئی۔



دس ہزار روپیہ کا اشتہار میری گرفتاری کا جاری ہوا۔

(۲)

**پھانسی گھر** | اسی دن شام کو جب میں تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا پارسن صاحب ہاں پہنچ گئے اور مجھ کو قید میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دے دیا کہ اسے پھانسی گھر میں بڑی حفاظت کے ساتھ بند کر دو۔ اسی دن میں ایک بڑی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور دو تین پہرے اس کے چوگرد مقرر کر دیئے گئے۔

(۳)

**دہکی اور مار پیٹ** | دوسرے دن پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر وٹکفیل صاحب ڈپٹی انسپٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹامی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یا جوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال بتا دو تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلی دفعہ دھماکایا اور پھر بازنا شروع کیا۔ جب میری مارحد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹامی صاحب اور وٹکفیل صاحب کوٹھری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدم مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دن مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم اور تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اب مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمے کچھ رمضان کے روزے باقی تھے۔ دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا، علی الصبح پارسن صاحب پھر آئے اور وہی کاہ وانی شروع کی۔ مگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی نگہی میں بٹھلا کر ٹامی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا۔ جہاں وہ دونوں صاحب یعنی ٹامی صاحب اور وٹکفیل صاحب بھی موجود تھے۔ اس دن انھوں نے میری بڑی چا پلوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معادین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے علاوہ بڑا عہدہ بھی دیں گے۔



اور بصورت نہ بتلانے کے پھانسی ہوگی۔ میں نے اس چالوسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارسن صاحب انگریزی میں ان دونوں سے کچھ باتیں کر کے مجھے الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھے اتنی مار پڑی کہ شاید کسی پرہیزگاری ہو لیکن بفضل الہی سب سہا گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے۔ تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھو جب وہ ہر طرح سے مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کو مجھے جیل خانہ کو بھیج دیا۔ میں تمام دن روزے سے تھا۔ بنگلہ سے نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کیا اور جیل خانہ میں پہنچ جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اس کو کھا کر اور شکر الہی کر کے سو رہا۔

(۴)

**بھائی سرکاری گواہ بن گیا** | آدم برسر مطلب دسمبر سے اپریل تک یہ رپورٹ دیا گیا ہو کر مباحہ اپریل مجسٹریٹ ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچہری لے گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کو لٹا کر سے گواہ ہو گئے اور اس کا ردوائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملائے تھے۔ ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت ہماری طرف دیکھ کر زار زار دتے بھی جاتے تھے۔ مگر بے بس اگر گواہی نہ دیوں تو قطع نظر ریپٹ کے پھانسی کا بھی سامنا تھا اور یہ سب گواہ تھے شہادت محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پائیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی ان کو ٹمڈہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بے جا زاموں میں صرف ہو گیا اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام کا ایک لڑکا جو مدت تک میرے کمرے میں رہ کر پڑوش پایا تھا۔ جب مجسٹریٹ میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت سے کھسکا اور آواز سے میرے اوپر کمرے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو ایسی سزا دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدر سے قبل از پیشی مقدمہ سشن کے مر گیا۔

**انگریزوں کا تعصب** | صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت حد پیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے، ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جائے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی، مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے۔ ہم نے عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اٹاروں سے نماز پڑھ لی۔

(۶)

**مولانا مجیبی علی** | مولوی مجتبیٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی وہ بڑے درد اور عشق سے یہ شعرا کثر سید صاحب کے قراق میں پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوٹے یار سے گزرے  
کون سی رات آن پیلے گا دن بہت انتظار میں گئے

(۷)

**پھانسی کی سزا** | بعد التوائے دراز کے ۲۲ مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن بجوانج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتوے سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایما د گورنر صاحب کے لکھوائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چار اسمیروں سے جج صاحب نے مخاطبہ ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اوّل سے آخر تک سنا اب جو آپ کی رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا یہ چاروں اسمیر اس وقت بھی ہماری شکلیں دیکھ کر آنسو بھر بھرا لائے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے مگر جب صاحب جج اور کشر صاحب کی رائے کو ہماری سزا پر پائل پایا تو مارے ڈر کے انھوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فرد قرار داد ان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج اور کشر نے بعد حصول اس حیلہ قانونی کا اپنی تجویز جو پہلے ہی میسر پر لکھی رکھی تھی، پڑھنی شروع کی، پھر سب سے پہلے

میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند۔ ذی علم اور قانون دان اور اپنے شہر کے رئیس اور نمبردار ہو۔ تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا ہے، تمہارے ذریعہ آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلہ بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جائے گی اور تمہاری کل جائیداد ضبط سرکار ہوگی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جائے گی۔ بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ اس گورستان جیل میں گاڑ دی جائے گی، اور آخر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔ یہ سارا بیان میں نے صاحب موصوف کا نہایت سکون سے سنا۔ مگر اس آخری فقرے کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے لیکن اس جواب با صواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر سزا میں اس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا، مگر اس وقت میرے منہ سے الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ ہوں، مگر وہ حکم دینے کے تھوڑے عرصہ بعد ناگہانی موت سے راہی ملک عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا خوش ہوا تھا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اتنا مسرور نہ ہوتا۔ اسی حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ جنت الفردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں تھیں۔ میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع صاحب تین آدمیوں کے واسطے پھانسی باقی آٹھ آدمیوں کے واسطے عبور دیئے شور مع ضبطی کل جائیداد کے سزا ہوئی، میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشتاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ تاہم انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما۔ اس دن پولیس والے اور تماشا بین مرد و عورت بہت تھے۔ قریب شام کے احاطہ کچہری انبالہ کا خلعت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سنا کر ان کا چپ ہونا تھا کہ صد ہا مسلح اہل پولیس



ذیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آکر کہنے لگے کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے۔ تم کو  
 روزا چاہیے تم کس واسطے اتنا بتاؤ۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر  
 جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے  
 کہ پارسن بھی ایڈورڈ صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے  
 بڑا ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بیان نہیں کر سکتی۔ مگر خدا تعالیٰ منتقم حقیقی تو موجود تھا گو  
 اس کے کام دیر اور سہولت کے ہوتے ہیں۔ ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن ہوئے تھے کہ یہ بے  
 خوف بھی دنیا میں پاگل ہو کر راہی ملکِ عدم ہوا۔ جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت اور گردِ شکر کے  
 ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی اور وہاں پہنچ  
 کر ہمارے کپڑے اور لباس معمولی ضبط کر لیے گئے اور ہم سب کو گیر والباس پہنا دیا ہم قینوں پھانسی  
 والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے  
 قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔

(۸)

**انگریزوں کو تعجب** | اہالیان جیل ہم کو پھانسی دینے کا انتظام کر رہے تھے اور ادھر  
 ہم انگریزوں کا بتاؤ بن رہے تھے صدیاً صاحب اور ہم لوگ  
 ہم کو دیکھنے پھانسی گھروں میں آئے تھے۔ مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی والوں کے ہم کو  
 نہایت شاداں و فرحاں دیکھ یہ یورپین بہت تعجب کرتے۔ اکثر پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد  
 پھانسی ہوگی۔ تم خوشی کس واسطے کرتے ہو ہم اس کے جواب میں صرف اس قدر کہہ دیتے کہ  
 ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہے۔  
 اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

(۹)

**مجاہد کا انتقال** | ایک دن رات کو اسی پھانسی گھر میں ہم قینوں آدمی ایک  
 جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تھے کہ اس وقت ہمارے



سب محافظ صلح کر کے کہنے لگے کہ تم تینوں آدمی اس اندھیری رات میں بھاگ جاؤ ہم کو بجرم غفلت کچھ قید وغیرہ کی سزا ہو جائے گی۔ سو اس کو ہم بھگت لیں گے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ خداوند کریم اس نیک نیتی کا اجر تم کو دیوے، مگر تم نہیں بھاگیں گے۔

(۱۰)

**انتقام کا انوکھا طریقہ** | جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں اور فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب صاحب

سب لوگوں میں پھیلا۔ تب ان صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے۔ یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینا نہیں چاہیے بلکہ ان کو کالے پانی بھیج کر وہاں کے مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیے ہم نے دیکھا صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۹ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت درست تصور کرتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس لیے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہ دے گی، تمہاری پھانسی سزائے دائم الجبس بعبور دریاے شور سے بدل گئی بہ مجرد سنانے اس حکم کے ہم کو پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانے کے دستور کے موافق مقرض سے ہماری داڑھی اور مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی ہوئی بھیڑا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

(۱۱)

**رہائی کے بعد! وہ پرانا آشیانہ** | جب میں تھانہ میں گیا تو میں نے اپنے موروثی مکان مسکن پر جا کر مالک مکان سے جو اس وقت اس

مکان میں آباد تھا بہ عاجزی تمام یہ اجازت چاہی کہ اپنے زمانوں کو کسی ایک کمرے میں علیحدہ

کر کے مجھ کو اس مکان کے اندرونی قطعات کی زیارت کر لینے دو۔ مالک مکان نے مجھ کو شناخت کر کے بڑے اخلاق سے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ مجھ کو اس جگہ بھی قدت الہی یاد آئی کہ جس مکان کو خود میں نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے تعمیر کیا تھا اب اس کے اندر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس مکان کو ریاضے پاک کر کے قبول کر لے اور اس کا بدل کوئی مکان آخرت میں عطا کرے۔

(۱۴)

**نئی زندگی، نئے حوصلے** | بفضل الہی اب میں قطعی آزاد ہوں، جہاں چاہوں رہوں اور جو چاہوں روزگار کروں۔ بضرورت کاروبار ریاست لاہور اور کلکتہ کے مابین دورہ سیر میں رہتا ہوں بلکہ ایک مقدمہ ریاست ارنولی کی پیروی میں میرا ولایت جانے کا بھی ارادہ ہے۔ جہاں انشا اللہ تعالیٰ ڈاکٹر پیٹریٹ صاحب اور دوسرے مخالف اور موافق لوگوں سے ملاقات کر کے اس قدت الہی کا ان سے اعتراف کراؤں گا جب میں کچہری انبالہ کے اس مقام کو دیکھتا ہوں کہ جہاں مجھ کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تھا اور یا جب جیل انبالہ کے پاس سے جس میں ڈیڑھ برس قید رہا تھا گزرتا ہوں اور یا ان سڑکوں پر سے گزرتا ہوں کہ جہاں سے بعد سنائے حکم پھانسی کے ہم کو جیل خانے لے گئے تو قدرت الہی کو دیکھ کر سہارا دل ہل جاتا ہے اور یہ خیال ہو جاتا ہے کہ بروز سنائے حکم پھانسی کے کسی کو گمان نہ تھا کہ میں پھر اس کمرہ عدالت میں یا ان مقاموں پر کبھی کھلا ہوا بے روک ٹوک پھرونگا ہرگز کسی بشر کو گمان کیا اس کا وہم بھی نہ تھا یہ فقط اس رب قدیر کا کام ہے +

# خونِ ناحق

## قتل — پھانسی

قریب ہے یالہ، لوندہ شتر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکہ  
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکالے گا آستیں کا

فاتح کی سفاکی، شہادت، اور خونِ آشامی کے اصل مظاہرہ کا وقت میدانِ جنگ نہیں ہونا۔ شہر  
کی گھیاں ہوتی ہیں، چوراہے ہوتے ہیں، وہ مد مقابل سپاہیوں کو اس بے دردی سے قتل نہیں کرتا،  
جس سٹگ دف سے ان بوٹوں کی گردنیں کاٹتا ہے، جو گوشت پرکھتے ہیں، لیکن، جنگ کرنے کی استعداد  
و صلاحیت رکھتے ہوں،

دلی فتح کرنے کے بعد، انگریزوں نے، اس طرح قتل عام شروع کر دیا، جس طرح عہدِ مظفر میں،  
چٹیز اور ہلاکو کی فوجیں کیا کرتی تھیں، ذوقِ بے کچھ ہے وہ یہ ہے کہ چٹیز اور ہلاکو اپنی بوٹوں کی گردنیں قائم  
کرتے تھے، جنہیں معافی نہیں دیتے تھے، لیکن انگریزوں نے یہ قتل عام، عقوبتِ عمومی کے غلام، اور ملکہ  
و کشور کے مشور کے بعد کیا،

جو لوگ قتل کیے گئے، جنہیں پھانسی دی گئی جنہیں ہلاک کیا گیا، ان میں عام، خاص، عیب  
و امیر، بے اثر، اور با اثر، جائیداد دار، اور فقیر، بزرگ، و پیشہ، ہر طرح کے لوگ تھے، قتل و ہلاکت کا فیصلہ  
کرنے میں اس قدر تعجیل و غفلت تھی کہ کسی کے کہیں، پر غور کرنا، کسی کی زیادہ سفاکانی کے دلائل

اور وہ غور کرتا، وقت کا مائع کرتا تھا۔

حیرہ محکمہ بادشاہ نعمان بن منذر کے بیٹے محاضرات کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس نے ایک غنیمت مقرر کر رکھا تھا، اس دن جس شخص پر نظر پڑ جاتی، خواہ وہ کتنا ہی مقرب بادشاہ ہوتا، اس کی گردن قلم کر دی جاتی، غدر کے بعد انگریزوں نے، یوم غضب، کو ایک دن تک نہیں، ہفتوں اور مہینوں تک طول دیا اور اس عرصہ میں جو قاتل کے سامنے سے گئے اسے نذر میں اپنا سر پیش کرنا پڑا،

یہ واقعات تصدیق میں بہت زیادہ، اور نوعیت میں بہت مفصل ہیں، لیکن اگر سب کو بیان کرنے کی طاقت نہیں، تو چند کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، اس داستان کو کسی نہ کسی حد تک توسیلاً ہی پڑے گا۔ اجمال سے تفصیل آپ خود پیدا کر لیں گے

تو خود حدیث مفصل بخاں ادریں محمل

خدا میں شرکت کے جرم یا اشتباہ میں جو لوگ گرفتار ہوئے، انہیں کس طرح پھانسی دی گئی، یہ جگر خراش منظر کلیجہ تمام کر دیکھئے۔

### پھانسی کا عام نظارہ

ان میں سے کچھ تو گولڈا نودہ کے عجیبیٹ نے درختوں پر پھانسی میں لٹکائے باقی جو دہلی میں آئے ان کے گلوں میں بھی پھانسی کی رتی پڑی۔ ان کی ٹاٹ باقی جو تیاں اور مردوں کے بناری دوپٹے جو پھانسی کے وقت آئے ان کو لے کر پھانسی دینے والا حلال غور منہال ہو گیا۔ آج کے دن دو چار بوٹھی شریف زادی عورتیں اپنی اولاد کے دیدار کو آخری وقت میں دیکھنے کے لیے۔ کسی طرح پھانسی کے پاس آگئیں تھیں۔ اس وقت کی حالت بیان نہیں ہو سکتی۔ جان لارنس کی لائف میں لکھا ہے کہ ایک واقعہ کاروباری دکاندار نے یہ بندوبست کیا تھا۔ کہ اپنی دوکان کے سامنے چند کرسیاں لاکر بچھا دیں۔ اور ان کرسیوں پر چند انگلش افری بیٹھ کر چوٹ پیتے تھے اور کرسیوں کے کراہے میں پیسہ دیتے تھے اور پھانسی والوں کی حالت نزع کا تماشہ دیکھتے تھے۔ کبھی جمیوں کا گزر آدمیوں کے پھانسی کے گھٹنے کے وقت۔ پھانسی کے پاس ہوتا تو وہ اپنی ٹوپی اتار کر اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں۔

” تاریخ عروج و زوال انگلیش دکاندار لارنس“



نواب جعفر اور راجہ بلب گڑھ کو پھانسی کی سزا دی تھی ہونے کے چند دن بعد لاٹھو کے

رہنماؤں کو دیگر تعلقہ داروں کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ ہوئی۔ جب فوج وہاں پہنچی تو لاٹھو کے رئیس نے تھڑی دیر انگریزی فوج سے مقابلہ کیا آخر میں انہیں ہٹا کر ۲۵ ستمبر کو برقی مہینے۔

انگریزی فوج نے لاٹھو کے علاقے کو ضبط کر کے لاٹھو کے تھو کو کھود کو زمین کے برابر کر دیا۔ اہل بلند شہر کے بلکڑھ سب نے باغیوں کو بلند شہر خان پور اور خراجہ سے گرفتار کر کے کسی کو پھانسی دی۔ کسی کو جس مقام کی سزا دی۔ اور باقی لوگوں کو میرٹھ بھیج دیا۔ اور کچھری وغیرہ کا کام پھر بدستور جاری ہو گیا۔ اسی طرح دہلی کے حکاموں نے مجرموں کو گرفتار اور جائیدادوں وغیرہ کو طلب کر کے قبضہ کر دیا۔ اور سینکڑوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ ان بی جا گیرداروں میں عبدالرحمن خان رئیس جعفر اور راجہ بلب گڑھ بھی تھے ان پر یہ الزام تھا کہ انہیں انگریزوں نے جان بچا کر ان سے پناہ چاہی۔ تو انہوں نے پناہ نہ دی۔ اسی جرم میں ان دونوں کو پھانسی دی گئی۔ اور ان کی جائیدادیں وغیرہ ضبط کر لی گئی۔ قصہ مختصر دنانہ لوگ گرفتار ہو کر آتے تھے۔ اور سزائیں پاتے تھے۔ بعض بھڑو دیتے جاتے تھے۔ مخبر بہرہ طرف چھوٹے ہوتے تھے اور انہم کے لالچ میں لوگوں کو گرفتار کراتے تھے۔

ان لوگوں کو کس طرح پھانسی دی گئی، یہ بھی دیکھ لیجئے۔

"جیمز نواب کو اور بلب گڑھ کے راجہ کو اور فرخ نگر کے رئیس کو جدا جدا محنت ملتا۔ سب میں پھانسی دی گئی۔ سب کی پھانسی ہر وقت سے پہر تھا۔ ان کی پھانسی کے دن شہر کے سب دروازہ بند ہو جاتے تھے اور سپاہ کی ایک کمپنی باہر بجاتی ہوئی۔ کہ تو قوالی کے ماسے پھانسی کے پاس آنا کر لھری ہوتی تھی تو اس سے رئیس پھانسی پانے والا کراچی پر جس کے گرد ٹھہراتے ہوتے تھے۔ انہوں نے بتایا جاتا تھا۔ اور ان کی بیٹے خیر کنی ہوتی ہوئی تھیں۔ جن پر کچھ پڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ چاروں طرف تو قوالی کے ڈنگی تانٹاں بیٹھے

ہوتے تھے۔ جس وقت مجرم کو تختہ پر پڑھا کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کے تختہ کو پیچے گرتے تھے تو منافقانی فرنگی دل شاد ہو کر ایک خندہ دندان ناکرتے تھے۔ لاش پھانسی سے اتار کر ایک کراچی میں ڈال کر شہر سے باہر کسی گڑبے میں دفن کی جاتی تھی ! ”

علماء معززین شہر، اودے بے گناہوں کو پھانسی ”قواب بھنگ خاں کے صاحبزادے محمد علی نے جو داری کے راہر کے بیٹھے تھے۔ اپنے

تحفظ کے لیے مکان کے دروازے بند کر دیے تھے۔ چند گورکھوں اور یورپینوں نے جو شہر میں سوٹ مار میں معروف تھے دروازوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ کوشش میں تالام رسنے کے باعث وہ دیواروں پر پڑھ گئے۔ ایک اناجورہ نظارہ دیکھ کر بہت زور ہو گئی اپنے گود کے بچہ سمیت گویں میں گر پڑی گھر کی دیگر خواتین نے اس کی تقلید کی اور اسی گویں میں گر کر ہلاک ہو گئیں۔

محمد علی نے وسط مکان سے بندوق چلائی اور بین یورپینوں کو مار ڈرایا اس پر ایک بڑی فوج مکان پر حملہ آور ہوئی اور تمام اہل خانہ کو قتل کر ڈالا محمد علی بھی مقتولوں میں تھے مگر آخر وقت تک رڑتے رہے تقریباً ۶ ہتھیار بند آدمی جن میں شیخ امام بخش مہبائی اور ان کے صاحبزادے بھی شامل تھے جو دہلی کا راج سے متعلق تھے باغی سمجھ کر قتل کر دیئے گئے۔ ان میں فلاح اللہ خاں بھی تھے جو اپنے ننانے کے مشہور طبیب بھی تھے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے بغاوت میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا تھا۔ پھانسی پر لٹائے گئے۔ بھوجلا پہاڑی پر میاں امین صاحب نے جو ایک مشہور معروف غشی تھے پانیوں کو اپنے مکان میں داخل ہونے سے روکا انہوں نے داخل ہونے والے پہلے انگریزی پابی کو گولی مار دی اس کے بعد خود انہیں سنگینوں سے ہلاک کر دیا گیا لیکن انہوں نے مرتے مرتے اپنے قاتل کو بھی مار ڈالا۔ مولوی فرید الدین صبح کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے کہ انگریزوں دستہ انہیں راستہ میں ملا جس شدد کے ساتھ انگریزوں کاڑھا ہوا دریا آبلہ با تھا اس کا تقاضہ تھا وہ ان لہروں میں غائب

۱۱ تاریخ عروج مجدد انگلیر دقلا ایشی ص ۱۱

ہو جائیں۔ حکیم احمد حسین خان اور حکیم رفیع الدین خان بھی اسی طوفان کے مندر ہوئے۔ مرزا اسد اللہ خان کے بھائی مرزا یوسف خان جو مدت دراز سے حالت جنون میں تھے گویوں کے شور کی آواز سن کر بالیک بہر تکلے اور مارے گئے۔ شہر کے اور بھی بہت سے آدمی مارے گئے کیونکہ ان کی نسبت غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ باغی ہیں، خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس طرح سے قہر نازل کیا کہ لشکر و ترسب ہی کچھ جل گیا بے گن ہوں اور مجرموں کو یکساں سزا ملی۔ جن طرح سے ہمیں کو بے گناہ عیسائی قتل ہوئے تھے اسی طرح ۲۰ مئی کو بے گناہ مسلمان قتل ہوئے جو لوگ تو اسے پنج رسے انہیں پچانسی پر لٹکایا گیا ان میں نواب مظفر الدولہ محمد حسین خان۔ مرزا احمد خان۔ میر محمد حسین خان۔ اکبر خان۔ مہر خان نوشہر خان۔ حکیم عبدالحمید خلیفہ اس عین۔ محمد خان۔ رسالدار صفدر بیگ خان۔ عابد یار خان۔ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ شہزادے بھی دار پر کھینچے گئے۔ بہت سے آدمی جیل خانہ میں مر گئے باقی اور طریقوں سے ہلاک ہوئے یہاں تک کہ سر جان لارنس نے از سر نو امن و امان قائم کر دیا۔ اور مجرموں کی سماعت مقدمہ کے لیے عدالتیں کھول دیں۔ (۱)

**مہر سید کے ماموں شہید کر دیے گئے** | قتل اور پچانسی سے وفاداران سرکار بھی نہ بچ سکے؛ دیرالذولہ کے دو بیٹے تھے جو مہر سید کے ماموں

ہوتے تھے، بڑے وحید الدین خان جو مرزا جہانگیر کے بیٹے تھے، شاہ کی سرکاری میں مختار تھے، بعد فتح دہلی فوج کے کسی پابی کی گولی سے تاز پڑھتے ہوئے مارے گئے۔ دوسرے نواب زمین العابدین خان بن کو ان کے والد کی وفات کے بعد دیرالذولہ کا خطاب بادشاہ نے دیا تھا۔ (۲)

**پچانسی کیوں دی گئی** | پچانسی کے وجوہ بھی بڑے دلچسپ ہوتے تھے، حکیم عبدالحمید ابن نسیم حسین خٹم۔ یہ چند سال تک بلگرام کی دیوانی پر

(۱) خدکی مع و شام ص ۵۶

(۲) حیات ہا وید د عالی ص ۱۸



مقرر ہوتے۔ جب خوب روپیہ پیدا کر لیا اور مالدار ہو گئے تو ملازمت سے استعفیٰ دیکر گھر آ گئے۔ اعداء غائبانی سے دھمکی برسر کرنے لگے۔ ان کا اکڑ حامد علی خان کے ہاں راجہ جے سنگھ راؤ کے ہاتھوں کی وجہ سے آنا جانا رہتا تھا۔ اس لیے ان کو پھانسی دی گئی۔ ۱۱

پھانسی پانے والوں میں زخمی بھی تھے |  
 با اصول انسانیت نواز، اودھم دل انگریزوں نے  
 زخمیوں کو بھی پھانسی پر لٹکایا چنانچہ پھانسی پانے والوں میں

مہم ایک مصنف میگزین کے ملازمین کی بھی تھی جنہوں نے میگزین میں انگریزوں کے ساتھ شرارت کی ان کا سردار کریم بخش تھا۔ میگزین کے ملازمین میں سے بہت سے بھاگ کر بچے۔ بھری مصنف زخمی جہادیوں کی تھی۔ جو مسجدوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اودھ زخمی پناہیوں کی تھی جو بھاگ نہیں سکتے تھے۔ جو تھی مصنف باقی لشکروں کی تھی جو اس پاس سے چھپے پھپھائے پڑے آئے تھے۔ پانچویں مصنف ابھیری دروازہ کے موشیوں کی تھی۔ جو اپنی دوکانوں کے پردے کے بائیں نکال نکال کر سر قیہ قلم مسکات کے مارنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ابھیری دروازہ کے باہر اپنی جان بچانے کے لیے جاتے تھے۔ پھٹے میوٹی لور گوبرتے۔ جنہوں نے بڑی لٹس چھائی تھی۔ کو تو الی اسے تڑپ کے درمیان جو حوض تھا۔ اس کے ٹمن طرف پھانیاں کھڑکی کی گئیں تھیں۔ ان میں ایک دفعہ دسٹس بارہ آدمی کے پھانسی لٹکائی تھی۔ جس سے پھانسی پانے والے زیادہ ہوتے تھے۔ تو ان میں سے ایک ٹوہ پھانسی پر بٹھتا تھا۔ دوسرا ٹوہ کھڑا دیکھتا تھا۔ کہ اب ہماری باری آئے گی۔ ۱۲

سو برس کا بوڑھا بھی .... |  
 ایک شفیق میاں امیر صاحب نو فنیویس بہت طاقتور اور لیے تڑپنے  
 آدمی تھے جو رافوس برس کی عمر تھی۔ مگر پنجہ میں بڑی طاقت تھی۔  
 بے مثل خوش فویر تھے۔ اودھ اپنے زمانہ کے کامل الفن استاد بکے جاتے تھے۔ انگریزی فوج کے ایک

۱۱، نصرت نامہ نور منٹ ص ۵۵

۱۲، تاریخ غوج عہد انگریز (ذکر الشہداء ص ۵۵)



پابی کی ٹولی سے شہید ہو گئے۔ (۱)

**ذوق کے بیٹے فوق کو پھانسی** | ذوق کا بیٹا فوق اس سبب سے پھانسی دیا گیا۔ کہ وہ ایم غدر میں  
بلوٹا بھی اہل کار تھا۔ (۲)

**کیوں پھانسی ملی؟** | ایک شخص قاضی فیض اللہ تھا جن کی کئی بیویاں تھیں۔ سال تک صدر الصدور کی پچھری میں  
سرشتہ دار تھے۔ ملازمت سے برطرف ہونے کے بعد سو والی کا ساڈا کر لیا  
تھا۔ اور خوب آرام سے رہتے تھے۔ باغیوں کے دھرم میں کوتاہی ہو گئے۔ جب انگریزی عنداری ہوئی  
تو ان کو پھانسی دے دی گئی۔ (۳)

**شہزادے بھی پھانسی سے بچ سکے** | اواخر ۱۸۵۷ء میں بڑے بڑے باغیان غدر مافوق کے فوج  
کثیر کے سامنے پیش کیے گئے ۲ شہزادے پہلے قتل ہوئے  
نثار شاہ اور مرزا جندھو اور رہ گئے تھے کیشن نے انہیں جرم قرار دیا۔ یا بھمن کی ریت میں انہیں بے جا کر  
گوروں نے باڑھ مار دی۔ (۴)

**بخت خاں سے ملنے کی سزا پھانسی** | میر محمد حسین بڑے بھائی بھرکم آدمی تھے۔ اور بہت متمول  
تھے پہلے انور میں مرزا اسخندیار بگ کے علاقے پر ملازم  
تھے۔ اکثر بخت خاں بریل فوج شاہی کی صحبت میں آتے تھے۔ اور عہدہ پانے کی امید میں جمع بھی  
جاتے تھے۔ ان کے کوئی لوطا نہ تھی۔ مدہمہ پیہ بہت تھا اور حسین تھے۔ اللہ سے بھی گرفتار ہوئے  
قریب دو ماہ کے کوٹوالی میں قید رہے۔ بعد میں ان کو بھی پھانسی دے دی گئی (۵)

(۱) نصرت نامہ گورنمنٹ مسٹ

(۲) تاریخ عروج عبدالملک شہر ذکاء الش مسٹ

(۳) نصرت نامہ گورنمنٹ مسٹ

(۴) حقائق دار الحکومت دہلی حصہ اول، (بشیر الدین احمد) مسٹ

(۵) نصرت نامہ گورنمنٹ مسٹ

**کنویں لاشوں سے پٹ گئے** | فرشتہ جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے۔ ان میں کئی اشخاص بالکمال نام اہم

اور خود روزگار مارے گئے ہیں۔ یہ وہ بلی کی تاک اور یگانہ آفاق

تھے۔ جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ میاں محمد امیر پنجہ کش جن کا ثانی رونے زمین

پر نہیں۔ مولیٰ اہم بخش صہبائی۔ اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی قاتل خواں اور چیلوں کے کوچے کے اہم

بہت سے شریف لوگ۔ اس محلہ کے چودہ تلو لوگ راج گھاٹ کے دروازے سے دریا پر لے جا کر بندہ قول

کی باڑیں مار دی گئیں۔ اور لاشیں دریا میں پھیل گئیں۔ عورت کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل نکل

کڑبھول سمیت کنویں میں جا گئیں۔ چیلوں کے کوچے کے تمام کنویں لاشوں سے پٹ گئے تھے۔ اُن کے

میرا قلم نہیں چل سکتا۔ نہ مجھے اس کی تحریر کی تاب ہے۔ باقی اور اضلاع شہر کا یہ حال ہوا کہ عورت اور

مردوں کو شہر سے نکالا گیا تو اس طرح کہ مردوں کو تو کشمیری دروازے سے باہر کیا۔ اور عورت کو کابلی دروازے

کی راہ سے شہر بدر کیا۔ کہ باہمی مصلحت ہو گئی۔ ایک ایک کو ڈھونڈنا پھرا۔ (۱۱)

**باپ بیٹے کو پھانسی** | نواب میر غاں بخش دار خلف نواب مرتضیٰ خاں جاگیردار پٹنل معہ فوجاں

بیٹے عثمان خاں عورت و حوٹا اور سے گرفتار ہو کر آئے۔ اور اس جرم

میں کہ مرزا عبداللہ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ پھانسی دی گئی۔ ان کے اہل و عیال حیران و پریشان

ہو کر جا رہے۔ چلے گئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ (۱۲)

**جانوروں کی طرح انسانوں کا شکار** | قیدی جو پکڑے ہوئے آتے تھے۔ وہ اسی جگہ جہاں بغاوت

کی تھی پھانسی دینے جاتے تھے۔ یا تو پکے اڑا دیتے جاتے

تھے۔ ہزارہ میں دو تلو پابیوں کو پھانسی ہوئی۔ وہ دسٹا جانوروں کی طرح شکار کیے جاتے تھے تاکہ سرحد

بہانگریزی صولت و رطوت و شوکت کا یقین سرحدی قوموں میں ہو۔ (۱۳)

۱۱ داستان غدر د ماقم الدولہ ظہیر الملک ص ۱۲۸

۱۲ نصرت نامہ گورنمنٹ ص ۵۲

۱۳ تاریخ عروج و مدح علی گڑھ ص ۵۴

بغیر تحقیق پچانسی | سکارفنگ کا ایک خیر خواہ لکھا ہے :

نواب مظفر الدولہ و حسین مرزا یہ دونوں بھائی نواب حمام الدین حیدر ابن آغا شیخ خان کے بیٹے تھے۔ ان میں سے نواب مظفر الدولہ تو گھڑیں پیٹے رہتے تھے۔ دوسرے بھائی حسین مرزا بعدہ نظارت متغابی میں متعین تھے۔ یہ دونوں بھائی بہت لائق اور ہوش مند تھے۔ یہ بچپن سے ہی جان کے خدمت سے ملان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن مظفر الدولہ قیام الدین سے رشتہ ہو کر آئے۔ لہٰذا گڑھ نواں میں دست و پاؤں کے ساتھ ان کو گولی مار دی گئی۔ دوسرے بھائی حسین مرزا ہاٹ مقام برست کو چلے گئے۔ کچھ دن بعد ناہینا ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے تھے طالع یا رخاں اور اصغر یا رخاں یہ دونوں بہت حسین نوجوان تھے۔ دہلی میں ان کا مثل کوئی نہ تھا۔ جس وقت وہ گھڑوں پر سوار ہو کر نکلتے لوگ سستہ میں آجاتے۔ یہ دونوں بھائی بھی گھنٹہ مچھراچی احمدی پیدار مجنوں کی مجنوں سے الوداع لائے گئے ان دونوں نے ہر چند مجنوں کی خوش آمد کی تین انہوں نے ایک زہنی اور ایک سواٹھ قیدیوں کے ہمراہ دہلی بھیج دیا۔ دو ماہ قید رہے اور پھر ان دونوں کو بغیر تحقیق کے پچانسی دے دی گئی۔ ان کے پچانسی پانے سے اہل شہر کو سخت رنج و افسوس ہوا۔ ان کے پچانسی پانے کے بعد جو حال ان کے باپ حسین مرزا کا ہوا وہ نا قابل بیان ہے۔ بقیہ عمر بھرتے ہی رہے۔ (۱)

تمہیں بے حد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے | " کچھ ایسے لوگوں کو بھی پچانسی کی سزا ملی، جو مرزا کے معنی تھے لیکن پچانسی کے نہیں۔ لہٰذا ان کی

پچانسی اپنے پیچھے کچھ پر لطف یادیں بھی چھوڑ گئی !

۱۰ نواب محمد حسن خان کو پچانسی اس لیے ملی کہ انھوں نے ایک عجم کو گھر میں پھپھا دیا۔ گردن پر جو شہنشاہ سوار ہوا تو اسے حامل بنا دیا۔ اس جرم میں پچانسی ملنے کا حکم ہوا۔

مکریم صاحب نے نواب کی بی بی سے یہ سلوک کیا کہ اس کا سارا مال و متاع کوٹ

سے بھاگ کر لو کہ روپیہ اپنے پاس سے دیکر اس کے آرام و آسائش کا سامان کر دیا۔ ۱۱

**پنشن خوار مستحق دار** "نواب اکبر خاں ابن فیض اللہ خاں بنگش جن کی دو سو پچاس روپے پنشن سرکار سے مقرر تھی۔ اور ایک سو روپے ان کی بیوی کی پنشن تھی۔ بڑے فضول خرچ

لوہے کے حافی تھے۔ ہمیشہ قرضدار رہتے تھے اور قرض خواہوں کے خوف سے گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ کرایہ وغیرہ کی آمدنی معقول تھی یہ بیچارے بھی جو لوگ اور سے گرفتار ہو کر آئے تھے ان میں تھے اور گورگاہوں میں ان کو بھی پھانسی دی گئی۔ ان کے بیٹے فیض محمد خاں عورت بدھن بچ گئے اور ان کے متعلقین کو لے کر ابھیر شریف چلے گئے۔ معلوم نہیں وہاں کہاں رہتے ہیں۔ ۱۲

**سپاہیانہ شان کی ستر بھانسی** "بہت ہی کم ملتان ایسے تھے کہ سپاہیانہ شان رکھتے تھے اور وہ بھانسی کی ریشمان سے پہچان نہ ہونے ہوں۔ ایک دفعہ

بارہ آدمی لاکڑیہ کمیٹی کے رو برو ہوئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ مگر وہ سپاہیانہ صورت رکھتے تھے۔ بھانسی پانے والوں کی تعداد تار یخوں میں چار سو کے قریب بتلاتے ہیں۔ مگر ان کی ٹھیک تعداد خدا جانتا ہے۔ یا موت کا فوشہ اگر کوئی ہو۔ ۱۳

**مسلمان ہونے کی ستر بھانسی** "ایک ڈاکٹر ہر ملتان کو باغی بھگتا تھا۔ جب وہ کسی ہندوستانی سے پوچھتا کہ تو ہندو ہے۔ یا مسلمان تو

جہاں اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس کو گولی سے مار ڈالتا تھا۔ ۱۴

**رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلوباتی** "ایک افریجوریناڈ (Remond) کے دتے کے ساتھ متین تھا جتنا ہے کہ ہندوئیوں کو اس کو رست

۱۱ تاریخ عروج عہد انگلیشہ ص ۵۲

ہفتہ ص ۵۳

۱۲ تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار اللہ) ص ۵۳

۱۳ تاریخ عروج عہد انگلیشہ (ذکار اللہ) ص ۵۴



کے ساتھ پھانسیوں پر لٹکایا گیا جو بیان سے باہر سب سے دو دن کے اندر ۴۲ آدمیوں کو شکر کے کنارے پھانسی دی گئی اور ۱۲ آدمیوں کو تو صرف اس جرم میں پھانسی کی سزا ملی کہ جیب فوج مارچ کرتی ہوئی ان کے سامنے سے گزری تو ان کے چہرے دوسری طرف کیوں تھے جہاں جہاں فوج نے پڑاؤ کیا وہاں پر قرب و جوار کے تمام دیہات جیسے بھوسے تھے یہ کہنا کہ یہ سب مظالم کا پنپور کے حادثہ کا جواب تھے صحیح نہیں کیونکہ کا پنپور کا غلطانی واقعہ ان خوفناک حوادث کے بعد پیش آیا تھا افرمڈ کورنٹے ریٹاڈ RENOUD کو اس طرز عمل کے خلاف استیفاء مشورہ دیا اگر ہم اس طرح دیہات کو جلانے کی کارروائی کرتے رہیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کو راستے میں رسد اور چارہ بالکل دستیاب نہیں ہو سکے گا۔ (۱)

فرخ آباد کے توابوں کی پھانسی | تواب فرخ آباد بھی بہ جرم بغاوت پھانسی پر لٹکائے گئے  
مینٹرنے تاریخ کہیں :

اقبال مند خاں ، وغنظہ حسین خاں

دونوں در محیط قضا آہ آہ ہائے :

دونوں بجاں نیک امیران ذی حشہ :

مقتول تیغ تیر قضا آہ آہ ہائے

آریخ ان کے قتل کی کافی سب سے سنہ

دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے : ۲۱ ۱۲۴۳ھ

بنارس اور الہ آباد میں کا پنپور کے حادثہ سے پہلے :۔

بچوں کو پھانسی کی سزا | ایک موقع پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی دی سزا دی گئی

el Russel Diary P. 221

سے غلہ کے چند طلا انتظام اللہ شاہی صاحب

کہ انہوں نے غالباً خوشی بیچ کے وعدہ پر باخियों کی جھنڈیاں اٹھا کر ہوتے باتاموں میں منادی کی لٹی سڑنے  
 موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پریم آنکھوں سے لگا بڈنگ افسر کے پاس جا کر درخواست کی کہ  
 ان نابالغ عجموں پر رحم کر کے پھانسی کی سزا کو تبدیل کر دیا جائے لیکن بے سود اس تمام سلسلے میں بے شمار  
 ایسے واقعات ملیں گے جن میں اس قسم کی فحاشی عدالتوں کے گریز کیا گیا اور بے گناہ انسانوں کو بددیانت  
 قتل کیا گیا پھانسیاں دینے کے لیے رونا کانا رٹوایا بنائی گئیں جنہوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے دیہات  
 میں دورہ کیا اس حالت میں کہ ان کے ساتھ پھانسی دینے کا سامان بھی مکمل نہیں تھا نہ ہی کسی کو پھانسی دینے  
 کے طریق سے پوری واقفیت تھی چنانچہ ان میں سے ایک شریف آدمی "اپنی شاندار کامیابی کا اس طرح غریہ  
 اٹھاتا تھا کہ ہم پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت لہہ ہاتھی کو استہاں کیا کرتے تھے یعنی ملازم  
 کو ہاتھی پر بٹا کر درخت کے نیچے لے جاتے تھے اور لوہے سے رومہ ڈال کر ہاتھی کو ہکایا جاتا تھا یہاں تک  
 کہ ملازم اسی طرح تڑپنے اور جانگنی کی حالت میں اگر اوقات انگریزی کے آٹھ ۵ ہنسے کی دوپٹا گل  
 بن کر وہ جاتا تھا "۔

**شیر میں پھانسی کی سزا** | عام عدالتی اصول یہ ہے کہ شیر کا فائدہ ملازم کو ملتا ہے، لیکن غلہ کے بعد  
 شیر کی صورت میں ملازم کو پھانسی دے دی جاتی تھی خواہ وہ کتنا ہی نیک نیت  
 اور نیک کردار کیوں نہ ہو، یہ داستان ایک انگریز دوست اہل قلم کی زبان سے سنیتے،  
 "فائمی فیض اللہ صاحب کشمیری محید منزل دریا گنج میں ایک مشہور حویلی ہے وہ انہی کی ملکیت میں  
 تھی۔ غلاموں پر باخियों نے عیسائیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان عیسائیوں میں ان کے چچا کوہ دست تھے۔ ان کو  
 آلوکوانے کی کوشش میں شاہی کوتوالی میں نوکر ہو گئے تھے۔ انگریزوں کا تسلط ہوا تو شیر میں ان کو بھی  
 پھانسی دی گئی۔"۔

**خیر خواہی میں پھانسی ملائی** | نواب علی بخش خاں کے بڑے رٹکے غلام غزالد بن خاں انگریزی عہد میں  
 میں کوٹ نام کے تحصیلدار تھے۔ اثرات شاہ اور حیدر شاہ مجبوروں کے  
 ساتھ جے پور اور الود سے، مئی ۱۸۵۸ء کو کمشنر کے حکم سے دو عتبہ کے دن الود کی فوج کی حراست میں دہلی  
 لائے گئے۔ اور کوٹوالی میں دوسرے پناہیوں کے ساتھ ان کو بھی قید کر دیا گیا۔ حیدر شاہ اور اثرات خاں  
 نے صرف خیر خواہی کے لیے ایک سورات نوجوانوں کو الود سے گرفتار کر کر دہلی بھیجا تھا جن میں سے اُسے  
 لوگ توڑ لگاؤں میں قتل کر دیئے گئے۔ لہذا باقیوں کو دہلی میں پھانسی ہوئی۔ انہوں نے ہنگاموں بے گناہوں  
 کا خون اپنی گردن پر کیا۔ (۱۱)

**قتل عام** | ہندو تہذیب کے خلاف جانبدار، اس مدت تک براہ کینہ ہو گئی تھیں کہ آج اُس پر یورپ میں مشکل  
 سے لوگ یقین کریں گے چنانچہ صدر بین کا وہ طبقہ جو مروجہ سے آخر تک نہایت جانبداری  
 کے ساتھ دنیا دار رہا اُن سے بھی بعض افراد نے نہایت بے جا طور پر سختی کی یہاں تک کہ ان کو خود کو ب  
 کیا جاتا تھا تو وہ ہاسل کرتے وقت پانی پڑنے والوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ پانی جھیا کر میں حالانکہ بہت  
 سے اس کام میں گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے یعنی پانی جھیا کرنے کے لیے ان گولیوں کی زد سے گذرنا  
 پڑتا تھا جس سے وہ بد قسمت گولیوں کا شکار بنتے تھے مائیں گیارہ لاکھ ہاروں کو دن کی گرمی اور رات  
 کی سردی میں کھسے میدان کے اندر سخت وقت کے ساتھ وقت گذرنا پڑتا تھا۔ حالانکہ ان میں سے  
 اکثر ہماری خدمت کرتے ہوئے زخمی بھی ہوئے تھے وہی میں باشندوں کے قتل عام کی مذمت کی گئی۔  
 حالانکہ ان میں سے لوگ بھی قتل تھے جن کے متعلق ہمیں علم تھا کہ ہماری فوج کے غاصب منہ تھے ہمارے  
 اکثر نوجوان تو محض خون رستے کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی ہی فوج کے ہندوستانی اور دیوں اور پوری  
 خفیہوں وغیرہ کو قتل سے ڈر دینے کی تہا کا علاوہ اظہار کرتے تھے۔ (۱۲)

۱۱۔ نصرت نامہ گورنمنٹ کے صفحہ ۶۹

at The Chaplain's narrative of the Siege of Delhi.

**بے گناہ مجرم** | عبدالعزیز خان ابن علی عماد خان بلوچانہ کی فوج میں رسالہ دار تھے۔ جہاں سے ملازمت چھوڑ کر واحد علی خان کے زمانہ میں لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں کسی پٹن کے افسر ہو گئے جب ان کی ملازمت مستزل ہوئی۔ تو یہ پھر دہلی آ گئے۔ کچھ دن بعد من چابک سوار کے ساتھ الوداع چلے گئے اور وہاں ملازمت کر لی۔ دہلی فتح ہونے سے چند دن پہلے دہلی آئے تھے خود کیا آئے تھے تھنالی تھی۔ عبدالرحمن خاں عالی جمہور کے خسر کے شہر میں گرفتار کر لیے گئے۔ اور اسی شہر میں گولی مار دی گئی۔ ان کے بعد ان کے باپ احمد چچا بھی ان کی جگہ کے غم میں جلد ہی انتقال کر گئے۔ (۱۱)

**موت کی ارزانی** | ”ہے ہے کیوں کر کھوٹل حکیم رضی الدین خاں کو تکل عم میں ایک خاکی نے گولی مار دی۔ اور احمد حسین خاں ان کے پھوٹے بھائی امی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دونوں بیٹے ٹوٹک سے رخصت کر کے لے کر آئے تھے خدر کے سبب جائز کے یہیں رہے بعد فتح دہلی دونوں کو بھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹوٹک میں ہیں زندہ ہیں پر یقین ہے۔ مردہ سے بدتر ہوں گے۔ میر جھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ (۱۲)

**بندوق کی گولی** | عماد علی خاں غلٹ نواب حیرتنگ خاں چلوں کے کوچے میں رہتے تھے۔ بہت خوب صورت بھان تھے۔ چار سو روپے کی آمدنی نواب بہادر جنگ خاں کے پرگنہ سے تھی۔ خوب عیش۔ عشرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ جب انگریز شہر میں گئے تو یہ گھر میں ہی رہے۔ آخر بندوق کی گولی سے شہید ہو گئے۔ (۱۳)

**بے گناہوں کا رنج** | ”حکیم ثروت الدین خاں مرموم کے نوجوان بیٹے نظام الدین خاں اور ابو ذوق کے بیٹے خلیفہ اسماعیل چند دوستوں کے ساتھ قدم شریف سے گرفتار کر لیے

(۱۱) نصرت نامہ گورکھ پور ص ۱۱۱

(۱۲) غالب کا موزن تاخیر خدر

(۱۳) نصرت نامہ گورکھ پور ص ۱۱۱



گئے۔ ایک رات کو توالی میں رہے دوسرے دن بالکل بے قصہ پالی سے دی گئی۔ حالانکہ ان پر کوئی ثبوت نہ تھا۔ برخص ان کی بے گناہی کا رنج کرتا تھا۔ ۴

**مقتولوں کی یاد** غم مرگ میں قلم تاجدارک سے قطع نظر کرتے ہیں شہر کو گنتا ہوں۔ مظفر الدولہ میرزا مراد الدین۔ مرزا احسان بیگ۔ میرزا بختیار اس کا بیٹا۔ احمد مرزا، انیس برس کا بچہ مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدولہ اس کے دو بیٹے ارشد خاں، ماضی فیض اللہ، کیا ہیں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا۔ اسے بوجھل گیا۔ حکیم رضی الدین خاں۔ میرزا محمد حسین میکش اللہ اللہ۔ ان کو کہاں سے ماؤں۔ ۱۲۱

**لکھ توپ سے اڑا دیتے گئے** لکھوں نے انگریزوں کا ہتھ دیا۔ ان کی دغا داری ہیں، اپنے دھرم اپنے راجہ، اپنی قوم تک تو فراموش کر دیا، ان کی بروقت مدد نے انگریزی حکومت کے انتظام میں غیر معمولی صفحہ کیا، لیکن وہ بھی نہ بچنے گئے، جب وقت آیا تو وہ بھی توپ سے اڑا دیئے گئے۔

۱۴۳۲ھ کو ایک تتر کے قریب سکھ مذہبی دیوانوں نے پنجاب کے ایک شہر لہیر کوٹ پر حملہ کیا جس کے بعد کی تفصیل ایک انگریز مہم کے قلم سے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

اس مقام پر ہندویت ہی خوفناک کسان کی نرانی ہوئی جس میں فریضوں کا بہت نقصان ہوا بالآخر ۶۶ کے قریب سکھ جن میں ۲۲ کے قریب زخمی تھے ریاست بٹیار میں بھاگ کر پناہ گزین ہوئے جہاں پہاڑ کا محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا گیا لہذا اس رات انہیں شیر کوٹہ کے قلعہ میں بند رکھا گیا اس شہر نے ساتھی پنجاب کی بغاوت کا ختم ہو گیا مگر کون نے بھان دونوں لہجہ کا وہ پناہ گزین تھا ۱۶ جنوری کو ریاست کے حکام کو لکھا کہ قیدیوں کو مایر کوٹ بھیج دیا جائے جہاں وہ خود بھی، اسی دن پہنچ گئے تین سو

۱۱، نصرت نامہ گورنمنٹ مشہ

۱۲، غالب کا روزنامہ مشہ

دن ۲۴ گھنٹہ کے وقت یعنی ۱۱ بجے کو اسے کھڑا کر دیا گیا کہ اسے قیدیوں کو شہر کوٹ کے محکمہ ہی میں رکھا جائے۔ مگر کون نے اس تحریری حکم کو توجیب میں حال کر تقریباً ۱۲ بجے کو دیا اور قیدیوں کا منتظر رہا۔ چنانچہ شام کے چار بجے کے قریب قیدی مالیر کوٹلے میں پہنچائے گئے۔ سمجھیں دیکھتے ہی مٹر کون نے بغیر کسی قسم کی نمائشی حالات سے حکم لینے کے فی الفور کڑیوں سے باندھ کر اڑا دینے کا حکم دے دیا۔ ان بد قسمت انسانوں کی تعداد پچاس تھی جن کو اسی وقت جھجھکی لڑکیوں سے باندھ کر اٹاٹا کر کھڑا کر دیا گیا شام کے ۷ بجے کے قریب آخری پھر قیدیوں کی ٹولی کو کڑیوں سے باندھ چکے تھے جب مٹر فورسٹ فورسٹ کا یہ حکم پہنچا کہ قیدیوں کو فی الفور اس کے پاس لے جایا جائے کہ جہاں ان پر لٹاوت کا مقدمہ چلایا جائے گا چنانچہ مٹر کون نے جو جواب گورنمنٹ کو بعد میں دیا اس میں اس حکم کے متعلق اس نے ذیل کے فقرات لکھے کہ :-

میں نے اس حکم کو پڑھ کر کاغذ مٹر پر کینیڈین پارک کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ گویوں کے ساتھ باندھ دیئے جانے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ ایسی حالت میں قیدیوں کی سزائے موت عطوی کر دی جائے کیونکہ اس کا اثر لوگوں پر بہت برا پڑے گا۔ چنانچہ پہلے ۲۴ قیدیوں کی طرح آخری ۶ قیدیوں کو بھی ہلاک کر دیا گیا پچاسواں آدمی بھی مارا گیا اس طرح جب اس روح فرسا واقعہ کی اطلاع گورنمنٹ کو پہنچی تو اس نے مکمل طور کے بعد ذیل کی قرار داد کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کیا :-

”ہذا کیسی اہم خبر ان کونسل اس رجبہ حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ امن کی رائے میں مٹر کون کا طرز عمل نہ صرف سراسر قانون کے خلاف تھا بلکہ پبلک ضرورت کے بھی منافی تھا نیز اس تمام واقعہ میں بعض ایسے حالات پیش آئے ہیں جنہیں انانیت اور تہذیب کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ تاہم میں جناب وائسرائے دلی راج کے ساتھ اس حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مٹر کون کو فی الفور کڑی سے برطرف کیا جائے لیکن دوسری طرف مٹر کون کے طرز عمل پر سختی سے نکتہ چینی کی گئی اور اسے ایک اور صوبے میں کشتی سیٹھیت میں سابقہ تنخواہ پر تبدیل کر دیا گیا اور کچھ عرصے بعد یارنڈ کے علاقہ میں پولیٹیکل مندرست پر مامور کیا گیا جن خدمات کے صلے میں سرکاری یعنی (NIGHT HOO D)

کا اعجازی خطاب مرحمت فرمایا۔ ۱۱

**نواب سخاوت کو پھانسی کی سزا** | غنہ کے سلسلہ میں فرخ آباد کے نواب سخاوت حسین برادر نادر نواب  
فرخ آباد کو بھی سزائے پھانسی دے دی گئی، مینر نے تاریخ لکھی۔

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب  
نہال پارغ کرم زیب مسند شوکت  
ہواں قابل و فرزند خاص نصرت جنگ  
غلام آلہ نبی سرود قمر طلعت  
دوبہ گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول  
عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت  
مینر نے یہ لکھی اس کے قتل کی تاریخ

ہما شہید امیر دلیر بابت (۱۲) ۱۲۶۴ھ

**مولوی پیر علی اور شیخ گھیسٹا کو سزا موت** | چوتھی پانچویں جولائی کو شہر پٹنہ میں سرغنوں کی تلاش  
ہوئی ۳۱ قلعہ انگیز گرفتار ہوئے، ان میں پیر علی  
بھی جو اصل بانی فساد تھا۔ اور شیخ گھیسٹ جو قطف علی خاں کا بڑا معتبر ملازم تھا۔ گرفتار ہوئے لطف علی  
غنہ پٹنہ میں سب سے زیادہ دولت مند تھا۔

ان ۳۱ مجرموں میں سے۔ جن کو فوراً پھانسی دی گئی۔ حادثہ علی بھی تھا۔

یہ ثابت ہوا کہ تمام فسادات کی بڑی پیر علی تھا جس نے انگریزوں کے برخلاف جہاد قائم کیا۔  
شیخ گھیسٹا ہندوؤں سے بہت سے آدمیوں کو تنخواہ دیتا تھا کہ جب وقت آئے تو وہ اپنے

۱۱ Cotton Indian & Home memories

۱۲ خدیر کے چند حوالہ دانش نظام اللہ شہابی، ص ۱۲۷



غریب اور شاہ دیلی کے لیے لڑنے کو تیار ہوں ان کاموں کے واسطے بہت روپیہ پاس بنے تھا۔ پیر علی  
تو غریب آدمی تھا۔ شیخ گمیٹ ایک بڑا مباحن تھا۔ غرض ان دونوں کو پچانی ہوئی۔ ۱۱

مرنے والے پر دل نہ تھے | شہر کے رئیسوں اور عمائد میں سے کوئی ایک آدمی نہ بچا جو کوتوالی  
میں یا کرنل برن کے پاس قطب الدین کی کوٹھی میں ایوانوں میں

نہ ہ ہو یہ بڑے رئیس ایک ہی چنانہ میں کھڑوں میں بیٹھ کر آپس میں بے حجاب باتیں کرتے تھے۔ ایک  
غریب آدمی جو کوتوالی کی حوالات سے چھوٹ کر آیا تھا تو اس نے کہا کہ آج میں نے جانا کہ شہر سے جلا وطن  
ہوا حوالات میں تو دھند چنانہ میں نواب حامد علی خاں و منشی مسد الدین خاں اور شرفا و دروڑا سے بے تکلف  
باہم برابری ہوتی تھیں۔ اب یہ بات مجھے کب یسر ہے۔ تھکی حوالات میں ہو رہے تھے اور حکیم احمد اللہ  
خاں و نواب احمد علی خاں وہ سید سردار مرزا ابدال کے بھائی اور بہت سے امیر زادے تھے۔ ان میں سے  
بعض ایسے لود لعب کے شوقین تھے کہ خطر کج و گنجہ و چوہر حوالات میں بھی کھلتے تھے۔ ان میں سے  
ایک دو کو دھند پچانی ملتی تھی۔ ۱۲

غدر کے سلسلہ میں کتنے آدمی ہلاک ہوئے؟ | فرنگی مظالم کی تحقیق کے ساتھ تفصیل بیان کرنا محال ہے  
ایک وسیع آباد رقبے میں سینوں تک گورے پای

اور سردار نہتے یا فصول کا شمار کھیلتے پھر سے ان مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ کون بنا سکتا ہے؟ معلوم  
ہند یوں کی یہ بہت نہ تھی کہ جو کچھ گندی تھی، صحت اور وضاحت کے ساتھ اسے قلمبند کرتے البتہ مختلف مقامات  
کی زبانی مدعا میں ایک زمانے تک زبان نہ رہیں۔ ہم عصر انگریزی اور چند سال بعد کی تحریروں سے ان  
قصص کی صرف اجمالی تصدیق ہو سکتی ہے اور یہ سرسری تخمینہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ہر انگریز کے  
حوض میں کم و بیش ایک ہزار دیسی ماسے گئے۔ فرنگی مقتولوں کی مجموعی تعداد اسی پانچ سات ہزار نفوس کی

۱۱ تاریخ عروج و زوال شاہی

۱۲ تاریخ عروج و زوال شاہی



جاتی ہے۔ حل فرنگی کے یہ فیصلے عموماً جتنا کے کارے عمل میں لائے جاتے اور ویریا میں غذا سب سے تعداد  
 لاکھیں ہیں اور پھلیوں کی خواجہ بن جاتی تھیں۔ قیصر التواریخ میں دہلی کے ان لشکان فرنگ کا تخمینہ تائیس  
 ہزار لگایا گیا ہے (۲ ص ۴۷۱)۔

دہشت زدگی کی دلچسپ مثال | ان چانیوں اور اس قتل عام نے دہشت کی کیسی فضا پیدا کر دی  
 تھی اس کا اندازہ ذیل کے دلچسپ، لیکن عبرت انگیز واقعہ سے لگایا

جاسکتا ہے :

ایک دن ایک ہندوستانی جوہری منرل گارشن Mrs Garsion کے پاس سونے چاندی  
 کے ظروف بیچنے کے لیے لایا اور منرل موصوفے یہ بھا کر کہ عام کچھ زیادہ ملتے گئے ہیں۔ ویسے ہی تھخن بیع  
 سے کہا کہ دیکھو تم کو مشکات صاحب کے پاس بھیج دیں گے چنانچہ اس فقرے کو سنتے ہی وہ سوا اس باختم  
 ہوئے اور اس طرح سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا کہ اپنے قیمتی ظروف بھی وہیں پھوڑ گیا۔ جس کے بعد اس نے کہیں اپنی  
 صحت نہ دکھائی اور نہ ہی ظروف کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ (۱۵)

۱۱ تاریخ پاکستان و بھارت دیدہ ہاشمی، مشرق

۱۲ Escape from Cavalier P. 269

# ”چھپے گشتوں کا خون کیونکر؟“

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لو پکڑے گا آستین کا

عذر دہلی کے اختتام کا ایک دور تو وہ تھا، جب انگریز آتش بجاں، فاتح کی حیثیت سے دوبارہ  
دہلی میں داخل ہوتے، یہ دور تھا انتقام کا، تعزیر و عقوبت، شکست و ریخت کا، ہلاکت اور بربادی کا، قتل  
اور پھانسی کا، لوٹ مار کا، جو سامنے آیا مارا گیا، خواہ وہ پیر فانی ہو، یا لب گور مرین، یا بے گناہ عورت  
یا معصوم بچہ، جس میں زندگی کی مقلقی وہ بدت جو رو ستم بنا، یہاں تک کہ قتل کرتے کرتے ہاتھ تھک گئے،  
لوٹے لوٹے، ہمایاں بھر گئیں، حبیب و حسان میں جگہ نہ رہی، جو گدائے بے نوا تھے۔ وہ غنی اور دریا دل  
بن گئے۔

پھر دوسرا دور وہ تھا، جسے بجا طور پر ہم اعتراف گناہ، احساسِ ندامت، اور احتجاج و برہمی  
سے تعبیر کر سکتے ہیں، امدیدِ اعتراف گناہ وہی لوگ کرہے تھے، جن کی تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا،  
امکس ندامت ان پر طاری تھا، ہر خونِ ناحق کے مرتکب ہو چکے تھے، احتجاج و برہمی کا مظاہرہ ان لوگوں  
کی طرف سے ہو رہا تھا، جن کے ہم قوموں نے، خون کے دریا بہائے تھے، کٹی ہوئی گردنوں کے منارے  
کھڑے کئے تھے، آبادیوں کو بین، شہروں کو میرانہ، امد شانداز عمارتوں کو کھنڈر بنا دیا تھا،

ج ہلے اس زودِ پشیمان کا پشیمان ہونا،

بہر حال تدریجِ غدر کا یہ ایک دلچسپ باب ہے۔

ذیل میں ہم چند شہادتیں، اور دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہیں، جو اس حقیقت کے شاہد

جھوچھوچ رہے گی زبان نخر لہو پکارے گا آستیں کا

(۱)

## لال قلعہ فوجی بورڈنگ بن گیا

۱۸۵۰ء کے غدر کے بعد، انگریزوں نے قلعہ کی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی ضروریات کے مناسب محل بنالیا، قلعہ کی چار دیواری کے اندر اب جا بجا دو منزلہ بارکیں بن گئیں ہیں، لاہوری دروازہ، قلعہ دروازہ، نغار خانہ، اسدرج اور شاہ برج کی عمارتوں میں اب گورے رہتے ہیں، مسٹر فرگوسن نے اپنی بیش بہا تصنیف میں قلعہ کو فوجی دارالاقامہ بنانے پر بہت کچھ برآ شفتی کا اظہار کیا ہے، انہوں نے عہدہ داران فوج کے شاہی عمارات کو منہدم کر ڈالنے کے عذر کو بالکل تسلیم نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس خیال کی بھی تنصیح کی ہے کہ دہلی کی گھٹی ہوئی اور نہشتی آبادی کی نسبت یہ واہمہ کہ وہ کبھی سر نہ اٹھا بیٹھے، ایک ایسی بات قرار دیا ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی، !” (۱)

(۲)

## دہلی کے ایک لاکھ مکان مسمار کئے گئے

ذیل کا بیان، ایک ایسے مسلمان مشاہد کا ہے، جو دہلی و جان سے انگریزوں

(۱) ”حکات دارالحکومت دہلی حصہ دوم دبیر المیر احمد“

کا وقار تھا، اس کی وقاداری عذر کے دوران میں بھی قائم رہی، یعنی اس نے مغلوب اور مضرور انگریزوں کی مدد کی، عذر کے بعد بھی، اس کی وقاداری کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا، اس نے، ان کی تائید و حمایت میں ایک پوری کتاب لکھ ڈالی، لیکن واقعات کو کہاں تک چھپاتا؟ چنانچہ اعتراف کرتا ہے :-

کیا دہلی کے انگریز افسروں کو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہوگی۔ کہ بے گناہ اور شریف عورتیں جن میں جہان بھی ہیں اور بوڑھی بھی ہیں۔ اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی ہیں دہلی کے باہر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ نہ ان کے پاس کھانا ہے نہ کپڑا ہے۔ اور نہ رات کو سونے اور دن کو دھوپ سے بچنے کا کوئی ٹھکانہ ہے۔

دہلی کے افسروں نے ان کو ان کے گھروں سے اس لیے نکال دیا ہے کہ مال و اسباب جمع کیا جائے۔

دہلی کے ایک لاکھ مکان مسمار ہو کر کھنڈ بن گئے ہیں۔ اور یہ آباد شہر ایا ویران ہوا ہے کہ دیکھنے سے رونا آتا ہے۔ (۱)

(۳۳)

## بیویوں کو شوہروں نے قتل کر کے خودکشی کر لی

میں نے دہلی کے گناہم بازار دل میں سیر کرنا مطلقاً چھوڑ دیا ہے کیونکہ کل ایک ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں آیا جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایک افسر میں سپاہی لے کر شہر

(۱) نفرت نامہ گورنمنٹ مسٹک



کی گشت کو جانے لگا تو میں بھی ہمراہ ہو لیا راستے میں ہم نے مہا سورتوں کی نعشوں کو ٹٹوں میں پیٹے ہوئے بازاروں میں پڑا پایا جن کے سر و صرٹوں سے اُنکے خاوندوں نے جدا کیے تھے چن چن ایک عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دردناک حادثہ اس لیے ظہیر پدیر ہوا کہ ان مستورات کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ اگر انگریز پاسبیوں کے قابو میں آگئیں تو وہ اُن کی عصمت دری کریں گے اس لیے یہ حالات موجودہ ناموس کے تحفظ کا یہی طریقہ مناسب خیال کیا گیا جس کے بعد انہوں نے خود بھی خود کشی کر لی چن چن ہم نے اُن کے خاوندوں کی لاشوں کو بھی بعد میں دیکھا ہے

”تادرتہ کی تاریخی نوٹ اور قتل عام کے بعد جبکہ اس نے چاندنی چوک کی مسجد میں بیٹھ کر غارتگری کا حکم دیا تھا ایسا دردناک نظارہ آج سے پچیس سال پہلے شہر کے دارالخلافہ نے کبھی نہیں دیکھا ہے

(۴)

## بے گناہوں کو پچانسی

انگریز فوجوں نے راستے میں سینکڑوں میل تک سڑک کے دونوں طرف دیہاتوں کو بے دریغ قتل و غارت سے بہادر کر کے ہلکے کو صحرایہ کی طرح ویران و سنان بنا دیا دہلی سے باغیوں کے فرار ہو جانے کے بعد انگریز نا تھیں نے باشندوں کا قتل عام کیا اور بے ضابطہ انگریزی علاتوں کے حکم سے ہزاروں شہری پچانسی کے تختہ پر لگائے گئے حالانکہ ان کا بغاوت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا

- 
1. Times, Letters Dated 18.11.57 Montgomery martin
  2. Times 16.11.57
  3. Ramesh Chandra Dutt. India in the Victorian age  
P. 224

## (۵) یہ بھی سنئے

”نصرت نامہ گورنمنٹ“ کا مصنف، انگریزوں کی تعریف و توصیف کا حق کرنے کے بعد بھی یہ سمجھتا ہے کہ :-

ح حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن، دلی کی بربادیاں، اہل دلی کی تباہیاں اسے یہ کہنے پر بھی مجبور کر دیتی ہیں :-  
۲۴ فروری ۱۸۵۸ء کو بدھ کے روز لارنس صاحب چیف کمشنر پنجاب دہلی میں داخل ہوئے۔ جو لوگ شبہ میں گرفتار تھے ان کو پھوڑ دیا گیا۔ حقیقت دہلی کی فتح میں انہوں نے کافی حصہ لیا۔ اور رد و خزانہ اور فوج وغیرہ سے بہت امداد کی۔ اگر یہ امداد نہ کرتے تو گوروں کی قلیل فوج سے دہلی کا فتح کرنا نہایت دشوار تھا۔ ان کی ان خدمات کے صلہ میں کہنی نے دہلی کو حکومت پنجاب کے ماتحت کر کے صاحب موصوف کو لفٹنٹ گورنر کر دیا صاحب موصوف کے تشریف لاسے کے تین دن بعد دہلی میں دربار عام منعقد کیا گیا۔ اور تمام مظلوموں اور دردمندوں نے اپنی عرضیاں پیش کیں۔ صاحب موصوف نے نہایت مہربانی سے لوگوں کی عرضیاں لے کر اہل کاروں اور مشینوں کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد مقدمات کی سماعت کے لیے، ایک عدالت مقرر ہوئی۔ جس میں چار انگریز تھے۔ چونکہ اس سے پیشتر ایسا ہو چکا تھا۔ کہ مجروں کی مجزی پر سینکڑوں بے گناہوں کو پھانسی دے دی گئی تھی۔ اس وجہ سے اب یہ طے ہوا کہ جب تک چاروں حاکم فیصلہ پر متفق نہ ہوں سزا نہ دی جائے۔ اس دن سے سوائے مجرموں کے کسی کو سزا نہ دی گئی۔ اور سینکڑوں بے گناہ قیدیاں چھوڑ دیے گئے۔

صاحب موصوف ابھی دہلی کا انتظام نہ کرنے پائے تھے۔ کہ پنجاب کے بلوے کی خبر پہنچی اور صاحب ممدوح ۱۸۵۸ء مارچ کے آخر میں وہاں کے انتظام کے لیے مائڈرلس صاحب اور حکیم

احسن اللہ خان کو لیکر چلے گئے، سائڈس کرنا ل سے واپس آ گئے۔ اور حکیم صاحب پانی پت میں مجرموں کی شناخت کر کے واپس آ گئے۔ اور جو کام ان کے سپرد تھا اس میں معروف ہو گئے۔ جان مسکات صاحب بیمار ہو کر چھ ماہ کی رخصت پر ولایت چلے گئے۔ ان کی جگہ مرثی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ چاروں صاحب شہر کا بہت اچھا انتظام کر رہے ہیں اب تک لوگ شہر کے باہر پڑے ہوئے ہیں اور ہزاروں نے دیہات اور قصبہات میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ الغرض ان فلک کے تائے ہوئے لوگوں نے جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا۔ اور جو کبھی نہ سنا تھا وہ اب سنا۔ کیا مصیبتیں تھیں جو دہلی کے رہنے والوں کو نہ اٹھانی پڑیں۔ گھروں پر گئے۔ سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ جیسی بربادی دہلی کی ہوئی اور جیسی رعایا یہاں کی بے گھر اور بے دری ہوئی ہے۔ کہیں کی نہ ہوئی ہوگی اور جو مظالم دہلی کی فتح کے بعد دہلی میں ہونے ایسے کہیں نہ ہوئے ہوں گے۔ (۱۱)

(۶)

## وزیر اعظم انگلستان کے آئسو

ڈنرالی (Desmond)، وزیر اعظم انگلستان نے پہلی دفعہ اس دردناک واقعہ کے متعلق جمادات کے ساتھ اظہار خیال کیا اور اس وقت جبکہ وحشیانہ جذبات کی ناقص خوب دل کھول رہی تھی مٹرمیوٹ نے ذیل کے الفاظ میں اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اعلان کیا جو کسی غیر ملکی قوم کے انفرادی کے خلاف نکتہ چینی نہیں تھی بلکہ اپنی ہی قوم کی دیوانگی اور بربریت کے خلاف آواز تھی۔

”جنگ کی تباہ کاریاں کسی تحریک کی شرمندہ نہیں ہوا کرتیں چنانچہ جو تباہی اور بربادی اس

۱۱ نصرت نامہ ٹورمنٹ مسک

## (۵) یہ بھی سنئے

نصرت تادمہ گورنمنٹ، کامصنف، انگریزوں کی تعریف و توصیف کا حق کرنے کے بعد بھی یہ سمجھتا ہے کہ :-

ح حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن، دلی کی بربادیاں، امد اہل دلی کی تباہیاں اسے یہ کہنے پر بھی مجبور کر دیتی ہیں :-  
۲۴ فروری ۱۸۵۸ء کو بدھ کے روز لارنس صاحب چیف کمشنر پنجاب دہلی میں داخل ہوئے۔ جو لوگ شبہ میں گرفتار تھے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ حقیقت دہلی کی فتح میں انہوں نے کافی حصہ لیا۔ امد رد و خزانہ امد فوج وغیرہ سے بہت امداد کی۔ اگر یہ امداد نہ کرتے تو گوروں کی قلیل فوج سے دہلی کا فتح کرنا نہایت دشوار تھا۔ ان کی ان خدمات کے صلہ میں کہنی نے دہلی کو حکومت پنجاب کے ماتحت کر کے صاحب موصوف کو لفٹنٹ گورنر کر دیا صاحب موصوف کے تشریف لانے کے تین دن بعد دہلی میں دربار عام منعقد کیا گیا۔ امد تمام مظلوموں امد دردمندوں نے اپنی عرضیاں پیش کیں۔ صاحب موصوف نے نہایت مہربانی سے لوگوں کی عرضیاں لے کر اہل کاروں اور منشیوں کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد مقدمات کی سماعت کے لیے، ایک عدالت مقرر ہوئی۔ جس میں چار انگریز تھے۔ چونکہ اس سے پیشتر ایسا ہو چکا تھا۔ کہ مجنوں کی مجری پر سینکڑوں بے گناہوں کو پھانسی دے دی گئی تھی۔ اس وجہ سے اب یہ طے ہوا کہ جب تک چاروں حاکم فیصلہ پر متفق نہ ہوں سزا نہ دی جائے۔ اس دن سے سوائے مجنوں کے کسی کو سزا نہ دی گئی۔ اور سینکڑوں بے گناہ قید کی چھوڑ دیے گئے۔

صاحب موصوف ابھی دہلی کا انتظام نہ کرنے پائے تھے۔ کہ پنجاب کے بلوے کی خبر پہنچی اور صاحب ممدوح ۱۸۵۸ء مارچ کے آخر میں وہاں کے انتظام کے لیے سائڈرس صاحب اور حکیم



احسن اللہ خان کو بیکر چلے گئے، سائڈرس کرناں سے واپس آ گئے۔ اور حکیم صاحب پانی پت میں مجرموں کی شناخت کر کے واپس آ گئے۔ لودھو کام ان کے سپرد تھا اس میں معروف ہو گئے۔ جان مسکان صاحب بیمار ہو کر چھ ماہ کی رخصت پر ولایت چلے گئے۔ ان کی جگہ مرنی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ چاروں صاحب شہر کا بہت اچھا انتظام کر رہے ہیں اب تک لوگ شہر کے باہر پڑے ہوئے ہیں اور ہزاروں نے دیہات اور قصبات میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ الغرض ان فلک کے تائے ہوئے لوگوں نے جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا۔ اور جو کبھی نہ سنا تھا وہ اب سنا۔ کیا معیتیں تھیں جو دہلی کے رہنے والوں کو نہ اٹھائی پڑیں۔ گھر ویران ہو گئے۔ سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ جیسی بربادی دہلی کی ہوئی اور جیسی رعایا یہاں کی بے گھر اور بے دری ہوئی ہے۔ کہیں کی نہ ہوئی ہوگی اور جو مظالم دہلی کی فتح کے بعد دہلی میں ہونے ایسے کہیں نہ ہوئے ہوں گے۔ (۱۱)

(۶)

## وزیر اعظم انگلستان کے آئسو

ڈنرالی (Deenali)، وزیر اعظم انگلستان نے پہلی دفعہ اس درونائک واقعہ کے متعلق جمادات کے ساتھ اظہار خیال کیا اور اس وقت جبکہ وحیانا جذبات کی ناقص خوب دل کھول کر ہو رہی تھی مشرعو صوف نے ذیل کے الفاظ میں اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اعلان کیا جو کسی غیر ملکی قوم کے افسانہ کے خلاف نکتہ چینی نہیں تھی بلکہ اپنی ہی قوم کی دیوانگی اور بربریت کے خلاف آواز تھی۔

”جنگ کی تباہ کاریاں کسی تحریک کی شرمندہ نہیں ہوا کرتیں چنانچہ جو تباہی لودھو بربادی اس

۱۱ نصرت نامہ ٹورمنٹ ص ۶۷

وقت ہندوستان میں رونما ہو رہی ہے اُس کے لیے کسی ترحیب کی ضرورت نہیں مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ ہماری بری اور بھری فوجیں ایسا شدید انتقام لے رہی ہیں جس کو دیکھنے کی تاب بھی کوئی انسان مشکل سے لاسکے گا۔ مگر جہاں تک میری عاجزانہ رائے کا تعلق ہے میں بلا توقف اس پالیسی سے بیزار ہوں کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک تمام ذمہ دار افسران کا یہ فیصلہ نہایت ہی مکروہ ہے کہ آئندہ کے لیے انگلستان اپنے معاملات اور منافقات کے تصفیہ کے وقت انصاف سے آنکھیں بند کر کے انتقام کو ہی اپنا اصول قرار دے دے میں ایک منٹ کے لیے اس اصول کو پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا کہ آئندہ سے ایک انگریز بھی تانا صاحب جیسا ظالم و سفاک کہلایا جائے میرے نزدیک یہ نہایت ہی ناپسندیدہ پالیسی ہے کہ ظلم کے مقابلے میں ویسا ہی ظلم روارکھا جائے۔ کچھ عرصہ سے ایسی ہولناک اطلاعات سننے میں آئی ہیں۔ جن سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غالباً اس زمانہ میں میری قوم کے مذہبی معتقدات میں زبردست تبدیلی واقع ہو گئی ہے یعنی میری قوم اب جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے منحرف ہو رہی ہے اور اس کے بجائے پرانے یونانی دیوتا مولوک (Moloch) دقل و غارت کا دیوتا کی پرستش کی رسم کو از سر نو زندہ کرنے والی ہے۔ (۱)

(۱)

## احسان کا بدلہ بربریت

غدر کے اعلان بعد پانچویں نے ہر اس انگریز کو جو اُن کے ہتھے چڑھا بے دریغ قتل کیا یعنی مشکل سے کوئی ایسا خاص واقعہ نظر آئے جہاں کوئی خوش قسمت انگریز باغی سپاہی کے ہاتھ سے بچ

Life by Buckle IV P. 98-99 Speech at Newport paget 30. 9. 1957

نکلا ہو اس کے مقابلہ میں سول رعایا نے عام طور پر ہمارے آدمیوں کو پناہ دی اور اپنے آپ کو جو کھڑے  
میں ڈال کر انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی۔" شاید ہی کوئی ایک آدمی ایسا واقعہ ملے جہاں سول رعایا  
کے ہاتھوں کوئی انگریز قتل کیا گیا ہو۔ (۲)

(۸)

## بادشاہ - جیسے جنگل میں شیر

ڈپٹی منیر احمد مرحوم بھی ان لوگوں میں تھے، جو غیر مشروط طور پر انگریزوں کے حامی و معتقد  
تھے، لیکن اپنی ایک کتاب میں، حقیقت کو افسانہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے ایک انگریز مسٹر نوبل  
کی زبان سے فرماتے ہیں: —

"لوگوں کو، کیا رعایا، کیا فوج، سرکاری منوابع و قواعد سے بھی کسی قدر نارضا مند ضرور تھی۔  
احمد سرکاری عہدے داروں نے اس نارضا مندی کی مطلق پروا نہیں کی، اور ہزار ہا باتوں کی ایک بات  
تو یہ ہے کہ سرکار نے صرت بزورِ شبیہ اپنی حکومت قاہرہ کو بٹانا چاہا، اور سلطنتِ عثمانیہ کی شرط  
منزولی ہے، خوشنودی رعایا ہے، افسوس ہے کہ تمام تر نہیں تو اس کا بڑا حصہ فوت ہوا۔  
اور گورنمنٹ کا منشا پاکر، عہدہ داران سرکار نے بھی استمالتِ مملکتِ خلافت کی طرف ذرا توجہ نہ کی۔  
بادشاہ ہے، مگر اسی طرح کا بادشاہ جیسے جنگل میں شیر۔ (۳)

(۱) Memories of my Indian Career, I. P. 233

(۲) انقلابِ ۱۸۵۷ء کی تقدیر کا دوسرا رخ، ص ۱۳۲

(۳) ابن الوقت، ڈپٹی منیر احمد، ص ۲۳

(۹)

## بدمعاش مسلمان جان لیں کہ.....

افٹنٹ لارٹس ROBERTS جو بعد میں قندھار کے لارڈ رابرٹس کی حیثیت سے مشہور ہوا،  
 پٹانوں کی پھانسیوں کے بعد اپنی والدہ کو ایک چھٹی میں اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔  
 ”ہم پٹانوں سے جہلم پایادہ سفر کرتے ہوئے پہنچے اور راستے میں کچھ کام“ بھی کرتے چلے آئے  
 یعنی باغیوں سے اسلحہ چھینا اور ان کو پھانسیوں پر لٹکایا چنا نچہ توپ سے باندھ کر اڑا دینے کا جو طریقہ  
 ہم نے اکثر استعمال کیا ہے اس کا لوگوں پر ایک خاص اثر ہوا یعنی ہماری ہیبت ان کے دلوں میں  
 بیٹھ گئی یہ طریقہ سن کر اگرچہ نہایت ہی دلخراش منظر ہے لیکن یہ حالات موجودہ اس کے سوا چارہ نہیں  
 فوجی عدالت کے حکم سے فی الفور قلم کر دینے جاتے ہیں اور یہی پالیسی اس وقت ہر چھاؤنی میں  
 دینی جاتی ہے۔

لارڈ رابرٹس کے نزدیک اس ”کام“ کا مقصد یہ ہے کہ

ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت  
 کریں گے۔

Letters written during Indian Mutiny June 1857

Letters written 31st December 1857



(۱۰)

## توپوں سے باندھ کر اڑا دیا

یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسیحی انصاف کا اقتضایہ ہے کہ چالٹیں انسانوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا جائے۔ چنانچہ ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کے دن چائیکر بد قسمت انسانوں کو ممکن سے ممکن اذیت پہنچا کر نہایت ہولناک طریقہ سے منظر عام میں توپوں سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ یہاں پر یہ امر خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ نہ تو سربربرٹ ایڈوڈرز (Sir Herbert Edwards) نے پشاور کی سرکاری رپورٹ میں اور نہ سر سڈنی کائن (Sir Sidney Cotton) نے اپنی مطبوعہ سرگزشت میں اس دردناک سزا کی پینک نمائش کا کوئی ذکر کیا ہے جب ان بہادر انسانوں نے اس رنجیدہ واقع کے بیان سے جھجک کی ہے اور اخفا کو ترجیح دی ہے تو میں بھی اس کی مزید تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتا لیکن جہاں تک اس واقع کی تفصیل اور جزئیات کا تعلق ہے وہ نہایت ہی درد انگیز اور ہولناک ہیں۔ اور اس وقت بھی اس سزا کی دستاویزات کی شکل میں میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۱۱)

## سراڑ کر لہرو پر گرا

مثال کے لیے ہم ایک پادری صاحب کی بیوی کی ایک تحریر کی کچھنی ہوئی تصویر پیش کرتے ہیں۔

۱ Kaye Book VI Chapter IV

۲ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوبارہ نسخہ

۳

”لڑائی کے اختتام پر بہت سے قیدیوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ اس قسم کی موت کی فہ کوئی خاص پروا نہیں کرتے تو ان میں سے چار آدمیوں کو فوجی عدالت کے حکم سے توپوں سے باندھ کر اڑا دیا چنانچہ ایک بعد ایک توپ کے بہت بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے جس کے ساتھ ہی ایک نامابل بیان دھیمی مگرہ شٹناک بھی سنائی دی دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا یعنی ایک توپ میں اتفاق سے بارود زیادہ بھرا ہوا تھا جس کے چلائے جانے سے بد قسمت ملازم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر فضائے آسمانی میں اڑا، تماشا بھول پر خون کے پھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سہرا ایک راہروہ پر اس زور سے گرا کہ اس کو بھی چوٹ آئی۔“

آگے چل کر مرقوم ہے: —

آخر کب تک ہم نبی نوع انسان کو اس دلخراش طریق پر گرم سلاخوں پر لٹکتے اور پھینٹے دیکھنے کی اذیت برداشت کرتے رہیں گے۔

(۱۲)

## وفادار سکھوں کو کیا صلہ ملا؟

کوہر Cooper ڈپٹی کمشنر امرت سرحد کے شروع ایام میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے جس پر کہ اس نے خود بھی سختی سے عمل کیا تھا غریب طوع پر اس طرح بیان کرتا ہے کہ پنجاب کے حکام نے

Miss Coopland abduct escape from Gawalian P. 233

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ ص ۵۵

اس اصل پر عمل کیا کہ انتقام کا تصور بھی فریق مخالفت کو لرزہ بر اندام کر دے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ۔  
 • مٹمونٹ گومری Montgomery کے حکم سے پنجاب میں جہاں عام طور پر لوگ ابھی تک وفادار ہیں ایک سکوپلٹن کے صوبہ دار سوار پولیس کے رسالدار اور ایک داروغہ جیل کوہ فرض کی کوتاہی کے الزام میں پھانسی پڑ لگانا ضروری سمجھا گیا اس سے یہ مقصد تھا کہ لوگوں کو بخوبی ذہن نشین ہو جائے کہ پنجاب کے حکام بہر حال ابتدا ہی میں "بلا توقف" مقصدانہ کاروائی کرنے کی پالیسی سے لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ صرف یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے اس نیم وحشی ملک میں وقار قائم رکھا جاسکتا ہے دوسری طرف سخت پالیسی کا مقصد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ حکومت رعایا سے غیر مشروط اور غیر مبہم وفاداری کی توقع ہے۔

(۱۳)

## مسلمانوں کا برہمنہ جسم گرم سلاخوں سے داغ لگایا

جن اذیتوں کو دینے کی آرزو کا اظہار نکسن ر NICHOLSON نے نہایت بے پنی سے کیا تھا ان کے پورے جوہرے میں کچھ زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا مشر موری تھا مسن ر Mobery Thompson نے بعض قیدیوں کی حد ناک سرگزشت جن کو اس نے خود قید کیا تھا سر موری کاٹن (Henry Cotton) کو ذیل کے الفاظ میں سنائی۔

دشمن کے وقت ایک سکھ ارجلی میرے خیمے میں آیا اور سلام رکے پوچھنے لگا آپ غائب یہ دیکھ

۱ The Crisis in the Punjab P. 151, 152

۲ Cotton, Indian Home Memories P. 143

پند کریں گے کہ ہم نے قیدیوں کیساتھ کیا سلوک کیا ہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں قیدیوں کے ساتھ  
ریاوتی نہ کی گئی ہو میں فوراً لپک کر ان کے خیمے میں گیا جہاں پر میں نے ان بد بخت مسلمانوں کو عالم نزع  
میں بے حال دیکھا یعنی مشکیں باتمدھ کر رہے تھے ان کو زمین پر لٹایا گیا اور سر سے پاؤں تک جسم کو گرم سلاخوں  
سے داغ دیا تھا اس روح فرسا منظر سے کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دیا ہی ا  
کے حق میں مناسب سمجھا۔ سر ہنری کاٹن نے جب حیران ہو کر یہ سوال کیا کہ اس کے بعد کیا کیا گیا تو جواب  
یہ ملا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

کچھ کیوں نہیں کیا گیا اس کا جواب ملاحظہ ہو: —

یہاں پر یہ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کچھ کہا جاتا ہے کسی واقعہ کو زیادہ عرصہ  
تک حافظہ میں محفوظ رکھنے کی صلاحیت مشرقی دماغ کو فطرتاً زیادہ نصیب ہوئی ہے حالانکہ انگریز قوم  
کا حافظہ اس کے مقابلہ میں اتنا تیز نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی ۶۰ سال پہلے کی چالیسوں  
یا گولیوں کے ذریعہ ہلاکت کے واقعات کو سامنے رکھے ہوئے ہیں۔

(۱۴)

## لکھنؤ نے مسلمانوں سے انتقام لیا

لیکن ان سے بھی زیادہ ہیرت و استعجاب لکھنؤ قوم کی قوت یا دلاشت پر ہوتی ہے جن کے

کے بک لے

ہر ایک پابھی کو سزا دیتے وقت بغیر کسی قسم کی تحقیقات کرنے کے فرض کر لیا جاتا تھا کہ اس نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ ۵۹



اباد اجداد کو شاہانِ منیر کے ہاتھوں دردناک مظالم سے جان دیے ہوئے اگرچہ ڈیرہ سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے لیکن ان کی تلخ یاد ابھی تک ان کے سینہ میں تازہ ہے جس کا پورا انتقام انہوں نے غدر میں یا ہے۔ یعنی وہ نہایت وحشیانہ مسرت کے ساتھ غدر کے ہنگامے میں دہلی کے برخلاف اپنا بدلہ لینے کے لیے ہمارے مددگار کے طور پر شریک ہوئے چنانچہ ایک عین شاہد بیان کرتا ہے کہ کس طرح سکھوں اور انگریزوں نے ایک مسلمان قیدی کے چہرہ کو بار بار سنگینوں سے زخمی کر کے زندہ ہلی آگ میں جلا دیا۔

”بد نصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بونگلی کر اس پاس کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی انیسویں صدی میں جبکہ تہذیب اور شائستگی پر تاز کیا جا رہا تھا ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک انسان نہایت وحشیانہ طریق سے زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہے اور سکھ اور یورپین نہایت اطمینان اور متانت سے پھوٹی پھوٹی لڑیاں بنا کر ارد گرد کھڑے دیکھ رہے ہیں گویا وہ ایک تفریح کا سامان تھا کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خواہ بد قسمت قیدی کے مفروضہ جرم کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں پھر موجودہ سفار اور دردناک سزائے جگتے کے بعد یقیناً اس نے اپنے گناہوں کی قرار واقعی پاداش اٹھائی ہے۔“

ٹائمز آف انڈیا اخبار کے فوجی نامہ نگار مسٹر رسل RUSSEL نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے کہ :-

چند دنوں بعد میں نے اُس شخص کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اسی میدان میں پڑا ہوا پایا۔

1. "LFF Majendie" up among the pandies, P. 19.

2. My diary in India in the year 1858, 1859, P. 301, 302.

## زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سیایا گیا

پہلی آواز جس نے دنیا کو ان وحشیانہ مظالم سے روشناس کر کے روکنے کی کوشش کی وہ ٹامس آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر ڈی لین د Deleam کی تھی جو آئر لینڈ کے رہنے والے ہیں۔ چنانچہ اپنے ایک آرٹیکل میں اس نے لکھا:۔

”زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا یا پھانسی سے پہلے اُن کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلاتا یا بندوتا بیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بد فعلی کریں ایسی مکروہ اور منتقمانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی ہماری گردنیں مٹرم و ندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقیناً ایسی حرکات عیسائیت کے نام پر ایک بدنامہ صبر ہے جس کا کفارہ یقیناً ہمیں ایک دن ادا کرنا پڑے گا اس قسم کی جسمانی اور دماغی سزائیں دینے کا ہمیں کوئی حق نہیں لود نہ ہی ہم یورپ میں ایسی سزائیں دینے کی جرات کر سکتے ہیں نہ ۱۷

## جرائم کا اجمالی خاکہ

انڈین سول سروس کے ایک ممتاز افسر رکن مسٹر سنٹر نے، اُن جرائم کا اجمالی خاکہ ذیل کی

۱۷ Russel diary, ii P. 43 (May 1858).

۱۸ القلوب ۱۲۵۶ کی تصویر کا دوسرا رخ ص ۶۵

سطوں میں پیش کیا ہے۔ جن کا ارتکاب انگریزوں نے مسلمانوں پر کیا :۔

”اس حقیقت سے چشم پوشی بے سود ہے۔ کہ مسلمان ہم پر کیسے کیسے شدید الزام عائد کرتے ہیں ایسے الزام جو شاید ہی کسی حکومت پر عائد کیے گئے ہوں وہ ہمیں اس بات کا مدغم ٹھہراتے ہیں کہ ہم نے ان پر ہر قسم کی باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ وہ ہمیں اس بات کا مدغم ٹھہراتے ہیں۔ کہ ہم نے ایک ایسا طریقہ تعلیم رائج کر دیا ہے۔ جس سے ان کی قوم بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ اور جوان کی ذلت و خواری کا سبب بن گیا ہے۔ وہ ہمیں یہ بھی الزام دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمان تاجروں کی برطرفی سے ہزار ہا خانہ دلوں کو مبتلائے آفات کر دیا ہے یہ قاضی نکاح کے لیے مذہبی اجازت دیتے تھے اور ان کا کام زمانہ قدیم ہی سے اسلام کے متبرک قوانین کی تبدلات اور نفاذ عمل میں لانا تھا۔ ان کو شہادت ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے مذہبی ذبح کو پورا کرنے کے ذریعے چھین لیے اور اس طرح روحانی اعتبار سے ان کے ایمان کو خدشے میں ڈال دیا۔ ہمارا بڑا جرم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے مذہبی اوقات میں ہر دینا نئی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑی تعلیمی نہ ہائے غلط استعمال کیا۔ ان مخصوص مزدمت کے علاوہ جن کے متعلق ان کو یقین ہے۔ باسانی ثابت کیے جاسکتے ہیں۔ اور بھی بہت سی شہادتیں ہیں۔ جو جذبات پر مبنی ہیں۔ اور شاید انگریزوں کے قصور سے قاصر دماغ پر نوئی اثر نہ ڈال سکیں مگر آئر لینڈ کی طرح ہندوستان میں بھی یہ شکایتیں مسلمانوں کو حاکموں سے بدظن رکھتی ہیں۔ وہ علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ ہم نے بنگال میں قدم رکھا۔ تو مسلمانوں کے ملازم کی حیثیت سے لین اپنی فتح و نصرت کے وقت ان کی مطیع پروا نہیں کی۔ اور نو دولت طبقہ کی استغناء و بنیت کے ساتھ اپنے سابق آقاؤں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ مختصر یہ کہ ہندوستانی مسلمان برطانوی حکومت کو غفلت اور بے اعتنائی کا جرم بدبانت شرافت سے معزا اور سرمایہ میں کمینوں کی طرح بددیانتی سے کام لینے والے اور دیگر بڑی بڑی تانہ خانیوں کا جن کا سلسلہ سو سال تک پھیل ہوا ہے مرثلب ٹھہراتے ہیں۔ (۱)

# اشک و آہ

۸۵۷ء کے غلہ کا نتیجہ صرف یہ نہیں نکلا کہ ایک شہر میں کانام دئی تھا، مٹ گیا، واقعہ اگر صرف اتنا ہوتا تو گویا بچائے خود افسوس ناک ہوتا، لیکن اتنا غم انگیز نہ ہوتا کہ فریاد و شیون اور آہ و فغاں سے آسمان سر پہ اٹھایا جاتا، لیکن دلی کے ساتھ ساتھ ایک قوم بھی تباہ ہوئی، ایک تہذیب بھی برباد ہوئی، ایک ثقافت نے بھی موت کی پچکیاں لیں، وہ روایات بھی مٹ گئے جو صدیوں کے میل جول، شکست و یخت اور اتحاد و اختلاف سے عالم وجود میں آئے تھے، وہ تمدن بھی فنا کے گھاٹ اتر گیا، جو کسی ایک قوم کی میراث نہ تھا بلکہ دنیا کی دو عظیم قوموں کا مشترک سرمایہ تھا اور ناقابل تقسیم۔

شاعر سے بڑھ کر حساس کوئی نہیں ہوتا، وہ عالم خیال میں بھی کسی کا دکھ درد برداشت نہیں کر سکتا وہ معمول معمول باتوں سے اثر پذیر ہوتا ہے، وہ مرجھائے ہوئے پھول کو دیکھتا ہے، اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے، وہ ننھی ننھی کلیوں کو مسلا ہوا دیکھتا ہے، تو اس کے لبوں سے آہ و فغاں کی تراش شروع ہو جاتی ہے، وہ بیل کے دردناک نغمہ کو اس کی فریاد کوئل کی درد بھری آواز کو اس کا نالہ سمجھتا ہے اور خود سراپا شیون بن جاتا ہے، پھر جس بد بخت شاعر نے اپنی آنکھوں سے عظیم المرتبت اور فلک شکوہ عمارتوں کو کھنڈ ہو تے دیکھا ہو، جس نے آباد، بارونق اور بھرے پرے محلوں کو خاک میں ملتا اور ملتا دیکھا ہو، جس نے بے قصور بچوں کو، جوانوں کو، بوڑھوں کو پھانسی پاتے، گولی کھاتے، اور ناک و خون میں لٹھڑے دیکھا ہو، جس نے عصمت مآب پردہ نشین اور سراپا عفت خواتین اور روشیزاؤں کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں پریشان حال پریشان مو آشفقتہ حال، برگشتہ بخت پھٹے ہوئے لباس میں جھاگتے، دوڑتے، دیا میں کودتے، کنوؤں میں چھلانگتے، زہر کھاتے خودکشی



کرتے دیکھا ہو جس نے شاہزادوں کو شاہزادیوں کو بیگمات شاہی کو، خود نعل اند کو مرتے قتل ہوتے  
 سزا پاتے اور جلا وطن ہوتے دیکھا ہو، اس کے قلب ناتواں پر کیا کچھ نہ بیت گئی ہوگی، دلی کی معمولی  
 سی شورش اور تباہ کاری نے میر کو میر بنا دیا، پھر دلی اور دلی والوں کی تباہی اور برشتہ سختی دیکھنے  
 والے شاعر کیا کچھ نہ بن گئے ہوں گے؟ ان کے تاثرات اور احساسات کا کیا عالم ہوگا کیونکہ ممکن  
 تھا کہ ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ دہکتا ہوا انکار نہ بن جاتے ؟

غدر کے فوراً بعد دلی کے شعراء نے دلی کے حال زار پر آنسو بہائے انھیں محسوس کی  
 صورت میں غالب کے شاگرد ونشی تفضل حسین کو کتب نے "فغانِ دہلی" کے نام سے ۱۸۶۲ء میں  
 شائع کیا تھا، ذیل کی نظمیں اور غزلیں اس سے ماخوذ ہیں :

(۱) میں نے بیدردی کے ساتھ انتخاب کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ مختصر کرنے  
 کی کوشش کی ہے ؟

(۲) عنوانات میں نے قائم کئے ہیں ؟

(۳) شاعر پر جو تبصرہ کو کتب نے کیا ہے اسے میں نے خلاصۃً نظم یا غزل سے پہلے درج

کر دیا ہے، اس کی زبان فارسی ہے اور میں نے ایسی ہی رہنے دی ہے ؟

اب آپ تصور کیجئے ایک محفل کا صبیح وقت کے شاعر اپنا کلام سنارہے ہیں ؟

# دلی کامرانیہ

صدر الدین خان آرزو

ما از نتائج افکار عمدة العلماء زبدة الفضا مولوی صدر الدین خان بہادر متخلص بہ  
آرزو کہ شاعری ندوں مرتبہ دوست ازا کا بر این شہر لطافت بھر است  
یارب اس برگزیدہ روزگار کہ باعث رونق دہلی است، عمر بار دانی یا بد و بخیر  
میں ہر شک افزا ہے

(۱)

آفت اس شہر پہ قلعہ کی بدولت آئی  
وہاں کے اعمال سے دہلی کی بھی شامت آئی  
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی  
کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

گوش زد تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں دیکھا  
جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا

جس کو دنیا میں کسی سے بھی سرو کا نہ تھا  
اہل و اہل سے خلطہ انھیں نہ نہا نہ تھا  
ان کی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا  
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی وال بار نہ تھا

وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشان و در

تیموری چراغ کی آخری  
روشنی - جسے بعد وہ  
ہمیشہ کے لئے ہو گیا -



برادر شاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہیں





خاک بھی ملتی نہیں اُن کو جو ڈالیں سر پہ

زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا  
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا  
گاچ کا جن سے دوپٹہ نہ سنبھالا جاتا  
لاکھ حکمت سے اوڑھاتے تو نہ اوڑھا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتی ہیں  
دو قدم چلتی ہیں مشکل سے تو پھر گرتی ہیں

طبع جو گننے سے پھولوں کے اذیت پاتی  
مہندی ماتھوں میں لگا سوتی تو کیا گھبراتی  
شام سے صبح تک نیند نہ اُس کو آتی  
ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

اُن کو تکیہ کے بھی قایل نہ خدا نے رکھا  
سنگ پہلو سے اٹھایا تو سر اُٹانے رکھا

جن کو بن دوش پرستار نہ چلتے دیکھا  
صبح سے شام تک عطر ہی ملتے دیکھا  
کبھی بیدار نہ سوچ کے نکلتے دیکھا  
پاؤں دلبے پہ بھی کروٹ ہی بدلتے دیکھا

وہ ہیں اور دشت میں اور کوہ پہاڑوں سے نہیں  
قدم اٹھاتا نہیں پاؤں میں پڑے چھپا سے نہیں

روک سکتے نہ تھے جس بات پہ وہ اُٹتے تھے  
صلح سے زیادہ مزاح تھا جو کبھی دڑتے تھے

پاؤں رکھتے تھے کہیں اور کہیں پڑتے تھے  
آنکھوں سے زہرے مقیش پڑے جھڑتے تھے

ابن کو رونے کے سوا مشغل نہ کچھ رہتا ہے  
ایک دریا ہے کہ آنکھوں سے پڑا بہتا ہے

عطر سندان میں جو دامن کو بسایا کرتے  
کنٹھے موتی کے گریباں میں دکایا کرتے  
بیٹھ خلوت میں وہ زلفوں کو بنایا کرتے  
وہ سنگار آئینہ کو بھی نہ دکھایا کرتے

اب نہیں کچھ بھی انھیں زلف پریشاں کی خبر  
نہ گریبان کی خبر اور نہ داماں کی خبر

روز بن ٹھن کے نکلتا وہ جوانوں کا کہاں  
بیٹھنا تاز واداسے وہ دوکانوں کا کہاں  
شور ہر کوچے سے پٹوں کی وہ مازوں کا کہاں  
لطف ساقی کا مزہ اور وہ گانوں کا کہاں

وہ معنی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا  
دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

شکل ایسی کہ خدا اس کو نہ پھر دکھلائے  
ابن کی پوشاک کو دیکھیں تو پھر بری آئے  
نظر آجائیں اگر وہ میرا ہے گا ہے  
خون اپنا کریں یا ان کا یہی جی چاہے

جن کے ماتحتوں سے نہ لیں بیرجی و کوری کے

چاندنی چوک میں پھرتے ہیں وہ اہلے گندے

روز و حشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے

سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے

ٹکڑے ہوتا ہے جگر جی سی پہ بن جاتی ہے

مصطفیٰ انہاں کی ملاقات ہو یاد آتی ہے

کیونکہ آرزو نہ نکل جائے نہ سودائی ہو

قتل اس طرح سے بے جرم جو مہربانی ہو

# یادِ دلی

تشنہ دہلوی

تصنیفِ تشنہ، مردِ آزاد و فصیح است و آزادانہ لہجہ می برد، از شاگردان  
شیخ محمد ابراہیم ذوق است، نامش محمد علی است، فکرِ سامی دارد،

(۲۱)

عجیب کوچہ رشکِ جنان تھا دہلی کا  
بہشت کہتے ہیں جس کو مراں تھا دہلی کا  
دماغ بر سرِ معرفت آسماں تھا دہلی کا  
خطابِ خطہ ہند ستاں تھا دہلی کا

غضب ہے اس کو کوئی شاد ماں نہ دیکھ سکا  
زمین نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

یہاں کی خاک میں کیفیتِ ابر باراں کی  
یہاں کے آب میں تاثیرِ آبِ حیات کی  
یہاں کی بادِ بہاری ہوا ز مستان کی  
یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی

ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہزاد چھا تھا  
مرعقِ عشق کے بھی واسطے سیما تھا

دو تختِ سلطنت و بارگاہِ سلطانی



کہ جس میں بیٹھتے تھے آکے نعل سبمان  
پہلوں سے سر پہ ہرا کرتا تھا مگس رانی  
سجا اس آوج پہ تھا دھوئے سیمانی

ہر ایک قعر کو دھوئے تھا طاق کسری کا  
دامغ عرش پہ تھا قلعہ سمنے کا

کسی زمانے میں ایسا تمایاں کا تخت نشین  
خراج دیتے تھے سب بادشاہ روئے زمین  
خطا ملکِ فتن سب تھے اس کے زیرِ نگین  
تمام کا نپتے تھے اس سے چین اور ماہین

دیارِ ہند تمام شہر خلق نام اس کا  
چراغِ روم سے جلتا تھا تابہ شام اس کا

زُمل کی آنکھ پڑی افلاق سے ناگاہ  
تمام ہو گیا تاراج ملک و مال اور جاہ  
کہ اس سے ہو گئے بدتر غریب شاہنشاہ  
رعیت اس کی ہوئی اس سے بھی زیادہ تباہ

تمام شہر تنگوں نے آکے لوٹ لیا  
مثل ہے پیکوں نے تنگوں کو آکے لوٹ لیا

یہاں جوان کی دیکھی تو دار کی صورت  
وہ دار کیسے جسے ذوالفقار کی صورت  
مشاد می چشمِ ردن میں ہزار کی صورت  
نظر پڑی نہ کی بے ستار کی صورت

برنگ تیر شہابِ آگ میں جھلے لاکھوں

میسرہ دار و رسن ہو گئے گئے لاکھوں

مکان کو آکے جو دیکھا تو لاکھوں سے وہ

جہاں نہ چند بھی بیٹھے اب آتیاں ہے وہ

جو شہریار کو پوچھا کہ کس سے ہے وہ

تو یہ سنا کہ کھنڈ دیکھ لو نشان ہے وہ

نہ اہل شہر ہے اد نہ شہر ہے رہا

رہا تو نام ہی خالق کا بے تسار رہا

کوئی فقیر جو کوڑی دوکان مانگے ہے

تو اس کو کہتے ہیں کیا تو ہر آن مانگے ہے

تری طرح سے یہاں سب جہان مانگے ہے

پل اپنی راہ لے کیا ہم سے دان مانگے ہے

جو مال بڑھتا ہی جاتا تھا گھٹ گیا باطل

دوکانداروں کا طبع بدلت گیا باطل

# شہر آشوب

نواب میرزا صاحب دماغ دہلوی

”نواب میرزا صاحب دہلوی متخلص بہ داغ جوان خوش فکر است و زانوسے  
تمذہب مذمت شیخ محمد ابراہیم ذوق ترکدہ و در ریختہ گویاں طبع معنی یاب  
می دارد و اکثر بزرگ استاد می راند“

۲

فلک زمین و ملائک جناب تھی دہلی  
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دہلی  
جواب کا ہے کو تھا لا بواب تھی دہلی  
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دہلی  
پڑی ہیں آنکھیں داں جو جگہ تھی زکس کی  
خبر نہیں کہ اسے کھائی نظر نس کی

یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا  
یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدروان کا دل تھا  
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا  
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا

رہی نہ آدمی یہاں سنگ و خشت کی صورت  
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

میاں کی شام تھی ہنسہ جمع نورانی  
میاں کے ذریعے میں تھی ہر کی درخشانی  
میاں کے سنگ سے تیرہ حاصل رہائی  
میاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی

یہ شہر وہ تھا کہ سایہ بھی نور تھا اس کا  
چراغ رشک شہلائے طور تھا اس کا

نہک تھا غریبی و حسن و جمال کا دشمن  
مباح عشرت و شام و صال کا دشمن  
عدوئے اہل کمال اور کمال کا دشمن  
غرض کہ اب تو ہوا جان و مال کا دشمن

یہ مہنت بر جو تلاشی ہے نقدِ ماں کے لیے  
خضر بھی روئیں گے اب عمر باداں کیلئے

زباں سے کہتے ہوئے دین دین آئے لعین  
ہو اتا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دین  
یہ بانٹتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دینِ مبین  
کٹے ہیں قتلِ زن و بچہ کیسے کیسے حسین

روانہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا  
غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا

نہک نہ قمر و غنیمت تاک تاک کر ڈالا  
تمام پرہیز ناموس پاک کر ڈالا  
یکایک ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا



غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا

جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں  
کھینچی ہیں کائناتوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں

عجیب شکل گل و گستاں نظر آئی

پڑی بدھر کو نگاہیں خزاں نظر آئی

جب آنکھ تاملہ خون چکاں نظر آئی

تو کوئی عیش کی صورت نہ یاں نظر آئی

وہ گل رخسان حسن برکے قہقہے نہ رہے

وہ بلبلاں خوش الحان کے چہچہے نہ رہے

ہو کے چٹھے ہیں چشم پر آب کی صورت

شکستہ کاسے سر پہں حباب کی صورت

لٹے ہیں گھر دیں غائب خراب کی صورت

کہاں یہ حشر میں توبہ عذاب کی صورت

زباں تیغ سے پرکش ہے داد خواہوں کی

رہن ہے طوق ہے گردن ہے بیلنا ہوں کی

زمین کے مال پہ اب آسمان روتا ہے

ہر اک فراق ملیں میں مکان روتا ہے

کہ لعل و عمدت و پیرو جوان روتا ہے

غرض یہاں کے لئے اک جہان روتا ہے

جو کئے جوشش طوفاں نہیں کہی جاتی

یہاں تو نوح کی کشتی بھی ڈوب رہی جاتی

برنگ بوسے گل اہل چمن چس سے چلے  
 غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے  
 نہ پوچھ نہ تدوں کو بیچا سے کس عین سے چلے  
 قیامت آئی کہ مرے نکل کفن سے چلے

مقام امن جو ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی  
 یہ قمر تھا کہ خسدا کی پناہ بھی نہ ملی

جگہ جگہ تھے زمیں دار دار کی صورت  
 چڑھے ہی آتے تھے سر پہ بنجار کی صورت  
 بلا سے کم نہ بنتی اک اک گنوار کی صورت  
 چھپی نہ ان سے پر اہل دیار کی صورت

کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا  
 تو اہل قسریہ یہ بولے کہ لوشہ کار آیا

زبانیں بدلیں تو صورت بدل نہیں جاتی  
 میں جو خاک بھی منہ پر تو دل نہیں آتی  
 کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی  
 پکارتے ہیں اہل کو اہل نہیں آتی

جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پر سے سرکتے ہیں  
 جو لوٹیں کانٹوں پہ کاسنٹے الگ کھسکتے ہیں

بنا ہے خال سیہ رنگ مہ جالوں کا  
 دوتا ہوا ہے قدر است نونسا لوں کا  
 جو زور آہوں کا لب پر تو شور نالوں کا

عجیب حال دگرگوں ہے دلی دلوں کا

کوئی مراد جو چاہی حصول بھی نہ ہوئی  
دعاٹے مرگ جو مانگی قبول بھی نہ ہوئی

پیادہ پاہوں ۱۰ ال شہ سوار صد افسوس  
لہو کے گھونٹ پیئیں بادہ خوار صد افسوس  
ذلیل و خوار ہوں اہل وقار صد افسوس  
ہزار حیف دل بے مسترار صد افسوس

جھکے ہیں بارالم سے تنے ہرے کیسے  
گم گئے ہیں یکا یک بنے ہوئے کیسے

پئے محاسبہ پریش ہے نکتہ دانوں کی  
تویش ہر سیاست ہے خوش بیانوں کی  
جو نوکری ہے تو اب یہ ہے نوجوانوں کی  
کہ حکم عام ہے 'بھرتی ہے قید خانوں کی

یہ اہل سیف و قلم کا زو جب کہ حال تباہ  
کمال کیوں نہ پھرے در بدر کمال تباہ

غضب ہے بخت بد ایسے سہاڑے ہو جائیں  
کہ ہیں جو عمل دگر رنگ پاسے ہو جائیں  
جو دانے چاہیں تو خرمن شرارے ہو جائیں  
جو پانی مانگیں تو دریا کنارے ہو جائیں

پیئیں جو آب بقا بھی تو زہر ہو جائے  
جو چاہیں رحمت باری تو قہر ہو جائے

# جہان آباد

مرزا قسطنطنیہ علی خان سالک

شاعر بے بدل حکمت پرورد بے مثل آسمان سخن رانہ نیم ماہ و خاک بلاغت راہ نیم روز مرزا  
قربان علی خان متخلص بہ سالک یادگار اکبر مرزا عالم بیگ خان مرحوم حمید آبادی مولد شاہ جہان آباد  
مسکن فن سخن از جناب استاد مولائی نواب اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بہ غالب کسب کرد

۴

جہاں میں شہر میں جتنے جہاں جہاں آباد  
بس ان بلاد میں تھا منتخب جہاں آباد  
اُبھر کے یاں سے نہ پوچھو پڑا کہاں آباد  
گیا عدم کو دوبارہ رٹوا دیاں آباد

خاک نے کس سے کہوں کیوں منادیا اس کو  
ارم کا بھڑ سمجھ کر اٹھایا اس کو

زمین لپٹ یہاں کی تھی آسمان منظر  
سیرنگ ذرہ یہاں کا تھا ہر کا ہمسر  
یہاں کی خاک تھی اکیس سے بھی کچھ بہتر  
یہاں کے آب میں آب حیات کا تھا اثر

نسیم غلہ سے بہتر سموم تھی یاں کی  
یہ وہ چین ہے کہ دنیا میں دھوم تھی یاں کی

سیراک مکان یہاں کا تھا اک مکان سرور  
سیراک کوچہ یہاں کا اک جہان سرور  
سیراک دکان یہاں کی تھی اک دکان سرور  
غرض یہ شہر نہ تھا تھا یہ اک کان سرور

جدھر کو دیکھتے آواز بر لب و نے ہے



نہ جانستاتھا کوئی رنج و غم کو کیا شے ہے

یہ شہر کس لیے برباد ہو گیا یا رب ؟  
 گئی کسی کی یہ کیا ایسی بددعا یا رب ؟  
 یہاں کے لوگوں سے کیا ہو گئی خطا یا رب  
 ہوئے ہیں کس لیے یہ موردِ جفا یا رب

رہی نہ خاک پہ امن و امان کی صورت  
 کچھ اور ہو گئی سارے جہان کی صورت

مکان شکستہ ہیں مانندِ خاطرِ مایوس  
 اجاڑ کچھے بسانِ دلِ المِ مانوس  
 وہ شکل رہی نہ رہی شہر ہو گیا معکوس  
 ستم کیا فلکِ بد شعار نے افسوس

یہ وہ جگہ ہے جے دیکھنے کو خلقت آئے  
 اور اب جو دور سے دیکھے کوئی تو عبرت آئے

سمجھ کے اپنا ٹھکانا گئے جہاں ہم لوگ  
 زلیل یاں سے زیادہ ہوئے واماں ہم لوگ  
 بنے ہیں طائرِ گم گشتہ آشیانِ ہم لوگ  
 پھرے ہیں امن کے طالب کہاں کہاں ہم لوگ

زمین ہو گئی دشمن نہ پائی جانے ثبات  
 ٹھہر سکا نہ کسی جائے اپنا پائے ثبات

وہ لوگ کھاتے تھے جن کی نشاط کی قسمیں  
 ٹپے ہیں طالعِ ناسازِ گار کے بس میں

محل میں رہتے تھے یا اب پڑے میں محبس میں  
 نہ تاب دل میں رہے طاقت نہ جان بکس میں  
 جو تشنہ لب ہوں تو آبِ دم سناں ہو جو  
 جو گر سنہ ہوں تو کھانے کو گو لیاں ہو جو

ہوئے ہیں قتل جو بے جرم لوگ دلی کے  
 بہشت چاہئے پہلے انھیں قیامت سے  
 کیا جنابِ الہی میں عرضِ رضوں نے  
 کہ آج کل درِ فردوس کس طرح سے کھلے

ملا جواب کہ دلی کو لاؤ اٹھو کہ  
 اور اس گروہ کو اس میں بساؤ لے جا کر

وہ جس کی طبع کہ آسودگی پہ ماٹل ہے  
 پیادہ کیونکہ چلیں ناقہ ہے نہ محمل ہے  
 اٹھائیں ایک قدم بھی اگر تو مشکل ہے  
 قدم کسے کہ ٹھیر بساؤ یہ ہی منزل ہے

سروں پہ بوجھ ہے گٹھری کا لاکھڑا نہیں  
 بس اپنے جی کی طرح بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں

لکھوں میں پردہ نشینوں کا حال کیا ہے ہے  
 بیان مجھ سے ہو کیونکہ یہ ماجرا ہے ہے  
 نہ آئی جن کی کبھی درِ تلک صدا ہے ہے  
 نکل کے گھر سے چلی ہیں پیادہ پا ہے ہے

کبھی نہ غصہ میں بھی جامہ سے جو باہر ہوں

غضب ہے یہ کہ وہ یوں روا و چادر ہوں

ہجوم مسجد جامع کا کیا کدوں اظہار  
صفوں ملائکہ ہوتی جہاں نماز گزار  
ہر ایک صف میں نہ رہتا معینوں کا شمار  
اب اس کو دور ہی سے دیکھنا پڑا دشوار

نماز ہے نہ اذان ہے نہ کوئی جاتا ہے  
جب اس کو دیکھئے خالی تو جی بھراتا ہے

بیلن سن کے یہ ساٹک اٹھے جو میسے ہوش  
بیلن صوت دیوار رہ گیا خاموش  
ہجوم فسک سے خوں دل میں مارتا تھا جوش  
کہ ناگہاں ستن غریبے بہ بانگ بروش

رسید مشرودہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند  
چناں نہ اند چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

# زمین پہ چرخ کی تائیم مقام تھی دہلی

سید ظہیر الدین ظہیر

ہ افکار تازہ سید ظہیر الدین ظہیر عرف نواب مرزا متمخلص بہ ظہیر خلیف اکبر  
میر ملا علی الدین خوش نویسنے معذور، از کالمین دہلی است دست لکھے و خط  
نسخ چنان می دارد کہ اگر بیا قوت برابر کند لائق است دفن سخن از شیخ  
ابراہیم ذوق بہ کمال رسانید

(۵)

فرشتہ مسکن و جنت نشان تھی دہلی  
زمین کے پردے میں اک آسمان تھی دہلی  
جہاں میں ایک عجائب مکان تھی دہلی  
غرض کہ اہل بصیرت کی جان تھی دہلی

یہ وہ زمیں تھی زمیں جس کی زر اگلتی تھی  
یہ خاک وہ تھی کہ اکیر ماتہ ملتی تھی

سواد میں عرش احتشام تھی دہلی  
بیاض مرد ملک خاص و عام تھی دہلی  
زمین پہ چرخ کی تائیم مقام تھی دہلی  
جب آیا عہد جوانی تمام تھی دہلی

فتاں کہ جس کو ملائک نے انتخاب کیا



ستم ہے اس کو زمانے نے یوں خراب کیا

یہ شہر وہ تھا کہ غنچہ تھا حسن والوں کا

یہ شہر وہ تھا کہ تختہ تھا نونہالوں کا

یہ شہر وہ تھا کہ مجمع تھا خوش جہالوں کا

یہ شہر وہ تھا کہ مرجع تھا باکالوں کا

یہ وہ مکان تھا مکین جس کے قیصر جم تھے

یہ خطہ وہ تھا گداجس کے فخر ماتم تھے

نقوش پیکر اڑنگ تھے در و دیوار

نگار خانہ چینی تھے کوچہ و بازار

مکان مکان سے ہویدا تھا جوش فصل بہا

بنا محلہ محلہ تھا غیرت گلزار

فلک صفائے عمارت پہ نہر کھاتا تھا

چمک سے ذروں کی خورشید تھر تھراتا تھا

گلی گلی سے ہے آتی صدائے داد و دلا

زمین زمین سے ہے اٹھتی نوائے واد و دا

دکان دکان سے گھر گھر سے شربے پیدا

مکان مکان سے اٹھا فلندہ ہے شیوان کا

چہار سمت رواج ستم پرستی ہے

فلک سے تازہ ہوا پر بلا برستی ہے

زمین زمین کے درپے ہے خاک اڑانے کو

مکان مکان کے درپے ہے کاٹ کھانے کو

رہی نہ جائے زمانے کے سر اٹھانے کو  
ٹھکانے ڈھونڈتے فتنے ہیں بچہ جانے کو

گھروں کو دیکھ پکڑنے لگے ہیں مگر عبرت  
بنے ہیں روزِ دیوار ویدہ حسرت

ہوئی جو شام تو شامتِ زہوں کی شامت ہے  
نمودِ صبح قیامت پہ اک قیامت ہے  
بلا بلا پہ مصیبت یہ اک مصیبت ہے  
گھڑی گھڑی ہے غضبِ لحظہ لحظہ آفت ہے

ترے ستم سے کہاں بچ کے پرجنا بائیں  
زمینِ شوق ہو تو اے چرخِ ہم سما جائیں

جو ماتھے عقدہ کشا تھے وہ بستہ کار ہوئے  
جو قد کہ رشکِ منور تھے وہ نزار ہوئے  
جو پاؤں غیرت گل تھے وہ خارِ خار ہوئے  
حنائیِ تلوسے دلوں کی طرح فگار ہوئے

جو سینے گلشنِ خوبی تھے داغ داغ ہوئے  
جو دل کہ خانہِ عشرت تھے بے چراغ ہوئے

ہر ایکِ رونقِ بزمِ جہان قتل ہوا  
ہر ایکِ قبلہ ہر خاندان قتل ہوا  
ہر اکِ طوطی شیریں زبان قتل ہوا  
ہر ایکِ بلبلِ نوشیں بیان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ پشتے ڈالے ہیں

نہ گود ہے نہ کفن ہے نہ لٹونے والے ہیں

نکلنے شہر سے ہیں پر نہ نکل نہیں سکتے

ہزار چال سے چلتے ہیں چل نہیں سکتے

کروڑ شکل کو بدلیں ، بدل نہیں سکتے

قدم قدم پہ ہے لغزش سنبھل نہیں سکتے

کنڈ موت نے کیا بند بند جکڑے ہیں

زمین شہر نے ایک اک کے پاؤں کپڑے ہیں

وہ دھوپ اور وہ ریگ تپاں وہ گرم ہوا

وہ فوج فوج ہر اک سو سے زرخیز اعدا

وہ کینہ دوزی غارت گراں بے پروا

اللہ اس پہ ظلم گنواؤں کا وہ کہ وادیا

جو ہم سے سنتے ہیں اس انقلاب کی باتیں

وہ لوگ کہتے ہیں کرتے ہو خواب کی باتیں

وہ گل سے چہرے حرارت سے تھمتاتے ہوئے

وہ گودے گودے بدن خاک میں ملائے ہوئے

لبوں پہ آؤ بگر میں الم سمائے ہوئے

جفا کی تیغ سے سب زخم دل پر کھائے ہوئے

وہ داغ برگ عزیزاں وہ دشت پیمائی

وہ ریگ و غار مغیلاں و آبد پائی

نہال گلشن اقبال پائمال ہوئے

نکل ریاض خلافت لہو میں لال ہوئے

یہ کیا زوال ہو سے اود کیا کمال ہوئے  
 کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے  
 جو عطر گل کا نہ مٹنے سے وہ مٹی میں  
 جو فرش گل پہ نہ چلتے سے وہ مٹی میں

کہاں وہ خسرو عالی نظر ہسا اور شاہ  
 کہاں وہ سرور نیکو میر ہسا اور شاہ  
 کہاں وہ باد شہداد گر ہسا اور شاہ  
 کہاں وہ داور دالا گر ہسا اور شاہ

کہاں سے باغی بے دین آگئے ہے ہے  
 کہ نام اس کا جہاں سے مٹا گئے ہے ہے

جہاں میں جیتے تھے اوباش و زنا فرجام  
 قمار باز و چیل خوار بد ساسش تمام  
 ہوئے شریک سپاہ شریہ و بد انجام  
 کیا تمام شریفوں کے نام کو بد نام

وہ چند آتش فتنہ کو سر بلند کیا  
 کیا وہ کام کہ عالم کو درد مند کیا

شریہ و منوی و نا اہل سراٹھانے لگے  
 کہ گمروں کو رہ گری دکھانے لگے  
 چھپے ہوؤں کا سراغ و نشان بتانے لگے  
 پکڑ پکڑ کے ستم گارخوں بہانے لگے

اٹھائی گیرے اچکے گمروں سے دھڑکے



جو کھٹ کٹے تھے وہ گٹھری لپک کے گھر بھاگے

ظہیر بے ہودہ تاچند خامہ فرسائی۔

خیال ہرزہ ورائی و باوہ پیمائی

عبث عبث یہ تنگاپو و آبلہ پائی

ہمیں پسند نہیں تیری لغہ آرائی

زبان کو بند کر اور منہ سے کچھ نکال نہ بات

مثل نشئی بھی ہے تونے گزشتہ راصلوات

# یہ شہر وہ ہے کہ تھا افتخارِ ہفتِ تلیم

حکیم محمد حسن خان محسن

• از تازہ لڑائی حکیم محمد حسن خان متخلص بہ محسن خلیفہ حکیم محمد حسن خان مرحوم منقذ از  
شاگردان نواب غلام حسن خان خواہد :

(۶)

دیارِ ہند میں پرتخت گاہ تھی دہلی  
قریباً جاہ و فلک بارگاہ تھی دہلی  
تمام شہر کی پشت و پناہ تھی دہلی  
گناہگار ہوئی ، بے گناہ تھی دہلی

یہ انقلابِ زمانہ سے ہو گئی برباد  
اکھڑ کے جھک گئی اب اس کی بیخِ دنیا

یہ شہر وہ ہے کہ تھا افتخارِ ہفتِ تلیم

محلِ پایہ اور ملکِ خردینِ قدیم

شکوہ و رقت و شوکت میں رشکِ عرشِ عظیم

فنا حُسن میں غیرتِ قزائے باغِ نسیم

خدا ہی جانے کہ اس پر لگی ہے کس کی نظر

ہر ایک قصبہ و قریہ سے ہو گیا کم تر

وہ لال قلعہ جیسے کوہ طود کہتے تھے

نضا کو جس کی فضا نے قصور کہتے تھے

وہ نازنین جنھیں رشک حد کہتے تھے

وہ شمارِ زادے جنھیں سب جھوٹ کہتے تھے

رہا نہ کوئی حسیں اور نہ کوئی وارثِ تخت

مٹا نہ تخت کو آیا تھا بختِ خاں کج بخت

وہ لال پندہ کہ بس پردہ پوشِ عالم تھا

وہ گویا پردہ پر نورِ چشمِ آدم تھا

وہ مہرِ آگاہِ سلاطین و عاتق و جم تھا

وہ سجدہ گاہِ زریبان و زوالِ دستِ تھا

تمام کھودتے پھرتے ہیں ہیں جگہ مزدور

ظہورِ اس کا ہوا جو خد کو تھا منظور

وہ نو محلہ کہ تھا رشکِ کوچہ و بازار

طواف کرتی تھی ہر صبح جس کا بادِ بہار

ہر اک مکانِ معنی تھا صورتِ گلزار

بنا تھا کو چہ ہر اک اس کا مہر کا بازار

اب اس محلے کا باقی رہا نہ نام و نشان

نظر وہ قلعہ میں آتا ہے مثلِ گورتاں

وہ جن کی ڈیوڑھی تھی رشکِ دادِ می امین

کہ شمعِ طور تھی ہر اک دہاں کی شمعِ ملین

ہمک رہی تھی وہ پھولوں سے صورتِ گلشن  
سجی ہوئی تھی تسینوں سے مثلِ صحنِ چین

وہ دشتِ قیس کی مانند ہو گئی ویران  
جرس کی آلی ہے آواز اس جگہ ہر آن

ہوئی ہے ڈیڑھ سیاد کی بھی یہ برباد  
کہ گویا پھینک دی اس کی اکھیرِ بنیاد  
نشان ہی نہ رہا اس کتابِ کسی کو یاد  
ہر ایک دیکھ کے اب اسکو کرتا ہے فریاد

الھی کیا ہوئے اب یاں کے سب مکاں و مکیں  
فلک اٹھا کے کہیں لے گیا ہے یاں کی مڑیں

وہ لال جڑے پن کر کوئی نہکتے تھے  
وہ بانگین سے اٹھا پانچوں کو چیتے تھے  
وہ ہاتھ پاؤں میں مہندی کو اپنے ملتے تھے  
وہ بات بات میں انداز سے مچلتے تھے

ہوئے ہیں رنج و ترو میں اب تو وہ مجھوں  
بجائے مہندی کے ملتے ہیں وہ کفِ انوس

دکھانا بن کو تبسم سے وہ لبِ اعجاز  
سنائی ان کو وہ شوخی سے ناز کی آواز  
چل چل کے دکھانا بن کا عشوہ و ناز  
نی ادا سے دکھانا وہ چال کا انداز



یہ ان کا ہو گیا ہے اب تباہی سے احوال  
کہ ساری بھول گئے اپنی وہ ادا کی چال

کبھی کے جسد معنر میں نقرئی موباف  
کبھی کا چہرہ پُر نور مثل آئینہ صاف  
کدوں میں محرم و کرتی کا ان کے کیا اوصاف  
قلم کی طرح سے ہوتا ہے غم سے سینہ شکاف

نصیب ان کو شب و روز اب ہے سینہ زنی  
ملی ہے کھانے کو ہیرے کی بھی نہ ان کو کسنی

وہ دگ بستر سنبھاب پر جو سوتے تھے  
سحر گلاب سے جب منہ کو اپنے بھوتے تھے  
تمام عمر کو لہو و لعب میں کھوتے تھے  
وہ بال بال میں موتی سد اپروتے تھے

اب ان کا حال تباہی سے ایسا ابتر ہے  
بچھونا خاک ہے اور خشت بالیش سر ہے

جو کتنے پھول کے پھرتے تھے پہنے گردن میں  
اکڑتے پھرتے تھے انستد سرو گلشن میں  
سراپا محو تماشا تھے اپنے جو بن میں  
خوشی سے چھو لے سماتے نہ جامہ تن میں

ہوئے وہ ان دنوں نان شبینہ کو محتاج  
اگرچہ شیر تھے پر ہو گئے وہ روبہ مزاج

وہ مانے دہلی میں رہتی تھیں طوطیاں حسین  
کوئی تھی حورِ شمال، کوئی مہکتی زہرہ جبین  
نخل تھا عارضِ روشن سے جن کی ماہِ مبین  
سرودِ رقص سے پامال ان کے اہل زمیں

یہ انقلابِ فلک سے وہ ہو گئیں ناچار  
جہاں میں پھرتی ہیں آوارہ مثلِ گرد و غبار  
ہنے ہوئے تھے وہ چوہِ پٹر کے چوک میں بانا  
کہ جیسے چار عین ہوں یہ سطحِ گلزار  
ہر ایک دیدہ آئینہ روشن و ہر وار  
نخل تھا جن سے خطِ عارضِ گل رخسار

ہر ایک دکان میں بیٹھا ہوا ہے فرمادی  
ٹپک رہی در و دیوار سے ہے بربادی  
اوداس میں حوض تھا اک شلِ چشمہ کوثر  
بجائے آب وہ لبریز نور سے یکسر  
نیا میں چشمہ خود شید سے بھی روشن تر  
صفا میں چاند مہتاب کا تھا وہ ہمسرا

سراپا بھردیا ہے بس میں یہ خس و خاشاک  
اٹا ہوا وہ پڑا ہے بہ مثلِ تودہ خاک  
یہ نرمدنوں طرف اس کے خوشنما تھی وہاں  
زمین میں چھپ گیا غلج سے چشمہ مہیواں

صفا ئے آب سے شرمندہ اس کی تھانیا  
بیوں کو چاٹتے تھے پانی پی کے سحر و شتاں

ہوئی ہے فرط کدورت اب وہ خاک آلود  
تمام خاک میں بس مل گئی ہے اس کی نمود

وہ جو ہیں اس کی لطافت میں مثل کا کل حود  
جباب اس کے نمایاں بہ شکل قبۃ نور  
چراغ اس کے فروزاں بہ مثل شعلہ طور  
بوقت سیر وہ تھی خاص و عام کی منظور

یہ کاو کاو زمانہ سے ہو گئی ہے خراب  
کہ جیسے ابھی تر تپتی ہے خاک پر بے آب

سناتے پھرتے تھے ستے کنوروں کی جھنگا  
دہ گل فروشوں کے پھولوں کے ٹوکروں کی بھا  
دہ سودا بیچتے تھے لوگ داں پکار پکار  
دہ پھرنا نچا نچہ والوں کا داں قطار قطار

دکھا تھا دہلی کا لوگوں نے نام مشق آباد  
بسان خانہ عاشق دہ ہو گئی برباد

جو نام شہر میں واقع تھی مسجد جامع  
وہ حسن و رفعت و وسعت میں گویا تھی جامع  
بسان برج محل اس کے برج تھے لامع  
موذنوں کے فرشتے و ماں ہے سامع

نہ کیونکہ ہوئے جہاں میں وہ واجب تعظیم  
بنی ہوئی ہے سر اسرودہ شکل مرثیہ عظیم

تھے اس کے چار سو چوپڑ کے خوشنما بازار  
فصل تھا جن سے خط مارضان گل رخسار  
برنگ بزم وہ آراستہ تھے لیل و نہا  
کہ پہر کو بھی گزے گی سیر عیوں پہ بہار

فلک نے کو دیا ہر سمت اس کے دیرانہ  
بنا ہے ایک طرف اس کے اب شفاخانہ

یہ شہر وہ ہے کہ تھے اس میں غلہ کے سال  
ہر ایک شخص جہاں تھا بجائے خود رضواں  
ہر ایک طفل بیاں کا تھا تانیٰ علماں  
دیر چرخ کا ہر تھا یاں ہر ایک جوان

رمانہ کوئی جوان اور نہ کوئی پیر امیر  
برائے مجزی کے وہ گئے ہیں چند شریہ

اکڑ کے پھر نا : جوانوں کا وہ سر بازار  
پہن کے ٹوپیاں نہریں وہ باندہ کردار  
کسی کے ہاتھ میں بانڈی کوئی لیے توار  
کوئی تھا گھوڑا کداتا کوئی تھا فیل سوار

نہ وہ جوان ہے اور نہ کوئی بھی خوش حال  
ہے شہر میں بس اب کھانے والے ماش کی وال



میں دردِ دل کہوں اب کس سے جا کے لکھن  
 نہ کوئی یار رہا ہے نہ کوئی اہلِ وطن  
 شبانہ روز ہوں میں بتلائے بیخِ دامن  
 ٹاس رہے سامنے آنکھوں کے میسے یہ گمشدہ

خدا کرے کہ یہ ہو جائے پھر چمن آباد  
 مثالِ گل کے ہوں باشندے یاں کے غمِ شاد

---

# دل گئی خاک میں شانِ دہلی

حکیم محمد سرزا خاں کلام  
شاعر نازک خیال تاثیر بے مثال حکیم محمد مرزا خاں متخلص بہ آرام اذان اوست

(۷۰)

پوچھ مت حالِ زبانِ دہلی  
ہا نے میں اور بیانِ دہلی  
اب تو نکلا ترا سے چرخِ غبار  
دل گئی خاک میں شانِ دہلی  
دولتِ حسن کو غم نے ٹٹا  
چھپ گئے سیمِ برانِ دہلی  
بن کے چہرہ کے دیتا ہے  
بے کسی ہا نے کسانِ دہلی  
خاک میں دل گئے الماسِ ہرز  
کھود کر دیکھ لو کانِ دہلی  
اب توجہِ محسرت و افسوسِ الم  
کون آتا ہے میانِ دہلی  
گریہ کی سیل ہے یہ نہر نہیں  
دوستے ہیں پیر و جوانِ دہلی  
نہ وہ صہوت لہی نے وہ نیرت  
غدر تھا آفت جانِ دہلی

# سرد آواز اچھا اک ایک جوان دہلی

موزاد داغ دہلوی

”روشن بیان نواب مرزا داغ کہ محامد شان در مسدسات ذکر یافتہ“

(۸)

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمان دہلی  
تھہ مرانامہ و نشان نامہ و نشان دہلی  
سے گئے لوگ اب شوکت نشان دہلی  
پورہ بی پہنے اڑلتے تھے زبان دہلی  
دنی والوں کے مٹے آڑہ بنے کی حبت  
سے گئے سر پہ ملک تحفہ دکان دہلی  
گرم ہنگامہ ہوئے لہ زمان پنجاب  
گل کھلائے ہیں نئے قلعے خزان دہلی  
شک شمشاد تھا ہر خوش قدر خوش رفتار  
سرد آواز اچھا اک ایک جوان دہلی  
عارض صاف تھا اک ایک عصفانہ  
چشم پر جلوہ تھی اک ایک کان دہلی  
ایک بڑھ کر کوئی محشر نہ ہوئے حساب  
ہیں ہیں ہوگا کہ ہم اور بیان دہلی

دے دے فرج کو حکام نے انعام میں  
 گنج قاروں سے فرزوں گنج نہان دہلی  
 روکش سد سکندر اسے کیے تو مجباً  
 فتح گرہ ہے جو پہاڑی پہ قرآن دہلی  
 یا خدا مسجد جامع کا رہے نام بلند  
 اہل کعبہ کہیں، وہ آئی اذان دہلی  
 نیرہ غالب و آذر و سے پھر لوگ کہاں  
 وارغ اب یہ ہیں غنیمت ہر دن دہلی

---



# کچھ نئے رنگ کے ہیں بادۂ کشتانِ دہلی

نواب مصطفیٰ خان شہید

دیوختہ ملک جو اسرسلک نواب محمد مصطفیٰ خان بہادر متخلص بہ شہید صاحب  
گلشن بے غار از اعلم اسرائلے شاہجہان آباد اندو بہ پارسی حسرتی تخلص کفرانیدہ

(۹)

ٹائے دہلی دڑے دل شد گمانِ دہلی  
آپ جنت میں ہیں اور دلِ نگرانِ دہلی  
وہی جلوہ نظر آتا ہے تصور میں نہیں  
مٹ گئے پھر بھی یہ باقی ہے نشانِ دہلی  
کلّیہم حوئی شان کی ہے جلوہ گری  
کیا ہوا اگر نہ رہی شوکت و شانِ دہلی  
گرد نہ کہو کہ یہ دہلی ہے تو ہرگز نہ پڑے  
دہلی دلوں کو بھی دہلی پر لسانِ دہلی  
دہلی اب ہے تنِ بیجاں تنِ بیجاں کیا خاک  
جان سے جا چکے جو لوگ تھے جانِ دہلی  
ربعِ مسکوں سنے یاد ہے بہت وسعت میں  
چاندنی چوک کہ واقع ہے میانِ دہلی

صورتیں ہو گئیں معنی جسد ارواح ہوئے  
 بے خبر کہتے ہیں دیراں رہے جہانِ مہلی  
 زندہ پریاں کے کریں رشکِ ثقاتِ امصار  
 بادشاہوں پہ کریں نازِ شبابِ مہلی  
 دلِ قدح، بادِ محبتِ گلِ دریاں عرفاں  
 کچھ نئے رنگ کے ہیں بادِ کشاں مہلی  
 پیرِ خوش رائے مگر ہیں تو جوان ہیں خوشرو  
 عجیب انداز کے ہیں پیرِ جوانِ مہلی  
 شفیقہ اور ستائش کے نہیں ہم خواہاں  
 ہی پس ہے کہ کہیں یہ ہے زبانِ مہلی

---

# کیا قیامت میں طر خدا ربان دہلی

سید ظہیر الدین ظہیر

”سید ظہیر الدین ظہیر صاحب متخلص بہ ظہیر کہ محامد ثانی در مسدسات ذکر یافتہ“

(۱۰)

بل بے دہلی دزہے شوکت و شان دہلی  
لا مکان بن گیا ایک ایک مکان دہلی  
بل گئی خاک میں سب شوکت و شان دہلی  
نہ رہا نام کو بھی نام و نشان دہلی  
اسے فلک اپنے گریبان میں منہ ڈال دیا  
ہائے یہ ظلم و ستم اور کسان دہلی  
وہ قیامت میں فرشتوں کو ٹا دیتے ہیں  
شوخی و بدست و فسوں کا بیان دہلی  
نام کوثر کا نہ لا حضرت واجظ و کچھو  
چوس جائیں نہ کہیں دیکھ شان دہلی  
زمزمہ بھول گئے نغمہ طراز ان جہن  
بے ہر اک نوحہ گر و مرتبہ خون دہلی

وہ گئے کہنے کو کچھ کچھ یہ فسانے باقی

اب نہ دہلی ہی رہی ادنیٰ زبانِ دہلی  
فلک پیر نے مٹی میں طیار سب کو

پھرتے ہیں ناک بہ سر پر و جوانِ دہلی  
ہیں نئے ڈھنگ نئے رنگ نئی گفت و شنید

ایک عالم سے ترالا ہے جہانِ دہلی

دلِ باہر لقا، ماہِ جبین، دشمنِ دیں

کیا قیامت ہیں طر حدا، بتانِ دہلی

ایک سے ایک طر مدار نظر آتا ہے

عالمِ آشوب ہیں یہ کج کھانِ دہلی



# نہ نام و نشانِ دہلی

حکیم آغا جان عیش دہلوی

”از انکار حکیم آغا جان صاحب متخلص بہ عیش کہ ذکرش در  
سدت گزشت“

(۱۱)

مل گئی خاک میں شانِ دہلی  
نہ نام و نشانِ دہلی  
دشتِ غربت میں پھرں مچلتے خاک  
یوں خاکِ پیر و جوانِ دہلی  
گردِ کلفت ہوئی افسوس افسوس  
غازہٗ ماہِ رخسانِ دہلی  
شان و شوکت ہوئی ان کی برباد  
جن سے تھی شوکت و شانِ دہلی  
کیا ہوا غاڑہ اسے چرخِ تجھے  
سچ بنا کر کے زیاںِ دہلی  
دیکھ کتنی تھی جیسے چشمِ خاک  
کھا کے گندِ بجانِ دہلی

نخل بند چمن دیر کو کیا  
 ناپسند آئی تھی آن درہی  
 بل گئے خاک میں کیسے کیسے  
 اسے خاک سرودن درہی  
 عندلیبان چمن میں تالان  
 یاد کر غمخیز دمان درہی  
 دل بھرا آتا ہے خاموشی جوش  
 تجھ سے سُن سُن کے بیان درہی

---

# دلی

سید حسن علی خان عابد  
 • نایک سید حسن علی خان صاحب متخلص بہ قادیانیت سید محمد ابراہیم صاحب  
 مرحوم، اصلاح شعرا و مرزا قزلباش علی بیگ سالک گرفتہ •

(۱۲)

ہم نے، ناکہ بی ناک میں شان دہی  
 ڈھونڈھئے اب بھی کوئی شہر بان دہی  
 فاقہ مستی اسے کہتے ہیں کہ نعلت ہو کر  
 پھر اسی رنگ میں ہیں پیر و جوان دہی  
 کرتے ہیں دگ جو دلی کی ادم میں باقی  
 حیدر سنہتی ہیں بے شوق زبان دہی  
 خون دل پیٹتے ہیں اور شکر خدا کرتے ہیں  
 یوں بسر کرتے ہیں اب بادہ کشان دہی  
 توبہ کی مشق سے کب حضرت قادیان نے  
 نہ رہے توبہ شکن جب کہ تھان دہی

# رَشکِ خُورانِ بہشتی ہیں بستانِ دہلی

حکیم محمد محسن خان محسن

” اندازِ بسیار حکیم محمد محسن خان محسن کہ در مسدسات ذکر یافتہ “

(۱۳)

بے نشانِ بروجیا عالم میں نشانِ دہلی  
لا مکاں بن گیا اک ایک مکانِ دہلی  
نامہ برد کوچہ، نہ بازار و محلہ باقی  
خط پہ کیا خاک لکھوں نام و نشانِ دہلی  
ادب آموز ملائک ہیں یہاں کے جاہل  
رَشکِ خُورانِ بہشتی ہیں بستانِ دہلی  
گھر کھدا مال لٹا جان گئی اشکِ بے  
ہیں مصیبت میں مصیبت نہ دکانِ دہلی  
مادر ہیں آنکھیں پسِ قتل بھی مقتولوں کی  
تن بے جاں تھے مگر تھے انگراںِ دہلی  
ایسی سرسبز تھی عالم میں فرشتے آکر  
لاکے دکھلاتے تھے رضوں کو مکانِ دہلی



# نہ رسے ہم نہ رہا نام و نشانِ دہلی

مرزا سیٹھے صاحبِ خانہ

”سخن طرازی مرزا سیٹھے صاحبِ متخلص بہ مہتر ابن مرزا منور نجات بہادر ابن مرزا  
فیروز نجات بہادر خلف شاہ عالم بادشاہِ غلہ آرام گاہ :

(۱۴)

تھے مہتر ہم سببِ عظمت و شانِ دہلی

نہ رسے ہم نہ رہا نام و نشانِ دہلی

واہ کیا گرمی ہے گفاریں سبحانِ اللہ

شعلہ و برق و شرارہ ہے زبانِ دہلی

نام مٹنے کا نہیں، حشر تک رہوئے گا

گر فلک تو نے مٹایا ہے نشانِ دہلی

خودیں جنت کی جنہیں دیکھ کے پڑھتی تھیں دہلی

وہ حسین حق نے بنائے تھے بتانِ دہلی

# بہادر شاہ بہ حیثیت شاعر کے

## خصوصیات • اسلوبِ کلام • نمونہ سخن

بہادر شاہ گونا گوں خصائص کے حامل تھے، ان کے خصوصیات میں ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ بڑے اچھے شاعر تھے، وہ اپنا ایک خاص طرز رکھتے تھے، جس میں انفرادیت بھی تھی، اور کشش بھی، وقار بھی، اور استادانہ پختگی بھی، زبان ان کے گھر کی لونڈی تھی، فصاحت و بلاغت کا معیار، وہ خود تھے،

مستند ہے میرا فرمایا ہوا،

اور ان سب باتوں پر بالا، وہ سوز تھا، جو ان کی فطرت اور طبیعت میں رچ گیا تھا، وہ ایک بادشاہ تھے، لیکن عملاً شاہِ شطرنج سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے، ان کا دل، حوصلوں، اور امنگوں کا مرکز تھا، لیکن فرنگی استبداد نے ان کے حوصلوں کو کچل دیا تھا، اور امنگوں کو پامال کر دیا تھا، انھوں نے ایک شاہزادے کی حیثیت سے آنکھیں کھولیں، بادشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کی، لیکن قدم قدم پر انھیں اپنی بے بسی کی بے مائی، اور بے اثری کا احساس ہوا۔ ان کی زندگی اس حال میں گزری کہ ایک دن بھی سکھ کا میسر نہ آیا، ایک لمحہ بھی خود مختاری حاصل نہ ہوئی، نام ان کا تھا، کام دوسرے کرتے تھے، بادشاہت ان کی تھی، بادشاہ دوسرے تھے، ملک ان کا تھا، راج ان کی قسمت میں نہ تھا، یہ مناظر دیکھ کر ان کا دل خون ہو جاتا تھا، اور یہی خون شک رواں کی صورت میں آنکھوں سے برستا تھا، اور نالہ بے اختیار بن کر شعر کا لباس پہن لیتا تھا،

ظفر کی شاعری سراسر حال اور واردات پر مشتمل تھی جو کچھ ان کے دل پر گذرتی تھی، ناک  
سوزوں کی صورت اختیار کر لیتی تھی، — یہی ان کی شاعری تھی،  
یوں تو بہادر شاہ نے کچھ تصنیفات بھی اپنی یادگار چھٹی ہیں، مثلاً منشی امیر احمد علوی تحریر  
فرماتے ہیں :-

”بادشاہ نے زمانہ دلی ہمدی میں ایک کتاب ”لغت اور اصلاح سخن“ کی تین جلدوں میں لکھ کر  
۱۲۲۶ھ میں تمام کی تھی۔ شرح گلستان سعدی کے دیباچہ میں ظفر نے اس تالیف کا تذکرہ کیا  
ہے اور لکھا ہے کہ اس کا نام ”تالیفات ابو ظفری“ تھا، افسوس ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے  
یہ گنج شایگان برباد ہو گیا اور آج اس عالمانہ تالیف کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

شرح گلستان ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۶ء) میں مطبع سلطانی سے شائع ہوئی تھی۔ مگر  
ہنوز نایاب نہیں ہے یہ عجیب و غریب کتاب علم تصوف میں ہے، شیخ سعدی کی عبارات اور  
گلستان کی حکایات سے مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنے کی سعی بلیغ کی ہے جنہیں کلام میں  
دوسرے فقرا اور بزرگوں کے حالات بھی درج کیے ہیں اس کا تاریخی نام ”خیابان تصوف ہے“  
نام کی شان نزول یوں تحریر فرماتے ہیں !

”بعد از تنظیم این سلک لالی آبدار تفریح کنایہ از مقام ہوتی محل داخل محل مغلی گردیم  
و قطع تاریخ اتمام کتاب کہ ہمنام از طریق تخریج بحصول فی انجام دیدیں گوئہ از جیب عدم سرور آورد  
بنوشت دلی عہد شہ اکبر ثانی      این شرح گلستان پئے بنیان تصوف  
چوں کرد قلم لفظ ”بجز“ دور برآمد      تاریخ مع نام خیابان تصوف

۱۲ ۱۲

۱۲ = ۲۸

۱۲

شرح کے خاتمہ پر بڑی دل پسند عبارت لکھی ہے۔

”این گلدستہ عرفان اعمی شرح گلستان نسیم عنایت نخلبد خیابان جہان مطابق  
مشترک باب وحدۃ الوجہ و بوجود رسید و بہ لطف پاک مالک ابتداء اختتام با اختتام انجامید

## رباعی

ایں شرحِ طبع ناقصم کامل شد ختمش بر حسب مدلتِ دل شد  
صد شکر کن اے ظفر کہ از فضل خدا بر خاتمہ بالتحیر طفقہ حاصل شد  
الہی بہ مقبولان توحید بنیان این سوادِ مقبول مقبول خود گردان و بہ محبوبان وحدت  
نشان این مصنف را بمقام محبوب محبوبان خویش برسان ،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین<sup>(۱)</sup>

لیکن طبیعت کا سارا زور شاعری ہی پر مرکوز رہا، اس زمین کو انھوں نے بلندی میں  
آسمان بنا دیا۔ زبان اور محاورے کے لحاظ سے، مغز و معنی کے اعتبار سے، چستی اور  
بندش الفاظ کی نشست، الفاظ کا ترنم، الفاظ کی سحر آفریں ترکیب، ان سب چیزوں  
نے بل کر، ظفر کی شاعری کو ادج کمال پر پہنچا دیا، وہ ذوق کے شاگرد تھے، پھر غالب سے بھی مشورہ  
سمجھنے کرتے لگے، لیکن ان کے کلام میں، نہ ذوق کا رنگ ہے، نہ غالب کا اثر، انفرادیت  
ہے کہ پھوٹی پڑتی ہے، وہ جذبہ، ذوق کہاں سے لاتے، قدرت نے بہادر شاہ کے  
سینہ کو جس سے معمور کر رکھا تھا؟ وہ بات غالب میں کہاں سے آسکتی تھی جو ہم نگرادی اور  
ناکامیوں نے ظفر میں پیدا کر دی تھی؟ غالب کو اگر اس پر ناز تھا کہ  
سو پست سے ہے پیشہ آبا سپہ گری  
تو ظفر کو بھی اس پر فخر تھا کہ،

میں ہوائے جہان آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں  
جو شوق، جو درد، جو کسک، جو سوزش، بہادر شاہ کے دل میں حوصلہ شکن حالات،  
یاں انگیزا حول، اور ہلاکت آفریں، بے بسی نے پیدا کر دی تھی، وہ قدرت کا خاص عطیہ تھی،

(۱) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علوی)



اور اس عطیہ سے، دوسرے تمام اگر کسی نیک تو بڑی حد تک خرم تھے ہی وہ سے کہ جوت  
فقر کے کام میں متو سے وہ کے تردد کے بھی نہیں متو جتنی دوسرے وہ  
چھپنے کی ضرورت ہے مگر حین کے فقر یہ تمت یگانہ ہے کہ وہ دوسرے سے شرم  
کرتے تھے۔ لیکن یہ تر ایک اور سخت نرم ہے کہ یہ وہ یہ کہ شکر اور دقت غریب ہمارے  
کرنے ہے

ذوق اور ظفر تحت حکومت پر متمکن ہونے سے ہے ہی بہرہ شرف شرفی

مرزا بدخشاہیہ، درازہ موکر بد درازہ بہت شعر کے، تو دیکھتے، بدخشاہیہ  
سے باب شہرت کو شہر یہ تھے یہ درازہ کی میں کوئی شہر شہر تھے سب کو یہ ہوتے  
تھے اپنے اپنے کو مڑتے تھے مصرع مصرع جس میں دے تھے ہر شخص مصرع پر  
مصرع بکھت تھے مصرع پر مصرع کے مصرع تھے تھے میر کا نام ہے تر کہ در حد  
بھون کے ذرا مازہ تھے کثر نہجوں میں تر ہوتے تھے شہر مرحوم کو فیروز کو کہ  
جس میں صبح تازہ کو ایک وقت تھی کو خوب بند پر تازہ کو میں کو عہد میں کو میر  
صاف کے بعد درازہ کی جوت کو کہ جب کو عہد میں ہوتے تھے پتہ میر کا نام  
کی اور طے سے یہ عہد میں پہونکے در کثر در در عہد میں ہوتے تھے

چند روز کے بعد ایک دن شہر مرحوم بھون عہد کے ہر کے، تو دیکھ کہ تر نہ درازہ  
شہر کے ہیں سو دقت ایک غز بیسے ہون کو کہ سے زردیہ میں عہد سے  
در غز بزا کو کندی در عہد بہت خوش ہوتے تھے کہ جی بھی تھے تر نہ درازہ  
بنا جایا کرد، غز چند روز عہد باری رہے در تر نہ در عہد سے عہد عہد  
قسمت نے تو زدی کہ چہ یہ سمجھ نہ ہو کہ شہر کے پتہ ہونے میں اور کو  
تو سے نہ ہونے دینا چہ شہر مرحوم در عہد کے تر نہ ہوتے

## شاہ نصیر سے استفادہ | ظفر نے شاہ نصیر سے بھی استفادہ کیا تھا:

خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابوظفر سلج الدین

محمد بہادر شاہ اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے۔ ولادت ۱۷۷۵ء میں ہوئی اور باپ کے مرنے کے بعد ۱۸۳۷ء میں تخت پر بیٹھے اور غدر کے بعد ۱۸۵۸ء میں معزول ہو کر ملک برما میں جلاوطن کئے گئے جہاں ۱۸۶۲ء میں انتقال کیا، بہادر شاہ شاعری کے بڑے دلدادہ تھے اور اکثر اپنا وقت اس میں صرف کرتے تھے، چونکہ سلطنت کا کام کاج کچھ نہ تھا زیادہ تر وقت شعر گوئی میں گذرتا تھا۔ استاد ذوق اور مرزا غالب کو کلام دکھاتے تھے مگر قبل اس کے شاہ نصیر سے استفادہ سخن کیا تھا، شاعری کے علاوہ فن موسیقی میں بھی ان کو اچھا دخل تھا۔ ان کی اکثر ٹھمریاں شمالی ہند میں بہت مقبول ہوئیں۔ خوش نولیس بھی بہت اچھے تھے اور اکثر اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام مجید دہلی کی مسجدوں میں بطور ہدیہ بھیجتے تھے۔ (۱)

## ذوق اور ظفر کے رنگ میں فرق | ذوق اور ظفر کا رنگ سخن جدا جدا تھا:

ظفر کی وفات بمقام رنگون ۱۸۶۲ء ہوئی تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ شاعر اعلیٰ درجہ کے تھے۔ اگرچہ بہادر شاہ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے۔ لیکن انصاف سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ استاد ذوق اشعار کہہ دیا کرتے تھے۔ اور بہادر شاہ اپنے نام سے محفل میں سنا دیا کرتے تھے۔ محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جس کو کچھ بھی شعر گوئی اور شعر فہمی کا مذاق ہوگا، وہ سمجھ سکتا ہے کہ ذوق اور ظفر کے رنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کل اشعار میں ایک کا بھی رنگ نہیں ملتا۔ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ جب معمولی سے معمولی کنجڑے۔ چھوکرے اور بھٹیاریے۔ قصائی، اشعار موزوں کر لیتے تھے۔ تو کیا بہادر شاہ ایک شعر بھی موزوں نہیں کر سکتے

شاعری کے معاملے میں بہادر شاہ کے متعلق یہ خیال کرنا بہت ہی رکیک ہے۔ (۱)  
**الزام کی تردید** | ظفر کی شاعری خود انہی کی ہے یا دوسروں سے حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت؟  
 اس پر ایک مؤرخ اہم نقاد کیا لکھتا ہے یہ بھی سن لیجیے!

” انھوں نے ایک شرح گلستان بھی لکھی جو ایک اچھی کتاب کہی جاتی ہے مگر ان کی شہرت کی اصلی بنا ان کی ضخیم کلیات پر ہے جو بہت مشہور ہے۔ چار دیوان ان کے شائع ہو چکے ہیں ان کو لوگ بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کی غزلیں اس قدر مقبول ہیں کہ اکثر ناچ رنگ کے جلسوں میں گائی جاتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے استاد ذوق اور غالب ان کو غزلیں لکھ کر دیتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کی چند غزلوں میں ان دونوں کا رنگ پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی ظفر کے خود شاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ ان کی بہت سی غزلیں خاص ان کے رنگ کی ہیں جو ذوق اور غالب سے بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ظفر نے بحالتِ قید بھی مشغلہ شعرو شاعری جاری رکھا تھا۔ یا نہیں، اغلب ہے کہ یہ دلچسپ مشغلہ ان سے چھوٹا ہوا اور کچھ ان کا کچھ اس زمانے کا بھی کلام ہو۔ کیا معلوم کہ سعی و تلاش اس معاملہ میں آئندہ کامیاب ہو۔ (۲)

**ایک اور تردید** | ظفر کے ہم عصر، منشی کریم الدین صاحب ”تذکرہ شعرائے اردو“ نے ذوق اور ظفر پر جو کچھ لکھا ہے اسے پیش نظر رکھیے۔ تو بہت اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

منشی کریم الدین مرحوم نے تذکرہ شعراءِ اردو موسوم بہ ”طبقات شعراءِ ہند“ ۱۸۶۷ء میں لکھا۔ اس وقت ظفر اہد ذوق دونوں موجود تھے، وہ ذوق کی بابت تحریر کرتے ہیں۔  
 ”فن شعر میں ابتدائے عمر سے مصروف نہیں مگر حالتِ صبا سے آج تک یہ عادت طبیعت

(۱) چراغِ دہلی (مرزا حیرت دہلوی) ص ۲۷

(۲) تاریخ ادبِ اردو راجہ بابو سکینہ ص ۲۰۹



میں متمکن ہے کہ جو شعر کہتے ہیں کسی کو نہیں دیتے ہیں، بادشاہ کے استاد ہیں۔ اصلاح شعر کی بادشاہ کو دیتے ہیں۔

جب ذوق کی بابت اُن کے ہم عصروں کا بیان ہے کہ وہ اپنا شعر کسی کو نہیں دیتے تھے تو شمس العلماء آزاد کا یہ بے سرو پا افسانہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ساڑھے تین دلیوان ظفر کی طرف سے تصنیف کر دیئے؟

ظفر کی بابت منشی کریم الدین لکھتے ہیں،

”شعرا ایسا کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اُن کے برابر کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے ہیں۔ تیرہ چودہ برس کا عرصہ ہوا کہ تخت نشین ہوئے۔ ابتداء میں وسیعہ لکھتے تھے، ان ایام میں بھی ان کے شعرا چھپتے ہوئے تھے۔ تمام ہندوستان میں اکثر قوال اور زبڈیاں ان کی غزلیں اور گیت اور ٹھمریاں گاتے ہیں، ہر ایک قسم کے شعر میں ایک قصیدہ انھوں نے مدح پیغمبر خدا میں کہا ہے داخل تذکرہ کرتا ہوں۔“

مولد ترا ہے مکہ و معبد ترا حرم  
نور و جود سے تیرے روشن دل قدم  
اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم  
کہتر ہے سگریز سے قدر نگین۔ ہم  
رکھتا سرزمین نہ اگر اپنا توفد دم  
کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کوے قلم  
آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم  
آتا ہے پائے بوس کو داں روضہ ارم  
داششمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم  
کیا تاب بچہ قلم کو جو کچھ کر کے قسم

موجب ترے ملائک و مرکب ترا براق  
زنگ ظہور سے تیرے گلشن رخ مدوث  
کرتا ہے تیرے اسم مبارک کو دل نقش  
اسے معدن کرم تیری ہمت کے روبرو  
صدقہ زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسمان  
محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا  
عالم کو قیرا نور ہوا باعث ظہور  
ہیں زائران روضہ اقدس ترے جہاں  
دلیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا  
قرآن میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا



تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض صدقہ میں اپنی آل کے اے شاہ محشم  
صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر آئینہ ضمیر سے میرے غبار غشم  
اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے۔ بقول کافی عجز و ہر دم تیغ است قدم را،  
لیکن ظفر کے ہم عصر شعراء میں اتنا موثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا تو صرف یہی  
قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لیے دلیل و برہان تھا۔ (۱)

اس قصیدہ کے بعد منشی کریم الدین نے ایک غزل بادشاہ کی نقل کی ہے اور لکھا ہے۔  
”یہ ایک غزل بادشاہ کی بہت اچھی ہے۔ تمینا داخل تذکرہ کرتا ہوں“  
ہیں یہاں رنج کے آثار خوشی کے باعث اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں خوشی کے باعث  
جان آجائے جو مرغان قفس تک صیاد بوئے گل آئے نسیم سحری کے باعث  
تم جو غصہ ہو تو غصہ میرے سر آنکھوں پر پر بشرطیکہ نہ ہو اد کسی کے باعث  
منشی احمد حسین سحر نے ۱۲۶۱ھ میں تذکرہ ”بہار بے خزاں“ مرتب کیا۔ اس وقت بھی  
ذوق و ظفر دونوں زندہ تھے، وہ ظفر کی بابت لکھتے ہیں:

”ظفر تخلص مرزا ابو ظفر بادشاہ دہلی بفتح شعر میلے و مناجتے تمام دارد۔ ابراہیم ذوق از  
مخصوصان حضرت است۔ و افکار ایشان باصلاح او چوں گوہر آبدار اند۔“  
نواب مصطفیٰ خان شنیفہ نے تذکرہ ”گلشن بے غار“ ۱۲۵۰ھ میں تمام کیا۔ اس وقت  
مرزا ابو ظفر و سعید تھے۔ محاسن اخلاق کی بابت لکھتے ہیں کہ ”بہا کثر صفات موصوف و بہ محاد مکارم  
معروف۔ بہ اکثر فنون دستگا ہے شائستہ دار شاعری پر ریلو کو کہتے ہیں۔“

”با این فن بسیار مالوف است۔ شیخ ابراہیم ذوق از مائدہ نقمش ذلہ ر باد وظیفہ خواست۔  
و افکار ایشان بحد و اصلاح او درست و مہوار“ غرض کیجیے سحر و شنیفہ دونوں ظفر کے ہم عصر ہیں

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ظفر کو فن شعر سے "میل و مناسبت تمام ہے"۔ دوسرے رقم پرداز ہیں کہ ظفر فن شعر سے "بسیار مالوف" ہیں۔ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ذوق ظفر کے افکار بہ اصلاح دیتے ہیں۔ مگر شمس العلماء نصف صدی کے بعد روشنی ڈالتے ہیں کہ ذوق غزلیں تصنیف کر کے ظفر کا تخلص ڈال دیا کرتے تھے۔

شیقت کی سخیانی مستم ہے انھوں نے ظفر کے چند اشعار اپنے تذکرہ میں نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ "از اشعار آبدار ایشان است" وہ اشعار ضرور سننے کے قابل ہوں گے،

(۱) ضبط فریاد کروں گریہ کو رد کوں لیکن دل بیتاب کو تھاموں یہ نہیں ہو سکتا

(۲) اب بھی وہ آنکھ تیری آئینہ رو ہے کنیں اگلے طودوں پہ خدا جلنے تو ہے کہ نہیں

(۳) دل دے کے انکو ایسی اذیت ہوئی، ہمیں اب دل کبھی نہ دیں گے نصیحت ہوئی ہمیں

(۴) پی لاکھ بار صبا کی لاکھ بار تو بہ اب کر چکا میں تو بہ تو بہ ہزار تو بہ

تذکرہ بزم سخن میں ظفر کی شاعری پر مختصر الفاظ میں بہترین ریلو ہے :-

"در سخن پایہ ارجمند داشت، گفتارش اگر چه سادہ پر کار بست اما تہ اش خاطر شکار است

محاورہ گوئی ازاں ادست و معاملہ نویسی زیر فرمان او"

دور جدید کے اول نقاد نظم خواجہ الطاف حسین حالی اپنے دیوان کے مقدمہ میں تحریر

فرماتے ہیں :-

ذوق کی غزل میں عموماً زبان کا چٹکارا اپنے معاصرین کے کلام سے زیادہ ہے۔ مگر وہ

بھی جہاں مضمون آفرینی کرتے ہیں۔ صفائی سے بہت دور پڑ جاتے ہیں۔ ظفر کا تمام دیوان

زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں اول سے آخر تک یکساں ہے لیکن اس میں تازگی خیالات

بہت کم پائی جاتی ہے"

دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ ظفر اور ذوق کا طرز بیان جدا جدا ہے کلیات ظفر

ذوق کا دیوان نہیں ہے۔ مولف تذکرہ گل رعنا لکھتے ہیں۔

”ذوق پھر بھی ذوق ہیں ظفر کے استاد۔ ان کے کلام کی رنگینی۔ ترکیب کی چستی۔ مضمون کی بندش۔ جوش و خروش ان کی باتیں ان کے ساتھ ہیں۔ ظفر کے یہاں جو سامان نظر آئے گا وہ اس سے ملتا جلتا ہو گا۔ محامدوں کی فراوانی بیان زیادہ ملے گی۔ مگر جوش و خروش کی جگہ دل و جگر کے ٹکڑے حروف و الفاظ بن کر آنسوؤں کی سیاہی اور آہ جگر و دھڑکے قلم سے لکھے ہوئے تم کو ملیں گے، اب انھیں ظفر کا سمجھو یا ذوق۔“

ظفر کی شاعری اور اس کا پس منظر

بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتم ہے  
وہ بادشاہ بنا لیکن حکمرانی کے لیے نہیں

بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت اور عظمت کی یاد میں آنسو بہانے کے لیے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ میں جا چکی تھی، ملکوں پر سے آل تیمور کا نام مٹ چکا تھا، بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معقل کی چار دیواری تک محدود تھی، جہاں نہ وہ سلطنت کے فرامین صادر کرتا، اور نہ اعیان حکومت کی مجلسیں منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھوے بھڑکتا۔ اور جب وہ ٹوٹ کر بہہ جاتے تو اس کے سوز گداز کا اظہار اپنے نالہائے موزوں سے کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھ کر دل پر جواثر ہوتا ہے وہ اور شعراء کی جگہ بیتی سے نہیں ہوتا، خود کہتا ہے۔

اے ظفر یہ ترے اشعار ہیں یا نالہ و زار

کیا بلا ہیں کہ جویوں دل میں اثر کرتے ہیں

ظفر تاج تخت کا گونہ سی لیکن اقلیم سخن کا بادشاہ ضرور تھا، جہاں اس نے اپنی ذہانت و ذکاوت اور طبیعت کی بے قراری کے لیے جو ہر دکھلائے کہ اگر وہ سیاسی امور میں انہی اوصاف کو کام میں لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفریاب فوجوں کے ساتھ اغیار کے شہروں اور ملکوں پر اپنی فتح و کامرانی کا پتہ لہراتا نظر آتا، اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست دان بھی ثابت ہوتا لیکن نہ اب رزم کی



معرکہ آرائیاں تھیں، ادب نہ بیم کی نکتہ آفرینیاں، لایا ایک بے چین ادب بے قرار ذہن کی تمام قوتیں ایک ہی طرف منتقل ہو گئیں ادب وہ شعرو شاعری کا میدان تھا،

ظفر کا وہ ہندوستانی شاعری کا دور شباب تھا، نصیر، ذوق، مہنوں، موتن، غالب، نسکین، اور شیفتہ کی شاعری نے ریختہ کی زمین کو آسمان پر پہنچا دیا تھا، ان ہی اساتذہ کے ساتھ ظفر نے بھی طبع آزمائی کی اور نمایاں حیثیت حاصل کی، نصیر نے ریختہ میں مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، ذوق نے غزل کو زبان اور محاورات سے آراستہ کیا، موتن اپنی نازک خیالی اور شوخی اداس کے لیے ممتاز رہے، غالب کے طرز بیان، مسائل تصوف اور نکات فلسفہ نے شاعری کو عرش معلیٰ پر پہنچا دیا، مگر اس گروہ میں ظفر کی شاعری میں جو سلاست صفائی اور دوزمرہ کی سادگی پائی جاتی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے،

طرز سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے کہ ہر سخن ترا در خوش آبے اچھا

خدا نے وہ ردائی دہی ظفر تیری طبیعت کو ترا بر شعر تیرے بحر میں بھر المعانی ہے ظفر شاعری سے طبعی مناسبت رکھتا تھا، ایام شہزادگی سے زندگی کے آخری دنوں تک شعرو سخن کی مشق کرتا رہا، دلی عہد کے زمانہ میں دلی کے تمام باکمال شعراء مثلاً حکیم ثناء اللہ فراق حافظ عبدالرحمن خاں احسان، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، میر قمر الدین منت، نظام الدین مہنوں، اسکے در دولت پر حاضر ہوتے وہ ان کو اپنا کلام سناتا، اور ان سے ان کے نتائج فکر سنتا، سریر آرائے حکومت ہوا تو قلعہ معلیٰ کے اندر بزم مشاعرہ منعقد کراتا، کبھی کبھی شہر میں جا کر مشاعروں میں شریک ہوتا اپنی غزلیں پڑھتا، دوسروں کی سنتا، داد لیتا اور داد دیتا تھا، یہاں تک کہ اساتذہ فن میں شمار کیا جانے لگا تمام ارباب نظر نے اس کی سخن سنی اور نکتہ آفرینی کی دل کھول کر داد دی،



ظفر شاعری میں پیدا تو نصیر پھر بے قرار پھر ذوقِ ادا آخر میں غالب کا شاگرد ہوا مگر اس کی ذہینہ اور مجتہدانہ طبیعت نے کسی ایک بھی ناصتہ تقلید و پیروی نہیں کی، طبیعت میں خاکساری تھی اس لیے اساتذہ فن کی شاگردی قبول کر لیتا تھا، مگر اساتذہ اپنے لائق شاگرد کو اپنے خیالات اور جذبات سے متاثر نہ کر سکے، وہ شاید صرف فن کے اغلاط اور اسقام درست کر دیتے تھے، ورنہ اگر ظفر اپنی راہ چھوڑ کر اپنے استادوں کی راہ پر گامزن ہوتا تو اس کے سارے کلام میں اول تو نصیر کی مضمون افربنی اور شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبہیں اور استعارے پائے جاتے یا پھر ذوق کی طرح معکم زبان کی کہاوتیں اور عام لوگوں کے ادہام و مزخومات کی کثرت ہوتی، یا آخر میں غالب کے فلسفہ تفنن کے غوامض اور فارسی کی پر شوکت ترکیبیں ہوتیں، مگر ان میں سے کسی کے رنگ کی اثر پذیری اس کے کلام میں نہیں، وہ اپنے ہی رنگ اور طرزِ ادا کا مالک رہا، بات یہ تھی کہ طبیعت میں شاعری کا مادہ بھرا تھا پھر زندگی کچھ ایسی گزری کہ شاعرانہ بھی ہوتا تو انقلاباتِ زمانہ اور طوٹ ریزگار سے خواہ مخواہ بوجاتا۔

اسلاف کی عظیم اشانِ حکومت ہاتھ سے گئی عزت و وقار کا خاتمہ ہوا، نونان شبیہ کو محتاج ہو گیا دردِ رٹھو کریں کھاتا پھرا، لختِ ہائے جگر کو خون میں ترپتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور آخر میں خود ایک مجرم کی حیثیت سے محبوس اور مقید ہو کر ادایاں رگڑ رگڑ جان دے دی، شاعر بننے کیلئے اور کیا چاہیے تھا اور شعراء نے بلبل کے نالہ فریاد سے اپنی شاعری میں سوز گداز پیدا کیا ظفر نے اپنی ہی آہ و بکا سے اپنی شاعری میں درد اور درد میں تڑپ پیدا کی، اور شعراء نے عاشقانِ زبوںِ حال کے طوق و سلاسل کی مولناک تصویریں کھینچ کر عبرت کا پیام دیا ظفر کی اپنی ہی زندگی قید اور زنجیر کی داستان رہی، اس لیے اس کی جو صدا صحیح معنوں میں دنیا کی نیرنگیوں کی آواز بازگشت ہو گئی اور شعراء نے ایک خیالی تہن کی بربادی اور اس کے پھولوں کی پاہلی پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا رونا روایا، ظفر نے اپنی سلطنت کے چمنستان کو اُڑے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا اس کے خیالات میں محشرِ بپا نہ ہوتا تو آخر کس میں ہوتا؟ اپنی شاعری میں خونِ جگر خوب خوب بایا، اس کی تمام شاعری

مغلیہ سلطنت کی تباہی اور بربادی کا ایک سرفقہ ہے یہ شاید قدرت کی طرف سے انتظام تھا کہ تیموری سلطنت کا آخری فرمانروا وہ ہو جو صحیح طور پر اس کے کمال کے زوال کا خونچکا ماتم کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ظفر کی شاعری حزن ملال، رنج الم، اداس حسرت کی سراپا داستان ہے، دیوان میں بعض مثالیں ضرور ہیں جن میں رنگینیوں اور سرستیوں کی جھلک ہے اور بعض تو عنایت اور سنجیدگی سے بھی گری ہوئی ہیں، مگر یہ شاید غایت رنج و مصیبت غم و الم کا رد عمل ہے، ظفر کی اندھ ناک زندگی میں کوئی ایسی صدمت باقی نہیں رہی تھی کہ دوچار گھنٹہ بیٹھ کر غم غلط کر لیتا۔ گذشتہ روایات کے مطابق نہ شکار کی تفریحیں تھیں نہ عیش نشاط کی محفلیں اور قلعہ معائنہ کے اندر مسرت اور شادمانی کی مجلسیں۔ لامحالہ شدت غم سے چٹکارا پانے کے لیے ظفر شاعری میں زہلا نوش اور غافل اور تمکین و ہوش ہو جاتا اور نہ کوئی وجہ نہ تھی، کیونکہ مصیبت و نکتہ کی وجہ سے فقر و درویشی نے مزاج پر ایسا استلا پالیا تھا کہ وہ نہ صرف برابر اذکار و وظائف میں مشغول رہتا بلکہ سال تیموری کی لفظی و سیاسی پیری مریدی ظفر کے بیاں حقیقت بن گئی تھی، جس کا ذکر انہیں صفحات میں آئے گا۔

ظفر کا دیوان نو لکھنوی پریس لکھنؤ سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے جس میں ہر قسم کے قیس ہزار سے زیادہ اشعار ہیں مثلاً حمد، نعت، سلام، مرثیہ، مہدس، مثلث، خمیس، مستزاد، قطعات، رباعیات، پنکھا اور سہرا ہیں، بھاکا، پنجابی اور فارسی کے اشعار بھی ہیں جن سے ظفر کی طباطبائی اور مختلف زبانوں پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اس مجموعہ میں وہ حصہ شامل نہیں جو ظفر نے غدر کے بعد کسا اس زمانہ کا کلام شائع نہ ہو سکا بلکہ ضائع ہو گیا۔ حالانکہ اس عہد کی شاعری میں نہ صرف پختگی بلکہ جذبات میں ابھری درد اور شدت پیدا ہو گئی ہوگی۔ (۱)

ظفر کی شاعری کے محرکات اور عوامل | بہادر شاہ ظفر نے شعر کو اپنے سخن کا پردہ ٹھہرایا تھا۔ شاعری

میں یوں بھی بات صاف صاف نہیں کی جاسکتی، تشبیہ اور استعارہ شاعری کی جان اور کناہ بلاغت کی پہچان ہے۔ پھر شاعری میں غزل خاص طور سے اس اشاریت اور رمزیت کی علمبردار ہے یہاں فنی نزاکتیں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں اور شاعر اپنے احساسات اور کیفیات کو چند مخصوص اشاروں اور علامتوں سے واضح کرتا ہے۔ گل و بلبل، شمع و پروانہ، دام و دانہ، قید و قفس، صید و صیاد، بہار و خزاں، خندہ گل، گریہ بلبل، برق سوزاں، طوفان باد و باراں، نشیمن و شاخ نشیمن، قاتل و شہید، خون شہیداں، محضر شہادت، تیروناں، تیز و خنجر، رقیب و ناصح، کو چڑیاں سایہ دیوار اور اسی قسم کے بے شمار استعارے غزل گو شعرا کے سخن کا پردہ ہیں اور انھیں پردوں میں ہمیں ان کا اصلی روپ دیکھنا ہوگا۔

غزل گو شاعر ہونے کے علاوہ بہادر شاہ ظفر کے لیے ایک اور بھی مشکل تھی۔ دوسرے غزل گو شعراء نے کبھی کبھی جذبات کی شدت میں صاف گوئی اور تلخ لہائی بھی اختیار کر لی ہے اور اس کے لیے شہر آشوب ہجویات، مثنویات وغیرہ بھی مکھ ڈالی ہیں۔ بہادر شاہ کی حیثیت عام شعراء سے کچھ الگ تھی۔ وہ بادشاہ نام کے تھے اور قلعہ معلیٰ میں بھی ان کی حکومت بالکل آزادانہ تھی۔ وہ یہاں بھی لب کشائی نہ کر سکتے تھے، پرچہ نویس اور محضرائی کے روز و شب کی روداد انگریز ریڈیٹنٹ کو پہنچاتے رہتے تھے، ایک تو اس وجہ سے کوئی بات کہتے ڈرتے تھے۔ دوسرے فقر منشی اور بے لوائی کے باوجود نام کے شہنشاہ ضرور تھے اور کسی قدر رکھ رکھاؤ کے لیے مجبور تھے اور کبھی شاعروں کی عام سطح پر اتر کر مال و فراہ آہ و بکا کرنے میں سودا یا نظیر اکبر آبادی کا رنگ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جن بندشوں کو عوام تک محسوس کر چکے تھے اور جن کے توڑنے کے لیے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں کوشش کی گئی تھی۔ قدرتی طور پر بہادر شاہ انھیں اور بھی شدت سے محسوس کرتے ہوں گے ان کے سامنے صرف اپنی مجبوری ہی نہ تھی آل تیمور کا وہ کھویا ہوا اقبال ادب و جلال بھی تھا جس پر دلی کاشمیں قلعہ گواہ تھا۔ اس اقبال اور شان و شکوہ کو جوان کی میراث تھا حاصل کرنے کی خواہش ان کے دل میں بھی چکیاں لیتی تھی۔ بندشوں سے آزاد ہونے کا جذبہ ان میں قدرتی طور پر زیادہ شدت سے نمایاں ہوا ہوگا اور ان کا کلام بھی اسی کی شہادت دیتا



دل بتوں سے لگا کے کیا پایا      دین و ایمان گنوا کے کیا پایا  
اے اسیرانِ خانہ زنجیر      تم نے یاں غسلِ مچا کے کیا پایا  
نہ بکھا سوزِ دل جب آنکھوں سے      ہم نے دریا بہا کے کیا پایا  
اس غزل سے قسلی نہ ہوئی تو اسی زمین میں ایک اور غزل کہی، اس کا ایک شعر  
دیکھیے :-

کشتہ تیغِ غم سے پوچھ اپنے      تو نے جی سے گزر کے کیا پایا  
ماسدوں نے ظفر مرے سر پر      پوچھ بہستانِ دھر کے کیا پایا  
یہ دونوں غزلیں ایک ایسے شخص کی کیفیت کی آئینہ دار ہیں جس نے جدوجہد کر کے  
کچھ نہ پایا ہو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کچھ اس قسم کی ثابت ہوئی، سیاسی شعور پختہ نہیں ہوا تھا،  
تعلیم کی کمی تھی، اپنی صفوں میں انتشار تھا۔ راجے اور ہمارا بے اپنے حلوہ مانڈے کی ہنکر  
میں تھے اور برطانیہ کے خیر خواہ قمریہ قمریہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان حالات میں اس جدوجہد  
کو اسیرانِ خانہ زنجیر کے غلِ مچانے سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اب یہ شعر پڑھیے :-

اے اسیرانِ خانہ زنجیر

تم نے یاں غسلِ مچا کے کیا پایا

غیر ملکی حکومت کے غلاموں کے لیے اسیرانِ خانہ زنجیر کا استعارہ بالکل واضح ہے  
اسیرانِ آزادی کے لیے جدوجہد کریں گے اور اس کا نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ لیکن اس جدوجہد  
میں ایسا انتشار، اس قدر نظمی اور بدسلوکی پن تھا کہ اے صرف غلِ مچانے سے ہی تعبیر کیا جاسکتا  
ہے۔ دوسرے مصرع میں "یاں" کا لفظ خاص حالات اور واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے حالات  
مختلف ہوتے۔ کوئی اور ملک ہوتا تو شاید غلِ مچانے سے بھی کوئی نتیجہ برآمد ہوتا۔ لیکن جیسی  
دار و گیر سختی اور سخت گیری یہاں تھی اس نے اس کا کوئی نتیجہ پیدا نہ ہونے دیا۔ اس جدوجہد



ادھ جنگ آزادی میں بہت سے لوگ جی سے گزر گئے، کچھ بد امنی کے زمانہ میں مارے گئے اور اس سے زیادہ امن قائم ہونے پر پھانسی پر لٹکائے گئے۔ خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو گئے جن بیگمات کو کبھی چشم فلک نے نہ دیکھا تھا۔ انھوں نے جنگوں میں ٹھوکریں کھائیں اور جن کے یہاں لکھ لٹا تھا۔ ان کے بچوں نے تین تین دن کے فاقے کیے۔ بہادر شاہ ظفر کو کسی وقت کے فاقہ درگاہ نظام الدین اولیا، اور ہمالیوں کے مقبرے میں گزارنے کے بعد بیسن کی روٹی ادھر کے کی چٹنی نصیب ہوئی تھی، اس کے بعد امن کے قیام کا اعلان ہوا خیر خواہوں کو انعامات جاگیریں اور خطابات ملے۔ ان کے مقابلہ میں

کشتِ تیغ غم سے پوچھ اپنے

تو نے جی سے گزر کے کیا پایا

اس جدوجہد کا ایک رُخ یہ تھا کہ اسے ایک منظم سازش اور بغاوت یا غداری کا نام دیا گیا۔ بہادر شاہ ظفر پر الزام یہ تھا کہ وہ افغانستان اور روس سے ساز باز رکھتے تھے اور انگریزوں کے خلاف ان سے مدد کے طالب تھے اور انہی کے اشارے پر مولویوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ یہ سب بہادر شاہ پر بہتان تھے اور محض سازش کا مقدمہ مضبوط کرنے اور انھیں سزا دینے میں انصاف کی آڑ لینے کی کوشش تھی، بہادر شاہ ظفر کو جو کرنا تھا کر گزرے مگر خدا ان کا فیصلہ کرنے والوں کا بھی ایک دن تاریخ فیصلہ کرے گی بہادر شاہ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے

عاسدوں نے ظفر مرے سر پر

پوچھ بہتان دھر کے کیا پایا (۱)

ظفر کا رنگ کلام | ظفر کے کلام کی خصوصیت کیا ہے؟ بہتر ہے کہ اس پر بھی ہم ایک نظر ڈالتے چلیں۔

ان کا طرز کلام بہت صاف اور سارہ ہے۔ کلام بہت مزیدار صاف اور نلیس ہوتا ہے۔ اور ایک خاص درد و اثر رکھتا ہے جو ان کے مصائب کی اصلی تصویر ہے۔ ظفر اکثر جگہ شکل مشکل بحرین اور سخت ردیف اور قافیہ میں بھی غزلیں کہتے تھے۔ جو بہت کچھ قابل تعریف ہیں۔ ان کے خیالات بلند اور تشبیہ رنگین اور جذبات دلغشیں ہوتے تھے۔ (۱)

**کلام کی ترتیب و اشاعت** | ظفر کو خود بھی اپنے کلام کی اشاعت اور ترتیب سے دلچسپی تھی، چنانچہ غند سے پہلے ہی ان کا ایک

دیوان چھپ گیا تھا:

"۲۲ اکتوبر ۱۸۴۵ء، بادشاہ سلامت کا اردو دیوان مرتب ہو کر مطبع سید الاخبار سراج الاخبار میں چھپ گیا ہے، خط نستعلیق ہے کاغذ دلاستی ہے کل ۶۶ جزی ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں چمڑے کی جلد بھی بنائی گئی ہے۔ آٹھ روپیہ میں فروخت ہوتا ہے۔ صاحبان ذوق کلام الملوک ملوک الکلام کا لطف اٹھانا چاہیں تو دونوں مطبعوں میں سے جس مطبع سے چاہیں طلب فرمائیں۔ (۲)"

**مجموعہ کلام** | بادشاہ کے پانچ دیوان تھے لیکن دفتر پنجم آشوب غند میں ضائع ہو گیا اور اب رائج الوقت کلیات میں صرف چار دیوان ہیں۔

پہلا دیوان زمانہ ولی عہدی کی تصنیف ہے اس کا بیشتر حصہ ۱۲۲۳ھ تا ۱۲۲۴ھ میں شیخ ابراہیم ذوق کی شاگردی شروع ہونے سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر تفکرات اور تنقید کی بدولت مدت تک شائع نہ ہو سکا۔ ۱۲۶۱ھ میں پہلی مرتبہ مطبع سلطانی واقع قلعہ معلیٰ میں چھپا۔

اس دیدہ زیب ایڈیشن کا ایک نسخہ کتب خانہ سرکاری ریاست رام پور میں موجود ہے

(۱) تاریخ ادب اردو (رام پور سکین) ص ۲۱

(۲) بیاد شاہ کا روزنامہ ص ۲۹

اور اس کے سرودق پر مندرجہ ذیل عبارت نواب کلب علی خان مرحوم کے دست خاص کی لکھی ہوئی ہے۔

”نسخہ ہذا بتاریخ بستم رجب ۱۲۶۵ھ از جائے بطریق تحفہ نزد عاصی محمد کلب علی آمد، ہرگز زنت برہ من سرورے بالاتر از دیکہ این نسخہ بہاریں یا نتم“

نواب غلاما شیاں اس وقت ولی عہد تھے۔ بادشاہ کا دیوان پاکر اپنی مسرت و شادمانی کا اظہار جن مختصر اور معنی خیز غزلوں میں کیا ہے ان سے ظفر کی عزت و توقیر میں افزائش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ خود نواب کا تب کی سخن فہمی۔ نکتہ سنجی اور قدر شناسی کی دلیل روشن ہیں۔

اس دیوان میں علاوہ غزلیات اور قطعات کے ۱۹ مخمس۔ ۶ مسموں اور ۲ مثلث شامل ہیں فی الحقیقت ظفر کا بہترین کلام اسی دیوان میں ہے۔ بادشاہ کا دوسرا دیوان ۱۲۶۶ھ (۱۳ جلوس) میں مطبع سلطانی سے شائع ہوا۔ اس میں علاوہ غزلیات کے ایک سلام، ایک مرثیہ اور چھ مخمس ہیں۔

غدر کے بعد اس دیوان ثانی کی ایک کاپی لکھنؤ۔ پیونجی اور شیخ قادر بخش مالک ”اودھ گزٹ محلہ حسین گنج در کوٹھی غلام حسین“ نے ۱۲۶۶ھ (مطابق ۱۸۶۰ء) میں شائع کیا دیوان اول کا مکمل نسخہ شیخ قادر بخش کو دستیاب نہ ہو سکا۔ چند غزلیں اس دیوان کی پیشروائی تھیں لہذا ”انتخاب دیوان اول“ کے نام سے اس دیوان کے ساتھ بطور ضمیمہ کے چھاپی گئیں۔

مالک مطبع نے خاتمہ پر لکھا ہے کہ

”بصدوق صرف ایک نسخہ مطبوعہ دہلی برائے کتابت ہاتھ آیا۔ وقت مطالعہ غلط پایا۔ شائقین کا شوق یہ درجہ کمال دیکھا، دوسرا نسخہ درست ممکن ہونا محال دیکھا، ناپلر مطابق نسخہ مذکور کے چھپوایا۔“



دلیوان سوم اور دیوان چہارم بھی غدر سے پہلے مطبع سلطانی سے شائع ہوئے  
تھے ان میں بھی علامہ غزلیات اور قطعات کے سلام اور تحنات ہیں۔ دیوان چہارم میں چند  
ریاضیات بھی ہیں۔ ایک رباعی سنئے،

کاٹتے دن میں جو ہم باعث غم گن گن کے  
شب بھی کرتے ہیں بستاروں کو ہم گن گن کے  
کوئے جاناں کی زمیں اپنے پکڑتی ہے پاؤں  
ہم ظفر اس لیے رکھتے ہیں قدم گن گن کے

سب سے پہلے مطبع مصطفائی دہلی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے بادشاہ  
کے چاروں دیوان ۱۲۷۸ھ (مطابق ۱۸۶۲ء) میں یکجا شائع کیے اور اہل ملک کی  
قدردانی سے چند روز میں فروخت ہو گئے، منشی نو لکشور لکھنؤی نے ۱۸۶۹ء میں اسی مجموعہ  
کی منشی امیر اللہ تسلیم سے تصحیح کرائی اور اپنے مشور مطبع سے ۱۸۷۰ء میں کلیات مروجہ  
کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔

کلام ظفر کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ چند روز میں کل کاپیاں بک  
گئیں اور بازار سے ہل من مزید کی صدا آنے لگی۔ کلیات دوبارہ چھپا۔ سہ بارہ چھپا اور  
۱۹۱۹ء میں پانچویں بار طبع ہوا۔ افسوس ہے کہ ہر ایڈیشن میں غلطیوں کی تعداد بڑھتی گئی  
اور اب مروجہ دیوان کا کوئی ورق اغلاط سے خالی نہیں ہے۔ خدا کسی عالی ہمت کو توفیق دے کہ  
وہ اس کلیات کو دوا دین مطبوعہ قلعہ معلیٰ سے مقابلہ کر کے شائع کرے اور کلام ظفر کو دوبارہ  
زندگی نصیب ہو۔ (۱)

ظفر کی تاریخیں | ظفر اگرچہ ایک نغز گو شاعر تھے، لیکن انھوں نے جو جہتہ اور  
معنی آفریں تاریخیں لکھی ہیں، وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں ذیل



میں ہم ان کی چند تاریخیں درج کرتے ہیں:-

(۱)

انگریزی سرکار کی کوشش سے نہر کا پانی قاضی کے حوض میں پہنچا دیا گیا تھا اور محبوب علی خواجہ سرانے اپنے پاس سے حوض کی مرمت کرائی تھی۔ اس لیے بادشاہ سلامت نے صاحب ایجنٹ بہادر کے پاس یہ قطعہ بھجوا دیا تاکہ پتھر پر کندہ کر کے حوض پر لگوادیا جائے۔

آب دہ منیع ایں نہر حید  
ہاتف غیب بوصف فیض  
کرد چوں معتبر الدولہ رواں  
گفت تاریخ بسا فیض رساں (۱)

(۲)

مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں | درگاہ شریف کے قریب یہ مکان نہایت خوش نما سربراہ واقع ہے۔ جو مشہور زمانہ اترام

الدولہ عمدۃ المحکم معتمد الملک عاذق الزمان حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر ثابت جنگ کا بنوایا ہوا ہے۔ بہادر شاہ کے دور آخری کے سب سے بڑے رکن یہی تھے۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعات تاریخی لگے ہوئے ہیں اور یہ ہیں:-

تاریخ مسجد

مسجدے رخت چوں مجسن عمل | احسن اللہ خان پاک سرشت  
اسے ظفر بہر سال تاریخش | خاتم ام "خانہ خدا" بنوشت  
۱۲۶۱

تاریخ مکان

از سال بنائے نو بدر گاہ | پیر خروم نمود آگاہ  
برداشت سراز و یار دہلی | تعمیر فقیر احسن اللہ  
۱۲۶۳

(۱) سرطاس ٹکاف کی ڈاڑھی

اب اس مکان میں عیسائی لوگ رہتے ہیں۔ اسی کے پاس مرزا ثریا جہا کی حویلی بھی  
ایک قدیم عمارت ہے۔ (۱)

(۳)

دلی عہد بہادر (دارا بخت) کی وفات کی تاریخ خود بدولت نے زبان مبارک سے اس  
طرح ارشاد فرمائی،

اں دلی عہد سے کہ "دارا بخت" بود  
کرد چوں رحلت ازیں دینائے دود  
شد درون خلق داغ از سوز غم  
گشت سال رقتش "داغ دروں" (۲)

اب ہم ظفر کے کلام پر،  
کلام ظفر زبان اور محاورہ کی حیثیت سے

ایک سرسری نظر ڈالیں گے:

بلا ڈال دینا، مصیبت ڈال دینا، زنجیر ڈال دینا، تاثیر ڈال دینا، دریا میں ڈال دینا،  
آگ میں ڈال دینا، شمشیر ڈال دینا، جیسے محاورات پر ظفر کی طبع آزمائی :-

دل پر بلائے زلف گرہ گیر ڈال دی (۱)

تو نے مصیبت اے میری تقدیر ڈال دی

جب رو برو وہ آئے تو پائے نگاہ میں (۲)

موج مرثک چشم نے زنجیر ڈال دی

(۱) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ سوم ص ۲۸۹

(۲) سرطامسٹ مکات کی بڑائی، ص ۲۵

(۲) اپنی بھویں بن کے دکھائیں جو بار نے

شمسیر گرتے ہاتھ سے شمشیر ڈال دی  
(۳) لکھا جو ہم نے اپنی سرافگندگی کا حال

گردن قلم نے بھی دم تحسیر ڈال دی  
(۵) جب ہم سمجھ گئے کہ ہے تقدیر کمیسیا

ہیا میں ہم نے جیسی کتنی اکسیر ڈال دی  
(۶) چوں ہر دم ہم ہوئے دوبار گرد و روز

تو نے جہ الیٰ اے فلک پیر ڈال دی  
(۷) مانی دکھا کے اپنا مرتع خجسل ہوا

جب اس کے سامنے تیری تصویر ڈال دی  
(۸) کیونکر نہ ہوا اثر دل عالم میں اے ظفر

ترے سخن میں مشق نے تاثیر ڈال دی  
کھینچنے کے مختلف محاورات بھی سن لیجیے :-

(۱) جو خنجر گل نے عند لیب زار پر کھینچا

تو قمری کو بھی ہے سرو چمن نے دار پر کھینچا

(۲) کھڑا ہیں محو حیرت یوں لگا دیوار سے تیرے

کسی نے نقش ہو جیسے کوئی دیوار پر کھینچا

(۳) دفا کا کہے تو اقرار ہم سے ہو گیا منکر

ترمی الفت سے ہم نے ہاتھ اس انکار پر کھینچا

اس کا کلام لفظی صنائی سے، جو متاخرین کے کلام کا زیور ہے خالی نہیں،  
پہلے مصرع کے لفظوں کو الٹ پلٹ کر دیکھیے کیسے دوسرا مصرع بنا

صنائع لفظی

لیتا ہے۔

یہی ایک غم ہے یہی ایک الم ہے  
میری چشم غم ہے اسی رنج و غم میں  
خدا کی قسم ہے یہ کتا ہوں سچ میں  
کیا کب رقم ہے کوئی شکوہ میں نے  
یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے  
اسی رنج و غم میں میری چشم غم ہے  
یہ کتا ہوں سچ میں خدا کی قسم ہے  
کوئی شکوہ میں نے کیا کب رقم ہے

ظفر کیا ستم ہے ہوا دوست دشمن  
ہوا دوست دشمن ظفر کیا ستم ہے

بلیغ کی اصطلاح میں اس کو عکس کہتے ہیں، یہ صفت اُردو کے کسی اور شاعر کے یہاں  
نظر سے نہیں گندی، البتہ قدیم فارسی شعراء کے یہاں ملتی ہے، اس کے علاوہ دوسری لفظی  
صنعتیں بھی ظفر کی شاعری میں پائی جاتی ہیں مثلاً کسی موصوف کی پے در پے صفتوں کو دہانا جیسے!

(۱) شوخ چٹے خوش نگاہے یوں فائے بد گمانے  
دلفریبے دلتوانے دلربائے دلستانے

(۲) ہم ظفر ہیں اس پہ مفتوں خوار و رسوا، زار، محزون،  
وہ بیانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے،

ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح سے ادا کرنا | زلف اور سانپ کی تشبیہ معمولی  
چیز ہے مگر دیکھیے ظفر اس معمولی  
چیز میں اپنی جدت طبع سے کیسی کیسی ندرتیں پیدا کرتا ہے۔

(۱) زلف یوں روئے عرق آلود پڑے ہے  
صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

(۲) اڑ کر بھی زلف یار سے ناگن نہ بچ سکی  
جس وقت اس کے منہ پر چڑھی مار کھا گئی



(۳) کیوں سوتے سوتے چونک پڑے خواب میں ظفر  
وہ مار زلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو

**محاورات** اس سادگی کے باوجود ظفر کو زبان پر اتنی قدرت ہے، کہ بادشاہ سخن بن کر زبان  
اور الفاظ پر فرماں روائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلعہ معانی بلکہ اردو زبان کا کوئی  
معاودہ ایسا نہیں جو اس کے دلیوان میں موجود نہ ہو اعدان محاورات کو اس خوبی اور صفائی سے اپنے اشعار  
میں باندھ جاتا ہے کہ اشعار کی روانی میں کہیں فرق نہیں آنے پاتا۔ (۱)

**فنکارانہ اشعار** ظفر کے کلام میں، مخصوص فنون کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں، اور  
محاورات بھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان کے ہر پہلو پر  
ان کی نگاہ کتنی وسیع تھی، اور اظہار و بیان کی کیسی عجیب قدرت فدا نے انھیں فرمائی تھی:-  
مرغ بازی کے اصول و قواعد پر عبور اشعار ذیل سے ثابت ہے۔

رہے ہے پر غلش دشمن دم جنگ  
نہیں یہ مرغ لڑتا کھسل کے کانٹے  
ابھی ہونے کا نہیں لڑنے کو تیار عدو  
پھر کے یہ مرغ تو دو چار برس میں پھر کے

موسم گل کی خبر سن کے قفس میں صیاد  
آ کے کربال میں ہر مرغ خوش آہنگ کھلا

مستعد ہے جنگ پر غیروں کے کئے سے ظفر  
ہے یہ مرغ بے حیا کس چاؤ پر پانی چڑھا

بٹیر بازی کی شان رب سے اعلیٰ ہے :-

چھوٹیں لڑنے کو اگر یہ تو لڑیں مرغ سے بھی  
چاک کرتے ہیں حرفیوں کے بٹیروں کا جگر  
مچھکو یہ عشق ہے ان سے کہ کھلاؤں انکو  
تیلیاں پلکیں ہوں اور چشم بنے جوں کا بک  
ہوئے اس کھیل میں دل صدیوں کے بندالیے  
مرغ کو بلکہ یہ سیمرخ کو لیں مار بٹیر  
تیز جو کرتے ہیں یہ خنجر منقار بٹیر  
کھائیں گردانہ کی جاگہ پر شہوار بٹیر  
گر رہیں آنکھوں میں یہ مرغ نظر دار بٹیر  
دام صیاد میں ہوں جیسے گرفتار بٹیر  
الفاظ کوئی ان میں سے جو گھٹ بھی جائے

بے مزہ دیں جو لڑا مرے طرفدار بٹیر (۱)

ظفر کے کلام کا ایک حصہ ایسا بھی ہے، جس کے الفاظ سوزنا اثر سے بھرے  
درد و سوز ہوئے ہیں۔ مثلاً !

(۱)

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھریاں تھے  
جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں  
جہاں چٹیل ہے میدان اور سر اسر ایک خارتان  
جہاں ہیں سنگ ریزے تھے یہاں یا قوت کے تودے  
جہاں سنسان اب جنگل ہے اور ہے شرفا مٹاں  
جہاں اب خاک پر ہے نقش پائے آہستہ صحرا  
شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بٹیریاں تھے  
کبھی اڑتی تھی دولت رقص کرتے سیمبریاں تھے  
کبھی یاں قہر الوان تھے چمن تھے اور شجریاں تھے  
جہاں کنکر پڑے ہیں اب بھی روتے گھریاں تھے  
کبھی کیا کیا ہنکارتے یہاں تھوڑے شریاں تھے  
کبھی موتا شادیدہ اہل نظریاں تھے  
ظفر احوال، عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے  
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اد کیا کیا پشتیریاں تھے

(۱) بہاد شاہ ظفر (ایرا تہ علوی)

- (۱) نہیں عشق میں اس کا تورنج ہمیں کہ قرار شکیب ذرا نہ رہا  
غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا  
(۲) نہ کتنی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب ہر  
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا  
(۳) ہمیں ساغرِ بادہ کے دینے میں گرے دیہ جو ساقی تو بائے غضب  
کہ یہ عہد نشاطِ طبع دورِ طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا  
(۴) لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم  
وے نازد کر شمع کی تیغِ دودم لگی ایسی کہ ستم لگانا نہ رہا  
(۵) ظفر آدمی اس کو نہ جانے گا ہوں کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا  
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

**ظفر کے تسو شعر** ظفر کا مجموعہ کلام چار دیوانوں پر مشتمل ہے، اور بلا بمبالغہ ہزار ہا اشعار پر محیط ہے، ان اشعار کا انتخاب اگر مختلف عنوانات کے

ماتحت ضروری تشریح و تعبیر کے ساتھ کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب اس موضوع پر تیار ہو سکتی ہے، ظاہر ہے اس کا موقع نہیں، میں نے چاروں دیوانوں میں سے ۲۵۰-۲۵۱ اشعار چن لیے ہیں۔ اس طرح تو اشعار کا گلدستہ تیار ہو گیا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیے، اس سے ظفر کے اسلوب کلام کا اندازہ بہر حال ہو جائے گا۔

- (۱) دل پر خوں سے فکرِ چشمِ نیا ہم خوں نہ بھر لادیں  
جو شیشہ ہو گا، مے ہو گی، تو پیمانہ کبھی ہوے گا  
(۲) جیسے چشمِ میں آئسو ہیں کب ہوتے سدف میں ایسے ہیں  
دیکھ کر چشمِ غور گزرا کہ اس میں کس کا اک اس میں کا

نصیحت سن چکے ہم تیری نصیحت  
خدا کے واسطے بک بک نہ کر، چپ  
جزا شک مسلسل نہیں کچھ پاس ہمارے

(۳)

یہ تیرے لیے موتیوں کا ہار ہے موجود  
یہ تکرہ یا قوت نہیں تیرے گلے میں  
ہے قطرہ خونِ دل د لگیں گلو گیسر

(۵)

ہر روز ستم تازہ ہے، ہر روز نیا ظلم  
اے شوخ متمگر تیری ایجاد کو شاباش

(۶)

نہ کچھ شراب نگہ میں تری کمی بیشی  
نہ تیری چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

(۷)

دامن چرخ جلاوے نہ کہیں دیکھ لے ابر

(۸)

شعلہ آہ مرا، برق شرر بار سے مل  
رُخ کو تیرے نہ کہوں برق، نہ شعلہ، نہ تکر

(۹)

بلکہ خورشید جہاں تاب کے تو کہدوں  
کاروانِ عمر جاتا ہے کدھر؟ پاؤں کہاں

(۱۰)

گرد بھی اس کی سر راہ سفا رڑتی نہیں  
برسوں گزرے کہ ہوئی خاک ہماری برباد

(۱۱)

اب تو اس کوچہ میں اے بادِ سحر خاک نہیں  
لے ظفرِ چرخ پہ خورشید جویوں کا نچے ہے

(۱۲)

جس لوہ گر آج کہیں یارِ سر بام نہ ہو



کہتے ہیں وہ آئینہ میں جلوہ اپنا دیکھ کر

ماہ پیکر، ہر طلعت ہم نہ ہوں تو کون ہو؟

برنگ گل نہ ساتے گر نہیں تم۔!

تو شبِ نیم کی طرح رلواتے کیوں ہو؟

ہم اپنا عشق چمکائیں تم اپنا حسن چمکاؤ

کہ حیراں دیکھ کر عالم ہمیں بھی سوٹھیں بھی ہو

ہو کیوں کہ کسی سے ظفرِ امید محبت

ہم جانتے ہیں جیسے ہیں احبابِ زمانہ

کے دماغ بے سنے کون؟ دردِ سر کے سوا

نہیں ہے فائدہ واعظ کی قیل و قال میں کچھ

زلف و رخِ جاناں کا مست پوچھ ظفرِ مجھ سے

وہ ابرِ بہاراں ہے، یہ برقِ درخشاں ہے

منزلِ عشق بہت دور ہے اللہ اللہ

ایک ہی گام میں تم تھک کے ظفرِ بیٹھ گئے

تیسری نگاہ جو بتِ بے پیر پھر گئی

قسمتِ مری الٹ گئی، تقدیر پھر گئی

آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی

دل کی دل میں آرزوئے جہاں نثارِ می رہ گئی

ناصح نہ اٹھا سر کو دریا سے میرے

کرتا ہے خلل کیوں تو عبادت میں کسی کی

(۱۲)

(۱۵)

(۱۶)

(۱۷)

(۱۸)

(۱۹)

(۲۰)

(۲۱)

(۲۲)

جو درد ہوتا تو غل مچاتا، جو سایہ ہوتا تو سر ملاتا  
 الہی دل کو مرض یہ کیا ہے مرنے بولے نہ سر سے کھیلے  
 تھے بزرگ گل شگفتہ، غیر کی محفل میں وہ  
 دیکھتے ہی مجھ کو چہرے پر اُداسی آگئی  
 ابر تر ہم چشم کیا ہوا پر مشرکان کے مرے  
 اس سے برے آب، یہ خوننا تر برساتے ہے  
 چراغ و شمع میں کیا، برق کیا اور شرر میں کیا  
 جہاں دیکھا وہاں ایک جلوہ تیرے نور کا دیکھا  
 مری نگہ نے مرار از کہ دیا اس سے  
 بلا سے گرنہ کہا، میں نے بد عسانہ کہا  
 آیا نہ میرے دیدہ گریاں کے سامنے  
 سو بار دیکھا ابر بہار اٹھ کے رہ گیا  
 کہاں میں امد کہاں کوئے عشق یہ جہان  
 لکھا تھا کعبہ تقدیر برہمن میں سفر  
 اس نے پوشیدہ الہی کسے لکھا ہے خط؟  
 سنتے ہیں ہم کہ چھپا کر کہیں بھیجا ہے خط!  
 فردغ حسن میں ہے نشہ شراب کو دخل  
 نمود صبح میں ہے نور آفتاب کا میل  
 جساؤ غماز کی نہ باتوں پر  
 ہے وہ بیہودہ گو خدا کی قسم

(۲۴)

(۲۵)

(۲۶)

(۲۷)

(۲۸)

(۲۹)

(۳۰)

(۳۱)

(۳۲)

(۳۳)

نالہ شب ہی کے کیا اگلے اثر کو روئیے  
تجھ میں بھی تاثیر اے آہ سحر اگلی نہیں  
نہ ہم کچھ سنس کے سیکھے ہیں نہ ہم کچھ روکے سیکھے ہیں  
جو کچھ تھوڑا سا سیکھے ہیں کسی کے ہو کے سیکھے ہیں  
جو دوست تھے وہ ہیں دشمن عجب متاثر ہے  
ہوا ہے دیکھو زمانہ کا حال کیا کچھ!  
نہیں تحقیق کہ کیا ہے ترے بیمار کا حال  
کل خبر اور سنی آج خبر اور سنی  
آئے گا خاک ہو کے بھی، دامن نہ اس کا ہاتھ  
قسمت تو اپنی ساتھ ہی بیہات ہمدے گی  
بھلیں گے خالقہ سے جس وقت پھر وہی  
ہم ہوں گے، رند ہوں گے، خرابات ہوے گی  
بلا سے گر نہیں ہے سایہ بال ہمارے پر  
تری دیوار کا سایہ کچھ ایسا ہے کہ کیا کہیے  
کل ظفر بیٹھے تھے بن کر پار اور آج پھر  
میکدہ کا قصد ہے تو پار سانی ہو چکی  
بنے جب گل ترے منہ پر تو اس کو  
طمانچے پھر صبا مارے کہ چھوڑے  
جاگیر میں وحشت نے دیا ہم کو جو صحرا  
بانا کہ ترقی ہوئی منصب میں ہمارے

(۳۴)

(۳۵)

(۳۶)

(۳۷)

(۳۸)

(۳۹)

(۴۰)

(۴۱)

(۴۲)

(۴۳)

میں ظفر گرچہ گہر بار ہمیشہ بادل  
لیک خوں باد مری طسرح کوئی ہو تو سکے  
بن سکتی ہے تدبیر اگر بن کے بگڑ جائے  
کیا بن سکے تقدیر اگر بن کے بگڑ جائے

(۴۴)

یا نہ ہو وہ مری نظر سے دور

(۴۵)

یا مری آنکھ دور ہیں ہو جائے

کس کا محشر اگر وہ آجائے

(۴۶)

حشر برپا ابھی ہیں ہو جائے

سب ہے تدبیر کی کہی جاتی

(۴۷)

نہیں تقدیر کی کہی جاتی

دہن زخیم گر زباں رکھتا

(۴۸)

صفت اس تیر کی کہی جاتی

بلا سے خاک عاشق کی اگر برباد ہو جاتی

(۴۹)

پر اس کو چہ میں اے باد سحر ہو نچا تو دی ہوتی

کوں کیا ماجراٹے بے ثباتی نقش ہستی کا

(۵۰)

بٹا جاتا ہے یوں گویا کہ یہ پانی پہ لکھا ہے

افسوس اپنے اشک کی جانی نہ ہم نے قدر

(۵۱)

کیا بے بسا نگینہ الماس کھو دیا

کچھ لطف زندگی کا اگر ہے اسی میں ہے

(۵۲)

ہے یہ جو دوستوں کی ملاقات پسند روز



ہم چین میں کر رہے ہیں آٹیاں اپنا دوست  
کرتا ہے سیار فسر دام و تدبیر نفس  
میں خوشامد بھی اگر اس کی کروں  
ہو کے وہ ناخوش کسے ہے یوں "چہ خوش"

(۵۴)

حق وہی ہے جو حق کو ہے منظور

(۵۵)

اور بارے میں قیل و قال دروغ  
نامح نصیحتیں ترمی ہم سن چکے بہت  
خاموش ہو کہ اب نہیں طاقت دماغ میں  
ہر شب ہمیں فرقت میں روتے ہی گزرتی ہے  
نئے صبح کو سوتے ہیں نئے شام کو سوتے ہیں

(۵۶)

(۵۷)

مرا اور مجنوں کا ہے ایک عالم  
برابر کی صودت، برابر کا نقشہ

(۵۸)

ہر جگہ ایک نیا رنگ ہے اللہ اللہ

(۵۹)

واہ کیا جلوہ نیرنگ ہے اللہ اللہ

کیا ترا چہرہ پر نور ہے سبحان اللہ

(۶۰)

کیا ترا طہرہ شبرنگ ہے اللہ اللہ

ہے ساغرے جام جہاں میں سے مشابہ

(۶۱)

میںخانہ ہے اک سلطنت جہم کا نمونہ

نہ رہا یار، نہ غم خوار، نہ مونس، نہ رفیق

(۶۲)

مگر اک غم نے دیا عاشق غمگیں کا سہارا

ہم اٹھائیں کیوں ستم ان کے، ہمیں کیا واسطہ  
یہ تو ہے اسے حضرت دل سب تمہارا واسطہ  
شکل اس نے ہمیں آکر جو دکھائی اللہ

(۶۴)

دل میں کیا اس بت کافر کے یہ آئی اللہ  
ہم نے تم سے بھلائی ایسی کی

(۶۵)

تم نے ہم سے بُرائی ایسی کی  
اثر کیا خاک ہے گریہ میں تیرے ڈوب مر شبنم

(۶۶)

کہ گل بنتا ہے تجھ پر راہ غنچہ مسکراتا ہے  
وہ آئے یا نہ آئے پر دل بیتاب کو اپنے

(۶۷)

تسلی میں یہ دیتا ہوں اب آتا ہے اب آتا ہے  
نہیں ناداں کی دوستی بہتر

(۶۸)

بلکہ دانا کی دشمنی اچھی !  
جو کریں گے جمع یاں غافل ہیں جاؤں گے چھوڑ

(۶۹)

ہاں مگر ارمان و حسرت ساتھ لے جاؤں گے  
خوں اپنا گراؤں جو گرے ان کا پسینہ

(۷۰)

اور ہائے ستم وہ مرے لوہو کے ہوں پیاسے  
بات وہ کرتا نہیں لیکن ادھر

(۷۱)

چپکے چپکے دیکھتا جاتا تو ہے،  
سناتا نہیں کوئی میری کہانی

(۷۲)

اگر چہ ہیں داں قصہ خواں اچھے اچھے

(۷۲)

ظفر شکوہ نہ کراؤں نے، تجھی سے بے وفائی کی  
بتا اس بے وفائے اور کس سے بیاں وفا کی ہے؟

وفا شک سے ہے اب یہ عالم چشم گریاں کا  
کوئی کتا ہے قلم ہے کوئی کتا ہے جیوں ہے

بیٹھے اب باتیں بناؤں ہم بیاں ہوتا ہے کیا  
بات اپنی جب وہاں کچھ بن نہ آئی کیسا رہی؟

قربان ترے ہاتھوں کے کہاں دار کہ تو نے  
کیا میری طرف تیر بھویں تان کے چھوڑا

یہ مریض عشق جساں بر ہو چکا  
اے طبیب اس کی دوا کرتا ہے کیا؟

ہم تو ترسیں مجال کو تیرے  
دیکھے آئینہ دم بدم صورت

پاتے نہیں ہم تو کبھی رندوں کو مشوشر  
آتی ہی نہیں بزم خرابات میں تشویش

انساں کی زندگی ہے تو اک دو نفس ملک  
ساماں کرے ہے جینے کا لاکھوں ہیں ملک

پوچھتے ہو کیا حال مرا جو کچھ ہے سودہ سامنے ہے  
بالیں پر اک لحظہ میرے، آؤ بیٹھو، دیکھو تم

مغز میرا اڑ گیا، ناصح نصیحت کو سلام  
نوسدا رو تم تو میں کرتا ہوں حضرت کو سلام

غنم مرا غم گسار ہے میرا!  
غنم کا غم خواہے تو یاں میں ہوں  
ترے مریض کے سو علاج ہوں لیکن  
شفانہ اس کے نصیبوں میں ہو تو کیونکر ہو؟

(۸۴)

ہر ادا اک بلا معاذ اللہ

(۸۵)

تو وہ کافر ادا معاذ اللہ

دیکھنے دو مجھے بد ہیں جو بُرا کرتا ہے

(۸۶)

میں بُرا ہوں کہ بھلا اس کو خدا دیکھتا ہے

جب وہ تشریف ادھر لاتے ہیں چلتے پھرتے

(۸۷)

گالیاں ہم کو سنا جاتے ہیں چلتے پھرتے

دل کو وہ تاڑے ہے نظر سردوں میں

(۸۸)

لاکھ کوئی بچپا کے لے جائے

تدبیر لوگ کرتے ہیں کیا کیا پڑے ظفر

(۸۹)

چلتی نہیں کسی کی مقدر کے سامنے

نہ نکلا فلک ایک ارمان اپنا

(۹۰)

رہی دل ہی میں آرزو سو طرح کی

نصیبہ جبر اچھا تھا اور تقدیر اچھی تھی

(۹۱)

مری ہر بات اچھی تھی، ہر اک تدبیر اچھی تھی

گرچہ بزرگ محل ہنسے باغ جہاں میں ایک دم

(۹۲)

شبنم گل کی طرح پھر روتے ہی ہم چلے گئے



(۹۳)

رسائی ہوئی غیبر کی بھی بھیاں تک

یہ آہ رسا نے رسائی دکھائی

دیکھ کر اشک آنکھ سے نکل ہی گئے

(۹۴)

گھر میں لڑکے نہ چیلنے بیٹھے

آزاد کب کرے ہمیں صیاد دیکھیے

(۹۵)

رہتی ہے آنکھ باپِ قفس پر لگی ہوئی

آج کل الفت کہاں بغض و عداوت کے سوا

(۹۶)

نام ہی الفت کا ہے الفت کے وہ دن مل گئے

دیکھنا نہ تجھ کو، ہم یونہی محروم ہی چلے

(۹۷)

آتے ہیں تیری دید کو کس اشتیاق سے

اسی کو دوست سمجھتے ہیں وہ جو کچھ نہ کہے

(۹۸)

کیسے جوان سے جواب و سوال دشمن ہے

گئے ہیں حضرت دل کوئے زلف میں تنہا

(۹۹)

الہی خیر ہواں بال بال دشمن ہے

بلکھڑے ظفر دفتر، اشعار کے اک دم میں

(۱۰۰)

باتھنوں میں ذرا اپنے جس وقت تسلیم پڑے

# قصائدِ غزلیہ

مولانا فضل حق خیر آبادی نے اپنی داستان مصائب امد غدر کی کہانی نثر میں، الشوۃ البندیہ یعنی بغاوت ہند کے نام سے ارقام فرمائی ہے، جس کا ترجمہ اس کتاب میں شامل ہے لیکن وہ عربی زبان کے یکتا سے زمانہ ادیب ہی نہیں، بلند پایہ اور عالی مرتبت شاعر بھی تھے، غدر کی کہانی انہوں نے زبان شعر سے بھی بیان فرمائی ہے، امد کوئی شبہ نہیں یہ کہانی بڑی درد انگیز، لڑہ خیز، امد دہشت ناک نثر میں جو بات کہی جاتی ہے، اس میں مصححت و قست بھی پیش نظر ہو سکتی ہے، وضع اعتبار بھی ملحوظ خاطر رکھی جاسکتی ہے، اس دال کا خیال بھی رکھنا چاہئے، لیکن شاعر کی روانی طبع ان تمام ہندوؤں کو خس و خاشاک کی طرح بہا رہ جاتی ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے، وہ برہمنہ حقیقت ہوتی ہے۔ تلال کی طرح دھار دار اور خنجر کی طرح نیکی ————— اب فضل حق کے قصائد غزلیہ پڑھئے، جن میں یہ دونوں خصوصیتیں موجود ہیں؛

(۱)

سوز دل سے میرے پہلو کی ہڈیوں میں آگ بھڑک رہی ہے۔  
آنسو خشک اور اندرونی انضا لگیل گئے ہیں۔

مجھ پر نازل شدہ مصیبتوں اور میری اہل وطن سے دوری پر دوست دوستوں اور دشمن دشمنوں خوش ہوتے ہیں۔

میں عزت و عظمت کی زندگی بسر کر رہا تھا جو شرفاء و عظماء کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔  
میرے درد و غم اور تباہی و ہلاکت پر دوست غمگین و حیران ہیں اور چارہ گروں نے نیم ردا کی طرح  
معاطر عمل اختیار کر رکھا ہے۔

مجزوں کی خبر سانی جاسوسوں کی ریشہ دوانی اور میرے تفتیراہ ال پر دشمن خوشیاں من رہے ہیں۔  
ہم پر بیچ نازل اور غم طاری ہو گیا اور بلاشبہ ہماری دوری میں جنگی دھمکی ہے۔  
دشمنی مصیبتوں نے پھر پابنگی و جبر سے ہڈیاں کڑھ اور اعصاب سیدھ سیدھ ہو گئے۔  
مجھے ایک عورت کے گردنے مبتلائے مصائب کر دیا عورتوں کا مکر ہی زبردست کر ہے۔  
یہ خیال پہلیا کر کے خدق کو فریفتہ بنا لیتی ہیں اگرچہ ان کے عہد و میثاق میں زونا ہے نہ قرار۔  
اس نے یہ اعلان کیا کہ جو لوگ گھر سے مجھ پر پڑے ہیں انہیں امن دیا گیا۔  
ایسے لوگ اس کے امان نامہ سے دھوکے میں آکر اپنے معزوں و سوز و غم کو واپس ہو گئے۔  
میں بھی کافرہ متسلطہ کے اعلان امان سے فریب کھا کر مکان پہنچ گیا۔

سے ملکہ و کٹوریہ۔

پھر حکام سلطنت نے اس کے عہدو میثاق کی پروا نہ کرتے ہوئے سختی مشرع کی اور میری بھی طلبی کی۔  
 انہوں نے مجھے مجبوس کر لیا اور غوبہ اذیمیں پہنچائیں گویا ملک کے اعلانِ ذب ایفئے عہد کی نیت ہی نہ کی گئی۔  
 جب میں قیدی بن کر بھی ان کا اطاعت گزار نہ بنا تو ان کی طرف سے رنج و تکلیف میں اور بھی  
 بیداری کر دی گئی۔

میں خوشگوار عیش و عشرت میں تھا یکایک غموں کا ہجوم اور مصائب کا دودھ ہوا۔  
 ان کے سینوں کو کینوں نے بھر دیا ان کی زباؤں سے بھی بغض کی دھڑ سے دشمنی ظاہر ہونے لگی۔  
 انہوں نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا میں زندگی سے دل برداشتہ ہو گیا اور اس پر مسرت  
 زمانہ کو بھول گیا جس میں راحت تھی۔

میری رات دن سخت گرمی اور اندھیرے میں گزرتے ہیں گویا کہ سخت موسم گرما کے دن اور  
 آخر ماہ کی اندھیری راتیں ہیں۔

رات کو دوامی شکل اختیار کر چکی ہے جس کی صبح نہیں ہے اور نہ دن کے لیے شام اور رات ہے  
 مجھے سب تعارفات سے روک کر ایک کوٹھری میں ٹھہرا دیا جس میں دھڑکی ہوا کے سوا اور کسی  
 قسم کی ہوا نہیں پہنچ سکتی کیسی مصیبت تھی اس کوٹھری کی دیواریں انسانی اعضا کو بھونستی تھیں اور اس  
 کی مٹی تپتی ہوئی زمین تھی۔

کیسا پریشان کن قید خانہ تھا تو اس کے مہلان میں پیشاب خانہ تھا اس کے پاخانہ میں  
 آب دست خانہ تھا۔

انہوں نے درشتی کے ساتھ دوستوں بھائیوں اور بیٹوں کو مجھ سے ملنے سے روک دیا۔  
 میرے پڑے چھین کر مجھے تہ بند اور کٹی پہننے کے لیے دے دی گئی۔

لباس اتار کر قیدیوں کی کٹی پہنا دی میرے پاس اس خراب کٹی کے سوا دوسری چادر و زبہ  
 میرے برتن اور جوتے بھی ظلماً چھین لیے میرے استعمال کے لیے کوئی برتن اور پیالہ بھی باقی نہ چھوڑا  
 میرے ننگے پاؤں رہنے پر کوئی مہربانی سے رو چھینے والا بھی نظر نہ آیا حالانکہ یہ کٹی اور جوتے



سے قبل مجھے مجدد شرف حاصل تھا۔

میرے بہت سے مہربان غفلت اور حماقت دل دوست جنگی محبت مدق و صفا پر مشتمل تھی۔  
انہیں روک دیا گیا وہ کیسے ملاقات کر لیں بات چیت پلیر زیارت سے انہیں مجبوراً محروم رکھا گیا۔  
وہ مجھے ننگے پاؤں دیکھتے تو انا لندہ انا لیرہ را سبھوں پڑھتے اور میری برہنہ پانی پر ان سے  
جھگڑا کر بیٹھے۔

قید خانے میں میرے پاس کوئی خادم بھی ایذا رسانی کی زیادتی کے باعث نہ چھڑا۔  
صبح و شام بے چینی سے گذرتے ہیں کانٹے اور چنگاریاں بستر کے بجائے مقرر ہو چکی ہیں۔  
بہت سے سفید رنگ شراب خور مودنچیل دسلہ دشمن مجھ پر ظلم و بیدار کرتے ہیں۔  
وہ سیاہ جگر سیاہ فام نرم جلد اور سخت قلب واقع ہوئے ہیں۔  
وہ بد بخت و بے مہرم ہیں انہیں نہ ننگ و عار ہے نہ غیرت و حلم ان کے پاس ہو کر گذری ہے۔  
بڑے جھگڑا اور سخت دل ہیں ان میں نرمی اور سمایت و حمیت نام کو نہیں ہے۔  
ماسے عیوب ان میں موجود ہیں مردوں میں سرکشی اور عورتوں میں حرم بکری پانی جاتی ہے۔  
ان سب کی بد معاشرتیاں مردوں کی سرکشیوں عورتوں کی نرم کاریاں فسق و فجور کی اشاعت و کثرت  
کا سبب بنتی ہوئی ہیں۔

ظلم و ستم کے لیے میری قید ہی کافی نہ سمجھی گئی بلکہ جلا وطنی اور غربت و مسافرت کی سزا بھی دی گئی  
قید کو کے ایسے پہاڑ پر رات میں سے گئے جہاں پہنچ کر بہت سے قیدی ہلاک ہو چکے ہیں۔  
اس پہاڑ کی گھٹیوں کو دریا گھیرے ہوئے ہیں موت کے سوا اس کا کوئی صحن نہیں۔  
یہاں کی آب و ہوا نا صاف اور آتے والے کے لیے وبال ہے وہاں ہر طرف عام ہیں۔  
یہاں شریف ذلیل اور گریہ کماں ہیں دوا نا پیدا ہوا بیماریاں ہے شر ہیں۔

اس کی کھاتیوں میں حقویت و ہلاکت عام ہے یہاں دوا دارو بھی بیماری میں اضافہ کرتی ہے۔  
یہاں نہ تو پیسے کے حلق سے پانی اترتا ہے اور نہ بھوک کے کوغنا ہی بھل معلوم ہوئی ہے۔

ماش کی دال غلا ہے گوشت پیاز و کاری لکڑی کچھ میسر نہیں۔

یہ دریا کا کنارہ ہے جہاں گیارہوں اور پندرہی کسی چیز کا پتہ نہیں۔

قیدیوں کے گروہ کے گروہ مرچکے۔ جو بچے ہوئے ہیں وہ نہ مردوں میں ہیں نہ زندوں میں میت کی نماز جنازہ قبر کفن اور پشیمش کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں۔

یہاں ننگے کے لیے کوئی عار اور طالب اسان محتاج کے سوائے سوال کی سیا نہیں۔

یہ ایسی خراب جگہ ہے جہاں طاقتور انسان پر بھی رہنے کے بعد زندہ پتوں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ قیدیوں کو ایسی مشقت میں مبتلا کیا گیا کہ ان کی ایذا ہلاکت کے درجہ تک پہنچ گئی۔

ان کے کیمز کی دھبے سے قیدیوں کی بیڑیاں مضبوط ہو گئیں اور تنہا ان نے دشواری میں ڈال دیا۔ بلا ڈل اور سختیوں نے انہیں ہلاک کیا اور چوکیداروں اور مصیبتوں نے رنج میں مبتلا کر دیا۔ ان کی غم انگیز قشنگی اور بھوک پر پیاس قحط غلہ اور گرانی نے مبتلائے مصیبت کر دیا۔

انہوں نے مجھے ایسے مہلک میں ڈال دیا جہاں زمین زمین سے ہے نہ آسمان آسمان۔

اس کا قریبی آسمان وہ بادل ہیں جنکی بارش غموں کا سیلاب ہے اور اس کی زمین سنگریزے ہیں۔ یہاں بارش نہیں ہوتی گرمی کی مشقت سے فضا اور آسمانی سے بخارات کا پسینہ گرنے لگتا ہے۔ بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا ہے جس کی وجہ سے دن میں سورج اور رات کو چاند نظر نہیں آتا۔ رات میں تو اندھیرے پر اندھیرا چھایا رہتا ہے اور دن اندھیری رات کی طرح ہے۔

اس میں سورج والا کبھی دن نہیں ہوتا اور نہ چاندنی والی راتیں ہوتی ہیں۔

اس کے سیاہ افق پر کسی نے چاند نکلتا نہیں دیکھا اور گرگٹ ہی سورج دیکھ رہا۔

وہ خود تاریک ہے اور تاریک دریا سے گھرا ہوا ہے اس دریا میں نہ موتی ہے نہ روشنی۔

یہاں کی فصل بہار و خزاں میں کوئی فرق نہیں یہاں نہ گرمی گرمی ہے نہ جاتا جاتا۔

یہاں آنے والا حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور دشمنوں کا کبر و غرور بڑھ جاتا ہے۔

وہ تو نگری سرت اور مال و دولت سے ہمکنار تھے مگر بن کر قیدیوں پر ظلم و ستم کرنے لگے

توفیق بن گئے دگیا اخلاقی طہر پر دلوالیہ ہو گئے۔

اس کا ماسہ ہچکولے کھانے والی کشتیوں کے فدیہ ہے جو بھی ان پر سوار ہوتا ہے درد سراپا کی  
میں مزد بٹتا ہوتا ہے۔

اس کی جوش مارتی ہوتی موجیں کپڑوں اور بستروں کو ترکرتی ہیں اور ان کی تری سے مسافر بھیگ  
جاتے ہیں۔

مجھے ظلماً اہل وطن سے اچانک دور کر دیا گیا مجھے کمزور و نحیف اولاد کو بھی چھوڑنا پڑا۔  
میری اولاد کو زبردستی ان کے مکانات سے نکال دیا گیا ان کے لیے آرام و سکون کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی  
وہ مسکین و فقیروں گئے مکان روزی اور کوئی چیز بھی ان کے لیے نہ رہی۔

میں نے انہیں حالت گرسنگی میں چھوڑا نہ ان کے پاس مال و دولت ہے نہ مسکن و منفعت  
نہ سے اپنے بیگانے بن کر علیحدہ ہو گئے اور برابر والوں نے ظلم و ستم اختیار کیا۔  
میرے خاندان اور اتار ب کو قید بند نے دور کر دیا اب یہاں پانی کے سوا کوئی دست نہیں ہے  
میرے بیٹوں سے میری خبریں ایسی پوشیدہ ہیں جیسی کہ ان کی مجھ سے۔

میں احباب و اعزہ کی دلدلی پر روتا ہوں اور وہ میری جذباتی پر۔

ان کا مجھ پر رونا ایک حد تک ٹھیک بھی ہے کیونکہ مرنا اور ذلیل قید میں زندگی گزارنا دونوں برابر ہیں  
مجھے وحشیوں میں باندھا گیا اس قید خانے (جزیرے) میں دو قسم کے وحشیوں ڈاکوؤں اور اجنبیوں  
کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔

یہاں کی آب و ہوا ناموافق اور وبائی ہے نہ تو اس کے کھانے میں حکم سیری ہے نہ پانی میں سیرابی۔

پانی گرم ہے جس میں سیرابی نہیں جس طرح غذا ماش ہے جس میں مزا نہیں۔

یہاں نہ شیریں پانی ہے نہ لذیذ کھانا اور نہ وسیع میدان ہی سامنے ہے۔

میری مصیبت میں میرے بدن کے عارضوں کو لچ فتن اور قویا (دامن) نے اقرار کر دیا۔

میرا غم عالم ٹٹنے والی عافیت پر ہے اور معائب نے مجھے بھی مٹنے میں کسر نہیں رکھی اور



اس کی ہوا کچ ہے۔

فضل حق کے لیے رفعت و بلندی کا فضل تھا اس کی وجہ سے مجھے ہر مالوں پر بلندی حاصل تھی  
مٹناؤ میں ہندو منزلت و جاہوت بتیسر تھی جس کے سامنے دوسرا واعیان ملک ٹھکنے تھے۔

کمال رفعت وسعت تندرستی بزرگی بڑی

تو نگہ خوش بخمتی نصیر ددی پر سب نعمتیں حاصل تھیں جنہیں آزمائش و مصیبت بھی بوسیدہ نہ

کر سکی ہے۔

پہلی عافیت بڑھتے ہوئے سامان کی بنا پر بڑھتی ہوئی آبرو اور پائدار عزت بھی نصیب تھی۔

بہت سی عیش کی زندگی متغیر اور کتنی نعمتیں زائل ہو گئیں سختی اور بد حالی ہانپ ہو گئی۔

اللہ نے مجھے وہ علوم عطا کیے کہ ان میں سے بہت کچھ علماء نے حاصل کیے۔

میرے اور میرے احباب کے درمیان جدائی کا تل ہو گئی نعمت متغیر ہو گئی۔

شرارتیں گہرائی میں اور فتنے اپنا نک چھا گئے سرت جاتی رہی شادمانی و راحت پھر گئی۔

نصرتی ہمارے شہروں پر مسلط کر دینے گئے کچ فہم ہندوستانی ان کے مددگار بن گئے۔

وہ اسے نہ سمجھ سکے کہ نہ ان کے پاس وفاداری ہے نہ وسعت و حمایت۔

اس سے قبل ان پر ایسا شخص حکمران تھا جسے غنا و وسرور اور مال و دولت نے خدمت اہل دیار

سے روک دیا تھا۔

اب جبکہ لصادی کی لپدی طود پر مدد کی گئی تو ظلم و ستم میں افراط سے کام لینے لگے۔

آمد کمزوروں کو توجہ و جھٹلے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

وہ دیار جو آباد تھا ویران ہو گیا جس طرح کہ امرا و دوسرا تباہ و برباد ہو گئے۔

وہ قوم سبائی طرح متفرق و منتشر ہو گئے ان کے بہت سے گروہوں کو قید و بند نے آدھایا۔

مالک فقیر عزیز و شریف ذلیل عظیم و کریم خوار اور بڑے چھوٹے بن گئے۔

جنگو پکڑ لیا ان کو قتل و ہلاک کیا حالانکہ جو جرم ان پر لگائے گئے تھے ان سے وہ بری تھے۔



انھوں نے اپنی بے گناہ رعایا کو بری طرح ہلاک کیا خون ایسا بہا جیسے چٹے ابل کر بہتے ہیں۔  
 بہت سے شہر وں کو برباد و خراب کر کے اتکا نشان تک نہ چھوڑا وہ جنگاں اور میدان معلوم ہونے لگے۔  
 مسجدوں اور محلوں کو منہدم کیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جگہ کوئی عمارت ہی نہ رہی نہ وہاں کبھی کچھ بنا ہوا تھا  
 ان کی نخواست اور ذلت کی وجہ سے زمین کی پیڑ واریں کمی ہو گئی اس میں کوئی نشوونما باقی نہ رہا۔  
 انھوں نے لوگوں پر زندگی تنگ کر دی ان کے لیے رات اور دن کا کھانا بھی نہ رہا۔  
 ان کے سینوں میں بھرے ہوئے کینوں کے بوجھ سے ان کی پیٹیں بوجھل ہو گئیں۔  
 کیا حد سے متجاوز سرکشی کی بھی کوئی حد ہے؟ اور کیا سرکشوں کی بھی کوئی سزا ہے؟  
 میں نے اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان سے کسی قسم کی محبت و دلچسپی نہیں رکھی۔  
 اور بات یہ ہے کہ نصِ قرآنی سے ان کی محبت کفر ہے حق پرست انسان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا۔  
 ان سے محبت دعا کیسے رکھی جا سکتی ہے جبکہ آسمان وزین جس کی وجہ سے پیدا کیے گئے  
 اس ذاتِ گرامی کے یہ نصاریٰ دشمن ہیں۔

وہ پہلا نور ہے جو دنیا میں چمکا اور اس کی روشنی سے سارا عالم منور ہوا۔  
 وہ اول و آخر و غیرتوں اپنی پر نبوت ختم ہوئی اور اپنی سے اس کی ابتدا ہوئی تھی۔  
 وہ بہترین مہر دار ہیں خدا نے اپنا بھیدا انہی کے ذریعہ ظاہر کیا اور انہی کی وجہ سے آفرین و بابت ہے۔  
 خدا نے انھیں ایسے بلند اوصاف کے ساتھ محقق کیا جو کسی بدید و قدیم کو نہ بخشے گئے۔  
 انہیں ایسا فضل و علو مرتبہ عطا کیا کہ اس میں کوئی بھی ان کا شریک سہم نہیں۔  
 اپنے اپنے نام رکھ کر نفعِ شان بنایا خالق کے ناموں میں سے ان کے بھی بہت سے نام ہیں۔  
 نبیؐ، رسولؐ، کثیر الفضل صاحبِ قوتِ ہدیٰ، مہم جو محسن کثیرِ عطا ان کے اوصاف و اسماء ہیں۔  
 ان کی پیدائش کے مکہ کی شان کو دوبالا کر دیا اور اطمینان کے ان کے وجود سے شرف پایا۔  
 ان کے قیام سے طیبہ (مدینہ منورہ) پاک و بلند رتبہ ہوا دور دور سے لوگ اس کی زیارت کیا  
 صدقہ کے آتے رہے۔

وہ خوشخبری سنا کر انسان ہی ان سے پہلے صحت آسمانی اور انبیاء کرام ان کی بشارت دیتے آتے۔  
ان کی بعثت کی عیسیٰ علیہ السلام اور ان سے قبل موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی جیسے کہ شعیب  
نے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی۔

فہرادیال آل کے دربار میں نوڈیاں بن کر حاضر ہوئیں اسی طرح صحیفہ آسمانی کی پیغمبری تھی۔  
چمکنے اور چمکنے والے چاند کو انھوں نے اشارہ سے دو ٹکڑے کر کے دو ٹکڑے کو جدا کر دیا۔  
سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا کہ اولے نماز کے لیے ٹھہر گیا۔

ہم قتل اور درختوں نے انہیں سلام کیا اور بہت سے چمکاتے ان سے فصاحت کے ساتھ ہم کلام  
انگلیوں سے پانی جاری کر کے انہوں نے پیاسوں کو سیراب و شلاب کیا۔

ان کی برکت سے بہت سے بھوکوں کا تھوڑی سی غذا بے پیٹ بھر دیا اور بہت سے نادار مالدار بن گئے۔  
ان کی جدائی پر کھجور کا ٹٹا اس عاشق کی طرح رو دیا جسے محبوب، دوستی — سوز و تپش رلاتی ہے۔

وہ امین و مستند ہیں اُمی ہو کر ایسی حکمت کی تعلیم دیتے ہیں جسکے سمجھنے سے حکماء و عقلا بھی عاجز ہیں۔  
وہ ماکم ہیں فکر حکیم کی تلاوت کرتے ہیں اس کی آیتیں حکم ہیں ان میں ہدایت و شفا ہے۔

وہ فکر حکمتوں اور حکموں پر مشتمل ہے جس سے عقلیں دنگ اور اہل عقل و دانش عاجز ہیں۔  
اس فکر حکیم کی بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی ہے اس نے بلبلوں کو ساکت اور فصیحوں کو گونگا بنا دیا ہے۔

انھوں نے اپنی سہل روشن اور سنوڑ شریعت کے ذریعہ فاسق شریعتوں کی سپاہی کو دھڑک دیا۔  
ان کی ملت کے ظہور سے تمام ملتوں کو اس طرح مٹا دیا جیسے تارے سورج کے چمکنے ہی عموماً ہو جاتے ہیں۔

سورج کی روشنی ستاروں کی چمک مٹا دیتی ہے اور سمندر دریاؤں پر غالب آجاتا ہے۔  
اللہ نے ان کے دین کو غالب و باقی رکھا اور — اسی کو بقا ہے۔

اگرچہ وقوت اور معاند دشمن ان کے کمالات کا انکار کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں۔  
قرص خورشید کو اندھے کی آنکھ کی بجائے لوری ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

ان میں ان کے نام کو بلند آواز میں پکارنا اللہ سے ضرر ہی قرار دیا۔

اگر آدم کے مراتب اس فرزند سید کی بدولت بلند ہو گئے تو تعجب کیوں ہے بہت سے باپ بیٹوں کی وجہ سے بلند مرتبہ ہوئے۔

بہت سے رسولوں نے امت وسط ہو کر پامان میں سے بعض کی آرزو پوری کر دی گئی۔ دجیہ کہ خانہ امام جہدی عیسیٰ علیہ السلام یہ ثمرت حاصل کریں گے۔ میدان مشرق میں لوگوں کی سرکاری کے وقت وہ جلتے پناہ ہیں ان کے سوا کسی سے امید نہیں ہو سکتی۔ لوگ حضرت آدم اور دوہرے نسل علیہم السلام کے پاس طلبہ و شفاعت ہو کر پہنچیں گے مگر وہ سب خاموشی اختیار کر لیں گے۔

ان سب سے مایوس ہو کر وہ سب اس سختی و آگے خدمت میں حاضر ہوں گے جو فلاح و نجات دہی سخاوت سے کام لے گا۔

انھوں نے مخلوق کے لیے خالق کی وہ خوشنودی چاہی جو اس کے برگزیدہ بندے کی رضا تھی۔ احسان کی رضا اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ایمان والوں کو عذاب سے نجات ملے۔

ان کی املا و شریف بزرگ اور سردار ہے مخلوق پر انہیں رفعت و بزرگی حاصل ہے اور ان کی چمک دمک کے سامنے سب ماند ہیں۔

وہ عظیم و کریم اور نجیب و نقیب ہیں۔

ان کے اوصاف و مناقب کا احاطہ کسی طرح کرنے والے کی مبالغہ آمیز صراحت بھی نہیں کر سکتی۔ ان بزرگوں کی فیروز بخشی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے جبکہ ان کے جہاد مجدا فضل خلق خدا ہیں اور وہ سب ان کے اہمزا ہیں۔

ان کے صحابہ بڑے بہادر آپس میں رحیم اور دشمن پر شدید ہیں۔

اللہ نے قرآن کی آیت میں انکا وصف بیان کیا ہے یہ وصف ایسا ہے کہ اس سے بڑھ کر ان کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

انہیں السابقون الاولون سے یاد کیا گیا ہے یہ طبقہ صحابہ میں سب سے بہتر ہے اور ان

میں بھی سب سے اعلیٰ خلفاء راشدین ہیں۔

لے رحمت عالم اس شخص پر رحم کیجئے جس کے لیے زمانے میں کہیں رحم نہیں۔

میں آپ پر قربان! اس قیدی پر احسان فرمائیے جس پر نہ کوئی رحم کرنے والا ہے اور نہ اس کے پاس فدیہ و احسان ہے۔

نا امیدی اور تاخیر کے بغیر اس کی شفاعت فرمائیے۔ کیونکہ زمین اور اس کے وسیع و عریض اطراف مکانات اس کے لیے تنگ ہو چکے ہیں۔

اے شاکی اونٹ کے فریادوں! مجھ پر بھی ویسی ہی مہربانی فرمائیے مجھے بھی بیماری اور مہجوری کی شکایت ہے۔

مصائب کی رسی زمانہ دراز سے دھار ہے اسے دور فرمائیے۔ تاکہ اس اذیت سے نجات ملے۔

سناوت و عطا کے سوا اب رحیم و مصلیٰ کے سامنے مجھے کوئی امید نہیں۔

مجھے نفع پہنچائیے اور خدا کی بارگاہ میں سفارش فرمائیے میری معیتوں پر رحم فرمائیے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔

اے خدا میری ابھدوں کو ثابت کر دکھا اور دشمنوں سے مجھے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھانا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر غرور بیٹھا رہا۔

میں اپنی کسستی کی وجہ سے ایسے موقع پر باز رہا یہ میں نے بڑا جرم کیا جب نیک بخت حضرات

نے مجھے شہادت کے لیے پکارا تو میں حاضر نہ ہوا یا میں شہادت سے محروم رہا جبکہ سناوت و معیتوں نے جام شہادت نوش کیا۔

اے آمرزگار! میرے تصور کو معاف کر اور جو کچھ مجھ سے خطا سرزد ہوئی ہے اس سے درگزر کر۔

مجھ سے عفو و درگزر کی امید ہے۔

اگر میرے جرموں کی فرد بڑی ہے تو تیرے پاس ایسی وسیع رحمت ہے جسکی حدود نہایت نہیں۔

منفرت و عفو فرما تو بہ قبول کرتے ہوئے دشمنوں اور چٹخوروں کے ابتلا سے مجھے نجات دے۔



میری مصیبتیں اگر میرے حق میں معتد بھی ہو چکی ہوں تب بھی مظلوم کی دعا سے رخصتا ہو جایا کرتا ہے  
مجھے بد بختی میں نہ ڈال نیک بخت بنا پھر رسالت کے بعد شیقا دت کی نوبت نہ آئے۔  
ہو مظلوم تجھے پکار رہا ہے اس کی سن لے لو اس کی مصیبت دور کر کافروں نے ظلم و تعدی کا اس کے  
ساتھ برابر ٹاٹ کیا ہے۔

ان کی طرف سے میرے معائب اتہامات اور رسوائیوں کے پے در پے حملوں نے مجھے نصیبت و ناتواں بنا دیا  
تو ہی میرا وکیل ہے میرے معاملہ کو ایسے دشمنوں کے سپرد نہ کر جن کی ایذا رسانی نے مجھے مصیبت  
میں ڈال دیا ہے۔

اے خدا! ان سے انتقام لے اور انہیں رسوا کرتا کہ ان کی نسل سے میرے معائب و کچھ تلافی ہو سکے۔  
اے پروردگار! میرے دشمنوں سے انتقام لے اور مجھے پناہ دے میری مدد کر مدد فرما پناہ تیرے  
ہی پاس ہے۔

کامیابی کا مجھے مدت سے انتظار ہے اب میری امید بخت میں تاخیر نہ ہو۔  
اسے پروردگار! عجلت فرما تاکہ جلا وطنی کی تکلیفوں سے رہائی و خلاصی نصیب ہو۔  
مجھے اعتراض ہے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ بد اعمالی ہی میں مبتلا رہا۔  
میری عمر لہو و لعب میں بے کار گزری اور خواہشات نے مجھے نیکوں سے غافل رکھا۔  
کوئی ثواب کا کام نہ کر کے میرے قول و فعل میں ریاد و ناپوشی کو دخل رہا۔  
لیکن تیرا فضل و کرم وسیع ہے اسی سے اپنی بیماری امداد ہوں سے برأت کی امید ہے۔  
مجھ پر رحم فرما مجھے ایسی آذنائش سے سابقہ پڑا ہے کہ اس سے زیر کی ندامت ماسے بھی نہ  
بچا سکی۔

ساتھ سال تک تو نے مجھے امن و عافیت میں رکھا تیرے فضل سے اس مدت میں نعمتیں بڑھتی  
ہی رہیں۔

پھر چاکم میری عافیت مختل اور احتیاج مستط ہو گئی رحم فرما خیر و عطا تیری ہی جانب سے

لی سکتی ہے۔

اے میرے رب تیرے دربار میں میرے دیدے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ مہدی حیدر  
اور فاطمہ زہرا ہیں۔

اسے پروردگار جب تک سرسبز و شاداب مرغزاروں میں کہو محروم اور سبز رنگ پرندوں کی  
آوازیں گونجتی رہیں سرکار پر رحمتیں نازل فرما اور جب تک بارشیں اور مسلسل نمی زمین کو سیراب کرتے  
رہیں اللہ کی برکتیں اور رحمتیں ان سب بزرگوں پر نازل ہوتی رہیں۔

(۲)

سے محبوب! واپس آ اور ایک ایسے مریض کی عیادت کر جس کا مرض قدیم اور مستحکم ہے اور جو  
ہلاکت سے اس درجہ قریب پہنچ چکا ہے کہ دشمن بھی عیادت کو آنے لگے ہیں۔

وہ امراض کا عادی بن چکا ہے اس کے عیادت کرنے والے اس سے تنگ آکر نارہ کش ہو چکے  
ہیں حالانکہ ستار اور بالہری بھلنے والے اس کے گرد رہا کرتے تھے۔

وہ مرض ہلاکت کا خور ہو گیا ہے چارہ ساز و غمزہ بھی تھک چکے ہیں وہ عیادت گروہ اور اہل و  
عیال پر بار گراں بن گیا ہے۔

وہ ایسا مریض ہے جس کی بیماری ایسا عجز و درماندگی ہے جس کی کوئی دوا نہیں اس کے ظاہر  
مرض کی وجہ سے موت ہر وقت سامنے کھڑی ہے۔

زمانہ کی حالت پر حسرت و افسوس ہے کہ مریض کو شغایہ بے ہوشی نہیں دیتا اس کا علاج غم کی  
نیا دلی کے سوا کوئی نائدہ نہیں پہنچاتا۔

میری بیماری سخت ہے عیادت گروہ کی بار بار چہرہ فرہادی بھی ایسے مریض کو کوئی نائدہ نہیں  
پہنچاتی ہوا مرض کے ہجوم و درد کا عادی ہے۔

میرے سینے میں وہ غم و اندوہ بھر گیا جس نے اندرونی و بیرونی اعتقاد و عقائد کو بے اثر بنا دیا  
جو جلاتے ہی بھڑک اٹھتا ہے۔

اے علی شاعری میں ہم سفر و قیاس و محبوس سے شغاب کیڑا جو تیرے لیے دروغ و قصائد کی پٹریاں بناتا ہے وہ  
کے خفا ایک درخت سے بھی بڑی غارت ہوئی ہے اکیلی چھوٹی بے ہوشی ویرانہ نہیں سمجھتی۔

بہت فرق ہے اس آگ میں جس کے جلنے کی جگہ تنور کا پیٹ ہو جس کا ایندھن ہماری آئیں  
پسلیاں اور قلب و جگر ہیں۔

نیک بختی نے پشت دکھا دی اب نہ سلی ہی مصالحت کرتی ہے اور نہ سعاد وہی سعادتمندی کا اظہار  
کرتے ہوئے مدارات پر آمادہ ہے۔

میں غم اٹھاتے اٹھاتے بد صورت بن گیا ہو لوگ مجھے یوم پیدائش سے پہچانتے ہیں انہیں بھی  
شناخت میں تاثر ہوئے لگا۔

میری طاقت کم ہو گئی اور ضعف دونا ہو گیا یہ سب کچھ قوی اور جسم میں بہت زیادہ نقص کی وجہ سے ہوا۔  
میرے قلب روح جسم اور بدن کو جو مصیبتیں پہنچیں انکی وجہ سے مجھ میں قوت باقی نہیں رہی۔  
سخت مصیبت کی وجہ سے ہلاکت کو پہنچ گیا روحانی اور جسمانی اذیتوں میں گھر کر شیخ نانی بن گیا۔  
اچانک مصیبت نے آدبا یا اس نے میرے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو ٹلایا اور دشمنوں اور  
حاسدوں کو ہنسایا۔

اس مصیبت نے مجھے کمزور و ناتواں بنا دیا اور شرم و بد خصلت لوگوں کے کرنے مجھ سے زریکی  
ودانالی کو زائل کر دیا۔

رعایا فوج اور لشکر کے گرد ہول کے لیے امن کا اعلان کر کے ان نصاریٰ کی ملکہ نے بھی مکر سے کام لیا۔  
اس نے پہلے تو مسلمانوں اور بت پرستوں کی جماعتوں کو نصرانی بنانے کا قصد کیا۔  
ان سب نے اعتراض کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور اسے برا سمجھتے ہوئے دوری اختیار کر لی البتہ  
فقوے ذلیل و خلیل انہماص نے اس کا کہا مان لیا۔

انھوں نے اس کی سفید فوج پر حملہ کیا اور گردش تقدیر سے شکست کھا گئے جیسے بکریاں بھیڑیے  
اور فیرے دور بھاگتی ہیں یہی ان کا بھی حال ہوا۔

پھر اس نے ہندوؤں سے جاٹ ٹھاکروں کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا۔

انھوں نے اپنے ساتھیوں پر حملہ کر کے زیادتی سے کام لیا اپنے مقابل لوگوں سے پوری طرح تیاری



سے پیش آکر بڑا ظلم کیا۔

ان سب نے دشمن کی مدد کے لیے بہت سا سامان جنگ اور بے شمار شکر اکٹھا کیا۔  
پھر اس ملک کے پہاڑیوں سے مدد لی انہوں نے پوری رغبت اور بے جگری سے مدد کی۔  
اس نے محاربوں اور دشمنوں کی امان کے اشتہارات جاری کیے۔  
کہ پھل عمر توں اور قیدیوں کے قاتلوں کے سوا سب کو امان ہے۔  
جنھوں صلح کی آلات عرب اس ملک کے عاملوں کے سپرد کر دیتے اور فرمانرواؤں کی طرح اطاعت گزار بن گئے۔

اس نے تمام دہقانوں کو لالچ دیا جس کی وجہ سے اکثر دیہاتی اور بادیر نہیں اس کے مطیع ہو گئے۔  
ان سب کی مدد نے ان کو مسلط و غالب کر دیا جبکہ ہر سستی و بلندی پر ان کی مدد کی۔  
انھوں نے شہروں پر غارتگری کے سبب قبضہ کر لیا اور ان کے آثار و نشانات بھی باقی نہ چھوڑے۔  
وہ بلند و پست مقامات پر پہنچے اور قتل لوٹ مار اور سارے علاقہ میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا۔  
عبادت گاہوں کو منہدم اور مسجدوں کو مسمار کر دیا خدا کے بندوں کو قتل کیا اور عابدوں کی ہلاکت تک حد سے تجاوز کر گئے۔

جن لوگوں نے اس ملک کی اطاعت نہیں کی تھی ان پر ایسی بزدلی چھائی تھی کہ نہ اپنے سرور کا حکم مانتے تھے اور نہ حاکم کی بات سنتے تھے۔

ان میں سے ایک فریق کو فقر و فاقہ نے جنگ سے تھکا دیا تھا اور دوسرے گروہ کو بزدلی نے پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا۔

جب ملک نے دیکھا کہ کوئی جنگ کا خواستگار دشمن باغی اور سرکش باقی نہیں رہا۔  
تو اپنے قول سے پھر گئی اور دشمنی پر اتر آئی کوئی اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور عہد و میثاق کی رسیوں کو کاٹ دیا۔

سے اہل نیپل۔

پہلے وعدہ کر کے لوگوں کو آرزو مند بنا دیا پھر عداوت و ظلم سے کام لیا دراصل اس کا وعدہ وعید کے لیے مکر تھا۔

اس کا فزہ کے جھوٹے وعدوں اور قسموں سے دھوکے میں پڑ کر میں بھی اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ آیا۔

ہمارے ساتھیوں میں دوسرے بد پوش لوگ بھی واپس آ گئے مگر نصاریٰ نے صرف مجھے کو قید میں ڈال دیا۔

وہ مجھے قید خانے کھینچ کر لے گئے اور ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں بندھے ہوئے در ماندہ و شکستہ دل قیدیوں میں شامل کر دیا۔

وہ بڑے جفاکش قیدی تھے قید خانہ کے در بالوں اور نگہبانوں کی بے انتہا سختی اور ان کے مزاج کی تیزی برداشت کرتے تھے۔

بدخو اور درشت مزاج نگہبانوں کی محنت و مشقت نے ان کے بدن پر کھال نہ چھڑی تھی اور جلاد کے کوڑوں نے بدن کی کھال پھاڑ دی تھی۔

دشمنوں کی جماعت نے دشمنوں کو اور مجھے جمع کر دیا اور میرے اعضاء کو جدا کر دیا۔ جن لوگوں سے مجھے امیدیں تھیں وہ اعراض کر گئے اور میرے دوستوں اور ساتھیوں کو مجھ علیحدہ رکھا گیا۔

میرے اور اعزہ کی درمیان بدلتی حالت ہو گئی اور اولاد و احفاد کے فراق نے مجھے غم میں ڈال دیا میں غمگین و حزیں جیل میں پہنچا دیا گیا میرے پاس میرا کوئی رفیق یا دوستگار بھی نہ چھوڑا گیا میرا وعدہ باس اماں قیدیوں کے کپڑے پہنا دیتے میرا گوشہ اور کپڑے پھین لیے۔

انہوں نے سخت موٹا اور چھپنے والا بستر ایسے راحت پسند شخص کو سونے کے دیا بھو زم بستر

کا عادی تھا۔

میں نے پیاس کی شکایت کی تو گرم اور کھاری پانی پلایا اور ایسی غذائیں جیسا کہیں بن کا میں کبھی

عادی نہ تھا۔

میرے قید کرتے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس کے ساتھ جلا وطنی مسافرت اور اہل وطن سے دوری کا بھی اضافہ کر دیا۔

مجھے اور دوسرے قیدیوں کو جہاز پر سوار کر کے لے چلے اور وہ جہاز سمندر کی مہموں سے ہچکولے کھاتا چلتا تھا۔

اور مجھان قیدیوں کے ساتھ ایک دور دراز پہاڑی پر اتار دیا جہاں کسی کا وہم و گمان بھی نہ پہنچتا تھا۔

ہمارے قید کرنے والوں نے ہم پر ظلم روا رکھ کر ہماری دید سے لوگوں کو محروم کر دیا اور ہمارے درمیان ایسے سمندر کا کنارہ حائل ہو گیا جس میں پانی کے جوش سے جھاگ پیدا ہوتے تھے۔

وہاں کی ہوا اپنی خرابی کی وجہ سے جان نکال لیتی تھی وہ اس ہلاکت خیز آندھی کی طرح تھی جو قوم عاد پر اس سے قبل بھیجا جا چکی تھی۔

اس میں آرزوئیں پامال اور موت عام تھی اور کسی میت کے لیے دفن و قبر کا کوئی انتظام نہ تھا۔

غسل کے بادل قسم قسم کے رنج و الم برساتے رہتے ہیں اور وہ بادل صبح و شام در شب کراتے جلتے رہتے ہیں۔

وہاں کبھی دن میں سورج کی روشنی نظر آتی ہے مگر چھپنے والے چاند تاروں کی رت میں چمک۔

میرا دن رات کی طرح ہے اور میری رات کو دھام ہے سہماں پر ستارے ایسے رکے ہوئے

ہیں جیسے میخوں میں انہیں باندھ دیا گیا ہو۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ ہماری تاریک راتیں روشن دن کی طرح تھیں اور ہمارے دن عید کے دن تھے۔

میری ربائی کے لیے کیا حید ہو سکتا ہے جو زمین میرا بار اٹھاتے ہوئے ہے اس کے سارے

دستے مسدود ہیں۔

مجھے چھٹکارا کیسے نصیب ہو سکتا ہے میرا دشمن ظالم و بد خو ہے اس کا فری خرابی ہو جو خدا کا

بھی منکر ہے۔

مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے نصیحتیں تے ایسے زندیقوں کو آمادہ کیا جو ان کے مقرب ہیں اور وہ بھی جن سے ان کے اتحاد کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔

وہ غصے میں آپس سے باہر ہو گئے اور میری اذیت رسانی میں ہر ممکن جدوجہد سے کام لیا۔ پسلی دشمنی برقی اور بغض و کینہ کا اظہار مظاہرہ کیا۔

انہی مہیروں کے انقطاع پر میں ناامید و مایوس ہو گیا اور فکری کے جال میں پھنسے ہوئے ہمدہ کی طرح حیران و پریشان۔

میری حالت اس ہل سے مٹا بہ تھی جو فکری کی لکڑی سے موقع فکار کے خوف سے معالمت کر بیٹھا ہو۔

میں نے چند لوگوں سے ان قحط زدہ افغانوں کی سی امید باندھی جو ایسے بادلوں سے جو گرج اور چمک کر چھٹ گئے ہوں امیدیں باندھ لیتے ہیں۔

میں نے خدا کے سوا سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اس کے سوا کسی دوسرے سے بخشش و امداد کی امید نہیں ہے۔

اس بادشاہ عادل کی رحمت کا ہی میں امیدوار ہوں جبکہ ذکر میرا سرزبان آمد میرا ورد ہے۔

وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا حیا رکھنے والا اور پکار نیوالوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئی والا ہے ہلاکت زدہ اور مظلوم و مضطر کی دعا رو نہیں کرتا ہے۔

وہ کمزور قیدیوں کو ایسے جابر متکبر اور سخت انانوں سے نجات دلاتا ہے جو داوی میں ہتھکڑوں کو کھٹنے والے ہیں۔

وہ فرعون و شداد جیسے سخت و جابر بادشاہوں پر کمزوروں اور عاجزوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

اس معیبت زدہ کیلئے مہاجر کا کوئی حیلہ و سبیل نہ ہو اور جس کی رہائی کے لیے نہ کوئی فدیہ ہو اور

نہ احسان خدا کے سوا کوئی چارہ ساز ہے۔



اے پروردگار اس عاجز و خستہ کو ستودہ صفات احمد و حماد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل میں  
کافر دشمنوں کے چنگل سے نکال۔  
تو نے انہیں تمام مخلوق کی طرف رہبری و ہدایت اور عطا و اعانت کے لیے رحمت عالم بنا کر  
بھیجا ہے۔

وہ مصیبت و عذاب روکنے کے لیے پکارنے والوں کے فریاد رس روز قیامت میں ہماری پناہ  
گاہ اور مجلس میں بڑی سخی و جواد ہیں۔  
وہ گمراہ کے لیے ہادی و بینا کے حامی فریادی کے بندو گار سفارش چاہنے والے کے شفیع اور  
سائل کو عطیات سے نوازنے والے ہیں۔  
ظلم سے شاکہ پڑوسی کے محافظ ہیں امداد چاہنے والے کے معاون اور طالب عطا کے لیے سخی ہیں۔  
وہ خوشخبری سنانے والے ہادی ہیں راہبوں نے ان کی آمد کی اطلاع حالت خوف میں پہنچائی وہ بھی  
طرح بہود نے۔

انھوں نے ہر گم کردہ راہ کو سیدھا راستہ بتایا اور ہر ٹیڑھے کو سیدھا کر دیا۔  
وہ غمگین کے فریاد رس و طالب بارش کے لیے بادل گھاٹ پر اتارنے والوں کے لیے دریا چارہ اور  
پانی کے مسئلہ کے لیے دسر بنرا میدان ہیں۔

وہ دریا ہیں ان کی شریعت روشن اور صاف ہے جس کے احکام پیاسوں کے لیے شہر میں چشمہ ہیں  
وہ بڑے نیک اور سخی ہیں بھوکوں کا ان کی انگلیاں پیٹ بھٹی ہیں جب انگلیاں سخاوت پر تڑپتی ہیں  
تو تشہ بھول کی پیاس پر غالب آجاتی ہیں۔

آدم علیہ السلام کی بزرگی میں ان کی وجہ سے اضافہ ہوا تو تعجب کیوں ہے بہرے سے آباد جہاد نے  
اپنی اولاد کے مجدد و مژد کے باعث بلند مرتبہ پایا ہے۔

وہ خاتم النبیین ہیں نبیوں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں مخلوق میں اولیت کا ثمرت انہی کو حاصل  
ہے اور انہی کی روشنی سے سب سے پہلی ایجاد ہے۔

ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ اور دہشتی دنیا تک رہنے والا ہے۔

انہوں نے حکمت و ملی مضبوط اور فیصلہ کن کتاب کی تلاوت کی وہ کتاب تلاشی حق کے حق میں اور  
فکری کے خلاف فیصلہ صادر کر لی ہے۔

رسولوں نے ان کے امتی بننے کی مثالیں بارگاہ میں دعا کی معایات میں اسناد کے ساتھ اس کا تذکرہ

موجود ہے۔

انہوں نے امت وسط شاہد عادل دامت محمدیہ میں شمار ہونے کی دعا کی جو کہ تمام سابقہ احوال  
پر قیامت کے دن گواہ بنے گی۔

ان میں سے بہت کی آرزو لپری نہ ہوتی اور بعض اپنی مراد کو پہنچے۔

کس قدر قابل عظمت ہے۔ ان کی شریف بزرگ نجیب اور بلند مرتبہ اولاد

ان کے صحابہ نے دین کے لیے جہاد کیا معاونت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور اس سلسلہ میں  
طرح طرح کی کوششیں کیں۔

اے مخلوق کے سرور اور اخلاق میں سب سے بلند و بہتر امیڈوں کے بہترین سہارے اور تمام  
اہل سخاوت سے بلند مرتبہ رکھنے والے۔

میں آپ پر قربان! مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے بخشش سے نوازیئے اپنی عطا سے میری شغفتوں  
اور غموں کی تلافی کیجئے اے جو د عطا کے مالک!

مجھ پر کرم کرتے ہوئے خدا سے میری سفارش کیجئے کہ مجھے جلا وطنی اور قید تنہائی کی مصیبت  
و آذیتوں سے نجات دے۔

اور جلد سے جلد میری ال پریشانیوں اور اذیتوں کو دور کرے جو حد شمار سے متجاوز ہو چکی ہیں  
اور مجھے عجلت کے ساتھ اپنی عاقبت میں لے اور میرے غم کو سرور اور شفاوت کو سعادت سے  
بدل دے۔

اے میرے محافظ و رہنما اس بات کی بھی دعا کیجئے کہ خدا میری موت آپ کی امامت گاہ کے

ہزار میں شہادت کی موت مقدر کر دے۔

میں آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں اپنے کرم سے میری مدح و ستائش قبول فرمائیے۔  
 تاکہ اشعارِ خواتی کی بدولت میں اپنی مراد کو پہنچوں۔  
 آپ پر اللہ کی پاکیزہ رحمتیں نازل ہوئی رہیں جب تک سرسبز و شاداب مرغزاروں اور قمریوں کی  
 کھانزیریں گونجتی رہیں اور گاتے والے گاتے رہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ نے آخر میں تحریر فرمایا :-

”یہ دونوں قصیدے رجب ۱۲۸۷ھ میں بحالت اسیری جزیرہ دبائی میں تمام ہوئے اللہ تعالیٰ  
 اپنی رحمت وسیعہ اور قدرت بدیعہ سے اپنے حبیبِ امّ اس کی آل طہار لور اولاد امجاد کے طفیل اس  
 دبائی جزیرہ سے نجات دے ان سب پر اللہ کی روشن نعمتیں اور پاکیزہ رحمتیں نازل ہوں۔“

ان دونوں قصیدوں کو پڑھتے اور بار بار پڑھتے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھو۔  
 ان میں طلاقتِ لسانی کا جو ہر ہے، دعوائی من ہے، زورِ کلام ہے، اند ہے، خلوص ہے۔  
 سچائی ہے، جذبہ ہے، عقیدت ہے، اور ان سب چیزوں نے مل کر ایک ایک نکتہ کو دکھایا ہے۔  
 ہنگامہ بنا دیا ہے۔

ان قصائد میں آپ بیٹی ہے، جگ بیٹی ہے، سیرت ہے، عمل سیاست ہے، تاریخ ہے  
 بیٹی ہوتی دیکھی ہوئی، گزری ہوئی ادب ہے، فصاحت ہے، بلاغت ہے، جادو ہے۔  
 ان من البیان لہو

ان میں دعا ہے، عرضِ نیاز ہے، پیمانِ وفا ہے، ائمہ ان خط ہے، امیر  
 کرم ہے۔ حمدِ الہی ہے، نعتِ رسول ہے، منقبتِ اہل بیت اطہار ہے، اور  
 ان سب چیزوں میں وہ کھربین، وہ سچائی وہ راستی ہے، جن نے الفاظ کو برق بنا

دیا ہے ۛ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے  
پر نہیں — طاقت پر دواز مگر رکھتی ہے

---



## بعد غدر کے چند دلی والے

تہہ یہیں مٹتی ہیں۔ مرنے میں فنا ہوتی ہیں لیکن یہ عمل تدریجی ہوتا ہے۔ دلی کی تہذیب بھی مٹی  
لیکن رفتہ رفتہ، غدر سے پہلے یہ تہذیب اپنے شباب پر تھی غدر کے دوران میں اس کے کلوٹے ہارک  
پر خنجر ستم چلا اور غدر کے بعد برٹ گئی لیکن آگ بجھنے کے بعد کی ناکسرتاتی رہ باقی سہہ اللہ اس کا کستر  
میں ایک آدھ چنگاری اس کی نظر باقی رہے غدر کے بعد جو خاک تریاتی رہ گئی تھی اس میں کچھ چنگاریاں بھی  
تھیں اور بالآخر یہ بھی فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔

بہلا ہے جسم جہاں دل بھی مل گیا ہوگا

گر دیتے ہو جواب خاک جستہ کی ہے

لیکن، فہرہ ہونے سے پہلے ان پنہ چنگاریوں کی چمک، دلچہ بیجے

مسلمان فقیر اور فرنگی امیر | جامع مسجد دہلی کے مشہور امام شمس العباد مولوی سید امداد  
احمد صاحب نے بیان کرتے تھے کہ غدر کے

بعد کوئی فرنگی یا جامع مسجد دیکھنے کے لیے آیا جامع مسجد کی سڑکیوں پر جب ملنے والے اب بھی بیٹھے رہتے ہیں  
اس فرنگی نے بڑا نکال کر انھیں بھیک دی اور پڑا گیا، پھر گھر پہنچا تو بڑا ناخوش پایا، بڑے سے بڑے ہنس ہار  
اشرفیاں تھیں :

دو تین دن گزار کر فرنگی کا جمی پھر جامع مسجد کی سیر کو چاہا سیر میں یہ تہہ دکھاتا تھا کہ ایک عبادی  
نے پکارا صاحب ! یہ تمہارا بڑا تو نہیں ہے اس روز یہاں پڑا تھا ”فرنگی نے بڑے سے بڑا اشرفیہ  
گئیں اور ایک اشرفیہ بعد انعام بھکاری کی طرٹ بڑھائی، بھکاری نے گردن ہلائی اور ماتھے سے فرنگی  
کا ماتھہ روک دیا فرنگی نے پوچھا اور چاہیے، بھکاری نے کہا اور کیوں مجھے کچھ نہیں چاہیے :

فرنگی کو تعجب ہوا کہ یہ کس قسم کا بھکاری ہے اول تو اسے بٹو اور پس کرنے کی کون سی محوری تھی اب انعام بھی نہیں لیا، سوال کیا تم اتنے ایماندار اور مستغنی کیوں کہہ ہو گئے۔ بولا ایماندار اور مستغنی کیا ہوں پس یہ گوارا نہیں کہ میرے پیغمبر کی تمھارے پیغمبر کے سامنے یہی نہ ہو تمھارے پیغمبر نے کہیں چھڑ دیا کہ آپ کے امتی نے سہارے امتی کی اشرفیاں بھجیا لیں یا آپ کی امتی نے اپنی ایمانداری کا صلہ اٹھیٹھ لیا تو میرے پیغمبر کو شرمندہ ہونا پڑے گا، لہذا اشرفیاں آپ ہی کو مبارک ہوں۔

ایک صاحب تھے یہ محمد یعقوب ان کی نشست و برخاست ایسے گلوں میں تھی کہ ننو چچا ننو عرف پڑ گیا تھا میں نے انہیں بچپن میں دیکھا ہے میرے والد کے ہم عمر تھے اور خاصے قریب

کے رشتہ دار۔

ایک دفعہ سہارے مکان سے ملی ہوئی ہماری کئی دکان خالی تھی اس میں ننو صاحب آبرائے والدہ گھبراہٹ کر قفل نہ لگا دیں والد السبیلہ لازمات باہر تھے انھیں خط لکھا اور پوچھا کہ اس آفت ناگہانی کا کیا علاج کیا جائے والد نے جواب دیا کہ محمد یعقوب دنیا بھر سے بڑے ہوں ہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے اور جب تک دکان میں رہیں رہنے دو۔

یہ محمد یعقوب عرف ننو جگت چچا تھے اپنے پرانے چھوٹے بڑے سب کے چچا ننو، مرتے مرتے رنڈیوں کے یہاں جانا نہ چھوڑا، اونچی اونچی ڈیرے دار رنڈیاں ان کا ادب کرتی تھیں کبھی کسی کی نانی وادی سے تعلق رہا ہوگا اب تو رنڈیوں کے بھی چچا تھے گرمی کے موسم میں رات کے دو بجے نوئی گانا سنوانے کی فرمائش کر دیتا، بڑھیا سے بڑھیا گانے والی کے ماں پہنچ جاتے اور وہ سوتے سوتے اٹھتی اور خوشی خوشی گانا سناتی،

چچا کیا رنڈیوں کے تو پیر تھے جب رنڈی کی لڑکی گانا سیکھ چکی تو پہلا مہجر اس کا چچا ننو کے مکان پہنچا، روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے نہیں برکت حاصل کرنے کی غرض سے — مرنے کے بعد سات سال رنڈیوں نے چچا ننو کا عرس کیا۔

چچا ننو خود تو رنڈیوں کے یہاں جاتے تھے لیکن ان کے کسی عزیز یا ہم محلہ کی مجال نہ تھی کہ

ہڈی کے ہاں قدم دھرتے زندگی کے لیے جاننا ضروری تھا کہ فلاں شخص تنہا کا عزیز یا ہم محلہ ہے پھر اسے گھسنے نہ دینی تھی ۛ

چچا تنہا نے ممکن ہے اپنی زندگی تباہ کی ہو مگر بے شمار زوجہوں کی زندگی کو تباہی سے بچا دیا۔

۱۹۱۱ء کا واقعہ ہے خواجہ حسن نظامی صاحب کے ایک

**قلعہ بنتے بنتے ڈھے گیا** | نہایت بلند مرتبہ دوست لاہور سے واپسی تشریف لائے

خواجہ صاحب اس زمانہ میں میرے مہمان تھے ان دوست نے بھی غریب خانہ کو سرفراز فرمایا۔ ہم دونوں ان کے استقبال کے لیے ریلوے اسٹیشن گئے، پلٹ فابم پر چلتے چلتے انھوں نے مسکرا کر کہا: "واحدی صاحب واپسی کی کسی عورت سے شادی کرادو، یہاں کے قلیوں کی زبان اس قدر شیریں ہے تو خواتین دیگر کی زبان کیسی ہوگی؟" ۱۹۱۱ء تک واپسی ریلوے اسٹیشن کے سب قلی واپسی کے تھے میں سمجھا مذاق کر رہے ہیں مگر گھر پہنچ کر بار بار اسی طرح اصرار ہوا کہ خواجہ صاحب کے مشورے سے میں نے کیا۔ عزیز سے تحریک کر دی کہ اپنی بھتیجی کے واسطے کوشش کیجئے، میں بھتیجی کے باوجود انہیں مر گئے لیکن انھوں نے فیصلہ اپنے چچا پر چھوڑا۔ میں ساتھ تھا جب عزیز نے چچا سے گفتگو کی ہے عزیز کے آثار چڑھاؤ بہت کو مبالغہ ہے اور قریب تھا کہ منظور ہی مل جائے۔ اتفاقاً ان کی زبان سے یہ فقرہ نکلا: "ایسے شخص سے رشتہ ہو جائے جہاں عزت میں اضافے کا موجب ہو گا۔" میں نے اس فقرے کو پکڑ لیا، بولے: "ان صاحب کا نام میں نے سنا ہے مشہور اور ممتاز آدمی ہیں بے شک ان سے رشتہ ہو جانے سے جہاں عزت بڑھے گی گمراہی دے کر ہم نے عزت کبھی نہیں بڑھوائی باقی تم جوں اور تمھارے جہاں بائیں قلعہ بنتے بنتے ڈھے گیا ۛ

دل میں بخش کے کرے گئے۔ سامنے ایک صاحب کی کنکڑوں پٹنگوں اور شکلوں

**مرزا اچھاتی** | کی دوکان تھی یہ صاحب کنکڑے پٹنگیں اور شکلیں بناتے تھے اور اڑاتے بھی

خوب تھے پٹنگیں کنکڑے اور شکلیں بھیجتے بھی تھے اور اڑانی بھی سکھاتے تھے اسی پر ان کی گنداوت تھی اکیلا دم تھا کچھ آدمی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے چار مہینے ہمارے کے بنگلہ کے کمرے والی



دوکان پر چار مہینے گرمی کے اجیر شریف میں چار مہینے برسات کے قطب صاحب (مہرولی) میں جہاں جاتے وہیں کٹکڑے، پتلیں اور تگلیں بناتے اور بیچتے اڑاتے اور اڑانا سکھاتے،

دوسرا شغل اور شوق شعر کہنے اور شعر سننے کا تھا بالکل بے پڑھے لکھے تھے شعر کہتے اور کسی آنے جاتے سے فرماتے "میاں ذوالینا یہ قلم دوات کا غذا ایک شعر گھٹیتے جاؤ" اتنے میں دوسرا شعر بھی لکھ لکھوا کر اس سے لکھوایا، غزل پوری کرائی حفاظت سے رکھ دی بہترین غزلیں تو شعر نقل کرنے واسطے کھا گئے اور اپنی بنا بیٹھے اس پر بھی مرتے وقت خاصا بڑا دیوان چھوڑا تھا، کام ہی وہ تھے کٹکڑے بنانا اور شعر کہنا،

بے پڑھے لکھے ہونے کے ساتھ تو تھے بھی تھے اور پوچھے بھی لوگ ان کا اس لیے لحاظ کرتے تھے کہ شجرہ نسب بغیر شک و شبہ اکثرانی سے ملتا تھا وہ شاعروں میں جاتے تو عزت سے بٹھایا جاتا اور شعر پڑھتے تو سنانے پر کوئی نہ ہنتا، کہیں مسکراہٹ دیکھ لیتے تو تیسری خون جوش میں آجاتا بگڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے، مگر کا نام تو مجھے یاد نہیں عرف مرزا خضر تھا جسے وہ مرزا فطرد کہا کرتے تھے لیکن عام طور سے مرزا چپاتی کے عرف کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے،

میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت امیر خسرو کے عرسوں میں ہمیشہ جاتا کرتا تھا یہ وہی عرس ہیں جنہیں دلی واسے بڑی سترھویں اور چھوٹی سترھویں کے ناموں سے یاد کرتے ہیں عرسوں میں سب کچھ روا ہے قرآن خوانی بھی ذکر و شغل بھی، قوالی بھی، بازاری عورتوں کے ناچ گانے بھی کہیں تماشے بھی اور مشاعرے بھی جس طرح قوالی اور ناچ گانے جگہ جگہ ہوتے اسی طرح شاعرے جگہ جگہ ہوتے تھے چند شاعر اور شاعروں کے قدردان جہاں بیٹھ گئے وہیں مشاعرہ جم گیا،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ سے تھوڑی دیر پہلیوں کا مقبرہ ہے تھوڑی کاہٹ ملدہ درگاہ سے مقبرے تک پھین جاتا تھا، مقبرے سے متصل حضرت خواجہ صاحب نظام الدین اولیاء کے رہنے کا مکان ہے اور خالقہ ہے گیا اس جگہ سے لے کر جہاں حضرت بعد وصال رام میں ہیں اس جگہ تک جہاں زمانہ سیات میں تشریف رکھتے تھے عرس کے مناسب نامناسب مراسم ہتے ہیں



خالفہ کے ایک حجرہ میں جو حضرت کا کبھی کتب خانہ تھا آج سے باون تریسین برس پہلے ایک ترحویں  
میں مشاعرہ ہوتا تھا، میں پھرتا پھرتا وہاں پہنچ گیا، مرزا چچا قاتی غزل پڑھ رہے تھے غزل تو کیا یاد  
ہوتی لیکن غزل کا ایک شعر ایسا تھا کہ بھلائے نہیں بھولتا، ارشاد ہوا ہے

میں سر جھکا کے سوئے جہنم چلا ہی تھا  
کچھ رحم آ گیا مرے پردہ دگار کو

۵۔ برس پہلے میں نے دلی کے ایک بوڑھے ہندو سے یہ فقرہ سنا تھا بوڑھے مسلمان دوست  
سے نصحت ہونے لگے تو بولے "بھائی جو دم گندوائے غنیمت رہنے جام بریز ہو چکا پھینکنے کی دیر ہے"  
۵۔ برس پہلے کی ایک حال خوری ہوئے لڑھی تھی لڑتے لڑتے کیا کہتی ہے "مرتا تلف چلائے جا  
با منھ میں جھاڑو ٹھونس دوں گی، معلوم ہو گا کہ دمدار مارا نکل آیا +  
۵۔ برس پہلے کے محل شاہزادے کی زبان کا اس سے نوازہ کیجئے مرزا چچا قاتی بہر وقت چھوڑوں گا  
مینہ برساتے رہتے تھے +

ہندوستان کہانی قیسے اور ڈرامے کا ملک ہے کہوں قیسے  
اور ڈرامے سے ہندوستان کو پورا تعلق ہے ہندو مذہب کی

## میر باقر علی داستان گو

بقا بڑی حد تک کہانی قیسے اور ڈرامے کی ہے ہندوؤں کا مجمع رقصے والی اکثریتیں کہانیوں، قصوں  
اور ڈراموں کی شکل میں لکھ دی گئی ہیں جنھیں ہر ہندو دلچسپی سے پڑھتا اور سنتا ہے اور ڈرامہ بہر تو  
آنکھوں سے دیکھتا ہے +

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی واقعات اب سبقت آموز قیسے کے پیرائے میں بیان  
کیے گئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کے قصے بھی قرآن مجید میں موجود ہیں ماننا ہے کہ اس اسلام بھی قیسے کہانی  
سے بالکل بے تعلق ہو گز نہیں ہے قرآن مجید نے ان واقعات کا نام خود قصص "رکھا ہے۔ اور مسماہ  
با شماروں نے اپنے عروج کے زمانے میں قصے کہانی کو ایسا اپنا یا تھا کہ معلوم ہوتا ہے قیسے کہانی کا جتنا  
شوق انھیں ہوا اتنا شوق کسی کو نہیں ہوا

مشہور عربی کتاب ”الف لیله“ جس کا دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے اس طویل قصے کا مجموعہ جو ہزار رات مسلسل خلیفہ ہارون رشید کے سامنے لگا گیا تھا :

داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا وغیرہ کی طویل و عرضی اور ضخیم مجلدات بھی مسلمان بادشاہوں اور ان کے خوشہ چینوں کے شوق کا نتیجہ ہیں۔ پندت رتن نامہ کے فسانہ آزاؤ کو بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔ قصے لکھ کر بھی سنائے جاتے تھے اور زبانی بیان کر کے بھی زبانی سنانے والوں کی آخری ٹہلوی یادگار کا نام میر باقر علی تھا۔ میر باقر علی کی باپ دادا اناٹان مغلیہ کو زبانی داستان سنانے پر مقرر تھے اور اپنے فن میں پڑھنے رکھتے تھے داستان گوئی میر باقر علی کا موروثی حصہ تھا اور داستان گوئی انھیں گھنٹی میں گھول کر چلی گئی تھی :

میرا لکھن تھا اور میر باقر علی ادھیر تھے میں نے انھیں پہلی مرتبہ نامور اخبار نویس سید جالب مخدوم کے ہاں دیکھا پھر میں ادھیر ہو گیا اور میر باقر علی بالکل ضعیف اتنے طویل زمانے تک مجھے بلنے کا اکثر و بیشتر اتفاق ہوتا رہا اور میں نے سینکڑوں داستانیں ان کی زبان سے سنی ہیں :

میر باقر علی معنی سے آدمی تھے۔ وہاں پان تہ بھی معمولی تھا لیکن داستان کہتے کہتے کبھی کسی بادشاہ کا ذکر آ جاتا کہ اس نے یہ کہا اور وہ کہا اور یہ دیا تو بادشاہ کی کہن اور بادشاہ کا حکم اس شان اور ایسے لہجہ میں ادا کرتے کہ گمان ہوتا کہ اس وقت ہمارے سامنے کوئی دہلا پلا داستان گو نہیں ہے بلکہ ہم واقعی ایک قہار بادشاہ کے دربار میں ہیں اور اسے بولنا دیکھ رہے ہیں اسی طرح اگر ظالم ڈاکو کی نقل کرتے تو میر باقر علی میں اور ڈاکو فرق نہ رہتا تھا۔ پھر اگر کسی شریف معمر عورت کی بولی بولتے تو شریف بڑھیوں کی گفتگو کا انداز اختیار کر لیتے۔ دانت ہوتے ساتے بے دانتوں کے بن جاتے اور سرائے کی بھٹیادی کا خاکہ اڑاتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ہم سرائے میں بیٹھے ہیں اور ہمارے سامنے بی بھٹیادی کل افشانی فرما رہی ہیں :

اردو کے علاوہ ہندوستان کی کوئی دوسری زبان یا عربی فارسی کے فقرے داستان میں بولنے پڑ جاتے تو ان زبان کی طرح بولتے اور لطف یہ تھا کہ لوگ میر صاحب کے ان کمالات سے مرعوب

جو جاتے اور کبھی محظوظ ہو کر بے اختیار واودیتے، لیکن میر صاحب کے چہرے پر ان تمام تاثرات کا اثر نہ آتا وہ مشین کی طرح اپنا کام کیے چلے جاتے اور داستان کو چھوڑ کر کسی اور بات کی طرف متوجہ نہ ہوتے البتہ جب داستان ختم کر چکے تو واودا کا نہایت مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کرتے :

میر باقر علی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی معلومات کو آخر عمر تک بڑھاتے رہے، ان کی باضابطہ تعلیم کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن میں نے انھیں داستان گوئی کے علاوہ ہر علم و فن کے ادیبوں سے باتیں کرتے دیکھی۔ جسے زبان تو اپنے مقابلہ میں صلی چاہتے، ہند کر سکتے تھے لیکن مسدوم ایسا ہوتا تھا کہ ہر علم و فن میں انھیں بہت بے نیکیوں میں نے انھیں داستانوں میں بھی بڑے دلچسپ طریقہ سے علمی و فنی نکات شامل کرتے دیکھا، خصوصاً طبیعات، علم الارض، علم الکائنات، طب جسمانی و روحانی کا ایک سادہ اور نکتہ کے بغیر ان کی داستان پوری نہ ہوتی تھی۔ لکیر کے غیر نہیں تھے یہ نہیں تھا کہ چند استعارے انھیں تحفہ تھیں اور ان کی کو دہرایا کرتے تھے بلکہ ان کی داستانیں بنیاد ہوتی تھیں :

دہلی کا ہر رئیس خواہ ہندو ہو خواہ مسلمان ان کی قدر کرتا تھا، ہر کسے امرا و دروہا اور راجا اب بھی انھیں بلاتے تھے، اودھ کے ذی علم اور فیاض رئیس راجہ نوشاد علی خان مرحوم علی شریف رکھتے تھے تو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے کے رین بیر سے میں میر باقر علی کو ایک بار دو چار بار ضرور سنتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ داستان گوئی میر باقر علی پر ختم ہو گئی، میر باقر علی کمرے میں تھے، سہمی اعتبار سے بھی شریف اور ذاتی اعتبار سے بھی شریف کوئی ان کی شرافت کو نہیں : رگ سنا تھا وہ راجہ الوالوں اور بڑے بڑے امیروں و میوں کے میں جاتے تھے اور حیثیت داستان گو ہوتے تھے لیکن ایک دفعہ ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے خود دہلی کو ملے سے ویاہر وہ فرق مراتب کو سمجھتے تھے اور آدمی کو پہچانتے تھے کوئی نو بڑھیا اور ان گڑھ امیر مدد سے نکلنا تو داستان گوستان میں اس کی خبر سے ڈالتے اور بغیر کچھ بیٹے اس کے ہاں سے چلے آتے تھے جب ان کے پاس پیسہ نہ ہوتا تو ایک تنکا پر جانتے تھے ان کے ذریعہ گزارہ کر لیتے مگر ضرورت مندی کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے حتیٰ کہ خود ہی کوئی انھیں داستان کہنے کے لیے بلاتا، چھایہ ایسی کرتے تھے کہ شاید اب کوئی دسی کر سکتا ہو



ہمیشہ اہل لباس پہنتے، دلی کا انگرکھا، لکھنؤ کی دو پڑی ٹوپی، تنگ مودی کا پاجاما، اچھے کاریگر کے ماتھ کی بنی ہوئی چڑے کی نازک اور خوبصورت جوتی، خندہ پیشانی تھے، بااخلاق تھے، طے جلتے میں اور سر معاہدے میں پابند دفع پڑھاپے کی وجہ سے جب کہیں آنے جانے کے قابل نہ رہے تو اپنے گھر پر جمعہ کے جمعہ یا اتوار کے اتوار داستان کہنے لگے تھے، لوگ جوق درجوق وہاں پہنچتے تھے اور حسبِ مقتدرت ان کی خدمت کرتے تھے، میر صاحب نے ایک دفعہ فرمایا میں نے عمر بھر میں فقط ایک مرتبہ چمکے کھایا ہے اور آدمی کے سمجھنے اور پہچاننے میں غلطی کی ہے اور اسی دن سے مجھے زیادہ احتیاط کی عادت ہو گئی ہے، یہ واقعہ خاص لطیفہ ہے اس لیے بیان کیے دیتا ہوں۔

میر صاحب کو ریاست پٹیالہ میں کسی رئیس کے داستان کہنے کو بلایا، میر صاحب نے سوچا ایک کے مان تو داستان کون کا رہی کیوں نہ یہاں کے دو چار اور امیروں سے بھی مائدہ و طعام و ہیر و استمان کمالیں تو عاصی اچھی رقم اس شہر سے مل جائے گی، چنانچہ داستان شروع کرنے سے پہلے اور داستان کہنے کے دوران میں جو فائدہ کھاؤ آدمی آتا میر صاحب اس سے ایسا بردا کرتے جس سے وہ ان کی طرف متوجہ ہو جاتا آنے والے ایک صاحب انہیں بہت ہی ذی شان نظر آئے، نہایت قیمتی کپڑے اور کوٹ پہنے خوب اعلیٰ شلو، سر پر گہری لمبے ترنگے، وجہ میر صاحب نے ان کا سب سے زیادہ کا تپاک سے استقبال کیا ان صاحب نے بھی توجہ سے استقبال کا جواب دیا میر صاحب سمجھے یہ شخص میری نہیں خلیق بھی ہے میر صاحب نے انہیں مسند پر بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ میر صاحب کے قریب بلکہ میر صاحب سے کسی قدر نیچے جگہ بیٹھ گئے، میر صاحب کو خیال ہوا کہ اس میر میں اللہ تعالیٰ نے انکا بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہے غرض میر صاحب دورانِ داستان میں ان صاحب کی طرف خاص التفات کرتے رہے انہوں نے بھی میر صاحب پر اتنی نظر کر م رکھی کہ میر صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہ میر صاحب سے بڑا تندرہ و ان نکلا اد یہ اپنے ہاں میری داستان ضرور کھلائے گا۔

جواب داستان ختم ہوئی تو میر صاحب نے ان صاحب سے دریافت کیا کہ حضور کا دولت خانہ یہاں کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی پٹیالہ کے نزدیک ہی ایک گاؤں ہے، میں وہاں پٹواری ہوں میر صاحب



کو سناٹا اگیا اور میر صاحب کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اس وقت سے میر صاحب نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی لالچ کر کے ذلیل نہ ہوں گا، میر صاحب کس طرح بولتے تھے اور بولنے میں ان کے کیا خوبی تھی اسے وہی شخص جان سکتا ہے جس نے انھیں بولتے سنا ہے میں اس سے زیادہ اسے آپ کے ذہن نشین نہیں کر سکتا، جتنا میں نے ذکر کر دیا، لیکن یہ حقیقتاً دیا کا ایک قطرہ ہے بولنے کے مقابلے میں میر صاحب کی تحریر بہت کم ذرا ہے کی تھی تاہم ایک تحریر کی چند سطریں نمونہ پیش کرتا ہوں داستان کتے کہتے نئی بیاہی لڑکیوں کو سمجھاتے ہیں۔

” شرم کا دستور اس لئے مقرر ہے کہ تم خاموش رہ کر دیکھو کہ اس گھر کا طریقہ کیا ہے مزاج کیسے ہیں عام عادتیں کیسی ہیں جب تم کو ان باتوں کا علم ہو جائے تو اس وقت اپنی زندگی کا فیصلہ کرو اور یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ یہ ماں باپ کا گھر نہیں ہے یہاں کے لوگ تم سے محبت اس طرح نہیں کریں گے جس طرح تمھارے ماں باپ کرتے تھے یہاں تبادلہ ہوگا تم اگر کسی کو آرام دگی تو وہ تم کو آرام دے گا، آدمی کا آرام اور تکلیف سب اپنے ہاتھ ہے، نظیر اکبر آبادی نے خوب لکھا ہے۔“

تو اور کی تعریف کر تجھ کو سنا خوانی ملے      کہ مشکل آسان اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے  
مہمان کر تو اور کر تجھ کو بھی مہمانی ملے      روٹی کھلا مدلی ملے پانی پلا پانی ملے

جو چاہے ملے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیا ہے  
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے  
دنیا نہ جان اس کو میاں دے یا کی یہ منجھدار  
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے

کل جگ نہیں کر جگے، یہاں دن کو دے درات ملے      کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے  
خاندان کا خیال رکھو کہ تمھاری ذات سے اس کو آرام پہنچے، جب اس کو یہ ثابت ہو جائے گا کہ میرا آرام اس کی ذات سے وابستہ ہے تو پھر وہ اپنے آرام کے واسطے تم کو آرام دے گا، خوبی تمھاری یہ ہے کہ اپنی عقل سے ہر شے کو دریافت کرو اور اتنا آدہ نہیں ہے تو نہایت ادب سے کسی

جاننے والے سے پوچھ لو، ادب انسان کے لیے عجیب زیلہ ہے خصوصاً عورت کے واسطے

ادب تاجیت از فضل الہی نہد بر سر برادر کہ خواہی

خانہ کی تمام ضروری چیزیں احتیاط سے دکھواد ہر چیز کے واسطے جگہ مقرر کرو کہ اگر رات کو بھی ضرورت ہو تو تم فوراً لے آؤ، اور اگر ایسا کرو گی کہ جو چیز جہاں پڑی ہے پڑی ہے تو آدھ تو وقت پر اس کے ڈھونڈنے میں وقت ضائع ہوگا، دوسرے جس کام کے لیے ڈھونڈ رہی ہو وہ کام خراب ہوگا اور اکثر چیزیں جالی پریشی ایک انگریز کا کیا اچھا قول ہے کہ ہندوستان کیوں برباد ہوا " اس کا سبب وہ یہ بتاتا ہے کہ ہندوستانی چیز کو جگہ سے نہیں رکھتے ۔

سسرال میں تم کو بے وجہ کوئی سخت دست کے تو یہ سمجھو کہ آدمی کا کام آدمیت ہے اس نے آدمیت کے خلاف کوئی حرکت کی تو وہ انسانیت سے گرا ہوا ہے تم نے اس کا بھی ویسا ہی جواب دیا تو تم بھی اس حد میں داخل ہوئیں اور اگر ایسا کرے تو سمجھو کہ اس کو دورہ پڑا ہے ایک حکیم کا قول ہے کہ : غصہ کی بہت دوا جنوں اور انتہا پیشانی ہے :

حضرت ذوق مہادربادشاہ کے استاد تھے کسی نے استاد کی ہجو لکھی ایک شاگرد نے استاد سے کہا کہ استاد صاحب آپ بھی جواب لکھیں استاد نے فرمایا میاں ! جس زبان سے میں خدا کا نام لیتا ہوں اس زبان سے مجھ سے گالی نہیں نکلے گی ۔

خدا نے تم کو زبان اچھے لفظ بولنے کے لیے عنایت کی ہے ۔

قدرت کو ناپسند ہے سختی زبان کی پیدا ہوئی نہ اس لیے ہڈی زبان کی

اللہ تعالیٰ اپنے جس بند سے پر عنایت کرتا ہے اسے منی آرڈر نہیں بھیجتا بلکہ اس کا خیال درست کر دیتا ہے تم ہر وقت اپنی سمجھ سے کام لو کیونکہ عقلمند کی زبان سے آگے عقل ہوتی ہے اور بے وقوف کی عقل کے آگے زبان بات جب تک تمھارے منھ میں ہے تمھاری غلام ہے اور جب منھ سے نکلی تم اس کے غلام ہو گئے اپنی زندگی غلامی میں نہ گزارو، آقا بن کر جیو :

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سسرال میں کہیں عورتیں میٹھی میٹھی باتیں کر کے تمھارے دل کا حال دریافت

کر لیتی ہیں اور پھر طوطے کی طرح آنکھیں پھیر کر ذلت کا باعث ہوتی ہیں، تم ان سے نہ ملنا، شریف اور  
پاجی میں اتنا ہی فرق ہے کہ شریف دیکھتا ہے کہ میرا نقصان ہے لیکن منہ پھیر لیتا ہے پاجی برابر سے نکلا  
اور اس نے طمانچہ دگایا، اگرچہ ہم نے اس سے پوچھا کہ ہمارا کیا قصور ہے تو ہنس کر کہتا ہے معاف کرنا  
طبیعتِ زر کی۔

چھوٹوں سے مہر و محبت سے پیش آؤ، لیکن ان کو سبیلی نہ بناؤ کہ وہ تمہارا مقابلہ کریں ایک حکیم  
کسی نے دریافت کیا کہ ہم اپنے چھوٹوں سے کیسا برتاؤ کریں تو اس نے جواب دیا کہ جو تم اپنے بڑوں سے  
جا بھتے ہو۔

کراچی میں بند روڈ پر کچھ ماؤں کے بائبل مقابل کپڑے  
مولانا محمد اسحق صاحب کی دکان ہے وہاں ایک صاحب کپڑا دکھاتے نظر آ رہے

کپڑا بیچتے ہوئے نہیں کپڑا بیچنے کا کام ان کے بھائی بھتیجے اور بیٹے کرتے ہیں ان کا کام صرف یہ  
ہے بیچنے والا جس کپڑے کو کہے اسے الماری میں سے نکال کر سامنے ڈال دیں پھر تہہ کر کے اس  
کی گتہ پہنچا دیں، خانہ دانی پارچہ فروش ہیں۔

خیر تو جس صاحب کے ذمہ کپڑا دکھانے کا کام ہے آپ کبھی ان سے بات کیجئے تمام دنیا دار  
کی باتوں میں آپ سے انھیں ایسی اہمیت ہوگی جیسی کپڑے کا جھاڑو دکھانے والے اور کپڑا انکان  
نکال کر دینے والے میں ہوتی ہے لیکن دیں دانش کا کوئی ایسا مسئلہ پوچھ کر دیکھئے جسے آپ انتہائی ذہن  
سمجھنے والے ان سے بہتر اس مسئلہ کا حل دوسرا نہ بتا سکے گا، مجھے ان بزرگ کی خدمت میں بیٹھ کر  
برس سے نیاز مال ہے اور میرا اور بڑے ذہنی علم لوگوں سے بھی تعلق رہا ہے میں نے اس قابلیت  
کا آدمی نہیں دیکھا ان کا نام محمد ایوب ہے افسوس ہے لکھنے کی مشق نہیں کی در نہ مولانا محمد ایوب  
صاحب اردو میں غزالی اور رازی کی سہی کتابیں چھوڑتے مولانا محمد اسحق ان مولانا محمد ایوب کے  
استاد تھے۔

مولانا محمد ایوب صاحب نے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی مولانا محمد ایوب کے بس ایک استاد



مولانا محمد اسحق تھے اور مولانا محمد اسحق کے ایک شاگرد مولانا ایوب ایسے مولانا اسحق صاحب کے پاس سینکڑوں طالب علم تھے، میں نے خود مولانا محمد ایوب سے پہلے ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا تھا لیکن نہ میں کچھ سیکھ سکا نہ دوسرے کچھ سیکھ سکے، حقیقتی شاگرد مولانا محمد اسحق کے مولانا محمد ایوب ہیں ۔

مولانا محمد ایوب میں غور و فکر کی صلاحیت مولانا محمد اسحق سے زیادہ ہے مولانا محمد ایوب بلا کے ذہین اور حاضر و ماخ ہیں مگر علوم پر قننا عبور مولانا محمد اسحق کو تھا اتنا مولانا محمد ایوب کو نہیں ہے غور و فکر کا فن بھی مولانا ایوب نے مولانا اسحق کے ذریعہ ہی جانا ہے، ہاں غور و فکر کرنے کی مشق خود بڑھائی اور اللہ کے دیئے ہوئے غیر معمولی داغ کی وجہ سے بڑھائی، مولانا ایوب صاحب میں مولانا اسحق صاحب کی اور باتیں بھی بہت ہیں، مثلاً بڑے سے بڑے عالم کو خاطر میں نہ لانا اور بڑی سے بڑی شخصیت سے متاثر نہ ہونا۔ لیکن اب مولانا ایوب صاحب میں پہلے جیسی سختی نہیں ہے مولانا اسحق صاحب یہ ادا آدم واپس نہ آ گئے ۔

مولانا اسحق صاحب دراصل رام پور کے باشندے تھے، بیس سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ حکیم مومن خاں مومن سے ملنے دہلی آئے والد واپس چلے گئے اور مولانا دہلی ٹھہر گئے اور ایسے کہ دہلی کے ہو گئے، کوچہ چلان میں گلی مومن خاں میں قیام تھا، لوگوں نے کہا نواب شرف الدین آپ کے مشاق ہیں ناگوار نہ ہو تو ذرا تشریف لے چلئے ۔

نواب شرف الدین خاں کی حویلی باکل سامنے تھی مولانا ان کے ہاں تشریف لائے نواب صاحب اس وقت کہیں باہر جا رہے تھے پچھانک میں کھڑے کھڑے بات کرنے لگے اور بات بھی اس طرح کہ کبھی مولانا سے مخاطب ہوتے اور کبھی دوسروں سے مولانا اتنے سادہ لائے والے سے دھڑک کہا، میاں کس کے پاس لے آئے یہ تو آداب گفتگو سے بھی واقف نہیں ہیں۔ نواب شرف الدین خاں علم و دست اور مردم شناس رئیس تھے، انھوں نے باہر جانا ملوئی کیا مولانا سے بے معذرت چاہی اور عزت سے کمرے میں بٹھایا اور مدارات کے بعد کھانا میری خواہش ہے



کو میرے بچوں کی تعلیم و تربیت آپ فرمائیں جوئی کے کمرہ پر بچا ملک تھا اس میں نواب صاحب نے بے شمار نایاب قلمی کتابیں جمع کر رکھی تھیں، وہیں فرش کرا دیا اللہ پلنگ بچھوایا اللہ مولانا محمد اسحق صاحب نواب شرف الدین کے بچوں کو پڑھانے لگے ۔

نواب شرف الدین خاں سرسید احمد خاں (بانی دارالعلوم علی گڑھ) کے سگے ماموں زاد بھائی تھے۔ جسٹس محمود کے خسر سرسید مسعود کے نانا سرسید مسعود کی والدہ اور ماموں نے تعلیم و تربیت کا زمانہ مولانا اسحق صاحب کے زیر نگرانی گزارا، نواب شرف الدین خان کے علاوہ خاتم المحدثین میاں نذیر حسین صاحب کے مدرسہ تدریہ میں بھی مولانا محمد اسحق درس دیتے تھے اور آخر عمر میں نان بہادر مولوی عبد الواحد کے مطبع مجبائی میں عربی کتابوں کی تصحیح کے لیے جانا اختیار کر لیا تھا، مگر صرف کام سے کام تھا، سیدھے گئے اللہ سیدھے چمے آئے تعلقات : میاں صاحب سے بڑھائے اور نہ مولوی عبد الواحد سے مولانا اسحق صاحب قریباً نوے برس بڑے، شادی نہیں کی بالکل آزاد اور بے نیاز تھے ۔

مولانا ایوب صاحب نے ایک دفعہ نذر میں آکر ان سے کہا تھا، حضرت شادی کیجئے اور میرے برابر بیوی بچوں کو ذمہ داری اٹھائیے اور پھر دیکھیئے دماغ کس کا کام کرتا ہے ۔

مولانا اسحق صاحب جس کمرے میں اول دن آکر بیٹھے تھے اور جس پلنگ پر اول رات سوئے تھے اس کمرے سے ایسی حالت میں بھی نہ ہٹے کہ کمرے کی ادھی چھت غائب ہو گئی تھی اور پلنگ تو مرتے مرتے وہی ان کے نیچے رہا ۔

سرسید احمد خاں کے نہ بھی خیالات مولانا اسحق صاحب پسند کرتے تھے سرسید احمد خاں نے سب ہی سے زور ڈلویا کہ دومنٹ کے واسطے کمرے میں آنے کی اجازت ملے دیکھئے منظور نہیں کیا ۔

دہلی کے پنجابی سوداگروں میں ایک صاحب تھے جن کا ان کے بچپن سے مولانا اسحق صاحب بے حد لحاظ کیا کرتے تھے، ان کی درخواست پر تفسیر کبیر کا ترجمہ شروع فرمایا، ترجمہ ہوتا جاتا تھا اور چھپتا جاتا تھا ڈھائی سو صفحے طبعی تقطیع کے چھپ چکے تھے کہ امیر حبیب اللہ خان والی کابل کی آمد کا غلغلہ مچا، سوداگر صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ ترجمہ امیر صاحب کے نام معنون کر دیا جائے تو کیسا ہے مولانا ترجمہ

بول رہے تھے اور لکھ رہے تھے ایک دم رک گئے ترجمہ کا جو فقرہ زبان پر تھا اُسے بھی پورا نہیں کیا، اور کہا  
 محمد یحییٰ اور تفسیر کبیر دونوں کی تم نے خوب عزت افزائی کی اب مجھ سے ترجمہ نہیں ہوگا،  
 مرنے سے شاید آدھ گھنٹہ قبل مولانا ایوب صاحب نے پوچھا کچھ طبیعت تو نہیں گھبراہٹی ہوئے  
 اُجی واہ اس سے آگے زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ اُجی واہ کا مطلب تھا کہ میں اور مرنے سے گھبراؤں گا۔  
 ایک دفعہ ٹھوکر لگی، گھر پڑے اور وہ ہے کیل پٹائی میں آ رہی ہو گئی، ہسی تک نہیں کی، بڑی مضبوط طبیعت کے  
 انسان تھے ان کے علم و فضل کے متعلق رائے قائم کرنے کا میں اہل نہیں ہوں۔ البتہ یہ آنکھوں سے دیکھا ہے  
 کہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ جیسے ریاضی دان اپنے بیٹے رضا اللہ انجینئر کو مولانا اسحق صاحب کی  
 خدمت میں بھیجا کرتے تھے کہ یہ سوال مولانا حل کر سکیں گے اور مولانا کبھی منشی ذکاء اللہ کے پاس جاتے تو  
 منشی صاحب تمام کام چھوڑ کر ان کے استقبال کے لیے نکل آتے دوسرے علمائے شہر کو بھی ان  
 نے ہمیشہ ان سے مرعوب پایا اور مولانا ایوب صاحب ان کے شاگرد کا نمونہ بتاتا ہے کہ مولانا اسحق صاحب  
 کا علم و فضل کس پایہ کا تھا ؟

دنیا کے واسطے نہ مولانا ایوب صاحب کچھ چھوڑ سکے اور نہ مولانا اسحق صاحب کچھ چھوڑا۔ ترجمہ  
 تفسیر کبیر کے ڈھائی سو صفحے مولانا اسحق صاحب کی یادگار سمجھ لیجئے۔  
 بہر حال مولانا اسحق صاحب اپنے رنگ کے لاجواب انسان تھے اور دلی ہی نہیں دنیا کے  
 ممتاز علماء میں ضرور تھے ۔

میر محمد حسین

میر محمد حسین تفضل حسین کے حقیقی پوتے تھے جنہیں ۱۸۵۷ء کا باغی قرار دے  
 کر انگریزوں نے دار پر چڑھایا تھا، تفضل حسین کی کھڑکی ایک محلہ بڑی میں ہے  
 یہاں تفضل حسین کی حویلی تھی اس کی اب صرف کھڑکی باقی رہ گئی ہے۔  
 کھان محل کے بھی تفضل حسین خاں ملاک تھے ۱۸۵۷ء کے بعد بطور سزائے مزید حبس ان کی جائیداد نیلام  
 ہوئی تو پانچ روپیہ میں یا بیس روپیہ میں یا ایسی ہی بہت قلیل رقم میں اس عظیم الشان محل کو چھنا مل کے نام  
 چھوڑ دیا گیا تھا ۔

چاندنی چوک کے بازو کو قطعہ کی طرف وسعت دی گئی تو نئی دوکانوں میں سے ایک دکان میر محمد حسین نے لے لی اور وہاں فونٹین پن اور سائیکلوں وغیرہ کی تجارت شروع کی پہلے میر صاحب محلہ نمک میں انسپکٹر تھے، پھر ایک عدم تعاون میں نوکری ترک کر دی تھی، دوکان خوب چل رہی تھی، حکیم اجل خاں صاحب نے انھیں میونسپل کمیٹی ورلی کے ممبری کے لیے کھڑا کیا اور خلافت اور کانگریس کا ٹکٹ لے دیا منتخب ہو گئے لیکن ڈووی رائٹ (DO THE RIGHT) امن کا تکیہ کلام تھا یعنی صحیح کاروبار کسی کی تابعداری پسند نہ کرتے تھے اپنے ضمیر کے پابند تھے، ممبری کانگریس اور خلافت نے عطا کی تھی اس کے باوجود کانگریس اور خلافت کی غلط بات کا میر صاحب ساتھ نہ دیتے تھے لہذا تین سال بعد جب دوبارہ الیکشن ہوا تو کانگریس اور خلافت نے ان کے سر پر ہاتھ نہ رکھا۔

دور اب وہ تھا کہ انگریز پرانی طرز کے خان بہادروں اور رائے بہادروں کو عزت سمجھنے لگے تھے انگریزوں نے میر محمد حسین کو ایماندارانہ اور آزادانہ روش دیکھی تو انھیں سرکاری ممبر مقرر کر دیا، انگریزوں کی نمائندگی کے زمانے میں بھی میر صاحب حق کی حمایت کے عادی رہے تاہم انگریزوں نے انھیں نہایت کانگریس تین برس میں گھبرا گئی انگریزوں نے نو برس میں بٹایا، پبلک کا انتخاب ہوتا ہے تب گورنمنٹ اپنے ممبر چنتی ہے میں سلسلہ میں پہلی دفعہ میونسپل کمیٹی ورلی کا ممبر منتخب ہوا، انتخاب سے فراغت پاچکا تھا کہ ایک دن دوپہر کے وقت میر صاحب تشریف لائے اور فرانسے لگے، نتیجہ ہمارا پتہ نہ نکٹ گیا، مجھے میونسپل کمیٹی کی ممبری پر آمادہ کرنے والے میر صاحب ہی تھے میں نے پوچھا کیا مطلب بولے آج چیف کمنشنر نے ٹھوکتا کہ تمہاری کمیٹی غالباً سرکاری حسد (یعنی ڈپٹی کمنشنر کے خلاف تجویز پیش کرے گی) غیر سرکاری صوبہ بنانے کے مافی اس دفعہ زیادہ منتخب ہوئے ہیں آپ کی رہنمائی سے یہاں سے نہیں لے جاؤں گا میرے نزدیک میونسپل کمیٹی کا حقد غیر سرکاری ہونا چاہیے۔

میں نے سوال کیا، چیف کمنشنر نے پھر کیا فیصلہ کر دیا کہ آپ کو نامزد نہیں کرے گا، بولے اس پائے کے انگریز زبان سے نہیں کہا کرتے کرتے ہیں خیر میر صاحب کا اندازہ صحیح تھا، میر صاحب نامزد نہیں ہوئے اور اتفاق کی بات، سرکاری صوبہ کے ہٹانے کی تجویز پیش کرنے کا قعرہ اس فقیر کے نام پر اچھ



میر صاحب نے ممبری پر آادہ کیا تھا، میری ممبری کی پہلی تجویز اور پہلی تقریر اسی مضمون پر تھی جس کے قعود سے میر صاحب کو ٹھٹھی بد کیا گیا تھا، میر صاحب کے لیے یہ خوشی کافی تھی کہ میں نے اس تجویز کو پیش کیا، جلال میر صاحب نے تین سال گزارے اور اگلے انتخاب میں وہ اس علاقے سے کھڑے ہو گئے، جسے سر عبد الرحمن نے خالی کیا تھا، سر عبد الرحمن مد اس مائی کوٹ کے جج بن کر جانے والے تھے اور میونسپل کمیٹی کی ممبری اب نہیں کر سکتے تھے، سر عبد الرحمن کی امداد کے باوجود صرف اس جرم کی بناء پر کہ میر صاحب شیعہ تھے پہلے انہیں قبول نہیں کیا اور کارآمد آدمی سے میونسپل کمیٹی کو محروم کر دیا۔

میر صاحب حقیقتاً ایسے آدمی تھے جیسے آدمیوں سے ملک اور قوم کا کام لینا چاہیے تھا، انگریز کمیٹی سے ہٹا دینے کے باوجود انہیں مانتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، بڑے بڑے وندوں کا اثر نہ ہوتا تھا، اور میر صاحب کا تنہا کہہ دینا کافی ہو جاتا تھا، وفدا کی بات جھوٹی سمجھی جاتی تھی اور میر صاحب سچے سمجھے ہاتھ تھے، میر صاحب کے کھرے پن کی انگریزوں نے عینی قند کی اتنی سستی کیا شیعوں نے نہیں کی، میر صاحب کے کیرئیر کا وہ مثالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے میری ممبری کی عمر سات آٹھ برس ہو چکی تھی، میونسپل کمیٹی کے ایک چیئر مین نے مجھ سے کہا، چیئر مین صاحب کے نام سفارشات کا خط لکھ دیجئے، ریورنڈ چیئر مین صوبہ دہلی اور ماڈل وارڈ کے ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ تھے اور اس کی وجہ سے میونسپل کمیٹی کے ممبر تھے، میں نے چیئر مین سے کہا، چیئر مین پر محمد حسین کا ممبر نہ رہنے کے باوجود مجھ سے زیادہ اثر ہے کہ تو میر صاحب کو لکھ دوں وہ چیئر مین صاحب سے سفارشات کر دیں گے، چنانچہ میر صاحب کو میں نے خط لکھ دیا، وہ سرے دن میر صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے، "و آدمی صاحب میں آپ کی بات نیچے نہیں کر سکتا، لیکن آپ بھی جو کام مجھ سے لیا کیجئے، اسے ٹھونک بجالا کیجئے، اگلے میں آپ کا خط پہنچتے ہی اس چیئر مین کے ساتھ چیئر مین کے یہاں چلا گیا تھا، مسٹر چیئر مین نے جو حالات سنائے ان سے معلوم ہوا کہ معاملہ ہرگز سفارشات کے لائق نہیں تھا۔

ایک صاحب بالکل اجنبی میرے ہاں آئے اور کہنے لگے، الہ آباد کا رہنے والا ہوں آپ سے تعارف حاصل نہیں ہے، مگر مسلمان بھائی ہونے کی حیثیت سے تکلیف دینے پہنچ گیا ہوں، میری لڑکی نے



مسلم یونیورسٹی سے ایف۔ ایس۔ سی کیا ہے اسے لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج میں داخل کرانا ہے۔ لوگ کہتے ہیں مسز آصف علی کی سفارش سے لڑکی داخل ہو سکتی ہے۔ میں نے مسز آصف علی کی بجائے انہیں میر محمد حسین کے پاس بھیج دیا اور مکان کا پتہ بتا کر سمجھایا کہ زینے پر چڑھ کر پارسیے گا۔  
 میر صاحب — ”میلے اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے میر صاحب اکھڑے ہوں گے یہ خیال نہ کیجئے گا کہ ان کے بس کا کام نہیں ہے، کام کسے گا اور میر احوالہ دیجئے گا، میر صاحب مسز آصف علی کی طرح لیڈی ہارڈنگ کالج کی گورننگ باڈی کے ممبر ہیں۔ میر محمد حسین میونسپل کوشنر نہ رہنے کے بعد بھی بہت سے اداروں کے ممبر سیکرٹری اور صدر تھے، وائی کا عربک کالج ان کی سکریٹری مشپ میں ڈگری کالج بنا تھا، چنانچہ میر صاحب شیروانی ڈال الہ آباد کی ضرورت مند کے ہمراہ ہوئے اور ان کی لڑکی کو داخل کر دیا اور دوسرے دن آکر کہا ایسے صحیح کام لیا کرو، ایسے کام لینے والے پر میں احسان نہیں جتاتا بلکہ اس کا احسان مند ہوتا ہوں۔“

ایک دفعہ میر صاحب نے فرمایا فلاں لڑکا میر اعزیز ہے اسے کھٹی میں میٹر پڑ کر ادو میں نے میونسپل انجینئر سے کہہ دیا، مہینہ سوا مہینہ کے بعد میر صاحب نے دریافت کیا، بھئی اس لڑکے کا کیا کیا؟ میں نے کہا وہ نوکر ہو گیا ہے بولے ”اچھا“ مگر تعجب ہے وہ مجھ سے نہیں ملا میں نے کہا نو جوان نہیں سوچا کرتے کہ پھر بھی کبھی کام پڑے گا، میر صاحب اٹھے اور کوچہ چیلان سے قروں باغ تین میل کا فاصلہ طے کر کے اس لڑکے کے گھر پہنچے اور واپس آکر کہا کہ آپ نے بالکل درست کہا تھا ایک بات اور آپ کی مجھے یاد ہے آپ نے کہا تھا جس کا کام نہ کرنا ہوا اسے اس کے کام میں تھوڑا سا کام بتا دینا چاہیے کہ اتنا تو کر لا آگے میں کروں گا، پھر انشاء اللہ وہ نہیں پلٹے گا، ایک بات آپ نے مجھے آج سکھائی ہے میں دونوں باتیں گروہ میں بانٹھ لوں گا میر صاحب نے میری دو باتیں گروہ میں بانٹھی تھیں میں نے میر صاحب کی خدا جانے کتنی باتیں گروہ میں بانٹھ دکھائی ہیں۔“

ایک زمانے میں میلاد شریف کا بڑا چرچا ہوا، غر باتو میلاد کی محفلیں کیا رہی کرتے ہیں امرارو سا خطاب یافتہ اور اونچے لوگ یہ محفلیں کرنے لگے تھے، اسلامی کامیوں اور مسلم یونیورسٹی میں بھی محافل

میںا منعقد کی گئیں اور ہر گھر ہر مسجد سے نوبت ہر شرک تک آگئی، میں نے میر صاحب سے کہا، میر صاحب میلاد کی محفلوں کا کیا ایک اتنا نور کیوں بندھ گیا ہے، لوگوں نے دُنیا جاتی دیکھ لی، میں نے میر صاحب سے فرمایا انگریزوں نے مسلمانوں کی توجہ ادھر پھیر دی، جدھر آسانی سے پھیری جاسکتی تھی، میں نے کہا، میر صاحب بات گلے نہیں اُتری، فرمایا آج کل دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے انگریز کے اُٹا سے سے ہوتا ہے، یہ اُس وقت کی ہے جب انگریز ہی انگریز تھے، امریکہ، برطانیہ، پر نہیں چھایا تھا اور دوس نے مقابلہ کے لیے خم نہیں ٹھونکے تھے +

میر صاحب لکھتے بھی اچھا تھے اور تقریر بھی اچھی کرتے تھے، لکھنے والے اور تقریر کرنے والے دور ہر آن متحرک رہنے والے میر صاحب کے ہاتھوں پر اور زبان پر قلم گرا، سارا جسم قلم زد ہو گیا، اس حالت میں بھی میر صاحب دوسروں کے کام کئے جاتے تھے میر صاحب گھر میں نہیں آتا تھا لیڈ اور ممبر اپنے آپ کو بھی چپکایا کرتے ہیں اور اپنے کاروبار کو بھی چپکا لیتے ہیں مگر میر محمد حسین مولانا حسرت موہانی سے مشابہ تھے خود تو غاصے چکے مگر کاروبار ان کا لیڈری اور ممبری کے ہو گیا جون جون انہماک خدمتِ خلق کی جانب بڑھتا جاتا تھا دون دون کاروبار کرتا جاتا تھا، آخری زمانہ افلاس کا زمانہ تھا، افلاس میں جیسا مستقل مزاج میں نے میر محمد حسین کو دیکھا کسی کو نہیں دیکھا، مفلسی کی کوئی کمزوری پاس نہیں پھٹکی افلاس میں استقلال اور ہمایہ میں بہت میر صاحب کا حصہ تھا مسکرا مسکرا کر جان نہو جان آفریں کردی +

(۱) یہ واقعات علامہ احمادی صاحب ایڈیٹر "قلام المشائخ" کے ایک مقالہ سے ماخوذ ہیں، واحدی صاحب

ان لوگوں میں ہیں، جو دینی کی تہذیب و ثقافت کا زندہ نمونہ ہیں۔ بوڑھے ہو چکے ہیں، لیکن ان کی آن اب بھی دہی ہے، خیر انہیں دلوں کو زندہ رکھے +

# مخبر اور عدا

## نگ آدم، نگ دین، نگ وطن

اس سزمین پر بڑے بڑے علما اور ملّا پیدا ہوئے، جن کے علم نافع اور عمل صالح نے گمراہوں کو راہ یاب کیا، بسکے دلوں کو صراطِ مستقیم دکھائی، باہلوں کو علم کی نعمت عطا کی، یہاں بڑے بڑے صوفیا اور مشائخ نمودار ہوئے، جن کی روحانیت، کردار بلند اور تابناک سیرت نے تبلیغِ اسلام کے فرائض انجام دیئے اور اللہ نے، اپنی کتاب (دعوتِ اسلام) میں لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رضا جب اجمیر سے دلی گئے، تو ان کی صورت و سیرت کے جلوے دیکھ کر راجپوتوں اور دوسری قوموں کے گٹھ سو گٹھ اٹھ گئے، یاد رکھئے آٹھ سوا زاد نہیں آٹھ سو خاندان۔ مشرّف بہ السلام ہوئے، یہاں بڑے بڑے ہنرور اور فنکار ابھرے، جن کے ہنر اور فن کے آگے، ملوک و سلاطین، ارباب جاہ و چشم اور صاحبانِ عیش و تنعم نے تسلیمِ غم کیا یہاں اسی مرزین پر لہن مجاہدوں کے قافلے اترے جو جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر، گھر بار سے رشتہ توڑ کر، امیدوں اور آرزوؤں سے دستکش ہو کر وارد ہوئے تھے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ ماں غنیت نہ کشور کشانی

یہ نہ ماں غنیت کے بسو کے تھے، نہ کشور کشانی کے ملکی، یہ آتے اور ان کے آتے ہی رنگِ محفل بدل گیا۔ جہاں کفر کے ناقوس بجتے تھے وہاں صدائے تکبیر و تبلیغ بلند ہونے لگی۔ جہاں دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش ہوئی تھی، وہاں خدائے واحد کی عبادت ہونے لگی۔ انہوں نے، سرکشوں، باغیوں، انحوت پرستوں اور دشمنوں کے سر کاٹے، مین ایک طرف سے



اگیا میں لڑائی میں اگر وقت نہ ساز  
قبل رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز  
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز  
نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

قبری سرکار میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے

لہ جو مہری طرفت، یہ تلوار کے دھنی مجاہد، امرا الہی کے استنے پا بند تھے کہ ان کی تلوار نے کسی بوڑھے  
کو، کسی عورت کو، کسی بچہ کو، کسی بیمار کو، کسی جنگجو کو، مدیہ ہے کہ کسی درخت تک کو نہیں کاٹا، انکے جلال و جہا  
کے یہ مناظر ایسے نہ تھے کہ لوگ دیکھتے اور متاثر نہ ہوتے میدان جنگ میں ہار نہ ماننے والے سورما، جب انکا غل  
انکی اہلیت اعلیٰ صداقت و دیانت انکی پاکیزگی دیکھتے تھے، تو ہار مان لیتے تھے، لہ اس دم کا کلمہ صدق دل سے بڑھنے لگتے  
بھی ہیں وہ میدان لہ و دایاں، شہر لہ و یرانے، صحرا، اور خارتان، جنگل اور آبادیاں جہاں وقت کے  
قیصر و فقیر، ملوک و سلاطین، بادشاہ لہ و شہنشاہ، اپنے مبارقار گھوڑوں پر فرخ و نصرت کا پرچم ہلاتے، شان و  
فکوح، جہاد و تحمل اور دبیر و طنطنہ کے ساتھ، اپنے مسی بھرپا بیوں کے ساتھ، اپنے خدا پرست اور اپنے  
جذبہ اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے اُسے لہ اپنے سے کئی گنا زیادہ صلح اور طاقت و در حریف پتھالیب اُسے غالب  
اُسے کے بعد انہوں نے انڈیزوں کی طرح، نہ لوٹ کھسوٹ شروع کی، نہ الگ تھلگ رہے، اپنے وطن سے ترک  
تعلق کر کے یہیں رہ پڑے، یہیں کے ہو گئے، یہیں بسے لہ یہیں مرے، لہ یہاں رہ کر اس ملک کو، اس ملک  
کے رہنے والوں کو، انہوں نے وہ بلند و بالا خوب صورت لہ خوش نما، دیدہ زیب لہ بحر طراز عمارتیں دیں  
جو آج بھی موجود ہیں، لہ شاید مرد ایام کے باوجود ابھی بہت دنوں تک رہیں گی، جن کا طرز، جن کی وضع  
جن کا فن، پہلے بھی منفرد تھا، اب بھی یکساں ہے۔ انہوں نے صرف عمارتیں ہی نہیں بنائیں، دلکش لہ لفظ ازود  
بلغ دگائے، چمن بنائے، گلستان تعمیر کیے، جنہیں شمس تک زمانہ نے مٹا دیا، لیکن ان کے آثار و نقوش اب  
بھی موجود ہیں، تاج محل، لال قلعہ، لہ جامع مسجد کے ساتھ، نعمت پور سیکری کے کھنڈر، شامان لودھ کے ویرانے



دکن کے خرابے، اب بھی گندنے دالوں کو، دعوتِ ماطل دیتے ہیں مہ  
 از نقش و نگار درو دیوار عکسہ  
 آثارِ پدید است قضا دید عجب را  
 ان آثار و نقوش کو مٹاتے مٹاتے زمانہ خود بھی مٹ جائے گا۔

کہتے ہیں کہ طاؤس اپنا جمال اور رنگارنگی دیکھ کر بے خود ہو جاتا، اور رقص کرنے لگا پھر ناپتے  
 ناپتے جب اسکی نظر اپنے پائے زشت پر پڑتی ہے، تو رقص بند کر دیتا اور سر جھکا لیتا ہے، شرماتا ہے اپنے وجود کی!  
 ہم نے ابھی، اپنے علما و فضلا صوفیا و مشائخ، ملوک و سلاطین، مجاہدین، شہور شمار، اور قازیان، وینڈا  
 کا ذکر کیا ہے، انہوں نے دل سے جو اپنے اسلاف و اکابر کی اس بزرگی اور عظمت پر رقص نہ کر رکھے، لیکن عین  
 فخر و اتہاس کے اس عالم میں پائے زشت نظر کے سامنے آ جاتا ہے۔ — یہ ہیں وہ مجر جنہوں نے اپنی  
 قوم کے خلاف، دوسری قوم سے مجبوری کی، جنہوں نے اپنی قوم کی جاسوسی کی، اپنی قوم سے غداری کی، اور  
 فرائض شریعت، انہوں نے اپنی حکومت کو دھانے کے لیے دشمنوں سے پھاڑ ڈالیا۔ اور بنیادیں کھودنے  
 لگے اور دشمن کی حکومت کی بنیادیں، اسی پھاڑ ڈھسے سے زمین کھودنی اور استوار کر دیں۔ انہوں نے اپنا  
 حامن یم و زر سے بھر لیا، لیکن اپنی قوم کو بھیک منگوا دیا۔ انہوں نے اپنی جان بچالی۔ لیکن قوم کی گریہ و  
 ہستیوں کے گلے پر جھری چلا دی، انہوں نے جاگیریں انعام لیے۔ خطابات حاصل کیے، لیکن قوم کو تباہ کر دیا۔  
 جب دشمن پوری طاقت سے حملہ کر رہا تھا، یہ اس کے درت بازو بنے ہوئے تھے

ترا لے کا شکہ مادر نہ زادے

ان خدایوں، باغیوں، جاسوسوں، اور مجرموں کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن دل کے ٹکڑوں کی طرح بھولی  
 ہوئی ہے، اسے سمیٹنا جمع کرنا، اور ایک لڑی میں پرونا برا طریقہ کام ہے، ان کے حالات مرتب اور منضبط صورت میں، اور کسی  
 کتاب میں نہیں ملتے، بریل میں تذکرہ کہیں کہیں ان کا ذکر ملتا ہے، اس داستان کو عکس کرنے کے لیے باب لغز میں نے  
 ہزاروں صفحے پڑے، جہاں سے جو ملامت، اٹھا لیا، پھر اسے ترتیب دیا۔ اب وہ اس کتاب کے ایک باب کی صورت میں  
 آپ کے سامنے ہے، آپ اس سے خوشی دیر میں پڑھ لیں گے، لیکن یہ تعدادی دیر میں ختم ہو جائے گا مولوی نے کتنے دن کی تلاش

تخص، تحقیق اور کاوش مطالعہ کے بعد فراہم کیے۔ اسکا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تحقیق کے میدان میں ہیں،  
 یہیں اختلاف و لیکن جامعیت کے ساتھ ناموس وطن کے ان غداروں کا تذکرہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

(۱)

## گھر کا بھیدی

اس غدر کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہ تھی کہ جہن پٹیکہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔  
 جن لوگوں کو، زیادہ سے زیادہ، بادشاہ کا، خاندان شاہی کا، اور، انقلابی لیڈرس کا مفاد رہتا  
 چاہئے تھا، وہی جز اور جاسوس بن گئے، دشمنوں نے ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا، دوست ہلاک ہو گئے۔  
 اسی دور میں، شمس العلماء ڈپٹی منڈیر احمد نے اپنے ایک ناول میں، جو غدر کے احوال و کوائف  
 پر مشتمل ہے، اور جس میں خود ان کے مشاہدے اور تجربے جھلک رہے ہیں، ایک واقعہ لکھا ہے جو  
 بالکل سچ ہے، لکھنے والے نے اس واقعہ میں طنز اور ملامت کا پہلو بادشاہ کے لیے نکالا ہے، جو  
 مرحوب ذہنیت کا نتیجہ ہے، مد نہ حقیقت یہ واقعہ بھرپور طنز خود اپنے قومی کردار پر ہے۔  
 غدر کی ناکامی کے : —

”مگر دن خود جہاں پناہ بھاگنے کی تیاریاں کرتے گئے، سمجھا کہ بس اب صبح شام انگریز داخل  
 ہونے والے ہیں۔ وہاں کے کام کا ج سے فارغ ہو کر گھر واپس آ رہا تھا کہ بادشاہ کے خاص الخاص مشتاق  
 یاقوت نے پیچھے سے آواز دی اور برابر آ کر کہنے لگا ”بھلا بھو میں نے آپ کو جاتے دیکھ لیا مد نہ  
 آپ کے گھر جانا پڑتا، جو انگریز آپ کے گھر میں چھپا ہے، یہ چھٹی اس کے نام کی ہے اس کو دے  
 دیں۔“ یہ کہہ کر اسٹے پاڈل پلٹ گیا، ابن الوقت اپنے دل میں کہتا چلا آتا تھا کہ اسی برتے پر  
 متا پانی، مرہنگی کا وہ حال کہ ایک دن قلعہ سے باہر قدم نہ رکھا، بیدار مغزی اس درجہ کی کہ اپنے  
 خاص الخاص خدمت گار انگریزوں سے ملے ہوئے تو بغاوت کرنی کیا ضرور تھی؟ (۱)

(۱) ابن الوقت ڈپٹی منڈیر احمد ص ۳۳

(۲)

## الہی بخش اور رجب علی

غداران ملک کی تاریخ میں، الہی بخش اور رجب علی کا نام غیر فانی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ الہی بخش بہادر شاہ کے سمدھی تھے۔ ان کی لڑکی ولی عہد مرزا محمد الملک کی بیوی تھی۔ بہادر شاہ ان پر بہت اہمیت دیتے تھے، اور اعتماد کی وجہ بھی تھی، اگر اتنے قریبی عزیز پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاتا تو کس پر کیا جاسکتا ہے؟ لیکن انہیں نے قلعہ کارٹی لٹی حال انگریزوں کو پہنچایا، بہادر شاہ کی گرفتاری اور شہزادوں کا قتل اُنہی کا کارنامہ ہے۔ رجب علی الہی بخش اور انگریزوں کے درمیان واسطہ کا کام دیتے تھے۔ الہی بخش سے جو معلومات حاصل ہوتے تھے، ان سے انگریزوں کو باخبر کرتے تھے۔ ان دونوں کی غداری کامیاب ہوئی، تحریک انقلاب ناکام ہوئی، بہادر شاہ قیدی بن کر رنگون پہنچے اور مر گئے۔ انگریز مستقل طور پر اس دیس کے حکمران بن گئے۔ ہم نے ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ اس لیے کیا ہے کہ ان دونوں کے حالات بہت گڈڈ اور ملے جلے ہیں، ایک دوسرے سے الگ کرنا، گوشت کو ناخن سے ہڈا کرنا ہے۔ انگریزوں کے جو خدمات ان دونوں نے انجام دیے، ان کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا گیا۔ اہم دیا گیا۔ جائیزیں بخشی گئیں، لیکن جو خفیہ کارنامے انہوں نے انجام دیے، ان کا ذکر کن انگریز مفاد عامہ کے ادارے اپنے مصالح کے خلاف سمجھتے تھے، لہذا یہ داستان بہت تشنہ ہے، پھر بھی جو کچھ یہاں سے مل سکا، وہ حاضر ہے: —

مرزا الہی بخش انگریزوں کی طرف سے اس بات پر مامور کیے گئے تھے کہ کسی طرح بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ نہ جانے دیں۔

**الہی بخش اور بہادر شاہ**

منشی رجب علی جو انگریزی کیسپ میں مخبری کے دفتر کے سر دفتر تھے، اور ہڈسن صاحب کی ناک کا بال



بنے ہوئے تھے۔ وہ برابر مرزا الہی بخش کو پیغام بھیج رہے تھے۔ اگر تم نے بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ جانے سے روک لیا۔ تو انگریز تم کو نہال کر دیں گے اور ساری عمر تم کو اور تمہاری اولاد کو اپنے انعامات سے شاہانہ زندگی بسر کرائیں گے۔ انگریزوں نے یہ وعدہ پورا کیا۔ بارہ سو روپے پنشن ان کی اولاد کو ملتی ہے۔

جس وقت بخت خاں بادشاہ سے ملاقات کر کے چلا گیا۔ تو مرزا الہی بخش بادشاہ کے سامنے آئے۔ اور عرض کیا کہ لارڈ گورنر بخت خاں بہادر نے جو کچھ حضورِ عالی کے سامنے گزارش کیا ہے۔ ندوی کو اُس کے حرفِ حق سے اتفاق ہے مگر مجھے ایک ضروری معاملہ گوش گزار کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آیا یہ لڑائی حضور سے ہے یا باغی فوج سے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انگریزوں کی فوج ان سے باغی ہو گئی اور سرکشی کر کے آپ کے پاس آگئی۔ آپ مجبور تھے۔ آپ کے پاس طاقت نہ تھی۔ جو ان کو اپنے پاس نہ آتے دیتے۔ انگریز لذت نہیں ہیں۔ وہ آپ کی عبوری کو ابھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے۔ کہ آپ کے نام سے جس قدر کام کیے ہیں۔ اور جیسے جیسے حکم احکام جاسی کر آئے ہیں ان میں سے ایک میں بھی آپ کا دخل نہیں ہے۔ پھر آپ کو کس بات کا اندیشہ ہے فکر نہ کرنا چاہئے۔ البتہ اگر آپ باغیوں کے ساتھ چلے گئے۔ تب بیشک انگریز آپ سے باز پرس کریں گے اور آپ کو مجرم قرار دینے کا ایک بہانہ ان کو مل جائے گا۔ مجھ کو ذرا بھی یقین نہیں ہے۔ کہ باغی کسی جگہ ہم کر مقابلہ کر سکیں۔ بخت خاں بہادر جو کچھ کہا اُس کو تو میں لفظاً لفظاً مانتا ہوں۔ بیشک ہندوستان کی ریاستیں اور ہندو، مسلمان دل سے آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ باغی فوج آپ کے یا بخت خاں کے مابین رہے گی۔ جو فوج ایک ایسے امان کے قبضہ میں نہ رہ سکی جس کے پاس وہ پیہر علم اور ہنر اور سب سے بڑی دولت عقل بخت خاں بہادر سے کہیں زیادہ تھی۔ تو پھر ایکے بخت خاں بیچارے کیونکر ایسی خود مر اور بے مبالغہ فوج کو مطیع کر سکیں گے۔ را



**الہی بخش کے دلائل** | الہی بخش نے بڑے نفسیاتی حربے استعمال کر کے بخت خاں کو مشغول کیا۔ لہذا شاہ کو اس پر حاکم کر لیا۔ بادشاہ کا ہمدرد اور غم گسار بن کر کہا: —

”گرمی کا موسم ہے۔ برسات آگئی ہے۔ صحنوں کی صفائی اور نالتوانی کا زمانہ ہے۔ گھر سے باہر نکل کر مسافرت میں اس بھی ہوتا ہے گھر کا آرام میسر آنا محال ہوتا ہے۔ اور لڑائی بھڑائی کی حالت میں تو لازمی طور سے بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ چھوٹے چھوٹے شہزادوں، شہزادیوں اور پردہ نشین بیگمات کو کہاں کہاں لیے پھریں گے۔ لہذا میری گزارش تو یہی ہے کہ آپ باغیوں کے ساتھ تشریف نہ لے جائیں۔ میں انگریزوں سے مل کر تمام معاملات کی صفائی کرادوں گا۔ اور آپ پر آپ کی اولاد پر ایک حرف نہ آنے دوں گا۔ سلطنت کا انجام جو کچھ ہو۔ آپ کی پلاٹ کی رکابی کہیں نہیں جاسے گی۔“

مرزا الہی بخش کی یہ تقریر سن کر بادشاہ چسپ ہو گئے۔ کچھ جواب نہ دیا البتہ جب ایک خواجہ سرائے عرض کیا کہ حضور صاحب عالم بہادر تو انگریزوں سے ملے ہوتے ہیں آپ بخت خاں بہادر کی گزارش پر تو بھر فرمائیے۔ ان لوگوں کے کہنے میں نہ آئیے۔ مرزا اور تکلیف اٹھانا تو ہر زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تو بادشاہ نے فرمایا میں دونوں باتوں پر غور کر کے کل جواب دے گا۔

دوسرے دن بادشاہ اعدائے کی بیگمات قلعے سے روانہ ہو کر ہمایوں کے مقبرہ میں آئے۔ بادشاہ نے عورتوں اور بچوں کو تو ہمایوں کے مقبرے میں بھیجا۔ اور خود درگاہ حضرت خیر نظام الدین اعلیٰ خان میں جا کر پہلے سلام کیا۔ اور پھر مقبرہ میں داخل آ گئے۔

**حرب علی اور الہی بخش** | مرزا الہی بخش نے تمام کیفیت مذکورہ حرب علی کے ذریعہ سے بدھس صاحب کو بھیج دی تھی۔ اور لکھو دیا تھا۔ کہ بظاہر میں نے

بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روک لیا ہے۔ لہذا دوبارہ مقبرہ ہمایوں میں ملنے کا

وعدہ ہوا ہے اس لیے آپ کچھ فوج لیکر مقبرہ کے غریبی دروازہ کی طرف سے آجائے کیونکہ بخت  
خال مٹرائی دروازہ سے مقبرہ کے اندر آئے گا۔ اس کی فوج دریا کی رہتی میں پڑی ہوئی ہے جس  
وقت بخت خال رخصت ہو کر جائے۔ آپ فوراً اندر آکر بادشاہ کو گرفتار کر لیجئے۔

بڑے صاحب نے اس خبر کی اطلاع جنرل ولسن کو دی۔ اور اس کے ساتھ ہی منشی صاحب  
علی کو حکم بھیجا کہ تم مرزا الہی بخش کو اطلاع دے دو کہ وہ جہاں تک ہو سکے بادشاہ کو بخت خال  
نے ساتھ نہ جانے دیں۔ اور جب بخت خال چلا جائے۔ تو ہم ۲ گھنٹے تک بادشاہ کو مقبرہ میں  
رہنے کے رکھیں۔ اس کے بعد سب انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ جس وقت بخت خال  
مقبرہ ہمایوں میں بادشاہ کے پاس آیا تو بڑی دیر تک جھگڑا رہا۔ بادشاہ جانا چاہتے  
تھے۔ بخت خال نے جانا چاہتا تھا۔ اور مرزا الہی بخش کی بھی آپس میں کچھ تیز و ترش گفتگو ہوئی۔

مرزا الہی بخش نے کہا لاؤ گورنر صاحب! کل آپ  
بخت خال اور الہی بخش

نے فرمایا تھا۔ کہ میں حضور کو ہر تکلیف و فکر سے محفوظ  
رکھوں گا۔ تو کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے۔ کہ جہاں پناہ کے نام کی آڑ میں آپ خود  
حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ظل سبحانی کو اس سخت موسم اور اس بڑھاپے کی حالت میں آپ کا  
محض اس وجہ سے لے جاتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی بادشاہی آپ کو مل جائے۔ اور صدیوں  
کا مقام مغلوں سے لیا جلتے۔ جنہوں نے پٹانوں کی سلطنت ملواری کے دور سے چھینی تھی۔ میں جانتا  
ہوں کہ آپ بھی پٹان ہیں اور پٹان سینئروں بریں تک کینہ کو نہیں بھولتے۔

مرزا صاحب کی یہ بات سن کر بخت خال اس قدر بگڑا کہ قریب تھا مرزا صاحب کو ہلاک  
کر دے مگر بادشاہ نے اس کو روکا اور فرمایا۔

بہادر! مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں۔  
نگرہم کی قوت نے جواب دے دیا ہے۔ اس لیے میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالہ کرتا ہوں۔ مجھ کو  
میرے حال پر چھوڑ دو۔ اور بسم اللہ کرو۔ یہاں سے جاؤ۔ اور کچھ کام کر کے دکھاؤ۔ میں نہیں میرے

خاندان میں سے نہیں تہی تم یا اور کوئی ہندوستان کی لاج رکھے ہمارا فکر نہ کرو۔ اپنے فرض کو انجام دے۔  
**قریب کھل گیا** | بہر حال جس وقت بدین صاحب پہنچا ہوا تھا کہ پہنچا انہوں نے مرزا  
 الہی بخش کو گھر کر دیں اور کہا تم نے مجھ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے  
 روکا اگر انگریزوں کو مجھ سے کچھ سروکار نہیں تھا جلیا کر تم نے بیان کیا تھا تو پھر مجھ کو گرفت  
 کرنے کیوں آئے ہیں؟ مرزا الہی بخش ہر قصبہ سے خاموش لڑتے رہے اور بادشاہ نے پھر ارادہ  
 کیا کہ کسی کو بھیج کر بخت خاں کو واپس بلایا جائے۔ ۱۲۳۳

اپنے آقا کے ولی نعمت بہادر شاہ کو گرفتار کر کے الہی  
**الہی بخش کا ایک اور کارنامہ** | بخش کا مل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ بہادر شاہ کے بیٹوں کو الہی  
 انہوں نے گرفتار کر لیا۔ اور قتل کر لیا : —

مرزا الہی بخش نے نصیحت پر دفتر کھلا۔ اور وہ گار چڑھاوا دیکھتے کہ الہی صاحب شہزاد  
 محالہ اور مجاہد سے دست بردار ہو گئے۔ اور مرزا کے مشورہ کے موافق تنہا یہ تھوڑے بل کو  
 شرط کے ساتھ پر سوار ہو کر ہتھکن کے پاس پہنچے۔ اسے انگریزوں نے ان کے ساتھ بہت زور دیا اور انہوں  
 نظروں سے دیکھا اور الہی کی طرف کوچ کیا۔ جب وہی ایک میل پہنچے تو انہیں دیکھا  
 شہزادوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے اتار چالیں۔ بد نصیب بے بس تھے۔ ان کی تہوں پر ہاتھ  
 شہزادگی، ہم سے جدا کیا۔ اور حسرت سے بدسن کی طرف دیکھتے گئے۔ کہ اب کیا کہتا ہے۔ ان کو خوں  
 تھا کہ شاید اس جگہ سے قید کر کے پابند دے جائے گا۔ وہ بے گناہ تھے۔ تفسیر پر اور قید  
 میجر غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ اور اپنے ۲ تھوڑے شہزادوں کے مقدمہ قسب پر لیکن تان کو لیاں مارا۔  
 مظلوم ہائے دھوم کہہ کر اسے اور تھوڑی دیر خاک و خون میں غلطی رہا۔ ابھی عدہ ہوئے۔

۱۱، دینی کی ہاں کنی مسکت

۱۲، دینی کی جال کنی مسکت



جب لاشیں ٹھنڈی ہو گئیں تو ان کو شہر میں لایا اور کوٹوالی کے دروازہ پر ایک رات دن سہرا بازو  
 آویزاں رکھا۔ مشہور ہے کہ ان مظلوموں کے سر کاٹ کر بادشاہ کی خدمت میں بطور تحفے ارسال  
 کیے گئے لیکن یہ انصافیت سوز و حشیانہ حرکت کسی معتبر تاریخ میں درج نہیں ہے اور غالباً غلط  
 ہٹس کے اس ظلم پر شریکیت انگریزوں نے اعتراض کیا۔ لارڈ ایرٹس نے اس کو خطا قرار دیا۔  
 جسٹس مکارٹھی نے قتل عمد کے برابر سمجھا۔ مشرڈ سربلی نے کہا کہ انگریز افسر نے کاپنپور کے نانا صاحب  
 کی سی وحشیانہ کارروائی کی مگر اس سنگاری کے تھوڑے ہی دن بعد وہ لکھنؤ میں عالم باغ کے قریب  
 مانجیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لہذا اس کے خلاف زیادہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ (۲)

**الہی بخش کی پٹیشن** | مرزا الہی بخش کی جلاوطنی منسوخ ہوئی۔ اور وہ مرتے دم تک درگاہ حضرت  
 سلطان علی رحم میں رہے۔ غالب کی قبر کے پاس ان کا شاندار مکان بنا۔

جواب لکھنڈ پڑا ہے۔ جلاوطنی ہی منسوخ نہیں ہوئی۔ بلکہ بارہ تلو روپیہ ماہوار پٹیشن بھی نسلانید  
 نیل شروع ہوئی۔ جو ان کے بیٹوں مرزا سلیمان شکوہ عزت بڑے مرزا ثریا جاہ اور مرزا اقبال شاہ  
 میں تقسیم ہوئی۔ اور اب مرزا ثریا جاہ کے مرنے کے بعد ان کی بیگمات و ورثا کو ملتی ہے۔  
 مرزا الہی بخش امدان کے لڑکے درگاہ حضرت سلطان علی رحم کے شرقی رخ سنگ سرخ کی جالیوں  
 کے اندر دفن ہیں مرزا الہی بخش آخر میں خیر خواہ مہر کار ثابت ہوئے تھے۔ بہادر شاہ کے مدہی تھے

**سن تو ہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا** | لیکن خواجہ مسطور صاحب کی یہ تحقیق صحیح  
 نہیں معلوم ہوئی۔ سر پیل گریفن نے پہچانا

کے دوسرا اور امرا کا جو تذکرہ سرکاری ریکارڈ اور دستاویزوں کی روشنی میں مرتب کیا ہے، اس

سلسلہ بسٹورین ہنڈی آف دہلی ورلڈ - جلد ۲۲ - ۱۸۸۵ - ۱۸۹ - ۱۲

(۱) بہادر شاہ ظفر (امیر احمد علی)

(۳) غدر کی صبح و شام -



میں جہاں اس پیش کے بارے میں صحیح معلومات دیے ہیں، وہاں، کچھ اور اہم معلومات بھی درج کیے ہیں  
ہم ذیل میں اس کا ایک حصہ درج کرتے ہیں، —

” غلط دہلی کے پرنسپل درباریل کی فہرست میں مرتبہ فرمایا جاوہ عرت کبھال فکدہ کی جگہ سب سے  
پہلی ہے اس کو جاوہ و مرتبہ سپینے والد مرزا الہی بخش سے جس کے <sup>۱۸۵۷ء</sup> میں سرکار انڈیزی کی جان نٹاری  
و خدمت انڈیزی بدرجہ فایت کی تھی ورٹ میں ملے ہیں۔ محل شاہی میں مرزا الہی بخش کی خوب چلتی تھی  
کیونکہ لوہ زینت محل بہادر شاہ اخیر بادشاہ دہلی کی بیٹی بیوی اس پر بڑی مہربان تھی مرزا کی  
ایک رتی ہوشیاء کے سب سے بڑے زو کے فتح الہک مرزا خرد سے جس کا خدر شروع ہونے  
سے محض عرصہ پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا بیا ہی ہوئی تھی خدر ہو جانے پر جب دہلی کا محاصرہ  
شروع ہوا کہ مرزا الہی بخش شہر پناہ کے اندر ہی رہا اور اس وجہ سے وہ باغیوں کی کاروائیوں  
کی مزیدی اطلاع بہم پہنچا سکتا تھا اور ہمارے سرکار انڈیزی کے ایجنٹوں کی حفاظت اور مدد  
کر سکتا تھا اس نے ہچاس عیسائیوں کی ایک جماعت کی جا میں بچانے میں حد درجہ کی کوشش  
کی مگر وہ بادشاہ کے علم سے قلعہ کے اندر بے رحمی اور ضیعی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے، انگریزوں  
کی جنگی کاروائیوں میں جو واقعی امداد مرزا نے کی وہ یہ تھی کہ دیلئے جتنا کے پہل کو جو شہر کے مقابل  
تھا کاٹ دیا جس سے مشرقی جانب سے باغیوں کی رسد اور فوجی امداد کا آنا بند ہو گیا۔ بعد ازاں  
مرزا نے ایسی کاروائی کی کہ لڑائی جھگڑا ہونے کے بغیر ہی بادشاہ حراست میں آگیا اور اس کے بعد  
اس نے شہزادگان خضر سلطان اور ابوبکر کے گرفتار کرانے میں بھی ہڈ سن صاحب بہادر کی امداد کی بن  
گفتگی کے بعد باغیوں کا کوئی خاندانی سرکار نہ رہا اور بغاوت فرو ہو گئی خدشہ کے فرو ہونے پر  
مرزا کی کاروائیوں کی ابھی طرح چھان بین ہوئی لیکن کاماسب معاوضہ دیا گیا یعنی یکم مئی ۱۸۵۷ء  
سے مرزا الہی کے کہنے کو مبلغ ۲۱۸۴۰ روپے سالانہ کی نسل بعد نسل پیش ذیل حلا کی گئیں :-

۹۵۵ روپیہ

۲۵۳۰ روپیہ

مرزا کی ذات عام کے لیے

مرزا کی بیوی کے لیے

مرزا کی تشکیل کے لیے

۶۶۶۰ روپیہ

مرزا کے جو کمرے رشتہ داروں کے لیے

۱۰۸۰ روپیہ

بعد ازاں ۱۸۶۱ء میں اس عطیہ کے عوض جو غدر سے پہلے مرزا اور اس کے رشتہ داروں کو مشترک طور پر مواضعات ساپلا داسودہ فلیج رہتک سے ملا کر تھا گورنمنٹ ہند نے صرف مرزا کو ۵ ہزار روپیہ سالانہ کی مالیت کی دعویٰ جاگیر عطا کر دی اور ۱۸۶۶ء میں اختلاف دہلی اور میرٹھ میں مبلغ ۲۷۲۶ روپیہ سالانہ کے مالیت کے چند مواضعات کا ہالیہ مرزا اور اس کے کنبے کے لیے واگڑا شت کر دیا نیز ایام غدر کے محاصرے میں مرزا کے مال و اسباب کے نقصان کی تلافی میں گورنمنٹ ہالیہ نے اسے مبلغ ۶۹۳۴ روپیہ عطا کیے اور ۱۸۶۲ء میں ۲۵۰۰۰ روپیہ بطور قرضہ دیا جس میں سے نصف سے زیادہ رقم مرزا پر خالص مہربانی کے نظر سے معاف کر دی گئی اور پھر ۱۸۶۷ء میں حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کے خطاب شہنشاہ اختیار کرنے کے موقع پر اس کی پیش میں ۲۲۵۰ روپیہ کا اضافہ کیا گیا۔ جب ۱۸۶۸ء میں مرزا الہی بخش کا انتقال ہو گیا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا مرزا سلیمان مشکوہ اس کا جانشین ہوا مگر بارہ سال کے اندر ہی یعنی ۱۸۶۹ء میں انتقال کر گیا اور اسی سال مرزا فرید آباد عزت کیعلیٰ شکوہ اپنے بھائی کی جگہ معلول کا بزرگ خاندان قسیم کیا گیا۔ مرزا غریب آباد عداوت ہاتے دیوانی میں بذات خود حاضر ہونے سے مشتت ہے شہر کا انگریزی جیٹریٹ اور میونسپل کورنر ہے اور جامع مسجد اور مسجد فتح پوری اور اینگو عربی ہائی اسکول کی منتظم کمیٹیوں کا ممبر بھی ہے مرزا اور اس کے کنبے کو ۲۰۹۰ روپیہ ماہوار کی پنشن دینا میں علی ہے جس میں سے ۸۶۶ روپیہ تو مرزا کی ذاتی پنشن ہے اور باقی ماندہ اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱)

مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں۔

”دہلی کا ٹریڈر“

یہ دہلی الہی بخش ہیں جنہوں نے بہادر شاہ کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور جنہیں باسودہ

(۱) مذکورہ روایت پنجاب جلد اول ص ۱۱۱

اسمیتہ مسٹف سوانح لارڈ لارنس دہلی کا ٹریڈر لکھتا ہے۔ سائڈرس نے ان کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ "ماتھوں کی ادنیٰ خود فلوڈی کے لیے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے باپ کو پکڑوا دے۔" چونکہ غلہ کے بعد گورنمنٹ چاہتی تھی کہ قلعہ کے خاندان کا کوئی نام و نشان دہلی میں باقی نہ رہے۔ اس لیے الہی بخش جیسے خاندان فروٹس کو بھی دہلی میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ بہر حال کچھ دلوں کی زار مالی کے بعد انہیں قیام کی اجازت مل گئی۔ بعد وہ خاندان شاہی کے ہیڈ مقرر ہوئے۔ عید کے دن انہوں نے چاہا تھا کہ چار گھوڑوں کی گاڑی میں بیٹھ کر عید گاہ جائیں۔ ڈپٹی کمشنر کو معلوم ہوا تو چوہدری بیچ کر ممانعت کر دی کہ یہ امتیاز قلعہ کے شہزادوں کو حاصل تھا۔ اب وہ زمانہ گیا۔ (۱۱)

لارڈ لارنس کے سوانح نویس باسور کو اسمیتہ نے الہی بخش کو ٹریڈر یادگار خاندان تیموریہ" یعنی غدار کہا تھا۔ لیکن "نصرت نامہ گورنمنٹ" کہ "صفت نہیں

یادگار خاندان تیموریہ" قرار دیتا ہے۔ الفاظ۔ لوران کی بندش ملاحظہ ہو: —

کئی شہزادے جو شریک بغاوت تھے کیسے کردار کو پہنچے۔ اللہ اللہ علی سربراہ۔  
بائیدار شہنشاہ انگلینڈ و ہندوستان اقبال کہ باوجود ایسی حرکات تا شانہ کے جو اس خاندان سے سرزد ہوئیں جو لوگ کہ بعد اعتدال پر تہہ رہا تو داروغہ شہر برقرار اطاعت رہے ان پر لواز شہلے خروارہ مرغی رہیں چنا چھ دہلی میں مرزا الہی بخش صاحب یادگار خاندان تیموریہ بقوت تمام پنشن خوار و رئیس شاہجہاں آباد ہیں۔<sup>۱۲</sup>

اب مولوی رجب علی — جو بعد میں "اسطو جاوہ" نے خطاب سے مدد جاہر

رجب علی کے لوازمے گئے۔ — سامنے آتے ہیں، دیکھئے۔ ایک انڈیز ان ہ تعارف

اس طرح کراٹا ہے، —

۱۱) قالب دغلام رسول جہا ص ۱۱۱

۱۲) نصرت نامہ گورنمنٹ



## انگریز کی نظر میں

مولوی رجب علی نے ۱۸۷۶ء میں اٹھارہ برس کی عمر میں دہلی کا رخ سے

جو اس وقت شمالی ہندوستان میں بہترین درگاہ تھی فارسی مضمون

لکھنے کا انعام حاصل کیا بعد پھر عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ اُسے امتبار کے پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر میں

ایک چھوٹا عہدہ مل گیا وہاں وہ فوراً ترقی کر کے اعلیٰ سرشتہ درجہ رسید ہو گیا اور اسی حیثیت

میں مٹراپیتھن صاحب بہادر کے ماتحت ۱۸۳۹ء میں لدھیانہ بھیج دیا گیا بعد ازاں ہر دو لارنس صاحبان

کے ہمراہ وہ لاہور آیا اور بہت جلد پنجاب کے رورمار اور ٹمرنا میں بن سے اس کی سابقہ پڑا

دسوخ پیدا کر لیا سرپرہرٹ ایڈورڈ صاحب مرحوم اس کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتے تھے اور انہوں

نے ۱۸۴۸ء میں اس کی نسبت یہ تحریر کیا کہ میں پالیسی کے معاملات میں اس کی رائے کو قابل

تقدیر سمجھتا ہوں نیز سرہنری لارنس کے خیال میں یہ شخص نہایت راز کی خبروں کا بڑا قابل اعتبار

امین ثابت ہو چکا ہے میں اس بات کو بھی تصدیق کرتا ہوں کہ مولوی اگرچہ صاحب قلم ہے مگر تلوار کی

چمک سے بھی ڈرنے والا نہیں۔ ۱۸۵۲ء میں جب لاہور میں گاؤ کشی پر بلوہ ہوا تو اس نے کمال

اطمینان خاطر و شجاعت سے کام کیا۔

صاحبان اہل کرب۔ جارج کلارک۔ ہول بارنس منگمری اور ٹمپل نے بھی جو مولوی رجب علی

کو اچھی طرح جانتے تھے اور جن کو اس کے اطوار دیکھنے کا بہت موقع ملا اس رائے کی تائید کی ہے۔

۱۸۵۳ء میں جب سرہنری لارنس نے اس کی موفع علی گڑھ کی جاگیر کو علی الصعام کروینے کی سفارش

کی تو اس طرح سے لکھا کہ لاہور میں بلوے کے وقت میں نہیں جانتا کہ ہم رجب علی کے بغیر کیا کرتے

اس وقت سے مجھے تمام پولیٹیکل انتظامات اور عہدہ بیان کرنے میں بڑی امداد دینا رہا۔

۱۸۵۳ء میں سرہنری لارنس نے رجب علی کی خدمات کا صلہ دلائے

تواثرات کی بارش اس کی کوشش کی تھی وہ آخر کار ۱۸۶۸ء میں لارڈ لارنس فائیراسٹ

ہند نے عطا کیا یعنی اسے موفع علی گڑھ اور دہلی ٹکونڈیل میں جو تحصیل جگڑوں ضلع لدھیانہ میں

واقع ہیں ۲۶۹۶ روپیہ سالانہ کی جاگیر ان میں قیمت خدمات کے صلے میں ملی جو اس نے ۱۸۵۵ء



کے محاصرہ دہلی میں کیں اور تیز آن خدمات کے عوض جو اس نے اس وقت انجام دیں جبکہ فرما زوا سے بچا  
کے مابین اس باب میں عمدہ پہچان ہو رہے تھے کہ سرکاری فوج کو افغانستان کے مہمکن میں جن کے  
باعث پنجاب کا سرکار انگریزی کے علاقے کے ساتھ الحاق ہوا شامل ہونے کے لیے سکھ سرحد سے گذرنے  
کی اجازت مل جلتے ایلم غدر میں مولوی رجب علی کی خدمات کو اثر مارٹر جنرل مقیم بیرون شہر دہلی  
کے پرد کی گئیں تاکہ وہ ہاؤسز صاحب کو انجینس ڈیپارٹمنٹ کے ترتیب دیتے اور چلانے میں امداد  
دے چنانچہ وہ اس اہم فرض کی انجام دہی میں کامیاب ہوا اور اسے دہلی کے محاصرہ کی خدمات کے  
میلے میں ۱۰۰۰۰ روپیہ العام ملا ۔

”مولوی کو ۱۸۵۷ء میں خان بہادر کا اور ۱۸۵۸ء میں ارسلد باہ کا خطاب عطا کیا گیا اس کا استعمال  
۱۸۶۹ء میں ہوا جس کا اس کے تمام جانشینوں کو رنج ہوا“ (۱)

رجب علی کے ”شاندار“ کارناموں کا ذکر، جنگی خطوط و کتابت  
جنگی کاغذات میں ذکر | میں جی، اچھے اور مرتبہ الفاظ میں موجود ہے، دو تحریریں

خاص طبع پر اہمیت رکھتی ہیں، جو درج ذیل ہیں : —

جسے سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے جارج کارٹک بارس کے  
مراسلہ نمبر ۳۱ | نام ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا ۔

لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارس

میں نے سائڈرس کو لکھ بھیجا ہے کہ مولوی رجب علی (صاحب) کو بھیج دیں جو غریب  
اپنی خدمات کے باوجود عجیب زرخہ میں چنس گئے ہیں۔ مجھے مولوی کو پنجاب میں واپس بلا لینے سے  
خوشی ہوگی۔ امداد میں ان کے فوائد کا خاص خیال رکھوں گا۔

(۱) مذکورہ سائے پنجاب جلد اول، ص ۳۳۹

لہو فان ختم ہو گیا۔ اور ہمیں سانس لینے کی فرصت ملی اور حبیب میں گذشتہ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم لوگ کس طرح سے اب تک جوں کے توں زندہ موجود ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے رحم کی دہر سے ہم زندہ بچے ہیں۔ یقیناً یہ بات ہماری توقعات سے زیادہ نکلی کہ تمام پنجابی پلٹنیں و فاداریں۔ ہزارہ کے بارہ میں مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ مری میں بھی اہم معاملہ نہ نما ہوئے والا تھا۔ اور جیسی کہ میں نے توقع کی تھی۔ معاملات ابھی بھی پیسے طو پر طے نہیں ہوئے ہیں۔ پٹنڈی میں ایک اور فوج بھیج رہا ہوں اور اس فوج کو ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ سولہ صیوانہ میں ابھی بھرتی کی گئی ہے۔ جان پٹنیں جنہوں نے فوج کی کان کی تھی۔ سخت بزدلہ نکلے اس لیے کہ جب بد معاش قبضہ میں تھے۔ وہ ان کا کچھ نہ کر سکے۔ اب انہیں بخدا چڑھ آید لہذا انہیں بالضرور واپس آ جانا چاہیے۔

سکھوں کی ان دو پلٹنوں کا کیا حشر ہوا جنہیں رکشس نے بھرتی کیا تھا مجھے امید ہے کہ انہیں چھوڑ دیا گیا ہو گا۔

پٹنڈیالہ نا بھر اور جند کے لیے جو العامات ہمیں تجویز کرنے چاہئیں ان پر ذرا اپنے ذہن میں غور و خوض کر لیجئے۔ انہیں ضرور انعام و کرام دینا چاہیے۔ اگر وہ وفاداری نہ کرتے تو ہم کہاں کے رہتے۔

آپ کا صادق

مال لارنس۔ (۱)

مولوی رحیب علی نے اپنے جو حالات، خود، "تحقیقات چشتیہ" کے لیے تحریر فرماتے ہیں۔ وہ فریل میں خراج کیے گئے ہیں۔ اسلئے کہ

تصنیف لا مصنف نیکو کہد بیاں

"۱۸۷۱ء میں بمقام تلونڈی اپنی جاگیر میں تولد ہوا۔ ۱۸۷۴ء میں دیوان محکم چمد افسر فوج جہاڑہ

۱۱۱ محاصرہ دہلی کے خلیفہ ص ۳۲

رنجیت سنگھ نے ٹکونڈی کو مو دیہات بے سبب بلا و بھر ضبط کر کے ہمارے بزرگوں کو جلا وطن کر دیا وہاں سے نکل کے گھراؤں میں آئے سردار فتح سنگھ بہادر اہلوالیہ نے محض عالیجاہی سے دو سوڑیاں دہلی واسطے استعانت کے گھرانوں میں عطا کیے اور پھر راجہ بہال سنگھ ان کے فرزند نے کچھ زمین باغ کے لیے بخش دی اور ہمیشہ مہربانی کرتے رہے پھر راقم واسطے تحصیل علوم کے بعد دوازدہ سالگی نابور کو گیا اور علوم طلبیہ کو سید خیر شاہ لاہوری تلمیذ حکیم اعلیٰ سے حاصل کیا اور کتب ابامیہ کو ملا مہدی خطائی تلمیذ جناب ملا محمد مقیم صاحب یکے از تلامذہ جناب شیخ سرعالی علیہ الرحمۃ سے کرامت و اعلام شیعہ سے ہیں پڑھا تھوڑی صرف نحو بھی حاصل کی ۱۸۲۵ء میں دہلی میں مدرسہ مجریز ہوا اسکا تمام درپے اشاعت علوم متوجہ ہوئے تو راقم نے بھی علوم متداولہ رسمہ و ہال حاصل کیا اور مدرسہ دہلی میں مدرس علم بیاضی کا رہا حکام حضور چارلس ٹکف صاحب بہادر لورالیٹ صاحب بہادر رزیدنٹ دہلی عنایت کرتے تھے اور خصوصاً سرچارلس ٹرولین صاحب بہادر جواب مدراس میں گورنر ہیں ان کی عاتقوں کی توہنایت نہیں بہت زلف عنایت میرے حال پر مبذول تھی بلکہ جب حضور لارڈ امہرشٹ صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے دہلی میں بعد فتح بھرت پور دربار کیا تو میں بھی بندہ یحیٰ انہیں صاحبان مجلس الشان کے حاضر دربار ہو کر خلعت سے معزز و ممتاز ہوا اور بمقتضائے تہذیب عالی علم کے پیشاگاہ بندہ گمان حضور لارڈ گورنر جنرل بہادر سے دربار میں کرسی بھی مرحمت ہوئی ۔

۱۸۳۱ء میں بعد قطع تعلق مدرسہ براہ آگہ و گوالیار وارد ہو شک آباد ہوا تب جلن ایف دہلی صاحب بہادر وطن حاکم تھے تعریف ان کے اخلاق کی بیرون از احاطہ تحریر ہے خصوصاً جو نحو پر غنائیں کرتے تھے میں بیان ان کا نہیں کر سکتا چند دن وہیں مقیم رہا آخر ہندو معاہدہ جناب صاحب موصوف بھوپال ملک کرم محمد خان مختار سیاست کے روبرو آیا قاضی صاحب نے واسطے تحریر فتاویٰ شرعیہ و امور محکمہ گورنری مقرر فرمایا قریب چھ سال کے وہیں تو قیام کیا اس اثنا میں حسب ایما سے خالص صاحب عید اللہ بغدادی کہ مدعی جامعیت علوم ہیں اسے مقام خود ستائی میں ایک لاکھ حدیث کا یو بیوتا بیان کرتا تھا مطلق مباحثہ شیعہ و سنی کا اس سے نہ ہوا۔



صدر آدمی حسن واسطے سماعت ال معنایں کے حاضر ہوا ہوتے تھے اور اخبار نویس انگریزی بھی کیفیت اس مباحثہ کی خدمت و کنشن صاحب بہادر اجنٹ سیپور لکھا کرتا تھا۔ آخر کار عبداللہ مذکور نے مح اپنے حامیوں کے جو باشندگان رام پور و ملک یوسف زئی کے تھے حقیقت مذہب شیعہ کا اقرار کیا تب بائیس بھوپال کے اس سے بد اعتقاد ہونگے بلکہ بعض حرکات ناشائستہ کے ہمارے بھی نکال لگیا لیکن چونکہ سکندر بیگم کی والدہ کا پیر تھا اس سبب سے آنا جانا اس کا دربار میں پھر جاری ہو گیا۔

۱۸۳۳ء میں بھوپال سے بذریعہ رخصت جگڑوں میں آیا سردار نتج سنگھ اہلو والیہ نے جو قدردان اہل علم و فضل تھے کچھ بقلہ میں یاد کیا اور معاجین میں مقرر فرمایا اور مجھے واسطے نہر کے حکم دیا۔ میں نے نقشہ بعد مساحت ارتفاع و انحناء بن زمین کا درست کر دیا چنانچہ عہد راجہ نہال سنگھ بہادر اہلو والیہ میں بموجب نقشہ کے ابھرتے نہر عمل میں آیا خلاصہ راقم چار مہینے بندمت سردار صاحب حاضر رہا بعد اُس کے بحصول رخصت و خلعت بعزم بھوپال روانہ ہوا اثناء راہ میں جب وارد انبالہ ہوئے ملازمت حضور آریئل سر جارج رسل کلارک صاحب بہادر جن کے اوصاف سے زبان قلم قاصر ہے حاصل کی تو صاحب موصوف نے یکم فروری ۱۸۵۲ء کو بندمت منشی گری ملک محفوظ مابین جمن و ستلج اولاً میر منشی مالک پنجاب مامور فرمایا جب سے خدمت چارج برآؤ فوٹ صاحب بہادر و سر فریڈرک کری باریت صاحب بہادر و سر مہتری لارنس صاحب بہادر و ہندگان حضور مسترجان لارنس صاحب بہادر جو بفضیل الہی سربراہ راستے حکمہ گورنری کشور ہند میں بمقام خود کاروبار میں سرگرم رہا۔ انہیں گورنر جنرل بہادر کو جب حاکم اعلیٰ لاہور کے تھے ۱۸۵۳ء میں استعفا دے کر بحصول رخصت و خلعت و خط انگریزی جاگیر دار جگڑالو ہوا بعد اُس کے حسب الطلب سر مہتری لارنس صاحب بہادر ملک راجہ پٹنہ فرما بھی سیر کیا اور حین معاودت حیدر علی مصطفیٰ نقشبی الکام سے بقیہ بقیہ مباحثہ ہوا۔ وہ بڑے مفتی صدر الدین خان سابق صدر الصوفی حیدر علی مغلوب ہوا اور یہ مضمون رغبات دہلی میں چھپ گیا اور مسائل بھی اس میں تحریر ہوئے۔



معدہ ۱۸۵۷ء میں بمقام دہلی بالائے پہاڑی کمپوٹے سرکاری میں بعدہ میرمنشی گری کانڈر  
انجینئر بہادر معزز و ممتاز ہو کے تحت حکم جناب جرنیل فلیچر صاحب جو کچھ خدمت مجھ سے ہوئی  
اس سے قاصر نہ رہا بعد کچھ دہلی بمحصول رخصت وطن چل آیا جارج کارناک بارنس صاحب بہادر  
کشن نے رپورٹ خدمات کی کی تو پیشگاہ لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل کثیر ہندوستان  
سے خلعت ۵ ہزار روپیہ بذریعہ بندگان حضور سرہانہ لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل حال  
مرحمت ہوا اور کچھ جاگیر بھی عطا ہوئی اور خطاب ارسلو جاہ کا علاوہ خطاب خان بہادر کا ہم  
لاہور میں پیشگاہ لارڈ ہارڈنگ صاحب بہادر گورنر جنرل سابق سے عطا ہو چکا تھا ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۲ء  
براہ سکھ و کراچی و بہمنی و عدنان مشرف بیچ و نیارت ہو کر وارد بگرام ہوا اور بتقریب ۱۸۶۳ء  
خانہ کے بھی بحضور صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب حاضر ہو کر مورد مرام بے پایاں ہوا اور شکر  
گزار عنایت مرخص ہوا۔

۱۸۶۲ء سے آمدورفت راقم کی لاہور میں گاہے بگاہے بطور خود گاہے بہار ت سرکار انگلی  
اور اکثر اوقات لبیب تعلق بمحکمہ عالیہ لاہور رہے لکن جیسا لاہور کو اس مرتبہ برآستگی بافتا  
گرا گرو شہر کے اور صفائی سڑکوں کی اور فروکش بازار کے اور عمارات عالیہ نواح کے جو بتوجہ  
حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب عام شوکت ہوئے دیکھا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہزار ہا درجہ  
موفق زیادہ ہے گویا لاہور کی حقیقت بدل گئی حوالی لاہور پر سعادت جدید مہار فیض کی جانب  
سے آئی ہے۔ اگرچہ مجھ میں کوئی یاقوت اور تابلیت نہیں مگر الحمد للہ کہ اوقات میری عزت و آبرو  
سے بہرہ ہوتے حکام عہد ہمیشہ عزت افزائی میں مہر دت رہے امثال و اقار میرے مجھ کو ہمیشہ  
نظر اعلیٰ و اقدس کو دیکھتے رہے صاحبان ڈپٹی کمشنر بہادر لدھیانہ امتداس سے آج تک مجھ پر نظر  
عنایت مہر دت رکھتے ہیں چنانچہ اب چارلس ایبٹ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر جنرل بیت عنایت رکھتے ہیں۔ ۱۱

اعمال قلمی | مرزا ابو خیر لدھیانہ رحمت علی صاحب آج دنوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے مگر انکے اعمال نامے انکی کتاب حیات  
کے واقعات باآواز و ہر سہے ہیں۔ غرضی وجہ علی حکم خیر کے افرام علی تھے اور مرزا اپنی بخش بلا بر باد ظام کے معتمد اور باطنی خزانہ  
۱۱ تحقیقات چشتیہ (نور احمد چشتی) معجم سنہ ۱۳۸۷ھ

کچھ پیسے اور نئی صاحب کے یہ قدر انہوں نے مادی کیفیت طبعی صاحب کو نئی اور نئی صاحب کے بزرگ اور مشرکوں کو دیا۔

(۳)

## حکیم احسن اللہ خاں

حکیم احسن اللہ خاں بہت بڑے طبیب، اہل علم، صاحب دماغ، اور مدبر تھے لیکن اسی پایہ کے غدار بھی تھے، وہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی بغض دیکھتے تھے۔ راج کا سارا حال آغا پان فرنگ سے بیان کر دیتے تھے۔ دہلی کے عوام انہیں غدار، جاسوس اور خنزیر سمجھتے تھے، انہوں نے غدار کے دوران میں بار بار، انہیں پکڑنے اور مارنے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ، بادشاہ سلامت اڑے اُگئے، وہ اپنے طبیب خاص، مہمہ خاص، اور عب خاص کو، غدار اور جاسوس کیسے سمجھ لیتے؟ وہ آخر وقت تک حکیم صاحب پر اعتماد کرتے رہے، اور حکیم صاحب آخر وقت تک، اپنے اُمائے دلی نعمت سے غداری کرتے رہے۔

جائے تم اپنی خون نہ چھوڑو گے ہم اپنی دماغ کیوں چھوڑیں

یہ تاریخ بڑی دلچسپ اور ساتھ ہی ساتھ بڑی حسرت انگیز ہے، اب عہد بہ عہد کا القاب

دیکھتے۔

ریٹیریڈنٹ اور حکیم صاحب

۱۳ نومبر ۱۸۵۶ء — حکیم احسن اللہ خاں نے عرض کیا کہ جناب صاحب کلال بہادر مجھ سے بہت ناماں

ہیں کیا تدبیر کرنی چاہئے جس سے ان کا ملال خاطر رفع ہو حضور نے صاحب کلال کے نام ایک رقعہ تحریر فرمایا کہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر خیر خواہ آدمی ہیں ان سے کبیدہ خاطر ہونا مناسب نہیں ہے لہذا ان کی طرف سے آپ اپنا دل صاف کر لیں اعدائے سے جو کچھ بھی رنجش ہو اُسے دل سے نکال دیں۔ صاحب کلال بہادر نے بادشاہ عالی جاہ کے ارشاد فیض بہاد کی تعمیل کی اور اپنے سینہ بے کینہ کو حکیم صاحب کی طرف سے جو رنج و غبار تھا اُس سے پاک کر لیا حکیم صاحب ان کے اسی لطف و کرم سے بہت مسرور

دلا نوبت پنج روزہ در اشد الخیر را شملی ص ۱۱۰

ہوتے اور بادشاہ جہاں پناہ کی بھی اس ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور تیز تر ترقی عروج و توسیع مملکت کی دعا کر کے اپنی فرمانبرداری و خیر خواہی و فاشکاری کا ثبوت دیا۔ (۱)

اندول شہر کی کیفیت بھی سننے کے قابل ہے، ایک شخص جو

## غالب اور حکیم صاحب

حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا پروردہ اور آوردہ تھا اور جو دنیا

سے بہت کچھ روپیہ جمع کر چکا تھا اس خیال سے کہ جب تک حکیم صاحب جن کو اس کی غزوہ بردہ کا علم تھا زندہ ہیں ملازمت میں ہوتے کا اندیشہ رہے گا۔ ان کے قتل کے واسطے ہوا اور یہ افواہ اٹاتی کہ حکیم صاحب انگیزوں کے خیر خواہ اور طرفدار ہیں۔ اسی طرح باغیوں کو ان کے خلاف برا ٹھیکہ کیا۔ چنانچہ ایک روز بد بخت باغی حکیم صاحب کو قتل کرنے کے لیے ان کے دولت کدہ پر حملہ آور ہوئے۔

مگر خوش قسمتی سے حکیم صاحب اس وقت تلوے میں بلا شاہ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ ان نا بجا حملوں میں سے کچھ لوگ تلوے پہنچے۔ اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا۔ اور ان کی جان بچائی۔ اگرچہ حکیم صاحب کی جان بچ گئی۔ مگر بد بخت باغیوں کو اس وقت تک چین نہ آیا۔ جب تک کہ انہوں نے حکیم صاحب کا مکان لوٹ کر اس میں آگ نہ لگا دی۔ افسوس کوئی غلام جب تک اس کی اصل میں فراق نہ ہوا اپنے آقا کے ساتھ ایسا ترکے گا۔

حکیم احسن اللہ خاں کے ایک پالک تھے ناجائز طریقوں سے روپیہ جمع کر لیا تھا۔ حکیم صاحب اس روئے سے

## ”حکیم احسن اللہ خاں پر مصیبت“

آگاہ تھے۔ پالک نے اپنی بددیانتی پر پروردہ ٹالنے کے لیے افواہ اٹا دی۔ کہ احسن اللہ خاں انگیزوں کا دہی خواہ ہے۔ ان کے لیے جاسوسی کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ باغی بگڑ گئے۔ اور حکیم صاحب کی قتل کی نیت سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ حسن اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت تلوے میں

(۱) بہادر شاہ کا روز نامہ ص ۸۹

(۲) غالب کی فارسی تاریخ غدر و سبقت ص ۶۴-۶۵



بادشاہ کے پاس موجود تھے۔ باغی تعقب میں قلعہ پہنچے۔ لوہ جلتے ہی حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ خادم نواز بلوٹا  
تے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا۔ اس لمحہ جان بچ گئی لیکن باغیوں نے حکیم صاحب کا سامان لوٹ  
لیا۔ اور مکان کو آگ لگا دی۔ سارا مکان جل کر راکھ بن گیا۔ دیواریں دھوئیں سے سیاہ بن گئیں۔ کیا مکان  
کے ماتم میں انہوں نے سیاہ لباس پہن لیا۔ (۱۱)

کیا حکیم صاحب بے قصور تھے؟  
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حکیم صاحب  
بے قصور تھے، اور ان کے ایک نمک حرام پرصہ

نے انہیں نقصان پہنچانے کے لیے، یہ الزام تراش لیا تھا کہ وہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں،  
لیکن واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا دامن غداری سے طغدار تھا، وہ انگریزوں  
سے ملے ہوئے تھے، ذیل میں ایک سرکاری جنگی مراسلہ درج کرتے ہیں جس سے اس دھوے  
کی صداقت پر روشنی پڑے گی: —

مراسلہ نمبر ۸  
جسے ہنری گریٹ ہیڈ میٹریا سی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنگ  
بارنس کو ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیپ مقابل دہلی ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء

ہائی ڈیر بارنس۔

”مولوی رجب علی صاحب نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع دوں کہ انہوں  
نے حکیم احسن اللہ صاحب کے نام ایک مراسلہ بھیجا تھا جو مجھے پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ اور میرا یہ خیال  
تھا کہ اس سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے حکیم صاحب، بادشاہ اور باغیوں  
کے منصوبوں کے اندرونی راز بنانے کے قابل ہو جائیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس کے باعث حکیم  
صاحب کی محنت بے عزتی ہوئی۔ اس لیے کہ وہ مراسلہ سپاہیوں کے ہاتھ میں چڑ گیا۔ اور ان

۱۱، غالب دھم دھم تہر، مشعل



کے مکان کی تلاشی لی گئی۔ یا ان کو کچھ نقصان پہنچا، کیپ کی حالت میں نمایاں ترقی ہو گئی ہے۔ ہم ہر لحاظ سے آرام سے ہیں اور ابھی تک افواج کی صحت اچھی ہے۔ جس کے لیے ہم خدا کے شکر گزار ہیں، دشمن کو تمام مقامات پر اور تمام جنگی چالوں میں کلیتہً ناکامی ہوئی ہے۔ جب تک کہ ملک دشمن نہیں مہلے بے ساز و سامان کئے نہ پہنچ جائیں اس وقت تک کسی زبردست جنگی کارروائی کا فیصلہ کرتا بالکل بے سود ہے۔ اور اس وقت یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا جرنل ہادیلاک کا انتظار کرنا چاہیے یا نہیں۔ اب تک تو ہر بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امداد کی باغی فوجوں کا بہت جلد صفایا ہو رہے گا۔ مجھے آگے سے یہ خبر ملی ہے کہ ۲۲ ہزار نیپالی افواج جرنل ہادیلاک سے لکھنؤ کے مقام میں ملنے والی تھیں۔ ڈرمینڈ کو بالآخر آگرہ کے دیسی افسروں کی نالا تعمیل کی سزا بھگتنی پڑی۔ انہوں نے ان پر اعمام دیکھا اور وہی اسٹیشن کو تباہ کرتے ہیں پیٹ پیٹ تھے۔ پانی پت میں ۳۲۲۰۰۰ (تین لاکھ و پچاس ہزار) مدد حاصل میں موصول ہوا ہے۔ اور میرٹھ والوں نے اپنے خزانوں کو بھر پور کر لیا ہے۔ ہڈن گانڈز رہنماؤں کے ساتھ ہر گئے ہیں۔ اور وہاں وہ ان باغیوں کے دستہ کی دیکھ بھال کریں گے۔ وہ دھمک چلا گیا ہے۔ ان باغیوں کا یہ ارادہ تھا کہ وہ ایسے چند ستوں کو باہر بھیجیں تاکہ وہ ملک کو شہر پر آمادہ کر سکیں۔ لیکن کسی شخص نے کہا کہ یہ حکیم حسن اللہ صاحب کی ایک چال ہے۔ تاکہ وہ دہلی کی باغی فوج کے کچھ حصہ کو باہر بھیج کر اسے کمزور کر دیں اور پھر شہر کو ہمدے قبضہ میں لادیں۔ (۱۱)

کیا اس کے بعد بھی حکیم صاحب کو بے قصور قرار دیا جائے گا؟  
 بہادر شاہ کے معذرت کے دوران میں حکیم صاحب نے جو گواہی دیا  
**حکیم صاحب کی گواہی** وہ بھی ان کی غدارانہ ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔  
 ”حکیم حسن اللہ خاں جو بہادر شاہ کے قیدی تھے ان کی گواہی کا گواہی نک

سے بنا تھا اپنی شہادت میں بادشاہ کے خلاف فرماتے ہیں کہ "مناہی ملازموں میں سیدی نصیر خواجہ  
مرزا اور شہزادوں میں مرزا ابوبکر اور مرزا خضر سلطان اس میں شریک تھے میں نے دو روز بادشاہ کو  
قتل سے روکا مگر بالآخر بادشاہ نے حکم دے دیا وہ اگر چاہتا اور یہ کہہ دینا کہ پہلے میرے  
بیوی بچوں کو قتل کر دو تو باغی باز آجاتے!"

صاحبِ تاریخ ہندوستان ذکار اللہ کی رائے ہے کہ احسن اللہ خان کا بیان قطعی لغو  
صاحب بادشاہ کے اختیار میں ہی نہ تھا کہ وہ ان باغیوں کی رائے کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ سکتا  
وہ اس کے بغوت میں کہتے ہیں کہ جتنی لال بجز کا یہ بیان موجود ہے کہ مرزا منجھلے نے کہا کہ عورتوں کو چوں  
کا قتل اسلام میں جائز نہیں تو تنگے ان کے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور منجھلے نے بھاگ کر جان بچائی (۱۷)  
"ہمیشہ یوہی نہیں رہے گا!" غلہ کے بعد حکیم صاحب، اور الہی بخش کو اگرچہ انعامات  
ملے، لیکن در سے پریشان ہوتے کے بعد غلہ کی کامیابی  
فنا نہیں ملتا، اس میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔

مرزا غالب کہتے ہیں : —

یہ نسبت حکیم احسن اللہ خان کے جو بات مشہور ہے (جلا وطنی) وہ محض غلط، ہاں مرزا الہی  
بخش جو شاہزادوں میں ہیں۔ ان کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا  
حکم ہو۔ حکیم جی کو ان کی سہیلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان ماکوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم  
ان کو ہے۔ کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔ مع تو بے کسی وغریبی تراکمی پر مدد؟  
نہ جزا۔ نہ سزا۔ نہ نافرین نہ آفرین، نہ عدل نہ ظلم، نہ لطف نہ قہر (۱۸)

(۱۹)

(۱۸) فہرست پنج روزہ دراشت ویلوی ص ۱۲۸

(۱۹) غالب کا روزنامہ ۵۲ - ۵۳

## مورد لطف و کرم

اب کچھ ان لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جنہوں نے غدر کے زمانہ میں اپنی قوم سے کٹ کر انگریزوں کا ساتھ دیا، اور دامن مراد گل آرزو سے بھر لیا، ان میں سے بعض نے اپنا پایا کر تنگی و امان کی شکایت کرنے لگے، اور بعض نے خود نو پایا مگر اپنی اولاد کو کچھ نہ دلا سکے، مرتے ہی سب کچھ ضبط ہو گیا۔

(۴)

## سرفراز خاں (کھل)

یہ ایک ہوا خواہ سرکار کی سرگذشت ہے : —  
 مظفر خاں کے بعد اس کا بھائی محمد سرفراز خاں جالین کھل ہوا جو ایک قابل آدمی در بہادر پای تھا خاندانی جائیداد راجہ رنجیت شاہ کے عہد حکومت کے دوران میں اس کے قبضے میں رہی مگر راجہ ہیر سنگھ نے اسے گنہگار کر کے ۳۰۰ کی مالیت کا کر دیا۔ سرفراز خاں نے بہت سے مواقع پر سرکار انگریزی کی اعلیٰ خدمات کہیں لکھتے ہیں اس نے لکھنؤ برائے صاحب بہادر کو جبکہ وہ بطور سفیر دریائے ماہی کی راہ سے لاہور کی طرف جا رہے تھے دل و جان سے امداد دی، انھوں نے ہری رائی میں جو ۱۸۴۸ء میں ہوئی یہ سرکار انگریزی کا وفادار رہا یعنی صاحب سڈنٹ کے احکام کے مطابق اس نے اپنی قوم کے لوگ جمع کر کے مکھوں پر حملہ کیا جن سے یہ مانتا پڑتا ہے اسے نفرت کرنے کی معقول وجہ تھی اس نے باغیوں سے قلعہ تلمبہ پھینک دیا اور اس کی حفاظت کے لیے اپنے آدمی مامور کئے اس کے بعد میں رائی کے ختم ہونے پر اس کو ۵ سو روپیہ سالانہ کی پنشن تاحین حیات عطا کی گئی اور کمالیہ کے قصبہ کی آمدنی میں سے ۲،۵ روپیہ سالانہ بھی دے گئے ستمبر ۱۸۵۸ء میں جب کہ قوم کھل کا بہت بڑا حصہ احمد خان کے ماتحت باغی ہو گیا تو سرفراز خاں سرکار کا وفادار اور ایک ملال رہا اسی نے پکتان



انفٹن صاحب بہادر کو اُن کے مکان پر آکرات کے وقت خبر دی کہ فساد برپا ہونے لگا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ صاحب موصوف نے لاہور سے مدد منگوائی۔ بعد ازاں یہ باغیوں کے ارادوں کی خبریں حاصل کرنے میں بڑا مفید ثابت ہوا اور جب وہ منتشر ہو گئے تو اس نے اُن کے لوٹے ہوئے مال کے برآمد کرانے میں بڑی اندو دی ان خدمات کے عوض میں ان کو خان بہادر کا خطاب ۵ سو روپیہ کا ایک خلعت اور حین حیات کے لیے ۵۲۵ روپے کی ایک جاگیر مرحمت فرمائی گئی۔

سرفراز خان اکتوبر ۱۸۵۷ء میں فوت ہوا اور علامہ گیارہ چاہات کے جو بیسٹل علی المعام مالک اُ کیسے گئے اس کی تمام جائیداد اور پیش بر تعداد ۱۷۷۵ روپیہ ضبط سرکار ہو گئیں اس نے ایک لڑکا امیر علی خان چھٹرا جس کا انتقال ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ (۱)

(۱۵)

## دہاڑا سنگھ

۱۸۵۷ء کے فسادات کے دوران میں دھاڑا سنگھ کو اپنے پرانے وطن احمد خاں سے بدلے لینے کا موقع ملا اس رئیس نے جس کا قوم کھل میں بہت رسوخ تھا اور جو اپنے زمانے میں بہت سی رٹا یٹل میں سرگودہ رہ چکا تھا یہ خیال کیا کہ بغاوت ۱۸۵۷ء میں لوٹ و فساد کا ایسا اچھا موقع ہے کہ اس کو ہاتھ سے کھو دینا گناہ ہو گا چنانچہ اس نے اپنی قوم کو براجمختہ کر کے بغاوت پر آمادہ کر دیا اور دھاڑا سنگھ کو پیغام بھیجا کہ اس کے ساتھ شامل ہو مگر سردار مذکور کو اپنے تباہ شدہ گھر اور لٹی ہوئی فصل کا خیال آگیا اور اس نے احمد خاں کے ارادوں کی گورنمنٹ کو خبر پہنچا دی اور خود میجر مارٹن صاحب بہادر کے زیر حکم فوج میں شامل ہو گیا اور باغیوں کے مقابلے میں لڑنے کو گیا اور کئی معرکوں میں موجود رہا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس نے احمد خاں

(۱) مذکورہ دولہے پنجاب، جلد اول ص ۳۷۰



کو اپنے ہاتھ سے گولی سے مارا جب بغاوت فرو ہو گئی تو دھاڑا سنگھ نے ضروری خبریں دیں جن سے اکثر باغیوں پر جرم ثابت ہوتے خواہ دھاڑا سنگھ کا ہوش و فاداری تھا یا بدلہ لینے کی نیت تھی۔ اس کی جو خدمات تھیں وہ بہر حال قابل قدر تھیں لہذا ان کے صلے میں اس نے ۳۰۰ روپیہ مال کا عطیہ حاصل کیا نیز گاش کوڑی اور دان بہر سنگھ دو مواعقات کی مالیت ۲۰۰ روپیہ تھی اور جو اس کی پالی جاگیر میں سے تھے جاگیر علی الدوام میں داخل کیے۔

دھاڑا سنگھ نے دو لڑکے احم سنگھ اور شیر سنگھ چھوڑ کر شاہانہ میں وفات پائی ۱۱۸۵

(۶)

## دیوا سنگھ

اب ایک اور "وطن دوست" کا مرقع ملاحظہ ہو : —

جب ۱۸۵۵ء میں پنجاب ملٹری پولیس بنائی گئی تھی تو دیوا سنگھ اس کے منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۵ء کے غدر شروع ہونے پر جب ہندوستانی پلٹنوں سے امرتسر میں ہتھیار چھین لیے گئے تو اس موقع پر ایسے بڑے مقام میں صرف یہی ایک مسلح پلٹن تھی جو شہر میں امن خزانے کی حفاظت اور حکام سول کی حکومت قائم رکھنے میں امداد دیتی اور دو بے ہتھیار ہندوستانی پلٹنوں کی نگرانی کرتی رہی اس پلٹن نے اس کام کو بڑی خوبی سے انجام دیا جس کا باعث بہت کمزور دیوا سنگھ کی مستعدی یافتہ اور اعلیٰ درجہ کی وفاقاری تھی اس نے دہلی پر خدمت انجام دینے کے لیے فوراً بھرتی کرنے میں بڑی اعانت کی اور غدر ۱۸۵۷-۵۸ء کے دوران میں بہت سے رنگروٹ بھرتی کیے اور ان کو خدمات کے لیے بھیجا ان خدمات کے صلے میں دیوا سنگھ کو سی۔ ایس۔ آئی اور مرٹار بہادری کے خطاب دیے گئے اور ۱۲ سو روپیہ سالانہ کا وظیفہ اس کی فاقہ خاص کے لیے مقرر کیا گیا۔

یکم جنوری ۱۹۶۱ء کو جب پرانی پولیس توڑ کر از سر نو محکمہ پنجاب پولیس ترتیب دیا گیا تو دیواسنگھ ایک عرصے دماز تک جنگی خدمات عزت کے ساتھ کر کے علیحدہ ہوا اس نے ۳۰۰۰ روپیہ کی پنشن حاصل کی اور اسے ۶۰۰ ایکڑ بنجر زمین عطا کی گئی جس کے حقوق مالکانہ اس نے خاندان کو علی الدوام حاصل ہیں دیواسنگھ ۱۹۸۲ء میں فوت ہوا اس کے بیٹے امر سنگھ نے ابھی تعلیم پائی ہے اور کچھ عرصے تک تحصیلداری کا امیدوار رہا مگر ملازمت نہیں کی ایک دماز نے اس میں یہ ذرا کے لوکل بورڈ کا سیکرٹری تھا اور ادب اپنے حلقہ کا ضلع دار اور تحصیل ذرا کے سب ڈویژن کا سب رجسٹرار رہے یہ پراونشل درباری ہے اور منصور خاں میں رہتا ہے۔ (۱۱)

(۷)

## محمد حیات خاں

۱۸۵۴ء میں نکلن صاحب بہادر پشاور کے ڈپٹی کمشنر تھے اور جب بغاوت پہلے پہل شروع ہوئی تو انہوں نے محمد حیات خاں کو خدمات کے لیے آفریدول کا ایک دستہ بھرتی کرنے کی ہدایت کی اور جب صاحب موصوت اُن فوجوں کے سربراہی پر جانے والی تھیں اور سفر ہوتے تو انہوں نے نوجوان حیات خاں کو ایڈیٹنگ بتایا جب نکلن صاحب بہادر نے نمبر ۵۵ پلٹن کے باغیوں کو ترمیموں لگاٹ پر عبرت انگیز سزا دی تو محمد حیات خاں ان کے ساتھ ہی تھا اور انہیں کی فوج کے ساتھ دہلی جا کر محاصرے کے دوران میں بڑی بہادری سے لڑا جب جرنیل نکلن صاحب کو شہر کے فتح ہونے پر ہلک زخم لگا تو یہ آخیر دم تک ان کے پاس رہا اور زخم لگنے کے کچھ دن بعد کو وہ دم نہ رہے ان کی دل و جان سے خبر گیری کرتا رہا ان خدمات کے صلے میں ۲۵۰ روپیہ سالانہ کی وہ پنشن جو اس کا باپ لینا تھا اور جو باپ کی وفات پر

۱۱ مذکورہ رڈ ساتھ پنجاب جلد اول، ص ۳۶۵

اس کے نام جاری ہوئی تھی بڑھاکر ۳۰۰ روپیہ کر دی گئی اور میرا سے ایک بڑا قیمتی خلعت عطا ہوا۔  
 دہلی فتح ہو جانے کے بعد محمد حیات خان پشاور واپس آیا جہاں اسے قاضی مقرر کیا گیا ۱۸۶۱ء  
 میں اسے جہلم تبدیل کر کے تلہ گنگ کا تحصیلدار بنا دیا گیا ۱۸۶۲ء میں اسے ترقی دے کر اکٹر اسٹنٹ کمشنر  
 بنایا گیا اور شاہ پور تعینات ہوا اور وہاں سے بنوں تبدیل ہو گیا ضلع بنوں میں زیادہ تر اسی کی بے  
 دھیر کوششوں اور ہمت پر گرم کار ہونے کی وجہ سے محمد خلیل وزیر کی محبوب ہو گئے اور سرحد  
 میں جہاں ۱۸۶۲ء میں کچھ بغاوت ہو چلی تھی امن و امان قائم رہا اور اس کی بے نظیر خدمات کے لیے  
 گورنمنٹ ہند نے اس کا فکیر ادا کیا ۱۸۶۳ء میں اسے اسٹنٹ کمشنر بنا دیا گیا اور اسی۔ ایس۔ آئی  
 کا خطاب عطا ہوا یہ ۱۸۶۸ء کے کرم فیلڈ فورس کا اور ۱۸۶۹ء کے کابل فیلڈ فورس کا پولیٹیکل افسر  
 مقرر ہوا اور پیش پر جانے سے پہلے صوبہ پنجاب میں ڈویژنل جج مقرر ہو گیا تھا ۱۸۶۹ء میں اسے  
 قاضی کا خاقی خطاب عطا ہوا اس کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا خان محمد عالم  
 حیات خان جو اکٹر اسٹنٹ کمشنر ہے اس کی سبکداری کا بزرگ ہوا۔ (۱۱)

## (۸) لش سنکھ

۱۸۵۷ء میں لش سنکھ اس دستہ فوج کے ساتھ جس کے افسر سر ڈانیشن پراہن صاحب بہادر  
 تھے دہلی گیا اور دوران غدر میں بہت ہی اعلیٰ درجہ کی خدمات کیں جرنیل پراہن صاحب بہادر اس کی  
 نسبت تحریر فرماتے ہیں : ”یہ واقعی ۵۰ لاکھ فوج میں شامل تھا اور اس سے زیادہ بہادر میں نے کبھی  
 کوئی شخص نہیں دیکھا یہ جانتا ہی نہ تھا کہ خوف کیا بلا ہوتی ہے یہ خطرے کے وقت بہت خوش ہوتا  
 تھا اور بہت سے مواقع پر اس نے نمایاں بہادری کی۔ غدر کی خدمات کے صلہ میں سرور لش سنکھ

(۱۱) تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم، ص ۲۸۵



کہ تمغات آرڈر آف میرٹ اور برٹش انڈیا میں لے تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے رسالے کا رسالہ ریمبر  
ہو گیا اس کا احتمال ۱۸۶۵ء میں ہوا یہ ۸۰۰ روپیہ سالانہ تنخواہ پاتا تھا اور اس کے قبضہ میں موضع  
ساموئیل گھڑت کی تھوڑی سی جاگیر اور کوئلاہ موضع جہلم میں ۱۲۵ روپیہ کی معافی تھی (۱)

(۹)

## ملک فتح خاں

ملک صاحب خان کے دوسرے بھائی ملک فتح خان نے ۱۸۶۵ء میں ایڈورڈز صاحب کی  
فوج کے ہمراہ ملتان کے قریب نمایاں خدمات کیں اور چینیوٹ کی لڑائی میں زخمی ہو گیا یہ چاہڑان  
کی لڑائی میں بھی شامل رہا اور ایک بہادر سپاہی اور تلوار کا دھمی ثابت ہوا غدر کے شروع ہونے  
پر یہ اس فوج میں موجود تھا جو اس کے بھائی صاحب خان کے ماتحت تھی لہ جہلم۔ اجنالا اور فیروز خان  
کی لڑائیوں میں بھی شامل تھا جہاں اس نے باغیوں کا تعاقب کرنے میں انتہا درجے کی بہادری  
ظاہر کی ان خدمات کے صلہ میں اسے ۱۵۰ ایکڑ امانی بطور حیات معافی عطا ہوئی ملک فتح  
خان ۱۸۹۵ء میں فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا ملک مظفر خان جو پہلے رسالہ گائیڈز میں سمندار تھا اس  
کا جانشین ہوا۔ (۲)

(۱۰)

## ملک شیر محمد خاں

غدر کے شروع میں ملک شیر محمد خاں نے صرف مین تلو سوار بھرتی کیے تھے یہ دستہ پہلے

(۱) تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم، ص ۳۶۵

(۲) تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم، ص ۲۹۸



پہلے محض سیچ اور دہلی کے علاقوں میں امن قائم کرتے رہے اور پھر ۱۸۵۵ء میں کمانڈر انچیف کے ماتحت اودھ کی لڑائی میں بھی گئے جہاں انہوں نے کئی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں کئے جو کام ملک کے سپرد تھا وہ اس نے ایسے طریقہ سے انجام دیا کہ ان افسران کی تحفوں میں اس کی بڑی عزت ہو گئی جن کی ماتحت اس نے خدمات کیں اور ان کا خیال اس کی نسبت اچھا ہو گیا گورنمنٹ ہند نے ان خدمات کے صلہ میں اسے "خان بہادر" کا خطاب عطا کیا اور ۶۰۰۰ روپے کی علی الامداد جاگیر اور ۳۲۴۰ روپے کی حین حیات جاگیر بخشی۔ اس کے قبضے میں قلعہ شتاب کی ۱۳۰۰۰ ایکڑ کی غیر مزدور زمین بھی تھی۔ اور جہلم کے قریب ۱۵۰۰ ایکڑ مزدور زمین اس نے اجارے پر لی تھی ملک شیر محمد خان ۱۸۹۲ء میں دو نابالغ لڑکے دوست محمد خان اور غلام جیلانی خان چھوڑ کر فوت ہوا۔ (۱۰)

(۱۱)

## جواہر سنگھ

۱۸۵۶ء میں سردار جواہر سنگھ ہی پنجاب کے سرداروں میں پہلا شخص تھا جس کو صاحب چیت کشتہ بہادر نے ہندوستان میں خدمات انجام دینے کے لیے منتخب کیا۔ صاحب موصوف کہ اس انتخاب یا بھروسہ کو اپنی عزت سمجھ کر اس سے بہتر کسی لڑتے بہادری نہ دکھائی یہ سکھوں کے پہلے رسالہ کا رسالہ اور پرانا دلیسی افسر تھا لکھنؤ، جھڑ، کانپور، کاپڑی اور جہاں کہیں یہ رسالہ لڑائی میں گیا جواہر سنگھ اس کے ساتھ موجود رہا یہ دشمن کے ساتھ ۱۰ لڑائیوں میں لڑا اور ۱۸۵۹ء کے اخیر میں اسے بعد اپنی خدمات کے ۱۲۰۰۰ روپیہ سالانہ لی جاگیر عطا ہوئی اس جاگیر کے ملنے سے پہلے اس نے میدان جنگ میں نمایاں خدمات کے صلے میں آرڈر آف برٹش انڈیا کا تمغہ حاصل کیا یہ ۱۸۶۲ء میں گوجرانوالہ کا آزیری تحریک میں مقتول ہوا اور اپنی وفات یعنی ۱۸۶۲ء تک رہا۔ (۱۱)

۱۰ تذکرہ مدد ملنے پنجاب جلد دوم - ص ۲۹۳

۱۱ تذکرہ مدد ملنے پنجاب جلد دوم، ص ۱۳۴

## مراد خاں گروہی

ایام غدر کی ابھی خدمات کے صلہ میں اسے ایک سند اور ۲۰۰ روپیہ کا خلعت عطا ہوا۔  
 ۱۸۶۵ء میں اسے ریاست بہاولپور کا ٹینٹو ایجنٹ مقرر کیا گیا اور بعد ازاں پولیسکل ایجنٹ اور  
 پرنٹنٹ کا نائب مقرر ہوا اس نے انبار منجن واہ اور فرڈ واہ کی تباہی میں ابھی کارگزاری  
 دکھائی جس کے صلہ میں صاحب پولیسکل ایجنٹ بہادر کی سفارش پر اس کو ۴۰۰۰ روپیہ نقد اعام  
 عطا ہوا اور مخواہ میں بھی ترقی کی گئی پھر جبکہ ۱۸۷۲ء میں ریاست میں چیت کورٹ قائم ہوا تو مراد خاں  
 یہاں کا چیت نج مقرر ہوا اور چیت نج کے علاوہ ریاست کا اسٹنٹ پرنٹنٹ بھی رہا ۱۸۷۴ء  
 میں لارڈ تارنٹھ بروک ہالفاہر والسرائے ہند نے عمان میں ایک مبارکیا جس میں سید مراد شاہ  
 گروہی کو ۸۰۰ روپیہ کا خلعت عطا ہوا ۱۸۷۴ء میں مراد شاہ کے عہدہ چیت نج پر نہایت اعلیٰ  
 درجہ کا کام کرنے کے صلہ میں اس کی مخواہ بڑھا کر ۱۰۰۰ روپیہ ماہوار کر دی گئی جنوری ۱۸۷۵ء میں  
 بحالت ملازمت اس کا انتقال ہوا اور ریاست نے عطیہ عن خدمات کے صلہ پر اس کی بیوہ کو  
 لڑکے کو ۶۰۰ روپیہ مرحمت کیا۔ (۱۱)

## ملک صاحب خاں ٹوانہ

مئی ۱۸۵۷ء میں غدر کے شروع ہوتے ہی ملک صاحب خاں نے بھی ۴ سواروں کا  
 ایک دستہ بھرتی کیا جس کو ہمراہ لے کر یہ جہلم کی لڑائی میں پیش قدمی کے باغیوں سے معرکہ آرا ہوا

۱۔ تذکرہ دولہ پٹناب جلد دوم ص ۵۱۲

لہ بعد ازاں مشر کو پر صاحب بہادر کے ماتحت پلیٹن نمبر ۱۷ کے باغیوں سے اجمالہ کی لڑائی میں لڑا  
اس جنگ میں صاحب خان کی پیش بہار سے لہ کار گنداری سے تقریباً ۲۰۰ باغی بغیر ایک کوئی چلنے  
کے گرفتار ہو گئے اور لطف یہ تھا کہ صاحب خان کے پاس اس وقت صرف چالیس سوار موجود  
تھے جو اپنے گھوڑوں پر بھی سوار نہ تھے انہوں نے باغیوں کو گرفتار کر لیا۔

صاحب خان کا سالہ اس کے بعد کانپور کے گرد و نواح میں جہاں کے لوگ ابھی تک باغی  
تھے امن قائم کرنے کے لیے متعین کیا گیا دریائے جمنا کے راستہ کی حفاظت کا کام اس سال  
نے بڑی کامیابی کے ساتھ کیا اور پھر کالپی کے مقام پر اس سال نے ان دستوں کو جو توپ خانہ  
لگانے میں مصروف تھے بڑی بہادری کے ساتھ امداد دے کر نہایت قابل قدر خدمات کیں اس  
کے بعد یہ سالہ برٹیل نیچر کے ہمراہ وسطی ہندوستان کی لڑائی میں گیا اور وہاں سب کبھی لڑائی کی  
امید ہوتی تھی تو یہی سالہ پیش قدمی کرتا تھا۔

غدر کی خدمات کے صلہ میں ملک صاحب خان کو خان بہادر کا خطاب اور اس کی ۴۸۰  
روپیہ میں حیات پیش کے علاوہ ۱۲۰۰ روپیہ سالانہ آمدنی کی اور ذاتی جائیداد میں ملکہ صاحب  
خان نے پنجاب میں واپس آکر نور بھی بہت سی زمینیں حاصل کیں اور آبپاشی کے لیے دریائے جہلم  
سے بکمال سرگرمی ایک نہر کھدوائی اور بڑی کامیابی حاصل کی اسے گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا بڑا شوق  
تھا اور خاص قسم کی قدرتی استعداد اور یقین کی وجہ سے اس نے ضلع شاہ پور میں ترقی نسل سپاں  
کے متعلق بڑا کار نمایاں کیا مگر ملک صاحب خان نے سب سے بڑھ کر یہ کام کیا کہ اپنے آپ کو  
ان خاندانی جھگڑوں سے جس میں اس کے رشتہ دار عادیہ مبتلا رہتے تھے بالکل علیحدہ رکھا اور  
اپنی صاف دلی۔ سچائی اور قابلیت سے بڑی شہرت حاصل کی ان اوصاف کی وجہ سے اور میدان  
جنگ میں بہادری اور دھماکاری کے صلہ میں اسے مہی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا ملک صاحب خان  
کے اکلوتے بیٹے ملک عمر حیات خان نے انجیر کالج میں تعلیم پائی ہے اور ۱۸۹۵ء میں اپنی جاہل  
کاکلی اختیار خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ (۱)



## صادق محمد خان

۱۸۵۷ء کا غدر شروع ہونے کے وقت صادق محمد خان لاہور میں موجود تھا اور اس نے گورنمنٹ کو اپنی خدمات پیش کیں فوجی نوکری دیتے کے لیے تلو سوار بھرتی کرنے کا حکم اس کے نام پہلے ہی ملتا جا چکا تھا مگر اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ سوار حاجی غلام مصطفیٰ خان نے بھرتی کیے پنجاب کے جنوبی حصہ کی طرف واپس آکر یہ کرنیل ہملٹن صاحب کے ہمراہ گوگیرہ کے باغیچوں کے مہم پر گیا اور اس مقام پر جو لڑائی ہوئی اس میں موجود رہا اور جس بیڑے کے ذریعہ سے فوج نے دریائے راوی اور تھالی کو عبور کیا اس کے تیار کرنے میں مفید ثابت ہوا ۱۸۶۱ء میں صادق محمد خان ملتان میں انکم ٹیکس کا تشغیر کنندہ مقرر ہوا اور اپنے فرض منصبی کو یقیناً اور دیانتداری سے انجام دیا اس نے اپنی کمیشن کے تبادلہ میں محمد خان خاں خاں باغ بطور علی السام جاگیر کے حاصل کیا اور لطف آباد اور کوٹ ملک میں حین حیات جاگیر اور بہاولپور میں ایک چاہ بھی لیا یہ سب املاک ۲۹۳۷ روپیہ مالیت کے تھے ملتان میں انکم ٹیکس کی تشغیر مکمل ہو چکنے کے بعد صادق محمد خان کو شجاع آباد کا تحصیلدار مقرر کیا گیا اور ۱۸۶۸ء میں اپنی ملازمت سے مستعفی ہونے کے وقت تک اسی عہدے پر مامور رہا - ۱۱

## صاحب دیال

صاحب دیال ۱۸۵۷ء میں راجہ صاحب دیال نے اپنی صلاح اور کارگزاری سے سرکار کی



وتمامی ظاہر کی آمد ۱۰۰۰ روپیہ کا خضعت پایا ۱۸۶۷ء میں اس کو ۲۰۰۰ روپیہ کی جاگیر علی الدوام عطا  
جاگیر سابق کے عطا ہوئی۔ قریب ۱۸۶۷ء میں ہندوستان کی مجلس مافض آئین آمد قوانین کا نمبر مقرر کیا  
آمد مکتہ میں کونسل منکور میں شریک ہوا ۱۱ جولائی کو نسل کے رجحاست ہونے کے بعد پنجاب واپس آیا  
تو ۱۸۶۶ء میں اسے کے سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا گیا ۱۸۸۵ء میں امرتسر میں اس کا انتقال ہوا

(۱۶)

## سردار نہال سنگھ

۱۸۵۶ء کے نازک وقت میں سردار نہال سنگھ بنگال سے ہی کراہ کش نہ رہا بلکہ اس  
نے وفاداری اور جوش کے ساتھ سرکار انگریزی سے وفاداری کی یہ ہر وقت صاحب چیت کمشنر بہادر  
کی خدمت میں حاضر رہا اس کا مشورہ جو اس نے صاحب موصوت کو دیا اور خبریں جو بہم پہنچا تیں  
خاص طور پر قابل قدر تھیں اور یہ اسی کی امداد کا نتیجہ تھا کہ صاحب چیت کمشنر بہادر نے مکمل کا  
پہلا رسالہ بھرتی کیا اور غدر کی خدمات کے لیے پرانے سکھ افسرین میں سے ایسے افسر منتخب  
کیے جو گزشتہ ایام میں سرکار انگریزی کے خلاف بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ جب گوگیرہ کی وحشی  
مسلمان اقوام باغی ہوئیں تو سردار نہال سنگھ ان کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا اس کی باغیوں کے ساتھ  
کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں اور ان میں سے ایک لڑائی میں سردار کے گھاتنے پر سخت زخم لگا ان ہمت  
کے صلے میں نہال سنگھ کو اکتوبر ۱۸۵۸ء میں ۱۰۰۰۰ روپے العام ملا آمد ۶۰۰۰ روپے کی ایک جاگیر عطا  
ہوتی جو اس کے زینہ وراثت میں اسی شرط پر نسل بعد نسل ملنی منظور ہوئی کہ وہ ہمیشہ وفادار و لوہے  
سلا رہیں اور نیز سردار نہال سنگھ کے کتب خانے کے باقی مالہ چار سو بھی معات کر دیے گئے۔ ۱۲۱

(۱) مذکورہ حد واسے پنجاب۔ جلد اول، صفحہ ۴۶۶

(۲) مذکورہ حد واسے پنجاب، جلد دوم، صفحہ ۳۹۲

## نند سنگھ اور مکھن سنگھ

۱۸۵۷ء میں نند سنگھ اور اس کے بھائی مکھن سنگھ نے اپنی تمایاں و فاداری کو ثابت کر دیا کہ وہ سرکار انگریزی کی خدمت گزاری کرنے کے بے حد خواہش مند ہیں اور انہوں نے حکام مقامی کو شے نازک وقت میں مدد دی نہایت مفید خبریں بہم پہنچائیں اور عوام الناس کے خیالات سے باخبر رکھنے میں سعی الامکان امداد دی کہ وہ مری کی بغاوت کے موقع پر نند سنگھ اور مکھن سنگھ دونوں نہایت مفید ثابت ہوئے نند سنگھ صاحب چیت کشن بہادر کے لیے بھی نہایت مفید ثابت ہوا کیونکہ یہ راولپنڈی اور پھلوکی درمیانی تمام چھاؤنیوں میں گیا اور بعد ازاں ایک بات بھی اس کی رپورٹوں کے خلاف ثابت نہ ہوئی ان خدمات کے محاذِ خدمت میں موضعِ مہرلیٹ نند سنگھ اور اس کے مشاوریہ کو نسل بعد نسل عطا کیا گیا اور موضع کٹاریاں مالیتی۔۔۔ ۳ روپیہ اس کی حین حیات کے لیے دالدار ہوا اور یہ قرار پایا کہ اس کا نصف قواس کی وفات کے بعد ضبط ہو جائے گا اور باقی نصف اس کے زینہ دار خان کے لیے نسل بعد نسل رہے گا مکھن سنگھ کو بھی اس موقع پر ۲ روپیہ کی پیشین عطا ہوئی۔ (۱۱)

## گھروں کو اجاڑنے والا

الیشی پر فواد وغیرہ جو نہایت اونٹنے چمڑے پرستے و ڈہی لکڑ وغیرہ ہو گئے اور بڑی زمینداریاں اور جاگیریں سرکار کو دھکا دے کر لیں اور غزنی خاں مجرنے کو ایک محض مجموعہ اپنے بیٹے کے قافلے کو بھیجے گا گھر کر ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لیے باور

۱۱۱ مذکورہ دور مانتے پنجاب جلد دوم، صفحہ ۲۹۷

ہوئے ۱۸۵۳ء سے دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ مددگار مسلمان مارے  
خوف کے گھر بار چھوڑ کر عرب وغیرہ ملکوں میں جا بسے۔ (۱۹)

(۱۹)

## قادیان کا تمک حلال خاندان

الحاق کے موقع پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہو گئی مگر ۱۸۵۰ء سوہیہ کی ایک پیش غلام مرتضیٰ احمد  
اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گرد و نواح کے مواضع پر اس کے حقوق مار کا نہ  
سے اس خاندان نے ۱۸۵۵ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں غلام مرتضیٰ نے بہت سے  
آدمی بھرتی کیے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلس صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر  
موصوف نے ترمیو گھاٹ پر نمبرنگر نیو انفری کے ہائیڈرو گراف کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا  
جنرل نکلس صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۵ء میں خاندان  
مہویان قبیلہ گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ تمک حلال رہا۔ (۲۰)

(۲۰)

## ”نہایت وقادار“

خاندان منڈل کے مرحوم بزرگ نواب احمد علی خان نے ۱۸۵۵ء میں نہایت وقادار سے  
خدمات کیں جن کا اعتراف لارڈ کمیننگ کی بھی بنام چیف کمشنر پنجاب میں مفصل ذیل پیرایہ میں کیا گیا  
”لارڈ ممدوح کی رائے ہے کہ گورنمنٹ کو نواب صاحب کی خدمات کا اعتراف اسی طرح دل

(۱) تاریخ عجیب حیدر شاہی (۱) ص ۱۱۱

(۲) مذکورہ ذرا ساٹے پنجاب - جلد دوم، ص ۶۸

کھل کر کرنا چاہتے جیسی انہوں نے سرکار کو بے تردد و تامل امدادی ہے نواب صاحب کی خدمات جیسا کہ ان فوجی اور سول افسران نے تصدیق کی ہیں جن کو اسی مضمحل پر اپنی راستے قائم کرنے کا موقع ملا ہے واقعی نہایت گراں قدر ہیں شروع سے نواب صاحب بے کھٹکے کھنم کھنم گورنمنٹ انگریزی کے حامی رہے اور ان کے افعال ہمیشہ ان کے اقوال کے موافق ثابت ہوئے انہوں نے زکوٰۃ کی جدوجہد کی اور نہ عملی امداد دینے میں کوتاہی کی بلکہ اپنا تمام عملہ اور مال و متاع کھلے دل سے سرکار انگریزی کی خدمت میں پیش کر دیا ایسی بیش قدر خدمات کا عملہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے اس لیے حضور گورنر بہادر ہالقاہر نہایت خوشی سے آپ کو دچیت کمشنر صاحب کی ایسا کرتے ہیں کہ ۵۰۰ روپیہ سالانہ کا لگان جو نواب صاحب آج کل سرکار کو ادا کرتے ہیں نواب صاحب اور ان کی زیر اہلاد و مہلی کو فائدہ بعد لیل معاف کر دیا جلتے اور یہ کہ نواب صاحب کو دس ہزار روپیہ کا ایک خلعت حمی الامکان عام اور معزز طریق سے عطا کیا جائے۔

حضور مددوح یہ بھی خواہش کرتے ہیں کہ آپ دچیت کمشنر یہ سب جو اس پھٹی کے ساتھ معاف کی جاتی ہے اور جس میں نواب صاحب کی نمایاں نیک حلالی اور خدمات کی قدر کا ہوا انہوں نے اپنا مال و متاع گورنمنٹ میں پیش کرنے میں کی ہے اعتراف کیا گیا ہے نواب صاحب کو فے دیں۔

(۲۱)

## کر تو کر، نہیں خدا کے غضب سے ڈر

یہ انعام پانے والے اور دربار فرنگ میں سرخ رو ہونے والے مجرب بے گناہوں کو کس طرح پھنساتے تھے، اس کا ایک نمونہ ایک شخص نجفی کی مجزی ہے، جس نے بھوٹی مجزی کر کے مولوی عبدالعزیز صاحب کو ایک انگریز کے قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیا، حالانکہ انہوں نے ایک

۱۱۱ مذکرہ نمونے پنجاب جلد اول، ص ۵۵



میں مسز حسین کی جان بچائی تھی، داستان دلچسپ ہے سنیتے : —

”اس شخص نے مولویوں کو تو پھڑا دیا لیکن جو شخص ایسا تھی القلب ہو کہ مدد اومیل کو بچا دلا دے لہذا اس کا دل نہ پسچے اُس نے یہ بات بے مادہ تو نہیں کہی ہوگی کہ یہ بساطی ہیں اُس زمانہ شورش میں صرت مولی کہہ دینا پھانسی دینے کے واسطے کافی تھا بعد کنگڈا علداری انگریزی اس نے مولی عبدالقادر صاحب کو دبا یا کہ لاسیتے مولی صاحب کچھ دلا دیتے ہیں نے آپ سب صاحبوں کی جان بچائی ورنہ میرا ایک لفظ بھی آپ کو محنت الوری پہنچا دینا مولی عبدالقادر صاحب بہت ہی کمرے قسم کے آدمی تھے فوراً یہ سن کر ہزار خستہ ہو گئے مجھ کو دیا دلا یا کچھ نہیں لدا انا اُسے لدا انا مادہ شورش تھی باغیوں کی محقیقات ہو رہی تھی سینکڑوں انگریز اور میں اور بچے مارے گئے تھے مجھ نے فوراً بڑھ دیا کہ مولی عبدالقادر نے فلول انگریز کو مار ڈالا ہے مولی صاحب فوراً گرفتار ہو گئے کئی چینی حوالات میں سب سے ۶ گواہ چیم دیدادہ قتل کے پیش ہوئے تھے کہ دو مہینے آئیں لہذا ان سے بھی کہہ دیا کہ یہ ہمارے خاوند کا قاتل ہے اب کیا باقی تھا مولی صاحب کی طرف سے یاس ہو گئی۔ اس کی خبر میں کی میں نے اپنے شوہر کو دی وہ بچارہ کہیں باہر تھا وہ دوتا ہوا آیا اور کہا یہ کیا غضب ہے ان ہی مولی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری میں کی جان بچائی یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ انگریز کے قاتل ہوں غرض یہ انگریز کچہری میں آیا مولی عبدالقادر صاحب اس کی صورت نہیں پہچانتے تھے۔ حکم مجھ بہت دیر تک کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے بحث مباحثہ ہوتا رہا مولی صاحب نے سمجھا کہ شاید مجسٹریٹ کی جلی ہوئی ہے کوئی دھڑکا صاحب آیا ہے اور وہ چار جملے رہا ہے لیکن بعد کو وہ اٹھا کہ جاؤ مولی صاحب کے کپڑے لالہ میں دھسے ہوئے کپڑے اُسے مولی صاحب نے کپڑے بدلے آفت سے نجات پائی لہذا بڑی دھم دھام سے مولی صاحب چھٹ کر اُترے یہ ہے کہ کر تو ڈرا اور نہ کر کہ خدا کے غضب سے ڈر سنا ہے کہ غنیمت صاحب نے مولی صاحب سے ۵ سو روپیہ مانگے تھے اگر مولی صاحب اُسے دے دیتے تو اس کشمکش میں نہ پڑتے۔ (۱)

مولوی عبدالعزیز بخش قیمت تھے کہ بیچ گئے، لیکن اور سبکدول بے گناہ چھانسی پر  
پر مہاتے گئے۔

(۲۲)

## یہ بھی —؟

شاہ طبراج کا بیٹا شہزادہ شاہ پور سرکار انگیزی سے اپنی وفات یعنی ۱۸۸۳ء تک ۲۸۰۰  
روپیہ سالانہ بطور وظیفہ لیا رہا اور پھر اس کا سب سے چھوٹا بھائی شہزادہ نادر خاندان کا بزرگ  
ہوا۔ شہزادہ نادر میونسپل کمیٹی کا پریزیڈنٹ آنری جبریت لہ حیات کا سب سے بڑا اور پرامن  
درباری تھا اور ۳۶۰۰ روپیہ سالانہ پنشن پاتا تھا۔ اُس کی خدمات کا جو اُس نے ایام غدر میں پیش  
کیں گورنمنٹ نے باقاعدہ اعتراف کیا ۱۸۸۳ء میں اُسے اداس کے بھائی شہزادہ شاہ پور کو ۴۰۰۰  
ایکڑ زمین ضلع ننکری میں دی گئی اور ۱۸۸۸ء میں شہزادہ نادر کو سی۔ آئی۔ سی کا خطاب عطا کیا گیا۔  
شہزادہ نادر کا ۱۸۹۵ء میں انتقال ہوا اور اس کی پنشن میں سے ۱۲۰۰ روپیہ سالانہ اس کے سب  
سے بڑے بیٹے سردار محمد ہمد کے نام جو ضلع گجرات میں تحصیلدار اور ڈویژنل درباری ہے رکھا گیا۔

(۲۳)

## ”عزرائیل“

ایک مجز غلام غزال الدین کا ذکر مولوی ذکاء اللہ خان القانظ میں کرتے ہیں: —  
زیادہ تر عمدہ شہر جن میں بعض بڑے عالی خاندان ٹھہرتے تھے۔ یہ سمجھ کر الود بھاگے تھے  
کہ وہاں ولی کے آدمی بڑے باختیار ہیں ان کی جان بچالیں گے۔ مگدان کی جان کے لیے غلام

”تذکرہ روایت پنجاب جلد اول، صفحہ ۳“

غزالہ دین خان عزرائیل بن کے پہنچا۔ لہ لوگوں کو چن چن گرفتار کر کے لایا (۱۱)

(۱۲۴)

## لعنت کے آوازے

بادشاہ علی شاہ کے وزیر اعظم علی لعلی خاں بھی، احسن اللہ خاں، احمد الہی بخش سے کم نہ تھے، جس عذر انگیزوں نے بادشاہ کو معزول کر کے اودھ پر قبضہ کیا اور لعلی علی خاں کو شرٹ باریابی عطا فرمایا اُس روز : —

\* منہ پنجشنبہ فروری کو اقل صبح سے ایک تلامذہ عظیم شہر میں برپا ہوا اور کوچہ و بازار میں رعایا منادی صور اسرافیل کی منتظر رہی، کہ تو الٰہی شہر کو ٹھہریں رینڈیٹ نیٹ میں اس منادی کے ایسے حاضر تھا لیکن منادی موقوف رہی رعایائے شہر خاص بازار سے بیلی گاؤں تک جمع تھی اس عرصہ میں صاحب رینڈیٹ نے وزیر کو طلب کیا تو بادشاہ کے حکم سے علی لعلی خاں داخل رینڈیٹ ہوئے بعد اُن سے ملاقات کر کے پھر آئے اس موقع پر ایک ثقہ آدمی نے وزیر کو بازار سے گزرتے دیکھا تھا اُن کا بیان ہے کہ آزاد آدمی اُس پر قہقہہ اور لعنت کے آوازے کستے تھے، اور نہایت سخت الفاظ میں تعریف کرتے تھے۔ (۱۲۵)

(۱۲۵)

## بڈھا خان

۱۸۵۷ء کے عذر کے موقع پر بڈھا خان مہارکار کا خیر خواہ رہا جس کے مدد میں اس نے موضع

(۱) تاریخ عروج و زوال انگلیشیہ (ذکر اللہ ص ۱۱۷)

(۲) تاریخ اودھ جلد پنجم (نجم الغنی) ص ۲۶۲

کھڈل کی ۵۰۰ روپیہ کی علی الدوام جاگیر اور ۵ سو روپیہ کا خلعیت حاصل کیا بڈھا خان بٹا بار سرخ آدمی تھا اور جب علاقہ سے ہتھیار لے لیے گئے تو اسے چالیس تلواریں بلا لائسنس رکھنے کی اجازت مل گئی یہ اپنی مین بیوئل سے کئی لڑکے چھوڑ کر ۱۸۶۶ء میں فوت ہوا۔ (۱۱)

(۲۶)

## گامی خان مخبر

شہر میں مخبروں کی کمی نہ تھی گامی خان اور غلام غفر الدین خان نے مخبری میں بٹا نام پایا۔

گامی خان خود اپنے تئیں پھالسی سے نہ بچا سکا۔ پھر باغیوں کے کئی امنات تھے کہ جو ان میں سے پکڑا جاتا تھا فوراً پھالسی پاتا۔ اہل صنعت بادشاہی خاص برداروں کی تھی جنہوں نے قلعہ میں انگریزوں کے معصوم بچوں اور عورتوں کے خون سے اپنے ہاتھ لال کر کے منہ کالا کیا تھا ان میں سے ایک بھی پھالسی سے نہ بچا۔ (۱۲)

(۲۷)

## منظر خان

ایام غدر میں تمام ملک علی طہر پر وناوار ثابت ہوئے منظر خان (کالا باغ) اور اس کے بیٹے یار محمد نے تقریباً ۱۰۰ آدمی بھرتی کیے اور ایڈورڈز صاحب بہادر کی خدمت میں بجا آوری خدمات کے لیے حاضر ہوئے اور شہر کے ایک دروازہ کی حفاظت ان کے سپرد ہوئی منظر خان کا ایک

نے تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم ص ۳۳۷  
کے تاریخ عروج عہد انگلیشہ دذکار اللہ ص ۱۸



بھائی کچھ فوج کے ساتھ کپتان کارکس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں بنوں رہا جو اس وقت  
سندھ کا دھڑ بندوبست کیلئے اٹلیان کے ساتھ رہتے تھے کہ گویا دور کے مشرقی علاقہ پنجاب مالک  
مغربی و شمالی اور بنگال میں کسی قسم کا فساد ہی نہیں ہے۔ (۱۱)

(۲۸)

## خیر خواہ سرکار

ہند کے بعد جب سرکاری فوجیں انگلینڈ کو لوٹ رہی تھیں : —

اسی وقت جناب صاحب جیٹریٹ بہادر نے مولوی محمد علی رئیس انگلینڈ کو جو خیر خواہ سرکار  
تھے تلاش کر کے بلایا اور اپنے لشکر میں رہنے کا حکم دیا اور جہاں تک ممکن ہوا ان کے گھر کو بھی لے  
سے بچایا باقی تمام فوجی انگلینڈ کا شام تک لے رہا اس لڑائی میں سرکار کی جانب سے بہت کم نقصان  
ہوا مگر افسوس ہے کہ لفٹنٹ کاسٹنگ صاحب بہادر اس معرکہ میں بہت دلاؤ سے کام آئے (۱۲)

(۲۹)

## شیر خان

۱۸۵۷ء میں شیر خان نے اس طرح نمایاں دہ دہ کی کہ وقتاً فوقتاً بڑی مفید مطلب خبریں دیتا  
رہا فوج مہیا کی کمشنر صاحب بہادر کے ہمراہ مری گیا اور سب دہاں بغاوت ہوئی تو خدشات انجام دیں  
اس نے کچھ باغی سپاہیوں کے تعاقب میں بھی امداد دی جو برا سخت مقابلہ کرنے کے بعد مارے گئے  
لہ بعد ازاں یہ غرقید لیں کو لے کر ملتان گیا اس کی معافی ۴۹۲ روپیہ سے بڑھ کر ۷۵۰ روپیہ کر دی گئی

(۱۱) تذکرہ ہر سالے پنجاب ہند دوم ص ۷۷

(۱۲) سرکشی بختور، دسر سید احمد خان

جس میں سے ۵ روپیہ کا خلعت بھی عطا کیا گیا غلہ کے بعد جبکہ رعایا سے ہتھیار لے لیے گئے تو اسے ۱۰ ہندو قیں لودہ اڈھائیں رکھنے کی اجازت مل گئی۔ (۱۵)

## (۳۰) اودھ کے غدار

بنگلہ لودہ والی کی طرح اودھ میں بھی اندرونی غداری کا سلسلہ جاری تھا۔ لودہ بلی گارڈ کی یہ سخت جانی انگریزی فوج کی بہادری کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ خدا داں وطن کی مہربانیوں کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ مستوف قیصر التدار مخ رقم طراز ہیں: ”انگریزوں نے جب پہلا حملہ کیا تو بموجب حکم حضرت محل قیصر باغ کے دروازے بند کر دیتے گئے۔ بنجیب آبادی تلنگے شہر والوں کو مڑا بھلا کہتے تھے۔ لودہ کہتے کہ اگر یہ لوگ رسد وغیرہ بلی گارڈ میں نہ پہنچاتے تو انگریز قافل سے مر جاتے۔“ (۱۶)

## (۳۱) ملک جہان خان

سرکار بہادر ملک جہان خان غدر کے شرمع میں ملک صاحب خان کے رسالے کے ساتھ شامل ہو کر جہلم لودہ اجنالہ کی لڑائیوں میں داو مردانگی دیتا رہا بعد ازاں اس نے کالپی کے مقام پر بھی اچھی خدمات کیں اور جرنیل نیپہر کی اردو فوج میں خداتل ہو کر وسط ہندوستان کی لڑائی میں جانتائی کی اس نے کئی بڑی لڑائیاں میں نمایاں حصہ لیا اور رانا ڈسے کی لڑائی میں اس نے بغیر کسی امداد کے ۶ یا ۵ دشمنوں پر بہادری سے حملہ کر کے خاص امتیاز حاصل کیا مگر لڑائی میں مغلوب ہو کر سخت زخمی ہو گیا بعد ازاں یہ بنگال کے ۱۸ رسالہ

”سنکرہ دو رسالے پنجاب ہلد دوم ص ۱۱۱

(۱۶) قیصر التدار مخ ص ۲۳۳

میں رسالہ مامور کیا گیا اور تھوڑے عرصے کے لیے لارڈ نیپر کے ٹاٹ میں ایڈریکاٹنگ مقرر ہوا پہلی  
میں شہرت حاصل کرنے کے بعد یہ رسالہ کی پوری پمشن لے کر لکھی سے علیحدہ ہوا اور اس کی اعلیٰ  
درجہ کی بہادری اور جنگی قابلیت کے صلہ میں اسے سرور بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا۔ (۱)

(۳۲)

## بیون لال مخمر کون تھا؟

منشی بیون لال تعلیم یافتہ ہندوستانی تھے جن کا تعلق غدر سے پیشتر فناء دہلی کی درباری  
زندگی سے برسوں تک اور دوران غدر میں بھی رہا ان کے والد گھڑی لال جو اورنگ زیب کے وزیر اعظم  
راجہ رگھو ناتھ کی براہ راست اولاد میں سے تھے ابتدا میں سر ڈیوڈ ڈالٹون کے منشی تھے اور اس کے  
بعد سر چارلس میکاٹ کے منشی بنو گئے جبکہ وہ مغلیہ دربار میں گورنر جنرل کے ایجنٹ تھے بیون لال  
نوعمری کے زمانہ میں بھرتپور اور جے پور کے محاصرہ کے وقت موجود تھے جبکہ جون ۱۸۵۷ء میں مر  
لیٹ اسٹنٹ ریزیڈنٹ مارے گئے ہیں۔ بعد میں وہ ان بے شمار پیشروں کے محاسب مقرر ہو گئے  
جنہیں انگریزی گورنمنٹ بادشاہ کے خاندان کو دیا کرتی تھی اور اس طرح ان کی حیثیت انگریزی کی سہی ہو گئی تھی  
چونکہ گورنر جنرل کے ایجنٹ کے پاس سے ان کا براہ راست تعلق رہا اور اس وجہ سے وہ بادشاہ کے گرد  
پیش کے مختلف افراد اور قلعہ کی سازشوں سے واقف تھے دہلی میں غدر اور شہر کے محاصرہ کے دوران  
میں وہ شہر ہی میں مقیم تھے اور دہلی کی اندرونی حالت سے واقف تھے اور خبریں دیتے تھے ان پر  
لوگوں کو اکثر سرکاری ججز کا شبہ ہو جاتا تھا لیکن قلعہ کے رسوخ کی وجہ سے وہ ہمیشہ محفوظ رہے وہ  
ذات کے کایہ تھے اور بلحاظ پیشہ محرم تھے وہ عذر مرہ کے واقعات کو قلمبند کرتے رہتے تھے  
اور اس طرح سے وہ ایام محاصرہ کا قیمتی تفصیلی معذنامہ بھجوتے گئے ہیں۔ انگریزی سلطنت کے دوبارہ قائم

۱۱۔ تذکرہ دولائے پنجاب جلد ۴، ص ۳۳

ہوئے پر غشی بیوں لال آنریری جیٹریٹ لود میو لیل کشر بنا دیے گئے لود جب ان کا انتقال ہوا تو ہندو  
 بادشاہ یا انگریز عہدہ داروں میں کوئی ایسا نہ تھا جسے افسوس و سوچ نہ پہنچا ہو کیونکہ وہ سب ان کی نیکی  
 اور قابلیت کے مشورت سے بھٹائی حکومت کو ان سے زیادہ وقار ملازم نہیں ملا لود ۱۸۵۷ء کے ایام خلا  
 کے جن واقعات کو انہوں نے عمیقہ کیسے اس سے زیادہ قابل اعتماد شہادت دے سکتے تھے اس کی پہلی  
 میں شاہی حصار کے موقع پر انہوں نے مجھے اپنی ذاتی عیادت کی لود ساتھ ہی انہوں نے میرے لیے  
 سرکاری درباری ڈائری بھی حاصل کر لی ہے کہ بادشاہ کے عبادت خانہ کے مولوی لکھاتے تھے۔ (۱۱)

## مختصر بیوں لال کی کہانی اسی کی کہانی

”نند علی جو پہلے مسٹر سائن فیزیکی ملازمت میں تھے لود اب تھانے کے منظم تھے۔ مبارک فدا  
 کو تو ال کی چھٹی لے کر مجھے گرفتار کرنے کے لیے آئے۔ ان کے ساتھ تلوپا ہی نگی تلواریں لیے ہوئے تھے  
 چونکہ دواڑہ سقل کے لیے کھل دیا گیا تھا، اس لیے دواڑہ کو کھلا پاتے ہی وہ نہایت تیزی کے ساتھ  
 داخل ہو گئے، گھر کی مستورات بیٹھی ہوئی مہاج لال کی تیارداری میں مصروف تھیں۔ جن کی ہڈیوں پر  
 پتھری نکالی گئی تھی اور جو بے حد کرب و تکلیف کی حالت میں پڑے تھے، سپاہیوں کو دیکھتے ہی وہ  
 جان بچانے کے خیال سے ادھر ادھر بھاگیں لود زلیلات لود پاملان اپنے ساتھ لیتی گئیں، مجھے گرفتار  
 کر لیا گیا لود پاکی میں بٹھا دیا گیا، لود نگی تلواروں کے گارو کی حفاظت میں مجھے کوتوالی پہنچا دیا گیا، مبارک  
 شاہ سے وہیں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بہت احترام سے مجھے سمٹایا، پہلے وہ چٹائی کے افسر تھے لود  
 پھر وہ بادشاہ کی ملازمت میں منسلک ہو گئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے اندیشے لود دوسرے  
 بے بنیاد ہیں، لود کہا خود نہیں اس لیے کہ میں خود بھی انگریزوں کا ملازم ہوں، اس کے بعد انہوں نے  
 میری گرفتاری کے متعلق، مرزا خضر کا دستخطی حکم دکھایا۔ میرے علاوہ غشی سلطان شہو، چٹس لال اور

دا، غدر کی صبح دھام دھام صاحب کا مقدمہ ص ۱۲



سنت لال کی گرفتاری بھی عمل میں آئی، ہمیں دھوکے میں رکھنے کی خاطر حکم میں یہ الفاظ درج تھے کہ ہمیں مشورہ کی غرض سے طلب کیا جا رہا ہے، پھر مجھے اور منشی سلیمان کو مرزا منگل کے رو برو پیش کیا گیا پہنچتے ہی ایک صوبہ دار مجھے خیر سے یہ کہہ کر ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ یہی وہ شخص ہے جو انگریزوں کو خبریں بھیجتا ہے۔ مجھے مجمع نے اور حقیقت خدانے بچا لیا اور کہا انہیں رو پیہ لینے کی غرض سے بلایا گیا ہے، اس سے مجھے ایک گونہ اطمینان ہوا بعد ازاں مجھے ادھر مرزا منگل کی بیٹی میں ملے گئے، وہاں میں نے حبیب غریب قلع کے آدمیوں کی ایک کثیر جماعت دیکھی، ایک جانب مرزا منگل تکیوں سے سہارا لگائے بیٹھے تھے، راجہ سالگ رام، حامد علی خاں، حکیم عبدالحق اور بادشاہی دربار کے چند دیگر افسر بھی موجود تھے، ان کے بالعمامہ باغی فوج کا برگیدہ افسر کڑے سنگھ بیٹھا ہوا تھا، شاہی افسر بلا حکم اور ادھر پھر رہے تھے۔ لال سالگ رام (خزائنچی)، رام جی داس گروالا، لالہ گردھر لال، زور اور چند اور تقریباً ۲۵ دیگر جاہن بھی گرفتار شدہ حالت میں وہاں بیٹھے تھے، مجھے بھی ان کے ساتھ قطار میں بیٹھنے کا حکم ملا، میرے دوست لالہ گھان لال، لالہ ناضی لال، اور لالہ سنت لال میری ہائی کی کوشش کرنے کی غرض سے وہاں آئے، تھوڑی دیر بعد مرزا احمد جان مرزا منگل کے پاس گئے اور ان کے کان میں کچھ کہا، جس پر مرزا منگل نے سنت لال کو بلایا، اور نہایت شفقت و نرمی سے فرمایا کہ اس سے ۵ ہزار روپے لیے جائیں گے جسے فی الفور ادا کرنا چاہئے ورنہ اسے قید کر دیا جائے گا دوسروں سے بھی اسی طرح رو پیہ کا مطالبہ کیا گیا، لالہ بالآخر ہم غریب منشیوں کو دھمکا یا کیا کہ توہیں کو ہمارے کندھوں پر رکھ کر بھڑاگیا مگر ہم خدا کے رحم سے نہایت ثابت قدم رہے، ہم نے ارادہ کر لیا تھا کہ ہم مرزا پسند کریں گے، لالہ ان باغیوں کی دھمکیوں کی کچھ پروا نہیں کریں گے، ہمیں انجام کی کچھ خبر نہ تھی، باغیوں نے صبح سے لیدر مہکے دو پہر تک مشورہ کیا، اسی حالت میں مرزا الہی بخش بھی غفلت توقع حضرت خضر کی طرح ابراہیم بیگ میں طرح سے کہہ سکے ہوئے تہوں میں جان ڈالنے کے لیے ابرار رحمت یکا یک برس جا گئے، انہوں نے مجھے دلاسا دلایا۔ لالہ مرزا منگل سے درخواست کی کہ رنج کی ملاقات کے لیے وقت دیا جائے، میرا گمان ہے کہ انہوں نے دوران ملاقات میں ہمارے متعلق

میری دلائل استعمال کیے ہوں گے کہ یہ غریب عمر ہیں۔ اور صرف اپنی آمدنی پر گزارہ کرتے ہیں، اور یہ کہ انگریزی راج ابھی تک ختم نہیں ہوا، ممکن ہے انگریز قسمر پر دوبارہ قبضہ کر لیں اور عجب آپ انگریزوں کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں گے تو ممکن ہے یہ غریب بزرگ اس وقت آپ کے لیے مفید ثابت ہوں مرزا مغل نے جواب دیا کہ یہ انگریزوں کو بخیر بھیجتا ہے اور ان کی کامیابی کے لیے دست برد ہوتا ہے، مرزا الہی بخش لے کر کہ یہ ان کے دوا دار ہیں بن کاٹک انہوں نے کھایا ہے، احمد مرزا نے کہا کہ ان سے کثیر رقم وصول کرنی چاہئے، یا ان کے مکانات پر قبضہ کر لینا چاہئے، غالباً مشورہ دینے والے کو یہ امید ہوگی کہ قتل کر دیئے جانے پر میرا مکان اسے مل جائے گا، یہ گفتگو شام تک ہوتی رہی جو زیورات سپاہیوں نے میرے مکان سے ضبط کیے تھے، انہیں مرزا مغل کی خدمت میں پیش کیا گیا اور تولنے کے بعد ان کی مالیت کا اندازہ دہزار روپے کیا گیا، حکم ہوا کہ یہ رقم مطالبہ سے سے منہا کر دی جائے جو مجھ سے کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہسپتال منگائے گئے، اور ہمیں ڈھانے کے لیے ہندو قیں بھی منگوائیں گئیں لہٰذا یہ دیکھ کر میرا ارادہ مستقل ہے اور مرزا الہی بخش میری مدد پر ہیں، مجھے بالآخر ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اچھے مرزا صاحب مجھے کمال نطفہ اور تہربالی کے ساتھ سید ہے میرے مکان پر لے گئے اور مجھے مشورہ دیا کہ تبدیل مکان کر لو اور کہیں پھپھپ جاؤ، حذری باغی پھر تمہارا پتہ ڈھونڈھ نکالیں گے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ضامن ہوں اور اللہ اللہ اپنی تمہارا مال بیکار نہ کر سکیں گے، اس طرح سے خلا تعالیٰ نے اپنا فضل کر کے میری جان بچالی مرزا الہی بخش نے اس آڑے وقت میں جو ہمدردی مجھ سے کی، اس کا معاوضہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا اور نہ مناسب الفاظ میں ان کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں۔ صرف زبان سے ان کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ گرفتار ہو جانے پر لالہ قسام لال نے مرزا الہی بخش خان کو لکھا کہ اب امداد کو دست ہے، اس لیے کہ وہ انگریزی ملازم ہیں، اور آپ بھی انگریزوں کے بھی خواہ ہیں، مرزا کے صاحبزادے کا آج صبح انتقال ہو گیا تھا اور بھلادی سے جھبیز و تکفین کر کے میری مدد کرنے کے لیے آگئے ان سے بڑھ کر سچا دوست کبھی میسر نہیں ہو سکتا، (۱۱)

۱۱ غسکلی صبح و شام (روزنامہ چیمپوں لال) صفحہ ۱۱

## مذہبی پیشوا، انگریزوں کا مددگار

۱۸۵۶ء میں مخدوم شاہ محمود نے گورنمنٹ کی بڑی اچھی خدمت انجام دی یعنی یہ صاحب کشن بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر دیتا رہا جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے اور غلام مصطفیٰ خان کے رملے کے لیے ۲۰ آدمی اور گھوڑے اور کئی آدمی نئی پولیس کے لیے مہیا کیے اس نے پولیس اور فرج میں اور آدمی بھی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہلٹن صاحب کے ہمراہ ۲۵ سواروں کے ساتھ باغیوں سے لڑنے گیا کچھ کمپ کی خدمت بھی اپنے ذمہ لی اور جو اسباب اگھے پڑاؤ پر بھیجا جا رہا تھا اس کی حفاظت کی جنگ کے اس موقع پر مخدوم شاہ محمود کی موجودگی سے باغیوں پر بڑا اثر پڑا، انہوں نے یہ دیکھ کر خود ان کے مذہب کا ایک نہایت مقدر آدمی اور پیشوا ان کی بغاوت کے خلاف سے اپنے دل ہار دیتے ملتان میں بغاوت کرنے والی رجمنٹوں سے ہتھیار چھیننے کے موقع پر مخدوم محمود نے مع اپنے مریدین کے صاحب کشن بہادر کا ساتھ دیا اور اس ہل کی حفاظت کے لیے کشن صاحب سے جا ملا جس پر گذر کر لوگ چھاؤنیوں کو جاتے تھے مخدوم کے مریدوں میں سے کوئی بھی باغیوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا اور یوں اس کی کارگزاری اور خیر سگانی مخدوم پاک پٹن کی کاروائی اور خیر خواہی سے بڑھ کر رہی۔ کیونکہ پاک پٹن کے مخدوم کے پیرو بلوہ گگیرہ کے موقع پر بلوایوں میں آئے آئے تھے ان خدمات کے صلہ میں مخدوم شاہ محمود کو ۲۰۰ روپیہ نقد العام ملا نیارت کے نقد و طلبہ کا جو دلہ ۱۰۸۰ روپیہ مالیر کی ایک ارضی جاگیر کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ جاگیر ان ۵۰ روپیہ مالیت کے ۸ چابوت کے علاوہ تھی جو مخدوم کو بلوہ علی الدوام عطیہ کے ملے تھے پھر ۱۸۶۱ء میں حضرت مالیر نے مالک کی کشریف آدمی لاہور کے موقع پر مخدوم کی فات غام کے لیے ایک باغ ۱۵۰ روپیہ سالانہ آمدنی ہوا جو ٹھیکگی والا باغ "مشہور ہے"۔

"تذکرہ دور رسائے پنجاب جلد دوم، ص ۲۹۸"



## ۲۶ مواضع کا اتمام

مزید ہمال جرنیل جان مائسن صاحب بہادر اس کی نسبت تحریر فرماتے ہیں : —  
 وہ سب سے قابل اور عمدہ ترین افسروں میں سے ہے اور مجھے کسی ایسے آدمی سے  
 ملنے کا اتفاق نہیں ہوا اس سے زیادہ دیانت دار اور کھرا غدر کے تمام لڑائیوں کے دوران  
 میں یعنی دہلی کے محاصرے سے لکھنؤ کے فتح ہونے تک وہ میرے کاموں میں درست راست  
 رہا ہے۔ ان تعریفوں کی سرجمیں ہو پ گرانٹ بالقابرتے جو لکھنؤ کے مقام پر رسالے کے افر  
 تھے اور سرکارل کیسبل صاحب بہادر بالقابرتے بہت زور سے تصدیق کی ہے لڑائی کے  
 اتمام پر سردار جے سنگھ اور دھ کی سوار پولیس کی چوتھی رجمنٹ کا کیدان بنا دیا گیا اس کو علاوہ  
 آرڈر آف میرٹ اور آرڈر آف برٹش انڈیا اور معمولی فوجی پشن کے علاوہ فلع بہرائج کے ۲۶ مواضع  
 عطا کیے گئے اس کی وقا ۱۸۶۷ء میں واقع ہوئی۔ (۱۱)

(۳۵)

## پہلی خبریں

انگریزوں کے محز تلوع کے اندر جا کر کیسی پہلی خبریں لاتے تھے، اسے ایک مورخ کی زبان سے سنئے۔  
 "جاسوس یہ خبریں لائے کہ علی العموم شہر کے باضمحل اور فوجی افسروں اور سارے دربار میں آپس  
 میں حد سے زیادہ اتفاق اور عناد و قسود ہے ایک دوسرے کا پس نہیں چلتا کہ کھا جائے سنگم آپس  
 میں جیلے کئے مرتے ہیں بلا شاہ کی توہین برہر بار سپاہی کرتے ہیں۔ بادشاہ کے سامنے فوج کے جنرل

"مذکرہ روٹائے پنجاب جلد اول ص ۹۸"



لڑتے بھڑکتے ہیں۔ بادشاہ کے بیٹے باپ کو معزول کر کے خود بادشاہی کے لیے سازشیں کرتے ہیں، خزانہ بالکل خالی پڑا ہے۔ کجنت مہاجنوں سے مین دفعہ قرض لیا گیا۔ اب ان کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ کچھ امید باقی نہیں رہی ہے کہ وہ عہدہ سے امداد کر سکیں۔ بادشاہ نے مہتاب باغ میں سے پابھیوں کے چلے جانے کا حکم دیا مگر انہوں نے حکم نہیں مانتا۔ بادشاہ نے سپاہ پر لعن طعن کی کہ تم کو متواتر ٹہستیں ہوتی ہیں تم دشمنوں سے جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے ایک ٹوپ بھی نہیں پھین سکے مگر بادشاہ یہ جانتا ہے کہ میرے حملوں کا اثر سپاہ پر کچھ نہیں ان پر لعن طعن کا اثر ہوتا ہے نہ دھکیوں کا = (۱)

(۳۶)

## نذال بعدل

جب مئی ۱۸۵۷ء میں دہلی کے غدر کی خبر ناگپور میں پہنچی تو فضل حسین خان ہی وہاں کے مقامی رسالہ کا افسر تھا اور اس کے رسالہ کے اگرچہ اس علاقہ میں بغاوت برپا کرنے کی بہت کچھ کوششیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہیں جو ایک حد تک فضل حسین ہی کی مدد سے ہی ممکن تھا۔ اس کے صلہ میں سے سوار پولیس میں عہدہ رسالہ کی اور خطاب سردار بہادر عطا ہوئے پھر ۱۸۵۷ء میں کپتان موصوت کو فرخ نگر اور ریواڑی ضلع گورگم لودھ میں حقوق بسود داری دجاگیر جس کی آمدنی ۲ ہزار روپیہ سالانہ تھی ۱۵ سو روپیہ بطور نذرانہ وضع ہونے کی شرط پر عطا کئے گئے کپتان فضل حسین کے بعد اس کے رکے محمد مزاج الدین حیدر نواح کے نام ہو اس کی جگہ نانا نانا کا سرکردہ لودھ وڈیشی درباری مقرر ہوا یہی عطیہ برقرار رکھا گیا۔ (۲)

(۱) تاریخ عروج عہد انگلیشیہ (فکاوالہ شاہ) ص ۶۳

(۲) مذکورہ رؤسائے پنجاب، جلد اول، ص ۱۰

## فتح خاں

۱۸۵۷ء میں فتح خاں سرکار انگریزی کا اسی طرح خیر خواہ رہا جیسا کہ ۱۸۴۸ء کے زمانہ میں رہا تھا۔  
 بعد اس کی خدمات کے صلے میں اسے ۶۰۰ روپیہ سالانہ کی پیشین حیات اور ۱۰۰۰ روپیہ کا ایک  
 غنوت عطا ہوا۔ بعد اس کی جاگیریں بھی بحال رہیں۔ ۱۸۶۰ء میں اسے جاگیردار مجسٹریٹ بنایا گیا اور آٹھ  
 مواضعات پر فوجدار کی اور دہلی، اٹھارہ رات ملے ۱۸۶۶ء میں جبکہ ضلع کی حد بندی ہوئی تو کلاچا پہاڑیوں  
 کے علاقہ میں تقریباً ۳۰۰۰ ایکڑ کا ایک رقبہ الگ کر کے اسے اس کو گھوڑوں اور میویشیوں کی چراگاہ  
 کے طور پر مل گیا اور جنوری ۱۸۸۸ء کو خطاب خاں بہادر عطا ہوا۔ (۱)

## نسیا دربار

انگریزوں نے اودھ پر قبضہ کر لیا نئے گورنمنٹ ہاؤس کی سیر: —  
 اس کے بعد مہاراجہ بالکراشن اور فخرت الدولہ غلام رضا اور منصف الدولہ سید باقر افسر عدالت  
 بعد مرزا علی رضا کو مال شہر اور میرزا در حسین مہتمم رونا اور دوسرے اہل خدمت مثل بندہ علی خاں اور  
 دیوانت الدولہ اور احسن الدولہ اور اعظم علی بیگ اور طالب علی وغیرہ حاضر ہوئے۔ ہر ایک نے صاحب  
 ریڈیٹنٹس سے اپنی خدمت کو بیان کیا۔ صاحب ریڈیٹنٹ جو اس وقت چیف کمشنر تھے ہر ایک کو  
 ایک صاحب کے سرزد کرتے تھے باقی درجہ دوم کو حکم ہوا کہ تم اپنے اپنے متعلق کیے کام سے ہوشیار  
 رہو خلاف حکم سرکار نہ کن ورنہ ناراضا ٹھہرو گے۔ بعد اس کے سب رخصت ہوئے۔ مرزا علی رضا

کو تو ان شہر نے چاہا کہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائے لیکن چیف کمشنر نے اس کا استعفیٰ قبول نہ کیا اور تنخواہ میں دو سو روپے اضافہ کر دیتے۔ اور شہر کی صفائی کے لیے حکم دیا۔ (۱۱)

(۳۹)

## ”علی رضا خان اور اس کا بہادر خاندان“

یوں ۱۸۵۷ء میں جبکہ سرکار انگریزی کو نہایت ضرورت تھی علی رضا خان نے ایک رسالہ دہلی کے پانے خدمات کے لیے بھرتی کیا چونکہ اس کا لاہور میں رہنا ضروری خیال کیا گیا تھا اس لیے اس نے اپنے روپیہ سے لاہور کی جائداد اور مکان رہن رکھ کر فوج کا خرچ دیا اور اپنے بھائی کے علاوہ اپنے بھتیجوں عبداللہ خان محمد حسن خان محمد دہان خان غلام حسین خان اور غیر محمد خان کو بھی بھیجا یہ فوج جو علی رضا خان نے بھرتی کی تھی پڑسن ماسب کے مشہور رسالہ کا ایک صفحہ بن کر جہاں کہیں یہ بہادر فوج گئی لڑائیوں میں خدمات کرتی رہی اور اس کی عطا دی ہمیشہ نمایاں رہی۔

کھاسی گنج کے مقام پر محمد تقی خان بہادر سے لڑا ہوا کسی باغیوں کو اپنے ہاتھ سے مارنے کے بعد واپس آیا علی رضا خان کا چھوٹا بھائی محمد رضا خان اپنی بے خوف رہنمائی میں شجاع ترین سپاہیوں میں تھا۔ وہ لاہور کے مقام پر یہ دو دفعہ زخمی ہوا اور دو گھنٹے اس کی ران کے نیچے مارے گئے۔ جہاں کہیں گھسلا کی لڑائی ہوتی تھی وہیں بہادر محمد رضا خان پایا جاتا تھا لڑائی سے بعد اس نے دل وجہ آؤ رات میرٹ حاصل کیا۔ سردار بہادر کا خطاب یہ اور دو سو روپیہ کی علی الاعلام پیش مناسبت کی یہ لکھنؤ میں جہاں لڑائی کے ٹھوڑی مدت بعد رخصت پڑیا تھا راہ گزرائے عالم بقا ہوا۔

علی رضا خان لاہور ہی میں آگریجیٹریٹ تھا اور شہر میں لازمی طور پر اس کا بڑا رسوخ تھا جس کو وہ ہمیشہ بھلائی کرنے میں استعمال کرتا رہا۔ کابل سے یہاں آنے پر اسے ۸۰۰ روپیہ ماہانہ اور اس

”تاریخ لاہور جلد پنجم (جیم النبی) ص ۶۶۲۔“



کے بھائی محمد رضا خان کو سو سو پیرہ ہار پنشن دی گئی خدر کے بعد اس نے بھڑانچ اور اودھ کے تمام مواضعات کی جمن کی آمدنی ۵۰۰۰ روپیہ سالانہ مقرر کی تھی تعلقہ داری حاصل کی اس کو خان بہادر کا خطاب بھی دیا گیا اور اس کے متذکرہ بالا بھتیجوں کو جنہوں نے آیام خدر میں ایسی اچھی خدمات کیں تھیں سرور بہادر کے خطابات سے معزز کر دیا گیا پھر اس کے وفات سے دو سال پہلے ۱۸۶۸ء میں اسے مودلی نواب بنا دیا گیا۔

علی رضا خان کے عین راج کے تھے جن میں سے سب بڑا نواز علی رضا خان ہیں سکھ فوج کے باغی ہو جانے کے موقع پر بھجرجی لارنس صاحب بہادر کے پاس پشاور میں تھا یہ اخیر وقت تک صاحب موصوف کے ساتھ رہا اور اس کی اس وقاداری کے سبب اس کا مکان اور جائیداد جو پشاور میں تھے ضائع ہو گئے وہ ہر بیٹا ناصر علی خان خاندانی املاک واقعہ اودھ کا مہتمم تھا وہاں اسے آنریری اسٹنٹ کمشنر بنایا گیا اس کی کارگذاری حکام کی مرضی کے عین مطابق رہی۔

۱۸۶۶ء میں علی رضا خان کی وفات پر نواب کا خطاب اس کے بیٹے نواز علی خان کو ملا اور یہ بھی اپنے باپ کا تامل جانشین ثابت ہوا اس نے اپنی ساری عمر غفہ عام کے کاموں میں خرچ کی اور اس دوران اس کے دنوں میں لڑائیوں کے بعد اس نے اپنا وہ نام پیدا کیا جو دیانت داری اور راست بازی کی دھڑ سے پنجاب کی صف اول میں داخل ہے ۱۸۷۰ء میں آنریری اسٹنٹ کمشنر مقرر کیا گیا اور عین سال تک لاہور کی میونسپل کمیٹی کا پریزیڈنٹ رہا۔

۱۸۸۵ء میں اسے سی آئی آئی کا خطاب اور اس کے عین سال بعد کے سی آئی آئی کا خطاب ملا ۱۸۸۶ء میں یہ لیمیٹیڈ کونسل کا زائد ممبر نامزد کیا گیا اور اس سے ایک سال پہلے اسے رکھ تکیا نہ ضلع لاہور کے حقوق مالکانہ عطا کیے گئے ۱۸۹۰ء میں سر نواز علی خان کی وفات کے بعد نواب کا مودلی خطاب اس کے چھوٹے بھائی ناصر علی خان کو عطا کیا گیا جو خاندان کا بزرگ اور اپنے بھائی کی جگہ پر فائز رہا وہ بھی ناصر علی خان پر فائز رہا ۲۵ سال تک ملازم رہا اور ۱۸۹۶ء میں فوت ہوا اس کا جانشین اس کا بھتیجا فتح علی خان ہوا جو نواب کا خطاب اور اپنے چچا کی جاگیر میں حاصل کر کے خاندان کا بزرگ اور پر فائز رہا ۱۸۹۶ء میں نواب فتح علی خان پنجاب کی لیمیٹیڈ کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا ۱۸۹۷ء میں وہ ہنر عبثی



شہنشاہ کی تاجپوشی میں پنجاب کی طرف سے شامل ہونے کے لیے انجمن گیا اور سنہ ۱۹۰۰ء میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے وہی دربار میں شامل ہوا جہاں اسے سی۔ آئی۔ آئی کا خطاب عنایت ہوا پھر سنہ ۱۹۰۱ء میں اسے گورنر جنرل لیمبٹون کو نسل کا زائد ممبر نامزد کیا گیا کئی دفعہ ثابت ہو چکا ہے کہ نواب فتح علی خان سرکار انگریزوں کا فرمانبردار اور ونا دار ہے اور بالخصوص انگریزوں کی فائز و فلاح کے لیے اس کی تعریفیں کی ہیں یہ تمام خیراتی کاموں میں دلیا دلی سے چندے دیتا ہے اور اس کے فلاح خلافت کے عروج اور پنجاب کے مسلمان اہل میں ممتاز ہونے کی وجہ سے بریت و مذہب کے لگائے کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔

نواب ناصر علی خان کالو کا محمد علی خان انگریزی مجسٹریٹ اور لاہور کی میونسپل کمیٹی کا کانسٹیبل پرنسپل ہے سرکار بہادر محمد رضا خان کالو کا سردار رضا علی خان سہنے باپ کی خدمات کے صلہ میں ۲۰۰ روپیہ کا ہمار پنشن پاتا ہے جو ڈویژنل درباری ہے اور کچھ عرصے تک اسٹاٹسٹ کمشنر رہا اور سنہ ۱۹۰۰ء میں سریپل رفرنس کے پرنسپل عمل میں ممبر ہو کر صاحب موصوفت کے ہمراہ کابل گیا پادشاه سرور سے دستخط ہوئے۔ بعد ازاں نے میونسپل کمیٹی کی جبر میں رو کر بہت سے مفید کام کیے اور سنہ ۱۹۰۰ء میں درجہ دوم و تیسرے درجہ کے تمام کاموں میں کمال کیا محمد عظیم خان کالو کا محمد علی حسین خان بیرٹھایت لا کٹھ اسٹاٹسٹ کمشنر ہے۔ یہی حاج احمد برہمن سے لیا وہ جو اسے علی رضا خان اور اس کی اولاد کو دیا۔ انگریزی کی اس عظیم خدمت سے خدمت گاہ کی سی۔ آئی۔ آئی جس کی باقی بے غرضی و صداقت میں مطلق شبہ نہیں علی رضا خان سرکار انگریزوں کی رعایا میں پیدا نہیں ہوا تمام سارے ہندوستان میں ایسا کوئی خاندان نہیں ہے کہ جو گورنر جنرل ہندوستان کی رعیت کے لیے اپنا فرض سمجھ کر سرکار انگریزوں کو کتنا ہی دلوں کیوں نہ ہو مگر جس نے سرکار موصوفت نے دے دی سی فراغت کے ساتھ ہونے اور نہ ہونے کو جس سے زندگی کا خط حاصل ہو سکتا ہے خطے میں ڈال دیا۔ جب ملک کے کابل کی پہلی برائی سے ان سخت مصائب کے میں کے برابر معاصی انگریزی فوج پر انہی نہیں اسے اور جب ملک دشمنان کے معاصی و آلام اور فتح و نصرت انگریزی افسران میں روزانہ قیام کے لیے ہمارے

نائب ملک علی رضا خان اور اس کے بہادر خاندان کا نام تمام سپریم انگریزوں کو احرام و احسان مندی کے ساتھ دیا

(۱) مذکورہ سائے پنجاب جلد اول - مشتمل

## جب پیش خوار وقت پایا جائے گا!

۱۸۵۷ء میں محمد اسماعیل خان نے پھر نمایاں خدمات کیں اس نے ایک رسالہ بھرتی کرتے ہیں اور وہی بذات خود بھی باغیوں سے لڑا اس خیر خواہی کے صلہ میں اسے ۵۰۰ روپیہ کا ایک خلعت اور خان بہادر کا خطاب عطا ہوا ۶۰۰ روپیہ سالانہ کی پیش بڑھا کر ۹۰۰ روپیہ کر دی گئی اور اس پر ۱۵۰ روپیہ کی حین حیات جاگیر کا بھی اضافہ کیا گیا ۱۸۶۱ء میں خود محمد اسماعیل خان کی خواہش پر اس کی پیش کا بھی حین حیات جاگیر سے متبادل کر دیا گیا۔

محمد اسماعیل خان کے حقوق خدمات کے معاملہ پر گورنمنٹ علیہ نے ۱۸۶۸ء میں مگر غور فرمایا اور خاندان کی حیثیت اور اس کے رسوم کا لحاظ کرنے کے علاوہ رئیس کی بھی وفاداری اور اچھے برائی کو مد نظر رکھ کر سربراہ برٹ ایجنٹس بالقاب نے سفارش کی کہ اس کی حین حیات جاگیر بڑھا کر ۱۰۰۰ روپیہ کی کر دی جائے اور اگر گورنمنٹ کی مرضی ہو تو رئیس مذکور کے بعد بھی وہ جاگیر کسی منتخب وارث کے نام رہے اس کی نسبت گورنمنٹ پرورد نے یہ قرار دیا کہ اس معاملے پر اسی وقت غور کیا جائے گا جب کہ پیش خوار وقات پایا جائے گا۔ (۱)

(۴۱)

## پنجاب نامہ

۱۸۶۷ء میں لفٹنٹ جرنیل براؤن صاحب بہادر بالقاب نے اس کی نسبت مفصل ذیل تحریر کی:۔  
”کسی شخص نے بھی ایسے بہادری کے کام نہیں کیے جیسے کہ پنجاب سنگھ نے کیے ہیں اس کی قوت

۱۱ تذکرہ نڈ سائے پنجاب، جلد دوم، صفحہ ۴۸۸

مہینہ اور دور اندیشی اس کی بہادری کے بڑے ہیں۔

ریو پ گانت صاحب بہادر بالغ ہونے پر ۱۸۵۸ء میں رسالے کے ایک حصہ کے کمان افسر تھے اس کو "یڈ" مقرر کیا گیا اور بہادر پ ہی مورہ قسم کے معاہدہ کا متفق تحریر فرمایا۔ وہ دہلی کے محاصرے میں موجود تھا اس نے آخری حملے میں حصہ لیا نیز چند شہر و علی گڑھ کی لڑائیوں میں کرنیل گریٹ ہڈ کی فوج کے ساتھ شام تھا اگر وہ ہائیڈرسے گرد و نواح کی بہت سی لڑائیوں میں بھی شریک رہا اور اس نے حنڈ پھرائے میں بھی مدد دی اس کی خدمات کے صلہ میں اس کو انڈر رات میرٹ اور آرڈر آف برٹش ٹیلیٹ اور کھیری ایٹ اووی میں مافی دی نی جی ای آرمی اب ۲۰۰۰ روپیہ سالانہ سب سے پنجاب میں رکھ کر تھپ تحصیل ترشہن نعلج امرتسر کی ۱۰۰۰ ایکڑ زمین سے عطا ہوئی جس کی قیمت ۵۸۲ روپیہ سالانہ اقساط سے لی جاتی تھی پانی وہ ۱۸۶۹ء میں ملا اور اس کا رٹہ جو الاسٹنگھوا اس کی بند ٹائمن ۶ بزرگ ہو۔ ۱۱

(۲۲)

## مجنروں کی اشرارت

یہ مجنر شرفا کو کس طرح پریشان کرتے تھے، اس کا ایک نمونہ : —

"ہدات مجنروں نے خمدی کہ عظیم محمود خان کا مکان باغی پامیوں کا پتاہ داد سے وہاں ترقیہ مکات صاحب پولیس کو لے کر پہنچے انہوں نے عید محمود خان کے سواتے پچاس ساٹھ مسلولوں کو گرفتار کیا جب وہ انکو رنی میں باندھ کر قہر کے لیے چلے تو عید صاحب جی ساٹھ ہوئے جس سے لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ بھی اس حالات میں ہیں۔ تو اس کے رستہ کے باہر تھے، کوٹوالی سار پھر چلے آئے لہذا اپنی جو فردی سے ان سب کو جو ان کے مکان پر گرفتار ہوئے رہائی دہلی دے دے۔"

(۱) تذکرہ ڈسائے پنجاب جلد اول - ص ۷۷

(۲) تاریخ عروج عہد انگلیشہ د و فہ الف - ص ۷۲



## پہلے باغی پھر وقادار

غدر شدہ آگے وقت سردار صورت رنگہ بر عالم جلا وطنی بنارس میں ہی تھا بر گشتی آیا مہ تے اس کو عمل سکھادی تھی اور اب وقاداری میں اتنا ہی سرگرم تھا جتنا کہ پہلے بغادت کرنے میں تیز و طرار مہ جون شدہ کو ویسی پلٹن نمبر ۳۳ بنارس میں توڑ دی گئی اور لہجیانہ کے سکھوں کی پلٹن میں جو اس وقت موجود تھی کچھ مشتبہ حرکات دیکھی گئیں اس لیے وہی تو ہیں جو ۲ نمبر کے پاہیوں پر گولہ باری کر رہی تھیں ان سکھوں کی طرف موڑ دی گئیں معلوم ہوا ہے کہ اس تمام معاملہ میں سخت غلطی ہوئی اور کئی وجہ یقین کرنے کی نہیں کہ سکھوں نے حلال نہ تھے مگر ننگ سلاخی کے لیے سخت اطمینان کے لیے وہ البتہ تیار نہ تھے چنانچہ انہوں نے توپوں پر حملہ کیا اور بنا نقصان اٹھا کر پسپا ہوئے اور میدان جنگ سے ہٹا دیئے گئے۔ اتفاقاً قیہ بنارس کے خزانے پر جس میں ہمالانی جنڈان کے بینل لاکھ کی مالیت کے جواہرات تھے سکھوں کی اس پلٹن کے کچھ آدمیوں کا پہرہ تھا جو مار دئے گئے خزانے کے باطل قریب ہی کلکٹر صاحب بہادر کی کچہری ایک منصوبہ عمارت میں تھی جس کی چھت پر ۱۲ اسلحہ عہدہ طرفاد ہونے کی حالت میں خزانہ اور اپنی جالوں کے پچانے کے واسطے کھڑے تھے جب سکھوں کے گارد نے اپنے رفیقوں کی مدد گشت سنی تو ان کی پریڈائی اور غصہ مدد درجہ کو پہنچ گیا وہ بلاشبہ سرکشی ہو کر خزانہ کو لوٹ لیتے اور پورہین انیسویں پر حملہ کرتے اگر صورت نگہ ان کے پاس جا کر اپنے خالی نقد اور بڑے بحث مباحثے سے ان کو حق نمک کا پاس کرنے پر مجبور نہ کر مہ جون بیٹنے کی اس لمبی رات کو ہر طرف پندت کو کل چند کے جو اس کی یاقوت کے ساتھ مہو کر رہا ان سکھوں کی منت کرتا اور ان کو سمجھا رہا تھے کہ صبح کے قریب یہ پھٹل سی جمیٹ گودہ فوج کی حفاظت میں مکمل کو بھیجی گئی جو پنہو میں لدھیانہ کی پلٹن کی ایک اور جمیٹ مہم تھی جب ان لوگوں نے اپنی پلٹن کی تباہی کا حال سنا تو ان کو سخت غصہ آیا انہوں نے اپنے کمان انسر کو گولی سے مار دیا صاحب جائنٹ مجسٹریٹ کو قتل کر دیا اور خزانہ لے کر لکھنؤ کو روانہ ہو گئے



اگر صورت سنگھ بہادری اور دہادری مذکورہ تو بنارس میں بھی ایسی ہی واردات قتل ہوئی تھوڑے عرصے کے بعد سردار صاحب سنگھ اس فوج کا افسر مقرر ہوا جو سلطان پور سے بھاگے ہوئے آدمیوں کو لانے کے لیے بھیجی گئی تھی اور کئی اور مواقع پر بھی میدان جنگ میں اس کے ساتھ تھیں۔ بہادری ظہور میں آئی ۶ جولائی کو اجمیر کی ایک جمہوریت کے ساتھ جنہوں نے بنارس پر حملہ کیا تھا لڑتے ہوئے سردار صاحب سنگھ کی زبردستی پر تھوڑے ہی وقت میں زخم آگیا جس کے سبب سے وہ کئی مہینے تک چورپائی پر پڑا رہا اور اسی زخم کی وجہ سے شہید ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کی خدائے کے صلے میں گورنمنٹ عالیہ نے سردار صاحب سنگھ کو ۴۸۰۰۰ روپے کی ایک پنشن عطا کی اور دہری ضلع گورکھپور واقع ہمالیہ مغربی و شمالی میں ایک قصبہ علی اللہ نام پر ان کے لیے اور اس کو پنجاب میں واپس آجائے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

(۲۲)

## بہادر شاہ کوثر قاتل کیا

۱۸۵۷ء کے غدار کے شروع ہوتے ہی مان سنگھ سارنگ کے تین تھوڑوں کے ساتھ جہان پور سے ایک نواب امام الدین خان نے ایک راجہ میچ سنگھ کے اور میرا زیادہ تر خود مان سنگھ کے ہوتے کیے تھے مگر بدین صاحب کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ دہلی میں آکر یہ فوجیہ پڑھنے والے تھے۔ ریل کے نام سے مشہور ہوئے اور بعد میں بڑے سن و سب کے مشہور رہا۔ ان کے ساتھ دہلی مان سنگھ کے دہلی کے محاصرے اور اس کی فتح کے دوران میں خوب خدائیں ہوئیں۔ ان کے بارے میں دہلی کی رفتاری اور میں شہزادہ ان کی گرفتاری اور پھر ان کے دین میں اور ان دن میں بدشاہ پور کے امانت کی بہادری اور شجاعت اس پتے کی قیاسی کہ خود اس نے بہادری کی تمام سبب کی۔ ان کے بعد اسے کرنل شہور صاحب بہادر کے دست فوج کے ساتھ خلیج دیواری میں بھیجا گیا اور قاتل کیا۔

۱۱) مذکورہ مددگار پنجاب جلد اول ص ۱۱۰

ماہ اکتوبر کے آخر میں دہلی واپس آنے پر جبرئیل صاحب نے ۵۰۰ روٹ بھرتی کیے اور اپنی منیت پر بہت ۳ روپیہ جس کے خرچ کرنے کی ضرورت تھی قرض لیا اور تقریباً ۴ مہینے میں یہ آدمی بھرتی کیے اور نہایت عجلت کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہو گیا لکھنؤ میں یہ قسبر کے عین فتح ہونے کے وقت پہنچ گیا مگر افسوس ہے کہ اپنے کمانڈر صاحب کا فکریہ نہ لے سکا جو اس کے وہاں پہنچنے سے ایک دن پہلے مارا گیا تھا۔

ماہ ستمبر ۱۸۵۸ء کے موسم گنا میں برابر لڑنا رہا اور سرکاری کاغذات میں اس کی بہادری کے حالات جو اس نے اپنی رجمنٹ کے لفٹنٹ بلر صاحب کے پھڑانے میں جن کو دشمنوں نے گھیر لیا تھا ذکر کیا گیا ہے اس موقع پر مان سنگھ کے دوست زخم آئے اور اس کے گھوڑے کو ہمارے مددگار زخم لگے اس لڑائی کی خدائے عظمیٰ میں اس نے آرڈر آف میرٹ حاصل کیا ۱۸۵۸ء میں اودھ کی لڑائیوں میں شریک اور بہت خطرناک موقعوں پر موجود رہا زندگی کے مقام پر اس نے کوئی بھی نہیں لیں اس کے بعد ایک گولہ بارود کے صندوق کے پھٹ جانے سے جو دشمن کے کسی خطرناک آدمی کا کام تھا اس کے بہت سی ضربیں لگیں جن کی وجہ سے کئی مہینے تک یہ سخت تکلیف میں رہا مان سنگھ کی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے اسے ۶۰۰ روپیہ سالانہ کی مالیت کی جاگیر اودھ میں اور ۳۰۰ روپیہ سالانہ کی جاگیر پنجاب میں عطا کی۔ (۱)

(۲۵)

## ایک لطیفہ

ہاندہ میں جب انگریزی فوج نے اس کو فتح کیا تھا تو سب سے پہلے مرزا امداد علی بیگ عظیم القاب ہاندہ کو بلا بساعت عذاب کے جو باظہار خیر خواہی گیا تھا پھانسی پر چڑھا دیا تھا اور پھر

(۱) مذکورہ دور ساتے پنجاب جلد دوم، ص ۳۱۲۔

جب رات خیر خواہی اس کا پایہ جنت کو پہنچا تھا بعد عرائض اس کے جو وہ باطلاع حالات نقل و حرکت فیج  
لور بغاوت نوب باندہ کے پہنچا رہا تھا دفتر الہ آباد میں برآمد ہوئے تو کل املاک منقبط اس کے وارثان  
کو نہایت افسوس کے ساتھ واپس کر دی تھی ۔ (۱۱)

(۴۶)

## مختار غدار نمبر ایک

معین الدین حسن ایک بزرگ تھے، بظاہر مسافروں کے دوست، حقیقتہً انگریزوں کے ہانڈا،  
انہوں نے غدر کے عہد میں، کیسے کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کی ایک جھٹک : —  
” پہلا کو قوال شہر میں معین الدین مقرر ہوا جو نواب قدرت اللہ خان کا بیٹا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ  
کہ میں نے یہ کوتوالی اس لیے اختیار کی تھی کہ انگریزوں کی خیر خواہی اس بد خواہی کے واسطے میں کروں وہ چہرہ  
مذ میں اپنے ظلم و ستم کے سبب برخاست ہوا ۔ (۱۲)

وہ خود کہتا ہے :

سر قیو فلس کی مدعا ” مجھے سب سے زیادہ سر قیو فلس کی نگر بندی اس لیے کہ بادشاہ نے آگے رفتاری  
کے لیے ۱۰ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تھا ابھی میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں سر قیو فلس  
کے پاس سے مجھے یہ زبانی پیغام ملا کہ بھڑ جانے کے لیے میری دعا منت کرو۔ اسی دن شام کو مل نے ایک  
اعلیٰ درجہ کا گھوڑا اور کچھ روپے بھیج دیے اور سفر کے متعلق ہدایات بھی دے دیں۔ مجھے تشویش یوں ہوئی  
کہ اگر میں خود جانا تو مل یا نہ سے تنہا ہی شہرت ہو جاتی ہے تو میری تمام محنت اکارت ہو جانے کی وجہ سے  
یہ حق سر قیو فلس دلیس پاس پہنچا اور شیرخان نام اختیار کریں کہ یہ کہ زندہ سے خط و کتابت میں اسی کا نام

” سرگذشت ایام غدر (خالق ہارمائی) معین الدین حسین پھولپال

اب مدد بخ عروج عبد التلخیص ذلک اللہ اعلم



استعمال کیا جائے دوسرے دن جھڑے روپیہ کی باقاعدہ رسید وصول ہوگئی۔ یہ معلوم کر کے اطمینان ہو گیا کہ سر تھیوفلس بھروسے خالی اور ان کے دو بھائیوں کے معیت میں بخیر و عافیت تہجر پہنچ گئے ہیں۔ ۱۱۔  
جو کہ وہ کہتا ہے، اس کی تصدیق دوسرے بیانیوں سے بھی ہوتی ہے۔

”جن مشکات صاحب جنت مجسٹریٹ دہلی۔ لوے کے دن تنہا با تھ میں تواریف شہر سے باہر نکلے اور ان ظالموں سے بچتے بچاتے پہاڑ گنج کے ٹھکانے میں پہنچے۔ مرزا معین الدین حسین خان تھانہ دار نے صاحب موصوف کو کپڑے بدلوا کر اور جہیز بہت کر کے بھنورا نمبر دار گھڑی باغ کے پاس پہنچا دیا نمبر دار ٹکڑے صاحب موصوف کو درگاہ حضرت سید حسین رسول میں پہنچایا اور پھر پوشیدہ طور پر ایک محفوظ جگہ پر رکھا۔ اور صاحب کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ پھر سو محل کے بعد صاحب موصوف کو جھڑپہنچا دیا۔ لیکن نواب صاحب نے تلنگوں کے خوف سے صاحب موصوف کو اپنے ہاں پناہ نہ دی۔ بلکہ ملاقات بھی نہ کی۔ لیکر بیان یہ بھی ہے کہ ملاقات کی تو مگر جلیبا کر چاہئے تھا اخلاق و مروت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ بھڑیں ٹھہرنے بھی نہ دیا مشکات صاحب نے جب یہ سرومہری اور بے اعتنائی دیکھی تو وہ وہاں سے رنجیدہ ہو کر چلے گئے“  
یہی داستان دوسرے القاطین، اور دوسرے پہلے سے۔

### سر تھیوفلس مشکات کی رہائی کے حالات

”ارمینی کی بیج کو سر تھیوفلس مشکات گاڑی میں بیٹھ کر حراست گئے، اس وقت اُسے کہا گیا کہ باغی سپاہی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کو روکنے کی غرض سے وہ فوراً بگھی میں آ بیٹھے اور گھڑے کو سر پیٹ موڑا کہ کوڑا پیچھے لور دیاں سے اُنہوں نے نہ پڑو بھی تاکہ اوج کماٹ دروازہ کو کھولنے سے روکا جائے اور ساتھ ہی دوسرے دروازوں کو بند کر دیا جائے۔ بعد ازاں وہ کلکتہ دروازہ پہنچے۔ جہاں انہوں نے دیکھا کہ تمام جگہ شور و غوغا بلند ہے۔ باغی فوجوں کو چھاؤنی کی فوج سے کافی املا مل گئی تھی اور شہر کے بدعاش

۱۰ غدر کی صبح شام، جلد ۸

۱۱، نصرت نامہ گورنمنٹ جلد ۱۳



بھی بھی ہر طرف اس طرح انگریزوں کی تعداد میں اضافہ کر رہے تھے۔

کئی آویز شوں کے بعد جن میں سر تھیوئس بل بل بھی آئے جن میں ان کی بجلی بھی جاتی رہی وہ بارہز  
کچھ پھیل چل کر یا بعد میں گھوڑے پر بیٹھ کر جیسے انہوں نے ایک سوار سے چھین لیا تھا، پہاڑ گنج کے  
تھاڑ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، یہاں معین الدین حسن خان نے ان کا تپاک امیر استقبال کیا اور بد  
سی ہی دوش کے وفاطی سے ان کی اولاد کرنے کا وعدہ کیا اور ابتدائی کامیابی سے طور پر انہوں نے اپنا  
ہاسل ان کے حوالے کر دیا جس کے بعد سے انہوں نے دیسی جیسے اختیار کر لیا، یہ خیال رکھے کہ شہرے اس  
مقدرب میں رہنے سے خود ان کی جان اور تھانہ کی جان خطرے میں پڑ جلتے گی کیونکہ باغیوں نے شہر  
میں تمام یسویں باغیوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا، سر تھیوئس تھانہ کی پوزیشن پر زور و خواست پر پہنچنے میں  
واپس جانے سے روک دیے گئے اس لیے اس کا منہج سوائے اس کے اور کچھ نہ نکلتا کہ ان کی جان جاتی  
رہتی۔ بجائے اس کے انہوں نے معین الدین کی یہ تجویز مستعداری کر قبول باغیوں تک انہیں بر حفاظت مہ  
پہنچا دیا جاتے جہاں انہیں بھروسے خان فوری سے جہاں انہیں باوجود جیسے ہاں لینے کے فی الفور  
سر تھیوئس کو پہچان لیا، پناہ مل گئی، سر تھیوئس کو سب سے پہلے جس بات کی پریشانی تھی وہ تھی کہ شہر  
کے دوسرے بعد پینوں کی حالت دریافت کرنے کے لیے انہوں نے تھانہ کی پوزیشن کی کہ وہ محلو  
کے ہندو جلد انہیں بتائیں اور ساتھ ہی اس امر کی درخواست کی کہ جتنی جاسکے چاہیں، پناہ کو ٹیٹل  
کریں۔ لیکن۔ جہاں پہنچنے کا نہ نہ گلد چھا تھا

چونکہ تھانہ فوری پر سر تھیوئس کو پہچانے اور مدد دینے کا شعبہ کیا جا رہا تھا اس لیے خود ان  
کی جان بھی خطرات میں تھی لیکن وہ بہت سی احتیاطوں اور مختلف تدابیر سے فوری پناہ آرمی سے حالات کو  
خفیہ رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور شہر سے غریبوں کو کسی طرح ان کا پتہ لگنے نہیں دیا، اس میں  
بھروسے خان نے ان کی حفاظت کرتے یا ان کی ضروریات پر اترنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

مزید حفاظت کی غرض سے قرب و جوار کے جنگل میں ان کے لیے جانے پناہ گاہیں بنائی جہاں وہ  
لٹ کو نکال کر اپنی جان بچا سکتے تھے، بشرطیکہ باغی فوجیں ملے نہ ہو جائیں۔ مزید برآں بھروسے خان نے

خطرہ کی حالت میں اپنے چند مکمل اعماد و دوستوں کی امداد کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ اُن میں دو راجپوت تھے جن کے نام پورن سنگھ اور ہمت سنگھ تھے، جب سر تھیو نلس نے یہ دیکھا کہ وہ دہلی میں اپنے زمانہ قیام کو طویل سے کہ خواہ مخواہ اپنی اور اپنے رفقاء کی زندگی کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ تو اس وقت انہوں نے بھوسے خان پر زور دیا کہ میرا بھجڑ جانے کا انتظام کر دو، اس ریاست کا نواب سر تھیو نلس کا ذاتی دوست تھا لہذا ان کے ساتھ سر تھیو نلس اور اُن کے والد نے بہت سے احسانات بھی کیے تھے اس لیے اُن کو توقع تھی کہ اگر میرا تپاک آمیز استقبال نہ ہوا تو کم از کم میری حفاظت تو ہو جائے گی لہذا جلتے پتہ ل جائے گی، بھوسے خان عسکر کے مستحق ہیں کہ اُن کے انتظامات کی غیبی امداد کے راجپوت رفقاء کی بانٹاری کی بدولت وہ بہ حفاظت تمام بھجڑ پہنچ گئے۔

(۴۷)

## مجنری کی گرم بازاری

راقم الدولہ ظہیر دہلی، جنہوں نے غدر کے مصائب مردانہ وار برداشت کیے، فرماتے ہیں:۔  
 ”غرض کہ جب نن و مرد شہر سے باہر ہو گئے۔ تو اب مجنری کا بازار گرم ہوا۔ اور وہی ملک حرام جو بد معاشوں کے ہمراہ ہو کر شہر کو لٹواتے تھے۔ اب سرکاری مجنری اور شہر والوں کو پھانسیاں دلوانے لے دو دھپیہ آدمی پیچھے تجری کا صلہ ملتا تھا۔“

چنانچہ چار پانچ روز ہم کو برف خانے میں گزرے تھے کہ میرا نواب کپتان شاہی کو پکڑوا کر پھاڑا

اسے اس مقام پر مصنف نے بیان کیا ہے، کہ جن آدمیوں نے مصیبت کے زمانہ میں سر تھیو نلس شہان کی امداد کی تھی بعد میں جبکہ حالات بہتر ہو گئے لہذا ان کی سلطنت کا از سر نو قیام ہو گیا تو اس وقت انہیں فراموش نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں معقول انعامات وغیرہ عطا ہوئے۔

۱۷ غدر کی صبح شام ۱۶۵

مے دی گئی۔ باوجود یہ کہ وہ میر حید علی، داروغہ فیل خانہ انگریزی کا داماد تھا اور تمام غلہ میں بھراہ صاحبان انگریزی پہاڑی پر رہا کرتا تھا۔ تمام کمٹریٹ کا کام اس کے سپرد تھا اور سرکار کی بہت سی غیر خواہی کی تھی۔ اور میر نواب کہان اس کا داماد تھا۔ اس نے بہت کچھ محنت کی مگر کچھ نہ سنی گئی۔ اور اس کی غیر بخلائی پر کچھ نظر نہ کی گئی۔ جب یہ واقعہ نظر سے گذرا تو سب کو اپنی اپنی جانوں کا فکر ہوا۔ (۱)

## والیان ریاست

اب کچھ والیان ریاست کہ ذکر ہوتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غلہ میں اپنی قوم، اپنے ملک، اپنے بادشاہ سے غداری کی، اور گنجل بیاہلے پائے، حویلیاں بھیں، حدود ریاست میں اضافہ ہوا، سونے چاندی کے رکتے ملے، سب کی فہرست تو لمبی ہے چند کی "تالیخ" ملاحظہ ہو:۔

(۲۸۱)

## مہاراجہ ٹیپالہ

مہاراجہ ٹیپالہ کو دہلی میں ملکہ زینت محل کے محل کے علاقہ جو علیہ انگیزہ دل سے بیٹے فہرہ لیا۔  
 ۱۸۰۱ء کے بعد مہاراجہ ٹیپالہ صاحب کو ایام غلہ کی بیش بہا خدمات کے بعد میں نواب بھرت  
 کی ضبط شدہ ریاست کے صدر ناموں میں جس کے مالیک کی جمع دوا لکھ روپیہ قرض شاہی حقیقت میں تھو  
 پر دیے گئے کہ وہ کسی عام شہرہ یا ملکی بھائی کے موقع پر سرکار کو فیجی امرار دیا کہ میں نیز یہ اہانت ہوئی  
 کہ اس قرض کی بے باکی میں جو انہوں نے ایام غلہ میں سرکار انگریزی کو دیہا بھو کا پرتے نہ ہوا اور ان کو کہہ دیا  
 خرید کر نہیں جن پر ان کے شاہی حقیقت نسبت بعد فیل جاری رہیں گے غلہ وہ انہیں مہاراجہ کو جھوٹے داد  
 پہا خیا رات عمر فی عطا کئے گئے اس علاقہ کی لاوارث اور ضبط شدہ جہادوں کا حق باز یا فستہ ہیں

۱۱ داستان غدر و مافک الملک علیہ علیہ



دیا گیا اور ۵۲۶۵ روپیہ کی وہ رقم جو اس سے پہلے سرداران بھٹو سرکار انگریزی کو ادا کیا کرتے تھے اب مہاراجہ موصوف کو ملنے کی منظوری دی گئی۔ (۱۱)

(۴۹)

## مہاراجہ ناچھ

سری راجہ بھوپال سنگھ نابھو غدر کے چند ماہ بعد سن بلوچ کو پہنچے انہوں نے غدر کے دوران میں قابل تقلید وفاداری ظاہر کی اور پنجاب کے دوسرے دوساد کی طرح نمایاں خدمات انجام دیں غدر کے شروع ہونے پر شہر لدھیانہ اور خود اس کے زیر قبضہ منیج کے گھٹلوں کا اہتمام ان کے سپرد تھا۔ نابھہ کی فوج کے ایک اور دستہ نے جن میں صرف ایک سو پچاس جوان تھے پھلوں کے مقام پر جالندھر کے باغیوں کا متعلقہ کر کے انہیں دریا عبور کرنے سے روکنے میں کامیابی حاصل کی اور یوں صاحب ڈوہنی کمشنر بہادر کی قابل تعریف امداد کی راجہ صاحب نابھہ نے تھوٹی سی فوج دہلی کو بھی اس سال کی تھی اور اس فوج نے محاصرہ دہلی میں اچھی خدمات کیں بعد ازاں راجہ جی نے اپنی رعایا میں سے بہت سے سپاہی بھرتی کیے سرکار انگریزی کے لیے سامان رسد اور بار برداری جیسا کیا گیا اور باغیوں کو گرفتار کرتے رہے اس کے علاوہ ان سے جو خدمت طلب کی گئی انہوں نے نہایت وفاداری سے بدل و جان انجام دی ان خدمات کے صلہ میں سری راجہ بھوپال سنگھ کو باطل اور کانٹھ کے دو علاقے عطا ہوئے یہ علاقہ جات ضبط شدہ ریاست بھٹو کے حصے تھے لہذا ان کا مالیہ ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھا اس علیہ کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی گئی کہ راجہ صاحب نابھہ عام خطرہ اور شورش یا بل پل کے موقع پر گورنمنٹ کی فوجی اور پولیس کیل خدمات انجام دیتے رہیں انہیں دوسرے راجگان پھلیاں کی طرح اپنی رعایا میں پھانسی کے اختیارات اور سنبھلنے کرنے کا حق ہوا اور سرکاری انگریزی نے وعدہ کیا کہ وہ ریاست کے اندر عملی معاملہ

۱۱ مذکورہ رؤسائے پنجاب ہلدوم، ص ۱۵۰



میں کبھی دخل نہ دے گی بعد ازاں راجہ صاحب کو اجازت دی گئی کہ انہوں نے گورنمنٹ کو جو قرضہ دیا تھا اس کی ادائیگی میں کنڈو کے سب ڈویژن بھجرا ایک لاکھ ستر سو خرید لیں۔ ۱۱

(۵۰)

## مہاراجہ جیند

سری راجہ سرورپ سنگھ جیند نے غدر کے دوران میں بھی نمایاں وفاداری دکھلائی اور ۸ سو آدمیوں کی جمعیت لے کر مال کی چھاؤنی پر قابض ہو کر دہلی سے ۱۰ میل شمال میں مقام بھاگ پٹ پر دیہاتے جہنا کے پٹن کے محافل بنے رہے اور اسی طرح گویا راجہ سرورپ سنگھ ہی کی امداد سے میرٹھ کی فوج سرانجام لے کر باغیہ کی فوج سے آکر مل گئی ۸ جون کو مقام علی پور کی لڑائی میں راجہ صاحب بذات خاص شریک تھے اور سپاہ انگلیش کے کمانڈر چوہن نے ان کی جوانمردی اور شہسوار کی مہارت پر دوا اور مبارک دینے کے علاوہ غنیمت سے چھٹی ہوئی توپوں میں سے ایک توپ بھی علی کی آخر میں جس وقت دلی میں بدر ہوا ہے اس وقت راجہ صاحب کی کمانڈ نے سرحدی میں نمایاں حصہ لیا انگریزی فوجوں کے ساتھ تفصیل شہر کی دیوالیوں پر چڑھ گئی اور اس کے بہت سے آدمی زخمی اور مقتول ہوئے۔

ایام غدر نے وقار اور معین و مددگار دیسی والیان ملک میں سری راجہ سرورپ سنگھ واحد شخص تھے جو بذات خاص دہلی پر حملہ کرنے والی فوج میں حاضر اور شامل ہوئے اور شرکت جنگ کے علاوہ انہوں نے تمام حلقہ محاصرہ میں دہلی کی محاصرہ فوج کا دیگر محکومات کی افواج اور حکام سے رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رکھا اور اس کی آمدورفت کی سڑکوں کو قلعہ رکھنے میں نمایاں مصلحتی کام کی مزید بریں راجہ صاحب موصوف خاص ہیں سیاست کے گرد و نواح کے اضلاع میں بھی اسی ماکم رکھ کر اپنی سیاست عالی کا نبوت دیتے رہے۔ شہر دہلی کے فتح ہو جانے کے بعد راجہ صاحب نے ۲۰۰ آدمی جرینل ملان کورٹ منسٹ صاحب بہادر

۱۱۔ تذکرہ عوامانے پنجاب جلد دوم، ص ۶۸

کے ہمراہ ہانسی اور آدھی کرنل آر لارنس صاحب بہادر کے ہمراہ بھڑک بھجے اور ان کے ۲۵۰ آدمی رہنمائی کے طور پر اہل خدمت کے لیے حاضر رہے۔ نواب گورنر جنرل کشور ہند بالائے سرکار نے اپنے اعلان مورخہ ۵ نومبر ۱۸۵۷ء میں ان کی نسبت یوں ارشاد فرمایا کہ :

” راجہ صاحب جید مستقل اور دلیرانہ امداد و اعانت دیتے رہنے کی وجہ سے گورنمنٹ کے خاص فکیر کے مستحق ہیں۔“ سری راجہ سردپ سنگھ کو ان مذکورہ بالا فرائض بہا خدمات کے صلہ میں دوسرے کاچھ سو مربع میل کا علاقہ عطا کیا گیا جو نواب بہادر گڈھ کی املاک تھا اور اس کی غداری کی وجہ سے ضبط کر لیا گیا تھا قصبر سنگھ و کے پاس ہی جہاں اب راجہ صاحب کا دارالحکومت ہے پرگنہ کالا راجہ کے تیرہ مواضعات بھی راجہ صاحب کو دیئے گئے جن کا مالیہ ۱۳۸۰۰۰ روپیہ تھا نیز خاص شہر دیوانہ میں ایک مکان ۶۰۰ روپیہ کی مالیت کا ان کو مرحمت ہوا اور ان مادی عطیات کے علاوہ بہت سے اعزادی خطاب بھی دیئے گئے گیارہ ضرب توپیں ان کی سلامی مقرر کی گئی اور دیگر راجگان بھائیوں کی طرح ان کو بھی ایک سند عطا کی گئی جس کی مدد سے راجہ صاحب جید کو اختیار دیا گیا کہ خاص اہم امور لالہ و نہ ہونے کی صورت میں کسی کو اپنا متبنی کر سکیں۔

سری راجہ سردپ سنگھ کے دل میں قوت ہوئے سرپل گرینن تحریر فرماتے ہیں کہ ” سردپ کی فکری و قبائلی بالکل شانہ و حق سکھوں کی بہادر قوم بشکل تمام کوئی ان سے زیادہ بلند بالا لہجہ قوی اور آدمی پیش کر سکتی ہے جب یہ اپنی نہایت مرغوب پوشش یعنی زندہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ سوار ہوتے تھے تو ایسے بہادر اور اصلی سپاہی دکھائی دیتے تھے کہ ہر دشمن کا کوئی اور شہر فائید ہی دیا و جہیز و دلیر معلوم ہو سکتا راجہ سردپ سنگھ سے بڑھ کر سرکار انگریزی کا کوئی بھی صادق خدمت ثابت نہیں ہوا اور انہوں نے سرکار کی خدمت گزائی محبت سے کی نہ کہ خوف سے لے

۱۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب راجگان پنجاب کا صفحہ ۳۶۴۔

۲۔ تذکرہ راجگان پنجاب جلد دوم ص ۶۶۵۔

## مہاراجہ کپور تھلہ

۱۸۵۸ء میں سرکار انگریزی کے طرفدار رہے تھے غدر شروع ہونے کی خبر آئے ہی راجہ رندھیر سنگھ جی کپور تھلہ نے اپنے چھوٹے بھائی کنور کرام سنگھ کو راجہ کے مع فوج و سپاہ جالندھر کی طرف کوچ کر دیا اور فہرہ دہلی کے فتح ہونے تک دو آبرو جالندھر پر قبضہ رکھنے میں جہاں وہاری فوج بالکل نہ ہونے کے قریب تھی سرکار کی امداد کی راجہ رندھیر سنگھ تلچ کے شمالی علاقہ جات میں یہاں پر ۱۸۵۸ء میں راجہ رندھیر سنگھ کی اس مخلصانہ اور دلی وفاداری سے ملک میں تباہت مفید سیاسی اثر ہوا راجہ کو اس عہدہ کا رگڈاری کے عہد میں راجہ رندھیر سنگھ کا خطاب عطا ہوا اور ان کے ذمہ کے اخراج میں ۲۵۰۰ روپیہ سالانہ کی تخفیف کر دی گئی ۱۸۵۸ء میں پنجاب میں من و مان ہو جانے کے بعد راجہ رندھیر سنگھ صاحب کو اجازت ملی کہ وہ اپنی سپاہ کا کمانڈمنٹ ملک اودھ کو لے جائیں اور وہیں کے پرنسپل علاقہ کے اندر من و مان قائم کرنے میں حصہ لیں پچھرا راجہ صاحب مع اپنے بھائی کے دس سو کے عہدے تک اودھ کے میدان جہاں میں شریک رہے اور پچھرا کی لڑائیوں میں دشمن کا دلیرانہ مقابلہ کیا ہوا یہ کیونکہ ہے کہ اس طور پر عرصے میں راجہ صاحب نے کبھی مہمان یا سفیر کی پروا نہ لی اور ہمیشہ اپنی فوج کے سر پر موجود رہے یہی سبب تھا کہ ان کی فوج نے ہر ایک موقع پر بہادری سے شرف و فخر سپاہ کو دیا بہت اچھا نام پیدا کیا ان اعلیٰ خدمات کے صلہ میں راجہ صاحب کو ملک اودھ کے دو مضبوط شہر محکمہ سلوٹنی واقع ضلع بٹاچ اور میسلی واقع ضلع بدہ بنی میں استمراری حقوق عطا ہوئے جن عہدات کی سالانہ آمدنی ۴۲۵۰۰ روپیہ تھی اور پچھرا راجہ جی کے بھائی کنور کرام سنگھ جی بھی ان کے ہمراہ اودھ گئے تھے اور ان کی کے عہدات میں بڑی بہادری اور فوجیت کا ثبوت دیا تھا لہذا ان کو صاحب موصوف کہ بھی ضلع بٹاچ کے کمانڈر اکٹھا کا ایک حق عطا ہوا جس کی آمدنی ۱۰۰۰ روپیہ سالانہ تھی مگر بعد ازاں ۱۸۶۹ء میں سربراہی دیکوس صاحب بالعمامہ چیت لکھنؤ کو لے گئے مرنے کے بعد کے راجہ جی نے



اگنا کا علاقہ تو خود لے لیا اور کنور بکرام سنگھ جی کو اُس کی بجائے اضلاع راستے برہمپور اور لکھنپور میں ۵۵۰۰۰ روپے کی دیگر اراضیات خرید دیں ۱۸۵۸ء میں گورنر جنرل کثرت ہنستے بہ فیصلہ کیا کہ ان اراضیات پر کنور بکرام سنگھ اور ان کی اولاد کا قبضہ حامی اور فائدہ لبد لیل رہے گا بعد ازاں لکھنپور کو تسلیم کرنے اسی مطالب کا ایک ایکٹ (قانون) بھی پاس کر دیا جو بکرام سنگھ اسٹیٹ (ایکٹ) ۱۸۸۳ء کہلاتا ہے

(۵۲)

## ریاست کلیہ

سری لہنا سنگھ جی نے ۱۸۵۵ء میں اچھی خدمت انجام دی اور ایک سو آدمیوں کی جمعیت جیت کی جس کو اودھ میں بھیجا گیا دہلی کے اوپر کی طرف دریلے جہان کے بعض پٹنوں کی حفاظت کرنے میں بھی انہوں نے امداد کی اور مقام داود پور میں ایک پولیس چوکی پر مابین رہے اور قریب کا رکارا اہلکار اور فرائض کے مابین بڑی بڑی سڑکوں پر پٹرول کے لیے آدمی بھیجا کتے سری سو بھا سنگھ جی کے صاحبزادے سری سردار لہنا سنگھ جی کا ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا امدان کی جگہ سری سردار لہنا سنگھ جی جو ابھی نابالغ تھے تخت نشین ہوئے سری لہنا سنگھ کی شادی متونی راجہ صاحب سندھ کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی

(۵۳)

## مہاراجہ کشمیر

گورنر جنرل مع کونسل مہاراجہ بنٹیر سنگھ والی کشمیر کا بڑی خوشی کے ساتھ خبر دی ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے عین وقت پر مہاراجہ لارنس کے ماتحت جموں کنٹیننٹ کو دہلی بھیج کر امداد کی، کشمیر کے فرمان روا نے بے ریا صادق دوست ہونے کا طریقہ قائم رکھا۔

۱۔ مذکرہ روایت پنجاب جلد دوم، ص ۶۹  
۲۔ مذکرہ روایت پنجاب جلد دوم، ص ۶۹  
۳۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ (۱۸۵۹ء تا ۱۸۵۹ء)



# لیئرے تاج شہریاری پنتے میں

۱۸۵۶ء کا غدر ختم ہو گیا، دلی پر، دہلی والوں پر، ہندوستان پر، اہل ہند پر، جو فتنے ٹوٹیں جو مصائب نازل ہوئے۔ جن تباہیوں کا نزول ہوا وہ جگر خراش داستان اپنے موقع پر بیان ہو چکی ہے، اب یہ دیکھیے کہ شکاری شہریاری کیونکر بنتا ہے؟ لیئرے شہریاری پر کس طرح ممکن ہوتا ہے؟ غاصب، تخت خسروئی پر کس طرح قابض ہوتا ہے؟ انگریز اس دلیس میں تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، مغل فرماں رواؤں کی غنایات و مدارات کے باعث انھیں کچھ خصوصی حقوق بھی حاصل ہو گئے، رفتہ رفتہ، اپنے جوڑ توڑ، سازش خدع و دکر اور فریب سے، وہ اس ملک کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔ انھوں نے اس ملک کے بادشاہوں کو ختم کیا، ریاستوں کو ضبط کیا، رہبروں، مہاجرین، نوابوں، سرداروں اور امیروں کو، مبتلائے مصائب کیا۔ شہر میں رہنے والوں اور دیہات میں بسنے والوں کو تاراج کیا،

ایک دلی کالاں قلعہ اب تک سلامت تھا، اب غدر کے بعد وہ بھی، نہ رہا، اس قلعہ میں آل قیور کا آخری فرد — بہادر شاہ ظفر — ایک گوشہ عزلت میں بیٹھا بودا الہی میں مصروف تھا، اسے ”باغی“ قرار دیا گیا، پھر جلاوطن کر کے برما بھیج دیا گیا، جہاں کسمپرسی کے عالم میں ایک روزہ اس جہان گزاری سے نصرت ہو گیا۔

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اسے بادشاہ

یادگار شمع تھی محفل میں پردانے کی فاک

بہادر شاہ کو جلاوطن کرنے کے بعد، انگریز، اس ملک کے بادشاہ بن گئے۔

بادشاہ بننے کے بعد، یا جو جہان گشت اپنی بھاک کس طرح بٹھائی؟ ابد الفاظ کے طلسم میں لوگوں کو کس

طرح اسیر کیا؟ داب خسروی، اور جلال شہریاری اور دتار شاہی کا کس طرح استعمال کیا، یہ بڑی لمبی داستان ہے اسے مختصر کریں، توجہ تصویریں نظر آتی ہیں،

شاہی میگنا چارٹا ————— یعنی ملکہ وکٹوریہ کا وہ اعلان جو، غدر کے بعد، رعایا سے ہند کے نام شائع ہوا اور جس میں عہد عام کی بشارت، مساوات کی نوید اور عدل عام کی خوشخبری دینے کے باوجود تقریباً ایک سو سال تک ہندوستانیوں کو مبتلائے عذاب رکھا گیا، یہ تاریخی دستاویز ہے اور تاریخ غدر کا مورخ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا، ۱۸۵۷ء میں ڈیوک آف اڈنبرا کی تشریف آوری، تاکہ شاہی "رعب داب اہل ہند اور والیاں ریاست پر قائم رہے۔

۱۸۵۷ء کا دربار قیصری ————— یہ اس بات کا اعلان تھا کہ، اب انگریز اس ملک کے بادشاہ ہیں اور یہاں کے تمام والیاں ریاست خواہ انفرادی طور پر وہ کتنے ہی باشندے اور ان کے خدمات کتنے ہی عظیم جیل کیلئے ہوں شاہ انگلستان کے ماتحت، باج گزار اور تابع مہل ہیں، اس دربار کی تفصیل ایک مستقل دوس جہت ہے، جو ایک خوددار وطن دوست کا خون کھولا دینے کے لیے کافی ہے۔

۱۹۰۴ء کا دربار تاجپوشی ————— یہ گویا ۱۸۵۷ء کا متمہ تھا، اس دربار میں ایڈورڈ ہفتم نے انگلستان سے آکر شرکت کی تھی، اس کی تفصیل وقت کے مشہور مورخ، مولانا عبدالرزاق مصنف البراکہ نے، اپنی کتاب یادایام میں درج کی ہے،

اب ہم آئندہ صفات میں، علی الترتیب یہ تصویریں پیش کرتے ہیں:-

## شاہی میگنا چارٹا مزید یکم نومبر ۱۸۵۷ء

دکٹوریہ بفضل خدا دارت سلطنت متحدہ گریٹ برٹین و ایرلینڈ مع مضائقہ و متعلقات جو یورپ ایشیا، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا میں واقع ہیں۔ حامی دین۔ ہر گاہ کہ ہم نے بیعت چند و چند قوی وجوہ کے بصلاح و رضامندی علماء و فضلاء دین و عائدہ اکابران مملکت، و دیوانے رعایا جو مجلس پارلیمنٹ میں مجتمع ہوتے ہیں۔

ممالک ہندوستان کی حکومت کو جواب تک ہماری طرف سے امانتاً زیر انتداب دی آنریبل ایٹ انڈیا کمپنی کے کبھی اپنے قبضہ و تسلط میں لینے کا مصمم ارادہ کیا ہے اس واسطے اب بذریعہ اعلان ہذا مشتہر کیا جاتا ہے کہ بصلاح و رضامندی مذکورہ الصدر ممالک مذکورہ ہند کی عنان حکومت ہم نے اپنے دست قدرت میں لے لی ہے اور ممالک مذکورہ میں ہماری رعایا سے یہ ارشاد کیا جاتا ہے کہ وہ سچی وفادار اور صادق مطیع ہماری اور ہمارے جانشین و نیا کی بنی رہے اور جن اشخاص کو ہم وقتاً فوقتاً ممالک مذکورہ کے انتظام و انصرام کے واسطے اپنی طرف سے ادما اپنے نام سے مقرر کریں ان کی اطاعت اختیار کرے۔

چنانچہ ہم نے ایسے معتمد عزیز بھائی اور مشیر چارلس جان والی کونٹ کینگ کی فرست ادبیات ذخیرہ گالی پر خاص یقین و اعتبار کر کے موٹی الیہ کو ممالک متذکرہ پر عموماً ہمارے نام سے اور ہماری طرف سے حکومت اور فرمان دہی کے اختیارات دیئے، اور انھیں اپنا اول نائب السلطنت اور گورنر جنرل مقرر کیا اور تمام عہدہ داران اور افسران جنگی اور ملکی جواب تک آنریبل ایٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے، زیر اطاعت ہماری خوشنودی اور قواعد اور قانون کے جو آئندہ نافذ ہوں، مقرر ہوئے اور ہم تمام دوسلے ہند کو مطلع کرتے ہیں کہ تمام عہد نامجات و معاہدات جمابین ان کے اور ایٹ انڈیا کمپنی کے تھے ہم مقبول و منظور کرتے ہیں۔ پوری احتیاط کے ساتھ ان کی پابندی کی جائے گی اسی طرح ان کی جانب سے بھی ان کی تکمیل و تعمیل کی امید ہے۔

ہم کو ممالک مقبوضہ موجودہ کو وسعت دینے کی خواہش نہیں ہے اور جب ہم اپنے حقوق اور ممالک پر کسی طرح کی دست درازمی اور بد انتظامی برداشت نہیں کر سکتے تو دوسروں کے حقوق پر بھی کسی طرح کا بگاڑ نہ روا رکھیں گے۔

رڈ ساہنہ کے حقوق و دولت اور توقیر و منزلت کا ہم ایسا ہی لحاظ رکھیں گے جیسا کہ خاص اپنا۔ اور ہماری خواہش ہے کہ وہ اور نیز ہماری رعایا اس خوشحالی اور ترقی کا خطا اٹھائیں جو اندونی امن اور حسن انتظام سلطنت سے میسر آ سکتی ہے۔

ممالک ہندوستان کے باشندوں کی نسبت ہم اپنے نہیں انھیں فرائض کا پابند کرتے ہیں جیسا کہ ہم اپنی دیگر رعایا کی نسبت پابند ہیں اور ان فرائض کو یہ یمن خداوند کریم ہم ایمان داری اور دیانت داری سے بجا کریں گے۔



ہم کو اپنے دین عیسوی کا ایمان والی ہے اور مذہبی تشفی کے ہم شکر گزاری کے ساتھ معترف ہیں۔ مگر ہمارا منشا یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اپنی رعیت پر پھونکیں، لہذا ہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری شہانہ خوشنودی اور مرضی یہ ہے کہ مذہبی رسوم اور دینی عقائد میں تمام اشخاص مساوی قانونی حفاظت سے متمتع ہوں گے اور جو لوگ ہمارے ماتحت اور صاحب اختیار ہوں گے ان کو یہ ہمارا سخت حکم ہے کہ وہ ہماری کسی رعایا کی مذہبی رسوم و پرستش میں کسی طرح کی دست اندازی سے باز رہیں ورنہ نہایت ناخوشنودی کے مستوجب اور مورد عتاب ہونگے مزید برآں ہماری مرضی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہماری رعایا کو بالجماعت نسل و قوم آزادانہ ہماری ملازمت میں عہدہ دیئے جائیں جس کے فرائض وہ اپنی علمیت لیاقت و دیانت سے انجام دے باحسن الوجہ اس کے جو محبت باشندگان ہند کو اپنے ملک سے ہے اس کو ہم بخوبی جانتے ہیں اور ملحوظ رکھتے ہیں پس ان کے تمام حقوق ہم محفوظ رکھیں گے۔

ان خرابیوں اور مصیبتوں کا جو ہندوستان پر من چلے لوگوں کے افعال کی بدولت آئیں اور جنہوں نے جھوٹی خبروں سے اپنے اپنے دھن کو دھوکا دے کر کھلی بغاوت پر ابھارا ہم کمال افسوس کرتے ہیں میدان جنگ میں اس بغاوت کے فرد کرنے میں ہماری طاقت کا اظہار ہو چکا ہے مگر اب ہم ان لوگوں کے جرائم جو دھوکے میں پڑ گئے تھے اور اب اپنے فرائض بجالانے کے متمنی ہیں معاف کر کے اپنے رحم و کرم کا اظہار کرتے ہیں اب بھی ایک صوبہ اودھ میں شورش باقی ہے اس خیال سے کہ مزید خون ریزی کا سبب ہو اور ہماری مملکت ہند میں جلد امن و امان قائم ہو جائے جو ہمارے نائب السلطنت گورنر جنرل نے ان اشخاص کو جو گزشتہ ناگوار غم اور بلوے میں ہماری گورنمنٹ کے خلاف مرتکب جرائم ہوئے تھے خاص خاص شرائط سے وعدہ معافی دیا ہے اور ان اشخاص کی نسبت کسی شخص سے کسی طرح کی رو رعایت نہ کی جائے جن کے جرائم معافی کی زد سے باہر ہیں، ان کے لیے وہ سزا تجویز کر دی ہے جو ان پر عائد کی جائے گی ہم اپنے نائب السلطنت اور گورنر جنرل کے مذکورہ بالا فعل کو نظر احسان سے ملاحظہ فرماتے اور منظور کرتے ہیں۔ مزید برآں ہمارا ارشاد اعلان حسب ذیل ہے:-

ہماری مراعات کو تمامی مجرمین تک توسیع دی جائے گی بجز ان مجرموں کے جن کی براہ راست شرکت انگریزی رعایا کے قتل میں ثابت ہو چکی ہے یا آئندہ ہو ایسے اشخاص کی نسبت جو بغاوت



میں سرغنہ اور بافی مفسدہ تھے ان کی نسبت سزا تجویز کرتے وقت ان حالات کا جن کے باعث وہ حلقہ اطاعت و انقیاد اتار پھینکنے پر آمادہ ہوئے تھے بخوبی لحاظ کیا جائے گا اور ان اشخاص کی نسبت جن کے جرائم لبیب سرلیج الاعتقادی ایسی جھوٹی خبروں کے مان لینے کے لیے جو مفسدہ پرہیزگاروں نے پھیلائیں۔ واقع ہوئے بڑی رعایت اور فراخ دلی کی جائے گی تمام دوسرے اشخاص کو جنہوں نے سرکار کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے ہم بذریعہ اعلان ہذا تمام جرائم سے جو ان سے برخلاف مابعدولت ہمارے (تاج و تخت) اور ہماری قدر و منزلت کے سرزد ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آنے اور پڑامن کاموں میں مشغول ہونے پر بلا شرط معافی اور عفو تفصیر کا اقرار فرماتے ہیں۔

ہماری شانہ و شوہی یہ ہے کہ رحم و کرم اور جان بخشی کے شریطان تمام لوگوں تک وسیع کی جائیں جو آئندہ پہلی جنوری تک ان شریطوں پر کاربند ہو جائیں۔ جب خدا کے فضل سے اندوہی امن چین پھر قائم ہو جائے گا اس وقت ہندوستان کی صنعت و حرفت اور دستکاری کو ترقی اور عامہ خلایق کے رفاہ اور فلاح کے کاموں کو وسعت دینے کی کوشش کرنا ہمارا انتہائی نظر ہے ان کے فارغ البالی میں ہماری قوت ہے ان کی خوشنودی اور رضامندی میں ہمارا استحکام اور ان کی احسان مندی اور شکرگزاری ہمارا بہترین معاوضہ ہے۔ خدائے قادر مطلق ہم کو اور ہمارے ماتحت صاحبان اختیار کو ہماری رعایا کی بہبودی اور ہماری ان خواہشوں کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

اس اعلان کے نفاذ کے بعد گورنر جنرل کا لقب اب والٹر لے یعنی نائب السلطنت قرار پایا اور کمپنی کا لشکر شاہی لشکر میں ضم ہو گیا اگرچہ اس انتظام کو عملی لباس پہنانے میں ایک حد تک تاخیر اور دقتیں عمل میں آئیں کیونکہ یورپین سولجروں نے بدولت انعام ملنے کے اس تبدیلی سے انکار کیا اور یہ ایک قسم کا بلوہ کھتا جو (گوروں کے بلوے) کے نام سے مشہور ہے ممکن ہے کہ اس کی بنا وہ مسکانہ سلوک ہو جو محاصرہ دہلی کے بعد کیا گیا تھا یعنی یہ لوگ منہ پھیلائے بیٹھے تھے اور وہاں نکلے ڈھاک کے تین پات، خیر سبب کچھ بھی رہا ہو بہتوں نے شاہی لشکر کی شرکت سے دست کشی کی اور زور کی چھوڑ کر الگ ہو گئے آخر کار ۱۸۶۱ء میں معاملہ سلجھ گیا ان لوگوں کو رقم انعام مل گئی اور جو لوگ سرکاری فوج میں شامل ہوئے ان کے ساتھ یہ رعایت بھی کی گئی کہ کمپنی کا زمان ملازمت پیشین میں محسوب کر لیا گیا۔

مقتولین غدر کی یادگار میں ان کے ساتھیوں نے ۱۸۷۵ء میں پہاڑی پر ایک مینار بنوایا جو "میوٹنی ہیریٹ" کے نام سے مشہور ہے ۱۸۶۵ء میں کلکتہ کے بشپ صاحب (لاٹ پادری) ڈاکٹر کاٹن نے عیسائی مقتولین غدر کی یادگار میں سینٹ سٹیفن کے گرجا کا سنگ بنیاد رکھا اس گرجا کا افتتاح قتل کی دسویں برسی کے دن دسویں مئی ۱۸۶۷ء کو ہوا۔ ترویج اشاعت انجیل مقدس کی سوسائٹی ۱۸۵۴ء سے قائم تھی جس میں ایک پادری اے آر ہتھروڈ کیمبرج یونیورسٹی مشن کے غدر میں مارے گئے۔ غدر کے بعد مشن پھر قائم ہوا اور ۱۸۷۵ء میں کیمبرج یونیورسٹی مشن اس میں ضم ہو گیا، ولی میں ۱۸۱۳ء سے بیسٹ مشن بھی قائم ہے اور پادری جے میکے صاحب نے دریا گنج میں مشن کی حفاظت میں بڑی جوان مردی دکھائی مگر آخر کار باغیوں نے انہیں پکڑ کر مار ڈالا۔

دلی کی آبادی ۱۸۴۷ء میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی لیکن غدر کے سبب سے ایک دم بے شمار گھٹ گئی۔ غدر کے بعد لوگ پلٹنے شروع ہوئے مگر آہستہ آہستہ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں کہیں جا کر ۱۸۴۷ء کی تعداد پوری ہوئی اس کے بعد تیس برس کی مدت میں ادھ پچاس ہزار آدمی سمٹ آئے اور اب دلی تجارت کا ایسا بڑا بھاری مرکز ہے کہ ہندوستان کے سارے شمالی حصہ کی سربراہی اس سے ہوتی ہے؟

# ڈیوک آف ایڈنبرا کی تشریف آوری

۱۸۷۵ء میں ملکہ معظّمہ نے اپنے دوسرے صاحب زادے ڈیوک آف ایڈنبرا کو سیاحت ہندوستان کے لیے بھیجا تاکہ وہ ہندوستان کے رُؤسا و امرا اور والیان ملک سے مل کر خاندان شاہی سے سلسلہ روابط کا ملاقات ذاتی سے مستحکم کریں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

”ایلبرٹ ایڈورڈ شاہزادہ ویلز کاورد سعود ہندوستان میں“

۵ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اواخر ۱۸۷۵ء میں حضور ملک معظّمہ کے ایما پر آپ نے سیاحت کا قصد فرمایا تاکہ ہندوستان کے

والیان ملک امرا و رؤساء سے براہ راست تعارف ہو کر سلطنت میں استحکام پیدا ہو دوسرے سرزمین

ہندوستان جنت نشان کو بہ نفس نفیس ملاحظہ فرمائیں جو مقبوضات برطانیہ کا ایک بیش بہا جواہر ہے اور اس طرح

جس ملک کی حکومت دست قدرت میں آنے والی ہے اس سے ذاتی واقفیت حاصل کریں آپ کے

اخراجات کے لیے پارلیمنٹ سے ایک لاکھ پونڈ کی گراں قدر رقم منظور ہوئی آپ کا قدم مبارک مع اسٹاف

کے ۹ نومبر ۱۸۷۵ء کو ساحل بمبئی پر پرتوا نکلن ہوا جہاں ہنر کسنسی گورنر صاحب بہادر نے منع و حکام والیان

ریاست امرا و رؤساء آپ کا شاندار استقبال کیا آپ گورنمنٹ ہاؤس میں رونق افروز رہے، تمام راستے

دور دیہ جھنڈیوں، پھریں اور مصنوعی دروازوں سے آراستہ تھے آپ کے دیدار کے لیے سڑکوں پر دو طرفہ

اور کھیتوں پر لوگوں کے کھٹ کے کھٹ لگے ہوئے تھے۔ بمبئی کے مشہور مقامات کو ملاحظہ فرمایا اور بڑی

بڑی دقتیں اور حشر ہوئے والیان ریاست اینڈ بڑے بڑے امرا کو شرف باریابی حاصل ہوا اس کے بعد



صوبہ ہائے مدراس - کلکتہ - یو۔ پی۔ پنجاب حیدرآباد دکن - میسور - ٹمروہ احمد سری مشورہ یا ستوں کی سیر میں تقریباً سو اچار مہینہ ضرور ہوئے۔ ہر جگہ گورنمنٹ اور پبلک کی طرف سے شانہ استقبال اور مراتب مہمان داری ادا ہوئے۔ رعایا نے اپنی آنکھیں فرش راہ کیں اور اپنی غایت درجے کی اطاعت فرماں برداری - وفاداری اور حسن عقیدت کا ثبوت دیا دہلی میں آپ کی تشریف آوری پر نہایت شاندار جلوس کے علاوہ بڑا بھاری فوجی ریلوے اور دیوان خاص میں ایک بڑا بال ہوا جس میں ملکہ معظمہ کا جام صحت بڑی گرم جوشی سے نوش کیا گیا۔ لاہور کے چار روز قیام میں بھی یہی دھوم دھام رہی مشہور مقامات کی سیر کراچی گئی، والیان ریاست سے ملاقاتیں ہوئیں بیونس ایٹس نے خیر مقدم کا ایڈریس گزارنا حضور نے سپاہیوں کی ایک نمائش کا افتتاح فرمایا۔ شالامار باغ میں روشنی اور گارڈن پارٹی کا لطف اٹھایا جس کے بعد جموں تشریف فرما ہوئے جہاں بڑے اعلیٰ سپانے پر خاطر تواضع ہوئی اور سات میل آگے بڑھ کر ہمارا جہ صاحب نے استقبال فرمایا اور وقت مراجعت نذر کے علاوہ بہت سے پیش ہوا گراں قدر تحائف پیش کیے جس میں ایک مریض تلوار بھی تھی جسے پیش کرتے وقت ہنرمائیس نے فرمایا کہ اگر اس کا تجربہ کرنا ہو تو یہ گردن حاضر ہے، اس مخلصانہ اظہار عقیدت کا حضور ممدوح پر ضرور اثر پڑا ہوگا۔

الگزینڈر اپیل کا افتتاح: جموں سے واپسی پر سواری مبارک وزیر آباد دیا یا شہنشاہ کے پل کے لیے تشریف تشریف لے گئی جو ریلوے نے باون لاکھ کے صرفہ سے تیار کرایا تھا وہاں ایک کمرے کے چاروں طرف یہ فقرے درج تھے:-

(۱) خدا ملکہ معظمہ کو سلامت رکھے۔

(۲) خدا پرئس آف ویلز کو برکت دے۔

(۳) خدا کرے الگزینڈر امشرق و مغرب کے اتحاد کا باعث ہو۔

(۴) اے سمندوں کے بادشاہ کی بیٹی پنجاب تیری ملکیت ہے۔

آخری دو فقرے حضور کے دل میں کھب گئے کیونکہ شاہ ڈنمارک جو آپ کے خسر تھے سمندوں کے بادشاہ کہے جاتے تھے۔ دریا کے پل پر یہ قطعہ بھی تھا



باز بکشا دایلیبرٹ ایڈورڈ  
چون الکنزینڈر راپل محکم  
یادگارِ ز حضرت ایڈورڈ  
سال تاریخ آن نوشتہ قسم

یہاں سے امرتسر کا ملاحظہ ہوا جہاں باشندگان شہر امرتسر ایسی عیسائیوں نے خیر مقدم کا ایڈیشن  
پیش کیا، الغرض ہندوستان کے مختلف مقامات کی چارہ مہینہ چار دن سیر فرما کر ۱۳ مارچ ۱۸۷۶ء کو غیر ملکی  
کے ساتھ آپ بندرگاہ بمبئی سے نہضت فرمائے انگلینڈ ہوئے، آپ ہندوستانیوں کی بے ریا اور  
مخلصانہ گرم جوشی کا گہرا اثر دل پر لگے ہندوستان کے سفر کے بعد دلایت پہنچ کر آپ نے اس  
شاندار استقبال کے موقع پر جو وہاں کے لوگوں نے حضور اقدس کا کیا تھا زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا کہ  
”اگرچہ آپ صاحبوں کو دلی محبت کے باعث میرے اس دور دراز سفر کی تکالیف کا خیال رہا ہوگا مگر اصل  
یوں ہے کہ ایسے سفر کو بہت ہی خوش آئند و شیریں کہنا چاہیے جس کا انجام ایسا مسرت انگیز ہو جیسا کہ  
آپ نے دلی خلوص سے میرا استقبال کیا ہے“

# ۱۸۷۷ء کا دربارِ قسری

لیڈی ہٹی بالفور نے اپنی تاریخ کی کتب تاب لارڈ لٹنر میں

میں اس دربار کے اغراض و مقاصد کا حال نہایت عمدگی سے لکھا ہے جس کا لب لباب یہ ہے:-

**ملکہ کانیا خطاب** | جب ہندوستان کا نظم و نسق ایٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر بادشاہ وقت کے دستِ قدرت میں منتقل ہوا تو رعایا کے ہند اور باج گزاروں کی نگاہ میں معلوم ہوا کہ حکومت اب براہِ راست ایک مقتدر وجود انسانی کے دستِ قدرت میں منتقل ہوئی ہے یہ تبدیلی ان کی مرغوب طبع اور بالکل اُن کے قدیم خیالات کے موافق تھی۔

انگریزی لفظ کوٹن کے مترادف اردو کا (سیدھا سادا) لفظ صرف ملکہ تھا جو بالعموم ہنر بانس کی خاتون کو دیا جاتا ہے اور اس لیے محض ملکہ کا لفظ انگریز بادشاہ ہند کے حقیقی مرتبے (وقت) کے لحاظ سے نامناسب تھا۔ بلحاظ ان تعلقات کے جو ریاستوں اور دیگر ممالک ہند سے ملکہ معظمہ کے تھے صرف شہنشاہ یا بادشاہ ہی مناسب و حسبِ حال تھا اور یہی لفظ ہندوستانیوں کی زبان پر بھی چڑھا ہوا تھا اور وہ اُن سے مانوس بھی تھے اور ان کے نزدیک موثر اور بادِ وقت بھی تھا کسی مناسب اور باموقع لقب کی تلاش نے ایک عرصہ سے پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہندوستان کے حکام کو اس شدید ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جاتا تھا ۱۸۷۷ء میں شاہزادہ ولینز کی تشریف آوری کے اثناء میں مختلف واقعات کچھ ایسے پیش آ گئے کہ اب اس مسئلہ کا تصفیہ ناگزیر ہو گیا لارڈ نار تھ برڈک نے تحریک کی کہ واقعات کی مطابقت۔ دستاویزات سرکاری کی طرزِ تحریر اور معمولی مروجہ طرزِ بیان کے لحاظ سے حضورِ ملکہ معظمہ کو بادشاہ ہند کے لقب سے مخاطب کرنا مناسب ہو گا یعنی بشمول والیان ہند سے بڑی حکمران طاقت۔

چنانچہ یہ سلسلہ ۱۸۷۷ء کی پارلیمنٹ کے اجلاس میں پیش ہوا، اگست ۱۸۷۷ء تک نئے خطابات کی

بنادی کی اسکیم مرتب ہو گئی اور وائسرائے کی کونسل سے دلی تائید کے ساتھ منظور ہوئی، نئے خطابات کا ترجمہ ملکی زبان میں کیا ہونا چاہیے تھا یہ معاملہ بہت قابل غور اور مشورہ طلب تھا گورنمنٹ ہند نے قیصر ہند کا لقب پسند کیا جو مختصر اور بھاری بھر کم ہونے کے علاوہ ایسے شاہی اوصاف پر عادی تھا جس کی تلاش کتنی مزید ہر اس یہ ایک ایسا خطاب تھا جو قدرت کی خصوصیت رکھتا تھا۔ روم کے شہنشاہ کو بھی قیصر روم سے مخاطب کیا جاتا تھا اور اب بھی کل وسط ایشیا میں شہنشاہ کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔

## دلی کی تجویز

اس امر کا تصفیہ کیا گیا کہ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ایک بڑے بھاری مجمع میں دہلی کے تاریخی مقام پر اس نئے خطاب کا اعلان کیا جائے جس میں ہندوستان کے کل صوبوں کے افسر جس میں بارہ سو سو لاکھ اور پندرہ ہزار نہایت آراستہ و پیراستہ برٹش اور جوارڈس کی فوج (۴۷۰۰۰) والیان ریاست جوائنڈا ہیں، ایک وسیع سلطنت کے جو بڑے فرانس اور جرمنی کے مجموعی رقبے کے مساوی ہے، اس کے علاوہ تین سو امراد روس اور مصر میں بھی مدعو کیے گئے تھے۔ کل ملا کر اڑسٹھ ہزار لوگ بلائے گئے تھے جو درحقیقت اس مبارک تقریب میں شریک بھی ہوئے جن کا دلی اور اس کے گرد و نواح کے کیسپوں میں پورے چودہ دن تک مجمع رہا۔

دربار شاہی جو دہلی میں منعقد ہوا تھا اس سے غرض یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت ملکہ معظمہ نے جو خطاب قیصر ہند اختیار کیا ہے اس کا اعلان شان و شوکت کے ساتھ ہو جائے جن ملی تغیرات کے سبب ہند میں انگریزی سلطنت قائم ہوئی ہے وہ بالطبع اس امر کے مقتضی تھے کہ ایسا ایک دربار منعقد ہو۔

## جلسہ قیصریہ

اٹھارہ برس گزرے کہ جزائر برطانیہ کی ملکہ نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور۔ جلسہ قیصریہ دہلی سے اس بات کی چٹنگی ہو گئی۔ ملکہ معظمہ یوں تو پہلے شہنشاہ ہند تھیں مگر اب انھوں نے قیصر ہند کا لقب بھی اختیار کر لیا۔ اس قسم کا جلسہ ہندوستان میں کوئی نئی بات نہیں ہے یہ رسم یہاں قدیم سے چلی آتی ہے، جب کبھی کوئی نئی سلطنت قائم ہوتی یا کوئی نیا سلطان اعظم تخت سلطنت پر متمکن ہوا ہے تو اس ملک کے سارے راجہ اور فرمانروا اسی طرح جمع ہوئے ہیں۔ ایسے جلوس کا حال رامان اور مابجلد میں مذکور آج تک مشہور ہے۔ راجپوتوں کے زمانے میں ایسے جلوسوں کا راج سیو جگ ادا سو سیو جگ کتے ہیں اور مسلمانوں کے عہد میں اس قسم کی تقریب دربار یا جشن کہلاتی ہے۔



قلمرو ہند میں دہلی سے بڑھ کر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہند کی شہنشاہی کا جشن کرنا موزوں ہو یہ شہر ایسے مقام کے قریب واقع ہے کہ اس سے قدیم تر ہند میں شاید ہی کوئی مقام ہو، ہند کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس کے ساتھ اس شہر کا کوئی علاقہ نہ رہا ہو۔ خواہ راجپوتوں کا عہد سلطنت ہو خواہ مسلمانوں کا اور خواہ مرہٹوں کا ہر ایک کے ذکر کے ساتھ اس کا تذکرہ ضرور آئے گا، اس کے کوچوں اور بازاروں کی بنیاد تاریخی زمانے کے آب و گل سے پڑی ہے اور ان کی حکایتیں صفحہ تاریخ پر موجود ہیں۔

اس کے گرد نہایت قدیم زمانے کے آثار نظر آتے ہیں جن کو پرانے سے پرانے شہر کے ساتھ ہم عصری کا دعویٰ ہے اس کے ڈھیروں تلے شہر اند پرست کی خاک دبی ہوئی ہے راجہ اور امیر اور وہ انہوہ کثیر جن کا یہ مسکن تھا سب خاکستر ہو گئے مگر ان کے افسانے اب تک مہابھارت میں باقی ہیں۔

ہم نے مانا صحبتیں اگلی فسانہ ہو گئیں  
اے فلک یہ تو بتا دے وہ فسانہ کیا ہوا

دہلی اور اس کے نواح کی سرزمین شہر اند پرست کی یادگار ہے۔ اند پرست اور دہلی ہند کی تاریخ سے وابستہ ہیں۔ دہلی کے جلسہ قیصری کی روداد لکھنے

## دہلی کی تاریخی حیثیت

سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی گذشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے اور بعض بڑے بڑے واقعات کا حال لکھا جائے جو ان رسموں کے خاندان سے متعلق ہیں جو اس جلسہ میں شریک ہوتے تھے جتنے رئیس اس عظیم الشان دربار میں آئے تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس کے بزرگ تاریخ ہند کے کسی نہ کسی زمانے میں اس تماشہ گاہ میں جلوہ افروز نہ ہوئے ہوں ان میں سے بعض کو یہ دعویٰ ہے کہ ان سوراؤں کی اولاد ہیں جو رامائن اور مہابھارت کے معرکوں میں صف آراء ہوئے تھے جب سور و صید کے تاجر پرانی تراش کے جہاز لے کر مشرقی سمندوں میں تجارت کے لیے آتے جاتے تھے یا جب سکندر اعظم اور اس کے ہمراہی یونانی پنجاب پر چڑھ کر آئے تھے یا جب رومی تاجروں کے جہازوں کی ہند کے بندوں میں آمد و رفت تھی۔ بعض کے بزرگوں نے راجپوتوں یا مسلمانوں یا مرہٹوں کے عہد سلطنت میں نام پا کر جاہ و اقتدار حاصل کیا

۱۔ مجروروم کے مشرقی کنارے پر دو شہر ہیں جو پرانے زمانے میں بہت مشہور تھے۔



پس ان ٹیسوں کو اُس زمانے کی تاریخ سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے جس میں اس ملک کے اندر سلطنت انگلشیہ کا آغاز و عروج ہوا اور اس سبب سے ان ٹیسوں کے خاتمہ کے افسانے انگریزوں کی تاریخ سے مل جاتے ہیں۔  
سلطنت انگلشیہ کے قائم ہونے سے پہلے ہند کی تاریخ میں تین بڑی سلطنتوں کے عروج و زوال کا ذکر ہے

اول راجپوت

دوم مسلمان

سوم مرہٹے

ان میں سے ہر ایک کے اقتدار کا پرچم باری باری سے سارے ہند پر چمکا ہے اور جب زوال آیا تو یہ سلطنت عظمیٰ ٹوٹ کر کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں جنہوں نے اس نئی سلطنت کی اطاعت قبول کی ہند کے اکثر ٹیس ان مٹی ہوئی سلطنتوں کے یاد گار ہیں۔

یہ دوبار بالکل مناسب وقت پر ہوا ایسٹ انڈیا کمپنی جس نے مدت دراز تک حکمرانی کی تھی، غدر ۱۸۵۷ء کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ اگر حضور ممدوح پامتیں تو اُسی وقت لقب قیصر ہند اختیار کر سکتی تھیں مگر وہ وقت مناسب حال نہ تھا کیونکہ لقب شہنشاہی کے اعلان کے ساتھ ساتھ بغاوت اور بے وفائی کا ذکر کرنا پڑتا اور اس وجہ سے ایک ایسے واقعہ کی جس سے بڑھ کر ہند کی تاریخ عہد انگلشیہ میں کوئی مکر وہ واقعہ نہیں ہے ہمیشہ کے لیے شہرت ہو جاتی۔

دہلی کا جشن ایسے سعید وقت میں ہوا کہ چو طرف امن و امان تھا جو غدر چھوڑ کر ساٹھ برس سے برابر قائم تھا یہ سچ ہے کہ سرحدوں پر کچھ فتنہ و فساد رہا ہے مگر ہندوستان کے اندر کبھی امن میں خلل نہیں آیا اور کسی بیرونی دشمن نے ہند میں دخل نہیں پایا۔ جلسہ قیصر یہ نے ملکہ برطانیہ کو قیصر ہند بنایا بلکہ اُس نے ملکہ ممدوحہ کو ہند کے تخت شہنشاہی پر بٹھایا۔ ملکہ کی سلطنت امن و امان کی سلطنت ہے نہ ملک کے اندر کہیں فتنہ و فساد ہے نہ کسی سے پر خاش و عناد۔

ہند میں پانچ دشمن قومی دوست بن گئے اور اگلے زمانے کے لڑائی  
دور انگریزی کی خصوصیت

بجڑے سب مٹ گئے، خطاب قیصری کا اعلان صرف فتح و ظفر ہی

کا شادیانہ نہ تھا، بلکہ جو لوگ طریق اطاعت و ہوا تو ابھی سے منحرف ہو گئے تھے ان کے لیے عفو قصور کا پہلا اور شہتار  
مرحمت خسرانہ کا اظہار تھا،

بعض لوگ اس دربار کو شاہزادہ عالم و عالمیان پرنس آف ولز کی تشریف آوری کا بہترین نتیجہ سمجھے،

ع سالیکن کوست از بہارش پیدا

اد خطاب قیصری کا لینا ایک مبارک خال اس امر کی تھی کہ ملکہ معظمہ کی توجہ گراں مایہ اب ہندوستان  
کی طرف زیادہ مبذول ہوئی ہے سب لوگوں کی خوشی اسی میں تھی کہ نئے خطابات کا اعلان حضور و الشیرائے کے  
رو برو ہو، اس تقریب میں سب اعلاطوں کے حکام ذوی الاقتدار اور رؤسائے خود مختار اور ائمراے بادشاہ شریک  
ہوں، یہ موقع رؤسا کو اس بات کے جانے کا تھا کہ نئے خطاب کے اختیار کرنے سے ان تعلقات میں سرکار  
کے ان سے اور رعایا کے ساتھ ان میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوگی جس سے ان کا نقصان ہو بلکہ بہبودی اور فلاح کی  
توقع ہے ہند کے رئیس کیا راجپوت کیا مسلمان کیا مرہٹے جنھوں نے کبھی ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھی  
تھی اور جن کے بزرگوں میں لپتہا پشت تک کٹا چھنی رہی سرکار کے سایہ عاطفت میں ان کو دوستانہ چلنے چلنے  
کا موقع ملا۔

بڑی غرض اس جشن کے انعقاد کی یہ تھی کہ کیا رؤسا کیا رعایا برابرا سب کو سیک ہو خواہی ملک معظمہ  
میں منسلک کر دیا جائے اور رئیسوں اور گورنروں انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر بٹھلایا جائے  
اور اسی طرح اتحاد باہمی کی روح پھونکی جائے۔

شہر کے باہر شہر | ادبار شہر کے اندر نہیں ہوا بلکہ شہر کے باہر ڈیروں اور خمیوں کا ایک  
اور وسیع شہر بسایا گیا ڈیروں کا شہر کھلے میدان میں اس طرح چشم زندہ  
میں نمودار ہو گیا جس طرح قفقہ کہانیوں میں سنا کرتے تھے کہ رات کی رات میں قلعہ یا محل بن کر طیار ہو گیا، وہ  
ات سچ ہوگی۔

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست  
ہر جا کہ رفت خمیہ ز دبارگار ساخت

ہر ہر کیمپ میں دائیں بائیں خیموں کی دو قطاریں اور بیچ میں چوڑی سڑک تھی بعض رُوسا کے کیمپ بہت آراستہ تھے، سڑکوں کے دو طرف ہری ہری گھانسی کے علاوہ چمن بندی اور نہایت نفیس گلکاری تھی غرض یہ کہ جیسا کہ میں تھا ویسا ہی مکان بھی تھا دائیں بائیں کے کیمپ میں۔ درباری خیمہ کمرچ کا تھا۔ وہ خیمہ کیا تھا ایک شاہی محل نصف دائرے کی شکل کا آٹھ سو فٹ لمبا تھا جو دائیں بائیں کی تخت گاہ کے سامنے تھا اسی میں سب مہمان گورنران درُوسا و سائڈین و معززین مع مہربانان اور بہت سے اعلیٰ ائمہ و اہل علم کی نشست اسی ترتیب سے تھی کہ ہندوستانی رُوسا اور صاحبان انگریز سب کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

**دائیں بائیں کی تخت گاہ** | دائیں بائیں کی تخت گاہ کے پیچھے دائیں بائیں طرف دو بہت بڑے بڑے پوٹینوں میں تماشاٹیوں کے علاوہ پر لٹکال کے

گورنر جنرل خان قلات ممالک غیر کا سلسلہ۔ یورپین اور ہندوستانی معززین جو تمام ہندوستان سے سمٹ آئے تھے گرد کے وسیع میدان میں گھروں اور ہندوستانیوں کی کثیر تعداد فوج ایک وسیع حلقہ باندھے ہوئے استادہ تھی انگریزوں کی خیم گاہوں میں زیادہ تر سادگی تھی مگر راجاؤں اور نوابوں کے لشکروں میں کچھ عجیب سجاوٹ۔ رونق۔ چل پھل۔ طمطراق تھی ہر ایک رئیس کے لشکر کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہ نامزد کر دی گئی تھی اور زمینوں پہلے سے ان کی آراستگی شروع ہو گئی تھی بہت سے کیمپ قدیم وضع قطع کے تھے۔ جیسے سلاطین مغلیہ کے زمانے میں ہوتے تھے ان کے بعض خیمے رنگ رنگ کے زرق برق تھے جن کے ستاروں پر سنہری لٹو اور اپنے اپنے مذاق کے موافق طرح طرح کی آراستگی دائیں بائیں تھی۔

**بانات اور محمل کی قناتیں** | اکثر لشکروں کے گرد بانات اور محمل کی قناتیں لگی ہوئی تھیں جن کے بانسوں پر سنہری لٹو یا پھل لگے ہوئے تھے، نوابوں

اور خیم گاہ کے گرد ان کی اپنی اپنی جمعیں انواع و اقسام کے ہتھیاروں سے اچھی بنی ہوئی مکمل جمع رہتی تھیں سوار ہاتھوں میں جھنڈی دار برچھے پکڑے گھوڑوں پر اور ادھر ادھر دڑتے پھرتے تھے بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی ان پر بوندے غماریاں کی ہوئی معرق جھولیں پڑی ہوئی گھنٹے ٹنٹناتے ہوئے طرح طرح کے ساز و سامان سے بنے سنورے ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے اور اسی طرح شتر سوار اور سائڈلی سواروں



کی بہار تھی، غرض ان لشکروں میں ہر وقت بڑی رونق اور جہل پھیل رہتی تھی۔ اکثر بینڈ یا جے بجتے رہتے تھے یا تاشوں، نوبت نقاروں، ڈنکوں کی صدا گونجتی رہتی تھی پھر بھی وہ غل شور نہ تھا جو ایسے موقعوں پر یورپ کے ملکوں میں ہوتا ہے، ہند کے لوگوں کا خاصہ یہ ہے کہ کیسا ہی عالم سرور و انبساط کیوں نہ ہو اور کتنا ہی جوش و ولولہ طبیعت کو کیوں نہ ابھارے یہ کبھی اپنی ثقاہت و متانت کو ہاتھ سے نہیں دیتے اور طبیعت کو قابو سے باہر نہیں ہونے دیتے۔

**جہاں گولے برستے تھے** | انگریزوں کے لشکر اس مقام پر تھے جہاں غدر میں شہر پر گولے برستے تھے اور دوسری طرف وہ نہر تھی جو نجف گڑھ کی جھیل سے نکلتی ہے

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار غدر کا خیال دل میں موج زن ہوتا ہے اور جو تغیرات عظیم اس زمانے میں ہوئے ہیں سب نظروں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ یہی مقام جو غدر میں گوروں اور کالوں کا میدان کارزار تھا آج گل گلزار پر ہلکا تھا جنگل میں منگل ہو رہا تھا انگریز و ہندوستانی باہم دوستانہ ملاقاتیں کر رہے تھے جہاں گولوں اور گولیوں کا مینہ برس رہا تھا، رات دن اب سرور و انبساط کا دھور تھا۔ وائسرائے کے نزول اجدال سے دو دن پہلے ہر ایک علاقے کے لوگ اپنے اپنے کیمپوں میں آنے شروع ہوئے خاص دہلی اور اس کی نواح کی جو عمارتیں قابل دید ہیں وہ سب دیکھ بھال چکے تھے، قطب صاحب کی لاٹا لوہے کی لاٹ اور تغلق آباد کی ایسی عمارتیں ہیں کہ جب دیکھو نی۔ قطب صاحب کی لاٹ اور اس کے آس پاس کی عمارتیں اس مذہبی جوش کی شہادت دیتی ہیں جو تاریخی واقعات تحریری سے ایسی اچھی طرح ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ دیکھنے سے۔

جو مسلمان ابتداء میں یہاں آئے تھے ان میں مذہبی جوش اور ولولہ بہت تھا اور ان کے خیالات بھی بہت بلند تھے، لاٹ اور اس کے اطراف کی عمارتوں پر کثرت سے قرآن شریف کی آستیں کندہ ہیں جس کا جی چاہے آج جا کر ٹپھ لے، ولیوں کے مزار ان کی شاندار عمارتیں ان کے بانیوں کی خوش اعتقادی کی شہادت دیتے ہیں اس لاٹ کے بنانے والے کا مدعا یہ تھا کہ یہاں ایک بڑی مسجد بنا کر ہندوستان اور پنجاب میں ظفر مندی کا ڈنکا بجایا جائے۔ یہ لاٹ مسجد کا ماذنہ تھی چنانچہ اسی قسم کی ایک ادھ بنی، لاٹ علاؤ الدین خلجی نے یہیں قریب بنوائی شروع کی تھی جو اس کی وفات کے سبب سے مکمل نہیں ہو سکی اگر یہ بھی بن جاتی تو ان دونوں



میناروں کے بیچ میں ایک عالی شان مسجد بنتی جو ہندوستان کی ساری موجودہ مسجدوں سے بڑی اور شاندار ہوتی بلکہ سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے گرجاؤں سے بھی بڑھ کر شان دار ہوتی۔

موجودہ دلی جس کو مسلمان شاہ جہان آباد کہتے ہیں اس کی جٹا کو دو سو برس سے اوپر ہی اوپر ہوئے، یہ بات اندر پرست کی بربادی کے بعد سے برابر چلی آتی ہے کہ یہ مقام مملکت ہند کا تخت گاہ رہا ہے چنانچہ پہلے زمانہ کے سارے سلاطین اسلام کی تخت نشینی کے جشن اسی دلی میں ہوئے اور خاندان مغلیہ جو ان کے بعد اس ملک میں قابض ہوئے ہیں اگرچہ ان میں سے کسی نے اگرہ اور کسی نے لاہور کو اپنا دار الخلافہ بنایا مگر وہ اصل بادشاہ اُسی وقت تسلیم کئے گئے جب دہلی میں آکر تخت نشین ہوئے۔

**دربار کے نتائج** | اس دربار سے بے شمار مفید نتائج مرتب ہوئے جن لوگوں کی پوری پوری قدر دانی نہیں کی گئی ان کو کافی معاوضہ دیا گیا۔ پرانے پیش خوار جنہوں نے اس مدت میں اپنی بے لوث خیر خواہی سے اپنے آپ کو مزید امداد کا مستحق ثابت کیا تھا ان کی مزید امداد میں اضافہ کیا گیا۔ بہت سے ہندوستانی رؤسا کو عطیات تاحیات ماہوار اضافہ کے ساتھ جاری کیے گئے ہر رئیس کو جو سلامی کا مستحق تھا ملک معظمہ کی جانب سے پورے مراسم کے ساتھ ایک جھنڈا دیا گیا جس کے ایک جانب ملک معظمہ کا بانا تھا اور دوسری طرف خود اس رئیس کا۔ یہ جھنڈے مختلف رنگوں اور طرز کے حسب حیثیت و مرتبہ امر کیا جاتے تھے۔ طلائی اور نقرئی تمغے بھی مفروب ہو کر رؤسا اور دیگر دو سو مغزین کو ملے۔

تمام ہندوستان کے آنریری مجسٹریٹوں۔ میونسپل کمشنروں کو اعزازی سائٹیفکٹ ملے ہندوستانی فوج کے کمیشنڈ افسروں کی تنخواہوں اور الاؤنس میں اضافہ کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو خطابات کی سرفرازی ہوئی۔

**انعام و اکرام** | ہندوستانیوں کے اعزاز و اکرام کے ہوا یورپین۔ کمیونٹی کی خدمات کے اعتراف کا سلسلہ بہت اہم تھا جو مشرقی قوت سلطنت کی جڑ بنیاد تھے جنہوں نے نہ صرف نتیجہ حاصل کی بلکہ نظم و نسق کو برقرار رکھا جس پر اس کی ترقی کے دار و مدار کا احساس تھا، یہ ایک

بڑا بھاری سوال غصے سے زیر غور تھا اور خود وائسرائے کو اس طرف زیادہ توجہ تھی ان کی دلی خواہش تھی کہ معقول طریقہ پر ان کی قدر افزائی ہوئی چاہیے لیکن وائسرائے کی تحریکات پر اعتراضات ہوئے اور جو ہو سکا صرف یہی تھا کہ چند لوگ طبقہ شرافت انڈیا میں شامل کیے گئے اور غیر ملازمین کے لیے ایک نیا طبقہ انڈین ایمپائر کا قائم کیا اور نیٹور جنٹلمن کے انگریز عہدہ داروں کی بستری کی کچھ شکل نکلی بحری لوگوں اور گوروں کو جو اس دربار میں شریک تھے ایک ایک دن کی تنخواہ دی گئی۔

ہندوستان پورٹ بلیر اور مسٹرٹ سٹلمنٹ میں بحساب ۱۰ فیصدی (۵۹۸۰) قیدی رہا کئے گئے تھے سرکاری خرچ سے اپنے اپنے گھروں کو پہنچائے گئے جن میں سو روپے سے کم قرضے والے دیوانی کے قیدی بھی شامل تھے جن کا قرض سرکار نے اتارا، علاوہ ازیں عام قیدیوں کی بحساب فی سال ایک ماہ معیاد قید عایت کی گئی۔ ۲۲ دسمبر تک تمام مدعو شدہ ہمان رڈسا۔ سرداران و جاگیرداران حکام و دیگر معززین سب جمع ہو چکے تھے۔

۲۳ دسمبر کو ہنزاکسنی لارڈ لٹن پوری شان و شوکت سے اسپیشل ٹرین سے دہلی میں رونق افروز ہوئے۔ تشریف آوری کے وقت تمام رڈسا بغرض استقبال ریلوے اسٹیشن پر چشم براہ تھے صاحب موصوف نے ریل سے اترتے ہی بڑے بڑے رڈسا و حکام سے مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد راجگان، نوابان، سرداران و امرا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ:-

”ہندوستان کے کل علاقوں کو گ اس رسم ہمایوں میں شریک ہونے کے لیے جمع ہوئے ہیں جس سے امید کی جاتی ہے کہ حضرت ملکہ کی گورنمنٹ اور اس گورنمنٹ کے بڑے بڑے دوستوں اور ماتحت رئیسوں کے درمیان بناء اتحاد زیادہ مستحکم ہوگی۔ جس دلی محبت سے آپ صاحبوں نے میری دعوت کو قبول کیا ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھ کو امید ہے کہ ہماری کارروائی کا اختتام بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آج کا آغاز ہوا ہے سب صاحب میری طرف سے خیر مقدم قبول کریں“

تذکرہ و احتشام | حضور وائسرائے بہادر کی سواری دہلی میں ہفتہ کے دن ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو سہ پہر کے وقت برآمد ہوئی اس صبح ہی سے ہر لشکر میں

دھوم دھام مچی ہوئی تھی سارے شہر میں سواری کے برآمد ہونے کا شہد تھا۔ جس قدر انگریز فوج اس وقت دہلی میں موجود تھی سب کی سب سواری کی گند گاہ پر دونوں طرف صف بستہ کھڑی تھی اس کے سوا خود مختار رئیسوں سے کہا گیا تھا سب اپنی اپنی فوج اور جلوس کو سڑک پر دوڑویے جا بجا انگریزی فوج کے بیچ میں استادہ کر دیں اور ان کی وضع اور تراش و خراش ان کی قوم اور ان کے دستور کے موافق ہو۔

راجپوتانے کے رئیسوں کی فوج اور جلوس کو سڑک کے دونوں طرف نجف گڑھ کی نہر کے قریب سے لے کر چاندنی چوک تک کھڑا کیا گیا تھا۔ پنجاب کے روٹا کی فوج لاہوری دروازہ کے باہر سجائی گئی تھی جو پٹاری پر بادٹے تک چلی گئی تھی۔ بمبئی صوبہ جات متحدہ اودھ و آگرہ۔ ممالک متوسط۔ بنگال۔ مدراس اور وسط ہند کے راجاؤں کی فوجیں اور مقامات پر استادہ تھیں اور راجاؤں کی فوج کے بیچ میں جا بجا سارے رستے پر انگریزی فوج تھی، رئیسوں کی تزک و شان اور شکوہ و تجمل ایسا تھا جیسا کہ ہونے کا حق ہے، ہاتھیوں کی لمبی لمبی قطاریں جا بجا قرینے سے کھڑی تھیں ان کے ساز و سامان اور ہودے ایسے زرق برق تھے جیسے تھواروں کے موقع پر یا کسی اور بڑی رسم و تقریب کے وقت ان کے دار الخلافہ میں ہوا کرتے ہیں جھولوں پر سنہری روپلی زردوزی کا کام تھا یا سُرخ اور نیلے رنگ کی بہار تھی ہودے کیا تھے سونے چاندی کے تخت تھے ہر ایک کی شکل نرالی اور ہر ایک کی وضع جدا بہت سے ایسے تھے جن پر منبت کاری کا کام تھا اور عجیب عجیب بوٹے اور طرح طرح کی شکلیں بنی ہوئی تھیں، بعض ہاتھیوں پر شیر یا اڑھے یا ہاتھی کی موتیں بعض پر دیوتاؤں اور نامی گرامی سوراٹوں کی صورتیں بعض پر چاند اور سورج کی چمکاتی ہوئی تصویروں تھیں اور یہ اس بات کی علامت تھی جن سرداروں کے یہ ہاتھی ہیں وہ چند منسی اور سورج منسی راجہ ہیں۔

سواری کے جلوس میں سب سے زیادہ دیکھنے کے قابل جنگی ہاتھی تھے ان پر جنگ جو سودا تان پر زرہ بکتر سجائے سر سے پاؤں تک ہتھیار لگائے بیٹھے تھے ان ہاتھیوں کے دانتوں پر فولادی نوکیں چڑھی ہوئی تھیں سونڈوں پر لوہے کا جال پڑا ہوا تھا پشت پر فولادی ہودے ایسے سجے ہوئے تھے جن پر گولے اور گولیاں اترنے کر سکتے تھے۔ ہودوں پر جو پاسبی بیٹھے تھے وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہر قسم کے ہتھیار۔ بندوق، برچھی نیزہ تلوار سجائے۔ پستول۔ پیش قبض۔ خنجر کمر میں لگائے ہوئے تھے۔



غرض یہ کہ لگنے زمانے کے ہندو سواروں کی طرح ستر پا فرق آہن تھے۔ ہاتھوں کے علاوہ سواروں کے پرے کے پرے تھے۔ جن کے بدن پرندہ سر پر فولادی خود سجے ہوئے تھے۔

**افسروں کی رنگارنگی** | افسروں کے سینوں اور پشت پر چار آٹھ جگہ گارہے تھے اور خودوں میں پر لہر رہے تھے ان کے گھوڑوں کے سروں پر کلفیاں لگی ہوئی تھیں

بعض تو صرف پیروں کی تھیں بعض سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ گھوڑوں پر چار جامے سنہری روپلی کام کے پڑے تھے ان کے علاوہ بہت سے کوتل گھوڑے بھی مختلف مقامات پر ساز و براق سے آراستہ کھڑے تھے بڑو دے کی سونے چاندی کی تولیوں پر کبھی سب کی نگاہ پڑتی تھی۔ ایسی تولیوں کا ڈھالنا اہل ہند ہی کا حصہ ہے اور یہ ان ہی لوگوں کی ایجاد ہے یہ تولیوں چھپنی تھیں اور دھوپ میں ماہی مراتب کی طرح جھلک رہی تھیں سونے کی توپ کے پیٹے تو چاندی کے تھے اور چاندی کی توپ کے پیٹے سونے کے۔ گجرات کے نہایت عمدہ بیل ان تولیوں میں جتے ہوئے تھے یہ وہ قوی ہیکل بیل ہیں کہ ملکہ الزبتھ کے زمانے سے جو سیاح مغربی ہند میں آیا اس نے انھیں سراہا اور دیکھ کر رنگ رہ گیا۔ چاندی کی توپ کے بیلوں کے سینگوں پر سونے کی سنگوٹیاں چڑھی ہوئی تھیں اور سونے کی توپ کے بیلوں پر چاندی کی، ان کی پیٹھ پر زردوزی اور زلفتی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور اتنی لمبی تھیں کہ زمین تک لٹکتی تھیں۔

جس روز سہ پہر کو سواری نکلنے والی تھی اس روز کی صبح کی کیفیت کچھ نہ پوچھو بادل کا آسمان پر کہیں نام نہ تھا آفتاب کی صاف شعاعوں نے ہر ایک شے کے رنگ و روپ کو دوبالا کر دیا تھا اور جزیری کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے دھوپ کی حدت بہت کم کر دی تھی سارے شہر میں ایک بڑا میلہ لگا ہوا تھا ہر ایک مقام پر جہاں سے سواری نظر آسکتی تھی لوگوں کے کھٹ کے کھٹ جمع تھے۔ دروازے۔ کھڑکیاں۔ برآمدے چھتیں غرض کوئی مقام تماشائیوں سے خالی نہ تھا کہیں کہیں بازاروں میں سیر قین لگی ہوئی تھیں چاندنی چوک میں خصوصاً لوگوں کا بڑا ازدحام تھا اور ایک بڑا جھمکٹ پہاڑی پر لگا ہوا تھا۔

**جامع مسجد سے نظارہ** | شہر میں جس قدر لوگ جامع مسجد کے برجوں اور چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے اس قدر آدمی کہیں نہ تھے ان ریاستوں کے رئیس جو دولت برطانیہ



کے تابع نہیں ہیں۔ ان بستیوں کے گورنر جو یورپ کی اور قوموں نے مشرق میں بسائی ہیں۔ ریاست ہائے غیر کے ایچی اور سفیر جو خاص اس دربار کو ہر بار میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے اور غیر ریاستوں کے کونسل اور تمام خطابی رئیس اور نواب گورنر جنرل بہادر اور لوکل گورنمنٹوں کے مہمان سب اسی جگہ جمع تھے سیڑھیوں پر لوگوں کے سروں پر سراسر طرح نظر آتے تھے جس طرح سمندر پر لہریں نظر آتی ہیں اور سروں پر پگڑیوں اور غماموں کے وضع وضع کے رنگ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ یہ سب لوگ کئی گھنٹہ تک سواری کے انتظار میں اپنی اپنی جگہ جیسا بیاں کے لوگوں کا خاصہ ہے خاموش بیٹھے رہے شہر کے اندر سواری کے گزرنے کا جو انتظام کیا گیا تھا اس سے ہندوستانی لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ شہر کے سب لوگوں کو سواری دیکھنے کا بخوبی موقع مل گیا تھا۔

دائیسراٹے بہادر دوپہر ڈھلے دربار میں رونق افروز ہوئے، پندرہ ہزار گورے اور دیسی فوج نے سلامی آماری دربار کے عالی شان دروازے پر پہنچ کر لاٹ پادری صاحب اور ایڈی ڈفرن صاحبہ مع اسٹاف کے گاڑیوں پر سے اتر کر ڈائیسراٹے (چوتھے) پر تشریف فرما ہوئے ہزار کلسنی دائیسراٹے بہادر سٹارٹ انڈیا کے کالر۔ بیچ اور پوشاک میں تھے جب آپ دربار کے خیمے میں داخل ہوئے تو سارے حاضرین تعظیماً کھڑے ہوئے اور جب تک بیٹھ نیشنل منیجمنٹ (قومی نژاد) بجاتا رہا۔ چیف ہرلڈ (نقیب اعلیٰ) نے اصل اعلان انگریزی میں پڑھا اور فارن سیکریٹری نے اردو میں۔ ایک ختم پڑھانے ایک سو ایک توہیں سر ہوئیں اور شاہی جھنڈا بلند کیا گیا اور بھیر بٹنڈے نیشنل منیجمنٹ بجایا ۵۱

۵۱۔ اس درباری ہال کے وسط میں جانب شمال ایک دس فٹ بلند چوڑا تیار کیا گیا تھا جس پر تقریبی ستونوں پر ایک گنبدی چھت ڈالی گئی تھی جس کے ہر ستون پر شاہی علم و پرچم۔ چاندی کی ڈھالیں اور کلاتوں سے سجے ہوئے نشانات یونین جیک آویزاں کیے گئے تھے چوڑے پر ہلکے نیلے رنگ کا نفیس فرش بچا کر اس پر حضور دائیسراٹے ابران کی لیڈی صاحبہ کی دو عالی شان جگہ گاتی ہوئی سنہری کرسیاں بطور تخت کے رکھی گئی تھیں۔

۵۲۔ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ اول (بشیر احمد) ص ۵۹

# دہلی دربار

تاجپوشی ملک معظم ایدورد، مفتاح

یکم جنوری ۱۹۰۳ء

” زوالِ دولتِ مغلیہ کے بعد (ہندوستان) میں شاہی درباروں کا آغاز ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہوا ہے لیکن یہ دربار معمولی تھے اور ان میں وہی راجہ اور نواب مدعو ہوتے تھے جن کی ملکی خیر خواہیاں قابلِ صلہ تھیں لیکن حضورِ ملک معظم کوٹن وکٹوریہ نے ۱۸۷۷ء میں پہلا دربار کر کے گزشتہ دربار کی نوعیت تبدیل کر دی تھی اور اسی دربار دہلی کے بعد حضورِ قیصر ہند کملائیں اور اس خطاب سے ہندوستان کے تلج میں گویا ایک اور کوہ نور کا اضافہ ہوا۔ دربارِ قیصری کے حالات میں تاریخوں میں پڑ چکا تھا اور عمد طفلی سے یہ آرزو تھی کہ کاش! ہندوستان میں کوئی دوسرا دربار ہو کہ وہی منظر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ چنانچہ فنا خدا کر کے یکم جنوری ۱۹۰۳ء میں (۲۷ سال کے بعد) ملک معظم ایدورد مفتاح کا دربار تاجپوشی دلی میں منعقد ہوا اور اس دربار کی خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کو لارڈ کرنل جیسا سلیقہ شعار و نفیس مزاج ہتھ مل گیا۔

جب لارڈ موصوف نے اخبارات میں دربار کا خاکہ شائع کیا اس وقت سے پبلک میں جوش اور ہرول میں دربار کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

چنانچہ رجواڑوں نے چھ ماہ قبل اور اعلیٰ طبقے کے نوجوانوں اور متوسط طبقے نے آخر دسمبر ۱۹۰۲ء سے روانگی دلی اور آرائش مکان و قیام کا اہتمام شروع کیا۔

دسمبر کی ۱۷ تاریخ تھی کہ ہماری مختصر جماعت کانپور سے بعد نماز مغرب دلی کو روانہ ہوئی۔ ٹکٹ گھر سے مسافر خانے تک اور پھر اس مقام سے پلیٹ فارم تک سو گز کا راستہ تقریباً ایک گھنٹے میں طے ہوا تھا اور جو اس ہنگامے میں گر پڑا پھر اس کو اکٹھا نصیب نہ ہوا۔ ریل پر سوار ہونے کی کٹھن منزل ہنوز باقی تھی۔

جب میل ٹرین انجن پھولوں سے سجا ہوا اور نغمہ مسرت گاتا ہوا، پلیٹ فارم پر آیا اس وقت کا مجمع اور بدحواسی قابل دید تھی۔ فرسٹ سیکنڈ۔ انٹر۔ تھرڈ کلاس کا امتیاز اٹھ گیا تھا۔ جوڈہ مسافروں کے سامنے تھا اس میں بیٹھنے کی کوشش کی گئی اور پولیس بھی انتظام سے قاصر رہی ہماری جماعت نے مصلحتاً دو پہلوانوں کو اپنے ساتھ لے لیا تھا چنانچہ یہ دُعا اندیشی کام آئی اور کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارے درجہ میں قدم رکھ سکے۔ چنانچہ چار معززہ رئیسوں کو جن کے ٹکٹ درجہ اول کے تھے اور ان کے لیے تھرڈ کلاس میں بھی جگہ نہ تھی اخلاقیاتاً ان کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ طلوع آفتاب سے قبل ٹرین دلی پہنچ گئی۔

کوچ پھیلاں میں جامع مسجد کے قریب ایک کمرہ دس یوم کے لیے تھوڑے کرائے پر پہلے سے لے لیا تھا۔ اس میں مقیم ہوئے اور نہاری کے بعد ہی دلی کی سیر شروع ہو گئی۔ چنانچہ دسمبر کے چار دن بے مشکل ختم ہوئے اور وہ رات آئی کہ جس کی صبح کو دربار تھا۔ ”بقول سودا“ یہ وہ رات تھی کہ ع نہ لگی شوق میں جس کے کبھی شائق کی پلک

نماز صبح سے بہت پہلے جامع مسجد کی سیڑھیوں کے مچان پر قبضہ کیا گیا رفتی ٹکٹ دس روپیہ کرایہ تھا۔ مسجد کا یہ وہ سُخ تھا جس کے سامنے قلعہ معلّے واقع تھا اور اسی راستے سے شاہانہ جلوس گزرنے والا تھا، بوج کی کرنیں جامع مسجد کے میناروں اور طلائی برجیوں پر پڑ رہی تھیں کہ دُور سے انگلش بینڈ کی مسرلی آواز کانوں میں آنے لگی اور تقریباً ۵۴ منٹ میں جلوس زیر مسجد پہنچ گیا۔

جلوس کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے شاہی نقیب ایک ریلر گھوڑے پر نظر آیا۔ نقادوں سے کڑم دھڑم دھم کی مسرلی آوازیں آرہی تھیں اور جب یہ دوہری ضرب لگنا لگا تھا تو سارا میدان گونج اٹھا تھا۔ فردوسی طوسی نے شاہ نامے میں ایک جگہ نقارے کی آواز الفاظ میں دکھائی ہے اور اس کا یہ کمال ضرب المثل ہے۔ لیکن انگلش نقارچی کے حرف سے جو آواز نکلتی تھی وہ بھی روح میں ایک نئی زندگی پیدا کرتی ہے۔ علاوہ بریں بینڈ میں جس قدر آلات تھے ان میں سے ہر ایک کی آواز طرب انگیز تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزار داستان ہر سانس میں نئی بولیاں بول رہا ہے جب باجے والوں کی چولیاں آگے بڑھ گئیں اور فیشل این کھم رومی ترانہ ختم ہو گیا اس وقت یکایک سیاہ بادلوں کی صورت میں ہاتھیں کی قطار نظر آئی اور یہ معلوم ہوا کہ ہم اس وقت کجلی بن کی



میر کر رہے ہیں،

جلوس میں سب سے آگے لارڈ کرزن نائب السلطنت کا ہاتھی تھا اور لیڈی کرزن طاؤسی میں اپنے شوہر کے دوش بدوش تھیں یہ لباس ہندوستانی صنعت کا بہترین نمونہ تھا۔ سورج کی کرنیں جب لباس پر پڑتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا صد ہا مور (طاؤس) ناچ رہے ہیں۔

لارڈ کرزن جس ہاتھی پر سوار تھے یہ ڈیل ڈول میں سب سے بڑا اور اکبر اعظم کے جگنا تھا اور مہادیو کے ٹکر کا تھا اور بلاشبہ اس پر کوہ پیکر کا اطلاق صحیح تھا۔ یہ راجہ صاحب بلام پور (تعلقہ داراودھ) کا تھا۔ اس کے دانت گویا چاندی کے دو سٹول ستون تھے جو زمین سے صرف چار انگلی اونچے اور تقریباً دو فٹ چاندی کے خول ان پر چڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھیوں کی سیاہ بخنی مشہور ہے جنہوں نے سیکڑوں راجاؤں کو میدان جنگ میں شکست دلائی ہے لیکن زرین جھولوں اور نفرتی زلیورات نے ان کے سروں کو چھپا دیا ہے۔

شہنشاہ اکبر کا اقبال تاریخوں میں مشہور ہے لیکن آج کل ایڈورڈ ہفتم کا اقبال سب سے بالاتر تھا یہ عبرت کا سماں قابل دید تھا کہ نائب السلطنت کے پیچھے تمام ہندوستان کے فرسردا درجہ بدرجہ ہاتھیوں پر چلے جا رہے تھے اور وائسرائے کے بعد ہی دکن کا وٹاجدار تھا جس کی حکومت ۶ کروڑ نفوس پر میر محبوب علی نظام دکن) پر ہے، حضور معلیٰ بالکل سادہ لباس میں تھے۔ سیاہ ریشمی شیروانی اور سفید فالین کی پتلون اور کلاہ (آصف جاہی) میں صرف ایک میراچک رہا تھا اور چنوبر دار، مکلف لباس میں غرق تھا اور باقی راجہ ہمارا چہ قیمتی لباسوں اور زلیورات میں ملبوس تھے، حقیقت میں یہ وہ منظر تھا جو کسی مغل فرمانروا کو بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں آہستہ خرامی کے ساتھ جلوس ختم ہوا اور مہمان درباری پنڈال (امفی تھیٹر) میں جا کر ٹھہر گئے۔

واجد علی شاہ جان عالم پیلے جو اندر سبھا قائم کی تھی اس کو مداری لال اور امانت نے تفصیل سے لکھا ہے اور تقریباً پچاس سال ہوئے جب اس سبھا کو میں نے اصلی رنگ و روپ میں دیکھا تھا۔ لیکن لارڈ کرزن کی اس سبھا کا ادھی کچھ نقشہ تھا۔

اب ہم آپ کو اکبر الہ آبادی کی زبان سے اس پرستان کا منظر دکھاتے ہیں۔



پہلے اس مصرعے کو ذرا بلند آواز سے اٹھائیے ۛ

” سبھامیں دوستو کرزن کی آمد آئی ہے “

حاضرین سبھا بے قرار تھے کہ یکا یک پہلا پردہ اٹھا اور آلاتِ طرب سے آواز بلا کر پر یوں نے

خیر مقدم کا ترانہ گایا ۛ

سبھامیں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے

گلوں میں عشرتِ گلشن کی آمد آمد ہے

رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق

کہ نائبِ شہِ لندن کی آمد آمد ہے

چمک ہے کرچوں کی ہر سو گمک ہے توپوں کی

چماچسم اور دنادن کی آمد آمد ہے

اس سبھامیں کوئی دیو سیاہ نہ تھا البتہ پر یوں میں سبز پری - زمرہ پری اور نسیم پری موجود تھیں لیکن

اقبال پری کا راگ سب سے زیادہ دل کش تھا یہ پیرس کی نیوفیشن لہوا زہن کر دل کھول کر ناچی گئی اس کے دد شعر سب کو پسند آئے -

ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو

ہر رنگ میں، میں مست مٹے جلوہ گرمی ہوں

انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے

شانہ نشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

بے شک! ایسا جان عالم کس کو مل سکتا ہے؟ اور اقبال پری کے راگ پر جلد رقص و سرور

کا خاتمہ ہوا۔ پھر ملک معظم کا فرمان پڑھا گیا اور عطر و پان کے بعد دوبار ختم ہوا۔ مہمانوں کی داپسی میں بھی

وہی لطف تھا جو آمد میں تھا۔ ہماری جماعت بھی مدد اس کی ایک شاندار و کمٹوریہ گاڑی جس کا کرایہ فی گھنٹہ

پندرہ روپے تھا پر سوار ہو کر قیام گاہ پر واپس آئی -

## آتش بازی

صبح کا سماں تھا، رات کا سین اس سے زیادہ دلچسپ تھا۔ آٹھ بجے کے بعد قلعہ معلیٰ کے میدان میں آتش بازی کی سیر کرائی گئی، بچپن میں قصبات کی آتش بازی کے کشتے شب برات میں خوب دیکھ چکے تھے فریقین میں مقابلے ہوتے تھے اور کتنے ہی نوجوان اور بڑے ختم ہو جاتے تھے لیکن یہ آتش بازی کچھ اور ہی چیز تھی ہر مار اور چرخی سے جو شرارہ نکلتا تھا وہ فلکِ اول پر جا کر ختم ہوتا تھا اور ہر مار میں سو سو طرح کے نکلے پھوٹتے تھے حکمائے رنگوں کی تقسیم کی ہے۔ اس آتش بازی میں وہ سب موجود تھے۔ چرخوں اور بتاشوں میں عجیب و غریب جدت تھی اور یہ آتش بازی ایک عجیب سائنس تھا جس کی صرف اہل علم سمجھ سکے تقریباً ایک لاکھ روپے کی آتش بازی جل کر راکھ ہو گئی۔ لیکن نہ آنکھوں میں دھوئیں کا اثر تھا نہ کہیں بارود کی بو تھی اور کسی کو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ اس میدان میں آتش بازی جلائی گئی ہے۔ یہ امریکہ اور لندن کی صناعتی تھی۔

## منائیش

اس منائیش کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر صناعت اور کاریگر اپنی اپنی جگہ عملی کاموں میں مصروف تھا۔ بنارز پور بنار ہے تھے، حٹاک (نگینہ ساز و مہر کن) ہیروں کی قلمیں تراش رہے تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ اہل یورپ ہندوستان کی ان صنعتوں کو حاصل کریں جو ہنوز یورپ میں نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے ایک وسیع مضمون کی ضرورت ہے، میں کارخانوں کو دیکھتا پھرتا تھا ایک ایک بنارس کی ایک کارگاہ میں گذر ہوا۔ جہاں گرگھے میں کمناب کا کھتان بنایا جا رہا تھا اور منچسٹر کے مالکان بل کر سیوں پر بیٹھے ہوئے تانا بانا دیکھ رہے تھے، کارگاہ میں چار ملازم تھے ان میں سے ایک سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دو دائیں بائیں تھے اور چوتھا سامنے رخ پر تھا۔ تین کاریگر موت کے ڈوروں کو شمار کر کے الگ کرتے تھے اور وہ استاد کو اطلاع دیتے تھے کاریگر نمبر ایک تلکی کو ڈوروں کے اندر پھینکتا تھا اور اسی طرح پر ایک پھندا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک گھنٹہ کے اندر مود (طاؤس) کا ایک بانو بن کر تیار ہوا جس میں مختلف شوخ اور چمکیلے رنگ تھے۔

اس کھتان میں مود بنایا جا رہا تھا جس کا سر بن چکا تھا اور باقی اجزا تیار ہو رہے تھے (اور کاریگر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک یورپین تاجر سے سوال کیا گیا کہ مشین یہ کام کر سکتی ہے؟ اس نے حسرت افسوس

سے جواب دیا کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے، یہ کام صرف ہاتھوں ہی سے ہو سکتا ہے۔

## اسلحہ خانہ

میں فوجی افسر تو نہ تھا جن کو اسلحہ سے عشق ہوتا ہے لیکن شاہ نامے میں رستم اور سہراب اور اسفندیار وغیرہ کے معرکے پڑھ چکا تھا، فردوسی نے تمام آلات حرب کی تصویریں الفاظ میں کھینچی ہیں اس لیے اسلحہ خانے کو میں نے کئی بار دیکھا اور ساسانی (قباد و نوشیروانی) عہد سے اسلام کے اخیر دور تک کے جملہ اسلحہ دیکھے تب ان کی ساخت کا اندازہ ہوا۔

## مرقع تصاویر

دہلی دربار کے بعد الہ آباد اور لکھنؤ میں وسیع پیمانے پر نمائشیں ہوئیں لیکن لارڈ کرزن نے تصاویر کا جو سلسلہ (صدی دار) جمع کیا تھا وہ منظر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ تیمور کے دور سے اخیر مغلی دور تک ہر مرقع کا عمل جدا گانہ تھا جن میں اکثر ہندو تھے۔

## قلمی کتابیں

اہل علم کے لیے یہ سب سے نادر مرقع تھا، اس کمرے میں قلمی مصوٰف کتابیں بہت تھیں اور اس میں کبھی یہ اہتمام تھا کہ علم خط نے صدی وار جس قدر ترقی کی ہے اسی ترتیب سے کتابیں سجائی گئی تھیں۔ طریقہ یہ تھا کہ ہر کتاب ایک کبس میں بند تھی جس پر آئینہ لگا ہوا تھا اور کتاب کا نظارہ آئینے کے اوپر سے ہوتا تھا اس مرقع میں سب سے قیمتی کتاب گلستان سعدی تھی۔ ریاست اور کے ایک راجہ کے حکم سے سترہ سال میں یہ گلستان ایک نامی خوشنویس اور مختلف مصوروں نے تیار کی تھی یہ تنخواہ دارا بہکار تھے۔ جن پر تین لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔

شاہ نامے، رامائن، مہا بھارت، دیوان حافظ، لیلیٰ مجنوں، اور شیریں خسرو بھی قابل دید تھیں اور ان تصویروں میں انتہائی کمال دکھایا گیا تھا۔ قیمتی سامان میں ہمارا جہ بڑودہ کا قالین بھی اپنا آپ ہی نظیر رکھتا۔ قالین شیشہ کے ایک چوکھٹے میں جڑا ہوا تھا جس کے تانے بٹانے اور رنگ میں جواہرات سے کام کیا تھا یہ بھی کئی لاکھ کا تھا۔ کثیر کا ایک ناما تمام شال تھا جو دبازت میں تین کلائے کے برابر رکھتا۔ اس کی قیمت تین ہزار روپے



تھی اس شال میں اس درجے حرارت تھی کہ اگر گھی کے جے ہوئے کپے پر رکھ دیا جائے تو چند منٹ میں گھی گھل کر پانی ہو جائے۔

## آلاتِ طرب

جن باجوں کے نام سُنا کرتے تھے وہ سب نمائش میں موجود تھے خصوصاً ہندوستان کے جملہ ساز عہدِ قدیم سے دورِ حاضرہ تک ترتیب وار دکھائے گئے تھے۔ ستار میں امیر خسرو دہلوی کے بعد جو ترمیم ہوئی تھی وہ ستار جدا گانہ تھے۔ ستار کی اصل وہ جبکہ تارا ہے جسے ہندو فقیر سینکڑوں برس سے استعمال کر رہے ہیں بعض محققین اسی کو ستار کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔

سارنگی (رباب) کی ساخت میں بھی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ہندوستان کا یہ وہی باجہ ہے جس پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ تانت باجی راگ بوجھا۔ لکھنؤ کے ایک لواب زادے نے جو سارنگی بجانے میں فرد تھے ارشاد فرمایا کہ اگر طوائفوں کے سازندوں نے سارنگی کو بدنام نہ کر دیا ہوتا تو آج مثل ستار کے شرفاء کے ہاتھ میں بھی سارنگی نغمہ سنج ہوتی یہ آلہ طرب عہدِ قدیم کا گرامو فون ہے جس کے تاروں سے ایک ایک بول نکلتا ہے لیکن یہ تعجب ہے کہ طبلہ (تبلہ) میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔ بڑھست دور میں اجٹا (حیدر آباد دکن) کے ایک غار میں رقص و سرود کی ایک محفل دکھائی ہے (طبلہ کی جو تصویر دکھائی ہے وہ ہنوز قائم ہے ہند کا یہ وہ باجہ ہے جس کا آج تک جواب نہ ہو سکا۔ ماہر فنِ طبلہ اس سے سات سُر نکال سکتا ہے اور طبلہ کا راز اس سیاہ گول دائرے میں ہے جو بڑے چری حلقے میں ہوتا ہے اور نعمات میں زیر و بم رپست و بلند کا تعلق دوروں کے تناؤ پر ہے۔

واجد علی شاہ اددھ کو بھی طبلہ بجانے میں انتہائی کمال تھا اور آج بھی لکھنؤ میں جو طبلہ (میشہ ور) ہیں ان کا جواب نہیں ہے صرف عشرہ محرم میں تعزینوں کے ساتھ یہ طبلہ اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ انہیں ہے کہ یہ مضمون مصطور نہیں ہے ورنہ ہر آئے کے متعلق خاص خاص نکات بیان کیے جاتے۔



# جلوہ دربارِ قیصری

ایک طنز — ایک حکایت — ایک تاریخ

ملکہ دکنوریہ نے قیصرِ ہند کا خطاب جب اپنے لیے منظور فرمایا تو سارے ہندوستان میں غلغلہ مہینیت برپا ہو گیا، غدر کی تباہیوں، سفاکیوں اور سختیوں نے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے میں لب کشائی کی مہمت کب باقی چھوڑی تھی لیکن شاعر پر وہ پردہ میں وہ سب کچھ کہہ جاتا ہے جود کہنا چاہتا ہے، اکبر الہ آبادی نے اس دربار کا مشاہدہ کیا اللہ اپنے تاثرات کی رد وادب بیان کر دی شاعری کے اعتبار سے دیکھیے تو ع

زمین سخن آسمان ہو گئی

الفاظ کی بندش خیالات کا تسلسل توانی کی ندرت اور محاکات و استعارات کی افراط نے ہر شعر کو جان سخن بنا دیا ہے بھلا کوئی یہ کہہ سکتا تھا: تحت میں ان کے بیدیں "بندہ"

وہ صرف اکبر ہی تھا جس نے الفاظ کے طلسم میں عروسِ معنی کو اس طرح اسیر کیا کہ کوئی انگشت نہائی کر سکا، نہ گرفت حکایت کے اعتبار سے دیکھیے، تو ایک مسلسل داستان ہے جو اپنی پوری رعنائی اور برنائی کے ساتھ موجود رہنے تاریخ کے اعتبار سے دیکھیے تو اس میں غلامِ اعدا مظلوم ہندوستان کی فاتحِ اعدا ظالم برطانیہ کی پوری تاریخ محکومی و سفاکی چنڈ

سادہ اور دل نشین الفاظ نے ادا کر دی ہے ۔  
 یہ نظم بڑی مشکل سے دستیاب ہو سکی ، اس کا صلہ سو اس کے کچھ نہیں  
 کہ آپ پڑھ لیں ؛

جمناجی کے پاٹ کو دیکھا  
 اچھے نہترے گھاٹ کو دیکھا  
 سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا  
 حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پٹن اور رسالے دیکھے  
 گودے دیکھے ، کالے دیکھے  
 شگینیں اور بھالے دیکھے  
 بینڈ بجانے والے دیکھے

خمیوں کا اک جنگل دیکھا  
 اس جنگل میں منگل دیکھا  
 برہمسا اور درنگل دیکھا  
 عزت خواہوں کا جنگل دیکھا

طرکیں تھیں ہر کپ سے جاری  
پانی تھا ہر پپ سے جاری  
نور کی موجیں لپ سے جاری  
تیزی تھی ہر جپ سے جاری

کچھ چہروں پر مودی دیکھی  
کچھ چہروں پر زردی دیکھی  
اچھی خاصی سردی دیکھی  
دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈال میں نارنگی دیکھی  
محفل میں سارنگی دیکھی  
بے رنگی بارنگی دیکھی  
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا  
بھیر میں کھاتے جھٹکا دیکھا  
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا  
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھر کم  
 ان کا چلنا کم کم - تھم تھم  
 زردیں جھولیں نور کا عالم  
 میلوں تک وہ چم چم چم چم

پر لٹھتا پہلوئے مسجد جامع  
 روشنیاں تھیں ہر سو لامع  
 کوئی نہیں تھا کسی کا سامع  
 سب کے سب تھے دید کے طامع

ایک کا حصہ من و سلوا  
 ایک کا حصہ تھوڑا علوا  
 ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا  
 میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا  
 پرتو تخت و تاج کا دیکھا  
 رنگ زمانہ آج کا دیکھا  
 رخ کرزن مس راج کا دیکھا



پہنچے پھانڈ کے سات سمندر  
تحت میں اُن کے مہیبوں بندر  
ملکت و دانش ان کے اندر  
اپنی جگہ ہر ایک نکلند

---

ادج بخت طاقی ان کا  
چرخ ہفت طباقی ان کا  
مجلس اُن کی ساتی ان کا  
آنکھیں مہری باقی ان کا

---

جشن عظیم اس سال ہوا ہے  
شاہی فورٹ میں ہال ہوا ہے  
روشن ہر اک مال ہوا ہے  
قصہ ماضی مال ہوا ہے

---

ہے مشہور، کوچہ و برزن  
ہال میں ناچیں لسیڈی کرزن  
طائر ہوش تھے سب کے پرزن  
ریشک سے دیکھ ہی تھی ہر زن

---

ہال میں چکیں آکے یکایک  
 ندیں تھی پوشاک جھکا جھکا  
 محو تھا ان کا آدج سماں  
 چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

---

گورتا صہ آدج خاک تھی  
 اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی  
 اُندہ کی محفل کی جھلک تھی  
 بزمِ عشرت صبح تاک تھی

---

# کتابیات

اس کتاب کی تالیف میں بلا مبالغہ میں نے ہزار ہا صفحات پڑھے ہیں، اور سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ تب جا کر یہ مکمل ہوئی ہے، میں نے جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے، ساتھ ساتھ حوالہ دے دیا ہے، لیکن ذیل میں، چند کتابوں کا تعارف کرنا ضروری سمجھا ہوں۔ یہ وہ کتابیں ہیں، جو اب نایاب ہیں، یا عام طور پر لوگ انہی اہمیت سے ناواقف ہیں، ارادہ قدیر تھا کہ ان تمام کتابوں پر مختصر ملاحظہ کرتا، جن کا میں نے حوالہ دیا ہے، لیکن کتاب ویسے ہی کافی ضخیم ہو گئی ہے، اس لیے، صرف چند کتابوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں، جو اپنی انا دیت اور اہمیت کے باعث غیر معمولی امتیاز کی حامل ہیں،

(۱)

## تاریخ ہندوستان (بغاوت ہند)

یہ شمس العلوانی ڈاکٹر اللہ صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی تاریخ ہے، اور حق یہ ہے کہ جتنا تفصیلی مواد ہر موضوع پر اس کتاب میں ملتا ہے۔ کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر اللہ صاحب نے بغاوت ہند کے حالات بھی بسط و تفصیل اور مشرع و مباحث کے ساتھ جمع کیے ہیں۔ کتاب انگریزی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے پھر بھی اس میں واقعات اور حقائق موجود ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے یا رانے قائم کر سکتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

## جان عالم

مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم متفقہ ایک بلند پایہ ناول نویس، ایک یگانہ انشا پرداز اور ایک عالی ظرف محقق اور نقاد ہی نہیں تھے۔ بلکہ ایک مانے ہوئے مورخ بھی تھے، یہ ان کی بد قسمتی ہے کہ ان کے ناول چل لیکن ان کی تحقیق و ترقیق اور جہالت تاریخ کی طرف لوگ زیادہ متوجہ نہ ہوئے :

مولانا نے واجد علی شاہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کئی سال تک ٹیابرج یعنی واجد علی شاہ کے زمین خانہ یعنی کلکتہ میں مقیم رہے۔ اس معزول لیکن شریف تاج دار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، پرکھا، لہو کھرا پایا یہ مختصر سی کتاب ان کا طویل مقالہ ہے جو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اس میں الحاق لودھ سے متعلق بعض چیزیں مل جاتی ہیں۔

## تاریخ ہندوستان (جلد نہم)

یہ غشی ذکاوت کی تاریخ کا نواں حصہ ہے۔ جس میں نوال سلطنت تیموریہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ بہادر شاہ کا اس میں تذکرہ بہت کم ہے۔ مگر جو کچھ ہے۔ وہ معلومات افزا ہے !

غشی ذکاوت اللہ ان بزرگوں میں سے تھے، جو انگریزوں سے بری طرح متاثر تھے۔ اپنی ہر چیز کو قابل گرفت اور لائق تعزیر سمجھتے تھے، انگریزوں کی ہر بات ان کے نزدیک جحد و جد سے ملی تو ان گفتگو سے ہی تو ان کو رد کیا

کی مصداق تھی، ان کی تحریر ادب و بھر سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ان کے دل میں تر بادشاہ کی وقعت ہے۔ نہ خاندان تیموری کی، نہ مسلم سلطنت کی بایں ہر قلم کی زبان ایسے واقعات بھی بیان کر جاتی ہے جو بہادر شاہ کے تاریخ نگار کے لیے گنہگار تصورات و خیالات بن جاتے ہیں۔



## تاریخ ہند (عہد انگلشیہ)

یہ بھی مولانا ذکاء اللہ کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ اس کے مستند ہونے میں شبہ نہیں، ذکاء اللہ کا شمار ملک کے مستند مورخین میں ہوتا ہے۔ وہ دل سے انگریزوں کے ماریج اور شنائیاں تھے، ان پر بھی عہد انگلشیہ کے برکات طاری تھیں۔ لیکن مورخ کی ذاتی رائے الگ چیز ہے۔ اور واقعات و حقائق بالکل جدا گانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ دل سے لاکھ انگریزوں کے مستقد اور نیاز مند ہوں، لیکن واقعات اور حقائق کو یکا کر میں؟ انہیں جیب میں نہیں رکھ سکتے، وہ زبان قلم پر آ ہی جاتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کی پیش قدمی کی پالیسی کن نتائج کی حامل تھی۔

## تاریخ اودھ

حکیم نجم الغنی صاحب رام پوری نے بڑی عرق ریزی، جگہ کاوی، اور تحقیق و دقیق سے یہ کتاب پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ خوب لکھی ہے۔

میرے پیش نظر جلد پنجم ہے۔ جو عہد واجد علی شاہ اور غدر ۱۸۵۷ء کے حالات ماقبل اور مابعد پر مشتمل ہے۔ حرکات قدر کے سلسلہ میں اس کتاب کے قابل قدر معلومات مجھے حاصل ہونے جس کا فائدہ گداری کے ساتھ اخبار اور اغراض ضروری ہے۔

## آثار الصنادید

یہ سرسید احمد خاں کی یادگار اور نادرہ روزگار تصنیف ہے۔ سرسید نے اگر اور کچھ کام نہ کی ہوتا۔ مرنے

یہ کتاب لکھی ہوئی۔ تو بھی ان کا یہ کارنامہ اتنا دقیق ثابت ہوتا، کہ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہتا،  
میرے پیش نظر جو نسخہ ہے، وہ قدر سے ۲ سال پہلے کا ہے۔ اس کی سرورق پر جو عبارت  
درج ہے، وہ یہ ہے۔

”آثار العناوید“

تاریخ پرانی اور نئی عمارتوں اور پرانی و نئی عمارت  
عمارتوں کی بابت قلعہ دہلی  
تصنیف

سید احمد خاں منصف درجہ اول،  
مقام خاں بہاؤ آبادی ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء  
جس کتاب پر مصنف کی مہر نہ ہو۔ وہ کتاب چوری کی ہے۔ لے

ایں دیباچہ باہتمام کارپردازان  
مطبع سلطانی، درمطبع سلطانی واقع قلعہ علی گڑھ  
طبع گردید

فی ۱۲۷۰ھ و ۱۸۵۴ء

دیباچہ کے بعد، جہاں سے کتاب کا پہلا باب شروع ہوتا ہے، یہ لکھا ہے

”مطبوعہ مطبع احمدی واقع دہلی“

باہتمام شیخ ظفر علی ۱۲۷۰ھ

اس کتاب کا شمار مستند ترین کتابوں میں ہوتا ہے، اس کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ  
اس سے کیا جا سکتا ہے کہ دہلی پر چلتی کتابیں اس کے بعد لکھی گئیں، حتیٰ کہ بشیر الدین صاحب کی کتاب

نے میرے پیش نظر جو نسخہ ہے۔ اس پر مہر نہیں ہے۔ یہ سرسید کی روح کے لیے الملاحا عرض ہے۔

تاریخ واقعات دارالحکومت دہلی تک سب اسے سامنے رکھ کر لکھی گئیں۔  
اس کتاب سے بہت مزدوری اور قیمتی حالات حاصل ہوئے۔

(۷)

## چراغ دہلی

یہ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب ہے۔ جو چھ سو صفحات کو محیط ہے۔ مرزا حیرت عجیب قسم کے آدمی تھے۔ انگریزوں سے انہیں اتنی وابہ از عقیدت تھی۔ کہ اس کا آج کل تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ عقیدت کتاب کی ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، بلکہ ایک ایک حرف سے نمایاں ہے۔ غدر کی داستان اس شخص نے بیان کی ہے اسے پڑھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کے اذیت سوز جرائم بھی اس کی نظر میں کتنے معمولی تھے۔ لہٰذا لکھتے غدر کی معمولی حرکتیں بھی، کتنا بڑا اور ناجائز مسافہ جرم تھیں۔ مرزا صاحب جب تک زندہ رہے۔ اپنے عہد کے دائرہ کے لارڈ کرزن کے گیت گاتے رہے۔ لہٰذا انہی کے نام پر کرزن گزٹ نکالا، جو اپنے لڑپھر اسلوب بیان لہٰذا انداز تحریر کے اعتبار سے واقعی مرکاہی گزٹ ہی تھا۔

واقعات بڑے بڑے دردادہ ستم گر ہوتے ہیں ان کی شکل و صورت مسخ کی جاسکتی ہے۔ انہیں تاپید نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں دلی اور غدر دہلی پر کافی مواد ہے۔

(۸)

## مرحوم دہلی کالج

ڈاکٹر مولوی عبدالحمید صد انجمن ترقی اردو پاکستان نے یہ کتابچہ آج سے ۲۲-۲۳ سال قبل تحریر فرمایا تھا۔ یہ ٹہنی قیمتی اور معلوماتی دستاویز ہے اس سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں نے ہندو مسلم کلچر کو اپنی ہوس جوع الارض پر کس طرح قربان کیا؟ وہاں یہ اندازہ ہوتا ہے۔ کہ نامساعد اور ناسازگار

حالات میں اردو زبان کس طرح بنی ؟ اس تربیت گاہ میں کیسے کیسے لوگ پروان چڑھے۔ اُس تہذیبی ثقافتی، ادبی تعلیمی لوہار نے کیسے کیسے چمکے کھاتے، پھر بھی زندہ رہا۔ لیکن آخر کار فرنگی سامراج کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گیا۔

(۹)

## تصویر کا دوسرا رخ

یہ مٹرائیڈ ورڈ ٹامسن کی کتاب ہے۔ جس کا پورا نام *The other side of the medal* ہے۔ یہ کتاب اعتراف و احتجاج پر مشتمل ہے۔ یعنی اس میں مصنف نے نند اور دلیل کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ اس کے ہم قوم انگریزوں نے خد سے پہلے اور خدر کے بعد کیسے کیسے لورہ خیز مظالم کیے اور اس طرح مسلمانوں کو خاص طور پر ہدفِ ہتھم بنایا ہے۔

کتاب کا ترجمہ مشہور قومی کارکن شیخ حسام الدین صاحب نے کیا ہے کتاب بہت مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

(۱۰)

## نصرت نامہ گورنمنٹ

یہ انقلاب دہلی کا بارگاہِ سحر ہے جسے خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ”دہلی کی سزا“ کے نام سے شائع کیا تھا، یہ نواب غلام حسین کے قلمی ”مسودے“ سے اردو میں منتقل ہوئی ہے۔ اور یہ خدر کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۷ء میں لکھی گئی۔ جو تمام تر ان کے ذاتی مشاہدات اور تاثرات کا نتیجہ تھی۔ خواجہ حسن نظامی اس کے دریا پر میں لکھتے ہیں۔

”یہ کتاب اگرچہ ایک ایسے صاحب نے لکھی ہے، جو رٹش گورنمنٹ کے دشمن قرار تھے، اور اسی دہر سے انہوں نے رٹش کی حمایت میں مبالغہ ہی کیا ہے



اس کتاب سے معلوم ہوگا۔ بعض مجذوں نے برٹش حکام کو ان لوگوں کے باغی ہونے کی اہلا عین دیں جن کو مصنف کتاب بھی باوجود خیر خواہ گورنمنٹ ہونے کے باغی نہیں سمجھتے تھے۔

ریاست لوہار کے نامور نواب فخر الدین خاں مرحوم پر اس کتاب کے مصنف نے دلی والوں کے خلاف مجبزی کا الزام لگایا تھا۔ نواب فخر الدین خاں کے وارث نواب نصر اللہ خاں حیدر آباد دکن کے محاسب تھے اور اب پیش پاتے ہیں۔ میں نے اس حصہ کو کتاب سے خارج کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب نے غدر دہلی کے بارے میں جو مواد شائع کیا ہے۔ وہ بڑا قیمتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کی خدمات بہت دقیق اور قطعاً نا قابل فراموش ہیں۔ لیکن ان کی یہ حرکت تاریخی دیانت کے خلاف تھی۔ وہ اگر مصنف کے اس الزام یا بیان کو درست نہیں سمجھتے تھے تو حاشیہ پر اس کی تردید کر سکتے تھے مگر اس کے اہم حصہ کو خارج کر دینا نا قابل معافی جرات ہے۔ بہر حال ہمارے سامنے وہی حصہ ہے جو خواجہ صاحب نے چھاپا ہے اصل فارسی کتاب تک اب کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ کیونکہ اب وہ ناپید ہے۔

اس کتاب میں اس کے باوجود کہ موجودہ اصطلاح میں ایک ٹوڈی، نور سر کا بدست کی لکھی ہوئی ہے۔ نور معلومات تھے ہیں۔ مصنف نے اس کا نام نصرت نامہ گورنمنٹ رکھا تھا۔ حوالہ میں میں نے یہی نام اختیار کیا ہے۔

(۱۱)

## محاصرہ غدر دہلی کے خطوط

یہ تاریخ غدر دہلی کا تیسرا حصہ ہے۔ جسے خواجہ حسن نظامی مرحوم نے بڑے سلیقہ سے شائع کیا

تھا۔ فرماتے ہیں۔

”دیہ ان خطوط کا ترجمہ ہے، جو غدر دہلی ۱۸۵۷ء کے وقت انگریز افواج نے

مشرعہ جارج کارٹک بالانس کے نام بھیجے تھے۔ مشر بارنس اس زبان میں دریائے ستج کی

قوی ریاستوں کے کشن تھے۔ مشہور نس پر پنجاب کی ریاستوں اور پنجاب کی رجایا کو  
دفا دار رکھتا۔ اور پنجابی ریاستوں سے فوجوں اور سامان کی مدد حاصل کرتا اور محاصرہ موہلی  
کی مادی اعانت کا بیجھ بھتا۔

(۱۱۲)

### امیر الروایات

یہ مولانا امیر خاں کے روایات کا مجموعہ ہے، مولانا امیر خاں خاندان ولی الہی اور اکابر دلیو بند کے  
جان نثار تھے۔ انہوں نے عبد خدر کی شخصیتوں کو دیکھا تھا۔ اور ان کے جلوے مشاہدہ کیے تھے۔ اور  
”سرسے زرگوں کے احوال و واقعات سے بھی باخبر تھے۔ مولانا محمود الحسن (شیخ الہیہ) کے ساتھیوں میں  
تھے۔

(۱۱۳)

### بہادر شاہ کاروزنا مچہ

یہ غدر دہلی کی تاریخ کا نواں حصہ ہے۔ ”سراج الاخبار“ دہلی اور احسن الاخبار بمبئی میں جو  
کوٹ سرکاری لٹچ ہو رہا تھا۔ یا لال قلعہ کے حالات درج ہوئے تھے۔ انہیں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے  
تاریخ دار مرتب کر کے روزنامہ کی شکل دی۔ اور بہادر شاہ کاروزنا مچہ نام رکھ کر شائع کر دیا۔ یہ اخبارات فارسی زبان  
میں شائع ہوتے تھے۔ خواجہ صاحب نے ملیس زبان میں ترجمہ کر دیا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی کارآمد و تاثیر میرے  
میرے لیے ثابت ہوئی۔

(۱۱۴)

### بزم رفتگاں

یہ علامہ راشد الخیری مرحوم کی کتاب ہے۔ اسی میں مولانا نے اپنے دور کی چند برگزیدہ ہتھی

کا تذکرہ کیلئے۔ اُن ہمتیوں کا جن سے انہیں ملنے اور پرکھنے کا اتفاق ہوا۔  
اس میں کچھ ایسی شخصیتیں بھی نظر آئیں۔ جو میری کتاب سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے جو حالات  
اور جگہ نرملے وہ یہاں مل گئے۔

(۱۵)

## حداائق الحنفیہ

یہ مولانا فقیر محمد صاحب لاہوری کی گراں پایہ تالیف ہے۔ مطبع نو لکھنؤ نے اسے چھاپا تھا۔  
اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ کتاب اہل علم کے حلقہ میں کتب حوالہ میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں علما  
سلف اور نقباء اجل کا مفصل اور مستند تذکرہ ہے امام ابو حنیفہ سے لے کر مولانا احمد علی محدث تک  
علما ہندو بیرون ہند کے سوانح جامعیت اور تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر ۱۳ویں  
صدی ہجری تک کے اکابرین کا ذکر اس میں آگیا ہے۔

(۱۶)

## داستان غدر

غدر کے سد میں یہ کتاب ایک ممتاز اور مستند اور قابل اعتماد دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے  
اس کے مصنف راقم الدلائل ظہیر دہلوی ہیں، جو ذوق کے شاگرد اور بہادر شاہ ظفر کے مرید اور ماہی مران  
کے دلوں خرقے۔ خوش حال گھرانے کے فرد۔ ہر طرح کی عزت سے متاثر اور ہر ملند۔  
۱۸۵۷ء کا غدر ان کے سامنے ہوا۔ اس گرداب میں انہوں نے اپنی زندگی کے دن گزارے۔ دہلی  
سے بھاگے اور شہر شہر گھومتے ہوئے پھر دہلی واپس آئے۔ کئی بار جان سے ہاتھ دھوئے۔ عیبتیں  
اٹھائیں۔ تکلیفیں سہیں۔ مگر ان کے دم خم میں فرق نہ آیا۔  
ان کی جو پیرز جگہ بہت زیادہ بھائی۔ یہ ہے کہ اپنے آقا بہادر شاہ سے ان کی وفاداری غیر متزلزل

نظر آتی ہے۔ غدر کے بعد بہادر شاہ کا نام لینا جرم تھا۔ ان کی تعریف کرنا خدائی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا تھا۔ ہانے سے ہاتھ نہ نکھڑا اور جان نثار دوست تک ان کے نام سے کانٹوں پر ہاتھ رکھتے۔ ادب سے تعلق کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن ظہیر تے غدر کے بعد یہ کتاب لکھی۔ اور اس کی ایک ایک سطر سے قابل قدر حقیقت بھٹک رہی ہے۔ وہ بہادر شاہ کا دم بھرتے ہیں ان کی نیاز مندی پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی تعریف میں اطمینان ہے۔ اور اس کی ذرا پروا نہیں کرتے۔ کہ انجام کیا ہوگا؟ اب نہ بہادر شاہ زندہ ہیں اور نہ ظہیر لیکن دونوں امر ہو چکے ہیں۔ دنیا انہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔

(۱۷)

## الروض المسطور فی تراجم علماء شرح الصدور

یہ کتاب ۱۳۰۶ھ میں یعنی آج سے تقریباً ستر سال پہلے آگرہ کے مفید عام پریس میں چھپی تھی۔ اس کے مولف مولانا ذوالفقار احمد صاحب سارنگ پوری ہیں۔ کتاب بڑے کام کی ہے۔ اس میں زیادہ تر علمائے اہلحدیث اور اکابر اہلحدیث کا تذکرہ ہے۔ بظاہر میرے موضوع سے متعلق اس میں کچھ نہ ملتا چاہئے تھا۔ لیکن کام کی کچھ چیزیں یہاں مل گئیں اور میں نے ان سے مستفید ہونے سے قائل نہیں کیا۔

(۱۸)

## دلی کی آخری بہار

یہ علامہ راشد الخیری مرحوم معقود کی کتاب ہے۔ علامہ غدر کے سوا سال بعد پیدا ہوئے۔ سن شور کو پہنچے تو تربیت ان لوگوں کے دامن میں پائی۔ اور ان سے صحبت اٹھائی۔ جو غدر کی عالم آشوب تباہیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ ان تباہیوں کے صحنہ دار رہ چکے تھے۔ اس کے دید و شنید کے فسانے راشد الخیری کے کانوں میں ہڑتے رہے۔ خود ان کا خاندان بھی غدر کے شعلوں سے نہ بچ سکا۔ حالانکہ خیر خواہ نہ کار بخار واقعات جو انہوں نے اپنے کانوں سے سنے۔ وہ اٹھاس ہن کی انہوں نے زیارت کی۔



(۱۹)

## تذکرہ غوثیہ

یہ حضرت مولانا غوث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے جسے حضرت کے خادم خاص مولانا شاہ گل حسن نے، ہرے انہوں طریقت کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ زبان کی تصحیح، مولانا اسماعیل میرٹھی نے کی ہے۔ جو حضرت کے مرید یا صفا تھے۔ اس کتاب کے سات ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت کی ولادت ۱۲۱۹ھ میں ہوئی۔ یعنی ۱۸۵۷ء کے غدر سے تقریباً ۴۰ سال پیشتر۔ وفات ۱۲۹۷ھ میں پانی پت میں ہوئی۔ آپ کا مزار مرجع خلافت ہے۔ آپ کے عقیدت کشوں میں وقت کے بڑے بڑے علماء، صوفیاء، فضلاء، شعراء، ادباء شامل تھے۔ خود بھی ادب و شاعری کا بڑا ذوق رکھتے تھے۔ وفات سے پہلے یہ شعر زبان پر تھا۔

دیکھا وقت نزع دل آرام کو

عید ہوئی ذوق دے لے شام کو

ملک کے ارباب کمال اور اصحاب علم و فضل سے آپ کے گہرے روابط تھے جن کی پختی تذکرہ کی ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔

(۲۰)

## وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

یہ ایک مستعجب، بد باطنی، اور کوزنک شخص کی تصنیف ہے ڈاکٹر برنیر ایک فرانسیسی شخص تھا۔ شاہجہان نے ملازم رکھا حالانکہ اس کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اسے وہ سہولتیں دیں جو اس زمانہ میں کسی غیر ملکی کو عام طور پر نہیں ملتی تھیں۔ لیکن چونکہ حدودِ برصغیر مستعجب تھا۔ اس لیے اس نے فوں کے عروج و

فروغ کو دیکھ کر حدیثی آگ میں جلا کر تاقا۔ اُس کی ایک ایک سطر سے بھی جذبہ ہو رہا ہے۔ اس نے اپنی کتاب یا مجموعہ کا تیسب میں مسلمانوں کی کئی بات کی تعریف نہیں کی ہے۔ ہر بات میں ہمالی کا پہلو پیدا کیا ہے۔ حیثیت کی تبلیغ پر زور دیا ہے۔

اس مخالفانہ کتاب میں بھی بعض کام کی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۲۱)

## دلی کا سنیچالا

یہ خواجہ محمد شیخ صاحب دہلوی کی مختصر سی کتاب ہے۔

ہر کہ بقامت کہتر، قیمت بہتر

کی مصداق

دلی کا ذکر اور خواجہ صاحب کا خامہ بہار آفریں، ان کے قلم سے الفاظ نہیں ٹپکتے، پھول ٹھوٹے ہیں۔ جو کہانی بیان کرتے ہیں اس کا انداز ایسا دل میں کھب جلتے والا ہوتا ہے کہ بس پڑھتے رہتے بار بار پڑھتے۔ ہر مرتبہ نیا لطف آئے گا۔

اس کتاب میں خواجہ صاحب نے دلی کے چند فن کاروں کا اور چند گراں مایہ شخصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں انہوں نے دیکھا یا سنا ہے۔ بارے میں دلی کے اکابر یا اپنے بزرگوں سے سنا۔ واقعات کا جہاں تک تعلق ہے۔ اُن کے صحیح اور درست ہونے میں شبہ نہیں۔

یہ کتاب مکتبہ جامعہ دہلی نے چھاپی تھی۔ اب نایاب ہے۔

(۲۲)

## واقعات ہند

ہندوستان کی مختصر تاریخ ہے۔ جو میجر ہال رائڈ کے حکم سے سر رشتہ تعلیم پنجاب نے

کسی تھی۔ اس کا جو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے۔ یہ ۱۲۶۵ھ کا مطبوعہ ہے۔  
اس میں آریوں کے وقت سے لیکر بہادر شاہ کی جلاوطنی اور وفات تک کے حالات ہیں یہ کتاب  
اگرچہ سرکاری اور انگریزی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں کام کی چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔

(۲۳)

## تذکرہ اہل دہلی

مرسید احمد خاں نے آثار الصفا دید کے پہلے ایڈیشن میں جو ۱۸۴۸ء میں لکھا تھا۔ کہ دہلی کے ہر  
کمال، متحیر۔ اور سربراہ اور شخصیتوں کا اپنے مخصوص انداز میں ذکر کیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں جو ۱۸۵۳ء  
میں شائع ہوا۔ یہ حصہ حذف کر دیا گیا۔ میرے پیش نظر دوسرا ایڈیشن ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن بھی کمزور ہے  
لہذا پہلا ایڈیشن بالکل نایاب ہے۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کے تذکرہ اہل دہلی کے نام سے پہلے ایڈیشن کا وہ حصہ جو شخصیتوں کے ذکر پر  
مشتمل ہے۔ شائع کیسے اس کی ترتیب و تہذیب اور حواشی قاضی احمد میاں اختر مرحوم کے حسن ذوق اور  
دید و کاری کے رہن منت ہیں

(۲۴)

## حیات النذیر

یہ جناب افتخار عالم صاحب ہر ملک تصنیف ہے۔ اور بڑے سائز کے تقریباً سات سو صفحات  
پر محیط ہے۔ اس میں شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی کے سوانح حیات استناد اور تفصیل کے ساتھ درج کیا  
افسوس یہ ہے کہ اس میں غدر کے متعلق، یا بہادر شاہ کے متعلق بہت کم مواد ہے۔ کتاب کم بہت بڑا حصہ  
مولانا کی کتابوں پر تبصرے کیلئے وقف ہے۔ انداز بیان بہت دلچسپ اور بے ساختہ ہے متفق اور نغمہ  
طور پر میر کام کی چیزیں کچھ نہ کچھ مل گئی ہیں۔

## یادِ ایام

یہ مولانا عبدالرزاق صاحب مصنف البرزخ کی کتاب ہے۔ مولانا عبدالرزاق اپنے وقت کے ہونے والے مصنف، مورخ اور محقق تھے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے دور کے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں انہوں نے دیکھا، جن سے وہ ملے، اس میں واجد علی شاہ بھی ہیں اور دوسرے مشاہیر قوم بھی۔ کتاب معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ بعض کام کی باہیں ایسی ہیں جو کہیں اور نہیں ملتیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ اس گراں مایہ کتاب سے استفادہ کا موقع ملا۔

(۲۶)

## یہاد شاہ ظفر

فشی امیر احمد علوی ڈپٹی ملکہ اپنے وقت کے اچھے انشا پردازوں میں سے تھے۔ لیکن مورخ نہ تھے۔ اور یہ کتاب اس دعویٰ کا بہترین ثبوت ہے، یہ ساری کتاب احسن الاختباء، داستانِ قدر اور دو ایک اور کتابوں کے انتخابات پر مشتمل ہے۔ لہذا اس کے معلومات کشش نامکمل اور غیر مفید ہیں، فشی صاحب نے اس موضوع کو محض سرسری طور پر ٹالا ہے۔ اور اس طرح اپنے اوپر بھی زیادتی کی ہے۔ اور اپنے ہیرو پر بھی۔ تاہم اس کتاب میں کہیں کہیں عمدہ تصویف کام کی باہیں مل جاتی ہیں۔

(۲۷)

## تحقیقاتِ پشتی

خاصی ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب کا موضوع، لاہور کی عمارتوں اور باغات اور محلات، دیوانات کی تفصیل اور تاریخ بیان کرنا ہے۔ لیکن جو بات سرسید نے آثار الصنادید میں پیدا کر دی وہ تحقیقاتِ پشتی



میں پیدا نہ ہو سکی پھر بھی یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ کتاب بہت اہم اور بہت قابل قدر ہے۔ مولف نے غدر کا زمانہ دیکھا ہے۔ بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں۔ اس میں کوئی بات غدر یا بہادر شاہ کے متعلق نہیں ملنی چاہیے تھی، اور ہے بھی نہیں۔ مگر نمنا بعض بڑے کام کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ خصوصاً مولوی حبیب علی کے خود نوشت حالات جو مولف کی درخواست پر انھوں نے اس کتاب میں درج کیے ہیں۔ مولوی حبیب علی کا ذکر آپ اپنے موقع پر بلا حلف فرمائیں گے۔

(۲۸)

## تاریخ عروج عہد انگلشیہ

یہ خان بہادر شمس العلماء مولانا ذکاؤ اللہ صاحب کی فاضل اور شریح تاریخ ہے۔ ذکاؤ اللہ صاحب نے غدر کی تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ انھوں نے غدر کے اسلحہ میں جو کچھ دیکھا ہے وہ زیادہ تر مشاہدہ ہے۔ وہ گریزوں کے بہت بڑے خیر خواہ اور عقیدت مند تھے۔ ان کی حقیقت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی تاریخ میں اس امر پر زور دیا ہے کہ دلی کا پرانا اس آبادیاں شاہجہاں آباد بدایوں کا نام لائیں آباد رکھا جائے۔ آدمی تھا اور سنجیدہ تھے۔ رائے خواہ کچھ بھی رکھتے ہوں۔ کذب و دروغ سے ان کا دامن پاک تھا۔ انہذا واقعات بے کلمہ لکھے ہیں اور ان سے بے قائم کرنے تصویریں بنائے پھرنے میں اور واقعات کی وضاحت کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔

(۲۹)

## خانم انگلیس در بلو اے ہندوستان

یہ ایک فرانسیسی نژاد خاتون کی سرگزشت نام ہے۔ یہ ایک انگریز تاجر عظیم ہندوستان کی بیوی تھی، اور ہمیشہ کے اعتبار سے انگریزوں کی تھی۔ سرگزشت بیڑی در داگیر والہ افری ہے۔ یہ داستان خود اسی کے قلم نے لکھی ہے۔ وہ نہ ممد خ تھی، نہ سیاست دان، ایک عورت تھی، جو دیکھا لکھا دیا، جو محسوس کیا بیان کر دیا۔ اس نے سچ کہہ جانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ یہ سچ خواہ کسی کی حمایت میں ہو یا مخالفت میں۔ اس داستان میں اردن بے ساختہ ہے۔ اس داستان کے جو حصے غدر سے متعلق ہیں انھیں میں نے مربوط شکل دے کر اور مختلف حصے جمع

کر کے ایک مرتب داستان کی شکل دے دی ہے۔ دوسرے واقعات اپنے اپنے عنوانات کے ماتحت درج ہیں۔ یہ کتاب انگریزی زمان میں لکھی گئی تھی۔ وہاں سے فارسی میں مذکورہ نام سے شائع ہوئی۔ اردو میں ترجمہ دارالاشاعت پنجاب نے شائع کیا۔

(۳۰)

## غالب کا روزنامہ

یہ کتاب خواجہ حسن نظامی مرحوم مغفور کی مستفانہ شوخی اور ذہانت کا بڑا ازل آدین مجموعہ ہے۔ خواجہ صاحب نے مرزا غالب کے واقعات اور خطوط سے یہ روزنامہ مرتب کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”غالب کے خطوط میں جہاں جہاں غدر کا ذکر ضمناً آیا تھا، میں نے پوری تلاش و محنت سے اس کو الگ کر لیا اور ایسے طریقہ سے چھانٹا کہ روزنامہ کی عبارت معلوم ہونے لگی۔ غالب کے مکتوبات میں غدر کی کیفیت ایسی دبی ہوئی پڑی تھی کہ کوئی شخص اس کی خوبی اور اہمیت کو محسوس نہ کر سکتا تھا۔ خطوں کے ذیل میں ان عبارتوں کو بے قوتی سے پڑھ لیا جاتا تھا۔ میں نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اردو زبان میں غدر دہلی کی یہ لاثانی تاریخ جو موتیوں سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے اس طرح دبی ہوئی نہ پڑی ہے۔ اس لیے اس کو علیحدہ کرنا شروع کیا۔ اس تصنیف میں ایک حرف بھی میرا نہیں ہے، سب غالب کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔“

خواجہ صاحب کی یہ جدت ایک خدمت بن گئی ہے۔ یہ ایک ایسی گراں بہا اور قیمتی دستاویز ہے، جس کی صحبت اور پائے استناد سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ خواجہ صاحب نے اسے غدر دہلی کے مسلمانوں کا ساتواں حصہ بنا کر شائع کیا ہے اور اپنی دوسری کتابوں کی طرح اس کے بھی کئی ایڈیشن چھاپ چکے ہیں جو ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ ادراہب تو ان افسانوں کی کتابیں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہیں۔ تلاش بسیار کے باوجود کم از کم پاکستان میں تو ان کا سراغ نہیں لگتا۔

## یادگار دہلی

اردو میں دہلی کے متعلق جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، ان میں سرستید کی آثار الصنادید سے ضرور استفادہ کیا گیا ہے۔ بغیر اس کے حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر کوئی کتاب مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔

زیر گفت گو کتاب جناب سید احمد صاحب دہلی النبی کی تالیف ہے۔ سید صاحب زادان دہلی کے ایک فرد ہیں۔ ندر کے بعد دوسرے بہت سے مسلمانوں کی طرح ہوا خواہ سرکار ہو گئے تھے، یہ سرکاری کیا آمد ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کتاب کی ایک ایک سطر میں یہ رنگ چمک رہا ہے۔ پھر بھی کتاب بڑی گراں مایہ ہے۔

سرستید کے افادات کی تکرار کے علاوہ جن میں کام کی بہت سی چیزیں ہیں۔ دہلی کی شہر نہیں یہ کتاب بڑی محنت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اس میں دہلی کے چہرے چہرے کا ناں ہے اور ایسی نام سربراہ اور دہلی کے سب سے بڑے لوگوں کے جو عہد بہادر شاد میں یا ندر کے بعد دہلی میں تیار ہوئے ہیں ان کی نسبت رکھنی تھیں۔ موافق کا اظہار نظر دوسری چیز ہے اور اس سے کام کی باتیں خاص کر دوسری چیز ہیں۔ نئے اس کی نظری صورت سے فارہ نمایاں ہے۔ حوالہ دے دیا ہے۔ یہ کتاب شہر کے دربار کے موقع پر لکھی گئی تھی تاکہ باہر سے آنے والے لوگ دہلی اور دہلی کی شخصیتوں سے واقف نہ رہیں۔

## واقعات دار الحکومت دہلی اول دوم

دہلی اور واقعات دہلی کی یہ طویل ضخیم کتاب مولانا محمد اسحاق صاحب دہلی کے فرزند ارجمند سید شہیر الدین احمد صاحب مرحوم کلکتہ حیدر آباد کے رہنے والے تھے۔ دہلی کے حلیف کشن سنگھ مالویہ کی فرمائش سے یہ کتاب کی تھی اور حق دار کردہ تھا تحریک کا بھی اور وفاداری کا بھی۔

یہ کتاب معلومات سے بھرپور ہے اگرچہ اس میں آثار الصنادید اور دوسرے لوگوں سے فاضل مرتب نے استفادہ کیا ہے کہ بغیر اس کے پارہ نہ تھا۔ یہ کتاب انھوں نے احوال واقعات جمع

کئے ہیں۔ وہ تاریخ کے ہر طالب علم کے لیے بڑی قیمتی سرمایہ ہیں۔

بشیر الدین صاحب ان لوگوں میں سے تھے جن کا قلم انگریزوں کے لیے ہر مادی کامیابی کا منبع بن جاتا ہے۔ وہ ان کی برابری میں ایک ادا، ہر طور میں ایک آن، ہر رنگ میں ایک شان دیکھتے ہیں۔ اپنی قوم، اپنے بادشاہ، اپنی تہذیب، کسی چیز کا غم نہیں، اس خوشی میں کہ انگریز پنپ گئے، لیکن یہ ذہنیت بشیر الدین صاحب سے زبردست ہوئی تھی اور ان پر ختم ہوتی ہے، اس دور میں کچھ خصوصیت ہی یہ تھی اس سے دامن کشاں گزندہ آسان تھا۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں، میں نے اول، دوم دو حصوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا کہ میرے کام کی چیزیں یہیں تھیں۔ کچھ استفادہ تیسرے حصے سے بھی کیا ہے۔

(۳۳)

## بزمِ آخر

اس کتاب میں لال قلعہ کی زندگی، بہادر شاہ اور ان کے والد اکبر شاہ کے عہد کے واقعات بیگانہ کے انداز حیات پر، بہت سی مفید اور کارآمد باتیں ہیں۔

اس کے مصنف منشی فیض الدین صاحب ہیں جو بہادر شاہ کے متوسلین میں تھے۔ اس کتاب کے مستند ہونے کی تصدیق بہادر شاہ کے صاحبزادے نے کی ہے، جو یہ صورت تقریباً درج ذیل ہے :

تقریباً

مالی جناب محلی القاب صاحب عالم و عالمیان شاہزادہ میرزا محمد سلیمان شاہ

صاحب گورگانی سرپرست نمائندان تیموریہ

میں نے اس کتاب موسوم بہ بزمِ آخر کو جس میں ہمارے دو آخری بزرگوں کا طریق معاشرت لکھا ہے ملاحظہ کیا چونکہ یہ کتاب ہمارے قدیم متوسل منشی فیض الدین نے جو قلعہ میں پرورش پا کر چھوٹے سے بڑے ہوئے اور نیز صاحب عالم بہادر یعنی والد مقصود کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہے، لکھی ہے۔

اس لیے میں تصدیق کرتا ہوں کہ جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے، وہ ٹھیک اور درست ہے۔ موقوف صاحب



کی فرمائش سے اس کتاب کو دیکھا اور نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھا۔

وتمت خط خاص شایعہ زادہ صاحب موصوف الصدر

(مطبوعہ غلیمی پریس، دہلی)

(۳۴)

## تذکرہ رؤسائے پنجاب اول دوم

یہ بڑی مفصل و مکمل تاریخ ہے۔ پنجاب اور والیان ریاست اور رؤسائی۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اور دونوں حصے بڑے سائز کے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں ان حضرات کے کارنامے شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں جنہوں نے غدر کے پر آشوب زمانہ میں اپنی قوم اور ملک کے ساتھ مذاہن گر کے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ان کے لیے جان نثاری کی۔ اور ان کے بیٹے اپنے لوگوں کو بتلائے عتاب و الام کیا، پھر اسی صلہ میں بیش قرار جاگیریں، القاب اور خطابات حاصل کیے، اور جاہ و منصب کی منہ پر بھیجے۔ اس کتاب کا ایک حرف بھی غلط نہیں ہے۔ اس کے دو مصنف ہیں:

1. Sir Lepel H. Griffin - 2. Mr. Mary

اس پر نظر ثانی کا فریضہ ایک اور بزرگ H. D. Goss نے انجام دیا ہے۔

اصل کتاب کا انگریزی نام ہے Chiefs and Families of noble in the Punjab

اس کتاب کو ۱۹۱۱ء میں حکومت پنجاب نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا تھا۔ یہ کتاب رکارڈی

و مساویزات کاغذات اور معاہدات کے پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی صحت شک و شبہ سے خالی ہے۔

اٹھارہ سو صفحات میں کتنے رئیسوں، نوجوان سرداروں اور راجوں کا تذکرہ ہو گا۔ اس کا

آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، اور اعتراف خدمات میں دلائل شواہد

کے ساتھ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی ہے۔

میں نے بڑی سختی اور بے دردی سے انتخاب کیا ہے اور بہت زیادہ اختصار کروا دیا ہے۔ اس کا

میں بھی، اور واقعات و حالات میں بھی، میں نے جو کچھ لیا ہے : مشتے نمونہ اور خردارے، سمجھنا چاہیے۔  
لیکن اس سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب آزادی کی ناکامی تمام تر، خود ہندوستان کے  
کپوتوں کی غداری اور خود غرضی پر مبنی تھی ع کہ بامن آنچہ کرد آل آشنا کرد

(۳۵)

## سرطامس مٹکاف کی ڈائری

سرطامس مٹکاف بہادر شاہ کے دربار میں انگریزوں کی طرف سے ریڈیڈنٹ اور گورنر جنرل ایسٹ  
انڈیا کمپنی East India Co. کے ایجنٹ تھے مٹکاف صاحب کی یہ ڈائری فارسی زبان میں تھی اور  
نئی مہلوہ تھی، خواجہ حسن نظامی مرحوم نے منہ مانگی قیمت دے کر اسے خریدا اور بڑے اہتمام کے ساتھ تدریجی  
کے افسانوں کا تیرھوں حصہ بنا کر شائع کیا۔

اس روزنامے میں بہادر شاہ کا حال بہت تھوڑا ہے۔ اور دہلی کے انگریز ریڈیڈنٹ کے حالات زیادہ  
ہیں۔ مٹکاف نے یہ کتاب درحقیقت اپنے اور انگریزوں کے پروپیگنڈے کے لیے لکھوائی تھی۔ اس میں ۱۸۵۹ء  
کے ان سب واقعات کا ذکر ہے جو اس زمانہ میں انگریزوں کو پیش آئے تھے۔ اور طرز تحریر بھی، بہادر شاہ اور  
ہندوستانیوں کے خلاف اس لیے ہے کہ ریڈیڈنٹ کے ایما سے لکھی گئی تھی ۹

(۳۶)

## لال قلعہ کی ایک جھلک

خواجہ سیدنا صمدیر فراق مرحوم، خواجہ میر درد کے باقیات الصالحات تھے۔ غدر انھوں نے اپنی  
آنکھوں سے نہیں دیکھا، لیکن ان لوگوں کو دیکھا، جن پر غدر کی بیٹا پڑی تھی۔ چونکہ بہادر شاہ سے عقیدت، دلی  
سے محبت لال قلعہ سے اہل خانہ عشق تھا۔ اس لیے اس سلسلہ میں بڑے بوڑھوں یا بڑی بوڑھیوں سے جو کچھ سن لیتے  
تھے اسے صفحہ قرطاس پر محفوظ کرتے تھے۔ لال قلعہ کی جھلک اسی طرح ایک کامیاب اور دلچسپ کوشش ہے۔  
لال قلعہ کی ایک جھلک میں جو واقعات درج ہیں۔ وہ ننھی خانم سے منقول ہیں۔ ننھی خانم بہادر شاہ

کے زمانہ محل کی بکاول احمد خانم کی بہو تھیں۔ اور سارا وقت ساس کے ساتھ قلعہ میں صرف کرتی تھیں۔ بہادر شاہ کے حضور میں بھی انھیں حاضر ہونے اور کھلانے پلانے کے سلسلہ میں رہنا پڑا تھا۔ یہ ننھی خانم حاضر وزیر فراق کی والدہ کی سہیلی تھیں۔ لہذا بارہوری میں خواجہ میر دردؒ کے یہاں اکثر آیا کرتی اور بی دہن گملاتی تھیں۔ فقیر فراق عرض کرتا ہے کہ میں نے بی دہن کو ۲۹۲ھ میں دیکھا۔ بڑھاپے کے بارے سوکھ کر پھر سو گئی تھیں۔ پھونس تھیں۔ ہم سب بھائی بہن ثانی دہن کہتے تھے۔ ان کے منہ سے بہت سی کہانیاں اور لال قلعہ کے بہت سے حالات سنے ہیں۔ یہ میر بی الدہ کو حضرت یابگیم صاحب کہتی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر بات کرتی تھیں۔ لال قلعہ اور بہادر شاہ کا کچھ حال بیان کرتی تھیں تو ان کی ایک آنکھ سادون اور ایک آنکھ بھادوں بن جاتی تھی۔ سسکیاں بھرتی جاتی تھیں اور باتیں کرتی جاتی تھیں۔ دہلی کو شاہجہاں آباد اور کبھی اجڑا دیار کہتی تھیں۔ بادشاہ کو جہاں پناہ اور حضور کے سوا اور غلط سے یاد نہ کرتی تھیں۔ بات کو سخن کہتی تھیں۔ بادشاہ کے ہزاروں شعر یاد تھے۔

تاریخ کئی چیزوں سے مرتب ہوتی ہے۔ اور یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اس کی سببیت ترکیبی ہیں سب سے زیادہ اہمیت اس طرح کی روایات کو ہوتی ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے ایک مستند تاریخی کتاب تسلیم کیا جائے۔

(۳۷)

## فغان دہلی

فغان دہلی کا پہلا ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں یعنی غدر کے ۵ سال بعد شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ نہیں اور غزلیں درج ہیں جو غم غدر کو عالم آشوبی، تباہ کاری، شکست و ریخت، اور بربادی ویرانی سے متعلق ہیں۔ منشی افضل حسین قاسم نے جو غالب کے شاگرد تھے۔ یہ مجموعہ مرتب کیا تھا اور مذکور نام۔ ”اکمل المطالع دہلی“ میں طبع کرایا تھا۔ اس میں وقت کے بلند پایہ شعرا کے مرثیے درج ہیں۔ ان میں متعدد شعرا ایسے ہیں جن کی کئی کئی غزلیں یا مستز یا شعر شعریں درج ہیں۔ میں نے سرف چیدہ اصحاب کا کلام لیا ہے۔ وہ بھی سب کا سب نہیں منتخب!



## تاریخ عجیب

یہ ایک مجاہد جلیل کی خود نوشت سوانح حیات ہے، مولانا محمد جعفر تھانیسری حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے باقیات الصالحات میں سے تھے۔ استھانہ ان کا مرکز تھا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انھوں نے حصہ لیا۔ فرنگی راج کو زرخ و بن۔ بے اکھاڑ پھینکنے کے لیے انھوں نے تن من کی بازی لگادی۔ ہر اس تدبیر میں جو انگریزوں کے استیصال کا سبب بنے، خطرات اور ہلاکت سے بے پروا ہو کر شریک ہو جاتے تھے۔ خوش حال، مالدار اور عالم آدمی تھے۔ اس تحریک پر دل و جان سے نثار تھے۔ اپنی جان کو داؤں پر لگانے سے ذرا نہیں ہچکچاتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی اور ان کے رفقاء کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ سخت ترین اذیتیں دی گئیں، پہلے پھانسی کی سزا دی، پھر کالے پانی کا حکم سنایا گیا۔ لیکن پھانسی کی سزا پا کر خوش ہوئے اور کالے پانی کا نام سن کر ذرا بخیدہ کیا کہوں کیسی شہادت ملتے ملتے رہ گئی۔

کالے پانی گئے وہاں رونگٹے کھڑے کر دینے والی اذیتوں اور مصیبتوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ جب کالے پانی پہنچے، تو صرف عربی فارسی جانتے تھے۔ انگریزی سے نا بلد تھے۔ وہاں رہ کر حسب ضرورت انگریزی سیکھی۔ مطالعہ وسیع کر لیا۔ جب لاہور سے تو اس عزم کے ساتھ کہ ولایت جائیں گے اور ڈاکٹر حسرت کے ہنر کا جواب دیں گے جس نے *Our India muslims* لکھ کر مسلمانوں کے دل کو چرکا لگایا تھا۔

کتاب بڑی دلچسپ ہے اور بڑے لرزہ خیز احوال و حوادث پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں ایک بڑی کمی بھی ہے۔ مولانا نے سب کچھ لکھا ہے، لیکن رفقاء زندان کے ذکر سے بالکل گریز کیا ہے۔ حالانکہ اس دور میں جوئی کے مسلمان ان کے ساتھ کالے پانی میں ابتلا کی زندگی بڑے استقلال اور وقار کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔ حق بات یہ ہے کہ مولانا پر "انا" اور تحریک و ہدایت کا جوش اس قدر نمایاں غالب تھا کہ وہ اپنے اور اپنی تحریک کے سوا کسی اور چیز کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر انھوں نے کالے پانی کے دوسرے بلند مرتبت اور اعلیٰ مقام اسیروں کا ذکر کیا ہوتا تو اس کتاب کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہوتی۔ اور موجودہ صورت میں بھی یہ کتاب بڑی گراں مایہ ہے۔





حضرت امام ابو حنیفہ ،  
 حضرت امام احمد بن حنبل -  
 حضرت امام مالک اور فقہ نے فقہ اسلامی کے  
 لیے اس کے اسوے کا مقام ہے کہ ہم ان  
 کے لیے اس کے علوم نہ ہو کہ ان حضرات  
 کے لیے اس کے علم کا کیا عالم تھا ؟ ذہن و  
 قوت دینی ہوتی تھی ؟ پایۂ اجتہاد و فقہ کیا  
 بنائی ہے ان کے مکمل و مستند احوال و  
 زندگی کا کچھ ہے ۔ ان کا مطالعہ آپ کو فقہ  
 اور حیات اور عظمت سے روشناس کر دے گا ۔ ساتھ  
 کے احوال و جوانح سے بھی آپ کو مکمل واقفیت  
 قیمت ۷ روپے ۸ آنے

## تلخیص البخاری

(اردو ترجمہ مع متن)

اس کتاب میں امام بخاری کی مایۂ ناز کتاب صحیح بخاری کو  
 خلاصہ حاصل ہے ، اس کا ہر مسلمان معترف ہے ۔ اردو  
 میں بخاری کے نام سے بخاری شریف کے کئی خلاصے  
 ہیں ان کے تراجم قدیم قسم کی اردو میں ہیں ۔ نیز ان  
 کے تراجم ابواب پر رکھی گئی ہے ۔ جس سے بعض وقت  
 بہت ہی آسانی سے جاتا ہے ۔ فاضل مصنف کی عمیق نظری  
 بخاری کے نام سے صحیح بخاری کی جن حدیثوں کو اپنے  
 میں شامل کیا ہے ، ان کی خصوصیت یہ ہے :-

۱۔ روایات صاف ، مستند و رواں ہے ۔

۲۔ اس میں بھی ترجمہ کے ساتھ ساتھ درج ہے ۔

۳۔ اس میں رکھی ہے کہ وہ بے نتیجہ تھی ۔ ہر ایک  
 کے لحاظ سے ایسی ترتیب رکھی ہے کہ مورخ  
 علم ، عورت اور ایک عامی ہر ایک کی ضرورت  
 تک تک مل سکتی ہیں ۔ قیمت مجلد ۱۲ روپے

علامہ علی انیسٹر تاجران کتب کشمیری بازار



حضرت امام ابو حنیفہ ،  
 حضرت امام احمد بن حنبل -  
 اور فقہ نے فقہ اسلامی کے  
 اسوس کا مقام ہے کہ ہم ان  
 کے علوم نہ ہو کہ ان حضرات  
 کا کیا عالم تھا ؟ ذہن و  
 پایۂ اجتہاد و فقہ کیا  
 ان کے مکمل و مستند احوال و  
 ان کا مطالعہ آپ کو فقہ  
 اور عظمت سے روشناس کر دے گا ۔ ساتھ  
 کے احوال و جوانح سے بھی آپ کو مکمل واقفیت  
 قیمت ۷ روپے ۸ آنے

## تلخیص البخاری

(اردو ترجمہ مع متن)

اس کتاب میں امام بخاری کی مایۂ ناز کتاب صحیح بخاری کو  
 حاصل ہے ، اس کا ہر مسلمان معترف ہے ۔ اردو  
 بخاری کے نام سے بخاری شریف کے کئی خلاصے  
 ان کے تراجم قدیم قسم کی اردو میں ہیں ۔ نیز ان  
 پر بھی ابواب پر رکھی گئی ہے ۔ جس سے بعض وقت  
 بہت سہل ہو جاتا ہے ۔ فاضل مصنف کی عمیق نظری  
 بخاری کے نام سے صحیح بخاری کی جن حدیثوں کو اپنے  
 شامل کیا ہے ، ان کی خصوصیت یہ ہے :-

۱۔ روایت صاف و مستحکم و رواں ہے ۔

۲۔ اس میں بھی ترجمہ کے ساتھ ساتھ درج ہے ۔

۳۔ اس میں رکھی ہے کہ وہ بے نتیجہ تھی ۔ ہر  
 کے لحاظ سے ایسی ترتیب رکھی ہے کہ مورخ  
 علم ، عورت اور ایک عامی ہر ایک کی ضرورت  
 الگ الگ مل سکتی ہیں ۔ قیمت مجلد ۱۲ روپے

علامہ علی انیسٹر تاجران کتب کشمیری بازار